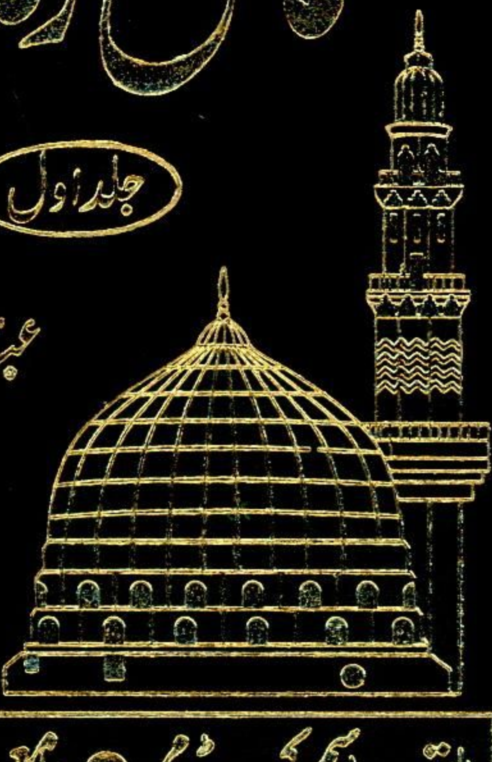
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

شرح شمائل ترمذی

جلد اول

مولانا عبدالقیوم حقانی



القاسم اکیڈمی ● جامعہ ابوہریرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

شرح شمائل ترمذی

جلد اول

مولانا عبدالقیوم حقانی



القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام	:	شرح شمائل ترمذی (جلد اوّل)
تصنیف	:	مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	743 صفحات
پروف ریڈنگ	:	اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہٗ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمان، جان محمد جانؔ، مولوی مظہر علی اراکین القاسم اکیڈمی
سنِ اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء
سنِ اشاعت سوم	:	ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ / اپریل ۲۰۰۸ء
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
		برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون : 0923-630237 .... موبائل : 033309102770

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس، 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی،

جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہیدؒ، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

یہ شرحِ شمائل عجب دلربا ہے

برادرِ محترم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف شرح شمائل ترمذی مکمل (اردو) پر دل کی گہرائیوں سے منظوم تأثرات

یہ شرحِ شمائل، عجب دلربا ہے — جو عکسِ رخِ سرورِ مصطفیٰؐ ہے
نبیؐ کی ہیں اس میں، بہشتی ادائیں — یہ سیرت کا نقشہ، یہ صورت نما ہے
یہ ذکر شب و روز، خیر الورائؐ — برائے محبّاں، نرالی عطا ہے
یہ عینین مکحّل، یہ گیسو کی باتیں — یہ قدّ و سراپا، جدا ہے جدا ہے
یہ مُہر نبوت، یہ شانِ جلالی — جمالِ محمدؐ، کا اپنا مزا ہے
محبت میں لکھی، عقیدت میں ڈوبی — یہ تاثیر اس میں، بفضلِ خدا ہے
ہر اک سطر اس کی، ہے اکسیرِ اعظم — کہ بہر مریضاں، دوائے شفا ہے
ادب کی حلاوت، قلم کی طراوت — فصاحت بلاغت، کا اک آئینہ ہے
یہ حقانی پر ہے، انعامِ کریمی — یہ جہدِ مسلسل، کا گویا صلہ ہے

قلم اک موفق، من اللہ اس کو
خزانۂ غیبی سے، فانی ملا ہے

از !! حافظ محمد ابراہیم فانی (۲۳ رجون ۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلَغَ   الْعُلٰے   بِكَمَا لِهٖ

كَشَفَ   الدُّجٰی   بِجَمَا لِهٖ

حَسُنَتْ   جَمِيْعُ   خِصَا لِهٖ

صَلُّوْا   عَلَيْهِ   و   آلِهٖ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

''شرح شمائل ترمذی جلداول''

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ (شیخ الحدیث مولانا فیض احمد)	۲۷	عبادہ کی اضافت	۵۱
دعا	۳۲	الذین اصطفی سے مراد	۵۱
شرح شمائل ترمذی کی خصوصیات	۳۳	مصنف پر اعتراضات اوران کے جوابات	۵۲
حرفِ آغاز	۳۹	الذین اصطفیٰ کی ترکیب	۵۴
خطبہ کتاب	۴۳	قال الشیخ	۵۴
تشریح وتوضیح	۴۳	الحافظ	۵۵
اعتراض اوراس کا جواب	۴۳	کنّیت ابو عیسیٰ کی بحث	۵۶
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۴۴	الترمذی	۵۸
بسملۃ کی فضیلت	۴۴	ایک مغالطہ کا ازالہ	۵۸
الحمد للہ	۴۶	قال الشیخ ۔۔الخ کا قائل کون ہے؟	۵۸
حمد کی بحث	۴۷	امام ترمذیؒ (اجمالی سوانح وتذکرہ)	۵۹
حمد وشکر اور مدح کا فرق	۴۷		
اشکال اوراس کے جوابات	۴۸		
لفظ ''اللہ'' کی تحقیق	۴۹	امام ترمذیؒ کے حالات زندگی	۵۹
سوال وجواب	۴۹	نسب	۵۹
وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ کی توضیح	۵۰	تعلیمی سلسلہ	۶۰

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
امام ترمذی، امام بخاری کی نظر میں۔۔۔	۶۰	سمعه کی بحث۔۔۔۔۔۔۔	۷۳
رواية البخاری عن الترمذی۔۔۔	۶۱	ترکیبِ لفظِ یقول۔۔۔۔۔۔	۷۳
مسند درس پر تمکن۔۔۔۔۔۔۔	۶۲	ایک اشکال کا جواب۔۔۔۔۔۔۔	۷۴
تصانیف۔۔۔۔۔۔۔	۶۲	لفظ کان کا معنیٰ۔۔۔۔۔۔۔	۷۴
قوت حافظہ۔۔۔۔۔۔۔	۶۲	قد مبارک۔۔۔۔۔۔۔	۷۵
عبادت و پرہیزگاری۔۔۔۔۔۔۔	۶۴	شہکارِ فطرت۔۔۔۔۔۔۔	۷۷
وفات۔۔۔۔۔۔۔	۶۴	رنگ مبارک۔۔۔۔۔۔۔	۷۷
باب ماجاء		شدتِ بیاض کی توجیہات۔۔۔۔۔۔	۷۸
	۶۵	بال مبارک۔۔۔۔۔۔۔	۸۰
فی خلق رسول اللهؐ		بعثت نبوی۔۔۔۔۔۔۔	۸۲
(حضورؐ کے حلیہ مبارک کے بارے میں)		ماہ ربیع الاول اور پیر کے روز کی خصوصیات۔	۸۳
باب کا لغوی معنیٰ۔۔۔۔۔۔۔	۶۵	چالیس سال۔۔۔۔۔۔۔	۸۳
باب کا اصطلاحی معنیٰ۔۔۔۔۔۔۔	۶۶	دو شبہات کا ازالہ۔۔۔۔۔۔۔	۸۳
ایک اعتراض اور جواب۔۔۔۔۔۔۔	۶۶	قیام مکہ میں دس یا تیرہ سال۔۔۔۔۔	۸۴
لفظِ باب کے اعراب۔۔۔۔۔۔۔	۶۷	عمر مبارک کی تعیین۔۔۔۔۔۔۔	۸۵
لفظِ خَلق کی بحث۔۔۔۔۔۔۔	۶۸	ربعة۔۔۔۔۔۔۔	۸۷
لفظِ خُلق کی بحث۔۔۔۔۔۔۔	۶۹	طویل اور قصیر کا مفہوم۔۔۔۔۔۔	۸۸
تقدیم صفات الظاهرة علی الباطنه۔	۷۰	جسم مبارک کی خوبصورتی۔۔۔۔۔۔	۸۸
متنِ حدیث سے قبل۔۔۔۔۔۔۔	۷۱	صباحت و ملاحت کا متناسب امتزاج۔	۸۹
اخبرنا۔۔۔۔۔۔۔	۷۲	لونِ اسمر و ابیض میں تطبیق۔۔۔۔۔۔	۸۹
رموز و اشارات۔۔۔۔۔۔۔	۷۲	رفتار مبارک۔۔۔۔۔۔۔	۹۰
قراءتِ حدیث کا راجح طریقہ۔۔۔۔۔	۷۲	یعنی کا فاعل کون۔۔۔۔۔۔۔	۹۲

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
لفظِ رجلاً کی بحث	۹۳	انقطاعِ روایت کا اشکال	۱۱۲
لفظِ مربوع، منکبین اور بعید	۹۴	وُلِدَ عَلی	۱۱۳
بال مبارک (وفرہ، لمّہ، جمّہ)	۹۵	الطویل الممغط	۱۱۳
ایک اشکال اور اس کا جواب	۹۷	القصیر المتردد	۱۱۴
حلّۃ کا مفہوم	۹۷	ربعة ورجلاً	۱۱۴
سرخ کپڑے پہننے کا حکم	۹۸	مطهّم ومكلثم	۱۱۵
احنافؒ کے دلائل	۹۹	تدویر	۱۱۶
حسنِ کامل	۹۹	ابیض مشرب	۱۱۶
لفظِ قطط کی بحث، امام اعظمؒ کا واقعہ	۱۰۰	ادعج العینین	۱۱۷
نفی قیدِ زائد بھی اور مساوی کی بھی	۱۰۲	اهدب الاشفار	۱۱۷
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۱۰۳	جلیل المشاش	۱۱۸
عظیم الجمّة اور ذی لمة میں تعارض نہیں	۱۰۴	تقلّع کا معنی	۱۱۹
بال مبارک کی مختلف روایات میں تطبیق	۱۰۴	خاتم النبوة	۱۲۰
ہتھیلیاں اور قدمین مبارک	۱۰۵	لفظِ خاتم کی بحث	۱۲۰
سر مبارک اور اعضاء واندام کے جوڑوں کا بیان	۱۰۶	اجود الناس صدراً	۱۲۱
المسربہ	۱۰۷	اصدق الناس لهجة	۱۲۲
اندازِ رفتار	۱۰۷	وضع المظهر موقع المضمر	۱۲۳
کمالِ جمال کی حسین تعبیر	۱۰۸	الینهم عریکة	۱۲۴
روایت علیؓ پر اعتراضات اور جوابات	۱۰۹	خاندانی تفوّق وامتیاز	۱۲۵
مثلہ، نحوہ اور بمعناہ	۱۱۰	رعب بھی اور محبوبیت بھی	۱۲۶
اور درس حدیث پر کچھ نہیں لوں گا			

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
قال ابو عیسیٰ----------	۱۳۰	ازجّ الحواجب----------	۱۵۵
فی تفسیر صفة النبیؐ----------	۱۳۱	بینهما عرق----------	۱۵۶
قامتِ معتدل----------	۱۳۲	ناک مبارک کا تذکرہ----------	۱۵۸
جسمِ اطہر کی وضع مبارک----------	۱۳۳	رخسار مبارک----------	۱۵۹
املاء کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ----------	۱۴۰	دہن مبارک----------	۱۵۹
رجل بنی تمیم اور ابو هالة----------	۱۴۱	دانت مبارک----------	۱۶۰
ابا عبدالله منصوب کیوں؟----------	۱۴۲	گردن مبارک----------	۱۶۰
ابن لابی هالة----------	۱۴۳	معتدل الخلق----------	۱۶۲
سندی انقطاع کا اشکال اور جواب----------	۱۴۳	بادن متماسک سواء البطن والصدر	۱۶۳
وکان وصّافاً----------	۱۴۴	ظاہری اعضاء کی نورانیت----------	۱۶۴
لفظِ ''عن'' کی بحث----------	۱۴۵	لبّہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر----------	۱۶۵
حضرت حسنؓ کا سوال کیوں؟----------	۱۴۵	ثدیین 'ذراعین اور زندین کی بحث----------	۱۶۵
فخماً مفخّماً----------	۱۴۶	انگلیاں 'پوٹے' تلوے اور قدمین مبارک	۱۶۷
چہرہ انور----------	۱۴۷	چال مبارک----------	۱۶۸
موزون قامت----------	۱۴۸	مبارک نگاہیں----------	۱۷۰
سر مبارک----------	۱۵۰	ایک تعارض کا حل----------	۱۷۰
مولانا محمد زکریاؒ کا ترجمہ وتشریح----------	۱۵۲	صحابہؓ کے ساتھ چلنے کی کیفیت----------	۱۷۲
سر کے بال اور حضورؐ کا معمول----------	۱۵۲	سلام میں پہل----------	۱۷۳
ازهر اللون----------	۱۵۳	چہرہ 'آنکھ اور ایڑیاں----------	۱۷۴
واسع الجبین----------	۱۵۴	جمال محمد ﷺ----------	۱۷۶

عنوان	صفحہ نمبر
چہرہ انور	۱۷۹
جمال جہاں آراء	۱۸۱
حدیث مبارک کی تشریح	۱۸۲
مقام عرض کی تعیین	۱۸۳
حضرت موسیٰ ؑ کی مشابہت	۱۸۳
حضرت عیسیٰ ؑ کی مشابہت	۱۸۴
حضرت ابراھیمؑ کی مشابہت	۱۸۵
حضرت جبرائیلؑ کی مشابہت	۱۸۵
تین انبیاء کا انتخاب کیوں؟	۱۸۶
حضرت ابوطفیلؓ کی توصیفِ رسولؐ	۱۸۸
ایک اشکال سے جواب	۱۸۸
جمال وکمال کا مرقع	۱۸۹
دانتوں کی نورانیت	۱۹۱
باب ماجاء فی خاتم النبوة (حضورؐ کی مہرِ نبوت کے بارے میں)	۱۹۳
مہرِ نبوت	۱۹۳
خاتمِ نبوت کی ہیئت یا حقیقت	۱۹۴
کتبِ سابقہ میں اس کا ذکر	۱۹۴
مہرِ نبوت پر لکھائی	۱۹۵

عنوان	صفحہ نمبر
مہرِ نبوت کب بنی؟	۱۹۵
سائب کی بارگاہِ نبوت میں حاضری	۱۹۶
حضورؐ سے خطاب کے وقت درود کا حکم	۱۹۶
لفظِ وجع کی تشریح	۱۹۷
سر پر ہاتھ پھیرنے کی علت؟	۱۹۷
دم کرنے کا مسنون طریقہ	۱۹۸
برکت کا مفہوم	۱۹۸
لفظِ وضوء کی تحقیق	۱۹۹
حضورؐ کا ماءِ مستعمل اور صحابہؓ کا طرزِ عمل	۱۹۹
شربِ وضوء کے تین احتمال	۲۰۰
شوافعؒ کے استدلال سے احنافؒ کا جواب	۲۰۰
زر الحجلة	۲۰۱
مہرِ نبوت کا رنگ اور حجم	۲۰۲
موضع استشهاد	۲۰۴
ایک اشکال کا جواب	۲۰۵
حضرت سعد بن معاذؓ	۲۰۵
انتباہ	۲۰۶
اهتزله العرش کی تشریح	۲۰۶
ایک ضعیف توجیہ کی تردید ودلائل	۲۰۸
تتمۂ بحث	۲۰۹
غیر ذوی العقول کا ادراک	۲۱۰

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
محل مہر نبوت ----------	۲۱۱	صیغہ جمع متکلم لانے کی توجیہات ---	۲۲۶
حضرت ابوزیدؓ کو مسِ ظہر کا حکم ---	۲۱۲	لفظِ اسبطوا کا معنیٰ وتشریح -------	۲۲۶
حضورؐ کی حضرت ابوزیدؓ کیلئے دعا۔	۲۱۳	ھدیہ لینے والے کے لئے عملِ مستحب --	۲۲۷
مہر نبوت کی تفصیلات --------	۲۱۳	ھدایا میں اشتراک کا مسئلہ -------	۲۲۷
مہر نبوت کی روایات میں تطبیق ----	۲۱۴	ھدیہ کہاں سے آیا ---------	۲۲۹
گلٹی جس پر بال اگے ہوں ------	۲۱۴	ھدیہ کب قبول کرنا چاہیئے ------	۲۲۹
ایک اشکال سے جواب --------	۲۱۶	کیا سلمان فارسیؓ کی خرید جائز تھی؟ ----	۲۳۰
سلمان فارسیؓ کا تذکرہ ---------	۲۱۷	مہر نبوت کی زیارت ----------	۲۳۰
عموریا کے پادری کے ہدایات ------	۲۱۸	مسئلہ بیع وشرط -----------	۲۳۱
سلمانؓ بارگاہِ نبوت میں --------	۲۱۸	ابوسعید الخدریؓ کی وضاحت -----	۲۳۲
سلمانؓ مسلمان ہوگئے --------	۲۱۹	بضعۃ ناشزۃ کی توضیح ------	۲۳۲
مائدۃ کی حقیقت ----------	۲۲۰	لفظِ درت کا معنیٰ ---------	۲۳۴
اختلاف اوصاف سے اشیاء کے اسماء بدل جاتے ہیں	۲۲۱	ھٰکذا کی مراد ---------	۲۳۴
کجھور طعام ہے یا فاکھۃ ------	۲۲۲	حضورؐ نے کیسے پہچانا -------	۲۳۴
مختلف روایات کی تطبیق --------	۲۲۳	مہر نبوت ایک تھی ---------	۲۳۴
سلمانؓ کو نام سے پکارا -------	۲۲۳	شیطان کی جگہ کہاں ہے؟ ------	۲۳۵
ماھذا؟ سے غرض سوال کیا تھی؟ ----	۲۲۴	لفظِ الجُمع کی توضیح --------	۲۳۶
صدقہ اور ھدیہ کی بحث --------	۲۲۴	خیلان وثآلیل کا معنیٰ -------	۲۳۶
ایک علمی فائدہ ----------	۲۲۵	حضورؐ کے لئے دعاء مغفرت کا مفہوم۔	۲۳۷
صدقہ اٹھانے کا حکم --------	۲۲۵	لفظِ ولک کی تشریح --------	۲۳۷

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت عبداللہ کی رویت ولقاء اورسماع	۲۳۸
حضورؐ کا استغفار	۲۳۹
مہر نبوت کی مزید تفصیل	۲۴۰
باب ماجاء فی شعر رسول اللہؐ (حضورؐ کے بالوں کے بیان میں)	۲۴۲
خلاصہ مضامین	۲۴۲
سر کے بال اور حضورؐ کا معمول	۲۴۳
نصف کانوں تک بال	۲۴۴
زوجین کا ایک برتن سے غسل	۲۴۵
تطبیق کی صورتیں	۲۴۵
ایک برتن سے غسل اور مسئلہ ستر	۲۴۶
شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد	۲۴۷
فوق الجمہ دون الوفرہ	۲۴۹
روایات میں تطبیق	۲۴۹
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد	۲۵۰
الجمہ کی مزید تشریح	۲۵۱
حدیث باب کی تشریح	۲۵۲
ولہ اربع غدائر کی تحقیق	۲۵۳
مکہ شریف قدومِ میمنت	۲۵۴

عنوان	صفحہ نمبر
سوید بن نصرؒ	۲۵۴
سدلِ شعر کی صورت	۲۵۶
مانگ نکالنے میں مشرکین اور اہلِ کتاب کا عمل	۲۵۶
موافقت اہل کتاب کی توجیہات	۲۵۷
روایاتِ باب میں تطبیق	۲۶۰
باب ماجاء فی ترجّل رسول اللہؐ (حضورؐ کے کنگھی کرنے کے بیان میں)	۲۶۳
احادیث باب کا مضمون	۲۶۳
کنگھی کرنا مندوب ہے	۲۶۳
حالتِ حیض میں خدمتِ زوج کا شرعی حکم	۲۶۵
ایک تعارض اور اس کا جواب	۲۶۵
حضور اقدسؐ کا تیل کنگھی کرنا	۲۶۷
القناع کا استعمال	۲۶۸
ثوب زیات سے تشبیہ پر اعتراض کے جوابات	۲۶۸
تیامن کی فضیلت	۲۷۰
شیخ عبدالحقؒ کی توضیح	۲۷۱
اختیارِ تیامن کی بعض دیگر توجیہات	۲۷۱
عمل تیامن میں وسعت	۲۷۲
ملا علی قاریؒ کی توضیح	۲۷۳

عنوان	صفحہ نمبر
تدھین وتسریح میں وقفہ	۲۷۴
ابن عربیؒ کا ارشاد	۲۷۴
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد	۲۷۵
جب سند میں صحابی مجہول ہو	۲۷۵
عن رجل	۲۷۵
کنگھی کرنے میں سنت طریقہ	۲۷۶
باب ماجاء فی شیب رسول اللہ ﷺ	۲۷۷
(حضورؐ کے سفید بال آجانے کے بیان میں)	
شیب کا معنیٰ اور آثار	۲۷۷
موئے مبارک اور امّ سلمۃؓ کا معمول	۲۷۸
صحابہؓ کی موئے مبارک سے محبت	۲۷۹
کیا حضورؐ نے خضاب لگایا تھا؟	۲۸۰
یبلغ میں ضمیر کا مرجع	۲۸۰
صدغین میں سفیدی	۲۸۱
صدغین میں حصر کیوں	۲۸۲
خضاب کی نفی واثبات، تعارض کا جواب	۲۸۲
خضاب کی جائز اور ناجائز صورتیں	۲۸۴
شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا ارشاد	۲۸۵
سفید بالوں کی تعداد میں اختلاف اور تطبیق	۲۸۵

عنوان	صفحہ نمبر
نحوی بحث	۲۸۷
سفید بال بہت کم تھے	۲۸۷
قلتِ شیب کی ایک توجیہ	۲۸۸
قیامت کے مناظر نے بوڑھا کردیا	۲۸۹
یا رب امتی	۲۹۰
مضمونِ حدیث	۲۹۳
آپؐ کو بوڑھا کردینے والی سورتیں	۲۹۳
ھذا نبی اللہ	۲۹۵
جمالِ رخِ انورؐ	۲۹۵
ایک امتی کا جمال اور جلال	۲۹۶
ثوبان اخضران کی تشریح	۲۹۶
سبز لباس پہننے کا حکم	۲۹۷
سفید بالوں کا سنہری منظر	۲۹۷
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۲۹۸
سفید بال اکھیڑنے کا حکم	۲۹۹
باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ	۳۰۰
(حضورؐ کے خضاب کرنے کے بیان میں)	
خضاب کا معنیٰ	۳۰۰
گذشتہ باب سے ربط	۳۰۰

عنوان	صفحہ نمبر
مسئلہ خضاب کی تفصیل اور شرعی حکم	۳۰۰
علماء احناف کا رجحان	۳۰۱
شوافعؒ کا مسلک	۳۰۱
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۳۰۴
رسمِ جاہلیت کا بطلان	۳۰۴
ملا علی قاریؒ کی نقل روایات	۳۰۵
نفی اور اثبات کی روایت میں تطبیق	۳۰۵
قال ابو عیسیٰ	۳۰۶
متن حدیث کی اجمالی تشریح	۳۰۷
غرضِ قال ابو عیسیٰ	۳۰۸
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۰۹
ایک اشکال سے جواب	۳۱۰
عبدالجواد الدومیؒ کی تلخیص بحث	۳۱۱
لونِ اصفر کی ترغیب و برکات	۳۱۲
سفید بالوں کے اکھاڑنے کا حکم	۳۱۳
باب ماجاء فی کُحل رسولِ اللہ ﷺ	۳۱۴
(حضورؐ کے سرمہ کے بیان میں)	
سرمہ کا استعمال، شرعی حکم اور منافع	۳۱۴
حضور اقدسؐ کا معمول	۳۱۵
ابن عربیؒ کا ارشاد	۳۱۵
اثمد کی فضیلت و برکات	۳۱۶
بعض ائمہ متبوعین کے آراء و دلائل	۳۱۸
لفظِ زعم کی بحث	۳۱۸
لفظِ مکحلة کی بحث	۳۱۹
عملِ تثلیث کی حکمت و برکات	۳۱۹
ایتار کی صورتیں اور حکمت و برکات	۳۲۰
شیخ عبدالرؤفؒ کی توضیح وتنبیہ	۳۲۱
لفظِ ح کی توضیح	۳۲۲
"ح" کا تلفظ اور معنیٰ	۳۲۲
آنکھوں میں سرمہ لگانے کا طریقہ	۳۲۳
بیان اختلافِ الفاظ	۳۲۳
بعضِ الفاظ حدیث کی تشریح	۳۲۴
منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل	۳۲۴
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۳۲۶
ایرادِ حدیث کا مقصد	۳۲۷
باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ	۳۲۸
(حضورؐ کے لباس کے بارے میں)	
گذشتہ باب سے ربط	۳۲۸

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
لباس کی فضیلت	۳۲۸	مسنون گریبان	۳۴۳
لباس کے پانچ اقسام واحکام	۳۲۹	گریبان میں ہاتھ کیوں؟	۳۴۳
لباس میں اعتدال	۳۲۹	صحابیؓ کی وارفتگی	۳۴۳
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۳۰	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۴۴
لفظِ قمیص کی لغوی، عرفی، نحوی تحقیق	۳۳۱	حضرت اسامۃ بن زیدؓ	۳۴۵
قمیص مبارک	۳۳۱	ثوبِ قطری کا معنیٰ	۳۴۶
ایک تعارض کا جواب	۳۳۲	التوشح کا مفہوم	۳۴۶
قمیص کیوں پسند تھی؟	۳۳۲	یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے	۳۴۷
لباس میں کفایت شعاری	۳۳۳	غلبہ ذوق حدیث	۳۴۷
دونوں روایات میں سند کا فرق	۳۳۴	یحییٰ بن معینؒ	۳۴۸
سند کی بحث اور سابقہ روایات سے فرق	۳۳۵	جب حضورؐ نیا کپڑا پہنتے	۳۴۹
آستین مبارک	۳۳۶	لفظِ کاف کی توجیہ	۳۵۰
بیانِ حکمت	۳۳۷	دعاء مسنون کا مفہوم	۳۵۱
ایک تعارض کا حل	۳۳۷	کپڑا پہننے کی دیگر دعائیں	۳۵۲
لفظ ''رھط'' کا معنیٰ وتشریح	۳۳۹	جب دوسرے شخص کو نیا کپڑا پہنے دیکھے	۳۵۲
بیعت کی تین قسمیں	۳۴۰	الحبرۃ کا معنیٰ اور تشریح	۳۵۳
گریبان مبارک	۳۴۱	قمیص اور الحبرۃ، تعارض کا جواب	۳۵۴
کمالِ محبت کے تقاضے	۳۴۱	الحبرۃ کیوں پسند تھی	۳۵۴
لفظ ''جیب'' کی تشریح	۳۴۲	حلۃ حمرآء کا معنیٰ وحکم	۳۵۶
شقِ جیب، صدر پر تھا	۳۴۲	حلۃ	۳۵۶

عنوان	صفحہ نمبر
تہبند، پاجامہ کا مسنون معیار	۳۵۷
صحابہ کرامؓ کے ذوقِ محبت کا اظہار	۳۵۸
بعضِ الفاظ حدیث کی تشریح	۳۶۰
ایک تعارض سے جواب	۳۶۱
لباس فقر اور لباس فاخرہ میں فرق	۳۶۲
حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد	۳۶۴
سفید کپڑے کے استعمال کی ترغیب	۳۶۶
سفید کپڑا اطہر و اطیب ہے	۳۶۷
سیاہ بالوں کی چادر	۳۶۹
رومی جبہ	۳۷۰
ایک تعارض سے جواب	۳۷۰
غیر مسلم کے بنائے ہوئے کپڑے کا حکم	۳۷۰
باب ما جاء في عيش رسول الله ﷺ (حضورؐ کے گذرانِ اوقات کے بیان میں)	۳۷۲
وعليه ثوبان ممشقان	۳۷۴
بخ بخ کا معنی اور تلفظ	۳۷۵
ابوھریرہؓ حالتِ فقر و جوع میں	۳۷۶
حضورؐ مجموعہ فقر و غنی تھے	۳۷۸
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۷۹

عنوان	صفحہ نمبر
مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہ	۳۷۹
تنبیہ	۳۸۰
باب ماجاء في خف رسول الله ﷺ (حضورؐ کے موزہ کے بیان میں)	۳۸۲
موزوں کا جھاڑنا سنت ہے	۳۸۲
نجاشی کا قبول اسلام	۳۸۴
غائبانہ نماز جنازہ کا حکم	۳۸۵
بارگاہِ رسالت میں نجاشی کے تحفے	۳۸۶
اسودین کا معنیٰ	۳۸۶
غیر مسلم کے ھدیہ کا حکم	۳۸۷
مسح على الخفين	۳۸۷
حضرت دحیہ کلبیؓ	۳۹۰
حضورؐ خفین قبول فرمالیتے	۳۹۰
اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے	۳۹۱
(دباغت کے بعد کھال کا حکم	۳۹۱
باب ماجاء في نعلِ رسولؐ (حضورؐ کے جوتے مبارک کے بیان میں)	۳۹۲
نعلین مبارک	۳۹۲

عنوان	صفحہ نمبر
نعل رسولؐ کی توصیف	۳۹۳
تکثیر نعال کا حکم	۳۹۴
حضورؐ جوتے کس طرح پہنتے	۳۹۴
نقشِ نعل کے فضائل وبرکات	۳۹۴
طریق توسّل	۳۹۵
بعض آثار وخواص نقشہ نعل شریف	۳۹۵
قال امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزریؒ	۳۹۶
عن السید محمد الحجازی الحسینی المالکیؒ	۳۹۷
نعل مبارک سے محبت	۳۹۷
نعل بلال کا ٹوٹا تسمہ، تاج کا افتخار	۳۹۸
ایک نعل میں دو تسمے	۳۹۹
نقشِ نعل مبارک	۴۰۰
دوہرے تسمے	۴۰۱
تبرک بآثار الصالحین	۴۰۲
اکابرین دیوبند کا معمول	۴۰۴
شیخ احمد عبدالجوادؒ کی تنبیہ	۴۰۵
سبتية کا معنیٰ	۴۰۶
منشأ سوال	۴۰۶
گیلے پاؤں جوتوں میں رکھنا	۴۰۷
مخصوفتين کا معنیٰ	۴۰۸

عنوان	صفحہ نمبر
حضورؐ کے پیوند لگے جوتے	۴۰۹
نعلین میں نماز	۴۰۹
نعلین مبارک کا طول، عرض، حجم اور مقدار	۴۰۹
تعلیمِ اخلاق یا شفقت نبویؐ	۴۱۱
جب ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا ہو	۴۱۱
امام اعمشؒ کا سبق آموز لطیفہ	۴۱۲
حدثنا قتيبة	۴۱۲
بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے نہی	۴۱۳
جوتا پہننے اور نکالنے میں مسنون طریقہ	۴۱۴
تیّمن حضورؐ کو پسند تھا	۴۱۶
حضرت عثمانؓ، ایک تسمے والے جوتے	۴۱۷
باب ما جاء في ذكر خاتم رسول الله ﷺ (حضورؐ کی انگوٹھی مبارک کے بیان میں)	۴۱۹
باب ھذا میں لفظ ''ذکر'' کا اضافہ	۴۱۹
انگوٹھی مبارک کی صفت	۴۲۰
انگوٹھی کے احکام	۴۲۰
انگوٹھی کا اجمالی تاریخی پس منظر	۴۲۱
مشاہیر کی انگوٹھیوں کے نقش	۴۲۱
انگوٹھی اور اس کا نگینہ	۴۲۳

عنوان	صفحہ نمبر
انگوٹھی پہننے میں معمول مبارک	۴۲۵
ایک تعارض کا دفعیہ	۴۲۶
انگوٹھی کے نہ پہننے میں حکمت	۴۲۷
مردوں کے سونا چاندی کے استعمال کا حکم	۴۲۷
انگوٹھی کس دھات سے ہونی چاہیئے	۴۲۷
فصه منه کی تشریح	۴۲۸
مختلف روایات میں تطبیق	۴۲۹
ایک روایت میں انگوٹھی کی اجمالی تاریخ	۴۳۰
امراء عجم کو دعوتی خطوط	۴۳۱
مہر بنوانے کا مشورہ	۴۳۲
حضرت انسؓ کا اتقان اور کمالِ استحضار	۴۳۳
تنبیہ	۴۳۳
نقش مہر ختم نبوت	۴۳۴
کسریٰ قیصر اور نجاشی کو دعوتی خطوط	۴۳۵
مکتوب مبارک کسریٰ پرویز کے نام	۴۳۶
مکتوب مبارک شاہ روم قیصر کے نام	۴۳۷
قیصر روم کا تجارتی قافلہ سے مکالمہ	۴۳۹
ابوسفیان سے سوالات اور ان کا جوابات	۴۴۰
ابوسفیان کے جوابات پر ہرقل کا تبصرہ	۴۴۱
بے شک وہ نبی ہیں؟	۴۴۲

عنوان	صفحہ نمبر
مکتوب بنام نجاشی	۴۴۲
دوسرے نجاشی کے نام مکتوب مبارک	۴۴۴
انگوٹھی پہنے ہوئے بیت الخلاء جانے کا حکم	۴۴۵
خاتم نبویؐ خلفاء کے پاس	۴۴۶
انگوٹھی بئرِ اریس میں گرنے کا واقعہ	۴۴۷
باب ماجاء فی ان النبی ﷺ کان یتختّم فی یمینه	۴۴۹
(حضورؐ انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے)	
تختّم فی الیمین افضل ہے	۴۴۹
شعارِ روافض ہونے کی توجیہ کی تردید	۴۵۰
حضورؐ کا معمول مبارک	۴۵۱
مذہبِ مختار اور حافظ عراقی کے اشعار	۴۵۲
دوسری سند سے روایت	۴۵۲
انگوٹھی دائیں کی خنصر انگلی میں پہننا سنت ہے	۴۵۳
ابن عباسؓ کا معمول	۴۵۶
ایک تعارض میں تطبیق	۴۵۷
مرد و خواتین کے لئے سنت طریقہ	۴۵۸
مہر نبوت کا استعال ممنوع قرار دیا	۴۵۸
حدیث باب اور ترجمة الباب	۴۵۹
امام ترمذیؒ کی تحقیق	۴۶۰

عنوان	صفحہ نمبر
رجال کیلئے سونے کے حرمت پر اجماع۔۔	۴۶۲
باب ماجاء فی صفةِ سیفِ رسول الله ﷺ	۴۶۳
(حضورؐ کی تلوار کے بیان میں)	
حضورؐ کی تلواریں۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۶۴
دو معجزاتی تلواریں العون اور العرجون۔	۴۶۴
لفظ قبیعة کی تشریح۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۶۵
آلاتِ حرب میں چاندی کا استعمال۔۔	۴۶۷
تلوار میں سونے کے استعمال کا حکم۔۔	۴۶۷
لفظِ حنفیاً کی تشریح۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۶۹
باب ماجاء فی صفة درع رسول الله ﷺ	۴۷۱
(حضورؐ کی زرہ کے بیان میں)	
لفظِ درع کی تشریح۔۔۔۔۔۔۔	۴۷۱
حضورؐ کی زرہوں کا بیان۔۔۔۔۔۔	۴۷۱
جنگ احد میں حضرت طلحہؓ اور دو زرہیں۔	۴۷۳
ظاهر بینهما کی تشریح۔۔۔۔۔۔	۴۷۶
توکل کی حقیقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۷۶
یہ حدیث مراسیل صحابہؓ سے ہے۔۔۔	۴۷۷

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجاء فی صفة مغفر رسول الله ﷺ	۴۷۸
(حضورؐ کے خود مبارک کے بیان میں)	
مغفر کی حقیقت وصفت۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۷۸
حضورؐ کے آلاتِ حرب۔۔۔۔۔۔۔	۴۷۹
خلاصہ مضمون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۸۰
مغفر یا عمامة؟ تعارض کا جواب۔۔۔۔	۴۸۱
ایک تعارض اور اس کا حل۔۔۔۔۔۔۔	۴۸۲
ابن خطل کے قتل کا حکم۔۔۔۔۔۔۔	۴۸۳
ابن خطل اور استار کعبہ۔۔۔۔۔۔	۴۸۴
ابن خطل کو کس نے قتل کیا۔۔۔۔۔	۴۸۵
شاتمِ رسول کا حکم۔۔۔۔۔۔۔	۴۸۶
دخول مکہ کے وقت احرام کا مسئلہ۔۔۔	۴۸۸
باب ماجاء فی صفةِ عمامة النبی ﷺ	۴۸۹
(حضورؐ کی دستار مبارک کے بیان میں)	
عمامہ کی فضیلت وبرکات۔۔۔۔۔۔	۴۸۹
سیاہ عمامے کا حکم۔۔۔۔۔۔۔	۴۹۰
عمامہ پر قطعی مواظبت ثابت ہے۔۔۔	۴۹۰

عنوان	صفحہ نمبر
مقدارِ عمامہ	۴۹۱
مغفر یا عمامہ یا دونوں	۴۹۲
سیاہ عمامہ اور بعض صحابہؓ کا معمول	۴۹۴
دورانِ خطبہ سیاہ عمامہ کا ثبوت	۴۹۵
شملہ بھی سنتِ مؤکدہ ہے	۴۹۷
شملہ کی مقدار	۵۰۰
حضورؐ کا آخری خطبہ	۵۰۱
عصابة دسماء	۵۰۲
باب ماجاء فی صفة ازار رسول اللهﷺ (حضورؐ کے تہبند مبارک کے بیان میں)	۵۰۳
ازار کا معنیٰ وتشریح	۵۰۳
حضورؐ کا معمول	۵۰۳
ازار ورداء کا طول وعرض	۵۰۴
پیوند لگی چادر اور درشت کپڑے کا تہبند	۵۰۵
پیوند لگی چادر اور ازارِ غلیظ کی توجیہات	۵۰۶
تبرک بآثار الصالحین	۵۰۸
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۵۰۹
بردة ملحاء	۵۱۰
امالک فیّ اسوة	۵۱۱
تہبند کا شرعی طریقہ	۵۱۱
خواص کے لئے حضرت مدنیؒ کی تنبیہ	۵۱۲
حضرت عثمانؓ کا اہتمامِ سنت	۵۱۳
عضلة کا معنیٰ وتشریح	۵۱۴
موضع الازار	۵۱۵
خلاصہ بحث	۵۱۶
حضورؐ کی نظافت پسندی	۵۱۶
باب ماجاء فی مشیةِ رسول اللهﷺ (حضورؐ کی رفتار مبارک کے بیان میں)	۵۱۷
خوبی رفتار	۵۱۷
حسنِ کامل	۵۱۸
جمالِ رخِ انورؐ	۵۱۹
حسنِ رفتار	۵۲۰
تقلّع کا معنیٰ	۵۲۱
مشیة کے اقسام	۵۲۲
باب ماجاء فی تقنع رسول اللهﷺ (حضورؐ کے قناع کے بارے میں)	۵۲۴

عنوان	صفحہ نمبر
تقنع کا معنیٰ وتشریح ----------	۵۲۴
القناع کا استعمال ----------	۵۲۴
القناع کی دوصورتیں اور برکات ---	۵۲۵
غرضِ اعادہ حدیث ----------	۵۲۷
القناع کثرت دھن کے باوجود پاک۔	۵۲۷
باب ماجاء فی جلسةِ رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کی نشست کے بارے میں)	۵۲۸
القرفصاء کا معنیٰ وتشریح -------	۵۲۹
بیٹھنے میں خشوع ومسکنت کا اظہار ---	۵۳۰
رعب کی وجہ کیا تھی ----------	۵۳۰
تکمیلِ مضمون حدیث ----------	۵۳۱
استلقاء کا معنیٰ اور دوصورتیں ------	۵۳۲
حدیث کی باب سے مناسبت ------	۵۳۳
مسجد میں لیٹنے کا حکم ----------	۵۳۳
الاحتباء کا معنیٰ وتشریح اور حکم -------	۵۳۴
بیٹھنے کی مختلف صورتیں ---------	۵۳۵
حضور ﷺ کی نشستگاہ ----------	۵۳۶

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجاء فی تکاة رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کے تکیہ مبارک کے بیان میں)	۵۳۷
تکاة کا معنیٰ وتشریح ----------	۵۳۷
تکیہ لگا کر بیٹھنے کا حکم ----------	۵۳۸
گناہ کبیرہ وصغیرہ کی بحث -------	۵۴۰
کبائر کی تعیین وتعداد اور بخشش کا وسیلہ۔	۵۴۱
الاشراک باللہ ----------	۵۴۳
وعقوق الوالدین ----------	۵۴۴
والدہ کی ناراضگی کا ایک دلچسپ واقعہ۔	۵۴۵
انتباہ واہتمام ----------	۵۴۶
شہادتِ زور کا معنیٰ، قباحت اور شرعی حکم	۵۴۷
واعظ، مدرس اور خطیب کے لئے ہدایت	۵۴۸
باب سے عدم مناسبت کا اعتراض ---	۵۴۸
لفظ امّا کا معنیٰ وتشریح ----------	۵۴۹
تکیہ لگا کر کھانا تکبر کی علامت ہے ---	۵۴۹
تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں ---	۵۵۰
کھانے میں سنت طریقہ ----------	۵۵۱
غرضِ اتیان حدیث ----------	۵۵۲
امام ترمذیؒ کا اعتراض -------	۵۵۳

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجاء فی اتکآء رسول اللہ ﷺ	۵۵۵
(حضورؐ کے سہارا لیکر چلنے کے بیان میں)	
باب تکاۃ اور باب اتکآء غرض انعقاد۔	۵۵۵
خلاصہ بحث	۵۵۶
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۵۵۸
مسئلہ حاضر وناظر	۵۵۹
حدیث میں سبق آموز طویل قصہ	۵۵۹
باب ماجاء فی صفۃ اکل رسول اللہ ﷺ	۵۶۳
(حضورؐ کے کھانا کھانے کے بارے میں)	
لفظ ,,اکل،، کی تشریح	۵۶۳
حضورؐ کے کھانے کا طریقہ	۵۶۴
کھانے میں تین انگلیوں کے استعمال اور چاٹنا	۵۶۵
انگلیوں کے چاٹنے کی کیفیت	۵۶۵
انگلیاں کب چاٹی جائیں	۵۶۶
انگلیاں چاٹنے کے برکات	۵۶۷
انگلیوں کے چاٹنے کو کراہت سے نہ دیکھا جائے	۵۶۸
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد	۵۶۹

عنوان	صفحہ نمبر
ایک تعارض سے جواب	۵۷۰
تین انگلیوں سے کھانے کی مزید توضیح۔	۵۷۱
چمچوں کا استعمال	۵۷۱
حضورؐ کا ٹیک لگا کر کھانا بوجہ عذر کے تھا۔	۵۷۲
باب ماجاء فی صفۃ خبز رسول اللہ ﷺ	۵۷۴
(حضورؐ کی روٹی کے بارے میں)	
لفظ "ال" مقحم یا غیر مقحم	۵۷۵
ایک اشکال کا جواب	۵۷۶
شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات۔	۵۷۷
"الشبع" کی مضرتیں	۵۷۷
حضورؐ کے دسترخوان پر کچھ بھی نہ رہتا۔	۵۷۸
لفظ "طاویاً" کا معنیٰ	۵۷۹
لفظ "اھل" کی تشریح	۵۸۰
اظہارِ فقر سے اجتناب	۵۸۰
روٹی اکثر جو کی تناول فرماتے	۵۸۱
لفظ "النقی" اور الحواری کی تشریح	۵۸۲
حضورؐ نے میدہ کبھی دیکھا بھی نہیں	۵۸۲
آٹا صاف کرنے کا طریقہ	۵۸۳
حضورؐ نے ساری عمران چھنا آٹا استعمال فرمایا	۵۸۴

عنوان	صفحہ نمبر
چھلنی کی بدعت	۵۸۴
لفظ ''خوان'' کی تشریح	۵۸۵
تپائی اور میز پر کھانا کھانے کا حکم	۵۸۵
چھوٹی پیالیوں اور چٹنی وغیرہ کے برتن	۵۸۶
میدہ کی روٹی	۵۸۷
''السفرة'' کا معنیٰ وتشریح اور استعمال	۵۸۸
سیدۃ عائشہؓ نے مسروق کی ضیافت کی	۵۸۹
حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رونا	۵۹۰
رونے کی وجوہات	۵۹۰
آپؐ کو فقر پسند تھا	۵۹۱
مضمونِ حدیث کا خلاصہ	۵۹۲
باب ماجاء فی صفة ادام رسول اللهؐ (حضورؐ کے سالن کے بیان میں)	۵۹۳
لفظِ ادام کی تشریح	۵۹۳
لحم ''ادام'' ہے یا نہیں	۵۹۴
سرکہ بہترین سالن	۵۹۵
فاتح عالمؐ، روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ	۵۹۵
کیا سرکہ افضل الادام بھی ہے	۵۹۶
اتباع رسول کی انگیخت	۵۹۸
باب سے مناسبت	۵۹۸
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۶۰۰
اجتماع احباب یا صحبتِ صالحؒ	۶۰۰
میزبان کا اخلاقی فرض	۶۰۱
اتباع رسولؐ ہی اصل فطرت ہے	۶۰۱
شریعت طبیعت پر مقدم ہے	۶۰۲
مرغی کے گوشت کے فائدے	۶۰۲
جلالہ کا مسئلہ	۶۰۳
حباریٰ کا معنیٰ وتعیین	۶۰۴
حباریٰ کی خصوصیات اور احادیث میں ذکر	۶۰۵
عمدہ کھانا عین سنت ہے	۶۰۵
حدیث کی تشریح	۶۰۷
ترجمۃ الباب سے مناسبت	۶۰۸
زیتون مبارک درخت ہے	۶۰۹
زیتون کے برکات	۶۰۹
قال ابو عیسیٰ	۶۱۱
حدیث مضطرب کی تعریف	۶۱۱
حضورؐ کو کدو پسند تھا	۶۱۲
کدّو کیوں پسند تھا	۶۱۳
طعام میں خدمت وایثار	۶۱۴

عنوان	صفحہ نمبر
سالن زیادہ پکا کے رکھنا	۶۱۵
امام ترمذیؒ کی وضاحت	۶۱۶
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۶۱۷
مسلمان کدو سے محبت کریں	۶۱۸
دعوت قبول کرنی چاہئے	۶۱۸
حضورؐ کو حلوہ اور شہد پسند تھا	۶۱۹
گوشت آپ کی محبوب غذا تھی	۶۲۱
مسجد میں بیٹھ کر کھانے کا حکم	۶۲۲
لفظِ ''ضفت'' کا معنیٰ وتشریح	۶۲۴
حضورؐ کی تواضع وخدمت	۶۲۵
احادیث میں تعارض سے جواب	۶۲۵
حضرت بلالؓ کو تنبیہ	۶۲۷
مونچھوں کا شرعی حکم	۶۲۷
اسبال کا حکم	۶۲۹
گوشت' دانتوں سے نوچنا اور کھانا	۶۳۰
گوشت نے خبر دی کہ میں مسموم ہوں	۶۳۱
یہودی عورت کا زہر کھلانا	۶۳۲
حدیث سے ماخوذ فوائد	۶۳۳
حضورؐ کے لئے ضیافت کا اہتمام	۶۳۵
ایک اعتراض کا جواب	۶۳۵
آپؐ کا قسم کھانے کا انداز	۶۳۶
معجزات کا وقوع کب ہوتا ہے	۶۳۶
کھانے میں برکت کے معجزات	۶۳۸
ذراع کا گوشت کیوں پسند تھا	۶۴۰
پیٹھ کا گوشت اطیب ہے	۶۴۱
گردن کا گوشت بھی پسند تھا	۶۴۱
بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں	۶۴۲
ام ہانیؓ، خشک ٹکڑوں اور سرکہ سے ضیافت	۶۴۳
خورد ونوش وسیلہ ہے مقصد نہیں	۶۴۴
ثرید کی فضیلت اور برکات	۶۴۵
سیدہ عائشہؓ کی فضیلت	۶۴۶
فضیلت ثرید سے فضیلت عائشہ کی تمثیل	۶۴۶
خواتین میں سب سے افضل کون؟	۶۴۷
باب سے مناسبت کی توجیہ	۶۴۸
بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۶۵۰
مامست النار سے وضوء کا حکم	۶۵۰
وضوء اول وثانی کا محمل	۶۵۱
الولیمة کا معنی اور تشریح	۶۵۲
ولیمہ کا شرعی حکم	۶۵۲
حضرت سلمٰیؓ کے پاس صحابہؓ کی حاضری	۶۵۴

عنوان	صفحہ نمبر
یہ ہے حضورؐ کا پسندیدہ کھانا----	۶۵۵
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح------	۶۵۶
میزبان اور مہمان کے اخلاقی فرائض۔	۶۵۷
ایک معجزہ کا بیان----------	۶۵۷
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح------	۶۵۹
استنباطِ مسائل----------	۶۵۹
ایک اشکال سے جواب--------	۶۶۰
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح------	۶۶۱
کھڑے ہوکر کھانا------------	۶۶۲
اسباب کی رعایت اور پرہیز------	۶۶۲
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح-------	۶۶۳
نفلی روزے کی نیت کا وقت--------	۶۶۴
نفلی روزے کے توڑنے کا حکم------	۶۶۴
جَو کی روٹی اور سالن----------	۶۶۶
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح-----	۶۶۸
بچے ہوئے کھانے سے محبت------	۶۶۸
تتمّہ --------------	۶۶۹
باب ماجاء فی صفة وضوء رسول اللهؐ عندالطعام (حضورؐ کے کھانے کے وقت وضو کا بیان)	۶۷۱
لفظِ وضو کا معنیٰ وتشریح----------	۶۷۱
لفظِ طعام کی وضاحت------------	۶۷۲
کھانے سے قبل وضوء عرفی مسنون ہے	۶۷۳
وضو تو نماز کے لئے ضروری ہوتا ہے--	۶۷۴
برکتِ طعام ہاتھ دھونے میں ہے---	۶۷۵
باب ماجاء فی قولِ رسول اللهؐ (حضورؐ کے کلمات کے بیان میں)	۶۷۸
بسم اللّٰہ کی برکتیں----------	۶۷۹
شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے--	۶۸۰
ایک اشکال کا جواب----------	۶۸۰
جب تسمیہ بھول جائے---------	۶۸۲
اوّله وآخره کا تلفظ----------	۶۸۲
ایک اعتراض کا جواب----------	۶۸۳
کھانا کھانے کے تین آداب------	۶۸۴
کھانا شروع کرتے وقت بسلمہ پڑھنا سنت ہے	۶۸۴
دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید------	۶۸۴
اپنے سامنے سے کھانا---------	۶۸۶
ایک اشکال سے جواب---------	۶۸۷
کھانے سے فارغ ہونے کی دعا----	۶۸۸

عنوان	صفحہ نمبر
لفظِ المائدة کا معنیٰ وتشریح	۶۸۹
دسترخوان اٹھائے جانے کے وقت دعا	۶۸۹
جب کسی دوسرے کے ہاں دعوت ہوتی	۶۹۰
عدم تسمیۃ کی وجہ سے کثیر طعام میں بے برکتی	۶۹۲
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح	۶۹۳
کھانے کے بعد ترغیبِ حمد وشکر	۶۹۳
خلاصہ باب	۶۹۳
تکملة	۶۹۴
باب ماجاء فی قدحِ رسول اللہ ﷺ	
(حضورؐ کے پیالہ کے بیان میں)	
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح	۶۹۶
کمالِ تواضع اور ترکِ تکلف	۶۹۷
نافع اشیاء کی حفاظت واصلاح مستحب ہے	۶۹۸
صحابہ کرامؓ کی والہیّت	۶۹۸
پیالے کی ساخت	۶۹۹
باب ماجاء فی صفة فاکھة رسول اللہ ﷺ	۶۹۹
(حضورؐ کے پھلوں کے بیان میں)	
نخل اور رمان کا حکم	۷۰۱
ککڑی اور کھجور کا یکجا استعمال	۷۰۱
تربوز اور کھجور کا یکجا استعمال	۷۰۲
خربوزہ اور کھجور	۷۰۴
غذا میں اعتدال اور اصلاح ضرر کا اہتمام	۷۰۴
پہلا پھل حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا	۷۰۵
پہلے پھل کی دعا	۷۰۷
مدینہ منورہ کے لئے دعا	۷۰۸
صاع اور مد میں برکت کا معنیٰ	۷۰۸
مقامِ حلت ومحبت	۷۰۹
حضرت ابراھیمؑ کی دعا	۷۰۹
مدینہ منورہ کے حق میں دعا کی قبولیت	۷۱۰
بہترین جگہ، مکہ اور مدینہ	۷۱۰
چھوٹے بچوں پر شفقت	۷۱۱
بعضِ الفاظِ حدیث کی تشریح	۷۱۱
ککڑی اور کھجور کے تحفہ پر حضورؐ کا معاملہ	۷۱۳
ککڑی اور کھجور ملا کر کھانے میں فربہی کا فائدہ	۷۱۴
راوی کو تردد	۷۱۴
خلاصہ باب	۷۱۵

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجاء فی صفةِ شراب رسول اللہ ﷺ (حضورؐ کے مشروبات کے بیان میں)	۴۱۷
حضورؐ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا۔۔	۴۱۸
ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے برکات۔۔۔	۴۱۸
تشریح حدیث۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۲۰
تقدیم الایمن مستحب ہے۔۔۔۔۔	۴۲۱
ابن عباسؓ کی محبت و عشق رسولؐ۔۔۔	۴۲۱
قربات میں ایثار کا مسئلہ۔۔۔۔۔۔	۴۲۲
ایک فائدہ۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۲۲
جب مطعومات مل جائیں تو یہ دعا پڑھیں	۴۲۳
جب دودھ ملے۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۲۳
باب ماجاء فی صفةِ شرب رسول اللہ ﷺ (حضورؐ کے پینے کے طریق کار کے بیان میں)	۴۲۵
تمہید و تلخیص۔۔۔۔۔۔۔	۴۲۵
بیٹھ کر کھانا پینا مسنون ہے۔۔۔۔۔	۴۲۶
بعض استثنائی حالات۔۔۔۔۔	۴۲۶
روایات میں تطبیق۔۔۔۔۔۔	۴۲۷

عنوان	صفحہ نمبر
کھڑے ہو کر پینے کے نقصانات۔۔۔	۴۲۸
شرب قائماً وقاعداً کی توضیح۔۔۔	۴۲۹
ابن العربیؒ کا ارشاد۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۲۹
شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات۔	۴۳۰
شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ کا ارشاد۔۔۔	۴۳۰
رحبة کا معنیٰ تشریح اور تعیین۔۔۔۔۔	۴۳۲
حضرت علیؓ کا ہلکا سا وضو۔۔۔۔۔۔	۴۳۲
وضو کا بقیہ پانی کھڑے ہو کر پینا۔۔۔۔	۴۳۳
شارحینِ حدیث کی بعض توجیہات۔۔۔	۴۳۳
تین سانس میں پانی پینا۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۳۴
برتن میں سانس لینے کی مضرتیں۔۔۔۔	۴۳۵
پانی پینے میں دوبار سانس لینا۔۔۔۔	۴۳۶
کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم۔۔۔۔۔	۴۳۷
حضرت کبشہؓ کی ایک محبانہ ادا۔۔۔۔	۴۳۸
تعارض سے جواب۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۳۸
محبوبِ دو عالم کا ممسوس مبارک۔۔۔	۴۳۹
حضرت ام سلیمؓ کا قصہ۔۔۔۔۔۔	۴۴۱
شرب قائماً کی توجیہات۔۔۔۔۔	۴۴۲
خلاصہ باب۔۔۔۔۔۔۔۔	۴۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب مدظلھم ملتان

الحمدلله و کفیٰ وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ اما بعد !

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر محدثینِ عظامؒ نے محبت نبویؐ اور عشقِ محمدیؐ کے عجیب وغریب نمونے امت کو دکھائے ہیں۔ایک سچا عاشق ومحبِ صادق اپنے معشوق ومحبوب کی ایک ایک ادا اور ایک ایک نشانی کو یاد کر کے اور بار بار دیکھ کر روتا چلاتا ہے ایک گونہ حظ حاصل کرتا ہے یا والدین اپنی محبوب وعزیز اولاد کے غائب ہونے پر اس کے نقوش زندگی کو دیکھ کر اسے چومتے ہیں، روتے ہیں اور ایک گونہ تسلی پاتے ہیں۔

اس سے کئی ہزار درجہ زیادہ محدثین کرامؒ وبالخصوص امام ترمذیؒ نے عشق ومحبتِ نبویؐ کے اظہار کا ایک انوکھا اور نرالا طرز اختیار فرمایا ہے۔محدث ترمذیؒ نے چند صفحات میں شمائل ترمذی کے عنوان سے ,,دریا بہ کوزہ،، کا بہترین نمونہ عشاق نبوی کے سامنے رکھ دیا ہے۔آپؐ کے مبارک سراپا کی خوب خوب تصویر کشی فرمائی ہے کہ آپؐ کے خدوخال، قدوقامت، اعضاء مبارکہ کی کیفیت وبناوٹ کیسے تھی؟ بال مبارک کتنے سفید تھے اور کہاں پر تھے، ان کے پیچ وتاب کیونکر تھے۔

آپؐ کنگھی کب اور کیسے فرماتے تھے، سرمہ کیسے استعمال کرتے تھے، آپؐ کا لباس کیسا تھا ،نعل مبارک کیسے تھے، انگوٹھی کیسے تھی، اس پر کیا نقش تھا، مہر نبوت کا حجم کتنا تھا اور کیسے تھا، سید المرسلین

وامام المجاہدین ﷺ کی تلوار‘ خود اور زرہ کیسے تھی‘ آپؐ جہاد کیسے کرتے تھے‘ آپؐ کی نشست گاہ اور تکیہ کیسا تھا‘ کھانا تناول فرمانے کی کیا کیفیت تھی‘ روٹی‘ سالن کیسا ہوتا تھا‘ کون کونسے ماکولات ومشروبات آپؐ کو پسند تھے‘ کھانے سے قبل وبعد اپنے منعمِ حقیقی کا شکریہ کن الفاظ سے ادا فرماتے تھے اور کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے۔

آپؐ کے استعمالی برتن کیسے تھے‘ کونسی خوشبو آپؐ کو پسند تھی‘ آپؐ کی گفتار وکلام اور مزاح وخوش طبعی کیسے تھی‘ محبوبِ ربّ العالمین کی مسکراہٹ دلنواز کیسے تھی‘ آپؐ کس نوع کے اشعار پسند فرماتے تھے۔ بعض اوقات عشاء کے بعد امہات المومنینؓ کو عجیب وغریب طویل کہانیاں سناتے تھے۔ حدیث اُمّ زرع پڑھیئے۔ محبوبِ خداؐ کی عبادت کیسے تھی‘ خصوصاً تہجد اور قیام اللیل کی کیا کیفیت تھی‘ "قام رسول اللہ ﷺ بآیة من القرآن لیلة" (ترجمہ) نماز چاشت اور دیگر نوافل کی کیفیتِ ادا کیسے تھی‘ آپؐ کے روزوں کا نظام کیسے تھا‘ قراءتِ قرآن کی کیفیت کیسے تھی‘ رات کو اپنے ربّ کے سامنے گریہ وزاری کیسے فرماتے تھی "لجوفه ازیز کازیز المرجل من البکاء" (ترجمہ) محبوب خداؐ کا بچھونا کیسا تھا‘ آپؐ کی شب وروز کا نظام الاوقات کیسے تھا‘ محبوبِ ربّ العالمین کس قدر بلند خلق عظیم پر فائز تھے‘ تواضع وانکساری‘ شرم وحیاء‘ جود وسخا کی کیا کیفیت تھی‘ آپؐ گھر میں اہل خانہ کے کام وکاج میں کیونکر تعاون فرماتے تھے‘ آپؐ علاج معالجہ کیونکر اختیار فرماتے تھے‘ آپؐ کا خورد ونوش کتنا سادہ اور مختصر تھا‘ آسمان وزمین میں آپؐ کو کون سے حسین ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ آپ ﷺ دنیا سے کس حالت میں رخصت ہوئے کیا میراث چھوڑی اور کس کے لئے چھوڑی " ماترکنا صدقة " خواب میں زیارت نبویہ کا کیا مقام ہے؟

الغرض امام ترمذیؒ نے امت پر بہت بڑا احسان فرمایا‘ سیرت مقدس کا عطر نکال کر چند صفحات میں عُشاق کے سامنے رکھ دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ ورزقنا انتفاعه واتباعه آمین۔

شمائل ترمذی عربی زبان میں ہے محدثین کرامؒ نے ہر دور میں اور ہر زبان میں اس کے ترجمہ وتشریح پر توجہ دی ہے اساتذہ حدیث‘ دورہ حدیث کے سال خصوصیت واہتمام سے اسے پڑھاتے اور طلبہ عزیز

شوق ومحبت سے اسے پڑھتے ہیں۔اردو زبان میں ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خصائل مروّج متداول اور نافع ہے تاہم اساتذہ اور طلبہ دورہ حدیث کے لئے درسی انداز کی ایک جامع شرح کی ضرورت بہرحال محسوس کی جارہی تھی۔تکوین وتقدیر کے ازلی انتخاب کا قرعہ فال مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ کے نام نکلا اور الحمدللہ کہ خداتعالیٰ ہی کی توفیق سے وہ اس عظیم علمی کام میں لگ گئے۔

(۱) مکرم ومحترم مصنفِ بے بدل' عالم باعمل حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم سے بندہ کا تقریباً بیس سالہ تعلقِ رفاقت ومحبت ہے مولانا موصوف وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ اجلاسوں میں جامعہ قاسم العلوم ملتان تشریف لایا کرتے تھے اس وقت قاسم العلوم ملتان کی ذمہ داری بندہ کے سپرد تھی ایک دفعہ مولانا نے قاسم العلوم کی جامع مسجد میں نہایت مؤثر اصلاحی عالمانہ خطاب بھی فرمایا تھا جس کی شیرینی وحلاوت اب تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔

(۲) مولانا صاحب سے بارہا دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پھر جامعہ ابوھریرہ خالق آباد میں شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا حضرت حقانی صاحب کی بعض تصنیفات بھی مطالعہ سے گزری ہیں حقائق السنن اردو شرح ترمذی کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے بار بار کیا ''المسائل والدلائل'' میں اس کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں''حقائق السنن''،بعض علمی جواہر میں منفرد ہے۔ایک ہزار صفحات سے زائد ''الحق'' کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر اس کے بعد آثار السنن کی اردو شرح توضیح السنن کے بعض ابواب کا مطالعہ بھی باعث شرف ہوا۔بندہ مولانا حقانی صاحب کی تحقیق' وسعتِ مطالعہ' سرعتِ تحریر سے بہت متاثر ہوا

(۳) مولانا صاحب کی تازہ تصنیفات۔۔۔۔۔اردو شرح شمائل ترمذی تاحال نظر نواز نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قوی امید ہے کہ حقائق السنن ودیگر تصنیفات کی طرح یہ بھی جامع اور محقق ہوگی ملت اسلامیہ کے لئے عشق محمدی اور محبت اسوہ حسنہ کا عظیم سرمایہ ثابت ہوگی خصوصاً علماء کرام اور عزیز طلباء کے لئے لاثانی رہنما کا مقام حاصل کرے گی ان شاءاللہ العزیز۔

(۴) مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ''موفق من اللہ'' ہیں دین وعلم دین کے تمام شعبوں میں

ہمہ نوع خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ پھر جامعہ ابوھریرہ میں ہر علم وفن کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہی ہیں جامعہ ابوھریرہ آپ کے اہتمام وانتظام واخلاص کی برکت سے نہایت مختصر عرصے میں محیر العقول ترقی کر چکا ہے۔

سینکڑوں طلباء وطالبات قرآن وحدیث ودیگر دینی علوم وفنون کی تعلیم پا رہے ہیں جامعہ ھذا کا نظام تعلیم وتربیت مثالی ومعیاری ہے۔عوامی جلسوں اجلاسوں میں آپ کے خطبات وخطابات ضرب المثل ہیں، دعوت وتبلیغ آپ کی زندگی کا جزء لاینفک ہے، تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کے میدان میں بھی موصوف خاص مقام پر فائز ہیں ہزاروں صفحات پر مشتمل تحریری سرمایہ آپ کے قلم اعجاز رقم کا ممتاز شاہکار ہے جامعہ ابوھریرہ کے ماہنامہ القاسم کی خدمات اس پر مستزاد ہیں۔

الغرض علمی ودینی جدوجہد اور اسلامی جہاد کا کوئی شعبہ کوئی گوشہ آپ کی تگ ودو سے ناآشنا نہیں ہے **اللھم زد فزد**۔

(۵) مولانا کے ان متنوع کمالات کا حقیقی سبب تو توفیق الٰہی ہے ظاہری سبب حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ (اماں جی مرحومہ ومغفورہ) کی شب وروز گریہ وزاری والی مستجاب دعائیں ہیں ان دعاؤں نے آپ کو ڈیرہ اسماعیل خان کے دور دراز پس ماندہ علاقہ سے اٹھا کر اور اڑا کر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا دیا۔

شیخ وقت جامع الظاہر والباطن، جامع المعقول والمنقول امام المجاہدین شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبدالحق قدس سرہ نے اس ,,دریتیم اور جوھرِ مکنون،، کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر دس سال تربیت فرمائی۔مولانا حقانی صاحب نے یہ عشرہ کاملہ بے مثل ادب وتواضع اور بے مثال خدمت سے بسر کیا تقریباً روزانہ حضرت اقدس کی ڈھیروں دعاؤں کا شرف حاصل کرتے رہے۔

مولانا کی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے آپ کی لغت میں چھٹی کا لفظ مہمل ہے ایک مرتبہ بندہ جمعہ کے روز مولانا حقانی صاحب کی قیام گاہ دارالعلوم حقانیہ میں عصر کے بعد حاضر ہوا یہ دیکھ کر محو حیرت رہ گیا کہ مولانا چھٹی کے روز بعد العصر بھی تحریری کام میں مصروف ہیں۔

(٦) پہلے بھی مختلف معروضات میں لکھا گیا ہے اب اس کا اعادہ وتکرار ہے ضروری چیز اور ضروری بات کا تکرار معیوب نہیں بلکہ محمود ہے بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔ شب وروز نماز کا تکرار' کھانے پینے کا تکرار' سبق کا تکرار اس کے مسلمہ نظائر ہیں۔ کسی شیخ کا وہی مرید اور کسی معلم کا وہی شاگرد کامیاب وکامران اور فائق علی الاقران ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے مرشد اور استاذ کی خدمت کرتا ہے اور سب سے زیادہ ادب وتواضع سے پیش آتا ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اشارہ کیا ہے کہ طالب علم کو محنت کے ساتھ ساتھ استاذ کی دعائیں حاصل کرنے کا اہتمام بھی کرتے رہنا چاہئے اس کی مثال میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی' مراہق تھے آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں آپ کو متعدد دعاؤں سے نوازا تھا اللهم علمه الكتاب ' اللهم فقهه في الدين ۔ علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر شافعی نے فتح الباری میں ان دعاؤں کا سبب نوجوان صحابی حضرت ابن عباسؓ کا جذبہ خدمت اور ادب لکھا ہے اس پر متعدد واقعات سپرد قلم کیے ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت ابن عباسؓ کی خصوصیت ہے کہ چودہ سو سال سے آپ کے تفسیری اقوال تفسیر ابن عباس کے عنوان سے مختلف زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔

مولانا حقانی صاحب نے صحابہ کرامؓ کی اتباع میں اپنے اکابر ومشائخ اور اساتذہ کا خوب خوب ادب کیا اور خوب خوب خدمت کی بالخصوص حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ دس سال آپ کی خدمت وادب کا مرکز ومحور ہے۔ آپ کے عظیم علمی کاوشیں' تصنیفی خدمات اور سرعتِ قلم وقدم اپنے اساتذہ ہی کے فیض صحبت وخدمت کا نقد ثمرہ ہے شمائل ترمذی کی یہ شرح بھی اللہ پاک کا عظیم عطیہ وانتخاب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ حضرت مولانا حقانی صاحب مدظلہ اور آپ کے گرانقدر رفقاء کار کی تمام علمی ودینی خدمات کو قبولیت عامہ وتامہ بخشے آمین۔

بندہ فیض احمد غفرلہ

۱۶ صفر ۱۴۲۳ھ/ بمطابق 30 اپریل 2002ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا۔ اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ پر آئیں۔

پروردگار! جو عظمت و رفعت، جو مقام و شان، جو فضل و کمال، جو حسن و جمال جو رفعتیں اور بلندیاں، جو صوری محاسن اور معنوی خوبیاں، جو شمائل اور خصائل، تو نے اپنے حبیبِ مکرم، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح، ادراک و معرفت، عرفان و پہچان اور حقیقت تک رسائی عطا فرما اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق عطا فرما کہ وہ حقیقت کی ترجمانی ہو، جمالِ محمدؐ کی جلوہ نمائی ہو، ہر محبِ صادق تک رسائی ہو، جس کے اخذ و استفادہ اور مطالعہ سے تاریک دل روشن ہو جائیں، مردہ روحیں زندہ ہو جائیں، ذوق و شوق کی دنیا آباد ہو جائے علم و عمل کا مرحلہ آسان ہو، کائنات میں جہاں جہاں جہالت اور غفلت کی ظلمتیں، اندھیرے اور تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکرِ پاک اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک یاد، اعمال اور شمائل و خصائل کی قندیلیں روشن ہو جائیں۔ آمین ثم آمین

عبدالقیوم حقانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شمائل ترمذی کی خصوصیات

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ العالی

اللہ کریم کے فضل و احسان اور خصوصی عنایت و کرم نوازی سے مجھے شرح شمائل ترمذی (جلد اول) کے تمام مسودات از اول تا آخر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اپنے درسی مشاغل اور دیگر اہم مصروفیات کے باوصف ''شرح شمائل ترمذی'' نے اپنے مطالعہ اور اخذ و استفادہ کے لئے کھینچے رکھا یہ حضرتِ شارح کا خلوص، عشق رسولؐ، علمی شغف، سلاستِ تحریر اور پرسوز مضامین کی کرامت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خود موضوع ہی ایسا دلچسپ' انوکھا' پیارا اور محبوب موضوع ہے کیا مجال کہ دوسری جانب نظر بھی اٹھ سکے۔

عزیز القدر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو اللہ کریم جزائے خیر دے کہ اپنی بھرپور ہنگامی' انتظامی اور ہمہ وقتی مصروفیات سے معمور زندگی میں بھی علم اور پھر خاص کر علمِ حدیث جیسے مبارک موضوع کا نہ صرف یہ کہ شغف رکھتے ہیں بلکہ اس کی شرح و توضیح میں بھی لگے رہتے ہیں اور ان کی برکت سے ہمیں بھی حصہ وافر مل جاتا ہے **واجرھم علی اللہ تعالیٰ**۔

یوں تو شمائل ترمذی کی متعدد شروحات منظر عام پر آ چکی ہیں مگر حقانی صاحب نے ,,شرح شمائل ترمذی،، لکھ کر ایک علمی اور خالص درسی شرح کی تکمیل کر دی ہے جس کی ضرورت تھی اکابر علماء

دیو بند درسِ حدیث میں جو خاص امتیازی وصف رکھتے ہیں وہ یہ کہ موضوع کا مکمل احاطہ کرتے ہیں بلکہ بحث و تحقیق میں بال کی بھی کھال اتارتے ہیں۔

شرح شمائل ترمذی میں اکابر علماء دیو بند کے اسی طریقِ تحقیق اور اندازِ تدریس کو ملحوظ رکھ کر ہمہ جہتی جامعیت کو اپنایا گیا ہے بندہ نے دورانِ مطالعہ جو خاص امتیازات اور خصوصیات اور خاصیات محسوس کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

---

(۱) شرح شمائل ترمذی میں احادیث کے پورے متن کو بمع اسناد کے یکجا نقل کر کے اسے اعراب سے مزیّن کیا گیا ہے تا کہ قارئین بلکہ مبتدئین بھی اعراب کی غلطی سے محفوظ رہیں اور من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار کی وعید سے بچ سکیں اور عشق و محبت کے جذبات کی تسکین اور خیر و برکت کے حصول کے لئے حدیث کی تلاوت بھی کرنا چاہیں تو اعراب لگنے سے بہ سہولت اپنے ذوقِ تلاوت کی تکمیل کر سکیں۔

---

(۲) • تحت اللفظ اردو ترجمہ کا مستقل اہتمام کیا گیا ہے عام اردو خوان طبقہ کی آسانی اور اس سے استفادہ کی سہولت کے پیش نظر حدیث اور سند کا مکمل ترجمہ نقل کیا گیا ہے تا کہ مقاصد و معانی، اہداف و اغراض کی تعیین اور مفہوم کے سمجھنے میں دشواری نہ رہے۔

---

(۳) ,,راویانِ حدیث کا تذکرہ،، ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت حدیث کے تمام رواۃ کا اجمالی مگر ضروری تذکرہ، سوانح، حالات اور ان کی علمی عظمت و مقام، درجات اور ان کے بارے میں علماء و محدثین کے آراء و اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۴) اکثر مقامات پر حدیث میں مشکل الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ آسان تفہیم اس کی توضیح میں حسبِ ضرورت شواہد و تمثیلات بھی درج کر دی گئی ہیں اور تشریح کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے

---

(۵) جہاں جہاں احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے نہایت حکیمانہ، عالمانہ بلکہ محدّثانہ انداز میں اس کے تدافع کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں ان توجیہات کے بیان میں سلفِ صالحین، علماءِ راسخین، محدثین اور فقہاءِ محققین کی آراء و تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے اور راجح توجیہات کی دلائل سے تعیین بھی کر دی گئی ہے۔

---

(۶) مختلف ابواب میں جہاں حدیث کی بظاہر ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر نہیں ہوتی تھی وہاں مختلف اور مستند شروحاتِ حدیث کی مدد سے ترجمۃ الباب سے وجہِ ارتباط کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

---

(۷) اکابر علماء دیوبند کے درسی خصوصیات کی طرح حسبِ ضرورت موقع ومحل کے مطابق لغوی مباحث، صرفی اور نحوی مباحث کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے صرفی اور نحوی توضیحات سے حدیث کے مفہوم اور معانی کی توضیح اور تشریح میں اصل حقیقت تک رسائی بے غبار ہو جاتی ہے۔

---

(۸) جس طرح عربی شروحات جمع الوسائل، مناوی اور مواہب اللدنیہ اور اتحافات میں احادیث سے مسائل مستنبطہ سے تعرض کیا گیا ہے اسی طرح شرح شمائل ترمذی میں بھی حسبِ ضرورت حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کی طرف بھی اشارات کر دیئے گئے ہیں جس سے ایک فقہی ضرورت کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔

(۹) جگہ جگہ حسبِ ضرورت ابواب کے آپس میں ربط کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل اور احوال واقوال کی مکمل توضیح اور درسی تشریح کے لئے تمام مباحث اور توضیحات میں ذیلی عنوانات قائم کیئے گئے ہیں عنوان سے مضمون اور طویل مباحث کی تعیین میں تسہیل ہو جاتی ہے۔

---

(۱۱) طلبہ اور اساتذہ کی سہولت اور درسی ضرورت کے پیش نظر مصنف کے مختصر خطبہ کتاب کی درسی انداز میں تشریح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

---

(۱۲) شمائل کی تشریحات وتوضیحات میں بین السطور ہر جگہ جمال محمد ﷺ نمایاں محسوس ہوتا ہے جمال محمد ﷺ کا تذکرہ انوکھا' دلچسپ' جامع' پیارا' دلنشین اور باعثِ ازدیادِ نور ایمان ہے۔

---

(۱۳) مؤلف کا مختصر حرفِ آغاز' ربِ تعالیٰ کی عظمتِ شان' وسعتِ رحمت اور علم حدیث کی عظمت واہمیت اور شغف بالحدیث کے برکات وثمرات پر مشتمل اور شوقِ حدیث کا مؤثر محرک ہے۔

---

(۱۴) کتاب کے آغاز میں جامعہ قاسم العلوم ملتان کے سابق مہتمم اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث فنافی العلم' درویشِ خدامست' محقق مصنف حضرت مولانا فیض احمد صاحب ملتان کا ایک وقیع اور مفید ترین مقدمہ درج ہے جو مختصر ہونے کے باوجود طالبانِ علومِ نبوت کے لئے نافع' شوق حدیث کی انگیخت کا وسیلہ اور علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے استناد کا ذریعہ ہے۔

(۱۵) کتاب کے شروع میں قراءت حدیث کے مختلف طریقوں' محدثین کے درس حدیث کے اپنے اپنے انداز ورموز واشارات کا تسلی بخش بیان آ گیا ہے۔

---

(۱۶) امام ترمذیؒ کے مختصر مگر جامع' دلچسپ' حیرت انگیز اور نافع حالات کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے

---

(۱۷) مشاہیر اہلِ علم' سلفِ صالحین' لائق ترین شارحین' اکابر علماء دیو بند بالخصوص اساتذہ حدیث اور نامور محدثین کے معارف ونکات' علمی تحقیقات اور بلند پایہ توضیحات وتشریحات اور درسی افادات سے بھر پور استفادہ کیا گیا ہے۔

بہر حال جدید حالات' اساتذہ اور طلبہ کی درسی ضروریات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ,,شرح شمائل ترمذی،، ایک عظیم اور لاجواب سوغات ہے۔

ہر دور میں جدید تقاضوں کے ساتھ ساتھ
ہوتی ہے آشکارا صداقت حضورؐ کی
بھر لی ہیں ہر گدا نے سعادت سے جھولیاں
نگری رہے سلامت ہمیشہ حضورؐ کی

محمد زمان

خادم نجم المدارس کلاچی

۲۰ شعبان ۱۴۲۳ھ' ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء

مۓ گلگوں میں تسکین دل و جاں ڈھونڈنے والو
سرور و کیف ذکرِ ساقئ کوثر سے ملتا ہے

O

رفعتوں کی جستجو میں ٹھوکریں تو کھا چکے
آستانِ یار پر اب سر جھکا کر دیکھئے

O

تنگ آ جائے گی خود اپنی چلن سے دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

کیفی مرحوم

حرفِ آغاز

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ

پروردگارِ عالم فیاضِ ازل کی توفیق اور ان ہی کے فضل وعنایت سے بالآخر شرح شمائل ترمذی جلد اوّل تکمیل کے بعد زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر نذرِ قارئین ہے۔

والحمد للّٰہ علیٰ ذالک حمداً کثیرًا۔

آغازِ کار میں اپنے شیخ ومربی محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے درسِ ترمذی کے اِفادات واَمالی کی ترتیب وتدوین کی سعادت حاصل ہوئی اور یہ کتاب ''حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ '' کے نام سے منظرِ عام پر آئی، پھر مختلف علمی ودینی، تاریخی اور سوانحی تصنیفات کا سلسلہ جاری ہوا کہ اللہ کریم نے امام نیمویؒ کی آثارالسنن کی شرح ''توضیح السنن'' کے نام سے بڑی سائز کی دوجلدوں (۱۳۷۲صفحات) میں لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی جو بے حد مقبول ہوئی اور الحمد للہ کہ قلیل ترین عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ نے علم حدیث کا شغف رکھنے والے طالبانِ علوم نبوت کیلئے دعا فرمائی ہے۔ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مَنْ خُلَفَائُکَ قَالَ الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ ۔(راہ الطبرانی)

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ! میرے خلفاء پر مہربانی فرما، ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ کے خلفاء کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا

وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث کی روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے ...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو ایک وعدہ بھی ہے اور بشارت بھی اور پیشن گوئی بھی کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو لوگ خدمتِ حدیث کا کام کرتے رہیں گے، انہیں مزید عنایات و توفیقات سے نوازا جاتا رہے گا۔ ان پر اللہ اپنا رحم فرماوے گا۔ نبی ﷺ کی دعا قبول ہوگی اور انہیں توفیق پہ توفیق ملتی رہے گی۔ ''شرح شمائل ترمذی'' اسی نبوی دعا کا اعجاز ہے جو میرا کمال نہیں۔ کمالات سے نوازنے والے رب کا کمال ہے ...... ع قدم یہ اُٹھتے نہیں اُٹھوائے جاتے ہیں

کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، کہاں آپ ﷺ کے پاکیزہ خصائل، کہاں شمائل ترمذی کی درسی شرح اور کہاں یہ گنہگار حقیر و فقیر ایک ادنیٰ طالب علم' میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک کے پیارے پیغمبر کی دعائیں ہیں، جن کی قبولیت کا اظہار ہو رہا ہے اور یہ تاجدارِ ختم نبوت کی شانِ اعجاز ہے جو قیامت تک ظہور پذیر ہوتی رہے گی۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ربوبیت میں طالبانِ علمِ حدیث اور خادمانِ علم حدیث کیلئے کسی قدر عجز و الحاح سے، کس طرح پیار سے اور منوا لینے کے انداز سے اور کس قدر یقین و اعتماد کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَ وَعَاهَا وَ اَدَّاهَا فُرَبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔ (ترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کو سرسبز و شاداب رکھے جو میری بات (حدیث) سنے، پھر اسے یاد کرلے اور دوسروں تک اسے پہنچائے، پس بہت لوگ فقہ (علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

میں خود حیران ہوں کہ شرح شمائلِ ترمذی کی تکمیل کیسے ہو رہی ہے۔ حقیقت ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھتے ہیں اور پھر دوسروں کو سنا کر یا اُن تک پہنچا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا مصداق بنتے ہیں۔

اللہ کریم کاتب الحروف سمیت تمام ناظرین کو ایسے خوش نصیب لمحات عطا فرماوے۔ اے اللہ! اس کتاب کی تصنیف و تکمیل اور طباعت و اشاعت میں ہمارا کوئی کمال نہیں جو کچھ بھی ہے، تیری ہی عنایت ہے۔ اے اللہ ! ہمیں شکر و امتنان کی توفیق عطا فرما اور شکر پر بھی شکر کی توفیق عطا فرما۔ پروردگار! اس کتاب کے ناظرین اور مستفیدین کو بھی اس عظیم خیر سے حصۂ وافر لینے کی توفیق عطا فرما۔

محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدظلہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہٗ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ، شہیدِ علم حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہٗ سے دورۂ حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ استاذِ محترم حضرت مولانا انوار الحق مدظلہٗ سے تمام دینی اُمور میں شاملتی رہی، جبکہ دورۂ حدیث کے سال شمائل ترمذی استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم حقانیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف نہ صرف یہ کہ میرے شمائل کے استاذ ہیں بلکہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں آغازِ کار، حقائق السنن پر کام، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمت کے مواقع، پھر ماہنامہ الحق میں سولہ سال تک کام کرنے بلکہ ہاتھ میں قلم پکڑنے سے لے کر، دعوت و تبلیغ تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، الغرض دینی کام کے ہر میدان میں ان کی اوّلِ روز کی شفقتوں محبتوں، عنایتوں اور اعتماد سے مجھے حوصلہ ملا ہے اور وہ میرے ہر چھوٹے بڑے دینی کام میں بطورِ صدقہ جاریہ شریک ہیں۔

.... اور ناسپاسی ہوگی کہ اپنے عظیم محسن، شفیق استاذ، مخدوم و مکرم حضرت العلامہ مولانا محمد زمان صاحب مدظلہٗ (فاضل حقانیہ) کا شکریہ نہ ادا کرلوں۔ موصوف نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں تخصص فی الحدیث کیا اور پھر مادرِ علمی نجم المدارس کلاچی سے وابستہ ہوگئے۔ تاہنوز وہیں خدمتِ علم اور خدمتِ درس و تدریس کر رہے ہیں۔ میری درخواست پر شرح شمائل ترمذی کے تمام مسودات کو اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھا، اصلاح فرمائی، مفید مشوروں سے نواز، اہم علمی مسائل میں مشکل گتھیاں سلجھائیں اور اوّل سے آخر تک برابر کے شریک رہے۔ میں گنہگار انہیں کیا صلہ دے سکتا ہوں، دعا ہے کہ باری تعالیٰ اپنی عظمتِ شان ہی کے شایانِ شان انہیں اجر عظیم سے نوازے۔

...... جامعہ ابوہریرہ کے مدرس عزیز القدر حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی بھی حوالہ جات کی تخریج اور نقل ومراجعت میں میرا بھرپور ہاتھ بٹاتے رہے۔عزیزان مولوی گل رحمان اور مولوی جان محمد نے کمپوزنگ کے صعب ترین مراحل صبر و ہمت، حوصلہ، خندہ جبینی، محبت بلکہ سعادت سمجھ کر سرانجام دیئے۔مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ نے پریس، طباعت اور تقسیم واشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے کر مجھ گنہگار کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

اللہ کریم سب کو اپنے غیب کے خزانوں سے مالا مال فرمادے اور اجر عظیم سے نوازے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد و اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

عبد القیوم حقانی

۱۵رشعبان ۱۴۲۳ھ/۲۲راکتوبر ۲۰۰۲ء

جدید ایڈیشن !

الحمد للہ کہ ''شرح شمائل ترمذی'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، ملک بھر سے علماء، طلبہ اور مخلص قارئین کا اصرار تھا کہ شرح میں دیے گئے عربی عبارات اور اقتباسات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا جائے تاکہ مطالعہ واستفادہ کے کسی بھی مرحلہ میں کسی بھی قاری کو کسی بھی سطر سے محروم نہ رہنا پڑے، چنانچہ بطورِ بحث وحوالہ کے درج ہونے والی آیات' احادیث اور عربی اقتباسات کا ترجمہ بھی قوسین میں لکھ دیا گیا ہے اور اگر کسی جگہ عربی عبارت کے نیچے قوسین میں ترجمہ نہ ہو تو اس کا مفہوم پہلے اردو تحریر میں درج ہو چکا ہوتا ہے، عربی عبارت بطورِ اصل وتائید کے نقل کر دی جاتی ہیں اور رِجال یعنی راویانِ حدیث کو درمیانِ کتاب سے نکال کر نمبر شمار کے حوالے سے علیحدہ کتابی شکل دے کر تیسری جلد کے طور پر اسی کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔والحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً۔

عبد القیوم حقانی

۱۲رربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/۲۲اپریل ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، قَالَ الشَّیْخُ الْحَافِظُ اَبُوْعِیْسٰی مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی بْنِ سَوْرَةَ التِّرْمِذِیُّ۔

ترجمہ: (شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلامتی ہو، اس کے برگزیدہ بندوں پر: شیخ حافظ ابوعیسی محمد بن سورۃ ترمذیؒ نے فرمایا۔

تشریح وتوضیح:

تصنیف وتالیف بلکہ ہر مہتم بالشان کام کرنے والے ابتدا میں حمد وصلوٰۃ کا اس لئے اہتمام کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی اتباع اور حضور ﷺ کے فرمان " كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَایُبْدَأُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ ، وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَهُوَ اَبْتَرُ ، وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَهُوَ اَجْذَمُ " (ہر ذی شان کام کرنے کی ابتداء اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ کی جائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی حمد وثناء سے ابتداء نہ ہو تو پھر وہ اقطع (ناقص) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ابتر (بے برکت) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اجذم (جذام والا) ہے) پر عمل پیرا ہوں۔

امام ترمذیؒ نے بھی اسی غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ خطبہ پڑھا اور لکھا۔

اعتراض اور اس کا جواب :

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابتدا تو ایک ہی چیز سے متصور ہوتی ہے، حالانکہ احادیثِ ابتدا تو تسمیہ اور تحمید دونوں کے متعلق منقول ہیں۔ شارح تہذیب جواباً لکھتے ہیں کہ (۱) حدیثِ تسمیہ کا محل ابتداءِ حقیقی اور حدیثِ تحمید کا محل ابتداء اضافی یا عرفی ہے۔ (۲) یا دونوں کا حمل ابتداءِ عرفی پر لیا جائے۔

(۳) نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تسمیہ کی غرض ذاتِ خدا کا ذکر ہے اور الحمد کی غرض وصفِ خدا کا تذکرہ ہے اور ذاتِ شئی ہمیشہ وصفِ شئی پر مقدم ہوتی ہے۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم :

"بسم الله" کے متعلق کو بعض حضرات اس سے مقدم مانتے ہیں اور بعض مؤخر۔ چنانچہ متعلق کو مؤخر ماننے کی صورت میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ...... و فی تاخير المتعلق ايماء لافادة الاختصاص واشعار باستحقاق تقديم ذكر اسمه الخاص لاسيماهاهو السابق فی الوجود و الفكر يستحق السبق فی الذكر و الفكر..... الخ۔ (جمع ص۳) (اور بسم اللہ کے متعلق کو مؤخر ماننا برائے اختصاص بھی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اسم خاص کے استحقاقِ تقدیم کا مشعر بھی۔ خصوصاً جو ذات کہ وجود و تفکر میں مقدم ہو تو چاہئے کہ وہی ذات ذکر و فکر کرنے میں تقدیم کی مستحق ہو) اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کے نزدیک متعلق مؤخر مقدر کرنا اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ تقدیر عبارت یوں لکھتے ہیں : ای باستعانة اسم المعبود بالحق الواجب المطلق المبدع للعالم المحقق اُصنف هذا الكتاب اجمالاً و اُؤلف بين كل باب و باب تفصيلًا. (واجبِ مطلق، معبودِ برحق، جہاں کے خالق و مالک کے نام کی مدد و نصرت سے اس کتاب کو اجمالی طور پر تصنیف کرتا ہوں۔ اور ہر ہر باب کو مفصل بیان کے لئے جمع کرتا ہوں)

بسملة کی فضیلت :

علامہ بیجوریؒ المواهب اللدنية کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں، واعلم انه لكل شارع فی فن ان يتكلم على البسملة بطرف ممّا يناسب ذلک الفن و نحن شارعون فی فن علم الحديث فنتكلم عليها بنبذة من فضلها باعتبار الفن المشروع (کہ ہر علم و فن میں شروع کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اسی فن کی مناسبت سے بسم اللہ کے متعلق بھی کچھ گفتگو کرے اور چونکہ ہم فن حدیث میں شروع کرنے والے ہیں تو اس لئے ہم بھی بسم اللہ کے متعلق جو فضائل احادیث میں وارد ہیں ان کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں)

''بسم اللہ'' کے بہت سے فضائل احادیث، تفاسیر اور تاریخ کی کتب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند خاصیات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی مفصل روایت میں یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں' فان المعلم اذا قال للصبی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقالھا کتب اللّٰہ براءۃ للصبی و براءۃ للمعلّم وبراءۃ لابویه من النار (مواھب ص ۲) (کہ جب استاد لڑکے (شاگرد) کو ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا کہتا ہے اور وہ شاگرد اس کو پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس لڑکے اس کے استاد اور اس کے والدین کے لئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا پروانہ لکھ دیتے ہیں)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مؤمن کے شیطان اور کافر کے شیطان کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔ کافر کا شیطان بڑا موٹا تازہ، تیل لگائے اور کپڑے پہنے ہوئے تھا اور مومن کا شیطان لاغر' پراگندہ بالوں والا ننگا، تو شیطانِ کافر نے شیطانِ مؤمن سے کہا کہ آپ ایسی حالت میں کیوں ہیں، اس نے جواباً کہا کہ میں ایسے بندۂ (خدا) کے ساتھ رہ رہا ہوں کہ جب کبھی وہ کھاتا پیتا ہے، بسم اللہ پڑھ کر کھاتا پیتا ہے، تو میں بھوکا پیاسا رہ جاتا ہوں اور جب تیل لگاتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر لگاتا ہے، تو میں پراگندہ بالوں والا رہ جاتا ہوں اور جب وہ پہنتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر پہنتا ہے، اس لئے میں ننگا رہ جاتا ہوں۔ تو شیطانِ کافر کہتا ہے کہ میں تو ایسے (شخص) کے ساتھ رہتا ہوں کہ وہ تو ان میں سے کسی کام کے وقت بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اس لئے میں ان سب چیزوں میں اس کا شریک بن جاتا ہوں اور مجھے بھی سب اشیاء میسر ہو جاتے ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے من اراد ان ینجیه اللّٰہ من الزبانیة التسعة عشر فلیقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فان بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم تسعة عشر حرفا و خزنة جھنم تسعة عشر (عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۳۰:۷۴) فیجعل اللّٰہ تعالی بکل حرف منھا جُنّة من کل احد منھم و لم یسلطھم علیه ببرکة بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (و غیرھا من الروایات الکثیرۃ۔ مواھب ص۳) (کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ انیس (۱۹) زبانیہ فرشتوں (جو دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلیں گے) سے نجات پاوے۔ تو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اس لئے کہ اس کے

حروف انیس (۱۹) ہیں اور جہنم کے داروغوں کے تعداد بھی انیس (۱۹) ہے۔ (قرآن میں ہے کہ اس پر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں) تو اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ (ان فرشتوں سے) پڑھنے والے کے لئے ڈھال بنا دیتے ہیں اور ان زبانیہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت سے اس پڑھنے والے پر مسلط نہیں فرماتے (اور بھی بہت سے روایات اس سلسلہ میں منقول ہیں)

الحمد للّٰہ :

یہ جملہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۱) الف ولام (۲) حمد (۳) لفظ اللہ۔ شارحینؒ نے ان کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے کہ الف ولام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اسمی (۲) وحرفی۔ اسمی وہ ہے جو صیغہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر داخل ہوتا ہے اور بمعنی الذی کے مستعمل ہوتا ہے اور الف ولام حرفی کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہدِ خارجی (۴) عہدِ ذہنی۔ جن کی دلیل حصر کی طرف محشی بیضاویؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اپنے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ الف لام حرفی کے مدخول سے یا تو نفسِ ماہیت مراد ہوگی یا افراد، اگر صرف ماہیت مراد ہو تو یہ لام جنسی ہے، جیسے "الرجل خیر من المرأۃ" (یعنی ماہیتِ رجل بہتر ہے ماہیتِ عورت سے) اگر جنسِ عورت کا ایک آدھ فرد کسی مرد سے بہتر ہو جائے، تو یہ اس مقولہ کے ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر مدخول الف لام سے افراد مراد ہوں، تو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں، تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض افراد، صورتِ اوّل میں الف لام استغراقی ہوگا، جیسے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲:۱۰۳) (کہ سب انسان خسارہ میں ہیں) میں (بقرینہ استثناء) اور صورتِ ثانیہ دو حالی سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ بعض افراد خارج میں معین ہوں گے یا غیر معین۔ اول کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں، جیسے فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (۱۶:۷۳) (پس نافرمانی کی فرعون نے (معہود) رسول کی (یعنی جو اس سے پہلے مذکور ہے) اور ثانی عہد ذہنی کہلاتا ہے، جیسے "وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ" (۱۳:۱۲) (ای ذئباً ما) (اور مجھے خوف ہے کہ کہیں اس کو کوئی بھیڑیا (بھیڑیوں میں سے) نہ کھالے) اس لئے نحویین الف لام عہد ذہنی کو حکماً نکرہ کہتے ہیں ...... یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ الحمد للّٰہ میں الف لام یا تو جنسی ہوگا یا استغراقی اور ہر ایک صورت میں معنی

ظاہر ہیں۔

حمد کی بحث :

یہ باب "سمع" سے مصدر ہے' تحمید اور محمدۃ کے الفاظ بھی مستعمل ہوتے ہیں۔لغوی طور پر یہ کسی چیز کی تعریف ،توصیف اور تحسین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حمد کا تحقق وثبوت چار ارکان سے ہوتا ہے۔حامد: تعریف کرنے والا ،محمود: جس کی تعریف کی جائے ،محمود علیہ: جس خوبی پر تعریف کی جائے ،محمود بہ: جن الفاظ کے ذریعے تعریف کی جائے۔

حمد کی اصطلاحی تعریف صاحبِ مختصر المعانی نے یہ کی ہے۔ **هو الثناء باللسان على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغيرها** (یعنی زبان سے بہ ارادہ تعظیم کسی کی تعریف کرنا خواہ نعمت سے متعلق ہو یا غیر نعمت سے)اور حمد چونکہ شکر ہی کی ایک صورت ہے،جیسا کہ حدیث میں ہے،**الحمد رأس الشكر ما شكر الله من لم يحمد** (بیضاوی ص٦) (حمد وثنا تو شکر کا سَر یعنی بنیاد ہے(اس لئے)جو شخص اللہ کی حمد نہیں کرسکتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کر سکتا)اس لئے اسی مناسبت سے شکر کی تعریف بھی ان الفاظ سے نقل کردی ہے۔کہ **فعل ينبئى عن تعظيم المنعم لكونه منعمًا سواء كان باللسان او بالجنان او بالاركان** (شکر ایک ایسا فعل ہے جو منعم کی بحیثیت منعم ہونے کے تعظیم کو بتلائے خواہ وہ زبان سے ہو یا پھر دل اور اعضاء وجوارح سے ہو)

حمد وشکر اور مدح کا فرق :

حمد اور شکر کی اصطلاحی تعریف سے یہ بخوبی واضح ہورہا ہے کہ حمد باعتبار مورد (صدور) کے خاص اور باعتبار متعلق کے عام ہے اور شکر اس کے برعکس ہے،یعنی شکر متعلق کے لحاظ سے خاص اور مورد کے لحاظ سے عام ہوا' تو گویا ان کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوئی ،جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوتے ہیں۔علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے اس کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ: **و من ههنا تحقق تصادقهما فى الثناء باللسان فى مقابلة الاحسان و تفارقهما فى صدق الحمد فقط على الوصف بالعلم والشجاعة و صدق الشكر فقط على الثناء بالجنان فى مقابلة الاحسان** (مطول

ص ۸) (اور چونکہ حمد وشکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اس لئے ان دونوں کا تحقق اور ثبوت یکجا بصورت زبانی حمد وثناء جبکہ بمقابلہ کسی محسن کے احسان کے ہو اور ان دونوں کے تفارق (جدائی) کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کسی شخص کی صفتِ علم یا بہادری کی تعریف ومدح کی جائے تو یہ صرف حمد (اصطلاحی) ہوگا (شکر نہ ہوگا) اور اگر کسی شخص نے آپ کے ساتھ احسان کیا اور آپ دل ہی دل میں اس کی تعریف کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں تو یہ شکر (اصطلاحی ہوگا) حمد نہیں۔ کیونکہ زبان کے ساتھ تعریف نہ ہوئی)

چونکہ حمد وشکر کی تعریف میں عام طور پر علی الجمیل الاختیاری ...... الخ' کا ذکر ہوتا ہے۔ بخلاف مدح کے جیسے بیضاویؒ فرماتے ہیں، والمدح هو الثناء علی الجمیل مطلقاً (اور مدح کا معنیٰ مطلقاً کسی جمیل چیز پر ثناء کرنا) تو گویا مدح میں ثناء فعلِ غیر اختیاری پر بھی ہوسکتی ہے 'مدحت اللؤلؤ علی صفائها (میں نے موتی کی اس کی صفائی کی وجہ سے تعریف کی) مشہور مثال ہے اور اسی فرق کو بتلانے کے لئے امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ : تقول حمدت زیدا علی علمه و کرمه ولا تقول حمدته علی حسنه بل مدحته (بیضاوی ص ۶) (کہ تو یہ تو کہتا ہے کہ میں نے علم وسخاوت کی وجہ سے زید کی تعریف کی اور یہ نہیں کہتا کہ میں نے اس کے حسن کی وجہ سے اس کی حمد وتعریف کی بلکہ تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے حسن کی مدح کی) حمد اور مدح کی نقیض ذم اور شکر کی نقیض کفران آتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ " لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ" ٥ (۱۴:۷) (قرآن مجید میں ہے کہ اگر تم شکر کروگے تو میں زیادہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب سخت ہے) و قال وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (۲:۱۵۲) (کہ میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

اشکال اور اس کے جوابات :

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ جب حمد کی تعریف میں باللسان کی قید ہے، تو اس سے حمدِ باری تعالیٰ اور نباتات و جمادات وغیرہ کی حمد وتسبیح خارج ہوگئی' اس لئے کہ ان مذکورہ میں تو زبان کا تحقق نہیں ہے۔ شارحینِ کرام جواب میں فرماتے ہیں۔ (۱) یہاں حمد سے مطلق حمد مراد نہیں، بلکہ وہ حمد جو

انسان کرتا ہے۔(۲) خدا تعالیٰ نے جو اپنی ذات کے محامد بیان کئے ہیں، اس کو حقیقتاً حمد نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ اظہارِ صفات کمالیہ سے مجاز ہیں یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنی حمد بندوں کی زبان پر جاری کی ہے۔ (۳) زبان سے مراد قول ہے اور خدا کی تعریف کے قول ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں۔(۴) زبان سے مراد مطلق مبدءِ تعبیر ہے (نیل الامانی) یعنی یہ تعریف جس کیفیت سے بھی ہو، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ط (۴۴:۱۷) (دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ باری تعالیٰ کی تسبیح (پاکی بیان) کرتی ہے لیکن تم لوگوں کو ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں)

لفظِ اللہ کی تحقیق :

لفظِ اللہ کے بارے میں بہت اختلاف مذکور ہے یعنی یہ کہ لفظِ اللہ عربی یا غیر عربی اسم ذات ہے یا اسم صفت اور علم ہے یا نہیں، جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ کتبِ فنون کی شروح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں "اسم للذات الواجب الوجود المستحق لجمیع المحامد (مطول) (یعنی لفظِ اللہ اسم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور تمام حمدوں کی مستحق ہے)

آگے لکھتے ہیں" ولذا لم یقل الحمد للخالق او الرزاق ونحوهما مما یوهم اختصاص استحقاقه الحمد بوصف دون وصف (مطول) (اسی لئے تو یہ نہیں فرمایا کہ سارے محامد (تعریفیں) خالق کے ہیں یا رازق کے ہیں یا ان جیسے الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ کا بوجہ کسی ایک وصف کے نہ کہ دوسرے وصف سے مستحق حمد و تعریف ہونا معلوم ہوتا ہو) تو نتیجۃً الحمد للہ کا مطلب یہی ہوا کہ الحمد مطلقاً منحصر فی حق من هو مستجمع لجمیع صفات الکمال من حیث هو کذالک فکان کدعوی الشیء ببیّنۃٍ وبرهان ولا یخفی لطفه. (شرح تہذیب) (کہ حمد علی الاطلاق کا انحصار صرف اس ذات کے حق میں ہے جو کہ تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع حقیقتاً ہے تو گویا یہ ایک چیز کا دعویٰ بمع دلائل ہی کے ہوا اور اس کا دقیق ہونے کا لطف کوئی مخفی چیز نہیں ہے)

سوال وجواب :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ تو بہت سے اشخاص یا اشیاء کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں جو

کہ غیر اللہ ہیں، تو یہ انحصارِ حمد فی ذات اللہ کے منافی ہوا۔

جواب: (۱) ہم نے یہ کہا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مستجمع لجمیع صفات الکمال (اللہ تعالیٰ جامع صفاتِ کمالیہ ہیں) اور کوئی بھی غیر اللہ ساری صفات کمال کا جامع نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے لئے ساری تعریفیں بھی نہیں ہوسکتیں۔ (۲) کہ جس غیر اللہ کی بھی تعریف کی جائے گی، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی، کیونکہ جس خوبی کی وجہ سے غیر اللہ (اشخاص یا اشیاء) کی تعریف کی جارہی ہے، اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے، تو گویا مآل اور انجام کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوئی۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. (۱۶:۵۳) (اور جو بھی تمہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: واللّام للاستغراق العرفی بل الحقیقی ای کل حمد صدر من کل حامد فھو مختص و مستحق له تعالیٰ حقیقة وان کان قد یوجد لغیرہ صورةً۔ (جمع ص۴) (کہ الحمد میں لام استغراق عرفی بلکہ استغراقِ حقیقی کے لئے ہے۔ یعنی ہر حمد وثناء کہ وہ کسی حامد (تعریف کرنے والے) سے صادر ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس کے مستحق ہیں اگرچہ وہ صورتاً کسی دوسرے کی حمد وثناء کیوں نہ ہو)

وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ کی توضیح:

جملہ الحمد للہ ہر لحاظ سے لفظاً خبریہ اور معنًی انشائیہ ہے۔ البتہ یہ بھی امکان ہے کہ لفظاً اور معنًی بھی خبریہ ہو۔ لان الاخبار عن الحمد حمد لدلالته علی الا تصاف بالکمال (مواہب ص۴) (اس لئے کہ حمد (مدح وتعریف) سے خبر دینا بھی ایک طرح کی حمد ہے کیونکہ اتصافِ کمالی پر دلالت کرتا ہے) اور جملہ "وسلامٌ علیٰ ...... الخ" صرف انشائیہ بصورتِ خبریہ ہے، ولیس کالحمد لان الاخبار عن السلام لیس بسلام (مناوی ص۴) (اور جملہ سلام حمد جیسے نہیں اس لئے کہ سلامتی سے خبر دینا سلام نہیں ہے) سلامٌ کی تنوین یا تو تعظیم کے لئے ہے، کما فی قوله تعالیٰ "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" (۲:۲) (کہ ھدی للمتقین میں ھدًی کی تنوین تعظیم کے لئے ہے) اور یا تعمیم کیلئے جیسے کہ "تمرةٌ خیر من جرادة" (ہر ایک کھجور مکڑی سے بہتر ہے) مثال میں۔ تو اس کا معنًی یہ ہوا، تسلیم عظیم من رب رحیم او سلامٌ کثیر

منا او ثناء حسن من جانبنا (جمع ص۴) (کہ ربّ رحیم کی طرف سے بڑا اسلام ہو یا یہ کہ بہت سلام ہو ہماری طرف سے اور یا بہتر اور حسین حمد وثناء ہو ہماری جانب سے)

علامہ بیجوریؒ الحمد کے معرفہ اور سلام کے نکرہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایذانا بانه لانسبة بين الحضرة العلية و بين الحضرة النبوية لان العباد و ان بلغوا اعلى الرتب و اعظم القرب لايزالون عاجزين عجزاً بشريا و مفتقرا افتقارا ذاتيا كما قال بعضهم۔

العبد عبد و ان تعالىٰ والمولى مولى وان تنزل

(گویا یہ بتلانا مقصود تھا کہ ذات باری تعالیٰ اور انبیاء کرام کی شان وعظمت میں کسی قسم کی نسبت اور تناسب ممکن نہیں کیونکہ بندے اگر چہ وہ عظمت اور قربت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کو کیوں نہ پہنچ جائیں تو بھی ذاتی احتیاط اور عجز بشری کی وجہ سے ہمیشہ عاجز اور مغلوب ہی رہیں گے۔ جیسے بعض حضرات کا قول ہے کہ غلام تو غلام ہی ہے اگر چہ بلند مقام پر ہو۔ اور آقا (سردار) سردار ہے اگر چہ نیچے بھی ہو)

چنانچہ امام ابو یوسفؒ جب کبھی اپنا تذکرہ امام اعظمؒ کے ساتھ کرتے تو کنیت کے بجائے ادباً اپنا نام ہی ذکر کرتے اور فرماتے :عن يعقوب عن ابى حنيفة (کہ یہ روایت یعقوب کی ابوحنیفہ سے)

سلام نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا ہونے کے اعتراض کا دفعیہ و سوّغ الابتداء بالنكرة تخصيصها بالنسبة للمتكلم (مناوی ص۴) (کہ سلام' باوجود یہ کہ نکرہ ہے لیکن اس کا مبتدا ہونا بوجہ نسبت الی المتکلم کے صحیح ہے) سے ہو گیا۔

عبادہٖ کی اضافت :

عباد جمع عبد کی ہے اور جمع مضاف استغراق کا فائدہ دیتی ہے، تو اس وقت الذين اصطفىٰ صفت احترازی ہو گی، یعنی فاسق فاجر نکل جائیں گے اور اگر عبادہ کی اضافت تعظیم کے لئے ہو ، تو پھر الذين اصطفىٰ صفت بیانیہ کاشفہ ہو گی۔

الذين اصطفىٰ سے مراد :

اکثر حضرات کے نزدیک اس سے مراد انبیاء ہیں۔ اس وقت مصنفؒ پر یہ اعتراض وارد نہیں

ہوگا کہ استقلالاً غیر نبی (کہ نبی کے علاوہ پر بطورِ استقلال) پر سلام کہا گیا، البتہ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ...... هم الذين اصطفاهم و اجتباهم و ارتضاهم و صفاهم عما كدر به سواهم و هم الرسل من الملائكة و من الناس و سائر الانبياء و جميع اتباعهم من العلماء والاولياء الاصفياء فدخل المصطفٰى و آل المرتضٰى و صحبة المجتبى فيهم دخولًا اوّليا (کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر منتخب کرلیا اور ان کو پاک وصاف کیا ان بشری کدورتوں سے جو ان کے علاوہ میں موجود تھیں اور یہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول اور انبیاء کرام اور ان کے متبعین علماء کرام اور اولیاء عظام ہیں تو الذين اصطفٰى میں خود حضور ﷺ اس کی آل واولاد اور صحابہ کرامؓ شروع ہی سے داخل ہیں) پھر مصنفؒ پر سابقہ اعتراض کے ہونے کے پیش نظر جواباً لکھتے ہیں' فلا وجه لم ذكر هنا كلامًا اعتراضيا مع ان المصنف انما اتى بهذه الجملة اقتداء به صلى الله عليه و سلم او بلوط عليه السلام على اختلاف بين المفسرين فى المراد بالخطاب ...... فى قوله تعالىٰ فى الكتاب قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفٰى او ابتداءً بناء على ان المراد بالخطاب العام ففيه اقتباس من كلام الله الخ '(جمع ص ۴) (کہ کوئی وجہ نہیں جو لوگ یہاں اعتراض کرتے ہیں کیونکہ مصنفؒ نے یہ جملہ یا تو حضور ﷺ کی تابعداری میں یا پھر لوط علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے کہا کیونکہ قرآن مجید میں قل الحمد الخ کے خطاب کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے اور یا مصنفؒ نے ابتداءً یہ جملہ کہا اس لئے کہ قرآنی خطاب سے خطابِ عام بھی مراد لیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں یہ کلام اللہ سے اقتباس ہوگا)

مصنفؒ پر اعتراضات اور ان کے جوابات :

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصنفؒ نے سلام کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ شارحینؒ نے مختلف جواب ذکر کئے ہیں (۱) مصنفؒ کی رائے میں افراد بالسلام میں کراہت نہیں (۲) کراہت اس وقت ہے کہ ساری مجلس یا کتاب صلوٰۃ وسلام سے خالی ہو، والمصنف قد زين كتابه بتكرار الصلوٰة والسلام كلما ذكر خير الانام (حالانکہ مصنفؒ نے تو صلواۃ

وسلام سے بار ہا تکرار کے ساتھ اپنی کتاب کو جب بھی آپ ﷺ کا تذکرہ ہوا مزیّن فرمایا ہے)

(۳) یہاں اقتداء اور پیروی الفاظِ قرآن کی مقصود ہے۔(المواہب ص۴) (۴) جمع بین الصلوٰۃ و السلام اولٰی ہے (صلواۃ وسلام کو اکٹھا کرنا) اگر ایک پر اقتصار ہو جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ ثم الصحیح ما ذکره الجزری فی مفتاح الحصن ان الجمع بین الصلوٰة والسلام هو الاولٰی ولو اقتصر علی احدهما جاز من غیر کراهة فقد جری علیه جماعة من السلف و الخلف منهم الام مسلم فی صحیحه (جمع ص۵) (پھر اس سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جو امام جزریؒ نے مفتاح الحصن میں ذکر کی ہے کہ صلواۃ وسلام کو اکٹھا اور یکجا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اگر ان میں سے ایک پر ہی اکتفا کر لی تو بلا کراہت جائز ہے اور اسی پر متقدمین اور متاخرین کا عمل ہے اور انہی میں سے امام مسلمؒ نے یہی طریقہ اپنی صحیح مسلم میں اختیار کیا ہے) (۵) افراد بین الصلوٰۃ والسلام کی کراہت صرف حضور ﷺ پر کہنے میں ہے، نہ مطلقاً، لقوله تعالٰی صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْما ۔ (۵۶:۳۳) (رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو آپ ﷺ پر) و افراد الصلوٰة علیه مکروه فلا تقل صلی الله علیه فقط و لا علیه السلام فقط ۔(جمع ص۵) (بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے (کہ اے ایمان والو! حضور ﷺ پر صلواۃ وسلام کہا کرو) اور آپ ﷺ پر صرف صلواۃ کہنا مکروہ ہے یعنی نہ صرف صلی اللہ علیہ کہا کرو اور نہ صرف علیہ السلام کہا کرو)

باقی رہا مصنف پر اعتراض کہ اس نے اپنے خطبہ میں تشہد (یعنی اشهد ان لا اله، الخ) کا ذکر بھی نہیں کیا، حالانکہ ابوداؤد کی رویت میں " کل خطبة لیس فیها تشهد فهی کالید الجذماء" (کہ ہر ایسا خطبہ جس میں تشہد نہ ہو وہ جذام زدہ ہاتھ کی طرح ہے) مذکور ہے۔ شیخ ابراہیم بیجوریؒ جواب نقل فرماتے ہیں کہ بانه تشهد لفظا و اسقط خطا اختصارا او بأن الخبر فی خطبة النکاح لا الکتب والرسائل بدلیل ذکره فی النکاح ۔(مواہب ص۴) (کہ مصنفؒ نے تشہد کے ساتھ تلفظ کیا ہوگا لیکن کتابت میں بطورِ اختصار کے ساقط کر دیا اور یا یہ کہ حدیث خطبہ نکاح کے متعلق وارد ہوئی ہے نہ کہ کتابوں اور رسائل کے سلسلہ میں کیونکہ اس کا تذکرہ باب النکاح میں ہوا ہے) (۳) کہ روایتِ ابوداؤد میں تشہد سے مراد حمد وثنا ہے۔ والصحیح ما قاله التور بشتی وغیره من ان المراد بالتشهد فی هذا الحدیث الحمد والثناء (جمع ص۵) (اور صحیح وہ ہے جو تور بشتیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ تشہد سے مراد اس

حدیث میں حمد وثناء ہے)۔

(۴) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں،و الاظهر عندی ان تحمل الخطبة فی هذا الحديث على الخطب المتعارفة فی زمانه صلى الله عليه وسلم ايام الجمع والاعياد و غيرها فان التصنيف حدث بعد ذلک (کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ اس حدیث میں جو خطبہ کا ذکر ہے اس کا محمل حضورؐ کے زمانہ کے مشہور ومعروف خطبات ہوں یعنی عیدوں اور جمعوں وغیرہ کے کیونکہ یہ تصنیفات کا سلسلہ تو آپ ﷺ کے زمانہ سے بعد کا ہے)

اَلَّذِينَ اصْطَفٰى کی ترکیب :

صلہ موصول مل کر محلًا مجرور ہے اور عبادہٖ کے لئے صفت ہے اور یا محلاً مرفوع ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ای هم الذين...... الخ یا منصوب علی المدح ہے۔ ثم الشراح اتفقوا على ان قوله الذين اصطفٰى فی محل جرٍ على انه صفة او رفع على انه خبر مبتداء محذوف اونصب على المدح (جمع ص۵) (پھر سب شارحینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ الذين صطفی محلًا مجرور ہے اور عبادہ کی صفت ہے اور یا محلًا مرفوع ہے اور ترکیب میں مبتداء محذوف (ھم) کی خبر ہے اور یا یہ منصوب علی المدح ہے)

قال الشيخ الحافظ ابوعيسٰى محمد بن سورة الترمذی :

مصنفین کی اصطلاح میں مقدمہ دیباچہ اور خطبہ کی یہ دو قسمیں بھی بیان ہوتی ہیں۔(۱) ابتدائیہ (۲) الحاقیہ۔ اگر خطبہ مسائلِ کتاب کے لکھنے سے پہلے لکھا گیا، تو ابتدائیہ کہلاتا ہے اور اگر مسائلِ کتاب پہلے لکھے گئے اور خطبہ بعد میں تو اس کو الحاقیہ کہتے ہیں۔ "التعبير بالماضی يدلّ على ان الخطبة متأخرة عن التأليف و يحتمل انه اوقع الماضی موقع المستقبل لقوّة رجائه او تفاؤلًا بحصوله" (مواہب ص ۴) (کہ یہاں قال الشیخ میں ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ دلالت ہے کہ خطبہ تالیفِ کتاب کے بعد تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنفؒ نے صیغہ ماضی کو مستقبل کی جگہ بطورِ امید یا تفاؤل (نیک شگونی) کے استعمال کیا ہو)

قال الشيخ :

شیخ لغت میں بوڑھے (جس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہو) کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاحاً اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا، جس کے علوم و معارف کثیر ہوں۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں قال الراغب و اصله من طعن في السن ثم عبروا به عمن يكثر علمه لما كان شان الشيخ ان يكثر تجار به و معارفه (مناوی ص ۶) (امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ شیخ کا اصل استعمال تو بوڑھے شخص میں ہے لیکن علماء حضرات اس کی تعبیر ماہر اور کثیر العلم شخص سے کرتے ہیں کیونکہ شیخ کا رتبہ اور شان یہی ہے کہ اس کے تجربے اور معارف وعلوم کثرت سے ہوں)

محدثینؒ حضرات کی اصطلاح میں شیخ، محدث اور استاذ کے الفاظ کا اطلاق اس عالم دین پر ہوتا ہے، جس سے روایات لی جائیں اور اس کی نقل کردہ روایات کا اعتبار کیا جائے، خواہ اس کی عمر پچاس سال سے کم ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ امام بخاریؒ کو گیارہ برس کی عمر سے شیخ کہا جانے لگا۔ و قد ثبت انه لما بلغ احدى عشرة سنة رد على بعض مشائخه غلطا وقع له حتى اصلح كتابه من حفظ البخاری (اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جب امام بخاریؒ کی عمر گیارہ (۱۱) برس کو پہنچی تو اپنے بعض مشائخ اور اساتذہ کی غلطی پر گرفت کی اور شیخ نے اپنی کتاب کی اصلاح امام بخاریؒ کی یادداشت اور حفظ پر کرلی) صحابہؓ اور تابعینؒ بھی نوجوانی کے زمانہ ہی میں احادیث نبویہ کی تعلیم و تعلّم فرماتے رہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے متعلق بھی یہی منقول ہے۔ و قد افاده مالک وهو ابن سبع عشرة سنة او عشرين سنة و الشافعي تلمذه العلماء و هو في حداثة السن۔ (جمع الاصول ص ۶) (کہ امام مالکؒ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور امام شافعیؒ کی بھی نوجوانی میں علماء نے شاگردی اختیار کی ہے)

الحافظ :

یہاں حافظ سے مراد حافظِ حدیث ہے، حافظ قرآن مجید نہیں ویحتمل انه كان حافظاً للكتاب والسنة' (اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حافظ قرآن اور حدیث بھی ہو) شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے علامہ مطرزیؒ

کے حوالہ سے محدثین کے پانچ طبقات لکھے ہیں، اولها الطالب و هو المبتدی ثم المحدث و هو من تحمل روایته و اعتنی بدرایته ثم الحافظ وهو من حفظ مائة الف حدیث متناً و اسنادًا ، ثم الحجة وهو من حفظ ثلاث مائة الف حدیث ثم الحاکم و هو من احاط بجمیع الحادیث (مواہب ص۵) — ((۱) مبتدی اور طالب (۲) محدث جس کی روایت اور درایت کا اہتمام واعتناء کیا جائے (۳) الحافظ جس کو ایک لاکھ حدیثیں متناً وسنداً یاد ہوں (۴) حجۃ جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں (۵) الحاکم جس نے تمام احادیث کا احاطہ کیا ہو)

البتہ ملا علی قاریؒ ان کے علاوہ علامہ جزریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ...... الراوی ناقل الحدیث بالاسناد ......والحافظ من روی مایصل الیه و وعی مایحتاج لدیه (جمع ص٦) (کہ راوی وہ ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرے اور حافظ وہ ہے کہ جو اس تک حدیث پہنچے تو وہ اس کی روایت دوسروں کو کردے اور جس کو اس کا احتیاج ہو تو وہ محفوظ کرلے)

تدریب الراوی (ص ۷) میں ہے ...... و اخرج السمعانی بسنده عن ابی نصر قال العالم الذی یعلم المتن والاسناد جمیعا ، والفقیه الذی عرف المتن و لایعرف الاسناد و الحافظ الذی یعرف الاسناد و لایعرف المتن ، والراوی الذی لایعرف المتن ولا یعرف الاسناد . (امام سمعانیؒ نے سند متصل کے ساتھ ابونصر سے نقل کیا ہے کہ عالم وہ ہے کہ جو متنِ حدیث اور اسناد دونوں کو جانتا ہو اور فقیہ وہ ہے کہ جو متنِ حدیث تو جانتا ہو لیکن اسنادِ حدیث کا علم نہیں رکھتا اور حافظ وہ ہے کہ جو اسنادِ حدیث جانتا ہے اور متنِ حدیث کا علم نہیں جانتا اور راوی وہ ہے کہ اس کو نہ متنِ حدیث اور نہ اسنادِ حدیث کی معرفت ہو) حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آج کل حافظ (حدیث) کوئی نہیں، گویا حفاظ کی پیدائش بند ہوگئی' اگرچہ امکان ہے' تاہم تجربہ یہ ہے کہ حافظ الحدیث کوئی نہیں رہا (تقریرِ ترمذی)

کنیّتِ ابوعیسیٰ کی بحث :

امام ترمذیؒ کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ پورا سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن

موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی الترمذی۔

علماء میں بعض حضرات نے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کی ممانعت کی ہے کہ اس میں شائبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی والد تھا۔ لما روی ان رجلا تسمی ابا عیسیٰ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لا اب له فکره ذلک (اس لئے کہ ایک روایت ہے کہ ایک شخص ابوعیسیٰ کے ساتھ مسمی تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا تو باپ نہ تھا تو اس شخص کو یہ اچھا نہ لگا) اور مصنف ابن ابی شیبة نے بھی اس پر مستقل باب "ما یکره للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ" (باب! مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھے) باندھا ہے (مقدمة تحفة الأحوذی ص ۱۷۰) اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے تو باپ نہیں تھے۔ (ابوداؤد ص ۶۷۸، مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۴۲)

تو اشکال یہ ہے کہ روایات میں ممانعت اور فساد عقیدہ کے شبہ کے باوجود امام ترمذیؒ جیسے عظیم محدث اور امام حدیث نے یہ کنیت کیوں اختیار کی۔

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث محدثِ کبیر مولانا عبدالحق قدس سرہٗ نے چند توجیہات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے راجح توجیہ اسے قرار دیا کہ (۱) امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن کی کتاب الآداب میں ابوعیسیٰ کنیت اختیار کرنے پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں حضرت مغیرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے جب ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا، حضرت مغیرہؓ نے فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی زندگی مبارک میں اس کنیت کو اختیار کیا تھا الخ (ابوداؤد ص ۶۷۸) (حافظ ابن حجر نے الاصابة میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے) تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممانعت کی روایات اسلام کے ابتدائی دور پر محمول ہیں جب کہ لوگوں میں اسلامی عقائد کامل طور پر رچے بسے نہیں تھے اور جب اسلام کی اشاعت ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت بیٹھ گئی، تب جواز کا حکم آیا، ممانعت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ (حقائق السنن ج ۱ ص ۷۷)

بذل المجهود میں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امامِ ترمذی رحمہ اللہ نے عدم جواز کی روایت پہنچنے سے

پہلے ’’ابوعیسیٰ‘‘ کنیت اختیار کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کنیت انہوں نے خود اختیار نہ کی ہو بلکہ اُن کے آباء نے رکھی ہو۔(بذل ج۶ص۲۷۰)

(۲) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، **لکن تحمل الکراھة علی تسمیة ابتداءً فاما من اشتھر به فلا یکرہ کما یدل علیه اجماع العلماء والمصنفین علی تعبیر الترمذی به للتمیز** (جمع ص۶)

(لیکن ابوعیسیٰ کی کنیت کی کراہت کو ابتداءً رکھنے پر محمول کیا جائے گا البتہ جو اس کنیت کے ساتھ مشہور ہو تو اس میں کراہت نہیں کیونکہ علماء اور مصنفین کا امام ترمذیؒ کی کنیت ابوعیسیٰ سے برائے امتیاز تعبیر کرنے پر اجماع ہے)

الترمذی :

ترمذی نسبت وطنی ہے۔ ترمذ نہر بلخ یعنی نہر جیحون کے کنارے خوارزم کے قریب واقع ہے۔ **قال النووی فیه ثلاثة اوجه کسر التاء والمیم (تِرمِذ) و ھو الاشھر وضمھما (تُرمُذ) وفتح التاء وکسر المیم (تَرمِذ)**۔(امام نوویؒ نے لفظ ترمذ میں تین صورتیں بیان کی ہیں (۱) تاء اور میم دونوں کا کسرہ (ترِمِذ) اور یہی زیادہ مشہور ہے (۲) دونوں کا ضمہ ہو (تُرمُذ) (۳) تاء کا فتحہ اور میم کا کسرہ ہو (تَرمِذ)

ایک مغالطہ کا ازالہ :

چونکہ ترمذی کے نام سے تین ائمہ مشہور ہیں۔ اس لئے اسی مماثلت کی وجہ سے اشتباہ ہو جاتا ہے، حالانکہ تینوں کے درجات مختلف اور مراتب علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۱) امام ابوعیسیٰ الترمذی صاحب السنن (جن کا ابھی تذکرہ ہوا)

(۲) ابوالحسن احمد بن حسن الترمذی ہیں، ترمذی کبیر ان کا لقب ہے، اکابر اساتذہ میں سے ہیں۔

(۳) حکیم الترمذی یہ نوادر الاصول کے مصنف ہیں، جو حدیث کی کتاب ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ حقائق السنن)

قال الشیخ ...... الخ کا قائل کون ہے ؟

اس میں اختلاف ہے کہ **قال الشیخ الحافظ ...... الخ** کا قائل کون ہے؟ بعض حضرات یہ

کہتے ہیں کہ یہ عبارت امام ترمذیؒ کے شاگردوں کی ہے۔ البتہ الحمد للہ وغیرہ میں یہ احتمال ہے کہ وہ مصنفؒ کا کلام ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بھی تلامذہ کا کلام ہو...... و قیل یصح ان یکون ذلک الوصف (ای قال الشیخ......الخ) من نفسه للاعتماد لا للافتخار (جمع ص ۷) (اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قال الشیخ کے وصف کا تذکرہ خود مصنفؒ نے بطورِ اعتماد کے کیا ہو نہ کہ فخر اور ریا کے لئے)

ملا علی قاریؒ اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ...... والاولی عندی ان ینسب البسملة و الحمدلة الی المصنف عملاً بحسن الظن به ...... ثم ان تلامذته کتبوا قال الشیخ ابوعیسٰی الی آخره ولما قال الخطیب و ینبغی ان یکتب المحدث بعد البسملة اسم شیخه و کنیته و نسبته ثم یسوق ماسمعه منه (جمع ص ۷) (کہ میرے نزدیک اولیٰ اور بہتر صورت تطبیق یہ ہے کہ بسملہ اور حمدلہ یعنی تسمیہ اور تحمید کی نسبت تو حسن ظن کی بناء پر مصنفؒ کو ہو (کہ عمل بالحدیث کیا) اور پھر اس کے تلامذہ نے قال الشیخ الخ لکھا ہے اور اس لئے بھی کہ خطیبؒ (بغدادی) نے کہا ہے کہ ہر محدث کے لئے یہ مناسب ہے کہ تسمیہ کے بعد اپنے شیخ (استاد) کا نام اور کنیت و نسبت کا تذکرہ کرے اور پھر شیخ کا کلام مسموع بیان کرے)

(۳) تیسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مصنفؒ کے نسخہ میں صرف قال ابوعیسٰی ...... الخ' تھا اور الشیخ الحافظ کی زیادتی تلامذہ کی طرف سے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام ترمذیؒ (اجمالی سوانح و تذکرہ) :

سیدی و استاذی، محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اپنے درس ترمذی میں امام ترمذیؒ کے تفصیلی حالات بیان فرمایا کرتے تھے۔ حقائق السنن کی ترتیب و تالیف کے وقت احقر نے نقل کر کے مرتب کئے تھے اور حسبِ ضرورت حاشیہ بھی لکھا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی کی تلخیص ہے۔

نسب :

مصنف شمائل امام ترمذیؒ کی کنیت ابوعیسٰی اور نام محمد بن عیسٰی بن سورہ ہے۔ بنی سُلیم قبیلہ کی

نسبت سے ان کو سُلمی کہا جاتا ہے۔آپ علاقہ ترمذ کے قصبہ بوغ (جوکہ چھ فرسخ ترمذ سے دور ہے) میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم سلسلہ :

ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی، چونکہ اس علاقہ میں ہر طرف علم حدیث کا چرچا تھا، لہٰذا جوں ہی سن شعور کو پہنچے، علم حدیث کا شوق دامن گیر ہوا۔طلب علم کی پیاس بجھانے کی خاطر خراسان، بصرہ، کوفہ، شام و مصر اور حجاز وغیرہ کے سفر کیے اور بڑے بڑے جلیل القدر اساتذۂ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ...... طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانيين والعراقيين والحجازيين (تہذیب التہذیب ج۹ص ۳۸۸) (کہ امام ترمذیؒ بہت سے ممالک گئے ہیں اور بہت سے خراسانی عراقی اور حجازی اساتذہ اور مشائخ سے سماع کیا ہے) آپؒ کے اساتذہ اور شیوخِ حدیث کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔مشہور اساتذہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداوٗدؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، محمد بن بشارؒ قابل ذکر ہیں۔امام بخاریؒ کی وفات کے بعد آپ ہی ان کے خلیفہ اور جانشین قرار دیئے گئے اور آپؒ نے ہی مسند حدیث کو رونق بخشی' امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن علک کو فرماتے سنا کہ : مات البخاری فلم يخلف بخراسان مثل ابی عيسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزهد بكی حتی عمی و بقی ضريراً سنين (تذکرۃ الحفاظ ج۲ص ۲۳۴) (کہ امام بخاریؒ فوت ہوئے اور خراسان میں ابوعیسیٰ (ترمذی) جیسے عالم وحافظ متقی پرہیزگار کے پایہ کا امام وشیخ نہیں چھوڑا ۔خشیت وخوف سے رورو کر کئی سال تک نابینا زندگی گزاری)

امامِ ترمذیؒ ' امام بخاریؒ کی نظر میں :

امام بخاریؒ اپنے اِس لائق اور قابل شاگرد کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ :ما انتفعت به منک اكثر مما انتفعت منی (میں نے جتنا نفع آپ سے اٹھایا وہ اس کے مقابلہ میں بہت کثیر ہے جتنا آپ نے مجھ سے لیا ہے) جس کی وضاحت علامہ انور شاہ کشمیریؒ یوں فرماتے ہیں...... کہ جس طرح تلامذہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اساتذہ ان کو سبق پڑھائیں، اسی طرح اساتذہ کی بھی خواہش اور

ضرورت ہوتی ہے کہ تلامذہ ان سے سبق پڑھیں اوران کے علوم و معارف کومحفوظ کر کے اس کی اشاعت کریں، پھر تلامذہ میں لائق، ذہین اور ذکی طالب علم سے اشاعتِ علم کا جو فائدہ استاد کو حاصل ہوتا ہے، وہ کسی غبی سے بہت کم ہوتا ہے۔

نیز ذکی اور ذہین طالب علم جب استاد سے اہم مسائل دریافت کر کے جواب طلب کرتا ہے، تو استاد کی نگاہ بہت سے دوسرے علوم کی طرف جاتی ہے اور وسعتِ علم کا ذریعہ بنتی ہے، تو گویا امام ترمذیؒ کے شیخ اور استاد امام بخاریؒ کے اس ارشاد کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ آپ کی وجہ سے میرے علوم و معارف کی جو اشاعت ہوئی، وہ واقعۃً آپ کے مجھ سے استفادہ کرنے سے کئی گنا بڑھ کر ہے اور اس سے جو مجھے فائدہ پہنچا ہے، وہ آپ کے استفادہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔

روایۃ البخاری عن الترمذی :

امام بخاریؒ جیسے کہ آپؒ کے بڑے مشائخ میں سے ہیں اور بہت سی روایات ان سے نقل کی ہیں۔اسی طرح امام ترمذیؒ بعض احادیث میں اپنے شیخ امام بخاریؒ کے بھی استاد ہیں۔ چنانچہ خود اپنی دو حدیثوں کے بارے میں یہ تصریح فرمادی کہ یہ دونوں روایات امام بخاریؒ نے مجھ سے سنی ہیں، اس کو اصطلاحاً روایۃ الاکابر عن الاصاغر (کہ بڑے لوگوں کا چھوٹے مرتبہ کے لوگوں سے روایت کرنا) کہا جاتا ہے۔

(۱) ان میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جو آیت کریمہ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا (۵۹:۵) (کہ تم کوئی لینہ (کھجور کا درخت) وغیرہ کو نہیں کاٹتے یا اس کو اپنے تنے پر چھوڑتے ہو) کی تفسیر میں ہے، قال اللينة النخلة (ترمذی ج۲ ص۱۶۶) (کہا کہ لینہ سے مراد کھجور کا درخت ہے)

(۲) دوسری حدیث ابواب المناقب میں حضرت علیؓ کے مناقب میں روایت ہے۔ یا علی! لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرک (ترمذی ج۲ ص۲۱۴) (اے علیؓ! کہ میرے اور آپ کے سوا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اس مسجد میں جنبی ہو) ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک

حدیث کونقل کرنے کے بعدامام ترمذیؒ لکھتے ہیں، قد سمع محمد بن اسمٰعیل هذا الحدیث (حقائق السنن ص ۴۷) (یعنی محمد بن اسماعیل البخاری نے یہ حدیث مجھ سے سنی تھی)

مسندِ درس پر تمکّن :

چونکہ خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ میں امام ترمذیؒ کے ہم پلہ کوئی دوسرا محدث نہیں تھا۔اس لئے اطراف عالم سے طالبانِ حدیث کا ایک جمِ غفیر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوتا رہا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں احمد بن عبد اللہ المروزی، اسعد بن حمدویہ، داؤد بن نصر البزدوی، احمد بنؒ یوسف النسفی، محمد سفیان، ابومحمد حسن بن ابراہیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصانیف :

آپ کی سوانح میں تو مختلف تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔البتہ مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔
(۱) جامع ترمذی (۲) علل الصغیر (۳) علل الکبیر (۴) کتاب الاسماء الکنی (۵) کتاب الزھد (۶) کتاب الجرح والتعدیل (۷) اور کتاب الشمائل نبویہ وغیرہا۔مگر ان سب میں جو مقام و اہمیت، مقبولیت جامع ترمذی کو حاصل ہے، وہ دوسری کتابوں کو حاصل نہ ہوسکی۔محدثین اس کا شمار صحاح ستہ میں کرتے ہیں، اگرچہ اصطلاحی طور پر (ترتیب فقہی ہونے کے اعتبار سے) تغلیباً اس پر سنن کا اطلاق بھی کیاجاتا ہے۔

قوتِ حافظہ :

اللہ پاک نے آپ کو دیگر ظاہر، باطنی محاسن کے ساتھ ساتھ نہایت قوی اور زبردست حافظہ اور ضبط کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا۔حفظ و یادداشت میں آپ اپنے زمانہ کی ایک ضرب المثل بن چکے تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، قال ابوسعید الادریسی کان ابوعیسٰی یضرب به المثل فی الحفظ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۴) (ابوسعید الادریسی فرماتے ہیں کہ ابوعیسٰی (امام ترمذیؒ) قوتِ حفظ میں ضرب المثل تھے)

بڑے بڑے محدثین اور اساتذہ حدیث آپ کی قوت حافظہ کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر

تعجب کرتے تھے۔ایک دفعہ کسی شیخ کے روایات کے دو اجزاء ہاتھ لگ گئے، تو فوراً اپنے پاس نقل کر کے محفوظ کر لئے۔اتفاق سے ایک سفر حج میں اس شیخ سے ملاقات ہوئی، تو امام ترمذیؒ نے ان ہی دو اجزاء کی متعلقہ احادیث سنانے کی درخواست کر دی، تو شیخ نے آپ کی درخواست قبول کر کے اپنے لکھے ہوئے دونوں اجزاء کے لانے کی تاکید کی اور فرمایا کہ انہیں سامنے رکھو، میں قرأت کرتا جاؤں گا، آپ سنتے جائیں گے اور مطابقت کرتے جائیں گے۔امام ترمذیؒ نے قیامگاہ پر جا کر اپنے سامان میں وہ اجزاء تلاش کئے، مگر نہ مل سکے۔بڑے پریشان ہوئے اور ایک ترکیب یہ بنائی کہ سادہ کاغذ لے کر شیخ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور شیخ سے قرأت حدیث کی درخواست کر دی۔شیخؒ پڑھتے جاتے اور امام ترمذیؒ سادہ کاغذ پر نظر جمائے بیٹھے تھے اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ گویا میں شیخ کی قرأت کے ساتھ اپنے اجزاء کی تطبیق کر رہا ہوں۔جب دورانِ قرأت شیخ کی نظر سادہ کاغذ پر پڑی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ناحق میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔چنانچہ بطورِ نمونہ معذرت امام ترمذیؒ نے ساری صورتحال بیان کر دی اور ساتھ عرض کیا کہ اس وقت جس قدر احادیث آپ نے قرأت کی ہیں، سب مجھے یاد ہو گئی ہیں۔شیخؒ نے سنانے کا کہا تو آپ نے ساری فر فر سنا دیں۔شیخ کو تعجب ہوا اور کہا کہ شاید آپ کو پہلے سے ہی یاد تھیں، لیکن امام ترمذیؒ نے عرض کیا کہ امتحاناً مزید احادیث سنا دیں، میں وہ بھی فوراً سنا دوں گا۔چنانچہ شیخ نے غرائب سے مزید چالیس احادیث کی قرأت کی۔امام ترمذیؒ نے اب کی بار بھی وہ تمام سنی ہوئی احادیث فوراً دہرا دیں، تو اس پر شیخ کو بے حد مسرت ہوئی اور فرمایا، مارأیت مثلک قط (میں نے آپ جیسا شخص بالکل نہیں دیکھا ہے)

(۲) دوسرا واقعہ اس سے بھی عجیب ہے کہ بڑھاپے میں جب آپ کی نظر جاتی رہی اور نابینا ہو گئے تھے، تو ایک قافلہ کے ساتھ سفر حج پر جا رہے تھے۔اس زمانے میں اونٹ کی سواری تھی۔دورانِ سفر اونٹ پر بیٹھے ہوئے ایک جگہ پر امام ترمذیؒ نے اپنا سر اور کمر جھکا لی۔رفقاء نے اس کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا کہ کیا تمہیں یہاں کوئی درخت نظر نہیں آتا۔رفقاء نے جب انکار کیا تو امام ترمذیؒ نے اصرار کیا کہ اس مقام پر درخت تھا۔رفقاء نے جب دوبارہ کہا کہ یہاں تو کوئی بھی درخت نہیں ہے، تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعتہً یہاں پر کسی زمانہ میں بڑا درخت تھا،

مگر اب کاٹ دیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ کافی عرصہ پہلے میرا یہاں گذر ہوا تھا، تو یہاں ایک بڑا درخت تھا، جس کی ٹہنیوں اور شاخوں سے خود محفوظ کرنے کے لئے ہم نے اپنی گردنیں جھکالی تھیں۔ ساتھ فرمایا کہ تحقیق کی اس لئے ضرورت تھی کہ اگر میری بات غلط ثابت ہو جاتی تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا میں حدیث بیان کرنا ترک کر دیتا۔

عبادت و پرہیز گاری :

خشیتِ الٰہی اور زہد وتقوی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اکثر اوقات خوفِ خدا سے روتے رہتے تھے۔ اس شبانہ روز عبادت اور گریہ وزاری سے آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ اگر چہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ مادرزاد نابینا تھے، لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی تردید کی ہے۔

وفات :

آپ دینی علوم خصوصاً علم حدیث کی اشاعت میں تمام عمر مصروف رہے۔ ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات اور کل مدت عمر کو ایک مصرعہ میں جمع کر دیا ......

ع عطر مدادہ (۲۷۹) وعمرہ فی عین (۷۰)

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ خَلْقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان

لفظِ باب کا لغوی معنیٰ!

باب لغت میں (۱) ''اسم لمایتوصل منه الی المقصود " (مواہب ص۶) (یعنی وہ چیز جس سے ہوکر مقصود تک پہنچا جائے) کو کہتے ہیں علماء اور بلغاء کے ہاں یہی معنیٰ معروف ہے یہاں مراد ان احادیث کی معرفت ہے جو ,,خلقِ رسول الله ﷺ (جسم اطہر کی تخلیق اور وضع) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں مشہور شعر ہے۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَیُّ امْرِئٍ اَتَاهُ مِنْ غَیْرِکَ لَا یَدْخُلُ

(مواھب ص۶)

(اور آپ ہی ہر شخص کے لئے اللہ کے قرب ووصال کا دروازہ ہیں جو شخص بھی آپ کے بغیر باب اللہ میں آنا چاہے داخل نہیں ہو سکے گا۔)

(۲) بعض حضرات نے باب کو'' المدخل للشی المحاط بما یحجزہ " سے تعبیر کیا ہے یعنی مکانات میں داخل ہونے والا راستہ' جیسے ہم کہتے ہیں باب المدینة (شہر کا دروازہ) 'باب الدار (گھر کا دروازہ)۔

(۳) کچھ حضرات نے یہاں باب کی تعبیر وَجْهٌ (جہت وصورت) سے کی ہے اذ کل باب وجه من وجوہ الکلام (اس لئے کہ ہر باب کلام کی جہتوں اور صورتوں میں سے ایک صورت پر ہوتا ہے) شیخ عبدالرؤف المناویؒ فرماتے ہیں وجہ کے معنیٰ میں باب کا استعمال بعید من المقام (مناوی

ص ۸) (اس مقام سے بعید ہے)۔

باب کا اصطلاحی معنیٰ:

الالفاظ المخصوصة باعتبار دلالتها على المعانى المخصوصة لانها توصل الى المقصود (مواهب ص ٦) (یعنی وہ مخصوص الفاظ جو اپنی دلالت کے اعتبار سے مخصوص معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ مقصود تک پہنچاتے ہیں)

ایک اعتراض اور جواب:

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ باب تو "**طائفة من الكتاب**" (کتاب کے ایک حصہ) کو کہتے ہیں جس کا اول و آخر معلوم ہو۔

لہذا باب کو کسی چیز کا مدخل نہیں قرار دیا جاسکتا **بل هى بيت من المعانى** (بلکہ وہ تو معانی کا ایک کمرہ ہے) جواب یہ ہے کہ یہ **تشبيه المعقول بالمحسوس** (ایک عقلی شئی کی تشبیہ محسوس اور مشاہد چیز کے ساتھ دینے) کے قبیل سے ہے۔

پس **الكتاب** مثل **الدار** (گھر) کے ہے جو مختلف کمروں پر مشتمل ہوتا ہے مسائل کی ہر ہر نوع گویا ایک مستقل کمرہ ہے اور اس نوع کے مسائل کا آغاز گویا اس کا دروازہ ہے جس سے علوم و معارف کے اس کمرے میں داخل ہونا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ **الكتابُ بمنزلة الجنس** (کتاب بہ منزلہ جنس ہے)' اور **البابُ بمنزلة النوع** (باب بہ منزلہ نوع ہے) اور **الفصلُ بمنزلة الصنف** (فصل بہ منزلہ قسم) کے ہے۔

علامہ بیجوریؒ اور المناویؒ نے ابن محمودؒ شارح ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ **الباب** کا استعمال سب سے پہلے تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا۔ (مواہب ص ٦)

یہاں لفظِ "باب" **ماجاء** کی طرف مضاف ہے۔ یعنی یہ باب حضرت محمد ﷺ کے حُلیہ مبارک کے بیان میں ہے۔ لفظ باب کو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے (١) پہلی صورت تو وہی ہے جو

کتاب میں درج ہے یعنی باب ماجاء الخ اور اگر اس کو دوسرے طریقے سے مبتداء اور خبر بنا کر پڑھیں گے تو یوں ہوگا ھذا باب ماجاء الخ ترکیب دونوں طرح درست ہے۔

ماجاء یعنی وہ احادیث جو خلق رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کے حلیہ) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ لازم نہیں کہ وہ احادیث حضور ﷺ سے ہی منقول ہوں کیونکہ علمِ حدیث ایسی تمام منقولات پر صادق آتا ہے جن کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف کی گئی ہو یا صحابی کی طرف یا ان کے علاوہ دوسروں کی طرف،

بانہ علم یشتمل علی نقل ماضیف الی النبی ﷺ قیل او الی صحابیؓ او الی من دونہ قولاً اوفعلاً او تقریراً او صفۃً (مواہب ص٦) (یعنی علمِ حدیث وہ علم ہے جو نبی کریم ﷺ یا صحابی یا تابعی کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر یا صفت کے بیان پر مشتمل ہو) اس تعریف میں عموم ہے جبکہ علامہ کرمانیؒ نے فرمایا علم یعرف بہ اقوالہ وافعالہ واحوالہ (مناوی ص ١٠) (یعنی یہ وہ علم ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال پہچانے جاتے ہیں)۔

مصنفؒ نے باب خَلقِ رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں کہا، بلکہ ماجاء کا اضافہ کیا اس لئے کہ باب کا موضوع خَلقِ رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں بلکہ باب کا موضوع "ماجاء فی الخَلقِ من الاحادیث الدالۃ علی الخلق ہے (جمع ص٩) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حلیہ مبارک پر دلالت کرتے ہیں) علامہ میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ (١) علماء اور مشائخ سے منقول و معروف روایت تو یہی ہے کہ باب ما جاء الخ میں باب کی اضافت اپنے مابعد کی طرف کر کے مبتداءِ محذوف یعنی ,,ھذا،، کی خبر بنا دیا جائے یا یہ مبتداء ہے اور خبر اس کی محذوف ہوئی ہے (٢) لیکن اظہر یہ ہے کہ حدثنا الی آخر الباب بتاویل ھذا الکلام ہے۔ (جمع ص٩) (حدثنا الی آخر الباب کی تاویل ھذا الکلام سے کر کے باب ماجاء کی خبر ہو)

لفظِ باب کے اعراب :

(١) باب پر تنوین پڑھی جائے تو وہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگا اور ماجاء سے استیناف ہوگا گویا

جب طالب علم لفظ باب' سنتا ہے تو ضرور اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو اس باب میں وارد ہو رہی ہے تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے بقوله ماجاء فی اخبار المروية فی بيان خَلقِ رسول الله ﷺ (اس قول کے ساتھ کہ یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو رسول اللہ ؐ کے حُلیہ مبارک کے بیان میں مروی ہیں) مگر اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ استیناف تو مستقل جملہ ہوتا ہے اور لفظ ماجاء صلہ' موصول یا موصوف اور صفت ہیں دونوں صورتوں میں یہ جملہ تام نہیں' لہذا اس کو جملہ مستانفہ کہنا درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ (۱) یہاں مبتداء مقدر ہے یعنی المورود فی هذا الباب ماجاء الخ (کہ اس باب میں وارد شدہ وہ احادیث جو آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کے متعلق ہیں) (۲) یہ بھی احتمال ہے کہ ماجاء جملہ استفہامیہ ہو بمعنی ای شئی جاء (کہ کیا چیز حضور اقدس ﷺ کے حلیہ کے بارے میں آئی ہے) جیسا کہ امام بخاریؒ کی صنیع ان کی صحیح میں باب کیف کان بدء الوحی (کہ ابتداء وحی کیسے ہوتی تھی) میں منقول ہے۔

(۳) علامہ کرمانیؒ شارحِ بخاری نے اس کی ایک تیسری توجیہ یہ بتائی ہے کہ باب 'بالوقف علی سبيل التعداد للابواب (ابواب کو بطور گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے لفظ باب کو وقف (سکون) کے ساتھ پڑھنا) جائز ہے' جب یہ معنی لیں گے تو اس کا محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد استیناف ہوگا (جمع ص۹) شارح مناویؒ فرماتے ہیں ویجوز الوقف علی سبيل التعداد للابواب فلا يكون له محل من الاعراب ومابعده استيناف (مناوی ص ۹) (اور وقف (لفظِ باب پر) ابواب کی گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے جائز ہے تو اس وقت وہ محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد کلام مستانف ہوگا)

مگر یہ توجیہ اس لئے مخدوش ہے کہ تعداد (بلغاء کے عرف میں) عدد کے منضبط اور محدود کرنے کے لئے ہوتی ہے بشرطیکہ عدد اور اجزاء معدودہ کے درمیان کوئی چیز فاصل نہ ہو جب کہ یہاں ماجاء فی خلق الخ کا فاصل موجود ہے۔

لفظ خَلقُ کی بحث:

خَلقُ بفتح الخاء وسكون اللام (خلق خاء کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ) لغت میں

"التقدیر المستقیم الموافق للحکمۃ" کو کہتے ہیں (جمع ص ۹) (یعنی سیدھا اور برابر مقدار و اندازہ کرنا جو حکمت کے موافق ہو) جیسے عرب کہتے ہیں "خَلَقَ الْخَیَّاطُ الثَّوْبَ" جب درزی کپڑے کے کاٹنے سے پہلے اس کا اندازہ لگالے۔ قرآن کی آیت "فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ" (المؤمنون: ۱۴) (سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) میں یہی مفہوم مدلول ہے۔

(۲) اسی طرح لفظ خلق "ابداع الشئی من غیر اصل" (بغیر نمونہ کے نئی چیز پیدا کرنا) اور ایجاد الشئی من شئی آخر" (ایک چیز کو دوسری چیز سے پیدا کرنا) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے "اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اور " وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ" کا یہی معنیٰ ہے۔ یہاں انسان کی ظاہری صورت اور شکل و شباہت مراد ہے والمراد ھنا صورۃ الانسان الظاھرۃ (مناوی ص ۹) بہرحال خَلْق باب نصر ینصر سے مصدر ہے جس کا لفظی معنی پیدائش اور ایجاد کرنا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جیسے وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: ۱۶۱) یعنی تم کو بھی اور جو کچھ تم بناتے ہو سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ لفظ خلق مخلوق کے معنی میں بھی آیا ہے ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ (لقمان: ۱۱) (یہ تو اللہ کی مخلوق ہے)

الغرض خلق کا معنی پیدائش بھی ہے اور مخلوق بھی، مگر یہاں حضور اقدس ﷺ کی ظاہری شکل وصورت مراد ہے جسے محدثین کرامؒ حُلیہ مبارکہ سے تعبیر کرتے ہیں یہ لفظ حُلیہ پڑھنا بھی درست ہے اور حِلیہ پڑھنا بھی درست ہے

لفظ خُلُق کی بحث:

لفظ خُلُق (بضمتین وبضم وسکون (نہایۃ) (لفظِ خلق خاء اور لام دونوں کے ضمہ یا خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ) الطبیعۃ (عادت) السجیۃ (خصلت سرشت) اور الدین کو کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ انسان کے باطن نفس کے معانی اور اوصافِ خاصہ کو خُلُقُ (بالضم) اور صورتِ انسان کے ظاہر اس کے معانی و اوصاف اور تمام لوازمات کو خَلْق" (بالفتح) کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں جن چیزوں کا ادراک باطنی کمال اور بصیرت سے معلوم ہو جیسے علم اور حلم اس کے لئے لفظ خُلُق (بضمتین) اور جو چیز ظاہری نظر اور بصارت سے معلوم ہوتی ہے ۔ جیسے ہیآت اور صُوَر وغیرہ یعنی کسی چیز کا لمبا چوڑا یا سفید و سیاہ نظر آنا اس کے لئے لفظ خَلق (بالفتح) استعمال ہوتا ہے۔

خص الخَلْقُ بالهيئاتِ والاشكال والصور المدركة بالبصرُ وخص الخُلُقُ بالقوىٰ والسجايا المدركة بالبصيرة كما قال تعالیٰ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (المفردات کتاب الخاء ص ۱۵۸) (لفظ خَلق آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں جیسے ہیئت اور شکل وصورت کی ساخت اور بناوٹ کے ساتھ خاص ہے اور خُلق کا لفظ قویٰ اور عادت وطبیعت کے ساتھ خاص ہے، جن کا ادراک فہم وفراست سے ہوتا ہے)

تقدیم صفات الظاهرة على الباطنة :

مصنفؒ حضور اقدس ﷺ کے اوصاف ظاہر (خَلق) کو اوصاف باطن (خُلق) پر مقدم لائے ہیں حالانکہ باطنی کمالات کو ظاہری کمالات پر فضیلت وترجیح حاصل ہے۔ شارحینِ حدیث اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔(۱) ''الظاهر عنوان الباطن '' (یعنی ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) ایک مستقل اصول ہے اور ظاہر ہے کہ عنوان معنون پر مقدم ہوتا ہے۔

(۲) اس میں ترقی من الظاهر الى الباطن یا ترقی من غير الاشرف الى الاشرف (یعنی ظاہر سے باطن یا غیر اشرف سے اشرف کی طرف ترقی) کی رعایت کی گئی ہے کتاب کا نام بھی ''شمایل'' رکھا گیا ہے یعنی ''ی'' کے ساتھ جو ''شِمال'' (فا کلمہ کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے بمعنیٰ ''عادت، خصلت''۔

بعض لوگ اسے شَمَال (بفتح الفاء) (فا کلمہ کا فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ) سے لیتے ہیں تو یہ شمال (بائیں) ضد الیمین (دائیں) سے ہوگا اور اس معنیٰ میں لینا صریح غلطی ہے۔

(۳) اس میں ترتیبِ وجودی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ ظاہر باطن سے وجود میں مقدم ہے۔

(۱) أخبرنا أبورجاء قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ سَمِعَهُ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ فَتَوَفَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَآءَ .

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس سے اور وہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ سے اور وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے، نہ پستہ قد (جس کو ٹھنگنا کہتے ہیں بلکہ آپ ؐ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونہ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آ جائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پُرنور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جلّ شانہ نے آپؐ کو نبی بنا دیا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ساٹھ سال کی عمر میں اس دنیا سے اٹھالیا، وفات کے وقت سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

راویانِ حدیث (۱) قتیبہ (۲) مالک بن انس (۳) ربیعہ اور (۴) انس بن مالکؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آئندہ بھی راویان حدیث کے تذکرے نمبر شمار کی ترتیب سے ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں درج کیے جا رہے ہیں۔

متنِ حدیث سے قبل:

حدیث کے اصل متن سے پہلے طلباء کو قراءت حدیث شروع کرتے وقت ,,و بہ قال،، پڑھنا چاہئے یہ زائد الفاظ وبالسند المتصل منا الی الامام الترمذی (ہم سے لے کر امام ترمذی تک متصل

سند کے ساتھ) کی تخفیف ہے کہ ہم یہ حدیث سندِ متصل کے ساتھ پڑھ رہے ہیں، سندِ متصل سے مراد وہ شیوخ ہیں جن کے واسطے سے آپ یہ حدیث پڑھ رہے ہیں۔

اَخْبَرَنَا :

بعض نسخوں میں حَدَّثَنا بھی منقول ہے اور کبھی محدثین اَنْبَأَنَا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱) بعض محدثین تینوں کی مراد معنیٰ واحد قرار دیتے ہیں یہی مسلک امام بخاریؒ کا ہے۔لغوی معنی کے لحاظ سے تمام اہل علم بھی تینوں کا ایک معنیٰ لیتے ہیں اہل مغرب کی بھی یہی رائے ہے اور ابن حاجبؒ نے اپنی مختصر میں اسے راجح قرار دیا ہے۔

(۲) تاہم بعض متأخرین اصطلاحی تعریف میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طریقِ تحمل کے مطابق صیغِ ادا بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حدثنا تب بولا جاتا ہے جب شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے اخبرنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب تلمیذ پڑھے اور استاذ سنے اور انبأنا سے اس صورت میں تعبیر کی جاتی ہے جب شیخ اپنے تلمیذ کو مشافہۃً حدیث کی اجازت دے۔

رموز و اشارات:

محدثین کا کتابتِ حدیث کے وقت اختصار کا بھی معمول ہے کہ صیغِ تحدیث لکھتے وقت اقتصار کرتے ہیں حدثنا کی جگہ ''ثنا و دنا'' اخبرنا کی جگہ ''انا اورنا اور انبأنا کی جگہ ''انبأ اور نا'' لکھتے ہیں یہ اقتصار صرف رسم الخط کے ساتھ خاص ہے، تلفظ میں پورا پڑھا جائے گا۔

قراءتِ حدیث کا راجح طریقہ:

اب سوال یہ ہے کہ قرأتِ حدیث کا راجح طریقہ کیا ہے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کیا قراءت علی الشیخ، (شاگرد پڑھے اور شیخ سنے) سماع عن الشیخ (شیخ پڑھے اور شاگرد سنے) کے مساوی ہے یا اس سے رتبہ میں ادنیٰ ہے یا اعلیٰ، اس میں تین اقوال ہیں۔(۱) دونوں رتبہ میں برابر ہیں، یہ مسلک امام مالکؒ اور ان کے اصحابؒ کا ہے۔

(۲) قراءت علی الشیخ راجح ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی ذئبؒ کا ہے۔

(۳) سماع من لفظ الشیخ راجح ہے زین الدین العراقیؒ بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں اس کی وجہ ترجیح ظاہر ہے کہ یہی طریقہ عین سنت ہے حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرامؓ اور دیگر علماءِ محدثین سے ان کے تلامذہ اسی طرح سماع کیا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ بھی اور صحابہ کرامؓ بھی حدیث سنایا کرتے تھے اور تلامذہ سنا کرتے تھے۔ تاہم اس کا نفع متقدمین میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ ان کی استعدادیں قوی اور صلاحیتیں مضبوط تھیں اور وہ مجرد سماع سے اخذِ حدیث کرلیا کرتے تھے جبکہ متأخرین کے قُویٰ کمزور اور استعدادیں ضعیف ہوگئی ہیں وہ صلاحیتیں ہی باقی نہیں رہیں، ان کے ادراک کی رفتار بہت سست ہے لہٰذا ان کے حق میں قراءت علی الشیخ زیادہ بہتر ہے۔

سَمِعَه‘ کی بحث:

ای سَمِعَ ربیعةُ انساً اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ربیعہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے بطریق التحدیث لی ہے، بطریق اخبار نہیں۔ وسمعه جملة معترضة لبیان ان طریق انس لربیعة السماع لا القراءة (مناوی ص ۱۲) (یعنی ''وَسَمِعَه‘‘ جملہ معترضہ ہے اس بات کی وضاحت کے لئے کہ ربیعہ کا حضرت انس سے یہ حدیث لینا بطریقِ سماع تھا نہ کہ قرأت کے طور پر)۔

ترکیب لفظِ یقول:

یقول کی ترکیب میں مختلف توجیہات ممکن ہیں (۱) حال ہے (۲) بیان ہے (۳) بدلِ اشتمال ہے فعل بمعنیٰ مصدر کے ہے تو یہ اعجبنی زید" عِلمَه‘ کے قبیل سے ہوگا۔ (۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سمعه‘ کے لئے مفعول ثانی ہے اور سماع دو مفعولوں کو متعدی ہوسکتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے یہ تصریح کی ہے کہ سمع اگر صوت پر داخل ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے جیسے کہا جاتا ہے سمعت قول زید اور اگر غیر صوت پر داخل ہو تو متعدی الی المفعولین ہوتا ہے اور اس وقت لازم ہے کہ اس کا مفعول ثانی فعل مضارع ہو۔

امام میرک شاہؒ فرماتے ہیں سماع کا تعلق قول کے ساتھ ہے اور کلمہ من محذوف ہے ای سمع منہ یقول ای ھذا القول وھو محمول علی حذف المضاف ای سمع قولہ وحینئذٍ یقول بیان لہ (جمع ص ۱۲) (خلاصہ یہ کہ ربیعہ نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی) تو اس صورت میں یہ مضاف کے محذوف ہونے پر محمول ہوگا۔ اور اس وقت لفظ یقول الخ لفظ قولہ محذوف کا بیان ہوگا۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ سمع ماضی کے ساتھ قال صیغہ ماضی ہی مناسب تھا ماضی سے مضارع کی طرف عدول میں کیا فائدہ ہے؟ شارحین نے جواب میں لکھا ہے کہ مضارع کے صیغہ میں حاضرین کے لئے صورۃُالقول (قول کی نوعیت) اور اس کی حکایت کا استحضار ہے گویا انہیں یہ دکھائی دے رہا ہے کہ وہ ابھی اور اسی وقت میں یہ حدیث بیان کررہے ہیں اور راوی اس کو سن رہا ہے۔

اس سند میں عن کے ساتھ تمام مجرورات ابو رَجاء کے احوالِ محذوفہ کے متعلق ہیں۔ ای ناقلاً ذالک عن مالک ناقلاً عن ربیعة ناقلاً عن انس (مناوی ص ۱۲) (یعنی ہمیں خبر دی ابورجاء نے اس حال میں کہ وہ اس کو مالک سے نقل کررہے تھے اور وہ ربیعہ سے اور ربیعہ حضرت انس سے نقل کررہے تھے)

لفظِ کان کی قسمیں اور معنیٰ:

کان کی دو قسمیں ہیں (۱) منقطعہ جس کی مثال کان زید قائماً فیقعد (زید کھڑے تھے پھر بیٹھ گئے) ہے۔ (۲) غیر منقطعہ جیسے کَانَ اللّٰہُ عَلِیماً حَکِیماً (النساء :۱۷) (اللہ تعالیٰ خوب جاننے ہیں حکمت والے ہیں) پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روئے زمین پر وجودِ مسعود رکھتے تھے تو اس وقت آپؐ ان آنے والے صفات سے متصف تھے۔ دوسری صورت میں مراد یہ ہوسکتی ہے کہ یہ حکایت حالِ ماضی کے طور پر ہے یعنی ہر وقت اور ہر زمانہ میں آپؐ ان

صفات سے متصف ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ کان تکرار کا فائدہ نہیں دیتا مطلقاً لیکن امام رازیؒ ابن دقیق العیدؒ اور ابن حاجبؒ فرماتے ہیں کہ تکرار کا فائدہ دیتا ہے عرفاً۔

لفظ ''رسول اللہ'' اگر چہ لفظِ عام ہے اور معنوی اعتبار سے ہر رسول اس کا مصداق ہے مگر حضرات محدثین کی اصطلاح میں یہ حضور اقدس ﷺ کا اسم علم ہو گیا ہے۔ بعض نسخوں میں لفظِ رسول اللہ کی جگہ ''النبی'' منقول ہوا ہے تو حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں النبی میں الف لام عہدی ہوگا۔

قد مبارک:

لیس بالطویل... یہ جملہ کان کی خبر ہے اور لیس یہاں نفی مضمونِ جملہ کے لئے آیا ہے حالاً لا ماضیاً۔ اور یہاں یہی مناسب ہے۔ طویل کی جمع اطوال بھی آتی ہے اور بقلبِ الواوِ یاءً (یہ کہ واؤ کو یاء سے بدل دیں) اطیال بھی منقول ہے۔

البائن ہمزہ کے ساتھ ہے بعض نے یاؔ کے ساتھ لیا ہے جو صریح وہم ہے کیونکہ اسمِ فاعل میں اعلال واجب ہوتا ہے، جب اس کے فعل میں اعلال ہوا ہو جیسے بائع اور قائل۔

(ا) یہ بان یبین بیاناً سے ہے (باب ضرب یضرب) (یعنی البائن صیغہ اسمِ فاعل از باب ضرب یضرب سے ہے اس کی ماضی بَانَ مضارع یَبِیْنُ اور مصدر بیاناً) بمعنی ظھر کے آتا ہے۔ معنیٰ یوں ہوگا کہ لیس بالطویل البائن ای الظاھر طولا (یعنی آپؐ نمایاں لمبے قد والے نہیں تھے)

(ب) یا یہ بان یبون بوناً (بروزن قال یقول قولاً) سے ہے (باب نصر ینصر) جس کا معنیٰ بَعُدَ بمعنی دوری کے ہیں پس بائن بمعنی البعید کے ہوگا یعنی لیس بعید عن حَدِّ الاعتدال (آپؐ کا قد حدِ اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں تھا یعنی قد مبارک معتدل تھا)

(ج) یا یہ ,,البین،، سے ہے بمعنی قطع (جدا) اور مفارقت کے کیونکہ جب درازی قد پر نظر پڑتی تھی تو یہی تصور پیش ہوتا تھا کہ (ا) ان کلاً من اعضائه مبانٍ عن الآخر (آپؐ کے بدن مبارک کا ہر عضو دوسرے سے واضح اور الگ تھا) (۲) اولانه ظھر علی غیرہ (یا وہ دوسرے پر نمایاں تھے)

(۳) اویفارق غیرہ فی الطول و القامۃ (یا قد مبارک لمبائی اور درازی میں دوسروں سے ممتاز تھا) (مناوی ص ۱۳)

ولا بالقصیر ..... یعنی حضور اقدس ﷺ پستہ قد بھی نہ تھے جس کے اعضاء ایک دوسرے میں متداخل نظر آئیں۔ یہ نفی پستہ قد ہونے کی ہے آپ کا قد مبارک درمیانہ اور معتدل تھا یعنی متوسط انداز میں، البتہ طول کی طرف میلان غالب تھا۔ قصر (باب نصر ینصر) بمعنیٰ کوتاہی اور قصور کے آتا ہے قاصر اس کا اسمِ فاعل ہے اور قصر جب کرم کے باب سے ہو تو معنیٰ اس کا پست قامتی کا ہوتا ہے اس کی صفت مشبہ قصیر آتی ہے، جمع اقصار اور مصدر قصر آتا ہے۔ یہ جملہ بالطویل پر عطف ہے اور کلمہ لا تاکیدِ نفی کے لئے ہے لہذا معنیٰ یہ ہوگا انہ کان متوسطاً بین الطول والقصر لازائد الطول ولاالقصر (جمع ص ۱۳) (یعنی قد مبارک متوسط اور میانہ تھا، نہ زیادہ طویل تھا اور نہ کوتاہ)

قصیر کی صفت متردد کے ساتھ نہیں لائی گئی جبکہ الطویل کی صفت البائن لائی گئی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک طول کی طرف مائل تھا انہ کان الی الطول اقرب کمارواہ البیھقی (دلائل النبوۃ للبیھقی ج ۱ ص ۲۵۲) (جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا قد مبارک کچھ مائل بہ درازی تھا) چنانچہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی خبر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کان اطول من المربوع واقصر من المشذّب (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۸۶) (یعنی درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے اور زیادہ دراز قد نہیں تھے)۔

نیز باب ہذا کی روایت نمبر ۶ میں لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالطویل الممغط (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد بہت زیادہ لمبا نہیں تھا) کے الفاظ منقول ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ کے قد مبارک کا یہ وصف 'اطول من المربوع" (درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے)

وکان ربعۃ من القوم (المرجع السابق: ۲۶۹) (اور آپ ﷺ لوگوں میں درمیانی قد والے تھے) کے منافی نہیں ہے کہ یہ وصفِ تقریبی ہے تحدیدی نہیں جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی خبر میں ہے کان ربعۃ وھو الی الطول اقرب۔ (کہ آپ ﷺ میانہ قد مائل بہ درازی تھے)۔

بیہقی اور ابن عساکرؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ

جب چلتے تھے تو سب سے دراز قد نظر آتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات دراز قد صحابہؓ آپؐ سے کندھا ملا کر چلتے تھے مگر آپ ﷺ درازی قد میں ان پر غالب نظر آتے تھے۔

خصائص ابن سبع میں ہے جب حضور ﷺ اپنی جماعت میں تشریف فرما ہوتے تو آپؐ کے دونوں شانے مبارک سب سے اونچے اور غالب نظر آتے تھے۔ (**کذا ذکر السیوطی فی " الخصائص الکبریٰ" ج ۱ ص ۱۱۶**) (علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص الکبری میں ایسا ہی ذکر فرمایا ہے)

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورتِ حال آپ کی درازی قد ہی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ معجزہ تھا تا کہ حضور اقدس ﷺ سے جیسا کمالاتِ معنوی میں کوئی بلند نہیں ہے اسی طرح صورتِ ظاہری میں بھی آپؐ سے کوئی غالب محسوس نہ ہو۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی مقصد اپنے ان الفاظ سے بیان کر دیا کہ **ولعل السر فی ذالک انه لا یتطاول علیه احد صورة کمالا یتطاول علیه معنیً** (جمع ص ۱۳)

شہکارِ فطرت:

نہ پستہ قد، نہ لمبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے　　میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے

مگر مجمع میں ہوتے تھے جب کبھی حضرتِ والا　　نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سر و قد بالا

وہ قامت نخلِ طوبیٰ بھی پئے تعظیم جھک جائے　　وہ ایک شہکار فطرت، جس پہ خود خالق کو پیار آئے

رنگ مبارک:

ولا بالا بیض الا مهق (یعنی بالکل خالص سفید نہیں تھے) نفی قید (الامھق) پر وارد ہے مقید (الابیض) پر نہیں، ابیض سفید کو کہتے ہیں۔ امہق کا مادہ مھق ہے (چونے کی طرح سفیدی) یہ افعل کے وزن پر باب سمع سے ہے ایسی سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی اور نورانیت سے خالی ہو یعنی ابیضِ خالص، یہ رنگ ناپسندیدہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اس پر ابرص زدہ کا گمان ہوتا ہے جبکہ حضورؐ کے چہرہ مبارک کی رنگت سفیدی مائل بہ سرخی تھی (جیسے سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو یہ رنگ بہت پسندیدہ خوش منظر اور ذوقِ جمال کی تسکین کا باعث ہوتا ہے) جس میں ملاحت بھی تھی اور نورانیت بھی،

جاذبیت بھی تھی اور محبوبیت بھی جیسا کہ ایک روایت میں کان ازھر اللون (آپ ﷺ ہلکے سے گندم گونی رنگ والے تھے) بھی منقول ہے۔

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی، صباحت تھی
یہاں سرخی تھی، گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امھق کے لفظ سے تکرار نہیں آتا کیونکہ یہ ایک مستقل اور علیحدہ معنیٰ رکھتا ہے جو بیان کیا جا چکا ہے اور اگر تکرار بھی ہو تو اس سے مبالغہ مقصود ہوگا جیسے جاد مجد میں ہے اور اگر مھق باب فتح سے لیں تو اس کا معنیٰ دوڑنا آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپؐ حسنِ یوسف رکھتے تھے تاہم ملاحت لیے ہوئے تھا۔ آپؐ کا رنگ نہایت ہی صاف شفاف چاندی کی طرح کھلتا تھا، رنگ میں سفیدی کے ساتھ لالی کبھی چمکتی ہے اسی طرح آپؐ نہ بالکل سفید اُجلے تھے نہ بالکل پیلے اور نہ لال بلکہ خالص صاف گندمی رنگ کے تھے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ آپؐ کے حسن و جمال کی تعریف میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَوْ كُنْتَ مِنْ شَيْءٍ سِوَى بَشَرٍ
كُنْتَ الْمُضِئَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

(یعنی اگر آپؐ انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق میں سے ہوتے تو یقیناً آپؐ چودھویں رات کے روشن اور چمکدار چاند ہوتے)۔(دلائل النبوۃ ۱/ ۳۰۱)

شدتِ بیاض کی توجیہات:

بعض روایات میں آپؐ کے رنگ مبارک کو شدید البیاض (سخت سفید) سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ بزار کی خبر میں ہے عن ابی ھریرۃ کان شدید البیاض (یعنی آپؐ کا رنگ مبارک سخت سفید تھا) طبرانی کی خبر میں ہے عن ابی الطفیل ماانسی شدۃ بیاض وجھہ (ابو طفیل سے روایت ہے کہ میں آپؐ کی رنگ مبارک کی گہری سفیدی کو نہیں بھلا سکتا)۔ جبکہ روایت باب میں شدتِ بیاض کی نفی ہے تو بظاہر تعارض ہے۔

علماء نے اس کے جواب میں مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) شدتِ بیاض (انتہائی تیز سفیدی) کی روایات بریق ولمعان، درخشانی، نورانیت، چمک اور جمال کے کمال پر محمول ہیں جیسا کہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ کانّ الشمس تجری فی وجهه (شمائل) (گویا کہ سورج آپؐ کے چہرہ انور میں گھوم رہا ہے)۔اسی طرح مصنفؒ کی ایک روایت میں جو یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ امھق لیس بابیض (چونے کی مانند سفید تھے نہ سفید) علماء نے اس کے جواب میں بھی متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) امام داودیؒ اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض وہم ہے۔(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ روایت مقلوب ہے اصل روایت یوں ہے ابیض لیس بامهق (آپ ﷺ سفید رنگت والے تھے نہ سفیدی مثل چونے کے)(۳) یہ روایت تاویل پر مبنی ہے کہ مھق کا اطلاق کبھی حُمرۃ (سرخی) پر بھی ہوتا ہے اور کبھی خُضرۃ (سبز رنگ) پر بھی۔

خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہ تھا کہ لوگوں کو معیوب دکھائی دے، جس طرح برص زدہ ہوتا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا رنگ مبارک متوازن، معتدل اور حسین امتزاج کا نمونہ تھا جیسا کہ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں بہترین اور خوبصورت رنگ ''سفید سرخی مائل'' ہے اور آخرت کا بہترین اور خوبصورت رنگ ''سفید زردی مائل'' ہے اس لئے آپؐ ان دونوں بہترین اور خوبصورت رنگوں کا مرقع تھے۔

ولا بالآدم ـــ آدم افعل صفتی کے وزن پر، مہموز الفا ہے یعنی اَئْدَمُ ایک ہمزہ جو فا کلمہ ہے تخفیف کے لئے الف سے بدل گیا آدم بنا جس کا معنی شدة السمرة ہے جو بیاض اور سواد کے درمیان ایک معتدل رنگ ہے ادمة کہتے بھی اس رنگ کو ہیں جس میں گندم گونی ہو یعنی سیاہی کا عنصر قدرِ غالب ہو، باب فتح وسمع سے آتا ہے۔اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ بعض روایات میں اسمر اللون (گندم گونی رنگ والے) کہا گیا ہے اور یہاں اس کی نفی کی جارہی ہے جواب یہ ہے کہ ادمة اور سمرة دونوں مترادف نہیں ہیں بلکہ دو درجے ہیں۔

اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے ان مدارج کی تعیین نہیں کی جاسکتی ادمة" سفیدی مع سرخی کو کہتے ہیں جبکہ سرخی قلیل ہو اس سے پہلے سمرة" کا مرتبہ ہے جس میں سفیدی مع کثیر سرخی کے ہو جبکہ اس سے قبل حمرة (خالص سرخی) ہے حمرة سے قبل بیاض (سفیدی) ہے ادمة" کے معنیٰ کدورت کے ہیں جبکہ کدورت کے بعد سواد کا درجہ ہے۔ ادمة باب ضرب سے بھی آتا ہے تو معنیٰ محبت کرنے کے ہیں یادِم ای یا لف۔ (یعنی محبت کرتا ہے) خلاصہ یہ کہ ادمت یہ ہے کہ سفیدی سواد کے اقرب ہو تو اسے سمرة کہا جائے گا جو سواد کا ایک جزء ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ سمرة کی نفی سے مراد شدة السمرة (سخت اور گہری گندم گونی جو مائل بہ سیاہی ہو) ہے مطلقاً سمرة کی نفی مقصود نہیں لہذا یہ اثباتِ سمرة کے منافی نہیں ہے جس طرح کہ بعض روایات میں سمرة ثابت ہے اور شدت سمرة کی نفی پر دلائل متعدد روایات ہیں جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کان ابیض بیاضه الی السمرة (آپ ﷺ سفید تھے اور رنگ مبارک کی سفیدی گندم گونی کی طرف مائل تھی) اور مسند احمد میں روایت منقول ہے جسمه ولحمه احمر (جسمِ اطہر اور گوشت کا رنگ سرخ تھا) ایک دوسری روایت ہے اسمر الی البیاض (گندم گون مائل بہ سفیدی)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ تمام روایات سے ثابت ہوا کہ بیاض (سفیدی) سے مراد وہ بیاض ہے جس کے ساتھ حمرة (سرخی) مخلوط نہ ہو اور سمرة ثابته (سرخی ثابت شدہ) سے مراد وہ حمرة (سرخی) ہے جو مخلوط بالبیاض (سفیدی کے ساتھ ملی ہوئی) ہو۔

ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ کالا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ چیز آپؐ کے اوصاف کے بالکل خلاف ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا جس میں کسی قدر گندم گونی پائی جاتی تھی۔

بال مبارک:

ولا بالجعد یہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کی صفت ہے۔ جَعْد جیم کے فتحہ، عین کے سکون کے ساتھ جعودت سے ہے۔ جسم کی مضبوطی اور بالوں کی گھنگھریالے پن کے معنیٰ میں آتا

ہے امام مناویؒ فرماتے ہیں والجعد یرد بمعنی الجواد والکریم والبخیل واللئیم ومقابل السبط (مناوی ص ۱۴) (یعنی جعد کا لفظ سخی، بزرگ، بخیل اور کمینے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں سبط (بالکل سیدھے بال) کا لفظ ہے) اس کا باب ضرب اور باب کرم ہے وهی فی الشعر ان لا یتکسر تکسراً تاما ولا یسترسل (جمع ص ۱۴) (بالوں میں جعودت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکمل طور پر گھنگریالے نہ ہوں اور بالکل سیدھے اور لٹکے ہوئے بھی نہ ہوں)۔

وفی المصباح جعد الشعر اذا کان فیه التواء وانقباض (مواهب ص ۹) (بالوں کی جعودت سے مراد یہ ہے کہ وہ مڑے ہوئے ہوں اور اس میں سلوٹیں ہوں) القطط بفتحتین وبکسر الثانی وهو شدة الجعودة (جمع ص ۱۴) (قطط دو فتحوں یعنی قاف اور طاء کا یا پھر طاء کا کسرہ ہو تو بالوں میں سخت پیچیدگی کے معنیٰ میں ہے) قَطَطٌ قَطِطٌ اور قَطٌّ بلا ادغام تین لغات ہیں تیسری لغت شاذ ہے کثیر الشعر، بہت زیادہ بال اور حبشیوں کی طرح بال وفی التهذیب القطط شعر الزنج (مناوی ص ۹) (اور تہذیب میں قطط کا معنیٰ حبشیوں جیسے بال کا ذکر ہے) الجعد القطط کا معنیٰ بہت زیادہ گھنگریالے اور پیچدار بالوں کے ہوتے ہیں۔

چونکہ الجعد القطط کے ساتھ بھی معنیٰ مراد متعین نہیں ہو سکتے تھے اسلئے مزید توضیح کے لئے ولا بالسبط (نہ بالکل سیدھے بال) کا اضافہ فرمایا بسکون الباء وبفتحتین اس میں بھی تین لغات ہیں جمع سباط آتی ہے سمع کا باب ہے بمعنی سیدھے بال، اکڑے اور کھڑے بال۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں الغالب علی العرب جعودة الشعر وعلی العجم سبوطته وقد احسن الله لرسوله الشمایل وجمع فیه ماتفرق فی غیره من الفضائل (مواهب ص ۹) (اکثر عربوں کے بالوں میں گھنگریالہ پن پایا جاتا ہے جبکہ عجمیوں کے بالوں میں سیدھا اور اکڑا پن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے شمائل، اوصاف اور سرشت کو اتنا حسین اور جامع بنایا تھا کہ اس میں وہ تمام فضائل موجود تھے جو دوسرے انسانوں میں متفرق اور مختلف طور پر پائے جاتے ہیں) (مواهب ص ۹) خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک نہ تو مسترسل (سیدھے، لٹکے ہوئے) تھے

نہ جعد قطط (بہت زیادہ گھنگھریالے) تھے بلکہ درمیانی کیفیت میں معتدل تھے (وخیر الامور اوسطھا) (سب کاموں میں میانہ روی بہتر ہوتی ہے) اس کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کان شعرہ بین الشعرین لا رجل سبط ولا جعد قطط (مواھب ص ۹) (کہ آپ ﷺ کے بال مبارک بالوں کی دونوں قسموں کے درمیانی کیفیت سے موصوف تھے نہ تو بالکل سیدھے لٹکے ہوئے اور نہ بہت زیادہ گھنگھریالے تھے)

بعثت نبوی:

بعثہ اللّٰہ تعالیٰ علی رأس اربعین سنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ بعثہ' یقول کا معمول ہے بمعنی ارسلہ بالاحکام وشریعة الاسلام (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اسلامی شریعت اور احکام کے ساتھ بھیجا) (مواھب ص ۹) ویسے تو رأس کا متبادر اور متعارف معنیٰ ''سر'' ہوتا ہے۔ یہاں اس کے تین معنیٰ محتمل ہیں۔

(۱) اول شئ (۲) آخرِ شئ (۳) وسطِ شئ

بعثت سے متعلق روایات بھی تین قسم کی منقول ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا (۲) چالیسویں سال کے وسط میں (۳) اور چالیسویں سال کے آخر پر۔

اسی بناء پر شراحِ حدیث کا بھی اختلاف ہوگیا ہے کہ آپؐ چالیس سال کے اول میں' یا آخر میں یا وسط میں مبعوث ہوئے۔

چالیسویں سال پر بہرحال سب کا اتفاق ہے مگر شروع اور انتہاء میں اقوال مختلف ہیں۔ قال شراح الحدیث المراد بالرأس الطرف الاخیر منہ لما علیہ الجمھور من اھل السیر والتواریخ من انہ بعث بعد استکمال اربعین سنة قال الطیبی الرأس مجاز عن آخر السنة کقولھم رأس الآیة ای آخرھا وتسمیة آخر السنة رأسھا باعتبار انہ مبدأ مثلہ من عقد آخر انتھیٰ (جمع ص ۱۴) (شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ ''رأس'' سے مراد سال کا آخری حصہ ہے اس لئے کہ جمہور سیرت نگاروں اور اصحابِ تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر کے چالیس سال مکمل

ہونے کے بعد آپ مبعوث ہوئے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "رأس" سال کے آخر سے مجاز ہے جیسے کہا جاتا ہے "رأس الآیة" یعنی آیت کا آخری حصہ۔ سال کے آخر کو اس وجہ سے "رأس" کہتے ہیں کہ وہ اس جیسے دوسرے سال کے لئے مبدأ ہوتا ہے)

ماہ ربیع الاول اور پیر کے روز کی خصوصیات:

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے، پیر کے روز آپ کی بعثت ہوئی، پیر کے روز آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی' مدینہ منورہ میں پیر کے روز داخل ہوئے اور وصال مبارک بھی پیر کے روز ہوا۔ ولادت کا مہینہ ربیع الاول کا تھا بعثت بھی ربیع الاول میں ہوئی رحلت بھی ربیع الاول میں ہوئی۔

چالیس سال:

اس قول کی رُو سے بعثت پورے چالیس سال پر ہوتی ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ کی بعثت رمضان المبارک میں ہوئی تو اس صورت میں پھر پورے چالیس سال نہیں ہوں گے بلکہ ساڑھے انتالیس برس یا ساڑھے چالیس برس ہوں گے اس کی وجہ سے بعثت کے وقت عمر مبارک میں اختلاف بھی ہے۔ شارحینِ حدیث اختلاف کا جواب یا روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ جن حضرات نے چالیس سال کہا انہوں نے کسر کو چھوڑ دیا اور پورا عدد ذکر فرمایا۔ بہر حال اربعین کا معنیٰ چالیس سال کا مجموعہ ہے' چالیس سال کی عمر کو انسانی اوصاف' کمالات اور اخلاق و عادات کی اصلاح و تکمیل میں بڑا دخل ہے۔ حضرت امام غزالیؒ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ مَنْ جَاوَزَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً وَمَا غَلَبَ خَیْرُہٗ شَرَّہٗ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (الحدیث) (یعنی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوگئی، اور اس کا خیر اور بھلائی اس کے شر پر غالب نہیں ہوئی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرلے)

دو شبہات کا ازالہ:

چالیس سال کی عمر کو اعطاءِ نبوت کا معیار مقرر کیا گیا ہے البتہ اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ

بھی کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو بچپن ہی سے نبوت مل گئی تھی ان کے بچپن کے اس ارشاد سے بھی یہ بات ثابت ہے" قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا " (۱۹ :۳۰)(وہ بولا میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے نبی بنایا ہے) محدثین فرماتے ہیں عام ضابطہ اور اصول تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اعطاءِ نبوت کا یہ معاملہ کسی خاص حکمت کی بنا پر کیا گیا جو عام ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کی تخلیق پانی اور مٹی کے درمیان تھی)۔

شیخ ابن حجر ہیثمی مکیؒ فرماتے ہیں کہ بعثت کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیری (۲) حقیقی

جن روایات میں آیا ہے کہ آپؐ، حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے وہ تقدیری کا بیان واظہار ہے یعنی آپؐ کی نبوت کا تقدیر میں مقدر ہونا اور اس کا فرشتوں پر اظہار بھی ہو چکا تھا جس کا تحقق بعد میں ہوا' گویا اربعین کی روایت سے اس کا تحقق ہوا ارر کنت نبیاً کی روایت میں تقدیر کا اظہار ہوا۔

مکہ میں قیام دس یا تیرہ سال:

فاقام بمكة عشر سنين ... اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال قیام پذیر رہے۔

(۱) لہذا علماء نے اس روایت کی یوں توجیہ کی ہے کہ فاقام بمكة عشر سنين ای رسولاً وثلاث عشر سنة نبیاً ورسولاً (جمع ص ۱۵) (یعنی آپؐ نے مکہ میں دس سال قیام فرمایا صرف رسول کی حیثیت سے، جبکہ مزید تین سال کو ملا کر مجموعی طور پر آپؐ تیرہ سال مکہ میں نبی اور رسول کی حیثیت سے قیام پذیر رہے)

(۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے کسر کو حذف کر دیا ہو حذفِ کسور محاورات میں ہوتا رہتا ہے جیسے بعثت کے متعلق بعض نے چالیس سال دس دن' بعض نے بیس دن اور بعض نے چالیس

سال دوماہ کہا ہے لیکن کسر کو حذف کر کے محدثین چالیس سال ذکر کرتے ہیں، اس طرح یہاں بھی کسور کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس روایت میں انقطاع وحی کے تین سال کو شمار نہیں کیا گیا۔

وحی کیوں منقطع رہی، علماء نے اس کی بھی حکمتیں لکھی ہیں۔

(ا) آپؐ تکالیف، اور مشقت کے عادی ہوں

(ب) اسباق مشکل تھے تا کہ آپ انہیں یاد کر لیں۔

(ج) انتظار میں شوق بڑھ جائے اور خوف جاتا رہے۔

تین سال کے انقطاع کے بعد نزولِ وحی کا تواتر رہا تو حضرت انسؓ نے گویا صرف رسالت کا زمانہ ذکر کر دیا اسلئے تو ملا علی قاریؒ نے اقام رسولاً (کہ آپ ﷺ نے مکہ میں (دس سال تک) رسول کی حیثیت سے قیام فرمایا) سے توجیہ کر دی ہے۔ انقطاع وحی کے ایام کو زمانہ فترت بھی کہتے ہیں تین سال کے اس عرصہ میں آپؐ مخفی اور سرّی تبلیغ کرتے تھے اور مغموم رہتے تھے یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی تسلی کے لئے وحی لائے "مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی" (الضحیٰ:۳) (آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا)

عمر مبارک کی تعیین:

فتوفاه الله علی رأس ستین سنةً ۔۔۔ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تیرہ (۱۳) سال تک مکہ مکرمہ میں اور دس سال تک مدینۃ المنورہ میں مقیم رہے اس لحاظ سے آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) سال بنتی ہے حدیث اور سیرت کی تمام کتب میں آپؐ کی یہی عمر مبارک منقول ہے جبکہ اس روایت میں ساٹھ (۶۰) سال ایک اور روایت میں پینسٹھ (۶۵) سال اور معروف روایات میں تریسٹھ (۶۳) سال نقل کی گئی ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ تریسٹھ (۶۳) سال عمر مبارک پر جمہور علماء کا اتفاق ہے جبکہ ساٹھ اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہات کی گئی ہیں (۱) عرب اپنے محاورات میں اصل عدد

کو لے کر کسور کو حذف کر دیتے ہیں اسلئے مکہ میں تیرہ سال کے قیام کو دس سال کہا گیا ہے اور آپ ؐ کی عمر مبارک کو بجائے تریسٹھ سال کے ساٹھ سال بتایا گیا ہے اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات عرب سالِ ولادت اور سالِ وفات کو بھی علیحدہ علیحدہ سال شمار کرتے ہیں۔ آپ ؐ کی صحیح عمر مبارک تو تریسٹھ سال ہی ہے اور جب سالِ ولادت کے چند ماہ اور سالِ وفات کے چند ماہ کو الگ الگ سال شمار کیا جائے تو وہ پینسٹھ سال ہو جاتے ہیں۔

ولیس فی راسه ولحیته .... یعنی حضور اقدس ﷺ کی رحلت کے وقت آپ ؐ کے سر مبارک میں اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے بعض روایات میں سترہ اور بعض میں اٹھارہ منقول ہیں بعض نے کہا اگر گنے جاتے تو انیس (۱۹) ہوتے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیس سے متجاوز نہیں تھے حالانکہ بالوں کی سفیدی کے اسباب موجود تھے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے "**شَيَّبَتْنِيْ هُوْدُ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَ لُوْنَ وَ اِذَالشَّمْسُ كُوِّرَتْ**" (رواہ الحاکم والترمذی فی الشمائل) یعنی ان سورتوں میں بیان کردہ آخرت کے ہولناک واقعات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آپ ؐ کے سر اور داڑھی کے بالوں میں شیب (بڑھاپا) نمایاں نہیں ہوا تھا دنیا کے لوگ شیب (سفید بالوں) کو عیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ وقار، نور اور عظمت کی علامت ہے **اول من شاب ابراهيم** (یعنی سب سے پہلے ابراہیمؑ کے بال سفید ہو گئے تھے) حضرت ابراہیمؑ سفید بال دیکھ کر حیران ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار کی علامت ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی **اَللّٰهُمَّ زِدْنِىْ وَقَارًا** (اے اللہ میرے وقار کو زیادہ کر) (مشکوٰۃ ص ۳۸۵) ایک روایت میں ہے **لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَاِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ الخ**" (مشکوٰۃ ص ۳۸۲) (یعنی سفید بالوں کو نہ اکھیڑو، یہ تو مسلمان کے لئے نورانیت کا سبب ہے) سفید بالوں والوں کو اللہ پاک خود شفقت ورحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں تاہم خواتین اسے عیب سمجھتی ہیں معاشرے کے لوگ بھی اسے عیب سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور اقدس ؐ کو بھی شیب سے محفوظ رکھا تاکہ لوگوں کی نظر میں تحقیر کا پہلو نہ نکلے اور لوگوں کے ایمان محفوظ رہیں بہر صورت جن روایات میں شیب (بالوں کی سفیدی) کا ذکر آیا ہے وہاں بیس سے کم بال مراد ہیں اور

جہاں نفی آئی ہے وہ مکمل شیب کی ہے تو شیب کی نفی اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اثبات بھی صحیح ہے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضور اقدس ﷺ کے شیب کو عیب اور مکروہ سمجھنا باعث کفر نہیں کیونکہ یہ کراہت طبعی ہے جو امور تکلیفیہ سے خارج ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

---

(۲) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلاَ بِالْقَصِيْرِ حَسَنَ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَّ لاَ سَبْطٍ اَسْمَرَ اللَّوْنِ اِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ.

ترجمہ: ,, حمید بن مسعدہ بصری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا' آپ نہ تو نمایاں لمبے قد والے تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت۔ آپ کا جسم مبارک بڑا حسین تھا، اور آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے' آپ کا رنگ مبارک ہلکا سا گندم گونی تھا' جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ڈھلوان کی طرف اتر رہے ہیں،،۔

راویانِ حدیث (۵) حمید (۶) عبدالوہاب (۷) حمید الطّویل کے حالات ,,تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی،، میں ملاحظہ فرمائیں۔

رَبْعَةً:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً ... کان کا اسم رسول اللہ اور رَبْعَةً اس کی پہلی خبر ہے۔ اس لفظ کو ربعاً بھی پڑھتے ہیں اور ربعۃ بھی اِس میں تا' تائے تانیث کی نہیں بلکہ یہ نقل من الوصفية الى الاسمية (وصفیت سے اسمیت) کے لئے ہے ۔ ربعة درمیانہ نہ لمبا، نہ پست معتدل القامت کو کہتے ہیں مکان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جمع رَبَعَات اور رَبْعَات اور مربوعات آتی ہے معناه المتوسط بين الطويل والقصير (مناوی ص ۱۶) (ربع کا معنی متوسط اور معتدل قد وقامت والا نہ بہت دراز اور نہ کوتاہ)

عطر فروش کے ڈبہ کو بھی ''الربعة'' کہتے ہیں کہا جاتا ہے فتح العطار ربعه یعنی عطر فروش نے اپنا ڈبہ کھولا' یہاں بمعنی مربوع الخلق کے ہے (درمیانہ قد کا انسان) عرب یوں بھی کہتے ہیں کہ رجل ربعة و امراة ربعة (معتدل قد وقامت والا مرد اور درمیانی قد والی عورت) مراد معتدل قد وقامت ہے۔

طویل اور قصیر کا مفہوم:

لیس بالطویل... (یعنی قد مبارک بہت زیادہ طویل نہیں تھا لہذا یہاں'' البائن المفرط فی الطول (بہت زیادہ طوالت) کی نفی ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث بھی، گذشتہ حدیث کے موافق ہے۔ لیس بالطویل ولا بالقصیر یہ ربعة سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے اور ایک روایت میں ولیس بالطویل (یعنی واؤ کے ساتھ) آیا ہے تو اس صورت میں یہ ربعة کے لئے عطف تفسیر قرار پاتا ہے (مناوی ص ١٦)

جسم مبارک کی خوبصورتی:

حَسَنُ الْجِسْمِ ... یہ کان کی دوسری خبر اور تعمیم بعدالتخصیص (یعنی ایک چیز کو تخصیص کے بعد عام کرنے) کے قبیل سے ہے حسن کا معنی بہترین' خوبصورت' خوشنما اور متناسب کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ حسن الجسم (متناسب جسم والے) تھے ای لوناً ونعومة واعتدالاً فی الطول واللحم (جمع ص ١٧) (یعنی رنگ کے اعتبار سے ملائم ہونے کے اعتبار سے، اور گوشت اور درازی قد میں متناسب، خوبصورت اور خوشنما تھے) ویسے تو حسن ایک اضافی اور عارضی چیز ہے مختلف اقوام' تہذیبوں' قوموں اور ملکوں کے حسن کے معیار بھی مختلف ہیں۔

تاہم مناویؒ نے لکھا ہے کل مبهج مرغوب (مناوی ص ١٧) یعنی ہر بارونق' اور مرغوب چیز حسین ہے مناویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ معتدل الجسم متناسب الاعضاء تھے جسم سے مراد جسد ہے اور جسد بدن واعضاء دونوں کا نام ہے یعنی آپ معتدل الخلق اور متناسب الاعضاء تھے نہ تو زیادہ موٹے تھے

اورنہ کمزور وناتواں بلکہ آنحضرت ﷺ کا وجودِاطہر نہایت ہی متناسب' دیدہ زیب اوردلفریب تھا۔

وکان شعرہ ... حدیث کے اس حصے کی تشریح ماقبل کی حدیث میں گزرچکی ہے یعنی آپ ؐ کے بال مبارک نہ بہت زیادہ پیچ داراورمڑے ہوئے تھے اور نہ سبط (یعنی بالکل سیدھے) تھے بل کان بین ذالک وخیر الامور اوسطھا (مناوی ص ۱۷)

صباحت وملاحت کا متناسب امتزاج:

اسمر اللون معمولی سے گندم گونی رنگ کو، جس میں سرخی کی ملاوٹ ہو سمرہ کہتے ہیں۔بعض محبّینِ والہین اسے سنہری رنگ سے تعبیر کرتے ہیں البتہ شدید گندم گون رنگ کوادمت کہتے ہیں اور خالص ادمت کمال حسن وجمال کے منافی ہے۔جبکہ حضوراقدس ﷺ کے رنگ مبارک میں سرخی اور سفیدی نمایاں تھی گویاصباحت اورملاحت کا متناسب امتزاج تھا۔

وجاہت بھی فخامت بھی جمالِ دلبرانہ بھی — جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
جمیل ودلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ — جو ہوں نزدیک تو خوش منظروشیریں وزیبندہ

لون اسمر وابیض میں تطبیق:

ایک دوسری روایت میں رنگ مبارک کے بارے ,,ازھر اللون ،، کے الفاظ منقول ہیں جبکہ پندرہ صحابہ کرامؓ نے آپ ؐ کوابیض اللون سے موصوف کیا ہے علامہ احمد عبدالجواد الدومیؒ اپنی شرح میں تحریرفرماتے ہیں۔

والتوفیق ان نقول المراد بالسمرۃ الحمرۃ المخلوطۃ بالبیاض وھذا یدخل فیہ "ازھر اللون" وعلی ذالک فلا تعارض ولا تناقض (اتحافات الربانیۃ ص ۳۱) (تطبیق کی صورت یہ ہے کہ گندم گونی سے مراد وہ سرخی ہے جس میں سفیدی کی آمیزش ہواوراس میں ,,ازھر اللون،، بھی داخل ہے لہذا اب کوئی تعارض اورتناقض نہیں ہے) السمرۃ سے مراد وہ سرخی ہے جس کے ساتھ سفیدی ملی ہوئی ہواور ازھراللون کے بھی یہی معنی ہیں لہذا اب کوئی تعارض اورتناقض نہیں ہے۔

شارحین نے لکھا ہے کہ آپؐ کے ابیض اور اسمر ہونے میں منافات نہیں ہیں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کے جن اعضاء مبارک پر سورج کی روشنی پڑتی تھی وہ اسمر تھے اور جو لباس سے پوشیدہ ہو گئے وہ ابیض تھے مگر اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ کیا ہے کہ آپؐ پر تو ہمیشہ بادل کا سایہ رہتا تھا تو آپ پر دھوپ کیسے پڑتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بادل کا سایہ قبل از نبوت بطور ارہاص کے ہوتا تھا بعد از نبوت اس کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس کا عکس ثابت ہے۔

چنانچہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک پہاڑ کی چٹان کے سایہ میں آپؐ کو لے گئے اسی طرح جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو ناواقف لوگ آپؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا اگر بادل سایہ کرتا تو آپؐ نووارد اور ناواقف پر ہرگز پوشیدہ نہ ہوتے (جمع ملخصاً ص ۱۷)

رفتار مبارک:

اذا مشیٰ یتکفأ ... یہ بھی کان کی خبر ہے یعنی جب حضور ﷺ چلتے تھے تو سامنے کی طرف جھک کر ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کما ینحط من صبب ای منحدرِ من الارض (مناوی ص ۱۸) (گویا اونچائی سے نشیب میں اتر رہے ہیں) ای یتمایل الی قدام کا لسفینة فی جریھا (جمع ص ۱۷) (یعنی چلتے وقت سامنے کی طرف جھک کر جاتے جیسے کشتی آگے کی طرف جھکی ہوئی چلتی ہے)

بعض روایات میں یتو کأ منقول ہے اس سے مراد اعتماد اور تثبت ہے جو سرعتِ مشی کا مؤید ہے یتوکأ کا معنی پاؤں پر اس قدر سہارا اور بھروسہ کرنا جس طرح عصا پر کیا جاتا ہے۔

یتکفأ کے تین معانی نقل ہوئے ہیں۔

(۱) تیزی سے چلنا (۲) آگے کی طرف جھک کر چلنا (۳) قدم اٹھا کر چلنا۔

حضور اقدس ﷺ کی رفتار مبارک میں یہ تینوں اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے یہ تینوں صفات

عجز وانکسار اور تواضع وعبدیت پر دلالت کرتے ہیں آپ ؐ کی رفتار میں غرور یا تکبر کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا کشادہ کشادہ قدم اٹھاتے' سینہ تان کر اکڑ کر نہ چلتے' نہایت ہی باوقار' عزت مندانہ اور پسندیدہ چال چلتے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ صفت قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے۔

وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً (۶۳:۲۵) یعنی خدا کے بندے تو وہ ہیں' جو زمین پر متکبر لوگوں کی طرح اکڑ اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ نہایت وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ رفتارِ ''ھون'' کا معنیٰ یہ ہے کہ سکون ووقار کے ساتھ بلا تکبر کے اور بلا ہلائے کندھے کے چلے (زادالمعاد ج۱ص ۱۵۸)

خلاصہ یہ کہ آپؐ تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے سست اور مریل چال نہ چلتے اور آپ کے لئے زمین لپٹتی تھی یعنی معمولی رفتار سے بھی چلتے تو مسافت زیادہ طے ہوتی یہ آپ ؐ کا معجزہ تھا کہ آپؐ آگے نکل جاتے دوڑتے ہوئے بھی اصحاب آپ کے ساتھ شریک نہ ہو پاتے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کی سرعتِ رفتار' کمالِ قوت کی وجہ سے تھی۔

ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح چلنا عزم' ہمت وشجاعت کا چلنا ہے یہ سب سے بہتر رفتار ہے اور جسم کے لئے راحت بخش ہے (زادالمعاد ج۱ص ۱۶۷)

---

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يَعْنِي الْعَبْدِيَّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مَّرْبُوْعًا بَعِيْدَ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ عَظِيْمَ الْجُمَّةِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ مَارَاَيْتُ شَيْئاً قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ.

ترجمہ! محمد بن بشار یعنی عبدی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے شعبہ سے روایت کی۔ شعبہ نے ابواسحٰق سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرد میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل) آپ ؐ کے دونوں

مونڈھوں کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے تھے، جو کان کی لوتک آتے تھے۔ آپؐ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپؐ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

راویانِ حدیث (۸) محمد بن بشار عبدی (۹) محمد بن جعفر (۱۰) شعبہ (۱۱) ابواسحٰق (۱۲) البراء بن عازبؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

یعنی کا فاعل کون؟

حدثنا محمد بن بشار یعنی العبدیؒ ہمیں بیان کیا محمد بن بشار یعنی العبدی نے۔ امام ترمذی کے اس صنیع سے قدرے خلجان ہوگیا ہے کہ ''یعنی'' کا فاعل کون ہے؟ اس سلسلہ میں شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یعنی کی ضمیر بطورِ التفات خود امام ترمذیؒ کو راجع ہے اور ابو یعقوب سکاکیؒ کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ بطور التفات اپنے آپ کو غائب بنادیا جائے اس صورت میں یعنی کے فاعل خود امام ترمذیؒ ہیں مگر یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ وہ تو خود سند بیان کررہے ہیں۔

(۲) العبدی کا اضافہ امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ ان کے کسی تلمیذ کا ہے مقصد یہ ہے کہ امام ترمذیؒ محمد بن بشار سے مراد العبدی لیتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ عبدقیس کے ساتھ تھا یہ توضیح اس لئے ضروری تھی کہ محمد بن بشار کے نام سے اور افراد بھی تھے لہذا العبدی کہہ کر ان کو ممتاز کردیا گیا۔ شارحین نے اس توجیہ کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳) لفظ ''یعنی'' خود امام ترمذیؒ کی طرف منسوب ہے مگر مجہول طریقے سے، یعنی خود امام ترمذیؒ نے کہا محمد بن بشارٍ یُعنیٰ الْعَبدِی مقصد یہ ہے کہ یہ روایت محمد بن بشار سے منقول ہے جس سے محمد بن بشار عبدی مراد لیا جائے۔

(۴) بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لفظِ یعنی لفظ ای کی طرح حرف تفسیر ہے مطلب یہ ہوگا کہ امام ترمذیؒ کہہ رہے ہیں حدثنا محمد بن بشار ای العبدی جس طرح لا کی جگہ لَیسَ استعمال ہوتا ہے

اسی طرح ای کی جگہ یعنی بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظِ یعنی اصل میں اعنی یا نعنی تھا اس صورت میں یہ الفاظ خود امام ترمذیؒ کے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد بن بشار وہ ہے جو العبدی ہے گویا یہ لفظ اعنی یا نعنی تھا مگر کاتب نے اسے یعنی بنا دیا (ملخصاً از جمع ص ۱۸)

لفظِ رجلاً کی بحث:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً مربوعاً ... یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میانہ قد مرد تھے بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ رجلاً (مرد) کے لفظ کا استعمال کوئی موزون بات نہیں ہے اور نہ یہ کلمہء تعریف ہے۔ اس کے جواب میں شارحینِ حدیث نے متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔ (۱) اگرچہ آنحضرت ﷺ کا رجل اور مرد ہونا قابل بیان نہ تھا مگر یہاں یہ تمھیداً لبیان الصفة (ای مربوعاً) (یعنی صفت (مربوعاً) کے بیان کی تمہید ہے) ذکر کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ بسا اوقات موصوف کو صفت بیان کرنے کے لئے ذکر کر دیتے ہیں (۲) یہ لفظ رجلاً (بضم الجیم) نہیں بلکہ رجِلًا ہے یعنی جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور رَجِل کا معنی شکستگی اور ٹیڑھا پن یا گھنگھریالہ پن مراد ہے یعنی آپؐ کے بال مبارک کسی قدر گھنگھریالے تھے ویحتمل ان یراد بہ شعرہ الاطھر صلی اللہ علیہ وسلم وکان ھٰذا المعنیٰ اصوب (جمع ص ۱۹) یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ "رَجِلًا" کے لفظ سے آپؐ کے بال مبارک مراد ہوں اور یہ معنی زیادہ صحیح ہے۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عرب اپنی اصطلاح اور عرف میں لفظِ رَجُل کو مدح وتوصیف کے مقام میں بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حماسہ کا مشہور شعر ہے۔

رَجُلاً اِذَا مَا النَّائِبَاتُ غَشِیْنَہٗ   اَکْفٰی لِمُعْضَلَۃٍ وَّاِنْ ھِیَ جَلَّتِ

وہ ایسا مرد ہے کہ جب اسے مصائب گھیر لیتے ہیں تو وہ کفایت کرتا ہے یعنی ان کا مقابلہ کرتا ہے اگرچہ وہ مصائب بڑے ہوں گویا یہاں پر لفظِ رَجُل بطور مدح وتوصیف کے استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) لفظ رَجُل بطور ربط اور تمہید خبر کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اگر چہ مستقلاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی خود قرآن میں اصحابِ قریہ کی طرف مبعوث پیغمبروں کا کلام بھی اسی طور سے نقل کیا گیا ہے " بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُوْنَ" (۳۶: ۱۹) (بلکہ تم ایک قوم ہو حد سے نکل جانے والے) اس سے مقصد تو صرف اتنا تھا کہ ان کو مسرفون کہا جائے مگر یہاں پر قوم کا ذکر بطور ربط وتمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) سب سے احسن توجیہ یہ ہے کہ رجل اپنے معنی مرادف یا معنی متعارف پر محمول ہے اور مراد اس سے کامل رجلیّت (مردانگی) ہے والاحسن ان یحمل علی المعنیٰ المرادف او علی المتعارف ویراد به کامل الرّجُلية و هو کثير فی العرف يقال فلان رجل کريم ورجل صالح (جمع ص ۱۹) (ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی صورت یہ ہوگی کہ معنیٰ متعارف پر حمل کرتے ہوئے اس سے رجلیّت (مردانگی) میں کمال مراد لیا جائے اور یہ عرف عام میں کثیر الاستعمال بات ہے کہا جاتا ہے کہ فلان رجل کريم کہ فلاں شخص سخاوت میں کامل ہے (بڑا سخی ہے) اور فلاں بڑا نیک ہے)

لفظِ مربوعٌ منکبین اور بعید:

مربوعاً... اس سے قبل کی روایت میں رَبْعَةٌ کا لفظ تھا یہاں مربوعاً ہے دونوں کا مفہوم ایک ہے والمربوع يراد ف الربعة (جمع ص ۱۹) (لفظِ مربوع ربعۃ کا مرادف (ہم معنیٰ ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ معتدل القامت اور میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد اور نہ پستہ قد۔

وقد علمت انه تقريبیٌ لا تحديدی فلا ينافی انه يضرب الی الطول (جمع ص ۱۳) (اور یہ پہلے معلوم کر چکے کہ آپ ﷺ کے مربوع ہونے کا وصف تقریبی ہے (مکمل) تحدیدی نہیں تو یہ اس کے منافی نہ ہوا کہ آپ ﷺ قدرے مائل بہ درازی تھے) بلکہ حدیث میں صاف آیا ہے کان ربعة وهو الی الطولِ اقرب (مناوی ص ۱۴) (کہ آپ ﷺ میانہ قد قدرے مائل بہ درازی تھے)

بُعَيْدَ ما بين المنكبينِ ۔۔۔لفظِ بُعَيْد کو مصغر بھی پڑھ سکتے ہیں اور بَعِيد یعنی مکبّر بھی، بُعَيْدُ کو اگر

مصغّر پڑھیں گے تو معنیٰ'' قدرے '' یا کسی قدر فاصلہ ہوگا۔ اشارة الی تصغیر البعد (جمع ص ۲۰) (یہ اشارہ بعد کی تصغیر کو ہے) اور اگر مکبّر یعنی بَعِید پڑھیں گے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ آپؐ کے کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا یعنی عامۃ الناس کی نسبت یہ فاصلہ ذرا زیادہ تھا بہر حال مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دوشانے مبارک نہ تو بالکل جڑے ہوئے تھے اور نہ بہت زیادہ کشادہ تھے بلکہ دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا وھو مستلزم لعرض الصدر (جمع ص ۲۰) (اور کندھوں کے درمیان فاصلے کا ہونا سینے مبارک کی چوڑائی کو مستلزم ہے) چنانچہ اسی تناسب سے سینہ مبارک بھی عام لوگوں کی نسبت کشادہ تھا جو شجاعت' نجابت اور شرافت کی علامت ہے۔ واراد ببعید ما بینھما السعة اذ ھی علامة النجابة وکنایة عن سعة الصدر وشرحه الدال علی الجود والوقار (جمع ص ۲۰) (دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ سے مراد فراخی اور وسعت کا ہونا ہے جو کہ نجابت وشرافت کی علامت اور سینے کی وسعت (فراخی) اور شرح صدر سے کنایہ ہے جو کہ شجاعت، سخاوت اور وقارِ نفس پر دال ہیں) منکبین 'منکب کا تثنیہ ہے اور مناکب جمع ہے کندھا' شانہ' شانہ کی ہڈی' والمنکب مجمع العضد والکتف (مناوی ص ۲۰) (منکب کا معنیٰ بازو اور کندھے اکھٹے ہونے کی جگہ)

بال مبارک (وَفره' لِمّه' جُمّه):

عظیم الجمّة الی شحمة اذنیه... حضور اقدس ﷺ کے سر کے بال بڑے تھے جو کانوں کی لو تک آتے تھے بعض نے اس کے مفہوم میں کہا ہے کہ آپؐ کے بال مبارک گنجان تھے احادیث میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کے متعلق تین حالتیں بیان کی گئی ہیں جُمّہ' لِمّہ اور وَفرہ اہل لغت کا ان کی تشریح وتفسیر میں اختلاف ہے ذیل میں ہم راجح تطبیقی مفہوم نقل کر رہے ہیں۔

وہ بال جو شحمۃِ اذنین (کانوں کی لو) تک پہنچیں'' وَفرہ'' کہلاتے ہیں اور جو کانوں کی لو سے تجاوز کر کے گردن تک پہنچ جائیں ''لِمّہ'' کہلاتے ہیں یعنی منکبین سے اوپر اور اذنین سے نیچے ہوں اور جو بال منکبین تک پہنچ جائیں ان کو ''جُمّہ'' کہتے ہیں من الجموم الاجتماع وفی

النهاية ماسقط على المنكبين (مناوی ص ۲۰) (یعنی ''جُمّہ'' کا لفظ جُموم سے ہے، جس کا معنیٰ ہے جمع ہونا اور نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد وہ بال ہیں جو کندھوں پر پڑے ہوں) ج م م کے مادہ میں کثرت کے معنیٰ ہیں مجمع البحار اور نہایہ میں یہی تفصیل موجود ہے۔

بعض شارحینِ حدیثؒ نے تینوں قسم کے بالوں کو ولج کی مثال سے یوں سمجھایا ہے کہ ولج میں جس طرح واو پہلے ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں وفرہ گویا حدّ اول ہے لام درمیان میں ہے لمّہ کی حد بھی درمیان میں ہے ج آخر میں ہے تو بالوں کی حد میں جمّہ بھی انتہاء ہے البتہ ان کا ایک دوسرے پر اطلاق بھی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔ مختلف حالات اور اوقات میں حضور ﷺ نے بالوں کے مذکورہ تینوں صفات کو اختیار فرمایا ہے۔

بعض شارحین مزید تشریح وتطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ ؐ نے بال بنوائے تو کانوں کی لو تک رکھے جنہیں اصطلاح ولغت میں ''وفرہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور کبھی ایک ماہ تک بالوں کو چھوڑ دیا تو وہ بڑے ہو کر گردن تک پہنچ جاتے تھے جنہیں ''لمّہ'' کہا جاتا تھا اور بعض حالات میں کئی کئی ماہ تک بھی بال مبارک چھوڑ دیا کرتے تھے تو بال مبارک مزید بھی لمبے ہو کر شانوں تک پہنچ جاتے تھے اسی حالت کو حدیث میں ''جمّہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وجمع القاضی عیاض بان ذلک لاختلاف الاوقات فکان اذا ترک تقصیرها بلغت المنکب واذا قصرها کانت الی الأذن او شحمتها او نصفها فکانت تطول وتقصر بحسب ذلک (جمع ص ۲۱) (حضور ﷺ کے بالوں کی جو مختلف صورتیں مذکور ہوئیں علامہ قاضی عیاضؒ ان کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی ہیئت کا اختلاف بوجہ مختلف اوقات کے ہوتا رہتا پس جب آپ ﷺ بالوں کو کترنا چھوڑ دیتے۔

تو وہ کبھی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے اور جب کبھی کتر لیتے تو پھر کانوں یا کانوں کی لو تک ہوتے یا کندھے اور کانوں کے درمیان (یعنی گردن) پر ہوتے تو بالوں کا بڑھنا اور لمبا ہونا یا چھوٹا ہونے کا مدار اسی وجہ سے ہوتا تھا)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال یہ ہے کہ روایت میں لفظ جمّہ مذکور ہے جو منکبین (کندھوں) تک پہنچے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں مگر آگے اسی روایت میں الی شحمة اذنیه (کانوں کے لوتک) سے اس کی تحدید کردی گئی ہے جسے اصطلاح میں وفرہ کہتے ہیں۔اس کا جواب اوپر کی تشریح میں بھی آ گیا ہے کہ بعض اوقات اور بعض حالات میں یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اس مقام پر بھی وفرہ کی جگہ جمّہ کو استعمال کیا گیا ہے۔

شحمہ کا لغوی معنیٰ چربی ہے اب اصطلاح میں اس کا اطلاق مالان من الاذن (کان کا نرم حصہ) پر ہوتا ہے وجہ شبہ بھی لینیّت اور نرمی ہے جبکہ مالان (کان کا نرم حصہ) موضع القرط (بالی کی جگہ) کو کہتے ہیں۔ شارحین نے الی شحمة اذنیه کو ترکیب میں جمّة کی صفت بنا کر مجرور قرار دیا ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوتا ہے عظیم الجمّة الواصلة الی شحمة اذنیه (آپؐ بڑے جُمّہ والے تھے جو کانوں کے نرم حصہ تک پہنچا ہوا تھا) اس صورت میں جمّہ کا معنیٰ وفرہ ہے اور یہ مجازاً استعمال ہوا۔ عظیم کا لفظ مرتبہ اور کیفیت میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے یہاں مجازاً کثرتِ کمیت اور تعداد میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے آپؐ کا طاقتور ہونا ثابت کیا گیا ہے کیونکہ کثرتِ شعر طاقتوری پر دلالت کرتی ہے۔

حُلّہ کا مفہوم:

وکان علیه حلة حمراء ... لفظِ علیه' کان کی خبر ہے یا ضمیرِ کان سے حال ہے۔

حلّہ لغت میں (۱) چادر اور تہہ بند و اِزار کو کہتے ہیں (۲) یا وہ کپڑا جس کے دوتہہ ہوں ثوبان او ثوب له بطانة (مناوی ص۲۱) یعنی دو کپڑے یا پھر ایک کپڑا جس کا استر ہو۔ (۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ حُلّة خاص ان دو چادروں کا نام ہے جو یمن سے آتی تھیں وفی النهایة هی بردة الیمن ولا تسمّی حلة الا ان یکونا ثوبین ومن جنسٍ واحد (مناوی ص۲۱) (نہایہ میں ہے کہ حُلّہ یمنی دھاری دار

چادر کو کہتے ہیں اور وہ اس وقت حلّہ (جوڑا) کہلایا جائے گا جبکہ دو کپڑے اور ایک ہی قسم کے کپڑے سے بنے ہوئے ہوں) انبیاء اور صلحاء کا لباس یہی تھا حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کا لباس بھی یہی تھا بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ احرام بھی اسی لباس کی یادگار ہے۔

سُرخ کپڑے پہننے کا حکم:

باقی رہی یہ بات کہ سرخ کپڑے پہننے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے پہننے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑا اگر زعفران یا کسی دوسری نجس چیز سے رنگا ہوا نہ ہو تو اس کا پہننا جائز ہے اور **احمر قانی** (خالص سرخ) ہو یا **مخطط** (دھاری دار) ہو یہ سب جائز ہیں حدیثِ زیر بحث ان کا مستدل ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے اس **حلة حمراء** کی زمین (سطح) سرخ نہ تھی بلکہ روایت اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں جیسا کہ جمع الوسائل میں ہے **ھی ثیاب ذات خطوطٍ** (جمع ص ۲۱) یعنی وہ (حُلّہ) دھاری دار کپڑا تھا۔ حضور اقدسؐ سے خالص سرخ کپڑا پہننا ثابت نہیں ہے۔

(۲) احنافؒ کے ہاں سرخ کپڑے پہننے کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ علامہ شامیؒ نے نو اقوال نقل کئے ہیں۔ (راجع ردالمحتار ج۵ ص۲۲۸) فقہاء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ تفصیل سامنے آئی ہے اور جو مختار ہے کہ معصفر اور جو نجس چیز سے رنگا ہو وہ حرام ہے بالاتفاق اور جو معصفر نہ ہو اور نہ ہی کسی نجس چیز سے رنگا ہوا ہو تو اگر **احمر قانی** (سخت سرخ) ہو تو مرد کے لئے اس کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو **مائل الی السواد** (سیاہی کی طرف مائل) ہو جسے عنابی رنگ بھی کہا جاتا ہے وہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اسی طرح اگر **احمر قانی** (سخت سرخ) نہ ہو بلکہ **مخطط** (دھاری دار) ہو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے البتہ خواتین کے لئے یہ سب رنگ جائز ہیں۔ اس جگہ حلۃ حمراء سے مراد مخطط حلہ ہوگا چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ حُلّہ بالکل ہی سرخ تھا اسے غلط فہمی ہوئی بلکہ سرخ جوڑا سے مراد دو لمبی چادریں تھیں، جن پر عام یمنی چادروں کی طرح سرخ اور سیاہ

لکیریں تھیں، ان سرخ دھاریوں کی وجہ سے ان کو سرخ چادروں سے موسوم کیا گیا، بالکل سرخ لباس تو اسلام میں بڑی سختی سے ممنوع ہے (ملخصاً از زاد المعاد)

احناف کے دلائل:

(۱) حدیث میں مطلقاً سرخ لباس سے ممانعت آئی ہے اور اصول یہ ہے کہ حرمت اور اباحت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے (۲) حدیث باب میں احتمالِ تخصیص موجود ہے۔ (۳) ممکن ہے کہ یہ سرخ لباس تحریم اور نہی سے پہلے پہنا گیا ہو (۴) حمراء کا معنیٰ **مخطط بخطوطٍ حمراء** (سرخ لکیروں سے دھاری دار) بھی ہوسکتا ہے اور ایسا لباس بالاتفاق جائز ہے۔ **والحاصل ان عندنا یؤوّل الحمراء بالتی لها خطوط حمراء او یعدّ من خصائصه صلی اللّٰه علیه وسلم بعد تسلیم صِحة الحدیث اویحمل لبسه علی ماقبل نهیه** (جمع ص ۲۱) (حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک سرخ جوڑا سے مراد یہ ہے کہ جس میں سرخ دھاریاں ہوں یا اس روایت کو اپنے معنیٰ پر برقرار رکھتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ سرخ جوڑا کا پہننا آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا یہ ممانعت سے پہلے واقعہ ہے)

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس روایت میں محمد بن جعفر راوی ضعیف ہے۔

حسنِ کامل:

مارائیت شیأً قط احسن منه... حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے حسین کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی سبحان اللہ! حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت، شیفتگی اور عشق کا کیا عالم ہے کہ کائنات خداوندی کے اندر اگر کسی کا حسن ان کی آنکھوں میں سما سکا تو وہ صرف اور صرف ذاتِ اقدس، مجسمہ حسن وجمال 'صاحبِ قاب قوسین او ادنیٰ' 'خاتم النبیین' صاحبِ شفاعتِ کبریٰ، رحمۃ للعالمین، مومنوں کے لئے رؤف'' رَّحِیم، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود مبارک ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(اے پروردگار! مخلوق میں سب سے بہتر، اپنے حبیبؐ پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت اور سلامتی نازل فرما)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "وقد صرحوا بان من كمال الايمان اعتقاد انه لم يجتمع في بدن انسان من المحاسن الظاهرة ما اجتمع في بدنه ﷺ ومع ذالك فلم يظهر تمام حسنه والا لما طاقت الاعين رويته ،، (مواهب ص ۱۴)

یعنی علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ کمالِ ایمان کے معتقدات میں ایک اعتقاد یہ بھی ہے کہ جو کچھ حسن ظاہر، حضور سراپا حسن و جمال کے وجودِ مبارک میں جمع کردیا گیا ہے وہ کسی انسانی وجود میں ہرگز مجتمع نہیں ہوا باوجود اس اجتماع حسن ظاہری کے جو حسن آپ کا تھا تمام کا تمام ظاہر نہیں ہوا ورنہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس حسن کو جی بھر کر دیکھ سکتے۔

احسن 'صیغہ اسم تفضیل' شیأً کی صفت ہے تاہم ابلغ یہ ہے کہ جیسے ترتیب ہے ویسے کہا جائے یعنی احسن کو دوسرا مفعول قرار دیا جائے اور رَأیتُ کو رؤیت علمیہ پر حمل کیا جائے ان احسن مفعول ثان لرائيت على ان الروية علمية (جمع ص ۲۱) اس میں ایک مبالغہ اور بھی ہے کہ بجائے رجلاً کے تعمیم کے لئے شیئاً کہا گیا یعنی انسان ہو یا غیر انسان (چاند سورج وغیرہ) سب سے آپؐ زیادہ حسین تھے۔ جیسا کہ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: وانما قال شيأ دون انسانا ليشمل غير البشر كالشمس والقمر (مواهب ص ۱۴) تاہم اگر انسان کا لفظ بھی ہوتا' تب بھی درست تھا کیونکہ مخلوقات میں انسان سے احسن کوئی چیز نہیں اور آپؐ انسانوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

لفظِ قَطُّ کی بحث' امام اعظمؒ کے ایک شاگرد کی ذکاوت:

قط: عربی زبان میں نفی کی تاکید کے لئے عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک قط جو ماضی منفی کی تاکید کے لئے آتا ہے ایک عَوضُ جو مستقبل منفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔

قطُّ میں پانچ لغتیں ہیں قَطُّ (بالتشديد) قَطُ (بلا تشديد) قُطُّ (بضمتين والتشديد) قُطْ (بسكون ثاني وضم الاول) قَطْ (بفتح الاول وسكون الثاني) فهذه خمس لغات والاشهر منها الاولى (مواهب ص ۱۴)

شرح جامی میں ان ہی پانچ لغات کو ایک دوسرے طرز سے ضبط میں لایا گیا ہے ومنھا قط مفتوح القاف 'مضموم الطاء المشددة وھذا اشھر لغاته وقد تخفف الطاء المضمومة وقد تضم القاف اتباعًا لضمة الطاء المشددّة او المخففة وقد جاء قط ساکنة الطاء مثل قط الذی ھو اسم فعل فھذہ خمس لغات (شرح جامی ص ۲۴۹) (اور ظروف مبنیہ میں سے لفظ (۱) قطُّ ہے جو قاف کے فتحہ اور طاء مضموم مشددہ کے ساتھ ہو اور یہ اس کی سب لغات میں مشہور ہے (۲) اور کبھی طاء مضمومہ کو مخفف کیا جاتا ہے یعنی قَطُ (بفتح القاف اور سکون الطاء) (۳) اور کبھی قاف کو بھی ضمہ طاء مشددہ کی اتباع میں دیا جاتا ہے یعنی قُطُّ (۴) قاف پر ضمہ اتباع طاء مخففہ یعنی قُطُ (۵) اور کبھی قَطْ طاء ساکنہ کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے کہ قَطْ اسم فعل تو یہ پانچ لغتیں ہوئیں) اور قط سے تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ انہ کان کذالک من المھد الی اللحد لان معنی قط الزمن الماضی ولا یستعمل الا فی النفی (مواھب ص ۱۴) یعنی آپؐ جیسا حسن و جمال سے متصف شخص میں نے (گہوارہ سے لحد تک) یعنی زندگی بھر نہیں دیکھا (وہ غیر معمولی جمال و کمال اور سراپا حسن آپؐ ہی کے ساتھ خاص تھا) قَطُّ کا معنیٰ زمانہ ماضی ہے اور یہ صرف نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔

تفسیرِ قرطبی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ (خلیفہ ابو جعفر منصور کا ایک درباری) چاندنی رات میں اپنے بیوی سے گفتگو کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے بیوی سے یوں کہا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِيْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی اگر تو اس چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تجھ پر تین طلاق۔ بات تو اس نے کہہ دی مگر اس کا نتیجہ دور رس تھا بات خلیفہ کے دربار تک پہنچی کہ ایسا کہنے سے واقعی طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ علماء سے فتویٰ لیا گیا' تو سب نے کہا کہ طلاق پڑگئی ہے کیونکہ عورت چاند سے حسین نہیں ہوسکتی۔

دربار میں امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد بھی موجود تھے خلیفہ منصور خاص طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ بھی اپنی رائے دیں تو انہوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر ''سورہ تین'' کی ابتدائی آیات وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵:۱،۲،۳،۴) (قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کے اور اس شہر امن والے کی البتہ تحقیق پیدا

کیا ہم نے آدمی کو بیچ اچھی ترکیب کے) تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں ہونا بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان جیسی حسین کوئی ہستی کائنات میں پیدا ہی نہیں کی تو چاند ایک انسان سے زیادہ بہتر کیسے ہوسکتا ہے لہذا عورت چاند سے حسین ہے اور اس پر طلاق نہیں پڑی یہ سن کر سب لوگ مطمئن ہوگئے (قرطبی ج ۲۰ ص ۷۷) حقیقت یہی ہے کہ انسان بہترین مخلوق ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی فطری امور کے مطابق ادا کرے

نفی قیدِ زائد کی بھی اور مساوی کی بھی:

یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ نفی ہمیشہ قید زائد کی طرف راجع ہوتی ہے تو یہاں نفی رویتِ احسن کی ہوئی مساوی فی الحسن (حسن میں برابری) کی نفی نہیں ہوئی حالانکہ مقامِ مدح اور حقیقت واقعہ میں مساوی کی نفی بھی ضروری ہوتی ہے۔ شارحینِ حدیث نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اسم تفضیل بعض حالات میں زیادۃ کے معنیٰ سے مجرد ہوکر نفسِ صحت کے لئے ہوتا ہے جس کی مشہور مثال الخمر احلٰی من الخل (کہ شراب سرکہ سے میٹھی ہے) میں ہے کہ خل میں سرے سے حلاوت ہے ہی نہیں۔

" اَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡر" مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا " (۲۵:۲۴) (اہلِ جنت اس روز قیامگاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے) " وهو اهون عليه " (اور وہ بہت آسان ہے اوپر اس کے) ان مثالوں میں اسم تفضیل زیادۃ کے معنیٰ سے مجرد ہوکر استعمال ہوا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کیفیات میں قلت اور کثرت تو بیان ہوسکتی ہے لیکن کیفیات اور حالات میں مساوات کا علم و بیان محال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کیفیات میں مساوات کا قول کرے تو اس کے قول کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ شرح جامی میں ہے وان قال كيفما تقرأ اقرأ فهٰذا القول باطل (اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ جس کیفیت سے تم پڑھتے ہو، میں بھی اسی کیفیت سے پڑھتا ہوں تو تساوی کا یہ دعویٰ باطل ہے) تو یہاں بھی بیانِ کیفیت ہے اور مساواتِ کیفیت ممکن نہ تھی اسلئے اس

کی نفی کی ضرورت نہ تھی البتہ زیادتی فی الحسن چونکہ شئی ممکن ہے لہذا اسکی نفی کرنی تھی کہ حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں ہے کم ہے تو ہے مساوی تو ممکن ہی نہیں۔

---

(۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَارَاَيْتُ مِنْ ذِىْ لِمَّةٍ فِىْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَّضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ .

ترجمہ! محمود بن غیلانؒ بیان کرتے ہیں، انہوں نے وکیعؒ سے نقل کیا اور وہ سفیانؒ سے نقل کرتے ہیں، سفیانؒ نے ابواسحٰقؒ سے روایت کی ہے وہ براء بن عازبؓ سے روایت نقل کرتے ہیں، براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ کے بال' مونڈھوں تک آ رہے ہیں' آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپؐ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے ۔

راویانِ حدیث (۱۳) محمود بن غیلانؒ (۱۴) وکیعؒ اور (۱۵) سفیان ثوریؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

مَا رَاَيْتُ مِنْ ذِىْ لِمَّةٍ ... اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی جسمانی بلکہ آپ سے منسوب تمام اشیاء کو حسن و جمال، خوبصورتی اور کمال سے نوازا تھا حضور اقدس ﷺ کے اس مبارک حسن اور فطری جمال کو آپ کی حسین زلفوں اور سرخ دھاریدار حلّة نے مزید نور'' علیٰ نورٍ بنا دیا تھا یہاں اگر رویتِ بصریہ مراد ہو تو من زائدہ ہوگا کیونکہ کلام غیر موجب ہے اور ذا لمةٍ مفعول اول اور احسن اس کی صفت ہوگی اور اگر رویتِ قلبیہ مراد ہو تو ذا لمة مفعول اول اور احسن غیر منصرف مفعول ثانی ہے (تقریر ترمذی ۲۴۷)

عظیم الجمة اورذی لمة میں تعارض نہیں:

بہرحال یہ کوئی اعتراض نہیں کہ پہلی روایت میں عظیم الجمہ کہا گیا تھا اور یہاں ذی لمّة کی تصریح ہے۔ کہ تطبیق واضح ہے جو قاضی عیاض کے حوالے سے اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ حالاتِ مختلفہ اوقاتِ مختلفہ میں ہوئے ہیں۔

بال مبارک کی مختلف روایات میں تطبیق:

له شعر یضرب منکبیه ... آپؐ کے بال مبارک آپ کے کندھوں تک پہنچتے تھے یہاں یضرب 'یصل کے معنیٰ میں ہے والضرب کنایة عن الوصول (جمع ص ۲۴) (اورضرب کنایہ ہے پہنچنے سے)

قاضی محمد عاقل تحریرفرماتے ہیں کہ اس سے ماقبل کی حدیث کامفہوم تو یہ تھا کہ آپؐ کے سرمبارک کے بال کانوں کی لوتک پہنچتے تھے جبکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ لوسے گزرکر منکبین تک پہنچتے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک تک پہنچتے تھے اور صحیحین میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک کے آخرتک پہنچتے تھے لہذا یہ اختلاف روایات کس طرح حل ہوگا۔

- اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلافِ روایات' اختلافِ اوقات پرمبنی ہے جس وقت حضورؐ قصر (کترنا) فرماتے تو بال مبارک کانوں کی لو یا نصف کانوں تک پہنچتے اور جس وقت ترک قصر کرتے تو بال مبارک اتنے لمبے ہوجاتے کہ کندھوں مبارک تک پہنچتے یعنی جس حالت میں صحابہ کرامؓ نے دیکھا اسی کیفیت کو بیان کردیا۔ (حلاوۃ المتعلمین قلمی نسخہ)

---

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ ضَخْمُ الرَّاْسِ ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ

طَوِيلُ الْمَسْرُبَةِ اِذَامَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّأً كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَقَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ! محمد بن اسماعیلؒ بیان کرتے ہیں، ان کے سامنے بیان کیا ابونعیمؒ نے، وہ مسعودیؒ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے عثمان بن مسلم بن ہرمز سے، انہوں نے روایت کی نافع بن جبیر بن مطعم سے جنہوں نے یہ روایت کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد۔ ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لئے محمود ہیں اس لئے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں' عورتوں کے لئے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں' سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔
راویانِ حدیث (۱۶) محمد بن اسماعیلؒ (۱۷) ابونعیمؒ (۱۸) المسعودیؒ (۱۹) عثمان بن مسلمؒ (۲۰) نافع بن جبیر بن مطعمؒ اور (۲۱) حضرت علیؓ بن ابی طالب کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہتھیلیاں اور قدمین مبارک:

شثن الکفین و القدمین ... یعنی ہاتھ مبارک اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ حدیث کے پہلے حصے کی تشریح گذشتہ احادیث میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ شثن (باب کرم یکرم) سے ہے شَثْنٌ (بسکون الثاء) شَثِنٌ (بکسر الثاء) صیغہ صفت ہے مصدر شثون و شثونۃ اور شثانۃ آتا ہے یہاں شَثْنٌ مرفوع ہے اور ھو محذوف کی خبر ہے یا کان محذوف کی خبر منصوب ہے جس پر قرینہ لم یکن موجود ہے جب باب کرم اور سمع سے ہو تو معنیٰ موٹے ہونے کے ہوتے ہیں یعنی پُر گوشت اتنا کہ بدنما نہ ہو۔ شثن الکفین میں اضافۃ الصفۃ الی الموصوف (صفت کی اضافت موصوف کو ہے) ہے ۔ بہر حال اس کا لفظی معنیٰ کھردرے، گوشت سے بھرے ہوئے مضبوط اور قوی

ہونے کے ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کھردرے نہ تھے بلکہ نرم اور ملائم تھے ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا کہ رگیں ظاہر نہ ہوں مردوں کا حسن ہے مردوں میں یہ صفت محمود ہے کہ اس سے گرفت مضبوط ہوتی ہے لیکن عورتوں میں یہ صفت اچھی اور پسندیدہ نہیں ہے وھو مما یحمد فی الرجال لانہ اشد لقبضھم ویذم فی النساء (جمع ص ۲۶) (ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا مردوں میں بوجہ قوت اور شدت گرفت ہونے کے پسندیدہ صفت ہے اور یہ صفت عورتوں میں ناپسندیدہ شمار ہوتی ہے)

بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ شَثْن کا معنیٰ ہے پوری انگلیاں جو موٹی اور مضبوط ہوں لیکن چھوٹی نہ ہوں شثن الکفین ای یمیلان الی الغلظ من غیر قصرٍ ولا خشونۃ (مناوی ص ۲۵) (ہتھیلیوں کے پُر گوشت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موٹائی کی طرف مائل تو ہوں لیکن نہ چھوٹی اور نہ کھردری ہوں) حضرت انسؓ سے روایت ہے ما مسست خزا ولا حریرا الین من کف رسول ﷺ (جمع ص ۲۵) یعنی میں نے دیبا اور حریر بھی آپ ﷺ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ملائم اور نرم نہیں دیکھا۔ یہ روایت' حدیثِ زیر بحث کے خلاف نہیں کیونکہ جب انگلیاں اور ہتھیلیاں پُر گوشت ہوں گی تو اس وقت نرم و ملائم ہوں گی ۔بعض محدثین کا ارشاد ہے کہ نرمی جلد اور چمڑے میں تھی سختی اور مضبوطی ہڈیوں میں تھی جسم مبارک نرم اور ملائم مگر جوڑوں میں زور' مضبوطی اور قوت تھی۔

اسلئے ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فکان اذا عمل فی الجھاد اومھنۃ اھلہ صار کفہ خشنا للعارض المذکور واذا ترک ذالک صار کفہ الی اصل جبلتہ من النعومۃ (جمع ص ۲۵) (جب آپؐ جہادی امور سرانجام دیتے یا گھر کا کام کاج کرتے تو ان عارضی امور کی وجہ سے ہتھیلیاں سخت اور کھردری ہو جاتیں اور جب یہ امور نہ ہوتے تو ہتھیلیاں فطری طور پر نرم اور ملائم ہو جاتیں)۔

سر مبارک اور اعضاء و اندام کے جوڑوں کا بیان:

ضخم الراس (باب کرم یکرم) موٹاپن' بڑائی ضخم (بسکون الخاء وبکسرھا) اور ضخیم صفت کے صیغے ہیں یہاں بھی اضافۃ الصفۃِ الی الموصوف (صفت کی اضافت موصوف کو ہے)

اور یہ دونوں مل کر فاعل ہے۔قاضی محمد عاقل تحریر فرماتے ہیں کہ سر کا بڑا ہونا دماغ کے قوی ترین ہونے کی کامل ترین علامت ہے جو کہ فہم وفراست کی زیادتی کا سبب ہے اور اس میں بے شمار فائدے ہیں۔ علامہ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وھو آیة النجابة (المواھب ص ۱٦) یعنی یہ شرافت کی علامت ہے ۔ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے وھو دال علی کمال القویٰ الدماغیة وبکمالها یتمیز الانسان عن غیرہ (جمع ص ۲٦) (یہ دماغی قوتوں کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دماغی قوت کے کامل ہونے کی وجہ سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے)

المسربة :

طویل المسربة (باب سمع) بالوں کا طولانی خط جو سینہ سے لیکر ناف تک ہوتا ہے ھی الشعر اللدقیق الذی یبدی من الصدر وینتھی بالسرّة (بالوں کی وہ بارک لکیر جو سینہ سے شروع ہو کر ناف پر ختم ہو جاتی ہے) آپؐ کے سینہ پر بالوں کی دھاری لمبی تھی عام تجربہ ہے کہ بعض لوگوں کے سینہ پر بال ہوتے ہی نہیں اور بعض کا سینہ بالوں سے بھرا ہوتا ہے مگر آنحضرتؐ کے سینہ مبارک پر ناف تک بالوں کی لمبی سی دھاری تھی جو نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔شارحین نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سینہ اور شکم مبارک پر سوائے ایک لمبی بالوں کی لکیر کے اور بال نہیں تھے جیسا کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں لہ شعرات من سرته تجری کا لقضیب لیس علی صدرہ ولا علی بطنه غیرھا(مناوی ص۲٦، جمع ص ۲٦،دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۰۴)

اندازِ رفتار:

اذا مشیٰ تکفّأ۔۔۔اس حصہ کی تشریح اس سے قبل احادیث میں بھی گزر چکی ہے کہ تکفا تین صفات کی چال کو کہتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی رفتار میں یہ تینوں صفات موجود تھے یعنی آپؐ تیز رفتار بھی تھے،قدم اٹھا کر چلتے تھے اور آگے کی طرف ذرا جھکاؤ ہوتا تھا جیسا کہ حدیثِ زیر بحث میں ہے کانما ینحط من صبب گویا آپؐ اوپر سے نیچے کی طرف ڈھلوان میں اتر رہے ہیں انحطاط کا

معنی النزول والاسراع (اترنا اور تیزی کرنا) ہے واصلہ الانحدار من علوٍ الی سفل (جمع ص ۲۷) قال فی شرح السنة یرید انه کان یمشی مشیاً قویاً یرفع رجلیه من الارض رفعاً ثابتاً لا کمن یمشی اختیالاً ویقارب خطاه تنعماً (جمع ص ۲۷) (شرح السنہ میں اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ مضبوطی کے ساتھ چلتے تھے، پاؤں کو پوری طرح زمین سے اٹھاتے، آپ ﷺ کا اندازِ رفتار ان لوگوں کی طرح نہیں تھا جو اِترا کر چلتے ہیں اور نازکی وجہ سے قریب قریب قدم رکھتے ہیں)

کمالِ جمال کی حسین تعبیر:

لم ار قبله ولا بعده مثله ﷺ ... حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے بھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی آپ جیسی شخصیت نہیں دیکھی۔ حضرت علیؓ نے اس ایک جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے حسن و جمال اور خوبصورتی و کمال کا کتنا پیارے انداز میں تذکرہ فرمایا ہے عموماً ایسی عبارتیں مبالغہ میں آتی ہیں لیکن حضور اقدس ﷺ کے اوصاف میں یہ مبالغہ نہیں اس لئے کہ وہاں کمال جمال تعبیر سے باہر ہے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو کمالات باطنیہ کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی علی وجہ الاتم (اکمل طور پر) عطا فرمایا تھا۔

اُم المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔

لَوَاحِیْ زَلِیْخَا لَوْ رَاَیْنَ جَبِیْنَهٗ   لَآثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْیَدِ

زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کے کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔

اور بعض حضرات اسی مفہوم کو ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

لَوْ رَاَتْ طَاعِنَاتُ زُلَیْخَا نُوْرَ حُسْنِهٖ   لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْاَیْدِیْ

یعنی اگر زلیخا پر طعنے مارنے والی عورتیں آپ ﷺ کے حسن کی روشنی دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔

فارسی کے ایک شاعر نے جمال محمد ﷺ کا کچھ یوں ذکر کیا ہے۔ ؎

زنانِ مصر بہ ہنگامہ جلوۂ یوسف — زروئے بے خودی از دستِ خویش بریدند

مصر کی خواتین نے جمال یوسف کا نظارہ کیا — تو مدہوشی کے عالم میں اپنے ہاتھ کٹوا دیئے

مقرر است کہ دل پارہ پارہ مے کردند — اگر جمال تو اے نورِ دیدہ مے بینند

یہ بات طے ہے کہ وہ دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں اے نورِ چشمان! اگر وہ آپ کے حسن و جمال کا نظارہ کرتیں۔

تجھ سے کبھی یوسف کو اگر بدلے زلیخا — زندان میں پڑوں پر کسی صورت سے نہ بدلوں

رویت علیؓ پر اعتراضات اور جوابات:

لم ارقبله ولا بعده ... اس میں تعمیم مراد ہے۔ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علیؓ چھوٹے تھے پھر **قبله** کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ شارحین حدیث جواب میں فرماتے ہیں کہ (۱) یہاں رویتِ قلبیہ مراد ہے ای **لم اعتقد قبله ولا بعده** (میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپؐ جیسا نہ آپؐ سے پہلے گزرا ہے اور نہ آپؐ کے بعد کوئی ہوسکتا ہے) تو صغرسنی میں یہ امر ہرگز مستبعد نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ **قبل** اور **بعد** کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے ای **قبل وفاته وبعد وفاته** مقصد یہ ہوا کہ آپؐ کی حیاتِ مبارک میں آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا تاہم یہ دونوں توجیہات اصل مقصد اور ہدف کے لحاظ سے مخدوش ہیں کیونکہ حضرت علیؓ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ آپؐ کی مثل نہ پہلے وجود میں آئی نہ بعد میں آئے گی۔ شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ جب کسی ایک جنس کی دو چیزوں کو متکلم ذکر کرتا ہے تو وہاں استغراقِ جنس مقصود ہوتا ہے وہی دو چیزیں مقصود نہیں ہوتیں ورنہ بہت سے معانی اور مقاصد میں خلل پڑتا ہے جیسے **رب المشرق والمغرب** (کہ وہ مشرق و مغرب کے رب (مالک) ہیں) میں استغراق ہے اور مراد **رب الجهات كلها** (سب سمتوں کا مالک اور رب ہونا ہے) ہے جیسے نفی میں مثال مشہور ہے **لا ناقة ولا جمل** یا **لا خلّ لدىّ ولا خمر** (کہ نہ اونٹ ہے اور نہ اونٹنی یا نہ میرے پاس شراب ہے اور نہ سرکہ) دونوں کا معنیٰ **لاشئى عندى** (کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے) ہے تو اس اصول کے پیش نظر **لم ارقبله ولا بعده** (کہ میں نے حضورؐ

جیسانہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا) کا معنیٰ **لم ارفی جمیع الازمنة** (کہ سب زمانوں میں اس جیسا نہیں دیکھا) کے ہے۔ **تستعمل هذه العبارة فی نفی الشبیه من غیر ملاحظة القبلیة والبعدیة** (جمع ص ۲۷) (اس قسم کی عبارت شبیہ اور مثل کی نفی کے لئے استعمال ہوتی ہے پہلے اور بعد کے مشاہدہ کرنے کا لحاظ اس میں نہیں ہوتا)

حَدَّثَنَا سُفْیٰنُ بن وکیعٍ حدثنا ابی عن المسعودی بهٰذا الاسناد نحوَه بمعناه (ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے باپ نے مسعودی سے اسی اسناد کے ساتھ اسی معنیٰ میں روایت کی ہے)

(راویانِ حدیث (۲۲) سفیان بن وکیع کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں

مثله ' نحوه اور بمعناه :

نحوه بمعناه یعنی سفیان بن وکیعؒ نے یہی حدیث ایسی سند اور معانی ومفہوم کے ساتھ نقل کی ہے جو اس روایت کے ہم معنیٰ ہے مراد یہ ہے کہ الفاظ تو مختلف ہیں مگر معانی میں اس سے قبل والی حدیث کے ساتھ متفق ہے۔عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب ایک حدیث لفظی اعتبار سے یا معنیٰ ومفہوم کے اعتبار سے پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہو تو اختصار کے پیش نظر حدیث کے پورے الفاظ دوبارہ لکھنے کی بجائے حضراتِ محدثین صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون پچھلی حدیث سے ملتا جلتا ہے اس مقصد کی ادائیگی کے لئے مصنفین یا محدثین تین الفاظ استعمال کرتے ہیں (۱) **مثله** (۲) **نحوه** (۳) **بمعناه**۔ جب دوسری حدیث پہلی حدیث کے ساتھ الفاظ اور معانی میں مشترک ہو تو مثله کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جب الفاظ میں اختلاف اور معانی میں اشتراک ہوتا ہے تو **نَحوه'** استعمال ہوتا ہے اور **بمعناه** بھی اسی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ مجازاً بھی ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں (جمع ص۲۳) مطلب یہ ہوا کہ زیر بحث روایت کے الفاظ اگرچہ ہو بہو پہلی روایت سے نہیں ملتے مگر مفہوم وہی ہے۔

ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ''**واعلم انه قد جرت عادة اصحاب الحدیث ان الحدیث**

اذا روی باسنادین او اکثر وساقوا الحدیث باسناد اوّلا ثم ساقوا باسنادا آخر یقولون فی آخرہ مثلہ اونحوہ اختصاراً والمثل یستعمل بحسب الاصطلاح فیما اذا کانت الموافقۃ بین الحدیثین فی اللفظ والمعنیٰ والنحو یستعمل اذا کانت الموافقۃ فی المعنیٰ فقط ھذا ھو المشہور فیما بینھم وقد یستعمل کل واحد منھا مقام الآخر فعلی ھذا قولہ بمعناہ لا رادۃ ان النحو یستعمل فی ھذا المقام للمعنیٰ دون اللفظ مجازا ،،(جمع ص ۲۳)

---

(۶) حَدَّثَنَا اَحمَدُ بنُ عَبدَةَ الضَّبِّیُّ البَصرِیُّ وَعَلِیُّ بنُ حُجرٍ وَاَبُو جَعفَرٍ مُحَمَّدُ بنُ الحُسَینِ وَ هُوَ ابنُ اَبِی حَلِیمَه وَالمَعنٰی وَاحِدٌ قَالُوا حَدَّثَنَا عِیسَی بنُ یُونُسَ عَن عُمَرَ بنِ عَبدِ اللّٰهِ مَولٰی غُفرَةَ قَالَ حَدَّثَنِی اِبرَاهِیمُ بنُ مُحَمَّدٍ مِن وُلدِ عَلِیِّ بنِ اَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ اِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَم یَکُن رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِیلِ المُمَّغِطِ وَلَا بِالقَصِیرِ المُتَرَدِّدِ وَکَانَ رَبعَةً مِنَ القَومِ وَلَم یَکُن بِالجَعدِ القَطِطِ وَلَا بِالسَّبِطِ کَانَ جَعدًا رَجِلًا وَلَم یَکُن بِالمُطَهَّمِ وَلَا بِالمُکَلثَمِ وَکَانَ فِی وَجهِهٖ تَدوِیرٌ اَبیَضُ مُشرَبٌ اَدعَجُ العَینَینِ اَهدَبُ الاَشفَارِ جَلِیلُ المُشَاشِ وَالکَتِدِ اَجرَدُ ذُو مَسرُبَةٍ شَثنُ الکَفَّینِ وَالقَدَمَینِ اِذَا مَشٰی تَقَلَّعَ کَاَنَّمَا یَنحَطُّ فِی صَبَبٍ وَاِذَا التَفَتَ التَفَتَ مَعًا بَینَ کَتِفَیهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّینَ اَجوَدُ النَّاسِ صَدرًا وَاَصدَقُ النَّاسِ لَهجَةً وَاَلیَنُهُم عَرِیکَةً وَاَکرَمُهُم عَشِیرَةً مَن رَاٰهُ بَدَاهَةً هَابَهٗ وَمَن خَالَطَهٗ مَعرِفَةً اَحَبَّهٗ یَقُولُ نَاعِتُهٗ لَم اَرَ قَبلَهٗ وَلَا بَعدَهٗ مِثلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : ہمیں بیان کیا احمد بن عبدة ضبی بصریؒ نے اور علی بن حجرؒ نے اور ابو جعفر محمد بن حسینؒ نے اور وہ ابن ابی حلیمہؒ ہے ان سب کا ایک ہی بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونسؒ نے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت عمر بن عبداللہؒ سے لی تھی، جو کہ غفرة کا آزاد کردہ غلام تھا وہ کہتا ہے کہ مجھے روایت بیان کی ابراہیم بن محمدؒ نے، جو کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے وہ کہتا ہے کہ جب حضرت علیؓ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تھے، تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ

زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے نہ آپؐ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپؐ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور اقدس ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا) حضور اقدس ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی آپؐ کے بدن مبارک پر (کہیں بھی زائد) بال نہیں تھے۔ آپؐ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپؐ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے جب آپؐ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں جب آپؐ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے۔ آپؐ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی آپؐ خاتم النبیین تھے۔ آپؐ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے آپؐ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپؐ کے اخلاق کریمہ اور اوصاف جمیلہ کا گرویدا ہو کر) آپؐ کو محبوب بنالیتا تھا آپؐ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا (باجمال وباکمال) نہ حضور اقدس ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

راویانِ حدیث (۲۳) احمد الضبیؒ (۲۴) علی بن حجرؒ (۲۵) ابوجعفر محمد بن الحسین (۲۶) عیسی بن یونسؒ (۲۷) عمر بن عبداللہ اور (۲۸) ابراھیم بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انقطاع روایت کا اشکال:

اس روایت میں بظاہر ایک نقص بلکہ اشکال یہ ہے کہ راوی حدیث ابراھیم بن محمد کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں بلا واسطہ یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے بھی تصریح کر دی کہ

هذا الحديث بهذا الاسناد ليس اسناده بمتصل (جمع ص ۳۰) (یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ متصل نہیں) کیونکہ درمیان کا راوی حذف ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس قدر واضح انقطاع کے باوجود اس روایت کو قبول کرلیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ احنافؒ کے نزدیک منقطع روایت مُسْنَدْ سے بھی زیادہ معتبر ہے نیز سیرت اور تاریخ کی روایات میں ایسی چیزوں کو گوارا کرلیا جاتا ہے اور اس روایت میں بھی چونکہ عقائد اور اعمال کی بحث نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہے لہذا ان میں ضعیف روایات اور منقطع روایات بھی معتبر ہوتی ہیں۔

وُلْدِ عَلِيٍّ:

وُلْدِ (بضم الواو وسكون اللام) اور وَلَدِ (بفتحتين) دونوں مفرد اور جمع کے لئے استعمال ہوتے ہیں، کوئی تخصیص نہیں ہے البتہ بكسر الواو وسكون اللام (واؤ کے کسرہ اور لام کے سکون یعنی وِلْدِ) شاذ ہے۔ الغرض اس کا اطلاق جمع اور اسم جنس دونوں پر ہوتا ہے۔

الطويل الممغط :

قال كان عليّ اذ اوصف رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالطويل المُمغط ۔۔۔ یعنی حضور اقدس ﷺ بہت طویل قد والے نہ تھے۔ وَصَفَ ، وصفٌ سے ہے بمعنی تعریف کرنا ، صفت بیان کرنا اور حلیہ بیان کرنا۔ الممغط مُغط مصدر سے ہے من مغط الحبل فانمغط اذا مده فامتد (مناوی ص ۳۰) (الممغط یہ مغط الحبل سے ماخوذ ہے بمعنی اس نے زور سے رسی کو کھینچا پھر وہ لمبی ہوگئی) الممغط کے معنی ,,کھینچے ہوئے،، کے ہوتے ہیں الطويل الممغط کا معنی بہت لمبے ، بے ڈھنگے لمبے، اسم فاعل من الانمغاط من باب الانفعال اى المتناهى فى الطول من قولهم امغط النهار اذا امتد (جمع ص ۳۰) الممغط دوسری میم کی شد اور غین معجمہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اصل میں امغاط سے امغاط بھی دراصل انمغاط تھا اسم

فاعل منغمط تھا نون کو از جہت مطاوعت منقلب کر کے میم بنا دیا اور میم کو میم میں مدغم کر دیا تو امغاط بن گیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والنون للمطاوعة فقلبت میماً و ادغمت فی المیم هذا هو الصواب (جمع ص ۳۰) بعض حضرات نے مُمَغَّطُ پڑھا ہے (غین کی شد کے ساتھ) اور یہ تمغیط سے اسم مفعول بنا ہے معنیٰ وہی ہیں کہ آپؐ کا قد مبارک بے ڈھنگا لمبا نہیں تھا فالمراد نفی الطول البائن وقلة اللحم (جمع ص ۳۰) (تو مراد آپ ﷺ کے بہت طویل اور انتہائی لاغر ہونے کی نفی ہے) یہی مراد اس سے قبل والی حدیث میں بالطویل البائن کے الفاظ کے ساتھ نقل ہو چکی ہے۔

القصیر المتردد :

ولا بالقصیر المتردد ... المتردد' قصیر کی صفت ہے یعنی قصیر سے بھی بہت کم ہو کہ بعض اعضاء' بعض میں گھسے ہوئے ہوں یعنی نہایت پست قد' ٹھنگنا آدمی، یہ چیز بھی حسن کے خلاف ہے جو حضور ﷺ میں نہیں پائی جاتی تھی۔ المتناهی فی القصر کانه رد بعض خلقه علی بعض وتداخلت اجزاءه کذافی النهاية (جمع ص ۳۰) (یعنی بہت کوتاہ قد کہ بعض اجزاء کا بعض میں گویا تداخل ہوا نہایہ میں اسی طرح قصیر متردد کا معنیٰ مذکور ہے) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ میں مائل بہ درازی قد تھے یعنی جب تنہا ہوتے تو معتدل القامت نظر آتے نہ لمبے اور نہ پست قد' اور جس وقت آپؐ صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما ہوتے تو سب سے بلند قامت دکھائی دیتے یہ آپؐ کا سب سے بلند نظر آنا دراز قامتی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزانہ طور پر تھا جیسا کہ قاضی محمد عاقل نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ ''وایں در معنی معجزہ آں سرورؐ است''

ربعة ورَجِلًا:

وکان ربعة من القوم ... یعنی حضور اقدس ﷺ درمیانے قد والے تھے اور یہ بات تو پہلے کئی بار لکھی جا چکی ہے کہ ان وصفه بالربعة للتقريب فلا ينافی انه كان اطول من المربوع (مواهب ص ۱۸) (آپؐ کا درمیانہ قد والا ہونا وصفِ تقریبی ہے (تحدیدی نہیں) تو یہ اس روایت کے منافی

نہیں جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے) آپؐ کے بال مبارک جعد القطط یعنی محض یا تمام تر گھنگھریالے نہ تھے اور نہ ہی سیدھے بالوں والے تھے بل کان بین ذلک قواماً (مواھب ص ۱۸) بلکہ کان جعدا رجِلاً یعنی نیم گھنگھریالے تھے رَجِلاً تھوڑی سی شکستگی کو کہتے ہیں فیہ تکسر یسیر فکان بین السبوطۃ والجعودۃ (جمع ص ۳۰) (تو گویا آپؐ کے بال مبارک گھنگھریالے اور سیدھے پن کے درمیان ہی تھے)

مطہّم ومکلثم :

لم یکن بالمطھّم ولا بالمکلثم ... مطھم' تطھیم سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنیٰ موٹا' پھیلا ہوا' فربہ جسم یا کمزور وناتوان اور نحیف جسم' یہ لفظ اضداد میں سے ہے اس کے دونوں معانی آتے ہیں قیل نحیف الجسم وقیل بادن الجسم وکثیر اللحم (اس کا معنیٰ ہے کمزور جسم والا، اور فربہ ویُرگوشت جسم کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے) مطھّم اگر گھوڑے کی صفت ہو تو کامل فی صِفاتِ الفرسِیّۃِ (ایسا گھوڑا جس میں گھوڑے کی تمام صفات موجود ہوں) کو کہتے ہیں۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ۔وسیاتی تفسیرہ فی کلام المصنف بالبادن ای کثیر البدن متفاحش السمن وقیل ھو المنتفخ الوجہ وقیل نحیف الجسم فیکون من اسماء الاضداد قیل طھمۃ اللون ان تمیل سمرتہ الی السواد ولا مانع من ارادۃ کل من ھذہ المعانی ھنا (مواھب ص ۱۸) (مصنف نے خود آنے والے کلام میں مطھّم کی تفسیر ''فربہ جسم'' سے کی ہے، جو بہت زیادہ موٹا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مطھّم ''پھولے ہوئے چہرہ والے'' کو کہتے ہیں اور بعض نے ''کمزور جسم والا'' سے اس کی تفسیر کی ہے پس یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔

بعض نے کہا کہ لون (رنگ) میں طھمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ گندمی رنگ مائل بہ سیاہی ہو اور یہاں پر ان معانی میں سے ہر ایک معنیٰ مراد لیا جا سکتا ہے)۔

ولا بالمکلثم. مکلثم اسم مفعول ہے اس کا مصدر کلثمۃ ہے وفی الصحاح الکلثمۃ اجتماع لحم الوجہ (مناوی ص ۳۱) (''صحاح'' میں ہے کہ کلثمۃ چہرہ کا گوشت مجتمع ہونے کو

کہتے ہیں) درازی وجہ کو بھی کہتے ہیں جب منہ چپٹا اور گال پھولے ہوئے ہوں۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں معناہ مدور الوجہ والمراد انہ اسیل الوجہ مسنون الخدین ولم یکن مستدیراً غایۃ التدویر بل کان بین الاستدارۃ والاسالۃ ھو احلیٰ عند کل ذی ذوقٍ سلیم وطبع قویم ونقل الذھبی عن الحکیم ان استدارۃ الوجہ المفرطۃ دالۃ علی الجھل (مواھب ص ۱۸) (اس کا معنیٰ ہے چہرہ کا گول ہونا اور مراد تو اس چہرہ اور روشن رخسار والا، جو بہت زیادہ گول نہ ہو بلکہ گولائی اور لمبائی کے درمیان ہو، ایسا چہرہ ہر ذوقِ سلیم اور صحیح طبیعت کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے حکیمؒ سے نقل کیا ہے کہ چہرے کا بہت زیادہ گول ہونا جہالت پر دلالت کرتا ہے)۔

تدویر :

وکان فی وجھہ تدویر ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی جو آنحضرت ﷺ کے حسن میں اضافہ کا باعث تھی۔ تدویر کتابی صورت کو کہتے ہیں جس میں نہ زیادہ گولائی ہو نہ زیادہ لمبائی بلکہ درمیان درمیان میں ہو۔ تدویر کا لفظ مصدر نہیں بلکہ حاصل مصدر ہے اس کا معنیٰ گول کرنے کا نہیں بلکہ گولائی ہے اور اس پر تنوین تقلیل کے لئے ہے ای شی قلیل منہ (مناوی ص ۳۱) یعنی چہرہ مبارک میں تھوڑی سی گولائی تھی۔ والحاصل انہ کان بین الاستدارۃ والاسالۃ (جمع ص ۳۱) (خلاصہ یہ کہ چہرہ مبارک گولائی اور لمبائی کے درمیان تھا)

ابیض مشرب :

ابیض مُشرَبٌ ... یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ھو ابیض (مناوی ص ۲۶) (یعنی لفظِ ابیض ھو مبتداءِ محذوف کی خبر ہے) اور لفظ مشرب اس کی صفت ہے اشراب سے ہے باب افعال ہے وھو بصیغۃالمفعول من الافعال (جمع ص ۳۱) (مشرب باب افعال سے صیغہ اسم مفعول ہے) اور جب باب افعال سے آتا ہے تو اس کے معنیٰ ایک رنگ کا دوسرے رنگ کے ساتھ اختلاط کے ہوتے ہیں والاشراب خلط لون بلون (جمع ص ۳۱) (اشراب کا معنیٰ ایک رنگ کا

دوسرے سے مخلوط ہونا) مشرب بمعنی ممزوج کے ہے' قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ (۲ : ۹۳) اوران کے دلوں میں اس بچھڑے کی محبت پیوست ہوگئی تھی)

ابیض ' مشرب کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضوراقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخی آمیز تھا گویا سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی جیسے گلاب کے پھول کا رنگ ہوتا ہے . فالبیاض المثبت ماخالطه حمرة والمنفی مالایخالطها و هوا لذی تکرهه العرب (مناوی ص ۳۱) (جوسفیدی آنحضرت ﷺ کے لئے ثابت ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں سرخی ملی ہوئی ہو اور جس سفیدی کی آپؐ سے نفی ہے یہ وہ ہے جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو اور ایسے ہی رنگ کو عرب ناپسند کرتے ہیں)۔

ادعج العینین :

ادعج العینین .... ادعج کا مصدر دَعج'' ہے بمعنیٰ نہایت سیاہ' خوب کالا ہونا کشادگی کے ساتھ هو سواد العین مع سعتها (قاموس) (آنکھوں کی کشادہ اور خوب سیاہ ہونا) سمع کے باب سے آنکھوں میں جو حصہ سفید ہے اس کی سفیدی تیز ہو اور جو سیاہ ہے اس کی سیاہی تیز ہو اس سیاہی کے تیز ہونے کو دَعج'' کہتے ہیں جیسا کہ مناوی میں ہے وقیل شدۃ بیاض البیاض وسواد السواد (مناوی ص ۳۱)

اھدب الاشفار :

اھدب الاشفار .... خوبصورت لمبے لمبے ابرو۔ سمع کے باب سے ہے اس کی جمع ھُدْبٌ بروزن فُعْلٌ آتی ہے یعنی پلکوں کا دراز اور خمیدہ ہونا۔ اشفار' شفر کی جمع ہے جس کا معنیٰ پلک ہے یہ پلک کا معنیٰ لینا مجازاً ہے کیونکہ اس کا لغوی معنیٰ منبت الشعر (بال اُگنے کی جگہ) ہے اور ظاہر ہے پلکوں کی پیدائش کی جگہ کی درازی کوئی وصفِ محمود نہیں ہے لہذا مجازاً ذکر محل کا ہے اور ارادہ حال کا ہے یا مضاف حذف ہے ای اھدب شعر الاشفار (مواھب ص ۱۸) پلکوں کے بال بڑے ہوں تو جمال بھی ہے اور حسن بھی اور یہ قوت پر بھی دلالت کرتے ہیں والحاصل ان الاھدب ھوا لذی شعرا جفانه

کثیر مستطیل (جمع ص ۳۲) (یعنی اھدب اس کو کہتے ہیں جس کے پلکوں کے بال بڑے اور زیادہ ہوں) شب وروز کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگوں کی پلکیں لمبی ہوتی ہیں جنہیں بعض اوقات کاٹنا پڑتا ہے بعض کی پلکیں چھوٹی ہوتی ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کسی مرض یا عارضہ کی وجہ سے ان کی پلکیں جھڑتی رہتی ہیں مگر حضور ﷺ کی پلکوں میں ایسا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کے پلکوں کے بال اعتدال کے ساتھ لمبے تھے۔

جلیل المشاش :

جلیل المشاش .... جلیل قوی اور مضبوط کو کہتے ہیں جلالت کا معنیٰ لغت اور ادب کی کتابوں میں موٹے کوہان والا اونٹ اور اونٹنی کے ہیں یہاں موٹائی اور بلندی مراد ہے۔جلالت کا معنیٰ موٹائی، جلالۃ القدر کا معنیٰ مجازاً بلند قدر کے ہیں۔اسم جنس ہے مثل کرادیس کے ہے وقیل رؤس العظام اللینیة یعنی نرم نرم ہڈیوں کے سرکو مُشاش کہتے ہے جمع مشاشةٍ وھی رؤس العظام (مواھب ص ۱۸) ہڈیوں کے کنارے بدن کے جوڑوں کی ملنے والی ہڈیاں یعنی آپ ؐ کے ہڈیوں کے کنارے جلیل المُشاش یعنی مضبوط تھے۔ ای عظیم رؤس العظام کالمرفقین والکتفین والرکبتین (جمع ص ۳۲) (یعنی ہڈیوں کے جوڑ (جیسے کہنیاں کندھے اور گھٹنے) مضبوط تھے)

الکتد دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ انه مجمع الکتفین (مواھب ص ۱۸) اس کی جمع اکتاد اور کتود ہے وھو یدل علی غایة القوة وفخامة الشجاعة (جمع ص ۳۲) (اور وہ انتہائی قوت اور بہادری پر دلالت کرتا ہے) اجرد ای ھو اجرد (جمع ص ۳۲) (یعنی لفظ اجرد مبتداء محذوف ھو کی خبر ہے) یعنی بغیر بالوں کے بن بال، آپ ؐ کا جسم مبارک تقریباً بالوں سے خالی تھا یعنی جسم مبارک پر زیادہ بال نہیں تھے۔شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں اجرد ای غیر اشعر لکن ھذا باعتبار اغلب المواضع لوجود الشعر فی مواضع من بدنه (مواھب ص ۱۹) (اجرد کے معنیٰ بالوں سے خالی تاہم یہ آپ ؐ کے بدن مبارک کے اکثر حصّہ کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ آپ ؐ کے بدن کے کچھ حصوں پر بال بھی پائے جاتے تھے) وفی القاموس ان الاجرد اذا جعل وصفاً للفرس کان بمعنی

صغر شعره واما اذا جعل وصفاً للرجل فمعناه انه لاشعر عليه (جمع ص ۳۲) (''قاموس'' میں ہے کہ اجرد جب گھوڑے کی صفت ہو تو بالوں کے چھوٹا اور کوتاہ ہونے کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور جب یہ انسان کی صفت واقع ہو تو اس کا معنیٰ بالوں سے خالی ہونا ہے) وقیل اجرد ای لیس فیه غل ولا غش فهو علی اصل الفطرة (جمع ص ۳۲) (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجرد سے مراد یہ ہے کہ جس میں کوئی آمیزش، خیانت اور ملاوٹ نہ ہو اور وہ اپنے اصلی فطرت پر ہو) اور بعض حضرات نے کہا اجرد من کثافة البدن والروح کہ آپ ؐ بدن اور روح کے میل کچیل سے پاک تھے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ صوفیانہ معنیٰ ہے اور اس پر تعریض کر گئے اور کہا کہ معنیٰ تو عمدہ ہے لیکن اعضاء اور خلق کے بیان سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے خود یہ توجیہ کی کہ اجرد مقابل اشعر کے ہے کہ آپ ؐ اشعر نہ تھے اشعر کا معنیٰ ہے جس کے تمام بدن پر بال ہوں اجرد کا معنی اکثر بدن بالوں سے خالی تھا تو یہ معنیٰ متعارف ہوئے لغوی نہ ہوئے لیکن عمدہ ہیں۔

ذومسربة اور شثن الكفين کا معنیٰ اس سے قبل حدیث میں گزر چکا ہے۔

تقلع کا معنیٰ:

اذا مشی تقلع... تقلع کا معنیٰ اکھڑنا اور مضبوط قدم لینا ای مشیٰ بقوةٍ (مواهب ص ۱۸) (آپ ؐ قوت اور وقار سے چلا کرتے) وهی مشی اهل الجلادة والهمة لامن یمشی اختیال ا (مواهب ص ۱۸) (یہ مضبوط اور باہمت لوگوں کی چال ہوتی ہے، نہ کہ ان لوگوں کی رفتار جو اترا کر چلتے ہیں)۔ کانما ینحط فی صببٍ. کانما محل نصب میں صفت ہے مفعول مطلق محذوف کی۔ یعنی تقلع تقلعاً کانما الخ اور یہ تقلع کے معنیٰ کی تاکید ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی کہ آپ ؐ کی رفتار مبارک میں 'قدم اٹھا کر چلنا' جھک کر اور تیز رفتاری سے چلنا تینوں صفات پائی جاتی تھیں اور یہی معنیٰ تکفأ کا ہے فالقلع قریب من التكفی (جمع ص ۳۲) (تو قلع اور تکفائ کا معنیٰ قریب قریب ہوا) فی ضببٍ بمعنی من صببٍ کے ہے اور صبب بلند زمین کو کہتے ہیں چونکہ بلندی اور پستی امورِ اعتباریہ میں سے ہیں اسلئے اگر فی کو اپنے معنیٰ پر رکھا جائے تو بھی صحیح ہے۔

واذا التفت التفت معًا ای بجمیع اجزائه فکان اذا توجه الی شئی توجه بکلیته ولا یخالف بعض جسده بعضاً کیلا یخالف بدنه قلبه وقصده مقصده فی ذلک من التلون وامارة الخفة وعلم التصون (مناوی ص ۳۲) مراد یہ ہے کہ حضور اقدسؐ جس طرف بھی توجہ فرماتے تو وہ توجہ تام ہوتی اور مکمل طور پر اس طرف متوجہ ہو جاتے تا کہ جسم وقلب اور قصد ومقصد میں مخالفت نہ ہو۔ یعنی جب کسی کی بات سنتے یا کسی معاملہ کو نمٹاتے یا نمٹانے کا معاملہ فرماتے تو اس میں لاپرواہی کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ عام متکبر لوگ کرتے ہیں بلکہ تلون مزاجی اور اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنے کی علامت ہوا کرتی وحاصله انه اذا توجه الی انسان للتکلم اوغیره یلتفت الیه بجمیعه ولا یتوجه الیه بلیّ العنق لانه فعل المختالین (جمع ص ۳۲) (اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ؐ کسی کی طرف کلام وغیرہ کے لئے متوجہ ہوتے تو پورے بدن اور پوری توجہ سے اس کی طرف التفات کرتے متکبرین کی طرح صرف گردن موڑ کر ملتفت نہ ہوتے)

خاتم النبوة :

بین کتفیه خاتم النبوة وهو خاتم النبیین ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ؐ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے تھے اس موضوع پر تفصیلی بحث آئندہ باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں اجمالاً عرض ہے کہ بین الکتفین لغوی اعتبار سے سینے کو بھی کہتے ہیں اور پشت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر محاورہ میں پشت کے حصے کو کہتے ہیں لفظ نبوۃ' نبا سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے نبا السیف ای اذا ارتفع (عرب کے مقولہ میں نبأ السیف اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ اپنی تلوار کو (دشمن کے مقابلہ میں) بلند کرے) اور نبوت میں نبی کو بھی مخلوق سے بلند' مختار اور برگزیدہ بنالیا جاتا ہے یا نبأ بمعنی بھاری خبر دینے سے ماخوذ ہے اور نبی بھی بھاری خبریں دیتا ہے۔

لفظِ خاتم کی بحث:

لفظ خاتم کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے (۱) خیتام (۲) خاتام (۳) خاتیام اس کی جمع

خواتیم اور خیاتیم آتی ہے یہ خاتم ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو باقی بدن سے مرتفع دونوں کندھوں کے درمیان تھا اور کبوتر جیسے پرندہ کے انڈہ کے بقدر تھا جیسے علامہ بیجوریؒ بھی نقل کرتے ہیں ای قطعة لحم کانت بارزة بین کتفیه بقدر بیضة الحمامة اوغیرها (مواهب ص ۱۹) جو آپ کی نبوت اور صداقت کی علامت تھا اور یہی علامت کتب سابقہ میں مذکور تھی وکان فی الکتب القدیمة منعوتاً بهذ الاثر فهو علامة علی نبوته (مواهب ص ۱۹) (اور کتب سابقہ سماوی میں بھی اسی علامت سے موصوف تھے تو گویا یہی آپ ﷺ کی نبوت کی علامت ہوئی) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرشتوں کے مقابلہ میں شیاطین ہیں' انبیاء کے مقابلہ میں دجاجلہ ہیں جیسے حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایک خاتم یا مہر ختم نبوت تھی، اسی طرح جو خاتم الدجاجلہ ہوگا اس پر بھی ایک خاتم یا مہر لگی ہوگی جیسے کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۳) وهو خاتم النبیین ای آخرهم فلانبی بعده تبتدا نبوته فلا یرد عیسیٰ علیه السلام لان نبوته سابقة لامبتداة بعد نبینا ﷺ (مواهب ص ۱۹) (اور آپ خاتم النبیین ہیں سب سے آخر میں مبعوث ہوئے لہذا آپ کے بعد از سرِ نو کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ورود سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ وہ سابقہ نبوت کی بنیاد پر تشریف لائیں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد وہ نئی نبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے)۔

اجود الناس صدراً :

اجود الناس صدراً ... حضور اقدس ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ سینہ کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سے زیادہ فیاض تھے آپ کے ہاں مال کی کثرت اور اعطاءِ مال سب سے زیادہ کا ثبوت نہ بھی ہو تب بھی قلب مبارک سب سے زیادہ سخی تھا کہ جو کچھ بھی میسر ہوتا خندہ پیشانی سے عطا فرماتے تھے اور یہ بھی آپ ہی کی خاصیت تھی ورنہ عموماً سخی لوگ بھی تنگ ہونے لگتے ہیں اور ہمیشہ خوش دل اور خوش رُو ہونا مشکل ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک کو اجود کہا گیا اس لئے کہ سخاوت انشراحِ صدر سے ہوتی ہے

اور سینہ قلب کا محل ہے اور دراصل سخاوت قلب کی صفت ہے فیکون من تسمیة شئی باسم محله او مجاوره (جمع ص ۳۳) (تو اجود الناس صدراً میں ایک چیز کا نام اس کے محل اور مجاور کے نام سے مسمّٰی کرنا ہے یعنی ذکر سینے کا ہے اور مراد قلب ہے) گویا اجود الناس قلباً کا معنٰی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مبارک اجود القلوب (سب دلوں سے زیادہ سخی) تھا والمراد ان جوده کان عن طيب قلب وشرح صدرٍ وسجيةِ طبع لاعن تكلف وتصلّف (جمع ص ۳۳) (مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی سخاوت دل کی پاکیزگی، سینہ کی کشادگی اور طبعی عادت کی وجہ سے تھی، تکلف اور بناوٹ کی وجہ سے نہیں تھی)

(۲) او سعهم قلباً یعنی آپؐ کشادہ دل والے تھے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تصریح بھی آئی ہے كان اجود الناس كفاً وارحب الناس صدراً والرحب بمعنى السعة (جمع ص ۳۳) (لوگوں میں سب سے زیادہ جودوسخا والے اور کشادہ سینے والے تھے۔ رحب کے معنٰی کشادگی ہے)۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ الجَودَة (بفتح الجيم) سے ماخوذ ہے اور جاد کا مصدر ہے اذا صار جيّداً اى احسنهم قلباً بسلامته من كل رذيلة من بخل وغش وغيرهما (جمع ص ۳۳) (یعنی آپؐ کا قلب مبارک ہر قسم کے رذائل، بخل، دھوکہ وغیرہ سے سالم اور پاک تھا)

اصدق الناس لهجةً:

اصدق الناس لهجة .... یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طرزِ گفتگو کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچے تھے آپؐ کے منہ مبارک سے کبھی بھی جھوٹی بات نہیں نکلتی تھی۔ لهجة (بفتح الهاء وسكونها) اگر بالسکون ہو تو معنٰی زبان ہے اور اگر بالفتح ہو تو معنٰی تحریکِ لسان کا ہوتا ہے اى لساناً على ما فى المهذب اوتحريكه على مافى الفائق (جمع ص ۳۳) (یعنی لهجة کا معنٰی زبان ہے جیسے کہ ''مهذب'' میں ہے یا زبان کی تحریک مراد ہے جیسے کہ ''فائق'' میں ہے۔ سمع کے باب سے ہے لهجت الريح یعنی ہوا آہستہ آہستہ چلی جس میں تحریک کا معنٰی مضمر ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لهجة دراصل مطلق آواز کے نکالنے کو کہتے ہیں یہاں مراد کلام ہے مگر صراحۃً کلام کا لفظ اس لئے

نہیں لایا گیا کہ آپ کے کلام میں صدق وسچائی کی تعمیم مقصود ہے جس پر لفظِ لھجة دلالت کرتا ہے جو لفظِ کلام سے عام ہے بل بمعنی الکلام لانه هو الذی یتصف بالصدق (مواھب ص ۱۹) (علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ لہجہ کا معنیٰ اگر چہ لغت میں زبان ہے لیکن اس سے یہی عضو مراد نہیں) بلکہ بمعنیٰ کلام کے ہے اس لئے کہ کلام ہی سچائی سے موصوف ہوسکتا ہے) کلام میں صدق وسچائی حضور اقدسؐ کے تمام اوصافِ جلیلہ کی طرح ایک امتیازی وصف ہے جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف تھا حتیٰ کہ عام دنیوی معاملات میں بھی کسی کو آپؐ پر کذب کی تہمت کی جرأت نہیں ہوئی چنانچہ جب عتبہ بن ابی لہب کو حضور اقدس ﷺ نے بد دعا دی کہ تجھ پر اللہ پاک کوئی کتا مسلط کرے گا تو وہ سفر میں نہیں جایا کرتا تھا اسے یقین تھا کہ حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ زبان صدقِ وصفا ہے جو فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا پھر ہوا بھی ویسے جیسے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا۔ بالآخر ایک مرتبہ عتبہ جنگل میں ایک سفر میں نکلا تو شیر نے اسے اچک لیا اور اٹھا کر لے بھاگا تو اس نے کہا تھا کہ میں نے محمد ﷺ سے اصدق لهجةً (زیادہ راست گو) کوئی نہیں دیکھا۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ ادائے کلام اور ادائے مخارج میں صحیح اور موزوں تر لہجہ رکھتے تھے۔

فیتکلّم بمخارج الحروف کما ینبغی بحیث لا یقدر علیه احد (جمع ص ۳۲) (حروف کے مخارج کے مطابق کلام فرماتے، اس طور پر کہ کوئی دوسرا شخص اس جیسے کلام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا) آپؐ کی طرح پاکیزہ اور مناسب لہجہ کسی بھی دوسرے کا نہ تھا اسلئے، مخلوق میں آپؐ افصح تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ انا افصح العرب وان اهل الجنة یتکلمون بلغة محمد ﷺ. میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اور اہلِ جنت محمد ﷺ کی زبان (عربی) میں باتیں کریں گے۔

وضع المظهر موقع المضمر :

اصدق الناس لهجة پر ایک شبہ یہ کیا گیا ہے کہ جب اس سے قبل اجود الناس صدرا گذر چکا ہے تو اب ضمیر کا موقع تھا اصدقهم کہا جاتا اسم ظاہر کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہاں (ضمیر کی

جگہ پر اسم ظاہر ذکر) کیا گیا ہے۔ نیز اس کے بعد کے جملہ میں بھی تو ضمیر لائی گئی ہے الینھم اگر یہاں اسم ظاہر لانا تھا تو بعد والے جملے میں بھی اسم ظاہر لانا چاہئے تھا اور الین الناس کہا جاتا۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ دراصل آپ کو لوگوں پر ترجیح دینے میں مبالغہ مقصود ہے اسلئے تاکیداً ,,الناس،، کو صراحۃً ذکر کیا گیا اور جب اس جملہ میں ایک مرتبہ تاکید ہوگئی تو پھر الینھم میں تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی اسلئے حسبِ قاعدہ بعد والے جملے میں ضمیر لائی گئی۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں **النکتة هی زیادة التمکن کما فی قل هو الله احد الله الصمد حیث لم یقل هو الصمد وبالحق انزلناه وبالحق نزل ماقال وبه نزل** (مناوی ص ۳۳) یعنی اس میں تاکید کی زیادتی کا نکتہ ہے جیسا کہ "**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ**" میں ہے ، کہ یہاں پر (ضمیر کو ذکر نہیں کیا اور "**هُوَ الصَّمَدُ**" نہیں کہا (بلکہ **اللّٰهُ الصَّمَدُ** کہا اسی طرح) **وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ** فرمایا اور **بِهِ نَزَلَ** نہیں فرمایا۔

الینھم عریکة :

الینھم عریکة ... یعنی حضور اقدس ﷺ نہایت ہی نرم طبیعت کے مالک تھے .الین اسم تفضیل ہے **افعل من اللین ضد الصلابة** (مناوی ص ۳۳) (یعنی الین مادہ لین سے اسم تفضیل ہے اور صلابة (سختی) کا ضد ہے) اس کا مصدر لینٌ ولیان آتا ہے جس کا معنیٰ نرمی ہے **عریکة** بروزن **فعیلة** بمعنیٰ اسم مفعول **معروکة** کے ہے **عریکة** کا معنیٰ مزاج وطبیعت ہے **والعریکة الطبیعة** (مناوی ص ۲۸) **معروکة** کا معنیٰ رگڑی ہوئی چیز' مصدری معنیٰ "رگڑ" کے ہوتے ہیں مراد مزاج اور طبیعة کے ہیں جو مختلف حالات واطوار اور مراحل سے گزر کر رگڑ جاتی ہے تو معنیٰ یہی ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت نرم تھی کسی پر ناراضگی اور انتقام کا خیال نہیں فرماتے تھے تاہم یہ ملحوظ رہے کہ ناحق فعل پر کسی کی رعایت کرنا یہ لین (نرمی) مطلوب نہیں ہے بلکہ مداہنت اور شرعاً گناہ ہے **ومعنیٰ لینها انقیادها للخلق فی الحق فکان معهم علی غایة من التواضع والمسامحة والحلم مالم تنتهک حرمات الله تعالی** (مواهب ص ۱۹) یعنی "لین" کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق کے معاملے میں

مخلوق کے موافق ہو، تو گویا وہ انتہائی تواضع اور صبر و برداشت سے ان کا ساتھ دیتا ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوں) جب کسی شخص سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جو موجب اعراض و انکار ہو یا مستوجب سزا ہو یعنی شریعت کے خلاف ہو تو اس پر مواخذہ ونکیر شرعا مطلوب ہے البتہ ایسی حرکت جو موجب تکلیف' خلاف طبیعت اور باعث تکدر تو ہو مگر اس سے امور شرعیہ کا ترک نہ ہوتا ہو وہاں رعایت کرنے کو لین کہتے ہیں یہی لین حضور اقدس ﷺ کی فطرت تھی فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (۳: ۱۵۹) (سو اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا)۔

خاندانی تفوّق و امتیاز:

واکرمهم عشيرة --- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نسبی اور خاندانی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ مکرم' باعزت اور بزرگ تھے۔ لفظ عشيرة' عشر سے ماخوذ ہے اور عشر جماعت ہے اسی سے قبیلہ کو بھی عشيرة کہا جاتا ہے بعض نسخوں میں عِشْرَة کا لفظ نقل کیا گیا ہے جو معاشرہ کے معنیٰ سے ماخوذ ہے معنیٰ ہوگا مجالست اور صحبت واجتماعی زندگی اور میل جول میں رعایت کرنا۔ علامہ مناویؒ عشرة (بکسر عین) کا یہی معنیٰ نقل کرتے ہیں بالكسر اسم من المعاشرة وهي المخالطة (مناوی ص ۲۸) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و کلا المعنين صادق فی حقه ﷺ لان قبيلته اشرف القبائل ومخالطته اكرم من جميع مخالطة الناس (جمع ص ۳۳) (اور دونوں معانی آپؐ پر صادق آتے ہیں اس لئے کہ قبیلوں میں آپ کا قبیلہ سب سے زیادہ معزز تھا اور لوگوں کے ساتھ آپ کا میل جول بھی انوکھا تھا)۔

علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ عباد (بندوں) سے اللہ تعالیٰ کا تعلق دو طرح کا ہے (۱) خلق کا (۲) اختیار کا۔ دوسرے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ خلق کے بعد اس میں سے کوئی چیز اللہ نے اپنے لئے پسند اور منتخب فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اولاد اسمٰعیل یعنی عرب کو' پھر عربوں میں سے بنی کنانہ (یعنی خزیمہ) کو پھر اولاد کنانہ سے قریش کو' پھر قریش میں سے بنو ہاشم کے خاندان کو پھر بنو ھاشم سے سردار دو عالم محمد ﷺ کو منتخب فرمایا۔ علامہ ابن قیمؒ کے الفاظ یہ ہیں ومن هذا

اختیارہ سبحانہ ولد اسمٰعیل من اجناس بنی آدم ثم اختار منھم بنی کنانۃ من خزیمۃ ثم اختار من ولد کنانۃ قریشا ثم اختار من قریش بنی ھاشم ثم اختار من بنی ھاشم سید ولد آدم محمدا صلی اللہ علیہ وسلم (زاد المعاد ص ۱۹ ج ۱)

باقی رہا یہ سوال کہ عرب تو بعثت سے قبل تباہ حال تھے عاصی' طاغی' نافرمان اور گندے حالات میں تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان کی بربادیاں اور تباہیاں ان کے اعمال کی وجہ سے تھیں اور اعمال عموماً مجالس کے تابع ہوتے ہیں ان القرین بالقرین مقتدی (کہ ایک مصاحب (ساتھی) اپنے مصاحب کا پیروکار ہوتا ہے) لیکن صلاحیتیں' استعداد' ملکات اور اخلاق فطری ہوتے ہیں عرب ان فطری خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز اور منتخب تھے عربوں پر اوپر کی دونوں باتیں صادق آتی ہیں وہ وہبی ملکات' قدرتی صلاحیتوں اور خداداد استعداد اور فطری اخلاق کی وجہ سے اشرف ممتاز اور مکرم تھے۔ لیکن بدعملی' معصیت وبغاوت اور سرکشی کی وجہ سے عظمت ورفعت کے مقامِ ممتاز سے گر گئے تھے۔ جب نورِ ہدایت آیا اور ان کے قلوب نورِ علم سے منور ہوئے اور ان کے ملکات سے تاریکی کے پردے اٹھ گئے تو ان کے حقیقی اور باطنی فضائل ظاہر ہوئے اور ان کو اقوامِ عالم میں امتیازی مقام نصیب ہوا۔

رعب بھی اور محبوبیت بھی:

من رآہ بدیھۃ ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ۔۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کو اچانک دیکھ لیتا ھابہ یعنی اس پر رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی تھی لما فیہ من صفۃ الجلال وعلیہ الھیبۃ الالھیۃ والفیوض السماویۃ (مناوی ص ۳۴) یعنی صفتِ جلال کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا آپؐ پر ہیبت الٰہی طاری رہتی اور آسمانی فیوض کا نزول ہوتا۔

یہ ہیبت اور رعب یا خوف حضور اقدس ﷺ کے تقویٰ' پرہیزگاری اور خوفِ خدا کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتے ہیں تو جبرائیل سے فرماتے ہیں کہ تو بھی اس کے ساتھ محبت کر الخ۔ ان اللہ اذا احبّ عبداً دعا جبرائیل فقال انّی احبّ فلاناً فاحِبّہ' الحدیث (مشکوۃ ص ۴۲۵) (بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر

فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب بنا لے) البتہ ایسے لوگ جن کی ہیبت یا عظمت کسی عہدہ، دنیا یا حکمرانی اور ظلم وجبر کی وجہ سے ہو، عظمت واحترام احکام الٰہی کی وجہ سے نہ ہو تو وہ ہیبت نہیں بلکہ خوف اور دہشت ہے اس کی پہچان بھی آسان ہے وہ یوں کہ جس شخص سے پہلے پہل علماء اور صلحاء محبت کریں تو وہ مِن جانب اللّٰہ ہے اور اگر اس سے محبت میں عوام کالا نعام (جو چوپائیوں کی مانند ہیں) پہل کریں تو یہ محبت من جانب اللّٰہ (اللہ کی طرف) نہیں ہوگی

قال ابن القیمؒ والفرق بین المهابة والكبر ان المهابة اثر من آثار امتلاء القلب بعظمة الرب ومحبته واجلاله فاذا امتلأ القلب بذلک حل فیه النور ونزلت علیه السكینة والبس رداء الهیبة فكلامه نور وعلمه نور ان سكت علاه الوقار وان نطق اخذ بالقلوب والابصار واما الكبر فانه اثرمن آثار امتلاء القلب بالجهل والظلم والعجب فاذا امتلا القلب بذلک ترحلت عنه العبودیة وتنزلت علیه الظلمات الغضبیة فمِشیته بینهم تبختر ومعاملته لهم تكبر لا یبدأ من لقیه بالسلام وان رد علیه یریه انه بالغ فی الانعام لا ینطق لهم وجهه ولا یسعهم خلقه (مواهب ص ۱۹)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہیبت الٰہی اور کبر کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہیبت ، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت وبڑائی کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور جب دل کے اندر مذکورہ صفات آجائیں تو اس میں ایک خاص نور آجاتا ہے اور اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور وہ ہیبت کے لباس سے مزیّن ہوجاتا ہے پس اس کا کلام بھی پُرنور رہتا ہے اور علم بھی پُرنور رہتا ہے اگر وہ خاموش رہے تو اس کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر وہ بولنے لگے تو دلوں اور نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور کبر کی پہچان یہ ہے کہ یہ عُجب ، تاریکی اور جہالت کے اثر سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دل کبر سے بھر جاتا ہے تو اس سے بندگی رخصت ہوجاتی ہے اور اس پر غضب کی تاریکی چھا جاتی ہے پس وہ لوگوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے اور ان کے ساتھ تکبر کا معاملہ کرتا ہے ، اپنے ملنے والوں پر سلام کرنے میں پہل نہیں کرتا اور اگر لوگوں کو سلام کا جواب دیتا ہے تو گویا ان پر ایک بڑا انعام کرتا ہے ، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش نہیں آتا)۔ بدہ ' بداهةً اور بدیهةً کا معنٰی ,اچانک،، کے آتے ہیں۔ رویه بداهةٍ (یعنی مضاف رؤیة محذوف ہے) تھی مضاف الیہ کو قائم مقام مضاف کے کیا گیا ہے بدہ

الامر ای فاجا یعنی اچانک امر کا واقع ہونا اور مَنْ شرطیہ ہے جبکہ ھابه جزاء ہے شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای روية بديهة فهو مفعول مطلق يعنى فجآة من غير سابقة مخالطته ومعرفة احواله او قبل النظر في اخلاقه العالية واحواله السنية (مناوی ص ۲۴) یعنی تقدیرِ عبارت یوں ہے روية بديهة پس یہ رأی کا مفعول مطلق ہے مراد اچانک دیکھنا بغیر کسی سابقہ اختلاط و ملاقات اور حالات کے پہچان کے۔ یا آپؐ کے بلند اخلاق اور روشن حالات میں غور کرنے سے پہلے دیکھنا۔ ومن خالطه جس نے آپؐ سے کثرتِ مجالست کی، قریب آیا تو وہ ہمیشہ آپ کے لئے بے تاب رہا' دل وجان سے فدا ہوا اور اسی مجلس وصحبت کو حاصل زیست قرار دیا یہی معنیٰ ہے احبه کا'۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لکمال حسن معاشرته وباهر عظيم مؤالفته حباً شديدًا حتى صار عنده احب اليه من والديه وولده والناس اجمعين (جمع ص ۳۴) یعنی آپؐ کی مثالی حسنِ معاشرت اور بے مثال الفت کی وجہ سے لوگ آپؐ کے گرویدہ ہو جاتے یہاں تک کہ آپؐ ان کو اپنے والدین' اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاتے۔ يقول ناعته ای واصفه اجمالاً عجزاً عن بيان جماله وكماله تفصيلاً (جمع ص ۳۴) (آپؐ کے جمال وکمال کو تفصیل سے بیان کرنے سے عاجز انسان اجمالاً آپؐ کی صفت یوں بیان کرتا تھا) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں النعت الوصف بالجميل والوصف اعم والمعنىٰ من اراد ان يصفه وصفاً تامًا بالغًا فيعجز عن وصفه يقول الخ (مناوی ص ۳۴) (کہ لغت کا معنیٰ کسی کو جمیل اور خوبصورت وصف سے بیان کرنا اور وصف عام ہے۔ یعنی نعت اور وصف میں عموم خصوص مطلق ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ کے انتہائی اوصاف تامہ کا تذکرہ کرے گا تو وہ اوصاف کاملہ بیان کرنے سے عاجز ہو کر کہے گا لم ارقبله الخ) لم ار الخ ای لم ارقبله ولا بعده من يساويه صورة وسيرة وخَلقاً وخُلقا (مواهب ص ۲۰) یعنی (آپؐ کی صفت بیان کرنے والا کہتا کہ) میں نے آپ جیسی شخصیت نہ آپ سے پہلے دیکھی ہے نہ آپؐ کے بعد جو صورت، سیرت، اخلاق اور خلقت میں آپؐ کی ہم پلّہ ہو۔ یہ چند حوالے اضافی اور طلباء حدیث کے افادہ کے لئے لکھ دیئے ہیں۔

حدیث کے اس حصہ کی بحث اس سے قبل کی روایت میں تفصیل سے آچکی ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى رَحِمَهُ اللّٰهُ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْاَصْمَعِيَّ يَقُوْلُ فِيْ تَفْسِيْرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُمَّغِطُ الذَّاهِبُ طُوْلاً وَقَالَ سَمِعْتُ اَعْرَابِيًّا يَقُوْلُ فِيْ كَلَامِهِ تَمَغَّطَ فِيْ نُشَّابَتِهِ اَيْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيْدًا وَالْمُتَرَدِّدُ الدَّاخِلُ بَعْضُهُ فِيْ بَعْضٍ قِصَرًا وَاَمَّا الْقَطِطُ فَالشَّدِيْدُ

الْجُعُوْدَةِ وَالرَّجِلُ الَّذِيْ فِيْ شَعْرِهِ حُجُوْنَةٌ اَيْ تَثَنٍّ قَلِيْلًا وَاَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادِنُ الْكَثِيْرُ اللَّحْمِ وَالْمُكَلْثَمُ الْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ وَالْمُشْرَبُ الَّذِيْ فِيْ بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ وَالْاَدْعَجُ الشَّدِيْدُ سَوَادِ الْعَيْنِ وَالْاَهْدَبُ الطَّوِيْلُ الْاَشْفَارِ وَالْكَتِدُ مُجْتَمَعُ الْكَتِفَيْنِ وَهُوَ الْكَاهِلُ وَالْمَسْرُبَةُ هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيْقُ الَّذِيْ كَاَنَّهُ قَضِيْبٌ مِّنَ الصَّدْرِ اِلَى السُّرَّةِ وَالشَّثْنُ الْغَلِيْظُ الْاَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ وَالتَّقَلُّعُ اَنْ يَّمْشِيَ بِقُوَّةٍ وَالصَّبَبُ الْحَدُوْرُ تَقُوْلُ انْحَدَرْنَا فِيْ صَبُوْبٍ وَّ صَبَبٍ وَقَوْلُهُ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ يُرِيْدُ رُءُوْسَ الْمَنَاكِبِ وَالْعِشْرَةُ الصُّحْبَةُ وَالْعَشِيْرُ الصَّاحِبُ وَالْبَدَاهَةُ الْمُفَاجَاَةُ يُقَالُ بَدَهْتُهُ بِاَمْرٍ اَيْ فَجَاْتُهُ.

ترجمہ: ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن حسین سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سنا جو کہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کی تشریح میں یوں فرماتے تھے اَلْمُمَّغِطُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ لمبا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی کو سنا جو اپنے کلام میں کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور مُتَرَدِّدُ کا معنیٰ یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے بعض حصے بعض میں ملے ہوئے ہوں کوتاہ ہونے کی وجہ سے اور قَطِطٌ سے مراد بالوں کا شدت کے ساتھ گھنگھریالہ ہونا اور رَجِل کا معنیٰ معمولی گھنگھریالے ہونا ہے مُطَهَّمُ بھاری جسم والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور مُکَلْثَم گول چہرے والے آدمی کو کہتے ہیں مُشْرَبُ اس رنگ کو کہتے ہیں کہ سفیدی میں سرخی کی ملاوٹ ہو اور اَدْعَجُ بالکل سیاہ آنکھوں والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور اَهْدَبُ لمبی پلکوں والے آدمی

کو کہتے ہیں اور کَتِدُ دونوں کندھوں کے اکھٹے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور اس کو کَـاهِلُ کا نام بھی دیا گیا ہے اور مَسْـرُبَۃٌ باریک بالوں کو کہتے ہیں، گویا ایک پتلی لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے اور شَثْنُ سے مراد دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا پُر گوشت ہونا ہے اور تَـقَلَّعَ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قوت کے ساتھ چل رہا ہے اور صَبَبٌ سے مراد پستی یا ڈھلوان ہے جیسے تو کہتا ہے کہ ہم نچلی جگہ میں اُتر گئے اور راوی کے جلِیْلُ الْمُشَاشِ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کندھوں کے کنارے بڑے تھے اور عِشْرَۃٌ کا معنیٰ رفاقت اور عَشِیْرٌ سے مراد ساتھی ہے بَدِیْهَۃٌ سے مراد اچانک ملاقات ہے جیسے کہا جاتا ہے میں اس کے پاس کوئی معاملہ لیکر اچانک آیا۔

قال ابو عیسیٰ:

قال ابو عیسیٰ… شارحینِ حدیث نے اس میں دو توجیہات بیان کی ہیں (۱) یہ خود مصنف کا کلام ہے اور وہ اسی کنیت سے مشہور ہیں (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تلامذہ کا کلام ہو۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں عبر عن نفسہ بکنیتہ لاشتھارہ بھا ویحتمل کونہ من کلام الرواۃ عنہ (مناوی ص ۳۴) (امام ترمذیؒ چونکہ اسی کنیت سے مشہور تھے اس لئے نام کے بجائے اس کو ذکر کیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آپؒ سے روایت کرنے والے کا کلام ہو)۔

اس روایت میں مشکل الفاظ آئے ہیں۔امام ترمذی ان مشکل الفاظ کے معانی، توضیح اور تشریح کرنا چاہتے ہیں یہ معانی وتوضیح بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ معروف ائمہ لغت کے حوالے سے نقل کردی ہیں مشکل الفاظ کے معانی وتوضیح کے علمی کام کا نام ''غریب اللغات'' ہے جو فن حدیث کا ایک شعبہ ہے۔

امام ابوالقاسم جاراللہ زمخشریؒ نے الفائق الحدیث کے نام سے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی ہے امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب بھی معروف اور متداول ہے۔

(۲۹) امام اصمعیؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

فی تفسیر صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

ابوجعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سنا یقول فی تفسیر صفة النبی ﷺ یعنی امام اصمعیؒ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک سے متعلق احادیث کے مشکل الفاظ اور غریب لغات کی توضیح میں یوں کہتے تھے ای فی تفسیر ماورد من الفاظ فی صفة النبی ﷺ (یعنی ان مشکل الفاظ کی تفسیر جو حضور ﷺ کے صفت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای فی شرح بعض اللغات الواقعة فی الخبر المروی (جمع ص ۳۵) (لیکن بعض ان لغات کی شرح میں جو حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کی خبر (حدیث) میں واقع ہیں) دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے کہ مصنف نے امام اصمعیؒ سے جس طرح کلام سنا اسی طرح نقل کر دیا جبکہ امام اصمعیؒ نے یہ تفصیل صرف حدیث زیر بحث کی تشریح و توضیح میں بیان نہیں کی بلکہ انہوں نے مطلقاً صفة النبی (نبی علیہ السلام کی صفت) میں واقع الفاظ حدیث کی تفسیر بیان کی ہے ولقد نبه علیه المصنف بقوله فی تفسیر صفة النبی دون ان یقول فی تفسیر هذا الحدیث (جمع ص ۳۵) یعنی مصنفؒ نے " فی تفسیر صفة النبی " کہہ کر مذکورہ بات پر متنبہ کیا ہے یہ نہیں کہا کہ یہ تفصیل اسی حدیث کی تفسیر میں ہے

الممغط الذاهب طولا... ممغط سے متعلق پچھلی حدیث میں تحقیق گزر چکی ہے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں واصل الممغط من مغطت الحبل فانمغط ای مدته فامتد (مواهب ص ۲۰) (الممغط یہ دراصل مغطت الحبل الخ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ میں نے رسی کو زور سے کھینچا تو پھر وہ لمبی ہوگئی) ممغط ایسی انسانی قد و قامت جو زیادہ دراز ہو پہلی روایت میں لیس بالطویل البائن سے بھی واضح کر دیا گیا کہ آپؐ کا قد مبارک نمایاں دراز نہیں تھا جو معیوب سمجھا جاتا ہے پچھلی روایت کے الفاظ یہ تھے لیس بالطویل الممغط۔

حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک قد رِ اعتدال کے ساتھ درازی کی طرف مائل تھا امام ذہلیؒ کی یہ روایت اس سے قبل بھی نقل کی جا چکی ہے کہ وهو اقرب الی الطول (کہ آپ ﷺ قد و قامت میں مائل بہ درازی تھے) امام اصمعی اپنے بیان کردہ اس معنیٰ پر دلیل پیش کرتے ہوئے بیان فرماتے

ہیں وقال سمعت اعرابیاً الخ بعض حضرات نے یہاں قال کی ضمیر کا مرجع ابو جعفر اور بعض نے مصنف قرار دیا ہے یہ محض وہم اور صریح غلطی ہے بلکہ قال کی ضمیرِ فاعل کا مرجع اصمعی ؒ ہیں۔

امام اصمعی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کو سنا حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں عرب کے دیہاتی لوگوں کی زبان کو معیار سمجھا جاتا تھا شہری ماحول میں اغیار کی آمد اور اختلاط کی وجہ سے عربی زبان محفوظ نہیں تھی چونکہ دیہاتی لوگ اس اختلاط سے محفوظ تھے اسی وجہ سے ان کی عربی بھی خالص اور معیاری سمجھی جاتی تھی اس وجہ سے مکّہ کے معززین بھی اپنی اولاد کو پیدائش کے بعد کچھ عرصہ کے لئے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے دیہاتوں کی بہتر آب وہوا اور اصل عربی کی حفاظت کا فائدہ حاصل کیا جاتا تھا خود حضور اقدس ﷺ نے بھی اپنی عمر کے ابتدائی چار سال دیار بنی بکر میں حضرت حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں گزارے بہرحال اصمعی ؒ فرماتے ہیں کہ دیہاتی نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور کہا تمغط فی نُشابته ای مدّها مداً شدیداً اشارة الی لزوم المد والامتداد للکلمة (جمع ص ۳۵) (اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کلمہ کے ساتھ "خوب کھینچنے" کا معنی لازم ہے) نشابہ تیر کو کہتے ہیں۔ جو کمان کے چلے میں چڑھا کر زور سے کھینچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نشانے پر پہنچ جائے

امام ابوالقاسم القشیری ؒ، نضر بن شمیل مازنی ؒ، کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام مازنی ؒ جو علمِ حدیث صرف اور نحو کے امام تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک تہہ بند خریدا ۔ فوجدته قصیراً مگر اسے چھوٹا پایا اور میرے لئے مکمل ستر کا کام نہیں دیتا تھا مگر خرید چکا تھا اب واپسی مناسب نہ تھی یا ممکن نہ تھی فسألت ربی ان یمغِط لی ذرعاً پس میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ وہ اس تہہ بند کو ایک ہاتھ کے برابر کھینچ دیں تاکہ یہ مجھے مکمل فائدہ دے سکے۔

چنانچہ رب العالمین نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا تہہ بند از خود ایک ہاتھ کے برابر بڑھ گیا الفاظ پر غور کیا جائے تو امام مازنی ؒ، کے اس کلام سے بھی تمغط کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

قامتِ معتدل:

والمتردد الداخل بعضه فی بعضٍ قِصراً .... متردد، رد سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ

متعدی ہیں رد کرنا اور متردد اس کا لازم ہے یعنی (رد ہونا) مراد گھٹا ہوا، انسان کے جسم کے بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں فلشدة قصره کان بعض اعضائه دخل فی بعض فیردد الناظر اهو صبی ام رجل (مواهب ص ۲۰) یعنی بہت زیادہ کوتاہ ہونے کی وجہ سے بعض اعضاء دوسرے بعض اعضاء میں گھسے ہوئے ہوں تو دیکھنے والے کو شک ہوتا ہے کہ یہ بچہ ہے یا بڑا آدمی؟ یہ حالت ٹھگنے آدمی کی ہوتی ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے حضور اقدس ﷺ کی قد مبارک کے بارے میں گذشتہ حدیث میں صریح الفاظ منقول ہیں کہ ولا بالقصیر المتردد کہ نہ ہی اس قدر پست قامت تھے کہ آپ کے اعضاء ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں بلکہ آپؐ کا قد مبارک اعتدال کے ساتھ لمبائی کی طرف مائل تھا۔

واما القطط فالشدید الجعودة والرجِل الذی فی شعره حجونة ای تثن ٍ قلیلا.. لفظِ قطط کا معنیٰ بہت شکستہ بال ہونا جبکہ اس سے قبل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی صفت میں آیا ہے لم یکن بالجعد القطط یعنی آپؐ بہت زیادہ شکستہ بالوں والے نہیں تھے ولا بالسبط تھے نہ ہی آپؐ کے بال مسترسل تھے۔ بلکہ جعداً رجلاً یعنی قدرے گھنگھریالے تھے حجونة کا معنیٰ ٹیڑھا ہونا اور محجن اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سر ٹیڑھا ہو عربی میں باز کے پنجرے کو بھی محجن کہتے ہیں کہ اس کا سر ٹیڑھا ہوتا ہے تثن قلیلاً.. تثن باب تفعل کا مصدر ہے۔ دراصل تثنِیٌ تھا پھر قاضٍ کی طرح تثـنٍ ہو گیا تنوین تقلیل کے لئے ہے قلیلاً اس کی تاکید ہے لفظِ ای سے تفسیر یا تو امام اصمعیؒ کر رہے ہیں یا ابو جعفرؒ یا خود امام ترمذیؒ کر رہے ہیں۔

جسم اطہر کی وضعِ مبارک:

واَمّا المطهّمُ فالبادن الکثیر اللحم .... مطّهم بھاری جسم والے پر بولا جاتا ہے جو گوشت کی زیادتی کی وجہ سے وزنی ہو گیا۔ البادن اسم فاعل بمعنیٰ ذی بدن اور کثیر اللحم اس کی تفسیر ہے ۔ ضرب یضرب کے باب سے ہے نصر سے بھی آتا ہے بمعنیٰ موٹا اور بڑے بدن والا حضور اقدسؐ کے جسم مبارک میں نہ تو لحم کی حد اعتدال سے زیادتی تھی نہ موٹائی، جس سے جسم بھدا معلوم ہو۔ المکلثم کی مراد امام اصمعیؒ نے المدور الوجه سے بتائی ہے ایسا چہرہ جو درہم کی طرح بالکل گول

ہو آپ ؐ کا چہرہ ایسا بھی نہ تھا' چہرہ انور میں گولائی بھی تھی مگر موزون انداز ے میں درازی کی طرف بھی میلان تھا شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ولا یکون الا مع کثرۃ اللحم (مناوی ص ۳۶) (اور وہ (گولائی) نہیں ہوتی مگر گوشت کی کثرت کی وجہ سے) والمشرب الذی فی بیاضہ حمرۃ یعنی حضور اقدس ﷺ کے سفید رنگ میں تھوڑی سی سرخی کی ملاوٹ تھی گویا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا والا شراب خلط لون بلون آخر (جمع ص ۳۶) (اشراب اس کو کہتے ہیں کہ ایک رنگ دوسرے رنگ کے ساتھ ملا ہوا ہو) والا دَعَجُ کا مطلب امام اصمعیؒ نے الشدید سواد العین بیان کیا ہے یعنی بہت زیادہ سیاہ آنکھوں والے' ارباب ذوق کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ حسین آنکھیں وہ ہوتی ہیں جن کی پتلیوں میں بہت زیادہ سیاہی ہو جیسے کہ متنبّی نے کہا ہے حضور اقدس ﷺ کی آنکھیں ایسی تھیں وقیل الدعج شدۃ سواد العین فی شدۃ بیاضھا وھو الانسب (جمع ص ۳۶) (بعض لوگ الدعج کا معنیٰ آنکھ کی سیاہی کی زیادتی کا آنکھ کی سفیدی کی زیادتی کے ساتھ ہونا اور یہی معنیٰ زیادہ مناسب ہے) وقیل شدید بیاض البیاض وشدید سواد السواد (مواھب ص ۲۱) (اور بعض کہتے ہیں کہ سفید کی سفیدی کا شدید ہونا اور سیاہ کی سیاہی کا شدید ہونا) والاھدب ' یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ طویل الاشفار لمبی پلکوں والے کو کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی پلکوں میں موزون درازی تھی مولف نے طویل الاشفار کہہ دیا جس سے وہم ہوتا ہے کہ اشفار ہی اہداب ہیں لیکن یہاں مضاف حذف ہے فھو علی حذف مضاف ای الطویل شعر الاشفار (جمع ص ۳۶) (تو یہاں مضاف شعر محذوف ہے یعنی اصل عبارت طویل شعر الاشفار ہوگی) یعنی پلکوں کے بال دراز تھے۔ اومن تسمیۃ الحال باسم المحل (جمع ص ۳۶) (یا یہ از قبیل تسمیہ حال باسم المحل یعنی نام رکھنا حال کا بنام محل کے ہے) والکتد دونوں کندھوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں جسے امام اصمعی مُجْتَمَعُ الکتفین سے تعبیر کرتے ہیں اس کو کاہل کا نام بھی دیا گیا ہے جس کی جمع کواہل آتی ہے وھو مقدم الظھر من العنق اومعرز العنق فی الصلب اوما بین اصل العنق الی اصل الکتفین او اعلی الکتف (مناوی ص ۳۷) مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے کندھے' ہڈیوں کے جوڑ

کہنیاں گھٹنے سب سے بڑے اور مضبوط تھے جو قوت کی علامت ہیں۔

المسربة ، اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ باریک بالوں کو کہتے ہیں گویا کہ ایک پتلی باریک لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے ۔ کانہ قضیب ای غصن نظیف اوسیف لطیف علی مافی القاموس اوسھم ظریف علی ما فی المھذب (جمع ص۳۷) (گویا کہ ایک صاف ستھری ٹہنی یا باریک تلوار ہے جیسے کہ قاموس میں ہے اور یا خوبصورت تیر جیسا کہ مہذب میں ہے)اگلی روایت میں اسے مزید واضح کر دیا گیا ہے۔ الشثن کی بحث اس سے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے شثن کا معنیٰ کھردرا ہونا ہے مگر یہاں پر مراد وہ شثن ہے جو الکتفین کی طرف مضاف ہے مطلب پُر گوشت ہونا ہے جو حسن وخوبی اور جسمانی قوت کی علامت ہے۔

تقلع کا معنیٰ قوت کے ساتھ چلنا بیان کیا گیا ہے ان یمشی بقوۃ تفصیل تو پہلے گزر چکی ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کانہ یرفع رجلہ من الارض رفعاً قویاً لا کمشیِ المختالین والمتکبرین ولا کمشی النساء والمریضین (جمع ص۳۷) یعنی آپؐ چلتے وقت پاؤں کو قوت کے ساتھ زمین سے اٹھاتے تھے، آپؐ کی چال مغرور اور متکبر لوگوں کی طرح نہیں تھی اور نہ ہی عورتوں اور بیمار لوگوں کی طرح چلتے تھے۔الحدور ' ضد الصعود (اترنا چڑھنے کی ضد ہے) ہے

والصبب کا معنیٰ ہے نچلی جگہ یعنی پستی اور ڈھلوان جیسے کہا جاتا ہے انحدرنا فی صبوب وصبب (ای مکان منحدر) یعنی ہم نچلی جگہ میں اتر گئے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فالمقصود ان مشیہ ﷺ کان علی سبیل القوۃ وعلی وجہ التواضع لا علی طریقِ التکبر والخیلاء قال تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا ' قال عز وجل وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ ای توسط بین الاسراع والتوانی (جمع ص۳۷) یعنی آپؐ کی چال قوت اور تواضع کے ساتھ ہوتی تھی، آپؐ کا اس طرح چلنا تکبر اور اتراہٹ کے طور پر نہیں ہوتا تھا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں'' (۶۳۔۲۵) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر'' (۱۹۔۳۱) یعنی جلدی اور آہستگی کے درمیان رفتار۔

جلیل المشاش کے ترجمے میں امام اصمعیؒ فرماتے ہیں یرید رؤس المناکب یعنی حضوراقدس ﷺ کے کندھوں کے کنارے بڑے تھے جو کہ حسن وقوت کی علامت ہیں۔

والعشرۃ' عشر کا معنیٰ باہمی میل جول' رفاقت قربت اور صحبت ہے اور العشیر صاحب' ساتھی اور قریبی رفیق کو کہتے ہیں عشیرۃ کا معنیٰ خاندان ہے کہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے قریب اور مصاحبت میں بہت نزدیک ہوتے ہیں واما العشیرۃ فالقوم من جھۃ الاب والام وقولہ والعشیر الصاحب ویطلق علی الزوج کما فی خبر ویکفرن العشیر (مواھب ص ۲۱) یعنی ''عشیرۃ'' سے قوم کے وہ افراد مراد ہوتے ہیں جو باپ اور ماں کی جہت سے ہوں اور ''عشیر'' ساتھی کو بھی کہتے ہیں نیز یہ لفظ شوہر کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ والبداھۃ المفاجاۃ' بدیھۃ سے مراد اچانک ملاقات ہے یقال فجأ ای جاء بغتۃً (مناوی) (کہا جاتا ہے فلان فجأ یعنی جب اچانک آجاتا ہے) تفصیلی بحث اس سے قبل گزر چکی ہے شیخ عبدالرؤفؒ اس موقع پر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں قال الحافظ ابو نعیم قد اختلف الفاظ الصحابۃ فی نعتہ وصفاتہ وذلک لما رکب فی الصدور من جلالتہ وحلاوتہ وعظیم مھابتہ وطلاوتہ ولما جعل فی جسدہ الشریف من النور الذی یتلألأ ویغلب علی بشرتہ فاعیاھم ضبط صفتہ ونعت حلیتہ حتی قال بعضھم کان مثل الشمس طالعۃ وقال بعضھم کان یتلا لا تلا لؤ القمر لیلۃ البدر وقال بعضھم لم ارقبلہ ولا بعدہ مثلہ ولذلک کان اختلا فھم فی نعت خلقتہ ولونہ (مناوی ص۳۷' ۳۸) حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی توصیف وتعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔اور یہ اس وجہ سے تھا کہ جب دلوں میں آپؐ کی آب وتاب، بزرگی ،حلاوت اور جلالتِ شان پیوست ہوگئی اور جب آپؐ کا جسمِ اطہر اس نور سے منور ہوگیا جو آپؐ کے جسم پر بھی غالب آگیا تھا لہذا اس سے وہ آپؐ کی صورت مبارک کی تعریف اور صفت بیان کرنے سے عاجز آگئے تو بعض نے کہا کہ آپؐ مانند آفتاب کے چمک دار تھے اور کسی نے کہا کہ آپؐ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا اور کوئی یہ اعتراف کرنے لگا کہ میں نے آپؐ جیسا انسان نہ آپؐ سے پہلے دیکھا ہے اور نہ آپؐ کے بعد۔اور اسی وجہ سے انہوں نے آپؐ کی خلقت اور رنگ

مبارک کو بھی مختلف انداز میں بیان کیا۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ

وَکُلٌّ اِلٰی ذٰلِکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

ترجمہ! آپ ؐ کا بے پایاں حسن ایک ہی ہے اور اس کو بیان کرنے کے لئے ہماری تعبیریں مختلف ہیں تاہم یہ ساری تعبیریں اور عبارتیں اسی جمالِ بے مثال کی طرف راجع ہیں۔

---

(۷) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَیْعُ بْنُ عُمَیْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِیُّ اِمْلَاءً عَلَیْنَا مِنْ کِتَابِہٖ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِیْجَةَ یُکْنّٰی اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَنْ اِبْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِی هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَکَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَیْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًامُّفَخَّمًایَتَلَاْ لَاُ وَجْهُهٗ تَلَاْ لُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِیْمُ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِیْقَتُهٗ فَرَقَ وَ اِلَّا فَلَا یُجَاوِزُشَعْرُهٗ شَحْمَةَاُذُنَیْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِیْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ فِیْ غَیْرِ قَرَنٍ بَیْنَهُمَاعِرْقٌ یُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَی الْعِرْنِیْنِ لَهٗ نُوْرٌ یَّعْلُوْهُ یَحْسِبُهٗ مَنْ لَمْ یَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ کَثَّ اللِّحْیَةِ سَهْلَ الْخَدَّیْنِ ضَلِیْعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ دَقِیْقَ الْمَسْرُبَةِ کَاَنَّ عُنُقَهٗ جِیْدُ دُمْیَةٍ فِیْ صَفَآءِ الْفِضَّةِمُعْتَدِلُ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِکٌ سَوَآءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ عَرِیْضُ الصَّدْرِ بَعِیْدُ مَا بَیْنَ مَنْکِبَیْنِ ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ اَنْوَرُ الْمُتَجَرِدِ مَوْصُوْلُ مَا بَیْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ یَجْرِیْ کَالْخَطِّ عَارِیَ الثَّدْیَیْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰی ذٰلِکَ اَشْعَرُ الذِّرَاعَیْنِ وَالْمَنْکِبَیْنِ وَاَعَالِیَ الصَّدْرِ طَوِیْلُ الزَّنْدَیْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ سَآئِلُ الْاَطْرَافِ اَوْقَالَ شَآئِلُ الْاَطْرَافِ خُمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ مُسَیَّحُ الْقَدَمَیْنِ یَنْبُوْعَنْهُمَاالْمَآءُ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا یَخْطُوْ تَکَفِّیًاوَیَمْشِیْ هَوْنًا ذَرِیْعُ الْمِشْیَةِ اِذَا مَشٰی کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِیْعًاخَافِضُ الطَّرْفِ نَظْرُهٗ اِلَی الْاَرْضِ اَکْثَرُ

مِنْ نَظْرِہٖ اِلَی السَّمَآءِ جَلُّ نَظْرِہِ الْمُلَاحَظَۃُ یَسُوْقُ اَصْحَابَہٗ یَبْدَءُ مَنْ لَقِیَ بِالسَّلَامِ۔

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جمیع بن عمیر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا اس طریقے سے کہ انہوں نے اپنی کتاب سے لکھوادیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی بنی تمیم کے ایک شخص نے ، جو ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور امّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا (سابقہ) خاوند تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی اس نے روایت بیان کی ابو ہالہ کے ایک فرزند سے۔ انہوں نے روایت نقل کی حضرت حسن بن علیؓ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہندؓ بن ابی ہالہ سے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں۔ ماموں جان نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپ خود اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔

آپؐ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا آپؐ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے ذرا پست تھا' سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا' بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ جس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔

آپؐ کا رنگ مبارک نہایت چمکدار تھا اور پیشانی مبارک کشادہ تھی آپؐ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے' دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے' ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی' آپؐ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا' ابتداً دیکھنے والا آپؐ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی) آپؐ کی داڑھی مبارک بھرپور

اور گنجان بالوں کی تھی' رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے' گوشت لٹکے ہوئے تھے' آپ ؐ کا دہن مبارک' اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (منہ تنگ نہ تھا) آپ ؐ کے دانت مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا' سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی' آپ ؐ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسے صاف اور خوبصورت تھی' آپ ؐ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن گٹھا ہوا تھا پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔

آپ ؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا' جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ ؐ کا بدن روشن اور چمکدار نظر آتا تھا (یا یہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی روشن اور چمکدار تھا، جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو) ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری تھی اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھے' البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال تھے' آپ ؐ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ' نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پُر گوشت تھے' ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔

آپ ؐ کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا فوراً ڈھل جاتا تھا جب آپ ؐ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے' قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپ ؐ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے' چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے جب آپ ؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپ ؐ کی نظر نیچی رہتی تھی آپ ؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

آپ ؐ کی عادت شریفہ عموماً گوشہء چشم سے دیکھنے کی تھی' یعنی غایت شرم وحیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے' چلنے میں صحابہؓ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپ ؐ پیچھے رہ جاتے

تھے جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔

راویانِ حدیث (۳۰) جُمیع بن عمیر العجلی (۳۱) حضرت خدیجہؓ (۳۲) حضرت حسنؓ اور (۳۳) حضرت ہندؓ ابن ابو ہالہ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

املاء کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

املاءً علینا من کتابه ... حضراتِ محدثین کے ہاں روایت بیان کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) ایک صرف روایات کا پہنچا دینا۔ (۲) دوسرا یہ کہ حدیث کا متن، ماله و ما علیه نکات اور شرح وتفصیل سب کو بیان کر دینا۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں وقال بعض الشراح الا ملاء عندالمحدثین القاء الحدیث علی الطالب مع بیان ما یتعلق به من شرح اللغات وتوضیح المعانی والنکات (جمع ص ۳۸) ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں اسی اسی ہزار طالبانِ حدیث جمع ہوا کرتے تھے۔ یہاں املاء کا اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لکھوانا مراد ہے والاملاء فی الاصل الالقاء علی من یکتب (مواهب ص ۲۲) (دراصل املاء محدث اور شیخ کا اپنے تلامذہ کو احادیث کا لکھوانا اور املاء کروانا ہے)۔

یعنی جُمیع بن عمیر عجلی نے یہ روایت اپنی کتاب سے ہمیں لکھوادی وهو الالیق هنا (مواهب ص ۲۲) (یہاں یہ تشریح مناسب ہے) ولما کان الاملاء اعم من ان یکون بحفظه او کتابه قیده بقوله من کتابه (جمع ص ۳۸) (چونکہ املاء کا لفظ عام ہے چاہے اپنی یادداشت سے ہو اور چاہے کتاب سے ہو اس لئے ''من کتابه'' کی قید لگا کر واضح کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب سے املاء کرائی ہے) واضح رہے کہ یہ کلامِ سفیان ہے اور منصوب علی الحالیة (یعنی املاءً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) سفیان فرماتے ہیں حدثنا جُمیع حال کونه مملیا او ملقیاً اوتالیاً (جمع ص ۳۸) (کہ ہمیں جمیع عجلی نے بیان کیا اس حال میں کہ وہ املاء کرانے والے تھے یا القاء کرنے والے اور یا تلاوت کرنے والے (اپنی کتاب سے) دیکھنے والے) یعنی مصدر بمعنیٰ اسم فاعل کے ہے اور من کتابه حال متداخله ہوا۔ اور حال متداخلہ اس حال کو کہتے ہیں کہ پہلے حال کو اس کے لئے ذوالحال قرار دے کر اس کو اس

سے حال بنایا جائے جیسے کہ سند مذکور میں املاء کو ذوالحال قرار دیکر من کتابه یعنی ناظراً من کتابه کو اس کا حال متداخلہ بنا دیا گیا۔ یعنی ناظراً من کتابه یا املاء مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل فعل حدثنا ہے وجہ ظاہر ہے کہ املاء بھی ایک قسم گویا نوعِ تحدیث ہے ای حدثنا تحدیث املاءٍ (یعنی تحدیث کو محذوف کر کے املاء کو اس کے قائم مقام بنا دیا گیا) یا املاءً حدثنا سے تمیز ہے املاء من کتابه سے احتیاط فی بیان الحدیث مقصود ہے تاکہ روایت کرنے میں حتی الوسع غلطی واقع نہ ہو۔ اپنی کتاب سے دیکھ کر املاء کرانا بعض محدثین تو اسے ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس روایت کو راجح قرار دیتے ہیں جو راوی اپنی یادداشت میں سے بیان کرے بشرطیکہ وہ تام الضبط ہو۔ تو یہ افضل ہے مگر تغیر و تبدل سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اور کمال احتیاط کے لحاظ سے املاء من کتابه (اپنی کتاب سے لکھوانا) افضل ہے۔

سماع لفظ الشیخ وھو املاء وغیرہ ای تحدیث من غیر املاء و کل منھما یکون (من حفظ) للشیخ ومن کتاب له ۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحمل حدیث کے طریقے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کا حدیث بیان کرنا یا بطور املاء ہوگا یا بغیر املاء کے اور ہر دو صورتوں میں شیخ محترم یا اپنے حافظہ اور یادداشت سے املاء کراتا ہے یا اپنی کتاب میں سے اور یہی (یعنی کتاب سے املاء کرنا) جمہور کے نزدیک تحدیث کی ارفع اور اعلیٰ قسم ہے) وھو ارفع الاقسام عند الجماھیر (تدریب الراوی ص ۲۳۹) املاء دراصل املال سے ہے دوسرے لام کو حرف علت سے اور پھر حرف علت کو ہمزہ سے بدل دیا جیسے تقضی البازی میں یادسّا ھا میں ہے کہ اصل میں تقضّض اور دسّس تھا۔

املال کا معنیٰ ایک آدمی بولتا یا پڑھتا جائے اور سامعین سنتے اور لکھتے جائیں اس میں تحدیث کا معنیٰ ہے اسی وجہ سے املاء مفعول مطلق بن سکتا ہے۔

رجلِ بنی تمیم اور ابو ھالہ کی وضاحت:

قال اخبرنی رجل من بنی تمیم من وُلدِ ابی ھالة زوج خدیجة یکنی اباعبداللہ جُمیع

بن عمیر کہتا ہے کہ مجھے بنی تمیم کے ایک شخص نے خبر دی ۔ جو کہ ابوھالہ کی اولاد سے تھا **فھو تمیمی واسمه یزید بن عمر و وقیل اسمه عمرو قیل عمیر وھو مجھول الحال فالحدیث معلول** (مواھب ص ۲۲) (**رجل بنی تمیم** کے متعلق علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ وہ تمیمی ہیں اور اس کا نام یزید بن عمرو ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عمر ہے اور بعض نے عمیر کا قول کیا ہے اور وہ مجہول الحال ہے اس لئے حدیث معلول ہوئی)

پھر اگلی عبارت میں اس کی وضاحت ہے کہ ابوھالہ سے مراد کون ہے؟ فرماتے ہیں **زوج خدیجة** یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا پہلا خاوند ہے جس کا نام مالک یا ہند یا نباش بن زرارہ یا زرارہ بن نباش تھا ابی ھالہ موصوف اور **زوج خدیجة** صفت ہے بیان کرنے والے شخص کی کنیت ابوعبداللہ تھی ۔ لفظِ **رجل** موصوف ہے **من بنی تمیم** صفت اول **من ولد ابی ھالة** صفت ثانیہ اور **یکنّٰی ابا عبدالله** صفت ثالثہ ہے۔

ابا عبدالله منصوب کیوں؟

یُکنّٰی ابا عبدالله یہ رجل کی صفت ثالثہ ہے **ویکنی بصیغة المجھول مخففاً ومشددا** (مواھب ص ۲۲) (**یکنی** بہ صیغہ مضارع مجہول مخفف اور مشدد دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے)

اس عبارت پر اشکال یہ کیا گیا ہے کہ لفظِ **یکنّٰی** فعل مجہول ہے اور ظاہر ہے کہ فعل مجہول کے بعد اس کا نائب فاعل لفظِ ابو (حالتِ رفعی میں) آنا چاہئے ۔ جبکہ عبارتِ بالا میں **ابا** (حالتِ نصبی میں) لایا گیا ہے۔

شارحین نے اس اشکال سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **انه منصوب بنزع خافض** (ابا عبداللہ منصوب ہے بوجہ دور کرنے جار کے) اور عام قاعدہ کے مطابق حرف جار اڑا کر منصوب پڑھ لیتے ہیں۔

(۲) **ابا عبدالله** نائب فاعل نہیں بلکہ یہ مفعول ثانی ہے اور اس کا نائب فاعل **ھو** ہے گویا عبارت یوں ہوئی **یکنّی ھو ابا عبدالله** (وہ کنیت کیا جاتا ہے ابوعبداللہ کے ساتھ) جب مفعول منصوب ہو

گیا تو لازماً اس کو ابا عبداللہ ہی پڑھنا ہوگا۔

(۳) ملا علی قاریؒ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فیحتمل ان یکون ابا عبدالله منصوباً بالمدح اعنی بتقدیر یعنی (جمع ص ۳۹) (کہ یہ بھی ایک احتمال ہوسکتا ہے کہ ابا عبداللہ منصوب بالمدح ہو مطلب یہ کہ لفظ یعنی مقدر کے ساتھ منصوب ہو)

ابن لابی ھالة :

عن ابنٍ لابی ھالة ابوعبداللہ نے روایت کی ہے ابوھالہ کے ایک فرزند سے جس کو ہند کہتے تھے نچلے ابوعبداللہ کا نام بھی ہند تھا اور اس کی کنیت بھی ابوھالہ تھی اور اس کو ابوعبداللہ کی کنیت سے بھی پکارا جاتا تھا فذلک الابن حفید لابی ھالة واسمه ھند وکذالک ابوه اسمه ھند بل واسم جده ایضاً ھند فھذالابن وافق اسمه اسم ابیه واسم جده (مواھب ص ۲۲) یعنی یہ لڑکا ابوہالہ کا پوتا ہے ان کا نام ہندؓ ہے اور اسی طرح ان کے باپ کا نام بھی ہند ہے بلکہ ان کے دادا کا نام بھی ہند ہے لہذا یہ لڑکا اپنے باپ اور دادا کا ہم نام ہے۔

انقطاعِ سند کا اشکال اور جواب:

مذکورہ روایت میں امام حسنؓ کا سوال ابوھالہ کے حقیقی ابن سے ہے اس کے سند پر اشکال ہے چنانچہ حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سند میں انقطاع ہے وجہ ظاہر ہے کہ ابن ابی ھالة کا نام ھند ہے جو آپؐ کی تربیت میں رہے ہیں جبکہ ابوعبداللہ طبقہ سادسہ میں سے ہیں جن کی ملاقات ھند بن ابی ھالة سے ثابت نہیں ہے۔ ولقاؤه ابن ابی ھالة منتف قطعاً لان الطبقة السادسة لم یثبت لھم لقاء الصحابة وابن ابی ھالة من قدماء الصحابة لامحاله (جمع ص ۳۲) (اور ابوعبداللہ کی ملاقات ابن ابی ھالہ سے یقیناً نہیں ہوئی اس لئے کہ چھٹے طبقہ کے راویوں کی ملاقات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں حالانکہ ابن ابی ھالہ یقیناً متقدمین صحابہ میں سے ہیں) خلاصہ یہ کہ راویوں کے طبقہ سادسہ کی ملاقات صحابہ کرامؓ کے ساتھ ثابت نہیں اور ابن ابو ہالہ یقیناً قدیم صحابہ میں سے ہیں۔

البتہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں روایت میں ھند ابی ھالہ کا ذکر تو نہیں ہے بلکہ ابن لابی ھالۃ ہے اور ابن کے لفظ کا جیسے صلبی اولاد پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی ابن الابن کو بھی ابن کہا جاتا ہے تو یہ جائز ہے کہ ابو ہالہ کے ابن الابن سے ابوعبداللہ کی ملاقات ہوئی ہو تو اب سند میں انقطاع نہ رہے گا اسلئے کہ ابو ھالۃ کے پوتے سے طبقہ سادسہ کے رجال کی ملاقات ہو سکتی ہے ہندؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اخیافی بہن بھائی ہیں لہذا ہندؓ حضرت حسنؓ کے خالو ہوئے تو اس سے واضح ہو گیا کہ عن ابن لابی ھالۃ سے ھند بن ابی ھالہ مراد نہیں اگر چہ اس کا احتمال ہے کہ ابو ھالہ کے کسی دوسرے بیٹے سے روایت کرتے ہوں۔

وکان وصّافاً :

وکـان وصّـافاً عن حِلیۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ وصّافاً یہ حال ہے اور علت ہے سوال کی، بمعنیٰ بہت وضاحت سے بیان کرنے والے وَصَفَ یَصِفُ وَصْفًا وَصِفَۃً بیان کرنا، تعریف کرنا اس کے متعدد معنی کیے گئے ہیں۔

مثلاً کثرت سے بیان کرنا، بار بار بیان کرنا اور مزے لے لے کر بیان کرنا ای یحسن صفۃ المصطفی وفی القاموس الوصاف العارف بالصفۃ واللائق تفسیرہ بکثیر الوصف وھوا لمناسب فی ھذا لمقام (مواھب ص ۲۲) یعنی وہ حضور اقدس ﷺ کی صفت اچھے طریقے سے بیان کرتے تھے ، قاموس میں ہے کہ وصّاف اس کو کہتے ہیں جو صفت و تعریف بیان کرنا جانتا ہو اور اس میں ماہر ہو اور اس کی تفسیر ''بہت زیادہ صفت بیان کرنے والا'' ہے جو اس مقام کے مناسب ہے۔

ھـنـد بن ابی ھالہ حضور اقدس ﷺ کے ربیب تھے بچپن سے ہی آپ کی پرورش میں رہے اور بے تکلف تھے ظاہر ہے کہ انہیں آپؐ کے عادات، خصائل اور حلیہ مبارک کا خوب علم ہوا ہوگا پھر تھے بھی تو عاشقِ صادق اور محبِ مخلص، وہ بیان بھی تو خوب مزے لے لے کر کرتے ہونگے وکان ھند قد امعن النظر فی ذاتہ الشریفۃ فی صغرہ فمن ثم خص مع علی بالوصاف (مواھب ص ۲۲) (اور یہ ھند بن ابی ھالہ چونکہ وہ آپ ﷺ کے ربیب تھے اس لئے لڑکپن ہی سے حضور ﷺ کی ذات شریفہ

میں گہری اور خصوصی نظر اور توجہ رکھا کرتے تھے اس لئے تو حضرت علیؓ کے ساتھ یہ بھی وصّاف کے ساتھ مخصوص ہوئے)

لفظِ ,,عن،، کی بحث:

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وصف کا صلہ ''عن'' نہیں آیا کرتا کیونکہ وصف فعل متعدی بنفسه ہے جیسے کہا جاتا ہے وصفته یامتعدی باللام ہوتا ہے ای وصفته له یہاں عن حرف جار ,,وصافاً،، کے متعلق نہ ہوگا۔

شارحین کہتے ہیں کہ یہ یاتو سألت کے متعلق ہے والجار والمجرورمتعلق بقوله سألت لا بقوله وصّافاً (مواهب ص ۲۳) (عن حلية الخ جار مجرور سألت کے متعلق ہے نہ کہ وصّافاً کے) پس اگر سألتک کہا جائے تو معنیٰ ہوگا تم سے سوال کیا اور اگر سالت عنک کہا جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے متعلق پوچھا یا تضمین ہوکر حال بنالیا جائے كان وصافاً كاشفاً عن حلية رسول الله صلى الله عليه وسلم (اور وہ ایسے صفت بیان کرنے والے تھے کہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کی پوری وضاحت فرمانے والے تھے) یا مفعول مطلق بنالیا جائے کان وصّافاً وصفاً ناشياً عن حلية رسول الله صلى الله عليه وسلم (اور وہ ایسے وصف کے وصّاف تھے جو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے نکلنے والا ہوتا یعنی آپ ﷺ میں موجود ہوتا تھا)

حضرت حسنؓ کا سوال کیوں؟

یہاں بظاہر ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اپنے ماموں سے سوال کیوں کر رہے ہیں جس کا أناأشتهي (کہ میں چاہتا ہوں) سے اظہار ہو رہا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ گھر کے فرد ہوکر خود نہیں جانتے تھے۔ محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت حسنؓ کی عمر سات سال کی تھی بچپن تھا وہ پختگی اور ذوق علم کی عمر نہیں تھی اور نہ وہ ایسی عمر میں تھے جس میں انسان اپنے اکابر کے اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کے تمام گوشوں پر

نظر رکھنے کی استعداد رکھتا ہوانما قال الحسنؓ ذلک لان المصطفیٰ مات والحسنؓ صغیر لا یقتضی له التأمل فی الاشیاء و یحفظ اوضاع الاشکال والاعضاء (جمع ص ۴۰) (ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپؓ چھوٹے بچے تھے آپؐ کے اخلاق واعمال اور اعضاء واشکال کی کیفیات وہیئات کو اس عمر میں محفوظ اور یاد رکھنا مشکل کام تھا)

اس لئے تو یہ سوال کرر ہے ہیں کہ ان یصف لی منها شیئاً اتعلق به حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میری اپنی خواہش بھی یہ ہوتی ہے کہ میرے ماموں حضور اقدس ﷺ کے عادات اور خصائل اور حلیہ مبارک کے متعلق میرے سامنے کچھ بیان کریں۔ تاکہ میں ان سے محبت اور تعلق رکھوں شیئاً سے عموم مراد ہے خواہ ہیئت ہو، سیرت ہو یا اخلاق وعادات اور اعمال ہوں قال ابن حجر وتنوینه للتعظیم والتکثیر اوالتقلیل وهو الانسب بالسیاق (جمع ص ۴۰) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شیئاً کی تنوین تعظیم اور تکثیر کے لئے ہے یا تقلیل کے لئے ہے اور سیاق کلام کے ساتھ یہی انسب ہے) اس کا فائدہ اور نقد ثمرہ اتعلق به ای تعلق علم ومعرفة (مواهب ص ۲۳) (علم ومعرفت کے حصول) کی صورت میں حاصل ہوگا خود بھی یاد کروں گا اقتداء بھی کروں گا اور دوسروں تک بھی پہنچاؤں گا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اتشبث بذلک الوصف واجعله محفوظاً فی خزانة خیالی (جمع ص ۴۰) (کہ ان اوصاف واخلاق جمیلہ پر کاربند بھی رہوں اور اپنے خیال کے خزانہ میں انہیں محفوظ بھی کرلوں)

فخماً مفخماً :

فقال کان رسول الله ﷺ فَخمًا مُفَخَّمًا۔۔ لفظِ فقال کا عطف سألت پر ہے ضمیر ھند کو راجع ہے فَخِمًا (بکسر الخاء) نصر اور کرم کے باب سے آتا ہے مراد وہ شخص ہے جو عزت وعظمت والا ہو اور جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے بھی موزون ہو اور اگر جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے موزون نہ ہوتو وہ فَخِماً نہیں کہلاتا۔ فخماً سے مراد فی الواقع ذاتی طور پر اور مفخماً سے مراد عندالناس ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں هند بن ابی هاله نے حضور اقدسؐ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ خود اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور دوسرے

معزز ورُسوا لوگوں کی نظر میں بھی معظّم تھے۔ کسی بڑے سردار کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم نہ کرے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای عظیماً فی نفسه ومعظماً فی صدر الصدور وعین العیون لایستطیع مکابر ان لا یعظمه (مواهب ص ۲۳) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کان معظماً فی الظاهر والباطن (جمع ص ۴۱) یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں معظّم تھے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں فخم عظیم عندالله مفخم معظم عندالناس (مناوی ص ۴۱) (اللہ کے نزدیک عزت اور عظمت والے تھے اور لوگوں کے نزدیک بھی محترم اور معظّم تھے) اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ سے ایک دعا بھی منقول ہے۔ اللهم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً (بزار عن بریدة بن الخصیب) یعنی اے اللہ کر دے مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا)۔ لوگوں کی نگاہوں میں بڑائی وتعظیم دین کے حوالے سے ہے یا دفعِ مضرت کے لئے ہے! علماء فرماتے ہیں کہ مال تو جلبِ منفعت کے لئے ہوتا ہے اور جاہ دفعِ مضرت کے لئے۔ اگر یہ اس غرض اور ہدف تک محدود ہو تو یہ نعمت ہے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا ارشاد ہے۔

جاہ اتنا کہ نہ ہوں میں پامال　　　مال اتنا کہ جس سے ہو خور د و نوش

اس قدر جاہ کا حصول مباح ہے کہ اس سے دفعِ مضرّت ہو سکے۔

چہرہ انور:

یتلألأ وَجْهُهٗ تلألُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ... حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ انور بدرِ کامل کی طرح چمکتا تھا آپ کے وصف مبارک کے بیان کا آغاز چہرہ انور سے کیا گیا وبدأ الوصاف بالوجه دون الهامة لانه اول مایتوجه الیه النظر واشرف ما فی الانسان وغیره من کل حیوان (مناوی ص ۴۱) (صفت بیان کرنے والے نے آپؐ کی صفت چہرہ سے شروع کی نہ کہ سر اور دھڑ سے اس لئے کہ نظر پہلے چہرہ پر پڑتی ہے اور انسان بلکہ ہر حیوان میں سب سے اشرف اور معزز حصہ چہرہ ہوتا ہے)۔ التلألؤ، هو الاضاءة والاشراق. یتلألأ وجهه ای یستنیر ویشرق ویضئی (مناوی

ص ۴۱) (اس کا چہرہ چمکتا تھا) خلاصہ یہ کہ " تلألؤ" روشنی اور چمک دمک کو کہتے ہیں۔

اس کو شاعرانہ تخیل پر حمل نہ کیا جائے یہ ایک حقیقت ہے۔ لؤلؤ خالص قدرتی طور پر پیدا ہونے والے عمدہ موتی کو کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بارش ہونے پر سمندر میں موجود سیپی کا منہ قدرتی طور پر کھل جاتا ہے اور جب بارش کا کوئی قطرہ سیپی کے منہ میں داخل ہوتا ہے تو خدا کی قدرت سے سیپی کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اور مختلف مراحل اور تغیرات کے بعد ایک خاص مدت میں وہ قطرہ خود بخود ایک عمدہ اور شاندار موتی بن جاتا ہے یہ موتی خوبصورت روشن اور چمکدار ہوتے ہیں۔ حدیثِ زیر بحث میں آپؐ کو چودھویں کے چاند یعنی بدرِ کامل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں . ثم تشبیه بعض صفاته بنحو الشمس والقمر انما جریٰ علی عادة الشعراء والعرب او علی التقریب والتمثیل والا فلا شئی یعادل شیئاً من اوصافه اذ هی اعلی واجلٍ من کل مخلوق (جمع ص ۴۱) (آپؐ کے بعض صفات کی تشبیہ سورج اور چاند جیسی چیزوں کے ساتھ دینا شعراء کی عادت اور عرب کے محاورہ کے مطابق تھا یا پھر یہ محض سمجھانے کے لئے اور تمثیل کے لئے تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی چیز آپؐ کے صفات کے برابر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ تو سارے مخلوق سے بلند و برتر تھے) تاہم ابن ابی هالة نے تشبیہ میں سورج پر ذکرِ قمر کو ترجیح دی ہے ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں لانه یتمکن من النظر الیه ویؤنس من شاهده بخلاف الشمس لانها تغشی البصر وتؤذیه (جمع ص ۴۱) (اس لئے کہ چاند پر نظر ٹکتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے انس پیدا ہوتا ہے بخلاف سورج کے کہ وہ نظر کو چندھیاتا ہے اور اسے تکلیف دیتا ہے)۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں لانه صلی الله علیه وسلم محا ظلمات الکفر کماان القمر محا ظلمات اللیل (مواهب ۲۳) یعنی (چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ) آپؐ نے کفر کے اندھیروں کو ختم کر دیا، جیسے چاند رات کی تاریکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

موزون قامت:

اطول من المربوع واقصر من المشذّب .... حضور اقدس ﷺ کے قد مبارک کی تفصیلی

بحث اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے یہاں لفظِ مشذّب نیا آیا ہے باب تفعیل سے ہے مجرد میں باب نصر سے آتا ہے دونوں کا معنیٰ ایک ہے جب کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تو لمبا نظر آتا ہے کھجور کی زائد اور خشک شاخوں کے کاٹ دینے کو تشذیب کہتے ہیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **واصله من النخلة الطويلة التي شذب عنها جريدها** (جمع ص ۴۱) اسی تناسب سے تہذیب اخلاق کو بھی تشذیب کہتے ہیں طولِ قامت کو بھی تشذیب اسلئے کہتے ہیں کہ انسان شاخوں کٹے درخت کی مانند دراز قامت نظر آتا ہے تو **مشذب** کا معنی طویل بائن کے ہوگا۔

اطول من المربوع یعنی پست قد سے قدر لمبے تھے۔ یہاں پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلی روایات میں آپؐ کا مربوع اور **ربعة** ہونا ثابت کیا گیا تھا جبکہ اس روایت میں اس کی نفی ہے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں۔ کہ اعضاء کی مناسبت اور موزونیت کی وجہ سے آپؐ کا میلان طول کی جانب تھا، مگر درازئ قد نمایاں نہ تھی جو ربعۃ یا مربوع سے بڑھ جائے البتہ دیگر مربوعین کی نسبت آپؐ کے قد کا میلان طول کی طرف تھا۔ **وقد عرفت ان وصفه فيما مر بالربعة تقريبي فلا ينافي انه اطول من المربوع وقال بعضهم المراد بكونه ربعة فيما مر كونه كذالك في بادي النظر فلا ينافي انه اطول من المربوع في الواقع** (مواهب ص ۲۳)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہی آپؐ کا معجزہ تھا جتنا بھی طویل سے طویل تر انسان آپؐ کے ساتھ چلتا آپؐ اس سے اونچے نظر آتے تھے " **وما مشیٰ به احد الا كان اطول** " اور جب ساتھ چلنے والا آپؐ سے جدا ہو جاتا تھا تو وہی طویل نظر آتا تھا اور آپؐ اس سے کم نظر آتے تھے اسی طرح یہ بھی آپؐ کا معجزہ تھا کہ جب مجمع میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپؐ کا سر مبارک اور منکبین بلند معلوم ہوتے تھے **ورفعنالک ذکرک** (۴:۹۴) (اور بلند کیا ہم نے واسطے تیرے ذکر تیرا) سے بھی یہی مراد ہے کہ آپؐ کو ہر حیثیت سے رفعت دی گئی تھی **والسرّ في ذلک هو التنبيه على انه لا يتطاول عليه احد من الامة صورة كما لا يتطاولون عليه معنى** (جمع ص ۴۱) (اس میں راز یہ ہے کہ اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ جیسے معنیٰ اور حقیقتاً کوئی آپؐ کا ہمسر نہیں ہے اسی طرح

صورتاً بھی امت میں سے کوئی آپؐ کے برابر نہیں ہے) خلاصہ یہ کہ وھو بمعنی لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر المتردد (جمع ص ۴۲) (اطول من المربوع الخ بمعنیٰ لیس بالطویل البائن الخ کے ہے یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پستہ قد)

سرمبارک:

عظیم الھامة ... یعنی حضور اقدس ﷺ کا سر مبارک موزون اور حد درجہ مناسب حد تک قدرتی طور پر اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا الھام اور الھامة دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے جیسے التمر اور التمرة تخفیف میم کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد سر ہے۔ وقال فی المھذب الھامة وسط الراس (جمع ص ۴۲) (مھذب میں ہے ھامة وسطِ سر کو کہتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ یہاں پہلا معنی یعنی سر ہی مراد و مطلوب ہے یہ تو اطباء نے بھی لکھا ہے اور عام مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر سر قدرتی طور پر موزون حد تک بڑا ہوگا تو اس شخص کا دماغ بھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑی ہوگی اور یہ خوبی کی علامت ہے وعظم الراس ممدوح لانہ اعون علی الادراکات والکمالات (مناوی ص ۴۲) (اور سر کا بڑا ہونا قابل مدح صفت ہے اس لئے کہ وہ علوم اور کمالات کے حصول میں بڑا معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے)

رجِل الشعر .... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک قدرے گھنگریالے تھے۔

ان انفرقت عقیقتہ فرق و الافلا انفراق کا معنیٰ ہے مانگ نکالنا اگر بسہولت آپؐ کے بال مبارک جدا ہو جاتے تو آپؐ بھی جدا کر دیتے یعنی مانگ نکال لیتے ورنہ ادھر تمام توجہ نہیں دیتے تھے اپنے عام معمول یا غسل کے بعد یا تیل لگانے کے بعد عموماً آپ بھی اپنے بالوں کو سنوارتے اگر بہ سہولت بہ ادنیٰ توجہ بالوں میں مانگ نکل آتی تو فبہا ورنہ لازمی طور پر ہمہ توجہی سے مانگ نکالنے پر وقت نہیں ضائع کرتے تھے فلا کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی فلا یتکلف یعنی آپؐ مانگ نکالنے میں تکلف نہیں فرماتے تھے۔

عقیقہ سے مراد وہ بال ہیں جو اولِ ولادت کے وقت مولود کے سر پر ہوتے ہیں پھر انہی بالوں

کے مونڈنے کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات لفظِ عقیقہ بول کر مطلق بال مراد لئے جاتے ہیں اس حدیث میں بھی مراد مطلق بال ہیں **والعقيقة كالحقيقة واصل العق القطع والشق ومن ثم قيل للذبيحة التى تذبح عن المولود يوم سابعه عقيقة لانها يشق حلقهاو قيل للشعر الخارج على راس المولود من بطن امه عقيقة لانه يحلق ثم قيل للشعر النابت بعد ذلک عقيقة مجازا لانه منها ونباته من اصولها** (مناوی ص ۴۲) (اور عقیقہ بروزن حقیقہ ہے اور عق کا لغوی معنیٰ کاٹنے اور چیرنے کا آتا ہے اس لئے تو اس مذبوحہ جانور جو نئے مولود کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے عقیقہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا حلق کاٹا جاتا ہے اور بعض لوگ ان بالوں کو جو مولود کے سر پر پیدائشی ہوتے ہیں ان کو بھی عقیقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی مونڈھے جاتے ہیں اور اس کے بعد پیدا ہونے والے بالوں کو عقیقہ کہنا بطور مجاز کے ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بھی ان کی جڑوں میں سے پیدا ہوئے ہیں) اور حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی تعبیر لفظ عقیقہ سے کی گئی ہے شارحینِ حدیث نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں

(۱) چونکہ اولِ ولادت میں آپؐ کا عقیقہ نہیں ہوا تھا وہی پیدائشی بال چلے آئے ہوں لہذا اسی مناسبت سے آپ کے بالوں کو لفظِ عقیقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر بعض شارحین نے اس توجیہ کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عرب اور بالخصوص بنو ہاشم کے خاندانی روایات سے بعید ہے جو شرفاء کا خاندان تھا لہذا ایسے کام سے وہ کیونکر غفلت برت سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ پیدائش کے ساتویں دن وہ بچے کے بال مونڈواتے اور بکری ذبح کر کے فقراء کو کھانا کھلاتے تھے۔ **فانه مستبعد جدا فى العادة فان عادتهم حلق شعر المولود فى السابع وكذا ذبح الغنم واطعام الفقراء** (جمع ص ۴۲) (یہ عرب کے دستور و عادت سے انتہائی بعید ہے اس لئے کہ ان کی عادت مولود کے بالوں کو ساتویں دن مونڈھنے اور بکری وغیرہ کو ذبح کر کے فقراء کو کھلانا ہوتا تھا)۔

(۲) بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپؐ کے بال مبارک بطور اعجاز کے باقی رہ گئے ہوں کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ آپؐ کی پیدائش سے چھ ماہ قبل وفات

پا چکے تھے چنانچہ آپؐ کے بال مبارک باقی رکھے گئے تا کہ کوئی مشرکانہ رسم ادانہ کی جا سکے۔

فرقها .... **اى جعل شعره نصفين نصفاً عن اليمين ونصفاً عن اليسار قيل بالمشط وقيل بيده** (مناوی ص ۴۲) یعنی ''فرق'' کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کنگھی یا ہاتھ سے سر کے آدھے بال دائیں طرف کر دیتے اور آدھے بائیں طرف کر دیتے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ترجمہ وتوجیہ:

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں ترجمہ وتوضیح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ,,اکثر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ یہ مشہور ترجمہ ہے تاہم اس پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اقدسؐ کا قصداً مانگ نکالنا تو بعض روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور اقدس ﷺ کو اہتمام نہیں تھا' لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لئے مشکل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نکالنی شروع فرمائی تھی اس لئے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے' کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے۔

سر کے بال اور حضور اکرمؐ کا معمول:

يجاوز شعره شحمة اذنيه ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے تجاوز کر جاتے تھے مراد واضح ہے کہ اگر کسی وقت بال بنوانے میں دیر ہو جاتی تو وہ بڑھ جاتے۔

اذاهو وفره یعنی آپؐ بالوں کو بڑھاتے تھے وگرنہ عام معمول یہی تھا کہ بال کانوں کی لو تک رہتے تھے۔ آگے مانگ نکالنے کے بارے میں شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں **واعلم ان المصطفیٰؐ كان اولاً لا يفرق اجتناباً لفعل المشركين وموافقة لاهل الكتاب وهذا دابه قبل الايحاء وفيما لم**

یومر به ثم خالف اهل الکتاب وفرق واستمر علیه وقال الحافظ العراقی وکان صلی الله علیه وسلم لا یحلق راسه الا لاجل النسک وربما قصره (مناوی ص ۴۳) یعنی وحی کے نزول سے پہلے آپؐ کی عادت یہ تھی کہ مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے، آپؐ ہر اس امر میں یہ طریقہ اختیار کرتے جس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، پھر آپؐ نے اہل کتاب کی مخالفت میں بالوں میں مانگ نکالنا شروع کیا اور اسی پر آپؐ بدستور عامل رہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حج وعمرہ کے موقع پر سر کے بال مونڈواتے یعنی حلق کرتے اور کبھی کبھار بالوں کو کاٹ دیتے یعنی قصر کرتے۔

حضور اقدس ﷺ کے سر کے بالوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں تین قسم کا ذکر آیا ہے وفرہ، جمّہ اور لمّہ (تفصیلی بحث کتاب ھذا کے صفحہ ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو)۔

تینوں طرح بال رکھنا سنت ہے تاہم یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ آج کل بعض مرد بالکل خواتین کی طرح بال چھوڑ دیتے ہیں جو سینہ تک اور بعض اوقات اس سے بھی لمبے ہو جاتے ہیں وہ قطعاً خلاف سنت ہیں حضور اقدس ﷺ نے اس طرح بال رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر کے ایک حصہ پر تو (بناؤ اور سنگھار کے لئے) بال رکھے جائیں اور ایک حصہ سے ترشوا دیے جائیں۔

ازھر اللون :

ازھر اللون ... حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا جس میں سرخی ملی ہوئی اور ہلکی سی گندم گونی تھی اور یہی رنگ خوبصورت ہوتی ہے اس سے قبل بھی یہ بحث کتاب ھذا کے صفحہ نمبر ۱۰۲ پر گذر چکی ہے۔ ازھر اللون سفید، چمکدار رنگ والے کو کہتے ہیں اس کی اصل زھرۃٌ ہے جس کے معنیٰ سفیدی خوبصورتی تازگی حسن اور روشنی کے ہوتے ہیں الزھرۃ فی اللغۃ اشراق فی اللون بیاضاً وغیرہ (مواھب ص ۲۴) (زھرہ کا معنیٰ لغوی رنگ میں چمک دمک چاہے سفیدی ہو یا کوئی دوسرا رنگ) ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ای ابیضہ بیاضاً نیرا مشرباً بحمرۃٍ وقیل معناہ متلألئی اللون وفی المھذب الازھر الابیض المستنیر (جمع ص ۴۳) (ابیضہ کا معنیٰ ایسی روشن سفیدی

جوسرخی کے ساتھ ملی ہوئی ہواور بعض لوگ چمکدار رنگ کو کہتے ہیں اور ''مہذب'' میں ہے کہ الازھر کا معنیٰ سفید چمکنے والا) وقال ابو حنیفةؒ الزھرة اشراق فی الا لوان کلھا (مناوی ص ۴۳) (امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زھرہ کا معنیٰ سب رنگوں کی چمک اور روشنی) اس میں اضافت' صیغہ صفت کی فاعل کی طرف ہے ای ازھر لونہ جبکہ ازھر صفت مشبہ کے لئے فتح کے باب سے بمعنیٰ چمکدار رنگ ہونے کے آتا ہے۔

دراصل زھر گلاب کے پھول کو کہتے ہیں گلاب کے عرق کو بھی زھر کہتے ہیں رونق' روشنی اور چمک بھی اس کا معنیٰ ہے مراد یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ پررونق اور روشن تھا یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب لونہ کو ازھر کا فاعل کہا جائے تو رنگ والے معنیٰ سے اس کی تجرید کی جائے گی بعض حضرات نے کہا ہے کہ اللون مضاف الیہ کو تمیز کہا جائے ای ازھر لوناً (کہ آپ ﷺ رنگت کے لحاظ سے چمکدار تھے)

واسع الجبین :

یعنی آپؐ کی پیشانی مبارک طولاً وعرضاً کشادہ تھی ای واضحة وممتدة طولاً وعرضاً (جمع ص ۴۲) یہ حسن کی علامت ہے۔ پیشانی کے بالوں کے نیچے بالکل سامنے والے حصے کو جبھة کہتے ہیں اور سامنے سے دائیں بائیں والے دونوں حصوں کو جبین کہتے ہیں خدّین سے اوپر جبین ہے اور یہ اضافت بھی تمیز کی طرف ہے اور تمیز گویا محول عن الفاعل ہے ای واسع جبیناً ای جبینہ ۔ جبین کی جمع جُبُنٌ' اَجْبُنٌ اور اَجْبُنَۃٌ آتی ہے' مراد یہ ہے کہ تخلیقی طور پر آپؐ کی پیشانی وسیع تھی یا اس سے مراد خوش خُلقی کی علامت کشادہ روئی ہے وقیل کنایة عن طلاقة الوجہ (جمع ص ۴۲) (یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''واسع الجبین'' خندہ روئی سے کنایہ ہے) جبکہ تخلیقی طور پر وسیع الجبین ہونا حسنِ خُلق پر دلالت ہے وسعة الجبین محمودة عند کل ذی ذوق سلیم (مناوی ص ۴۳) (اور ہر سلیم الذوق شخص کے خیال میں پیشانی کی وسعت اور فراخی پسندیدہ چیز ہے)

ازجّ الحواجب :

ازجّ الحواجب سوا بغ من غیر قرن بینھما عرق یدرّہ الغضب ... حضوراقدسؐ کے ابرومبارک باریک خمدار تھے وہ کامل تھے مگر آپس میں ملے ہوئے بھی نہیں تھے دونوں ابروں کے درمیان ایک باریک رگ تھی جو غصّہ کے وقت ابھرآتی تھی۔

زجّ باب نصر سے آتا ہے جس کا معنیٰ دوڑنا اور نیزہ مارنا ہوتا ہے اسی طرح نیزے کے نیچے والے لوہے کو بھی زجّ کہتے ہیں اور زجاج شیشے کو بھی کہتے ہیں۔

صاحب قاموس نے ازجّ کا معنیٰ استقواس الحاجبین مع طول (مواھب ص ۲۴) یعنی بھوؤں کا قوس کے مثل مع قدرے طول کے ہونا بتایا ہے اور صاحب صحاح الجوھری نے دقۃ الحاجبین بالطول (جمع ص ۴۳) (بھوؤں کا طویل اور باریک ہونے) کے معنیٰ میں لئے ہیں وفی الاساس الدقۃ والاستقواس ویمکن الجمع (جمع ص ۴۳) یہاں دونوں معانی مراد ہوسکتے ہیں یعنی حضوراقدس ﷺ کے ابرومبارک کمان کی طرح بھی تھے اور دقیق وباریک بھی تھے۔

حواجب جمع حاجب کی ہے دربان، چوکیدار اور محافظ کو کہتے ہیں بھوؤں کو بھی اس لئے حاجب کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کے محافظ اور مانع ہیں۔ عام اصول کے مطابق انسانی جسم کے تمام دوہرے اعضاء مؤنث استعمال ہوتے ہیں مگر حواجب اس سے مستثنیٰ ہیں اور مذکر استعمال ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ حواجب کے بال ساتر بشرۃ (چمڑے کو چھپانے والے) ہیں مگر یہ توجیہ اسلئے درست نہیں قرار دی جاسکتی کہ اس کے پیش نظر پھر تو تمام بالوں کو حاجب کہا جائے گا کیونکہ بال تو سب کے سب ساتر بشرۃ ہوتے ہیں سب سے بہتر توجیہ امام غزالیؒ نے حکمۃ العین میں لکھی ہے کہ آنکھ، جس پر نصف زندگی موقوف ہے اس میں بینائی کو سات پردوں میں رکھا گیا ہے اس کے بعد گوشت کا پردہ لٹکا دیا گیا اس میں عجیب وغریب چیز یہ رکھی گئی کہ وہ خود بند ہوتا اور خود کھلتا ہے جب بھی کوئی چیز آنکھ تک پہنچنے لگے تو پھر اس سے بچنے کے لئے انسان کے ارادہ کی ضرورت نہیں ہوتی آنکھ خود بخود بند ہوجاتی ہے اگر اس موقع پر کھولنا بھی چاہے تب بھی نہیں کھل سکتی اس کے اوپر

پلکیں حفاظت کے لئے رکھی گئی ہیں ان پر ھڈی رکھی گئی جس کی وجہ سے آنکھ چوٹ سے محفوظ رہتی ہے ۔خلاصہ یہ کہ بھویں آنکھوں کو مضرات اور نقصان دہ چیزوں سے روکنے والے ہیں اس لئے ان کو حاجب کہا جاتا ہے۔

حاجب کے لئے حسن کے اعتبار سے تین صفات بیان کی جاتی ہیں (۱) طویل ہونا (۲) دقیق ہونا (۳) بین الحاجبین (دونوں بھوؤں کے درمیان فُرجہ (فاصلہ) ہو۔ ازجّ کے لفظ میں اولین دوصفات کا مدلول موجود ہے یعنی طویل ہونا اور دقیق ہونا۔ سوابغ من غیر قرن (کامل ہوں اور آپس میں ملے ہوئے نہ ہوں) میں تیسری صفت آ گئی۔

سوابغ ' سابغ کی جمع ہے بمعنیٰ کامل کے' یہ مزید توضیح کے لئے بڑھایا گیا ہے اس کا رفع خبریت کی بنا پر ہے اور منصوب علی الحالیة من الحواجب (اورحواجب سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے).

قرن بمعنیٰ اَقْرَنْ ہونے کے ہیں اَقْرَنْ وہ شخص ہے جس کے حواجب بالکل متصل ہوں جبکہ یہ وصف مذموم ہے۔ قَرَنَ یَقْرُنُ قَرْناً جوڑنے کے معنیٰ میں آتا ہے حج کی ایک قسم قِران اسی سے ماخوذ ہے قرین جس کا معنیٰ ساتھی ہوتا ہے اور قَرِنَ باب سمع سے مقرون الحواجب کے معنیٰ میں آتا ہے۔

بینهما عرق :

بینهما عرق ... هما کی ضمیر کا مرجع حواجب ہیں باعتبار حاجبین کے، جبکہ حواجب صیغہ جمع کثرتِ شعر اور مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے ووضع الحواجب موضع الحاجبین لان التثنية جمع او للمبالغة فی امتداد هما حتی صارا کالحواجب (مواهب ص ۲۴) (اور یہاں حواجب (جمع) کو حاجبین (تثنیہ) کی جگہ استعمال کیا گیا کہ تثنیہ بھی جمع ہوتا ہے کیونکہ مافوق الواحد جمع کہلاتا ہے) اور یا اس لئے کہ ان کے طویل ہونے کی وجہ سے مبالغۃً ان کو مثل حواجب (جمع) کے ساتھ تعبیر کردیا) اور حقیقت میں ہوتے بھی تو حاجبین ہیں مراد یہ ہوگی کہ حضور اقدسؐ کے حاجبین خط مستقیم کی طرح نہ تھے بلکہ درمیان میں فرجه (خالی حصہ) تھا جو محمود ہے۔ ام معبد کی روایت کہ

آپؐ کے ابرو ازجّ بھی تھے اور اقرن بھی' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ **متصل الحاجبین** تھے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ نفی والی روایت سے مقصد یہ ہے کہ درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ تھا اور مثبت روایت سے مراد یہ ہے کہ کچھ اتصال بھی تھا **فھو ابلج فی الواقع اقرن بحسب الظاھر** (مواھب ص ۴۴) (تو آپ ﷺ کے ابرو مبارک درحقیقت علیحدہ علیحدہ تھے لیکن بظاہر ملے ہوئے معلوم ہوتے تھے) **عرق** ' کا معنی پسینہ اور کشید شدہ پانی بھی ہوتا ہے نیز عرق کا معنی رگ اور جوڑ ہوتا ہے یہاں رگ مراد ہے۔ انسان کے وجود میں نظام جسم وحیات کے قیام واستحکام کے لئے بہت سی رگیں پھیلی ہوئی ہیں بعض رگیں غیر مجوف ہیں ان کو اعصاب اور جو رگیں مجوف ہیں ان کو عرق کہتے ہیں جن میں خون اور پٹھے ہوتے ہیں **والعِرق بکسر العین وھو اجوف یکون فیہ الدم والعصب غیر اجوف** (جمع ص ۴۴) (عرق بکسر العین ایسی مجوف رگیں جس میں خون ہو اور عصب ایسی رگیں جو مجوف نہ ہوں)

حضور اقدس ﷺ کے دونوں ابروں کے درمیان میں ایک ایسی باریک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر کر نظر آنے لگتی تھی **یدرّہ الغضب** (غصہ اس کو ابھارتا اور ظاہر کر دیتا) یہ جملہ عرق کی صفت ہے ضرب کے باب سے بمعنیٰ تھوڑا تھوڑا بہنا' دودھ کو بھی اس لئے **در** کہتے ہیں۔ **یقال در اللبن** (کہا جاتا ہے کہ تھنوں سے (تھوڑا تھوڑا) دودھ نکلا) بارش کو بھی **در** کہتے ہیں **مدرارا** موسلا دھار بارش **ادرار** کا لفظ پیشاب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بہرحال **یدرہ الغضب** کا معنیٰ یہ ہے کہ غصے کے وقت وہ رگ پھول جاتی تھی اس پر غضب کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ صفت محمود ہے جو کمالِ قوت کی علامت ہے **وھذا دلیل علی کمال قوتہ الغضبیۃ التی علیھا مدار حمایۃ الدیار وقمع الاشرار وکمال الوقار وتمکنہ من الغیظ** (مناوی ص ۴۴) (اور یہی آپ ﷺ کی قوتِ غضبیہ کے کمال کی دلیل ہے۔ جس پر گھروں اور ملکوں کی حفاظت، شریر لوگوں کا قلع قمع، رعب اور دبدبے کا کمال اور غیظ وغضب کی

قدرت حاصل ہوتی ہے)۔

ناک مبارک کا تذکرہ!

اقنی العرنین ... عرنین کا معنیٰ ناک اور بینی کا درمیانی حصہ ہے اور اقنی بروزن افعل ہے از باب نصر بمعنیٰ اکساب وجمع مال اور جب سمع سے ہو تو بمعنیٰ لزوم کے ہے اقنی وہاں بولتے ہیں جب ناک میں یہ تین چیزیں پائی جائیں (۱) طول (۲) دقت (۳) کچھ بلندی و القنا طول الانف ودقة ارنبته وحدب فی وسطه (جمع ص ۴۴) حضور اقدس ﷺ کی ناک مبارک اونچی تھی بانسہ اونچا اور قدرے لمبا معلوم ہوتا تھا جس پر ایک نور اور چمک تھی جو شخص غور سے نہیں دیکھتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ آپؐ کی ناک مبارک اونچی ہے جبکہ فی الواقع ایسی نہ تھی۔ وحاصل المعنیٰ ان الرائی له صلی الله علیه وسلم یظنه اشمّ لحسن قناه ولنور علاه ولو امعن النظر لحکم بانه غیر اشم (مواهب ص ۴۴) بلکہ آپؐ کی ناک مبارک بھی آپؐ کے دیگر جسمانی اعضاء کی طرح بالکل معتدل تھی آپؐ معتدل الخلق تھے له نور یعلوه کی وجہ سے ناک مبارک نمایاں معلوم ہوتی تھی ۔ یحسبه سے بلندی کی حد کا بیان ہے۔ اشمّ ' اشمم بلا ادغام سے ماخوذ ہے بمعنیٰ بلندی کے اشمّ کا لفظی معنیٰ پہاڑ کی چوٹی ہے اور بلندی کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ والشم ارتفاع القصبة مع استواء اعلاها واشراف الارنبة قلیلاً (جمع ص ۴۵) (شم کا معنیٰ ناک کے بانسہ کی بلندی معتدل کچھ اونچائی کے ساتھ) من لم یتامَّلْهُ! والتامل اعادة النظر فی الشی مرةً بعد اخریٰ حتیٰ یعرفه ویتحققه (مناوی ص ۴۵) (تامّل کا معنیٰ کسی چیز کو بار بار دیکھنا تاکہ اس کی پہچان اور تحقیق کرلے) حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک کو تامّل اور جی بھر کر نہ دیکھ سکنے کی وجہ آپؐ کی ہیبت' جلال اور رعب تھا۔ مراد یہ ہے کہ ناک مبارک بلا تامّل اونچی نظر آتی تھی مگر درحقیقت صفاتِ ثلاثہ مذکورہ کی جامع تھی۔ له نور یعلوه میں له کی ضمیر کا مرجع عرنین ہے یا حضور اقدس ﷺ ہیں۔

کث اللحیة... حضور اقدس ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی کثّ یکُثُّ کثّاً کا معنیٰ گھنا اور گنجان ہونا ہے واللحیة الشعر النابتُ علی الذقن وهو مجتمع اللحیین (مواهب ص

۲۵) یعنی ٹھوڑی پر نکلے ہوئے بالوں کو داڑھی کہتے ہیں۔نہایہ میں ہے کہ داڑھی کی کثاثت یہ ہے کہ باریک اور لمبی نہ ہو بلکہ اس میں گنجان پنا اور محبوبیت ہو مجمع البحرین میں ہے یعنی چھوٹی داڑھی اور گھنی داڑھی وفی روایة کان کثیف اللحیة وفی اخریٰ عظیم اللحیة (جمع ص ۴۵) (ایک روایت میں ہے کہ آپ گھنی داڑھی والے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عظیم اللحیة (بڑی داڑھی والے) تھے وفی روایة کان کث شعر الراس واللحیة (مناوی ص ۴۵) (ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کے سر اور داڑھی مبارک کے بال گھنے تھے)۔

رخسار مبارک:

سهل الخدين ـ ـ ـ حضور اقدس ﷺ کے رخسار نرم، ہموار، صاف اور حسین تھے کیل چھائیوں داغ اور دھبوں سے پاک تھے۔ سهل (از باب کرم) کا لفظ بلند زمین کے مقابل بولا جاتا ہے سهل الخدين کا معنیٰ غير مرتفع الخدين (مواهب ص ۲۵) (نہ ابھری ہوئی رخساریں) اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کا چہرہ اور رخسار مبارک اگر چہ پُر گوشت تھے مگر غیر مناسب نہیں تھے وذلک اعلى واغلى واحلى عندالعرب (مناوی ص ۴۵) یعنی عربوں کے نزدیک یہی سب سے اعلیٰ محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔

دہن مبارک :

ضليع الفم ... ضليع کا معنیٰ پسلی ہوتا ہے اور قوی جانور کو بھی کہتے ہیں جس کی کوکھیں بھری ہوئی ہوں یہاں ضليع کا معنیٰ عظیم ہے یعنی واسع الفم 'الضليع الذى عظمت اضلاعه فاتسع جنباه ثم استعمل فى العظيم فالمعنى عظيم الفم وواسعه (مواهب ص ۲۵) یعنی ضليع اس کو کہتے ہیں جس کی پسلیاں بڑی ہوں اور پہلو کشادہ ہو گئے ہوں۔

پھر یہ لفظ ''عظیم'' کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا لہذا ''ضليع الفم'' کا معنیٰ بڑا اور کشادہ منہ ہے۔ یہ وسعت فم رجال میں محمود ہے اور خواتین میں مذموم ہے دھن مبارک کشادہ تھا' نہ چھوٹا اور تنگ تھا

کہ منہ سے نکلی ہوئی بات میں فصاحت نہ رہتی اور نہ اعتدال وموزونیت سے بڑا تھا کہ بھدا نظر آتا' موزون معتدل اور مناسب کشادہ دھن سے موصوف تھے جو ایک عمدہ اور اچھی صفت ہے وفیه ایماء الی قوۃ فصاحته وسعة بلاغته (جمع ص ۴۵) یعنی اس میں آپ کی قوتِ فصاحت اور وسعتِ بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔

دانت مبارک :

مفلج الاسنان ... تفلیج سے ہے دانت مبارک قدرے کشادہ تھے دانتوں میں مکمل اتصال نہیں تھا بلکہ درمیان میں معمولی سا فاصلہ تھا۔ مفلج اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دانت متصل ہوں مگر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں بلکہ درمیان میں تھوڑا سا فرق ہو۔

اس کے مقابلہ میں مراص الاسنان بولا جاتا ہے وہ شخص جس کے دانت ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوں اور بہت متصل ہوں۔ ایک اور لفظ ابلس بولا جاتا ہے جس کے دانتوں میں کافی فاصلہ اور زیادہ کشادگی ہو۔ انفراج جمیع الاسنان عیب عند العرب (مواهب ص ۲۵) تاہم دانتوں میں تھوڑا سا فاصلہ اور ہموار کشادگی عربوں میں محمود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت سے متصف تھے۔

دقیق المسربة ... سینہ مبارک پر بالوں کی ایک باریک خوبصورت لکیر تھی جو سینہ سے شروع ہوکر ناف تک چلی گئی تھی۔ المسربة' سربة (باب کرم) سے ہے وھی الطریقة (مناوی ص ۴۶) ووصف المسربة بالدقة للمبالغة اذھی الشعر الدقیق (مواهب ص ۲۵) یعنی بالوں کی لکیر (المسربة) کی صفت باریکی (الدقة) لانا مبالغہ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ باریک بال تھے۔ تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱۹ میں گزر چکی ہے۔

گردن مبارک :

کانّ عنقه جید دمیةٍ ... حضور اقدس ﷺ کی گردن مبارک ایسی تھی گویا کسی حسین وجمیل مورتی

کی گردن ہو۔ جید گردن یا گردن کا وہ مقام جہاں ہار پہنتے ہیں۔

دمیة پتلی کو کہتے ہیں وہ پتلی جو منقش اور مزیّن ہو اور اس میں خون کی طرح سرخی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دمیة ہاتھی دانت کی پتلی کو کہتے ہیں ۔عرب لوگ مثال کے طور پر کہتے ہیں احسنُ من الدمیة یعنی پتلی سے بھی زیادہ خوبصورت۔ عادتِ انسانی بھی تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کو حسن کی تصویر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں چنانچہ زمانہ قدیم میں پتھر سے خوبصورت گڑیاں مورتیاں اور پتلیاں بنائی جاتی تھیں، صنم گری ایک فن تھا بدھ مذہب تو اس میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کمال یہاں تک کہ ایک کاریگر نے چاول کے ایک دانہ پر مہاتما بدھ کا نہایت خوبصورت مجسمہ بنایا تھا۔ متنبّی نے بھی اپنے محبوب کی تعریف میں کہا

صنمًا مِّن الاصنام لولا الروح

اگر میرے محبوب میں زندگی کی روح نہ ہوتی تو ایک حسین مجسمہ معلوم ہوتا۔ یہاں مذکورہ روایت میں بھی حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ آپؐ کی گردن مبارک کسی خوبصورت مورتی کی طرح حسین تھی سرخ رنگ کی مناسبت سے اس کا نام دمیة رکھا گیا۔ پہلے عنق کہا گیا ہے پھر جید لائے ایک تو اس میں تفنن فی العبارة (الفاظ وعبارت میں تنوّع) ہے وارادة التفنن المعنوی (جمع ص ۴۶) دوسرا کمالِ ادب بھی ملحوظ ہے کیونکہ جید کا لفظ عام روزمرہ استعمال میں عشاق اپنے معشوق کے لئے جائز وناجائز ہر صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ راوی نے حضور اقدسؐ کے وصف واقعی کے بیان میں صرف اس کلمہ کو استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا اور عنقہ کہا اور دمیة کے لئے جید کا لفظ لایا گیا فشبہ عنقہ الشریف بعنق الدمیة فی الاستواء والاعتدال وحسن الهیئة والکمال والاشراق والجمال (مواھب ص ۲۵) یعنی آپؐ کی گردن مبارک کو منقش اور مزیّن پتلی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ تشبیہ برابری، اعتدال، حسن ہیئت، کمال، تابانی اور جمال میں ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ عنق کی تخصیص کیوں کی گئی۔ شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ جو اعضاء مثلاً گردن وغیرہ کھلے رہتے ہیں ان پر میل وغبار پڑتا رہتا ہے لیکن جب یہ زیادہ صاف اور شفاف ہوں تو دیگر اعضاء تو بطریق اولیٰ صاف وشفاف ہوں گے۔ وفیہ ایماء الی بیاض عنقه الذی یبرز للشمس

المستلزم ان سائر اعضائه اولی (جمع ص ۴۶) (اوراس میں اشارہ ہے آپ ﷺ کی گردن کی سفیدی کی جانب کہ اس پر باوجود دھوپ وغیرہ پڑنے کے اس میں صفائی ہے تو یہ باقی اعضاء کے صفائی کو مستلزم ہے)

فی صفاء الفضّة... یعنی صفائی بالکل چاندی جیسی تھی جب چاندی کے زیور یا برتن کو صاف کرکے پالش کرلیا جائے تو وہ صفائی اور حسن میں چمکتا اور دمکتا ہے۔جنتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ○ قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا(۷۶:۱۵) (اوران کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے، وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا) ۔ملاعلی قاری فرماتے ہیں قیل صفة لدمية او لجيد دمية او خبر بعد خبر لكأنَّ عنقه وهو الاولىٰ (جمع ص ۴۶) یعنی'' فی صفاء الفضة ''پتلی کی صفت ہے یا پتلی کی گردن کی صفت ہے اور یا کأنَّ کے لئے خبر بعد خبر ہے اور یہ توجیہ اولیٰ ہے۔

معتدل الخلق :

معتدل الخلق ... حضوراقدس ﷺ نہایت موزون اور متناسب جسم والے تھے۔راوی کا یہ جملہ ماقبل کی نسبت سے اجمال بعد التفصیل اور مابعد کی نسبت سے اجمال قبل التفصیل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ گذشتہ تمام صفات کو شامل ہے۔شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں اوالمراد انه معتدل الصورة الظاهرة بمعنى ان اعضائه متناسبة غير متنافرة و كل متناسب معتدل و كل متوسط في كم و كيف معتدل و كل مستقيم قويم معتدل (مناوی ص ۴۶) (یامراد یہ ہے کہ آپ کی ظاہری صورت معتدل تھی یعنی اعضاء متناسب تھے اور ہر متناسب معتدل ہوتا ہے، اسی طرح کمیت وکیفیت میں متوسط چیز معتدل ہوتی ہے اور ہر مستقیم واستوار چیز معتدل ہوتی ہے)

اور معتدل الخلق کا ایک معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ غصہ کے وقت میں غصہ اور رحمت کے وقت میں رحمت فرماتے تھے۔

بادن متماسک سواء البطن والصدر:

لفظِ بادن ' بدانة سے ماخوذ ہے بمعنیٰ ذی بدانة کے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ کا جسم بالکل نحیف وضعیف نہیں تھا بلکہ اعتدال کے ساتھ بھاری، گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کہ حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک میں موٹاپا نہیں آیا تھا، سے اس کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس جگہ بدانة (موٹاپا) سے مراد وہ بدانة ہے جو حسن کے عین مناسب ہو اس لئے تو راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کی صفت کا اضافہ کر دیا ہے۔

شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں ولما کانت البدانة قد تکون من الأعضاء وقد تکون من کثرة اللحم والسمن المفرط المستوجب لرخاوة البدن وھو مذموم اردفه بما ینفی ذلک فقال متماسک (مناوی ص ۴۷) یعنی موٹاپا چونکہ کبھی اعضاء کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور حد سے زیادہ موٹاپے سے بدن ڈھیلا پڑ جاتا ہے جو ناپسندیدہ ہوتا ہے اسلئے راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کا لفظ لا کر ان مذموم صفات کی نفی کر دی بادن یعنی حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک ڈھیلا ڈھالا نہیں بلکہ مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔

متماسک کا معنیٰ اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط اور جڑا رہنا اور اپنی جگہ پر قوی ہونا۔ حضور اقدس ﷺ کا بدن مبارک نہ زیادہ بھاری تھا اور نہ بالکل نحیف والحق انه لم یکن سمیناً قط ولا نحیفاً قط (مناوی ص ۴۷) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والحاصل انه تخصیص بعد تعمیم او تذییل وتتمیم (جمع ص ۴۷) (حاصل یہ ہوا کہ لفظِ متماسک تعمیم کے بعد تخصیص ہے یا اور یا پھر تکمیل وتمیم ہے)

سواء البطن والصدر ... اس جملہ میں بھی حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک کی موزونیت اور اعتدال کا بیان ہے یعنی تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ خوب اور موزون تھے جسے پیٹ اور سینے کی برابری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سواء الشئی وسطه لاستواء المسافة الیه من الاطراف (نهایة) (سواء الشئی کا معنیٰ اس چیز کا درمیان کیونکہ اطراف کی مسافت درمیان کو مساوی ہوتی ہے) والمعنیٰ ان

بطنه وصدره الشريفان مستويان لاينتا احدهما عن الآخر فلا يزيدبطنه على صدره ولايزيد صدره على بطنه (مواهب ص ۲۶) (مطلب یہ کہ آپ ﷺ کا پیٹ اور سینہ مبارک بالکل مساوی اور معتدل تھے ان میں کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔ نہ تو پیٹ سینے پر زیادہ (پھولا) تھا اور نہ سینہ پیٹ پر زیادہ (ابھرا) ہوا تھا)

عریض الصدر ... یہ ماقبل کی تاکید ہے اور ایک روایت میں رحب الصدر (فراخ سینہ والے) بھی منقول ہوا ہے یعنی حضور اقدس ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا تھا جو مردوں میں حسن وکمال، جمال، عظمت اور قوت کی علامت ہے علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں وذلک آية النجابة فهو مما يمتدح به في الرجال (مواهب ص ۲۶) بعید المنکبین کی بحث ۱۰۷ پر تفصیل سے لکھی جا چکی ہے۔

ضخم الكراديس ... کرادیس جمع ہے کردوس کی۔ بروزن عصفور۔ اس سے جوڑوں کے کنارے یا ہڈیوں کو ملانے والے جوڑ مراد ہیں، یعنی حضور اقدس ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں، جو باطنی قویٰ کے کمال کو مستلزم ہیں (مواہب ص ۱۶)

ظاہری اعضاء کی نورانیت:

انور المتجرد ... انور سے مراد روشن، نورانی۔ المتجرد باب تفعّل سے اسم فاعل ہے اور انور کا مضاف الیہ ہے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وہ اعضاء مبارک جو خود بخود ظاہر اور کھلے ہوتے تھے مثلاً ہاتھ، پاؤں، چہرہ مبارک وغیرہ وہ نہایت خوبصورت روشن نورانی اور چمکدار ہوتے تھے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ باب تفعّل سے اسم مفعول ہے تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کے جو اعضاء کھلے اور ظاہر نہ تھے بلکہ لباس میں پوشیدہ تھے اگر وہ کسی صورت میں ظاہر اور مجرد ہو جاتے (لباس اتارتے) تو وہ روشن اور منور ہوا کرتے تھے وفي رواية لابن صاعد بن سراقة دنوت منه وهو على ناقته فرايت ساقه في غرزه كانها جمارة (مناوی ص ۴۸) (ابن صاعد بن سراقہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے قریب آیا۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے، رکاب کے اندر میں نے آپ ﷺ کی پنڈلی دیکھ لی گویا کہ وہ ایک چمکدار اور روشن انگارہ تھا)۔

لبّہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر:

موصول مابین اللبّةِ والسّرة ... دقیق المسربة تفصیل میں جو بحث گذر چکی ہے یہ اس کی مزید توضیح وتشریح ہے یہاں ما یا تو موصولہ ہے اور یا موصوفہ ہے۔

لبّة سے مراد وہ گڑھا ہے جو حلقوم کے نیچے ہوتا ہے موضع القلادة سے بھی اس کا معنیٰ بیان کیا گیا ہے وھی النقرة التی فوق الصدر (جمع ص ۴۸) یعنی یہ سینہ کے اوپر ایک گڑھا ہوتا ہے اوموضع القلادۃولبة البعیر موضع نحرہ (مناوی ص ۴۸) (یا یہ اس حصّہ کو کہتے ہیں جس پر ہار باندھا جاتا ہے اور اونٹ کا لبة اس کے ذبح کرنے کی جگہ ہوتی ہے)۔

سرّةَ کا معنیٰ ناف ہے وانما ھی الموضع الذی قطع منه السر(بالضم) (مناوی ص ۴۸) یعنی ''سُرة'' پیٹ کے اس مقام کو کہتے ہیں جس سے ناف کاٹتے ہیں۔

والمعنیٰ وصل مابین لبته وسرته (مناوی ص ۴۸) سرة کی جمع سُرَرُ 'سرّات آتی ہے۔

کالخطّ.. الخطّ الطریق 'ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں الطریقة المستطیلة فی الشی (جمع ص ۴۸) فکانه جعل اللبّة نقطة والسرّة نقطة والشعر بینهما خط لاتصاله بینهما (مناوی ص ۴۸) (تو گویا'' لبّة ''کو ایک نقطہ قرار دیا اور ''سرة ''کو دوسرا نقطہ اور ان دونوں کے درمیان میں بالوں کی لکیر ان کو آپس میں ملاتی ہے)

ثديين 'ذراعين اورزندین کی بحث:

عاری الثدیین والبطن ... بالوں کی باریک سی مذکورہ لکیر کے علاوہ آپؐ کی دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا۔عاری منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے عری سے ماخوذ ہے سمع کے باب سے ہو تو بمعنیٰ ننگے ہونے کے آتا ہے اور نصر کے باب (عرا یعرو) سے ہو تو بمعنیٰ پیش آنے کے آتا ہے۔دونوں ابواب سے اسم فاعل عاری آتا ہے جس کی جمع عراة ہے یہاں مراد بالوں سے ننگا ہونا ہے والمعنیٰ لم یکن علی ثدییه وبطنه شعر غیر مسربة

ویؤیده ماوقع فی حدیث ابن سعد له شعر من لبته الی سرته کالقضیب لیس فی بطنه ولا صدره شعر غیره (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کی چھاتیوں اور پیٹ پر بالوں کی ایک باریک لکیر کے علاوہ زائد بال نہیں تھے اوراس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپؐ کے لبّۃ اور ناف کے درمیان ٹہنی کے مانند بال تھے، آپؐ کے سینے اور پیٹ پراس کے علاوہ مزید بال نہیں تھے۔

اشعر الذراعین ... اشعر کا معنیٰ کثیر الشعر وطویله (قاموس) یعنی کثیراورطویل بالوں کے ہے یہ اجرد کا ضد ہے الذراعین، من المرفق الی الاصابع (کہنیوں سے انگلیوں تک کے حصہ) کو کہتے ہیں۔ والمنکبین، مجتمع راس الکتف والعضد (منکبین، کندھے اور بازو کے سنگم) کو کہتے ہیں اعالی، اعلیٰ کی جمع ہے۔ای شعر هذه الثلاثة غزیر کثیر (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کے دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کثیر اور گھنے بال تھے۔

طویل الزندین ... حضوراقدس ﷺ کی کلائیاں اعتدال کے ساتھ درازتھیں وفی المغرب هما طرفا عظم الساعدین (جمع ص ۴۹) زندین، زند کا تثنیہ ہے امام اصمعی کا مقولہ ہے لم یر احد اعرض زندا من الحسن البصری کان عرضه شبرا (مواهب ص ۲۶) یعنی حضرت حسن بصریؒ سے زیادہ چوڑا کلائی والا نہیں دیکھا گیا ہے۔اس کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔

رحب الراحة .... رحب (کرم اور سمع) کے باب سے آتا ہے بمعنیٰ ہتھیلی کی کشادگی اور وسعت، اس سے خلقت کا بیان ہے تو ظاہر ہے اور اگر وصف کا بیان ہے تو سخاوت وجود سے کنایہ ہے تاہم وسعتِ رحب کا مدلول فیاضی ہے جو آپؐ میں بتمام وکمال موجود تھی۔

قیل رحب الراحة دلیل الجود و ضیقها دلیل البخل (جمع ص ۴۹) (ہتھیلی کی کشادگی سخاوت کی دلیل ہے جبکہ اس کی تنگی بخل کی دلیل ہے)

شثن الکفین والقدمین آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں دونوں پُر گوشت تھے تفصیلی بحث ۱۱۸ پر گذر چکی ہے۔

انگلیاں، پوٹے، تلوے اور قدمین مبارک:

سائل الاطراف اور **شائل الاطراف**۔ آپؐ کی انگلیاں تناسب کے ساتھ دراز تھیں۔ راوی کو تردد ہے کہ استاد نے **سائل** کا لفظ ارشاد فرمایا تھا یا **شائل** کا۔ سائل سیلان سے ہے بمعنیٰ بہنے کے اور شائل، شول سے ہے بمعنیٰ ارتفاع کے۔ مراد لمبا اور فراخ ہونا ہے۔

الغرض سیلان ہو یا شول لغوی معنیٰ اونٹ یا گھوڑے کی دم کا ابھرا ہوا ہونا ہے۔ اطراف کے معنیٰ پورو ے۔ مراد انگلیاں ہیں **والمعنیٰ کان مرتفع الاطراف بلا احدید اب و لا انقباض** (مواہب ص ۲۶) (مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے انگلیاں مبارک نہ بہت لمبی تھیں اور نہ سکڑی ہوئیں)

خمصان الاخمصین یہ لفظ **خمص** اور خموص باب نصر سے ماخوذ ہے لغوی معنیٰ ورم بیٹھنا، باریک تکلم، خالی پیٹ ہونا آتا ہے یہاں مراد تلوے کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے، انسانی پاؤں کا یہ حصہ گوشت سے خالی ہوتا ہے اور زمین سے نہیں لگتا **واخمص القدم ھو الموضع الذی لایمسه الارض عند الوطنی من وسط القدم** (مواہب ص۲۷) (قدم میں اخمص وسط قدم کی وہ درمیانی جگہ (تلوے) کہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے) بخلاف اونٹ کے کہ اس کے تلوے گوشت سے بھرپور ہوتے ہیں اور پورا پاؤں زمین کے ساتھ لگتا ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں پاؤں کے تلوے انسانی فطرت کے مطابق قدرے گہرے، زمین سے مرتفع اور گوشت سے بھرپور نہ تھے اور ان کا درمیانی حصہ زمین کو نہیں چھوتا تھا۔

مسیح القدمین ... یعنی ہموار، سپاٹ، تلوے والا، نرم، جس میں پھٹن اور شگاف نہ ہو **ای املسھما مستو یھما لینھما بلا تکسرٍ ولا تشقق جلد** (مناوی ص ۵۱) یعنی حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک صاف، روشن، چکنے اور معتدل اور ہموار تھے حتیٰ کہ اگر ان پر پانی بھی ڈالا جاتا تو وہ بہہ نکلتا **ینبؤ** **نبا** سے ہے بمعنیٰ بہہ جانے کے **یقال نبا تجا فیٰ وتقاعد وزایل وعلا و ارتفع والاخیر ھنا انسب** (مناوی ص ۵۱) (علامہ مناویؒ نبأ کے مختلف معانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بمعنیٰ دور ہونے کے، بیٹھنے، اپنی جگہ سے زائل ہونے، بلند و مرتفع ہونے کے اور یہی اخیر معنیٰ زیادہ مناسب

ہے) یہ مسیح القدمین کی توضیح اور دلیل ہے جب ینبوُ کا صلہ عن آئے تو وہ دور ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے بوجہ نرمی کے پانی کا ورود اور سیلان جلدی ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات نے مسیح القدمین کا معنیٰ یہ لیا ہے جس کا تمام قدم زمین پر لگے اور درمیان میں گہرائی نہ ہو اور قدم رکھتے وقت قدم کا درمیانی حصہ یعنی تلوے زمین سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت بھی اسی مفہوم کی منقول ہے۔ اذا وطئی الارض بقدمه صلی الله علیه وسلم وطئی بکله لیس له اخمص ۔(الخصائص الکبری ج۱ص۱۷۱) یعنی آنحضرت ﷺ زمین پر پورا قدم رکھتے تھے، قدم کے تلوے زمین کے ساتھ لگتے تھے۔ تو اس روایت کا خمصان (کہ تلوے زمین کے ساتھ نہیں لگتے تھے) والے مفہوم سے تعارض ہے۔ شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک زمین سے زیادہ مرتفع نہیں تھے جو بغیر تامّل اور امعانِ نظر کے معلوم ہو۔ لہذا جن حضرات نے امعانِ نظر اور تامل نہ کیا اور اوّلِ وھلہ میں اپنا مشاہدہ نقل کر دیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے نہیں تھے، لیس له اخمص اسی حالت میں کہا گیا تھا و نفی الاخمص فی خبر ابی ھریرۃؓ محمول علی نفی عدم الاعتدال (مواھب ص ۲۷) جن حضرات نے گہری نظر سے غور کیا اور تامل کے بعد اپنا مشاہدہ بیان کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے تھے اور خمصان الاخمصین کے دعوے پر قائم رہے فمن اثبت الخمص اراد ان فی قدمیه خمصاً یسیرا ومن نفاه نفی شدته (جمع ص ۵۱) حاصل یہ کہ جس نے خمص کو ثابت کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ قدم رکھتے وقت تلوے زمین سے قدرے اوپر رہتے اور جس نے خمص کی نفی کی ہے تو اس نے زیادہ اٹھان کی نفی کی ہے، کہ تلوے زیادہ اٹھے ہوئے نہیں تھے۔

چال مبارک:

اذا زال ... چال مبارک کا بیان ہے قلعاً کا معنیٰ زور سے اور قدم اٹھا کر چلنا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں والقلع فی الاصل انتزاع الشی من اصله اوتحویله عن محله وکلاھما صالح لان یراد ھنا انه ینزع رجله عن الارض اویحولھا عن محلھا بقوۃ (مناوی

ص ۵۱) (قلع اصل میں کسی چیز کو جڑ سے نکالنے یا اس کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں اور دونوں معانی یہاں مراد لینا درست ہے بایں طور کہ آپؐ چلتے وقت پیر کو اچھی طرح زمین سے اٹھاتے یا اس کو اپنی جگہ سے قوت کے ساتھ منتقل کرتے) حضور اقدس ﷺ قدم اٹھا کر چلتے تھے پاؤں کو زمین پر نہیں گھسیٹتے تھے ای رفع رجله عن الارض رفعاً بائناً بقوةٍ لا کمن یمشی اختیالاً ویقارب خطاه تبختراً (جمع ص ۵۱) (کہ آپ ﷺ اپنے قدم مبارک زمین سے پوری قوت سے اچھی طرح اٹھاتے تھے نہ اس شخص کی چال چلتے جو اکڑ کر چلے اور ناز و نخرے کے ساتھ قدم قریب قریب رکھ کر چلے) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنیٰ انه کان یستعمل التثبّت ولا یتبیّن منه حینئذٍ استعجال ولا استمهال وهذا معنیٰ قوله تعالیٰ واقصد فی مَشیک (جمع ص ۵۱) یعنی آپؐ قدم کو اس طرح مضبوطی کے ساتھ اٹھاتے کہ جس سے جلد بازی اور ڈھیلا پن ظاہر نہیں ہوتا تھا اور یہی معنی ہے باری تعالیٰ کے ارشاد ''واقصد فی مشیک'' (۱۹:۳۱) کے یعنی اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔ اس سلسلہ کی مزید بحث صفحہ ۱۰۳ پر تفصیل سے کی گئی ہے ویخطو تکفیا یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

ویمشی هونا .تفنن فی العبارة ہے اذا زال الخ میں کیفیة رفع رجلیه عن الارض (زمین سے پاؤں اٹھانے کی ہیئت اور کیفیت) کا بیان تھا یہاں کیفیة وضعهما علی الارض (زمین پر پاؤں رکھنے کے طریقے) کا بیان ہے (مواهب ص ۲۷) کہ حضور اقدس ﷺ چلتے وقت نہایت وقار کے ساتھ چلتے تھے والمراد انه یمشی برفق وسکینة وتثبتٍ ووقار وحلم واناة وعفاف وتواضع (مطلب یہ کہ آپ ﷺ انتہائی تثبت پُرسکون، نرمی، حلم، وقار اور تواضع سے چلتے تھے) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مشی هون (عاجزی کے ساتھ چلنا) کے ساتھ تو قرآن نے عام صالحین کو بھی موصوف کیا ہے پھر حضور اقدس ﷺ کے ایسے وصف کے ذکر سے کیا فائدہ جس میں خواص امت بھی آپؐ کے ساتھ شریک تھے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً (۲۵:۶۳) (اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں) . جبکہ صفت کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اس صفت میں موصوف کو خاص امتیاز اور فضل و تفوق حاصل ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ جواب میں لکھتے ہیں

قلت المراد انه اثبت منهم فی ذلک و اکثر وقاراً ورفقاً وسکینة (مناوی ص ۵۲) یعنی آپ دیگر انسانوں سے اس صفت میں وقار، نرمی اور سکون کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے۔

ذریع المشیة ذرع بسط الید (ہاتھ لمبا کرنے) کو کہتے ہیں التذریع فی الشئی سے مراد تحریک الذراعین (کہنیوں کو حرکت دینا) ہے ذریع کا معنی سریع ہے امام راغب فرماتے ہیں ذریع کا معنی واسع الخطو (کشادہ قدم) ہے (المفردات ۱۷۸) مراد مشی معتاد یعنی عادت کے مطابق چلنا ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں اشارة الی سعة خطوه فی المشی وھی المشیة المحمودة للرجال واما النساء فانھن یوصفن بقصر الخطا (جمع ص ۵۲) یعنی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ چلتے وقت کشادہ قدم لیتے تھے اور یہ مردوں کے اعتبار سے پسندیدہ چال ہے جبکہ عورتوں کے لئے کوتاہ قدم لینا قابلِ صفت ہے۔

اذا مشی الخ رفتار مبارک سے متعلق بحث صفحہ نمبر ۱۰۳، ۱۱۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مبارک نگاہیں :

خافض الطرف نظره الی الارض اطول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک زیادہ تر زمین ہی کی طرف جھکی رہتی تھی۔ خفض (نیچے) سے مراد ضد الرفع (اوپر) اور الطرف سے مراد آنکھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں خشوع خضوع، حیا وکثرتِ خوف اور تواضع کی وجہ سے اکثر اوقات نیچی رہتی تھیں ہاں بوقت ضرورت نگاہیں آسمان کی طرف بھی اٹھ جایا کرتی تھیں۔

ایک تعارض کا حل :

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ (۲: ۱۴۴) (بے شک ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں) سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں اور ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کان صلی اللہ علیه وسلم اذا جلس یتحدث یکثر ان یرفع طرفه الی السماء یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو کے لئے

تشریف فرما ہوتے تو کثرت سے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے جبکہ شمائل کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نگاہیں اکثر نیچی رہتی تھیں، لہذا بظاہر تعارض ہے۔

شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں (۱) نگاہوں کا اٹھنا انتظارِ وحی پر محمول ہے۔

(۲) ابوداؤد کی روایت میں کثرۃ فی نفسہ (اکثریت فی ذاتہ) کا بیان ہے اور شمائل ترمذی کی روایت میں صرف نسبۃ الی الارض (کثرت بنسبت زمین کے ہے) کا بیان ہے۔

(۳) شمائل ترمذی میں حالت مشی (رفتار) کی اکثریت کا بیان ہے یعنی چلتے وقت نگاہیں نیچی رہتی تھیں اور ابوداؤد میں حالتِ جلوس وتحدیث (بیٹھنے اور بات چیت کرنے) کا بیان ہے۔

(۴) وقیل الاکثر لا ینافی الاکثار (جمع ص ۵۳) (اور بعض کہتے ہیں کہ اکثر (بہت زیادہ) اور اکثار (بہت کرنا) میں منافات نہیں)

جل نظرہ الملاحظۃ .... جُل کا معنیٰ اکثر ومعظم اور الملاحظۃ لحاظ سے ہے بمعنیٰ گوشہ چشم سے دیکھنا لحظ الیہ ای نظر الیہ بمؤخر العین (جمع ص ۵۳) الملاحظۃ کا معنیٰ گوشہ چشم سے لاپرواہی سے دیکھنا مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی ایک جانب گھور گھور کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ایک ہی نظر میں حقیقت کو پا جاتے تھے اور یہی حضور اقدس ﷺ کا اکثر معمول تھا بظاہر اس کا بھی اذا التفت التفت جمیعاً سے تعارض ہے۔ محدثین حضرات اس اشکال کے جواب میں کہتے ہیں۔

(۱) کہ جب حضور اقدس ﷺ قصداً کسی چیز کو دیکھنا اور توجہ فرمانا چاہتے تھے تو اذا التفت التفت جمیعاً (پوری طرح توجہ سے دیکھنے) کا معمول تھا متکبرین کی طرح گوشہ چشم سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور جب کسی طرف توجہ نہ ہوتی تو نظریں نیچی رہتی تھیں پھر تبعاً گوشہ چشم سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل دنیا اور حریصوں کی طرح چیزوں پر نظر نہ ڈالتے اور نہ دنیا اور اس کے اسباب پر ٹپکتے تھے بل کان ینظر الیہا فی الجملۃ وبقدر الحاجۃ لا سیما الی الدنیا وزخرفہا امتثالاً لا مر ربہ بقولہ ولا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلیٰ مَا مَتَّعْنَا بِہٖ الخ (۱۵: ۸۸) (مناوی ص ۵۳) یعنی آپ چیزوں کو خصوصاً

دنیا اور اس کی زیب و زینت کو سرسری نظر سے اور بقدرِ حاجت دیکھتے تھے۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد ''آپ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے ان چیزوں کو جو ہم نے برتنے کے لئے دے رکھی ہے'' پر عمل کرتے ہوئے۔

صحابہؓ کے ساتھ چلنے کی کیفیت :

یسوق اصحابه ... سفر میں آپؐ کا معمول تھا کہ خود پیچھے چلتے تھے اور اپنے صحابہؓ کو آگے آگے رکھتے تھے **ای یقدمهم بین یدیه ویمشی خلفهم کانه یسوقهم** (جمع ص ۵۳) (یعنی آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اپنے آگے اور سامنے رکھا کرتے اور خود حضور ﷺ ان کے پیچھے چلتے گویا کہ ان کے سائق (چلانے والے) ہیں) اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ

(۱) چونکہ آپؐ تیز رفتار تھے صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ چلنا دشوار ہوتا تھا اس لئے آپؐ ان کو آگے آگے چلاتے تا کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے **لان هذا شان الراعی** (جمع ص ۵۳) (کہ یہی محافظ اور نگہبان کی شان ہے)

(۲) آپؐ کا ارشاد ہے **خلوا ظهری للملائكة** یعنی میرے پیچھے کی جگہ ملائکہ کے لئے خالی کردو کیونکہ آپؐ کے پیچھے فرشتے چل رہے ہوتے تھے **لعله ماخوذ من قوله تعالیٰ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ** "(۶۶:۴) (جمع ص ۵۳) یعنی ہوسکتا ہے کہ آپؐ کا مذکورہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس قول ''اور فرشتے آپؐ کے پیچھے مددگار ہیں'' سے ماخوذ ہو۔

(۳) یہ کمالِ تواضع کی بنا پر تھا کہ حضور اقدس ﷺ سب سے پیچھے اور سب سے آخر میں رہتے تھے تا کہ سب پہ نظر ہو اور جو تربیت کا مستحق ہو اس کی تربیت کی جائے، جو تکمیل کا محتاج ہو ان کی تکمیل کی جائے جو **معاتبة** (ڈانٹنے) کے مستحق ہوں ان پر عتاب کیا جائے جنہیں تادیب کی ضرورت ہو انہیں ادب سکھلایا جائے **وهذا شان الولی مع المولّی علیه** (مناوی ص ۵۳) (اور یہی حال مربی اور متولی کا ہوتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جن کی ولایت اس کے سپرد کی گئی ہوتی ہے)

(۴) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **وایماء الی مراعاة اضعفهم فیتاخر عنهم رعایة للضعفاء واعانة**

للفقراء (جمع ص ۵۳) یعنی اس میں سب سے کمزور کی رعایت کرنے کی طرف اشارہ ہے تو آپؐ کمزوروں کی رعایت اور فقراء کی اعانت کی غرض سے ان کے پیچھے چلتے۔

سلام میں پہل:

یبدر من لقی بالسلام ... آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے اور کسی کو بھی آپؐ سے پہل کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ سلام کرنے میں بچوں تک کو مخاطب فرماتے اور پہل کرتے اور یہ کمالِ تواضع و عبدیت کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے وہ کبر سے بری ہوتا ہے البادی بالسلام بری من الکبر (رواہ البیھقی)۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور امت کو ادائے فرض کا ثواب ملنے کی غرض سے پہل فرماتے تھے۔ لان جواب السلام فرض وثوابه اجزل من ثواب السنة (مناوی ص ۵۴) (اس لئے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور اس کا ثواب بھی بمقابلہ سنت کے بہت زیادہ ہے) اگر چہ ملا علی قاریؒ نے قلت هذا غفلة عن القاعدة المقررة ان الایثار فی العبادات غیر محمود الخ فرما کر اس توجیہ کی حیثیت کو کم کر دیا (جمع ص ۵۴) یعنی اس توجیہہ میں مقررہ قاعدہ ''عبادات میں ایثار ناپسندیدہ ہے'' سے غفلت برتی گئی ہے۔

بہر حال آپؐ صاحبِ خلق عظیم پر تھے ہر ملنے والے کے ساتھ حتی کہ خواتین اور بچوں کے ساتھ بھی سلام میں پہل فرماتے، یہی کمال حسن اخلاق تھا اور اس میں تعلیم امت بھی تھی۔ الشیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں وفی هذه الافعال السابقة من تعلیم امته کیفیة المشی و عدم الالتفات وتقدیم الصحب والمبادرة بالسلام ما لا یخفی علی الموفقین لفهم اسرار احواله (مواهب ص ۲۸) یعنی آپؐ کے سابقہ افعال، چلنے کی کیفیت، ادھر اُدھر التفات نہ کرنا، دنیا کے چیزوں سے بے رغبتی، آپؐ کا اپنے ساتھیوں کو چلنے میں آگے رکھنا اور سلام میں ابتدا کرنے میں امت کو تعلیم ہے اس سے آپ کے حالات کے اسرار و رموز کا سمجھنا واقفین پر مخفی نہیں۔

(۸) حَدَّثنا ابُوْ مُوْسی مُحمَّدُ بْنُ الْمُثنّی حدَّثنا مُحمَّدُ بنُ جعفرٍ حدَّثنا شُعبةُ عنْ سماکِ بْنِ حرْبٍ قالَ سمِعْتُ جابرَبْنَ سمُرةَ يقُوْلُ كانَ رسُوْلُ اللّٰه صلّی اللّٰهُ عليْه وسلّم ضلِيْعَ الْفمِ اشْكلَ الْعيْنِ منْهُوْسَ الْعقِبِ قَالَ شُعْبةُ قُلْتُ لِسماکٍ ماضلِيْعُ الْفمِ قالَ عظِيْمُ الْفمِ قُلْتُ ما اشْكلُ الْعيْنِ قالَ طوِيْلُ شقِّ الْعيْنِ قُلْتُ مامنْهُوْسُ الْعقِبِ قالَ قلِيْلُ لحْمِ الْعقِبِ ۔

ترجمہ: ہمیں ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا' ان کو محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہیں شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہؐ فراخ دہن تھے' آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے' ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔ شعبہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سماک بن حرب سے پوچھا کہ ضلیع الفم سے کیا مراد ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ منہ کا بڑا ہونا۔ میں نے عرض کیا کہ اشکل العین کیا ہے؟ فرمایا کہ آنکھ کی دراڑ کا کشادہ ہونا۔ میں نے پوچھا کہ منہوس العقب کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ایڑیوں پر گوشت کا کم ہونا۔

راویانِ حدیث (۳۴) ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰؒ (۳۵) محمد بن جعفرؒ (۳۶) شعبہؒ (۳۷) سماک بن حربؒ اور (۳۸) حضرت جابر بن سمرۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

چہرہ، آنکھ اور ایڑیاں:

ضلیع الفم اشکل العین منھوس العقب .... حدیثِ باب کے لفظی ترجمہ میں مراد واضح کردی گئی ہے ضلیع الفم ۔ آپؐ اعتدال کے ساتھ کشادہ دہن تھے اور عرب معتدل کشادہ دہن کو پسند کرتے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی بھی علامت ہوتی ہے ایسا شخص محترم بزرگ اور محمود سمجھا جاتا ہے اس لئے اللہ پاک نے آپؐ کو یہ صفت محمودہ بھی عنایت فرمائی تھی۔ مزید بحث صفحہ نمبر ۱۶۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اشکل العین: محدثین' ائمہ لغت اور شارحین حدیث کہتے ہیں کہ سماک بن حرب کو اشکل العین کا معنیٰ بیان کرنے میں اشتباہ ہوا ہے سماک بن حرب نے اشکل العین کا معنیٰ طویل شق العین

(آنکھ کے دراڑ کی درازی یا فراخ چشمی) سے کیا ہے جبکہ اس کے لئے عربی لغت اور محاورہ میں عینُ النجلآء (بڑی اور خوبصورت آنکھ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں "هذا التفسير خلت عنه كتب اللغة المتداولة ومن ثم جعله القاضي عياض وهما (اس سابقہ تفسیر سے لغت کی مشہور کتابیں خالی ہیں اسی لئے تو قاضی عیاضؒ نے اس کو وہم قرار دیا ہے) خلاصہ یہ کہ "أشكل العين" کی مذکورہ تشریح درست نہیں ہے۔

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ شكلآء ،حمرة في بياضِ العين کو کہتے ہیں یعنی آنکھ کی سفیدی والے حصہ میں سرخ ڈوریاں۔ جس آنکھ کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہوں اس کو عين الشكلآء کہتے ہیں اور یہ آپ کے علاماتِ نبوت میں سے ایک علامت بھی ہے۔ والصواب ان الشكلة حمرة في بياض العين وهي احدى علامات النبوة كما قال الحافظ العراقي والأشكل محمود محبوب قال الشاعر اور صحیح بات یہ ہے کہ شکلہ وہ سرخی ہے جو آنکھ کی سفیدی میں ملی ہوئی ہے اور یہ نبوت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے۔

جیسے حافظ عراقیؒ نے فرمایا ہے اور اشکل شخص پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے

وَلَا عَيْبَ فِيْهَا غَيْرُ شُكْلَةِ عَيْنِهَا

كَذَالِكَ عِتَاقُ الْخَيْلِ شُكْلٌ عُيُوْنُهَا

ترجمہ: اس میں صرف اتنا عیب ہے کہ اس کے آنکھوں کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہیں جبکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں میں یہ صفت موجود ہوتی ہے۔ (مواهب ص ۲۹)

مگر حضرت سماکؒ نے یہاں پر ترجمہ عينُ النجلآء والا کر دیا ہے جو ان سے علمی غلطی ہوئی ہے سرخ ڈورے والی آنکھ کو اشکل کہتے ہیں جو کہ حسن و جمال کی علامت ہے جس سے حضور اقدسؐ بدرجہ اتم متصف تھے۔

بیہقی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے كان رسول الله صلى الله عليه وسلم عظيم العينين اهدب الاشفار مشرب العين بحمرة آپؐ کی آنکھوں مبارک میں سرخ ڈورے تھے لمبے ابرو تھے سرخی اور سفیدی ملا ہوا یعنی سنہری رنگ مبارک تھا۔

خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان

وہ قاتل بے پیئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

شعبہ کے پوچھنے پر ان کے استاد سماک بن حرب نے منھوس العقب کا مفہوم سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا قلیل لحم العقب یعنی ایڑیوں پر کم گوشت ہونا۔ منھوس کا لغوی معنیٰ دانتوں سے نوچنا یعنی آپؐ کے عقب مبارک سے گوشت نوچ لیا گیا تھا قلیل اللحم سے یہی مراد ہے عرب کہتے ہیں رجل منھوس القدمین و العقبین ای خفیف لحمھما (مناوی ص ۵۵) (یعنی جب ایڑیوں اور قدموں پر گوشت کم ہو جاتا) جبکہ نہش کا معنیٰ ہے تمام دانتوں سے نوچنا یہاں مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایڑیاں موٹی اور پُر گوشت نہیں تھیں بلکہ ان پر گوشت کم تھا۔

---

(۹) حَدَّثَنَا هَنَّادُبْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْثَرُبْنُ الْقَاسِمِ عَنْ اَشْعَثَ يَعْنِي ابْنَ سَوَّارٍ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فِي لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِي اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا ہناد بن سری نے انہیں بیان کیا عبثر بن قاسم نے انہوں نے اشعث یعنی ابن سوار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابی اسحاق سے اور انہوں نے جابر بن سمرۃ ؓ سے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا حضور اقدس ﷺ اس وقت سرخ جوڑا زیبِ تن فرماتے' میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپؐ کو' بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل وحسین اور منور ہیں۔

راویانِ حدیث (۳۹) ہناد بن سریؒ (۴۰) عبثر بن قاسمؒ اور (۴۱) اشعثؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال محمد ﷺ:

رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ اضحیانٍ ... حضرت جابرؓ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ اضحیانٍ، لیلة کی صفت ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مراد وہ رات ہے جس میں اول سے لے کر آخر رات تک چاندنی ہو ای لیلة مقمرة من اولها الی آخرها (مواهب ص ۲۹) اس کو لیلة ضحیا اور اضحیان واضحیانةٍ بھی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں فالمراد لیلة مضیئة لا ظلمة فیها ولا غیم بل مقمرة نیرة من اولها لآخرها (مناوی ص ۵۶) (مراد ایسی رات جو روشن ہو اور اس میں کوئی بادل یا اندھیرا بالکل نہ ہو، بلکہ شروع سے آخر تک روشن اور چاندنی رات ہو)۔

وعلیه حلة حمراء ۔ حضور اقدس ﷺ سرخ دھاری دار یمنی لباس پہنے ہوئے تھے جس میں وہ بہت حسین وجمیل نظر آرہے تھے والقصد بها بیان ماأوجب التامل وامعان النظر فیه من ظهور مزید حسنه صلی الله علیه وسلم حینئذٍ (مواهب ص ۲۹) (اس سے مقصود اس چیز کا بیان ہے جو آپؐ کے حسن وجمال کی طرف راغب اور متوجہ کرنے والا تھا)۔ باقی رہی یہ بحث کہ حلة حمراء سے مراد کیا ہے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فجعلت انظر الیه... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں کبھی آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا میرے نزدیک حضور اقدس ﷺ چاند سے زیادہ حسین تھے۔ عندی کا لفظ احتراز کے لئے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے نزدیک یہی تھا لہٰذا یہ قید اتفاقی ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا نظریہ بیان کرتا ہے لبیان الواقع ولا فتخاره باعتقاده لا للتخصیص والاحتراز عن غیره فانّه کذلک عند کل مسلم رآه بنور النبوة (جمع ص ۵۶) یعنی "عندی" کا قید بیانِ واقع کے لئے ہے اور اپنی اس عقیدت پر فخر کرنے کے لئے نہ کہ تخصیص اور دوسروں سے احتراز کے لئے بلکہ ہر مسلمان اسی طرح آپؐ کو نورِ نبوت سے منوّر دیکھتا۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کے حسن وجمال کے مقابلہ میں چاند کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے فنور وجهه صلی الله علیه وسلم ذاتی لا ینفک عنه ساعة فی اللیالی والایام ونور القمر مکتسب مستعار ینقص تارة ویخسف اخری (جمع ص ۵۶) یعنی آپؐ کے چہرہ کی تابانی اور نور ذاتی تھا، آپؐ دن رات اس نور سے منور اور روشن رہتے جبکہ چاند کی روشنی تو ماخوذ اور

مستعار ہے کبھی گھٹ جاتی ہے اور کبھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر عرفاً حسن و جمال کے لئے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

صحابی کا یہ قول محض حسنِ عقیدت یا محض جذباتِ محبت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت بھی یہ ہے کہ آپؐ سے زیادہ حسین کوئی شئی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کا ارشاد ہے ما رایت شیئاً قط احسن منه۔

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا ۔۔۔ مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

اور حضرت حسانؓ کا قول بھی کہ

وَاَحسَنُ مِنکَ لَم تَرَقَطُّ عَینِی ۔۔۔ وَاَجمَلُ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقتَ مُبَرَّأً مِن کُلِّ عَیبٍ ۔۔۔ کَأَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاءُ

یعنی آپؐ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی بھی نہیں دیکھا اور آپؐ سے زیادہ خوبصورت انسان خواتین نے نہیں جنا۔ آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے تھے گویا آپؐ اپنی چاہت کے مطابق پیدا ہوئے تھے۔

نیز فارسی کے شاعر نے اپنے تخیلات کو اس انداز سے پیش کیا کہ

حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

(۱۰) حَدَّثَنَا سُفیَانُ بنُ وَکِیعٍ حَدَّثَنَا حُمَیدُ بنُ عَبدِ الرَّحمٰنِ الرُّؤَاسِیُّ عَن زُهَیرٍ عَن اَبِی اِسحٰقَ قَالَ سَأَلَ رَجُلُ البَرَاءَ بنَ عَازِبٍ أَکَانَ وَجهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مِثلَ السَّیفِ قَالَ لَا بَل مِثلَ القَمَرِ ۔

ترجمہ۔ سفیان بن وکیع نے حمید بن عبدالرحمٰن رواسی سے روایت کی ہے۔ وہ زہیر سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے ابی اسحٰق سے یہ روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براءؓ سے

پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا انہوں نے کہا نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

راویانِ حدیث (۴۲) حمید بن عبدالرحمٰنؒ الرواسی اور (۴۳) زہیرؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

چہرہ انور:

قال سال رجل ... کسی شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور (**استنارة** اور **استطالة**) یعنی تابانی اور لمبائی میں تلوار کی مانند تھا۔ فرمایا نہیں **بل مثل القمر** یعنی چاند کی طرح روشن اور گولائی لیے ہوئے تھا۔ وجہ شبہ لمعانیت و لمبائی یا استنارۃ اور استطالۃ ہے محاورہ بھی اسی کا متقاضی ہے جیسے حاتم طائی کا مشہور وصف سخاوت ہے تو تشبیہ بھی اس میں ہوگی۔ تلوار میں بھی دو صفتیں ہے لمعانیت اور استطالۃ۔ احتمال استطالۃ کی وجہ سے جواب نہیں دیا کہ یہ تو مذمت ہے البتہ استنارۃ وجہ تشبیہ ہوسکتی ہے، جواب آیا کہ مثل القمر نہیں بلکہ فوق القمر تھے

بل کان احسن منه ولله در القائل ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ حسین تھے اللہ جزائے خیر اور بھلائی دے اس قائل کو۔

اِذَا عِبْتَهَا شَبَّهْتَهَا الْبَدْرَ طَالِعًا
وَحَسْبُکَ مِنْ عَیْبٍ لَهَا شِبْهُ الْبَدْرِ

(جمع ص ۵۷)

(جب تو اسے عیب لگائے تو پھر اسے تشبیہ دے دینا روشن چاند سے۔ اور تجھے اس کے معیوب کرنے کے لئے بدر (چودھویں کے چاند) کے ساتھ مشابہت دینا کافی ہے)

تلوار میں تو صرف چمک ہوتی ہے نورانیت نہیں ہوتی' لمبائی ہوتی ہے گولائی نہیں ہوتی' چاند میں نورانیت بھی ہے اور گولائی بھی۔ لہذا چاند کے ساتھ مشابہت زیادہ قرین قیاس ہے۔ تلوار میں روشنی کم اور زنگ آلودگی کی وجہ سے معرضِ زوال میں ہوتی ہے جبکہ چاند کی روشنی تمام اوقات بلکہ قیامت تک

باقی ہے اسلئے تلوار سے تشبیہ کی تردید کی گئی۔

نیز حضرت براءؓ کا اشارہ اس جانب بھی ہے کہ آپؐ کی قدر ومنزلت' محبوبیت وعظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے الفاظ بھی ایسے منتخب ہوں کہ وہ اس کی حقیقی نہ سہی تو قریبی تعبیر تو بن سکیں ،لفظِ سیف (از باب ضرب) ہلاک کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی بعثت انسانیت کے احیاء وبقا کے لئے ہے' ہلاکت کے لئے نہیں جبکہ لفظِ قمر (از باب نصر) بمعنیٰ غالب ہونے کے ہے قرآن کریم میں لفظِ راعنا کے ذریعے پکارنے سے بھی منع کیا گیا کہ اس میں سوءادب کا احتمال تھا انظرنا میں قطعی ادب تھا اسلئے اس کے بولنے کی تعلیم دی گئی۔

دراصل بتانا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رُخِ انور نہایت ہی خوبصورت انتہائی حسن وجمال لئے ہوئے کتاب نما تھا۔صحیح مسلم میں ہے لا بل مثل الشمس والقمر یعنی ''اشراق واضاءت میں سورج کے مشابہ تھا اور حسن وملاحت میں چاند کی مانند۔ یہ تمام تشبیہات تقریبی ہیں ایک چاند کیا ہزاروں چاند حضور اقدس ﷺ کے ناخنِ پا کے ادنیٰ حسن وجمال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔مزید تنویر کے لئے صفحہ نمبر ۱۶۹ اور ۱۱۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ الْمَصَاحِفِیُّ سُلَیْمَانُ بْنُ سَلْمٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُبْنُ شُمَیْلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِی الْاَخْضَرِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْیَضَ کَاَنَّمَا صِیْغَ مِنْ فِضَّةٍ رَجِلَ الشَّعْرِ ...

ترجمہ :ہمیں بیان کیا ابوداؤد مصاحفی سلیمان بن سلم نے۔ انہیں نضر بن شمیل نے بیان کیا انہوں نے روایت بیان کی صالح بن ابی الاخضر سے اور انہوں نے ابن شہاب سے،ابن شہاب نے روایت کی ہے ابی سلمہ سے اور انہوں نے روایت کیا حضرت ابوھریرہؓ سے۔آپؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر شفاف' حسین وخوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپؐ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے آپؐ کے بال مبارک قدرے خمدار گھونگریالے تھے۔

راویانِ حدیث (۴۴) ابوداؤد المصاحفیؒ (۴۵) نضرؒ بن شمیل (۴۶) صالح بن ابیؒ الاخضر (۴۷) ابن شہابؒ (۴۸) ابوسلمہؒ اور (۴۹) حضرت ابوھریرۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال جہاں آراء :

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم ابیض --- حضرت ابوھریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضوراقدسؐ کا رنگ مبارک سفید تھا۔ کانما صیغ من فضة . صیغ یعنی ڈھلا ہوا زیور، صوغ سے ہے بمعنی سانچے اور قالب میں ڈھالنے کے ہیں اور فضہ سے مراد وہ چاندی ہے جو تازہ معدن سے نکلی ہو جس کی سفیدی، تیز اور سخت نہیں ہوتی بلکہ قدرے سرخی مائل اور میلی سی ہوتی ہے جب چاندی کا یہ معنیٰ لیں گے تو اسمر کے خلاف نہ ہوگا گویا حضوراقدس ﷺ چاندی کے زیور کی طرح بنائے گئے تھے یہ تشبیہ اس کی نرمی، ملائمت اور چمک میں ہے خالص سفیدی کی وجہ سے نہیں۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضوراقدس ﷺ کے تمام اعضاء متناسب اور موزون تھے، چہرہ اقدس میں بھی اور وجود مقدس میں بھی حسن و جمال اور قدرتی نورانی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر تھا . وفیه ایماء الی تماسک اجزائه وتناسب اعضائه ونورانیة وجهه وسائر بلدنه (جمع ص ۵۹) (اور حدیث میں آپ ﷺ کے اجزاء واعضاء کے متناسب، قوی ہونے اور چہرے اور باقی جسم مبارک کی نورانیت کو اشارہ ہے)

رَجِلَ الشعر ۔ یعنی بال مبارک قدرے گھنگریالے تھے (تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

---

(۱۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَآءُ فَاِذَا مُوْسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَ ةَ وَرَاَیْتُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَهُ الْکَرِیْمَةَ وَرَاَیْتُ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَیْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْیَةُ .

ترجمہ: ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں لیث بن سعد نے ابوزبیر کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے روایت نقل کی صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں اور حضرت عیسیٰ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں۔

ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دحیہ کلبیؓ ہیں۔

راویانِ حدیث (۵۰) قتیبہؒ (۵۱) لیث بن سعدؒ (۵۲) ابوزبیرؒ اور (۵۳) حضرت جابر بن عبداللہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث مبارک کی تشریح:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عرض على الانبياء ۔۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء کرام کو پیش کیا گیا۔ عُرِضَ 'عرضٌ' سے ہے جس کے معنیٰ پیش کرنا ظاہر ہونا' دکھانا اور سامنے آنا وغیرہ ہیں۔

انبیاء کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جانا آپ کی سیادت اور قیادت کی طرف اشارہ ہے۔ كانوا كجنوده فان الجيش يعرض على السلطان ولا يعرض السلطان عليه (مناوی ص ۶۰) گویا وہ انبیاء کرامؑ آپؐ کے لشکر کی طرح تھے اس لئے کہ لشکر بادشاہ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور بادشاہ کو لشکر پر پیش نہیں کیا جاتا ولهذا قال بعض العارفين انه صلى الله عليه وسلم بمنزلة القلب في الجيش والانبياء مقدمته والاولياء ساقته والملائكة يمنة ويسرة متظاهرين متعاونين كما قال تعالىٰ والملائكة بعد ذلك ظهير والشياطين قطاع الطريق في الدين (جمع ص ۶۰) یعنی بعض عارفین

فرماتے ہیں کہ آپ ؐ لشکر میں ''قلب'' کی طرح تھے، انبیاء کرامؑ اس کا ''مقدمہ'' تھے، اولیاء کرامؒ اس کا ''ساقہ'' اور ملائکہ اس لشکر کے ''میمنہ'' اور ''میسرہ'' تھے جو ان کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں'' اور شیاطین دین کے راستہ کے ڈاکو ہیں۔

مقامِ عرض کی تعیین:

اب سوال یہ ہے کہ یہ مقامِ عرض کونسا تھا جہاں انبیاء کرام آپ ؐ کے سامنے پیش کیے گئے اور آپ ؐ کی انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ شارحینِ حدیث اس کے دو احتمال بیان فرماتے ہیں۔

(۱) معراج کے موقع پر ملاقات ہوئی۔ واقعہ معراج کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں وذلک العرض لیلة الاسراء کماجاء فی روایات اخر کروایة ابی العالیة عن ابن عباس ورواية ابن المسیّب عن علی وابی ھریرة کوشف له صور ابدانهم کما کانت (جمع ص ۶۰) یہ ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی جیسا کہ ابو العالیه عن ابن عباس اور ابن المسیب عن علی و ابی ھریرہ کی روایات میں ہیں۔ ان کے ابدان کی صورتیں جیسی تھیں ویسے آپ ؐ کو دکھائی گئیں۔

(۲) دوسری روایت خواب کی ہوسکتی ہے ای عرضوا علیّ فی النوم بدلیل روایة البخاری ارانی اللیلة عند الکعبة فی المنام الحدیث (مواھب ص ۳۱) یعنی خواب میں مجھ پر انبیاءؑ پیش کئے گئے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے قریب دیکھا الخ الحدیث۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا یا شبِ معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے' بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایات ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو (خصائل)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت :

حدیث زیر بحث میں حضور اقدس ﷺ نے ان چند انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جن کی نسبت آپ ؐ سے زیادہ مستحکم تھی اور جن کی امتوں کے حالات بھی آپ ؐ کی امت کے حالات کے قریب قریب

تھے چنانچہ ارشاد فرمایا فاذا موسیٰ علیہ السلام ضربٌ من الرجال . ضرب صیغہ صفت ہے را کے سکون کے ساتھ ہوتو معنیٰ خفیف اللحم ' دبلے پتلے اور طاقتور آدمی کو کہتے ہیں اور جب رجال ضرب کے ساتھ آئے تو معنیٰ کم گوشت' دبلے پتلے' اکہرے اور چھریرے طاقتور بدن والے کو کہتے ہیں سبعة معلقہ کا شعر ہے۔

اَنَا الرَّجُلُ الضَّرْبُ الَّذِیْ تَعْرِفُوْنَهٗ　　　خِشَاشٌ كَرَاْسِ الحَيَّةِ الْمُتَوَقِّدِ

یعنی میں چھریرے بدن کا چست وچالاک آدمی ہوں کاموں میں اس طرح گھس جاتا ہوں جیسے کہ سانپ کا چمکدار سر جو تنگ سے تنگ سوراخ میں گھس جاتا ہے۔

اذا، مفاجاۃ کے لئے ہے۔لفظ موسیٰ موشیٰ سے معرب ہے فرعون کی بیوی آسیہ نے آپ کا یہی نام رکھا تھا۔عبرانی زبان میں مو پانی کو اور شیٰ درخت کو کہتے ہیں۔حضرت آسیہ نے انہیں پانی اور شجر کے درمیان پایا تھا فھو بلغة القبط الماء بین الشجر (مناوی ص ۶۰) (پس موشےٰ قبطی لغت میں پانی درخت کے درمیان) کانه من رجال شَنُوْءَ ةَ جیسا کہ قبیلہ شنوء ۃ کے جوان ہوتے ہیں اس قبیلہ کے لوگ مصر میں آباد تھے اور یمن کے علاقہ کی طرف بھی ان کی آبادیاں تھیں ازدحجر اور ازد پشنوءہ بھی اسے کہتے ہیں امام طحاویؒ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور عبداللہ بن کعب بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے یہ لوگ پہلے زمانہ میں جسم کے دراز قامت اور چست وچالاک اور پھرتیلے ہوا کرتے تھے اور معتدل اللحم ہونے میں مشہور ہیں یمن کی قوم سبا سے بھی تعلق ہے قوم سبا کے انعامات میں ایک اعتدال اعضاء بھی ہے علاوہ ازیں یہ قبیلہ انتہائی پاکیزگی ونظافت' حسن وخوبصورتی اور نیکی وافعال حسنہ کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت:

ورأیت عیسی ابن مریم علیه السلام فاذا اقرب من رایت به شبهاً عروة ابن مسعود شبهاً ش کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں جائز ہیں اقرب کی تمیز ہے' میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا جو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ثقفی سے مشابہت میں

زیادہ قریب پایا یہ قبیلہ ثقیف کے سردار اور طائف کے رہنے والے تھے رئیس القوم تھے حضور ﷺ کی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔

اہل مکہ میں خوب متعارف تھے یہ وہی عروہ ہیں جن کو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضور ﷺ کے پاس بھیجا تھا آپؐ کی طائف سے واپسی کے بعد ہجرت کے نویں سال مشرف بہ اسلام ہوئے وطن واپس لوٹے اور قوم کو اسلام کی دعوت دی ایک مرتبہ اذان دے رہے تھے کہ ان پر نیزہ سے حملہ کیا گیا اور اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے جب حضور ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا۔ مثل عروۃ مثل صاحب یٰسٓ دعا قومه الی الله فقتلوه (مواہب ص ۳۲)

عروۃ کی مثال صاحب یٰسٓ (حبیب نجار) کی طرح ہے جنہوں نے قوم کو اسلام کی دعوت دی مگر قوم نے ان کو شہید کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت:

ورأیت ابراهیم فاذا اقرب من رأیت به شبهاً صاحبکم یعنی نفسه الکریمة یعنی میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں خود ہوں کہ ان کی شکل وصورت مجھ سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ نفسه الکریمة وهو من کلام جابر اومن دونه من الرواة (جمع ص ۶۲)۔ "نفسه الکریمة" یہ الفاظ یا تو حضرت جابرؓ کے ہیں یا آپؐ کے علاوہ کسی اور نیچے راوی کے ہیں۔

اس حدیث میں ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت بھی یہی جملہ ہے کہ آپؐ کی صورت مبارک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت مبارک کی مثل اور مشابہ تھی بلکہ حضراتِ اساتذہ فرماتے ہیں کہ آپؐ خَلقاً اور خُلقاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مشابہت:

ورایت جبرائیل ... میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں دحیہ کلبی کی

شکل وشباہت حضرت جبرائیل کی شکل وصورت سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت جبرائیل کو حضور اقدس ﷺ نے اپنی زندگی میں دومرتبہ دیکھا پہلی مرتبہ آغازِ نبوت کے موقع پر جس کی تفصیل بخاری ج۱ص۲ باب کیف کان بدءُ الوحی میں آئی ہے دوسری مرتبہ معراج کی شب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ان دو مواقع کے علاوہ حضور اقدس ﷺ حضرت جبرائیل کو کبھی انسانی شکل میں دیکھتے تھے اور کبھی وہ آپ کے دل مبارک سے رابطہ کر کے وحی القاء فرماتے تھے۔

انسانی شکل میں عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں نازل ہوتے تھے یہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں قبیلہ بنی کلب کے سردار ہیں۔ دِحیہ کا معنیٰ بھی رئیس الجند (لشکر کے سردار) ہے نہایت حسین وجمیل اور وجیہ شخص تھے حضور اقدس ﷺ کے معتمد اور مخلص جان نثار تھے حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے انہیں خط دیکر بطور سفیر کے قیصر روم کے پاس بھیجا تھا انتخاب کی وجہ بھی یہی تھا کہ آپؐ کی شکل وصورت سے شرافت عظمت اور وجاہت ٹپکتی تھی۔ بعض اوقات کسی دوسرے اجنبی انسان کی شکل میں بھی حاضر خدمت ہوتے تھے۔

ورایت جبرا ئیل ۔یہ عرض علی الانبیاء پرعطف ہے عرض قصة علی قصةٍ (کہ ایک واقعہ کا عطف دوسرے واقعہ پر ہو) کے قبیل سے ہے فلیس داخلاً فی عرض الانبیاء حتی یحتاج الی جعلہ منہم تغلیباً (مواھب ص ۳۲) (پس یہ عرض انبیاء میں داخل نہ ہوا تاکہ تغلیبی طور پر اس (جبرئیل) کو ان انبیاء ہی میں سے شمار کیا جائے) ہاں چونکہ حضرت جبرئیل کی حضرات انبیاء کرام کے ساتھ مخالطت کثیر تھی اور وحی بھی وہی پہنچایا کرتے تھے اسلئے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے جس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس (۱۵:۳۰) (ابلیس کے علاوہ سارے فرشتوں نے سجدہ کیا) جبرئیل بھی سریانی زبان کا لفظ ہے معناہ عبداللّٰہ او عبدالرحمن اوعبدالعزیز (مواھب ص ۳۲) (اس کا معنیٰ عبداللہ یا عبدالرحمٰن یا عبدالعزیز ہے)

تین انبیاء کا انتخاب کیوں؟

اس روایت میں تین انبیاء کرامؑ کی مشابہت کا ذکر ہے اور چوتھے حضرت جبرئیل کا۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وجہ الاقتصار علی الثلاثة المذكورين من بين الانبياء لان سيدنا ابراهيم جد العرب وهو مقبول عند جميع الطوائف وسيدنا موسىٰ وعيسىٰ رسولا بنى اسرائيل والترتيب بين هؤلاء الثلاثة وقع تدليا ثم ترقيا فانه ابتدا بموسىٰ وهو افضل من عيسىٰ ثم ذكر ابراهيم وهوافضل منهما فهو بالنسبة الى الاول تدل وبالنسبة الى الاخير ترق (مواهب ص ۳۱) یعنی انبیاءؑ میں سے مذکورہ تین پر اکتفا کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ عرب کے جد ہیں اور سارے اقوام میں مقبول ہیں اور سیدنا موسیٰؑ اور سیدنا عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔ اوران انبیاءؑ کے ذکر کرنے میں ترتیب تدلی ہے پھر ترقی ہے، اس لئے کہ روایت میں حضرت موسیٰؑ سے ابتدا کی گئی ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ہے جو ان دونوں حضرات سے افضل ہیں۔ پس ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بسنبت موسیٰ علیہ السلام کے تدلی (تنزلی) اور بہ نسبت عیسیٰ علیہ السلام کے ترقی ہوئی)

---

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّ سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ سَعِيْدِ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الطُّفَيْلِ يَقُوْلُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِىَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ رَاٰهُ غَيْرِىْ قُلْتُ صِفْهُ لِىْ قَالَ كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُّقَصَّدًا .

ترجمہ: ہمیں بیان کیا سفیان بن وکیعؒ اور محمد بن بشارؒ نے جن کے بیان کا مفہوم ایک ہی ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون نے سعید جریری کے حوالے سے خبر دی۔ اُس نے کہا کہ میں نے ابوطفیلؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور اقدس ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

راویانِ حدیث (۵۴) یزید بن ھارونؒ (۵۵) سعید الجریریؒ اور (۵۶) حضرت ابوطفیلؓ کے حالاتِ زندگی ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو طفیلؓ کی توصیفِ رسولؐ :

رأیت رسول اللہ ﷺ وما بقی علی وجه الارض احد راٰه غیری۔۔۔ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا اور اس وقت روئے زمین پر بغیر میرے آپؐ کو دیکھنے والا کوئی بھی موجود نہیں۔وما بقی الخ یہ کلمہ تفاخراً و تکبراً (بطور فخر، تکبر اور بڑائی کے) نہیں بلکہ اپنے بیان کی تاکید و توثیق اور صحت کے لئے فرمایا مقصد یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ میں اس وقت میرے سوا کوئی بھی حیات نہیں لہذا آپؐ کا حلیہ مبارک اور خصائل و اعمال مجھ سے پوچھے جائیں۔ترکیب میں احد موصوف ہے راٰہ جملہ اس کی صفت ہے دونوں مل کر مستثنیٰ منہ بنتے ہیں اور غیری مستثنیٰ ہے۔

تاریخی روایات اپنی جگہ مگر یہ حقیقت ہے اور متفق علیہ بات ہے کہ حضرت ابوالطفیل ۱۰۰ھ تک زندہ رہے اس سے حضور اقدس ﷺ کی یہ پیشن گوئی بھی صحیح ہو جائے گی جس میں آیا ہے کہ سو سال کے اندر موجودین میں سے کوئی نہ رہے گا وقال العصام وهو آخر من مات من الصحابة وفاته بعد رسول الله ﷺ بمائة علی وفق اخباره صلی الله علیه وسلم انه لا یبقی علیٰ راس المائة علی وجه الارض من کان فی زمانه وقیل مراده اصحابه (جمع ص ۶۴) (عصام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں یہی ابو طفیلؓ سب سے آخر میں وفات ہوئے۔آپؓ کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سو سال بعد ہوئی۔آپؐ کی اس پیش گوئی کے مطابق کہ "سو سال بعد آپؐ کے زمانے کا کوئی فرد روئے زمین پر باقی نہ رہے گا" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپؐ کے صحابہؓ مراد ہیں)۔

ایک اشکال سے جواب:

بعض لوگوں نے یہاں پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض صحابہؓ آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے جیسے رتن هندی کہ اس کی عمر (۵۰۰) سال تھی اور ۶۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ایسے معمّر المغربی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے وہ بھی آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے۔

محققین کہتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ ثابت نہیں ہے محدثین کہتے ہیں کہ رتن هندی کذّاب تھا جو کہا کرتا تھا کہ میں نے آپؐ کو گود میں لیا ہے وزعم ان معمرا المغربی ورتن الهندی صحابیان

عاشا الی قریب القرن السابع لیس بصحیح (مواهب ص ۳۳) یعنی بعض کا خیال ہے کہ معمر المغربی اور رتن الہندی دو صحابہ تھے جو ساتویں صدی کے قریب تک زندہ رہیں، یہ بات درست نہیں۔

دوسرا یہ کہ لا یبقی علی رأس المائۃ والی روایت سے اس کا تعارض ہے اس لئے محدثین اسے نہیں لیتے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں رآہ غیری ای من البشر فخرج الملک والجن وخرج بقولہ علی وجہ الارض عیسیٰ فانہ لم یکن علی وجہ الارض وخرج الخضر ایضاً فانہ لم یکن ممن خالطہ کما ھو المراد (مواهب ص ۳۳)

لا یبقی علی وجہ الأرض الخ والی روایت کے فوائد قیود بیان فرما رہے ہیں کہ ''غیری'' سے مراد ''بشر'' ہیں لہذا اس قید سے فرشتے اور جنات نکل گئے اور '' علی وجہ الأرض'' (روئے زمین) کی قید سے عیسیٰؑ نکل گئے اس لئے کہ وہ روئے زمین پر نہیں ہے (بلکہ آسمان پر ہیں) اور خضرؑ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپؐ کے ساتھ اختلاط کیا ہو۔ او کان حینئذ علی وجہ الماء فی البحر (جمع ص ۶۳) یا حضرت خضرؑ اس وقت سمندر میں پانی کے سطح پر تھے۔

جمال وکمال کا مرقع:

قلت صفہ لی قال کان ابیض ملیحاً مقصّداً ـــــ سعید جریریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوطفیلؓ سے درخواست کی کہ میرے سامنے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کریں، اس سے سعید جریری اور تابعین کا آپؐ سے کمال درجے کا عشق ومحبت اور ذوق وشوق کا اندازہ ہوتا ہے جو آپؐ کا حلیہ مبارک معلوم کرکے، آپؐ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تعلق اور رابطہ قائم کرکے عشق ومحبت اپنے اندر پیدا کرتے تھے اور اپنے قلب ودماغ میں اس کا نقش جماتے تھے اور یہی نجات اُخروی کا وسیلہ اور قطعی ذریعہ ہے۔

تو جواب میں ابوطفیلؓ نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخ وسفید تھا ملیح اور حسین وجمیل تھے اور قد مبارک درمیانہ تھا ابیض 'ملیح اور مقصّد تینوں لفظوں میں آپؐ کے حسن وجمال

اور کمال کی تمام صفات آ گئی ہیں ۔ ملیحاً جس میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی ہو ۔ ملح الشی (بالضم) ای سهل وحسن لانه كان ابيض مشرباً بحمرة و كان ازهر اللون وهذ غاية الملاحة (مواهب ص ۳۳) (علامہ بیجوریؒ حضور علیہ کے ملیح ہونے کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ نرم ،خوبصورت تھے اس لئے کہ آپ علیہ میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی تھی ازہر اللون تھے اور یہی اعلی ملاحت ہے)مناوی نے ملیح کا معنیٰ سمین (فربہ) بھی کیا ہے سمینیت میں افراط کے توھم کے ازالہ کے لئے مقصّدا (درمیانہ) لایا گیا ہے۔

مقصّدا ۔ یہ باب تفعیل سے اسم مفعول ہے بمعنیٰ متوسط کے' کہا جاتا ہے رجل مقصّد ای متوسط (درمیانہ شخص) قصد کا معنیٰ وسط آتا ہے قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وعلى الله قصد السبيل اى وسطه (اور اوپر اللہ کے پہنچتی ہے سیدھی راہ یعنی وسطِ سبیل (درمیانی راستہ) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

والمراد انه صلى الله عليه وسلم متوسط بين الطول والقصر وبين الجسامة والنحافة بل جميع صفاته على غاية من الامر الوسط فكان فى لونه وهيكله وشعره وشرعه مائلا عن طرفى الافراط والتفريط (مواهب ص ۳۳) یعنی مراد یہ ہے کہ آپ طول اور قصر کے درمیان ،متوسط تھے اور جسامت وکمزوری کے درمیان تھے بلکہ آپ کے تمام امور میں انتہائی درجہ کا توسط اور اعتدال تھا۔ آپ کا رنگ صورت اور بال وغیرہ سب افراط اور تفریط سے پاک تھے۔

---

(۱۴) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِالْحِزَامِىُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ ثَابِتِ الزُّهْرِىّ حَدَّثَنِىْ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ا بْنُ اَخِىْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُاِىَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ .

ترجمہ: عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا' ان کو خبر دی ابراہیم بن منذر حزامی نے' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی' عبدالعزیز بن ثابت زہری نے' وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا اسماعیل بن ابراہیم نے جو موسیٰ بن

عقبہ کے بھتیجے ہیں انہوں نے روایت بیان کی موسیٰ بن عقبہ سے انہوں نے نقل کیا کریب سے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے یعنی ان میں کسی قدر ریخیں تھیں گنجان نہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

راویانِ حدیث (۵۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ (۵۸) ابراھیم بن المنذر رالحزامیؒ (۵۹) عبدالعزیز بن ثابت زھریؒ (۶۰) اسماعیل بن ابراھیمؒ (۶۱) موسیٰ بن عقبہؒ (۶۲) کریبؒ اور (۶۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حالات تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی میں ملاحظہ فرمائیں۔

دانتوں کی نورانیت:

قال کان رسول الله صلى الله عليه وسلم افلج الثنيّتين... حضور اقدس ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی یعنی وہ قطعی متصل نہ تھے۔ ثنیّتین سامنے والے دو دانتوں کو کہتے ہیں اور فلج کا اطلاق آگے والے دونوں دانتوں کے فاصلہ پر ہوتا ہے والفلج (بالتحریک) تباعد بين الاسنان (جمع ص ۶۷)۔(دانتوں کے درمیان فاصلہ) دیگر متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دیگر دانتوں میں بھی فلج تھا اس لئے یہاں ثنیّتین سے مراد مافوق الواحد کا اعتبار کیا جائے گا۔

اذا تکلم رُاِیَ کا لنور یخرج من بین ثنایاہ۔۔۔جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ سامنے کے دو دانتوں سے نور نکل رہا ہے۔ یہ نور معنوی تھا یا حسّی۔بعض حضرات نے اسے معنوی اور روحانی نور قرار دیا ہے۔اس خیال سے کہ نور سے مراد آپ ﷺ کے الفاظِ مبارکہ بطور تشبیہ ہیں مگر یہ ان کا محض وہم اور تاویل بعید ہے۔اور انہوں نے رُاِیَ کا مطلب نہیں سمجھا علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں **ومن صار الى انه معنوى زاعما ان المراد به لفظه الشريف على طريق التشبيه فقلوهم وما فهم قوله راى** (مواھب ص ۳۴)

مگر جمہور کہتے ہیں کہ یہ رویت محض عقیدت کی بنا پر نہ تھی صحابہ کرامؓ کو یہ نور فی الحقیقت نکلتا ہوا نظر آتا

تھا یہ روشنی اور نورانیت بطور خرقِ عادت واعجاز نبوت کے سب کو نظر آتی تھی۔ اس کی ایک مثال ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۹ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی (جس کا آپؐ نے غائبانہ جنازہ پڑھا تھا) کی قبر سے عرصہ دراز تک نور سا اٹھتا تھا جس کا صحابہ کرامؓ مشاہدہ کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ حضور اقدسؐ کے کلام کو جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن علامہ مناویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی حسّی چیز تھی جو بطور معجزہ حضور اقدس ﷺ کے دانتوں سے نکلتی تھی۔

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

(خصائل)

===

بَا بُ مَاجَآءَ فِیْ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے بیان میں

مہر نبوّت :

مصنفؒ نے اس باب میں مہر نبوت کے بیان میں آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں مہر نبوت کی ہئیت، شکل، رنگ، مقدار اور صفات کا بیان ہے فی تحقیق وصفه من لونه ومقداره وتعیین محله من جسد النبی ﷺ (جمع ص ۶۷) یہ مہر نبوت آپؐ کے کتفین (دونوں کندھوں) کے درمیان (ذرا دائیں کندھے کے قریب) بیضوی شکل میں ابھری ہوئی تھی۔ ماقبل سے ربط بھی ظاہر ہے کہ مہر نبوت کا تعلق آپؐ کے جسم کے ساتھ ہے اسلئے اسے حلیہ مبارک کے بیان سے متصل ذکر کردیا۔ اگرچہ مہر نبوت بذات خود حلیہ شریف ہی ہے اسلئے ان روایات کو بھی پہلے باب کا جزء ہونا چاہئے تھا مگر مہر نبوت کے بوجہ مستقل اعجاز و علامتِ نبوت ہونے کے علیحدہ باب قائم کر کے ذکر کیا جارہا ہے۔

خاتم النبوۃ ۔ لفظ خاتَم تا کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے جب کسرہ کے ساتھ فاعل' کے وزن پر پڑھا جائے تو ظاہر ہے کہ معنیٰ بھی فاعلی ہوگا مراد ما یختم به ہوگا یعنی جس چیز کے ذریعہ مہر لگائی جائے اور وہ چیز مہر شدہ کردی جائے قرآن مجید میں وختمه مسک کی مراد بھی یہی ہے یعنی اہل جنت کا مشروبِ خاص مہر شدہ شراب ہوگی جس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی اور جب تا کے فتحہ کے ساتھ خاتَم پڑھا جائے تو مراد انگوٹھی ہے۔ خط کے آخر پر لکھنے والے کی مہر کو خاتَم کہتے ہیں جس کے لئے امام ترمذیؒ نے علیحدہ باب قائم فرمایا ہے۔

مہر نسبت کے صحیح کرنے کی علامت ہے تو خاتم النبوۃ بھی آپ کی رسالت و نبوت کی علامت ہے، خاتم الانبیاء ہونے کی علامت ہے حضور اقدس ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں ان کے اجساد پر کوئی علامت نہ تھی۔ اسی طرح دجال اکبر سے قبل جتنے بھی دجاجلہ آئے ہیں یا آئیں گے ان

کے بدن پر کوئی علامت نہ تھی۔ خاتم الانبیاء علیہ ﷺ کے جسدِ اطہر پر علامت ہے اسی طرح خاتم الدجاجلہ کی پیشانی پر علامت ہوگی ۔ حضراتِ اساتذہ نے فرمایا یہ خاتم صرف نبوت ہی کی نہیں بلکہ خاتم النبیین کی بھی علامت ہے۔

خاتمِ نبوت کی ہیئت یا حقیقت:

یہ تو پہلے عرض کیا جا چکا کہ یہ آپ ؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت کی ابھری ہوئی بیضوی شکل کی گلٹی تھی اور اس پر بال بھی تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے جس جس صحابیؓ نے اس کو جس انداز سے مشاہدہ کیا اور سمجھا اور سمجھانے کے لئے جو پیرایہ اختیار کیا اور جو مثال بیان کی اس سے بظاہر اختلاف ہو گیا ورنہ درحقیقت مراد سب کی ایک ہے بعض نے اسے بند مٹھی سے تشبیہ دی گویا کسی نے جسد اقدس پر مٹھی بند کر کے رکھدی ہو بعض نے بال دیکھے یا محسوس کیے تو کہا **شعرات مجتمعات** (جمع شدہ بال) کسی نے چکور اور کسی نے کبوتری کے بیضہ (انڈے) سے تشبیہ دی بعض نے دلہن کی ڈولی اور بعض نے مسہری کے ساتھ لٹکنے والی گھنڈیوں سے تشبیہ دی کسی نے اسے کپڑے کے بنائے جانے والے موٹے بٹن کی مانند قرار دیا۔ خلاصہ یہ کہ حقیقت تو ایک ہی ہے مگر جس نے جو دیکھا محسوس کیا اور سمجھانے کے لئے جو تعبیر استعمال کی ان تشبیہات و تمثیلات کو اگر تعارض پر حمل کیا جائے تو بظاہر اختلاف ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں اختلاف نہیں ہے **قال القرطبی وعیاض کل الاحادیث تفید ان الخاتم شئی بارز فی جسدہ** ﷺ (اتحافات ص ۵۴) یعنی قرطبیؒ اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ (مہر نبوت سے متعلق) تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ مہر آپ ؐ کے جسد مبارک میں ابھری ہوئی ایک چیز تھی۔

کتبِ سابقہ میں اس کا ذکر :

نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب سماوی میں اس خاتم نبوت کا ذکر موجود تھا اس زمانے کے اہل علم اہل کتاب اس خاتم کا پوچھتے اور دیکھتے تھے اور دیکھ کر ایمان بھی لاتے تھے۔

مہرِ نبوت پر لکھائی:

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس خاتم نبوت پر کچھ مکتوب بھی تھا یا نہیں بعض نے کہا "محمد رسول الله " لکھا ہوا تھا جو اس پر موجود بالوں سے بنا تھا بعض کہتے ہیں اس پر سِر فانک المنصور (آپ ﷺ (تبلیغِ احکام) کے لئے چلیں آپ ﷺ ہی کامیاب چلیں ہوں گے)تحریر تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔

مہرِ نبوت کب بنی؟

ایک بحث یہ بھی ہے کہ یہ خاتم النبوۃ پیدائشی تھی یا نبوت کے بعد جسمِ اقدس پر ابھری۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب سینہ مبارک پہلی مرتبہ چاک کیا گیا اس وقت مہر نبوت بھی بنادی گئی۔ بعض کہتے ہیں پیدائشی تھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ مہر نبوت بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی وفات میں جب بعض صحابہ کرامؓ کو شک ہوا، تو حضرت اسماءؓ نے مہر نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی (خصائل)۔

(۱۵/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّآئِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّا فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَاِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ .

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے خبر دی حاتم بن اسماعیل سے، جنہوں نے یہ روایت جعد

بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سائب بن یزیدؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے حضور اقدسؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت فرمائی میں اتفاقاً یا قصداً حضور اقدس ﷺ کے پسِ پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔

راویانِ حدیث (۶۴) حاتم بن اسماعیلؒ (۶۵) جعد بن عبدالرحمٰنؒ اور (۶۶) حضرت سائب بن یزیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سائبؓ کی بارگاہ نبوت میں حاضری :

ذهبت بی خالتی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ... میری خالہ جو آپؐ کی صحابیہ ہیں مجھے آپؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ قال العسقلانی لم اقف علی اسم خالته و امامه فاسمها علیة بنت شریح (مواهب ص ۳۴) ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی خالہ کے نام کا پتہ نہیں چلا البتہ ان کی ماں کا نام علیہ بنت شریح تھا۔ وقال الجزری هی اخت النمر بنت قاسط الکندی (مناوی ص ۶۸) علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ یہ نمر بنت قاسط الکندی کی بہن تھی۔

حضورؐ سے خطاب کے وقت درود کا حکم:

فقالت یا رسول الله ان ابن اختی وَجِعٌ... عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرا بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے۔ یہاں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ جس کلمہ میں حضور اقدس ﷺ کو خطاب کیا گیا ہو اس موقع پر درود پڑھنا کیسا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ایسے موقع پر آپؐ پر درود شریف نہ پڑھا جائے (فیض الباری) بعض حضرات نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔ مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سلف سے بھی یہی منقول ہے کہ دورد شریف نہ پڑھا جائے البتہ اس موقع کے علاوہ جہاں بھی آپؐ کا نامِ نامی، اسم گرامی آئے تو درود شریف میں بخل کرنا گناہ ہے۔

لفظِ وجع کی تشریح:

وجع کتِف کے وزن پر صفتِ مشبہ ہے بمعنیٰ دردمند کے ہے' بخاری کی بعض روایات میں وجع بمعنیٰ ساقط کے بھی آیا ہے دونوں سے مراد مریض ہے۔ بعض حضرات نے اسے وقِع سمجھا ہے وقع بھی صیغہ صفت مشبہ ہے بعض نے کہا کہ یہ فعل ماضی وقع ہے جس کا معنیٰ گر گیا تھا اور گرنے کی وجہ سے پاؤں میں تکلیف تھی۔ مگر زیادہ مشہور وجع ہے ای ذو وجع وھو یقع علی کل مرض (مواھب ص ۳۵) یعنی وہ تکلیف میں مبتلا تھے اوراس لفظ کا اطلاق ہر بیماری پر ہوسکتا ہے۔ بہر حال تھا تو مرض' البتہ مرض میں اختلاف ہے راجح یہی ہے وقع کا معنیٰ پاؤں کے تلووں یعنی نیچے گوشت میں درد کا ہونا والوقع ' وجع القدمین (اتحافات ص ۵۲) جس کی وجہ سے پاؤں میں ورم تھا و کان ذلک الوجع فی قدمیه بدلیل روایة البخاری (بخاری کی روایت کے مطابق ان کے قدمین (پاؤں) میں درد تھا) (مواھب ص ۳۵)

سر پر ہاتھ پھیرنے کی علت؟

فمسح رسول الله صلی الله علیه وسلم راسی ودعا بالبرکة ——— آپؐ نے میرے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ یہاں پر بعض حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ درد تو پاؤں میں تھا پھر سر پر ہاتھ کیوں پھیرا۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) آپؐ نے سر پر دستِ شفقت رکھا' محبت فرمائی اور دعا دی شفا دینا اللہ کا کام ہے اس سے صحابیؓ کو تسلی ہوئی اور آپؐ کی دعا سے مرض ختم ہوا، یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی پھر حضورؐ کی دعا کے برکات ظاہر ہوئے نہ صرف یہ کہ حضرت سائبؓ کا مرض ختم ہوا بلکہ انہیں عافیت حاصل ہوئی کہ حضور ﷺ نے انہیں بارک الله فیک (اللہ تعالیٰ تجھے برکت سے رکھے) فرمایا تھا قال السائب قد علمت انی ماتمتعت بسمعی وبصری الا ببرکة الدعاء النبی ﷺ (اتحافات ص ۵۲) مجھے یقین ہے کہ میری بصارت وسماعت کی سلامتی حضور اقدس ﷺ کی

دعا کی برکت سے رہی۔ حضرت سائبؓ نے ۸۴ سال عمر پائی اور آخر تک صحت برقرار رہی۔

(۱) بیہقی نے روایت کی ہے کہ آپؐ کے ہاتھ پھیرنے کا حضرت سائبؓ پر یہ اثر ہوا کہ لم یزل رأسه اسود مع شیب ما سواه یعنی سر کے بالوں کے سوا باقی بالوں میں بڑھاپے کا اثر سفیدی ظاہر ہوئی جبکہ سر کے بال سیاہ رہے۔

(۲) پاؤں کی طرح سر میں درد تھا ولا مانع ان یکون به المرضان (مواهب ص ۳۵) (اس میں کوئی مانع (رکاوٹ) نہیں کہ اس میں دو بیماریاں ہوں)

(۳) سب سے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور دماغ حیات کا مستقر ہے سر اور دماغ کا اثر سارے بدن تک پہنچتا ہے۔ سر پر ہاتھ رکھنا گویا تمام بدن کو اثر پہنچانا ہے۔ الشیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وآثر مسح الراس لان صرف النظر الی ازالة مرضه اهم اذ هو مدار البقاء والصحة ومیزان البدن ولا کذالک القدمان (مواهب ص ۳۵) (کہ آپ ﷺ نے سر پر ہاتھ پھیرنے کو ترجیح دی کیونکہ اصل غرض اور توجہ سر کی بیماری کے ازالہ پر زیادہ اہم تھی کیونکہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور وہ صحت وسلامتی کا مدار ہے اور قدموں کو یہ حیثیت حاصل نہیں)

دم کرنے کا مسنون طریقہ :

(۱) المواہب میں ہے یوخذ منه ان یسن للراقی ان یمسح محل الوجع من المریض دم کرنے والے کے لئے یہ سنت ہے کہ بیمار کے درد کی جگہ ہاتھ پھیرے نیز دیگر احادیث میں بھی آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے بدن میں درد کی جگہ آپؐ کو بتاتے تو آپؐ اسے مسح فرما کر دعا کرتے صحت یابی نصیب ہو جاتی۔

برکت کا مفہوم :

البرکة کا لفظی معنیٰ زیادتی، نشو ونما اور ثمرات میں اضافہ ہونا ہے اور عرفاً مقدس قسم کی زیادتی جس میں خیر ہی خیر ہو، اللہ کی نصرت ہو تقدس کا مفہوم اور اللہ پاک کا فضل شامل ہو۔

لغت میں برکة اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اونٹوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو بارکة اور حوض کو برکَہ کہتے ہیں وفی الحدیث دلالة علی انه لا مانع من الاستشفاء بدعاء الصالحین (الاتحافات ص ۵۲) (یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صلحاء کی دعا سے شفا طلب کرنا درست ہے)۔

وتوضا فشربت من وضوئه.... پھر حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا اور میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا۔ کیا حضورِ اقدس ﷺ کے وضو کرنے کی غرض بھی یہی تھی کہ مریض اسے پی لے یا واقعةً حضور ؐ کو وضو کی حاجت تھی؟ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

لفظِ وضوء کی تحقیق :

وُضو (بضم الواو) سے مراد فعل شرعی یعنی غسل الاعضاء یعنی عملِ وضو جبکہ وَضو (بفتح الواو) سے مراد وہ پانی ہے جس کے ساتھ وضو کیا جائے اور وہ پانی بھی مراد لیا جا سکتا ہے جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو۔ یعنی ماء الوضوء سواء استعد للوضوء اوبقی او فضل بعد الوضوء او استعمل فی الاعضاء للوضوء (وضو کا پانی چاہے وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا باقی رہ گیا ہو یا وضو کرنے کے بعد بچ گیا ہو یا وضو کے لئے اعضاء پر استعمال کیا گیا ہو)۔

حضور اقدس ﷺ کا ماء مستعمل اور صحابہؓ کا طرزِ عمل:

حضور اقدس ﷺ کا مستعمل پانی پاک بھی تھا اور تبرک بھی اگر چہ عام لوگوں کا مستعمل پانی مکروہ ہے مگر آپ ؐ کا مستعمل پانی مکروہ نہیں ہے یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی صحابہ کرامؓ وضو کے دوران آپ ؐ کا مستعمل پانی گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ تبرک سمجھ کر استعمال کر لیا کرتے تھے۔

اکابرین قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو حضور اقدس ﷺ کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ ؐ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے واپس جا کر رپورٹ دی کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں مگر جو تعظیم و تکریم

حضور اقدس ﷺ کی ان کے صحابہ کرامؓ کو کرتے ہوئے دیکھی وہ کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔خدا کی قسم! وہ تھوکتے ہیں تو تھوک بھی کسی نہ کسی صحابیؓ کے ہتھیلی پر ہوتی ہے جس کو وہ اپنے منہ اور جسم پر مَل لیتے ہیں جب وہ کسی کام کے کرنے کا امر فرماتے ہیں تو سب کے سب اس کام کے لئے دوڑ پڑتے ہیں واذا توضا کادوا یقتتلون علی وضوئہ یعنی جب وہ وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ ان کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا ابھی لڑ پڑیں گے اور جب وہ گفتگو کے لئے لب کشائی فرماتے ہیں تو سب کے سب آپؐ کے حضور خاموش ہو جاتے ہیں اور آپؐ کی طرف تعظیماً نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں ہے۔حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا وہ اسے مَل لیتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسروں کے ہاتھوں کی تری لیکر مَل لیتا۔

شربِ وضو کے تین احتمال:

فشربت من وضوئہ .... فیحتمل ان یراد بہ فضل وضوئہ بمعنی الماء الباقی فی الظرف بعد فراغہ وان یراد بہ ما اعد للوضوء وان یراد بہ المنفصل من اعضائہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا الاخیر انسب بما قصدہ الشارب من التبرک (مواھب ص ۳۵) یعنی ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو یا اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا وہ پانی مراد ہو جو استعمال کے بعد آپؐ کے اعضاء سے الگ ہو گیا ہو اور یہ آخری احتمال زیادہ راجح ہے اس لئے کہ پینے والا اسے تبرک کے طور پر پیتا تھا

شوافعؒ کے استدلال سے احناف کا جواب:

شوافع حضرات حدیثِ باب کے مضمون یعنی حضرت سائبؓ کے شرب الوضوء سے ماء مستعمل کے طاہر و مطہر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔علماء احناف کہتے ہیں کہ

(۱) پہلے تو وَضو کا معنی قطعی طور ماء مستعمل للوضوء نہیں لیا جا سکتا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماء فضل عن الوضوء (وہ پانی جو وضو سے بچ گیا ہو) مراد ہے۔

(۲) شرب ماء کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ ابھی ماء مستعمل کے استعمال سے ممانعت نہیں اتری تھی اس کے عدم طہارت کا حکم بعد میں نازل ہوا۔

(۳) ماء مستعمل کی عدم طہارت یا عدم طہوریت کا حکم احناف خلطِ ذنوب کی وجہ سے دیتے ہیں جیسا کہ احادیث میں واضح ہے کہ وضو کے پانی سے گناہ خلط ہو کر بہہ جاتے ہیں۔ جبکہ حضور اقدسؐ معصوم تھے ان سے تو گناہ کا تصور بھی گناہ ہے۔

(۴) حضور اقدس ﷺ کے تمام فضلات وغیرہ سب طاہر ہیں تو وضوء کے ماء مستعمل کو تو بطریق اولیٰ طاہر ہونا چاہئے۔ پھر شرب ماء الوضوء میں بھی احتمالات ہیں (۱) ممکن ہے حضرت سائبؓ نے وضوء سے قبل پانی پی لیا ہو (۲) فضالہ وضوء یعنی بچے ہوئے پانی سے پیا ہو (۳) متساقطِ وضوء یعنی ماء مستعمل پیا ہو۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ روایت حضراتِ شوافع کا مستدل نہیں بن سکتی۔

زرالحجلة :

وقمت خلف ظهره ... راوی کا بیان ہے کہ میں آپؐ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا پھر میں نے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا فاذا هو مثل زرّ الحجلة پس میں نے اسے چکور کے انڈے جیسا پایا۔ چکور (دجاج البر) کا انڈہ کبوتری کے انڈے سے بڑا اور مرغی کے انڈے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ الحجله چھپر کھٹ کو بھی کہتے ہیں زرّالحجلة یعنی چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح، حجله اس گھر کو بھی کہتے ہیں جو دلہن کے لئے قبہ کی طرح بنایا جاتا ہے اس پر پردے وغیرہ لٹکا کر آراستہ کرتے ہیں جسے ہم لوگ اپنی زبان میں ڈولی کہتے ہیں۔ بہر حال حضرت سائبؓ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مہر نبوت کی تفصیلات اس سے قبل ذکر کی جا چکی ہے۔

(۲/۱۶) حَدَّثنا سعیدُبْن یعْقُوبَ الطَّالَقانِیُّ اَخبرنا اَیُّوبُ بْنُ جابِرٍ عَنْ سِماکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ الْخَاتَمَ بَیْنَ کَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُدَّۃً حَمْرَآءَ مِثْلَ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ

ترجمہ! ہمیں سعید بن یعقوب طالقانی نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ایوب بن جابر نے انہوں نے روایت کی سماک بن حرب سے اور انہوں نے جابر بن سمرۃؓ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنی تھی۔

راویانِ حدیث (۶۷) سعید بن یعقوب الطالقانیؒ (۶۸) ایوب بن جابرؒ اور (۶۹) سماک بن حربؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مہر نبوت کا رنگ اور حجم :

قال رایت الخاتم ... حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو غدۃ حمراء یعنی سرخ رنگ کی ایک گلٹی تھی جو بیضوی شکل میں کبوتری کے انڈے کے مشابہ تھی۔ غدۃ کی جمع غدائد آتی ہے اسے اردو میں غدود کہتے ہیں۔ گلٹی' پتولی اور رسولی کو کہتے ہیں انھا کل عقدۃ فی الجسد (ہر گرہ جو جسم میں ہو) المصباح میں ہے الغدۃ لحم یحدث بین الجلد واللحم یتحرک بالتحریک (مواھب ص ۳۶) یعنی ''غدہ'' وہ گوشت ہے جو کھال اور جسم کے گوشت کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے اور حرکت دینے سے وہ ہل جاتا ہے۔

حضرت جابرؓ مہر نبوت کا رنگ اور حجم بتا رہے ہیں جو جسم اطہر کے اوپر بڑھے ہوئے گوشت کا ٹکڑا جیسا تھا گویا ایک سرخ گلٹی ہے جس کا حجم کبوتری کے انڈے کے برابر ہے۔ رنگ کے بارے میں یہاں حمرآء (سرخ) کی تصریح ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں سودآء (کالا) بعض میں خضراء (سبز) بعض میں کَلَوْنِ جسدہ (آپؐ کے جسم کے رنگ جیسا) منقول ہوا ہے۔

شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں ولا تدافع بین ھذہ الروایات لانہ کان یتفاوت

باختلاف الاوقات فكانت كلون جسده تارة و كانت حمراء تارة وهكذا بحسب الاوقات .
(مواهب ص ۳۶) (ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مختلف اوقات میں اس کا رنگ بدلتا رہتا تھا کبھی تو اس کا رنگ آپؐ کے جسم کے رنگ کی طرح ہو جاتا اور کبھی وہ سرخ ہو جاتا اسی طرح کبھی دوسرے رنگ میں تبدیل ہو جاتا)۔

اس روایت میں مثل بيضة الحمامة (کبوتری کے انڈے جیسی) کی تصریح ہے جبکہ روایت سابقہ میں مثل زر الحجلة (چکور کے انڈے کی طرح) ابن حبانؒ کی روایت میں كبيضة نعامة (شتر مرغ کے انڈے جیسا)، بیہقیؒ کی روایت میں كالتفاحة (سیب جیسا)۔ ابن عساکرؒ کی روایت میں كالبندقة (مٹی کا غلّہ) مسلمؒ اور مصنفؒ کی ایک روایت میں كانها ثاليل (سرِ پستان کی طرح)، حاکمؒ کی روایت میں شعر مجتمع (مجتمع بال) اور مصنفؒ کی ایک روایت میں شعرات مجتمعات (بالوں کا مجموعہ) نقل ہوا ہے۔

اس تفصیل سے غرض یہ بتانا ہے کہ احادیث میں مہر نبوت کے مقدار اور رنگ میں قدرے اختلاف ہے۔ امام قرطبیؒ تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں انه كان يكبر و يصغر فكل شبه بما سنح له (مواهب ص ۳۶) یعنی مہرِ نبوت چھوٹی اور بڑی ہوتی رہتی تھی۔ ہر ایک نے جس حالت میں دیکھا اس جیسی چیز سے اس کو تشبیہ دے دی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے اپنے ذہن کے مطابق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے (خصائل)

(۳/۱۷) حَدَّثَنَا اَبُوْ مُصْعَبِ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا يُوْسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ رُمَيْثَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشَآءُ اَنْ اُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِنْ قُرْبِهٖ لَفَعَلْتُ يَقُوْلُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ اِهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ..

ترجمہ! ہمیں ابو مصعب مدنی نے بیان کیا۔ ان کو خبر دی یوسف بن ماجشون نے اپنے باپ کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت عاصم بن عمر بن قتادة سے لی۔ انہوں نے اپنی دادی

رمیثہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون سنا اور میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جُھوم گیا۔

راویانِ حدیث (۷۰) ابو مصعب المدنی رحمہ اللہ (۷۱) یوسف بن الماجشون رحمہ اللہ (۷۲) عن ابیہ (۷۳) عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہ اللہ اور (۷۴) حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

موضع استشهاد :

قالت سمعت رسول الله ﷺ ولو اشآء ان اقبل الخاتم الذی بين كتفيه من قربه لفعلت

حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا اور اگر میں چاہتی تو اس وقت آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں مبارک کے درمیان مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی روایت کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔ اس باب میں اس حدیث کے لانے کا مقصد بھی حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ بالا ارشاد ہے۔ **من قربه** کے الفاظ قابل توجہ ہیں حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کی غرض مہر نبوت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ اس بیان کے سننے اور سمجھنے میں مجھ سے کسی قسم غلطی، یا غلط فہمی کا امکان نہیں ہے۔

بارگاہ نبوت میں جس طرح مردوں کو قرب خاص حاصل تھا اسی طرح بمقتضائے شان رحمۃ اللعالمین کے خواتین کو بھی یہ عزت وسعادت حاصل تھی

چنانچہ حضرت رمیثہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ کہ اگر میں چاہتی تو آپ ﷺ کی مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی حضور اقدس ﷺ کی ان پر انتہائی شفقت ورافت اور کمال عنایت ورحمت کا مظہر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے مہر نبوت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ع

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر فخر ہے کہ جن سے میں نے آپ کے حسن و جمال کا نظارا کیا ہے۔ پڑ جاؤں اپنے پاؤں پر کہ پہنچایا تیرے کوچہ تک)

ایک اشکال کا جواب:

حضرت رمیثہؓ اجنبیہ خاتون تھیں جس کی نظر اجنبی مرد کے لئے حرام ہے۔ شیخ ابراھیم الیجوریؒ یہی سوال اٹھا کر تفصیل سے جواب دیتے ہیں کہ لا یقال نظر المرأة الا جنبية للأجنبي حرام لأنا نقول من خصائصه صلى الله عليه وسلم جواز نظر المراة الاجنبية له (مواھب ص ۳۷) یعنی یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اجنبی خاتون کا اجنبی مرد کو دیکھنا تو نا جائز ہے۔ اس لئے کہ اجنبی خاتون کا آپؐ کو دیکھنے کا جواز آپؐ کی خصوصیات میں سے تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ ۔ حضرت سعدؓ قديم الاسلام اور عظیم جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے ہجرتِ مدینہ سے قبل مصعب بن عمیرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا انصارِ مدینہ سے تعلق ہے۔ ہجرت سے قبل انصار مدینہ کے کئی لوگ مختلف اوقات میں حج کے ایام میں منیٰ کے مقام پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا حضرت سعدؓ بھی ان سعادتمند صحابہؓ میں سے ایک ہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ بارہ (۱۲) سرداروں کو اپنا نقیب مقرر فرمایا حضرت سعدؓ بھی اسی جماعت سے ہیں پھر ان ہی نقیبوں نے واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کیا تو بہت سے خوش نصیب ایمان لائے پھر اسی جماعت نے آپؐ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی آپؐ نے ان کی دعوت پر ہجرت کا فیصلہ کیا پھر وادی یثرب کو مدينة الرسول اور پہلا دارالاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ قد و قامت کے لحاظ بھی اونچے اور وجیہ تھے بدر میں شریک ہوئے ہجرت کے پانچویں سال جنگ خندق کے موقع پر زخمی ہوئے پھر ایک ماہ تک زندہ رہ کر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتوں نے شرکت کی تھی وشهد جنازته سبعون الف ملک (مواھب ص ۳۷)

ای فی شانه وبیان منزلته ومکانته عندالله تعالیٰ یعنی آپؐ حضرت سعد بن معاذؓ کی شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند مرتبہ ومقام کے بارے میں فرمارہے تھے۔ حضرت سعدؓ وہی عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق فیصلہ دیا تھا کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کردیا جائے ان کی خواتین اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے یہی وہ موقع تھا جب اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ سعد کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔ حضرت سعدؓ کی ۳۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

انتباہ !

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی اس قدر عظمتِ مقام اور بلند شان کے باوصف ایک حدیث کے مضمون کے مطابق قبر کی تنگی تھوڑی دیر کے لئے ان کو بھی پیش کی گئی بڑی عبرت کی جگہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے جتنے مناظر بھی دیکھے ہیں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہولناک پایا (خصائل)۔

اهتزله العرش کی تشریح :

حضرت رمیثہؓ فرماتی ہیں کہ جس روز حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا اسی روز اهتزّ له عرش الرحمن (رحمٰن کا عرش ان کے لئے ہل گیا) هزّ از باب نصر بمعنیٰ ہلانا اور حرکت دینا اهتزّ اس کا لازم ہے ہلنے اور متحرک ہونے کے معنیٰ میں ہے قلوب کے فرحت وانبساط اور دل کی خوشی ومسرت کو بھی اهتزاز کہتے ہیں کہ خوشی کی وجہ سے دلوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عرش رحمٰن میں حرکت کیوں پیدا ہوئی۔ شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یہ ہلنا استبشاراً بقدوم سعد تھا اس جنبش وحرکت کا مقصد حضرت سعدؓ کا استقبال تھا کہ اسلام کا جلیل القدر فرزند، نبیؐ کا جان نثار اور مخلص فدا کار اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے ان کی

آمدروح کی خوشی میں عرش بھی جھوم اٹھا۔

علامہ الیجوریؒ فرماتے ہیں ای استبشاراً وسروراً بقدوم روحہ (یعنی آپؓ کی روح کی آمد کی خوشی میں عرش جھوم گیا) جس وقت انتہائی سرور ولطف اور وجدانی کیفیت میں جسم وجان اور روح جھوم جھوم اٹھتی ہے اسی جھومنے کو اھتزاز کہتے ہیں۔

(۲) یہ اھتزازِ عرش غضباً علی قاتلہٖ (آپؓ کے قاتلوں پر غیظ وغضب کے اظہار کے لئے) تھا کفار کے ظلم، جبر اور نبی کریم ﷺ کے مخلص جان نثار کو بے دردی سے قتل کر دیئے جانے پر عرش رحمٰن میں غضب کی وجہ سے جنبش پیدا ہوئی اسے ان ظالم کفار پر غصہ تھا جنہوں نے حضور اقدس ﷺ کے مخلص شیدائی کو شہید کر دیا۔

(۳) یہاں پر مضاف محذوف ہے ای اھتز وفرح لقدومہ حملۃ العرش کہ آپؓ کی روح کی آمد پر حاملین عرش خوش ہوئے اور خوشی سے جھوم جھوم اٹھے یہ مجازی معنیٰ ہے تو حملۃ العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ (۴۰:۷) (جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں) وَتَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ (۳۹:۷۵) (آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے)۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سعدؓ کی وفات پر ان فرشتوں میں حرکت وجنبش پیدا ہوئی۔ جو حاملین عرش ہیں۔

(۴) یہ از قبیلہ اطلاق اسم المحل علی الحال (محل بول کر حال مراد لینا) کے ہے جیسے واسئل القریۃ (۱۲:۸۲) گاؤں سے پوچھ لو، مراد یہ ہے کہ گاؤں کے باشندوں سے پوچھ لو۔ اس طرح یہاں بھی عرش سے اہلِ عرش مراد ہیں (۵) اھتزاز عرش یہ کنایہ ہے از عظمت شان وفات حضرت سعدؓ قیل وھو کنایۃ عن تعظیم شان وفاتہ والعرب تنسب الشئی المعظم الی اعظم الاشیاء فتقول اظلمت الارض لموت فلان (جمع ص ۶۲) یعنی یہ حضرت سعدؓ کی وفات کی عظمتِ شان سے کنایہ ہے۔ عرب عظیم چیز کو سب سے بڑی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں فلان کی وفات سے زمین پر اندھیرا چھا گیا۔

ایک ضعیف توجیہ کی تردید و دلائل:

یہ روایت بخاری میں بھی اهتز له العرش کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں العرش سے مراد عرش المیّت ہے جنازہ میں لوگوں کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے حضرت سعدؓ کے سریر الجنازة (جنازہ کی چارپائی) کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا جس سے اس میں بہت حرکت پیدا ہوئی حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحتاً عرش الرحمن کی تصریح ہے نیز حضرت جابرؓ فرماتے ہیں .. کان بین الجیشین ضغائن یعنی دونوں قبائل کے درمیان باہمی کینہ وریاں تھیں ۔شارحین حدیث اس لفظ کی تشریح میں کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور حضرت براءؓ کا قبیلہ خزرج سے ۔ دونوں قبائل زمانہ جاہلیت میں باہمی جنگ وجدال، عداوت اور کینہ وری میں مبتلا تھے اس قدیم عداوت کی بناء پر قبیلہ اوس کی عظمت وفضیلت کو خزرجی زائل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ یہ تاویل کرتے ہیں۔

(۱) مگر یہ تاویل و توجیہ رحماء بینهم (کہ صحابہ کرامؓ آپس میں رحمدل ہیں) کی نص سے مردود ہے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں کسی سے کینہ کی بنا پر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد میں تحریف کریں۔

(۳) یہ بھی ایک محقق امر ہے کہ حضرت براءؓ بھی قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے خزرج سے نہیں دیکھیے تہذیب الکمال (ص ۱۹ ج ۳) اور تہذیب التہذیب (ص ۴۴۴ ج ۱)۔

رہی یہ بات کہ حضرت جابرؓ کا حضرت براءؓ کے اس قول اهتز السریر (کہ چارپائی نے حرکت کی) کے جواب میں یہ کہنا کہ کان بین الحیین ضغائن (کہ دونوں قبیلوں کے درمیان باہمی کینہ وریاں تھیں) اس کا کیا مطلب؟ تو اس کی توجیہ بھی علامہ عسقلانیؒ نے ان الفاظ میں بیان کی۔ وانما قال جابر ذلک اظهاراً للحق واعترافا بالفضل لاهله فکانه تعجب من البراء کیف قال ذلک مع انه اوسی ثم قال وانا وان کنت خزرجیاو کان بین الاوس والخزرج ما کان لم

یمنعنی من ذلک ان اقول الحق فذکر الحدیث بلفظ اهتز عرش الرحمن باضافة العرش الٰی الرحمن (جمع ص ٦٢) (اور حضرت جابرؓ کا یہ کہنا صرف حق بات کے اظہار اور براء کے خاندان کی فضیلت اور شرافت میں بطور اعتراف کے تھا گویا کہ حضرت جابرؓ حضرت براءؓ سے تعجب وحیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ براءؓ نے یہ کیسے کہا (کہ جنازہ کی چارپائی میں حرکت ہوئی) حالانکہ وہ بھی قبیلہ اوس میں سے ہیں (اور حضرت سعدؓ بھی اسی قبیلہ کے فرد ہیں) پھر حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں اگرچہ خزرجی ہوں اور قبائل اوس اور خزرج کے درمیان جنگ وجدال آپ سب کو معلوم ہے لیکن اس کے باوجود بھی مجھے اس حق بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر حضرت جابرؓ نے حدیث کے الفاظ کو اهتز عرش الرحمن باضافۂ عرش لفظ رحمٰن کو نقل فرمائے (یعنی حضرت سعدؓ کے موت کے دن عرش خداوندی حرکت میں آیا)

(۴) حضرت ابن عمرؓ بھی ایک مدت تک حضرت براءؓ کی طرح عرش سے مراد سریرِ میت لیتے رہے اور اسی کے قائل تھے حالانکہ وہ خزرجی نہ تھے اور اس میں قبیلہ کی نسبت کا کیا دخل؟

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو حضرت جابرؓ بیان فرمارہے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محقق ہے اس میں کسی قسم کی زیادتی وتحریف نہیں ہے حضرت براءؓ کو پورے الفاظ یاد نہیں۔

کیونکہ میں خزرجی ہوں اور حضرت سعدؓ اوسی ہیں۔ اوس اور خزرج میں مدتوں کینہ رہا تو ایک قبیلہ والا دوسرے مقابل کے قبیلہ کے فضائل میں زیادتی نہیں کرسکتا بلکہ پورا بیان کیا ہے کہ عرش الرحمن کے الفاظ تھے (تقریر ترمذی)۔

تتمہ بحث :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں قال الحاکم الاحادیث المصرحة باهتزاز عرش الرحمن مخرجة فی الصحیحین ولیس لمعارضها ذکر فی الصحیح (جمع ص ٦٢) (حاکم کہتے ہیں کہ جن

احادیث میں عرش رحمٰن کی حرکت کرنے کی تصریح ہے وہ صحیحین کی روایات ہیں اوان کے معارض مقابل روایات کا تذکرہ صحیح میں نہیں آیا)

غیر ذوی العقول کا ادراک:

ایک اوراشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ عرش جو غیر ذوی العقول میں سے ہے کیونکر متحرک ہوا، جنبش وحرکت میں کیسے آیا؟ شارحین کہتے ہیں کہ دنیا میں عقل وشعور سے کوئی چیز خالی نہیں حتیٰ کہ جمادات اور شجر وحجر بھی اپنی اپنی عقل کے مطابق اپنے ربّ کا ذکر اور تسبیح پڑھتے ہیں۔

وان من شئی الا یسبح بحمده(۱۷ : ۴۴) (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو)۔اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

روح المعانی (ص۸۳ ج۱۵) قرطبی (ص۲۶۶ ج۱۰) معارف القرآن (ص۴۷۵ ج۵)

اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حضوراقدس ﷺ کے دستِ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی تھی۔

علماءِ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں ہر چیز شعور و ادراک رکھتی ہے وان من الحجارة لما یتفجر منه الانهار (۲ : ۷۴) (اور پتھروں میں سے تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ نکلتی ہیں)۔وانّ منها لما یهبط من خشیة الله (اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ خشیت خداوندی سے گر پڑتے ہیں)

مگر ہر ایک کے عقل وشعور میں فرق ہے تاہم جن وانس کا ادراک اور عقل وشعور اس قابل تھا کہ ان پر بارامانت ڈال دیا گیا باقی اشیاء کے ادراک میں وہ معیار نہیں تھا کہ ان پر بارامانت ڈالا جاتا۔

(۱۸/۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ عَبْدَ ةَ الضَّبِّیُّ وَ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ عُمَربْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰی غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِّنْ وُلْدِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِهٖ وَقَالَ بَیْنَ كَتِفَیْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا احمد بن عبدۃ ضبی اور علی بن حُجر اور بہت سے لوگوں نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے اور انہوں نے روایت اخذ کی عمر بن عبداللہ سے، جو غفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا ابراہیم بن محمد نے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ من جملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی اور آپؐ خاتم النبیین تھے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو باب اول میں چھٹے نمبر پر درج ہے جس میں تفصیلی بحث اپنے مقام میں ہو چکی ہے۔

محل مہر نبوت:

وقال بین کتفیه خاتم النبوۃ .... حضرت علیؓ نے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

وھو خاتم النبیین ۔آپؐ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ مصنفؒ کی غرض حدیث کا یہ حصہ یہاں نقل کرنے سے یہ ہے۔ کہ **وذکر ھٰهنا الحدیث لتعیین مکان الخاتم وتاکید وجودہ** (اتحافات ص ۵۷) یعنی مہر کی جگہ کا تعین اور اس کے موجود ہونے کی تاکید۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **والمقصود من ایرادہ فی ھذالباب قوله بین کتفیه خاتم النبوۃ فانه یدل علی وجود الخاتم وتعیین محله من جسدہ صلی اللہ علیه وسلم** (جمع ص ۷۶) (اس حدیث کو باب ھذا میں لانے کا مقصد یہ قول ذکر کرنا ہے" بین کتفیه خاتم النبوۃ" یعنی آپؐ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اس سے مہر کی موجودگی اور آپؐ کے جسم میں ان کے مقام کا تعین بھی معلوم ہوگیا)۔

(۱۹/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَاصِمٍ اَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِیْ عِلْبَآءُ بْنُ اَحْمَرَ الْیَشْکَرِیُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْزَیْدٍ عَمْرُوبْنُ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَااَبَا زَیْدٍ اُدْنُ مِنِّیْ فَامْسَحْ ظَھْرِیْ فَمَسَحْتُ ظَھْرَہٗ فَوَقَعَتْ اَصَابِعِیْ عَلَی الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعْرَاتٌ مُّجْتَمِعَاتٌ .

ترجمہ! محمد بن بشار نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عاصم نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عزرہ بن ثابت نے خبر دی' وہ کہتا ہے کہ مجھے علباء بن احمر (یشکری) نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس بیان کیا (ابوزید) عمرو بن اخطب انصاری نے' وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی۔ علباء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔

راویانِ حدیث (۷۵) ابو عاصمؒ (۷۶) عزرۃ بن ثابت بن ابی زید الانصاریؒ (۷۷) علباء ابن احمد الیشکریؒ اور (۷۸) حضرت عمر ابن اخطب الانصاریؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوزیدؓ کو مسِ ظہر کا حکم:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا زید ... حضور اقدس ﷺ نے انہیں کنیت سے پکارا اور کنیت سے پکارنا' عزت واحترام' اکرام اور باعث شرف سمجھا جاتا تھا۔ ادنُ منی یعنی ذرا میرے قریب ہو جائیے فامسح ظھری اور میرے پشت پر ہاتھ پھیریئے۔

حضور اقدس ﷺ نے کسی ضرورت (کھجلی' خارش وغیرہ) کے تحت صحابی کو قریب آنے اور پھر کمر پر ہاتھ پھیرنے کا حکم فرمایا اور عام معمول انسانی میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے جسم کی ایک جگہ کھجانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر وہ کھجا نہیں سکتا دوسرے کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم علم بنور النبوۃ ان ابازید یرید معرفۃ کیفیۃ الخاتم فامرہ ان یمسح ظھرہ (مواھب ص ۳۸)۔

یعنی حضور اقدس ﷺ نے نور نبوت سے جان لیا کہ ابو زید مہر نبوت کی کیفیت معلوم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہذا ان کو اپنی پشت مبارک چھونے یا اس پر ہاتھ پھیرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضور اقدس ﷺ کی حضرت ابو زیدؓ کے لئے دعا :

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے لکھا ہے کہ جامع المصنف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے دعا بھی فرمادی تھی **اللھم جمّله** اے اللہ! ان کو زینت بخش دے۔

راوی کا بیان ہے **فعاش مائة وعشرين سنة وليس في راسه ولحيته الاشعرات بيض** (مواھب ص ۳۹) ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی ہوئی۔ مگر سوائے چند بالوں کے ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے۔ اور بیہقی کی روایت ہے کہ چہرہ پر ذرہ بھر شکن بھی نہ تھا بالکل صاف اور روشن جیسے جوانوں کا چہرہ ہوتا ہے۔

مہر نبوت کی تفصیلات :

فمسحت ظهره ' راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر ہاتھ پھیرا **فوقعت اصابعي على الخاتم** ہاتھ پھیرتے وقت میری انگلیاں مہر نبوت پر جا لگیں۔ **قلت**' علباء بن احمر شاگرد عرض کرتا ہے **وما الخاتم** مہر نبوت سے مراد کیا ہے؟

حضرت ابو زیدؓ نے فرمایا **شعرات مجتمعات** گویا بالوں کا ایک مجموعہ تھا حضرت ابو زیدؓ کے اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مہر نبوت کو آنکھوں سے نہیں دیکھا صرف ہاتھوں سے چھونے کی سعادت حاصل کی اور جو محسوس کیا وہی بیان کر دیا **وجواب ابي زيد لعلباء يدل على انه لم يره بعينه ' و انما حكى مالمسه من الشعر بيده 'ولعله الشعر الذي حول الخاتم قال القسطلاني ظاهره انه لم ير الخاتم بعينيه فاخبر عما وصلت اليه يده وهو الشعر** (اتحافات ص ۵۷) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ ابو زید کے جواب جو کہ اس نے علباء کو دیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے ہاتھ لگانے سے جو محسوس کیا (کہ

وہ مہر نبوت بالوں کا مجموعہ ہے) اس کی حکایت کردی۔

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابوزید نے بعینہ مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے جہاں اس کا ہاتھ بالوں کو پہنچا اس کی خبر کردی)

مہر نبوت کی روایات میں تطبیق :

شعرات مجتمعات کی تصریح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت بالوں کا گچھا تھا اور گوشت کا ٹکڑا نہیں تھا جبکہ اس سے قبل کی روایات میں اور دیگر روایات میں جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں میں تصریح ہے کہ **غدۃ حمراء** (سرخ گلٹی) تھی۔

محدثین حضرات تطبیق یوں کرتے ہیں کہ وہ یقیناً ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال پیدا ہوگئے تھے بعض روایات میں تصریح ہے مہر نبوت لحم (گوشت) تھا **وعلیھا شعرات** جس پر بال تھے لہذا تقدیر عبارت یوں بنے گی **ھو ذو شعرات او ھو الذی علیہ شعرات او فیہ شعرات** یعنی وہ بالوں والا تھا یا اس پر بال تھے یا اس میں بال تھے۔

مہر نبوت کے مقدار، حجم اور کیفیت کے متعلق بظاہر جو روایات کا تعارض ہے اور اس کا حل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل صفحہ نمبر ۲۰۲ پر بیان ہوچکی ہے۔

گلٹی جس پر بال اگے ہوں:

علی العموم یہ کہا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ پر تل (گلٹی) اور اس پر بال اُگے ہوئے ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص زیادہ تکلیف اٹھانے والا ہوگا اور اس کے گھر والوں کو اس کی وجہ سے مصیبت اور تکلیف پہنچے گی اور اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوگی اور واقعۃً یہ بات ثابت ہے جیسا کہ اس کا نمونہ خود حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے کہ آپؐ میں یہ ساری علامات پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ زیادہ مشقت اور تکالیف اٹھانے والی ہستی تھی، غلبہ دین کے لئے مختلف قسم کے شدائد و مصائب برداشت کیے۔

(۲) حضور اقدس ﷺ کا خاندان خود حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے مختلف النوع امتحانات اور مصائب کا ہدف بنا ہوا تھا۔

(۳) حضور اقدس ﷺ کا سانحہ ارتحال بھی بظاہر زہر کی وجہ سے ہوا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے فقد قال مازالت اکلة خیبر تعاودنی فهذا اوان انقطاع ابهری (مواهب ص ۳۹، مناوی ص ۷۷) (ہمیشہ خیبر والے لقمے (زہر آلود) کا اثر بار بار ظاہر ہوا کرتا پس یہی میری شہ رگ کٹنے (یعنی موت) کا وقت ہے)

(۶/۲۰) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثِ الْخُزَاعِيُّ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ حَدَّثَنِي اَبِي حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَقَالَ سَمِعْتُ اَبِي بُرَيْدَةَيَقُوْلُ جَآءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بِمَآئِدَةٍ عَلَيْهَا رُطَبٌ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاسَلْمَانُ مَاهٰذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ فَقَالَ اِرْفَعْهَا فَاِنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَآءَ الْغَدَبِمِثْلِهٖ فَوَضَعَهٗ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاهٰذَا يَاسَلْمَانُ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ ابْسُطُوْا ثُمَّ نَظَرَ اِلَى الْخَاتَمِ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ فَاٰمَنَ بِهٖ وَكَانَ لِلْيَهُوْدِ فَاشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا عَلٰى اَنْ يَّغْرِسَ لَهُمْ نَخِيْلًا فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيْهِ حَتّٰى تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ اِلَّا نَخْلَةً وَّاحِدَةً غَرَسَهَاعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَانُ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا غَرَسْتُهَا فَنَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهٖ .

ترجمہ! ابوعمار حسین بن حریث خزاعی نے بیان کیا، اُن کو خبر دی علی بن حسین بن واقد نے انہیں ان کے باپ نے روایت بیان کی اور اس نے عبداللہ بن بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ کہتے ہیں

کہ میں نے اپنے باپ بریدۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس پر تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے میرے پاس سے اٹھالو۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمانؓ کھجور کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے سوال پر سلمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ ۔پھر سلمانؓ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر مہرِ نبوت دیکھی تو مسلمان ہو گئے حضور اقدس ﷺ نے ان کو بہت سے دراہم کے عوض خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو مکاتب بنایا تھا اور بدل کتابت بہت سے دراہم قرار پائے اور نیز یہ شرط طے ہوئی کہ) حضرت سلمان ان یہود کے لئے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور ان درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک کا نہ تھا حضور اقدس ﷺ نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دستِ مبارک سے لگایا حضور اقدس ﷺ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

راویانِ حدیث (۷۹) ابوعمار الحسینؒ (۸۰) علی بن حسین بن واقدؒ (۸۱) حدثنی ابیؒ (۸۲) عبداللہ بن بریدۃؒ اور (۸۳) حضرت بریدۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اشکال سے جواب:

سمعت ابی بریدة یقول ۔عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدۃ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ یہاں بظاہر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابی بریدة ترکیب میں سمعت کا مفعول ہے تو قانون نحوی

کے لحاظ سے ابابریدۃ ہونا چاہئے۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وبریدۃ عطف بیان لابی او بدل منه لا مضاف الیه کماقد یتوھم (مواھب ص ۳۹) یعنی لفظ ابی بصورت مبدل منہ وغیرہ کے سمعت کا مفعول ہے نہ کہ ابی بریدۃ بصورت اضافت بلکہ لفظ بریدۃ تو عطف بیان یا بدل ہے ابی کا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اگر سمعت کا مفعول ابی بریدۃ بطور کنیت (اضافت) استعمال ہوا ہوتا (تب معنیٰ ہوتا میں نے ابی بریدۃ کو سنا) تو پھر بلاشبہ ابابریدۃ ہی آتا اور اشکال صحیح ہوتا۔ حالانکہ عبارت بالا میں لفظ ابی سمعتُ کا مفعول ہے اور اس کا اعراب تقدیری ہے۔

سلمان فارسیؓ کا تذکرہ!

جاء سلمان الفارسی الی رسول اللہ ﷺ حین قدم المدینة ... جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت سلمان فارسیؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فارس والے اسے را کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر عربی میں یہ را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں ایران اور اس کے ماوراء کو فارس کہتے ہیں نسبة لفارس لکونه منها او لغیر ذلک (مواھب ص ۳۹) (سلمانؓ کو فارسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ علاقہ فارس سے تھے یا کسی دوسری وجہ سے) ان کو سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے سئل عن ابیه فقال انا سلمان بن الاسلام (مواھب ص ۳۹) یعنی کسی نے حضرت سلمانؓ سے ان کے باپ کا نام پوچھا تو جواب دیا کہ ''سلمان بن الاسلام''۔ الفارسی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ فرسان سے ماخوذ ہے اور وہاں کے لوگ گھوڑ سوار تھے مگر یہ توجیہ زیادہ قرینِ قیاس نہیں کیونکہ فرسان بھی عربی لفظ ہے بلکہ یہ پرس سے ماخوذ ہے اگرچہ سلمان اصفہانی تھے اور اصفہان فارس میں نہیں مگر عرب کے ہاں بعض اوقات ماسوائے عرب کو بھی فارسی کہا جاتا ہے جو عجمی کے مترادف ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی ہیں وھو صحابی کبیر احدالذین اشتاقت لھم الجنة (مواھب ص ۳۹) (یہ ان پڑھ مرتبے کے صحابہؓ میں سے ایک صحابی ہیں جن کے

لئے جنت بے تاب ہے) جناب سلمان فارسی' فارس کے رہنے والے تھے' فارس اصفہان کے علاقہ کو کہتے ہیں آج کل یہ ایران میں ہے' آپ کا تعلق مجوس آتش پرستوں سے تھا تاہم آپ ابتداء ہی سے عبادت گزار ' زاہد اور راہبانہ طبیعت رکھتے تھے۔ تحقیقِ مذاہب پر کافی محنت کی صاحب علم تھے اسی لئے تلاش حق میں مصروف رہے آتش پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کی ایران سے عراق آئے' پادریوں اور راہبوں کی خدمت میں رہ کر وافر علم حاصل کیا۔ بغداد سے موصل' موصل سے نصیبین' نصیبین سے عموریا الغرض مختلف عیسائی عالموں اور راہبوں کی خدمت کی۔

عموریا کے پادری کے ہدایات:

عموریا میں جس پادری سے تعلق جڑا وہ پادری نہایت ہی خدا ترس' نرم دل اور کتب سماویہ کا بہترین عالم تھا جب وہ مرنے لگا تو جناب سلمان نے ان سے پوچھا کہ اب میں کس کے پاس جاؤں اس نے جواب دیا کہ عیسائی علماء ختم ہو چکے ہیں عرب میں دینِ ابراہیم کا داعی نبی آخر الزمانؐ پیدا ہوگا اور مدینہ شریف کی تمام نشانیاں ان کو بتلا دیں اور کہا کہ اس پیغمبر کی یہ علامت ہے کہ وہ صدقہ نہیں کھائے گا' ہدیہ قبول کرے گا اور اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ جناب سلمان عموریا سے نکل پڑے' اثنائے سفر میں چند تاجروں سے پالا پڑ گیا وہ ان کو مکہ مکرمہ لے آئے اور اپنا غلام ظاہر کر کے مدینہ منورہ کے بنی قریظہ کے قبیلے کے ایک یہودی زمیندار پر فروخت کر دیا اس یہودی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ جناب سلمان فرماتے ہیں کہ جو نشانیاں عموریا کے پادری نے بتائی تھیں مدینہ پاک میں وہ سب کی سب بعینہٖ موجود تھیں اب میرے دل میں وہی تلاش کا جذبہ امڈ آیا اور میں دریافت کرتا رہا کہ آیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو کہ حق کی معرفت عطا کرے اور ان علامتوں والی شخصیت مجھے مل جائے جو اس پادری نے بتلائی تھیں۔

سلمان بارگاہِ نبوت میں:

اس تلاش میں پتہ چلا کہ قبا میں ایک صاحب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں اور نبوت

کے داعی ہیں۔ میں اپنی شناخت کو پورا کرنے کے لئے ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھجوریں پیش کر کے عرض کیا کہ ,, یہ صدقہ آپ لے لیں ،، تو آپ ؐ نے فرمایا ,, اسے اٹھالیں ہم صدقہ نہیں کھاتے ،، دوسرے دن پھر اسی طرح کھجوریں حاضر کیں اور عرض کیا کہ ,, یہ تحفہ ہے قبول کر لیں ،، ارشاد فرمایا ,, اے صحابہؓ ! ہاتھ بڑھاؤ' یعنی کھاؤ اور سب میں تقسیم فرمائیں اب جناب کی دونوں شناختیں پوری ہوگئیں یعنی صدقہ نہیں لیا اور تحفہ قبول کر لیا اب تیسری شناخت باقی تھی کہ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوں حضور اقدس ﷺ بقیع کے قبرستان میں ایک جنازہ پر تشریف لے گئے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے جناب سلمان آپ کی پیٹھ کی طرف سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے نورِ نبوت سے جناب سلمان کے قلبی ارادہ کو ملاحظہ فرمالیا اور از راہِ شفقت وعنایت اپنی کمر مبارک سے کپڑا اٹھالیا بس پھر کیا تھا جناب سلمان کی کیفیت بدل گئی۔

سلمان مسلمان ہوگئے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا ہے کہ سلمان نے کہا کہ میں جوش میں اس پر (مہر نبوت) جھکا اور اس کو چوم رہا تھا اور رو رہا تھا ,, جب جناب سلمان کی تسلی ہوگئی ,, پس ایمان لے آئے ،، حضور شفیق امت ﷺ نے کچھ دن گزر جانے کے بعد جناب سلمانؓ سے فرمایا کہ اپنے آقا سے اس غلامی کا مکاتبت پر فیصلہ کرلو چنانچہ جناب سلمانؓ نے دو باتوں پر یہودی سے فیصلہ کر لیا پہلی شرط یہ تھی کہ چالیس اوقیہ سونا ادا کرے' دوسری شرط یہ تھی کہ اس یہودی کے باغ میں تین سو درخت کھجور کے بوئے اور جب تک وہ پکا کھانے کے قابل پھل نہ لائیں تو جناب سلمانؓ ان کی چوکیداری کریں جب ان کی دونوں شرطیں پوری ہوں تو پھر جناب سلمانؓ غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ جناب سلمانؓ نے یہ دونوں شرطیں اپنے آقا و مولیٰ' ملجاء و ماویٰ' ہادی برحق ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیں آپ ﷺ خود بنفس نفیس اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور جناب سلمانؓ ایک ایک پودا آنجنابؐ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضور ﷺ اپنے بابرکت ہاتھوں سے وہ پودے لگاتے یہاں تک کہ سوائے ایک پودے کے تمام پودے لگا دیئے ,, وہ ایک پودا جناب حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا۔ یہ

آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ ایک برس کے اندر اندر آپ ﷺ کا لگایا ہوا باغ پھلا پھولا اور پھل دینے لگا مگر وہ ایک پودا جو عمر فاروقؓ نے لگایا تھا پھل نہ لایا،، یہ حضور پاک ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا جس نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ارشاد ہے کہ ''آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس درخت کو کیا ہوا،، جناب سیدنا عمر فاروقؓ نے عرض کیا ,,یا رسول اللہ ﷺ اس کو میں نے بویا تھا،، سیدنا دو عالم ﷺ نے اس پودے کو اکھیڑ کر پھینک دیا اور پھر اپنے دست مبارک سے وہاں دوسرا پودا لگا دیا'' فرماتے ہیں کہ ''وہ اسی سال پھل لے آیا'' سبحان اللہ۔

حضور اقدس ﷺ کے معجزات ہیں کہ بارانِ رحمت کی طرح برس رہے ہیں اِدھر آپ ﷺ کے خیال مبارک میں کوئی بات آئی اُدھر معجزانہ طور پر وہ پوری ہو جاتی اس واقعہ میں یہ دوسرا معجزہ تھا اور تیسرا معجزہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ سونا آیا جو کہ تھوڑا تھا آپ ﷺ نے وہ سونا جناب سلمانؓ کو دے دیا کہ اس میں سے مالک کو چالیس اوقیہ دے دیں (ایک اوقیہ بروزن چالیس درہم ہے اور ایک درہم چار ماشے کا ہوتا ہے) جناب سلمانؓ نے عرض کیا کہ ''حضور یہ ناکافی ہے'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اسی سے پورا فرما دے گا،، جناب سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی سے چالیس اوقیہ سونا پورا کر کے اپنے یہودی مالک کو دے دیا'' گویا حضور اقدس ﷺ نے ہی جناب سلمانؓ کی بدلِ کتابت خود ادا فرمائی۔

مائدة کی حقیقت:

بمائدة علیها رطب... جب حضرت سلمان فارسیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے پاس ایک خوان تھا جس پر کچھ تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں۔ **مائدة** اسم فاعل ہے (ضرب کے باب سے) بمعنی میلان کے یعنی مائل ہونے والا۔ یہاں پر خوان کو **مائدة** کہا گیا یہ مجازاً ہے کیونکہ خوان یعنی **مائدة** مائل نہیں ہوتا بلکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ **یعنی مائدة الیها الناس وقال العسقلانی قد تطلق المائدة علی کل مایوضع علیه الطعام لانها مما تمید ای تتحرک . ولا تختص بوصفٍ مخصوص ای لیس بلازم ان تکون خواناً** (جمع ص ۷۹) یعنی

جس کی طرف لوگ مائل ہوں اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ کبھی مائدہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے نیز یہ کسی خاص صفت کے ساتھ مختص نہیں ہوتا لہذا ضروری نہیں کہ یہ خوان ہو۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمشهور عند ارباب اللغة ان المائدة خوان عليه الطعام فاذا لم يكن عليه طعام فلا يسمىٰ مائدة فعلى هذا قوله عليها رطب لتعيين ماعليها من الطعام (جمع ص ۷۹) یعنی اہلِ لغت اس خوان کو مائدہ کہتے ہیں جس پر کھانا چنا جائے جب دسترخوان پر طعام نہیں ہوگا تو اسے مائدہ بھی نہیں کہیں گے اس لئے "عليها رطب" کہہ کر اس کی تعیین کی جارہی ہے کہ اس پر طعام تھا۔ بہر حال مائدہ' تب مائدہ کہلاتا ہے جب اس پر کھانا چنا گیا ہو۔

اختلافِ اوصاف سے اشیاء کے اسماء بدل جاتے ہیں:

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں۔ قال ابن الانباری فی کلام العرب اشياء تختلف اسماؤهاباختلاف اوصافها فمن ذلک انهم لايقولون لما عد لتقديم الطعام عليه مائدة الا ان يوضع عليها الطعام ولا يقال للبستان حديقة الا ان كان عليه حائط ولا للقدح كاس الا اذا كان فيه شراب ولا للبير اريكةالا اذا كان فيها ماء ولا يقال للدلو سجلا الا وفيها ماء ولا يقال لها ذنوب الا اذا كانت ملاولاللاناء كوزا لا اذا كان له عروة ولا للمجلس ناد الا وفيه اهله ولا للسرير ركية الا وعليه حجلة ولا للمراة ظعينة الا مادامت راكبة فی الهودج ولا للسترخدرا الا اذا اشتمل على امراة ولا للقدح سهم الا اذا كان فيه نصل وريش ولا للطبق مهدى الا مادامت فيه الهدية ولا للشجاع كمي الا اذا كان شاكى السلاح ولا للقناة رمح الا اذا ركب فيها السنان ولا للصوف عهن الا اذا كان مصبوغاً ولاللسرب نفق الا اذا كان مخروقاً ولا للخيط سمط الا اذا كان فيه نظم ولا للحطب وقداً الا اذا وقدت فيه النار ولا للثوب مطرف الا اذا كان فی طرفه علمان ولا لماء الفم رضاب الا مادام فی الفم ولا للمرءة عانس ولا عاتق الا ما دامت فی بيت ابويها (مناوی ص ۷۹) (ابن الانباری فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے نام ان کے صفات کے بدلنے سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مائدہ ہے کہ خوان کو اس وقت مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا چنا جائے اور بستان کو حدیقہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کے گرد دیوار ہو،

قدح کو کاس تب کہتے ہیں جب اس میں مشروب ہو، کنویں کو اریکہ تب کہتے ہیں جب اس میں پانی ہو اور ڈول کو سجل اس وقت کہتے ہیں جس وقت اس میں پانی موجود ہو اور اس کو تب ذنوب کہتے ہیں جب وہ بھرا ہوا ہو، برتن کو کوز اس صورت میں کہتے ہیں جب اس میں دستہ لگا ہو، اور مجلس کو ناد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں اہلِ مجلس جمع ہو، چار پائی کو رکیۃ تب کہتے ہیں جب اس پر حجلہ ہو، عورت کو ظعینہ اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہودج میں سوار ہو، پردہ کو خدر اس وقت تک نہیں کہتے جب تک اس کے اندر عورت نہ ہو، قدح اس صورت میں نیزہ کہلاتا ہے جب اس میں پھل اور پر لگی ہو، طبق کو مھدی تب کہتے ہیں جب اس میں ہدیہ ہو، شجاع (بہادر) کو کمی تب کہتے ہیں جب وہ ہتھیار بند ہو، قنات کو نیزہ تب کہتے ہیں جب اس میں پھل ہو، روئی کو عھن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگا ہوا ہو، سرب کو سرنگ تب کہتے ہیں جب اس میں سوراخ ہو، دھاگے کو سمط تب کہتے ہیں جب اس میں دانے پروئے گئے ہوں۔

لکڑی کو وقد تب کہتے ہیں جب اس سے آگ بھڑکائی جائے، کپڑے کو مطرف تب کہتے ہیں جب اس کے کنارے پرنقش ہوں، منہ کے پانی کو رضاب اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ منہ کے اندر ہو اور عورت کو عانس اور عاتق اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں۔

کھجور طعام ہے یا فاکھہ:

جب یہ طے ہوا کہ خوان بغیر طعام کے مائدہ نہیں کہلایا جاتا تو علیھا رطب (کہ اس پر تر کھجور تھیں) (جو مائدہ کی صفت ہے) سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھجور طعام ہے فاکھہ (پھل) نہیں، البتہ جو لوگ اسے فاکہہ کہتے ہیں تو وہ یہاں مائدۃ کو مجازی معنیٰ پر حمل کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **وعلی القول بانہ من الفواکہ ولیس بطعامٍ استعیرت المائدۃ ھنا للظرف او استعملت للخوان** (جمع ص ۷۹)۔

مختلف روایات کی تطبیق :

یہاں پر **علیھا رطب** کی تصریح ہے جبکہ مسند احمد اور طبرانی میں ہے **فاحتطبت حطباً فبعته فصنعت طعاماً فاتیت به النبی ﷺ** (میں نے لکڑیاں چن کر ان کو فروخت کیا اور اس کے پیسوں سے کھانا تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا) طبرانی میں ایک دوسری روایت میں **فاشتریت لحم جزورٍ بدرھم ثم طبخته فجعلت قصعة ثرید فاحتملتھا علی عاتقی ثم اتیت بھا الخ** (میں نے اونٹ کا گوشت ایک درھم میں خرید کر پکایا پھر اس کا ثرید بنا کر اپنے کندھے پر اٹھا کر آپؐ کے پاس لے آیا) جبکہ طبرانی ہی کی ایک روایت میں **وعلیھا تمر** کہ اس خوان پر کھجور تھے نقل ہوا ہے۔

شارحینِ حدیث اس تعارض سے جواب دیتے ہیں۔

(۱) **تعدّد اشیاء، تعدّد واقعه** (چیزوں کا مختلف ہونا واقعہ کے متعدد ہونے) پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) ممکن ہے سب چیزیں رکھی ہوں **و ان المائدة کانت رطباً وثریداً ولحماً** (کہ دستر خوان پر کھجور تھے، ثرید بھی تھا اور گوشت بھی رکھا ہوا تھا) کسی نے ایک چیز بیان کی، کسی نے دوسری اور کسی نے تیسری۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں **وخص الرطب لکونه المعظم واما روایة التمر فضعیفة** (مناوی ص ۷۹) (یہاں رطب کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ قابل قدر و عزت تھی اور جس روایت میں تمر (خشک کھجور) کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے)

سلمان کو نام سے پکارا :

فوضعھا بین یدی رسول الله ﷺ فقال یا سلمان ماھذا حضرت سلمانؓ نے وہ خوان حضور اقدس ﷺ کے سامنے رکھا آپؐ نے دریافت فرمایا۔ سلمان! یہ کیا چیز ہے؟

شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ یہ تو اولِ ملاقات تھی پھر آپؐ نے سلمانؓ کا نام کیونکر لیا، ملا علی قاریؒ اس کی پانچ توجیہات بیان فرماتے ہیں۔

(۱) انوارِ نبوت کا فیضان تھا کہ آپ ؐ کو ان کا نام معلوم ہوا۔

(۲) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی آمد سے قبل آپ ؐ کو ان کا نام بتلا دیا ہوگا۔

(۳) خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان کا نام پوچھ لیا ہوگا (اور ہو سکتا ہے کہ از خود سلمان نے ملاقات کرتے ہی اپنا تعارف بھی کرادیا ہو اور نام بھی بتا دیا ہو از مؤلف)۔

(۴) حاضرین مجلس جو حضرت سلمانؓ کو جانتے تھے ان کو دور سے دیکھتے ہی آپ ؐ سے ان کا تعارف کرادیا ہو۔

(۵) اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے قبل ان کی آپ ؐ سے ملاقات بھی ہوئی ہو اور جان پہچان بھی (جمع ص ۷۹)۔

ماھذا؟ سے غرض سوال کیا تھی؟

اس استفہام سے خوان کی ماہیت یا طعام کی حقیقت سے سوال نہیں بلکہ یہ **کیف جئت به** (اس کو کیسے لائے ہو) کے معنیٰ میں ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **فالمقصود بالسؤال الغرض الباعث له علی اتیانه ووضعه** (جمع ص ۸۰) یعنی اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان کو لانے اور رکھنے کا باعث اور غرض کیا ہے۔

صدقہ اور ھدیہ کی بحث:

فقال صدقة علیک وعلی اصحابک الخ سلمان فارسیؓ نے عرض کیا حضور! یہ آپ کے لئے اور آپ کے اصحاب کے لئے صدقہ ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اس کو اٹھا لو ہم صدقہ نہیں کھاتے حضرت سلمانؓ نے وہ خوان اٹھا لیا اور اگلے روز ویسا ہی خوان لے کر حاضرِ خدمت ہوئے آپ ؐ کے سامنے رکھا آپ ؐ نے پھر پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کی **ھدیة لک** آپ ؐ کے لئے ھدیہ ہے تب آپ ؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کھولو اور بچھا دو خود بھی تناول فرمایا اور جو صحابہؓ موجود تھے انہوں نے بھی کھانا کھایا۔

صدقہ مالی عبادت ہے جو مالی لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف جاتا ہے وتکون من الاعلیٰ الی الادنیٰ (جمع ص ۸۰) ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مالی حیثیت اور دولت دی ہوتی ہے وہ اپنی توفیق واستطاعت کے مطابق مساکین فقراء اور غرباء کی امداد کرتا ہے صدقہ میں تقرّب الی اللہ اور رضاء الٰہی مقصود ہوتی ہے۔ زکواۃ بھی صدقہ ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ (بے شک صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) میں زکواۃ کے مصارف کا بیان ہے اور زکواۃ کو صدقہ کہا گیا ہے۔ ھدیہ علی العموم مالی لحاظ سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جاتا ہے جس کی غرض بزرگوں کی خوشحالی، محبت ومروت اور تحبب غیر ہوتا ہے یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور بظاہر تحبب الی اللہ بالتبع ہے تحببّ غیر اللہ کے لئے جائز ہے مگر تصدق لغیر اللہ جائز نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے افضل الاعمال بعد الفرائض ادخال السرور فی قلب المسلم یعنی فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے بہترین عمل کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا ہے۔ اس بنیاد پر ھدیہ میں ثواب تو ملتا ہے مگر اصل مقصود اعزاز مسلم ہے جبکہ صدقہ میں متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہو) کا اعزاز مقصود نہیں ہوتا۔

ایک علمی فائدہ:

قال صدقۃ علیک وعلی اصحابک اس میں علیک اور پھر اس کے بعد علی اصحابک کی توضیح اس لئے کی تاکہ آپ ؐ خود تناول نہ فرماویں تو صحابہ کرامؓ کو دیدیں اور یہ بھی احتمال تھا کہ اگر فقط علیک کہا جاتا تو تکبر کے احتمال کی وجہ سے ردّ ہو جاتا اور نبوت کی پہچان نہ ہوتی کہ ردّ کس وجہ سے ہوا ہے آیا اس لئے ہوا کہ آپ ؐ نبی ہیں یا تکبر کی وجہ سے رد کیا ہے علی اصحابک کی تصریح سے تکبرانہ ردّ کا احتمال ختم ہو گیا کیونکہ یہ صدقہ خصوصی نہیں تھا۔

صدقہ اٹھانے کی توجیہہ:

ارفعھا میں ضمیر مائدہ کو یا صدقہ کو راجع ہے۔ یہاں پر بھی یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب صدقہ آپ ؐ

کے لئے مخصوص نہ تھا تو اس کو اٹھانے کا حکم کیوں دیا گیا وہ صدقہ صحابہ کرامؓ کو کیوں نہیں دیا۔
شارحین کہتے ہیں کہ ارفعها کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے واپس لے جاؤ، کوئی بھی نہیں کھائے گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ میرے سامنے سے یا میرے پاس سے اٹھالو۔ انه قال عني لا مطلقاً (مواهب ص ۴۰) (کہ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھا تو مطلق اٹھانے کا حکم نہیں فرمایا)

صیغہ جمع متکلم لانے کی توجیہات:

انا لا ناكل الصدقة (ہم صدقہ نہیں کھاتے) متکلم مع الغیر کے صیغہ سے تعبیر فرمائی۔
(۱) مراد معشر الانبیاء ہیں جو صدقہ نہیں کھایا کرتے ای نحن معاشر الانبياء (جیسا کہ ایک قول یہی ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ صدقہ نہ کھانا حضور اقدس ﷺ کا خاصہ ہے تو پھر لفظ فانّا لا نأكل (کہ ہم نہیں کھاتے) علی طریق التعظیم لایا گیا ہے۔
(۲) یا اس سے آپؐ اور آپؐ کے اقارب مراد ہیں او انا واقاربي من بني هاشم والمطلب او الضمير للعظمة (جمع ص ۸۰) (یا جمع متکلم سے مراد آپ ﷺ اور ان کے دوسرے رشتہ دار بنو ہاشم و بنو عبد المطلب مراد ہیں یا پھر ضمیر جمع متکلم آپ ﷺ کی عظمت کے لئے ہے)

لفظِ ابسطوا کا معنیٰ وتشریح:

ابسطوا شارحین حدیث نے اس کے چار احتمال نکالے ہیں۔
(۱) الطعام مفعولؒ مقدر ہے بسط بمعنیٰ نشر کے ہے ای انشروا الطعام ليصله كل منكم فيكون من بسطه بمعنى نشره. یعنی طعام کو پھیلا کر رکھ دو تا کہ تم میں سے ہر ایک کو پہنچ جائے لہٰذا یہاں بچھانا، پھیلانے کے معنیٰ میں ہے۔ (۲) الايدي مفعول مقدر ہے ای مدوا ايديكم للطعام فيكون من بسط يده اى مدها یعنی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاؤ لہٰذا اس صورت میں بسطِ ید سے ہاتھ کا بڑھانا مراد ہوگا۔ (۳) المجلس مفعول مقدر ہے ای وسعوا المجلس ليدخل بينكم سلمان فيكون من بسط الله الرزق لفلان وسعه. یعنی مجلس میں توسع پیدا کرو تا کہ سلمان بھی آپ کے درمیان میں بیٹھ جائے

لہٰذا اس صورت میں ابسطوا کالفظ "بسط اللہ الرزق لفلان" کے قبیل سے ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں آدمی کے لئے رزق میں وسعت کی ہے۔

(۴) لفظِ سلمان مفعول ہے ابسطوا بمعنی سرّوا کے ہے ای سرّوا سلمان باکل طعامہ فیکون من بسط فلان فلانا سرہ (مواھب ص ۴۱) (کہ تم سلمان کو اس کا کھانا کھالینے سے خوش کرو تو یہ ازقبیل "بسط فلان فلانا" کے ہوگا یعنی فلاں نے فلاں کو خوش کردیا)

بعض روایات میں انشطوا آیا ہے بعض میں انشقوا منقول ہے (مواھب ص ۴۱)۔

بہرحال ان تمام روایات اور مذکورہ احتمالات کے باوصف یہ حقیقت مسلّم ہے کہ حضور اقدس ؐ نے اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مل کر یہ ھدیہ تناول فرمایا۔

ھدیہ لینے والے کے لئے عملِ مستحب:

اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ھدیہ دیئے جانے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حاضرین مجلس کو بھی ھدیہ میں شریک کرے۔ جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کا مضمون بھی یہی ہے من اھدی لہ ھدیۃ فجلساء ہ شرکاء ہ فیھا (کہ جس شخص کو کوئی ہدیہ (تحفہ) پیش کیا جائے تو اس کے ہمنشین اس میں اس کے شریک ہوں گے) جلساء سے مراد بھی ہمیشہ کے ہمنشینِ مجلس ہیں وقال الترمذی فی الاصول المراد بھم الذین یداومون مجلسہ ویعتکفون بابہ ویتفقدون امورہ لا کل من جالسا فی ذلک الوقت (جمع ص ۸۲) (امام ترمذیؒ الاصول میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اس کی مجلس میں حاضر رہتے ہوں اور اس کے دروازے پر موجود ہوتے ہوں اور اس کی خدمت میں لگے رہتے ہوں نہ کہ اس وقت میں ہر شریکِ مجلس۔

ھدایا میں اشتراک کا مسئلہ:

شارحینِ حدیث نے یہاں پر ایک بحث یہ بھی کی ہے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ صدقہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صدقۃ علیک وعلی اصحابک (تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر یہ صدقہ ہے) جب دوسری دفعہ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کیا ھدیۃ لک (یہ تیرے

لئے ہدیہ ہے)دوسری مرتبہ حضرت سلمانؓ نے صحابہ کرام کا نام نہیں لیا مگر آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر وہ کھانا تناول فرمایا اس سے ھدیہ میں اشتراک کی بات پیدا ہوئی کہ جب ھدیہ میں صراحتاً ھدیة لک کہا گیا جو صرف آپؐ ہی کی ذات کے لئے تھا پھر اس میں صحابہ کرامؓ کو کیوں شریک کیا گیا۔ شارحینِ حدیث نے اس سلسلہ میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔

(۱) مسلکِ اولیاء یا مسلک صوفیاء یہ ہے کہ ھدیہ میں اشتراک نہیں ہے۔

(۲) فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر ھدیہ کھانے پینے کی اشیاء پر مشتمل ہے تو اس میں اشتراک موجود ہے اگر درہم و دنانیر ہیں تو اس میں اشتراک نہیں ہے۔البیجوریؒ نے اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کسی ولی کے پاس ھدیہ لائے تو مجلس میں بیٹھے ایک صاحب نے کہا "**الھدایا مشترکة** "(کہ ہدیئے اور تحفے مشترک ہوتے ہیں) تو اس بزرگ نے جواب میں کہا "**انا لا نحب الاشتراک** " یعنی ہم ھدایا میں اشتراک کو پسند نہیں کرتے۔وہ سمجھا کہ یہ بزرگ ہمیں کچھ دینا ہی پسند نہیں کرتے اور سارا ھدیہ خود ہی رکھنا چاہتے ہیں ادھر یہ ایسی بات سوچ ہی رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا اگر تم پسند کرو تو سارے کا سارا ھدیہ تم ہی لیجاؤ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو کیونکہ یہی ہمارا مسلک ہے کہ ھدایا میں اشتراک نہیں ہوتا چنانچہ وہ صاحب اس پر راضی ہو گئے مگر ھدیہ بہت زیادہ تھا کہ خود نہیں لے جا سکتے تھے چنانچہ اس بزرگ نے اپنے خدام و متعلقین کو حکم دیا کہ سارا ھدیہ اس صاحب کے گھر تک پہنچا دیں۔اس تفصیلی قصہ سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ صوفیاء کے مسلک میں ھدیہ میں اشتراک نہیں ہے (مواھب ص ۴۱)

دوسرا قصہ امام ابو یوسفؒ کا لکھا ہے کہ ان کے پاس کوئی صاحب ھدیہ لایا مگر یہ ھدیہ طعام نہیں تھا بلکہ نقدی تھی حاضرین مجلس میں کسی نے "**الھدیة مشترکة** " (ھدیہ تو حاضرین میں مشترک ہوتا ہے) کی آواز بلند کی فقال ان "ال" **فی الھدیة للعھد والمعھود ھدیة الطعام** (مواھب ص ۴۱) یعنی الھدیة میں الف لام عہدی ہے اور معہود طعام ہے گویا ھدیہ میں اگر کھانے پینے کی اشیاء ہوں

تو اشتراک ہے اگر دراہم و دنانیر ہوں نقدی ہو تو اس میں اشتراک نہیں ہے

شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں فانظر مابین مسلک الاولیاء ومسلک الفقہاء من الفرق (مواہب ص۴۱) یعنی مسلکِ اولیاء اور مسلک فقہاء میں فرق کو ملاحظہ فرمایئے۔

ھدیہ کہاں سے آیا؟

بعض حضرات نے یہاں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ حضرت سلمانؓ تو غلام تھے ان کے پاس ھدیہ کہاں سے آیا؟ آیا یہ ان کی ذاتی ملکیت بھی تھا یا نہیں اور اگر یہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں تھا تو پھر آپؐ کو اس کا کھانا کیونکر جائز ہوا؟ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) حضرت سلمان فارسیؓ اپنے مالک کی طرف سے عبد ماذون تھے۔ مگر یہ ایک امکانی یا احتمالی توجیہ ہے۔

(۲) مالک نے ان پر روزانہ کی ایک مقرر مقدار کا وظیفہ مقرر کرلیا تھا کہ وہ خود کمائے اور ایک خاص مقدار میں رقم مالک کو دے باقی جو بچے وہ اس کی اپنی ہو، یہ بھی امکان اور احتمال کی حد تک ایک جواب ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اصلاً آزاد تھے دھوکہ (خداعاً) سے ان کو غلام بنالیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اگر آزاد مرد کو جبراً اور خداعاً غلام بنالیا جائے تو شرعاً وہ غلام نہیں کہلاتا لہٰذا حریت کی صورت میں اپنی اشیاء پر اس کی ملکیت بھی درست ہوگی گویا انہوں نے اپنی ملکیت سے آپؐ کو ھدیہ پیش فرمایا تھا۔

ہدیہ کب قبول کرنا چاہئے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سلمانؓ کا ھدیہ تحبب کے لئے تھا فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب تک حرمت کا یقین نہ ہو ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا (مومنوں پر نیک گمان رکھو) کی رُو سے ہر مسلمان کا ہدیہ قبول کرنا چاہئے (تقریر ترمذی)۔

کیا سلمان فارسی کی خرید جائز تھی؟

یہاں پر یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ اگر وہ حر تھے تو پھر حضور اقدس ﷺ نے ان کو کیوں خریدا تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خرید حقیقی بیع نہ تھی بلکہ صلح کی غرض سے اور ظلم کے نجات کے لئے انہیں بظاہر خرید لیا تھا ورنہ درحقیقت یہ ایک تعاون کی صورت تھی۔

مہرنبوت کی زیارت:

ثم نظر الی الخاتم ... پھر سلمان فارسیؓ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک پر مہرِ نبوت کو دیکھا اور آپؐ پر ایمان لے آئے۔

اس طویل حدیث کے لانے سے یہی جملہ مقصود ہے کہ ترجمۃ الباب کا انعقاد بھی اسی مقصد کے لئے ہے ثم تراخی کے لئے ہے۔ مذکورہ دو علامات نبوت کے دیکھنے کے بعد اب تیسری علامت یعنی مہر نبوت کے دیکھنے کے لئے بے چین ہوئے اور انتظار کرنے لگے۔

ملا علی قاریؒ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ نقباء انصار میں ایک صحابیؓ کا انتقال ہوا حضور اقدس ﷺ نے ان کے جنازہ کے ساتھ مشایعت کی اور **بقیع الغرقد** (مدینہ شریف کا قبرستان) میں تشریف لے گئے پھر اسی جگہ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کی تدفین کا انتظار کرنے لگے اس دوران حضرت سلمان فارسیؓ حاضر خدمت ہوئے اور پشت کے پیچھے سے آئے تاکہ مہرِ نبوت کی زیارت کر سکے حضور اقدس ﷺ نے ان کے ارادہ کو بھانپ لیا یا آپؐ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا **فالقی الرداء عن ظهره فنظر سلمان الی الخاتم** (جمع ص ۸۳) یعنی آپؐ نے اپنے پشت مبارک سے چادر کو ہٹایا اور سلمان نے مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ آپؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرطِ محبت سے مہر نبوت کو چوم لیا۔ **فامن به** پس حضرت سلمان آپؐ پر ایمان لے آئے۔ یہاں پر **فا ' ماسبق من الآیات الثلاث** کے مجموعہ پر متفرع ہے یعنی تورات میں جو تینوں اوصاف بتائے گئے تھے وہ سب دیکھ لیے تو فوراً ایمان لے آئے **فلما تمت الآیات و کملت العلامات آمن به** (مواہب ص ۴۲)

مسئلہ بیع وشرط:

حتی تطعم اطعام (افعال) سے ہے اس کا ایک معنیٰ تو معروف ہے یعنی کھانا کھلانا مگر جب یہ شجر کے ساتھ استعمال ہو تو معنی ہے پھلدار ہو جانا والمعنیٰ حتی تثمر یقال اطعمت النخلة اذا اثمرت (جمع ص ۸۴) یعنی حتی تطعم کا معنی ہے" یہاں تک کہ وہ پھلدار ہوا، کہا جاتا ہے اطعمت النخلة، جب وہ پھلدار ہو جائے۔ اس معاملہ پر بظاہر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے نهی رسول الله ﷺ عن بيع وشرط لہذا فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں دوسرا یہ بھی ہے کہ اس معاملہ میں خدمت بھی مجہول ہے۔

محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں فاشتراه میں لفظِ اشتراء مجازاً واقع ہوا ہے درحقیقت یہ بیع اور شراء تھی ہی نہیں جیسے ابھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے بلکہ یہ تو بدلِ کتابت تھی اور بدلِ کتابت میں یہ معاملہ ٹھہرا تھا جیسا کہ مسند احمد کی روایت،، وكاتب يا سلمان (اے سلمان تو مولیٰ کے ساتھ مکاتب بن جانے کا معاملہ کر لے) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے جس میں بدل کتابت دراھم اور غرس قرار پایا چونکہ وہ خود ادانہیں کر سکتے تھے حضور اقدس ﷺ نے ان کی مدد فرمائی

(۲۱/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا بِشْرُبْنُ الْوَضَّاحِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَقِيْلِ الدَّوْرَقِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ الْعُوْفِيُّ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ فَقَالَ كَانَ فِيْ ظَهْرِهِ بِضْعَةٌ نَاشِزَةٌ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن وضاح نے خبر دی۔ بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعقیل دَوْرَقی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابونضرۃ عوفی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کا پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ آپ کی پشت پر ایک گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

راویانِ حدیث (۸۴) بشر بن الوضاحؒ (۸۵) ابوعقیل الدورقیؒ (۸۶) ابونضرۃؒ اور (۸۷) حضرت

ابوسعید خدریؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابوسعید الخدریؓ کی وضاحت:

یعنی خاتم النبوة کے الفاظ سے توضیح کردی کہ خاتم سے مراد مہر ختم نبوت ہے ای لا الخاتم الذی کان فی یدہ الشریفة (مواهب ص ۴۳) یعنی وہ انگوٹھی مراد نہیں جو آپؐ کی انگلی میں ہوتی تھی۔

بضعة ناشزة کی توضیح:

فقال کان فی ظهرہ بضعة ناشزة .. حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ مہرِ نبوت حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک میں گوشت کا ابھرا ہوا لوتھڑا تھا۔ بضعة کا معنی گوشت کا ٹکڑا کیونکہ ب ض ع کے مادہ میں قطع کا معنی موجود ہے درانتی کو اسی لئے مِبْعَضة کہتے ہیں کہ وہ کاٹتی ہے۔ ناشزة کا معنی مرتفعة (ابھرا ہوا) ہے کہ ن ش ز کے مادہ میں ارتفاع ہے اسی سے وان خافت من زوجها نشوزاً او اعراضاً (۴:۱۲۸) (اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے) آیا ہے کیونکہ کل واحد من الزوجین یعلو صاحبه ویخالفه یعنی اختلاف کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے پر بلند ہونے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بضعة سے مراد ''قطعة لحم'' (گوشت کا ٹکڑا) اور الناشزة سے مراد المرتفعة ہے ولا تعارض بین "فی ظهرہ" وبین کتفیه" کما هو الظاهر (اتحافات ص ۶۱) (اور حدیث میں لفظ فی ظهرہ (کہ مہر نبوت پیٹھ میں تھی) یا بین کتفیه (دونوں کندھوں کے درمیان تھی) میں کوئی تعارض نہیں جیسے کہ ظاہر ہے (کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی مقام ہے)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں۔

(۱) کان کی ضمیر خاتم کی طرف راجع ہے اور بضعة ناشزة موصوف صفت مل کر کان کی خبر ہے اور فی ظهرہ جار مجرور کان کے متعلق ہے۔ (۲) یا بضعة کان کا اسم ہے اور فاصلہ کی وجہ سے تذکیر کان جائز ہے اور فی ظهرہ اس کی خبر ہے (۳) یا بضعة کان کا اسم ہے اور ناشزة اس کی

خبر ہے اور فی ظھرہ ناشزۃ کے متعلق ہے (تقریر ترمذی)۔

(۸/۲۲) حَدَّثَنَا اَبُوالاَشْعَثِ اَحْمَدُبْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِیُّ الْبَصْرِیُّ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ نَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهٖ فَعَرَفَ الَّذِیْ اُرِیْدُ فَاَلْقَی الرِّدَآءَ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَاَیْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلٰی كَتِفَیْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِیْلَانٌ كَاَنَّهَا ثَآلِیْلُ فَرَجَعْتُ حَتّٰی اسْتَقْبَلْتُهٗ فَقُلْتُ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَلَكَ فَقَالَ الْقَوْمُ اَسْتَغْفَرَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ..

ترجمہ! ہمیں ابوالاشعث احمد بن مقدام عجلی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حماد بن زید نے عاصم الاحول کے حوالے سے۔ انہوں نے عبداللہ بن سرجسؓ سے یہ روایت نقل کی وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ کے پاس اس وقت مجمع تھا میں نے اس طرح حضور اقدس ﷺ کے پسِ پشت چکر لگایا حضور اقدس ﷺ میرا منشاء سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی میں نے مہر نبوت کی جگہ کو آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہمشکل دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے پھر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ پاک تیری بھی مغفرت فرمائے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اقدسؐ نے تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائی میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لئے بھی اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ اے محمد ﷺ مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی۔

راویانِ حدیث (۸۸) ابوالاشعث احمد بن مقدامؒ (۸۹) حماد بن زید (۹۰) عاصم الأحولؒ اور (۹۱) حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ درتُ کا معنیٰ !

فدرت هکذا من خلفه .. حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس طریقے سے آپؐ کے پیچھے گھومنے لگا گویا صحابیؓ نے بالفعل چکر لگا کر دکھایا۔ درت ' دوران سے ماخوذ ہے وهو الطواف بالشئی یقال دار حول البیت یدور دوراناً طاف به ودوران الفلک تواتر حرکاته بعضها اثر بعض من غیر ثبوت ولا استقرار (مناوی ص ۸۷) یعنی اس کا معنی ہے کسی چیز کے گرد گھومنا کہا جاتا ہے "دار حول البیت" جب اس کے گرد گھومنے لگے اور "دورانِ الفلک" فلک کے متواتر حرکات کو کہتے ہیں جس میں وقفہ اور ٹھہراؤ نہ ہو۔

هکذا کی مراد:

هکذا سے مراد کی تعیین میں بھی شارحین نے توجیہات کی ہیں۔

(۱) اشارة لکیفیة دورانه (۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے یہ حدیث مسجد نبوی میں بیان کی ہو جہاں بوقت ملاقات حضور اقدس ﷺ تشریف فرماتے اور هکذا سے اس مکان کی طرف اشارہ کیا ہو جہاں سے وہ آپؐ کی جانب پشت کی طرف آئے تھے۔

حضورؐ کو کیسے معلوم ہوا :

فعرف الذی ارید پس حضور اقدس ﷺ نے میرے رویۃِ خاتم (مہر نبوت کو دیکھنے) کے ارادہ کو نور نبوت سے یا خود میرے مضطربانہ دوران (گھومنے) سے جان لیا ای بنور النبوة او بقرینة الدورة (جمع ص ۸۷).

مہر نبوت ایک تھی:

فرأیت موضع الخاتم علی کتفیه الخ المراد بالخاتم هنا الطابع الذی ختم به جبرئیل حین شقّ صدره الشریف فانه اتی به من الجنة وطبع به حینئذٍ فظهر خاتم النبوة الذی هو قطعة لحم (مواهب ص ۴۴) یعنی اس عبارت میں "خاتم" سے وہ مہر مراد ہے جس سے حضرت جبرئیلؑ نے شقِ

صدر کے موقع پر (آپؐ کے کندھے کے قریب) مہر لگائی تھی۔ جبرئیلؑ اس مہر کو جنت سے لے کر آئے تھے۔ یہ مہر، مہر نبوت جو کہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس عبارت کے الفاظ "علی کتفیه" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتفین پر دو خاتم تھے چنانچہ بعض حضرات کا یہ قول بھی ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ بین کتفیہ سے یہاں پر راوی کی مراد یہی ہے کہ مہر نبوت ایک تھی جو کندھوں کے درمیان ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای بینهما کما فی اکثر الروایات وھو من باب ارادة المقید بالمطلق واکثرا لروایات بالتثنیة لکن ورد بالافراد (مناوی ص ۸۸) یعنی کتفین سے مراد یہ ہے کہ مہر ان دونوں کے درمیان میں تھی جیسا کہ اکثر روایات میں ہے اور یہ مطلق بول کر مقید مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ اکثر روایات میں (کتفین) تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے تاہم صیغۂ مفرد کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد قریباً من کتفه الایسر وقال العسقلانی السر فی وضع الخاتم علی جھة کتفه الایسر ان القلب فی تلک الجھة (جمع ص ۸۷) (مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت بائیں کندھے کے قریب تھی۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بائیں کندھے کے قریب مہر رکھنے میں راز یہ ہے کہ دل اس طرف واقع ہوتا ہے)۔

ملاعلی قاریؒ نے یہاں دو واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

شیطان کی جگہ کہاں ہے؟

ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو اسے خواب میں ایک بلوری جسد دکھایا گیا جس کا اندر باہر سے صاف نظر آتا تھا اور شیطان بصورت مینڈک دکھایا گیا جو بائیں کاندھے پر دل کے مقابل بیٹھا تھا اور مچھر کی طرح اس کی سونڈھ تھی جسے وہ اس کے دل میں داخل کر کے وسوسہ اندازی کر رہا تھا مگر جونہی وہ اللہ کا ذکر کرتا شیطان اپنی سونڈھ کو سمیٹ لیتا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی رب تعالیٰ سے انسانی جسم میں شیطان کے قیام کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو انہیں شیطان دکھایا گیا جس کا سانپ کی طرح سر تھا واضع رأسه علی ثمرة القلب (کہ وہ اپنے سر کو انسان کے وسطِ دل پر رکھے ہوا تھا) جب بندہ ذکر کرتا ہے وہ اسے پیچھے ہٹا لیتا ہے اور جب ذکر ترک کر دیتا ہے تو وہ پھر اس قلب پر قبضہ جما لیتا ہے عن ابن عباس قال یولد الانسان والشیطان جاثم علی قلبه فاذا ذکر اسم الله خنس واذا غفل وسوس ۔ (جمع ص ۸۸)
(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قبضہ جمائے بیٹھا ہوتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب انسان ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے)

لفظِ الجُمع کی توضیح:

مثل الجُمعِ ' بند مٹھی ' مکا اور مشت کو جمع کہتے ہیں قال حماد جمع الکف وجمع حماد کفه وضم اصابعه (جمع ص ۸۸) بظاہر مقصد تشبیه فی الهیئة ہے یعنی ہیئت میں کہیں کہیں خطوط بھی تھے اور کہیں ابھرا ہوا تھا ویفهم من ذلک ان فیه خطوطاً کما فی الاصابع المجموعة (مواهب ص ۴۴) یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت پر لکیریں تھیں جیسا کہ تمام انگلیوں پر ہوتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے ویحتمل ان یکون تشبیهاً به فی المقدار ویحتمل ان یکون تشبیهاً فی الهیئة المجموعة وهو انسب لیوافق قوله زرا الحجلة (جمع ص ۸۸) یعنی اس کا احتمال ہے کہ بند مٹھی کے ساتھ مقدار میں تشبیہ مقصود تھی یا مجموعی ہیئت میں اس کے ساتھ تشبیہ مقصود تھی اور یہ احتمال زیادہ راجح ہے تاکہ اس قول '' زرالحجلة'' کے ساتھ موافق ہو۔

خیلان وثآلیل کا معنیٰ:

حولها خیلان کائنها ثآلیل ... خیلان ' خال کی جمع ہے وهو الشامة فی

الجسد (جمع ص ۸۸) جسے ہم اپنی زبان میں تِل کہتے ہیں ثـآلیل ' قنادیل کےوزن پر ہے ثؤلول کی جمع ہے بمعنی مسّہ گوشت کےتِل برابر ابھرا ہوحصہ جو چنے کے برابر بڑھا ہوا ہوتا ہے وھی الحبة التی تـظهر فی الجلد مثل الحمصة فما دونها (وہ چھوٹے دانے (تِل) جو چنے یا اس سے کم جو چمڑے میں ظاہر ہوتے ہیں) حضوراقدس ﷺ کے مہر نبوت کے تِل جسم سے ابھرے ہوئے تھے سیاہ کے بجائے سرخ رنگ کے تھے۔

حضورؐ کے لئے دعاء مغفرت کامفہوم :

غفر الله لک یا رسول الله۔حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے تھے کہ پھر میں حضوراقدس ﷺ کے سامنے آگیااور میں نے یہی دعائیہ کلمات عرض کیے یہ دعا'عزت واکرام اورترحم کے لئے بھی آتی ہے امتی کی جانب سے حضوراقدس ﷺ کے لئے ان دعائیہ کلمات کی محدثین نے متعدد توجیہات کی ہیں (۱) خبر دینا غرض ہے تو یہ لیغفرلک الله ماتقدم من ذنبک کی طرف اشارہ ہے اس وقت یہ جملہ خبر یہ ہوگا جس سے تصدیق نبوت کی طرف اشارہ ہے اور اسے جملہ دعائیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں خبر مطابق لقوله تعالیٰ لیغفرلک الله ماتقدم من ذنبک وما تاخر اوانشاء ارید بـه زیادة المغفرة اوثباتها له اوالمغفرة لامته المرحومة (جمع ص ۸۸) یعنی یا تو یہ خبر ہے باری تعالیٰ کے اس قول" تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کرے"(۴۸:۳) یا یہ انشاء ہے اوراس سے مغفرت کی زیادتی مراد ہے یا آپؐ کے لئے اثباتِ مغفرت مراد ہے یا آپؐ کی امتِ مرحومہ کے لئے مغفرت کا اثبات مراد ہے۔

یہ دعائیہ کلمات'عزت وترحم کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور عربوں کا یہی محاورہ ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے۔کہ باری تعالیٰ کی مغفرت غیر متناہی ہے تو معنیٰ ہوں گے زا د مغفرتک

لفظ ولک کی تشریح:

فقال ولک ای وغفـرالـله لک بالخصوص ایضاً حیث استغفرت لی اوسعیت لرؤیة خاتمی اوآمنت بی وانقدت لی وقیل هذا من مقابلة الاحسان بالاحسان ولا شک ان دعائه افضل

من دعائه حقيقة وان كان دونه صورة فلاينا فيه قوله تعالىٰ واذا حييتم بتحيّة فحيّوا باحسن منها (جمع ص ۸۸) یعنی آپؓ نے عبداللہ بن سرجس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ آپ کی بھی مغفرت فرمائے بوجہ اس کے کہ آپ نے میرے حق میں استغفار میں کیا یا آپ نے میری مہر کو دیکھنے کی کوشش کی یا اس وجہ سے کہ آپ مجھ پر ایمان لائے ہیں۔۔اور ایک توجیہہ یہ ہے کہ یہ احسان کے مقابلے میں احسان کرنے کے قبیل سے ہے بلاشبہ آپؐ کی دعا ان کی دعا سے حقیقت میں افضل اور بہتر ہے اگر چہ ظاہراً اس سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہے۔لہٰذا یہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے ''اور جب تم کو دعا دیدے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر (۸۶:۴)

فقال القوم استغفرلک رسول الله ﷺ... قوم سے مراد وہ جماعت ہے جن کے سامنے حضرت عبداللہ بن سرجس نے بات کی تھی یا اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں استغفرلک میں ہمزہ وصلی ہے مگر مراد استفہام ہے . بهمزة الوصل والقصد الاستفهام (مواهب ص ۴۴).

حضرت عبداللہؓ کی رؤیت و لقاء اور سماع :

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے یہ استفسار اس لئے بھی کیا کہ بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن سرجس صحابی نہیں ہیں اور اگر حضور اقدس ﷺ کو ایمان کے ساتھ دیکھا ہے تو سماع ثابت نہیں اس لئے پوچھا گیا کہ کیا واقعی آپ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے دعاء مغفرت کی ہے تو جواب میں فرمایا کہ میری ہی تخصیص کیا ہے فقال نعم ولكم یعنی تمہارے لئے بھی دعا کی پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی کہ واستغفر لذنبک وللمومنين والمومنٰت وبالجملة المقصود من هذا الاستفهام والاستخبار تثبيت رؤية عبدالله بن سرجس النبي ﷺ وصحبته معه . وقال ابو عمر لا يختلفون في ذكره في الصحابة ويقولون له صحبة على منهبهم في اللقاء والرؤية والسماع (جمع ص ۸۹) یعنی ''آپ اپنی (اس ظاہری) خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی'' (۱۹:۴۷)

خلاصہ یہ کہ اس استفہام اور استخبار سے مقصود یہ تھا کہ عبداللہ بن سرجسؓ نے بلاشبہ آپؐ کو دیکھا تھا اور آپؐ کی صحبت ان کو ملی تھی۔ ابوعمر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے ان کو شمار کرنے میں اختلاف نہیں ہے اور محدثین کے نزدیک عبداللہ بن سرجسؓ کی آپؐ کے ساتھ ملاقات، آپؐ کی رؤیت اور سماع ثابت ہے۔ اور صحابی رسولؐ نے آیت اس لئے پڑھی کہ اللہ کے رسول پوری امت کے لئے استغفار پر مامور تھے۔

حضوراقدس ﷺ کا استغفار:

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضوراقدس ﷺ تو صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم ہیں پھر قرآن کریم کی تصریح بھی ہے کہ لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک تو پھر واستغفرلذنبک (اور آپ ﷺ اپنی خطاء کی بخشش مانگیئے) سے مراد کیا ہوگی؟

ملاعلی قاریؒ نے خوب تفصیلی اور تسلی بخش جواب لکھا ہے، فرماتے ہیں۔

(۱) شاید یہ آیت لیغفرلک اللہ الخ سے پہلے نازل ہوئی ہو۔

(۲) اس میں امت کے لئے تسلی اور امت کی تعلیم غرض ہے۔

(۳) او استغفاره من الخطرات القلبية التی هی من لوازم البشرية تنبيهاً علی انها بالنسبة اليه صلی الله عليه وسلم کالذنب بالنسبة الی غيره ومنه قول ابن الفارض "

وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاکَ اِرَادَةٌ

عَلٰی خَاطِرِیْ سَهْواً حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ (جمع ص۹۰)

یعنی آپؐ کا استغفار کرنا ان قلبی وذہنی خیالات میں سے ہے جو کہ ایک انسان کے لوازمات ہوتے ہیں، اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ آپؐ کی حق میں خطا کی طرح ہے۔ اسی قبیل سے "ابن الفارض" کا یہ شعر بھی ہے۔

ترجمہ! اگر میرے دل میں بھول سے بھی آپ کے ماسوا کا خیال وارادہ آجائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں گا۔

(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ استغفار سے عصمتِ موھوبہ پر ثبات واستحکام کی درخواست ہے وان کان مامون العاقبة رعاية لقاعدة الخشية فانها نهاية سلوک المخلصين وغاية عبودية المقربين (جمع ص ۹۰) یعنی اگرچہ آپؐ برے انجام سے مامون اور محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ استغفار کرتے تو یہ استغفار کرنا خشیت کے قاعدے کے مطابق تھا، کہ خشیت مخلصین کی منزل کی انتہاء ہوتی ہے اور مقربین کی عبادت کی معراج ہوتی ہے۔

(۵) استعمالِ مباحات سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ہے ثم لتسئلن يومئذٍ عن النعيم (۱۰۲ . ۸) (پھر البتہ پوچھے جاؤ گے تم اس دن نعمتوں سے)

(۶) عبادات جیسے کہ ان کا حق ہے، میں تقصیر کے تصور سے استغفار پڑھتے تھے ولذا قيل حسنات الابرار سيئات المقربين (جمع ص ۹۰) (اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ نیکوکار لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہِ خداوندی کی سیئات شمار ہوتی ہیں)

(۷) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ امت کے گناہوں سے استغفار کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کا استغفار امت کے لئے بمنزلہ شفاعت کے ہے۔

(۸) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وقيل المراد ما كان من سهو وغفلة او ما تقدم لا بيک آدم مما يشبه الذنب وما تاخر من ذنب امتک (مناوی ص ۹۰) یعنی ''ذنب'' سے مراد یہ ہے کہ جو بھول چوک اور غفلت سے ہوئی ہو یا اس جیسی خطا کی طرح جو آپؐ کے باپ حضرت آدمؑ سے سرزد ہوئی تھی اور جو خطائیں آپؐ کی امت سے ہونے والی ہیں۔

مہر نبوت کی مزید تفصیل:

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ولی اللہ حافظ ابوزرعہ عراقی سے پوچھا گیا کیا مہر نبوت حضرت محمد مصطفی ﷺ کے خصائص میں سے تھی اور کیا جب آپؐ پیدا ہوئے یہ اس وقت تھی اور جب دفن ہوئے تو ساتھ تھی انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ سوائے آپؐ کے کسی بھی دوسرے نبی کی یہ خصوصیت نہ تھی اور نہ ہی یہ محو ہوئی کیونکہ آپ کے ساتھ ہی پیدا ہوئی۔

وورد ان جبـرئيـل عليه السلام ختمه واما دفنه معه فلا شک فيه فانه قطعة من جسده والاشارة به الیٰ انه خاتـم الانبيـاء والله اعلم ۔ اور روایت ہے کہ جبرئیلؑ نے آپؐ کو یہ مہر لگائی اور آپؐ کے ساتھ دفن ہوئی کیونکہ آپ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا تھا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے واللہ اعلم۔ (مناوی ص ۹۰)

===

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! باب رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے بیان میں

(۲۳/۱) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی نِصْفِ اُذُنَیْہِ ۔

ترجمہ! ہمیں علی بن حجرؒ نے بیان کیا۔ ان کو اسماعیل بن ابراہیم نے حُمید کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی، وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

راوی حدیث (۹۲) اسماعیل بن ابراہیم کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

خلاصہ مضامین :

باب ماجاء .. اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر بالوں کی اس کیفیت کا ذکر ہے کہ وہ کتنے لمبے اور کتنے چھوٹے تھے' زیادہ تھے یا تھوڑے نیز آپؐ کے بالوں پر تیل لگانے اور مانگ نکالنے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے اگرچہ آپؐ کے بالوں مبارک کا بیان گذشتہ ابواب کی احادیث میں ضمناً گذر چکا ہے اب اس باب کے تحت مصنفؒ مستقلاً ان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

عقد الامام الترمذی هذا الباب لاخبار الواردة فی شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم طولاً وقصراً وکثرة وقلة وعن کیفیة تسریحهٖ او تفریقهٖ (الاتحافات ص ۶۴) (امام ترمذیؒ نے اس باب کا عنوان ان احادیث کے متعلق باندھا جو آپ ﷺ کے سر کے بالوں مبارک کے بارے میں

وارد ہوئے ہیں یعنی ان کی کیفیت بلحاظ قلت و کثرت اور لمبے چھوٹے ہونے، مانگ نکالنے، تیل لگانے وغیرہ کے بیان میں ہے)۔

لفظِ شعر (بال) باب نصر سے آتا ہے جمع شعرات آتی ہے۔

سر کے بال اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے ابن العربیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سر پر بال رکھنا زینت ہے ان کا چھوڑنا سنت ہے اور ان کا مونڈنا بدعت ہے قال ابن العربی والشعر فی الرأس زینة وترکه سنة وحلقه بدعة (مواھب ص ۴۵)۔

نیز انہوں نے شرح المصابیح کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حدیبیہ کے، عمرۃ القضا اور حجۃ الوداع کے سالوں کے بال نہیں منڈوائے اور سوائے ایک بار کے بال کم نہیں کرائے (کما فی الصحیحین) (جیسے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے۔

صاحب مواھب کے الفاظ یہ ہیں قال وفی شرح المصابیح لم یحلق النبی رأسه فی سنی الهجرة الا فی عام الحدیبیة و عمرة القضاء وحجة الوداع ولم یقصر شعره الا مرة واحدة کما فی الصحیحین (مواھب ص ۴۵)

نصفِ کانوں تک بال:

قال کان شعر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیه کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔ دراصل جس صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کی جو صورت دیکھی ویسے ہی بیان کر دی حضرت انسؓ نے نصف کان تک دیکھے تو ان کا ذکر کر دیا اس سے تطبیق بین الاحادیث بھی آجاتی ہے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ والمراد من هذاالشعر هو الذی جمع و عقص وقیل المرادمعظم شعره او فی بعض الاحوال اوحین لا یفرق شعره فلا ینافی الاحادیث الدالة علی کونه بالغاً منکبیه و واقعاً علیهما (جمع ص ۹۰) (اور بالوں کا نصف کانوں تک ہونے سے مراد وہ بال ہیں جو مجتمع اور اکھٹے کیے گئے ہوں اور یا مراد زیادہ بال ہیں یا پھر بعض اوقات واحوال

میں ایسے ہونے کا ذکر ہے یا اس وقت جس وقت مانگ نکلی ہوئی نہ ہوتی ہو اس لئے ان توجیہات کر لینے کی صورت میں یہ روایت ان روایات واحادیث کے منافی نہ ہوگی جن میں آپ ﷺ کے بالوں مبارک کا کندھوں تک پہنچنا یا کندھوں پر ہونا مذکور ہے)

اس موقع پر شیخ عبدالروفؒ نے لکھا ہے ففی الصحیح عن ابی سعید ان النبی ﷺ ذکر قوماً یکونون فی امته یخرجون فی فرقةٍ سیماهم التحالق (مناوی ص ۹۰) (حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا جو آپؐ کی امت میں ایک فرقہ کی صورت میں پیدا ہوں گے ان کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ سر منڈوائے ہوئے ہوں گے)۔

....

(۲۴/۲) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيّ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَ دُوْنَ الْوَفْرَةِ ..

ترجمہ! ہمیں هناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے اخذ کی اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک ایسے پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں ان سے زیادہ تھے اور اُن سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے تھے۔

راویانِ حدیث (۹۳) عبدالرحمٰن بن ابی الزنادؒ (۹۴) ھشام بن عروہؒ (۹۵) عن ابیہؒ اور (۹۶) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت کنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ من اناءٍ واحد ... کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ افادت الحکایة الماضیة بصیغة المضارع استحضارًا للصورة المتقدمة واشارة الی تکراره واستمراره ای اغتسلت مکرراً (جمع ص ۹۱) (کہ حضرت عائشہؓ کا گذشتہ واقعہ کو بصیغہ فعل مضارع نقل کرنے میں سابقہ (اغتسالؐ) کی صورت کا استحضار اور اس کے استمرار اور تکرار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یعنی (ہم دونوں کا ایک برتن سے غسل کرنا) کئی بار کیا ہے)

زوجین کا ایک برتن سے غسل:

من اناء واحد کو امام بخاریؒ نے قدح سے تعبیر کیا ہے وحدده البخاری بالقدح (اتحافات ۶۵) (امام بخاریؒ نے اناء کی تعبیر قدح (کاسہ) سے کی ہے) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) بعض علماء کرام نے مردوں کے لئے فضل المرأة (عورت کے بقیہ اورزائد) پانی سے غسل کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی مردوں کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔ وعلیه الجمهور (جمع ص ۹۲) (جمہور علماء کا یہی مذہب ہے)

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین کے لئے فضل الرجل (مرد کے بقیہ) پانی کے ساتھ طہارت جائز ہے اور اس کے بالعکس ناجائز ہے۔

(۳) بعض نے عدم جواز کو ان کے علیحدہ علیحدہ خلوت میں پانی کے استعمال کی صورت میں بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کی صورت پر حمل کیا ہے اور جواز کو اس صورت پر حمل کیا ہے جب دونوں اکٹھے غسل کریں۔

تطبیق کی صورتیں:

وعلی تقدیر صحة الجمیع یمکن الجمع بحمل النهی علی ما تساقط من الاعضاء والجواز علی مابقی فی الاناء بذلک جمع الخطابی وجمع بعضهم بان الجواز فیمااذا اغترفامعاً والمنع فیما اذا اغترف احدهما قبل الآخر وبعضهم حمل النهی علی التنزیه والفعل علی الجواز وهو الظاهر والله اعلم بالسرائر (جمع ص ۹۲) یعنی اگر ان تمام نہی اور جواز کی صورتوں کو درست تسلیم کرلیا جائے تو بھی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نہی کو اس پانی کے استعمال پر محمول کیا جائے جو اعضاء (کے

دھونے) سے گر جائے اور جواز کو اس پانی پر محمول کیا جائے جو برتن میں بچ جائے، علامہ خطابیؒ نے اسی طرح مختلف روایات کو جمع کیا ہے اور بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ میاں، بیوی کا ایک ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرنا تب جائز ہے جب دونوں ایک ساتھ چلو سے پانی اٹھائیں اور ممانعت اس صورت میں ہے جب ایک، دوسرے سے پہلے چلو بھر لے۔ بعض نے نہی کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے اور آپؐ کے فعل کو جواز پر اور یہی ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ہی بھیدوں اور حقیقتِ حال کو بہتر جانتے ہیں۔

ایک برتن سے غسل اور مسئلہ ستر:

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) ایک برتن سے غسل میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ غسل یکے بعد دیگرے کیے ہوں ۔ ومن المعلوم تقدمه صلى الله عليه وسلم كما هو شأن الادب . یعنی اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے پہلے غسل کیا ہوگا جیسا کہ ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔

(۲) اور اگر یکجا غسل کرنے کی صورت فرض کر لی جائے تو یقیناً دونوں کے درمیان حجاب ہوگا كما هو الظاهر من جمال حالها و كمال حيائهما (جیسا کہ یہی ان دونوں کے کمال حیا کا تقاضا بھی ہے اور ظاہر بھی)

(۳) اور تقدیرِ تکشف کی صورت میں یقیناً ایک دوسرے کی عورت پر عدم نظر ہوتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے عن عائشة رضى الله عنها ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا تھا) جبکہ حضور اقدسؐ تو سیدہ عائشہؓ سے زیادہ حیا والے تھے وقد ورد ایضاً فی روایة عنها مارأیت منه ولا رأى منى يعنى الفرج (جمع ص ۹۱) یعنی نہ تو میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو دیکھا تھا اور نہ آپؐ نے میری شرمگاہ کو دیکھا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو

حضرات ننگے نہاتے تھے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کا محل ستر اور آپؐ نے میرا محل شرم کبھی نہیں دیکھا نیز برتن کے ایک ہونے سے بھی اس پر حجت نہیں اس کی کئی صورتیں ایسی بنتی ہیں کہ غسل بھی ہو جائے اور دوسرے کے سامنے ننگا بھی نہ ہونا پڑے البتہ اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل)۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد :

بعض معتزلی فکر رکھنے والے اور بعض منکرین حدیث، ایسی احادیث کو بہت ہی غلط معانی پہناتے ہیں جن سے ایک مومن کا دل دکھ جاتا ہے حضور اقدس ﷺ تو مجسمہ شرم وحیا تھے اللہ تعالیٰ ایسی بے ہودہ، غلط عقیدوں اور باتوں سے اپنی امان میں رکھیں، مزید تنویر وتوضیح کے لئے استاذی المکرّم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد گرامی بھی مِن وعَن نقل کردیا جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ایک برتن پر جمع ہو جاتے تھے اور بعض اوقات مرد پہلے وضو کر لیتے عورتیں بعد میں اور کبھی عورتیں پہلے اور مرد بعد میں جس کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں تین صورتیں اصل الاصول (بنیادی) ہیں۔

(۱) **فضل طهور رجل** (۲) **فضل طهور مرأة** (۳) **فضل طهور هما** (۱) مرد کے طہور (وضو غسل) کا بقیہ پانی (۲) عورت کے طہور کا بقیہ پانی (۳) دونوں کے طہور کا بقیہ پانی)

مذکورہ ہر سہ صورتوں میں طہور عام ہے جو غسل اور وضو دونوں کو شامل ہے اس اعتبار سے چھ صورتیں متحقق ہوتی ہیں پھر ان چھ صورتوں میں مرأة (عورت) عام ہے جو اجنبی وغیر اجنبی دونوں کو شامل ہے لہذا ۲×۶ کے نتیجے میں ۱۲ صورتیں متحقق ہوتی ہیں اب اگر ایک برتن سے وضو کرتے وقت یا غسل کے وقت ایسے مرد عورتیں جمع ہو گئے جو آپس میں محارم تھے یا زوجین تھے یا اجنبی تھے، تو اس صورت میں سب کا وضو یا غسل بالاتفاق جائز ہے اور **فضل طهور الرجل للمرأة** (مرد کے طہور کا بقیہ پانی عورت کیلئے) کی صورت بھی بالاتفاق جائز ہے اور **فضل طهور المرأة للرجل** کہ عورت نے اس برتن سے وضو کیا یا غسل، اس کے بعد مرد اسی کاسہ میں بچے ہوئے پانی سے غسل یا وضو کرنا چاہے تو اس صورت میں

اختلاف ہے۔امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ فضل طهور المرأة للرجل (عورت کے طہور (وضوغسل) کے بقیہ پانی کو مرد کے لئے) کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فضل طهور المرأة للرجل (عورت کے طہور (وضوغسل) کے بقیہ پانی کو مرد کیلئے) کی دونوں صورتوں (وضو اور غسل) کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں گو بارہ صورتوں میں صرف دو صورتیں ایسی ہیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ کا اختلاف ہے باقی دس صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ اگر مرد اور عورتیں دونوں بیک وقت ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو جائز ہے۔امام طحاویؒ اپنی کتاب شرح معانی الاثار میں اس کی وجہ جواز تحریر فرماتے ہیں کہ جب رجال ونساء ایک جگہ پڑے برتن سے وضو کریں، چلو سے پانی لیتے ہیں یا کسی چھوٹے برتن سے اور اپنے بدن پر ڈالتے ہیں اولاً تو وہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں پانی کے بہانے میں محتاط رہتے ہیں اور اگر کسی فریق (مرد یا عورت) سے اس میں بے احتیاطی ہو جاتی ہے تو دوسرا اس کو ٹوک سکتا ہے لہذا اس صورت کے پیش نظر مرد و عورت دونوں کو اطمینان ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

كنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ... حدیث باب عورتوں اور مردوں کے اکٹھا وضو کرنے کے جواز پر دال ہے اور اگر دونوں اجنبی تھے تو ان کا پردہ ضروری ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے یہ ایک مستقل بحث ہے جو اپنے مقام پر آئے گی۔

اغتسل سے گو"غسل" کا جواز ثابت ہو رہا ہے مگر یہ بھی اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وضو بھی جائز ہے کیونکہ غسل جائز ہے تو لامحالہ وضو تو بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

امام طحاویؒ نے اس حدیث سے طهور فضل الماء (بقیہ پانی کے پاک ہونے) کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اجتماعی طور' معیت کی صورت میں وضو اور غسل کو جائز قرار دیا ہے تو یہ اس امر کو بھی مستلزم ہے کہ علیحدہ علیحدہ صورت میں عورت کا بچا ہوا پانی مرد کے لئے اور مرد کا فضلِ وضو عورت کے لئے جائز ہے کیونکہ معیت کی صورت میں ہر دونوں (مرد و عورت) جب

دوسرا چلو بھرتے ہیں تو وہ دوسرے کا فضل ہے جب کہ اجتماعی صورت میں تو اس کے جواز پر سب کا اجماع ہے تو انفرادی صورت میں بھی جوازِ فضل پر سب کا اجماع لازم آتا ہے (حقائق السنن جلد اص ۲۷۲) ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں فضلِ ماء کا مسئلہ ہی نہ ہو بلکہ اناء واحد کا بتلانا مقصود ہو کہ غسل کے لئے ہم ایک ہی برتن استعمال کرتے تھے کہ اسی میں پانی ڈال کر پہلے آپؐ اور پھر دوبارہ اسی برتن میں پانی ڈال کر میں غسل کرتی تھی۔ کیونکہ من اناء واحد کے ساتھ بماء واحد ضروری نہیں۔

فوق الجمّة دون الوفرة :

وكان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة ... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک جُمّہ یعنی گردن سے اوپر اور وفرہ یعنی کانوں کی لو سے نیچے ہوتے تھے۔ صفحہ نمبر ۱۰۸، ۱۰۹ پر اس کی تفصیل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر بال کانوں کی لو تک ہوں تو وفرہ، گردن تک ہوں تو لمّہ اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو جُمّہ کہلاتے ہیں۔ بہر حال بال ایک اضافی امر ہیں جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جب بال بنوانے میں تاخیر ہو جاتی تو بڑھ کر گردن تک آ جاتے کبھی مزید تاخیر ہوتی تو کاندھوں تک، یہ مختلف کیفیات مختلف روایات میں منقول ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

روایات میں تطبیق:

(۱) احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں وهذه الرواية تخالف رواية ابی داؤد (فوق الوفرة ودون الجمة) ولعل الجمع بينهما ان تقول ان رواية ابی داؤد بالنسبة لكثرة الشعر ورواية الترمذی بالنسبة لوصول الشعر، قال ابن حجر وهو جمع جيّد (اتحافات ص ۲۵) یعنی یہ روایت ابوداؤد کی روایت (فوق الوفرة ودون الجمّة) کے خلاف ہے (کیونکہ یہاں اس روایت میں فوق الجمّہ دون الوفرہ ہے)

ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یوں ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں بالوں کی کثرت کی نسبت سے فوق الوفرة ودون الجمّة کا کہا گیا ہے اور ترمذی کی اس روایت میں وصولِ شعر کی نسبت سے فوق الجمّه دون الوفره کا ذکر ہے۔ ابن حجرؒ نے اس تطبیق کو عمدہ قرار دیا ہے۔

اکثر محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ مقصد وفرة اور جمة کے بین بین بیان کرنا ہے۔ ابوداؤد کی روایت (دون الجمة فوق الوفرة) میں یا تو قلبِ راوی ہے اور روایت مقلوب ہے یا معنی ظاہری بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ کثرت اور قلت یعنی بالوں کی مقدار بتانا ہے کہ جمّہ سے کم اور وفرہ سے زائد تھے۔

(۲) لفظ فوق اور دون اضداد میں سے ہیں یعنی کم اور زیادہ کے معنی میں مستعمل ہو سکتے ہیں۔ تو روایت باب میں فوق الجمّة و دون الوفرة کے معنی یہ ہوں گے کہ جمّہ سے کم اور وفرہ سے زیادہ یعنی اس روایت میں فوق کا معنی کم اور دون کا معنی زیادہ ہوا اور ابوداؤد کی روایت فوق الوفرة ودون الجمّة کے معنی وفرہ سے زیادہ اور جمّہ سے کم۔ یعنی ابوداؤد کی روایت میں فوق کا معنی زیادہ اور دون کا معنی کم کا ہوا تو پھر بالوں کا محل ایک ہی ہوا کہ گردن سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے (واللہ اعلم) گویا حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک وفرۃ اور جمة کے بین بین ہوا کرتے تھے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کان (شعره) متوسطاً بين الجمة والوفرة (مواهب ص ۴۶)

(۳) بعض حضرات نے لفظِ ''دون'' کو اپنے معروف معنیٰ میں لیا ہے تو اس صورت میں معنیٰ ہوں گے جمة سے بھی کم اور وفرة سے بھی کم یعنی وہ انصافِ اذنین (کانوں کے نصف) تک ہوں گے جیسا کہ باب ھذا کی حدیث اول میں اس کی تصریح ہے اور بطور ترقی کے فوق الجمة دون الوفرة (جمّہ سے اونچے اور وفرہ سے نیچے) کہا گیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانے میں اس سے زائد اس لئے حضور اقدس ﷺ کا سر

منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کیے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ نقل کیے۔ بعض علماء نے اس طرح پر بھی جمع فرمایا کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسطِ سر مبارک اس سے نیچے تک اور اخیر سر مبارک کے مونڈھوں کے قریب تک (خصائل ۳۴)۔

(۳/۲۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْقَطَنٍ حَدَّثَنَاشُعْبَةُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بُعَيْدَ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیعؒ نے بیان کیا انہیں ابوقطنؒ نے خبر دی اور انہیں شعبہؒ نے بیان کیا جنہوں نے ابواسحٰقؒ سے روایت کی ہے اور انہوں نے براء بن عازبؓ صحابی رسول سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ متوسط القامۃ تھے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کا درمیان وسیع تھا آپؐ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۹۷) احمد بن منیعؒ اور (۹۸) ابوقطنؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

الجمّة کی مزید تشریح !

وکانت جمته ' تضرب شحمة اذنيه اور آپؐ کے بال مبارک کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ حدیث کا یہی جملہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے۔

احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں فهذا يرجع لمعظمه اى الشعر ' واما المستدق منه فكان يصل الى المنكبين (اتحافات ص ٦٦) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وقيل لم يرد بالضرب البلوغ والانتهاء بل اراد انه كان يرسلها الى اذنيه ومحاذ اتهما ويحتمل ان يقال الجمة فى هذا الحديث بمعنىٰ الوفرة كما ذهب اليه الزمخشرى من انهما مترادفان وان الجمة هى الشعر الى الاذن ووقع فى ديوان الادب

ان الجمة هی الشعر مطلقاً (جمع ص ۹۳) یعنی "الضرب" کے لفظ سے بالوں کی غایت لمبائی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ بالوں کو دونوں کانوں اور ان کے محاذات (برابری) تک چھوڑتے تھے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس حدیث میں "جُمّہ" بمعنی "وفرہ" کے ہو۔ جیسا کہ زمخشریؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں۔ پھر یہ کہ کانوں تک پہونچے ہوئے بالوں کو "جمّہ" کہتے ہیں اور "دیوان الادب" میں ہے کہ "جُمّہ" مطلق بالوں کو کہتے ہیں۔

(۲۶/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے۔ اُن کو وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے والد نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ، نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

راویان حدیث (۹۹) وہب بن جریرؒ (۱۰۰) حدثنی ابی اور (۱۰۱) حضرت قتادہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث باب کی تشریح:

قال قلت لانس ... قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدسؐ کے بال مبارک کیسے تھے قال لم یکن بالجعد ولا بالسبط آپؐ کے بال نہ تو شدید گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے یعنی ان میں کسی قدر گھنگریالہ پن پایا جاتا تھا۔

اور آپؐ کے بال مبارک کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ اس طوالت کو عرف میں وفرہ کہتے ہیں اس کی مفصل تشریح صفحہ نمبر ۱۰۸ پر لکھی جا چکی ہے۔

(۵/۲۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ اَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِي طَالِبٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهُ اَرْبَعُ غَدَائِرَ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحیٰی بن ابی عمر مکی نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان بن عیینہ نے انہوں یہ روایت نقل کی ابن ابی نجیح سے اور انہوں نے مجاہد سے روایت اخذ کی۔ مجاہد نے امِّ ھانی بنت ابی طالب سے روایت لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپؐ کے بال مبارک چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔

راویان حدیث (۱۰۲) محمد بن یحیٰی بن ابی عمرؒ (۱۰۳) سفیان بن عیینہؒ (۱۰۴) ابن ابی نجیحؒ (۱۰۵) مجاہدؒ اور (۱۰۶) حضرت ام ھانیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وله اربع غدائر کی تحقیق:

قالت قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم علینا مکة قَدْمَةً وَلَهُ اربعُ غدائِرَ جب آپؐ مکۃ المکرّمہ میں ہمارے پاس تشریف لائے قدمةً ای مرةً من القدوم'۔ (قدمۃ کا معنیٰ ایک بار جب آنا ہوا) اور یہ قدوم فتح مکہ کے موقع پر ہے۔

غدائر' غدیرة کی جمع ہے بالوں کی لٹیں' زلفیں' چوٹی اور مینڈھی جو گندھی ہوئی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی کھلے طور پر تقسیم شدہ ہوں اس کے لئے ضفائر اور ذوائب کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے وقیل الغدیرة هی الذوائبة والضفیرة هی العقیصة (اتحافات ص۶۷) ۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ غدیرہ وہ ذوائبہ ہے اور ضفیرہ وہ عقیصہ (قدرتی طور پر گندھی ہوئی) ہے) حضور اقدس ﷺ نے از خود کبھی بھی بالوں کی مینڈھیاں نہیں بنائیں بلکہ بعض اوقات قدرتی طور پر آپؐ کے بال مبارک چار حصوں میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کی طرح مینڈھیاں رکھنا مکروہ ہیں حدیث میں مینڈھیوں سے مراد وہی ہیں جن میں تشبّہ۔ (عورتوں سے مشابہت) نہ ہو کیونکہ تشبّہ کی آپؐ نے خود ممانعت فرمائی ہے۔

مکہ شریف قدوم میمنت :

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قدومات اربعة لمكة عمرة القضاء وفتح مكة وعمرة الجعرانة ولحجة الوداع (جمع ص ۹۵)

گویا آپؐ نے مکۃ المکرّمۃ تشریف آوری چار مرتبہ فرمائی اولاً عمرۃ القضاء میں جو ہجرت کا ساتواں سال تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ پھر اسی سفر میں عمرة الجعرانة کے لئے جانا ہوا پھر ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر۔ امِ ھانئؓ کے گھر تشریف آوری فتح مکہ کے موقع پر ہوئی علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں وهذه المرة كانت في فتح مكة (مواهب ص ۴۸) وحينئذٍ اغتسل و صلى الضحىٰ في بيتها (جمع ص ۹۵) یعنی اس موقع پر آپؐ نے غسل فرمایا اور حضرت ام ھانیؓ کے گھر چاشت کے نوافل پڑھے۔

(۲۸/۶) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ شَعْرَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا، انہیں عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت معمر سے لی اور معمر نے اخذ کی ثابت بنانی سے وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بال مبارک نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۰۷) سوید بن نصرؒ (۱۰۸) عبداللہ بن مبارک (۱۰۹) معمرؒ اور (۱۱۰) ثابت البنانیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایرادِ حدیث کا مقصد:

ان شعر رسو ل الله ﷺ كان الى انصاف اذنيه یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک آپؐ کے نصف کانوں تک تھے اس مضمون کی حدیث اس باب کے آغاز میں بھی آ چکی ہے۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ لکھتے ہیں باضافة الجمع الی المثنی کما فی قوله تعالیٰ فقد صغت قلوبکما والمراد بالجمع مافوق الواحد (مواھب ص ۴۸) (کہ اس حدیث میں اضافت جمع (انصاف) کی تثنیہ (اذنیہ) کی طرف ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے لفظِ قلوب کی اضافت کما ضمیر تثنیہ کو ہے اور جمع سے مراد ایک سے زائد ہونا ہے)

یعنی "انصاف اُذُنَیه" میں صیغہ جمع (اَنصاف) کی اضافت صیغہء تثنیہ (اُذنین) کی طرف ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے ارشاد "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" میں ہے اور قلوبکما میں جمع سے مراد مافوق الواحد ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمقصود من ایراد هذا الحدیث من روایة ثابت عن انس هنا مع ما تقدم من روایة حُمید عنه فی اول الباب تقویة الحدیث المذکور وانه روی باسنادین وانتفاء ما یتوهم من تدلیس حمید (جمع ص ۹۶) یعنی ثابت عن انس کی روایت سے اس حدیث کو یہاں لانا باوجود یہ کہ اسی طرح باب کے شروع میں حمید عن انس کی روایت مذکور ہے۔ دراصل اس کا مقصد حدیث مذکور کی تقویت اور یہ بات کہ یہ دوسندوں سے مروی ہے نیز "حمید" پر تدلیس کا جو توھم تھا، اس کا دفعیہ بھی مقصود ہے۔

....

(۲۹/۷) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهُ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتٰبِ يَسْدِلُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتٰبِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْفِيْهِ بِشَيْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهُ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی' انہوں نے یونس بن یزید سے اور انہوں نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن

عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ نے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اوّلاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے پیچھے ڈال دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو پیچھے ڈال لیتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ ابتداءً ان امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے (لیکن اس کے بعد یہ منسوخ ہو گیا اسلئے کہ حضور اقدس ﷺ مخالفتِ اہل کتاب کرنے لگے) اور پھر آپؐ نے سر کے بالوں میں مانگ نکالنا شروع کر دیا تھا۔

راویان حدیث (۱۱۱) یونس بن یزیدؒ اور (۱۱۲) عبیداللہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سدلِ شَعر کی صورت:

کان یسدل شعره .. مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں کو مانگ نکالے بغیر پیچھے ڈال دیا کرتے تھے۔ سدل یسدل کا لفظی معنیٰ ہے پیچھے ڈالنا وقیل السدل ان یرسل الشخص شعره من ورائه ولا یجعله فرقتین وهو المناسب للمقابلة بقوله وکان المشرکون یفرقون (جمع ص ۹۶) یعنی بعض حضرات نے کہا ہے کہ سدل یہ ہے کہ بالوں کو ویسے ہی پیچھے چھوڑ دے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم نہ کرے اور یہ تشریح مناسب ہے اس قول کے مقابلہ میں کہ ''مشرکین سر کے بالوں میں مانگ نکالتے تھے''۔

شیخ ابراھیم الیجوریؒ فرماتے ہیں ای یرسل شعره حول راسه (مواهب ص ۴۸) یعنی بالوں کو سر کے اردگرد چھوڑ دیتے تھے اور ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ وقیل علی الجبین فیکون کالقصة (مواهب ص ۴۸)۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ بالوں کو ماتھے پر کچھا کی مانند چھوڑ دیتے)

مانگ نکالنے میں مشرکین اور اہل کتاب کا عمل:

وکان المشرکون یفرقون رؤسهم یعنی مشرکین لوگ اس زمانے میں سر کے بالوں میں فرق نکالتے تھے۔ یفرقون' چاہے مجرد ہو چاہے باب افعال سے ہو یا باب تفعیل سے سب کا معنیٰ ایک

ہے وقال العسقلانیؒ الفرق قسمة الشعر والمفرق وسط الراس واصله من الفرق بین الشیئین (جمع ص ۹٦) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: فرق، بالوں کے تقسیم ہونے کو کہتے ہیں جبکہ مَفرَق سر کے بیچ کو کہتے ہیں)۔اوراس کا مادہ اور بنیاد دو چیزوں کے درمیان فرق (فاصلہ) کرنا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے والفرق قسم الشعر قسمین علی الیمین والیسار وھو ضد السدل الذی ھو الارسال من سائر الجوانب (اتحافات ص ٦٨) یعنی فَرق بالوں کو دو حصوں، دائیں اور بائیں پر تقسیم کرنے کو کہتے ہیں اور یہ سدل کی ضد ہے، سدل سارے اطراف سے بال چھوڑنے کو کہتے ہیں۔

موافقتِ اہل کتاب کی توجیہات:

وکان اھل الکتاب... یعنی اہل کتاب عام طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے بلکہ بالوں کو پیچھے ڈال دیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ ایسے امور میں جن میں بذریعہ وحی کوئی حکم نہیں آتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جو مشرکین سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بہتر تھے۔

اہل کتاب کی موافقت پر علماء نے توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) یہ أھون البلیتین (دو مصیبتوں میں سے آسان کو) اختیار کرنے کے قبیل سے ہے کیونکہ مشرکین کے تو سب اعمال شیطانی ہوتے ہیں جب کہ اہل کتاب کے اعمال اور روایات میں آسمانی ہونے کا احتمال بھی ہے۔ایک اعتراض یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ بعض احادیث اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اہل کتاب کی بھی مخالفت کی گئی ہے شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں۔کہ

(۱) یہ تو اثرِ صحابی ہے اور وہ احادیث مرفوعہ صحیحہ ہیں لہذا تعارض نہ ہوگا۔

(۲) یا اسے ابتداء اسلام پر حمل کیا جائے گا کہ آپؐ نے اہل کتاب کے تالیفِ قلوب کے لئے ان کے اعمال کی موافقت اختیار فرمائی، ان اعمال میں ایک عمل مانگ نکالنا بھی تھا لیکن پھر جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اسلام مستغنی ہوگیا تو پھر خالفوھم (کہ ان کی مخالفت کرو) کا حکم دیا گیا تو یہ روایت منسوخ ہوگی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں جن امور میں حضور اقدس ﷺ کو احکام نہیں ملے تھے اور وحی نازل نہ ہوئی تھی ان امور میں موافقتِ اہل کتاب کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں ایک غرض تو تالیفِ قلوبِ اہل کتاب تھی (جیسا کہ پہلے بھی یہی عرض کیا جاچکا ہے) کہ بتوں کے پجاریوں کے خلاف ان کی انگیخت کی جائے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں فلما اغناه الله تعالىٰ عن ذلک واظهر الاسلام خالفهم فی امور کصبغ الشیب وغیر ذلک انتهی حیث ورد ان اهلٰ الکتاب لا یصبغون فخالفوهم ومنها صوم یوم عاشوراء. ثم امر بنوع مخالفة لهم فیه بصوم یوم قبله او بعده ومنها استقبال القبلة ومخالفتهم فی مخالطة الحائض ومنها النهی عن صوم یوم السبت وقد جاء ذلک من طرق متعددفی النسائی وغیره وصرح ابوداؤد بانه منسوخ وناسخه حدیث ام سلمة انه صلی الله علیه وسلم کان یصوم یوم السبت ویوم الاحد یتحری ذلک ویقول انهما یوما عید الکفار وانا احب ان اخالفهم وفی لفظ مامات رسول الله ﷺ حتی کان اکثر صیامه یوم السبت .والاحد اخرجه احمد والنسائی واشار بقوله یوما عید ان السبت عید الیهود والاحد عید النصاری وقال آخرون یحتمل انه امر باتباع شرائعهم فیما لم یوح الیه بشئی وعلم انهم لم یبدلوه (جمع ص ۹۷)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اہل کتاب کی موافقت سے مستغنی کیا اور اسلام کو غالب کیا تو آنحضرتؐ نے کئی امور میں اہل کتاب کی مخالفت کی جیسا کہ (داڑھی کے) سفید بالوں میں مہندی لگانا وغیرہ۔روایت میں ہے کہ اہل کتاب سفید بالوں میں مہندی نہیں لگاتے لہذا تم (مسلمان) ان کی مخالفت کرو،اسی طرح عاشوراء کے دن کے روزہ میں بھی آپؐ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے پھر یوم عاشوراء سے ایک روز قبل یا ایک روز بعد کا ملانے کا حکم دیا تا کہ اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے اسی طرح استقبالِ قبلہ، حائضہ عورت کے ساتھ نشست و برخاست اور ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں بھی ان کے ساتھ مخالفت کا حکم فرمایا۔تاہم نسائی وغیرہ میں متعدد طرق سے یہ روایت مروی ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کا حکم منسوخ ہے۔امام ابوداؤد نے اس کے ناسخ کی تصریح کی ہے جیسا کہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ رکھنے کو پسند کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ دو

اگر ان کے گناہوں کو میری عاجزی و دعا کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے تو یہ تیرا عین فضل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دھراتے رہنا اللہ تعالیٰ کی دو صفات عدل و مغفرت کے مستحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔

تمام رات سے مراد پچھلی رات کا قیام ہے، جو تہجد کے وقت آپؐ کا معمول تھا۔ ایک آیت کی مسلسل تلاوت یہ آپؐ کا امتیازی عمل تھا، خاص حالات و کیفیات اور وجدان کے پیشِ نظر ایسا ہو جاتا تھا۔ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ایک رات صرف ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کر دی۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔(یٰسین:۵۹)(اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے گناہگارو)۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ، ویؤخذ منه جواز تكرار الآية في الصلاة و لعل ذلك كان قبل النهي عن القراءة في الركوع والسجود فلاينافيه خبر مسلم نهيت ان أقرأ القرآن راكعا و ساجدا على ان النهي للتنزيه فيكون فعله لبيان الجواز (مواہب ۲۱۰)(حدیث پاک سے ایک ہی آیت کا پوری نماز میں بار بار پڑھنے کا جواز معلوم کیا جا سکتا ہے اور شاید کہ یہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اس لئے یہ حدیث مسلم کی منافی نہ ہوا جس میں ہے کہ مجھے روکا گیا کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نہی (رکوع سجدہ میں) تنزیہی ہو تو آپؐ کا یہ فعل و عمل بیان جواز کے لئے ہوا) أو ان القراءة قصد بها الدعاء والتضرع و طلب المغفرة من الله العزيز الحكيم (اتحافات ص۳۲۰)(یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرأت سے ارادہ دعا، تضرع عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کی درخواست ہو)

صاحب اتحافات کی توجیہ کو علامہ ملا علی قاریؒ نے دوسرے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ و يمكن ان يقال المعنى كان يركع و يسجد بمقتضى تلك الآية مما يتعلق بمبناها و يترتب

(۸/۳۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَافِعِ الْمَكِّيِّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِیٍّ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَآئِرَ اَرْبَعٍ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشارؒ نے بیان کیا انہیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی انہوں نے روایت ابراہیم بن نافع مکی سے نقل کی اور انہوں نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے۔ وہ مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے اُمِّ ھانیؓ کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے۔ اِمِّ ھانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔

راویانِ حدیث (۱۱۳) عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور (۱۱۴) ابراہیم بن نافع المکی کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

روایات باب میں تطبیق :

حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے متعلق چونکہ روایات میں اختلاف ہے اس لئے ملاعلی قاریؒ تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں **فهذه ست روايات الاولىٰ نصف اذنيه الثانية الى شحمة اذنيه الثالثة بين اذنيه وعاتقه الرابعة انه يضرب منكبيه الخامسة قريب منه السادسة له اربع غدائر** یعنی (بالوں کی درازی سے متعلق)۔

یہ کل چھ روایات ہیں پہلی روایت میں ہے کہ بال مبارک دونوں کانوں کے نصف تک تھے، دوسری روایت: کانوں کی لوتک تھے، تیسری روایت: کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے، چوتھی روایت: شانوں سے لگے ہوئے تھے، پانچویں روایت: شانوں کے قریب تھے، چھٹی روایت: اس کے چار مینڈھیاں تھیں۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ تطبیق وتوفیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد جمع القاضى عياض بينهما بان من شعره ما كان فى مقدم رأسه وهو الذى بلغ نصف اذنيه وما بعده وهو الذى بلغ شحمة اذنيه والذى يليه هو الكائن بين اذنيه وعاتقه وما كان خلف الراس

هوالذی یضرب منکبیه او یقرب منه وجمع النووی تبعالابن بطال بان الاختلاف کان دائراً علی حسب اختلاف الاوقات فی تنوع الحالات فاذا قصره کان الیٰ انصاف اذنیه ثم یطول شیئاً فشیئاً واذا غفل عن تقصیره بلغ الیٰ المنکبین فعلی هذا ینزل اختلاف الرواة فکل واحد اخبر عما رآه فی حین من الاحیان وکل من هٰذین الجمعین لایخلو عن بعد اماالاول فلان الظاهر ان من وصف شعره صلی الله علیه وسلم اراد مجموعه اومعظمه لاکل قطعةمنه واما الثانی فلانه لم یرد تقصیر الشعر منه صلی الله علیه وسلم الا مرة واحدة کما وقع فی الصحیحین فالاولیٰ الجمع بانه صلی الله علیه وسلم حلق راسه فی عمرته وحجته وقال بعض شراح المصابیح لم یحلق النبی راسه فی سنی الهجرة الا فی عام الحدیبیة ثم عام عمرة القضاء ثم عام حجة الوداع فاذا کان قریباً من الحلق کان الی انصاف اذنیه ثم یطول شیئاً فشیئاً فیصیر الی شحمة اذنیه وبین اذنیه وعاتقه وغایة طوله ان یضرب منکبیه اذا طال زمان ارساله بعد الحلق فاخبر کل واحد من الرواة عمار آه فی حین من الاحیان واقصرها ماکان بعد حجة الوداع فانه توفی بعدها بثلاثة اشهر (مواهب ص ۴۹) یعنی قاضی عیاضؒ نے ان روایات کواس طرح جمع کیا ہے کہ سرمبارک کے اگلے حصہ پر جو بال تھے وہ کانوں کے نصف تک پہنچے ہوئے تھے اس سے متصل بال کانوں کے لوتک پہنچے ہوئے تھے اس کے نیچے حصہ کے بال کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے جبکہ سر کے پیچھے حصہ کے بال شانوں سے لگے ہوئے تھے یا ان کے قریب تھے۔ علامہ نوویؒ نے ابن بطال کی متابعت میں یوں تطبیق دی ہے کہ حالات اور اوقات کے اختلاف کی وجہ سے روایات میں اختلاف ہوا۔ پس جب آپؐ قصر فرماتے تو کانوں کی نصف تک ہوتے پھر تھوڑے تھوڑے بڑھ جاتے اور جب آپؐ بالوں کی قصر پر توجہ نہ دیتے تو وہ بڑھ کر کبھی کندھوں تک پہنچ جاتے اس طرز عمل کی وجہ سے راویوں میں بھی اختلاف ہوا، لہٰذا جس راوی نے آپؐ کے بالوں کو جس حالت (قصر یا درازی) پر دیکھا، اس طرح اس کو بیان کیا تاہم مذکورہ دونوں تطبیقات بُعد سے خالی نہیں ہیں پہلی تطبیق تو اس وجہ سے کہ جس راوی نے آپؐ کے بالوں کی صفت بیان کرنا چاہی تو اس نے آپؐ کے مجموعی یا اکثر بالوں کی صفت بیان کی ہے نہ کہ سر کے ہر حصہ کے بالوں کی اور دوسری تطبیق میں بُعد یوں ہے کہ آپؐ سے قصر ایک مرتبہ ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں

ہے۔اب مختلف روایات میں جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ ؐ نے حج وعمرہ میں بالوں کا حلق فرمایا ۔مصابیح کے بعض شراح فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے سالوں میں سر کا حلق نہیں فرمایا البتہ حدیبیہ کے سال حلق فرمایا تھا پھر عمرۃ القضاء کے سال اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حلق فرمایا پھر اگر حلق کرنے کے بعد کا زمانہ قریب ہوتا یعنی تھوڑا تو پھر وہ کانوں کے نصف تک ہو جاتے۔ پھر ہوتے ہوتے بال بڑھ جاتے تو کانوں کی لو تک پہنچ جاتے، پھر کانوں اور کندھوں کے درمیان تک پہنچ جاتے اور آپ ؐ کے بالوں کی زیادہ سے زیادہ درازی جب حلق کرنے کے بعد زیادہ وقت گزر جاتا، اتنی ہوتی کہ وہ شانوں تک پہنچ جاتے، تو ہر راوی نے جس وقت، جس حالت میں آپ ؐ کے بال دیکھے اس کے بارے میں اسی طرح خبر دی حجۃ الوداع کے بعد آپ ؐ کے بال سب سے زیادہ چھوٹے تھے کیونکہ حجۃ الوداع کے تین مہینے بعد آپ ؐ کا انتقال ہو گیا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَرَجُّلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرنے کا بیان

احادیث باب کا مضمون:

اس باب میں حضور اقدس ﷺ کے مانگ نکالنے، کنگھی کرنے، تیل لگانے، سراقدس کے مبارک بالوں کو پاک صاف اور آراستہ کرنے وغیرہ کی کیفیات کا ذکرِ خیر ہے۔

تَرَجُّلَ اور رَجَّلَ بابِ تفعّل اور تفعیل دونوں سے آتا ہے۔ ترجّل کا لغوی معنیٰ پیدل چلنا اور ترجیل کا معنیٰ کنگھی کرنا ہے اسی کو تسریح الشعر بھی کہتے ہیں یعنی کنگھی پھیر کر بالوں کو سنوارنا رَجَّلَ کا ایک معنیٰ باندھنا بھی ہے کہتے ہیں رجّلتُ شاۃً یعنی میں نے بکری باندھی۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ الترجّل والترجیل تسریح الشَعر وتنظیفه وتحسینه (جمع ص ۹۹) یعنی تَرجُّل اور تَرْجِیْل دونوں کا معنی ہے بالوں میں کنگھی کرنا ان کو صاف کرنا اور سنوارنا۔ بعض احادیث میں لفظِ ترجیل (بابِ تفعیل) کے آنے کے باوجود مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں ترجّل (بابِ تفعّل) کو اختیار فرمایا ہے یہ دونوں کے ترادف کو اشارہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس باب میں وارد احادیث میں بابِ تفعل زیادہ استعمال ہوا ہے۔

کنگھی کرنا مندوب ہے:

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ترجّل بابِ نظافت سے ہے یعنی بالوں کا صاف ستھرا رکھنا درست کرنا، کنگھی دینا ستھراپن ہے اور یہ مندوب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد (سورہ اعراف ۳۱) (لےلو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت) اور یہ کہ ظاہر باطن کا عنوان اور ترجمان ہوتا ہے ظاہر صاف ہوگا تو باطن متاثر ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ النظافة من الایمان (پاکیزگی ایمان میں سے ہے) اور ایک ارشاد یہ بھی ہے ان اللّٰہ تعالیٰ نظیف یحب النظافة وفی خبر ابی داؤد من کان له شعر فلیکرمه (مواھب ص ۴۹) اللہ تعالیٰ پاک وصاف ہے اور صفائی، ستھرائی کو پسند کرتے ہیں ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جس کے بال ہوں تو اسے ان بالوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔

مؤطا میں روایت ہے عن عطاء بن یسارٍ ان رسول اللہ ﷺ رای رجلا ثائر الشعر واللحیة فاشار الیه باصلاح راسه ولحیته (جمع ص ۱۰۰)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپؐ نے اسے سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرنے کا فرمایا۔ واما ماورد من النھی عن الترجیل فھو نھی عن المبالغة لاعن الاصل (اتحافات ص ۷۱) یعنی کنگھی کرنے سے جو ممانعت آئی ہے تو وہ اس میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اصل کنگھی کرنے سے اس ترجمۃ الباب کے تحت مصنفؒ نے پانچ احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۱/۳۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی الْاَ نْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِیْسٰی حَدَّثَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَآئِضٌ .

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا۔ انہیں معن بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ اُنہیں بیان کیا مالک بن انس نے ہشام بن عروۃ کے حوالے سے اور انہوں نے امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

راویانِ حدیث (۱۱۵) اسحٰق بن موسیٰؒ اور (۱۱۶) معن بن عیسیٰؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل

ترمذی''میں ملاحظہ فرمائیں۔

حالتِ حیض میں خدمتِ زوج کا شرعی حکم:

قالت کنت ..... اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اس حال میں کہ میں حائضہ ہوا کرتی یعنی ایام ماہواری میں ہوتی۔

وانا حائض ! یہ جملہ حالیہ ہے۔ حائضة (بہ صیغہ مؤنث) شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے کیونکہ علامت تانیث تو تذکیر و تانیث میں فرق کے لئے آتی ہے عند خوف اللبس (التباس کے اندیشہ کے وقت) جبکہ یہاں خود التباس ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حیض تو خاص ہے عورتوں کے ساتھ۔ فلا حاجة الی علامة التانیث الفارقة (مناوی ص ۱۰۰) لہذا فرق کرنے کے لئے علامتِ تانیث کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے ساتھ سوائے ہمبستری (مباشرت) کے مخالطت جائز ہے۔ علامہ شامیؒ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حیض کی حالت میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو مرد کا اپنے کسی عضو سے چھونا جائز نہیں ۔۔۔ نیز ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو برہنہ دیکھنا بھی جائز نہیں''(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۸۶) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سر میں کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہ خدمت اپنی عورت سے لینا جبکہ وہ حالتِ حیض میں ہو، تب بھی جائز ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وفیہ حل استخدامها فی غسل وطبخ وخبز وغیرها برضاها لا بدونه لان الواجب علیها تمکینه وملازمة بیته فحسب (مناوی ص ۱۰۱) یعنی اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنی عورت سے بدن دھلوانے اور کھانے پکانے کی خدمت لینا (اس کی رضامندی سے) جائز ہے۔ اس لئے کہ بیوی پر تو صرف خاوند کے گھر میں رہنا اور اس کو مباشرت پر قدرت دینا لازم اور ضروری ہے۔

ایک تعارض اور اس کا جواب:

یہ بات تو آغازِ باب میں عرض کر دی گئی کہ ترجّل باب نظافت سے ہے یعنی صفائی طہارت اور

پاکیزگی شریعت میں مطلوب ہے بظاہر اس کا البذاذة من الایمان (سادگی ایمان (کی علامات) سے ہے) اور رب اشعث اغبر لو اقسم علی الله لابره (کبھی ایک پراگندہ بال اور غبار آلود شخص اگر اللہ کے نام پر قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے) سے تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق بھی کسی حد تک اس سے قبل عرض کر دی گئی مگر یہاں ذرا تفصیل سے وضاحت مقصود ہے۔

حضراتِ محدثین کرامؒ نے ان روایات میں تطبیق کی صورت یوں بنائی ہے کہ بذاذة کا معنیٰ ہر وقت اور ہر حال میں گندہ رہنے کے نہیں ہیں بلکہ مراد سادگی ہے اور سادہ رہنا اور سادگی نظافت کے منافی نہیں ہے اسی طرح دوسری حدیث ربّ اشعث اغبر الخ سے بھی یہ مراد نہیں کہ اشعث اور اغبر رہنا باعثِ فضیلت ہے یا محمود ہے بلکہ حدیث میں ایسے شخص کے اخلاص اور للّٰہیت کا بیان ہے کہ اس کا ظاہر تو فقر وغربت ونا داری کا ہے مگر باطن صفائی میں عظیم تر ہے اگر ایک شخص کو باطنی صفائی حاصل ہے مگر وہ اپنے ظاہری حالات اور مجبوریوں کے پیش نظر سادگی سے رہتا ہے اور رب اشعث اغبر الخ کا مصداق ہے پھر تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ سادگی نظافت کے ساتھ ہو تو وہ مطلوب ہے

(۳۲/۲) حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ عِيسٰى اَخْبَرَنَا وَكِيْعٌ اَخْبَرَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهٖ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهٖ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتّٰى كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَيَّاتٍ .

ترجمہ! ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی وکیع نے۔ اُن کو خبر دی ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان رقاشی کے حوالے سے۔ وہ روایت بیان کرتے ہیں انس بن مالکؓ سے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔

راویانِ حدیث (۱۱۷) یوسف بن عیسیٰ (۱۱۸) ربیع بن صبیحؒ اور (۱۱۹) یزید بن ابانؒ کے حالات

''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تیل، کنگھی کرنا:

قال کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دھن راسه وتسریح لحیته... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی فرمایا کرتے تھے۔

یکثر اکثار سے ہے والدھن مایدھن به من زیت وغیرہ (مناوی ص ۱۰۲) (علامہ مناویؒ دھن کا معنیٰ یہ لکھتے ہیں کہ جو چیز بطور تیل لگانے کے استعمال کی جائے چاہے تیل ہو یا کوئی دوسری چیز) دَھن اگر دال کے فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہے بمعنیٰ تیل لگانے کے اور اگر دال کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اسم جامد ہے بمعنیٰ ''تیل'' کے تو اس وقت مضاف محذوف ہوگا ای استعمال دھن رأسه (یعنی وہ لفظ استعمال ہے مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک میں تیل زیادہ استعمال کیا کرتے تھے) مقصود عام حالات کا بیان ہے یہ نہیں کہ ہر روز اور بالالتزام ایسا کرتے تھے لہٰذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بالالتزام کی نفی پر محمول ہے کہ استعمال دھن کو لوگ اپنے یومیہ معمول میں لازمی طور پر شریک نہ کرلیں۔ تسریح کا معنیٰ چرانا' چھوڑ دینا' رخصت کرنا' طلاق دینا' آسان کرنا' کھول دینا جب بالوں کے ساتھ تسریح آئے تو مراد کنگھی کرنا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد تمشیطھا وارسال شعرھا وحلھا بمشطھا (جمع ص ۱۰۲) یعنی تسریح سے مراد بالوں میں کنگھی کرنا اور کنگھی سے اسے کھولنا، پھیلانا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں۔

(۱) عن انس قال کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخذ مضجعه من اللیل وضع له سواکه وطھورہ ومشطه فاذا ھبه الله عزوجل من اللیل استاک وتوضا وامتشط (جب آپؐ رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے تو آپؐ کے لئے مسواک، پانی اور کنگھی تیار رکھی جاتی تھی، جب آپؐ رات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اٹھ کھڑے ہوتے تو مسواک فرماتے، وضو کرتے اور کنگھی کرتے)۔

(۲) عن عائشةؓ قالت خمس لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعھن فی سفر ولا حضر المِرأة

والمكحلة والمشط والمدراء (وفی رواية وقارورة دهن بدل المدراء) والسواک

(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں آپؐ کے ساتھ سفر وحضر میں ہمیشہ رہتی تھیں آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، ڈھیلا۔ اور ایک روایت مدراء کے بجائے تیل کی شیشی کا ذکر ہے۔ پانچویں چیز مسواک۔

(۳) عن عائشةؓ قالت كان لايفارق رسول الله ﷺ سواكه ومشطه وكان ينظر فی المرأة اذا سرح لحيته (جمع ص ۱۰۲) یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسواک اور کنگھی ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہوتے، جب آپؐ داڑھی میں کنگھی فرماتے تو آئینہ میں دیکھتے۔

القِناع کا استعمال:

ویکثر القناع، قناع 'نقاب گھونگھٹ' اوڑھنی' دوپٹہ اور سربند کو کہتے ہیں خرقة تلقى على الراس تحت عمامة بعد استعمال الدهن وِقاية للعمامة من اثر الدهن واتساخهابه شبيه بقناع المَرأة.

(جمع ص ۱۰۲) (وہ کپڑا جو تیل استعمال کرنے کے بعد عمامہ کے نیچے سر پر رکھا جاتا ہے، تاکہ عمامہ تیل کے اثرات اور میل کچیل سے محفوظ رہے، یہ عورت کے نقاب کی طرح تھا)

حضور اقدس ﷺ تیل لگانے کے بعد اسے کثرت سے استعمال فرماتے تھے عرب بھی عموماً گرم آب وہوا کی وجہ سے باہر نکلتے وقت سر پر رومال وغیرہ ڈال لیا کرتے تھے جو نیچے گردن تک ڈھانپ لیا کرتا تھا جس سے وہ لوگ لُو لگنے سے محفوظ رہتے تھے حضور اقدس ﷺ سر پر کثرت سے تیل استعمال کرتے تو تیل لگانے کے بعد عمامہ کے نیچے کپڑے کا استعمال کا معمول تھا۔

ثوبِ زیّات سے تشبیہ پر اعتراض کے جوابات:

كأنّ ثوبه ثوب زيّات. زیّات 'زیتون کے تیل بنانے والے اور بیچنے والے کو یا مطلق تیل بنانے کو کہتے ہیں یعنی آپؐ کا سر مبارک پر ڈالا ہوا کپڑا تیلی کے کپڑے کی طرح تیل آلود نظر آتا تھا۔

بظاہر اس روایت پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تو طیّب اور نظیف تھے اور حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ يحب النظافة یعنی نظافت کو تو پسند ہی کرتے تھے جبکہ روایتِ زیرِ بحث میں ہے

کہ آپ کے سر کا کپڑا ثوب زیات کی طرح تیل آلود اور میلا کچیلا ہوتا تھا۔

شارحین حدیث اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

(۱) اولاً یہ روایت ہی کمزور ہے اور اس کے بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے۔

راویوں کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے اگر اس روایت کو ضعیف تسلیم کرلیا جائے پھر تو مزید جواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک اصول ہے کہ اگر راوی متکلم فیہ ہے یا ضعیف ہے مگر وضّاع اور کذاب نہیں ہے تو اس کی روایت کو تسلیم کرلیا جانا چاہیئے اس صورت میں محدثین حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپؐ کا صرف وہ رومال، جو آپؐ عمامے کے نیچے باندھا کرتے تھے مراد ہے تو صرف سر کے رومال کی آلودگی سے (اور وہ بھی جو صرف پاک تیل سے آلودہ ہو) آپؐ کی مجموعی نظافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) رومال کے استعمال کا مقصد بھی تو نظافت تھا کہ عمامہ آلودگی سے محفوظ رہے۔

(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حدیث میں کأنّ ثوبه ثوب زيّات (کہ آپ کے کپڑے تیلی کے کپڑوں جیسے ہوتے) آیا ہے مقصد یہ ہے کہ آپؐ کا کپڑا تیلی کے کپڑے کے ساتھ مشابہ تھا کہ تیل لگنے سے کپڑے کا رنگ بدل جاتا تھا اور اس پر تیل کا اثر نمایاں ہوتا تھا اور کسی کپڑے پر تیل کے اثر کے نمایاں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ میلا کچیلا بھی ہو یا اس سے کسی کی طہارت ونظافت بھی متاثر ہو۔

(۳/۳۳) حَدَّثَنَا هَنَّادُبْنُ السَّرِيِّ اَخْبَرَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ اَبِي الشَّعْثَآءِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِيْ طُهُوْرِهِ اِذَا تَطَهَّرَ وَفِيْ تَرَجُّلِهِ اِذَا تَرَجَّلَ وَفِيْ اِنْتِعَالِهِ اِذَا انْتَعَلَ.

ترجمہ! ہمیں ھناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالاحوص نے خبر دی۔ انہوں نے یہ

روایت اشعث بن ابی الشعثاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے بیان کی ہے وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت اخذ کی ہے آپؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں دائیں کو مقدم رکھتے تھے یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔

راویانِ حدیث (۱۲۰) ابوالاحوصؒ (۱۲۱) اشعثؒ (۱۲۲) عن ابیہ اور (۱۲۳) مسروق بن اجدع کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تیامن کی فضیلت:

قالت ان کان رسول اللہ ﷺ لیحبُّ التیمُّنَ کہ حضور اقدس ﷺ دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں اِنْ مخففة من المثقّلة ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے یعنی انه لیحب، اس میں لام دلیل ہے کہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ مخفّفہ ہے واللّام فی قوله لیحب ھی الفارقة بین المخففة والنافیة (مواهب ص ۵۱) ۔(اور لیحب خبر پر لام کا داخل ہونا یہی ان مخففہ من المثقلہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے) تیامن کا معنیٰ یہ ہے کہ افعال میں دائیں طرف سے شروع کیا جائے خواہ دایاں ہاتھ ہو دایاں پاؤں ہو یا دایاں جانب۔ حضور اقدس ﷺ تیامن کو پسند فرماتے تھے البتہ التیامن فیما له شرف و کرامة (مناوی ص ۱۰۴) یعنی قابل تعظیم چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ کانت ید رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنیٰ لطهوره وطعامه و کانت الیسریٰ لخلائه وما کان من اذیٰ (رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ کھانے، پینے جیسے امور میں استعمال فرماتے تھے جبکہ بایاں ہاتھ استنجاء اور گھٹیا امور میں استعمال فرماتے)۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ولذالک قال النوویؒ قاعدة الشرع المستمرة استحباب البداءة بالیمین فی کل ما کان من باب التکریم وما کان بضده فاستحب فیه التیاسر (مواهب ص ۵۱) یعنی علامہ نوویؒ اس روایت کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ شریعت کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو کام قابل

قدر ہو، اس کو دائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے اور جو اس کے برعکس امور ہیں تو ان کو بائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کی توضیح :

محدث کبیر امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ الحدیث استاذی الکریم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے۔ کہ چونکہ قدرتی طور پر بعض امور، افعال اور اشیاء حقیر خسیس اور گھٹیا پیدا کیے گئے ہیں اور بعض شریف اور اچھے اور اعلیٰ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں سے افضل بنایا ہے مقصود دائیں ہاتھ کی تکریم اور بائیں ہاتھ پر فضیلت دینا ہے جیسے قرآن میں اہلِ جنت کو اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والے) اور اہل جہنم کو اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی دائیں ہاتھ کو طعام اور کھانے پینے کے لئے استعمال فرمایا اور استنجاء ونجاست اور اعضاء فاحشہ کے مس کرنے سے محفوظ رکھا۔ بائیں ہاتھ کو نجاست اور بدن کی صفائی کے لئے مقرر فرمایا بلکہ شریعت نے تو مطلق نیکی اور خیر کے جملہ امور مثلاً کپڑے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، کنگھی کرنا، روٹی کھانا وغیرہ میں تیامن کو تفضیل وتقدیم دی ہے اس طبعی اور خلقی اور شرعی فطرت کے پیش نظر ضروری ہے کہ امور شریفہ کو اعضائے شریفہ سے اور امور خسیسہ کو اعضائے خسیسہ سے انجام دیا جائے۔ اس کا ترک گویا ایک امر مستحبہ اور وضع الٰہیہ کا ترک ہے جو اساءت اور قباحت ہے۔

(حقائق السنن ص ۱۷۳)

اختیارِ تیامن کی بعض دیگر توجیہات:

شارحین نے لیحب التیمّن کی بھی متعدد وجوہات لکھی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ اسے فال نیک سمجھتے تھے کہ واصحاب الیمین اھل الجنة یؤتون کتبھم بایمانھم . یعنی اصحاب الیمین (اہل جنت) کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے

(۲) عدل کا تقاضا ہے جو چیز جس کام کے لئے بنی ہے اسے اسی کام میں استعمال کیا جائے۔ دایاں ہاتھ اس کا مقتضی ہے کہ اسے کار خیر اور شرافت کے کاموں میں اور تزئین و جمال کے کاموں میں استعمال کیا جائے اور بائیں ہاتھ کو نظافت' صفائی اور استنجی میں استعمال کیا جائے ورنہ ظلم ہوگا اور ظلم وضع الشئی فی غیر موضعہ (کسی چیز کو اس کی اصل جگہ اور مقام میں استعمال نہ کرنے) کو کہتے ہیں

(۳) امام بخاریؒ نے اپنی روایت میں ما استطاع (جتنی قدرت ہو) کا اضافہ کیا ہے یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ تیامن پر محافظت اور مداومت تب تک مطلوب ہے جب تک کوئی مانع نہ ہو فنبّہ علی المحافظة علی ذلک مالم یمنع مانع (جمع ص ۱۰۴) یعنی تیامن پر مواظبت اس وقت تک ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ ہو۔

عمل تیامن میں وسعت:

فی طهوره اذا تطهر وفی ترجّله اذا ترجّل وفی انتعاله اذا تنعّل یعنی تیامن کو پسند فرماتے، طھارت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طھارت فرماتے اور کنگھی کرنے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرتے اور جوتا پہننے میں جب آپؐ جوتا پہنتے۔

اذا تطهّر ای وقت اشتغاله بالطهارة وهی اعم مِن الوضوء والغسل .وانما اتی بذلک لیدل علی تکرار المحبة بتکرار الطهارة (مواهب ص ۵۱) یعنی طہارت میں مشغول ہونے کے وقت، طہارت کا لفظ وضو اور غسل کو عام ہے اور طہارت کا صیغہ مکرر لائے، اس کی پسندیدہ عمل ہونے پر دلالت کرنے کے لئے واذا فی الحدیث لمجرد الظرفیة والمعنیٰ فی وقت اشتغاله بالطهارة وهو شامل للوضوء والغسل والتیمم (جمع ص ۱۰۴) (حدیث میں ''اذا'' کا لفظ صرف ظرفیت کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ طہارت میں مشغول ہونے کے وقت آپؐ دایاں ہاتھ استعمال فرماتے اور طہارت کا لفظ وضو، غسل تیمّم کو بھی شامل ہے)

حضور اقدس ﷺ کے تیامن کا معمول ان تین امور میں محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو شرف و تکریم کی ہوتی اس میں تیامن کو پسند فرماتے اور جو موجب اہانت ہوتی وہاں یسار اختیار فرماتے جیسا کہ صحیحین

میں امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ عن عائشة قالت كان النبى ﷺ يعجبه التيمّن فى تنعّله وترجله وفى طهوره وفى شانه كله (جمع ص ۱۰۴) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دائیں سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جوتے پہننے میں، کنگھی دینے میں، طہارت کرنے میں اور سب (قابلِ تعظیم) چیزوں میں)

ملا علی قاریؒ کی توضیح :

ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر تسہیل اور تفصیل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں بل المراد انه كان يحب التيمن فى هذه الاشياء وامثالها مما هو من باب التكريم كالا خذوا لعطاء ودخول المسجد والبيت وحلق الراس وقص الشارب وتقليم الظفر ونتف الابط والاكتحال والاضطجاع والاكل والشرب والاستياک بالنسبة الى الفم واليد جميعاً بخلاف مالا شرف فيه كخروج المسجد ودخول الخلاء واخذ النعل ونحو ذلک فانه باليسار كرامتلليمين ايضاً (جمع ص ۱۰۴) (مراد یہ ہے کہ ان اشیاء اور ان جیسی چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے جو قابل تکریم ہوتی تھیں جیسے لینا دینا، مسجد اور گھر میں داخل ہونے کے وقت، سر کے حلق کے وقت، مونچھیں کتروانے کے وقت، ناخن کاٹتے وقت، بغل کے بال اکھیڑتے وقت، سرمہ لگاتے وقت، بستر پر لیٹنے کے وقت، کھانے پینے کے وقت اور مسواک کرنے میں منہ اور ہاتھ دونوں میں تیامن اختیار فرماتے البتہ جن چیزوں میں کوئی شرف نہیں ہے مثلاً مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا، جوتے اٹھانا اور ان جیسے امور میں بائیں طرف کو اختیار کرتے ان میں دائیں ہاتھ کی کرامت مقصود تھی)۔

(۴/۳۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا يَحْىَ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی یحیٰی بن سعید نے ہشام بن حسان کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت حسن بصری سے اور انہوں نے صحابی رسولؐ عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔

راویانِ حدیث (۱۲۴) یحیٰ بن سعیدؒ (۱۲۵) ہشام بن حسانؒ (۱۲۶) حسن بصریؒ اور (۱۲۷) حضرت عبداللہ بن مغفل کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تدھین و تسریح میں وقفہ:

قال نهی ... کہ حضور اقدس ﷺ نے متواتر کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے یا ایک روز کے وقفہ سے۔۔۔ بہر حال بار بار کنگھی کرنا تکلف ہے اور کنگھی لے کر بیٹھ جانا کارِ عبث ہے غباً کا معنیٰ وقتاً بعد وقتٍ (جمع ص ۱۰۷) (وقفہ وقفہ سے) ہے اصل میں غبا اونٹوں کو ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز پانی پلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر کسی کام کے ایک وقت کرنے دوسرے وقت ترک کردینے' ایک روز انجام دینے اور دوسرے روز چھوڑ دینے کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ اصله ورود الابل الماء یوماً وترکه یوماً ثم استعمل فی فعله حیناً وترکه حیناً فیفعله یوماً ویترکه یوماً (مناوی ص ۱۰۷)

جیسا کہ حدیث میں زرغِباًتزددحبا (وقفہ وقفہ سے ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے) سے بھی اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ اور متواتر تدھین (تیل لگانے) اور تسریحِ شعر (کنگھی کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

لان مواظبته تشعر بشدة الامعان فی الزینة والترفه وذلک شان النساء .(مواهب ص ۵۲) (اس لئے کہ اس پر مواظبت آرائش وزیبائش میں انہاک کی علامت ہے جو عورتوں کی عادت ہوتی ہے)

ابن عربیؒ کا ارشاد:

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ تیل کنگھی میں موالات اور تواتر تصنع ہے اس کا قطعاً چھوڑ دینا تدنّس (میل کچیل کا جمع ہونا) اور کبھی ترک کبھی اختیار یعنی اغباب سنت ہے۔ موالاته تصنّع وترکه تدنّس واغبابه سنة (مناوی ص ۱۰۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاارشاد:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت تب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ ممانعت بطور کراہت تنزیہی کے ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب بالوں میں پراگندگی نہ ہو، پراگندگی کی صورت میں روزانہ کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے (خصائل)

(۳۵/۵) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرفَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْاَوْدِيِّ عَنْ حُمِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا..

ترجمہ! ہمیں حسن بن عرفہ نے بیان کیاانہیں عبدالسلام بن حرب نے بیان کیا۔انہوں نے یزید بن ابی خالد سے اورانہوں نے ابوالعلاء اودی سے یہ روایت نقل کی۔انہوں نے یہ روایت حمید بن عبدالرحمٰن سے اخذ کی اور وہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۲۸) حسن بن عرفہؒ (۱۲۹) عبدالسلام بن حربؒ (۱۳۰) یزید بن ابیؒ خالد (۱۳۱) ابوالعلاء الاوریؒ (۱۳۲) اور حُمید بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب سند میں صحابی مجہول ہو:

عن رجل ! رجل سے مراد صحابی رسولؐ ہیں بعض حضرات نے کہا کہ وہ حکم بن عمرو ہیں بعض نے کہا عبداللہ بن سرجسؓ ہیں بعض نے کہا ابن مغفل ہیں۔

روایت کی سند میں صحابی کا نام نہیں ہے لہذا یہ روایت بھی مجہول شمار ہوگی تاہم حضراتِ محدثین کا اصول ہے کہ اگر صحابی سے نیچے والا کوئی راوی مجہول ہے تو روایت کا حکم بھی مجہول کا ہوگا اور

اگر کسی صحابی کا نام نہیں ہوگا اور اس سے روایت ہوگی تو یہ روایت معتبر ہوگی اور صحابی کا نام مجہول ہونے کے باوجود، مجہول راوی کا حکم نہیں لگایا جائے گا روایت ثقہ تسلیم ہوگی کہ سب صحابہ عدول ہیں اور ان سے کسی غلط بیانی کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ علماء محدثین فرماتے ہیں **وابهام الصحابی لا یضر لانّ کلهم عدول** (مناوی ص ۱۰۷) یعنی روایت میں صحابی کا مبہم ہونا مضر نہیں، اس لئے کہ سارے صحابہ عادل تھے۔

کنگھی کرنے میں سنت طریقہ:

ان النبی ﷺ کان یترجّل غباً ای کانت عادته انه لا یبالغ فی الترجّل بل یفعله یوماً ویترکه یوماً (مناوی ص ۱۰۸) یعنی نبی کریم ﷺ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہیں کرتے بلکہ ایک دن کنگھی فرماتے اور ایک دن چھوڑ دیتے۔ **وفی روایة النسائی عن حمید بن عبدالرحمن قال لقیت رجلاً صحب النبی ﷺ کما صحبه ابوهریرة اربع سنین قال نهانا رسول الله ﷺ ان یمتشط احدنا کل یوم** (جمع ص ۱۰۷) (نسائی میں حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو آپؐ کی صحبت میں اس طرح رہا تھا جیسا کہ ابوھریرہؓ، وہ شخص کہنے لگا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم ہرروز کنگھی کریں)

خلاصہ یہ کہ ہرروز کنگھی کرنے کے بجائے درمیان میں وقفہ بھی کیا جائے۔

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ شَيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے آجانے کے بیان میں

اس باب میں مصنف نے آٹھ (۸) حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ای باب ماجاء فی الاخبار الواردة فی تحقیق شیبه (مناوی ص ۱۰۸) (یعنی باب ان احادیث کے متعلق جو آپ ﷺ کے شیب (بالوں کی سفیدی) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) موضوع ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے بیان یہ کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوئے تھے یا نہیں؟ سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی آئی تھی یا نہیں؟ اور اگر آئی تھی تو کس قدر؟ کیا آپؐ نے ان میں خضاب لگایا تھا؟ اور ان مبارک بالوں کی سفیدی خوفِ خدا کی وجہ سے تھی، اس باب میں ان باتوں کی تفصیل ہے۔

شیب کا معنیٰ اور آثار:

الشیب اور الشیبة دونوں مصدر ہیں وهو ابیضاض الشعر الاسود ویطلق علی الشعر الابیض یقال رجل اشیب والمشیب الدخول فی حدّ الشیب (اتحافات ص ۷۶) یعنی الشیب کا مطلب کالے بالوں کا سفید ہونا، یہ لفظ سفید بالوں پر بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے سفید بالوں والا مرد اور مشیب بڑھاپے کی عمر میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔ ویوخذ من القاموس انه یطلق علی بیاض الشعر وعلی شعر الابیض (مواھب ص ۵۳) (اور قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیب کا اطلاق بالوں کے سفید ہونے پر اور سفید بالوں پر ہوتا ہے)

بابِ شیب کو باب الشعر کے بعد لائے لانه من عوارضه (جمع ص ۱۰۸) (اسلئے کہ سفیدی بالوں کے عوارض میں سے ہے)

اور ترجّل کے بعدلائے لان الترجّل عملٌ یقتدیٰ به فیه (مواهب ص ۵۳) (اس لئے کہ ترجّل (کنگھی کرنا) ایسا عمل ہے جو بالوں ہی میں ہوگا) واخر المصنف الشیب عن الترجّل لان الترجّل سنة (اتحافات ص ۷۶) یعنی مصنفؒ نے شیب (سفید بالوں) کا بیان ''باب الترجّل'' سے مؤخر کیا اس لئے کہ ترجّل (کنگھی کرنا) سنت ہے۔

شیب کا لغوی معنیٰ بالوں کی سفیدی ہے جو بڑھاپے کے آثار میں سے ہے ویسے جب بڑھاپے کے آثار شروع ہو جائیں تو ہر ایک چیز کا اپنا نام ہے بدن میں ضعف آجائے تو ھرم کہلاتا ہے بالوں میں سفیدی آجائے تو شیب ہے دماغ میں خلل پڑ جائے تو خرف ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں والمتحصل من الروایات أن شیبه ﷺ کان فی ثلاثة مواضع فی مفرق رأسه وفی الصدغین وفی العنفقة وهی مابین الذقن والشفة السفلیٰ (اتحافات ص ۷۶) یعنی شیب سے متعلق روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ کے سفید بال تین مقامات پر تھے۔

۱۔ سر کے جس حصّہ میں مانگ نکالی جاتی ہے

۲۔ کنپٹیوں پر

۳۔ ریش بچہ میں، جو ٹھوڑی اور نیچے ہونٹ کے درمیان میں ہوتا ہے

اسی پر علماء امت کا اتفاق ہے علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے سرِ اقدس اور داڑھی مبارک میں کل سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔

موئے مبارک اور حضرت ام سلمہؓ کا معمول:

حضور اقدس ﷺ کے بال، متبرک اور مبارک تھے تبرّک اور حصولِ برکات کے لئے صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنینؓ اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔

بخاری شریف اور مشکوٰۃ میں ہے حضرت عثمان بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے مجھ کو پانی کا پیالہ دے کر امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہؓ کے پاس بھیجا اور اس کا یہ عام معمول بھی تھا کہ جب کبھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی مریض ہوتا تو میری اہلیہ برتن میں پانی ڈال کر حضرت امّ سلمہؓ کے پاس بھیج دیا کرتی

کیونکہ ان کے پاس آپ ﷺ کا موئے مبارک تھا فأخرجت مِن شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم وكانت تمسكه في جلجل مِن فضة فخضخضته له فشرب منه تو حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک کو نکال لیتیں جو چاندی کی نلی میں رکھا ہوا ہوتا تھا اور پانی ڈال کر وہ پانی پلا دیتیں تھیں مریض وہ پانی پی لیتا جس سے اس کو شفا حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ (مشکوۃ ص ۳۹۱)

صحابہ کرامؓ کی موئے مبارک سے محبت :

صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے کتنی محبت تھی، کس حد تک عشق تھا مسلم شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے رأيت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم والحلاق يحلقه وطاف به أصحابه فمايريدون أن تقع شعرة إلا في يد رجل کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال بنا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے قلت لعبيدة عندنا مِن شعر النبي صلى الله عليه وسلم أصبناه مِن قِبل أنس ومِن قبل أهل أنس فقال لأن تكون عندى شعرة منه أحب إلىّ مِن الدنيا وما فيها یعنی میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ یا اہل انسؓ سے پہنچے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا دنیا و مافیھا سے محبوب تر ہے۔

(صحیح البخاری جلد اول ص ۲۹۔ نور محمد اصح المطابع دھلی)

(۳۶/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ اِنَّمَا كَانَ شَيْئًا فِيْ صُدْغَيْهِ وَلٰكِنْ اَبُوْبَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو ابو داؤد نے خبر دی۔ انہوں نے ہمام سے اور ہمام نے قتادہ

سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ خضاب کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور اقدس ﷺ کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۳۳) ابوداؤد الطیالسیؒ اور (۱۳۴) ھمام بن یحییٰ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کیا حضور اقدس ﷺ نے خضاب لگایا تھا:

قال قلت لأنس بن مالک ھل خضب رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟ ھل غیّر بیاض رأسه ولحیته ولونه بالحناء و نحوه لأن الخضب کالخضاب بمعنی تلوین الشعر بحمرة (مواھب ص ۵۳) (کیا آپؐ نے سر اور داڑھی کے سفید بال اور اس کا رنگ مہندی وغیرہ سے تبدیل کیا تھا، کہ "خضب" کا لفظ خضاب کی طرح ہے بمعنی بالوں کو سرخی سے رنگنا)

یہ لفظ خَضَبَ (ضرب) کے باب سے ہے مصدر خضاباً ہے یعنی سفید بالوں کو رنگ دینا۔ پہلے زمانے میں مہندی یا وسمہ سے رنگ دیا کرتے تھے اور کتم نامی ایک بوٹی سے بھی رنگ دیا جاتا تھا۔

یبلغ میں ضمیر کا مرجع:

قال لم یبلغ ذلک 'فرمایا اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی (۱) یبلغ میں فاعل کی ضمیر رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو راجع ہے فالضمیر فی یبلغ راجع للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کما قاله بعض الشراح وھو الظاھر (مواھب ص ۵۳) (یبلغ کی مستتر ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں جیسے کہ بعض شارحین نے یہی کہا ہے اور بظاہر یہی مراد ہے)

(۲) ضمیرِ فاعل شَعر کی طرف راجع ہے کیونکہ خَضَب کا مفعول شَعر محذوف ہے والمحذوف

کالملفوظِ (اور محذوف کا حکم ملفوظ جیسا ہوتا ہے)

(۳) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ویجوز أن یکون الضمیر المستکن راجعاً الی الشیب المذکور حکماً بقرینة خضب ای مابلغ شیبه ذلک مبلغاً یحتاج إلی الخضاب (جمع ص ۱۰۸) یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ (یبلغ میں) ضمیر مستتر شیب کی طرف راجع ہو، جو کہ خَضب کے قرینہ سے حکماً مذکور ہے (اب معنیٰ یہ ہوگا کہ) آنحضرت ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔

صُدغین میں سفیدی:

إنما کان شیبًا فی صُدغیه چونکہ صرف آپؐ کنپٹیوں پر کچھ سفیدی آئی تھی اور ان کی بھی صورت یہ تھی کہ ان چند گنے چنے بالوں پر خضاب کی ضرورت ہی نہ تھی تو ظاہر ہے کہ آپؐ جب بھی ان بالوں پر تیل لگاتے تو وہ اوجھل ہوجاتے تھے اور اگر تیل نہ لگاتے تو پھر ظاہر ہوتے. وکان إذا دھن لم یتبیّن فان لم یدھن تبیّن (جمع ص ۱۰۹)

کان میں ضمیر شیب کی طرف راجع ہے قرینہ یہی ہے کہ خضاب شیب پر کیا جاتا ہے أی إنما کان شیبه صلی اللّٰه علیه وسلم شیئاً قلیلاً یعنی آپؐ کے بالوں میں سفیدی تھوڑی سی تھی اور بعض نسخوں میں شیئاً کی جگہ شیباً نقل ہوا ہے۔

صدغیه یعنی کنپٹیاں، آنکھ اور کان کے درمیان کی جگہ کو صُدغ کہتے ہیں صدغیه تثنیة صدغ (بالضم) وھو مابین لحاظ العین إلی أصل الأذن (مواھب ص ۵۳) صدغیه کا لفظ صدغ کا تثنیہ ہے اس کا معنیٰ وہ جگہ جو آنکھ کے گوشہ اور کان کی جڑ کے درمیان ہو) جو بال یہاں لٹکے ہوں اُن کو بھی صُدغ کہتے ہیں وھو من باب إطلاق المحل وإرادة الحال (جمع ص ۱۰۸) (یہ محل بول کر حال مراد لینے کے قبیل سے ہے) تو گویا یہاں صدغ محل کا ذکر ہے اور مراد حال (اسی جگہ کے بال) ہیں۔

صُدغین میں حصر کیوں؟

اس روایت میں تصریح بلکہ کلمہ إنما کے ساتھ حصر ہے کہ بیاض صرف صُدغین میں تھا جبکہ بخاری کی روایت میں ہے أن البیاض کان فی عنفقته کہ ریش بچہ میں سفید بال تھے۔ اسی طرح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کان فی لحیته شعرات بیض یعنی داڑھی میں کچھ سفید بال تھے۔ صاحبِ مواھب نے تصریح کی ہے إنما کان البیاض فی عنفقته وفی الصدغین وفی الرأس نبذ متفرقة (مواھب ص ۵۳) یعنی متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے بال ریش بچہ، کنپٹیوں اور سر مبارک میں تھے۔ سوال یہ ہے کہ روایتِ باب میں کلمہ إنّما کا حصر کیوں کر درست قرار پائے گا۔

شارحینِ حدیث جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) چونکہ زیادہ سفید بال صُدغین پر تھے تو انحصار ان کے اعتبار سے ہوا۔ لحیه (داڑھی) اور رأس (سر) کے اعتبار سے نہ ہوا۔

(۲) ولعل الحصر فی هذه الروایة اضافی فلا ینافی ما فی البخاری (مواھب ص ۵۳) (یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت میں حصر اضافی ہو، پس یہ بخاری کی روایت کے منافی نہیں ہے)۔

خضاب کی نفی واثبات' تعارض کا جواب:

حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ حناء کے ساتھ خضاب کیا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ بابُ الخضاب میں اس کی تفصیل آ رہی ہے، محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں اس قدر سفیدی نہیں تھی کہ خضاب کا احتیاج ہوتا وھو لاینافی الخضاب (جمع ص ۱۰۹) (اور یہ خضاب کرنے کے منافی نہیں) اسی توجیہ سے ابن حجرؒ کی اس توجیہ کا بھی دفعیہ ہو جاتا ہے کہ لم یخضب إنما قاله بحسب علمه (آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا بلکہ (حضرت انسؓ) نے اپنے علم کے مطابق یہ بات کہی تھی)

کیونکہ حضرت انسؓ سے خضاب کے علم کی نفی ہرگز مناسب نہیں جبکہ وہ تو حضور اقدس ﷺ کے خادمِ خاص، آپ کے ساتھ لازم اور مخلص خدمت گزار تھے ان سے یہ بات بعید ہے کہ حضور اقدس ﷺ خضاب جیسا واضح عمل کرتے ہوں اور انہیں علم نہ ہو۔

(۲) صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے قال رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم یصبغ بالصفرة یعنی میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ زرد رنگ کی مہندی لگا رہے تھے۔

محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ یحتمل أنه صبغ تلک الشعرات القلیلة فی حین من الاوقات وترکه فی معظم الاوقات فاخبر کل بما رأی وکلاهما صادق یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ بعض اوقات آپؐ نے ان تھوڑے سے سفید بالوں میں مہندی لگائی ہو اور اکثر اوقات اس کو ترک کیا ہو تو ہر راوی نے جس طرح دیکھا، اسی طرح خبر دی اور ہر ایک راوی اپنی جگہ پر درست ہے لہذا نفی ایک وقت کے اعتبار سے ہے اور اثبات دوسرے وقت کے اعتبار سے ہے کیونکہ خضاب ہمیشہ نہیں رہتا۔

(۳) بعض حضرات اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ تو صلاحیت کی نفی کر رہے ہیں وہ تو لم یبلغ کی تصریح کرتے ہیں تو محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ نفی ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں صلاحیت نہیں تھی اور اثبات ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں خضاب کی صلاحیت تھی

(۴) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ابھی چونکہ چند بالوں میں شیب کا اثر ہوا تھا لہذا القلیل کا لمعدوم (قلیل (تھوڑا) معدوم (نہ ہونے) کے حکم میں ہوتا ہے) کی وجہ سے نفی کی گئی۔

(۵) ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس نے خضاب کی نفی کی ہے مراد بصفة اللدوام والأغلبیّة (اکثر اور غالب اوقات مہندی لگانے کی) ہے جس نے اثبات کیا ہے وہ بطریق الندرة (کبھی کبھار) کے ہے لہذا دونوں میں تعارض اور منافاۃ نہیں رہا۔

(۶) حضرت انسؓ کی نفی اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب بوجہ کثرتِ شیب کے استعمال نہیں کیا جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ نے کثرتِ شیب کی وجہ سے استعمال کیا کیونکہ وہ اس عمر تک

پہنچ چکے تھے گویا مطلق خضاب کی نفی نہیں ہے۔

خضاب کی جائز اور ناجائز صورتیں:

ولكن ابوبكر خضب بالحناء والكتم لیکن حضرت ابوبکر نے مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کا خضاب کیا ہے۔ مہندی تو مروّج ہے سب جانتے ہیں کہ اس کے استعمال سے ہاتھ اور بال سرخ ہو جاتے ہیں اور کتم ایک بوٹی ہے جس کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اسی کو وسمہ کہتے ہیں اگر اس کے پتوں کو رگڑ کر مہندی کے ساتھ ملایا جائے تو بال نہایت سیاہ ہو جاتے ہیں چونکہ شرعاً سیاہ خضاب کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اسلئے بالحناء والكتم میں واؤ بمعنیٰ او کے ہے یا واؤ مطلق جمع کے لئے ہے کہ حناء اور کتم دونوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کرنے کی اجازت ہے، استعمال میں جمع مراد نہیں۔ معنى الحديث انه خضب بكل منهما منفرداً عن الآخر لأن الخضاب بهما معاً يجعل الشعر أسود وقد صح النهى عن السواد فالمراد أنه خضب بالحناء تارة وبالكتم تارة (مواهب ص ۵۴) (حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایک (مہندی اور کتم) کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کیا اس لئے کہ ہر دونوں کے ساتھ یکجا خضاب کرنا بالوں کو بالکل سیاہ کر دیتا ہے اور حضور ﷺ سے سیاہ خضاب کے متعلق نہی منقول ہے تو گویا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی تو صرف مہندی کا خضاب استعمال کیا اور کبھی صرف کتم (بوٹی) کا) یہ تفصیل اور حکم تب ہے جب دونوں کے یکجا کرنے اور ملانے سے بال خالص سیاہ ہو جائیں جو حضرات دونوں کے یکجا استعمال سے اس کی قطعی سوادیت (یعنی سیاہ ہونے) کا تجربہ رکھتے ہیں ان کے تجربہ کی روشنی میں دونوں کا یکجا استعمال ممنوع ہے۔

(۲) بعض حضرات کا تجربہ اور رائے یہ ہے کہ ان ہر دو کے ملانے سے خالص سیاہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ حمرۃ وسواد کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی سیاہی ہوتی ہے مگر مائل بہ سرخی۔

فإستعما لهما معاً يوجب بين السواد والحمرة وعليه فلا مانع مِن الخضاب بهما معاً (مواهب ص ۵۴) (ان دونوں کا یکجا استعمال کرنا سرخی اور سفیدی کی درمیانی کیفیت پیدا کرتی ہے اگر ایسا ہو تو پھر ہر دونوں کا یکجا استعمال کرنا ممنوع نہ ہوگا)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر سرخ ہوتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ خالص سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔ (خصائل)

(۲/۳۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَيَحْيَى بْنُ مُوْسٰى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا عَدَدْتُ فِیْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهٖ اِلَّا اَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَآءَ..

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور اور یحیٰ بن موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الرزاق نے معمر کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں (۱۴) چودہ سے زائد بال نہیں گنے۔

راویان حدیث (۱۳۵) اسحٰق بن منصورؒ (۱۳۶) یحیٰ بن موسیٰؒ اور (۱۳۷) عبد الرزاقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

سفید بالوں کی تعداد میں اختلاف اور تطبیق:

قال ماعددت ... گویا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری گنتی وشمار کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں سفید بالوں کی تعداد چودہ (۱۴) سے زیادہ نہ تھی۔

اس حدیث میں چودہ (۱۴) سفید بالوں کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں نحواً مِن عشرین شعرةً بیضاء یعنی بیس کے قریب آیا ہے بعض روایات میں سترہ (۱۷) اور بعض میں اٹھارہ (۱۸) کی تصریح ہے۔ محدثین اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ

(۱) یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کا اعتبار کیا جا سکے۔ مختلف احادیث میں محدثین نے یوں تطبیق کی ہے کہ مختلف اوقات میں دیکھنے والوں نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق مختلف خبر دی ہے حضرت انسؓ نے پہلے پہل جو بال دیکھے ان کا ذکر کر دیا اور جب آخر میں کچھ زیادہ یعنی سترہ (۱۷) دیکھے پھر انہی کا ذکر کر دیا۔

(۲) اربع عشرة پر نحواً مِن عشرین (چودہ پر بیس کے قریب ہونا) بھی صادق آتا ہے لکونها اکثر مِن نصفها (مواہب ص ۵۴) (اس لئے کہ چودہ بیس کے نصف سے زائد ہیں)

(۳) پہلے بھی یہی عرض کیا کہ اربع عشرة (چودہ) ایک وقت کی حالت ہے اور نحواً مِن عشرین۔ (بیس کے قریب) دوسرے وقت کی حالت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گننے والے سے کوئی بال شمار میں رہ گیا ہو۔

(۳۸/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ سَمُرَةَ یَسْئَلُ عَنْ شَیْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ اِذَا ادَّهَنَ رَأْسَهٗ لَمْ یُرَ مِنْهُ شَیْبٌ وَاِذَا لَمْ یَدَّهِنْ رُءِیَ مِنْهُ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا' اُن کو ابوداؤد نے اور اُن کو خبر دی شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے' وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرۃؓ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔

نحوی بحث:

فقال کان اذا ادّھن ... (۱) اگر دھن بغیرِ ہمزہ کے ہوتو باب ضرب سے متعدی ہے اور اگر ہمزہ کے ساتھ ہوتو باب افعال سے ماضی ہے اور رأسہ مفعول بہ ہے۔

(۲) یا ادّھن افعال اور افتعال سے ماضی مجہول ہے اس صورت میں دال مشدّد ہے اور رأسہ نائب فاعل بن کر مرفوع پڑھا جائے گا۔

(۳) اگر رأسہ اس صورت میں بھی (جب ادّھن افعال یا افتعال سے ماضی مجہول ہو) منصوب پڑھا جائے تو یہ منصوب بنزع الخافض ہوگا ای فی رأسہ۔ (یعنی اصل میں ادّھن فی رأسہ تھا لفظ فی کو دور کر کے رأسہ کو نصب دیا گیا) یا تمیز بنے گا جیسے کہ الاّ من سفہ نفسہ ای نفساً (میں نفسہ منصوب بنا بر تمیز کے ہے یعنی الّا من سفہ نفساً ہے) یعنی اذا ادّھن شیباً الخ (یعنی یہ بھی دراصل ادّھن شیباً ہوگا)

(۴) لم یر منہ شیب میں ضمیرِ مجرور منہ کا مرجع یا شعر رأسہ (آپؐ کے سر کے بال) ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے یا منہ کا مرجع دھن ہے جو ادھن سے مفہوم ہے تو اس صورت میں مِن اَجلِہٖ ہوگا کہ عدم رؤیتِ شیب (سفید بالوں کا نہ دکھائی دینا) بوجہ استعمال دھن (تیل) کے تھی کہ اس سے چمک آجاتی تھی۔

سفید بال بہت کم تھے:

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے مقصد یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں میں تیل لگاتے تھے تو وہ چمک اٹھتے پھر وہ چند سفید بال دکھائی نہ دیتے لالتباس البیاض ببریق الشعر مِن الدھن (مواھب ص ۵۴) (سفید بالوں کا تیل لگے ہوئے بالوں کے ساتھ التباس کی وجہ سے) یا تیل لگانے کے بعد کنگھی کرنے سے دیگر بالوں کی تہوں میں سفید بال چھپ جاتے اسلئے کہ وہ بہت کم تھے۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ آپؐ کے سفید بالوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ووقع فی روایۃ مسلم والنسائی عن جابر ایضاً کان رسول اللہ ﷺ قد شمط مقدم رأسہ ولحیتہ

وکان اذا ادّھن لم یتبیّن واذاشعث رأسه تبین قال الطیبی شعث ای تفرق شعر رأسه فدل هذا علی انهٗ عندالادهان کان یجمع شعر رأسه ویضم بعضه الی بعض وکانت الشعرات البیض من قلتها لاتبین فاذا شعث رأسه ظهرت (جمع ۱۱۲) (مسلمؒ اورنسائیؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے سراُور داڑھی کے سامنے والے حصے میں کنگھی کی تھی، جب آپؐ سر میں تیل لگاتے تو سفید بال واضح نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو الگ الگ کرتے تو وہ ظاہر ہو جاتے۔ بقول طیبیؒ کے، شعث کے معنی سر کے بالوں کو الگ الگ کرنا تو اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تیل لگاتے وقت آپؐ سر کے بالوں کو اکٹھا کرتے تو سر کے سفید بال قلت کی وجہ سے ظاہر نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو کنگھی سے الگ کرتے تو وہ سفید بال بھی ظاہر ہو جاتے)۔

(۳۹/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْوَلِیْدِ الْکِنْدِیُّ الْکُوْفِیُّ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ اٰدَمَ عَنْ شَرِیْکٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ شَیْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِیْنَ شَعْرَةً بَیْضَآءَ ..

ترجمہ! محمد بن عمرو بن ولید کندی کوفی نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی یحیٰی بن آدم نے شریک کے حوالے سے۔ اُن کو یہ روایت عبیداللہ بن عمر سے پہنچی جنہوں نے یہ روایت نافع سے نقل کی اور نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

راویان حدیث (۱۳۸) محمد بن عمرؒ (۱۳۹) یحیٰی بن آدمؒ (۱۴۰) شریکؒ (۱۴۱) عبیداللہ بن عمرؒ (۱۴۲) نافعؒ اور (۱۴۳) عبداللہ بن عمرؓ (۱۴۴) عاصم بن عمر کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قلتِ شیب کی ایک توجیہ:

قال انما کان شیب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نحواً ... ای قریباً منها (مواهب ص ۵۵) اور یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ کی روایت کے مخالف نہیں ہے

قاضی محمد عاقل شارح الشمائل لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال کم ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات عورتیں سفید بالوں کو ناپسند کرتی ہیں اور اگر حضور اقدس ﷺ کی کسی چیز کو ناپسندیدگی سے دیکھا جائے تو کفر ہے نعوذ باللہ مِن ذلک ' لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی محافظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کے بالوں کو زیادہ سفید نہیں ہونے دیا

(حلاوۃ المتعلمین)

....

(۵/۴۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَآءِ اَخْبَرَنَا مُعَاوِیَةُ بْنِ هِشَامٍ عَنْ شَیْبَانَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عِکْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَیَّبَتْنِیْ هُوْدُ وَّ الْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَ عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ .

ترجمہ! ابو کریب محمد بن علاء نے ہمیں بیان کیا ۔ اُن کو معاویہ بن ہشام نے خبر دی ۔ انہوں نے یہ روایت شیبان سے اور انہوں نے ابو اسحٰق سے نقل کی' ان کے استاد عکرمہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے ۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃِ ھود' سورۃِ واقعہ' سورۃِ مرسلات ' سورۃِ عم یتساء لون' سورۃِ اذا الشمس کورت' ان سورتوں نے مجھے بوڑھا بنا دیا ۔

راویانِ حدیث (۱۴۵) ابو کریبؒ (۱۴۶) معاویہ بن ہشام (۱۴۷) شیبانؒ (۱۴۸) عکرمہ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

قیامت کے ہولناک مناظر نے بوڑھا کر دیا :

قال ابوبکر یا رسول اللہ قد شبت ... حدیث کا واضح مفہوم ترجمہ میں آ چکا ہے حضرت ابوبکر کے جواب میں آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ھود' المرسلات' عم یتساء لون اور واذا الشمس کوّرت نے بوڑھا کر دیا ۔ طبرانی نے الحاقة' ابن مردویة میں ھل أتاک حدیث الغاشیة' ابن سعد میں ألقارعة وسأل سائل اور واقتربت الساعة کا اضافہ ہے ۔

ملا علی قاریؒ مذکورہ سورتوں کے نام لے کر فرماتے ہیں واشالها مما یدل علی احوال

القیامة واھوالھا (جمع ص ۱۱۳) یعنی ان جیسی سورتیں جو قیامت کے ہولناک حالات کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ اختلاف یا تو تعددِ واقعات کی وجہ سے ہے یا روایت بالمعنیٰ ہے یا اختصار پر محمول ہے اور جہاں صرف سورۂ ہود کا ذکر آیا ہے۔

اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں امر مشکل فاستقم کماأمرت ہے (ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپ ؐ کو حکم دیا گیا ہے) جیسا کہ الاستقامة فوق ألف کرامةٍ (استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے) سے واضح ہے۔

بعض حضرات نے شبہ کیا ہے کہ یہ امر تو سورۂ شوریٰ میں بھی ہے محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں سورہ شوریٰ میں خصوصاً آپ ؐ کو حکم ہے واستقم کما امرت ولا تتبع اھوأء ھم (۴۲:۱۵) (اور قائم رہ جیسا کہ حکم کیا گیا تو۔ اور مت پیروی کر خواہشوں ان کی) اور سورہ ھود میں آپ ؐ کے ساتھ آپ کی امت کو بھی حکم ہے واستقم کما امرت ومن تاب معک (۱۱:۱۱۲) (پس سیدھا رہ جس طرح سے حکم کیا گیا تو اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ) تو امت پر شفقت و رأفت کی بنا پر آپ کو سورۂ ھود کی ہولناکیوں سے زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ سوال بوجہ ان کے رقیق القلب ہونے اور آپ ؐ سے بے تکلف تعلقِ خاطر ہونے کے پیش نظر تھا اور آپ ؐ کا جواب بھی آپ ؐ کے امور آخرت میں فکر و اہتمام و کثرة حمله لاعباء امته (اور اپنی امت کے زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے) پر مشتمل تھا (اتحافات ص ۷۹)

یا ربّ امتی :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکرِ آخرت اور فکرِ امت کا کس قدر اہتمام تھا، شیخ عبدالجواد الدومی ؒ نے اپنی کتاب میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔

(۱) امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات اٹھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر موجود نہ تھے پریشان ہوئی اور آپ ؐ کو تلاش کرتے کرتے جنت البقیع پہنچ گئی دیکھا تو آپ ؐ قیام کی حالت میں ہیں اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا گڑگڑا کر تضرع و ابتھال کے ساتھ

دعا کر رہے ہیں۔ زبان مبارک سے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ ذات کے لئے نہیں بلکہ امت کے لئے تھے یا ربّ امتی (اے ربّ میری امت) اور جب سجدے میں گئے تب بھی ''یا ربّ امتی'' کا ورد زبان پر تھا۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں یہ اضطراب انگیز منظر دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! أین القرآن لقد نسیته لأجل هذهِ الأمة یعنی قرآن کہاں ہے اس سے تعلقِ خاطر نمایاں ہونا چاہئے آپؐ نے سجود وقیام میں گویا قرآن بھلا کر امت کی فکر اور امت کے ذکر کو اپنا لیا۔

آپؐ نے سنا تو فرمایا یاعائشة! أتعجبین مِن هذا تمہیں امت سے میرے اس تعلق خاطر پر تعجب ہے اقول ما دمت فی الحیاة یا ربّ امتی میں جب تک زندہ رہوں گا یا ربّ امتی کہتا رہوں گا فاذا دخلت القبر أقول یا ربّ امتی پھر جب قبر میں داخل ہوں تب بھی یا ربّ امتی کہوں گا فاذا نفخ فی الصور أقول یا ربّ امتی جب صور پھونکا جائے گا میں تب بھی یا ربّ امتی کہوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ کسوف کے لئے سجدے میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں رہے اور بڑے تضرع، عجز و انکسار اور عاجزی سے دعا کرتے رہے ألم تعدنی أن لا تعذبهم و أنا فیهم اے میرے ربّ کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک میں ان کے درمیان رہوں آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرماویں گے۔

ألم تعدنی ان لا تعذبهم وهم یستغفرون ونحن نستغفرک کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرماویں گے اور ہم تو آپ سے استغفار کرتے ہیں۔

(۳) امام قرطبیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے میں لکھا ہے۔ فاذا عصف الصراط بأمتی جب میری امت کا پل صراط پر گزرنا سخت اور دشوار ہو جائے گا نادوا وا محمداه! وامحمداه! تو میری امت بے قراری سے چیخ اٹھے گی اور پکارے گی۔ وا محمداه، وا محمداه! فأبادر مِن شدة اشفاقی علیهم میں اپنی امت پر شدتِ اشتیاق اور تعلق خاطر کی وجہ سے ان سے آگے آگے ہونگا۔

فکرآخرت میں نڈھال ہوجانے کی وجہ سے وجبریل آخذ بحجزتی ۔جبریل میری کمر پکڑے ہوئے ہوں گے فانادی رافعاً صوتی میں بارگاہ صمدیت میں بلند آواز سے دعاوالتجا کروں گا یاربّ امتی اے میرے ربّ!میری امت کی مغفرت فرما۔ لا اسئلک الیوم لنفسی ولا فاطمة بنتی ، آج نہ تو میں اپنی ذات کے لئے کوئی سوال کرتا ہوں اور نہ اپنی لختِ جگر فاطمہؓ کے لئے میری تو ایک ہی دعا ہے یا ربّ امتی (اتحافات ص ۷۹. ۷۰)

حدیثِ باب میں مذکورہ سورتوں میں مابه الاشتراک فاستقم کما امرت ہے اور استقامت ہی اصل چیز ہے اور بہت مشکل ہے اس حدیث کی تشریح وتوضیح میں ابن جوزیؒ نے مستقل رسالہ " فیض الجود فی حدیث شیّبتنی هود " کے نام سے لکھا ہے۔

قد شبت کا ایک معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ ظهر فیک آثار الشیب مِن الثقل وضعفِ البدن ونحوهما فهو لاینافی ماسبق مِن قلة الشیب ..... والصواب ماذکره میرک مِن أن معناه ظهر فیک أثر الضعف والکبر انتهیٰ (جمع ص ۱۱۳) یعنی آپؐ میں بڑھاپے کے آثار مثلاً بدن کا بوجھل اور کمزور ہونا اوران جیسی علامات ظاہر ہوگئیں لہذا یہ قلتِ شیب (بمعنیٰ سابق) کے منافی نہیں ہے،جس کا ذکر پہلے ہوگیا۔۔۔اور درست توجیہ وہ ہے جس کو علامہ میرک نے ذکر کیا ہے کہ " آپؐ میں بڑھاپے اور کمزوری کا اثر ظاہر ہوگیا ہے "۔ قال صلی اللّٰه علیه وسلم شیّبتنی ای ضعفتنی ووهنت عظامی وارکانی لما اوقعتنی فی الهموم واکثرت احزانی (جمع ص ۱۱۳) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود الخ نے بوڑھا کردیا یعنی ان سورتوں میں مذکورہ قیامت کے ہولناک مناظر کے تصور نے مجھے کمزور کردیا اور میرے اعضاء وجوارح کو شکستہ کردیا،ان کی وجہ سے میرے غم وحزن میں اضافہ ہوا)۔

ملا علی قاریؒ نے شرح السنۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہؐ! آپ سے شیبتنی هود (کہ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کردیا) کی روایت کی گئی ہے قال نعم فقلت بأیّة آیةٍ قال قوله فاستقم کما امرت انتهیٰ (جمع ص ۱۱۳) (آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تو دوبارہ میں نے عرض کیا کہ کونسی آیت نے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کے اس قول (کہ تو جیسے حکم کیا گیا ویسے استقامت دکھلائے)

(۴۱/۶) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاکَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَیَّبَتْنِیْ هُوْدُ وَّ اَخَوَاتُهَا.

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن بشر نے خبر دی' انہوں نے یہ روایت علی بن صالح سے اور انہوں نے ابواسحٰق سے نقل کی۔ وہ ابوجحیفہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ پر کچھ بڑھاپے کا (ضعف) محسوس ہونے لگا حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود جیسی سورتوں نے ضعیف کر دیا۔

راویانِ حدیث (۱۴۹) محمد بن بشرؒ (۱۵۰) علی بن صالحؒ (۱۵۱) حضرت ابوجحیفہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائلِ ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث:

قال قالوا ای الصحابة اورئیسهم ابوبکر والجمع للتعظیم والاوّل اظهر وانما نسب الیهم مع ان القائل واحد لاتفاقهم فی معنیٰ هذا القول فکانّ جمیعهم قالوا (جمع ص ۱۱۵) یعنی صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا ان کے رئیس حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔ اور جمع کا صیغہ (قالوا) تعظیم کے لئے ہے تاہم پہلی توجیہہ زیادہ ظاہر ہے۔ سوال کرنے والا صحابی اگرچہ ایک تھا لیکن سوال سب کی طرف سے منسوب کیا گیا اس لئے کہ سارے صحابہؓ اس سوال کے مقصد پر متفق تھے تو گویا یہ سوال سارے صحابہؓ نے کیا۔

بہرحال صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

آپ ؐ کو بوڑھا کر دینے والی سورتیں:

ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مسجد نبوی میں منبر کے قریب تشریف فرما تھے اچانک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اس حال میں اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے ۔ قال انس وکان ابوبکر رجلاً رقیقاً وکان عمر رجلاً شدیداً حضرت ابوبکر صدیقؓ انتہائی نرم تھے اور حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا بابی وامی لقد اسرع فیک الشیب ۔ میرے ماں باپ آپ ؐ پر قربان!

آپؐ پر تو بڑھاپے نے جلدی کر دی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی طرح امڈ پڑے۔

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجل: شيبتنى هود واخواتها ۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! مجھے سورۃ ہود نے اور اسی طرح دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے **قال ابوبكر بابى وامى ما اخواتها ؟** ابوبکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان اسی طرح کی اور سورتیں کونسی ہیں۔ **قال الواقعة والقارعة وسأل سائل واذا الشمس كوّرت** (جمع ص ۱۱۵)

(آپ ﷺ نے فرمایا سورہ واقعہ، القارعہ، سأل سائل، اور اذا الشّمس کوّرت ہیں)

(۴۲/۷) **حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَانَا شُعَيْبُ بْنُ صَفْوَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ الْعِجْلِيِّ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ تَيْمِ الرِّبَابِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنٌ لِيْ قَالَ فَاُرِيْتُهُ فَقُلْتُ لَمَّا رَاَيْتُهُ هٰذَا نَبِيُّ اللّٰهِ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَهُ شَعْرٌ وَقَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبُهُ اَحْمَرُ .**

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعیب بن صفوان نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالملک بن عمیر سے اور انہوں نے ایاد بن لقیط عجلی سے نقل کی۔ وہ ابو رمثہ تیمی تیم الرباب سے روایت نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لیئے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہتے ہیں۔ کہ مجھے حضور اقدس ﷺ دکھلائے گئے میں نے جب حضور اقدسؐ کو دیکھا تو مجھے معاً یہ کہنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

اس وقت حضور اقدس ﷺ دو سبز کپڑے پہن رہے تھے اور آپؐ کے چند بالوں پر کچھ بڑھاپے کے آثار غالب ہو گئے تھے لیکن وہ بال سرخ تھے۔

راویانِ حدیث (۱۵۲) شعیب بن صفوانؒ (۱۵۳) عبدالملک بن عمیرؒ (۱۵۴) ایاد بن لقیطؒ اور (۱۵۵) حضرت ابو رمثہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

هذا نبی اللّٰہ :

قال اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ومعی ابن لی ... ابو رمثہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میرے ساتھ اس وقت میرا بیٹا بھی تھا۔ لم یذکر اسمه وروایة الترمذی عن الاب وفی روایة ,,ومعی ابی ،، فتکون مِن الابن ، فلا تنافی (اتحافات ص ۸۱) (ابو رمثہ نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور ترمذی کی روایت باپ سے ہے اور ایک روایت میں ہے (کہ ابو رمثہ کہتے ہیں) کہ میرے ساتھ میرا باپ تھا تو پھر روایت بیٹے سے ہوگی۔ اس لئے دونوں روایات میں منافات نہیں ہے) قال فاریته. کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو دکھایا اس میں هو ضمیر ابن کو راجع ہے فاریتهٗ فعل مجہول ہے ای جعلنی ابی اوغیره رائیاً رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم (جمع ص ۱۱۶) پھر جب میرے بیٹے نے آپؐ کو دیکھا فقلت لما رآیته ای مِن غیر تامل وتراخ (جمع ص ۱۱۶) پھر جب میں نے آپؐ کو دیکھا تو مجھے یہ کہنا پڑا۔ هذا نبی اللّٰه معناه علمت یقیناً انه نبی اللّٰہ مِن نور جماله العَلّی وظهور کماله الجلّی حیث لا یحتاج الیٰ اظهار معجزة واتیان برهانٍ ومحجة (جمع ص ۱۱۶) (میں یقینی طور پر جان گیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں آپؐ کے نورِ جمال اور کمالِ جلی کے ظہور سے، جس کے لئے کسی معجزہ یا دلیل و برہان کے لانے کی ضرورت نہیں تھی)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ بھی یہی مشہور ہے جو یہودیوں کے بڑے عالم تھے وہ خود کہتے ہیں کہ جونہی میں نے پہلی نظر میں آپؐ کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا عرفت أنّ وجهه لیس بوجهِ کذاب (شمائل ترمذی) (کہ میں نے جان لیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں)

جمالِ رخِ انور صلی اللہ علیہ وسلم :

وقیل أرئیته مبنی للمعلوم ولعله أنس فقلت حین رأئیته علی البداهة ! هذا نبی اللّٰه ' لنور بهائه وشدة جماله وظهور کماله (اتحافات ص ۸۱) یعنی ایک قول یہ ہے کہ أرئیته صیغہ معروف کے ساتھ ہے۔۔۔ آپؐ کو جونہی میں نے دیکھا تو کمالِ ظہور، بے پناہ حسن و جمال اور حیران کن انوار کی وجہ سے میں بلا تامل کہنے لگا کہ یہ تو اللہ کے نبی ہیں۔

ایک امتی کا جمال اور جلال:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ہیبت و اجلال کے آثار اور نبوت کے انوار تھے جن کو دیکھ کر بے اختیار انسان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے۔ ہم گناہ گاروں نے تو چودھویں صدی کے آپؐ کے ایک امتی ایک سچے عاشق ایک محبِ صادق استاذی واستاذ العلماء محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مبارک چہرہ کو دیکھا اور بار بار دیکھا کبھی سیری نہیں ہوتی تھی ہر بار نیا رنگ نیا حسن جمال ایسا کہ دیکھتے رہیئے اور جلال ایسا کہ نگاہ اٹھتے ہی نظریں نیچے چلی جاتی تھیں نو وارد کہتا۔ واللہ! میں نے آج تک ایسا نورانی چہرہ نہیں دیکھا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا چہرہ ہی ان کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جب چودھویں صدی میں آپؐ کے ایک ادنیٰ امتی کے چہرہ کے جلال و جمال کا یہ عالم ہو تو خود سرورِ عالم ﷺ کے چہرہ انور کے حسن و جمال کا منظر کیا ہوگا۔

ثوبانِ اخضران کی تشریح:

وعلیہ ثوبانِ اخضران اس وقت دو سبز کپڑے آپؐ کے زیبِ تن تھے ایک تو لنگی تھی اور دوسری چادر وھما ازار ورداء مصبوغان بالخضرة (مواھب ص۵۷) ای مصبوغان بلون الخضرة بتمامھا (جمع ص۱۱۶) یعنی مکمل طور پر سبز رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

ملاعلی قاریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ویحتمل انھما کانا مخطوطین بخطوط خضر کما ورد فی بعض الروایات بردان ' بدل ثوبان والغالب ان البرود ذوات الخطوط (جمع ص۱۱۶) (اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں پر سبز دھاریاں تھیں جیسا کہ بعض روایات میں دو کپڑوں کے بجائے دو چادروں کا ذکر ہے اور غالب یہ ہے کہ چادریں دھاری دار ہوتی ہیں)۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں واللباس الاخضر ھو لباس اھل الجنة کما فی خبر ویدل علیه قوله تعالیٰ ویلبسون ثیاباً خضراً (مواھب ص۵۷) یعنی سبز لباس اہل جنت کا لباس ہے

جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے باری تعالیٰ کا قول ''اہل جنت سبز لباس میں ملبوس ہوں گے'' بھی اس دعویٰ پر دلالت کرتا ہے۔

سبز لباس پہننے کا حکم:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وماقيل فيه أن لبس الثوب الاخضر سنة ضعفه ظاهر اذغاية مايفهم منه انه مباح انتهىٰ وضعفه ظاهر إذ الأشياء مباحة علىٰ اصلها فاذا اختار المختار شيئاً منها بلبسه لا شك فی افادة الاستحباب والله اعلم بالصواب (جمع ص ۱۱۷) یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ سبز لباس پہننا سنت ہے اس قول کا ضعف ظاہر ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سبز لباس کا استعمال مباح ہے اور اس کا ضعف بھی ظاہر ہے اس لئے کہ اشیاء اصل کے اعتبار سے خود مباح ہیں، پس جب آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کو لباس کے لئے اختیار کیا تو کم از کم اس کے مستحب ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

سفید بالوں کا سنہری منظر:

وله شعر الخ آپؐ کے بال مبارک نمایاں تھے وقد علاه (ای غلبه وشمله) الشيب (وهذا فی حدود العدد الوارد) ۔(یہ بڑھاپا سفید بالوں کے عدد وارد شدہ تک محدود تھا) جن سے بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ شعر پر تنوین تقلیل کے لئے ہے اس لئے اس کا ترجمہ ,,چند موئے مبارک،، سے کرنا زیادہ موزون ہے وشيبه احمر یعنی یہ سفیدی سرخی مائل تھی اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ ایک فطری اور قدرتی بات ہے کہ جب بال سفید ہوتے ہیں تو پہلے سنہرا پن اختیار کر کے سرخی مائل ہو جاتے ہیں پھر سفید ہوتے ہیں صحابی نے آپؐ کے سفید بالوں کو اس وقت دیکھا ہوگا جب ان میں سنہرا پن آچکا تھا اور اس کے بعد ان پر سفیدی آنے والی تھی۔

(۲) اور دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے وہ محدود بال سفید ہو چکے ہوں اور آپؐ نے

مہندی کا خضاب استعمال کیا ہو اور بال سرخ ہو گئے ہوں۔ شیخ ابراھیم الیجوریؒ فرماتے ہیں۔

والشعر الابیض منه مصبوغ بالحمرة بناء علیٰ ثبوت الخضب منه صلی الله علیه وسلم ویحتمل ان المراد شعره الأبیض یخالطه حمرة فی أطرافه لأن العادة أن الشعر إذا قرب شیبه أحمر ثم أبیض (مواهب ص۵۷) (اور آپ ﷺ کے سفید بال سرخی سے رنگے ہوئے تھے کیونکہ حضور ﷺ سے خضاب کرنا ثابت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کے سفید بالوں کے اطراف میں سرخی کی ملاوٹ معلوم ہوتی ہو کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ جب بالوں میں بڑھاپا آتا ہے تو پہلے کچھ سرخ پھر سفید ہو جاتے ہیں)

(۸/۴۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ قِيلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَكَانَ فِىْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ قَالَ لَمْ يَكُنْ فِىْ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَعَرَاتٌ فِىْ مَفْرِقِ رَاْسِهِ اِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنُ۔

ترجمہ: ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سریج بن نعمان نے خبر دی۔ ان کو حماد بن سلمۃ نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے انہوں نے کہا کہ صرف چند بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

راویانِ حدیث (۱۵۶) سریج بن نعمانؒ (۱۵۷) حماد بن سلمہؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں أکان، جبکہ بعض روایات میں هل کان ہے شعرات میں تنوین تقلیل کے لئے ہے مفرق رأسه سے مراد محل الفرق من رأسه (سرکا

وہ حصہ جس میں مانگ نکالی جاتی ہے) ہےاور مختار میں ہے المفرق وسط الرأس وهو الموضع الذی یتفرق فیه الشعر و كذا فی مفرق الطریق (مواهب ص۵۷) یعنی مفرق سر کے وسط کو کہتے ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں سر کے بالوں میں مانگ نکالی جاتی ہے۔ اور ایسا ہی مفرق الطریق (اس چوگلہ) کو کہتے ہیں جہاں سے راستہ جدا ہوتا ہے)

اذا ادّهن ای استعمل اللدهن ووضعه علی رأسه واراهنّ مِن المواراة ای غیّبهن اللدهن واخفاهن وسترهن بحیث لایراها احد الا بتدقیق نظر وتعمیق بصرو هو کنایة عن قلتهن (جمع ص۱۱۷) یعنی "ادهن" کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ﷺ تیل استعمال کرتے اور اسے سر کے بالوں میں لگاتے تو یہ تیل سر کے سفید بالوں کو چھپا دیتا اور بال ایسے چھپ جاتے کہ تعمق اور غور سے دیکھے بغیر نظر نہ آتے اور یہ ان بالوں کے تھوڑا ہونے سے کنایہ ہے۔

سفید بال اکھیڑنے کا حکم:

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ سفید بالوں کا اکھیڑنا اکثر علماء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

شیخ ابراهیم البیجوریؒ بھی تنبیہ کے تحت فرماتے ہیں۔ ویکره نتف الشیب عند أکثر العلماء لحدیث مرفوع لا تنتفوا الشیب فانه نور المسلم رواه الاربعة وقالوا حسن (مواهب ص۵۷) (اور اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے کیونکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ تم بڑھاپے (سفید بالوں کو) مت اکھاڑو یہ تو مسلمان کے لئے نور (روشنی) ہے۔ یہ حدیث اربعہ (چاروں صحاح) نے نقل کی ہے اور یہ کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث میں سوال بھی چونکہ سر اقدس کے بالوں کے بارے میں تھا اس لئے حضرت جابر بن سمرةؓ نے جواب میں بھی صرف سر مبارک کا ذکر کیا اور داڑھی اور کنپٹیوں کا ذکر نہیں کیا۔

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کرنے کے بیان میں

خضاب کا معنیٰ:

خضاب بروزنِ کتاب ما یخضب به (جس چیز کے ساتھ خضاب لگایا جائے) کو کہتے ہیں کما فی القاموس تلوین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے وھذا انسب للباب (اتحافات ص ۸۳) (اور یہی باب کے زیادہ مناسب ہے) مہندی، وسمہ، کتم اور کسی مرکب سے بالوں کو رنگا جائے خضاب کہلاتا ہے بمعنیٰ تلوین الشعر بالحناء ونحوہ (مواهب ص ۵۸) بعض حضرات نے اس میں عموم کیا ہے کہ بالوں کے علاوہ انسانی اعضاء واندام کو رنگنا بھی خضاب کہلاتا ہے۔

گذشتہ باب سے ربط:

گذشتہ باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سفیدی آئی تھی اور تقریباً اٹھارہ (۱۸) بال سفید ہو چکے تھے اس کے بعد باب ھذا کے انعقاد کی مناسبت یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ آپؐ نے سفید بالوں کا خضاب کیا تھا یا نہیں ناسب اردافه بباب خضابه لیعلم حاله اثباتاً ونفیاً (مواهب ص ۵۸) (باب الشیب کے بعد باب الخضاب کا لانا اس لئے مناسب ہے کہ خضاب کے استعمال کا ثبوت یا نفی معلوم ہو سکے)

مسئلہ خضاب کی تفصیل اور شرعی حکم:

خضاب کے بارے میں تفصیلی بحث اس سے قبل بھی صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱ پر گزر چکی ہے علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب فرمایا تھا یا نہیں اس اختلاف کی وجہ

مختلف روایات ہیں۔

علماءاحناف کا رجحان:

علماء کی اکثریت کا رجحان یہ ہے کہ آپ ؐ نے خضاب نہیں فرمایا تھا آپ ؐ کے بال مبارک جو سرخی مائل اور سنہری تھے وہ قدرتی تھے امام ترمذیؒ کا بھی یہی رجحان ہے احناف کا رجحان بھی اس طرف ہے چنانچہ احناف کی معتبر کتابوں مثلاً درمختار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ ؐ کا عدم خضاب زیادہ صحیح ہے علامہ شامیؒ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی ہے کہ آپ ؐ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں سترہ (۱۷) بال سفید تھے جو خضاب کو نہیں چاہتے تھے۔

صاحبِ مواہب جن کے حوالے بار بار اسی شرح میں نقل کیئے جارہے ہیں ان کے قائل ہیں کہ آپ ؐ نے کبھی کبھی خضاب کیا اور اکثر نہیں کیا بأنه صلى الله عليه وسلم صبغ فى وقت وتركه فى معظم الاوقات .فاخبر كل بما رأى وهذا التاويل كالمتعين كما قاله ابن حجر (مواهب ص ۵۸) (دلیل میں ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات مین اس کے ترک کرنے پر کاربندرہے اس لئے ہر شخص نے جس طرح دیکھا اس کی روایت کردی اور گویا تطبیق کی یہی صورت متعین ہے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ ،حضرت عثمان ذوالنورین ،حضرات حسنینؓ نے خضاب کیا اور سرخ خضاب کے جواز بلکہ استحباب پر علماء احناف کا اتفاق ہے سیاہ خضاب سوائے موقع جہاد کے مکروہ ہے الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مكروه (محيط) (عامۃ المشائخ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے)

شوافعؒ کا مسلک:

شوافع کے نزدیک خضاب سنت ہے اور سیاہ خضاب حرام ہے شیخ ابراھیم الیجوریؒ فرماتے ہیں کہ ہم علماء شافعیہ کے نزدیک سیاہ خضاب حرام ہے اور بغیر سیاہ کے دوسرے خضاب سنت ہیں وھو عندنا معاشر الشافعية بغير السواد سنة وبالسواد حرام پھر واضح طور پر فرماتے ہیں کہ اس پر دلیل

وہ حدیث صحیحین ہے جس میں ارشاد ہے کہ فتح مکہ کے روز ابوقحافہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا جبکہ اُن کی داڑھی اور سر مبارک کے بال سفید تھے تو آپ ؑ نے فرمایا غیّروا هذا بشئي واجتنبوا السواد اس سفیدی کو کسی شئی سے بدل دو اور سیاہ کرنے سے بچو (مواہب ص ۵۸) شیخ ابراھیم بیجوریؒ نے اپنے موقف کو مزید احادیث سے مبرھن کیا ہے ذیل میں ان کا موقف اور مزید دلائل درج کیے جارہے ہیں۔

وفی الصحیحین أیضاً عن ابن عمرؓ أنه رأی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یصبغ بالصفرة زاد ابن سعد وغیرہ عن ابن عمر أنه قال فأنا أحب أن أصبغ بها ومارواہ أحمد وابن ماجة عن ابن وھب قال دخلنا علی أم سلمة فأخرجت إلینا من شعر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فإذا ھو مخضوب بالحناء والکتم وعن أبی جعفر قال شمط عارضا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فخضب بحناء وکتم وعن عبدالرحمٰن الشمالی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یغیر لحیته بماء السدر ویأمر بتغییر الشعر مخالفة للأعاجم وفی حدیث أبی ذر إن أحسن ماغیر تم به الشیب الحناء والکتم أخرجه الأربعة وعن أنس دخل رجل علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وھو أبیض اللحیة والرأس فقال ألست مؤمنا قال بلی قال فاختضب لکن قیل إنه حدیث منکر ولا یعارض ذلک ماورد أنه صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یغیر شیبه لتأویله جمعابین الأخبار بأنه صلی اللّٰہ علیه وسلم صبغ فی وقت وترکه فی معظم الأوقات فأخبر کل بما رأی وھذا التأویل کالمتعین کماقاله ابن حجر.

(مواھب ص ۵۸) (صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو زرد رنگ کی مہندی لگاتے ہوئے دیکھا۔ ابن سعد وغیرہ نے ابن عمرؓ کے حوالے سے اس روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: میں اس سے خضاب لگانے کو پسند کرتا ہوں۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے ابن وہب سے روایت بیان کی ہے کہ ہم ام سلمہ کے ہاں گئے تو انہوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے بال دکھائے تو ان میں حناء اور کتم کا خضاب لگا ہوا تھا۔ ابوجعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں میں کنگھی کی اور اس میں مہندی اور کتم کا خضاب لگایا۔

عبدالرحمٰن الشمالی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کے بالوں کو بیر کے پانی سے متغیر

کرتے اور عجمیوں کی مخالفت میں بالوں کی سفیدی کو متغیر کرنے کا حکم دیتے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں کی سفیدی کو متغیر کرتے ہو وہ مہندی اور کتم ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم مومن نہیں ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں مومن ہوں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ان بالوں میں خضاب لگاؤ۔ تاہم بعض حضرات نے اس حدیث کو ''منکر'' قرار دے دیا۔ یہ مذکورہ روایات اس روایت کے معارض نہیں ہیں جس میں ہے کہ آپؐ نے اپنے سفید بالوں کو خضاب سے متغیر نہیں کیا۔ اس لئے کہ روایات میں تطبیق دیتے ہوئے اس روایت کی تاویل کی گئی ہے۔ تطبیق یوں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی خضاب لگایا اور اکثر اس کو ترک بھی کیا تو ہر راوی نے جس حالت میں آپؐ کو دیکھا اس کو بیان کیا۔ بقول ابن حجر کے یہ تاویل متعین کی طرح ہے)۔

(۱/۴۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ قَالَ اَخْبَرَنِى اَبُورِمْثَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنٍ لِى .فَقَالَ اِبْنُكَ هٰذَا فَقُلْتُ نَعَمْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ لَايَجْنِى عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِى عَلَيْهِ .قَالَ وَرَاَيْتُ الشَّيْبَ اَحْمَرَ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا اَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِىَ فِى هٰذَا الْبَابِ وَاَفْسَرُ لِاَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيْحَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ وَاَبُورِمْثَةَ اسْمُهٗ رِفَاعَةُ بْنُ يَثْرِبِىِّ التَّيْمِىُّ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ اُن کو ہشیم نے خبر دی۔ اُن کو بیان کیا عبدالملک بن عمیر نے، ایاد بن لقیط سے روایت کرتے ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابورمثہ نے خبر دی۔ کہنے لگے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ میرا بیٹا ہے کہ آپ اس کے گواہ رہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں۔ ابورمثہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور اقدس ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام

ترمذیؒ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اورواضح ہے۔

راوی حدیث (۱۵۸) ھشیمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

فقال ابنک ھٰذا ... یہاں پرہمزہ استفہام محذوف ہے فالاصل أھذا ابنک (مواھب ص۵۸) یعنی کیا یہ تمہارا بیٹا ہے۔ دوسری وجہ استفہام یہ ہے کہ آپؐ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا بھی ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یہی اُن کا بیٹا ہے اس لئے دریافت فرمایا کہ کیا واقعۃً یہی تمہارا بیٹا ہے۔ فاستفھم عن کون ابنه ھذا و قال ابنک ھٰذا (مواھب ص۵۸).

أشھدبه ... اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ امر ہو ای کن شاھداً علی اقراری بانه ابنی یعنی میرے اس اعتراف پر آپؐ گواہ رہیے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ صیغہ مضارع ہو أی أعترف و أقربه (مواھب ص ۵۸) (میں اس کا اقرار واعتراف کرتا ہوں)۔

رسمِ جاہلیت کا بطلان:

لا یَجنی علیک ... دراصل زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر باپ کسی قصور یا کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو بدلے میں بیٹا پکڑا جاتا اور اگر بیٹے سے کوئی جرم صادر ہوتا تو باپ پکڑا جاتا تھا لہذا ابو رمثہؓ نے یہ بات اسی نقطہ نظر سے کہی کہ یہ میرا اپنا صلبی بیٹا ہے اگر مجھ سے کوئی جرم یا قصور صادر ہو جائے تو عربوں کے مذکورہ طریقہ کے مطابق میرے اس لڑکے ہی سے بدلہ لیا جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے اس طریقہء جاہلیت کا کلیۃً رد فرمایا اور ارشاد فرمایا لا یجنی علیک ولا تجنی علیه یعنی تیرے بیٹے کے جرم کا تجھ سے اور تیرے جرم کا اُن سے مواخذہ نہ ہوگا۔ بل جنایته علیه وجنایتک علیک ولا تؤاخذبذنبه ولا یؤاخذھو بذنبک لان الشرع أبطل قاعدة الجاھلية قال تعالیٰ ولا تزر وازرة وزر اُخریٰ (مواھب ص۵۸) (بلکہ اس کے جرم کا وبال اور سزا اس پر ہے اور تمہارے جرم کا تجھ پر۔ اس کے گناہ کا مواخذہ تم سے نہیں ہوگا اور نہ وہ تمہارے گناہ پر ماخوذ ہوگا اس لئے کہ شریعت نے جاہلیت کے طریقہ کو مسترد کیا باری تعالیٰ کا ارشاد

ہے ''اور ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔)

دین اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اب اس میں دورِ جاہلیت کا کوئی ظلم یا کسی بھی قسم کی زیادتی کا طریقہ جاری نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی رہ سکتا ہے اسلام کا یہ طریقہ نہیں کہ جرم ایک کا ہو سزا دوسرے کو ملے۔

ملا علی قاریؒ کی نقلِ روایات:

قال ورائیت الشیب احمر ... ابو رمثہؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے آپؐ کے چند سفید بالوں کو سنہری یعنی مائل بہ سرخی دیکھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ أحمرای لقربه مِن البیاض.اوبسبب الخضاب وهو المناسب للباب وزاد الحاکم مِن هذاالوجه وشیبه احمر مخضوب بالحناء ولا بی داؤد وکان قد لطخ لحیته بالحناء وعند احمد فاذا رجل له وفرة بها ردع مِن حناء وفی روایة فرأیت برأسه ردع حناء واخرج ابن الجوزی فی کتاب الوفاء من طریق غیلان بن جامع عن ایاد بن لقیط عن ابی رمثة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخضب بالحناء والکتم وهذه الروایة صریحة فی خضابه صلی الله علیه وسلم (جمع ص ۱۱۹) یعنی سفیدی کے قریب ہونے کی وجہ سے یا خضاب کی وجہ سے وہ بال سنہری معلوم ہو رہے تھے اور یہی (آخری توجیہ) اس باب کے مناسب ہے۔ حاکم نے اسی طریق سے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ مہندی لگانے کی وجہ سے آپ کے سفید بال مائل بہ سرخی تھے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے داڑھی کو مہندی سے لتھیڑا تھا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اچانک ایک شخص جلوہ افروز ہوئے جس کے بال کانوں کی لو تک تھے اور وہ مہندی سے لت پت تھے۔ ایک روایت میں ہے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے آپؐ کے سر کے بالوں کو مہندی سے لت پت دیکھا۔ ابن الجوزی نے ''کتاب الوفاء'' میں حضرت ابو رمثہؓ کے حوالہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہؐ مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے۔ یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب بارے بالکل واضح ہے۔

نفی اور اثبات کی روایت میں تطبیق:

لم یبلغ الشیب والی روایت اور زیرِ بحث خضاب والی روایت بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے

مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں بلکہ تطبیق کی صورت واضح ہے کیونکہ نفی کی روایات میں کثرت کی نفی ہے کہ کثرت سے شیب نمایاں نہیں تھا اور اثبات کی روایات قلت پر محمول ہیں۔

قال ابو عیسیٰ :

قال ابو عیسیٰ ! اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ تلامذہ کا اضافہ ہو مگر یہ احتمال بعید ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصنفؒ کا کلام ہے بناء علی غلبة کنیّته علی اسمه وهو فی ذلک تبع لشیخه ومقتداه وهو الامام ابوعبدالله محمد بن اسمٰعیل البخاری حیث عبر فی صحیحه وسائر تصانیفه ایضاً عن نفسه بابی عبدالله (جمع ص ۱۱۹) (اس بناء پر کہ آپؒ کے نام کے مقابلے میں کنیت کا استعمال غالب تھا اور اس سلسلے میں آپؒ اپنے شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری کے متبع تھے۔ جنہوں نے صحیح بخاری اور اپنے دیگر تمام تصانیف میں اپنے آپ کو "ابوعبداللہ" سے تعبیر کیا ہے) ولم یقل قال بالاضمار لخفاء المرجع والاشتباه بقال سابقاً (جمع ومناوی ص ۱۱۹) (اور امام ترمذیؒ نے اپنے لئے اضمار کے ساتھ "قال" بھی استعمال نہیں کیا ایک تو مرجع مخفی رہتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ راوی کے سابقہ "قال" کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا)۔

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو احسن اور زیادہ بہتر اسلئے کہا ہے کہ اس میں بالوں کے سرخ ہونے کا ذکر ہے کیونکہ بال سفید ہونے سے قبل قبل مائل بہ سرخی ہوتے ہیں مقصد واضح ہے کہ ابھی آپؐ کے بال سنہری تھے اور آپؐ سفید بالوں کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے۔ هذا احسن ای کثیرا مایقول المصنف فی جامعه هذا اصح شئی فی الباب ولا یلزم مِن هذه العبارة کما قاله النووی فی الاذکار صحة الحدیث فانهم یقولون هذا اصح مافی الباب وان کان ضعیفاً ومرادهم انه ارجح ما ورد فی الباب (حاشیه عربی خصائل) (یہ روایت احسن ہے۔ مصنفؒ اکثر اوقات اپنی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں "اصح شئی فی الباب" تاہم اس عبارت سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ نوویؒ نے "الاذکار" میں کہا ہے۔ اس لئے کہ محدثین حضرات "هذا اصح ما فی الباب" اس وقت بھی استعمال کرتے ہیں اگر چہ وہ روایت ضعیف ہو۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ باب میں وارد شدہ

احادیث میں یہ روایت سب سے زیادہ راجح ہے)

(۴۵/۲) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِیْ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْهُرَيْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَرَوٰى اَبُوْعَوَانَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ ..

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے شریک کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے عثمان بن موھب سے یہ روایت نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوھریرہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا انہوں نے کہا کہ ہاں کیا۔

راویانِ حدیث (۱۵۹) عثمان بن وھبؒ (۱۶۰) ابوعوانہؒ اور (۱۶۱) ام سلمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

متنِ حدیث کی اجمالی تشریح :

عثمان بن وھب نے یہ روایت اسی اسناد کے ساتھ حضرت ابوھریرہؓ سے نقل کی ہے سائل کا ذکر نہیں کیا لعلم تعلق الغرض بتعیینه (مواهب ص ۵۹) یعنی اس کے تعین کے ساتھ غرض متعلق نہیں تھی۔

نَعَمْ سے مراد یہ ہے کہ ابوھریرہؓ نے فرمادیا نعم یعنی خضب رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن نعم لتقرير ماقبلها مِن نفي اواثبات (مواهب ص ۵۹) (جی ہاں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا۔اس لئے کہ ''نعم'' ماقبل کے مثبت یا منفی کلام کی تقریر کے لئے آتا ہے)اس حدیث سے خضاب کرنا مدلول ہے کہ آپؐ کا گاہے گاہے کا معمول ہے جبکہ دیگر بہت سی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنے بالوں کو رنگ نہیں دیا تھا تطبیق اس سے قبل عرض کردی گئی کہ بانه صلى الله عليه وسلم خضب في وقت وترک الخضاب في معظم الاوقات فاخبر بكل مارأى (مواهب ص ۵۹) (کہ بے شک آپ ﷺ نے کسی وقت تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات میں اس کا ترک کیا ہے پر ہر راوی نے اپنی رؤیت (دیکھنے) کی خبر دی ہے)

غرضِ قال ابو عیسیٰ :

قال ابو عیسیٰ... یہاں سے امام ترمذیؒ روایتِ زیر بحث کے اضطراب کا تذکرہ کرتے ہیں وروی ابوعوانة هذا الحديث عن عثمان بن عبدالله بن موهب فقال عن امّ سلمة (کہ ابوعوانہ نے یہ حدیث بواسطہ عثمان بن عبداللہ بن موھب حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے)

اس سے مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہوگیا کہ بجائے حضرت امّ سلمۃ کے ابوھریرۃؓ کہا تو گویا وھمِ راوی اور اختلافِ رُواۃ کو بیان کرنا ہے۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ دوسری روایت کو بطور تائید کے پیش کرتے ہیں کہ جس طرح یہ روایت حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح یہ روایت حضرت امّ سلمۃؓ سے بھی مروی ہے وغرضه ذكر طريق آخرلهذا الحديث (مواهب ص ۵۹) (اوراس سے غرض اس حدیث کو دوسرے طریق سے ذکر کرنا مقصود تھا) اور ایک فائدہ عثمان کے نسب کی تحقیق بھی ہے کیونکہ طریق اول میں وہ جد کو منسوب تھے۔

اور اس روایت میں اس کے والد کے نام کی تصریح ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ عثمان نے تو دونوں طریق میں ابوھریرہ اور امّ سلمۃؓ سے روایت نقل کی ہے مگر طریقِ اول میں شریک نے عثمان سے اور انہوں نے ابوھریرۃؓ سے روایت کی ہے جبکہ دوسرے طریق میں ابوعوانہ نے عثمان سے اور انہوں نے امّ سلمۃؓ سے روایت کی ہے۔

(۴۶/۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنْبَأَنَا النَّضْرُبْنُ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ جَنَابٍ عَنْ اِیَادِ بْنِ لَقِیْطٍ عَنِ الْجَهْذَمَةِ امْرَأَةِ بَشِیْرِ بْنِ الْخَصَاصِیَّةِ قَالَتْ اَنَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ مِنْ بَیْتِهٖ یَنْفُضُ رَأْسَهٗ وَقَدِاغْتَسَلَ وَبِرَأْسِهٖ رَدْعٌ اَوْ قَالَ رَدْغٌ مِنْ حِنَاءٍ شَکَّ فِیْ هٰذَاالشَّیْخُ..

ترجمہ! ہمیں ابراہیم بن ھارون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کی خبر نضر بن زرارہ نے ابوجناب کے حوالے سے دی اور انہوں نے یہ روایت ایاد بن لقیط سے حاصل کی جنہوں نے اسے

زوجہ بشیر بن الخصاصیہؓ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرما رکھا تھا اس لئے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے اور آپؐ کے سر پر حنا کا اثر تھا۔

راویان حدیث (١٦٢) ابراھیم بن ہارونؒ (١٦٣) النضر بن زرارةؒ (١٦٤) ابوجنابؒ (١٦٥) حضرت جھذمہؓ اور (١٦٦) بشیر بن الخصاصیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

ینفض وہ جھاڑتے تھے مضارع ہے اور نفض ماضی ہے نفضٌ مصدر ہے جھاڑنا' ہلانا' لرزنا۔ ردع زعفران کو کہتے ہیں جس کپڑے میں لتھڑی ہوتی ہو اس کو ردع کہتے ہیں وھو لطخ مِن الزعفران واثر الطیب ردغ کیچڑ کے معنیٰ میں آتا ہے وھو الوحل الشدید. (جمع ١٢٢)

قال العسقلانی اتفق المحققون علی ان الردغ بالمعجمة غلط فی ھذا الموضع لإطباق اھل اللغة علیٰ انه بالمهملة لطخ مِن الزعفران (مواھب ٦٠) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سب محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں لفظ ردغ (معجمہ) بالکل غلط ہے کیونکہ لغت والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ ردع (مھملہ) ہے یعنی زعفران کے ساتھ آلودہ ہونا)

ابن حجرؒ کہتے ہیں ردع کا معنیٰ الصبغ ہے اور ردغ کا معنیٰ طین رقیق ہے تاہم یہ فرق اصل لغت کے اعتبار سے ہے والمراد ھنا واحد وھو اثر صبغ وطیب. (مواھب ٦٠)

حلاوۃ المتعلمین میں ہے کہ علماء محققین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردغ (غین معجمہ کے ساتھ) غلط ہے اور صحیح ردع (عین مہملہ کے ساتھ) ہے فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردع (مہملہ) کا معنیٰ لمعہ ہے یا قطعہ ہے جو کہ زعفران یا حنا کا ہوتا ہے اور ردغ (معجمہ) کے معنیٰ طین و کیچڑ کے ہوتے ہیں یہ دوسرا معنیٰ قطعاً مناسب نہیں ہے۔

شک فی ھذا الشیخ ... امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے شیخ' ابراھیم بن ہارون کو شک تھا

کہ اس موقع پر راوی نے ردع کا لفظ استعمال کیا تھا یا ردغ کا ای شک فی انه ردع او ردغ (مناوی ص ۱۲۲)

(۴/۴۷) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُوبْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ اَخْبَرَنَا حُمَيْدُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا قَالَ حَمَّادُ وَاَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِبْنِ عَقِيْلٍ قَالَ رَاَيْتُ شَعْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوْبًا .

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ اُن کو عمرو بن عاصم نے خبر دی۔ اُن کو حماد بن سلمۃ نے اور انہیں حمید نے حضرت انسؓ کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا۔ حماد کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خضاب کیے ہوئے بال دیکھے۔

راویان حدیث (۱۶۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ (۱۶۸) عمرو بن عاصمؒ اور (۱۶۹) عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اشکال سے جواب:

مضمون اور مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے

اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ گذشتہ باب کی پہلی حدیث میں حضرت انسؓ کی یہ تصریح ہے کہ آپؐ کے بال خضاب کرنے کے معیار تک نہیں پہنچے تھے جبکہ اس روایت میں حضرت انسؓ ہی کے پاس آپؐ کے خضاب شدہ بالوں کا ذکر ہے۔ محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں

(۱) دونوں روایتیں مختلف اوقات کی ہیں اور دونوں اپنی جگہ درست ہیں۔

(۲) یہ روایت بھی خضاب کے بارے میں صریح نہیں ہے ہو سکتا ہے تعظیماً بال منڈوانے کے بعد کسی نے خضاب دیدیا ہو جیسے بعد الانقطاع کی تائید حماد کے قول سے ہوتی ہے والروایۃ الثانیۃ التی

تفید ان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُئی عند انس مخضوباًیحتمل انہ مِن فعل انس لحفظ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص ۸۶) یعنی حضرت انسؓ کے پاس جو خضاب کیا ہوا بال دیکھا گیا تھا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی حفاظت کے خاطر خود اس کو خضاب لگایا ہو۔

عبدالجواد الدومی کی تلخیص بحث:

شیخ عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں اس باب میں چار احادیث مذکور ہیں اہلِ علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا خضاب کرنا بہتر ہے بوجہ حدیثِ شیخین کے' ان الیھود والنصاریٰ لا یصبغون فخالفوھم (یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تو تم ان کی مخالفت کرو) اسی لئے تو حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ ' حضرت عثمانؓ اور حضراتِ حسنینؓ نے خضاب کیا تھا۔

یا ترکِ خضاب اولیٰ ہے بوجہ حدیث ترمذی کے عن کعب بن مرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ شاب شیبةً فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامة (حضرت کعب بن مرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمان ہونے کی حالت میں بڑھاپے کو پہنچے تو یہ اس کے لئے قیامت کے دن روشنی کا ذریعہ ہوگا) طبری نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ تغیر الشیب ' (نبی کریم ﷺ سفید بالوں کے متغیر کرنے کو ناپسند کرتے تھے) اس لئے تو حضرت علیؓ، حضرت سلمۃ بن اکوعؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے خضاب نہیں کیا۔ شیخ جوادؒ نے جمع بین الامرین کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قولہ : ولعل الجمع بین الأمرین بأن مَن شانہ الشیب ینبغی لہ الخضاب ' ومن لم یشنہ فلا یستحب لہ (اتحافات ص ۸۶) یعنی امرین میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ سفید بال عیب دار معلوم ہوتے ہوں اس کو خضاب لگانا چاہئے اور جس کے ساتھ معیوب نہ لگے اس کے لئے خضاب لگانا مستحب نہیں۔ بہرحال ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خضاب کا مسئلہ اور معاملہ وسیع ہے ولکنہ اولیٰ مِن عدمہ لعموم الأحادیث الواردفی ذلک . (تاہم نہ لگانے کی بہ نسبت خضاب لگانا بہتر

ہے بوجہ واردشدہ عمومی احادیث کے) امام احمدؒ خود بھی خضاب لگاتے تھے اور خضاب لگانے والے سے محبت کرتے تھے بعض علماء نے اس مسئلہ میں بھی عرف کا اعتبار کیا ہے۔ تاہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب اسود سے منع فرمایا ہے ۔ لامره أبا جحيفة بان يغيّر شيبه و يجتنب السواد (اتحافات ص ۸۷) (کیونکہ آپ ﷺ نے ابو جحیفہؓ کی بالوں کی سفیدی کو تبدیلی کا حکم تو دیا لیکن ساتھ ہی سیاہ خضاب سے بچنے کا فرمایا) اور اسی طرح بہت سے روایات میں اس کی شناعت اور برائی کو اشارہ ہے۔ جیسے کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا لحديث ابن عباس ايضامرفوعاً يكون قوم في آخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يجدون رائحة الجنة رواه ابو داؤد والنسائي وفي اسناده مقال (جمع ص ۱۲۴) (حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کبوتر کے پوٹے کی مانند اس سیاہی کے ذریعہ خضاب کریں گے، ایسے لوگ جنت کی بُو بھی نہیں پائیں گے)۔ اسی ضمن میں ملا علی قاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ومنهم من فرق في ذلك بين الرجل والمرأة فاجاز لها دون الرجل واختاره الحليمي واما خضب اليدين والرجلين فيستحب في حق النساء ويحرم في حق الرجال الا للتداوى (حواله بالا) یعنی بعض فقہاء نے سیاہ خضاب کے بارے میں مرد اور عورت میں فرق کیا ہے عورت کے لئے سیاہ خضاب کو جائز قرار دیا ہے جبکہ مرد کے لئے ناجائز، اسی کو حلیمی نے اختیار کیا ہے اور ہاتھوں، پیروں پر مہندی لگانا عورتوں کے لئے تو مستحب ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے البتہ تداوی کے لئے جائز ہے۔

لونِ اصفر کی ترغیب و برکات:

شیخ ابراھیم الیجوریؒ نے المطامح وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خضاب بالاصفر محبوب اور پسندیدہ عمل ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی پسندیدگی اور مدح کی طرف انها بقرة صفرآء فاقع لونها تسر الناظرين (۶۹:۲) (وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے، خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو) سے اشارہ فرمایا ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے ان من طلب حاجة بنعل أصفر قضيت لأن حاجة بني اسرائيل قضيت بجلد أصفر فيتاكد جعل النعل مِن الأصفر (مواهب ص ۶۱)

(کہ جو شخص کسی حاجت کو زرد جوتے کے ذریعہ تلاش کرتا ہے تو وہ پوری ہو جائیگی اسلئے کہ بنی اسرائیل کی حاجت پیلے چمڑے کے ساتھ پوری کردی گئی تھی اس لئے جوتا زرد چمڑے سے بنانا مؤکد ہے)

علامہ بیجوریؒ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمیشہ نعالِ اصفر کے پہننے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ صفرۃ ان الوان سے ہے جو اِنسان میں مسرتیں پیدا کرتے ہیں۔ کما اشار الیه جمهور المفسرین حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ صفرۃ (زرد رنگ) نفس میں انبساط پیدا کرتی ہے اور ھم وغم کو دور کردیتی ہے حضرت ابن زبیر اور یحیٰ بن کثیر نے کالے جوتوں کے پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کے پہننے سے غم بڑھتا ہے۔ وقال ابن حجر فی الفتاویٰ و جاء یا معشر الأنصار حمروا أو صفروا وخالفوا أهل الكتاب وكان عثمان یصفر (مواهب ص ٦١) (ابن حجرؒ نے فتاویٰ میں کہا کہ یہ بھی وارد ہے کہ اے گروہ انصار کا! تم (سفید بالوں کو) سرخ یا زرد (پیلا) کرو اور یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو اور حضرت عثمانؓ بھی بالوں کو زرد کیا کرتے تھے)

سفید بالوں کے اکھاڑنے کا حکم:

اس سے قبل بھی صفحہ ۳۰۵ پر اجمالاً عرض کیا گیا تھا مزید توضیحاً عرض ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے لحدیث عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده مرفوعاً لاتنتفوا الشیب فانه نور المسلم رواه الاربعة وقال الترمذی حسن (سفید بال نہ اکھیڑو کہ یہ مسلمان کا نور ہے) اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے بروایت قتادہؒ نقل فرمایا قال کان یکره نتف الرجل الشعرة البیضاء من رأسه ولحیته وقال بعض العلماء لا یکره نتف الشیب الا علی وجه التزین وقال ابن العربی وانّما نهی عن النتف دون الخضب لان فیه تغییر الخلقة من اصلها بخلاف الخضب فانه لا یغیّر الخلقة علی الناظر الیه والله الموفق للصواب. (سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو اکھیڑنا مکروہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف تزیّن کی غرض سے اکھیڑنا مکروہ ہے۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ سفید بالوں کو اکھیڑنا ممنوع ہے نہ کہ مہندی لگانا اس لئے کہ اکھیڑنے میں اصل خلقت کی تبدیلی ہے اس کے برعکس خضاب میں خلقت کی تبدیلی نہیں ہے) (جمع ص ۱۲۴)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کُحْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

باب حضور اقدس ﷺ کے سُرمہ کے بیان میں

امام ترمذیؒ نے اس باب میں مختلف طُرق کے اعتبار سے چھ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جو حقیقت میں چار حدیثیں بنتی ہیں۔ وفی الباب ستة احادیث باعتبار الطرق وهی فی الحقیقة اربعة (مواهب ص ۶۲) ان احادیث میں خود حضور اقدس ﷺ کا بنفسِ نفیس اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالنا' سرمہ کے استعمال کے بارے میں ہدایات اور سرمہ استعمال کرنے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔

بابِ خضاب کے بعد بابُ الکحل کے لانے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ کحل کو بھی خضاب کے ساتھ ایک گونہ مشابہت ہے لشبه الکحل بالخضاب فی أنه نوع مِن الزینة (مواهب ص ۶۱) (اس لئے کہ سرمہ کو بھی خضاب کے ساتھ زینت کے اقسام میں سے ہونے میں مشابہت ہے)

سرمہ کا استعمال' شرعی حکم اور منافع:

والکُحل (بالضم) کل مایوضع فی العین للاستشفاء (ہر وہ چیز جو حصولِ شفا کی غرض سے آنکھ میں رکھی جاتی ہے) والکَحلُ (بالفتح) جعلُ الکُحل فی عینه (آنکھ میں سرمہ ڈالنے کو) کو کہتے ہیں (مواھب ص۶۱) اور کَحَل بفتحتین بمعنی خلقی طور پر آنکھ کا سرمگین ہونا (تقریر ترمذی) فالفاعل کاحل والمفعول مکحول (مناوی ص ۱۲۵) (تو اس کا اسمِ فاعل کاحل "اور اسمِ مفعول مَکحول" کے وزن پر آتا ہے) سرمہ مختلف قسم کے حجریات (پتھروں) سیاہ' سفید' نیلے' پیلے اور سرخی مائل سے تیار کیا جاتا ہے جو کہ انسانی آنکھوں کے لئے مفید' ذریعہ حفاظت اور زینت و جمال کا باعث ہے۔

سرمہ مستحبات میں سے ایک جائز ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود سرمہ استعمال فرماتے تھے جس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی زینت' شفاء' اور سنت وهو يكون للزينة أو التطيّب أو الاستشفاء (اتحافات ص ۸۸) بہرحال سرمہ کا استعمال درجہ استحباب میں ہے اتباعِ سنت کی نیّت سے ہو پھر تو عبادت ہی عبادت ہے۔

شیخ ابراھیم الیبجوری ؒ فرماتے ہیں۔ والاكتحال عندنا معاشر الشافعية سنة للاحاديث الواردة فيه (مواهب ص ٦٢) ہم شافعیہ کے نزدیک بوجہ ان احادیث کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا سنت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

شیخ ابراھیم الیبجوری ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ؐ کے پاس اسکندرانیہ کی ایک ڈبیہ تھی جس میں شیشہ' کنگھی' سرمہ دانی' قینچی اور مسواک وغیرہ ہوا کرتے تھے اور آپ ؐ کے شیشے کا نام المدلة تھا كان له صلى الله عليه وسلم ربعة اسكندرانية فيها مرآة ومشط ومكحلة ومقراض ومسواك وكانت له مرآة اسمها المدلة (مواهب ص ٦٥)

ابن عربی ؒ کا ارشاد :

ابن عربی ؒ فرماتے ہیں کہ سرمے کے استعمال میں دو فائدے ہیں۔

(۱) زینت 'جب حصول زینت کی نیت سے استعمال کیا جائے تو یہ شرعاً مطلوب ہے باعثِ اجر وثواب بھی ہے اور یہ تصنّعاتِ مذمومہ میں داخل نہیں جو شرعاً ممنوع ہیں کحلِ زینت کے لئے شرعاً کوئی تحدید نہیں وہ بقدرِ حاجت ہے۔

(۲) تطیّب' جب تطیّب کی نیت سے استعمال ہوگا فهو يقوى البصر وينبت الشعر البتة' (تو وہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کی بڑھوتری کرتا ہے) کحلِ منفعت اور کحلِ تطیّب کے لئے وقت متعین ہے۔ وقته صاحب الشرع كل ليلة (مواهب ص ٦٢) (صاحبِ شریعت نے اس کو ہر رات کے ساتھ مؤقت کیا ہے)

(۱/۴۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ اَنْبَأَنَا اَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ عَبَّادِبْنِ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهُ يَجْلُوْا لْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِىْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِىْ هٰذِهٖ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن حمید رازی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوداؤد طیالسی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عبّاد بن منصور سے نقل کی اور انہوں نے عکرمۃ سے۔ وہ اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے حضرت ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۱۷۰) محمد بن حُمید الرازیؒ اور (۱۷۱) عبّاد بن منصورؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اثمد کی فضیلت وبرکات:

اکتحلوا بالاثمدِ ارشاد ہے آنکھوں میں اثمد سرمہ لگایا کرو ای دوموا علی استعمالہ (جمع ومناوی ص ۱۲۶) یعنی اس کو پابندی سے استعمال کرو۔ اثمد ایک خاص قسم کا پتھر ہے جسے (پیس کر) سرمہ بنایا جاتا ہے۔ حجر یکتحل بہ (جمع ص ۱۲۶) تورپشتیؒ نے فرمایا یہ حجر معدنی ہے بعض نے کہا۔ ھو الکحل الاصفھانی (جمع ص ۱۲۶) (یہ اصفھانی سرمہ ہے)

اثمد کالا سرمہ ہے مگر سرخی مائل وھو اسود یضرب الی حمرۃ (مواھب ص ۶۲) اس میں بہت سے فائدے ہیں ینشف الدمعۃ والقروح ویحفظ صحۃ العین ویقوی عصابتھا لا سیما للشیوخ والصبیان (جمع ص ۱۲۶) (کہ آنسوؤں، پھوڑوں کو خشک کرتا ہے اور آنکھوں کی صحت مضبوطی تقویت کا ذریعہ بنتا ہے خصوصاً بوڑھوں اور بچوں کے لئے)

اثـمـد سرمہ کے استعمال کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے خود حضور اقدس ﷺ نے استعمال فرمایا اور اس کے استعمال کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ ﷺ صرف بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیتے ہیں

ویکفی فی فضله ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اکتحل به وامر باستعماله وهو لا یأمر الا بـخیـر (اتحافات ص ۸۸) ابن ماجۃ میں روایت ہے کہ تمام سرموں میں بہترین سرمہ اثمد ہے کہ روشن کرتا ہے نگاہ کو اور اگاتا ہے پلکوں کو (ابن ماجہ ص ۲۵۰) نیز اسی باب کی حدیث ۴/ ۵۱ صفحہ ۳۳۳ میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ امر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالاثمد المروح عندالنوم وقال لیتقه الصائم (رسول اللہ نے سوتے وقت اثمد سرمہ لگانے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار اس سے بچے) بیهقی میں ہے کان یکتحل بالاثمد وفی سنده مقال یعنی آپؐ اثمد کا سرمہ لگاتے تھے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے قالت کان لرسول اللّٰه اثمد یکتحل به عندمنامه فی کل عین ثلاثا (جمع ص ۱۲۶) (نبی کریم ﷺ کے پاس اثمد سرمہ تھا اور سوتے وقت ہر آنکھ میں اس سے تین سلائی لگاتے) تاہم اتنا یاد رہے کہ اس کے مخاطب صحت مند ہیں مگر جو آنکھ مریضہ ہو اسے اثمد کا استعمال نقصان دیتا ہے اما العین المریضة فقد یضرها الاثمد (مواهب ص ۶۲)

فانه یجلو البصر بصارت کو روشن کرتا ہے آنکھوں کی میل کچیل دور کرتا ہے انه کی ضمیر کا مرجع اثمد ہے یا اکتحال ہے یجلوا جلاء سے ہے یعنی اثمد یا عملِ اکتحال آنکھوں کو پاک وصاف کر دیتا ہے۔ مواد ردیّہ جو سر سے آنکھوں میں نازل ہوتا ہے اسے دور کر دیتا ہے ویدفع المواد الردیئة المنحدرة الیه مِن الرأس (مواهب ص ۶۲)

وینبت الشعر... انبات سے ہے یعنی آنکھوں کی پلکوں کے بالوں کی افزائش کرتا ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال سے دورانِ خون درست ہوتا ہے جس کی وجہ سے پلکوں کے بال لمبے اور گھنے ہو جاتے ہیں جب پلکیں کمزور ہوں تو آنکھوں کی صحیح حفاظت نہیں ہو پاتی تو بصارت پر اثر پڑتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد شعر اهداب العین الذی ینبت علی اشفارها وعند ابی عاصم والطبری مِن حدیث علی بسندحسن علیکم بالاثمد فانه منبتة للشعر مذهبة للقذی

مصفاة للبصر (جمع ص ۱۲۶) یعنی اس سے آنکھوں کے پلکوں کے بال مراد ہیں جو آنکھوں کے کنارے پر آگئے ہیں۔ ابو عاصمؒ اور طبریؒ نے سند حسن کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں فرمایا کہ: اثمد سرمہ استعمال کیا کرو اس لئے کہ یہ پلکوں کے بال اُگاتا ہے، میل کچیل کو دور کرتا ہے اور بصارت کو صاف کردیتا ہے۔

بعض ائمہ متبوعین کے آراء و دلائل:

ابن حجرؒ فرماتے ہیں امر یہاں پر ندب کے لئے ہے کیونکہ سرمہ لگانا دنیوی منافع کے قبیل سے ہے بعض ائمہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اکتحال بالاثمد سنت ہے کیونکہ آپؐ نے اس پر ہمیشگی اور مواظبت کی ہے اور اس کی دعوت بھی دی ہے۔

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ فقط زینت کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے البتہ ان کے نزدیک امراضِ خفیفہ سے تداوی کے لئے سرمہ لگانا جائز ہے۔ وفی هذا اشارة الی أننا نقصد عند الاکتحال التسنّن ودوام الصحة والاستشفاء (اتحافات) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال کرنے کے وقت طلبِ شفا اور صحت اور سنت پر عمل کرنے کا ارادہ ہو)

لفظِ زعم کی بحث:

لفظِ زعم سے قبل قولی حدیث تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سرمہ اثمد کے استعمال کی ترغیب دی اب آگے لفظِ زعم کے بعد فعلی حدیث کا بیان ہے کہ سرمہ کے استعمال سے متعلق آپؐ کا اپنا معمول مبارک کیا تھا اس میں پہلی بات تو یہ ہے لفظ زعم کا معنیٰ کیا ہے دوسرا یہ کہ اس میں ضمیر فاعل کا مرجع کون ہے؟

(۱) یہاں پر لفظِ زعم بمعنیٰ قال کے ہے دونوں ہم معنیٰ ہیں اور ضمیر حضرت ابن عباسؓ کو راجع ہے ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ ضمیر کا مرجع اگر ابن عباسؓ کو قرار دیا جائے۔ وهو أقرب وبالاستدلال أنسبُ (جمع ص ۱۲۶) (یہی زیادہ راجح اور استدلال کے مناسب ہے) اور زعم بمعنیٰ

قولِ محقق کے ہوگا والمراد به هناک القول المحقق (اتحافات ص ۸۹)

(۲) بعض حضرات نے کہا اگرچہ یہ قول ضعیف بھی ہے کہ زعـــم کی ضمیر کا مرجع محمد بن حمید ہیں تو پھر زعم اپنے لغوی معنیٰ شک پر باقی رہے گا جو ضعفِ حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ درمیانی راویوں کو ساقط کر دیا گیا۔ علامہ ملا قاریؒ لکھتے ہیں فالزعم باق على معناه المتبادر اشارة الى ضعف حديثه باسقاط الوسائط بينه وبين النبى صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۱۲۶)

(۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں لفظِ زعم سے شک والی بات مراد ہی نہیں بلکہ قال اور زعم کو الگ الگ لانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ قولی حدیث اور فعلی حدیث میں امتیاز کرنا چاہتے ہیں لفظ قال سے حدیث قولی اور لفظِ زعم سے حدیثِ فعلی کو اشارہ ہے۔ اور ایک اشارہ اس امتیاز کو بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی حدیث مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے۔ وايماء الى ان الاول حديث مرفوع والثانى موقوف اوالاول قولى والثانى فعلى (جمع ص ۱۲۶)

لفظِ مُکحلة کی بحث:

كانت له مُكحلة ... آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں آپؐ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے مـكـحـلة اسم آلہ ہے قاعدہ کے لحاظ سے میم پر کسرہ آنا چاہیئے تھا مگر یہاں ضمہ ہے تاہم محدثین اور ائمہ لغت اسے اسم ظرف نہیں مانتے بلکہ اسم آلہ قرار دیتے ہیں جس کا ضمہ خلاف القیاس ہے اور نوادر و عجائب سے ہے۔ اسم آلة الكحل على خلاف القياس والمراد منها مافيه الكحل (جمع ص ۱۲۷)

رات کو سرمہ کے استعمال اور عملِ تثلیث کی حکمت و برکت:

يكتحل منها كل ليلة ثلاثة ... آپؐ ہر رات اس سے سرمہ کیا کرتے تھے تین سلائی اِس آنکھ میں اور تین سلائی اُس آنکھ میں۔ رات کو سرمے کے استعمال میں فائدہ یہ ہے والحكمة فيه انه حينئذٍ ابقىٰ للعين وامكن فى السراية الىٰ طبقاتها (جمع ص ۱۲۷) یعنی اس میں حکمت یہ ہے کہ سرمہ دیر تک

آ نکھ میں رہتا ہے اور اچھی طرح آ نکھ کے مختلف حصوں میں سرایت کر جاتا ہے۔
ثلاثة ای متوالية (جمع ص ۱۲۷) وحکمة التثليث توسطه بين الاقلال والاکثار (مناوی ص ۱۲۷) تثلیث کی حکمت قلت اور کثرت کے درمیان متوسط عدد کو اختیار کرنا ہے)

ایتار کی صورتیں اور حکمت و برکات:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من اکتحل فليوتر (ابو داؤد) ایتار (طاق عدد) میں دو قول ہیں (۱) ہر آ نکھ میں تین تین سلائی سرمہ کیا جائے۔ جیسا احادیث میں مذکور ہے ليکون فی کل عين يتحقق الايتار (جمع ص ۱۲۷) (تا کہ ہر آ نکھ میں ایتار پر عمل ہو جائے)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں آ نکھوں میں پانچ سلائیاں کی جائیں تا کہ مجموعی طور پر ایتار مکمل ہو۔ تین دائیں میں اور دو بائیں میں جیسے کہ شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اس صورت میں مناسب صورتِ استعمال سرمہ کی یہ ہو کہ ابتداء بھی اور انتہاء بھی دائیں سے ۔ تفضيلاً لها علی اليسار (جمع ص ۱۲۷) (دائیں کو بائیں پر فضیلت کی وجہ سے)۔

(۳) اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر آ نکھ میں دو دو سلائی سرمہ کیا جائے وواحدة بينهما تو بھی ایتار کی تکمیل ہو جائے گی۔

(۴) اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ دائیں آ نکھ میں تین سلائی متعاقبةً یکجا کی جائیں اور بائیں آ نکھ میں دو سلائی فيکون الوتر بالنسبة اليهما جميعاً (جمع ص ۱۲۷) (تو مجموعہ کی نسبت ایتار ہو جائے گا) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وأرجحها الاول لحصول الوتر شفعامع انه يتوصل ان يکتحل فی کل عين واحدة ثم وثم ويؤل امره الی الوترين بالنسبة الی العضوين (جمع ص ۱۲۷) (ان میں پہلی صورت زیادہ راجح ہے اس لئے کہ اس سے ہر آ نکھ میں تین، تین سلائی دو مرتبہ ڈالنا حاصل ہو جاتا ہے چونکہ اعضاء یعنی آ نکھیں دو ہیں لہذا اس سے ایتار یعنی دو مرتبہ ثابت ہو جاتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ۔ ويمکن الجمع بين هذه الروايات باختلاف الاوقات ففعل کلافی وقت (مواهب ص ۶۳) (ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ یہ

مختلف اوقات پر محمول ہیں تو ہر ایک صورت کو آپؐ نے کسی نہ کسی وقت اختیار کیا ہے)

شیخ عبدالروفؒ کی توضیح وتنبیہ:

شیخ عبدالروف اپنی شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانے کے دوفائدے ہیں (۱) زینت (۲) تطیب۔ اور جب اس کا استعمال زینت کے لئے ہو تو یہ ظاہری بناوٹ اور تصنع سے مستثنیٰ ہے اور وہ مذموم تصنع نہیں جو شرعاً ممنوع ہے مثلاً ''وصل'' اصلی بالوں کے ساتھ جعلی بالوں کا امتزاج' الوشم جسم کے حصوں پر سوئی گودنے اور ابھرنے کے ذریعہ نقش ونگار بنانا' تفلج دانتوں میں چیر نکالنا وغیرہ۔ سرمہ زینت کرنے والوں کے لئے رخصت اور اللہ کی رحمت ہے اور جب سرمہ تطیب کی نیت سے استعمال کیا جائے تو آنکھوں کو قوت وطاقت ملتی ہے ضعف وکمزوری کا ازالہ ہوتا ہے اوپر والے بال اگتے ہیں جو قوتِ باصرہ کو روشن کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور تیز شعاعوں سے نظر کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ہاں کحل برائے زینت کی کوئی شرعی حد مقرر نہیں ہے اس کے اظہار واخفاء میں قدرِ حاجت کا اعتبار ہے البتہ کحل منفعت کے لئے شارع نے رات کا وقت مقرر کیا ہے فائدہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ آنکھوں کے پلکوں میں رہتا ہے آنکھ کی گرمی کو سکون بخشتا ہے آنکھوں کی گہرائیوں میں خود سرایت کرتا ہے اور مقصودِ انتفاع میں اس کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔

(مناوی ص ۱۲۷)

(۲/۴۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُاللهِ بْنُ مُوسىٰ اَخْبَرَنَا اِسْرَآئِيلُ بن يونس عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَانَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ فِيْ حَدِيْثِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ.

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے اس

روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسرائیل بن یونس نے عبّاد بن منصور کے حوالے سے یہ خبر دی (ح) اور ہمیں بیان کیا علی بن حجر نے۔ اُن کو بیان کیا یزید بن ھارون نے۔ اُنہیں خبر دی عبّاد بن منصور نے۔ انہوں نے یہ روایت عکرمۃ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی یہ صحابی رسول فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سرمہ کے ڈالا کرتے تھے اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سُرمہ ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویانِ حدیث (۱۷۲) عبداللہ بن صباحؒ (۱۷۳) عبیداللہ بن موسیٰؒ اور (۱۷۴) اسرائیل بن یونسؒ ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ح کی توضیح :

امام ترمذیؒ اس حدیث کو تقویۃً دو اسناد کے ساتھ لائے ہیں ایک سند سے دوسری سند کے انتقال کے لئے درمیان میں ح لایا گیا ہے کہ پہلی سند یہاں ختم ہوئی اب دوسری سند لائی جارہی ہے **مابہ الاتصال فی السند** پر ح لکھ دیا جاتا ہے استدلال کے لئے ایک ہی سند کافی ہوتی ہے جبکہ تمام سندات کے لانے میں تطویل ہے۔ چونکہ اسناد کا تعدّد حدیث کی تقویت کا باعث ہے اس لئے محدثین حضرات نے تطویل سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جہاں اسناد مختلفہ ہیں ایک راوی مابہ الاشتراک ہوتو وہاں ح مفردہ درج کر کے ایک سند سے دوسری سند کو انتقال کر لیتے ہیں۔

''ح'' کا تلفظ اور معنیٰ :

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں ح کے تلفظ اور معنیٰ میں اختلاف ہے علماءِ مغرب اس کی تعبیر تحویل سے' علماءِ مشرق اس کو ح بالمد اور بالقصر پڑھتے ہیں مگر بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے امام شعبہؒ فرماتے ہیں حروف تہجی اور ایسا ثنائی کلمہ جس کے آخر پر الف ہوتا ہے اگر ترکیب کلام میں آجائے تو وہ بالمد پڑھا جاتا ہے اگر بغیر ترکیب کے مفرد استعمال ہو تو بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے جیسے با تا ثا

وغیرہ۔ بعض حضرات نے اسے معجمه "خ" بمعنیٰ اشارة الی اسناد آخر قرار دیا ہے مگر زیادہ معروف اور صحیح ,,ح،، مہملہ ہے بعض حضرات کے نزدیک اشارہ ہے الی آخر ماسیجیئی کو بعض علماء مغرب اسے الحدیث سے ماخوذ اور اس کا بدل قرار دیتے ہیں مگر قولِ فیصل اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ح محدثین کی اصطلاح میں تحویل سے کنایہ ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونا یہاں ایک فائدہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ محدثین حضرات کے عادات میں ایک یہ بھی ہے کہ جب متعدد طرق سے ایک حدیث لاتے ہیں تو متن حدیث اس سند کا درج کرتے ہیں جو عالی ہو۔

(حقائق السنن جلد اول ص۱۰۳)

آنکھوں میں سرمہ لگانے کا طریقہ:

قال کان النبی صلی الله علیه وسلم .... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ سونے سے پہلے اثمد سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے۔

وقال یزید بن هارون الخ یزید بن ہارون اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپؐ سوتے وقت سرمہ استعمال کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سرمہ ڈالتے۔ گذشتہ روایت میں بھی آپؐ کا یہی معمول بیان ہو چکا ہے۔

بیان اختلافِ الفاظ:

والمقصود بیان اختلاف الألفاظ بین روایة اسرائیل وروایة یزید وقوله انّ النّبی صلی الله علیه وسلم کانت له مکحلة یکتحل منها عندالنوم ثلاثاً فی کل عین هذه روایة یزید بن هارون المتاخر بعد التحویل فالحاصل ان کلاًمِن اسرائیل ویزید روی عن عباد بلفظ غیر الآخر فاللفظ الأول روایة إسرائیل عن عباد واللفظ الثانی روایة یزید (مواهب ص ۶۴) یعنی یہ روایتِ اسرائیل اور روایتِ یزید میں الفاظ کے اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے اور راوی کا یہ قول ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ الخ یہ یزید بن ھارون کی روایت ہے جو تحویل کے بعد ذکر ہے۔ حاصل یہ کہ اسرائیل اور یزید میں سے ہر ایک راوی نے عباد سے اپنے الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے تو ''ح'' سے پہلے کے

الفاظ روایتِ اسرائیل عن عباد کے ہیں اور ''ح'' کے بعد والے الفاظ روایتِ یزید کے ہیں۔

(۳/۵۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيْعٍ اَنْبَأَنَامُحَمَّدُبْنُ يَزِيْدَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ ان کو محمد بن یزید نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے لی اور انہوں نے محمد بن منکدر سے سنی۔ وہ صحابی رسولؐ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ سوتے وقت ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۷۵) محمد بن یزیدؒ (۱۷۶) محمد بن اسحٰقؒ (۱۷۷) محمد بن المنکدرؒ اور (۱۷۸) حضرت جابرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

علیکم بالإثمد عند النوم .. اپنے اوپر اثمد سُرمہ کو لازم پکڑو سوتے وقت۔ علیکم اسمِ فعل ہے بمعنیٰ خذوہ تو مرادی معنیٰ یہ ہے کہ اکتحلوابه (جمع ص ۱۲۹) (اثمد کا سرمہ ڈالا کرو) ابن حجرؒ فرماتے ہیں والأمر للندب اجماعاً (جمع ص ۱۲۹) یعنی یہاں امر بالاتفاق استحباب کے لئے ہے) عندالنوم ای لأنه حینئذٍ أدخل و أنفع (مواهب ص ۶۴) (سوتے وقت اس کا سرمہ ڈالا کرو اس لئے کہ اس طرح آنکھ کے حصوں میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے اور زیادہ مفید ہے)

منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل:

فانه یجلو البصر وینبت الشعر یہی مضمون گذشتہ حدیث میں بھی گذر چکا ہے اخبار عن اصل فائدة الاکتحال و کونه عندالنوم ادخل فی تلک الإ فادة (مناوی ص ۱۲۹)

ملاعلی قاریؒ نے اس مقام پر طویل بحث کی ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ حدیث میں سرمہ کے فوائد کی منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل اس کی سنّیت کے منافی نہیں بالخصوص جبکہ اس پر حضور اقدس ﷺ کی مداومت اور ترغیبات قولیہ بھی موجود ہیں اور یہ منافع امورِ اخرویہ کے لئے وسیلہ بھی ہیں۔

کمعرفة الطهارة وتوجه القبلة وغیر ذلک مما یترتب علی منافع البصر حتیٰ فضله بعضهم علی السمع متعنا الله تعالیٰ بهما (جمع ص ۱۲۹) یعنی جیسا کہ طہارت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ معلوم کرنا جو نظر کے فوائد میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے بصارت کو سماعت پر ترجیح دی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کے فوائد سے بہرہ مند فرمائے۔ اور تعلیل سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سرمہ لگانے والے جب تحصیل سنت کا ارادہ کریں تو اس کے لئے یہ بھی چاہیے کہ وہ معالجہ اور دواء کی بھی نیت کرے، عورتوں کی طرح مجرد زینت پر اکتفاء نہ کرے۔ ولذا ذهب الامام مالکؒ الی کراهة الاکتحال للرجال مطلقاً الا للتداوی (جمع ص ۱۲۹) (اس لئے تو امام مالکؒ کے نزدیک مردوں کے لئے بغیر تداوی کے سرمہ لگانا مطلق (باقی صورتوں میں) مکروہ ہے)

(۴/۵۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا بِشْرُبْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خَيْثَمٍ عَنْ سَعِيْدِبْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُوا لْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن مفضل نے خبر دی۔ انہوں نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے یہ روایت نقل کی انہوں نے سعید بن جبیر سے نقل کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیئے سب سرموں میں اثمد بہترین سرمہ ہے آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویانِ حدیث (۱۷۹) بشر بن المفضلؒ (۱۸۰) عبداللہ بن عثمانؒ اور (۱۸۱) سعید بن جبیرؒ کے حالات

''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

ان خیر أکحالکم الإثمِدُ الخ قال القسطلانی خیریّته باعتبار حفظه صحة العین لافی مرضها اذا الإکتحال به لا یوافق الرمد فقد یکون غیر الاثمدخیرالها بل ربما ضرها الإثمد وقوله یجلوا لبصر الخ الجملة واقعة فی جواب سؤال مقدر فکأن سائلاً قال ماالسبب فی کونه خیر الأکحال فقیل له یجلوا لبصر وینبت الشعر (مواهب ص ۶۴)

یعنی قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اثمد سرمہ کا بہترین ہونا آنکھ کی حفاظت کی وجہ سے ہے، آنکھ کی بیماری میں کارآمد نہیں اس لئے کہ آشوبِ چشم کی صورت میں سرمہ موافق نہیں ہوتا، بسا اوقات اس میں اثمد کے علاوہ چیز بہتر ہوتی ہے بلکہ کبھی تو اثمد آشوبِ چشم کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ یجلوا لبصر کا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ گویا کسی سائل نے پوچھا کہ اس میں بہتری کس وجہ سے ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ بصارت کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کو اگاتا ہے۔

(۵/۵۲) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں ابراھیم بن مستمر بصری نے بیان کیا۔ اُن کو ابوعاصم نے عثمان بن عبدالمالک کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سالم سے اور انہوں نے اپنے استاذ عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا کہ اثمد ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۸۲) ابراھیم بن المستمرؒ (۱۸۳) عثمان بن عبدالمالکؒ (۱۸۴) سالمؒ اور (۱۸۵) حضرت ابن عمرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایرادِ حدیث کا مقصد:

علیکم بالاثمد ... اس حدیث کا مضمون سابقاً گذر چکا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اعلم ان فائدة ایراد هذا الحدیث مکررا باسانید مختلفة تقویةاصل الخبر وتأکید مضمونه فان عبادبن منصور ضعیف اتفاقاً وکان یدلّس ورمی بالقدر (جمع ص ۱۳۰) یعنی اس حدیث کو مختلف اسانید کے ساتھ مکرر لانے کا فائدہ اصل روایت کی تقویت اور مضمون کی تاکید ہے اس لئے کہ راوی عباد بن منصور بالاتفاق ضعیف ہے وہ تدلیس کرتا اور اس پر قدریّت کا الزام بھی تھا۔

==

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں

اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، سفید لباس، کُرتہ کی پسندیدگی، کُرتے کی ہیئت، چادر مبارک اوڑھنے، نیا کپڑا پہننے کے وقت دعا اور مختلف الوان کے لباس پہننے کے سلسلہ میں سولہ (۱۶) احادیث لائی گئی ہیں۔ باب ماجاء ای بیان ما ورد فی لباس رسول الله صلی الله علیه وسلم مِن الأخبار (مواهب ص ٦٥) (باب ان احادیث کے بیان میں جو آپ ﷺ کے لباس کے متعلق وارد ہوئی ہیں)

گذشتہ باب سے ربط :

گذشتہ ابواب میں ترجل، خضاب اور کحل کا بیان تھا ان کے بعد اب اس باب میں لباس کے سلسلہ میں وارد احادیث لائی جارہی ہیں لمناسبة لها فی أنه نوع مِن الزينة (مواهب ص ٦٥) (ان ابواب کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ، یہ بھی زینت کی ایک قسم ہے) وجاء هذا الباب عقب الخضاب والترجل لأنه مما يتزيّن به الانسان (اتحافات ص ۹۳) خلاصہ یہ کہ خضاب، کنگھی کرنا اور لباس ان میں جامع مناسبت تزیّن ہے۔

لباس کی فضیلت:

اللباس بروزن کتاب ما یلبس فوق الجسم (جو جسم پر پہنا جاتا ہے) کو کہتے ہیں اسی طرح ملبس بروزنِ مذهب، لبس بروزنِ حمل، اور لبوس بروزن صبور کا بھی یہی معنیٰ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لباس کی تخلیق میں دو مصلحتوں اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے۔ یٰبنی ادم قد انزلنا علیکم لباساً یّواری سَوْاٰتِکم و رِیشاً (۷:۲۶) اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو کہ تمہاری

ستر پوشی اور زینت کا ذریعہ ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے اللباس زينة والعرى شين (لباس زینت کا باعث ہے اور ننگا ہونا عیب ہے) (حجة اللّٰهِ البالغة) لباس انسان کی فطرت ہے جب حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا تو ان کا جنتی لباس اتر گیا اور دونوں کو شرمندگی کا احساس ہوا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِن وَّرَقِ الْجَنَّةِ (۷:۲۲) توانہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ساتھ اپنی ستر پوشی کی ۔ خلاصہ یہ کہ ستر پوشی عین فطرت ہے اور عریانی خلاف فطرت ہے۔

لباس کے پانچ اقسام واحکام:

شیخ عبدالجواد الدومیؒ نے لباس کے پانچ قسمیں بیان کی ہیں ۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح

واللباس تعتريه الاحكام. الخمسة :فيكون واجباً كاللباس الذى يستر العورة ومندوباً كالثوب الحسن للعيدين، والثوب الأبيض للجمعة ومحرماً كالحرير للرجال ومكروهاً كلبس القديم البالي للرجل الغني ومباحاً وهو ماعدا ذلك (اتحافات ص ۹۳) یعنی واجب لباس وہ ہے جو سترِ عورت کو چھپائے اور مندوب جیسا کہ عیدین کے موقع پر اچھا لباس پہننا یا نمازِ جمعہ کے لئے سفید لباس پہننا ۔ اور حرام لباس جیسا کہ مردوں کے لئے ریشم کا لباس ۔ اور مکروہ جیسا کہ مالدار آدمی پرانا اور بوسیدہ لباس پہنے ۔ اور مباح وہ لباس جوان کے علاوہ استعمال کیا جاتا ہے

لباس میں اعتدال:

عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اختیارِ ثیاب اور تأنّق میں اعتدال پسند تھے اور قرآن کے ارشاد کے مطابق لباس تقویٰ کی ترغیب دیتے تھے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ".(۷:۲۶) اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے)۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے اياكم ولبستين : لبسة مشهورة، ولبسة محقورة ۔ دو قسم کے لباس سے بچتے رہو ایک شہرت کے لباس سے دوسرے حقارت کے لباس سے ۔

وقال بعضهم أما الطعام فكل لنفسك ما اشتهيت واجعل لباسك ما اشتهاه الناس یعنی کھانے

میں اپنی پسند اور چاہت کا خیال رکھو اور لباس میں لوگوں کی پسند منتخب کرو۔ (جبکہ حرام لباس اور غیر اقوام کی مشابہت اس میں نہ ہو) اس لئے حضور اقدس ﷺ بھی اپنی قوم جیسا لباس پہنتے تھے اور لباس میں کسی پر بھی تفاخر اور امتیاز انہیں محبوب نہ تھا فکان یلبس الکساء الخشن ویقسم اقبیۃ الخز فی صحبہ آپ خود کھدر کا کھردرا چغہ پہنتے تھے جبکہ صحابہ کرامؓ کو ریشمی کپڑے (جواز کی حدود کو ملحوظ رکھ کر) کی شیروانیاں تقسیم فرماتے تھے (اتحافات ص ۹۳)

(۱/۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ حُمَیْدِ الرَّازِیُّ اَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰی وَاَبُوْ تُمَیْلَةَ وَزَیْدُبْنُ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِیْصَ .

ترجمہ! محمد بن حمید رازی نے ہمیں بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی فضل بن موسیٰ اور ابوتمیلہ اور زید بن حباب نے۔انہوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدہؓ سے نقل کی اور وہ روایت ام المؤمنین اُمِ سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں۔اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۱۸۶) الفضل بن موسیٰؒ (۱۸۷) ابوتمیلہؒ (۱۸۸) زید بن حبابؒ اور (۱۸۹) عبدالمؤمن بن خالد کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قالت كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القميص... حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو لباس کے کپڑوں میں قمیص بہت پسند تھی۔

باب کی پہلی تین روایات کا متن ایک ہی ہے سوائے تیسری حدیث کے کہ اس میں یلبسه کا لفظ آیا ہے مگر چونکہ اسناد قدرے مختلف تھے اس لئے ایک ہی متن کو علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے

لفظِ قمیص کی لغوی، عرفی، نحوی تحقیق :

القمیص اس کی جمع قُمْصٌ ، قُمُصٌ ، اَقمُص اور قُمصان آتی ہے۔ والقمیص اسم لما یلبس مِن المخیط الذی له کمان وجیب یلبس تحت الثیاب ولایکون مِن صوف کذا فی القاموس (مواهب ص ٦٦) (قمیص ایسے سلے ہوئے لباس کو جس کی آستین اور جیب ہوں اور اون سے بنا ہوا نہ ہو) قمیص کو قمیص کیوں کہتے ہیں۔ شارحینِ حدیث نے اس کی بھی توجیہات بیان کی ہیں۔(۱) یہ تقمّص سے ماخوذ ہے بمعنی تقلّب کے لتقلب الانسان فیه (اس میں انسان گھومتا پھرتا ہے)

(۲) بعض حضرات نے کہا یہ غلاف القلب کی جلد کے نام سے ماخوذ ہے فان اسمها القمیص (مواهب ص ٦٦) یعنی غلاف القلب کی جلد کو بھی قمیص کہتے ہیں۔

القمیص بالنصب والرفع دونوں طرح منقول ہوا ہے ترکیب کے لحاظ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے الغرض القمیص یا تو کان کی خبر ہے یا کان کا اسم ہے۔

اس موقع پر یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ لفظِ قمیص ہمارے معاشرے میں ایک خاص مروّج وضع کے لباس پر بولا جاتا ہے تاہم یہ اصطلاح مستحدث ہے۔ مگر یاد رہے ہمارے ماحول میں جس چیز پر ''کرتے'' کا اطلاق کرتے ہیں اہل عرب اسے قمیص کہتے ہیں جو شرفاء اور معززین کا لباس ہے۔ علماء اور شرفاء کو صلحاء کا لباس پہننا چاہئے اور مروجہ قمیص سے احتراز کرنا چاہئے۔

قمیص مبارک :

قمیص کی مقدار کتنی ہو؟ روایات میں تصریح ہے کہ اس کی لمبائی نصفِ ساق تک ہوا کرتی تھی نصفِ ساق سے نیچے بھی جائز ہے تاہم اگر کعبین کے نیچے ہو تو بالکل ناجائز ہے سنت بہر حال یہ ہے کہ زانو کے نیچے اور نصف ساق کے قریب ہو۔

حضور اقدس ﷺ کو قمیص اس لئے بھی زیادہ پسند تھی کہ ووجه احبیّة القمیص الیه صلی الله علیه وسلم انه أستر للاعضاء مِن الإزار والرداء ولانه اقل مؤنة واخف علی البدن ولابسه اکثر

تـواضـعاً (جمع ص ۱۳۲) (آپؐ کو قمیص پسند تھی اس لئے کہ تہبند اور چادر کی بہ نسبت یہ اعضاء کو اچھی طرح چھپاتی ہے، نیز اس کا خرچ بھی کم ہوتا ہے، بدن پر ہلکی رہتی ہے اور اس کا پہننے والا زیادہ متواضع ہوتا ہے)۔

ایک تعارض سے جواب:

بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ کو حلّہ یعنی یمنی چادریں پسند تھیں جو بظاہر اس روایت کے منافی ہیں اور بظاہر تعارض ہے حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

(۱) کہ مخیط یعنی سلے ہوئے کپڑوں میں آپؐ کو قمیص پسند تھی اور غیر مخیط یعنی اَن سلے کپڑوں میں حلّہ یعنی چادریں پسند تھیں۔

(۲) اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ أحب الثیابِ میں اسم تفضیل کی اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے کہ تمام کپڑوں سے زیادہ پسند تھی بلکہ مطلق کپڑے مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ مطلقِ کپڑوں میں سے قمیص پسند تھی۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں فهـو (القمیص) أحبها الیه لبساً والحبرة أحبها الیه رداء فلا تعارض بین حدیثیهـمـا او ذاک أحب المخیط وذا أحب غیره (مناوی ص ۱۳۱) یعنی لباس کے طور پر پہننے کے لئے تو قمیص زیادہ پسند تھی جبکہ چادر کے لئے یمنی چادر زیادہ پسند تھی لہذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں یا یہ کہ سلے ہوئے لباس میں قمیص زیادہ پسند تھی اور اَن سلے میں یمنی چادر زیادہ پسند تھی۔

مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں ایک توجیہ یہ بھی لکھی ہے کہ فالقمیص أحب باعتبار الصنع والحبرة باعتبار اللون والجنس (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳) (کہ قمیص آپ ﷺ کو باعتبار صنعت (بناوٹ) کے اور یمنی دھاری دار چادر باعتبار رنگ اور جنس کے)

قمیص کیوں پسند تھی:

یہاں یہ بات بھی واضح کردی جائے کہ آپؐ کو قمیص کس مادے سے بنی ہوئی پسند تھی۔ شیخ ابراھیم

الباجوریؒ فرماتے ہیں۔ والظاهران المراد فی الحدیث القطن والکتان دون الصوف لأنه یؤذی البدن ویدر العرق ویتأذیٰ بریح عرقه المصاحب. (مواهب ص ٦٦) یعنی حدیث میں جس قمیص کا ذکر ہے اس سے بظاہر کاٹن اور کتان کی قمیص مراد ہے نہ کہ اون کی۔ اس لئے کہ اون سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کو لاتا اور جذب کر لیتا ہے جس کی بُو دوسرے ساتھیوں کے لئے باعثِ تکلیف ہوتی ہے۔ ویسے آپؐ نے صوف سے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے ہیں والصواب ان افضل الطریق طریق رسول الله صلى الله عليه وسلم التی سنها وامر بها ورغب فیها وداوم علیها وهی ان هدیه فی اللباس ان یلبس ما تیسر من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والکتان تارة الخ (زاد المعادج ۱ ص ۵۲) (صحیح بات یہ ہے کہ بہتر طریقہ، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے جس کو آپؐ نے اختیار فرمایا، اس کا حکم دیا، اس میں رغبت دکھائی اس پر ہمیشگی فرمائی وہ یہ ہے کہ لباس میں آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو لباس میسر آتا اس کو پہن لیتے، کبھی اون کا، کبھی کاٹن کا اور کبھی کتان کا) قمیص یعنی کرتہ کے ساتھ تقریباً تمام بدن ڈھانپ لیا جاتا ہے بدن پر کرتہ ہلکا بھی محسوس ہوتا ہے اس کے استعمال میں تکبر اور فخر بھی نہیں پایا جاتا ہے اس سے بدن اچھا خوبصورت اور ستھرا نظر آتا ہے۔

لباس میں کفایت شعاری:

حضور اقدس ﷺ نے لباس کے استعمال کے متعلق بھی انتہائی زہد و درویشانہ زندگی کو محبوب رکھا۔

چنانچہ شیخ ابراهیم الباجوریؒ فرماتے ہیں لم یکن له سویٰ قمیص واحد (مواهب ص ٦٦) یعنی آپؐ کے پاس ایک کے سوا دوسری قمیص نہیں تھی۔ ففی الوفاء عن عائشة رضی الله عنها قالت مارفع رسول الله صلى الله عليه وسلم قط غداء لعشاء ولا عشاء لغداء ولا اتخذ من شئی زوجین لا قمیصین ولا ردائین ولا إزارین ولا زوجین من النعال (مواهب ص ٦٦)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے اور شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے کچھ بھی بچا نہیں رکھتے تھے (یعنی ایک سے دوسرے وقت کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑتے تھے سب تقسیم فرما دیتے تھے) اور بیک وقت آپؐ کے پاس کسی چیز

کے دو جوڑے نہیں ہوتے تھے نہ دو قمیصیں، نہ دو چادریں، نہ دو لنگیاں اور نہ ہی جوتوں کے دو جوڑے۔

(۵۴/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسىٰ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ اِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ .

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں فضل بن موسیٰ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمۃؓ سے اخذ کی، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

دونوں روایات میں سند کا فرق:

اسی روایت کا متن پہلی روایت کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے لیکن سند حدیث میں قدرے فرق ہے اور وہ اس طرح کہ (۱) پہلی روایت میں امام ترمذی کے شیخ محمد بن حمید الرازی ہیں اور اس دوسری روایت میں علی بن حجر ہیں (۲) پہلی روایت میں محمد بن حمید نے اپنے تینوں شیوخ (فضل بن موسیٰ، ابوتمیلہ، زید بن حباب) کے واسطہ سے عبدالمومن بن خالد سے روایت کی ہے اور دوسری روایت میں علی بن حجر نے صرف فضل بن موسیٰ کے واسطہ سے عبدالمومن سے نقل کی ہے واللہ اعلم۔

مضمون حدیث بعینہٖ پہلی روایت والا ہے۔ المتن واحد والاسناد متعدد فذکرہ للحکم مؤکد (جمع ص ۱۳۲) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ متن حدیث ایک ہے اور اسناد متعدد ہیں اور ان کا تذکرہ حکم کو مؤکد کر دیتا ہے)

(۵۵/۳) حَدَّثَنَا زِيَادُبْنُ اَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْصَ قَالَ اَبُوْ عِيْسىٰ هٰكَذَا قَالَ زِيَادُبْنُ اَيُّوْبَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ

اُمِّہٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ وَھٰکَذَا رَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِیْ تُمَیْلَۃَ مِثْلَ رِوَایَۃِ زِیَادِبْنِ اَیُّوْبَ وَاَبُوْ تُمَیْلَۃَ یَزِیْدُ فِیْ ھٰذَاالْحَدِیْثِ عَنْ اُمِّہٖ وَھُوَ اَصَحُّ ..

ترجمہ! ہمیں زیاد بن ایوب بغدادی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوتمیلۃ نے بیان کیا۔ انہوں نے عبدالمؤمن بن خالد سے انہوں نے عبداللہ بن بریدۃ سے ان کی والدہ کے حوالے سے اور انہوں نے امّ المؤمنین امّ سلمۃؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پہننے کے لئے سب کپڑوں میں سے کُرتہ زیادہ پسند تھا۔

راویانِ حدیث (۱۹۰) زیاد بن ایوب البغدادیؒ (۱۹۱) امّہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذیؒ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کی بحث اور سابقہ روایات سے فرق:

یلبسه القمیص ... یہ جملہ حالیہ ہے اور القمیص کان کی خبر ہے۔ اس روایت کی سند میں پانچ فرق ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ کے استاذ بدل گئے۔ علی بن حجرؒ اور محمد بن حُمید رازی کے بدلے زیادؒ کو لایا گیا۔

(۲) صرف ابوتمیلہ دوسرے مرتبہ پر ہیں جبکہ پہلی روایت میں بھی آپؒ دوسرے مرتبہ میں تھے لیکن اس کے ساتھ اس مرتبہ میں فضل بن موسیٰ اور زید بن حباب بھی شریک تھے اور یہ کہ آپؒ کا دوسری روایت میں تو تذکرہ بھی نہیں۔

(۳) عبداللہ بن بریدۃ اور حضرت ام سلمہ کے درمیان امہ کا واسطہ ذکر ہوا جبکہ اس سے پہلے کی دونوں روایتوں میں نہیں ہے۔

(۴) اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ زیاد بن ایوب کی یہ روایت جو بواسطہ ابوتمیلہ حضرت ام سلمہؓ سے ہے اس میں ,,عن امہ،، کی زیادتی ابوتمیلہ نے کی ہے اور یہی اصح بھی ہے بنسبت ابوتمیلہ کی اس روایت کے جو کہ اس کے شاگرد محمد بن حمید الرازی نے نقل کی ہے۔

(۵) اور یہ بھی کہ ابوتمیلہ سے اس زیادتی کے ساتھ روایت بہت سے رواۃ نے نقل کی ہے جیسے کہ

حدیث ۵۵/۳ کے آخر میں قال ابو عیسیٰ الخ سے یہ بات واضح ہے۔ امه کا نام معلوم نہیں لہذا جہالت لازم آتی ہے مگر روایت اس سے متاثر نہ ہوگی اسلئے کہ ان کی والدہ بھی صحابیہ ہیں والصحابة کلهم عدول (اور صحابہؓ (وصحابیات) سب عادل ہیں) باب هذا کی دوسری اور تیسری حدیث پہلی کے لئے تاکید ہے تیسری حدیث میں لفظ "یلبسه" کا اضافہ ہے وقال البخاری: الحدیث الثالث أصح الثلاثة، وذلک لزیادة عن أمه فی السند (اتحافات ص ۹۵) (امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تیسری حدیث باب کی تینوں روایات سابقہ میں سے زیادہ فصیح ہے اور یہ اس لئے کہ اس روایت کی سند میں عن امه کا اضافہ اور زیادتی ہے)

(۵۶/۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ بُدَیْلٍ یعنی ابْنَ مَیْسَرَةَ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ شَهْرِبْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ.

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن محمد بن حجاج نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاذ بن ہشام نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بدیل عقیلی کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اور انہوں نے اسماء بنت یزیدؓ سے نقل کی۔ یہ صحابیہ رسولؐ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کرتہ کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔

راویان حدیث (۱۹۲) عبداللہ بن محمد بن الحجاج (۱۹۳) معاذ بن ہشامؒ (۲۹۴) ابی (۱۹۵) بدیلؒ (۱۹۶) شہر بن حوشبؒ اور (۱۹۷) حضرت اسماء بنت یزیدؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آستین مبارک :

قالت کان کُمُّ قمیصِ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی الرسغ... حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کی آستین کلائی کے پہنچے تک تھی اس حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کا بیان ہے کُم آستین کو کہتے ہیں۔

الرسغ بعض روایات میں ص کے ساتھ بھی آیا ہے الرصغ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ان کمه الی رصغه (مشکوۃ شریف ص ۳۷۴) (کہ آپ ﷺ کے قمیص کی آستین پہنچے تک تھی) وہ جوڑ جو کلائی اور بازو یا ہتھیلی اور کلائی کے درمیان واقع ہو جسے عام اصطلاح میں پہنچا کہتے ہیں۔ ھو مفصل الساعد والکف (اتحافات ص ۹۵) (رسغ بازو اور کلائی کے جوڑ کو کہتے ہیں اور اسی کا نام الکوع بھی ہے) ویسمّی الکوع (جمع ص ۱۳۴)

بیانِ حکمت:

علامہ بیجوریؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر آستین رسغِ یَد سے بڑھ جائے تو پکڑنے اور ہاتھ کی سرعتِ حرکت سے مانع ہوتی ہے اور اگر رسغ سے چھوٹی ہو تو پھر ہاتھ کا ظہور ہوگا اور اسے سردی گرمی وغیرہ سے تکلیف ہوگی۔ فکان جعله الی الرسغ وسطاً وخیر الامور اوساطھا (مواھب ص ۶۷) (تو آپ ﷺ کی قمیص کے آستین پہنچوں تک رکھنا درمیانی طریقہ تھا اور یہ سب امور میں بہتر ہوتا ہے)

ایک تعارض کا حل:

بعض روایات میں آستین الی أسفل الرسغ (پہنچوں سے نیچے تک) آیا ہے اور بعض میں یساوی أصابعه (کہ انگلیوں کے برابری تک) کی تصریح ہے شارحینِ حدیث نے جمع وتطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ان روایات کو مختلف اوقات اور مختلف حالات پر حمل کیا جائے کہ کبھی یوں پہنی تھیں اور کبھی یوں وماورد مِن أن الکم کان یصل الی الأصابع فلعله فی بعض الاحیان او فی الحضر (اتحافات ص ۹۵) (یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی آستین انگلیوں تک لمبے ہوتے تو شاید یہ بعض اوقات کے اعتبار سے تھا یا حالتِ اقامت میں اس طرح ہوتے)

(۲) جب آستین سیدھی ہوتی تھی تو پہنچے سے نیچے تک پہنچتی تھی اور جب بار بار کے دھونے اور

استعمال سے سکڑ جاتی تھی تو پہنچے تک پہنچتی تھی۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آستین کی تمام روایات اندازہ وتخمینہ پرحمل ہیں اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ''بذل المجهود ''میں تحریر فرمایا ہے کہ پہنچے کی روایات افضلیت پرمحمول ہیں اوراس سے زیادہ کی روایات سے بیانِ جواز ثابت ہے۔

(۵) علامہ جزریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کُرتہ کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ پہنچے تک ہو اور کُرتہ کے علاوہ چوغہ وغیرہ میں نیچے تک لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔ قال الجزری فیه دلیل علی ان السنة ان لا یتجاوز کمّ القمیص الرسغ وأما غیر القمیص فقالوا السنة فیه أن لا یتجاوز رؤس الاصابع من جبة وغیرها (جمع ص۱۳۵) أخرج سعید بن منصور و البیهقی عن علی رضی اللّٰه عنه أنه کان یلبس القمیص حتیٰ اذا بلغ الاصابع قطع مافضل ویقول لا فضل للکمین علی الاصابع (مواهب ص۶۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کُرتہ پہنتے تھے جب آستین انگلیوں سے بڑھے ہوئے ہوتے تو اس کو کاٹ دیتے اور فرماتے کہ آستینوں کو انگلیوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں)

(۶) شیخ ابراهیم الیجوریؒ تعارض اوراس کا حل تحریر فرماتے ہیں۔ وورد ایضاً أنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یلبس قمیصاً و کان فوق الکعبین و کان کماه مع الأصابع و جمع بعضهم بین هذا و بین حدیث الباب بأن هذا کان یلبسه فی الحضر وذاک فی السفر (مواهب ص۶۸) یعنی حضور اقدسؐ کُرتہ پہنتے جوٹخنوں سے اوپر ہوتا اور آستین انگلیوں کے برابر رہتے۔ بعض نے اس حدیث اور حدیث باب کو یوں جمع کیا ہے کہ آپؐ لمبی آستینوں والا کُرتہ حالتِ اقامت میں پہنتے اور پہنچوں تک لمبا کرتہ حالت سفر میں پہنتے تھے۔

خلاصہ شیخ عبدالجواد الدومیؒ کے الفاظ میں یوں ہے کہ القصر هو الغالب ولعل الطول کان لعارض أو لبرد أو لسبب غیر ذلک (اتحافات ص ۹۵) آستینوں میں قصر غالب تھا اور پہنچوں سے لمبا ہونا کسی عارض یا سردی یا کسی اور وجہ سے ہوتا تھا)

علماء نے تصریح کی ہے کہ آستین کا انگلیوں سے آگے لٹکانا حرام ہے انگلیوں کی حد تک رہنا اس سے نیچے اور رسغ (پہنچے) تک یہ تینوں جائز ہیں اسلئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کی آستین رسغ سے آگے تک ہوں تو نماز میں رسغ تک ان کو کھول دے۔

(۵/۵۷) حَدَّثَنَا اَبُوعَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ أَخْبَرَنَا أَبُونُعَيْمٍ اَخبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُشَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ وَإِنَّ قَمِيْصَهُ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِيْصِهِ مُطْلَقٌ قَالَ فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهِ فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ.

ترجمہ! ہمیں ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کیا ان کو ابونعیم نے خبر دی، انہیں خبر دی زہیر نے عروہ بن عبداللہ بن قشیر کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت معاویہ بن قرۃ سے ان کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضور اقدس ﷺ کے کُرتہ کا گریبان یا اس کا بٹن کھلا ہوا تھا میں نے آپؐ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تبرکاً مہر نبوت کو چھویا۔

راویان حدیث (۱۹۸) عروہ بن عبداللہ بن قشیرؒ (۱۹۹) معاویہ بن قرؒ اور (۲۰۰) ابیہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''رھط'' کا معنیٰ وتشریح:

قال اتیت ... صحابی رسولؐ بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینۃ کے ایک گروہ (رھط) کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رھط' قوم' قبیلہ اور تین اشخاص سے لے کر سات یا دس یا تیس یا چالیس اشخاص تک کی جماعت کو کہتے ہیں جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں۔ الرھط قوم الرجل وقبیلتہ (اتحافات ص ۹۶) یعنی ''رھط'' کسی آدمی کی قوم اور قبیلہ کو کہتے ہیں۔ الرھط اسم جمع ہے لا واحد لہ (مواھب ص ۶۸) اورھو جماعۃ مِن العشرۃ الی الاربعین او مِن ثلاثۃ الی العشرۃ

(جمع ص ۱۳۵) یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے انه جاء جماعة مِن مزينة وهم اربع مائة راکب واسلموا لانه يحتمل ان يكون مجيئهم رهطاً رهطاً اولانه مبنی علی انه يطلق علی مطلق القوم (جمع ص ۱۳۵) (آنحضرت ؐ کے پاس قبیلہ مُزینہ کی ایک جماعت، جو چار سو سواروں پر مشتمل تھی آئی اور اسلام لے آئی اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ گروہ گروہ ہوکر آئے ہوں یا یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ لفظ مطلق قوم پر بولا جاتا ہے) لفظِ "فی" بمعنیٰ مع کے ہے ای مع رهط جیسے کہ قرآن میں ہے ادخلوا فی امم ای مع امم (مواهب ص ۶۸) (کہ داخل ہوجاؤ جماعتوں کے ساتھ کہ یہاں آیت میں فی امم بمعنیٰ مع امم کے ہے)

بیعت کی تین قسمیں:

لِنبايعه : جار مجرور متعلق اَتیت کے ہے۔ یہ اسلام لانے کی بیعت تھی جیسا کہ علامہ بیجوریؒ نے لکھا ہے علی الاسلام (مواهب ص ۶۸) (کہ ہم اسلام لانے کی بیعت کریں) مزينة، مصغّر ہے مضر قبیلہ سے ہے واصله اسم امرأة (مناوی ص ۱۳۵) (اصل میں ایک عورت کا نام تھا)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تین قسمیں ثابت ہیں (۱) بیعت علی ارکان الاسلام (اسلام کے بنیادی ارکان پر بیعت) (۲) بیعت علی الجهاد (جہاد پر بیعت) (۳) بیعت علی الاعمال المخصوصة خاص خاص اعمال پر بیعت، موجودہ دور میں حضراتِ صوفیاء کرام جو بیعت لیتے ہیں وہ اسی تیسری قسم کے تحت میں آتی ہے جو اصلاحِ باطن کے لئے لی جاتی ہے مقصود اصلاح اعمال ہے جو فقہ ہی سے ہے۔

اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں اعمالِ ظاہرہ، اعمالِ باطنہ، جس طرح اعمالِ ظاہرہ کی اصلاح منصوص ہے ایسے ہی اعمالِ باطنہ کی اصلاح بھی مامور بها (ضروری) ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں تکبر، حسد وغیرہ مذموم وممنوع اور تواضع وعبدیت کی تلقین کی گئی ہے تو یہ بھی گویا فقہ کا ایک شعبہ ہوا۔

ابن جوزیؒ وغیرہ نے جو تصوّف اور بیعت کا انکار کیا ہے تو وہ اس کے علاوہ مروّجہ مبتدعہ طریقِ بیعت وتصوف ہے جو جاہل صوفیاء نے گھڑ رکھا ہے ورنہ اصلِ تصوف اور حقیقتِ بیعت سے

کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

گریبان مبارک:

وانّ قمیصه لمطلق ... اس وقت آپؐ کے کرتہ مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا ای غیر مقید بزر قال میرک ای غیر مشدود الازرار وقال العسقلانی غیر مزرور (جمع ص ۱۳۵) مطلب ایک ہے کہ گریبان کھلا ہوا تھا۔ یایوں کہا اوقال زرُّ قمیصه مطلق الخ کہ آپؐ کی قمیص کا بٹن کھلا ہوا تھا ای غیر مربوط (جمع ص ۱۳۵) (بندھا ہوا نہیں تھا)

أو قال زرُّ قمیصه لمطلق (آنحضرتؐ کا گریبان کھلا تھا یا کرتے کا بٹن کھلا تھا)۔قال العسقلانی الشک من شیخ الترمذی ای وهو ابوعمّار لامِن معاویة وقال بعض الشراح الشک مِن معاویة لامـمن دونه کما وهم (مواهب ص ۲۸) عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شک امام ترمذی کے شیخ ابوعمارؒ کو ہوا ہے نہ کہ معاویہؒ کو۔ بعض شارحین کے مطابق معاویہؒ کو شک ہوا ہے نہ کہ ان کے علاوہ نیچے کے راوی کو)

کمالِ محبت کے تقاضے:

عشق ومحبت اور کمالِ اطاعت کے تقاضے کچھ اور ہی ہوتے ہیں پھر حضراتِ صحابہ کرامؓ تو اس کا کامل نمونہ تھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حالت میں دیکھتے اسی کو سنت سمجھ کر اپنا لیتے' بلکہ اس میں ڈوب جاتے تھے چاہے وہ لباس ہی کی کسی ہیئت کا منظر کیوں نہ ہو۔

ملّا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ۔ قال عروة فمارأیت معاویة ولا اباه الا مطلقی الازرار فی شتاء ولا خریف ولا یزران ازرارهما (جمع ص ۱۳۶)

عروۃ فرماتے ہیں کہ: میں نے معاویہ اوران کے باپ کو کبھی نہیں دیکھا مگر دیکھا تو ایسی حالت میں کہ ان کے گریبان کی گھنڈی (بٹن) لگی ہوئی نہیں ہوتی تھی اگر چہ گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں (بٹن) کھلی رہتی تھیں۔ اطاعت ووفاداری' محبت وخلوص اور فنائیت وہ مقدس اور پاک جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپؐ کی ایک ایک سنت اور ایک ایک عمل اورادا محفوظ ومحظوظ ہے۔

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

لفظِ ''جیب'' کی تشریح:

فأدخلت يدى فى جيب قميصه... پس میں نے اپنا ہاتھ آپؐ کے گریبان میں ڈالا۔ جیب کا معنیٰ ما يقطع مِن الثوب يخرج منه الرأس او اليد اوغير ذلک ہے جیب کا اصل معنیٰ قطع اور خرق ہے. ويطلق الجيب على مايجعل فى صدر الثوب ليوضع فيه الشئى (جمع ص ۱۳۶) (جیب کا اطلاق اس حصہ پر بھی ہوتا ہے جو کُرتہ میں سینہ کے اوپر بنایا جاتا ہے تا کہ اس میں کوئی چیز رکھی جائے)۔ قال القسطلانى لكن المراد مِن الجيب فى هذا الحديث طرف الثوب المخيط بالعنق. اس حدیث میں جیب سے مراد وہ گریبان ہے جو گردن کو گھیرے ہوئے ہو۔ (مناوی ص ۱۳۶)

شقِ جیب 'صدر' پر تھا:

شارحین فرماتے ہیں کہ ظاہرِ روایت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپؐ کا شُقِ جیب صدر پر تھا کیونکہ اگر شق جیبِ صدر پر نہ ہوتا تو ہاتھ داخل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ قال العسقلانى قوله أدخلت يدى الخ يقتضى ان جيب قميصه كان فى صدره (جمع ص ۳۶)

علامہ سیوطیؒ نے شق الجیب پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس حدیث کو بھی لیا ہے تاہم اس حدیث میں تصریح نہیں ہے البتہ اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے۔ البحر الرائق میں کتاب الجنائز کے تحت قمیص اور درع میں فرق بیان کیا گیا ہے عورت کے کُرتے کو درع جبکہ مرد کے کُرتے کو قمیص کہتے ہیں کیونکہ اس کا گریبان سینے پر ہوتا ہے جبکہ عورتوں کا تستّر کی وجہ سے مونڈھوں پر' لہذا لغۃً بھی قمیص اور درع میں فرق ہے۔

البحر الرائق (ج۲ص۱۷۶) میں ہے قوله الدرع لانه يقال على قميص المرأة كما فسره به فى القاموس وعلى ماتلبسه فوق القميص كما ذكره عن المغرب الخ (لفظ درع

کے لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درع عورت کی قمیص کو کہا جاتا ہے جیسے کہ صاحب قاموس کہتے ہیں اور لغت کی کتاب ''مغرب'' میں ہے کہ درع ہر وہ لباس جو قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے)

مسنون گریبان:

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بٹن اور گھنڈی لگانا بھی مسنون ہے اور کھلا رکھنا بھی سنت ہے معاویۃ اور قرۃ نے تو کھلا رکھا کہ انہوں نے یہی دیکھا تھا مگر سنت دونوں ہیں کہ دونوں آپ ؐ سے ثابت ہیں۔

گریبان میں ہاتھ کیوں؟

باقی رہی یہ بات کہ بے تکلفی کے بغیر انہوں نے آتے ہی گریبان میں ہاتھ کیوں ڈالا جبکہ آپ ؐ کی ہیبت وجلال کی وجہ سے حضرات شیخین ؓ بھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ یہ نووارد اور نومسلم تھے' آداب سے واقف نہ تھے اور نہ کسی نے ان کو آداب سے آگاہ کیا تھا۔

دوسرا یہ کہ ان کی غرض بھی تو مسِ خاتم تھی جیسا کہ تصریح ہے فمسست الخاتم (کہ میں نے مہر نبوت کو ہاتھ لگایا) ہوسکتا ہے ان کی بھی یہ شرط ہو کہ ہم ایمان تب لائیں گے جب الخاتم کو مس کریں گے اور تحقیق مذھب کے لئے انہوں نے یہ جرأت کی ہو آپ ؐ نے بھی بغرض دعوت و تحقیق ان کو نہیں روکا۔

صحابیؓ کی وارفتگی:

اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ عشق تھا اور کس قدر غایت درجہ محبت تھی کہ انہوں نے جب آپ ؐ کا گریبان کھلا دیکھا تو بے صبری اور وارفتگی کے عالم میں ہر قسم کے آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گریبان مبارک کے اندر ہاتھ داخل کر کے مہرِ نبوت چھونے کی سعادت حاصل کر لی اور اس کی برکت و نورانیت سے اپنے وجود کو بابرکت اور منوّر بنا لیا اور آپ ؐ نے بھی ان کو مہر مبارک چھونے سے منع نہ فرمایا۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

وانماقصد التبرک (مواھب ص ۶۸) یعنی ان کا ارادہ تبرک حاصل کرنا تھا۔

(۵۸/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْفَضْلِ اَخْبَرَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ الشَّهِيْدِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلٰى اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ وَ قَالَ عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُبْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَاالْحَدِيْثِ اَوَّلَ مَاجَلَسَ اِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِاُخْرِجَ كِتَابِيْ فَقَبَضَ عَلٰى ثَوْبِيْ ثُمَّ قَالَ اَمْلِهٖ عَلَيَّ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَلْقَاكَ فَاَمْلَيْتُهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ اَخْرَجْتُ كِتَابِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ .

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے خبر دی۔ ان کے پاس محمد بن فضل نے اور ان کے پاس حماد بن سلمۃ نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حبیب بن شھید سے اور انہوں نے حسن سے اخذ کی۔ وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسامۃ پر سہارا لگائے ہوئے مکان سے تشریف لائے اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لپٹے ہوئے تھے پس حضور اقدس ﷺ نے باہر تشریف لا کر صحابہؓ کو نماز پڑھائی۔ عبد بن حُمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ یحیی بن معین جب میرے پاس آ کر بیٹھے تو انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے اسی حدیث کے متعلق سوال کیا۔ پس میں نے کہنا شروع کر دیا کہ مجھ سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا تو یحیی بن معین کہنے لگے کہ کاش یہ حدیث آپ اپنی کتاب سے پڑھ کر سناتے۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لئے جانے لگا تو یحیی بن معین نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور پھر فرمایا مجھے زبانی ہی لکھوادو شاید میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں چنانچہ میں نے یہ حدیث ان کو زبانی ہی سنا دی پھر میں اپنی کتاب لے آیا اور کتاب سے پڑھ کر سنا دی۔

راویان حدیث (۲۰۱) عبد بن حمیدؒ (۲۰۲) محمد بن الفضلؒ اور (۲۰۳) حبیب بن شھیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ... حضور اقدس ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے وھو

متکئی علی اسامة بن زید اس حالت میں کہ آپ اسامۃ بن زید پر سہارا لیے ہوئے تھے متکئی کالفظ الاتکاء سے ہے ومنہ قولہ تعالیٰ متکئین فیھا علی الارآئک (۱۳:۷۶) (تکیہ کیے ہوئے بیچ اس کے اوپر تختوں کے) اور ایک نسخہ میں متوکئی آیا ہے مِن التوکأ ومنہ قولہ تعالی اتوکأعلیھا' (۱۸:۲۰) (تکیہ کرتا ہوں میں اوپر اس کے) دونوں کا معنیٰ ایک ہے یعنی اعتماد اور سہارا۔ بعض عرب یہ تکیہ تکبر اور نخوت کی وجہ سے لگاتے تھے مگر بارگاہ نبوت میں یہ چیز نہ تھی آپ کا تکیہ کسی غرض اور عذر پر تھا۔

کیونکہ یہ مرض الوفات کا واقعہ ہے جس کی تائید دوسرے طرق سے ہوتی ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بین أسامة والفضل بن عباس الی الصلواۃ فی مرضه الذی مات فیه۔ (حضور ﷺ مرض الوفات میں اُسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے نماز پڑھنے کے لئے باہر تشریف لائے)

حضرت اسامۃ بن زیدؓ :

حضرت اسامہؓ، حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت زیدؓ حضور اقدس ﷺ کے متبنّٰی تھے حضرت اسامہؓ اور ان کے والد حضرت زیدؓ کو حِب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے صحابہ کرامؓ میں سے قرآن میں اگر کسی کا نام آیا ہے تو وہ صرف حضرت زیدؓ ہیں فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ منھا وطرا (۳۷:۳۳) (پس جب پوری کرلی زید نے اس سے حاجت) دراصل سورۃِ احزاب کا یہ سارا رکوع حضرت زیدؓ کے متبنّٰی ہونے کی خصوصیّت کے ازالہ کے لئے نازل ہوا۔ جس سے بظاہر ان کی دل شکنی ہوئی جس کے تدارک کے لئے قرآن میں ان کا ذکر ہوا۔ صرف لفظ ,,زید،، پڑھنے سے تیس نیکیاں موعود ہیں حضرت اسامہؓ کا تعارف شیخ عبدالجواد الدومیؒ کے الفاظ میں یوں ہے۔

واسامة : ھو ابن زید بن حارثة مولی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وکان اسامة ابن حب رسول اللہ وابن مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وھی ام ایمن. أمّرہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی جش فیه عمرو کبار الصحابة وھو دون لعشرین' وسیر ابوبکر ھذا

الجیش بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحرب الروم بالشام' وکان مسیرا مظفرا۔ مات سنۃ اربع وخمسین عن خمس وسبعین سنۃ بالمدینۃ۔ (اتحافات ص۹۷) (حضرت اسامہؓ آپ ﷺ کے متبنی ومحبوب حضرت زید بن حارثہؓ اور ام ایمنؓ کے بیٹے اور حضور ﷺ کے محبوب تھے آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو ایک ایسے لشکر کا امیر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابرین صحابہؓ موجود تھے۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر بیس (۲۰) سال سے بھی کم تھی اور اس لشکر کو ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد رومیوں سے جہاد کے لئے بھیجا تھا اور یہ سفران کا بڑا کامیاب رہا مدینہ شریف میں پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی)۔

ثوبِ قطری کا معنیٰ:

وعلیہ ثوب قطری یہ جملہ حالیہ ہے یا خبر ہے یہ قِطر کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک قریہ تھا ملا علی قاریؒ نے مختلف آراء نقل کی ہیں۔ "نوع مِن البرودِ، ضرب مِن البرود وفیہ حمرۃ ولھا اعلام وفیھا بعض الخشونۃ، حلل جیاد تحمل مِن قبل البحرین' وقال العسقلانی ثیاب مِن غلیظ القطن ونحوہ (جمع ص۱۳۷)

(۱) قطری یہ چادروں کی ایک قسم ہے۔

(۲) جس میں کچھ سرخی ہو اور ان پر کچھ نقش ونگار اور تھوڑا سا کھردرا پن بھی ہو

(۳) بحرین سے لائے گئے اچھے قسم کے جوڑے۔

(۴) اور امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ موٹی کپاس یا اس جیسی چیز سے بنائے گئے کپڑے)۔

التوشح کا مفہوم:

توشح بہ' والتوشح بالثوب إلقاءہ علی عاتقہ کالو شاح ولعل المراد ھنا ادخال الثوب تحت یدہ الیمنیٰ والقاءہ فوق منکبہ الأیسر کما یفعل المحرم (اتحافات ص۹۸) (توشح بالثوب کا معنیٰ کپڑے کو کندھے پر (لپٹتے ہوئے ڈالنا) جیسے کہ گلے بند اور شاید کہ یہاں یہ معنیٰ مراد ہوں کہ کپڑے کو دائیں ہاتھ کی (بغل) کے نیچے سے داخل کر کے اس کو بائیں کندھے پر ڈالنا جیسے کہ محرم

شخص کرتا ہے)

یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے:

فصلّی بھم 'ان الفاظ کا مدلول بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے۔ أخرج ابن سعد مِن طریق ابی ضمرة اللیثی عن حمید انه قال آخر صلوة صلّاھا رسول الله صلی الله علیه وسلم مع القوم فی مرضه الذی قبض فیه فی ثوب واحد متوشحاً به قاعداً (اتحافات ص ۹۸) (ابن سعد نے ابی ضمرہ لیثی " عن حمید کی سند سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کہا کہ آخری نماز جو حضور ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ اس بیماری جس میں آپ فوت ہوئے بیٹھ کر توشح کرتے ہوئے پڑھی) امام بخاریؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه الذی مات فیه وعلیه ملحفة متغطیا بھا (نبی کریم ﷺ اپنی اس بیماری جس میں فوت بھی ہوئے نکلے اور آپؐ ایک بڑی چادر اوڑھے ہوئے تھے) اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے مرض الوفات کے یہی ایام تھے۔

غلبۂ ذوقِ حدیث:

سألنی یحییٰ بن معین " ... امام ترمذیؒ کے استاذ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل نے کہا کہ یحیٰ بن معین نے بیٹھتے ہی مجھ سے اس حدیث کے متعلق دریافت فرمایا میں نے فوراً حدیث زبانی سنانا شروع کی فقال لو کان مِن کتابک ، تو یحیٰ بن معین نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ یہ حدیث مجھے آپ کتاب سے سنا دیتے کہ زبانی غلطی کا امکان ہے مگر تحریر زیادہ مستحکم ہوتی ہے فقمت لاخرج کتابی' میں اٹھ کھڑا ہوا تا کہ ان کے مطالبہ پر اپنی کتاب لے آؤں مگر انہوں نے فوراً مجھے دامن سے پکڑا فقبض علی ثوبی اور بٹھایا پھر ارشاد فرمایا مجھے املا کرا دیجیے اور ممکن ہے یہی میری زندگی کی آخری گھڑی ہو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں آپ واپس آئیں اور ملاقات بھی نہ ہو سکے فانی اخاف ان لا القاک۔ محمد بن فضل کہتے ہیں ان کے اصرار پر پہلے حدیث زبانی سنادی پھر کتاب لایا فقرأت علیه پس یہ حدیث کتاب سے پڑھ کر بھی سنادی۔

اس سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ سلفِ صالحین کو حدیث سے کس قدر شغف تھا' کس قدر محبت تھی اور دنیا کی بے ثباتی پر کس قدر یقین تھا۔ فانی اخاف ان لا القاک ای لانه لا اعتماد علی الحیاة فان الوقت سیف قاطع وبرق لامع وفیه کمال التحریض علی تحصیل العلم لتنفیرِ مِن الأمل سیمافی الاستباق الی الخیرات (مواهب ص ۲۹) (مجھے تو ڈر ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اس لئے کہ زندگی پر کوئی اعتماد نہیں کیونکہ وقت تو تلوار کاٹنے والی یا بجلی چمکنے کی مانند ہے اور اس میں علم حاصل کرنے پر مکمل ابھارنا اور شوق دلانا ہے اور آرزوؤں سے نفرت دلانے خاص کر نیکیوں کی طرف سبقت کرنے میں)

یحییٰ بن معینؒ!

یہ وہی یحییٰ بن معین ہیں جنہیں محدثین امام الجرح والتعدیل کے نام سے یاد کرتے ہیں امام اعظمؒ کی توثیق کرنے والے ہیں امام بخاریؒ ان کے شاگرد ہیں المدنی العظفانی البغدادی ہیں مناقب شہیرہ سے موصوف ہیں ہزاروں حدیثیں اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں واتفقوا علی امامته وجلالته فی القدیم والحدیث (مناوی ص ۱۳۸) (علماء کرامؒ متقدمین ومتاخرین آپؒ کی امامت اور علوشان پر متفق ہیں) امام احمدؒ کا مشہور مقولہ ہے کل حدیث لا یعرفه یحیی بن معین فلیس بحدیث وقال السماع مِن یحییٰ شفاء لما فی الصدور (مناوی ص ۱۳۸) (کہ ہر ایسی حدیث جس کی معرفت وتحقیق یحییٰ بن معین کو نہ ہو سکی تو گویا (وہ کوئی قوی) حدیث نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ بن معینؒ سے سماع کر لینا دلوں کی تسکین کا ذریعہ ہے) ان کی عظمت اور فضیلت کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ بعد الوفات انہیں اس تخت پر غسل دیا گیا جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا اور اسی چارپائی پر اٹھایا گیا جس پر آپؐ کو اٹھایا گیا تھا۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وتشرف بان غسل علی السریر الذی غسل علیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وحمل علی ماحمل علیه صلی اللّٰه علیه وسلم (مناوی ص ۱۳۸) ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۵۹/۷) حَدَّثَنَا سُوَیْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اِیَاسٍ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاِسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ حَدَّثَنَا ھِشَامُ بْنُ یُوْنُسَ الْکُوْفِیُّ اَنْبَاَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِکٍ الْمُزَنِیُّ عَنِ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَہٗ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی انہوں نے سعید بن ایاس جریری سے اور انہوں نے ابی نضرۃ سے اور انہوں نے ابوسعید الخدریؓ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کُرتہ مرحمت فرمایا ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسألک خیرہ وخیر ماصنع لہ واعوذبک من شرہ وشر ماصنع لہ۔

(ترجمہ) اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا۔ کپڑے کی بھلائی برائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لئے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی زینت وغیرہ جس غرض کے لئے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو عبادت پر معین ہو اور اس کی برائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو عُجب وتکبر وغیرہ پیدا کرے۔

راوی حدیث (۲۰۴) سعید بن ایاس الجریری کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب حضور اقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا استجد ثوباً حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں

آپؐ جب نیا کپڑا پہنتے ای لبس ثوباً جدیدا واغرب من قال ای طلب ثوباً جدیداً ولعل المراد طلب لبسه اوطلبه مِن اهله اوخدمه (جمع ص ۱۳۹) (جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے اور زیادہ عجیب وغریب ہے جس نے یہ معنی کیا کہ آپؐ نے نیا کپڑا طلب کیا اور شاید کہ اس قائل کی مراد یہ ہو کہ آپؐ نے اس کا پہننا طلب کیا یا یہ مطلب کہ اپنے اہل (گھر والوں) یا خادموں سے طلب کیا ہو) سمّاه باسمه تو اس کپڑے کو اس کے نام سے موسوم فرماتے مثلاً جب کپڑا پگڑی کے لئے متعین ہوتا تو اس کا نام عمامہ رکھ دیتے یا چادر کے لئے تعیین ہوتی تو رداء نام رکھتے اسی طرح جو کپڑا جس غرض کے لئے استعمال ہوتا وہی نام متعین فرماتے۔

فالمقصود التعميم مثل ان يقول رزقني الله هذا القميص او كساني هذه العمامة و اشباه ذلك (جمع ص ۱۳۹) (پس مقصود تعمیم ہے مثلاً یہ فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قمیص عنایت فرمائی یا یہ عمامہ مجھے پہنایا۔ یا اس جیسے الفاظ سے (اس چیز کا نام لے کر دعا فرماتے)

یا مراد یہ ہے کہ ہر ایک کپڑے کا بنفسہ مستقل نام تجویز ہوتا مثلاً آپؐ کے ایک عمامے کا نام اسحاب تھا ہر دونوں صورتوں میں آپؐ کا مقصود اظہار نعمت وتشکر تھا اسلئے تو بے اختیار زبان پر اللھم لک الحمد الخ جاری ہوجاتا۔ وعلى كل حال فالقصد اظهار النعمة بدل التشكر والحمد (اتحافات ص ۹۹) اے اللہ ساری تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں۔۔۔پس ہر صورت میں مقصود نعمت کا اظہار بطور تشکر اور حمد کے ہوتا) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے لبسه يوم الجمعة (جمع ص ۱۳۹) (تو اس کو جمعہ کے دن پہنتے) ثم يقول اى بعد اللبس والتسمية وهى سنة اللّٰهُمَّ لک الحمد كما كَسَوْتَنِيهِ . (پھر اس کے تسمیہ اور پہننے کے بعد (اور یہ سنت ہے) فرماتے اے اللہ تیرے ہی لئے ساری تعریفیں ہیں جیسے کہ آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا)

لفظِ کاف کی توجیہ:

کما میں کاف تعلیل کے لئے ہے ای اللهم لک الحمد على كسوتک لى (اے اللہ! تیرے لئے سب تعریفیں ہیں بوجہ پہنانے آپ ہی کے ذات کا مجھ کو) ایاه یا تشبیہ فی الاختصاص کے لئے

ہے ای اللھم الحمد مختص بک کاختصاص الکسوۃ بک (مواھب ص ۷۰) اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ساتھ خاص ہیں جیسے (کسی کو) پہنانا بھی تیرے ساتھ خاص ہے) محشی مشکوۃ شریف نے مرقاۃ سے کما کسوتنیہ کی توجیہات اس طرح نقل کی ہیں الکاف تعلیلیۃ او بمعنی علی والضمیر راجع الی المسمیٰ فقولہ اسالک استیناف دعائہ بعد تقدیم الثناء او الکاف للتشبیہ وقولہ کما کسوتنیہ مرفوع المحل بانہ مبتداء والخبر اسئلک الخ ای مثل کسوتنیہ من غیر حول منّی ولا قوۃ کذالک اسئلک خیرہ ان یتوصل الی خیرہ (مشکوۃ ص ۳۷۵)

(لفظِ کما میں) کاف تعلیلیہ ہے یا بمعنی علیٰ کے ہے اور ضمیر (کسوتنیہ) کی راجع مسمی (جس کپڑے کا نام لیا تھا) کو ہے پس اللہ کی حمد وثناء کے بعد اسئالک کے لفظ سے دعا شروع کر رہے ہیں یا کاف تشبیہ کے لئے ہے اور کسوتنیہ بنا بر مبتدا ہونے کے محلاً مرفوع ہے اور اسئلک الخ اس کی خبر ہے۔ یعنی معنیٰ یہ ہوگا جیسے کہ آپ نے بغیر کسی زور وطاقت اور استحقاق کے مجھے پہنایا اسی طرح اس کے خیر کا بھی طالب ہوں کہ میری طرف اس کے خیر وبھلائی کو پہنچادے)

دعاءِ مسنون کا مفہوم:

اسئلک خیرہ وخیر ماصنع لہ کپڑے کی خیر تو یہ ہے کہ جسم کے موافق ہو گرمی وسردی سے بچائے ستر پوشی اور زینت کا باعث بنے اور انسان یہ کپڑا پہن کر عبادت اور عبدیت کے فرائض پورے کر سکے غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر خود کو ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں۔ والخیر الذی صنع لاجلہ مِن التقوّی بہ علی الطاعۃ وصرفہ فیما فیہ رضاک نظراً لصلاح نیۃ صانعہ (مواھب ص ۷۰) (وہ خیر وبھلائی جس کے لئے یہ بنایا گیا یعنی اس کے ذریعہ طاعتِ خداوندی پر تقویت اور اس کو تیرے رضا کے کاموں میں استعمال کرنے کی دعا کرتا ہوں بوجہ نظر رکھنے اس کے بنانے والے کی اچھی نیت پر) واعوذ بک مِن شرّہ وشرّ ما صنع لہ کپڑے کا شر یہ ہے کہ وہ جسم کے ساتھ ناموافق ہو مضرت رساں ہو استکبار کا باعث ہو واعوذبک مِن شرہ ومِن شرمایترتب علیہ مما لا ترضیٰ بہ مِن التکبر والخیلاء (مواھب ص ۷۰) (اور تجھ سے

پناہ مانگتا ہوں اس کے شر اور ہر اس چیز کے شر سے جو اس پر مرتب ہو یعنی ایسے کام جو آپ کے ناپسندیدہ ہیں یعنی ریا اور تکبر سے)

کپڑا پہننے کی دیگر دعائیں:

اس دعا کے علاوہ بھی ایسے موقع پر حضور اقدس ﷺ سے دیگر دعائیں بھی منقول ہیں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جس نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَااُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثم عمد الی الثوب الذی اخلق فتصدق به کان فی حفظ الله وفی کنف الله، وفی ستر الله حیاً ومیتاً (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ مجھے ایسی چیز پہنائی جس کے ذریعہ میں نے اپنی ستر پوشی کی اور اپنی زندگی کو خوبصورت بنایا (یہ دعا پڑھ کر) پھر اس سابقہ پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا تو یہ شخص زندہ اور مردہ حالت (یعنی زندگی اور موت کے وقت) میں اللہ کی حفاظت سایہ اور ستر میں ہوگا) اسی طرح حضرت معاذ بن انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے جسے امام احمدؒ نے تخریج کیا ہے فرمایا جس شخص نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَلَا قُوَّةٍ غفر الله له ماتقدم من ذنبه اور ابوداؤد نے اپنی ایک روایت میں ''وما تاخر'' کو زیادہ بیان کیا ہے (مواہب ص ۷۰) (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر کسی زور و طاقت و استحقاق کے رزق عنایت فرمایا اس کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیگا)

جب دوسرے شخص کو نیا کپڑے پہنے دیکھے:

اور جس کسی نے دوسرے شخص کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو مسنون یہ ہے کہ اسے کہا جائے البس جدیداً وعش حمیدا ومت شهیدا (تو نئے کپڑے پہن اور اچھی زندگی گزار اور شہادت کی موت نصیب ہو) کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفید جدید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو یہی دعا دی۔ ولما رواه ابوداؤد ان الصحابة رضی الله عنهم کانوا اذا لبس احدهم ثوبا جدیدا قیل له تبلی ویخلف الله تعالیٰ (مواہب ص ۷۱) (اور بوجہ روایت ابوداؤد کے کہ بے شک صحابہؓ میں سے اگر کوئی ایک نیا کپڑا پہنتا تو اس کو کہا جاتا۔ اس کو تو پرانا کرے اور اللہ تعالیٰ

اس کی جگہ دوسرا دے)

(۶۰/۸) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ اَنْبَأَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْحِبَرَةَ .

ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معاذ بن ہشام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔

راویان حدیث (۲۰۵) ہشام بن یونس اور (۲۰۶) القاسم بن مالک المزنی کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الحبرة کا معنیٰ اور تشریح:

کان أحب الثياب ... حضور اقدسؐ کو پہنے جانے والے کپڑوں میں دھاریدار چادر زیادہ پسند تھی الحبرة بمعنیٰ منقش دھاریدار چادر، تحبير کا معنیٰ ہے مختلف الوان سے لکھنا جس سے کپڑا منقش ہو جاتا ہے الحبرة كعنبة وهی نوع برود اليمن تتخذ من قطن أو كتان، مخططة بخطوط حمر أو زرق أو خضر (اتحافات ص ۱۰۰) (حبرة بروزن عنبة ہے یہ یمنی چادروں کی ایک قسم ہے جو کپاس یا کتّان (ٹھسر) وغیرہ جو سرخ اور نیلے اور سبز دھاریوں سے دھاریدار ہو بنایا جاتا ہے) والتحبير هو التحسين (ای تزين لا بسها) ومنه قوله تعالیٰ فهم فی روضة يحبرون (اتحافات ص ۱۰۰) تحبير بمعنیٰ تحسین کے ہے یعنی دھاریدار کپڑے کا پہننے والا خوبصورت ہو جاتا ہے اور اسی مادہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے (ترجمہ) کہ وہ لوگ (بہشت) کے باغ میں خوش وخرم (خوبصورت) ہوں گے) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً سرخ کپڑا پہننا

مردوں کے لئے بہتر نہیں (بعض علماء نے ناجائز لکھا ہے) البتہ مخطط دھاری دار کی اجازت ہے۔

قمیص اور الحبرۃ کی أحبیّت میں تعارض اور جواب:

یہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ اس حدیث اور اس سے سابق حدیث احب الثیاب القمیص میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضراتِ محدثین فرماتے ہیں۔

(۱) حدیثِ قمیص میں وضع کے اعتبار سے احبیّت ہے اور الحبرۃ میں جنس کی احبیّت ہے۔

(۲) حدیثِ قمیص میں احبیّت اضافیہ ہے جبکہ فی نفسہ ، الحبرۃ احب ہے۔

(۳) القمیص سلے کپڑوں میں احب ہے جبکہ الحبرۃ فی الردآء میں پسند ہے۔ (جمع ص ۱۴۰)

(۴) قمیص تب پسند تھی جب آپؐ گھر تشریف فرما ہوتے اور الحبرۃ تب پسند تھی۔ اذا کان مع اصحابه (اتحافات ص ۱۰۱) (جب آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہوتے) وحدیث الحبرۃ أصح لاتفاق الشیخین علیه فلایعارضه الحدیث السابق (مواھب ص ۷۱)

(اور حدیث حبرۃ زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ متفق علیہ شیخین کی ہے تو اس کے ساتھ سابقہ حدیث معارض ومقابل نہ ہوئی)

الحبرۃ کیوں پسند تھی:

(۱) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو الحبرۃ اسلئے بھی پسند تھا کہ اس میں نرمی تھی جسم مقدس کو اس سے مناسبت تھی۔ فانه کان علیٰ غایة مِن النعومة واللین (مواھب ص ۷۱) (کیونکہ وہ انتہائی نرم ونازک تھی)

(۲) الحبرۃ یمنی چادروں میں ہے جس میں سرخ دھاریاں ہوا کرتی تھیں۔ وربما کانت بزرق ھی اشرف الثیاب عندھم تصنع مِن القطن ولذا کان احب (جمع ص ۱۴۰) (اور کبھی نیلی دھاریوں والی ہوتی تھیں یہ یمن والے لوگوں کے نزدیک انتہائی قیمتی ہوتے تھے اور یہ (چونکہ) کپاس سے بنائی جاتی تھیں اس لئے آپؐ کو زیادہ پسند تھیں)

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں یہ چادر سبز رنگ کی ہوتی تھی۔ وقیل نکونها خضراء وهي مِن ثیاب اهلِ الجنة ۔(اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حبرہ سبز رنگ کی ہوتی تھی اور یہ جنت والوں کا لباس ہے)

(۴) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو سُجّیَ رسول الله صلی الله علیه وسلم ببُرْدِ حِبَرَة یعنی آپؐ پر ایک یمنی چادر ڈال دی گئی تھی ایک اور مقام پر ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا الْخَمِیْرَ وَ اَلْبَسَنَا الْحَبِیْرَ شکر ہے اللہ تعالیٰ جس نے ہم کو خمیر کھلایا اور الحبیر پہنایا۔

(۵) اس لئے کہ اس میں زینت زیادہ نہیں اور میل کچیل بھی اس میں ظاہر نہیں ہوتا۔

قیل انما کانت هی احب الثیاب الیه صلی اللّٰه علیه وسلم لانه لیس فیه کثیر زینة ولانها اکثر احتمالا للوسخ(جمع ص ۱۴۰) بعض نسخوں میں یلبسه کی جگہ یلبسها بھی آیا ہے جیسے کان احب الثیاب الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان یلبسها الحبرة . (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳) (حضور ﷺ کو اپنے پہنے جانے والے کپڑوں میں سے حبرہ (سرخ دھاری دار) آپؐ کو زیادہ پسندیدہ تھا)

....

(۶۱/۹) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُبْنُ غَیْلَانَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَأَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْهِ قَالَ سُفْیَانُ اُرَاهَا حِبَرَةً .

ترجمہ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر عبدالرزاق نے اور ان کو سفیان نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عون بن ابی جحیفہؓ سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ تو صحابی رسول ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا حضور اقدس ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میرے سامنے ہے سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔

راوی حدیث (۲۰۷) عون بن ابی جحیفۃ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں

حلة حمر آء کا معنیٰ وحکم:

قال رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیہ حلّة حمر آء .... میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ سرخ جوڑا زیب تن کیئے ہوئے تھے۔ یہ روایت حجۃ الوداع کے موقع پر بطحاء مکہ میں ہوئی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے وعلیہ حلة حمر آء جملہ حالیہ ہے حضرت سفیان حلة کی مراد متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں قال سفیان اراھا حبرةً میرا خیال ہے کہ وہ منقش جوڑا تھا سفیان یہ تعبیر اسلئے کرتے ہیں کہ خالص سرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے۔

حلة : (۱) ازار اور چادر کو کہتے ہیں ای ازار ورد آء کذا فی المھذب

(۲) یہ حلة دو کپڑوں ہی کا نام ہے کذا فی الصحاح

(۳) والمراد بالحلة الحمر آء بردان یمانیان منسوجان بخطوط حمر مع سود کسائر البرود الیمنیة وھی معروفة بھذا الاسم باعتبار مافیھا مِن الخطوط الحمر والا فالاحمر البحت منھی عنه ومکروہ لبسه (جمع ص ۱۴۱) (اور سرخ جوڑے سے مراد دو یمنی چادریں جو سرخ وسیاہ دھاریوں سے بنی ہوئی تھیں جیسے کہ باقی یمنی چادریں اور وہ حلہ حمراء کے ساتھ اسلئے مشہور ہے کہ اس میں سرخ لکیریں اور دھاریاں ہوتی تھیں۔ ورنہ خالص سرخ جوڑے کے پہننے سے منع وارد ہوئی ہے اور اس کا پہننا مکروہ ہے) ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص کا حضور اقدس ﷺ پر گذر ہوا وعلیه حلتان حمراوان (اور اس پر دو کپڑے سرخ رنگ کے تھے) اس نے آپؐ پر سلام ڈالا مگر آپؐ نے جواب نہ دیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے اسلئے ناپسندیدہ ہیں۔ لانه زینة الشیطان وموجب للخیلاء والطغیان (جمع ص ۱۴۱) (کہ وہ شیطانی زینت ہے اور انسان میں غرور وتکبر پیدا ہو جانے کا ذریعہ ہیں) اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وعلیه حلة حمر آء اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔

تو پھر اسی صورت میں ملا علی قاریؒ نے اس کی دو توجیہات کی ہیں۔

(۱) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپؐ نے الاحمر البحت (خالص سرخ) پہنا ہے تو یہ قبل النھی

(یعنی حضور ﷺ کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ) تھا۔

(۲) یا بیان جواز کے لئے تھا۔

سرخ لباس کے مردوں کے لئے جواز و عدم جواز پر کتابوں میں کافی بحث کی گئی ہے فقہاء کرامؒ نے مکروہ لکھا ہے اگر دھاریدار ہو یا اس کا سوت رنگا ہوا ہو تو جائز ہے ابن جریر طبری نے مطلقاً جائز لکھا ہے مگر ثقاہت اور مروّت کے خلاف ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں خود حنفیہ کے اس میں مختلف اقوال ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ رنگ مرد کے لئے فتویٰ کے لحاظ سے جائز ہے اور تقویٰ کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ یہ علماء میں مختلف فیہ ہے (خصائل)

تہبند، پاجامہ کا مسنون معیار:

كاني انظر الى بريق ساقيه گویا میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کی دونوں مبارک پنڈلیوں کی نورانیت دیکھ رہا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا تہبند مبارک نصف پنڈلی تک تھا۔ تہبند ہو یا پاجامہ نصف ساق تک سنت اور ٹخنوں تک ہونا مستحب ہے اگر ٹخنوں سے نیچے ہو جائے اگر از روئے تکبر ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ **فيسن للرجل الى نصف ساقيه ويجوز الى كعبيه ومازاد حرم ان قصد الخيلاء والا كره** (مناوی ص ۱۴۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کی پنڈلی پر نظر پڑ جائے تو جائز ہے اور اسی پر اجماع ہے مگر یہ تب ہے جب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں **وندب تقصير الثياب الى انصاف ساقين** (اور مستحب ہے کپڑوں کا نصف پنڈلیوں تک کوتاہ رکھنا) جیسا کہ مختلف روایت میں وارد ہے (۱) **ارفع ازارك فانه اتقىٰ و انقىٰ** (اپنے تہبند کو اوپر باندھو کہ یہ زیادہ تقویٰ اور صفائی کا ذریعہ ہے)

(۲) طبرانی میں ہے **كل شئي مس الارض مِن الثياب فى النار** (ہر وہ کپڑا جو زمین پر (بوجہ لمبا ہونے) لگے وہ آگ میں ہے یعنی پہنے ہوئے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اچھا نہیں)

(۳) بخاری میں ہے ماسبل مِن الکعبین مِن الازار فی النار (ای محله فیها فتجوز به عنه للمجاورة (مناوی ص ۱۴۲) (تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو وہ آگ میں ہے (یعنی اس کی سزا آگ ہے)

صحابہ کرامؓ کے ذوقِ محبت کا اظہار:

حضراتِ صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سے کتنا عشق و محبت والہیت اور پیار تھا کہ جب بھی آپؐ کی ذاتِ اقدس کا تذکرہ کرتے تو اپنی محبت وجنون اور وارفتگی چھپائے بھی نہ چھپتی اور چھلک پڑتی۔

حضرت ابو جحیفہؓ کا یہ جملہ ''گویا میں اب بھی آپؐ کی پنڈلی مبارک دیکھ رہا ہوں'' اسی ذوق ومحبت کمال عشق اور مخلصانہ جذب وکیف کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے گویا آپؐ کے مبارک تصور سے اب بھی ان کا دل ودماغ اور ظاہر وباطن منور اور معطر ہو رہے ہیں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یارؐ
جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

شیخ عبدالجواد الدومیؒ نے یہاں کچھ مزید روایات بھی نقل کی ہیں نذرِ قارئین ہے۔

وفیه أیضاً : ورأیت النبی صلی الله علیه وسلم یتوضأ،ورأیت الناس یبتدرون بلل وضوئه ، أی مافضل من ماء وضوئه ، فمن أصاب منه شیئاً مسح به وجهه ، ومن لم یصب مُنه شیئاً أخذ من بلل صاحبه .وزاد من طریق شعبة عن عون عن أبیه : وقام الناس فجعلوا یأخذون یدیه یمسحون بهما وجوههم . قال : فأخذت یده فوضعتها علی وجهی ، فاذا هی أبرد من الثلج ، وأطیب رائحة من المسک"وعلیه حلة حمرآء".(اتحافات ص ۱۰۱، ۱۰۲) (اور اسی طرح اس میں ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو وضو کرتے دیکھا اور میں نے (اس دوران) اور لوگوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے وضوء کے بقیہ پانی کی طرف جلد بازی کرتے تھے جس شخص کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو اس کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کر لیتا (یعنی اس تری کو چہرہ پر مَلتا) اور اگر اس سے نہ ملتا تو اپنے ساتھی سے کچھ پانی کی

تری لے کر اپنے چہرہ پر لگاتا۔ اور شعبہ عن ابیہ کی سند میں ہے کہ لوگ شروع ہوئے کہ آپؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر ملتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرہ پر رکھا تو اچانک وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا اور آپؐ پر ایک سرخ جوڑا تھا)

(۶۲/۱۰) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ اِسْرَآئِیْلَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَتْ جُمَّتُهٗ لَتَضْرِبُ قَرِیْبًا مِّنْ مَنْکِبَیْهِ ..

ترجمہ! ہمارے سامنے علی بن خشرم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی انہوں نے یہ روایت اسرائیل سے ابی اسحٰق کے حوالے سے اخذ کی اور وہ صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اس وقت حضور اقدس ﷺ کے پٹھے حضور کے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔

راوی حدیث (۲۰۸) علی بن خشرمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

یہ حدیث باب اول میں تیسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔ متعلقہ بحث وہاں ملاحظہ فرماویں یہاں تو حلة حمرآء کی مناسبت سے دوبارہ لائی گئی ہے۔

(۶۳/۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ اَنْبَاَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ اِیَادٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا عبدالرحمٰن بن مھدی نے۔ ان کو یہ روایت عبید اللہ بن ایاد سے ملی۔ انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے صحابی ابورمثہؓ

سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔

راوی حدیث (۲۰۹) عبید اللہ بن ایادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی تشریح ۸/۶۰ میں تفصیل سے کی جا چکی ہے۔

(۶۴/۱۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ اَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ عَنْ جَدَّتَيْهِ دُحَيْبَةَ وَعُلَيْبَةَ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ ..

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کے متعلق عبد اللہ بن حسان عنبری نے اپنی دادی دُحیبۃ وعُلیبۃ کے حوالے سے بتلایا۔ انہوں نے یہ روایت قیلہ بنت مخرمہ سے حاصل کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پر دو پرانی لنگیاں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے۔

راویان حدیث (۲۱۰) عفان بن مسلمؒ (۲۱۱) عبد اللہ بن حسان العنبریؒ (۲۱۲) دحیبۃؒ (۲۱۳) علیبۃؒ اور (۲۱۴) قیلۃ بنت مخرمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قالت رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ الخ حضرت قیلہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں اسمال سمل کی جمع ہے کہا جاتا ہے سمل الثوب یا ثوب ثمیل 'پرانا کپڑا' بوسیدہ کپڑا یہاں اسمال صیغہ جمع کا ہے مراد مافوق الواحد ہے۔ بمعنیٰ بوسیدہ کپڑے کے' وھو الثوب الخلق (جمع ص ۱۴۵) المُلَيَّةَ' الملاءۃ کی تصغیر ہے بمعنیٰ چادر کے جو یک بری ہو اور سلی ہوئی نہ ہو (غیر مخیط) بلکہ اس کی نسج (بنائی) ایسی ہو کہ سلائے بغیر استعمال ہو سکے۔ وفی النھایۃ ھی الازار وفی الصحاح

الملحفة (مناوی ص ۱۴۵) (اور نہایہ میں ہے کہ ملیّة کا معنی تہبند ہے اور صحاح میں ہے کہ یہ بمعنی ملحفه بڑی چادر کے ہے)

الملیّة بھی واحد کا صیغہ ہے مُلَیَّتین اس کا تثنیہ ہے بمعنیٰ دو چادریں۔ یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی آپؐ پر دو پرانی چادریں تھیں۔

کانتا بزعفرانٍ وقد نفضته یعنی دونوں چادریں زعفران سے رنگی ہوئی تھیں، مگر بوسیدگی کی وجہ سے زعفرانی رنگ زائل ہو چکا تھا۔

کانتا بزعفران ای مصبوغتین به واما قول الحنفی ای مخلوطتین ففیه تسامح (جمع ص ۱۴۵) (یہ دونوں زعفران میں رنگی ہوئی تھیں اور حنفیؒ کا یہ قول کہ ان میں زعفران کی ملاوٹ تھی تو اس میں اس سے تسامح ہوئی) وقد نفضته ای الأسمال او کل واحدة مِن الملیّتین لون الزعفران ولم یبق اثر منه (جمع ص ۱۴۵) (اور بوسیدگی نے زعفرانی رنگ جھاڑ دیا تھا یا ہر ایک دونوں چادروں میں سے زعفرانی رنگ زائل ہو گیا اور کوئی اثر باقی نہ رہا) نفض کا اصل معنیٰ غبار جھاڑنے کے لئے کسی چیز کو حرکت دینا ہے یہاں لونِ زعفران کے زوال سے کنایہ ہے لکونه مِن لوازمه (مناوی ص ۱۴۵) (کہ زائل ہونا جھڑنے کے لوازمات میں سے ہے)

ایک تعارض سے جواب:

ایک حدیث میں ہے کہ نهٰی عن التزعفُر للرجال (یعنی حضور اقدس ﷺ نے مردوں کے لئے زعفرانی رنگ منع فرمایا یعنی مرد اپنے اعضاء واندام اور کپڑوں کو زعفرانی رنگ سے رنگنے سے پرہیز کریں) امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مردوں کے لئے زعفرانی رنگ کثرت سے استعمال کرنے سے نہی آئی ہے کیونکہ تھوڑے زعفران کے استعمال کی رخصت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حدیث سے نکلتی ہے (لغات الحدیث ز۔ص ۱۹)

بظاہر اشکال یہ ہے کہ جب آپؐ نے زعفرانی رنگ استعمال کرنے سے منع فرمایا تو خود اس رنگ کی چادریں کیوں اوڑھی ہیں بظاہر تعارض ہے۔

محدثین کرامؒ حضرات فرماتے ہیں (۱) کہ وقد نفضته سے اس کا جواب ہو جاتا ہے کہ ان چادروں کو کسی وقت زعفرانی رنگ ضرور دیا گیا تھا مگر وہ اس کے استعمال سے آہستہ آہستہ زائل ہو گیا تھا اور جب استعمال میں لائیں گئیں تو زعفرانی رنگ کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے یہ زعفرانی چادریں نہی سے قبل پہنی ہوں جس پر حدیث میں مذکور طویل قصہ بھی دلالت کرتا ہے انها كانت في اوّل الاسلام (جمع ص ۱۴۶) (کہ آپؐ کا اس قسم کی چادروں کا پہننا اسلام کے ابتدائی دور میں تھا)

لباسِ فقر اور لباس فاخرہ میں مدار نیّت پر ہے:

زیر بحث حدیث میں تو بذاذة الهيئت اور رثاثة اللباس کی طرف اشارہ ہے اور بعض روایات میں لباس فاخرہ بھی منقول ہے جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ستائیس (۲۷) اونٹیوں کے بدلے میں ایک جوڑا کپڑوں کا خریدا تھا اور پہنا بھی تھا جو اگر چہ ایک ضرورت کے پیش نظر وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام معمول کا لباس آپؐ کا معمولی درویشانہ اور بقدر کفاف ہوا کرتا تھا) جس سے زینت و جمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہ تو عملِ مبارک ہے اس طرح قولِ مبارک میں بھی دونوں قسم منقول ہیں

البذاذة من الايمان' الرثاثة مِن الايمان . ان الله يحب الجمال . ان الله نظيف يحب النظافة

(آپؐ نے سادگی اور زینت کے عدم اہتمام کو ایمان کی علامت کہا ہے اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورتی اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک وصاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں)۔ اصحاب السنن نے روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا ۔ وعليه اطمار وفي رواية النسائي ثوب دون (جمع ص ۱۴۶) (اور اس کے بدن پر بوسیدہ کپڑے تھے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ معمولی کپڑے تھے) آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ کہا جی ہاں' فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ عرض کیا اللہ کی ہر نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اونٹ ہیں بکریاں ہیں وغیرہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فكثر نعمته وكرامته عليك اي فاظهر اثر نعمته بالحمد والشكر بلسان القال والحال ليكون سبباً للمزيد في الاستقبال والمآل قال تعالىٰ (واَمّا بنعمة ربك فحدث (جمع

ص ۱۴۶) تو پھر تو آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسان ونعمت کا اظہار حمد وشکر کے ساتھ اپنے قول وعمل میں کرتا رہ تا کہ مستقبل میں یہ (اللہ تعالیٰ) کے مزید انعامات اور احسانات کا سبب بنے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیئے) اور سنن میں یہ روایت بھی منقول ہے۔ ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده ای لا نبائه عن الجمال الباطن وهو الشکر علی النعمة (جمع ص ۱۴۶) (اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھیں اس لئے کہ بندہ کا نعمتوں کے اظہار سے اس کے اندرونی جمال یعنی نعمتوں پر شکریہ کرنے کی کیفیت کا پتہ چل جاتا ہے) علماء محققین اور حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اس میں قولِ فیصل نیت ہے اچھا اور عمدہ کپڑا اگر تحدیث نعمت کے طور پر ہے تو افضل اور موجبِ ثواب ہے جبکہ کتمانِ فقر کے لئے لباس فاخرہ پہننا افضل ہے اور اگر یہی لباس استکبار وریا اور سمعة و شہرت کا باعث ہو تو پھر ناجائز ہے اسی طرح بذاذة الھیئة اور رثاثة اللباس میں بھی نیت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں نیت کے مدار ہونے پر لکھا ہے کہ وکذالک لبس الدنیّ من الثیاب یذم فی موضع ویحمد فی موضع فیذم اذا کان شهرة وخیلاء ویمدح اذا کان تواضعاً واستکانة کما ان لبس الرفیع من الثیاب یذم اذا کان تکبرًا وفخرا وخیلاء ویمدح اذا کان تجملاً واظهار النعمة اللّٰه ففی صحیح مسلم عن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة خردل من ایمان قال رجل یا رسول اللّٰه انی احب ان یکون ثوبی حسنا ونعلی حسنا افمن الکبر ذاک فقال لا ان اللّٰه جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲) (اسی طرح بوسیدہ اور غیر قیمتی کپڑے پہننا کبھی قابل مذمت وبرائی اور کسی وقت قابل مدح وتعریف ہوتے ہیں۔ یعنی جب تکبر اور شہرت کے لئے پہنے جائیں تو پھر قابل مذمت اور برائی ہیں اور جب وہ تواضع اور ستر پوشی کی غرض سے ہوں تو قابل مدح وتعریف ہیں اور یہی حال اچھے اور قیمتی کپڑوں کا ہے کہ اگر بڑائی فخر اور تکبر کی نیت سے ہوں تو برائی اور قابل مذمت ہیں اور اگر تجمل خوبصورتی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لئے ہوں تو پھر قابلِ مدح وتعریف ہوں گے۔ صحیح مسلم

میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا تکبر اور بڑائی ہو اور دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میرے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں کیا یہ بھی تکبر میں سے ہے آپؐ نے فرمایا نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں تکبر تو حق بات کو نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے)

حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد:

حضرت ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں نفس کے دھوکہ سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت اور تواضع کے اظہار میں ریا وسمعہ اور عمدہ لباس میں تکبر ونخوت خطرناک امور ہیں ان ہی کے متعلق ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نہایت ہی عمدہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا کسی گدڑی پوش اور شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

یا هذا هیئتی هذه تقول الحمدللّٰه وهیئتک هذه تقول اعطونی مِن دنیاکم شیئاً للّٰه (جمع ص ۱۴۶) (اے شخص میری یہ شکل وہیئت (یعنی اچھا لباس پہننا) (زبان حال) سے الحمدللہ کہتی ہے یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو رہا ہے اور آپ کی یہ شکل وہیئت (گدڑی پوشی) زبان حال سے کہتی ہے کہ کچھ مال اللہ کے لئے مجھے دیدیجئے (جس سے حرص ولالچ مترشح ہو رہا ہے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لا بد للسالک فیهما مِن تصحیح النیة واخلاص الطویة فلا یلبس افتخاراً ولا یترک بخلاً واحتقاراً (جمع ص ۱۴۶) (اس لئے سالک کے لئے تصحیح نیت اور اپنے اندرونی معاملہ میں اخلاص انتہائی ضروری ہے پس (اس کو چاہئے) کہ اچھا اور عمدہ لباس بطور فخر وریا کے نہ پہنے اور نہ ہی بخل اور حقارت سے اس کا تارک بنے)

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ۔ والفصل العدل ان جمال الهیئة اما محمود وهو ما اعان علی طاعة ومنه تجمل المصطفیٰ للوفود واما مذموم وهو ما للدنیا او للخیلاء (مناوی ص ۱۴۷) (حد فاصل اور اعتدالی کیفیت یہ ہے کہ خوبصورتی یا محمود (قابل مدح) ہوگی۔ یعنی جو طاعتِ خداوندی پر معین

مددگاراور آمادہ کرنے والی ہو حضور ﷺ کے باہر کے وفود کے لئے تجمل اسی غرض سے ہوتا تھا۔ اوریا خوبصورتی قابل مذمت ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی اغراض تکبر اور بڑائی کے لئے ہو)

وفی الحدیث قصة طویلة اور اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے ملاعلی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ تقریباً دو ورق کا ہے مگر اس کو آپؐ کے لباس سے کوئی مناسبت نہ تھی اسلئے ترک کردیا گیا۔ وقال ابن حجر وترکھا لعدم مناسبتھا لما ھو فیه (جمع ص ۱۴۷) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو مصنفؒ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس باب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں تھی) وہ قصہ مختصر یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اپنے پاؤں پر گوٹھ مار کر یعنی دونوں رانوں کو پنڈلیوں کے ساتھ ملا کر) تشریف فرما تھے دست مبارک میں کھجور کی چھڑی تھی آپؐ بڑے متفکر نظر آ رہے تھے ایک خاتون یا مرد حاضر خدمت ہوا آپؐ پر سلام کیا آپؐ نے جواب دیا آپ دو زعفران زائل شدہ پرانی چادریں اوڑھے ہوئے تھے

راوی کہتے ہیں جب آپؐ پر میری نظر پڑی تو آپؐ کے رعب وجلال سے مجھ پر ہیبت اور خوف طاری ہوگیا ارعدت مِن الفرق (میں خوف کے مارے لرز گیا) آپؐ نے میری طرف دیکھا فقال وعلیک السکینة فذھب عنی ماا جد مِن الروع (جمع ص ۱۴۷) پس آپؐ نے ارشاد فرمایا تجھ پر سکینہ وآرام ہو آپ ﷺ کی اس قدر توجہ وعنایت اور ارشاد مبارک سے میرا خوف وہیبت سکینہ اور طمینان سے بدل گیا۔

(۶۵/۱۳) حَدَّثَنَا قُتَیبَةُ بنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبدِ اللّٰہِ بنِ عُثمَانَ بنِ خُثَیمٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ لِیَلْبَسْھَا اَحْیَآءُ کُمْ وَ کَفِّنُوْ فِیْھَا مَوْتَاکُمْ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت بشر بن مفضل نے بیان کی انہوں نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے اخذ کی انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے صحابی رسول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑوں میں مُردوں کو دفن کرنا چاہئے۔

سفید کپڑے کے استعمال کی ترغیب:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالبیاضِ من الثیاب لوگو! تم پر لازم ہے کہ سفید کپڑے پہنا کرو علیکم' اسم فعل ہے بمعنیٰ الزموا کے ہے ای الزموا لبس الابیض (مواھب ص ۴۷) (یعنی تم اپنے اوپر سفید لباس پہننے کو لازم کرلو) وحمل البیاض علی المبالغة اوعلی حذف المضاف ومِن الثیاب بیان له . البیاض ای الثیاب البیض بولغ فیھا فکانھا نفس البیاض او البسوا ذا البیاض علی حذف المضاف (خصائل عربی حاشیه) اور حدیث میں علیکم بالبیاض میں یا تو بیاض مبالغہ پر محمول ہے اور یا یہاں مضاف محذوف ہے اور لفظ میں من الثیاب یہ اس کا عطف بیان ہے یعنی الثیاب البیض (سفید کپڑے) اس میں مبالغہ کیا گیا گویا کہ کپڑے بعینہٖ سفیدی ہوئے اور یا البسوا ذا البیاض یعنی تم سفیدی والے پہنو تو یہاں حذف مضاف ہوا)۔

لِیَلبَسھا احیاء کم الخ یعنی تمہارے زندہ لوگ سفید کپڑے پہنیں اور مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو اس حدیث میں آپؐ کے سفید کپڑوں کے پہننے کا ذکر نہیں مگر امت کو حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ترغیب دی جارہی ہے تو خود بھی پہننا پسند تھا اور پہنا بھی ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض ۔(میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس پر سفید کپڑے تھے) چنانچہ علماء کرام اور صلحاء امت کا معمول بھی ہے اور ترغیب بھی کہ سفید کپڑے پہن کر جمعہ کے روز مسجد میں آنا یا قرأت قرآن اور علمی ودینی اور روحانی مجالس میں شریک ہونا ایک عمدہ اور بہتر عمل ہے عید کے روز بھی عمدہ اور اعلیٰ بلکہ نیا کپڑا پہننا (اگرچہ وہ سفید نہ ہو) انسب ہے۔

شیخ عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں ۔فی ھذا الحدیث یرغب نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی

البیاض .. ویحبه لنا فی الحیاۃ وبعد الممات والتعلیل کما جاء فی الحدیث الآتی لانها اطهر واطیب وقد ورد أن أحب الالوان إلی اللہ البیاض (اتحافات ص ۱۱۱) (اس حدیث میں ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سفید کپڑے پہننے کی ترغیب دے رہے ہیں اورانہی سفید کپڑوں کو ہمارے لئے زندگی اورموت کے بعد بھی پسند فرماتے ہیں اوراس کی علت اوروجہ آئندہ حدیث میں ہے۔کہ یہ پاک وصاف اوراچھے رہتے ہیں اوریہ بھی احادیث میں ہے کہ رنگوں میں زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کوسفید رنگ ہے)

(۶۶/۱۴) حَدَّثَنَامُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ اَبِيْ شَبِيْبٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَسُوْا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیاوہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی ان کو سفیان نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالے سے نقل کیا۔انہوں نے میمون بن ابی شبیب سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت بیان کی۔وہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرواسلئے کہ وہ زیادہ پاک وصاف رہتے ہیں اوراسی میں اپنے مُردوں کوکفنایا کرو۔

راویان حدیث (۲۱۵) حبیب بن ابی ثابت اور (۲۱٦) سمرۃ بن جندبؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سفید کپڑا اطہرواطیب ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البسوا البیاض الخ آپؐ نے ارشادفرمایالوگو! سفید کپڑا پہنو فانھا اطھر جب وہ اطہر ونظیف ہوکیونکہ اس پر جب میل کچیل لگ جائے فوراً نظر آتی ہےاور فوراًدھوکرصاف کردی جاتی ہے گویااطہر ہے ظاہر کےلحاظ سے واطیب یعنی احسن وانقی باعتبار باطن

ہے لغلبة دلالتها على التواضع والتخشع ولانها تبقى على الحالة التى خلقت عليها فليس فيها تغيير خلق الله تعالىٰ (مواهب ص ۷۴) (اکثر سفید لباس کی دلالت خشوع وخضوع پر ہوتی ہے اور یہ رنگ اپنی خلقی حالت پر قائم دائم رہتا ہے۔ اس میں اللہ کی خلقت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی)

کفنوا فیها موتا کم إلخ علامہ عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں

جب زندہ لوگ مساجد جاتے وقت اور بڑوں کی ملاقات کے وقت سفید کپڑے پہنتے ہیں تو مُردوں کو ان کا پہننا زیادہ انسب ہے اسلئے کہ یہ تو ربّ کریم اور ملائکہ مقربین کی ملاقات کے لئے جا رہے ہیں دوسرا یہ کہ ان کی تیاری میں محنت کم اور تکلّفات کالعدم ہوتے ہیں بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ سفید لباس میں کفنانے کے حکمت یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو گناہوں سے پاک ہو' سفید رنگ کی طرح صاف ستھرا ہو اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جیسا کہ سفید لباس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے (ملخصاً از اتحافات ص ۱۱۲)

(۶۷/۱۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِیعٍ اَنْبَأَنَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا بْنِ اَبِی زَآئِدَةَ اَخْبَرَنَا اَبِی عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَیْبَةَ عَنْ صَفِیَّةَ بِنْتِ شَیْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَیْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ..

ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ نے خبر دی انہوں نے مصعب بن شیبۃ سے صفیہ بنت شیبہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت سماعت کی آپ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپؐ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔

راویان حدیث (۲۱۷) یحییٰ بن زکریاؒ (۲۱۸) ابی (۲۱۹) مصعب بن شیبۃؒ اور (۲۲۰) صفیۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیاہ بالوں کی چادر :

قالت خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم .... سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لے گئے وعلیہ مرط مِن شعر اسود آپؐ سیاہ بالوں والی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔

مرط (نصر) کے باب سے ہے بمعنیٰ اکھیڑنے اور کھینچنے کے' یہاں مراد کملی ہے مرط عموماً خز سے یا صوف سے یا کتان سے یا سیاہ بالوں سے بنائی جاتی ہے جو کشادہ اور طویل ہوتی ہے وھو کسآء طویل واسع مِن خز او صوف اوشعر او کتان یوتزر (جمع ص ۱۴۹) (یہ ایک لمبی کشادہ چادر ریشم یا اون یا بالوں اور کتان کی ہوتی ہے جو بطور تہبند استعمال ہوتی ہے) اسود' مرط ساری سیاہ نہ تھی یہ وصف بطور اغلب کے ہے۔ سیاہ رنگ کی اس نوعیت کی کملی سے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کالی کملی والے مشہور ہوئے ابوداؤد میں اس کی مزید تصریح ہے کہ بالوں (اون) کی بنی ہوئی چادر میں آپؐ کوزیادہ پسینہ آیا آپؐ نے تکلیف محسوس کی تو اسے اتار دیا۔

(۱۶/۶۸) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسَی اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ بْنُ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِیْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِیَّةً ضَیِّقَةَ الْکُمَّیْنِ ..

ترجمہ! ہمارے پاس یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا ان کے پاس وکیع نے اور ان کے پاس بیان کیا یونس بن ابی اسحٰق نے اپنے باپ کے حوالے سے انہوں نے شعبی سے اور انہوں نے عروۃ بن مغیرۃ بن شعبہؓ سے اپنے باپ کے حوالے سے۔ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ نے ایک رومی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

راویان حدیث (۲۲۱) الشعبیؒ (۲۲۲) عروۃؒ اور (۲۲۳) ابیہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

رومی جبہ :

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیّۃ کہ حضور اقدس ﷺ نے روم کا بنایا ہوا جبہ پہنا تھا ضیقۃ الکمین جس کی آستین تنگ تھیں شارحین نے لکھا ہے یہ رومی جبہ پہننا سفر میں تھا اور یہ سفر غزوہ تبوک کا تھا۔ای فی السفر قالوا وکان ذلک فی غزوہ تبوک (مناوی ص ۱۵۰)

ایک تعارض سے جواب:

اس حدیث میں جبہ کے رومی ہونے کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں شامی ہونے کا ذکر ہے . وفی اکثر الروایات کما قالہ الحافظ ابن حجر شامیۃ (مناوی ص ۱۵۰) (اور اکثر روایات میں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ جبہ شامی تھا)

بظاہر دونوں روایات میں تعارض۔ملاعلی قاریؒ جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) قال العسقلانی ولا منافاۃ بینھما لان الشام حینئذٍ داخل تحت حکم قیصر ملک الروم فکانھما واحد مِن حیث الملک (امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں ان دو باتوں میں کوئی تعارض ومنافات نہیں اس لئے کہ شام بھی اس وقت قیصرِ روم کے ماتحت تھا گویا وہ دونوں (روم وشام) ایک ہی مملکت تھی)

(۲) یا کپڑا روم کا ہوگا اور وضع شام کی ہوگی یا اس کے بالعکس ہوگا۔ ویمکن ان یکون نسبۃ ھیئتھا المعتاد لبسھا الی احد اھما ونسبۃ خیاطتھا الی الاخریٰ (جمع ص ۱۵۱) (اور یہ بھی امکان ہے کہ اسکے پہننے معتاد کی نسبت ایک ملک کو اور اس کے سینے اور بنانے کی نسبت دوسرے کو ہو)

غیر مسلم کے بنائے ہوئے کپڑے کا حکم:

علماء کرام اور فقہاء عظام یہاں یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کپڑا فی الحقیقت پاک ہے اگر چہ اسے کافروں نے کیوں نہ بنایا ہو۔ لانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یمتنع مِن لبسھا (مواھب ص ۷۵) (بے شک نبی کریم ﷺ نے اس کے پہننے سے امتناع نہیں فرمایا)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ جب تک نجاست ثابت نہ ہو جائے کفار کے بنے ہوئے کپڑوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے لانه صلى الله عليه وسلم لبس الجبة الرومية (جمع ص ۱۵۱) (بے شک آپؐ نے رومی جبّہ پہنا ہے) ضيّقة الكمين چونکہ آستین تنگ تھیں اسلئے بازوؤں کو وضو کے وقت آستین سے نکالنے میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ کیفیت سفر میں تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں تصریح ہے. فلم يستطع ان يخرج ذراعيه منها حتى اخرجهما مِن اسفل الجبة (جمع ص ۱۵۱) (حضور ﷺ اپنے کہنیوں کو (بوجہ تنگی آستینیں) جبّہ سے بآسانی نہ نکال سکے بلکہ اس جبہ کے نچلی طرف سے نکال لئے) اس کے پیش نظر شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ سفر میں تو تنگ آستین کا استعمال مستحب ہے مگر حضر میں نہیں ورنہ حضرات صحابہ کرام کی آستین تو کشادہ ہوا کرتی تھیں (ملخصاً از مواھب ص ۷۵)

==================================

باب ماجاء فی عیش رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرانِ اوقات کے بیان میں

عیش گذران، گذر اوقات اور معاش کو کہتے ہیں قاموس میں ہے عیش عبارت ہے حیات اور طعام سے وفی التاج العیش الحیاۃ ومایکون به الحیاۃ (مناوی ص ۱۵۲) (یعنی تاج العروس میں ہے کہ عیش کا معنی زندگی اور ہر وہ چیز جس کے ذریعہ زندگی حاصل ہو)

عمدہ طریق سے رہنا، ایک خاص طرز پر زندگی گزارنا، مصدر عَیْشٌ، مَعَاشًا اور مَعِیشًا آتا ہے اس باب کو امام ترمذیؒ نے شمائل میں دو جگہ ذکر کیا ہے ایک یہاں اور دوسرا اواخر کتاب میں۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ دو جگہ ذکر کرنے میں کوئی خاص مقصد نہیں ہے اسلئے بعض ناسخین نے دونوں ابواب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ تاہم چونکہ باب دو جگہ نقل ہوا ہے اسلئے اکثر شارحین نے اس کی توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) دو جگہ ایک ہی باب کا ذکر، سہوِ ناسخ کی وجہ ہے جس نے کچھ یہاں اور کچھ وہاں لکھ دیا ہے۔

(۲) اس باب میں محض نفسِ عسرت کا بیان ہے اسلئے یہاں صرف دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں جبکہ دوسری جگہ آپؐ کی اس حالت کا بیان ہے کہ آپؐ نے ایامِ عسرت اور تنگی کی حالت میں کیا کیا چیزیں نوش فرمائیں اور کیا کیا چیزیں استعمال فرمائیں اور اسلئے اس دوسرے باب میں نو احادیث مذکور ہیں۔

(۳) اس باب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کے ساتھ عیش کا بیان ہے جبکہ دوسرے باب میں آپؐ کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ عیش کا بیان ہے۔

(۴) دونوں ابواب کی احادیث کا موضوع "عیش رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" (نبی کریمؐ کے گذران کا تذکرہ) ہے اسلئے دونوں کو یکجا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے مگر امام ترمذیؒ دونوں ابواب کو علیحدہ

علیحدہ لاکر اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولِ زمانہ اور اخیرِ زمانہ دونوں وقتوں میں ذاتی اور معاشی حالت یکساں تھی آپؐ کی اول زندگی اور آخر زندگی سے متعلق احادیث کو دو ابواب میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا و القصد بیان انه کان فی حیاته علی فقر مستمر (مناوی ص ۱۵۲) (اور اصل مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آپؐ پوری زندگی میں فقر دائمی سے موصوف رہے)

(۵) بعض ملاحدہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی محنت، مشقت، مجاہدہ، ریاضت اور عسرت میں گزری، البتہ جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے اور اسلامی ریاست قائم ہوئی تو پھر آپؐ کی زندگی میں بھی تبدیلی آئی اور آپؐ نے حکمرانوں اور بادشاہوں جیسے زندگی گزاری مگر یہ توجیہ عقل و نقل سے مردود ہے۔

البتہ یہاں اس بات پر شارحین متفق ہیں کہ اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا ہرگز مناسب نہیں ہے فایراد هذا الباب بین باب اللباس وباب الخف لغیر مناسب قال العسقلانی ولعله من صنیع النسّاخ (مناوی ص ۱۵۲) (پس اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا نامناسب ہے۔ علامہ عسقلانیؒ (اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ شاید یہ کاتب کا کارنامہ ہو) اس کے باوجود علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے ایک توجیہ کا ذکر کر کے اس باب کا یہاں تذکرہ کرنا بھی مناسب بنا دیا فرماتے ہیں ثم لما کان الحدیث الاول من هذا الباب مشتملا علی توسع بعض الاصحاب فی آخر الامر حتی لبس مثل ابی هریرة ثوبین ممشقین من الکتان ناسب ان یکون ذکره بعد باب اللباس مقدما علی باب الخف (جمع ص ۱۵۲) (پھر جبکہ اس باب کی پہلی حدیث بعض صحابہؓ کے آخری دور میں ان کا اتنا صاحب وسعت اور مالدار ہونے پر مشتمل ہے کہ ابو ہریرہؓ جیسے (مسکین) صحابی بھی کتان کے دو کپڑے (لنگی چادر) گیروی رنگ میں رنگے ہوئے پہنتے تھے تو اس لئے مناسب ہے کہ اس باب کا تذکرہ باب اللباس کے بعد اور باب الخف سے پہلے ہو) نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی کتاب اللباس سے اس باب کی مناسبت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کر دیا کہ گذشتہ باب جو لباس میں بعض ایسی چیزیں گذری ہیں جیسا کہ پرانی لنگی یا

تنگ آستین کا جبّہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھا یہ اس وقت کی عام تنگ حالی (معیشت) کی وجہ سے تھا کہ ابتداً عسرت زیادہ تھی (خصائل ص۷۵)

(۱/۶۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَيَتَمَخَّطَ فِىْ اَحَدِهِمَافَقَالَ بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فِى الْكَتَّانِ لَقَدْ رَاَيْتُنِىْ وَاِنِّىْ لَاَ خِرُّ فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِعَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَىَّ فَيَجِىْ ءُ الْجَائِىْ فَيَضَعُ رِجْلَهٗ عَلٰى عُنُقِىْ يَرٰى اَنَّ بِىْ جُنُوْنًا وَمَابِىْ جُنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّاالْجُوْ عُ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا۔ان کو یہ روایت ایوب نے اور انہوں نے محمد بن سیرین کے حوالے سے نقل کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابوھریرہؓ کے پاس تھے ان پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی وہ دونوں کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ابوھریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ آج ابوھریرہ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان شدتِ بھوک کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھ کو مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقۃً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا۔بلکہ صرف شدّتِ بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوجاتی تھی۔

راویان حدیث (۲۲۴) ایوب السختیانیؒ اور (۲۲۵) محمد بن سیرینؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وعلیه ثوبان ممشقان :

قال کنا عند ابی هریرةؓ وعلیه ثوبان مُمشَّقان مِن کتان محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت انہوں نے دو کپڑے پہن رکھے تھے وعلیه ثوبان

ای ازار ورداء او ثوبان آخران (جمع ص ۱۵۳) (اورابوھریرہؓ کے بدن پر دو کپڑے یعنی لنگی اور چادر یا کوئی اور دو کپڑے تھے)

جو ممشق (گیروی) یعنی سرخی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے مادہ مشق ہے معنی گلِ سرخ ہے باب تفعیل سے اسم مفعول ہے منقش بھی اس کے معنی آتے ہیں۔ ممشقان ای مصبوغان بالمِشق وھو الطین الاحمر (جمع ص ۱۵۳) (ممشقان کا معنی ایسے دو کپڑے جو سرخ مٹی میں رنگے ہوئے ہوں) بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تو اس حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔

جس میں ثوب احمر کے پہننے سے نہی آئی ہے۔ ابن حجرؒ جواب میں فرماتے ہیں یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ والاظھر ان یقال ان النھی عن الحمرة معلل بانه مِن زینة الشیطان والمصبوغ بالطین الاحمر لیس له ذلک الشأن (جمع ص ۱۵۳) (اورزیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ سرخ رنگ کے استعمال کی ممانعت کی علت یہی ہے کہ وہ شیطانی زینت کے اسباب سے ہے اور جو کپڑا سرخ مٹی میں رنگا ہوا ہو اس کی یہ شان نہیں)

بخ بخ کا معنیٰ اور تلفظ:

فیتمخط فی احدھما فقال بخ بخ .... حضرت ابوھریرہؓ ان کپڑوں میں سے ایک سے ناک صاف کررہے تھے فیتمخط ای استنثر وطھر انفه (جمع ص ۱۵۳) پھر خود ہی کہتے واہ واہ کیا خوب۔ ابوھریرہ آج کتان سے بنے ہوئے کپڑے سے ناک صاف کررہا تھا۔ بخ نہایہ میں ہے

ھی کلمة تقال عند الفرح والرضاء بالشئی وتکرر للمبالغة وھی مبنیة علی السکون (جمع ص ۱۵۳) قال ابن درید معناه تفخیم الامر وتعظیمه' المراد بھا ھنا التعجب والاستغراب (جمع ص ۱۵۳) (بخ بخ کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نہایہ میں ہے کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ خوشی اور کسی چیز پر رضامندی اور مسرت کے وقت بولا جاتا ہے اور اس میں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس کا آخر سکون پر مبنی ہے۔ ابن دریدؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے کسی چیز کی بلندی شان و مرتبہ ہوتی ہے اور یہاں اس سے مراد تعجب و حیرانگی ہے) قوله بخ بخ بسکون آخره فیھما و کسره غیر

منون فیهما ایضا وبکسر الاول منونا وسکون الثانی وبضمهما مع تشدید آخرهما (مـواهـب ص ۷۶) (صاحب مواہب علامہ بیجوریؒ بخ بخ کے تلفظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یا تو دونوں کے آخر کو ساکن پڑھو۔ یا صرف کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے دونوں میں یا پہلے کو کسرہ تنوینی کے ساتھ اور دوسرے کو ساکن یا پھران دونوں کے آخر میں تشدید اور دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھو) قال القاضی عیاض وروی بالرفع واذا کررت فالاختیار تحریک الاول واسکان الثانی یعنی اما راجعاً الی الاصل او مراعاۃ للوقف (جمع ص ۱۵۳)

(علامہ ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے آخر میں رفع پڑھنا بھی مروی ہے البتہ جب تکرار کے ساتھ پڑھیں تو پھر پسندیدہ پہلے کی حرکت اور دوسرے کا اسکان ہے یا تو بوجہ اصل ہونے کے اور یا پھر وقف کالحاظ کرتے ہوئے)

ابوھریرہؓ حالتِ فقر وجوع میں:

لقد میں لام جواب قسم ہے۔ واللام فی جواب قسم مقدر ای واللہ لقد ... (لفظ لقد میں لام قسم مقدر کا جواب ہے اصل عبارت واللہ لقد ہوگی) . لَاخِرُّ، خرور سے مشتق ہے یعنی ھیئۃِ ساجد کی طرح، میں زمین پر گرا پڑا تھا اس کا مصدر خرأ بھی آتا ہے حضرت ابوھریرہؓ اپنی عسرت کے حالات کو یاد کرکے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں بھی دیکھا ہے کہ میں مسجد نبوی میں منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان غش کھا کر گر پڑتا تھا جب کہ ابن سعدؒ کی ایک روایت میں بیـن بیت عائشۃ وام سلمۃ (کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے کمرے کے درمیان) کے الفاظ منقول ہیں مناویؒ جواب میں فرماتے ہیں ولا منافاۃ لامکان التعدد (مناوی ص ۱۵۴) (کہ ان دونوں کے درمیان کوئی منافات اور تعارض نہیں کیونکہ واقعہ کے متعدد ہونے کا امکان ہے) منبر اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان گرنے سے ادھر بھی اشارہ ہے۔جیسا کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اشارۃ الی موضع الاحباب والاصحاب مِن غیر خفاء واحتجاب (جمع ص ۱۵۴) (یہ اشارہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی جگہ یعنی بالکل سامنے بغیر کسی آڑ اور پردے کے) کہ اس راستہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور

اصحاب رسول کے آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔

فیجیئی الجائی ... میرے قریب سے گذرنے والا کوئی شخص گذرتا اور مجھے بے ہوش پڑے دیکھتا تو اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا کہ وہ سمجھتا کہ مجھے جنون **ای نوعاً مِن الجنون وھو الصرع** (جمع ص ۱۵۴) یعنی مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے حالانکہ مجھے کوئی جنون کا دورہ نہیں ہوتا تھا **وما ھو الا الجوع** بلکہ یہ تو بھوک کی وجہ سے مدہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ **ای اثرہ واستیلاءہ علیّ** (جمع ص ۱۵۴) (یعنی بھوک کا اثر اور میرے اوپر اس کا غلبہ) بہرحال بتانا یہ مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ پر کمال درجے کی رحمت وشفقت فرماتے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپؐ کے وسائل ہوتے تو حضرت ابوھریرہؓ اس حال سے دوچار ہو جاتے۔

مگر حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی زندگی مبارک بنفسِ نفیس اسی طرح عسرت کی تھی علامہ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ **انما ذکر ھذا الحدیث فی باب عیشه لانه دل علی ضیق عیشه صلی اللّٰه علیه وسلم بواسطة ان کمال کرمه ورافته یوجب انه لو کان عنده شئی لما ترک اباھریرة جائعا حتی وصل به الحال الی سقوطه مِن شدة الجوع** (مواھب ص ۷۷) (اس حدیث کو باب العیش میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ حضور ﷺ کی معاشی تنگی پر بایں معنی دلالت کررہی ہے کہ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کا یہ تقاضا تھا کہ اگر آپؐ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو پھر ہرگز ابوھریرہؓ کو ایسے بھوک کی حالت میں نہ چھوڑتے کہ اس پر سخت بھوک کی وجہ سے گرنے کی نوبت آجاتی)۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں **وانما اتصل الضمیران وھما لواحد حملاً لرأی البصریة علی القلبیة فان کون الفاعل والمفعول ضمیرین متصلین من خصائص افعال القلوب ای علمتی لا رائیت نفسی** (جمع ص ۱۵۴) (**لقد رأیتنی** کے لفظ میں دو متصل ضمیریں لائی گئی حالانکہ ان کا مرجع ایک ہی ہے یعنی اس غرض سے کہ رویت بصری کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے (یعنی یہاں رویت قلبی مراد ہے) کیونکہ فاعل اور مفعول کی دونوں ضمیریں متصل ہونا افعال قلوب کی خاصیت ہے۔

یعنی یہاں بمعنی **علمتی** کے ہے نہ کہ بمعنی **رائیت نفسی** کے ہے) (جو رویت بصری ہے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ فقر و غنیٰ تھے:

شیخ ابراھیم البیجوری تحریر فرماتے ہیں۔

وقد جمع الله لحبيبه صلى الله عليه وسلّم بين مقامى الفقير الصابر والغنى الشاكر فجعله غنياً شاكراً بعد أن كان فقيراً صابراً فكان سيد الفقراء الصابرين والأغنياء الشاكرين لأنه أصبر الخلق فى مواطن الصبر واشكر الخلق فى مواطن الشكر وبذلك علم انه لا حجة فى هذ االحديث لمن فضل الفقر على الغنى (مواهب ص۷۷)

(اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے مراتب جمع کر دیے یعنی آپ ﷺ کو فقیر صابر ہونے کے بعد غنی شاکر بنایا تو آپؐ سیّد فقراء الصابرین اور سید الاغنیاء الشاکرین ٹھہرے کیونکہ آپؐ صبر کے مقامات میں سب مخلوق سے زیادہ صابر اور مقامات شکر میں سب مخلوق سے زیادہ شاکر تھے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں جو کہ مالداری پر فقیری کو ترجیح دیتے ہیں)

(۲/۷۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُبْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا لَحمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ رَجُلاً مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفَفُ قَالَ اَنْ يَّتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن سلیمان ضبعی نے مالک بن دینار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ حضور اقدس نے کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیری فرمائی مگر حالتِ ضفف پر۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ضفف کے معنیٰ پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنیٰ بتائے۔

راویان حدیث (۲۲۶) جعفر بن سلیمان الضبعیؒ اور (۲۲۷) مالک بن دینارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

قال ماشبع رسول الله صلى الله عليه وسلم مِن خبز قط ولا لحم الاعلىٰ ضففٍ خبز کی تنوین تنکیر کے لئے ہے فهو شامل لعيش الحنطة والشعير (جمع ص ۱۵۵) (پس یہ شامل ہوئی گندم اور جو (دونوں کی روٹی) کو) قطّ کا معنیٰ ہرگز ، بالکل ای ابداً (جمع ۱۵۵) ولالحمٍ میں واو بمعنیٰ مع کے ہے بعض نسخوں میں لاآیا ہے بعض میں نہیں' جہاں لا مذکور ہے مراد نفی کی تاکید ہے ضفف کا معنیٰ کثرتِ عیال مع قلتِ مال کے ہے .وقال صاحب الصحاح' الضفف كثرة العيال (جمع ص ۱۵۵) (صاحب صحاح فرماتے ہیں کہ ضفف کا معنی کنبے کا بڑا ہونا) مہمانوں کی کثرت کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے کہ مہمان کو پیٹ بھر کر کھلایا جائے اور خود بھی اس کے ساتھ آخر تک شریک رہے جیسا کہ دیہاتی نے بھی یہی معنیٰ مراد لیا ہے قال ان يتناول مع الناس 'لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کو کثرتِ ایدی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کی کثرت تب ہوگی جب دعوت ہو وقيل معناه اجتماع الايدى وكثرة الآكلين اى لم يا كل وحده ولكن مع الناس (جمع ص ۱۵۵) (اور بعض نے ضفف کا معنی ہاتھوں کا جمع ہونا اور کھانے والوں کی کثرت بھی بتایا ہے۔یعنی آپؐ نے اکیلے نہیں کھایا لیکن لوگوں کے ساتھ)

فائق میں ہے کہ اس روایت میں ضفف آیا ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں حفف منقول ہے بعض میں شظف ہے الثلاثة فى معنىٰ ضيق المعيشة وقلتها وغلظتها (جمع ص ۱۵۵) (ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تینوں (ضفف ،حفف ،شظف) ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں یعنی تنگی اور کمی معیشت وغیرہ کے لئے) شارحینِ حدیث نے اس کے مفہوم میں متعدد توجیہات کی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہ:

ایک توجیہ تو یہ ہے کہ جب کسی جگہ دعوت کی نوبت آتی تو شکم سیر ہوکر تناول فرماتے مگر بعض شارحینِ حدیث نے اس کی شدت سے تردید فرمائی ہے کہتے ہیں کہ اس قسم کی بات کی نسبت آج بھی معاشرہ

میں کسی کی طرف جائے تو عیب بلکہ معیوب ترسخت ناگوار اور بے ادبی سمجھا جاتا ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت کیونکر گوارا ہوسکتی ہے مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں۔ بندہ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں اسلئے کہ اس زمانے میں کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اُس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنے میں اس کا ایہام نہیں ہے اسلئے کہ اس وقت کی تنگئی حال سب کو معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کا جود وسخا جو کہ ہدیہ میں کہیں سے کچھ آجاتا تھا اصحاب صفہ پر تقسیم کردیا جاتا تھا ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آسکتی تھی۔

لیکن بعض شارحین حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں ان کا ارشاد حجت ہے اسلئے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جل شانہ اپنے لطف سے معاف فرماویں **اعوذ باللہ ان اقول فی حقه صلی اللہ علیه وسلم ما لا یلیق بشانه** (خصائل)

(۲) بعض شارحینِ حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود دعوت کرتے تھے تو مہمانوں کے ساتھ آخر وقت تک تھوڑا تھوڑا تناول فرماتے تھے جس کو بھرے پیٹ کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے مقصد یہ ہوتا کہ مہمانوں کو کھانے میں تکلف نہ ہو۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ **ان یتناول مع الناس** سے مراد عام ہے یعنی اپنے گھر میں ہو یا کسی دوسری جگہ' ظاہر بات ہے جس اجتماعِ دعوت میں آپؐ شریک ہوں اور آپؐ ہاتھ کھینچ لیتے تو سب کے ہاتھ کھینچ جاتے لہذا آپ شرکاءِ دعوت کا لحاظ فرماتے اور آخر تک شریک رہتے اسی کو پیٹ بھر کر تناول کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ:

شارحین حدیث نے اس کی تصریح کی ہے کہ حدیث میں جہاں جہاں بھی آپؐ کے پیٹ بھر کر کھانے کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ آپؐ دو تہائی پیٹ بھر کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد بالشبع له صلی الله علیه وسلم اکله ملءُ ثلثی بطنه فانه صلی الله علیه وسلم لم یاکل ملء البطن قط (جمع ص ۱۵۵) (کہ حضورؐ کے بھرے پیٹ سے مراد آپؐ کا دو تہائی پیٹ بھر کر کھانا مقصود ہے کیونکہ آپؐ نے بالکل بھرے پیٹ کبھی نہیں کھایا)۔

جیسا کہ آپؐ کا ارشاد بھی ہے ثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس (آپ ﷺ نے پیٹ کے حصوں کے متعلق فرمایا) کہ کھانے کے لئے ایک تہائی، پینے کے لئے ایک تہائی، اور سانس کیلئے ایک تہائی)۔

= ==

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ کے بیان میں

اس باب میں دواحادیث نقل کی گئیں ہیں جن میں حضورِاقدس صلی اللہ علیہ سلم کے موزے پہننا٬ موزے پہننے کے بعدان پرمسح کرنااور پہننے سے پہلے ان کوجھاڑنے کا بیان ہے ای باب بیان ما ورد فی خفّ رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِن الاخبار (مواھب ص۸۷) یعنی حضورﷺ کے موزوں کے بارے میں واردشدہ حدیثوں کا بیان۔

خف کامعروف معنیٰ (۱) وھو ما یستر الرجل الی الکعبین یعنی جوٹخنوں سمیت پاؤں کوڈھانپتے ہیں (۲) اونٹ کے پاؤں کے نیچے والے حصے کوبھی خف کہتے ہیں (۳) اورموزے کوبھی خف کہتے ہیں۔جمع اس کی خفاف کتاب کےوزن پرہےاور خف البعیر کی جمع اخفاف آتی ہے جیسے قفل کی جمع اقفال آتی ہے وذکر بعض اھل السیر انه کان له صلی اللّٰہ علیه وسلم عدۃ خفاف منھا اربعة ازواج اصابھا مِن خیبر (اتحافات ص۱۱۸) (بعض سیرت والوں نے ذکرکیاہے کہ نبی اکرمﷺ کے مختلف موزے تھےان ہی میں سے وہ چارجوڑے جوغزوہ خیبرمیں آپؐ کوملے تھے)

موزوں کاجھاڑناسنت ہے:

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے یہاں دوروایات نقل کی ہیں۔(۱) طبرانیؒ نے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکرمیں٬ اوسط میں ذکرکیاہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضاءحاجت کے لئے جنگل میں دورتک تشریف لے گئے اور

وضو کرنے کے بعد ایک موزہ پہنا اسی اثنا میں ایک سبز پرندہ آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا کر بلند کیا اور الٹ دیا فخرج منه اسود سالح تو اس سے ایک سیاہ سانپ نکلا فقال رسول اللّٰہ علیه وسلم هذه کرامة اکرمنی اللّٰہ بها اللهم انی اعوذ بک مِن شرمن یمشی علی بطنه ومِن شرِ من یمشی علی رجلیه ومن شر من یمشی علی اربع ۔ آپؐ نے فرمایا یہ کرامت (معجزہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نوازا ہے۔ اے اللہ! میں اس کاٹنے والے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور اس کے شر سے جو دو پاؤں پر چلتا ہے اور اس کے شر سے بھی جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔

(۲) ایک دوسری روایت ہے جس میں ابوامامہؓ فرماتے ہیں قال دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بخفیه فلبس احدهما ثم جاء غراب فاحتمل الآخر فرمی به فخرجت منه حیة فقال من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یلبس خفیه حتی ینفضهما آپ نے موزے منگوائے ان میں سے ایک پہنا اسی اثنا میں ایک کوّا آیا دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اور پھر اسے الٹ دیا تو اس میں سے سانپ نکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ جب تک دونوں موزوں کو جھاڑ نہ لے نہ پہنے۔ (مواہب ص ۷۸)

(۱/۱۷) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّجَاشِيَّ اَهْدٰى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ اَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ..

ترجمہ! ہمارے پاس ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وکیع نے دلہم بن صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حجیر بن عبداللہ سے اخذ کی۔ انہوں نے ابن بریدۃ سے اور انہوں نے اپنے باپ (بریدہؓ) سے روایت حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیۃً بھیجے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔

راویان حدیث (۲۲۸) دلھم بن صالحؒ اور (۲۲۹) حجیر بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل

ترمذی"میں ملاحظہ فرمائیں۔

نجاشی کا قبول اسلام:

اَنّ النجاشی اھدی للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خفین اسودین ساذجین. (بے شک نجاشی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسادہ سیاہ موزے ہدیہ فرمائے تھے)۔

اس زمانے میں حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی (بفتح النون و کسرھا) کہا جاتا تھا انما قیل لہ النجاشی لا نقیادامرہ والنجاشۃ بالکسر الانقیاد (مواھب ص ۸۷) (نجاشی کی وجہ سے تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ نجاشہ کے معنی تسلیم وتابعداری کے ہیں اور بادشاہ وقت کی بھی تابعداری کی جاتی تھی اس لئے ہر شاہِ حبشہ کو نجاشی کہا جاتا تھا)۔

یہ ملوک حبشہ کا لقب ہے جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ' روم کے بادشاہ کو قیصر' مصر کے بادشاہ کو عزیز' فرعون' ترک کے بادشاہ کو خاقان' یمن کے بادشاہ کو تبع' شام کے بادشاہ کو ہرقل اور ہندوستان کے بادشاہ کو راجہ کہا جاتا تھا نجاشی کا نام اصحمہ تھا بعض نے ان کا نام مکحول بن صعصعۃ بتایا ہے جن بادشاہوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی یہ بھی ان میں سے ایک تھے ان کی طرف عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ آپ ؐ کا مکتوب مبارک لیکر گئے تھے جس میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں فاسلم سنۃ ست علی قول الاکثر ومات سنۃ تسع مِن الھجرۃعلی ماصرح بہ العسقلانی (اتحافات ص ۱۱۹) (نجاشی ۶ھ میں (اکثر حضرات کے قول کے مطابق) مسلمان ہوئے اور پھر ۹ھ میں وفات پائی جیسے علامہ عسقلانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے)۔ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق نجاشی ہجرت کے چھٹے سال مسلمان ہوا اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر ایمان لایا یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مسلمانوں کی دو جماعتیں مشرکین مکہ کی ایذارسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں اس وقت اسی بادشاہ نے اسلام کی حقانیت کی تصدیق کی اور ایمان لایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا اسلئے صحابی کا مقام نہ پاسکا تاہم ایماندار اور صالح

مسلمان تھا۔ اور ۹ھ کو انتقال ہوا جیسا کہ علامہ عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ولما مات اخبرهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بموته یوم موته وخرج بهم وصلّی علیه وصلوا معه (مواهب ص ۷۸) (اور جب نجاشی فوت ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو ان کی موت کی خبر اسی دن ہی دیدی اور آپؐ صحابہؓ کے ساتھ باہر نکلے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے علماء احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے دوسرے کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں مصرّح ہے۔ احنافؒ کی طرف سے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ نجاشی کی میت (لاش) آپؐ کے سامنے تھی کماقال علی القاری فی المرقاة عن ابن عباس قال کشف للنبی صلی اللہ علیه وسلم من سریر النجاشی حتی رأه وصلی علیه انتهی کما ورد فی صلاته صلی اللہ علیه وسلم علی زید بن حارثه وجعفر بن ابی طالب انه کشف له عنهما اخرجه الواقدی فی کتاب المغازی ومما یدل علیه مارواه الطبرانی ان جبرئیل علیه السلام نزل بتبوک فقال یا رسول اللہ ان معاویة بن معاویة مات بالمدینة اتحب ان اطوی لک الارض فتصلی علیه قال نعم فضرب بجناحه علی الارض فرفع له سریره فصلی علیه (الحدیث) (حاشیه بخاری ج ۱ ص ۱٦۷)

(ملا علی قاریؒ نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے مرقات میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے نجاشی کی چارپائی (میت) ظاہر کی گئی آپؐ نے اس کو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ جیسے کہ روایت میں بھی آیا ہے کہ آپؐ کے سامنے حضرت زید بن حارثہؓ اور جعفرؓ بن ابی طالب کی میتیں ظاہر کی گئیں اور آپؐ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی (بطور دلیل کے فرماتے ہیں) کہ امام واقدیؒ نے کتاب المغازی میں ایسے قسم کے واقعات کی دلیل میں لکھا ہے جسے امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تبوک میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ معاویہ بن معاویہ مدینہ شریف میں فوت ہو گئے کیا

آپؐ پسند فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے زمین سمیٹ دی جائے تا کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں آپؐ نے فرمایا ہاں! (کیوں نہیں) جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پَر زمین پر مارا تو معاویہ بن معاویہ کی لاش حضوراقدس ﷺ کے سامنے کی گئی آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی)

بارگاہِ رسالت میں نجاشی کے تحفے:

نجاشی نے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوموزے تحفے کے طور پر بھیجے دونوں سیاہ رنگ کے مگر سادے تھے یعنی ان پر کوئی نقش ونگار نہ بنا تھا وفی الروایات الاخریٰ مع الخفین قمیص وسراویل وعطاف ای طیلسان (اتحافات ص ۱۱۹) (دوسری روایات میں موزوں کے ساتھ قمیص شلوار اور عطاف (چادر) کا ذکر بھی ہے)۔

ملاعلی قاریؒ نے ہیثم بن عدی عن دلھم کے طریق سے نقل فرمایا کہ ان النجاشی کتب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّی قد زوجتک امرأة من قومک وھی علی دینک ام حبیبة بنت ابی سفیان واھدیتک ھدیة جامعة قمیصا وسراویل وعطافا وخفین ساذجین الخ (جمع ص ۱۵۶) (کہ بے شک نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ میں نے تیری ہی قوم کی ایک عورت سے آپ کا نکاح کردیا اور وہ آپؐ ہی کے دین اور مذہب پر ہے یعنی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان اور میں نے مکمل اور جامع ہدیہ قمیص شلوار عطاف (چادر) اور دوسادہ موزے الخ آپؐ کو بطور تحفہ دیئے ہیں)

اسودین کا معنیٰ:

اسودین ساذجین (بفتح الذال و کسرھا) ای خالصین فی السواد کما حقق ھذا المعنیٰ ابوزرعة قال الشیخ البیجوری: وکلمة ساذج لم اجدھا فی کتب اللغة ولا رأیت المصنفین فی غریب الحدیث ذکروھا (المواھب ص ۸۰) (اسودین ساذجین (یہ لفظ بفتح ذال اور بکسر ذال دونوں مستعمل ہے) یعنی بالکل سیاہ خالص امام ابوزرعہ نے یہی معنیٰ بطور تحقیق فرمایا ہے۔ شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ ساذج کا کلمہ نہ مجھے لغت کی کتابوں میں ملا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ مصنفین نے اس کا تذکرہ غریب الحدیث میں کیا ہے) ساذج معرب سادہ ای غیر منقوشین (جمع ص ۱۵۶) (ساذج یہ معرب

سادہ کا ہے یعنی غیر نقش شدہ) وقد حقق ابن العربی نقلها عن الزین العراقی ان هذه الهدية كانت قبل اسلام النجاشی (اتحافات ص ۱۱۹) (اور علامہ ابن العربی نے تحقیق کرتے ہوئے زین العراقی سے نقل کیا ہے کہ (نجاشی کا) یہ ھدیہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے)۔

غیر مسلم کے ہدیہ کا حکم:

فلبسهما ثم توضأ ومسح عليهما الخ نجاشی کے قبل قبول اسلام یعنی حالت کفر میں اس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو آپؐ نے قبول فرمایا معلوم ہوا کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے البتہ اس کے احکام مختلف ہیں اگر اسلام کی تقویت کا باعث ہوتا تو آپؐ کافر کا ہدیہ قبول فرمالیتے اور اگر دین کو مضرت پہنچنے کا احتمال ہوتا تو ایسا ہدیہ آپ قبول نہ فرماتے۔امت کے لئے یہی اسوہ حسنہ ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومع ذلک قبلهما النبی صلی اللہ علیه وسلم ولبسهما، تاليفا وتلطّفا فی المعاملة قال ابن حجر : وهذا القبول يدل على انما الاصل فی الأشياء الطهارة، وان هدية اهل الكتاب تقبل (اتحافات ص ۱۲۰) (اور اس کے باوجود حضورﷺ نے ان (موزوں) کو قبول فرمایا اور نرمی اور تالیفِ قلب کا معاملہ کرتے ہوئے ان کو پہنا بھی۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کا ان کو قبول کرنا اس بات کی دلیل ہوئی کہ اصل اور بنیاد ہر چیز میں پاکی ہے۔اور یہ بھی کہ اہل کتاب کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے)

مسح علی الخفین :

احناف کے نزدیک مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی اس تفصیل کے ساتھ جو کثیر احادیث میں آئی ہے یہ مسلک جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے حتی کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ما قلت بالمسح على الخفين حتى جاء نی مثل ضوء النهار (کہ میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت سے ہوا جب اس سلسلہ میں مجھے روز روشن کی طرح احادیث (دلائل) پہنچیں) بلکہ مسح علی الخفین تو اہل سنت والجماعت کا شعار ہے یہ بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقولہ ہے۔ نفضل الشيخين ونحب الختنين ونرى المسح على الخفين (کہ ہم سب (سب صحابہؓ)

میں شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کی افضلیت اور داماد وں (عثمانؓ وعلیؓ) کی محبت اور موزوں پر مسح کرنے کا یقین اور عقیدہ رکھتے ہیں)

اور یہ بھی امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین (توضیح السنن جلد اول ص ۳۳۱) (کہ مجھے تو اس شخص پر جو موزوں پر مسح کرنے کا عقیدہ نہ رکھے کفر کا خطرہ ہے) علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وقد روی فی المسح ثمانون صحابیا و احادیثه متواتره ومن ثم قال بعض الحنفیة اخشی ان یکون انکاره ای من اصله کفراً (مناوی ص ۱۵۶) (موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں اَسّی (۸۰) صحابہؓ نے روایت کی ہے اور احادیث کی تعداد اس سلسلہ میں درجہ تواتر کو پہنچی ہیں۔ اس لئے تو بعض احناف فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس کے منکر پر کافر ہونے کا خطرہ ہے) بہر حال جو شخص مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے تو وہ اہل بدعت میں سے ہے یہاں تک کہ انس بن مالکؓ سے اہل سنت والجماعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ان تحب الشیخین ولا تطعن فی الختنین وتمسح علی الخفین (شرح عقائد ص ۱۱۸) (کہ اس کی محبت شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) سے ہو اور دونوں داماد وں (عثمانؓ وعلیؓ) پر طعنہ زن نہ ہو اور موزوں پر مسح کرے (یعنی مسح کرنے کا عقیدہ رکھے) حضرات ائمہ ثلاثہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابن المبارکؒ، امام اسحٰق بن راہویہ کا مسلک ہے کہ مسح کے لئے وقت مقرر ہے مقیم کے لئے ایک رات اور ایک دن اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں، امام ثوریؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے صاحب تحفة الاحوذیؒ نے اس کو حق اور صواب قرار دیا ہے وھو الحق والصواب (تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۹۸)

البتہ ایک سوال یہ باقی رہا کہ پاؤں کا دھونا افضل ہے یا مسح علی الخفین ؟ حافظ ابن مندہؒ اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ مسح افضل ہے کہ کہ اس میں اہل بدعت سے اختلاف اور امتیاز کے ساتھ ساتھ احقاق حق اور اظہار سنت نمایاں ہوتا ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰) جب کہ نوویؒ نے غَسل کو ترجیح دی ہے کہ دھونے میں عزیمت ہے اور مسح میں رخصت ہے (شرح مسلم النووی ج ۱ ص ۱۳۲)

امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱) اپنی فقہی نظر میں فرماتے ہیں کہ یہ دو حکم جدا جدا ہیں ننگے پاؤں

ہوں تو دھونا ہے اور موزے پہنے ہوں تو مسح درست ہیں یعنی دونوں حکم اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور بافضیلت ہیں (توضیح السنن ج ا ص ۳۳۲) ابن قیمؒ نے اسی مسئلہ کو انہی الفاظ میں ذکر کیا ہے ولم یکن (علیہ السلام) یتکلف ضد حالة التی علیها قدماه بل ان کانت فی الخف مسح علیهما ولم ینزعهما وان کانتا مکشوفتین غسل القدمین ولم یلبس الخف لیمسح علیه . وهذا اعدل الاقوال فی مسئلة الافضل من المسح والغسل قاله شیخنا (زاد المعاد ص ج ا ص ۶۹) (اور حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک جس حالت میں ہوتے ان کی مخالف حالت پر عمل کرنے کا تکلف ہرگز نہ فرماتے تھے بلکہ اگر قدم مبارک موزوں میں ہوتے تو ان پر مسح فرمالیتے اور ان کو پاؤں سے نہیں نکالتے تھے اور اگر پاؤں مبارک کھلے ہوئے ہوتے (موزے پہنے نہ ہوتے) تو پھر اپنے قدم مبارک دھو لیتے اور موزوں کو اس لئے نہیں پہنتے تاکہ ان پر مسح کریں۔ اور یہ سب اقوال (یعنی افضلیت مسح کرنے میں ہے یا دھونے میں) میں سے معتدل قول ہے اور یہی ہمارے شیخ اور استاد نے فرمایا)۔

....

(۲/۷۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا بْنِ اَبِیْ زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَیَّاشٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ قَالَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَهْدٰی دِحْیَةُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُفَّیْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ اِسْرَائِیْلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰی تَخَرَّقَا لَایَدْرِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَذَکِیٌّ هُمَا اَمْ لَا قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا هُوَ اَبُوْاِسْحٰقَ الشَّیْبَانِیُّ وَاسْمُهٗ سُلَیْمَانُ ..

ترجمہ! ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے۔ انہوں نے حسن بن عیاش سے نقل کیا۔ وہ ابو اسحٰق سے اور وہ شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کیئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ جبہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا' یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمائی وہ مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کی۔

راوی حدیث (۲۳۰) الحسن بن عیاشؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمادیں۔

حضرت دحیہ کلبیؓ :

اهدی دحية للنبی صلی الله علیه وسلم خفین ... کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے بطور تحفہ کے بھیجے اهدیٰ' اهداء سے ہے بمعنی ارسال الهدية کے۔

دحیہ کلبیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں بڑے وجیہ' خوبرو اور قبیلہ بنو کلب کے رئیس تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر ان کی صورت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کان ینزل جبریل علیه السلام بصورته فی بعض الاحیان (اتحافات ص ۱۲۰) (جبرئیل امین بعض اوقات حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے)۔

قال ابن سعد اسلم قدیماً ولم یشهد بدراً وشهد المشاهد وبقی الی خلافة معاویة وکان رسول نبی الله الی قیصر (تهذیب ج۳ ص ۱۷۹) (ابن سعد فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی ابتدائی دور میں اسلام لائے تھے البتہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور باقی غزوات اور جنگوں میں حاضر رہے اور آپؓ امیر معاویہؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے اور آپ حضور ﷺ کے قیصر روم کی طرف قاصد بھی تھے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خفین قبول فرما لیتے :

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کے عطا کردہ خفین پہن لیئے فلبسهما اس روایت کے ایک راوی اسرائیل بھی ہیں جو جابر اور عامر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں وجبّة یعنی موزوں کے علاوہ ایک جبّة بھی آپؐ کو دیا گیا تھا فلبسهما حتی تخرقا آپؐ نے دونوں چیزیں یعنی موزے بھی اور جبہ بھی پہنے یہاں تک کہ وہ اپنی عمر پوری کر کے پھٹ گئے بظاہر ضمیر تثنیہ کی خفین اور جبۃ کی طرف راجع ہوتی ہے اور راجح بھی یہی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لبسهما کی ضمیر خفین کی طرف راجع ہے اور تخرقا قرینہ ہے لیکن حافظ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ تخرقا قرینہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جبۃ اور خف دونوں میں خرق ہوتا ہے ویراد حینئذ بالجبة نوع نفیس مِن الفرو کما یستعمله بعض العجم (جمع ص ۱۵۷) (اور اس وقت جبّہ سے پوستین کی ایک خاص نفیس قسم مراد ہوگی جیسے کہ بعض عجمی اس کو استعمال کرتے ہیں)

اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے:

لایدری اذکیّ هما ام لا یعنی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ موزے کس کھال سے بنے ہیں۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنیٰ انه صلی الله علیه وسلم لم یعلم ان هذین الخفین کانتا متخذتین مِن جلدالمذکاة ام مِن جلدالمیتة المدبوغ اوغیر المدبوغ (جمع ص۱۵۸) (اور مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ موزے کس چمڑے سے بنائے گئے کیا وہ مذبوحہ جانور کا تھا یا مردار کا دباغت شدہ (رنگا ہوا) یا غیر دباغت شدہ تھا) اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ اشیاءِ مجہولہ میں اصل طہارۃ ہے ذکی ذکواۃ سے ہے کبھی بمعنیٰ ذبح کے اور کبھی بمعنیٰ طہارت کے آتا ہے معنی عام طہارت ہے اور معنیٰ خاص ذبح ہے و کان الخفان مجهول الحال هل هما مِن جلد مذکی اومن جلد میتة وعلی کل ففیه طهارة مجهول الاصل (اتحافات ص ۱۲۰) (اوران دونوں موزوں کی حالت معلوم نہ تھی کہ کیا وہ مذبوحہ (پاک) چمڑے سے تھے یا مردار چمڑے سے، ہرصورت میں ان کی اصل مجہول تھی)۔

دباغت کے بعد کھال کا استعمال جائز ہے:

علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ دباغت کے بعد مذبوح یا غیر مذبوح جانور کی کھال کا استعمال جائز ہوجاتا ہے یہ مسئلہ متعدد احادیث سے ثابت ہے ابوداؤدؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے اورانہوں نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک آزاد کردہ لونڈی کو کسی نے بکریٔ صدقہ میں دی وہ بکری مرگئی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں دباغت نہیں کیا انہوں نے عرض کیا وہ تو مردہ جانور کی ہے آپؐ نے فرمایا اس کا تو کھانا حرام کیا گیا ہے کھال کا دباغت کرنا تو حرام نہیں (نورالہدایہ)

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بیان میں

نعلین مبارک:

نعل جوتے، کفش اور پاپوش کو کہتے ہیں کل ماوقیت به القدم عن الارض (مواهب ص ص ۸۰) (یعنی ہر وہ چیز جس کے ذریعے قدموں کو زمین (مٹی) سے محفوظ کیا جائے) لفظ نعل کبھی مصدر اور کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے وهی هنا محتملة الاثنین (اتحافات ص ۱۲۱) (یہاں اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہوسکتا ہے) ابن عربیؒ فرماتے ہیں نعل تو لباس الانبیاء ہے ولعله اخذه مِن قوله تعالیٰ فاخلع نعليک (اتحافات ص ۱۲۱) (اور لفظ نعل غالباً اللہ تعالیٰ کے قول فاخلع نعلیک سے ماخوذ ہے)

اس باب میں گیارہ احادیث ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا بیان ہے کہ وہ بیچ سے باریک، پتلی، ایڑی دار اور زبان کی شکل کی طرح کی تھیں۔ آپؐ بالعموم بالوں سے صاف چمڑے کے جوتے استعمال کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جوتا چپل نما ہوتا تھا جس کے اوپر آر پار تسمے لگا دیئے جاتے اور ہر تسمہ دوہرا ہوتا تھا روایات میں مذکورہ تفصیل کے مطابق آپؐ کا جوتا مبارک ایک بالشت اور دو انگلی کے برابر لمبا ہوتا تھا جوتے کی ایڑی والا حصہ سات انگلی چوڑا اور درمیانی حصہ پانچ انگلی اور اگلا حصہ چھ انگلی چوڑا ہوتا تھا اس پیائش کے بنے ہوئے چمڑے کے تلے کے اوپر آر پار دو تسمے یا قبالے ہوا کرتے تھے۔

نعل خف سے علیحدہ چیز ہے اسلئے اس کے لئے مستقل باب کا انعقاد کیا ہے کبھی کبھی حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم جوتے پہنے بغیر بھی چل پڑتے تھے وربما مشی حافیاً فی بعض الاحیان (اتحافات ص ۱۲۱) (آپؐ بعض اوقات ننگے پاؤں بھی چلے ہیں) تواضعاً وطلباً لمزید الاجر کما اشار الی ذلک الحافظ العراقی بقوله

یمشی بلا نعل ولا خف الی عیادة المریض حوله الملاء

(مواهب ص ۸۰)

(اور یہ ننگے پاؤں چلنا تواضع عاجزی اور زیادتی اجر وثواب کی طلب کے لئے ہوا کرتا۔ جیسے کہ حافظ العراقی نے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے کہ آپؐ بغیر جوتے اور موزے پہنے کسی مریض کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے بڑی جماعت کی معیت میں)

نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف:

ابن سعدؒ نے طبقات میں روایت کی ہے کہ وقد کانت نعله صلی الله علیه وسلم مخصرة معقبة ملسنة (مواهب ص ۸۰) یعنی حضور اقدس کے نعلین مبارک کی تین امتیازی صفات تھیں۔

(۱) مخصرة تھے یعنی باریک کمریا باریک پشت والے تھے هی التی لها خصر دقیق (۲) معقبة یعنی آپؐ کے جوتوں کا عقب تھا یعنی اخیر میں پیچھے والا حصہ یعنی وہ تسمہ جس کے ساتھ ایڑی باندھی جاتی ہے۔

(۳) ملسنة جوتوں کی وہ قسم جن کا اگلا حصہ زبان کی طرح نکلا ہوا ہو هی التی فی مقدمها طول علی هیئة اللسان 'آپؐ کے پاؤں کی سبابہ انگلی' تمام انگلیوں میں لمبی تھی اسی وجہ سے نعل مبارک کا اگلا حصہ بھی لمبا بنایا گیا تھا تا کہ جوتے کی لمبائی سبابہ مبارکہ کے ساتھ لمبائی میں متناسب اور متوازن ہو (مواهب ص ۸۰)

تکثیر نعال کا حکم:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا استکثروا من النعال فان الرجل لایزال راکباً ماانتعل یعنی جوتے پہنا کرو آدمی جب تک جوتے پہنے ہوئے ہوتا ہے سوار سمجھا جاتا ہے۔ وکان ابن مسعود

صاحب النعلین والوسادة والسواک والطهور وکان یلبسه نعلیه اذا قام واذا جلس جعلهما فی ذراعیه حتی یقوم (جمع ص ۱۵۸) (اور آپ ؐ کے جوتوں، تکیہ مسواک، لوٹے وغیرہ کے منتظم عبداللہ بن مسعودؓ تھے آپ ؐ جب قیام فرماتے تو وہ آپ ؐ کو جوتے پہناتے اور جب بیٹھ جاتے تو جوتوں کو اپنے پاس بازو میں آپ ؐ کے کھڑے ہونے تک محفوظ رکھتے)

حضور اقدس ؐ جوتے کس طرح پہنتے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے جوتا مبارک پہنتے، دونوں جوتے پہنتے۔ حضرت انسؓ کے پاس آپ کے جوتے مبارک محفوظ تھے جن کی زیارت صحابہ کرامؓ اور دیگر اصحاب کرتے رہتے علامہ یوسف نبہانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ نے ایک خاص قسم کا جوتا بھی پہنا جسے تاسومہ کہا جاتا تھا۔

نقشِ نعل کے فضائل و برکات:

آپ ؐ کے نعل مبارک کا نقشہ اور اس کے برکات وفضائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ,,زاد السعید،، میں بہ عنوان" نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ "تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں جو من وعن درج ذیل ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰة یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کی کثرتِ معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ ومعنویہ ہے ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاحِ اعمال وتوبہ واستغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب وزبان کی جو کیفیت ہے معلوم ہے البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضورِ قلب بھی میسّر ہو سکتا ہے اور امیدِ قبول بھی قریب ہے منجملہ ان وسائل کے تجربہ بزرگانِ دین نقشہ نعل مقدس حضور سرورِ عالم فخرِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے اسلئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلی اللہ علی صاحبه فوق عدد الرمال حسبِ روایت امام زین الدین عراقیؒ محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنے حاجات ومعروضات جنابِ باری تعالیٰ میں قبول کرائیں اس نقشہ شریف کے آثار وخواص وفضائل کو کون شمار میں لا سکتا ہے مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے

ساتھ کتب معتبرہ علماء محدثین ومحققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل برذوق شوق نقل کیے جاتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہو اور بوجہ غلبہ محبت بلا تکلف آپ کا اتباع نصیب ہو جو اصل مقصود اور سرمایہ نجاتِ دنیوی واخروی ہے۔

طریق توسل:

بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے اس کے بعد گیارہ بار درود شریف گیارہ بار کلمہ طیبہ، گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لئے ہوئے ہوں ان کا ادنیٰ درجے کا غلام ہوں الٰہی اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر ببرکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمایئے مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بمحبت بوسہ دے اشعارِ ذوق وشوق بغرض ازدیادِ عشقِ محمدیؐ پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

بعض آثار وخواص نقشہ نعل شریف:

علامہ محدث حافظ تلمسائیؒ کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں فرماتے ہیں کہ نقشہ شریف کے منافع ایسے کھلم کھلا ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں منجملہ ان کے ابوجعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طالب علم کے لئے یہ نقشہ بنوادیا تھا وہ میرے پاس ایک روز آکر کہنے لگا کہ میں نے شب گذشتہ میں اس کی عجیب برکت دیکھی کہ میری بی بی کو اتفاقاً ایسا سخت درد ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہوگئی میں نے یہ نقشہ شریف درد کی جگہ رکھ کر عرض کیا یا الٰہی مجھ کو صاحبِ نعل شریف کی برکت دکھلایئے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفا عنایت فرمائی۔

قاسم بن محمدؒ کا قول ہے کہ اس کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبے سے، شیطانِ سرکش سے، حاسد کی نظرِ بد سے امن وامان میں رہے

اور اگر حاملہ عورت دردِ زہ کی شدت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہٖ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

شیخ ابن حبیب النبیؒ روایت فرماتے ہیں کہ ان کو ایک دُمّل نکلا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا نہایت سخت درد ہوا کسی طبیب کی سمجھ میں اس کی دوا نہ آئی انہوں نے یہ نقش شریف درد کی جگہ رکھ لیا معاً ایسا سکون ہوگیا کہ گویا کبھی درد ہی نہ تھا ایک اثر خود میرا (یعنی صاحبِ فتح المتعال) مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار سفرِ دریائے شور کا اتفاق ہوا ایک دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ سب ہلاکت کے قریب ہوگئے کسی کو بچنے کی امید نہ تھی میں نے یہ نقشہ ناخدا کے پاس بھیج دیا کہ اس سے توسل کرے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی اور محمد الجزریؒ سے منقول ہے کہ جو شخص اس نقش شریف کو اپنے پاس رکھے خلائق میں مقبول رہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہو اور یہ نقش شریف جس لشکر میں ہو۔ اُس کو شکست نہ ہو اور جس قافلے میں ہو لوٹ مار سے محفوظ رہے جس اسباب میں ہو چوروں کا اس پر قابو نہ چلے جس کشتی میں ہو غرق سے بچے اور جس حاجت میں اس سے توسل کریں وہ پوری ہو۔

یہ تمام مضامین کتاب **القول السّدید فی ثبوت استبراک بنعل سیّد الاحرار والعبید** سے نقل کیئے گئے ہیں اور کتاب **المرتجی بالقبول فی خدمۃ قدم الرسول** میں علماء محققین وصلحائے معتبرین سے بہت آثار وخواص وحکایات نقل کئے ہیں جس کو شوق ہو دیکھ لے اب چند اشعار شوقیہ مع ترجمے کے لکھے جاتے ہیں کہ ان کو پڑھ کر سمجھ کر اپنے شوق ومحبت کو بڑھادیں۔

قال الامام ابو الخیر محمد بن محمد الجزری علیہ الرحمۃ

يَا طَالِبًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ هَا قَدْ وَجَدْتَّ اِلَى اللِّقَاءِ سَبِيْلًا

اے طلب کرنیوالے نقش نعل شریف اپنے نبیؐ کے آگاہ ہو جا تحقیق پالیا تونے اس کے ملنے کا راستہ

فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّأْسِ وَاخْضَعَنْ لَهٗ وَ تَغَالَ فِيْهِ وَ اَوْلِهِ التَّقْبِيْلَا

پس رکھ اس کو سر پر اور خضوع کر اس کے لئے اور مبالغہ کر خضوع میں اور پیاپے اس کو بوسے دے

مَنْ يَّدَّعِي الْحُبَّ الصَّحِيْحَ فَاِنَّهٗ   يُثْبِتُ عَلٰى مَا يَدَّ عِيْهِ دَلِيْلَا

جوشخص دعوے کرے سچی محبت کا پس بے شک وہ   قائم کرتا ہے اپنے دعوے پر دلیل کو

عن السيد محمد الجمازی الحسینی المالکیؒ

(۱) لَمَّا رَاَيْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى   اَلْمُسْنَدَ الْوَضْعِ الصَّحِيْحِ مُعَرَّفًا

جب دیکھا میں نے نقشہ نعل شریف حضرت مصطفیٰ کا   جس کی وضع سند صحیح سے بتلائی ہوئی ہے

(۲) فَمَسَحْتُ وَجْهِيْ بِالْمِثَالِ تَبَرُّكًا   فَشَفَيْتُ مِنْ وَّقْتِيْ وَكُنْتُ عَلَى الشَّفَا

تو میں نے مل لیا اپنے چہرہ پر اس نقش کو واسطے برکت کیلئے   سو مجھکو اسی وقت شفا ہوگئی حالانکہ میں قریب بہ ہلاکت ہوگیا تھا

(۳) وَظَفِرْتُ بِالْمَطْلُوْبِ مِنْ بَرَكَاتِهٖ   وَوَجَدْتُ فِيْهِ مَا اُرِيْدُ مِنَ الصَّفَا

اور پہنچ گیا میں مطلب کو اس کی برکتوں سے   اور پایا میں نے اس میں جو کچھ میں چاہتا تھا صفائی سے

(۱/۷۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں ابوداؤد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو ہمام نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ کے نعل شریف کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتہ میں دو دو تسمہ تھے۔

نعل مبارک سے محبت:

كيف كان نعل رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال لهما قبالان ۔شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ وكان القياس ان يكون كيف كانت النعل لان النعل مؤنثة ولما كان التانيث غير حقيقي جازا لتذكير باعتبار الملبوس (اتحافات ص ۱۲۲)

كيف كان نعل ... کے متعلق شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں قانون نحوی کی رو سے عبارت كانت النعل ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے کہ لفظِ نعل مؤنث ہے (اور فعل کا فاعل جب مؤنث

ہو تو فعل میں علامت تانیث ہو گی۔ جواباً لکھتے ہیں) لیکن چونکہ نعل مؤنث غیر حقیقی ہے تو اس میں تذکیر فعل بھی جائز ہے باعتبار ملبوس کے یعنی کیف کان ملبوس رسول اللہ ﷺ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بارے میں سوال سے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اطاعت اور عشق ووالہیت کا کتنا پیارا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ اپنی زندگی کے کسی بھی کام میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے وہ اتباع سنت کو حقیقی معراج سمجھتے تھے وہ آپؐ کے اقدام میمنت لزوم کے نیچے اور انہی مقدس جوتوں کی صدقہ ہی میں نجات اور بخشش سمجھتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں مبارک سے محبت آپؐ ہی کی محبت کا ایک حصہ ہے اس مقام پر پہنچ کر بڑے بڑے محدث بھی آپ کی تعظیم ومحبت کے انتہائی مقام کو پالیتے ہیں۔

حافظ عراقی نے الفیۃ الحدیث میں لکھا ہے۔کہ

وَنَعْلُهُ الكَرِيمَةُ الْمَصُونَةُ ۔۔۔ طُوبىٰ لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِينَهُ

آپؐ کے نعلین مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں کس قدر مبارکباد کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہو گیا۔

نعلِ بلالؓ کا ٹوٹا تسمہ، عثمان علی خان کے تاج کا افتخار:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حیدرآباد دکن گئے نواب عثمان علی خان نے آپ کا وعظ سننے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ ریاست کے بڑے بڑے علماء، فضلاء، امراء اور عوام کے عظیم اجتماع کا انعقاد ہوا۔نواب دکن شیعیت کی طرف مائل تھا مگر علماء اور بزرگوں کا قدردان تھا علامہ عثمانیؒ نے جامع، مدلل، مفصل اور عالمانہ خطاب فرمایا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی خاص طور پر مدح فرمائی۔ دورانِ بیان جب یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور خلفاء راشدینؓ کی بات چھوڑیں ان کے رتبہ ومقام کو کون پہنچ سکتا ہے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر آج آپؐ کے ایک ادنیٰ صحابی بلال حبشیؓ کے جوتے کا ایک

ٹوٹا تسمہ بھی مل جائے تو نواب عثمان علی خان جیسے صاحب اقتدار نواب بھی اسے تبرک جان کر اپنے تاج میں ٹانک لیں یہ جملہ سن کر نواب حیدر آباد وجد میں آ گئے اور بے اختیار ہو کر فرمانے لگے کیوں نہیں؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے حضرت بلالؓ کے جوتے کا تسمہ بھی نصیب کر دے تو میں ضرور اسے اپنے تاج میں جگہ دیدوں اس تسمے کے مقابلے تاج میں جڑے ہوئے ہیروں اور جواہرات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے

ایک نعل میں دو تسمے:

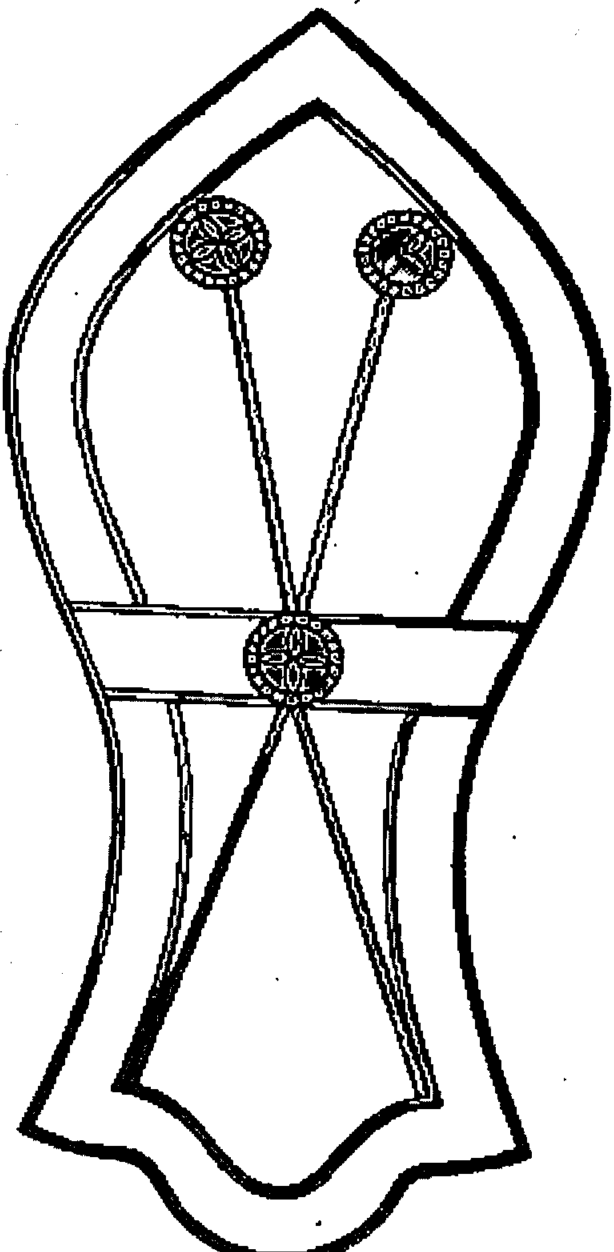
کان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ''ہر ایک جوتہ مبارک'' کے الفاظ سے امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں ان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لها قبالان بالافراد (جمع ص ۱۵۹) ہر جوتہ میں دو تسمہ کی مراد یہ ہے کہ ایک تسمہ انگوٹھہ اور اس کی ساتھ والی انگلی میں تھا دوسرا تسمہ درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں ہوتا تھا۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں و کان صلی اللہ علیہ وسلم یضع احد القبالین بین الابهام والتی تلیها والآخر بین الوسطیٰ والتی تلیها (مواهب ص ۸۰)

(اور نبی کریم ﷺ جوتے کے دو تسموں میں سے ایک کو انگوٹھے اور اس کی ساتھ والی انگلی میں رکھتے تھے اور دوسرے تسمہ کو درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں رکھتے)

قبالان ' قبال کا تثنیہ ہے مراد وہ تسمہ ہے جو آگے رکھا جاتا ہے اور عرض رِجل میں جو تسمہ ہو اسے شراک کہتے ہیں اور جو انگلیوں کے بیچ میں ہوتا ہے اسے قبالہ کہتے ہیں۔

لهما قبالان ای لکل واحد منهما قبالان یا تقسیم الاحاد علی الآحاد ہے کہ ہر ایک نعل کے لئے ایک قبالہ تھا لغوی لحاظ سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں مگر بخاری کی مندرجہ بالا روایت اور نقشہ نعل مبارک کے مطابق ہر نعل میں دو قبالے تھے۔

نقشہ نعل شریف



(۷۴/۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَآءِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدِالْحَذَّآءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنّٰى شِرَاكُهُمَا..

ترجمہ! ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے سفیان کے حوالہ سے نقل کیا۔ انہوں نے خالد حذاء سے نقل کیا اور انہوں نے عبداللہ بن حارث سے۔ وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے تسمے دوہرے تھے۔

راوی حدیث (۲۳۱) خالد الحذاءؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوھرے تسمے:

کان لنعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبالان مثنی شراکھما یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کے وہ تسمے جو پشتِ قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے گویا ہر جوتے میں دودو تسمے اور ہر تسمہ دوہرا تھا یعنی دو دو دھاگوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔

(۷۵/۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عِيْسَى ابْنُ طَهْمَانَ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَا وَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراھیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابواحمد الزبیری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسٰی بن طھمان نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت انسؓ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھلائے ان پر بال نہیں تھے مجھ سے اس کے بعد حضرت ثابتؒ نے یہ بتایا کہ وہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف تھے۔

راویان حدیث (۲۳۲) یعقوب بن ابراھیمؒ (۲۳۳) ابواحمد الزبیریؒ اور (۲۳۴) عیسٰی بن طھمانؒ

کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

نعلین جرداوین لھما قبالین الجرد بغیر نباتات والی جگہ کو کہتے ہیں جرداوین وہ جوتے جن پر بال نہ ہو ں الجرداء اجرد کی مؤنث ہے اجرد اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی گردن پر بال نہ ہوں یا کم بال ہوں اور جرداء . وھی التی لا شعر علیھا .جرداء اس چمڑے کو بھی کہتے ہیں جس پر بال نہ ہوں (جمع ص ۱۶۰) استعیر مِن ارض جرد لا نبات فیھا .

تبرّک بآثار الصالحین :

انھما کانتا نعلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم. ثابت بنانیؒ نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں نعلین مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اس مقام پر شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے تبرک بآ ثار الصالحین کی تفصیلی بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں ویوخذ مِن الحدیث ندب حفظ آثار الصالحین (اتحافات ص ۱۲۳) (اس حدیث سے نیکو کار لوگوں کے آثار کو محفوظ رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے) ذیل میں اسی تفصیل کی تلخیص اور دیگر کتب حدیث سے بھی ما حصل نذر قارئین ہیں۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور دیگر پہناوے کو محفوظ رکھتے' ان کی زیارت کرتے کرواتے اور ان سے تیمن وتبرک اور شفاء حاصل کرتے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آپ ؐ کے چند ملبوسات تھے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں اخرجت الینا عائشۃ کسآءً ملبداً وازاراً غلیظاً فقالت قبض روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین ۔ جناب عائشہ صدیقہؓ نے ایک کمبلی جس پر بہت زیادہ پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں بتایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چادر لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ خود بنفس نفیس اسے پہنیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور پھر اس کا تہبند باندھ کر صحابہ کرامؓ کے پاس

تشریف لے آئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پہنا دیجیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا۔ آپؐ کچھ دیر مجلس میں تشریف فرما ہونے کے بعد چلے گئے اور پھر اس چادر کو لپیٹ کر واپس آئے اور اس صحابی کو بھیج دی جس نے وہ مانگی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس صحابیؓ سے کہا کہ تو نے یہ چادر مانگ کر کچھ اچھا کام نہیں کیا حالانکہ تجھے علم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کا بھی سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابیؓ نے جواب دیا واللّٰہ ما سئلتھا الا لتکون کفنی یوم اموت مجھے اللہ جل شانہ کی قسم! کہ یہ سوال تو میں نے صرف اسلئے کیا ہے کہ میرے مرنے پر یہ چادر جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور، اطہر اور مقدس کے ساتھ لگ چکی ہے میرا کفن بنے۔

جناب سہلؓ فرماتے ہیں کہ وہی بردہ پاک اس کا کفن بنا۔ حضرت امام مالکؒ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بال مبارک ملے تھے جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وصیت فرمائی کہ ایک موئے مبارک میری داہنی آنکھ پر، دوسرا موئے مبارک میری بائیں آنکھ پر اور تیسرا موئے مبارک میرے منہ پر میرے مرنے کے بعد رکھ دینا۔ جناب ابوھریرۃؓ نے حضرت امام حسنؓ کو کہا کہ آپ اپنے بدن مبارک کی وہ جگہ مجھے بتائیں جس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما تھا۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنی ناف مبارک ان کو بتائی تو ابوھریرۃؓ نے تبرکاً وہاں بوسہ دیا۔ جناب ثابت البنانیؒ حضرت انسؓ کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ اس کو بوسہ نہ دے لیتے اور فرماتے یلمست رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ,, یہ وہ ہاتھ ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا تھا۔

حضرت ابو عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے میرے والد کو کہلا بھیجا کہ مجھے اس لحاف کی زیارت کروائیں چنانچہ میرے دادا اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لحاف کو اپنے چہرے پر خوب ملا (تاریخ صغیر امام بخاری)

جنابہ اسماء بنت ابی بکر صدیق ؓ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ مبارک تھا۔ مسلم شریف میں ہے۔ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یلبسها فنحن نغسلها للمرضی یستشفیٰ بها فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ مبارک کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں اور شفا ہو جاتی ہے۔

شفا شریف میں ہے کہ امام ابن مامونؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ ہمارے پاس تھا ۔ فکنا نجعل فیها المآء للمرضیٰ فیستشفون بها . ہم اس پیالے میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو اس پانی سے بیمار صحت یاب ہو جاتے۔

اکابرین دیوبند کا معمول:

استاذ محترم مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے خزانہ میں ایک رومال جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک مکمل ایک سال تک خلافت ترکیہ کے زمانہ میں لپٹی رہی اور خلافت کے خلاف جنگ کے زمانہ میں اکابرین دیوبند کی اپیل پر مسلمانان متحدہ ہندوستان نے ۱۹۱۴ء میں ایک خطیر رقم چندہ کر کے بھیجی جس کے شکریہ میں اراکین خلافت نے یہ رومال اور قسطلانی شرح بخاری بطور ہدیہ کے دارالعلوم بھیجی جس کی زیارت ہر سال کے اختتام پر بطور تبرک کے کروائی جاتی تھی۔

جس سال میں دارالعلوم میں دورہ حدیث شریف میں شریک تھا اور یہ غالباً ۱۹۳۹ یا ۴۰ ء ہوگا یہ مشہور کر دیا گیا کہ اس سال رومال کی زیارت نہیں کرائی جائیگی کیونکہ ازدھام کی وجہ سے پورا ادب ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ طلباء اور تمام شائقین انتہائی افسردہ ہوئے بات حضرت شیخ مدنیؒ تک جا پہنچی چنانچہ آپؒ نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ اہتمام میں درخواست دے دیں کہ میرے زیر نگرانی پورے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے زیارت کا موقعہ فراہم کیا جائے چنانچہ خود حضرتؒ کی موجودگی میں طلبہ اور بہت سے دور دراز کے شائقین رومال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

شیخ احمد عبدالجوادؒ کی تنبیہ:

اس بحث کے اختتام پر شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ولکن التبرک بالآثار لا یصح ان یصل الی درجة المبالغة اَو العبادة فان العبادة للّٰه وحده والنافع والضار هوا للّٰه وحده ما یفتح اللّٰه للناس مِن رحمة فلا ممسک لها وما یمسک فلا مرسل له مِن بعده وهو العزیز الحکیم.

(لیکن تبرک بہ آثار صالحین میں اتنا مبالغہ بھی نہ کیا جائے کہ وہ درجہ غلو یا عبادت کو پہنچے کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور وہی نفع ونقصان دینے کے مالک ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جو کچھ روکنا چاہیں تو پھر اس کے سوا کوئی دینے والا نہیں وہی غالب اور حکمت والے ہیں)۔

(۴/۷۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسیٰ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِکٌ حَدَّثَنَا سَعِیْدُبْنُ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ جُرَیْجٍ اَنَّهٗ قَالَ لِا بْنِ عُمَرَ رَاَیْتُکَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِیَّةَ قَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْهَاشَعْرٌ وَیَتَوَضَّأُ فِیْهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا.

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو معن نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مالک نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سعید بن ابوسعید مقبری نے بیان کیا۔ انہوں نے عبید بن جریج سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپؐ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتہ پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جوتہ پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔

راویان حدیث (۲۳۵) سعید بن ابی سعید المقبریؒ اور (۲۳۶) عبید بن جریجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سبتیة کا معنیٰ:

قال لابن عمر ' عبید بن جریج نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا میں دیکھتا ہوں کہ آپ بالعموم سبتیّة جوتا پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے سبتیة ' سبت سے ہے یعنی بال مونڈ نا سبتیة وہ جوتا جس پر بال نہ ہوں یوم سبت کو بھی اسی وجہ سے سبت کہا جاتا تھا کہ یہود کے نزدیک اس میں سب دنیاوی' تعلقات سے انقطاع کرلیا جاتا تھا اور سبت (بکسر السین) اس چمڑے کو کہا جاتا ہے جو بالوں سے صاف ہو۔

التی لا شعر علیها نسبة لسبت (بکسر السین) وهو جلو د البقر المدبوغة لان شعر ها سبت وسقط عنها بالدباغ (مواهب ص ۸۲) (السبتیة کا معنیٰ یہ کہ اس پر بال نہ ہوں یہ لفظ بکسر سین ہے اوران کا اطلاق بیل گائے کے (مدبوغہ) رنگے ہوئے چمڑوں پر کیا جاتا ہے کیونکہ دباغت کے عمل کی وجہ سے ان سے بال گر جاتے ہیں)

منشأ سوال:

سوال کرنے کا منشأ یہ تھا کہ عربوں میں تمدن اور تنعّم کی یہ ترقی نہ تھی غربت' ناداری اور فقر وافلاس تھا غرباء' فقراء ومساکین بلکہ عام لوگ اور متوسط طبقہ میں بالوں سمیت چمڑے کا جوتا پہننا مروج تھا جبکہ بالوں سے صاف چمڑے کا جوتا امراء لوگ پہنتے تھے یا یہود میں مروج تھا بخاری شریف کی مفصل حدیث ہے وفیه انه قال لابن عمر رائیتک تصنع اربعالم ار احداً من اصحابک یصنعها ' فذکر منها لبسه للنعال السبتیّة (اس میں ہے کہ عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ تو چار ایسے کام کرتا ہے کہ تیرے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی میں نے کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور ان چار میں سے بغیر بالوں کے جوتے پہننے کا ذکر بھی کیا) غرض سوال یہی تھی کہ اس قدر قیمتی جوتے کے استعمال کی حکمت کیا ہے۔اور عام مروج جوتا چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے پھر اسی جوتے پر مواظبت کی کیا وجہ ہوسکتی ہے جبکہ صحابہؓ نے کبھی بھی کسی ایک قسم کے جوتہ پر مداومت نہیں کی۔

حضرت ابن عمرؓ کا جواب تھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ابن عمرؓ متبع سنت تھے حتی کہ امور طبعیّہ میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے آپ

نے صاف کہہ دیا کہ یہود و مشرکین کی مشابہت غرض نہیں اور نہ ہی امراء کی متابعت مقصود ہے مقصود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے آپؐ کو میں نے یہی جوتے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ فانا احبّ ان البسها ای لمتابعة الهدی لا لموافقة الهوی (جمع ص ۱۶۲) (میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے جوتے پہنوں یعنی سنت کی تابعداری میں نہ کہ اپنی نفسانی خواہش کی موافقت میں)

جوتے پہنے ہوئے پاؤں دھونا یا گیلے پاؤں جوتوں میں رکھنا:

یتوضأ فیهما مقصد یہ ہے (۱) کہ جب جوتوں میں بے تکلف پاؤں دھل سکتے تھے اور نقصان بھی نہیں ہوتا تھا تو آپؐ جوتوں میں پاؤں دھولیا کرتے تھے بیان جواز کے لئے بھی اور امت کی سہولت کے لئے بھی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ وضو کے بعد پاؤں خشک کیے بغیر فوراً جوتے پہن لیتے تھے تاکہ یہ بھی امت کو معلوم ہو جائے کہ وضو کے بعد فوراً تر پاؤں جوتے میں ڈالنے سے نقضِ وضو لازم نہیں آتا علامہ نوویؒ فرماتے ہیں معناه انه یتوضأ ویلبسها بعد ورجلان رطبان .فانا احب ان البسها حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پہننا پسند کرتا ہوں تاکہ آپؐ کی اقتداء واتباع حاصل رہے وکان ابن عمر حریصاً علی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجلیل مِن الامور والصغیر قال ابن عبدالبرمن صریح الایمان محبة ماکان المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یحبه واتباع ماکان یفعله حتی الماکول والمشروب والملبوس (اتحافات ص ۱۲۵) (اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم ﷺ کے چھوٹے بڑے کاموں کی اقتداء اور تابعداری میں انتہائی حریص تھے۔علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صریح اور خالص ایمان کی علامات میں سے یہ ہے کہ جن چیزوں اور کاموں سے آپؐ کو محبت ہو، ان کاموں سے محبت کی جائے اور جو افعال آپؐ کرتے تھے ان کی ان افعال میں اتباع کی جائے حتی کہ ماکولات مشروبات اور ملبوسات میں بھی)

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ جوتا ضرور پہننا چاہئے البتہ احترام مسجد اور احترام مقبرہ میں اتار لینا بہتر ہے وقال احمد یکره لبسها فی المقابر (مواهب ص ۸۲) (امام احمد فرماتے ہیں کہ

قبرستان میں جوتوں کا پہننا مکروہ ہے)

(۵/۷۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَی التَّوْأَمَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ ..

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے ابن ابی ذئب سے اور انہوں نے التوأمة کے آزاد کردہ غلام صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوھریرہؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔

راویان حدیث (۲۳۷) ابن ابی ذئبؒ اور (۲۳۸) صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کی شرح و بیان باب ھذا کی پہلی حدیث میں تفصیل سے ہو چکا ہے

(۶/۷۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنِ السُّدِّیِّ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَیْثٍ یَقُوْلُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْنِ مَخْصُوْفَتَیْنِ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابواحمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سدّی کے حوالے سے خبر دی۔ سدّی کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن حریثؓ سے یہ روایت سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔

راویان حدیث (۲۳۹) السدیؒ (۲۴۰) من سمع اور (۲۴۱) عمر بن حریثؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مخصوفتین کا معنیٰ:

رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ

ایسی جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے جن کو پیوند لگے ہوئے تھے مخصوفتین ' خصف سے ہے معنیٰ جوتے پر مزید چمڑا چڑھانا' سینا' ٹانکنا اور جمانا ہے ضرب کے باب سے ہے مخصوف ٹوٹے ہوئے اور گھٹے ہوئے جوتے کو بھی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نعلین کے چمڑے دوہرے سلے ہوئے تھے یعنی تلی دوہری تھی یا ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں المخصوفتان کا معنیٰ المخروزتان ہے یعنی ستال (آر) سے سئے ہوئے نیز فرماتے ہیں کہ المخصوفتان کے معنیٰ المرقعتان بھی ہیں جن کے معنیٰ ,,پیوند لگے ہوئے،، بھی ہوتے ہیں (اتحافات ص ۱۲۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیوند لگے جوتے:

اگرچہ حدیث باب کی یہ سند مجہول ہے مگر دیگر روایات سے اس کی تصحیح و تصدیق اور تائید ہو جاتی ہے حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخیط ثوبہ ویخصف نعلہ ویرفع دلوہ (جمع ص ۱۶۲)

آپؐ اپنے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے جوتے کو خود پیوند لگا لیتے اور کنویں سے (ڈول کے ذریعے) پانی نکالتے اور خصف سے مراد پیوند لگانا ہے وفی شرح ان المراد بہ المرقعة' اخرجہ ابن حبان والحاکم۔

نعلین میں نماز:

یصلی فی النعلین سے مراد یا تو نماز جنازہ ہے اور اگر نماز پنجگانہ مراد لیں تو جوتے ایسے تھے جو نجاست سے پاک تھے ویوخذ من الحدیث جواز الصلوٰۃ فی النعلین ان کانتا طاھر تین (اتحافات ص ۱۲۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز جائز ہے)

نعلین مبارک کا طول' عرض' حجم اور مقدار:

شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شارحین حدیث میں ایسے نہیں دیکھے ہیں جنھوں نے نعل

مبارک کی صفت یعنی طول وعرض، حجم اور مقدار کا بیان کیا ہو۔ البتہ حافظ عراقیؒ نے اس کو منظوم کیا ہے

ونعله الكريمة المصونة طوبىٰ لمن مس بها جبينه

(اور آپؐ کے نعل مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں۔ کس قدر مبارک بادی کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہو گیا)

لها قبالان بسير وهما سبتيّتان سبتوا شعرهما

(نعل مبارک کے دو تسمے ہیں۔ اور وہ دونوں بالوں سے صاف کیے گئے ہیں۔

وطولها شبر و اصبعان وعرضها مما يلي الكعبان

(اور اس کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگل۔ اور اس کے ایڑی والے حصہ کی چوڑائی)

سبع اصابع و بطن القلم خمس وفوق ذا فست فاعلم

(سات انگل اور قدم کا درمیانی حصہ۔ پانچ انگلی اور اس سے اوپر پس چھ انگلی جان لے)

ورأسها محدد وعرض ما بين القبالين اصبعان اضبطهما

(اور اس کا سر محدد ہے اور چوڑائی۔ دو تسموں کے درمیان دو انگلیاں تھیں ان کو یاد کر لے)

(مناوی ص ۱۶۴)

(۷/۷۹) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهٗ.

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ الانصاری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابو زناد کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے اعرج سے اور انہوں نے ابو ھریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتہ پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔

راوی حدیث (۲۴۲) الاعرجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تعلیم اخلاق یا شفقت نبویؐ :

قال لا یمشینّ احد کم الخ ۔۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلے دونوں جوتے پہنے یا دونوں اتارے وھذا نفی صورۃ ونھی معنیً وھو ابلغ من النھی الصریح (جمع ص ۱۶۳) (اور یہ (لا یمشین ...) بصورت نفی ہے اور دراصل حقیقت میں نہی ہے اور یہ (صورت) زیادہ بلیغ ہوتی ہے نہی صریح سے)لیحفھما ' حفی سے ہے معنیٰ ننگے پاؤں چلنا

جب ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا ہو:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم تھے اور امت پر شفیق تھے جوتے پہننے کے طریقے بھی امت کو تعلیم فرمائے اور ایک جوتا پاؤں میں اور ایک پاؤں ننگے ہو کر چلنے سے منع فرمایا۔

شارحین حدیث نے اس کی متعدد وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) وقار کے منافی ہے استہزاء کا باعث ہے ایسے شخص کو لوگ احمق کہیں گے۔

(۲) ابن العربیؒ فرماتے ہیں العلۃ فیہ انھا مشیۃ الشیطان (اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ یہ شیطانی چال ہے)

(۳) قیل لانھا خارجۃ عن الاعتدال (اور بعض نے کہا کہ ایسا چلنا حد اعتدال سے خارج ہے)

(۴) باری تعالیٰ کی نعمت کا کفران لازم آتا ہے کہ استطاعت کے باوجود خود کو نعمتِ ربّ سے محروم کر رہا ہے۔

(۵) ایک پاؤں اوپر ہوگا ایک نیچے، گرنے، پھسلنے اور پاؤں میں موچ پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۶) لوگوں کے لئے خندہ استہزاء کا ہدف بنتا ہے اور یہ گناہ ہے وقال البیھقی الکراھۃ للشھرۃ فتمتد الابصار لمن یریٰ ذلک منہ وقد ورد النھی عن الشھرۃ فی اللباس (جمع ص ۱۶۴)

(امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے چلنے (کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو اور دوسرے میں نہ ہو) کی کراہت بوجہ شہرت ہونے کے ہے یعنی یہ کہ ایسے چلنے والے کی طرف لوگوں کی آنکھیں اٹھیں گی۔ حالانکہ لباس

شہرت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے)

امام اعمشؒ کا سبق آموز لطیفہ:

حضرت امام اعمشؒ عظیم محدث شیخ اور جید عالم گذرے ہیں طبعاً ظریف تھے اور ظرافت میں حقائق بیان فرمادیتے تھے ان کے پاس ان کا ایک شاگرد آیا جو پاؤں سے لنگڑا تھا جبکہ آپ آنکھوں سے اعمش (چندھے) تھے امام اعمشؒ نے ان سے فرمایا تم آکر ہمارے پاس ٹھہر گئے ہو ہم دونوں کے اجتماع پر لوگ استہزاء کریں گے شاگرد نے عرض کیا ہمیں ثواب ملے گا گناہ جھڑیں گے۔

امام اعمشؒ نے فرمایا ہمیں دین یہ نہیں سکھاتا کہ لوگوں کو گناہ میں مبتلا کردیں اور خود ثواب کمائیں البتہ واضح رہے کہ یہ نہی کراہت کے لئے ہے جبکہ بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے ایسا کرے اگر کسی عذر یا ضرورت کے وقت کرتا ہے تو پھر کراہت نہیں ہے کہ عذر عذر ہوتا ہے۔

حدثنا قتيبة :

حدثناقتيبة هناد الخ اسقط هناالاعرج فهذا الحديث مرسل لاسقاط الاعرج وابی هريرة منه بالنظر لاسقاط الصحابی (مواهب ص ۸۴) (**حدثنا قتيبة هناد ...** اس سند میں یہاں اعرج کا ذکر چھوڑ دیا گیا اس لئے یہ حدیث مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے اعرج (راوی) کے اور ابوھریرہ کے بوجہ ساقط کرنے صحابی کے)

اور زیادہ اوضح عبارت مناویؒ کی ہے کہ **هذا منقطع ومرسل لا سقاط الاعرج وابی هريرة** (کہ یہ منقطع اور مرسل ہے کیونکہ اعرج اور ابوھریرہ کو درمیان سند سے ساقط کردیا گیا)۔

البتہ ملا علی قاریؒ نے اس سند کو ذکر کرکے **نحوه** کے بعد یہ تفصیل لکھ دی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سند بھی پہلی سند جیسے مرفوع ہو فرماتے ہیں **نحوه ای مثله فی المعنیٰ دون اللفظ المتعلق بالمتن والاظهر انه يريد بنحوه نحو الاسناد المتقدم فكانه قال الی آخر الاسناد فلا يرد ماقاله العصام من ان حديث قتيبة منقطع ومرسل لاسقاط الاعرج عن الاسناد واسقاط ابی هريرة نعم كان يكفی ان يقول عن مالک ويزيد بهذا الاسناد (والله اعلم) (جمع ص ۱۶۵)** (**نحوه** . یعنی یہ اس کے مثل ہے معنی میں نہ کہ

الفاظ میں جن کا تعلق متن حدیث سے ہوتا ہے۔لیکن زیادہ واضح یہ بات ہے کہ نحوہ سے مراد پہلی جیسی سند کے مانند گویا کہ یہ کہا کہ یہ اس جیسے ہے آخر سند تک اس لئے اب وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو عصامؒ کہتے ہیں کہ حدیث قتیبہ منقطع اور مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے سند سے اعرج اور ابوھریرہ کو البتہ یہ کافی تھا کہ پھر سند میں یہ کہتے عن مالک ویزید بھذا الاسناد)

(۸۰/۸) حَدَّثَنَا اِسۡحٰقُ بۡنُ مُوۡسٰی اَخۡبَرَنَا مَعۡنٌ اَخۡبَرَنَا مَالِکٌ عَنۡ اَبِی الزُّبَیۡرِ عَنۡ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنۡ یَّاۡکُلَ یَعۡنِیۡ الرَّجُلَ بِشِمَالِہٖ اَوۡیَمۡشِیَ فِیۡ نَعۡلٍ وَّاحِدَۃٍ۔

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو معن نے' وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک نے خبر دی۔انہوں نے ابوزبیر سے نقل کیا اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتہ پہنے۔

بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے نہی:

نھیٰ ان یاکل یعنی الرجل بشمالہ الخ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلے حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک بائیں ہاتھ سے کھانا یہ کراہت تحریمی ہے امام شافعیؒ اسے کراہت تنزیہی قرار دیتے ہیں مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔آپؐ نے فرمایا کل بیمینک یعنی دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہہ دیا کہ میں طاقت نہیں رکھتا لااستطیع آپؐ نے فرمایا لااستطعت تو طاقت نہ رکھ' پھر کیا تھا کہ داہنا ہاتھ شل ہوگیا اور منہ تک نہ پہنچ سکا فما رفعھا الرجل الی فیہ بعد ذلک

(اتحافات ص ۱۲۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ارشادات استحبابی ہیں یعنی حرام نہیں ہیں تاہم بعض اصحاب ظاہر نے اسے ناجائز بتایا ہے (خصائل) یعنی الرجل 'حدیث میں رجل کا ذکر شرافت وتکریم کے لئے آیا ہے خواتین سے احتراز نہیں ذکر الرجل لانہ الاصل والا

شرف لا الاحتراز (مواهب ص ۸۴) (روایت میں رجل کے لفظ کا ذکر بوجہ اس کے اشرف اور اصل ہونے کے ہے نہ کہ (عورت) سے احتراز کرنے کے لئے (یعنی یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے) عورتوں کو بھی یہی حکم ہے ہے او یمشی میں لفظِ او تقسیم کے لئے ہے شک کے لئے نہیں ہے واو للتقسیم لاللشک (مواہب ص ۸۴)

(۸۱/۹) حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ مَالِکٍ ح وَاَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسیٰ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِالْیَمِیْنِ وَاِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْتَکُنِ الْیُمْنٰی اَوَّلَھُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَھُمَا تُنْزَعُ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے مالک کے حوالے سے بیان کیا (تحویل) انہیں اسحٰق بن موسیٰ نے اور ان کو معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابوزناد سے اور انہوں نے اعرج کے حوالے سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت ابوھریرہؓ سے یہ روایت اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتہ پہنے تو دائیں سے ابتدا کرنی چاہئے اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے' دایاں پاؤں جوتہ پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔

جوتا پہننے اور نکالنے میں مسنون طریقہ:

قال اذا انتعل ... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے ابتدا کرے اور جب جوتا اتارے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے تاکہ جوتا پہنتے وقت دائیں طرف اولیت ہونی چاہئے اور جوتے اتارنے میں اسے مؤخر کرنا چاہئے اور بایاں پہلے ہونا چاہئے لان النزع من باب التنقیص والشمال لعدم شرفھا تقدم فی کل ماکان مِن باب التنقیص (کیونکہ جوتے کا نکالنا یہ تنقیص (نقصان) کے قبیلہ سے ہے اور بایاں پاؤں بوجہ عدم شرافت کے ہر اس جگہ مقدم اور پہلے کیا جائے گا جو بابِ تنقیص سے ہو) تکریم و تعظیم اور شرف وخیر اور زینت کے تمام امور میں تیمن مسنون ہے حدیث زیر بحث میں اس کی ترغیب ہے لان التنعل من باب التکریم والیمین لشرفھا تقدم فی کل

ما كان من باب التكريم (مواهب ص ۸۴) (اور چونکہ جوتے کا پہننا یہ عزت اور تکریم کے قبیلہ سے ہے اور دایاں پاؤں ہر اس جگہ مقدم اور آگے کیا جائے گا جو از قبیلہ تکریم وشرافت کے ہو) بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض جگہوں پر نزع باب تنقیص سے نہیں بلکہ عین تکریم ہوتی ہے تو جواب میں بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے۔

(۱) اليمين اقوىٰ من اليسار مگر یہ توجیہ بمنزلہ توجیہ کے ہے اسے ترجیح حاصل نہیں۔

(۲) فالاولى قول الحكيم الترمذى اليمين مختار الله ومحبوبه مِن الاشياء فاهل الجنة عن يمين العرش يوم القيامة واهل السعادة يعطون كتبهم بايمانهم وكانت الحسنات على اليمين وكفة الحسنات مِن الميزان عن اليمين فاستحقت ان تقدم اليمين واذا كان الحق لليمين فى التقديم اخر نزعها ليبقى ذلك الحق لها اكثر مِن اليسرىٰ (مواهب ص ۸۴)

(پس حکیم ترمذیؒ کا یہ قول بہتر ہے کہ اشیاء میں سے دایاں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ترین ہے کیونکہ جنتی لوگ قیامت کے دن عرش معلیٰ کے دائیں طرف ہوں گے اسی طرح نیک بخت لوگوں کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا اور نیکیاں بھی دائیں طرف پر ہوں گی اور ترازو اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھی دائیں طرف ہوگا۔ تو اس لئے پہننے میں دایاں زیادہ مستحق ہے اور جب کہ مقدم کرنے میں دایاں زیادہ مستحق ٹھہرا تو اس لئے اس کے نکالنے کو مؤخر کیا گیا تا کہ اس کا وہ حق بائیں سے زیادہ دیر تک قائم اور باقی رہے)۔

(۸۲/۱۰) حَدَّثَنَا اَبُوْمُوْسٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا اَشْعَثُ هُوَ ابْنُ اَبِى الشَّعْثَآءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَااسْتَطَاعَ فِىْ تَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ۔۔

ترجمہ! ہمیں ابوموسیٰ نے بیان کیا انہوں نے محمد بن مثنیٰ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر اشعث نے دی جو کہ ابن ابی الشعثاء ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے مسروق سے اور انہوں نے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتہ پہننے میں اور اعضاء وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔

تیمّن، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حتی المقدور تیمّن کو پسند فرماتے تھے کنگھی فرمانے میں، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں ایک اور روایت میں حجامت بنوانے اور مسجد میں داخل ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔

اس میں بھی آپؐ کو تیمن پسند تھا ولیس المراد التخصیص بھذہ الثلاثۃ (مواھب ص ۸۵) (اور ان تین مذکورہ چیزوں کے ساتھ تخصیص مقصود نہیں) بلکہ ہر کار خیر وکار شرافت میں تیمّن کو تقدم حاصل ہوتا تھا۔

مااستطاع کمالِ سعی سے کنایہ ہے یا قید احترازی ہے مقصد یہ ہے کہ جہاں استطاعت ہو وہاں ضرور تیمّن اپنایا جائے۔ البتہ اگر عذر ہے تو بائیں کے استعمال کی بھی شرعاً اجازۃ ہے .اذا لضرورات تبیح المحظورات (جمع ص ۱۶۶) (عذر اور ضرورت ممنوعہ چیزیں مباح کردیتی ہیں) ما استطاع علی نحو قولہ تعالیٰ فاتقوا اللہ ما استطعتم وھی تفید جواز المساعدۃ بالشمال اذا کانت ھناک ضرورۃ لذالک فقد ورد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل القثاء والرطب بالیدین معا' لتساعد احداھما الاخریٰ (اتحافات ص ۱۲۹) (حدیث شریف میں مااستطاع کی قید ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فاتقوا للہ ما استطعتم ۔اس لئے اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اگر ضرورت ہوجائے تو بائیں سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ منقول ہے کہ نبی کریم نے ککڑی اور کھجور دونوں ہاتھوں سے اکٹھی کھائیں بوجہ ان دونوں کے موافقت کے)۔

ملا علی قاریؒ ما استطاع کے تحت لکھتے ہیں والذی یظھر عندی ان مرادہ واللہ اعلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکتفی بالیمین فیما لم یتعسر احتراز عن نحو غسل الوجہ اولم یتعذر بان کان یرید

مثلا ان یاخذ العصا والکتاب فیتعین ان یاخذ احدهما بالیمین والاخر بالیسار (جمع ص ۱۶۷)

(اور وہ جو اس سے مجھے واضح ہو رہی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ صرف دائیں ہاتھ پر اکتفا اس وقت فرماتے جب کوئی مشکل در پیش نہ ہوتی۔ یہ احتراز ہوا مثلاً منہ دھونے سے (کہ اس میں دونوں ہاتھ استعمال ہوں گے) یا کوئی عذر پیش نہ ہو جاتا جیسے مثلاً کتاب اور لاٹھی اٹھانے کا ارادہ کرتے تو پھر ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں کے ساتھ اٹھانے کو متعین کر لیتے)

تنعّل اور ترجل کے بعد طہور کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہے۔

(۱۱/۸۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ مَرْزُوْقٍ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ قَيْسٍ اَبُوْ مُعَاوِيَةَ اَنْبَأَنَا هِشَامُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا وَاَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَّاحِدًا عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

ترجمہ! ہمیں محمد بن مرزوق ابوعبداللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن قیس ابومعاویہ نے سنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام نے محمد کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابوھریرہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوتہ میں بھی دوہرا تسمہ تھا ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

راویان حدیث (۲۴۳) محمد بن مرزوق ابوعبداللہؒ اور (۲۴۴) عبدالرحمٰن بن قیس ابومعاویہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمانؓ نے ایک تسمے والے جوتے پہنے:

کان لنعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جوتوں کے دو دو تسمے ہوا کرتے تھے واول من عقد الخ پھر دو کے بجائے ایک تسمے کا آغاز خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے کیا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی تعلیماً اختیار فرمائی تا کہ لوگ دو تسموں کو فرض وواجب کا درجہ نہ دے دیں بلکہ یہ تو محض مستحبات میں سے ہے ہر شخص کی اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ہے وہ چاہتے تو دو تسمے استعمال کرے اور چاہے تو ایک تسمہ۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں۔ اشارة الی بیان الجواز وانّ لبسه صلی الله علیه وسلم کان علی وجه المعتاد لا علی قصد العبادة (جمع ص ۱٦٨) (اس میں جوتے کا ایک تسمہ رکھنے کے جواز کی طرف اشارہ ہے اور بے شک حضور ﷺ کا (دو تسموں والا جوتا) پہننا بطور عادت تھا نہ عبادت کے ارادہ سے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں لعل الخلیفة الثالث افادنا باتخاذ القبال الواحد جواز ذلک (اتحافات ص ۱۳۰) (خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے اس عمل سے ہمیں ایک تسمہ والے جوتے بنانے کا جواز معلوم ہو گیا)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال چار قسم پر ہیں مباح، مستحب، واجب اور فرض، ہر فعل کی توضیح ضروری ہے تا کہ اسے اپنے اپنے درجہ میں رکھا جائے وبه علم ان ترک لبس النعلین ولبس غیرهما غیر مکروه ایضاً (جمع ص ١٦٨) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوتوں کے پہننے کو چھوڑ دینا اور ان کے علاوہ کسی اور چیز کو پہننا مکروہ نہیں)

==

باب ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بیان میں

اس باب میں آپؐ کا انگوٹھی پہننے کا بیان ہے کس قسم کی انگوٹھی پہنی، اس پر کیا نقش تھا، انگوٹھی بطورِ مہر نبوت کے استعمال ہوتی تھی، بیت الخلاء میں جاتے وقت اتار لیتے تھے تا کہ بے حرمتی نہ ہو، آپؐ کی یہ منقوش انگوٹھی آپؐ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تھی ان کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ آئی ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو پہنچی پھر ان سے کنویں میں گر گئی۔

اس باب میں آٹھ احادیث ہیں ای باب بیان الاخبار الواردۃ فی ذکرہ (اس باب میں ان احادیث کا بیان ہوگا جو آپؐ کی انگوٹھی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔ (مواھب ص ۸۵)

باب ھذا میں لفظ ''ذکر'' کا اضافہ:

البتہ اس باب میں لفظِ ''ذکر'' کا اضافہ ہے جبکہ دیگر تراجم میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے شارحینؒ فرماتے ہیں (۱) لفظ ذکر کو اس باب میں زائد لانے سے اس امر پر تنبیہ مقصود تھی علی تمیز ھذہ الترجمۃ من الترجمۃ المقدمۃ ای باب خاتم النبوۃ (اس ترجمۃ الباب (عنوان) کو سابقہ عنوان باب ختم النبوۃ سے ممتاز کرنے کیلئے اس میں لفظ ذکر کا اضافہ کیا ہے) کیونکہ پہلے ترجمۃ الباب میں خاتم سے بضعۃ ناشزۃ عند الکتف مراد ہے اور اس ترجمۃ الباب میں مراد آلہ مُہر ہے جس سے خطوط پر مہر لگائی جاتی ہے۔

وفی لفظ الخاتم خمس لغات وقیل عشر والافصح کسر التاء (خصائل) (اور لفظ خاتم میں پانچ لغتیں ہیں اور بعض نے دس کا قول کیا ہے اس میں زیادہ فصیح لغت تاء کا کسرہ ہے)

انگوٹھی مبارک کی صفت:

علامہ بنوریؒ لکھتے ہیں کہ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک کی جامع صفت کسی نے بھی بیان نہیں کی کہ کیا وہ مربع تھی؟ مثلث تھی؟ مدوّر تھی البتہ لوگوں کا معاملہ اس سلسلہ میں مختلف رہا ہے (مواھب ص۸۶) کتاب اخلاق النبوۃ میں منقول ہے انہ لایدری کیف ھو قالوا و الخاتم حلقة ذات فص من غیرھا فان لم یکن لھا فص فھی فتخة (مواھب ص ۸۶) (کہ انگوٹھی کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے تھی۔ خاتم کی تعریف میں کہتے ہیں کہ کسی (دھات) کا حلقہ ایسے جو نگینہ والا ہو جو کہ حلقہ کے جنس سے نہ ہو اگر اس حلقہ کا نگینہ نہ ہو تو پھر اس کو عربی میں فتحہ کہتے ہیں)۔

انگوٹھی کے احکام:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں اور کبھی بائیں کی چھنگلی انگلی میں پہنی ہے گویا دونوں ہاتھوں میں پہننا مباح ہے بعض علماء نے اسے مطلق سنت قرار دیا ہے بعض صحابہؓ سے انگوٹھی پہننا ثابت ہے یہ مہر کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی اور زینت کے لئے بھی، بعض فقہاء مطلقاً زینت کے لئے استعمال کی اجازت دیتے ہیں جبکہ بعض فقہاء بغیر ضرورت کے اس کے استعمال کو مردوں کے لئے غیر اولیٰ قرار دیتے ہیں البتہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ انگوٹھی کسی ضرورت مثلاً حاکم، قاضی، مفتی کے مہر لگانے کے لئے تو جائز ہے مگر محض زینت کے لئے بہتر نہیں ہے بلا ضرورت ترک اولیٰ ہے وجہ ظاہر ہے کہ آپؐ نے بھی تب بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

واختلف فی حکم الخاتم کما بسط فی المطولات وفی الدر المختار ترک التختم لغیر السلطان والقاضی وذی حاجة الیه کمتول افضل قال ابن عابدین اشار الی ان التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار (عربی حاشیہ خصائل) انگوٹھی کے حکم میں فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے جیسے کہ فقہ کی مطول کتب میں اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے اور درمختار میں ہے کہ بادشاہ، قاضی، اور دیگر صاحبِ حاجت حضرات جیسے متولی وغیرہ کے علاوہ لوگوں کے لئے انگوٹھی کا نہ پہننا افضل ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے کہا کہ اس میں صاحب مختار نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انگوٹھی پہننا صاحبِ حاجت لوگوں (سلطان وغیرہ) کے لئے سنت ہے جیسے کہ کتاب الاختیار میں ہے)

جمہور کے نزدیک انگوٹھی چاندی کی ہونی چاہئے پیتل اور لوہے کی انگوٹھی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

انگوٹھی کا اجمالی تاریخی پس منظر:

انگوٹھی کے لئے عربی لفظ خاتم بھی درست ہے اور خاتَم بھی ' مایختم به کو کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دومرتبہ انگوٹھی بنوائی ہے سونے کی بھی اور چاندی کی بھی۔ جب مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہوا تو آپؐ نے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ترک فرمایا۔ پھر آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مگر بعد میں اسے بھی اتار دیا البتہ اتارنے کی وجہ معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے اس میں آپؐ کو تکلّف محسوس ہوتا ہو۔ تاہم چاندی کی انگوٹھی کا استعمال ایک خاص مقدار میں کیا مردوں کے لئے ممنوع نہیں ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد آپؐ نے مختلف سربراہان ممالک کو دعوتی خطوط لکھے تو ضرورت مہر کی وجہ سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس سے مکتوبات پر مہر لگانے کا اہتمام ہوتا تھا انگوٹھی بنانے کی ضرورت انجام دینے والے یعلی بن امیہ تھے اس میں نگینہ بھی لگایا اور نگینہ میں مہر ختم نبوت "محمد رسول اللّٰہ" کے الفاظ بھی کندہ کیئے۔ جب کسی مکتوب یا دعوتی تحریر یا اہم خط پر مہر لگانی ہوتی تو آپؐ انگوٹھی اتار کر اس سے مہر بھی لگا دیا کرتے تھے۔

مشاہیر کی انگوٹھیوں کے نقش:

احقر مولف کی طالب علمی کا زمانہ تھا استاذِ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کے دامنِ رشد وہدایت میں اللہ نے پہنچا دیا تھا مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی اپنی مادر علمی تھی ان اکابر اساتذہ سے ان کے خاندانی بزرگوں کی مہر وغیرہ کے بارے میں لطائف سنا کرتا تھا۔ مثلاً فرماتے ہمارے ایک خاندانی بزرگ قاضی محمد اکرم کی مہر پر جو الفاظ کندہ تھے وہ یہ تھے "در ہر دو جہان است محمد اکرم" قاضی صاحبان کے جدامجد جو تین سو سال قبل

کلاچی تشریف لائے تھے کا نام ''اصل دین'' تھا مہر پر یہ الفاظ کندہ تھے ''ز دینہا دینِ احمد اصل دین است'' ان کے ایک اور خاندانی بزرگ کا نام احمد تھا' ان کی مہر پر یہ مصرع نقش تھا'' دارد امید شفاعت ز محمد احمد'' ان ہی ایام میں انہی اساتذہ کرام سے یہ بھی سنا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی مہر کے الفاظ'' از گروہِ اولیاء اشرف علی'' تھے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی مہر کا نقش ''الٰہی عاقبت محمود گرداں'' تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں احقر بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ پابندِ سلاسل تھا سنٹرل جیل ڈی آئی خان ہمارا مسکن تھی ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کا بیان تھا فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی پر جس مفہوم کا نقش کندہ تھا اس کا مضمون کسی نے فارسی میں منظوم کیا ہے اور بہت خوب ہے۔

دیدی که در نگینِ سلیمان چه نقش بود

خطے به زر نوشته که ایں نیز بگزرد

بچپن کا لاشعوری دور تھا طالب علمی کے بالکل ابتدائی سال تھے' مہر کیا ہوتی ہے؟ مصرع کسے کہتے ہیں؟ ان فارسی مصرعوں کا معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ ان امور سے کیا غرض تھی؟ بس بات اتنی تھی کہ اساتذہ کرام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس انداز سے مزے لے لے کر انہوں نے بیان فرمائے زمانہ طالب علمی کی لاشعوری عمر میں' دل ودماغ نے وہ لے لئے اساتذہ کا وہ انداز ہی اتنا پیارا تھا کہ تب سے اب تک یاد ہے۔ بعض اوقات اکابر اساتذہ اور بزرگوں کی نقل میں بھی برکت ہوتی ہے اور آج اس کی یہ برکت ظاہر ہو رہی ہے کہ مشاہیر اہل اسلام کی مہر اور انگوٹھیوں سے متعلق جستجو ہوئی اور علوم ومعارف کے نئے خزانے سامنے آئے اور سب سے بڑی برکت یہ ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کاتب الحروف کو اللہ کریم نے مہر نبوت اور شمائل نبوی پر قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھوائے جاتے ہیں

بہرحال مشاہیر کی انگوٹھیوں کے جو نقوش مل سکے نذر قارئین ہیں۔

بعض شارحین حدیث نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ درج

تھے"کفی بالموت واعظاً" حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر" لله الملک"حضرت حذیفہؓ کی انگوٹھی پر "الحمد لله" امام باقر کی انگوٹھی پر"العزة لله " امام نخعیؒ کی انگوٹھی پر"الثقة بالله" حضرت مسروق کی انگوٹھی پر" بسم الله " حضرت آدمؑ کی انگوٹھی پر"لا اله الا الله محمد رسول الله "حضرت موسیٰؑ کی انگوٹھی پر "لکل اجل کتاب" حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر"انا الله لا اله الا انا محمد عبدی ورسولی" کے الفاظ کندہ تھے (ملخصاً از مواہب ۸۸)

مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان روایات کی حیثیت تفسیری اور تاریخی روایات کی ہے ان میں کوئی بھی چیز مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔

(۱/۸۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ خَاتِمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَّرِقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا.

ترجمہ !ہمیں قتیبہ بن سعید اور دوسرے بہت سے اساتذہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن وھب سے بیان کی' انہوں نے یونس سے' انہوں نے ابن شھاب سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

راوی حدیث (۲۴۵) عبداللہ بن وھبؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

انگوٹھی اور اس کا نگینہ:

کان خاتم النبی صلی الله علیه وسلم من ورق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک چاندی کی تھی جب وَرَق (بفتح الراء) بولا جائے مراد درخت کا پتہ اور (بکسر الراء) پڑھا جائے تو مراد چاندی ہے ای فضة وفی الاصل النقرة المضروبة وقیل النقرة مطلقاً مضروبة اولا (خصائل) (ورِق بکسر راء کا معنیٰ چاندی اور اصل میں چاندی مضروبہ (عمل شدہ) کو کہتے ہیں۔اور بعض نے مطلقاً چاندی کو کہا ہے چاہے مضروبہ ہو یا نہ ہو) وکان فصه حبشیاً انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا فص کی فا پر فتح زیادہ فصیح ہے

ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر غیر اولیٰ اور غیر افصح ہے۔ حبشیاً میں یائے نسبت ہے والمراد بالفصّ هنا ما ينقش عليه اسم صاحبه (مواهب ص ۸۶) (یہاں فص سے مراد وہ نگینہ ہے جس پر اس کے مالک کا نام کندہ کیا گیا ہو) نگینہ کو حبش کی طرف منسوب کرنے کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں اى حجرا منسوبا الى الحبش وقيل كان فصه عقيقا (جمع ص ۱۶۹) یا مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا اس لئے اسے حبشی کہا گیا یا حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا اى احمر يميل الى السواد (مناوی ص ۱۶۶) یا اس کے صناع یعنی بنانے والے حبشی تھے یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا یا اس کی کانٹ چھانٹ اور بناوٹ حبشی صفت کے مطابق ہوئی تھی۔ ومعنى حبشيا جئى به من الحبشة او كان اسود لون الحبشة اوصانعه او صانع نقشه من الحبشة (جمع ص ۱۷۰) (اور نگینہ کے حبشی ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا یا اس لئے کہ حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا۔ یا اس کے بنانے والا حبشی تھا یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا) وذهب السيوطى الى ان الحبشى هو نوع من الزبرجد يكون ببلاد الحبشة لونه مائل الى الخضرة قالوا من خواصه انه يجلوا العين (اتحافات ص ۱۳۱) (اور علامہ سیوطیؒ کا خیال ہے کہ فص حبشی زبرجد (پتھر) کی ایک قسم ہے جو حبشہ کے ملک میں ہوتی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپؐ کی انگوٹھی مبارک چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ عمدہ اور اعلیٰ قسم کا پتھر تھا اس کے بعد تیسری حدیث میں فصّه منه کی بھی تصریح آئی ہے یعنی انگوٹھی کا نگینہ اسی جنس سے بھی ہوسکتا ہے جس سے انگوٹھی بنائی گئی ہے جس کی مزید تفصیل وتشریح اور مکمل توضیح باب ھذا کی تیسری حدیث کے ذیل میں کردی جائے گی انشاء اللہ۔

واما ما روى فى التختم بالعقيق من انه ينفى الفقر وانه مبارك وان من تختم به لم يزل فى خير فكلها غير ثابتة على ماذكره الحفاظ وفى خبر ضعيف ان التختم با الياقوت الاصفر يمنع الطاعون (جمع ص ۱۷۰) (اور وہ جو مروی ہے کہ عقیق کے نگینہ والی انگوٹھی پہننا فقر وافلاس کو دور کردیتی ہے اور یہ بڑی مبارک ہے اور جو کوئی بھی اس کی انگوٹھی پہنے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ خیر وبرکت میں رہے گا یہ سب حفاظ حدیث کے نزدیک غیر ثابت شدہ باتیں ہیں اور ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی

پہننا طاعون کو روکتا ہے)

(۸۵/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اَبِيْ بِشْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ فَكَانَ يَخْتِمُ بِهٖ وَلَا يَلْبَسُهٗ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى اَبُوْبِشْرٍ اسْمُهٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِيْ وَحْشِيَّةَ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعوانہ نے خبر دی 'انہوں نے ابو بشر سے روایت نقل کی اور انہوں نے نافع سے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے پہنتے نہیں تھے۔

راویان حدیث (۲۴۶) ابوعوانہؒ اور (۲۴۷) ابو بشرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگوٹھی پہننے میں معمول مبارک:

اتخذ خاتماً.. حدیث میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی غرض مہر لگوانی تھی و لا یلبسه اور اکثر اسے پہنا نہیں کرتے تھے ای و لا یلبسه دائما بل غبا (مناوی ص ۱۷۱) (یعنی حضور اقدس ﷺ اس کو ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھار پہنا کرتے) اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں تصریح ہے کہ انه كان يلبسه في يمينه دوسری حدیث میں ہے اذا دخل الخلاء نزع خاتمه . تیسری حدیث میں ہے كان النبي صلى الله عليه وسلم يتختم في يساره (رواه ابو داؤد) اور یہ بھی مدلول و معلوم ہے جیسا کہ شارحینؒ نے تصریح بھی کی ہے کہ آپ ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں ایک اسلئے تھی کہ اس سے تحریروں اور دعوتی خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ و كان لا يلبسه و الثاني كان يلبسه ليقتدى به فيه (مناوی ص ۱۷۱) (اور حضور اقدس ﷺ اس کو (یعنی جو انگوٹھی مہر کے لئے بنوائی گئی تھی) نہیں پہنتے تھے اور دوسری کو اس لئے پہنتے تھے کہ اس کے پہننے میں اس کی اتباع کی جائے) مہر لگوانے کے لئے آپ ﷺ نے انگوٹھی ہجرت

کے ساتویں سال بنوائی اسلئے کہ انہی سنین میں آپؐ نے بادشاہوں کے نام اپنے مہر شدہ مکتوبات بھیجے۔ علامہ الیجوریؒ فرماتے ہیں قال ابن العربی وکان قبل ذلک اذا کتب کتاباً ختمه بظفره (مواھب ص ۸۷) (ابن العربیؒ فرماتے ہیں اور اس سے پہلے (یعنی جبکہ انگوٹھی نہیں بنوائی تھی) جب کوئی خط لکھتے تو اس کو اپنے ناخن سے مہر کر دیتے تھے)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد انه لا یلبسه علی سبیل الاستمرار والدوام بل فی بعض الاوقات ضرورة الاحتیاج الیه للختم به کما هو مصرح به فی بعض الاحادیث (جمع ص ۱۷۱) (اور مقصد یہ ہے کہ آپؐ انگوٹھی کو ہمیشہ اور دائمی طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ حسب ضرورت بعض اوقات مہر لگانے کے لئے اس کو استعمال میں لاتے تھے جیسے کہ اس کی تصریح بعض احادیث میں ہے)

ایک تعارض کا دفعیہ:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روایات بالا سے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننا دونوں ہاتھوں میں ثابت ہو رہا ہے جو بظاہر متعارض ہیں حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں مرقاۃ سے منقول ہے کہ لا تعارض بینهما لجواز انه فعل الامرین فکان یتختم فی الیمنی مرة وفی الیسری اخری حسب ما اتفق ولیس فی شئی منهما مایدل علی المداومة صریحا والاصرار علی واحد منهما کذا قال القاضی قلت وقد صرح البیهقی بان التختم فی الیمین منسوخ واخرج ابن عدی وغیره انه صلی الله علیه وسلم یتختم فی یمینه ثم حوله فی یساره فکان من فعل خلافه لم یصل الیه النسخ واقله ان یقال التختم فی الیسری افضل کما هو الصحیح من مذهبنا لانه ابعد من الاعجاب والزهو لجعل فصه مما یلی کفه (حاشیه مشکوٰة ص ۳۷۸) (ان دو باتوں (یعنی دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے) میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آپؐ نے دونوں کام کیے ہوں کہ کبھی دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ میں حسب اتفاق پہنی ہوں کیونکہ احادیث میں کہیں یہ تصریح موجود نہیں کہ آپؐ نے کسی ایک ہاتھ میں انگوٹھی پہننے پر مداومت یا اصرار کیا ہو۔ اسی طرح قاضی نے فرمایا (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں)

کہ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا منسوخ ہے اور امام بن عدیؒ وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر اس سے تبدیل کر کے بائیں ہاتھ میں استعمال شروع کر دیا گویا جو شخص آپؐ کے اس فعل کے خلاف عمل کرتا ہے (یعنی دائیں ہاتھ میں استعمال کرتا ہے) اس تک اس کا منسوخ ہونا نہیں پہنچا ہوگا۔ اس سے کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے جیسے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے اس لئے کہ یہ صورت فخر وتکبر اور بڑائی کے اظہار سے زیادہ بعید ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرے گا)۔

انگوٹھی کے نہ پہننے میں حکمت:

باقی رہا یہ سوال کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی نہ پہننے میں راز اور حکمت کیا تھی۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں (۱) شاید اس میں راز اظہار تواضع وترک الاراءۃ والکبر ہے کیونکہ انگوٹھی پہننا اور مہر لگانا تکبر وخیلاء کے لئے ناشی ہے (جمع ص ۱۷۱)

مردوں کے لئے سونا چاندی کے استعمال کا حکم:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پوری امت کے لئے نمونہ اور رحمت ہے مردوں کے لئے سونے، چاندی، لوہے اور تانبے کی انگوٹھیاں پہننا، تکبر، غرور، ریا اور رعونت کا باعث ہیں لہذا ان افعال ذمیمہ سے بچنے کے لئے آپؐ نے امت کو ان کے استعمال سے منع فرمایا۔ شرح وقایہ کتاب الکراھیۃ میں ہے کہ "مرد کو زیور چاندی اور سونے کا پہننا حرام ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ میں سونا اور بائیں ہاتھ میں حریر (ریشم) لیا اور فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں (ابوداؤد)

انگوٹھی کس دھات سے ہونی چاہئے:

علامہ یوسف نبھانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر

ہوا اس نے پتھر کی انگوٹھی پہن رکھی تھی ۔ یہ وہ دور تھا جب پتھروں سے بت بنائے جاتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ارشاد فرمایا مالی اجد منک ریح الاصنام (مجھے تو آپ سے بتوں کی بدبو آرہی ہے) اس شخص نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی کچھ روز بعد پھر آیا اس وقت اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالی اری علیک حلیة اهل النار (میں تو تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں) یہ تو اہل دوزخ کا زیور ہے اس نے اس انگوٹھی کو بھی اتار کر پھینک دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ! کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاندی کی مگر ایک مثقال سے زیادہ وزنی نہ ہو (وسائل الوصول الی شمائل الرسول)۔

(۸۶/۳) حَدَّثَنا مَحْمُوْدُبْنُ غَيلان اَخبرنا حَفصُ بْنُ عُمرِ بْنِ عُبَيدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ اَخْبرنَا زُهَيْرُ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ انسٍ قال كَان خاتمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ .

ترجمہ ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا ان کے پاس حفص بن عمر بن عبید نے یہ روایت بیان کی جو دریاں بنانے والے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابوخیثمہ زہیر نے حمید کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے اخذ کی ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا۔

راوی حدیث (۲۴۸) حفص بن عمر بن عبید الطنافسیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصه منه کی تشریح:

قال كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من فضة فصه منه ' منه میں من تبعیض کے لئے ہے اور ضمیر خاتم کی طرف راجع ہے ای فصه بعض الخاتم بخلاف ما اذا كان حجراً فانه منفصل عنه مجاور له (جمع ص ۱۷۲) (یعنی اس کا نگینہ اسی انگوٹھی کے جنس ہی کا حصہ تھا (یعنی چاندی کا تھا) بخلاف اس کے کہ اگر کسی پتھر کا ہوتا تو اس صورت میں اس سے جدا ہوتا اور بطور مجاورت کے اس میں

رکھا گیا ہوتا) فصه منه یعنی اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای فصه من بعضه لا انه حجر منفصل عنه مجاور له (مناوی ص ۱۷۲) (یعنی اس کا نگینہ انگوٹھی کا ایک حصہ تھا نہ کہ وہ کوئی پتھر سے تھا کہ پہلے علیحدہ تھا اوراب اس میں رکھا گیا) ابوداؤد کی روایت ہے من فضة کله یعنی پوری کی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی، دونوں روایات میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کردی گئی ہے کہ آپؐ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں ایک حبشی نگینہ والی، اس سے مہر کا کام لیا جاتا تھا یہ معیقیبؓ کے پاس ہوتی تھی۔ دوسری انگوٹھی صرف چاندی کی تھی جسے آپ کبھی کبھار استعمال فرماتے ہوں نہ پہنتے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) نگینہ کا موضع چاندی کا تھا نہ خود نگینہ وقیل معنی کونه فصه منه ان موضع فصه منه فلا ینافی کون فصه حجرا (مرقاۃ بحوالہ حاشیہ مشکوۃ ص ۳۷۸) (بعض حضرات اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نگینہ کے رکھنے کی جگہ اس سے (چاندی) سے تھی (نہ کہ نگینہ) تو اس صورت میں یہ اس کے منافی نہ ہوگا کہ نگینہ کسی پتھر کا ہو)

شیخ عبدالرؤفؒ نے اپنی شرح میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم جعل خاتمه فی یمینه ثم انه نظر الیه وهو یصلی ویده علی فخذه فنزعه ولم یلبسه (مناوی ص ۱۷۰) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنی پھر اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ران پر تھا تو اس کو نکال دیا اور نہیں پہنا)

مختلف روایات میں تطبیق:

انگوٹھی کے بارے میں متعدد اور مختلف روایات منقول ہیں۔(۱) حلقہ اور نگینہ دونوں چاندی کے نہ تھے (۲) دونوں چاندی کے تھے (۳) ابوداؤد کی روایت خاتم من حدید اور اس پر فضہ کا خول چڑھا ہوا تھا (۴) سونے کی انگوٹھی بھی بنوائی تھی پھر اسے پھینک دیا اور چاندی کی بنوائی۔

صفات استعمال میں بھی اختلاف ہے (۱) دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۲) بعض روایات میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۳) خلاء کے وقت نکالتے تھے (۴) لا یلبسه یعنی نہیں پہنتے تھے ۔

(۵) ابوداؤد میں ہے خود نہیں بنوائی بلکہ حضرت عمرؓ سے مستعار لی (۶) حضرت خالدؓ سے لی۔

شارحین تطبیق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اوائل میں جب ضرورت پیش آئی تو حضراتِ صحابہؓ سے مستعار لی اور جب ضرورت شدیدہ ہوئی تو پیتل اور پھر لوہے سے بنوائی پھر جب اسے اہل نار کا زیور قرار دیا گیا تو آپؐ نے اسے ترک فرمایا اور سونے کی انگوٹھی بنوائی جب مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی ممانعت آئی تو آپؐ نے اسے بھی چھوڑ دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

ایک روایت میں انگوٹھی کی اجمالی تاریخ:

قال دخل عمرو بن سعيد بن العاص حين قدم من الحبشة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما هذا الخاتم في يدك يا عمرو قال هذه حلقة يا رسول الله قال فما نقشها قال محمد رسول الله قال فاخذه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان في يده حتى قبض ثم في يد ابي بكر حتى قبض ثم في يد عمر حتى قبض ثم لبسه عثمان فبينما هو يحفر بئرا لاهل المدينة يقال لها بئر اريس فبينما هو جالس على شفتها يأمر بحفرها سقط الخاتم في البئر وكان عثمان يكثر اخراج خاتمه من يده وادخاله فالتمسوه فلم يقدروا عليه فيحتمل ان هذا الخاتم هو الذى كان فصه حبشياً حيث اتى به من الحبشة (جمع ص ۱۷۲) (حضرت عمرو بن سعیدؓ جب حبشہ سے آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا اے عمرو! تیرے ہاتھ میں یہ کیسے انگوٹھی ہے اس نے کہا کہ یارسول اللہ یہ ایک حلقہ (گول چیز) ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس کا نقش کیا ہے عمروؓ نے عرض کیا کہ "محمد رسول اللہ" حضور ﷺ نے ان سے وہ انگوٹھی لے لی اور آپؐ کے پاس ان کی وفات مبارک تک رہی پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر حضرت عمرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر اس کو حضرت عثمانؓ نے پہنا پس اس دوران جبکہ آپؓ مدینہ والوں کے لئے کنواں کھدوا رہے تھے جسے بئر اریس کہا جاتا تھا تو آپؓ کنویں کے کنارے بیٹھے اس کی کھدوائی کا حکم کر رہے تھے کہ اچانک وہی انگوٹھی کنویں میں گر گئی ادھر حضرت عثمانؓ کی عادت تھی کہ انگوٹھی پہنتے اور نکالتے تھے پس اس کو بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی۔ تو اس انگوٹھی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ یہ وہی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا کیونکہ

یہ عمرو بن سعید نے حبشہ سے لائی تھی)

بئر اریس مدینہ منورہ اور قبا کے درمیان ایک کنواں ہے بعض روایات میں ہے کہ وہ کنواں خراب ہو گیا تھا حضرت عثمانؓ اس کی مرمت کرا رہے تھے من پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی ان سے کنویں میں گر گئی اور بعض روایات میں ہے کہ ان کے غلام معیقیبؓ سے گر پڑی یہ انگوٹھی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے دور سے چلی آ رہی تھی وہ اس کی حفاظت کرتے تھے اور مہر لگاتے وقت ان سے طلب کر لی جاتی تھی بظاہر صورت یہ پیش آئی ہو گی کہ انگوٹھی معیقیبؓ محافظ کے ہاتھ میں تھی اور وہ بھی کنویں کے کنارے (من) پر بیٹھے تھے ایک ادھر ایک اُدھر ایک دوسرے کو لیتے دیتے گر گئی ہو گی۔

(۸۷/۴) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّكْتُبَ اِلَی الْعَجَمِ قِیْلَ لَهٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا یَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَیْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِهٖ فِیْ كَفِّهٖ

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا۔ان کو معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اس حدیث کی سماعت حضرت انس بن مالکؓ (خادم رسول) سے کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے۔ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی اب گویا میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔

امراء عجم کو دعوتی خطوط:

قال لما اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...والمراد بالعجم ما عدا العرب فیشمل الروم وغیرھم (مواھب ص۸۷)(یعنی عجم سے مراد عرب کے علاوہ سب ملک مراد ہیں اس لئے روم وغیرہ سب کو شامل ہو گئے) عجمی بادشاہوں کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوتی) خطوط لکھنے کا

ارادہ فرمایا یہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا قصہ ہے تو آپؐ نے مختلف سربراہانِ ممالک کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے ملکِ فارس کے حکمران (کسریٰ) کو عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ خط لے کر گئے روم کے حکمران ہرقل یعنی قیصر کے نام حضرت دحیہ کلبی خط لے کر گئے اور حبشہ کے حکمران اصحمۃ یعنی نجاشی کے نام عمرو ابن امیۃ الضمریؓ خط لے کر گئے۔ واول من ارسل الکتب وختمھا سیدنا سلیمان حین ارسل کتابه الی بلقیس (اتحافات ص ۱۳۴) (پہلا وہ شخص جس نے خطوط مہر شدہ بھیجے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جبکہ اس نے اپنا خط ملکہ بلقیس کو بھیجا)

مہر بنوانے کا مشورہ:

قیل له ان العجم لا یقبلون ... یعنی وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط دستاویزات کو توجہ واعتماد کی حیثیت نہیں دیتے اور جس خط پر مہر ہو وہ اسے قابل احترام اور لائق توجہ سمجھتے ہیں۔

فاصطنع خاتما فالترکیب علی حد قولھم بنی الامیر المدینة والصانع کان یعلی بن امیة (مواھب ص ۸۷) (پس آپؐ نے انگوٹھی بنوائی تو یہاں فاصطنع خاتماً کی ترکیب اور عبارت عرب کے محاورہ بنی الامیر المدینة جیسے ہوئی (یعنی نسبت الی الآمر کے قبیل سے ہوئی) اور حضور ﷺ کے انگوٹھی بنانے والے یعلیٰ بن امیہ تھے) تو حضور اقدس نے ان کا مشورہ قبول فرمایا ویدل علی حسن استماع الرسول صلی اللہ علیه وسلم لمشورة اصحابه وتنفیذھا فوراً فیما یعود علی الاسلام من نفع کبیر او صغیر (اتحافات ص ۱۳۴) (حدیث مذکور اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کے مشورہ کو اچھی طرح سنتے اور اس میں دین اسلام کا تھوڑا بہت نفع بھی ہوتا تو فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے نافذ فرمادیتے) اور اپنے نام مبارک کی انگوٹھی بنوائی جس کی سعادت حضرت یعلی بن امیہؓ کے حصہ میں آئی۔ دارقطنی میں ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے فرمایا انا صنعت للنبی صلی اللہ علیه وسلم خاتما لم یشرکنی فیه احد نقشت فیه محمد رسول اللہ (کہ میں نے حضور ﷺ کے لئے انگوٹھی بنائی اس کے بنانے میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ تھا اس میں ''محمد رسول اللہ'' کا نقش میں نے بنایا۔

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں وفیه ندب معاشرة الناس بما یحبون وترک ما یکرھون واستیلاف

العلو بما لا يضر ولا محذور فيه شرعاً (مناوی ص ۱۷۴) (اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان چیزوں میں جو کہ وہ پسند کرتے ہیں اور چھوڑنا ان کی ناپسندیدہ چیزوں کو اور دشمن کے ساتھ نرمی اور محبت کا ایسا برتاؤ جس میں نہ دین کا نقصان اور نہ کوئی خلاف شرع بات ہو مستحب ہے)

حضرت انسؓ کا اتقان اور کمال استحضار:

فکانی انظر الی بیاضه فی کفه حضرت انسؓ کے دل و دماغ اور ایقان واستحضار اور خلوص ومحبت کا کیا کہیئے گویا اس وقت بھی وہ سفیدی ان کی نگاہوں میں جلوہ آراء ہے۔

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں وفی هذا اشارة الی کمال اتقانه واستحضاره لهذا الخبر حال الحکایة کانه یخبر عن مشاهدة (مواهب ص۸۷) (اور اس میں اشارہ ہے کہ حکایت کرتے وقت بھی وہ خبر اور حدیث اس کو مستحضر اور یاد ہے گویا وہ بالکل مشاہدہ کرکے خبر دے رہا ہے)

اس روایت سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ انگوٹھی تمام کی تمام چاندی سے تھی۔

تنبیہ:

هذا الحدیث رواه جمع منهم ابن عدی عن ابن عباس باتم من هذا ولفظه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اراد ان یکتب کتاباً الی الاعاجم یدعوهم الی الله تعالیٰ فقال رجل یا رسول الله! انهم لا یقبلون الا کتاباً محتوماً فامر ان یعمل له خاتم من حدید فجعله فی اصبعه فاتاه جبریل فقال انبذه من اصبعک فنبذه مِن اصبعه وامر بخاتم آخر یصاغ له فعمل له خاتم مِن نحاس فجعله فی اصبعه فقال له جبریل انبذه فنبذه وامر بخاتم آخر یصاغ له من ورق فجعله فی اصبعه فاقره جبریل (مناوی ص ۱۷۴) (یہ حدیث ایک بڑی جماعت سے مروی ہے جن میں سے ابن عدیؒ نے ابن عباسؓ کے حوالے سے اسے ذرا مفصل بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا جس میں ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا مقصود تھا تو ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے آپؐ نے لوہے کے انگوٹھی بنانے کا

حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا پس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اپنی انگلی سے نکال کر پھینک دے آپؐ نے تعمیلاً وہ پھینک دی اور فرمایا کہ دوسری انگوٹھی تیار کی جائے پھر آپؐ کے لئے تانبے کی انگوٹھی بنائی گئی آپؐ نے اپنی انگلی میں پہنی پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس کو بھی پھینک دے آپؐ نے اس کو بھی پھینک دیا اور ایک اور انگوٹھی چاندی کی بنانے کا حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے برقرار رکھا)

(۵/۸۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيىٰ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَ اَللّٰهُ سَطْرٌ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد بن عبداللہ انصاری نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ثمامہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا اس طرح پر کہ محمدؐ ایک سطر میں تھا رسولؐ دوسری سطر میں لفظ اللہ تیسری سطر میں۔

راویان حدیث (۲۴۹) محمد بن عبداللہ الانصاریؒ (۲۵۰) ابی یعنی عبداللہ بن المثنیؒ اور (۲۵۱) ثمامہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نقش مہر ختم نبوت:

قال کان نقش خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ....

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ظاھر روایۃ البخاری ان محمدافی السطر الاول، ورسول فی السطر الثانی ولفظ الجلالۃ فی السطر الثالث (اتحافات ص ۱۳۵) (بخاری شریف کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''محمد'' پہلی سطر میں اور لفظ ''رسول'' دوسری سطر میں اور لفظ ''اللہ'' تیسری سطر میں)

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مہرِ نبویؐ کی صورت (اللہ / رسول / محمد) کی تھی کہ اللہ کا نام سب سے اوپر تھا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر الفاظ سے (محمد / رسول / اللہ) معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۹/۶) حَدَّثَنَا نَصْرُبْنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ اَبُوْعَمْرٍو اَنْبَأَنَا نُوْحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهٗ فِضَّةٌ وَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ..

ترجمہ! ہمیں نصر بن علی جہضمی ابوعمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس روایت کی خبر نوح بن قیس نے خالد بن قیس کے حوالے سے دی انہوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انسؓ سے سنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور یہ لوگ بدون مہر کے خطوط کو قبول نہیں کرتے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ منقوش تھا۔

راویان حدیث (۲۵۲) نصر بن علی الجہضمیؒ (۲۵۳) نوح بن قیسؒ اور (۲۵۴) خالد بن قیسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو دعوتی خطوط:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسریٰ وقیصر والنجاشی ...

کسریٰ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر ملک روم کے اور نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ کا۔

کسریٰ شاہ فارس کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا کسریٰ نے آپؐ کے والا نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر بددعا فرمائی کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرمادے چنانچہ ایسا ہی ہوا شاہِ روم کے پاس دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا۔ وہ باوجود یقین نبوت کے ایمان نہیں لایا ۔نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ خط لکھا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جن پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی۔ یہ اور نجاشی ہیں ان کے اسلام کا حال جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر وحدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے حدیثِ بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مکتوب مبارک کسریٰ پرویز کے نام:

ایک والا نامہ کسریٰ کے نام ہے فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا اس کسریٰ کا نام پرویز تھا جو نوشیرواں کا پوتا تھا والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد رسول الله الىٰ كسرىٰ عظيم فارس سلام علىٰ من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله ادعوك بدعاية الله فانى انا رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان توليت فان عليك اثم المجوس (زرقانی)

ترجمہ! **بسم الله الرحمٰن الرحيم** کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا اور سردار ہے) سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ' **لاشریک له** کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ شریف) کی دعوت

دیتا ہوں اسلئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اسلئے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تاکہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے اَتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہوگا کہ وہ تیری اقتدار میں گمراہ ہو رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو یہ خط دیکر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعہ سے کسریٰ تک پہنچادیں چنانچہ اسی ذریعہ سے وہاں تک خط لیکر پہنچے کسریٰ نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سنا اور اس کو چاک کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ نے اس کے لئے بددعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتب تواریخ میں مذکور ہے۔

مکتوب مبارک شاہِ روم قیصر کے نام:

دوسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے قیصر کے نام تھا جو روم کا بادشاہ تھا اس کا نام مؤرخین کے نزدیک ہرقل تھا یہ والا نامہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ بھیجا گیا مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور اقدسؐ کے والا نامہ کو نہایت اعزاز واکرام سے رکھا حضورؐ کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لئے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ الیٰ ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثما الیریسین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاارباباً من دو ن اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون .

(بخاری اعلام السائلین (یا اہل الکتاب سے اخیر تک قرآن پاک کا مضمون ہے جو سورۂ آل عمران

کے چھٹے رکوع میں ہے)

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار) ہے سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے حمد وصلوٰۃ کے بعد میں تجھ کو اسلام کے کلمہ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اسلام لے آ تا کہ سلامتی سے رہو اور حق تعالیٰ جل شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے (کہ اہل کتاب کے لئے دوہرا اجر ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سورہ حدید کے ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے (جیسا کہ احبار اور رہبان کو بنایا جاتا تھا اور اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم ان سے کہدو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (ہم تو اپنے مسلک دین اسلام کا صاف اعلان کرتے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام)

حضرت دحیہؓ جب اس والا نامہ کو لیکر گئے اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا بھی وہاں موجود تھا وہ نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کریگا۔ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے اس میں آپ کے نام سے ابتداء نہیں کی اپنے نام سے کی ہے پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جس کے پاس ناموس اکبر (حضرت جبرائیلؑ) آتے ہوں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے اس کے بعد حضرت دحیہؓ کو بڑے اعزاز واکرام سے ٹھہرایا قیصر اس وقت سفر میں تھا واپسی پر اس نے اپنے ارکان وامراء سلطنت کو جمع کیا اور جمع کر کے ان سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر وفلاح ہے اور ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک کے بقا کا ذریعہ ہے بے شک یہ نبی ہیں

ان کا اتباع کرلو اور ان کی بیعت اختیار کرلو اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کے کواڑ بند کرائے گئے تھے اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی وہ لوگ اس قدر متوحش ہوئے کہ ایک دم شور وشغب ہوگیا اِدھر اُدھر بھاگنے لگے مگر کواڑ سب بند تھے دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اس نے سب کو چپ کرایا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو اب مجھے اس کا اندازہ ہوگیا وہ لوگ اس کے سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دیکر رخصت کیا بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما سر پر رکھا اور ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اس سے مشورہ کیا اس نے کہا بے شک یہ نبی آخر الزمان ہیں جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں قیصر نے کہا مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہوجاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کردیں گے اور میری سلطنت جاتی رہے گی۔ (اعلام السائلین)

قیصر روم (ہرقل) کا تجارتی قافلہ سے مکالمہ:

جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذہبی ضرورت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا وہاں مکہ مکرمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا اس نے تحقیق حالات کے لئے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب عمرہ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لئے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانے میں ملک شام میں گیا ہوا تھا کہ اس اثنا میں ہرقل کے نام حضور کا والا نامہ بھی پہنچا جس کو دحیہ کلبیؓ لیکر گئے ہرقل کے پاس جب گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں اس پر ہماری طلبی ہوئی چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کی ہمراہ اس کے پاس گیا اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ

جو نبوت کا دعویدار ہے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے میں نے کہا کہ میں سب میں زیادہ قریب ہوں اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوفِ بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کیا اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کیے۔

ابوسفیان سے سوالات اوران کے جوابات:

س: یہ مدعیٔ نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟ ج۔ ہم میں بڑا عالی نسب ہے
س: ان کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ کوئی نہیں ہوا۔ س: نبوت کے دعوے سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟ ج۔ کبھی نہیں۔ س: ان کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟ ج۔ معمولی درجے کے لوگ۔ س: ان کے متبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟ ج۔ بڑھتا جاتا ہے۔ س: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر کوئی دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟ ج۔ نہیں۔ س: تمہاری ان کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی ہے یا نہیں؟ ج۔ ہوئی ہے۔ س: جنگ کا پانسا کیسا رہا؟ ج: کبھی وہ غالب ہو جاتے کبھی ہم غالب ہو جاتے
س: کبھی انہوں نے بدعہدی کی ہے؟ ج۔ نہیں۔ لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے ملا دوں۔ س: ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ ج۔ نہیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی اس کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے اس پر ہرقل نے کہا کہ جب تم ابتداء کر چکے ہو تو تم زیادہ بدعہد ہوئے۔

ابوسفیان کے جوابات پر ہرقل کا تبصرہ:

اس کے بعد ہرقل نے از سرِ نو سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارہ میں سوال کیا تم نے عالی نسب بتایا انبیاء اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں میں نے پوچھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانے سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں میں نے ان کے متبعین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفاء ہیں یا کمزور لوگ۔

تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں ہمیشہ سے انبیاء کا اتباع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسروں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعویٰ سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں تم نے انکار کر دیا میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر ہی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے تم نے اس سے انکار کر دیا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے جس کی بشاشت دلوں میں گھس جائے میں نے پوچھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔

ایمان کا خاصہ یہی ہے کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا تم نے کہا کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔ انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انہی کے لئے ہوتا ہے میں نے بدعہدی کے متعلق سوال کیا تم نے انکار کیا یہی انبیاء کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بدعہد نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تم نے اس سے انکار کیا میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعویٰ کیا ہو گا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جا چکا ہے۔

بے شک وہ نبی ہیں:

اسکے بعد ہرقل نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا' صدقہ کرنے کا' صلہ رحمی کا' عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں ہرقل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کیے تو وہ بے شک نبی ہیں مجھے تو یہ یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان سے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل و سلطنت کے زوال کے خوف سے جانہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ بلاشبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچنے والی ہے جہاں میں ہوں۔ ہرقل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ یہ اپنی کتاب کا بھی ماہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اسلئے اس کو پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک نلکی میں محفوظ رکھا جو نسلاً بعد نسل اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

مکتوب بنام نجاشی:

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے نجاشی کے نام تھا یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں پہلے کا نام اصحمہ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نے ان کی سلطنت حبشہ میں اس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی ملک الحبشة سلم انت فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن و اشھدان عیسٰی بن مریمؑ روح اللّٰہ و کلمة القاھا الی مریم البتول الطیبة الحصینة فحملت بہ فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق اٰدم بیدہ وانی ادعوک الی اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ والموالاة علی طاعتہ و ان تتبعنی وتومن

بالذی جاء نی فانی رسول اللّٰہ وانی ادعوک وجنودک الی اللّٰہ عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ .

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام ۔تم صلح پسند ہو میں اس اللہ کی تعریف تمھارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بادشاہ سب عیبوں سے پاک ہے ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں) امن دینے والا ہے' نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے)اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے پاک وصاف کنواری مریمؑ کیطرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ بن گئیں ۔حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اوران میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ) کے اپنے دستِ مبارک سے پیدا فرمایا میں تمہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں اوراس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بلاتا ہوں اوراس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میرا اتباع کرو اور جو شریعت میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف تم کو اور تمھارے سارے لشکروں کو بلاتا ہوں میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا ۔تم میری نصیحت قبول کرلو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو ھدایت کا اتباع کرے۔

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اس والا نامہ پر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے بہر حال انہوں نے اس والا نامہ کے جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساٹھ نفر کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ خدمت اقدس میں بھیجا مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں غرق ہوگئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمتِ اقدس میں نہ پہنچ سکا خود ان نجاشی کا وصال بھی حضورؐ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اور حضورؐ نے غائبانہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی مسئلہ کی بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے نزدیک ان کی خصوصیت تھی)

دوسرے نجاشی کے نام مکتوب مبارک:

ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی بادشاہ ہوا اس کے پاس بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والا نامہ ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

ھذا کتاب من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النجاشی عظیم الحبشة سلام علی من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ وشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لم یتخذ صاحبة ولا ولدا وان محمداً عبدہ ورسولہ وادعوک بدعایة اللہ فانی انا رسولہ فاسلم تسلم یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبدالا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولو افقولوا اشھدوا بانا مسلمون فان ابیت فعلیک اثم النصاری۔

ترجمہ! یہ خط اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا سردار ہے سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ذات ہے نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ بیوی ہے اس کے لئے نہ اولاد اور اس کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی پکار یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سلامتی سے رہے گا اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہو تو نصاریٰ کا گناہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ فقط

اس خط میں غالباً حسب معمول بسم اللہ بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے ان نجاشی کے متعلق یہ محقق نہ ہو سکا کہ یہ اسلام لائے یا نہیں ان کا کیا نام تھا اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں چنانچہ بعض روایات میں

نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہے جن کے جنازہ کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہی صحیح ہے اگرچہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا (خصائل)

(۷/۹۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَأَنَا سَعِيْدُبْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ.

ترجمہ! ہمیں اسحٰق بن منصور نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سعید بن عامر اور حجاج بن منہال نے خبر دی انہوں نے یہ روایت ہمام سے اور انہوں نے ابن جریج سے نقل کی ۔ وہ یہ روایت زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے ۔

راویان حدیث (۲۵۵) سعید بن عامرؒ (۲۵۶) حجاج بن منہالؒ اور (۲۵۷) ابن جریجؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

انگوٹھی پہنے ہوئے بیت الخلاء جانے کا حکم:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء ... الخلاء قضاء حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں الخلاء فی الاصل المحل الخالی ثم استعمل فی المحل المعد لقضاء الحاجة (مناوی ص ۱۷۷) (خلاء اصل میں خالی جگہ کو کہتے ہیں پھر عرف میں قضاء حاجت (بول و براز) کی جگہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے) آپؐ کی انگوٹھی کی مہر مبارک میں کندہ الفاظ متبرک تھے وہ اسم معظم بلکہ جملة من القرآن پر مشتمل تھے اسلئے ان کا بیت الخلاء میں ساتھ لے جانا ناپسندیدہ تھا نام معظم کی حرمت، احترام، ادب اور عظمت کی وجہ سے انگوٹھی کو جانے سے پہلے اتار لیتے تھے اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسی انگوٹھی جس میں متبرک نام ہو بیت الخلاء لے جانا مکروہ ہے ۔ بعض نے مکروہ تنزیہی اور بعض نے مکروہ تحریمی

قرار دیا ہے۔

(۸/۹۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَّرِقٍ فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ كَانَ فِيْ يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ بِئْرِ اَرِيْس نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبداللہ بن نمیر نے خبر دی۔ ان کو عبیداللہ بن عمر نے حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضور کے دستِ مبارک میں رہی' پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی' پھر حضرت عمرؓ کے' پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر ان ہی کے زمانے میں بئر اریس میں گر گئی تھی۔ اس انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

راوی حدیث (۲۵۸) عبداللہ بن نمیرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

خاتم نبوی' خلفاء کے پاس:

اتخذ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خاتما من ورق فکان فی یده ... یہ انگوٹھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس کے دو معنیٰ محتمل ہیں ۔ (۱) آپؐ ہاتھ میں پہنتے تھے **کما ذکره المناوی ای فی خنصر یده الیمنی فهو من باب اطلاق الکل وارادة الجزء** (مناوی ص۱۷۸) **وکما یدل علیه الحدیث السابق کان اذا دخل الخلاء نزع خاتمه** (جیسے مناویؒ نے ذکر کیا ہے یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں تو اس صورت میں یہ از باب اطلاق الکل وارادۃ الجزء کے قبیل سے ہوگا یعنی ذکر کل کا اور اس سے مراد جز ہے یعنی یہاں ذکر ہاتھ کا ہے اور مراد انگلی ہے اور جیسے کہ اس پر پہلی حدیث بھی دال ہے کہ جب آپؐ بیت الخلاء جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال لیتے تھے)

(۲) یا وہ آپؐ کے قبضہ تصرف میں تھی حسب ضرورت اس سے مہر لگا لیا کرتے تھے اگلے باب کی

روایت کے مطابق وہ آپ کے بدری صحابی حضرت معیقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی اور آپؐ نے ان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت (تقریباً دو سال تین ماہ) میں ان کے تصرف میں رہی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت (دس سال چھ ماہ) میں ان کے زیر استعمال رہی۔

پھر امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت (بارہ سال) میں چھ سال تک ان کے قبضہ وتصرف میں رہی وثم هنا للتراخي في الرتبة (مواهب ص ۹۰) (ثم یہاں تراخی رتبی کے لئے ہے) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تینوں خلفاء کرام اس خاتم مبارک سے مہر کا کام لیتے تھے اور تبرک کا بھی ای للختم به و للتبرک (مہر اور تبرک کے لئے) امام نوویؒ اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں وفي الحديث التبرک بآثار الصالحين ولبس ملابسهم والتيمن بها (مناوی ص ۱۷۸) (اور حدیث شریف سے تبرک بہ آثار صالحین حاصل کرنا اور ان کے ملابس (انگوٹھی کپڑے وغیرہ) پہننا اور ان سے برکت حاصل کرنا معلوم ہو رہا ہے)

انگوٹھی کا بئر اریس میں گرنے کا واقعہ:

حتى وقع في بئر اريس یہاں تک کہ وہ اریس کے کنویں میں گر گئی مسجد قباء کے قریب اریس کا کنواں ہے۔ هو بستان معروف والبئر قريبة من مسجد قباء وكان سيدنا عثمان جالساً عليها (اتحافات ص ۱۳۷) (یہ ایک مشہور کنواں مسجد قباء کے قریب ہے حضرت عثمانؓ اس کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے) ونسب الى رجل من اليهود اسمه اريس (مواهب ص ۹۰) (اور یہ کنواں یہودیوں میں سے ایک شخص جس کا نام اریس تھا کو منسوب ہے) حضرت عثمانؓ نے مسلسل تین روز تک اس سے پانی نکلوایا اور بالکل تہہ تک صاف کروایا مگر انگوٹھی نہ ملی

شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں۔ وفي وقوعه اشارة الى ان امر الخلافة كان منوطا به فقد تواصلت الفتن وتفرقت الكلمة وحصل الهرج ولذالک قال بعضهم كان في خاتمه صلى الله عليه وسلم مافي خاتم سليمان من الاسرار لان خاتم سليمان لما فقد ذهب ملكه وخاتمه صلى الله

علیہ وسلم لما فقد مِن عثمان انتقض علیہ الامر وحصلت الفتن التی افضت الی قتلہ واتصلت الی اٰخر الزمان (مواہب ص ۹۰) (حضرت عثمانؓ سے انگوٹھی گرجانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت (محفوظہ) اس کے سہارے معلق تھی پس اس کے بعد پے درپے فتنے اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی شروع ہوئی اور خرابی وفسادات پیدا ہوتے گئے اس لئے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی اس انگوٹھی میں وہی اسرار ورموز تھے جو حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی میں تھے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی جب گم ہوئی تو اس کی بادشاہی ختم ہوگئی اور جب حضورﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے گم ہوئی تو اس کی خلافت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی اور ایسے فتنے وفساد شروع ہوئے جن کی نوبت آپؓ کی شہادت تک پہنچی اور پھر آخر تک یہ سلسلہ رہا)

قال جلال الدین السیوطیؒ ولعل سقوط الخاتم مِن ید عثمان ھو سبب مالاقاہ عثمان مِن فتنۃ وبلاء واللہ اعلم (اتحافات ص ۱۳۷) (امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی کا گرنا یہی سبب بنا ان فتنوں اور مصیبتوں کا جو آپؓ کو پہنچیں)

دنیا میں اشیاء کی تاثیر خواص کے اعتبار سے ہے اہل السنّت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے لازم وملزوم کوئی چیز نہیں ورنہ آگ حضرت ابراھیمؑ کو جلادیتی، چھری اسماعیلؑ کو ذبح کردیتی ایسے اسی خاتم نبوی کا خاصہ غلبہء امن وسلامتی تھا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا خاصہ ''سلطنت'' تھا انگوٹھی کے گرنے پر یہی مقدر بعلم اللہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور سے شرور وفتن شروع ہوں گے اسلئے انگوٹھی کو ضائع کروادیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

===================================

باب ما جاء فی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینہٖ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے

گذشتہ باب میں مہر نبوی کی حقیقت اور نقش مہر نبوت کا بیان تھا اس باب میں مہر نبوت کے استعمال کا بیان ہے ومن ھذا الباب بیان کیفیۃ لبسہ (مواھب ص ۹۰) (اور اس باب میں حضور ﷺ کے (انگوٹھی) پہننے کی کیفیت کا بیان ہے)

تختم فی الیمین افضل ہے:

تختم: لبس الخاتم کو کہتے ہیں اس ترجمۃ الباب کے انعقاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک تختم فی یمینہ کی روایات تختم فی الیسار سے راجح ہیں بل قال فی جامعہ روی عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تختم فی یسارہ وھو لا یصح (مواھب ص ۹۰) (بلکہ مصنفؒ نے اپنی تصنیف جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق کہ حضور ﷺ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے کہا کہ یہ غیر صحیح ہے) تاہم جمہور محدثین کے نزدیک تختم فی الیسار کی روایات بھی ساقط الاعتبار نہیں ہیں کہ وہ نا قابل احتجاج ہوں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ ابتداء میں تختم بالیمین کرتے تھے اواخر میں تختم بالیسار ہو گیا اس کا شاہد انہوں نے ایک حدیث پیش کی۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتختم فی یمینہ ثم حول الی یسارہ آخر الامرین (کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر آخر میں ہاتھ کو تبدیل کر دیا) گویا تختم بالیسار ہوا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں فقہاء کرامؒ کا دونوں صورتوں کے جواز پر اجماع ہے اختلاف صرف اولویّت اور افضلیت میں ہے باقی رہا یہ سوال کہ جب آپؐ ہمیشہ تیامن کو پسند فرماتے تھے تو انگوٹھی پہننے میں یسار کو کیوں اختیار کیا گیا تو وجہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ

تزیّن مقصود نہیں ہونا چاہئے یمین میں تو تزیّن کے لئے پہنا جاتا ہے اسلئے آپ نے تختم بالیمین کو ترک فرمایا اور تختم بالیسار کرنے لگے تزیّن سے احتراز کی خاطر نگینہ کو بھی تو اندر کی طرف رکھتے تھے

شعارِ روافض ہونے کی توجیہ کی تردید:

درمختار میں قہستانیؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا روافض کا شعار ہو گیا تھا اسلئے علماء نے کہا کہ اس سے احتراز واجب ہے اور فسّاق کی تشبیہ سے بھی احتراز ضروری ہے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں یہ توجیہ قابل اعتناء نہیں وکونه صار شعار الروافض لا اصل له (مواهب ص ۹۱) (اور یہ کہہ دینا کہ (دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا) روافض کا شعار ہو گیا تھا اس قول کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے)

باب میں نو احادیث ہیں ای باب بیان اخبار الواردة فی ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یلبس الخاتم فی یمینه (مواهب ص ۹۰) (یعنی یہ باب ان احادیث کے متعلق ہے جن میں حضور ﷺ کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان ہے) خلاصہ یہ کہ اس باب میں توسّع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے۔ وکان التختم فی الخنصر فی الحالتین (اتحافات ص ۱۳۸) (اور حضور ﷺ کا انگوٹھی پہننا دونوں حالتوں (چاہے دائیں ہاتھ میں یا بائیں میں) چھنگلی میں ہوتا)

(۱/۹۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَسْكَرِ الْبَغْدَادِيُّ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ نَمِرٍ نَحْوَهٗ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن سہیل بن عسکر بغدادی اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں

کہ ہم کو یحییٰ بن حسان نے اس روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن بلال نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالے سے اس حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابراھیم بن عبداللہ بن حنین سے اورانہوں نے اپنے باپ سے اخذ کی۔ وہ یہ روایت حضرت علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

راویان حدیث (۲۵۹) محمد بن سہل البغدادیؒ (۲۶۰) یحییٰ بن حسانؒ (۲۶۱) سلیمان بن بلالؒ (۲۶۲) شریک بن عبداللہؒ (۲۶۳) ابراھیم بن عبداللہؒ (۲۶۴) عن ابیہ اور (۲۶۵) احمد بن صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک:

کان یلبس خاتمه فی یمینه حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے کیونکہ انگوٹھی پہننا نوعِ تکریم سے ہے لہذا دایاں ہاتھ اس کے لئے بہتر اور زیادہ مستحق ہے لان التختم فیه نوع تشریف وزینة والیمین بهما اولیٰ (مناوی ص۱۸۶) اس لئے کہ انگوٹھی پہننے میں ایک قسم کی شرافت اور زینت ہے اور دایاں ہاتھ ان دونوں باتوں کے ساتھ زیادہ مناسب ہے)

مصنفؒ نے امام بخاری سے نقل کیا ہے ان التختم فی الیمین اصح شئی فی هذا الباب عن النبی صلی الله علیه وسلم (مواهب ص ۹۱) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ سے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اس باب میں زیادہ اصح صورت ہے) اور ظاھر ہے کہ تختم فی الیمین اصح ہے فلاوجه للعدول عن ترجیح افضلیته (مواهب ص ۹۱) (اس کو (دائیں ہاتھ میں پہننے) کی افضلیت کے راجح ہونے میں کوئی وجہ عدول کی نہیں)۔

باقی رہا روایات کا اختلاف تو ان میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کردی گئی ہے کہ (۱) دونوں قسم کے روایات (روایات یمین وروایات یسار) کا تعلق مختلف احوال وحالات سے ہے۔ (۲) یا آپؐ کی دو انگوٹھیاں تھیں جیسا کہ مافصه حبشی (جس کا نگینہ حبشی تھا) اور وما فصه منه (جس کا نگینہ اسی (حلقہ) کے جنس سے تھا) کے درمیان تطبیق کی گئی ہے۔

مذھب مختار اور حافظ عراقی کے اشعار:

ملا علی قاریؒ دائیں ہاتھ میں پہننے کی افضلیت کے قائل ہیں لکھتے ہیں وھو مذھبنا المختار لما تقدم مِن الآثار فعليه الجمهور مِن العلماء الابرار (جمع ص ۱۸۶) (اور یہی ہمارا پسندیدہ مذہب ہے بوجہ ان احادیث کے جو گذر چکی ہیں اس پر ہی جمہور علماء ابرار ہیں)

وقد احسن الحافظ العراقی حیث نظم ذلک فقال

یلبسه کما روی البخاری ۔۔۔ فی خنصر الیمینِ اویسار

کلاهما فی مسلم ویجمع ۔۔۔ بان ذا فی حالتین یقع

او خاتمین کل ذلک بید ۔۔۔ کما بفص حبشیّ قد ورد

(مناوی ص ۱۸۶)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ حافظ عراقیؒ نے بہت اچھا کیا کہ اس کو منظوم کر کے پیش کیا فرماتے ہیں، حضورﷺ انگوٹھی پہنتے تھے جیسے کہ بخاریؒ نے روایت کی ہے دائیں بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں، دونوں روایتیں مسلم شریف میں ہیں اور ان کی تطبیق یہ ہے کہ (دائیں اور بائیں چھنگلی میں پہننا) دو حالتوں میں واقع ہوئی ہیں یا پھر انگوٹھیوں کو ہر ایک ہاتھ میں پہنا ہے جیسے کہ روایتِ فص حبشی وارد ہوئی ہے۔

علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ مردوں کے لئے درمیانی انگلی اور سبابہ میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے اور خنصر میں پہننا سنت ہے جبکہ خواتین کے لئے تمام انگلیوں میں بلا کراہت پہننا جائز ہے۔

دوسری سند سے روایت:

حدثنا محمد بن یحییٰ ... اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے دو اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے پہلی سند محمد بن سہل سے شروع ہو کر حضرت علیؓ پر ختم ہوئی ہے دوسری سند محمد بن یحیٰی سے شروع ہو کر عبداللہ بن ابی نمر تک پہنچتی ہے چونکہ دونوں روایات کا مضمون یکساں ہے اسلئے مصنف علاّمؒ نے دوسری سند کے ساتھ مضمون حدیث نقل نہیں کیا۔

(۹۳/۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ مَنِيعٍ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُبْنُ هَارُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلْمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ اَبِىْ رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِىْ يَمِيْنِهٖ فَسَالْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِىْ يَمِيْنِهٖ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِىْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یزید بن ھارون نے حماد بن سلمۃ کے حوالے سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دیکھا کہ وہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پس میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۶۶) ابورافعؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگوٹھی دائیں ہاتھ کی خنصر انگلی میں پہننا سنت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتختم في يمينه ... اس حدیث کے لانے سے امام ترمذیؒ کی یہی غرض ہے کہ آپؐ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے تاہم ان احادیث سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپؐ دائیں ہاتھ کی کونسی انگلی میں پہنا کرتے ہیں۔

شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں لم يبين في هذه الاحاديث في اى الاصابع وضعه فيها لكن الذى فى الصحيحين تعيين الخنصر فالسنة جعله في الخنصر فقط وحكمته انه ابعد عن الامتحان فيما يتعاطاه الانسان باليد وانه لا يشغل اليد عما تزا وله مِن الاعمال بخلاف مالو كان في غير الخنصر (مواهب ص ۹۱ .. ومناوى ص ۱۸۷) (کہ ان احادیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ آپؐ نے انگوٹھی کو انگلیوں میں سے کونسی انگلی میں پہنا لیکن جو صحیحین میں مذکور ہے اس سے خنصر (چھنگلی) ہی کی تعیین ہوتی ہے۔ پس سنت یہی ہے کہ اس کو صرف چھنگلی میں پہنا جائے اور اس کی حکمت وغرض یہی کہ یہ انگلی ان معاملات میں جو انسان ہاتھوں کے ساتھ کرتا ہے دور رہے گی اور ایسی صورت میں وہ ہاتھ کے کام کرنے میں رکاوٹ بھی نہ ہوگی بخلاف اس وقت کہ جب انگوٹھی خنصر کے علاوہ دوسرے انگلیوں میں ہو

(۹۴/۳) حَدَّثَنَا مُوسیٰ بْنُ یَحییٰ اَنبأنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَیْرٍ اَنبأنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِیْلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِه.

ترجمہ! ہمیں موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کوعبداللہ بن نمیر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابراھیم بن فضل نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے اس روایت کی خبر دی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۲۶۷) ابراہیم بن الفضلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینہ' زاد فی روایۃ ویقول الیمین احق بالزینۃ من الشمال (مواھب ص ۹۲) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھےاور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپؐ فرماتے کہ دایاں زینت کے ساتھ زیادہ حقدار (مناسب) ہے بہ نسبت بائیں کے)ونقل المصنف فی الجامع عن البخاری انہ قال اصح شی ورد فی ھذ االباب ای التختم بالیمین (جمع ص۱۸۷) (اورمصنفؒ نے جامع ترمذی میں بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس باب میں واردشدہ احادیث میں سب سے زیادہ اصح وہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ہے)

اسلئے حافظ ابن حجرؒ جوفن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا وہ یہ کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزون ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزون ہے کہ بائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہے اور احادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

(۹۵/۴) حَدَّثَنَا اَبُوالْخَطَّابِ زِیَادُبْنُ یَحییٰ اَخبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَیْمُوْنٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِه.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن میمون نے خبر دی انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی وہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۲۶۸) ابوالخطابؒ (۲۶۹) عبداللہ بن میمونؒ (۲۷۰) جعفر بن محمدؒ اور (۲۷۱) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینہ ... مضمون حدیث تو وہی ہے جو اس سے قبل روایات میں آ گیا ہے سید اصیل الدین فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہ کہ اس روایت کی اسناد میں لین ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی عبداللہ بن میمون متکلم فیہ ہے امام بخاری نے انہیں ذاھب الحدیث ابوزرعہ نے واھی الحدیث' خود مصنف نے منکر الحدیث' ابوحاتم نے متروک قرار دیا ہے ابن حبان نے کہا لا یجوز الاحتجاج بہ (جمع ص ۱۸۷) مگر اس حدیث کے کثرت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ قوی ہو جاتی ہے لہذا وخرجت عن نکارتہ. (یہ روایت بوجہ شواہد کثیرہ کے منکر ہونے سے نکل گئی) (جمع ص ۱۸۷)

....

(۹۶/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَا اِخَالُهٗ اِلَّا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت جریر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت صلت بن عبداللہ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۷۲) الصلت بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ

فرمائیں۔

قال کان ابن عباسؓ ... صلت بن عبداللہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ظاہر ہے کہ صلت کی ملاقات حضرت ابن عباسؓ سے ہوئی ہوگی تب دیکھا ہوگا لہذا صلت تابعین کے مقام پر فائز ہیں۔

ابن عباسؓ کا معمول:

ولااخاله ... اخال ہمزہ کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر کسرہ سے زیادہ استعمال ہوا ہے اور افصح ہے ظاھر السّیاق ان قائل ذلک ھو الصلت ویحتمل ان یکون لواحد ممن قبله ولم توجد هذه الجملة فی بعض الاصول (جمع ص ۱۸۸) (کہ سیاق کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا یعنی (لا اخالـه قال) کا قائل صلت بن عبداللہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ جو اس سے قبل راوی مذکور ہیں ان میں سے کسی کا قول ہو اور یہ جملہ بعض اصول میں نہیں پایا گیا) ان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا عمل، حضرت محمدؐ کے عمل کے مطابق تھا چونکہ آپؐ کا معمول دائیں ہاتھ کا تھا اسلئے حضرت ابن عباسؓ بھی اتباع سنت میں دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں واخرجه ابوداؤد من الوجه عن محمد ابن اسحق قال رأیت علی الصلت بن عبدالله خاتما فی خنصره الیمنی فقال رأیت ابن عباس ذکره عن النبی صلی الله علیه وسلم (جمع ص ۱۸۸) (اور ابوداؤد نے دوسری سند کے طریق سے محمد بن اسحٰق سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبداللہ کی دائیں چھنگلی میں انگوٹھی دیکھی تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ اس حالت کو (یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہننا) حضور ﷺ سے نقل کرتے تھے)

(۶/۷۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ اَبِی عُمَرَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَیُّوبَ بْنِ مُوْسیٰ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ وَجَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا یَلِیْ کَفَّهٗ وَنَقَشَ فِیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَنَهٰی اَنْ یَّنْقُشَ اَحَدٌ عَلَیْهِ وَهُوَ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ مُعَیْقِیْبٍ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسَ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم کو سفیان نے ایوب بن موسیٰ اور انہوں نے نافع کے واسطہ سے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا اس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا تھا اور لوگوں کو منع فرمایا دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے یہ وہی انگوٹھی تھی جو معیقیب سے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بئر اریس میں گر گئی تھی۔

راویان حدیث (۲۷۳) ابن ابی عمرؒ اور (۲۷۴) ایوب بن موسیٰؒ کے حالات ''تذکرہ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک تعارض میں تطبیق:

اتخذ خاتمامِن فضة الخ وفی روایة اتخذ خاتما مِن فضةٍ روایت باب کے الفاظ ہیں وجعل فصه مما یلی کفه' وفی روایة لمسلم ممایلی با طن کفه یعنی ہتھیلی کی پیٹ کی طرف رکھا ہوا تھا وھی تفسیر لـلاولیٰ (مواھب ص ۹۲) (کہ حضور ﷺ نے اس کے نگینے کو ہتھیلی کی جانب رکھا اور مسلم کی روایت میں مما یلی باطن کفه ۔۔۔اور یہی پہلے معنیٰ کی وضاحت ہے) ابوداؤد کی ایک روایت سے ہاتھ کی پشت کی طرف نگینہ کا ہونا ظاہر ہوتا ہے مِن روایة الصلت بن عبدالله قال رایت ابن عباس یلبس خاتمه ھکذا وجعل فصه علی ظھرھا (مواھب ص ۹۲) (اور صلت بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ اپنی انگوٹھی اس طرح پہنتے تھے اور اس نے اس کے نگینہ کو ہاتھ کی پشت پر کیا ہوا تھا)

دونوں روایات میں محدثین کرامؒ نے توفیق و تطبیق کی ہے علامہ البیجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کبھی تو ہتھیلی کی طرف اور کبھی ہاتھ کی پشت کی طرف انگوٹھی کا نگینہ ہوتا وقد یجمع بما قاله الزین العراقی مِن انه وقع مرة ھکذا ومرة ھکذا (مواھب ص ۹۳) (اور ان کی تطبیق کی صورت وہ ہو سکتی ہے جو علامہ زین العراقیؒ نے کہا کہ کبھی ایسے واقع ہوا (یعنی ہتھیلی کی جانب نگینہ تھا) اور کبھی ویسے ہوا کرتا کہ (پشت کی جانب نگینہ ہوتا)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ہتھیلی کی طرف اس کے ہونے کی روایت اصح ہے اور افضل ہے امام نوویؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں بانہ ابعد عن الزھو والعجب (مواھب ص ۹۲) (کہ یہ حالت اور صورت فخر وریاء اور عجب سے زیادہ بعید ہوتی ہے)

مرد وخواتین کے لئے انگوٹھی استعمال کرنے کا سنت طریقہ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلی) میں پہننا سنت ہے اور اس کے سنت ہونے پر سب کا اجماع ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی سب سے چھوٹی انگلی میں ہونی چاہئے اور نگینہ مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ اس کا پہننا زینت کے لئے ہوتا ہے۔

مہرِ نبوت کا استعمال دوسروں کے لئے ممنوع قرار دیا:

ونھی ان ینقش احد علیه ... ذوق اتباع اور شوق اطاعت اور کمال عشق ومحبت میں ایسا نہ ہو کہ سب انگوٹھیاں بنا کر مہر نبوت اس میں کندہ کر کے مہریں لگاتے پھریں کہ اصل مہر خلط ملط اور مشکوک ہو جائے۔ والحکمة فی النھی عن ذلک انه لو نقش غیرہ مثله لادی الی الالتباس والفساد (مواھب ص ۹۳) (اور اس سے (انگوٹھی کی مہر میں محمد رسول اللہ کندہ کرانے) منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر آپؐ کے علاوہ باقی لوگ بھی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ کندہ کروانا شروع کر دیں تو پھر التباس (خلط ملط) اور فساد پر منتج ہوتا)

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اتخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خاتما مِن فضة ونقش فیه محمد رسول اللّٰہ وقال انی اتخذت خاتما مِن ورق ونقشت فیه محمد رسول اللّٰہ فلا ینقش احد علی نقشه (مواھب ص ۹۳) (کہ نبی علیہ السلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ فرمایا کہ میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ بھی کندہ کروائے ہیں اس لئے کوئی شخص بھی (اس جیسے الفاظ) انگوٹھی پر کندہ نہ کروائے) اور بعض روایات میں جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو مہر نبوت کے الفاظ اپنی انگوٹھی میں کندہ

کرنے کی اجازت دیدی تھی وھو غیر ثابت وبفرض ثبوته فهو قبل النهی وان النهی خاص بحیاته صلی اللہ علیہ وسلم (مواھب ص ۹۳) (یہ بات ثابت نہیں اور بالفرض اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو وہ (حضرت معاذ کو اجازت) آپؐ کے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اور یہ نہی حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھی)

وھو الذی سقط ... اس کی بحث تفصیل سے گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے تاہم اتنی بات یاد رہے کہ انگوٹھی کس سے گری اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے گری اور بعض میں ہے کہ حضرت معیقیبؓ سے گری محدثین تطبیق فرماتے ہیں کہ بئر اریس کے من پر بیٹھے وہ حضرت عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا ان سے لے رہے تھے کہ انگوٹھی پھسل گئی اور کنویں میں گر گئی

(۹۸/۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِيْ يَسَارِهِمَا .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حاتم بن اسمٰعیل نے خبر دی انہوں نے جعفر بن محمد سے یہ روایت نقل کی جنہوں نے یہ حدیث اپنے باپ امام باقرؒ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنھما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

حدیث باب اور ترجمۃ الباب:

کان الحسن والحسین رضی اللہ عنھما یتختمان فی یسارھما یعنی حضرات حسنینؓ انگوٹھیاں بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے بظاہر یہ حدیث ترجمۃ الباب کے خلاف ہے شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ترجمۃ الباب کے خلاف روایت کے اندراج سے اس روایت کے ضعف اور اس سے استدلال کرنے والوں کے مسلک ضعیف کو اشارہ ہے۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں بندہ ناچیز کے نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لئے اوراس نوع کی روایات بیان جواز کے واسطے ہیں (خصائل)

(۳) ترجمۃ الباب میں حضرات محدثین کے طریقہ کے مطابق کلمہ ام فی یسارہ محذوف ہے اگر اسی توجیہ کوتسلیم کرلیا جائے تو کوئی روایت بھی ترجمۃ الباب کے خلاف نہ ہوگی۔

(۸/۹۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَهُوَابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا عَبَّادُبْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِىْ يَمِيْنِهٖ.

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عُرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوٰى بَعْضُ اَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمَ فِىْ يَسَارِهٖ وَهُوَ حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ اَيْضًا ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عیسیٰ طباع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت عباد بن عوام نے سعید بن ابی عروبۃ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور حضرت انسؓ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

راویان حدیث (۲۷۵) محمد بن عیسیٰؒ (۲۷۶) عباد بن عوامؒ اور (۲۷۷) سعید بن عروبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ترمذیؒ کی تحقیق:

قال ابو عیسیٰ! امام ترمذیؒ اپنی تحقیق سے محدثین اور فقہاء اور طلباء حدیث کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔

مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے یہاں پر امام ترمذیؒ اپنی تحقیق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں حضرات محدثین اسناد حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کے بھی ہر ہر لفظ پر نظر رکھتے ہیں کہ کونسی حدیث میں کونسا مضمون صحیح ہے اور کونسا مضمون مطلوبہ معیار سے کمزور ہے اگرچہ بائیں ہاتھ کی احادیث بھی مسلم وابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔

چنانچہ امام نوویؒ دونوں قسم کی روایات (یمین ویسار) کو صحیح بتاتے ہیں مگر باوجودیکہ متنِ حدیث صحیح ہے مگر خاص اصول اور قواعدِ تحقیق کے وہ معیار پر پورا نہیں ہوتیں تو پھر اسی خاص اصول اور طریقہ حدیث پر محدثینؒ کلام کرتے ہیں چنانچہ قال ابوعیسیٰ سے امام ترمذیؒ نے بھی کلام کیا ہے۔

(۹/۱۰۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا اَلْبَسُهٗ اَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن عبید اللہ المحاربی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد العزیز بن ابی حازم نے بیان کی انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن عقبۃ سے اور انہوں نے نافع سے اخذ کی۔

وہ یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی جس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے صحابہؓ نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منسوخ ہونے کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔

راویان حدیث (۲۷۸) محمد بن عبید المحاربیؒ اور (۲۷۹) عبد العزیز بن ابی حازمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی حرمت پر اجماع:

مضمون حدیث ترجمہ میں واضح ہے اور اس سے قبل بھی مضمون حدیث ذکر ہوتا رہا حضورؐ بھی اور آپؐ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننے لگے ایک روز آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے کہ مردوں کے لئے وحی کے ذریعہ سونے کی حرمت کا اعلان آ گیا تو آپؐ نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور اعلان فرمایا لا البسه ابدا (میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا) تو دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں اتار پھینکیں اور کمال اتباع کا ثبوت دیا۔

ایک دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک ہاتھ میں سونا لیا اور ایک ہاتھ میں ریشم لیا اور ارشاد فرمایا هذان حرامان علی ذکور امتی ای حل لاناثها یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور میری امت کی عورتوں پر حلال ہیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں حکی النوویؒ الاجماع علی تحریمه (اتحافات) (امام نوویؒ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے) سونے کے (مردوں کے لئے حرام ہونے پر) اجماع ہے فتحریم التختم بالذهب مجمع علیه الآن فی حق الرجال کما قاله النوویؒ الا ماحکی عن ابن حزم انه اباحه واما حکی عن بعضهم انه مکروه لا حرام قال وهذان باطلان وقائلهما محجوج بالاحادیث التی ذکرها مسلم مع اجماع من قبله علی تحریمه (مواهب ص ۹۴) (اب اس وقت مردوں کے حق میں سونے کی انگوٹھی بنانے کی حرمت متفق علیہ ہے جیسے کہ امام نوویؒ نے فرمایا مگر صرف امام ابن حزمؒ کہ اس نے اس کو مباح کہا ہے اور وہ جو بعض لوگوں سے یہ منقول ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں (اس پر کہتے ہیں) کہ یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور ان قائلین کے خلاف ان احادیث سے استدلال کیا گیا جن کو امام مسلمؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور بوجہ اجماع ہو جانے اس کی حرمت پر) ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ سونے کی حرمت جمیع الاحوال میں قائم ہے اگر کسی پر اچانک جنگ آ جائے اس کے لئے بھی پہننا اسی طرح حرام ہے جس طرح عام حالات میں حرام ہے اذا لا تعلق له بالحرب بخلاف الحریر (مواهب ص ۹۴) (اس لئے کہ اس کا (سونے کا) تعلق جنگ سے نہیں بخلاف ریشم کے)

باب ماجاء فی صفة سیف رسول الله صلی الله علیه وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں

صفة کا معنیٰ بیان کرنا' تعریف کرنا' وَصَفَ' یَصِفُ وصفاً وصِفة (یہ ضرب یضرب کے باب کا مصدر ہے اس کی ماضی، مضارع، مصدر بروزن وصف یصف وصفاً وصفة آتا ہے) صفت! وصف 'کشف اور تبیین کو کہتے ہیں والمراد بصفة السیف حالته التی کان علیها (اتحافات ص ۱۴۴) (اور تلوار کی صفت اور بیان سے اس کی وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جس پر وہ تھی) مصنفؒ نے آلاتِ حرب میں اولاً سیف سے آغاز فرمایا لانه انفعها و ایسرها و اغلبها استعمالا (جمع ص ۱۹۲) (اس لئے کہ جنگی ساز و ساماں میں سے یہ زیادہ نافع آسان اور استعمال کے لحاظ سے غالب ترین چیز ہے)

باب الخاتم کے بعد باب السیف کا انعقاد بھی اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص اسوہ حسنہ' نظام العمل' اجتماعی قیادت وسیادت اور نظمِ ریاست کے قیام واستحکام کے لئے ایک خاص دستور السلطنت دیا تھا کہ اولاً سلاطین اور سربراہانِ مما لک کو دعوتی' اصلاحی اور تبلیغی خطوط ارسال کیے جائیں ان خطوط کی عظمت واہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان پر مہر لگادی جائے اگر وہ اسلام قبول کریں' آپ ؐ کی نبوت کو تسلیم کرلیں تو انہیں اپنی حالتِ حکومت پر برقرار رکھا جائے بصورت دیگر جب وہ انکار کردیں تو طاقت' قوت' جہاد اور تلوار سے غلبہ اسلام کی جدوجہد کی جائے اشارة الی انه دعاهم الی الاسلام اولاً فلما امتنعوا حاربهم (جمع ص ۱۹۲) (یہ اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے تو آپ ؐ نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی اور جب انہوں نے اس سے انکار کیا تو

پھران سے جہاد اور جنگ کی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواریں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں تھیں (۱) الماثور وھواول سیف ' ملکہ عن ابیہ (۲) القضیب (۳) القلعی ' نسبۃ الی قلع ' موضع بالبادیۃ (۴) البتار (۵) الحتف (۶) المخذم بکسر المیم (۷) الرسوب (۸) الصمصامۃ (۹) اللحیف (۱۰) ذوالفقار بفتح الفاء وکسرھا لان فی ظھرہ فقرات (ای حفر صغار) کفقرات الظھر (اتحافات ص ۱۴۴) (جن کے نام یہ ہیں (۱) ماثور یہ پہلی وہ تلوار جس کے آپؐ آباء واجداد سے وارث ہوئے (۲) قضیب (۳) قلعی وہ منسوب قلع جو جنگل میں ایک جگہ کا نام ہے (۴) البتار (۵) حتف (۶) مخذم (میم اول کے کسرہ کے ساتھ) (۷) رسوب (۸) صمصامہ (۹) لحیف (۱۰) ذوالفقار (فاء کا کسرہ اور فتح دونوں پڑھے جا سکتے ہیں) اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں پشت (پیٹھ) کی طرح جوڑ تھے اس لئے اس کو ذوالفقار کہا جاتا تھا) اس تلوار میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے حضور اقدس ﷺ نے یہ تلوار حضرت علیؓ کو مرحمت فرمائی تھی اور جس وقت مکۃ المکرمہ فتح ہوا تو آپؐ کے ہاتھ میں یہی تلوار تھی۔ یہ ذوالفقار وہی تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نفل جنگ بدر میں لی تھی اور یہی وہ تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے وقت ایک خواب اس سلسلہ میں دیکھا تھا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں واخرج ابن سعد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنفل سیفا لنفسہ یوم بدر یقال لہ ذوالفقار وھو الذی رای فیہ الرؤیا یوم احد (جمع ص ۱۹۳) (اور مؤرخ ابن سعد ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بدر کے (فتح) کے دن اپنے لئے بطور نفل کے ایک تلوار لی تھی جسے ذوالفقار کہا جاتا تھا اور یہ وہی تلوار تھی جس کے متعلق آپؐ نے جنگِ احد کے وقت ایک خواب دیکھا تھا (کہ اس کی دھار میں ٹوٹ پھوٹ ہے)

دو معجزاتی تلواریں "العون" اور "العرجون":

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید دو تلواریں معجزانہ شان کی مظہر تھیں (۱) العون (۲) العرجون

غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہؓ حاضر خدمت ہوئے عرض کیا تلوار ٹوٹ گئی۔تو آپؐ نے جزل حطب یعنی ایک خشک شاخ ان کو عطا فرمائی اور حکم فرمایا اضرب به کہ جاؤ اور جہاد کرو فعاد فی یدہ سیفاً صارما طویلاً ابیض شدید المتن فقاتل به ثم لم یزل عندہ یشهد به المشاهد الی ان استشهد (مواهب ص ۹۵) پس جب وہ خشک لکڑی (چھڑی) ان کے ہاتھ میں گئی وہ ایک نہایت شاندار لمبی چمکدار مضبوط اور تیز تلوار بن گئی تو انہوں نے اس کے ساتھ قتال کیا پھر وہ ان کے پاس رہی اور ہمیشہ اس کے ساتھ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قتال اہل ردۃ میں شہید ہو گئے ۔

وکان هذا السیف یسمی العون اس تلوار کا نام العون تھا اسی طرح جنگ احد میں لڑتے لڑتے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ٹوٹ گئی فاعطاہ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عسیباً مِن نخلٍ فرجع فی یدہ سیفاً (مواهب ص ۹۵) آپؐ نے ان کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جب وہ ان کے ہاتھ میں گئی تو نہایت عمدہ تلوار بن گئی اس کا نام عرجون تھا اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ زندگی بھر اسی سے جہاد کرتے رہے۔

(۱/۱۰۱)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَخبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ اَنْبَأَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ قَبِيْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن بشار نے بیان کی انہوں نے یہ حدیث وہب بن جریر سے اخذ کی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی انہوں نے حضرت قتادہ سے اور قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

لفظِ قبیعة کی تشریح:

قال کان قبیعة سیف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مِن فضة

قبیعة'لفظِ طبیعة کے وزن پر ہے تلوار کے قبضہ پر چاندی یا لوہے کی گرہ کو قبیعة کہتے ہیں جسے عموماً بندِ

شمشیر بھی کہا جاتا ہے اس کا مادہ قبع ہے بمعنی ٹوپی کے، تلوار کو جہاں سے پکڑا جاتا ہے مقبض کہلاتا ہے نیچے کے حلقے کو شارب کہتے ہیں مقبض اور شارب کے نیچے پستان نما زائد قطعہ کو قبیعة کہتے ہیں۔

علامہ طیبیؒ نے فرمایا قبیعة وہ ہے جو قبضہ کے اس جانب کی طرف ہو جو دھار کی طرف ہوتا ہے چاندی کا ہو یا لوہے کا۔ القبیعة ما علی رأس مقبض السیف مِن فضة اوحدید او غیرهما كذا قاله الجوهری (اتحافات ص ۱۴۵) (قبیعہ وہ ہے جو تلوار کے پکڑنے کی جگہ کے شروع میں ہو چاہے چاندی کا یا لوہے کا یا کسی دوسری (دھات) کا ہو۔ اسی طرح امام جوہریؒ نے کہا ہے) سیف سے مراد وہ تلوار ہے جس کا نام ذوالفقار ہے وکان لا یکاد یفارقه (مواهب ص ۹۵) (اور حضور ﷺ اس کو ہمیشہ ساتھ ہی رکھتے تھے)

اس خبر میں تو صرف قبیعة کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے ابن سعد عن عامر کی روایت میں ہے قال اخرج الینا علی بن الحسین سیف رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا قبیعته مِن فضة وحلقته مِن فضة اور جعفر بن محمد عن ابیه کی روایت ہے کان نعل سیف رسول الله ای اسفله وحلقته وقبیعته مِن فضة. (مناوی ص ۱۹۳) (کہ حضرت علی بن حسینؓ ہمارے پاس حضور ﷺ کی ایک تلوار لائے کہ اس کا قبیعہ چاندی کا اور حلقہ چاندی کا۔۔۔ کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کا نعل یعنی اس کا نچلا حصہ اور حلقہ اور قبیعہ چاندی سے تھے)

(۲/۱۰۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِیْدِبْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ کَانَتْ قَبِیْعَةُ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاذ بن ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انہوں نے سعید بن ابی الحسن (بصری) سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی مُٹھ چاندی کی تھی۔

راوی حدیث (۲۸۰) سعید بن ابی الحسنؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

مردوں کے لئے آلاتِ حرب میں چاندی کا استعمال:

مضمونِ حدیث تو پہلی حدیث والا ہے دونوں احادیث کا مدلول یہ ہے تحلية آلة الحرب بفضة (کہ جنگی ساز وسامان کو چاندی کے ساتھ مزیّن کرنا) مردوں کے لئے جائز ہے سونے کے ساتھ جائز نہیں والتحلية بذلك من خصائص الامة المحمدية العظيمة (اتحافات ص ۱۴۵) (اور چاندی کے ساتھ مزیّن کرنا بھی امت محمدیہ کی بڑی خصوصیات میں سے ہے)

(۳/۱۰۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُبْنُ صُدْرَانَ الْبَصْرِيُّ اَخْبَرَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ عَنْ هُوْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ! ہمیں ابوجعفر محمد بن صدران بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی طالب بن حجیر نے بواسطہ ہود کے جو عبداللہ بن سعید ہیں وہ اپنے نانا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا طالبِ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی تو انہوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

راویان حدیث (۲۸۱) ابوجعفر محمد بن صدران البصریؒ (۲۸۲) طالب بن حجیرؒ (۲۸۳) ہود بن عبداللہؒ اور (۲۸۴) جدہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تلوار میں سونے کے استعمال کا حکم:

جمہور علماء کے نزدیک تلوار میں سونا لگانا ممنوع ہے بظاہر اس روایت باب سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے جمہور محدثین وفقہاء کہتے ہیں کہ یہ حدیث استعمال ذہب کے جواز کے لئے مستدل نہیں بن سکتی جس کے متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) محدثین نے اس روایت کو ضعیف بتایا ہے هـذا الحديث ضعيف كما قاله القطان بل منكر فلا تقوم به الحجة على حل التحلية بالذهب (مواهب ص ۹۶) (یہ حدیث ضعیف ہے جیسے کہ امام قطانؒ کہتے ہیں بلکہ منکر ہے اس لئے اس حدیث سے سونے کے ساتھ کسی چیز کو مزین اور خوبصورت بنانے پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی)

(۲) علامہ تور بشتیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے وقال التور بشتي هذا الحديث لا يقوم به حجة اذليس له سند يعتمد به (جمع ص ۱۹۴) (تور بشتیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل اور حجت نہیں بن سکتی اس لئے کہ اس کی کوئی ایسی سند نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے)

(۳) یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح الخ مكة المكرمة کو فتح کر کے بحیثیت فاتح داخل ہوئے یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کا ہے اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت نصب تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں چھڑی تھی اور ہر ایک بت پر آیت کریمہ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل ہمیشہ مٹے گا) پڑھ کر چھڑی سے اشارہ فرماتے تو وہ گر جاتا چونکہ یہ فتح کا موقع تھا تو کہا جاسکتا ہے کہ فضة ملمعّ بالذهب تھی خالص سونا نہیں تھا۔ بہر حال جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک تلوار میں سونے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۴) چونکہ سونا ممنوع تھا اس لئے راوی نے بھی صرف چاندی کی تحقیق کی کہ وہ کس جگہ تھی سونے کے متعلق پوچھا تک نہیں کہ وہ کہاں تھا ولعل السوال حين كان عن الفضة دون الذهب فيه اشارة لذلک (اتحافات ص ۱۴۷) (اور جب کہ سوال صرف چاندی سے تھا نہ کہ سونے سے تو یہ بھی خود اس طرف اشارہ ہے (کہ سونا ممنوع تھا)

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ قبیعۃ تو چاندی کا تھا موضع ذھب مقبض سے اوپر تھا جس میں احتمال ہے کہ مسمار (میخیں) سونے کے ہوں جس کی فقہاء اجازت دیتے ہیں واللہ اعلم۔

(۴/۱۰۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ اَخْبَرَنَا اَبُوْعُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِيْ عَلٰى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ اَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلٰى سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا .حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِنَحْوَهُ

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن شجاع بغدادی نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعبیدۃ حداد نے عثمان بن سعد کے حوالے سے خبر دی اورانہوں نے یہ روایت ابن سیرین سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃؓ کی تلوار کے موافق بنوائی اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے اور وہ قبیلہ بنوحنیفہ کی تلواروں کے طریق پرتھی۔

راویان حدیث (۲۸۵) محمد بن شجاع البغدادیؒ (۲۸۶) ابوعبیدہ الحدادؒ اور (۲۸۷) عثمان بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ حنفیاً کی تشریح:

وکان حنفیاً الخ حنفیا قبیلہ بنوحنیفہ کی طرف نسبت ہے مسیلمہ کذاب اس قبیلہ سے تھا یہ لوگ تلواروں کے عمدہ بنانے میں مشہور تھے اس سے قبل بھی کان حبشیاً گذرا ہے جس کا ایک معنیٰ ہم نے ''حبشی الصفة'' کیا تھا یہاں بھی مراد یہ ہے کہ بنوحنیفہ کی صنعت والی' ان کی بنائی ہوئی۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں فیحتمل ان صانعه کان منهم ویحتمل انه اتی به من عندهم وهذه الجملة مِن کلام سمرة فیما یظهر ویحتمل انها مِن کلام ابن سیرین علی الارسال (مواهب ص۹۶) (پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا کاریگر بنوحنیفہ میں سے تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تلوار ان کے ہاں سے لائی گئی ہو، بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ سمرۃ کے کلام سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ابن سیرین کا کلام بصورت حدیثِ مرسل ہو)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں قال المؤلف فی جامعه هذا حدیث غریب لانعرفه الا مِن هذا الوجه (جمع ص۱۹۵) (اور مصنفؒ نے اپنی جامع میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو بغیر اس سند کے نہیں

جانتے ہیں)

روایت مذکورہ کو مصنفؒ نے دوسری سند سے بھی نقل فرمایا ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس عقبۃ بن مکرم بصری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس محمد بن بکرؒ نے عثمان بن سعد کے حوالہ سے اس جیسی خبر دی۔ محمد بن بکر کے بعد روایت سابقہ ہی کے راوی ہیں۔

باب ماجاء فی صفة درع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

ترجمہ! باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کے بیان میں

لفظِ درع کی تشریح:

لفظِ دِرع (دال کے کسرہ کے ساتھ) مذکر بھی آتا ہے اور مونث بھی، اس کی جمع دروع آتی ہے یہاں پر مضاف مقدر ہے ای فی صفة لبس درعه (یعنی زرہ کے پہننے کی صفت کے بیان میں تو گویا (لبس) مضاف محذوف ہے) تاکہ ترجمۃ الباب دونوں حدیثوں کے مطابق ہو جن میں نفس درع کی صفت کا بیان نہیں ہے بلکہ صفت لبس درع کا بیان ہے ھی جبة مِن حدید تصنع حلقاً حلقاً وتلبس للحرب (مواھب ص۹۷) (درع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ زرہ لوہے کی ایک قمیص ہے جسے حلقہ حلقہ یعنی کنگنیوں کی شکل میں بنایا جاتا ہے اور جنگ میں (حفاظت) کے لئے پہنا جاتا ہے) جسے ہم اردو میں زرہ کہتے ہیں یہ لوہے کی قمیص ہے جسے جنگجو لڑائی میں حفاظت کے لئے پہنتے ہیں تاکہ دشمن کے وار کے وقت جسم براہ راست متاثر نہ ہو بلکہ زرہ اس کے لئے مانع ہو اور جسم اسکی زد سے محفوظ رہے یلبس علی الصدر للوقایة مِن ضربات السلاح (اتحافات ص۱۴۸) (یہ ہتھیاروں کے وار سے بچنے کے لئے سینے پر پہنا جاتا ہے).

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں کا بیان:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ میں زرہ پہنی ہے کان درع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لها حلقتان مِن فضة عند موضع الثدی اوقال عند موضع الصدر وحلقتان خلف ظهره (اتحافات

ص ۱۴۸)(اور نبی کریم ﷺ کے زرہ کے دو حلقے (کنگنیاں) پستان کی جگہ یا یہ کہا کہ سینے کی جگہ تھیں اور دو حلقے پیٹھ کے پیچھے تھے) بلکہ احادیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں متعدد زرہیں استعمال کی ہیں جن میں سے سات کے نام گنوائے گئے ہیں۔

(۱)ذات الفضول ! اس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے سمیت بذلک لطولها وهی التی رهنها عند ابی الشحم الیهودی (مواهب ص۹۷) وذكروا ان سعد بن عبادة اهداها للنبی صلی الله علیه وسلم یوم بدر (اتحافات ص۱۴۸)(۲) ذات الوشاح (۳)ذات الحواشی (۴) فضة(۵)السُّغدیه ! قیل هی درع سیدنا داؤد علیه السلام التی لبسها لقتال جالوت (۶) البتیراء (۷) الخرنق (مواهب ص۹۷) ((۱) ذات الفضول ..... اس کو اس نام سے بوجہ اس کے لمبے ہونے کے مسمیٰ کیا جاتا تھا اور یہ وہی زرہ ہے جس کو آپؐ نے ابوشحم یہودی کے پاس بطور رہن رکھا تھا اور مؤرخین نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہی زرہ سعد بن عبادہؓ نے بدر کے دن حضور ﷺ کو بطور ہدیہ دی تھی)

(۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) فضّه (۵) سُغدیه بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی اور جالوت کے ساتھ جنگ کے لئے اس کو پہنا تھا (۶) بتیراء (۷) خرنق)

اس باب میں دو احادیث ہیں جن میں آپؐ کے زرہ پہننے کا بیان ہے ای باب بیان الاخبار الواردة فی صفة درع رسو ل الله صلی الله علیه وسلم (مواهب ص۹۷) (یعنی باب حضور ﷺ کے زرہ کے اوصاف کے متعلق واردشدہ احادیث کے بیان میں)

....

(۱/۱۰۵) حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدِ الْاَشَجُّ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَحْيىٰ بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَاَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسعید عبداللہ بن سعید اشج نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے خبردی۔ انہوں نے یہ روایت یحیٰی بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے ان کے والد اور دادا کے واسطہ سے اخذ کی۔ تو حضرت زبیر بن العوامؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر احد کی لڑائی میں دو زرہ تھیں (ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی اور دو زرہوں کا وزن نیز غزوہ احد میں وہ تکلیفیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی کہ جن کی وجہ سے چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا تھا غرض ان وجوہ سے) حضورؐ اس چٹان پر نہ چڑھ سکے اسلئے حضرت طلحہؓ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعہ سے اس چٹان پر چڑھے۔ زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کر لیا۔

راویان حدیث (۲۸۸) ابوسعید عبداللہ بن سعید الاشجؒ (۲۸۹) یونس بن بکیرؒ (۲۹۰) یحیٰی بن عبادؒ (۲۹۱) ابیہ (۲۹۲) جدہ عبداللہ بن الزبیرؓ اور (۲۹۳) الزبیر بن العوامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ احد' حضرت طلحہؓ اور دو زرہیں:

کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یو م احد درعان ... حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے روز اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں آپؐ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پا رہے تھے یوم احد' احد پہاڑ سے منسوب جنگ ہے عرب حسب عادت اپنی لڑائیوں کو امکنۃ اور ازمنۃ کی طرف منسوب کرتے تھے احد بھی ایک پہاڑ ہے جن کی طرف یہ جنگ منسوب ہے جو ۳ھ میں قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑی گئی۔

جنگ احد میں معاملہ بہت سخت تھا تین ہزار کفار کے لشکر جرار نے یلغار کر دی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کے بعد شہر سے باہر جبل احد کے دامن میں کفار کو روک کر یہ جنگ کی یہی وہ موقع تھا کہ منافقین نے بھی دھوکہ دیا اور تیراندازوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی آپؐ کو اگرچہ زرہ پہننے کی ضرورت نہ تھی مگر تعلیم امت کے لئے ظاہری اسباب اختیار فرمانا بھی

ضروری تھا چنانچہ آپؐ نے ذاتی دفاع کے لئے دو زرہیں (ذات الفضول اور فضة) پہنی ہوئی تھیں اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حسب ضرورت اسلحہ کا استعمال جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔ اسی غزوہ میں آپؐ شدید زخمی ہوئے آپ کے سر اور پیشانی مبارک سے کافی خون بہا کہ پتھر لگا تھا' دانت مبارک ٹوٹے' نچلا ہونٹ مبارک زخمی ہوا' چہرہ مبارک زخمی ہوا' گال مبارک میں زرہ کی کڑی دھنس گئی ووقع فی حفرة من الحفر التی عملها ابو عامر لیقع فیها المسلمون (اتحافات ص ۱۴۹) (اور آپؐ غاروں میں سے ایک غار میں گرے جن کو ابو عامر نے اس لئے کھودا تھا کہ اس میں مسلمان گریں) یہاں تک کہ ابن قمئة نے بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ قتل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپؐ کسی بلند چٹان پر چڑھ جائیں تا کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کو دیکھ لیں اور ان کو آپ کی حیاتِ طیبہ کا یقین ہو جائے آپؐ نے چٹان پر چڑھنا چاہا۔ فلم یستطع لثقل الدرعین و کثرة جهده (اتحافات ص ۱۴۹) (پھر دونوں زرہوں کے بوجھ اور (اس دن) کی تکلیف اور سخت مشقت کی وجہ سے (چٹان) پر نہ چڑھ سکے) پھر حضرت طلحہؓ کو بٹھایا ان کو سہارا بنا کر چٹان پر چڑھ گئے اور جب اطمینان واستقامت سے آرام فرما ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو زندہ وسلامت دیکھا تو وہ مطمئن ہو گئے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اوجب طلحة۔ طلحہ نے اپنے اوپر واجب کر لی اس کے تین معانی محتمل ہیں (۱) جنت واجب کر لی (۲) میری شفاعت واجب کر لی (۳) یا بڑا ثواب واجب کر لیا یعنی لنفسه الجنة او الشفاعة او المثوبة العظیمة بفعله هذا او بما فعل ذلک الیوم حیث جعل نفسه فداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی شلت یده (جمع ص ۱۹۷) (یعنی حضرت طلحہؓ نے اپنے لئے جنت یا شفاعت یا اجر عظیم واجب کر لیا اپنے اس فعل کی وجہ سے یا جو اس دن اس نے اہم کارنامہ سرانجام دیا کہ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جانے کے لئے پیش کیا اتنے تک کہ اس کا ہاتھ بھی شل (ناکارہ) ہو گیا)

یہ اللہ کی طرف سے حضرت طلحہؓ کی دلیری' جوانمردی' بہادری' شجاعت اور بے مثال ایثار

وقربانی کا انعام تھا وہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کرنے کے لئے مردانہ وار لڑتے رہے حضرت طلحہؓ اس روز حضور اقدسؐ سے بار بار عرض کرتے تھے یا نبی اللہ ! بابی انت وامی لا تشرف یصبک سھم من سھام لقوم فنحری دون نحرک (اتحافات ص ۱۵۰) (اے اللہ کے پاک نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپؐ اپنے سر وغیرہ کو ظاہر اور اونچا نہ کر کہ کسی دشمن کا تیر نہ لگ جائے میری یہ گردن قربانی کے لئے آپؐ کے لئے پیش خدمت ہے) حضرت طلحہؓ پر اس روز کچھ اوپر اسّی زخم آئے تھے کہ وہ ڈھال بن کر آپؐ پر برسنے والے تیروں کو روکتے رہے اور آپؐ کی مدافعت میں تیراندازی بھی کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ اس روز حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا۔ حضرت طلحہؓ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے خیر شھید یمشی علی الارض (اتحافات ص ۱۵۰) (زمین پر چلنے (رہنے) والوں میں سے بہترین شہید) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کی اس دن کی ہمت واستقامت اور آپ پر جان نثاری وفدا کاری دیکھ کر ارشاد فرمایا ذلک الیوم کلہ لطلحۃ (اتحافات ص ۱۵۰) (یہ دن سب طلحہؓ کا ہوا (یعنی تمام درجات اس نے سمیٹ لیے) جمل کی لڑائی میں شہید ہوئے اور بصرہ میں مدفون ہوئے حضرت طلحہؓ کا واقعہ تفصیل سے عرض کر دیا تا کہ مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت والہیت اور اخلاص وکمال عشق کا اندازہ لگ سکے۔

(۱۰۶/۲) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خُصَیْفَۃَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عَلَیْہِ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاھَرَ بَیْنَھُمَا۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں (احمد) ابن ابی عمر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان بن عیینہ نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث یزید بن خصیفہ سے سائب بن یزید کے حوالے سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دو زرہیں تھیں جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔

راوی حدیث (۲۹۴) یزید بن خصیفہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ظاھر بینھما کی تشریح:

حدیث کا مضمون تو وہی ہے جو باب کی پہلی روایت میں گذر چکا ہے البتہ اس روایت میں قد ظاھر بینھما کے الفاظ کا اضافہ ہے ظاہر کا معنیٰ اوپر نیچے یا دوہرا ہونا ظاھر بین الثوبین اوپر نیچے پہننا شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ای لبس درعا ثم لبس فوقھا ظھارۃ ثم لبس الدرع الاخری (اتحافات ص ۱۵۰) (یعنی ایک زرہ پہنی اور پھر اس کے اوپر ظہارۃ (کپڑے کی ابرا) پہنی پھر اس کے اوپر دوسری زرہ پہنی) یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں کہ آپؐ کے پاس دو زرہیں تھیں جو آپؐ بدل بدل کر کبھی ایک اور کبھی دوسری علی سبیل البدلیۃ پہنا کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپؐ نے تعلیم امت اور دفاع میں استحکام کی ترغیب اور اھتماماً بامر الحرب (مواھب ص ۹۸) (جنگی امور کی اہمیت کے پیش نظر) دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں ظاھر کا یہی معنیٰ عربی لغت اور شعراء نے بھی لیا ہے جبکہ سبعۃ المعلقۃ الثانیہ میں ہے۔

مُظَاهِرُ سِمْطَیْ لُؤْلُوءٍ وَّ زَبَرْجَدِ

میرے محبوب نے موتی اور زبرجد کے دو ہار اوپر نیچے پہن رکھے تھے

توکل کی حقیقت:

جیسے کہ پہلی حدیث میں بھی عرض کیا تھا اس میں اس توکل کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ توکل وہی ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد ربّ الاسباب پر اعتماد کرلیا جائے ۔ واشارۃ الی انہ ینبغی ان یکون التوکل مقروناً بالتحصن لا مجرداً عنہ فلھذا لم یبرز للقتال منکشفاً متوکلا ولذالک قال اعقلھا وتوکل (مواھب ص۹۸) (اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ توکل حفاظت کے اسباب کے ساتھ مقرون ہونا چاہیئے نہ کہ اسباب کو بالکل چھوڑ کر اس لئے تو آپؐ بھی محض اللہ کے بھروسے خالی ہاتھ (بغیر اسباب کے استعمال) جنگ کے لئے نہیں نکلے اور اسی لئے تو آپؐ نے ایک صحابیؓ کو ارشاد فرمایا کہ اونٹ کا پاؤں باندھ کر پھر توکل کیجئے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات اوانفروا جمیعا (نساء) اے ایمان والو! کافروں کے مقابلے میں اپنی احتیاط رکھو پھران سے مقابلہ کے وقت متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو) حفاظت کا حسب ضرورت وحسب موقع سامان لینا آیت شریف کا امتثال ہے اور آپؐ سے زیادہ ارشادات۔ خداوندی پر عمل کرنے والا کون ہوسکتا ہے لہذا زرّہ، خود، تلوار وغیرہ کا استعمال سب احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔ (خصائل)

یہ حدیث مراسیل صحابہؓ سے ہے:

یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے مراسیل میں سے ہے کہ حضرت سائبؓ جنگ احد میں موجود نہ تھے کیونکہ وہ اپنے والد کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جبکہ اس وقت ان کی عمر صرف سات برس تھی۔

شیخ ابراھیم البیجوریؒ نے ابوداؤد کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ عن السائب عن رجل قد سماہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاھر یوم احد بین درعین (مواھب ص ۹۸) (کہ یہ روایت حضرت سائب سے اور اس نے اس شخص سے روایت کی جس کا نام لیا تھا (جس کا سابقہ روایت میں ذکر نہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن دو زرہیں نیچے اوپر پہن رکھی تھیں) اس تصریح کے بعد یہ مراسیل سے نکل جاتی ہے اور غالب یہی ہے کہ عن رجل سے مراد حضرت زبیر بن عوامؓ ہوں کیونکہ اس باب کی پہلی روایت اسی معنیٰ میں ان سے منقول ہے۔

==

باب ماجاء فی صفة مغفر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ترجمہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مبارک کے بیان میں

مغفر کی حقیقت وصفت:

انّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل مکۃ وعلیہ مغفر ..

مغفر کا معنیٰ خود اس کا مادہ ومصدر غَفر ہے بمعنیٰ ڈھانپنے کے چھپانے اور برتن کے اندر ڈھانپنے کو غفر کہتے ہیں والمغفر کمنبر مِن الغفر وھو الستر (مواھب ص۹۸) (مغفر بروزن منبر ہے یہ مادہ غفر سے مشتق ہے بمعنیٰ ستر اور پردے کے ہے) غفران کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت انسان کے گناہوں کو مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ چونکہ مغفر (خود) بھی انسان کے سر کو دشمن کے حملے سے اور چوٹ سے بچاتی ہے اسے بھی مغفر کہتے ہیں یہ بھی اسلحہ کی ایک قسم ہے لان السلاح یطلق علی مایقتل بہ وعلی ما یدفع بہ وھو مما یدفع بہ (مواھب ص۹۸) (یہ اس لئے کہ سلاح کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ یا تو قتل ہو (یعنی آلہء قتل) یا پھر مدافعت اور حفاظت کا ذریعہ ہو اور مغفر (خُود) بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ مدافعت کی جاتی ہے۔

اس باب میں دو احادیث وارد ہیں جن میں آپؐ کی صفتِ مغفر کا بیان ہے ای بـاب بیـان الاخبـار الواردۃ فی صفۃ مغفر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (مواھب ص۹۸) (یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔

فتح کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو خود پہنے ہوئے تھے آپؐ کے خود مبارک کے نام (۱) موشح اور (۲) ذوالسبوغ تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آلاتِ حرب:

امام ترمذیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر آلاتِ حرب کا ذکر نہیں کیا شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے آپ ﷺ کے متعدد آلاتِ حرب ذکر کیئے ہیں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چھ عدد قوس وکمان تھے جن کے اپنے اپنے نام تھے الزوراء، الروحاء، الصفراء، شوحط، الکتوم، السداد آپ ﷺ کی ترکش کا نام الکافور تھا ایک ڈھال مبارک کا نام الذلوق تھا دوسری کا نام القنق تھا ایک ڈھال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کی گئی مگر اس پر عقاب، یا کبش (مینڈھے) کی تصویر تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصویر پر ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے اسے محو کر دیا ابن قیمؒ نے شوحط کی بجائے البیضاء کا ذکر کیا ہے نیز الکتوم کے متعلق لکھا ہے کسرت یوم احد فاخذ ھا قتادۃ بن نعمان (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹) (کہ وہ جنگ احد کے دن ٹوٹ گئی تو اسے قتادہ بن نعمان نے اٹھایا) آپ ﷺ کے سات گھوڑے تھے۔

گھوڑوں کے بھی اپنے اپنے نام تھے السکب، المرتجز، الظرب، اللحیف، اللزاز، الورد، سبحۃ۔

ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق الشافعی نے ان سات متفق علیہ گھوڑوں کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

والخیل سکب لحیف سبحۃ بظرب

لزاز مرتجز ورد لھا اسرار

(زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰)

(اور حضور ﷺ کے گھوڑے سکب لحیف سبحہ اور ضرب لزاز۔ مرتجز۔ ورد ان کے اپنے خاصیات تھے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر مبارک کا نام المثوی تھا ایک لمبا سا نیزہ تھا جس کا نام البیضاء تھا ایک خیمہ تھا۔ جس کا نام الکن تھا ایک ٹیڑھے سر والی لکڑی تھی جو تقریباً گز برابر لمبی تھی جس کو محجن کہتے ہیں ایک لاٹھی مبارک تھی یعنی مخصر جس کا نام العرجون تھا (اتحافات ۱۵۳، ۱۵۴)

علامہ یوسف نبہانیؒ نے شمائل الرسول میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا اس کا رنگ سیاہ تھا ایک جھنڈا زرد رنگ کا بھی تھا اور ایک سفید رنگ کا تھا جس کے اندر سیاہ دھاریاں تھیں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزہ کا نام صادر تھا زین کا نام داج تھا اونٹنی کا نام قصوی اور غضباء تھا خچر کا نام دلدل گدھے کا نام یعفور تھا جس بکری سے دودھ نوش فرما۔ ۔۔۔ ہ نام عنیہ تھا۔ مذکورہ آلات حرب کے علاوہ بھی ابن قیمؒ نے چند دیگر اشیاء کا بھی ذکر کیا ہے فرمایا۔ وکانت له ثلاث جبات یلبسهما فی الحرب فیها جبة سندس اخضر...وکانت له حربة تسمی النبعاء وکان له محجن یسمّیٰ الدوّن وکان له ترس ابیض یسمّیٰ الموجز (زاد المعاد ج ا ص ۵۰) (آپؐ کے تین جبّے تھے جن کو جنگ وجہاد میں پہنتے تھے ان میں ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور آپؐ کا ایک نیزہ تھا جسے نبعاء کہا جاتا تھا اور ایک محجن (ٹیڑھے سر والی لکڑی) جس کا نام الدوّن تھا اور آپؐ کی ایک سفید ڈھال بھی تھی جسے موجز کہا جاتا تھا)

(۱/۱۰۷) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّةَ وَعَلَیْهِ مِغْفَرٌ فَقِیْلَ لَهُ هٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْکَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ روایت بیان کی ان کو مالک بن انس نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث ابن شہاب سے نقل کی اور وہ خادمِ رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر خود تھی حضورؐ جب خود اتار چکے اور اطمینان ہو گیا تو کسی نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے حضورؐ نے فرمایا اس کو قتل کردو۔

خلاصہ مضمون:

حدیث میں دو چیزیں بطور خاص مذکور ہیں (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی مغفر (خاص جنگی ٹوپی جسے خود کہتے ہیں) اپنی حیات مبارکہ میں سر پر پہنی ہے (۲) دوسری بات یہ کہ فتح مکہ کے روز ایک شخص عبدالعزیٰ بن خطل نے استار کعبہ پکڑ کر جان کی امان چاہی مگر حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف نہ فرمایا اور قتل کا حکم دے دیا۔

مغفر یا عمامۃ؟ تعارض کا جواب:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ ... یہاں شارحینِ حدیث نے ایک تعارض اور اس کے جواب کو اہتمام سے بیان فرمایا ہے تمام رواۃ ومحدثینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کا یہ دخول، فتح مکہ کا مراد ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ دخولِ مکہ کے وقت آپؐ نے خود مبارک پہن رکھی تھی وعلیہ مغفر کی تصریح ہے۔

مگر اس کے بعد والے باب "ماجاء فی عمامۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی پہلی روایت میں "وعلیہ عمامۃ سوداء" کی تصریح ہے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے بعض محدثین اور شارحین حدیث کو تذبذب ہوا کہ دونوں روایات میں کونسی زیادہ صحیح اور درجہ صحت کو پہنچتی ہے مگر درحقیقت دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے محدثین حضرات نے دونوں روایات کا اپنا اپنا محمل بیان کیا ہے جس کی وجہ سے تعارض باقی نہیں رہتا۔

(۱) حافظ زین الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آغاز میں جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر پر خود مبارک تھا آپؐ کے لئے تھوڑی دیر کے لئے حرم میں قتل وقتال حلال کر دیا گیا تھا وانت حل بھذ البلد چونکہ جنگ اور قتال میں اپنا دفاع بھی لازمی تھا اس لئے آپؐ نے خود مبارک پہن رکھی تھی۔

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حرم کو مستقل معرکہ کارزار یا میدان جنگ نہیں بنانا چاہتے تھے چنانچہ دخول مکہ کے فوراً بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے مامون ہے اپنے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی مامون ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے جب دخولِ مکہ کے بعد جنگ کا احتمال باقی نہ رہا اور لوگوں نے آپؐ کی ہدایات کے مطابق امن لینا شروع کر دیا تو آپؐ نے خود اتار دی اور سر پر عمامہ تھا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دخول مکہ کے وقت آپؐ کے سر پر عمامہ بھی تھا اور اس کے اوپر مغفر

یعنی خود بھی تھی اور یہ لوگوں کا معمول بھی تھا جیسا کہ علی رأسه عصابة کی تصریح بھی ہے اور اس سے مقصد عمامہ کا چھوٹا ہونا بتانا ہے حافظ ابن حجرؒ جمع بین الروایات کی اس صورت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ مغفر تو بھاری ہوتا ہے اور ہوتا بھی تو لوہے کا ہے ظاہر ہے کہ اس نے سر کو تکلیف بھی دینی ہے نیچے پگڑی رہے تو سر کو راحت ملے گی۔

ایک تعارض اور اس کا حل:

وعلیہ مغفر کا اس خبر سے بھی تعارض نہیں ہے جس میں تصریح ہے کہ لا یحل لاحدکم ان یحمل بمکة السلاح جیسا کہ اسے مسلمؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کیونکہ شارحینِ حدیث نے اس کی متعدد توضیحات کی ہیں۔

(۱) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کان دخول نبینا محمد صلی الله علیه وسلم بالمغفر والسلاح فی الساعة التی حلت فیها مکة له وهی ساعة تطهیر الکعبة مِن الاصنام وتطهیر مکة من الشرک والوثنیة وبذلک فلا تنافی بین هذا الحدیث وحدیث مسلم عن جابر الخ (اتحافات ص ۱۵۱) (حضور ﷺ کا مکہ کو اسلحہ اور خود سمیت داخل ہونا یہ اس تھوڑے وقت کے لئے تھا جس میں آپؐ کے لئے قتل وقتال مکہ میں جائز قرار دیا گیا تھا اور اس وقت میں کعبہ شریف کو بتوں اور مکہ شریف کو شرک وبت پرستی سے پاک وصاف کرنا مقصود تھا تو اس توجیہ سے اس حدیث میں اور حضرت جابرؓ کی وہ حدیث جو مسلم میں ہے (کہ نہیں تم میں سے کسی کے لئے جائز کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے) کوئی تعارض اور منافات نہیں)۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ مکرمہ میں قتال ایک ساعت کے لئے حلال کردیا گیا ولم تحل لاحد بعده (اور آپؐ کے علاوہ (مکہ اور حرم میں) کسی کے لئے اس کے بعد قتال جائز اور حلال نہیں کیا گیا) اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں متھیأ للقتال (جنگ کی تیاری کرکے) داخل ہوئے تھے۔

(۳) نہی اور ممانعت خاص ہے اس صورت میں جب حمل سلاح کی ضرورت نہ ہو ولذا دخل عام

عمرة القضاء ومعه ومع المسلمين السلاح فی القراب . (اور اسی لئے تو آپ عمرۃ القضا کے سال مکہ شریف گئے اور آپ اور مسلمانوں کے ساتھ اسلحہ نیام وغیرہ میں تھا)

(۴) المراد مِن النهی حمل السلاح للمحاربة مع المسلمین . (ہتھیار اٹھانے سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے ہتھیار اٹھائے جائیں)

(۵) ویجوز ان یکون النهی بعدفعله صلی الله علیه وسلم علی انه یجوز له مالا یجوز لغیره (جمع ص ۱۹۹) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے اس دفعہ ہتھیار اٹھانے کے بعد نہی ہوئی ہو۔اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے لئے کوئی کام جائز ہو اور آپ کے علاوہ لوگوں کے لئے ناجائز ہو ، یعنی حضور ﷺ کی خصوصیت ہو)۔

(۶) وجمع آخرون بان النهی عن السلاح فی الامور العادیة فاذا دعت ضرورة لحمله ارتفع النهی (اتحافات ص ۱۵۱) (اور بعض دوسرے حضرات نے یہ تطبیق بھی کی ہے کہ ہتھیار اٹھانے کی نہی امور عادیہ میں ہو اور جب بھی ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑ جائے تو نہی ختم ہو جاتی ہے)۔

ابن خطل کے قتل کا حکم:

فقیل له هذا ابن خطل متعلق باستار الکعبة ... یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اتارنے کے بعد بتایا گیا یہ ابن خطل ہے جو استار کعبہ کو پکڑے ہوئے اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے باوصف گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں جن کے جرائم ناقابل عفو تھے آپ نے ان کے خون ہدر کر دیئے تھے اور عفو عام سے ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا پھر ان میں سے سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو گئے تھے ان کو معافی مل گئی تھی چار مرد اور چار عورتیں باقی رہیں جو قتل کر دیے گئے ابن خطل بھی ان میں سے ایک تھا ابن خطل اولاً بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا عبداللہ نام رکھا وحی کی کتابت کا کام بھی کیا کرتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ سے زکوۃ لینے کے لئے اسے بھیجا اس نے راستے میں اپنے ایک مسلمان غلام کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس

کھانا پکانے میں غلطی ہوئی تھی۔

وکان معه مولیٰ یخدمه وکان مسلماً فنزل منزلًا وامر مولاہ ان یذبح تیساً ویصنع له طعاماً ونام فاستیقظ ولم یصنع له شیئا فعدا علیه فقتله (جمع ص ۲۲۰) (اوراس کے ساتھ ایک غلام تھا جواس کی خدمت کرتا تھا اور وہ (ابن خطل) مسلمان تھا سفر کرتے جب ایک منزل پر اترے تو اپنے غلام کو کہا کہ بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے اور خود سو گیا جب بیدار ہوا اور غلام نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا تھا تو اس غلام پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا)

پھر خود قصاص کے خوف سے مدینہ منورہ نہ لوٹا کہ قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ نکلا وہاں پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا دو باندیاں خریدیں جو آپؐ کے حق میں ہجو یہ اشعار کہہ کہہ کر ابن خطل کو خوش رکھا کرتی تھیں آپؐ نے اس کا خون ہدر کر دیا اسلئے باوجود استار کعبہ کے پکڑنے کے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور قتل کر دیا گیا۔ فقال اقتلوہ امرھم بقتله علی سبیل الکفایة فکل من قتله منھم حصل به المقصود (مواھب ص ۹۹) (آپؐ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم (کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے نہ کیا) بلکہ علی سبیل الکفایہ فرما دیا یعنی یہ کہ جو کوئی بھی اس کو قتل کر دے گا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا)

ابن خطل اوراستار کعبہ:

بعض حضرات نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور استار کعبہ کے ساتھ چمٹ گیا متمسکاً بان من دخله کان اٰمنا (اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وہ دلیل پکڑ رہا تھا کہ جو کوئی حرم میں داخل ہو جائے وہ امن پر ہوگا) مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں اس کے دخول کعبہ اور ومن دخله کان اٰمنا سے تمسک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دراصل استار کعبہ سے چمٹنے کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی بھی کعبۃ اللہ کے استار سے چمٹ جاتا لوگ اس کی تعظیم کرتے اور جرائم معاف کر دیے جاتے لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم آپؐ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے کہ من دخل المسجد فھو اٰمن ومن

دخل دار ابی سفیان فھو آمن ومن اغلق علیه بابه فھو آمن لانه من المستثنین کیونکہ دار قطنی میں روایت ہے قال صلی اللّٰه علیه وسلم اربعة لا اُؤمّنھم لافی حل ولا فی حرم الحویرث بن نقید وھلال بن خطل ومقیس بن صبابة وعبداللّٰه بن ابی سرح وفی حدیث سعد بن ابی وقاص قال اربعة نفرو امرأتان وقال اقتلوھم وان وجدتموھم متعلقین باستار الکعبة (جمع ص ۱۹۹) (کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ امن پر ہوگا جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ امن سے ہوگا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہوگا۔ اس لئے کہ (ابن خطل) امن سے مستثنٰی شدہ لوگوں میں سے تھا)۔۔۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمیوں کو نہ میں زمین حل میں اور نہ حرم میں امن دیتا ہوں (۱) حویرث بن نقید (۲) ھلال بن خطل (۳) لقیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن ابی سرح

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مروی حدیث میں ہے کہ چار مرد اور دو عورتیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ان کو قتل کردو اگرچہ تم ان کو غلاف کعبہ پکڑتے ہوئے بھی پاؤ)

ابن خطل کو کس نے قتل کیا:

چنانچہ یہ شخص مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ابو برزہ اسلمیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

البتہ شیخ ابراہیم الیبجوریؒ فرماتے ہیں فقال اقتلوہ واستبق الی قتله عمار بن یاسر ' وسعید بن حریث فسبق سعید وقتله وقیل قتله ابوبرزة ویجمع بان الذی باشر قتله اولا ابوبرزة وشارکه سعید وقتلوہ بین زمزم والمقام (مواھب ص ۹۸) (پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو (ابن خطل) کو قتل کردو تو اس کے قتل کے لئے دوڑ پڑے عمار بن یاسر اور سعید بن حریث تو حضرت سعید نے اس کے قتل کرنے میں سبقت حاصل کر کے قتل کردیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کو ابو برزہ نے قتل کیا ان کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل شروع اور ابتدائے قتل ابو برزہ نے کیا اور پھر اس کے ساتھ سعید بھی شریک ہو گئے اور انہوں نے زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کردیا)۔

احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں کہ ابن خطل کے قاتل کی تعیین میں اختلاف ہے حاکم کی روایت میں ہے کہ وہ سعید بن زید ہے بزار میں سعد بن ابی وقاص' دار قطنی میں زبیر بن العوام بتلایا گیا

ہے قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابو برزہ اسلمی ہیں ولعل الجميع تسابقوا الیٰ قتله ولكن الذي باشره بـالقتل ابوبرزة فضرب عنقه بين الركن والمقام (اتحافات ص ۱۵۲) (اور شاید کہ سب نے اس کے قتل کے لئے مسابقت کی لیکن جس نے قتل کیا وہ ابو برزہ تھے اس نے اس کی گردن رکن اور مقام ابراھیم کے درمیان توڑ دی یعنی قتل کر دیا)

شاتم رسول کا حکم:

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گالیاں بکے اور توہین کرے اور مرتد ہو جائے ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے جس طرح نعوذ باللہ کوئی شخص اللہ رب العزت کو گالیاں دے شرک کرے اور مرتد ہو جائے پھر توبہ کرلے تو اس کی توبہ بالاتفاق قبول ہوتی ہے تو شاتم رسول جو مرتد ہو جائے اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہئے قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

باب کہ یہ روایت ائمہ ثلاثہؒ کے مسلک کا متدل اور مؤید ہے امام ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل مفصل اور جامع کتاب "الصارم المسلول على شاتم الرسول" کے نام سے لکھی ہے جس میں ہر دو مذاھب کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے جب دونوں جانب کے مسالک اور دلائل و اہداف کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ محققین احنافؒ اور محققین شوافعؒ کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے بلکہ صرف نزاع لفظی ہے مقصد ایک ہے دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ التائب من الذنب كمن لا ذنب له (کہ گناہ سے حقیقۃً توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو) کے مطابق شاتم رسول کی توبہ بھی عنداللہ قبول ہوگی تاہم حاکم وقت، قاضی اور عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شاتم کو توبہ کی وجہ سے معاف کردے بلکہ وہ اسے سیاسۃً قتل کر سکتا ہے تاکہ آئندہ کسی کو جرات نہ ہو احنافؒ کا مسلک بھی یہی ہے ابن خطل کا قتل اس کا ثبوت ہے کہ وہ سیاسۃً قتل کئے گئے۔

باقی رہی یہ بات کہ قتل کر دینا مصلحت ہے یا توبہ قبول کرلینا تو وہ موقع اور محل کے لحاظ سے

فیصلہ کیا جا سکتا ہے جہاں تک ابن خطل کے قتل کا واقعہ ہے تو اس کے متعدد وجوہ محتمل ہیں (۱) حدیث میں ابن خطل کی توبہ کا کوئی ذکر نہیں (۲) یہ عین ممکن ہے کہ ابن خطل نے توبہ نہ کی ہو اور آپؐ نے بوجہ ارتداد کے اس کے قتل کا حکم دیا ہو (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے توبہ کی ہو مگر صدق دل سے نہ ہو اور آپؐ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا ہو۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا قتل قصاصاً ہو جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں۔ فقتله قصاص بالمسلم الذی قتله یرشد الی ذلک ان ابن سرح کان کابن خطل فیما ذکر فلما اسلم ترک (مناوی ص ۲۰۰) پس ابن خطل کا قتل (دراصل) اس مسلمان کی قصاص میں تھا جس کو اس نے قتل کیا تھا اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ ابن سرح کا حکم بھی ابن خطل جیسا تھا جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے لیکن جب وہ اسلام لائے تو اس کو چھوڑ دیا گیا)

(۲/۱۰۸) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَآءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُّحْرِمًا..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسٰی بن احمد نے بیان کی۔ ان کو عبداللہ بن وہب نے یہ روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے سر مبارک پر خود تھی جب حضورؐ نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں سے نہیں اس کو قتل کر ڈالو۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس روز محرم نہیں تھے۔

وبلغني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يو مئذ محرماً حدیث کا مضمون اور تفصیلی بحث تو گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے البتہ یہ جملہ اضافی ہے جو اسی روایت میں نقل کیا گیا ہے۔

دخول مکہ کے وقت احرام کا مسئلہ:

ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن مُحرِم نہیں تھے احرام نہیں باندھا تھا بلکہ خود مبارک اتار کر سیاہ عمامہ زیب راس فرمایا تھا۔ خطب الناس وعليه عمامة سوداء (آپؐ نے لوگوں کو (یوم فتح مکہ) خطبہ دیا اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ (پگڑی) تھی) بلکہ اس سے قبل جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر خود تھا جو احرام کے منافی ہے

یہ حدیث بھی بظاہر شوافع کا مستدل اور مؤید ہے اور اس کو سند بنا کر بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار دیتے ہیں مگر حنفیہ حضرات بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار نہیں دیتے تفصیلی بحث اور دلائل تو اپنی جگہ آئیں گے مگر حنفیہؒ کے نزدیک یہ حدیث شوافع کا مستدل اور حجت اسلئے نہیں بن سکتی کہ اس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح مکہ کی غرض سے حرمت اٹھا دی گئی تھی وہ روز آپ کے لئے حلال تھا۔

احنافؒ بھی کہتے ہیں دخول مکہ بغیر احرام کے اس وقت ناجائز ہے جب اطمینان ہو امن ہو اندیشہ قتل وقتال اور فکرِ مزاحمت نہ ہو مگر فتح مکہ کے موقع پر کتنے کتنے اندیشے لاحق تھے مکہ میں داخل ہونے کا یقین نہیں تھا احناف کہتے ہیں کہ لبسِ مخيطاور ستر رأس ضرورةً (کہ بوجہ ضرورت اور مجبوری کے سلے ہوئے کپڑوں اور سر چھپانے) سے احرام معدوم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دم لازم آئے گا جس سے عدم احرام کا ثبوت بہت مشکل ہے۔

==

باب ماجاء فی عمامة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک کے بیان میں

عمامہ کی فضیلت و برکات:

العِمامة (بکسر العین) ما یعتم به فوق الرأس (العمامہ عین کے کسرہ کے ساتھ ہر اس چیز کو جو سر کے اوپر بطور پگڑی کے لپیٹی جائے) کو کہتے ہیں عمامہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ و مستمرہ ہے والعمامة سنة لا سیّماً للصلوة وبقصد التجمل لا خبار کثیرة فیها (مواهب ص ۹۹) (عمامہ (پگڑی) سنت ہے خصوصاً نماز کے لئے یا خوبصورتی حاصل کرنے کی غرض سے بوجہ ان احادیث کثیرہ کے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں) آپؐ نے خود بھی عمامہ پہنا ہے اور اس کی تعریف بھی فرمائی ہے ترغیب بھی دی ہے اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث درج کی ہیں ای بـاب بیـان الاخبار الواردة فی صفة عمامة رسول الله صلی الله علیه وسلم (مواهب ص ۹۹) (یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضور ﷺ کے عمامہ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ,,عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری)

عینی شرح بخاری میں ہے کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں عمامہ باندھنا سنت ہے مزید یہ بھی فرمایا ,,عمامہ باندھا کرو کہ اسلام کا نشان ہے مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔

شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں ففی الخبر فرق بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس واما لبس القلنسوة وحدها فهوزیّ المشرکین (مواهب ص ۹۹) (حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور

مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں کے اوپر پگڑیوں کے باندھنے میں ہے اور صرف ٹوپی کا اکیلا پہننا تو یہ (ایک قسم) مشرکین کی شکل وہیئت ہے)

سیاہ عمامے کا حکم:

تاہم یہاں اتنا یاد رہے کہ لباس بذاتہ ممنوع نہیں ہوتے بلکہ کسی دوسری قوم یا فرقِ ضالہ سے مشابہت کی وجہ سے انہیں خاص حالات اور مشابہت کے قطعی احتمالات کی وجہ سے مکروہ قرار دیا جاتا ہے مثلاً کالی پگڑی یا سیاہ لباس بنفسہٖ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے مگر محرم کے ایام میں شیعہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں ان دنوں میں سیاہ لباس پہننا گویا ان سے مشابہت بظاہر شیعیت کا فروغ وترویج ہے لہذا ان ایام میں سیاہ پگڑی اور لباس سے اجتناب بہتر ہے۔ ایک دور میں سیاہ لباس پہننا عباسی خلفاء کا شِعار ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ علماء کرام کے جبّے اور عمامے بھی سیاہ ہوا کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامة سوداء حضرت عباسؓ کو عطا فرمایا تھا جو ہر تخت نشین کے سر پر بطور تبرک کے رکھا جاتا تھا حضرت امام ابو یوسفؒ ذاتی طور پر اس رنگ کو پسند فرماتے تھے چنانچہ ایک عید کے موقع پر جبہ، عمامہ اور گھوڑا بھی سیاہ رنگ کا تھا۔ پھر وہ اس رنگ کو فضیلت دینے لگے مقابلہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اسے روافض کا شعار قرار دیا جو بطور حداد (غم) کے وہ استعمال کرتے تھے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر بھی رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ لونِ اسود بھی سنت ہے اور لونِ ابیض بھی مگر بیاض کو فضیلت حاصل ہے۔

عمامہ پر قطعی مواظبت ثابت ہے:

یہاں یہ مسئلہ بھی خصوصیت سے واضح رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ نے عمامہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس پر انہوں نے مواظبت کی ہے اور یہ مواظبت قطعی ثابت بھی ہے اس وجہ سے بعض لوگوں نے پگڑی کو سنت مؤکدہ قرار دیا مگر اس کا پس منظر بھی ہے وہ یہ کہ عرب عمامہ کے عادی تھے وہ بغیر عمامہ کے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ان کا معمول تھا جیسا کہ اب بھی

سرحد و بلوچستان میں بعض قبائل بالخصوص وزیرستان وغیرہ میں یہ قطعی مروج ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہ کرامؓ بھی صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ میں عرب دستور کے مطابق عمامہ اور رداء کو لازماً پہنا کرتے تھے لہذا عمامہ ورداء عادت مبارک تھی بہر حال راجح یہی ہے کہ نماز پڑھتے وقت عمامہ زیب راس ہو مگر بغیر عمامہ کے بھی نماز بلا کراہت جائز ہے اگر ننگے سر نہ ہو، فقہاء کا یہی فتویٰ ہے کراہت اس چیز سے آتی ہے جہاں کوئی ممانعت ہو یا کراہت منقول ہو عادت کے موافق نہ ہونا یہ کوئی جرم نہیں ہے

مقدار عمامہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کی مقدار کیا تھی؟ اسی سلسلہ میں محدثینؒ نے تصریح کی ہے کہ مشہور روایات میں مقدار عمامہ مذکور نہیں ہے طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے وقال ابن حجر لااصل له (مواهب ص ۹۹) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی بنیاد نہیں ہے)

علامہ جزریؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے سِیَر کی کتابوں میں خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی (خصائل)

لکن نقل عن النووی انه كان له صلى الله عليه وسلم عمامة قصيرة و كانت ستة اذرع وعمامة طويلة كانت اثنى عشر ذراعاً (مواهب ص ۹۹) (لیکن امام نوویؒ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی ایک کوتاہ (چھوٹی) پگڑی جو چھ ذراع (ہاتھ) تھی اور ایک لمبی پگڑی وہ بارہ ہاتھ تھی)

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں لم تكن عمامته صلى الله عليه وسلم كبيرة يوذى الرأس حملها ولا صغيرة لا تقى الرأس من حرولا برد. بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الامور الوسط (اتحافات ص ۱۵۵) (حضور ﷺ کی پگڑی نہ اتنی لمبی تھی کہ سر کو اٹھانے سے تکلیف ہو اور نہ اتنی چھوٹی کہ سر کو سردی اور گرمی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ بلکہ درمیانی تھی اور درمیانی امر میں بہتری ہوتی ہے)۔

....

(۱/۱۰۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِبْنِ سَلَمَةَ (ح) وحَدَّثَنامَحْمُوْدُبْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ حَمَّادِبْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن مہدی نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت حماد بن سلمہ کے واسطہ سے پہنچی (تحویل) ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی انہوں نے وکیع سے اور انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ابن ابی زبیر کے حوالے سے نقل کی ۔انہوں نے جابرؓ سے ۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

مغفر یا عمامہ یا دونوں:

دخل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکۃ یوم الفتح وعلیہ عمامۃ سوداء زاد مسلم بغیر احرام وزاد مسلم فی روایۃ و ابوداؤد قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ (مناوی ص ۲۱۴) (آپؐ فتح مکہ کے دن مکہ شریف داخل ہوئے اور آپؐ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔مسلمؒ نے یہ زیادتی کی ہے کہ آپؐ غیر محرم تھے اور مسلمؒ نے ایک دوسری روایت میں اور ابوداؤد نے یہ زیادتی بھی کی کہ پگڑی کے دو طرف (کنارے) حضورﷺ نے کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے)۔

اس سے قبل باب میں گذرا کہ دخل مکۃ وعلیہ مغفر (کہ حضورﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے سر پر خود تھی) دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ (۱) نیچے خود ہو اوپر عمامہ فالعمامۃ قد تکون فوق المغفر (اتحافات ص ۱۵۵) (پس پگڑی کبھی خود کے اوپر ہوتی ہے) یا عمامہ چھوٹا ہو اور اس پر خود ہو (۲) یا داخلہ کے وقت خود مبارک سر پر تھی کہ احتمال مزاحمت کا تھا لیکن دخول کے متصلاً عمامہ باندھ لیا جو بظاہر دخول کا وقت ہی تھا اسلئے وقتِ دخول کی طرف نسبت ہوئی (۳) بعض حضرات یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ خود تو لوہے کا ہوتا ہے ظاہر ہے پہننے والے کو اذیت بھی ہوتی ہوگی اذیت سے بچنے کے لئے خود کے نیچے پگڑی پہن لی ہوگی۔ وفی الحدیث اشارۃ الی ان العمامۃ افضل من غیرھا (اتحافات

ص ۱۵۵) (اور حدیث شریف میں اشارہ کہ عمامہ (پگڑی) دوسری چیزوں سے افضل ہے) وقال الجزری و فیہ اشارۃ الی ان ھذا الدین لا یتغیر کالسواد بخلاف سائر الالوان (جمع ص ۲۰۴) (امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اس دین اسلام میں تغیر تبدل نہیں ہوگا جیسے کالا رنگ (کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوتی) بخلاف دوسرے رنگوں کے) قال الزین العراقی اختلف الفاظ حدیث جابر فی المکان والزمان الذی لبس فیہ العمامۃ السوداء فالمشھور انہ یوم الفتح وفی روایۃ البیھقی فی الشعب یوم ثنیۃ الحنظل وذلک یوم الحدیبیۃ قال ویجاب ببیان ان ھذا لیس اضطراباً وانہ لبسھا فی الحدیبیۃ وفی الفتح معاً اذلا مانع من ذلک الا ان الاسناد واحد فلیتامل (مناوی ص ۲۰۵) (حافظ زین الدین العراقیؒ نے کہا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے الفاظ اس مکان (جگہ) اور زمان (وقت) کے متعلق مختلف ہیں جن میں حضور ﷺ نے کالی پگڑی پہنی۔ پس مشہور تو یہ ہے کہ وہ فتح مکہ کا دن تھا اور امام بیہقیؒ کی روایت میں ثنیۃ الحنظل (یوم حدیبیہ) کا دن تھا (تو گویا روایت میں اضطراب ہوا) زین العراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ کوئی اضطراب نہیں بلکہ بے شک (یہ ہوسکتا ہے) کہ آپؐ نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے دونوں ایام میں کالی پگڑی پہنی ہو اس لئے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں البتہ یہ بات (کھٹکتی ہے) کہ سند تو ایک ہی ہے فلیتامل)

. . . .

(۲/۱۱۰) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِبْنِ عَمْرِوبْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَأَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَآءَ .

ترجمہ! ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی انہوں نے یہ روایت سفیان سے اور انہوں نے مساور وراق سے اخذ کی وہ یہ روایت جعفر بن حریثؒ سے اور وہ اپنے باپ عمرو بن حریثؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۵) مساور الوراقؒ اور (۲۹۶) جعفر بن عمروؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیاہ عمامہ اور بعض صحابہؓ کا معمول:

قال رایت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامۃ سوداء ۔ مضمون حدیث تو پہلی حدیث میں گذر چکا۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سوں نے سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال کیا ہے حضرت علیؓ نے شہادت عثمانؓ کے روز، حضرت حسنؓ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے حضرت ابن زبیرؓ سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن جریرؓ، حضرت عمارؓ بھی سیاہ عمامہ پہنا کرتے تھے (مناوی ص۲۰۴)

وکان سعید بن المسیّب یلبسھا فی العیدین (اتحافات ص۱۵۷) (اور حضرت سعید بن المسیب بھی کالی پگڑی عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) میں پہنا کرتے تھے) مگر بایں ہمہ علماء کرام اور فقہاء عظام نے جمعہ وعیدین یا خطبہ میں سیاہ عمامہ پہننا ضروری قرار نہیں دیا۔ وفی شرح الزیلعی وکیف ماکان الافضل فی لبسھا البیاض وصحۃ لبس المصطفی للسواد ونزول الملائکۃ یوم بدر بعمائم صفر لا یعارضہ لانہ لمقاصد ومصالح اقتضاھا خصوص ذلک المقام کما بینہ بعض العلماء الا علام فلا ینا فی عموم الخبر الصحیح الامر بلبس الا بیض وانہ خیر الالوان فی الحیاۃ والممات (مناوی ص ۲۰۴) (اور زیلعی کی شرح میں ہے اور صورت جو بھی ہو پس افضل سفید عمامہ اور پگڑی ہے دوسری جانب حضور ﷺ کے کالی پگڑی پہننے کی صحت اور فرشتوں کا جنگِ بدر کے دن زرد (پیلی) پگڑیاں پہنے اترنا اس کے معارض اور منافی اس لئے نہیں ہے کہ یہ تو بعض ایسے مقاصد اور مصالح کی وجہ سے تھا جو اس مقام کی خصوصیات کی مقتضی تھیں جیسے کہ اس کو بعض بڑے علماء حضرات نے بیان کیا ہے۔ تو اس لئے یہ اس حدیث صحیح کے عموم کے منافی نہ ہوا جس میں سفید لباس کے پہننے کا حکم ہے اور یہ کہ سفید رنگ زندگی میں بھی اور وقتِ موت بھی دوسرے رنگوں سے بہترین رنگ ہے)

امام اوزاعیؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ سیاہ رنگ کو کیوں استعمال نہیں کرتے تو ناپسندی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لانہ لا یجلیٰ فیہ عروس ولا یلبی فیہ محرم ولا یکفن فیہ میت والظاھر مرادہ غیر العمامۃ (مناوی ص ۲۰۴) (کہ اس (کالے رنگ) کے لباس میں دُلہن کو جلوگاہ میں نہیں بٹھایا

جاتا اور نہ ہی اس میں محرم شخص تلبیہ پڑھتا ہے اور نہ اس میں میت کو کفن دیا جاتا ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ امام اوزاعیؒ کی مراد اس عمامہ (پگڑی) کے علاوہ دیگر لباس ہے)

حدیث کا مدلول یہ بھی ہے کہ صرف دخول مکہ کے وقت نہیں اس کے علاوہ بھی آپؐ نے سیاہ عمامہ استعمال فرمایا ہے تاہم علماء کرام کا قول فیصل اور متفقہ فیصلہ یہی ہے جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں فی الحدیث جواز لبس الاسود فی الخطبة ولبس البیاض افضل (جمع ص ۲۰۵) (اور حدیث شریف میں خطبہ کے وقت سیاہ پگڑی پہننے کا جواز اور سفید پگڑی کا پہننا افضل معلوم ہوتا ہے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں کہ والعمائم البیض هی التی تناسب زیّ العلماء فی هذا الزمان (اتحافات ص ۱۵۷) (کہ اس زمانہ میں علماء کو بطور شعار کے سفید پگڑیاں باندھنا زیادہ مناسب ہیں)

(۱۱۱/۳) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُبْنُ غَیْلَانَ وَیُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی قَالَا حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِبْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَیْثٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان اور یوسف بن عیسٰی نے یہ حدیث بیان کی وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت مساور وراق سے اخذ کی انہوں نے یہ حدیث جعفر بن عمرو بن حریث سے نقل کی جو اپنے باپ عمرو بن حریثؓ کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ حضور اقدس نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

دورانِ خطبہ سیاہ عمامہ کا ثبوت:

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خطب الناس وعلیه عمامة سودآء (کہ بے شک نبی علیہ السلام لوگوں کو خطبہ دیا اور آپؐ کالی پگڑی باندھے ہوئے تھے) مسلم کی روایت میں علی المنبر (منبر پر) کی تصریح ہے۔ (جمع ص ۲۰۵)

نیز مسلم میں ابو اسامة عن مساور کے طریق سے روایت ہے قال حدثنی جعفر بن عمرو بن حریث

عن ابیه قال کانی انظر الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخی طرفیها بین کتفیه قال عیاض والصواب طرفها (اتحافات ص۱۵۷) (جعفر بن عمرو بن حریث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ گویا میں حضور ﷺ کو منبر پر بیٹھے دیکھ رہا ہوں اور آپؐ کے سر پر کالی پگڑی ہے جس کے دونوں طرف اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہیں۔ عیاضؒ فرماتے ہیں کہ طرفیھا (تثنیہ) کی بجائے طرفھا (بصیغہ مفرد) صحیح ہے)

(۱) مشہور قول یہ ہے کہ یہ خطبہ فتح مکہ کا ہے جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا ای وعظهم عندباب الکعبة کما ذکره الحافظ ابن حجر والمراد بالمنبر فی بعض الروایات عتبة الکعبة لانها منبر بالمعنیٰ اللغوی وهو کل مرتفع (مواهب ص۱۰۰) (یعنی ان کو کعبہ کے دروازے کے پاس وعظ ونصیحت فرمائی جیسے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور منبر سے مراد بعض روایات میں کعبہ (بیت اللہ) کی چوکھٹ ہے اس لئے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے چوکھٹ بھی منبر ہے۔ کیونکہ منبر کا لغوی معنیٰ ہر اونچی جگہ ہے)

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا کوئی خطبہ جمعہ تھا کیونکہ اس قصہ میں بعض جگہ منبر کی تصریح بھی منقول ہے جبکہ فتح مکہ کا خطبہ منبر پر نہیں تھا۔ وقد ذکر صاحب المصابیح هذا الحدیث فی باب خطبة الجمعة (اتحافات ص۱۵۷) (اور صاحب المصابیح نے اس حدیث کو خطبہ جمعہ کے باب میں ذکر کیا ہے)

(۳) ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ خطبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال کا ہے۔ شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن هذا الحدیث نفهم ان لبس العمامة السوداء لم یکن بمکة فقط ولکن کانت فی مکة وغیرها (اتحافات ص۱۵۷) (اور اس حدیث سے ہم یہ سمجھتے اور معلوم کرتے ہیں کہ آپؐ کا سیاہ پگڑی کا پہننا یہ صرف مکہ میں نہیں تھا بلکہ مکہ اور غیر مکہ دونوں میں ہوا ہے)

(۱۱۲/۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا یَحْییٰ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَدَنِیُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ

بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاذ ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی ان کو یہ روایت یحیٰی بن محمد مدنی نے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبدالعزیز بن محمد سے اور انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے اخذ کی وہ روایت نافع کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو ایسے ہی کرتے دیکھا عبیداللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے) قاسم بن محمد اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے) سالم بن عبداللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۷) ہارون ابن اسحٰق الہمدانیؒ (۲۹۸) یحیٰی بن محمد المدینیؒ (۲۹۹) عبدالعزیز بن محمدؒ اور (۳۰۰) عبیداللہ بن عمرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شملہ بھی سنت مؤکدہ ہے:

كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم اذا اعتمّ سدل عمامته بين كتفيه ... پہلی تین روایات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کے سیاہ رنگ کی وضاحت تھی اب چوتھی روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ جب عمامہ باندھتے تو اس کے کنارہ (شملہ) کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے سدل کا معنیٰ لٹکانا ہے عمامہ سے مراد (۱) کنارہ عمامہ ہے ای ارخیٰ طرفها الذی یسمّی العلاقة (جمع ص ۲۰۶) (یعنی پگڑی کا ایک کنارہ لٹکائے ہوئے تھے جسے علاقہ کہا جاتا ہے) (۲) بعض طرق الحدیث میں ہے آپؐ دونوں کاندھوں کے درمیان طرفِ اعلیٰ کا ارسال فرماتے تھے۔ وھو یسمّی

عـذبة لـغة (اور یہ لغت میں عذبہ کہلاتا ہے) (۳) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ طرفِ اسفل ہو حتـى يـكـون عـذبة فـي الاصطلاح العرفي الآن (تا کہ اب کی عرفی اصطلاح میں عذبہ ہو) (۴) اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں اطراف مراد ہوں معاً لانـه ورد انـه قـد ارخـىٰ طـرفيهـا بين كتفيه بلفظ التثنية (مـواهـب ص ۱۰۱) (اس لئے کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے دونوں طرفین (کنارے) اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے۔ تثنیہ کے لفظ کے ساتھ) (۵) اور یہ بھی منقول ہے کہ اس کا ایک طرف آگے اور دوسرا پیچھے ہو جیسے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں عـمـمّني رسول الله صلى الله عليه وسلم فسد لها بين يدىّ ومن خلفي رواه ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۴) (مجھے حضور ﷺ نے پگڑی بندھوائی اور اس کے ایک کنارہ کو میرے سامنے اور دوسرے کو پیچھے لٹکایا)

وقـد استـفيد مِن الحديث ان العذبة سنة فقد جاء في العذبة احاديث كثيرة ما بين صحيح وحسن (مـواهـب ص ۱۰۱) (اور حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عذبہ (طرفِ اعلیٰ کو کندھوں کے درمیان لٹکانا) سنت ہے کیونکہ عذبہ کے بارے میں بہت سی احادیث صحیح اور حسن درجہ کی وارد ہوئی ہیں) شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ويـظهـر ان اتـخـاذ الـعذبة كان اذا اشتد الحر كانت لوقاية الرقبة مِن شـدة الحر (اتـحافات ص ۱۵۸) (اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عذبہ کا رکھنا اس وقت ہوتا جب گرمی سخت ہوتی تو یہ سخت گرمی سے گردن کی حفاظت کا ذریعہ بنے)۔

خلاصہ یہ کہ شملہ مبارک کے لٹکانے کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ مختلف رہی ہے آپؐ اکثر شملہ مبارک لٹکائے رکھتے تھے۔ سینہ کے دائیں طرف، کبھی بائیں طرف اور تقریباً اکثر اوقات دونوں کاندھوں کے درمیان اور کبھی ایک طرف آگے اور دوسرا پیچھے رکھتے تھے اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ پگڑی کے دونوں اطراف کو شملے کی طرح کاندھوں کے درمیان رکھتے تھے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ان الاتيـان بكل واحد من تلك الامور سنة (جمع ص ۲۰۷) (ان سب امور (مذکورہ بالا) میں سے ہر ایک پر عمل کرنا سنت ہے)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ سے تقریباً سب صورتیں ثابت ہیں مگر افضل صورت دونوں کاندھوں کے درمیان کمر مبارک پر لٹکانا ہے وارسالهـا بيـن كـتـفين افضل (مـواهـب ص ۱۰۱) (اور اس کا

دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا افضل ہے) علامہ ابن قیمؒ نے اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ سے اس سلسلہ میں ایک عجیب بات نقل کی ہے فرماتے ہیں فدل (الحدیث) علی ان الذؤابة لم یکن یرخیها دائما بین کتفیه .وکان شیخنا ابو العباس ابن تیمیه قدس روحه فی الجنة یذکر فی سبب الذؤابة شیئاً بدیعا وهو ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انما اتخذ ها صبیحة المنام رآه فی المدینة لما رأی رب العزة تبارک وتعالیٰ فقال یا محمد فیم یختصم الملأ الا علیٰ قلت لاادری فوضع بین کتفی فعلمت ما بین السماء والارض الحدیث وهو فی الترمذی وسئل عنه البخاری فقال صحیح قال فمن تلک الحال ارخی الذؤابة بین کتفیه وهذا من العلم الذی منکره السنة الجهال وقلوبهم ولم ارهذه الفائدة فی اثبات الذؤابة لغیره (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (پس حدیث شریف اس پر دال ہے کہ آپؐ شملہ دائمی طور پر کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتے تھے) اور ہمارے شیخ ابوالعباس بن تیمیہؒ ذوابہ (شملہ) کے متعلق عجیب بات بیان کرتے تھے وہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے شملہ لٹکایا اس خواب دیکھنے کی صبح جو کہ آپؐ نے مدینہ شریف میں دیکھا جبکہ باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! یہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں جھگڑرہے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا پس باری تعالیٰ نے (بلاتشبیہ) اپنا دست قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان وزمین کی سب چیزیں معلوم کرلیں۔۔۔۔اور یہ ترمذی میں ہے اور امام بخاریؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے فرمایا صحیح ہے (تو شیخؒ فرماتے) کہ اسی حال وکیفیت کے سبب آپؐ شملہ کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ایسے امور اور باتوں کے علم سے جاہل اور غافل لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میں یہ مذکورہ فائدہ شملہ کے ثبوت میں آپؐ کے علاوہ لوگوں کے لئے نہیں دیکھتا)۔

محققین محدثین کی رائے یہ بھی ہے کہ گاہے گاہے شملہ بنائے بغیر بھی پگڑی باندھ لیا کرتے تھے واحیاناً یلبس العمامة من غیر علاقة (جمع ص۲۰۷) (اور کبھی کبھار آپؐ بغیر شملہ بنائے پگڑی باندھ لیا کرتے تھے)۔

علامہ یوسف نبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عمامہ باندھا اس کا ایک کونہ میرے کاندھے پر ڈالا۔اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر وحنین

میں ایسے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی تھی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کانت له عمامة تسمی السحاب کساها علیًا وکان یلبسها ویلبس تحتها القلنسوة وکان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (کہ حضور ﷺ کا ایک عمامہ سحاب تھا آپ نے حضرت علیؓ کو پہنایا اور وہ اس کو پہنا کرتے اور اس کے نیچے ٹوپی رکھا کرتے اور آپ ٹوپی بغیر پگڑی کے اور پگڑی بغیر ٹوپی کے بھی پہنا کرتے) آپ کسی شخص کو اس وقت تک شہر کا حاکم مقرر نہ فرماتے تھے جب تک کہ اسے عمامہ نہ بندھواتے تھے عمامہ کا طرز یہ ہوتا کہ اس کا ایک پلہ دائیں کاندھے پر کان کی طرف ڈالا جاتا تھا۔ وکان ابن عمر یفعل ذلک ... (اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا کیا کرتے تھے) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پگڑی باندھتے تھے قاسم بن محمدؒ بھی اور حضرت سالمؒ بھی یفعلان ذلک (دونوں ایسا کیا کرتے تھے) یعنی عمامہ کو کتفین کے درمیان ڈالا کرتے تھے واشار بذلک الی انه سنة مؤکدة محفوظة لم یترکها الصلحاء (مواهب ص ۱۰۱) (اور اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک سنت مؤکدہ محفوظہ ہے نیکوکار لوگوں نے اس کو نہیں چھوڑا (بلکہ اپنا شعار بنایا) اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ابن عمرؓ کے حوالے سے نقل کی ہے عن ابن عمر انه قیل له کیف کان یعتم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یدیر کور العمامة علی رأسه ویغرزها من ورائه ویرخی لها ذؤابة بین کتفیه (مناوی ص ۲۰۶) (حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان کو کہا گیا کہ حضور ﷺ کیسے پگڑی باندھا کرتے تو ابن عمرؓ نے کہا کہ پگڑی کے پلّو سر کے اردگرد لپیٹ اور گھما کر پیچھے باندھ دیتے اور اس کا شملہ کندھوں کے درمیان لٹا دیتے)

شملہ کی مقدار:

باقی رہی مقدار شملہ کی بات تو شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں واقل ماورد فی طولها اربع اصابع واکثر ماورد فیه ذراع وبینهما شبر ویحرم افحاشها بقصد الخیلاء (مواهب ص ۱۰۱) (شملہ کی مقدار میں کم از کم لمبائی چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ وارد ہوئی ہے اور درمیانی مقدار

ایک بالشت اوراس سے انتہائی زیادہ بطور تکبر کے رکھنا حرام ہے)

(۵/۱۱۳) حَدَّثَنَا یُوسُفُ بْنُ عِیسٰی حَدَّثَنَا وَکِیعٌ حَدَّثَنَا اَبُوسُلَیمَانَ وَهُوَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْغَسِیلِ عَنْ عِکْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسلم خطب الناس وعلیه عِصَابَةٌ دَسْمَآءُ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے یہ روایت بیان کی ان کو وکیع نے اور انہیں ابوسلیمان نے یہ حدیث بیان کی جن کا نام عبدالرحمٰن بن غسیل ہے وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا یا چکنی پٹی تھی۔

راوی حدیث (۳۰۱) ابوسلمان بن عبدالرحمٰن بن الغسیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ:

خطب الناس وعلیه عصابة دسماء ۔ محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ مرض الوفات کے وقت تھا اور آخری خطبہ مبارک تھا هذه الخطبة وقعت فی مرض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الذی توفیٰ فیه (اتحافات ص ۱۵۹) (اور یہ خطبہ آپؐ نے مرض وفات ہی میں دیا تھا) ولم یصعد المنبر بعد ذلک (مواهب ص ۱۰۱) (اور اس کے بعد منبر پر نہیں بیٹھے (یعنی پھر خطبہ نہیں دیا) اس خطبہ مبارک میں آپؐ نے انصار کی مراعات کا خاص طور سے ذکر فرمایا ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور ارشاد فرمایا ایها الناس ان الناس یکثرون ویقل الانصار حتیٰ یکونوا کالملح فی الطعام فمن ولی منکم امراً یضر فیه احدا وینفعه فلیقبل مِن محسنهم ولیتجاوز عن مسیئهم ..فصعدا لمنبر ولم یصعد بعد ذلک الیوم (جمع ص ۲۰۹) (اے لوگو! بے شک لوگ (مسلمان) بڑھ رہے ہیں اور قبیلہ انصار (کے لوگ) کم ہوتے جا رہے ہیں اتنے تک کہ وہ کھانے میں مثل نمک ہو

جائیں گے۔ پس تم میں سے جو کسی امر (امور نافعہ یا ضارہ) کا حاکم اور والی بنایا جائے تو انصار میں محسنین کی قدر دانی کرے اور ان میں غلطی کرنے والوں سے درگزر فرمائے اس وقت حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس دن کے بعد منبر پر پھر نہیں بیٹھے)

عصابة دسمآء :

اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد تھا اسلئے پٹی کا باندھنا بھی موجہ ہے بعض روایات میں عمامہ کا لفظ آیا ہے العصابة والعمامة بمعنیً (اتحافات ص ۱۵۹) (عصابہ اور عمامہ ایک ہی معنیٰ میں ہیں) دسماء کا معنیٰ سوداء ہے کما فی نسخة وقیل معنیٰ الدسماء الملطخة بالدسم لانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یکثر مِن دهن شعره فاصابتها الدسومة مِن الشعر (مواهب ص ۱۰۱) (دسماء کا معنیٰ سیاہ ہے جیسے کہ ایک نسخہ میں یہ ہے اور بعض نے کہا کہ دسماء کا معنیٰ جو چکنائی کے ساتھ مخلوط ہو۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بالوں مبارک میں تیل زیادہ لگاتے تھے تو پگڑی وغیرہ کو بھی بالوں کی چکنائی پہنچ جاتی تھی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر تیل لگانے کا معمول تھا اور تیل زیادہ استعمال فرمایا کرتے تھے لہذا پٹی کا یا عصابة کا تیل آلودہ ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اور اگر مراد سیاہ عمامہ لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ اس میں کسی قسم کا بعد نہیں کہ یہ آپ ؐ کی عادت مبارک تھی خلاصہ یہ کہ علماء کی اس میں دو آراء ہیں بعض نے یہاں سیاہ عمامہ مراد لیا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظاً دونوں محتمل ہیں اور معمول بھی دونوں کے مطابق ہے۔

==

باب ماجاء فی صفة اِزار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند کے بیان میں

ازار کا معنیٰ وتشریح:

الازار ' ازر سے ماخوذ ہے ازر کا معنیٰ مضبوطی سے باندھنا' ازار بروزن فعال بمعنیٰ مفعول کے ہے یعنی مایؤتزر بہ 'پھراس سے چادر مراد لی گئی پھراس کی مزید تخصیص کی گئی یعنی ہر وہ چیز جو اسفلِ بدن پر باندھی جائے اسے ازار کہتے ہیں ازار کا لغوی ترجمہ تہبند ہے جس کا لغۃً اطلاق ازار اور سراویل دونوں پر آتا ہے مگر عرب کی عادت تہبند کے استعمال کی تھی جو سلا ہوا نہ ہوتا تھا اسلئے اب مراد فقط تہبند ہی ہے الازار: الملحفة والمراد هنا ما يستر اسفل البدن ويقابله الرداء وهو ما يستر اعلى البدن (اتحافات ص ۱۶۱)(ازار اور ملحفہ سے یہاں مراد ہر وہ چیز جو بدن کے نچلے حصہ کو ڈھانپے اور اس کے مقابل رداء ہے یعنی ہر وہ چیز جو بدن کے اوپر حصہ کو چھپائے) ترجمۃ الباب میں الرداء کو حذف کر دیا گیا من باب الاکتفاء کقوله تعالیٰ سرابيل تقيكم الحر ای والبرد (جمع ص ۲۱۰) (الاکتفاء کے قبیل سے ہوا (یعنی ایک چیز کو ذکر کیا جائے اور اس کا مقابل بھی ساتھ مراد ہو) جیسے کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں کہ "سرابيل تقيكم الحر" کا ذکر کر کے اس کا مقابل برد بھی ساتھ مراد ہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

اس باب میں چار احادیث مذکور ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند باندھنے اور صحابہؓ کا آپؐ کی کامل اتباع کا بیان ہے۔ سراویل اگرچہ استر للبدن (بدن کو زیادہ چھپانے والا

) ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا بھی ثابت ہے اور پسند کرنا بھی حتی کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی سراویل موجود تھی۔ مگر محققین حضرات کی رائے یہ ہے کہ قوی احادیث میں پہننا مصرح نہیں ہے علامہ بیجوریؒ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ راجح قول پہننے کا عدم ثبوت ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے سراویل خریدی ہے اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لئے خریدی ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث میں آپؐ کے سراویل پہننے کا ذکر بھی آیا ہے جبکہ حضراتِ صحابہ کرامؓ تو آپؐ کی اجازت سے باقاعدہ پہنتے تھے اور صحابہؓ کا پہننا ثابت ہے (زادالمعاد ج ۱ ص ۵۱)

حضرت ابوامامۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہود سراویل پہنتے ہیں اور تہبند نہیں پہنتے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی مخالفت کرو سراویل بھی پہنو اور ازار بھی، دونوں چیزیں استعمال کیا کرو تا کہ نہ تو یہودیوں کی بالکل موافقت رہے اور نہ بالکل مخالفت۔ نیل الاوطار میں حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ کبھی سراویل بھی پہنتے ہیں آپؐ نے فرمایا پہنتا ہوں مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے اس سے زیادہ پردہ دوسری چیز میں نہیں ہے تاہم محدثینؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ازار ورداء کا طول وعرض:

بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تہبند باندھنے کا تھا اور چادر اوڑھنے کا، اور سراویل بھی پسند تھی لہذا شرعاً تہبند اور سراویل دونوں کا استعمال جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن جوزیؒ نے الوفاء میں عروۃ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدسؐ کے رداء کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی طول رداء رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ اذرع وعرضہ ذراعان ونصف اور واقدیؒ سے ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے کہ چھ ہاتھ لمبی، تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی تھی عن الواقدی ان طولہ ستۃ اذرع فی ثلاثۃ اذرع وشبر جبکہ تہبند مبارک چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا

واما ازارہ فطولہ اربعۃ اذرع و شبر فی ذراعین .(مواھب ۱۰۲) اور احادیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حلۃ حمراء کے پہننے کا جوتذکرہ آتا ہے اس سے مراد بھی ازاراور رداء ہے والحلة ازار ورداء ولا تكون الحلة الا اسماللثوبين معاً (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۱) (اور حلّہ (جوڑا) تہبند اور چادر ہے اور دراصل حلّہ دو کپڑوں کے مجموعہ ہی کا نام ہوتا ہے)

(۱/۱۱۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَيْنِ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراھیم نے بیان کی۔ ان کو ایوب نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حمید بن ہلال سے اخذ کی اور ان تک یہ حدیث ابو بردہ (سے ان کے باپ مشہور صحابی ابوموسیٰ اشعریؓ) کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھلائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔

راویان حدیث (۳۰۲) حمید بن ھلالؒ (۳۰۳) ابو بردہؓ اور (۳۰۴) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیوند لگی چادر اور درشت کپڑے کا تہبند:

اخرجت الینا عائشةؓ کسآءً ملبدا وازاراً غلیظاً باب کی اس پہلی حدیث میں دو چیزیں مذکور ہیں کہ سیدہ عائشہؓ نے آپؐ کے وفات کے بعد حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو دو چیزوں کی زیارت کرائی۔

(۱) کساءً ملبدا یعنی پیوند شدہ کمبل یا چادر یہاں کسآء بمعنیٰ مکسوء کے ہے یعنی پہنی ہوئی چیز تاہم محاورات میں معمولی کپڑے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کساء بکسر اوله وهو ما يستر اعلى البدن ضد الازار وجمعه اكسية (مناوی ص ۲۱۰) (کساء (شروع لفظ کے کسرہ کے ساتھ) کا معنیٰ جو بدن کے اوپر حصہ کو ڈھانپے اور جو ازار کا مقابل ہے اور اس کی جمع اکسیة آتی ہے) ملبداً تلبید سے

ہے پیوند لگے ہوئے کپڑے' عرب کہتے ہیں لبدت القمیص البدہ یا لبدتہ میں نے قمیص میں پیوند لگائے جس ٹکڑے سے قمیص کے سامنے کا حصہ پیوند کرتے ہیں اسے لبدہ کہتے ہیں پشت پر جو چیتھڑا لگاتے ہیں اسے قبیلہ کہتے ہیں وقیل التلبید جعل بعضہ ملتزقا ببعض : ملبداً ای مرقعا (جمع ص ۲۱۰) (اور بعض کہتے ہیں کہ تلبید کا معنیٰ کپڑے کے بعض ٹکڑوں کو بعض سے لگانا ملبداً کا معنیٰ ٹکڑے لگا ہوا) وقیل ھو الذی ثخن وسطہ حتی صار کاللبد (مواھب ص ۱۰۲) (اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جس کا درمیان سخت ہو مثل ٹاٹ وغیرہ کے) (۲) دوسری چیز ازاراً غلیظاً یعنی موٹی قسم کا تہبند تھا' غلیظاً' غلظة سے ہے بمعنیٰ سخت ہونے' موٹا ہونے اور درشت ہونے کے ہیں ای خشنا (مواھب ص ۱۰۲) (یعنی کھردرا) وزاد البخاری تعلیقاً مما یصنع بالیمن (مناوی ص ۱۰۲) (اورامام بخاریؒ نے تعلیقاً یہ زیادتی بیان کی کہ وہ یمن میں تیار کیا جاتا تھا)۔

سیدہ عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں چیزیں جن میں آپؐ نے وصال فرمایا بطور تبرک کے اپنے پاس رکھی تھیں لا جل التبرک بھما (مواھب ص ۱۰۲) نیز آپ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طیالسی جبہ بھی محفوظ تھا جسے آپؐ پہنا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو یہ تبرکات ان کی بہن حضرت اسماءؓ کے پاس منتقل ہوئے ۔ فکانت عندھا تستشفی بھا المرضیٰ کما اخبرت بذالک اسماء فی حدیثھا فی مسلم (مواھب ص ۱۰۲) (وہ حضرت اسماءؓ کے پاس تھے ان کے ساتھ بیماروں کے لئے طلبِ شفا کی جاتی تھی جیسے کہ مسلم کی حدیث میں حضرت اسماءؓ نے اس کی خبر دی ہے) حدیث میں لفظِ اخرجت آیا ہے یا تو اہتمام کے لئے خود دکھایا یا پھر ان لوگوں کی درخواست پر کسی کے ذریعہ زیارت کرائی ای اما بنفسھا او بامرھا (جمع ص ۲۱۰) (یعنی یا تو خود حضرت اسماءؓ دکھانے لائی یا کسی نے دکھانے کے متعلق کہا)

پیوند لگی چادر اور ازارِ غلیظ کے اختیار فرمانے کی توجیہات:

فقالت قبض روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین حضراتِ محدثینؒ نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان کی ہیں (۱) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلّف نہ فرماتے تھے بعض لوگوں کے ہاں

موت کے وقت بھی عمدہ لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے تا کہ روح نکلنا بھی عمدہ لباس میں ہو۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وفیہ انہ ینبغی للانسان ان یجعل آخر عمرہ محلًا لترک الزینۃ وان یرکن للعیش الخشن (مناوی ص ۲۱۱) (اور حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ اپنی آخر عمر میں ترک زینت کرتا رہے اور اس کا رجحان (سادگی اور ذرا تنگ عیش زندگی کی طرف ہو)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں یہ دعا کی تھی اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکیناً اور آپؐ کا ان دو پیوند لگی اور درشت چادروں میں قبض روح اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا اجابۃً لدعائہ مراراً اللھم احینی مسکیناً ... (جمع ص ۲۱۱) (یہ حضور ﷺ کی اس دعا کی قبولیت ہے جو آپؐ بارہا کیا کرتے کہ اے اللہ مجھے زندگی میں مسکین رکھ اور میری موت بھی مسکینیت میں ہو اور مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھائیں)۔

(۳) وصال کے وقت ایسے کپڑوں کا استعمال غایتِ درجہ کی تواضع وعبدیت پر حمل کیا جا سکتا ہے جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای تواضعاً وانکساراً وعبودیۃً وافتقاراً (یعنی تواضع انکساری، عاجزی، عبودیت اور احتیاج کے لئے) حالانکہ فتوحات کے دروازے کھل چکے تھے وسعت بھی آ گئی تھی اسلامی ریاست بھی قائم ہو چکی تھی خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کے مالی حالات بھی مستحکم ہو گئے تھے پھر فتح مکہ کے بعد دوسرے ممالک سے ہدایا اور سلاطین سے تحائف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا مگر آپؐ کا وہی حال رہا جو پہلے تھا اور یہ حال اختیاری تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں اور اس نوع کی تمام احادیث کا مدلول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی لذات اور تنعّمات سے اعراض تھا' باریک عمدہ کپڑا بسا اوقات عجب غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے جبکہ موٹا سادہ اور فقیرانہ لباس تواضع وانکسار اور عبدیّت کا باعث بنتا ہے اس لئے تو حضور ﷺ نے ان دو (پیوند لگی چادر اور موٹا تہبند) کا پہننا پسند فرمایا قال النووی ھذا الحدیث وامثالہ یبین ما کان علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مِن الزھادۃ فی الدنیا ولذاتھا والاعراض عن اغراضھا وشھواتھا حیث اختار لبسھما (جمع ص ۲۱۱)

(۴) وفیہ دلیل علی ان الفقیر الصابر افضل مِن الغنی الشاکر (جمع ص ۲۱۱) (اور اس میں دلیل ہے کہ فقیرِ صابر درجہ اور مرتبہ میں غنیِ شاکر سے بڑا اور افضل ہے) بعض بدنصیب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں غنی اور مالدار ہو گئے تھے حکومت قائم ہوئی تو دنیادار ہو گئے اور عیش و تنعّم میں رہنے لگے اس حدیث میں ان پر کھلا رد ہے یہ بجا ہے کہ اسلامی ریاست قائم ہوئی فتوحات کے دروازے کھلے مگر آپؐ کا حال وہی تھا جو پہلے تھا نعم ظھر لہ الملک والغنیٰ ولکن اختار الفقر والفناء لیکون متبعا لجمھور الانبیاء ومتبعاً لخلاصة الاولیاء والاصفیاء (جمع ص ۲۱۱) (ہاں اسلامی مملکت اور مالداری کے حصول کے باوجود آپؐ نے فقیرانہ، زاہدانہ زندگی کو اس لئے پسند اور اختیار فرمایا تاکہ انبیاء کرام کے اسوۂ حسنہ کی تو تابعداری کرنے والے اور اولیاءِ کرام کے لئے متبع ومقتدا بنیں)

تبرک بآثار الصالحین:

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آثار الصالحین اور ان کے ملبوسات وسامان سے تبرک حاصل کرنا مندوب ہے وفی الحدیث ندب حفظ آثار الصالحین والتبرک بھا من ثیابھم ومتاعھم (مناوی ص ۲۱۱) چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر مبارک اور تہبند مبارک کو بطور تبرک کے محفوظ رکھا جس میں آپؐ کا وصال ہوا تھا فرمایا کہ ان کے پاس ایک طیالسی جبہ بھی تھا جسے آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا تھا اس کے گریبان پر ریشم کا کام ہوا تھا فکانت عندھا یستشفی المریض بھا کما اخبرت بذالک اسماء فی حدیثھا فی مسلم (مناوی ص ۲۱۱) (وہ حضرت عائشہؓ کے پاس تھا مریض اور بیمار لوگ اس کے وسیلہ سے اپنی شفا طلب کرتے جیسے کہ حضرت اسماءؓ سے اس کی خبر مسلم شریف میں منقول ہے)

(۲/۱۱۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّتِيْ تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ بِالْمَدِيْنَةِ اِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِيْ يَقُوْلُ اِرْفَعْ

اِزَارَکَ فَاِنَّهُ اَتْقٰی وَاَبْقٰی فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هِیَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ اَمَالَکَ فِیَّ اُسْوَةٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اِزَارُهُ اِلٰی نِصْفِ سَاقَيْهِ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ ان کو اس روایت کی خبر ابوداؤد نے کی۔ انہوں نے شعبہ سے اور پھر انہوں نے اشعث بن سُلیم کے حوالے سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے یہ روایت ان کے چچا کے حوالے سے اخذ کی (ان کا نام عبید بن خالد تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ کہ اس سے نجاست ظاہری و باطنی تکبر وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ ایک معمولی سی چادر ہے اس میں کیا تکبر ہوسکتا ہے اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم ازکم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کو دیکھا تو نصف ساق تک تھی۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قال بینما ان امشی با لمدینة الخ امشی مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے استحضاراً للحال الماضیة (جمع ص ۲۱۱) (گذشتہ حال کے استحضار کے لئے) لفظ با بمعنیٰ فی کے ہے کما فی بعض النسخ (مواهب ص ۱۰۳) (جیسے کہ بعض نسخ شمائل میں (باء کے بجائے فی ہے) یعنی بینما امشی فی المدینة) اذا انسان خلفی یقول الخ اذا مفاجاة کے لئے ہے کسی شخص نے مجھے پیچھے سے آواز دی حین رانی مسبلاً ازاری وغافلاً عن حسن شعاری (جمع ص ۲۱۲) (جس وقت آپؐ نے مجھے دیکھا کہ میں اپنے تہبند کو (ٹخنوں) سے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں اور میں اسے اپنا اچھا شعار بنانے سے غافل تھا) ارفع ازارک یعنی زمین سے تہبند کو اوپر کرو فانه اتقیٰ وابقی کہ ایسا کرنے میں تقویٰ بھی ہے تحفظ وبقا بھی، تقویٰ تو اس لئے کہ اس سے کبر، خیلاء، عجب، ریا اور خود پسندی کی نفی ہوتی ہے۔ لـلـبـعـد عن

الکبر والخیلاء (مواھب ص ۱۰۳) (بعض نسخوں میں انقی مذکور ہے جو النقاء سے ہے ای انظف مِن الوسخِ (جمع ص ۲۱۲) (یعنی کہ میل کچیل سے صاف ستھرا ہوگا) ابقیٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ تہبند دیر تک چلے گا اور اگر زمین پر گھسٹتا رہا تو جلدی پھٹ جائے گا نصف ساقین تک ازار رکھنا یہ تقویٰ کے مطابق ہے اخروی فائدہ ہوا اور ازار کے پاؤں کے نیچے آنے سے بچنے میں تحفظ دنیوی کا فائدہ ہے یہ انقی ہوا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اپنے کپڑوں کی حفاظت، صفائی اور ان کی دیکھ بھال پر توجہ دینی چاہئے لان اھمالہ تضییع واسراف (مواھب ص ۱۰۳) (اس لئے کہ اس کو ویسے مہمل چھوڑ دینے میں اسراف اور کپڑے کا ضیاع ہے)

بردة ملحاء :

فالتفت فاذا ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللّٰہ انما ھی بردۃ ملحاء ۔یعنی میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ای نظرت الی ورائی (جمع ص ۲۱۲)
تو اچانک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے راوی کہتے ہیں کہ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں عرض کیا ھی بردۃ ملحاء .ملحاء املح کی تانیث ہے۔
(۱) والملحۃ (بالضم) بیاض یخالطہ سواد (جمع ص ۲۱۲) (اور الملحۃ (میم کے ضمہ کے ساتھ) ایسی سفیدی جس کے ساتھ سیاہی (کالے پن) کی ملاوٹ ہو) کو کہتے ہیں (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ملحاء سفید اور کالی دھاریوں والے کپڑے کو کہتے ہیں (۳) وقیل مافیہ البیاض اغلب (جمع ص ۲۱۲) (اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں سفیدی غالب ہو) صحابی کی غرض یہ تھی کہ معمولی سی چادر ہے اگر اس کا پلو نیچے لگ بھی جائے تو بظاہر کوئی حرج نہیں لا خیلاء فیھا وان امر بقائھا ونقائھا سھل (جمع ص ۲۱۳) (اس میں تکبر اور فخر والی بات نہیں۔ باقی رہا اس کے تحفظ بقاء اور صفائی کا معاملہ تو یہ آسان ہے) اور ایک معنیٰ یہ بھی محتمل ہے کہ یہ تو دھاریدار خوشنما چادر ہے ہم اسے شوق سے پہنتے ہیں اگر یہ نیچے گھسٹ بھی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں والمراد بہ بردۃ سوداء فیھا خطوط بیض یلبسھا الاعراب لیست مِن

الثیاب الفاخرة (مواهب ص ۱۰۳) پھر یہ ایسا کپڑا بھی نہیں جس کو خصوصی محفلوں میں اہتمام سے پہنا جائے انما هو ثوب مهنة لاثوب زينة (مواهب ص ۱۰۳) (بیشک وہ تو محنت ومزدوری میں استعمال کا کپڑا ہے نہ کہ زینت وغیرہ کے لئے)۔

امالک فیّ اسوة :

امالک فیّ اسوة حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے لئے میرا نمونہ کافی نہیں ہے اور کیا میرے طرز عمل میں تیرے لئے نمونہ نہیں ہے اسوة بمعنیٰ قدوة اور متابعت کے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنے کیئے کی توجیہ بیان کر رہے ہو اور جوازِ فعل کے لئے سند ڈھونڈ رہے ہو یہاں یہ بات نہیں چلے گی اللہ پاک کا صریح حکم ہے لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة (تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ (کے اقوال وافعال) میں بہترین نمونہ۔ ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے من يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيما (جو شخص کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے تو وہ بڑی کامیابی سے فیض یاب ہوا) اور یہ بھی فرمایا ہے من يطع الرسول فقد اطاع الله ۔ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے (درحقیقت) اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند باندھنے میں فقط میری ہی اتباع کرو اور بس۔

تہبند کا شرعی طریقہ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں نصفِ ساقین تک ازار کا اسبال مستحب ہے نصفِ ساقین سے کعبین تک بلا کراہت جائز ہے اور جو کعبین پر لٹکا دیا جائے اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے فان كان للخيلاء فممنوع منع تحريم والا فمنع تنزيه (جمع ص ۲۱۵) وفي معنى الازار القميص وكل ملبوس واما المرأة فيسن لها جره على الارض قدر شبر و اكثره ذراع (مواهب ص ۱۰۳) (اور تہبند کے حکم میں قمیص اور ہر ملبوس ہے اور عورت کے لئے (قمیص اور ازار وغیرہ میں) ایک بالشت کی مقدار کا زمین پر کھینچ کے چلنا سنت ہے اور زیادہ ایک ہاتھ تک)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وينبغي ان يعلم ان في معنى الازار القميص وسائر الملبوسات وانما خص

الازار بالذكر بناء على القضية الاتفاقية او خرج الكلام مخرج الغالب فان غالب ملبوساتهم كان ازاراً (جمع ص ۲۱۵) (اور یہ بھی معلوم کرنا مناسب ہے کہ تہبند کے حکم میں قمیص اور باقی سب ملبوسات ہیں باقی حدیث شریف میں تہبند کی تخصیص یا تو ویسے اتفاقی ہے یا پھر ان کی عام عادات کے مطابق کلام استعمال کیا گیا کیونکہ ان کی غالب ملبوسات تہبند ہی ہوتے تھے) كما قال النبی صلی الله عليه وسلم الاسبال فی الازار والقميص والعمامة من جرّ منها شيئاً لم ينظر الله اليه يوم القيامة (مشکوٰة ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسبال (شرعی حد سے زیادہ لٹکانا) تہبند قمیص اور پگڑی میں ہے۔ جو کوئی شخص ان میں حدودِ شرعی سے زیادہ لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماویں گے)۔

خواص کے لئے حضرت مدنیؒ کی تنبیہ:

خلاصہ یہ کہ تہبند کو ٹخنوں پر لٹکانا گناہ ہے مگر آج عوام تو عوام خواص بھی اسی میں مبتلا ہیں بعض اہل علم تو تاویلات بھی کرتے ہیں اور جواز کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں اور خلاف سنت فعل کو مستحسن ثابت کرتے ہیں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے کہ جب حضرت امام مالکؒ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ نظافت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمیشہ خوش پوشاک رہتے ہیں قیمتی اور عمدہ لباس پہنتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نفعل ونستغفر، یعنی ہم یہ کام کرتے بھی ہیں اور اس سے استغفار بھی پڑھتے ہیں تاویل کا سہارا لیکر نفس کو اترانے سے بچایا نہ یہ کہ ایک تو گناہ کرنا دوسرا اس کے لئے سندِ جواز ثابت کرنا تو دوہرا گناہ ہے اللہ پاک سب کی حفاظت فرماوے۔ ویسے تو صاف ستھرے عمدہ لباس کو (جبکہ اس میں ارتکاب گناہ نہ ہو) بہت سے مشائخ اور اکابر نے پسند فرمایا ہے بلکہ جس کی توفیق ہو اور استعمال نہ کرے تو آپؐ نے اس کے متعلق فرمایا کہ فاذا اتاک الله مالاً فلير اثر نعمة الله عليک وكرامته (مشکوٰة ص ۳۷۵) (جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کی نعمت و احسان کا اپنے اوپر کچھ اظہار بھی کرنا چاہئے)۔

(۳/۱۱۶) حَدَّثَنَا سُوَیْدُبْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ مُوْسَی بْنِ عُبَیْدَۃَ عَنْ اِیَاسِ بْنِ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ عُثْمَانُ یَأْتَزِرُ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ وَقَالَ ھٰکَذَا کَانَتْ اِزْرَۃُ صَاحِبِیْ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن نصر نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے موسیٰ بن عبیدۃ کے واسطہ سے بیان کی انہوں نے یہ روایت ایاس بن سلمۃ بن اکوع سے ان کے باپ کے حوالے سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی۔

راویان حدیث (۳۰۵) موسیٰ بن عبیدۃؒ اور (۳۰۶) ایاس بن سلمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمانؓ کا اہتمامِ سنت :

کان عثمان یأتزر الی انصاف ساقیه یعنی حضرت عثمانؓ اپنا تہبند پنڈلیوں کے نصف تک لٹکایا کرتے تھے والساق مابین الرکبة والقدم (مواهب ص ۱۰۳) (اور ''پنڈلی'' گھٹنے اور قدم کے درمیانی جگہ ہے) یأتزر ای یلبس الازار ویرخیه (جمع ص ۲۱۳) (یأتزر یعنی تہبند پہنتے اور اس کو لٹکاتے تھے) جمع سے مافوق الواحد مراد ہے بقرینتھا اضیف الیه وقیل فی جمع الانصاف اشارة الی التوسعة (جمع ص ۲۱۳) (بوجہ قرینے مضاف الیہ (یعنی ساقیہ) کے اور بعض نے اس کا استعمال بطور توسع کے (غیر جمع کے لئے) کیا ہے) پھر اس کی توجیہ بیان فرماتے ھکذا کانت ازرة صاحبی ۔(کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں) کہ اسی ہیئت وشکل پر میرے (محبوب ساتھی حضور ﷺ) کی لنگی تھی)۔

خلفاء راشدین کا طریقہ بھی سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی ۔(تمہارے اوپر میری سنت (طریقہ) اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے) حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت کو محفوظ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قال ما اسفل مِن الكعبين من الازار في النار (جمع ص ۲۱۵) (کہ تہبند کا ٹخنوں کے نیچے کا حصہ آگ میں ہوگا) حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے تہبند کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تم نے بڑے واقف کار سے سوال کیا میرے پیغمبر نے فرمایا کہ مسلمانوں کا تہبند نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے اس کے نیچے ٹخنوں تک ہو تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ تہبند کا لٹکے گا وہ آگ میں جائے گا اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے (ابوداؤد)

(۱۱۷/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ اَخْبَرَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اَخَذَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِيْ اَوْ سَاقِهٖ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْاِ زَارِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْاِ زَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ یہ روایت نے بیان کی ۔ انہوں نے اس روایت کی خبر ابوالاحوص سے انکے باپ (ابی اسحٰق) کے حوالے سے دی ۔ انہوں نے مسلم بن نذیر سے اخذ کی اور انہوں نے حذیفہ بن یمانؓ سے سنی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہو تو اس سے کچھ نیچے سہی اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں لہذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے ۔

راویان حدیث (۳۰۷) مسلم بن نذیرؒ اور (۳۰۸) حذیفہ بن الیمانؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

عضلة کا معنیٰ وتشریح:

اخذ بعضلة ساقي اوساقه الخ عضلة : طلحة کے وزن پر ہے ہر اس پٹھے کو کہتے ہیں جو گوشت سے پُر ہو كل لحمة مجتمعة في عصب (جمع ص ۲۱۴) کو کہتے ہیں وهي هنا اللحمة المجتمعة اسفل مِن الركبة مِن مؤخر الساق (جمع ص ۲۱۴) (اور اس (عضلہ) سے مراد یہاں وہ پُر گوشت پٹھا جو گھٹنے

سے نیچے پنڈلی کا آخری حصہ) لفظ او کا مدلول شک حذیفہ کو نہیں بلکہ حذیفہ کے بعد والے راوی کو ہے کیونکہ بعض نسخوں میں اخذ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسفل مِن عضلۃ ساقی (کہ نبی کریم ﷺ نے میری پنڈلی کے نچلے پُر گوشت حصہ کو پکڑا) منقول ہے بغیر شک کے ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل ص ۲۱۴ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

موضع الازار :

فقال ھذا موضع الازار یعنی تہبند باندھنے کا یہ مقام ہے ای طرفہ اونھایۃ موضع الازار (مناوی ص ۲۱۴) ای ھذا محل موضع طرف الازار فھو علی تقدیر مضاف (مواھب ص ۱۰۴) (یعنی یہ جگہ تہبند کے پلّو کا محل ہے پس یہ عبارت بصورت تقدیر مضاف (طرف) ہے) فان ابیت ... اگر تم کو اس قدر اونچا تہبند باندھنا پسند نہ ہو ای امتنعت مِن قبول النصیحۃ المتضمنۃ للعمل بالاکمل والا فضل واردت التجاوز عن العضلۃ فاسفل (یعنی اگر تو ایسی نصیحت کا انکار کرتا ہے جو اکمل اور افضل صورت پر عمل کو متضمن ہے اور تیرا ارادہ (حضورؐ کی بتائی ہوئی جگہ سے) تجاوز کرنا ہے تو پھر ذرا اسی سے نیچے سہی) یعنی عضلۃ سے نیچے کی پنڈی بھی اس کا موضع ومقام ہے کعبین کے قریب تک فان ابیت. اگر اس سے بھی انکار ہو اور طریقہ مسنون سے تجاوز ہو تو پھر خیلاء ہے تکبر ہے غرور ہے اور سنت کی مخالفت ہے فلاحق للازار فی الکعبین ای فی وصولہ الیھما والمعنیٰ اذا جاوز الازار الکعبین فقد خالفت السنۃ. (جمع ص ۲۱۴) (تو تہبند کا ٹخنوں میں کوئی حق نہیں یعنی تہبند کو ٹخنوں تک پہنچانے کا مطلب یہ نکلا کہ جب تہبند ٹخنوں سے متجاوز ہو تو پھر آپ نے سنت کی مخالفت کی)

یہ بات بھی عرض کی جا چکی ہے کہ علماء کرام نے ضرورت کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ٹخنے میں پھوڑا پھنسی ہو یا پاؤں میں اور مکھی وغیرہ بیٹھتی ہو یا گرد وغبار کا اندیشہ ہو تو بغرض حفاظت وضرورت ازار کا لٹکانا جائز ہے۔ کما اذن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعبدالرحمٰن بن عوف والزبیر بن العوام فی لبس قمیص الحریر من اجل حکۃ کانت بھا رواہ البخاری (جمع ص ۲۱۴، مشکوۃ ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت بوجہ

اس کھجلی (خارش) کے جوان دونوں میں تھی)

خلاصہ بحث:

علامہ ملاعلی قاریؒ قاضی عیاض اور عراقی سے نقل کرتے ہیں وقد نقل القاضی عیاض کراهة کل مازاد علی العادة من الطول والسعة وتبعه الطبری وقال العراقی حدث للناس اصطلاح وصار لکل صنف من الخلائق شعار یعرفونه به فمهما کان ذلک بطریق الخیلاء فلا شک فی تحریمه وماکان علی سبیل العادة فلا یجری النهی فیه مالم یصل الی حد الاسراف المذموم (جمع ص ۲۱۶) (اور تحقیق قاضی عیاضؒ نے ہر اس لباس کی جو عام (لوگوں کی) عادت سے طول وعرض میں زیادہ ہو کراہت نقل کی ہے اور امام طبریؒ نے بھی اس سلسلہ میں ان کی اتباع کی ہے اور علامہ عراقیؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی لباس کے سلسلہ میں ایک اصطلاح اور عادت بن چکی ہے اور ہر ایک قوم اپنے طور وطریق کے مطابق اسے اپنا شعار بنائے ہوتی ہے پس جب کبھی یہ بطور فخر وریاء اور تکبر کے ہو تو اس کی حرمت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ البتہ جو بطورِ عادت کے استعمال ہوتا ہے تو اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت نہیں ہے اگر وہ اسرافِ مذموم کی حد تک نہ پہنچا ہو)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت پسندی:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی طہارت ونظافت کو پسند فرماتے تھے اور امت کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے آپؐ کی اسی طبیعت اور صفائی پسندی کا اثر تھا کہ آپؐ کا کپڑا میلا نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ آپؐ کے کپڑے میں کبھی بھی جوئیں نہیں پڑیں ان ثوبه لا یقمل (مناوی ص ۲۱۶)

ملاعلی قاریؒ نے بھی لکھا ہے ومن خواصه ان ثوبه لم یقمل (جمع ص ۲۱۶) (حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کے کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کبھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھی اور نہ کبھی مچھر نے آپ کو کاٹا ان الذباب لم یقع علی ثوبه قط ولا یمص دمه البعوض (مناوی ص ۲۱۶)

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مِشْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس ﷺ کی رفتارمبارک کا تذکرہ

خوبیٔ رفتار :

مشیة ! مشی مصدر ہے، بمعنی گزرنے اور چلنے کے آتا ہے۔ بروزنِ فِعلة ، جیسے سدرة، کیفیت اور حالت کی ترجمانی کرتا ہے۔ما یعتادہ الانسان من المشی و قیل ھیئة المشی (مناوی ص۲۱۶)(علامہ مناویؒ مشیة کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو عام طور پر انسان چلتے رہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ چلنے اور رفتار کی ہیئت اور شکل کو مشیة کہتے ہیں) ویسے تو حلیہ مُبارک کی روایات میں آپؐ کی رفتار مبارک کا ذکر تبعاً آچکا ہے، مگر اس ترجمة الباب کے انعقاد کی وجہ آپؐ کی رفتار کی کیفیت (ہلکی، درمیانی یا تیز) اور اس کی حسن وخوبی کا مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے ....

عالم ہمہ یغمائے تو، خلقِ جہاں شیدائے تو
آن نرگسِ شہلائے تو، آوردہ رسم دلبری

(حاصل ترجمہ : سارا جہان آپؐ کے طفیل سے وجود میں آیا تمام مخلوق آپؐ پر فدا ہوتی ہے آپؐ کی خوبصورت نرگسی آنکھوں سے دنیا میں دلبری کی رسم قائم ہوئی ہے)

فارسی کے اس شعر کا گویا اردو کا یہ شعر ترجمہ ہے ....

ساری دنیا مصطفیؐ کو دیکھ کر حیران ہے
کیسے ہوگا وہ مصوّر جس کی یہ تصویر ہے

(۱/۱۱۸) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِىْ يُوْنُس عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَارَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِهٖ وَمَارَاَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِىْ مِشْيَتِهٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوىٰ لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے استاذ قتیبۃ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابن لہیعۃ نے ابی یونس کے واسطہ سے دی اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کی۔

ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، (چمک اور روشنی چہرہ مبارک پر اس قدر تھی) گویا کہ آفتاب آپؐ ہی کے چہرے میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپؐ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، زمین گویا لپٹی جاتی تھی (کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں) ہم لوگ آپؐ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپؐ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔

راویان حدیث (۳۰۹) ابن لہیعہؒ (۳۱۰) ابو یونسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حسنِ کامل :

مارأیت شیئًا احسن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ، رأیت بمعنی علمت اور ابصرت کے ہے والاول ابلغ (مناوی ص ۲۱۷) (حدیث میں لفظ رائیت یا تو بمعنی علمت (میں نے پہچانا) یا بمعنی ابصرت (میں نے دیکھا) کے ہے اور پہلا معنی زیادہ فصیح و بلیغ ہے) شیخ بیجوریؒ بھی لکھتے ہیں۔ ورأی اماعلمیۃ و امابصریۃ والاول ابلغ (مواھب ص ۱۰۴) (اور رأی یا بمعنی رویت علمی ہے یا بصری پہلی صورت یعنی رویت علمی (بمعنی جاننے کے) زیادہ بلیغ ہے) شیئًا کی تنوین تنکیر کے لیے ہے بمعنیٰ عموم کے اور نکرہ تحت النفی ہے، تو خاص انسان مراد نہیں ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ ہر

چیز سے خوبصورت تھے والمعنی انه احسن مما عداه (جمع ص ۲۱۷) اور مطلب یہ کہ آپؐ اپنے ماسواسب چیزوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔

جمال رخ انورؐ :

کأنّ الشمس تجری فی وجهه گویا سورج آپؐ کے چہرۂ انور میں چل رہا ہے یعنی چمک رہا ہے۔ شبه جریان الشمس فی فلکها بجریان ماء الحسن و نضارتة و رونقه فی وجهه ﷺ اوشبه لمعان وجهه و ضوئه بلمعا نها و ضوئها و قصده اقامة البرها ن علیٰ احسنیته و خص الوجه لا نه الذی فیه تظهر المحاسن ولکون حسن البدن تابعاً لحسنه غالباً (مناوی ص ۲۱۷) (ابوھریرہؓ نے سورج کے اپنے مدار میں چلنے کو اس صاف وشفاف تروتازہ پانی سے تشبیہ دی جو حضور ﷺ کے چہرہ مبارک میں جاری ساری ہو اور یا آپؐ کے چہرہ مبارک کی روشنی اور چمک کو سورج کی روشنی اور چمک سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ دینے سے غرض حضور پاک ﷺ کی انتہائی خوبصورتی پر حجت اور دلیل قائم کرنا ہے اور چہرہ کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ سب محاسن کا مظہر ہے اور اس لیے بھی کہ سارے بدن اور اعضاء کا حسن عام طور چہرے کے حسن ہی کا تابع ہوتا ہے۔ و یحتمل ان یکون من تنا هی التشبیه بجعل و جهه مقراً و مکاناً للشمس (جمع ص ۲۱۷) (اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تناہی فی التشبیہ کے قبیل سے ہو (یعنی مشبہ کو عین مشبہ بہ سے تعبیر کر دینا) یعنی حضور ﷺ کے چہرے مبارک کو سورج کی قیام گاہ وقرارگاہ قرار دیا جائے) جس کی تائید ربیع بنت معوذؓ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، لورأیته لرأیت الشمس طالعة (جمع ص ۲۱۷) (کہ اگر آپ لوگ حضور ﷺ کو دیکھتے تو ایسے ہی دیکھتے جیسے سورج نکلا ہوا ہے) ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بے تکلفی کے ایک موقع پر بڑے لطیف انداز سے حضور اقدس ﷺ کو دور جاہلیت کے مشہور شاعر ابو کبیر ھذلی کے کہے ہوئے رنگِ تغزل سے مملو اس شعر کا مصداق ٹھہرایا .... ؎

واذانظرت الی اسرة وجهه　　　برقت کبرق العارض المتهلل

(جب میں نے ان کے روئے تاباں پر نظر ڈالی تو اس کی شان درخشندگی ایسی تھی جیسے کہ لکۂ

ابر میں بجلی کوندرہی ہو) چہرۂ انور کا خصوصیت سے ذکر اور اس کے حسن و جمال کے تذکرہ کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ چہرہ سے تمام محاسن کا اظہار ہوتا ہے۔ لان حسن البدن تابع لحسنه غالباً (جمع ص۲۱۷) (اس لئے کہ بدن اور جسم کی خوبصورتی اکثر چہرے کے حسن کے تابع ہوتی ہے)

احقر کا ارادہ ہے کہ شرح شمائل ترمذی کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ جمالِ محمدؐ کے عنوان سے سیرتِ رسولؐ پر کام کیا جائے کہ یہی باعث نجات بھی ہے۔ اللہ! اسی پر زندگی دے اور یہی موت ہے

نصاب حسن درحد کمال است ۔۔۔ زکوٰتم دہ کہ مسکینم فقیرم

(آپؐ کا حسن حد کمال تک پہنچا ہوا ہے، مجھے زکوٰۃ عنایت فرماویں کیونکہ میں مسکین فقیر ہوں (یعنی چونکہ آپ کے حسن علوم نبوت وغیرہ میں کمال ہی ہے اس لئے مجھے بھی معرفت الٰہیہ سے کچھ بطور زکوٰۃ دینا چاہئے)

حُسنِ رفتار :

ومارایت الخ آپؐ کی رفتار مبارک اس قدر تیز تھی۔ کانما الارض تطوىٰ له (گویا زمین آپؐ کے لیے لپیٹی جارہی ہے) ای تجمع و تجعل مطوية تحت قدميه (مناوی ص۲۱۷) (یعنی ساری زمین کو اکٹھا اور لپیٹ کر آپؐ کے قدموں میں ڈالا گیا) اکتراث کا معنی توجہ کرنا ہے۔ اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے ساتھ آتا ہے۔ اثبات کے ساتھ قلیل اور نادر استعمال ہوتا ہے۔ غیر مکترث بمعنی بغیر کوشش وتوجہ کے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: واستعمال مكترث فى النفى هو الاغلب وفى الاثبات قليل شاذ (مواھب ص۱۰۵) ملا علی قاریؒ نے اس کا معنی غیر مبالی سے کیا ہے (جمع ص۲۱۷)

والحاصل ان سرعته فى مشيته كانت من كمال القوة لامن حيث الجهد والمشقة والعجلة .

(جمع ص۲۱۸) (خلاصہ بحث یہ نکلا کہ آپؐ کے چلنے میں تیز رفتاری یہ (روحانی) قوت کے کمال کیوجہ سے تھی نہ کہ قصداً محنت ومشقت اور جلدی سے چلنے میں)

(۱۱۹/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَوْلَى غُفْرَةَ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وُلْدِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

كَانَ عَلِيٌّ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِيْ صَبَبٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر اور بہت سے لوگوں کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس سے ملی۔ ان تک یہ روایت عمر بن عبداللہ سے پہنچی جو کہ غفرۃ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن محمد نے یہ حدیث بیان کی، جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو یوں کہتے کہ جب آپؐ چلتے ہیں، تو قوت سے پاؤں اٹھا کر چلتے، گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں''۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپؐ کا ذکر فرماتے، تو یہ فرماتے کہ جب آپؐ چلتے تھے، تو ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھاتے (عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا اونچائی سے اُتر رہے ہیں۔

تقلع کا معنیٰ :

قال كان علي........ اس حدیث کا مفہوم اوراس کی شرح پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

تقلّع: درخت کو بیخ وبن سے اکھیڑ دینے کو کہتے ہیں۔ من قلع الشجرة اذا نزعها من اصلها اى مشى بقوة و دفع كامل (جمع ص ۲۱۸) (تقلع کا اشتقاق اور مادہ قلع الشجرۃ سے ہے یعنی جب درخت کو جڑ سے ہی نکال دیا جائے یعنی آپؐ پوری قوت وہمت اور وقار سے چلتے تھے) کیونکہ تقلع زمین سے قوۃ اور ہمت سے پاؤں اٹھانے اور وقار وتمکنت سے چلنے کو کہتے ہیں۔ وهى مشية أولى العزم والهمة والشجاعة وهى اعدل المشيات وارواحها للاعضاء (زادالمعاد ج اص ۵۹) (اور اس قسم کی ہیئت وشکل سے چلنا بہادر اور عزم وہمت والے لوگوں کی چال ورفتار ہے اور یہ چلنے کے اقسام میں سب سے معتدل اور اعضاء کو آرام پہنچانے والی ہے) ناز ونخرہ اور فخر وغرور سے چلنا ناپسندیدہ چال ہے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہے۔ جیسے کہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا بينما رجل يتبختر فى بردين وقد اعجبته نفسه خسف به الارض فهو يتجلجل فيها الى يوم القيامة (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) کوئی ایک شخص اپنی دو چادروں میں بڑے ناز ونخروں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے

ہوئے جارہا تھا کہ زمین اسکے ساتھ دھنس پڑی پس وہ دھنستا اور گھستا جائیگا اسمیں قیامت تک (مشکوٰۃ) ینحط بمعنیٰ ینزل کے ہے، ای کانما ینزل فی منحدر ۔(مواھب ص ۱۰۵) گویا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔

(۱۲۰/۳) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبِیْ عَنِ الْمَسْعُوْدِیِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ تَکَفُّؤًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس اس روایت کی خبر میرے باپ نے مسعودی کے حوالے سے دی۔ اُن کو یہ حدیث عثمان بن مسلم بن ہرمز سے ملی۔ اُن کے پاس یہ روایت نافع بن جبیر بن مطعم کے ذریعہ سے پہنچی اور وہ اس کو حضرت علی بن طالبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو جھک کر چلتے تھے گویا کہ ڈھلوان میں اُتر رہے ہیں''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں۔ اس حدیث کی بحث بھی پہلے باب میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ تکفأ الخ معناہ انه یمیل الی امامه لیرفع رجله من الارض بکلیته لامع اهتزاز وتکسر کهیئة المختال (مواھب ص ۱۰۵) (اس کا معنی یہ ہے کہ آپؐ ذرا آگے کی طرف جھکتے تا کہ زمین سے اپنا پاؤں مکمل طور پر اٹھائیں نہ بدن کو حرکت دیئے اکڑتے ہوئے متکبرین کی چال)

مشیة کے اقسام :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک جس کا تذکرہ احادیث میں ہے کے متعلق فرمایا کہ قال غیر واحد من السلف بسکینة ووقار من غیر تکبر ولا تماوت وھی مشیة رسول اللہ ﷺ الخ 'بہت سے اسلاف اور بزرگوں نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک کے متعلق یہ فرمایا کہ آپؐ پورے

اطمینان اور وقار کیساتھ چلا کرتے اسمیں تکبر اور سستی کی چال نہیں ہوا کرتی تھی۔ پھر اس سلسلہ کے ضمن میں فرمایا کہ والمشیات عشرة انواع، هذه الثلاثة (هون، تماوت، مهانة) منها والرابع السعي والخامس الرمل وهو اسرع المشي مع تقارب الخطا و يسمى الخبب و في الصحيح من حديث ابن عمر ان النبي ﷺ خب في طوافه ثلاثا و مشى اربعا والسادس النسلان وهو العدو الخفيف الذي لايزعج الماشي وفي بعض المسانيد ان المشاة شكوا الى رسول الله ﷺ من المشي في حجة الوداع فقال استعينوا بالنسلان. والسابع الخوزلى وهي مشية التمايل و هي مشية يقال ان فيها تكسر اوتخنثا. والثامن القهقرى وهي مشية الى وراء. والتاسع الجمزى مشية يثب فيها الماشي وثبا. و العاشر مشية التبختر وهي مشية أولي العجب والتكبر وهي اللتي خسف الله سبحانه بصاحبها لمانظر في عطفيه و اعجبته نفسه فهو يتجلجل في الارض الى يوم القيامة و اعدل هذه المشيات مشية الهون والتكفي. (زادالمعاد ج۱ ص۶۰) (کہ رفتار اور چلنے کی دس قسمیں ہیں تین تو وہی گذشتہ (ھون، تماوت، مھانہ) اور چوتھی قسم سعی اور پانچویں رمل ہے یعنی قدموں کو قریب قریب اٹھاتے ہوئے جلدی چلنا اور اسی کو دوڑنا اور کودنا کہا جاتا ہے۔ اور ابن عمرؓ کی صحیح روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ طواف کے تین چکروں میں ذرا تیز چلے اور چار چکروں میں اپنی طبعی رفتار میں گئے اور چھٹی قسم النسلان ہے یعنی تھوڑا تیز چلنا جو چلنے والے کو بے آرام اور تھکائے نہیں اور بعض مسند روایات میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیدل چلنے والوں نے حضور ﷺ سے چلنے (میں تکلیف) کی شکایت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنی رفتار میں نسلان سے استعانت حاصل کرو۔ ساتویں قسم الخوزلی ہے اور یہ ناز ونخرہ سے چلنا ہے کہا جاتا ہے کہ اس چال میں لچک اور ٹوٹا پن سا ہوتا ہے۔ آٹھویں قسم کو قہقریٰ کہتے ہیں یعنی الٹا چلنا نویں قسم الجمزیٰ ہے جس میں چلنے والا اچھل اور کود کود کر چلتا ہے اور دسویں قسم تبختر ہے یعنی متکبرانہ اور خود پسندانہ چال اور یہ چال متکبرین اور خود بین لوگوں کی ہے۔ (اور یہ تو وہی مبغوض اور ناپسندیدہ چلنا ہے) کہ اس چال پر چلنے والے کو جب اپنی دو خوبصورت چادروں کو دیکھ کر اپنی جان غرور تکبر سے اچھی لگی تو اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسے دھنسایا کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا اور گھستا چلا جائے گا (معاذ اللہ) اور ان سب رفتار اور چالوں میں ھون اور تکفی کی چال معتدل ہے۔

بَابَ مَاجَآءَ فِیْ تَقَنُّعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قناع کے بارے میں

(۱/۱۲۱) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ اَخْبَرَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ صَبِیْحٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبَانَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُکْثِرُ الْقِنَاعَ کَاَنَّ ثَوْبَہٗ ثَوْبُ زَیَّاتٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یوسف بن عیسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس اس روایت کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان کے حوالے سے بیان کی۔ ان کے پاس یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے واسطہ سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنے سر پر کپڑا رکھتے تھے، جو کہ تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھا کرتے تھے اور حضورؐ کا کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔

تقنّع کا معنیٰ وتشریح :

تقنع: کا معنی قناع کا پہننا وھو تغطیۃ الراس بطرف العمامۃ او برداء، اعم من ان یکون فوق العمامۃ اوتحتھا ۔(جمع ص ۲۱۸)

ملاعلی قاریؒ قناع کا معنی یہ لکھتے ہیں کہ پگڑی یا چادر کے طرف (پلّو) سے سر کا چھپانا خواہ وہ پلّو پگڑی کے اوپر ہو یا نیچے)

القناع کا استعمال :

یہاں تقنّع سے مراد القناع کا استعمال ہے۔ القناع وہ کپڑا جو تیل لگانے کے بعد سر پر ڈالا

جائے تاکہ تیل کا اثر ٹوپی، عمامہ اور دیگر کپڑوں تک نہ پہنچے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، التقنع من اخلاق الانبیاء (مواھب ص ۱۰۶) (کہ یہ قناع کا استعمال انبیاء کرامؑ کے عادات واخلاق میں سے ہے)

یکثر القناع.....الخ ،قناع، فعال کے وزن پر ہے، بمعنیٰ دوپٹہ، رومال اور سر بند کے، نقاب، لثام اور حجاب بھی فعال کے وزن پر ہیں۔ تستر اور پردہ کے معنی میں جتنے الفاظ بھی آتے ہیں، وہ اکثر فِعال کے وزن پر ہوتے ہیں۔ خواتین کے سرڈھاکنے کے لئے جو کپڑا استعمال ہوتا ہے، اسے خمار اور مردوں کے لئے قناع کا استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی قناع مرد وخواتین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے...... وھو الخرقة التی تلقی علی الرأس بعد استعمال الدھن لتقی العمامة من الدھن شبھت بقناع المرأة. (مواھب ص ۱۰۶) کپڑے کا ایک ٹکڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد اس لئے ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ پگڑی کی تیل کی چکناہٹ سے حفاظت ہواسکو عورت کی قناع (اوڑھنی سے تشبیہ دی گئی)

القناع کی دوصورتیں اور برکات :

یکثر القناع' القناع کا استعمال دوطرح پر ہوتا ہے (۱) عمامہ اور ٹوپی کے نیچے رکھا جائے تاکہ ٹوپی اور عمامہ تیل سے محفوظ رہیں۔ حدیث باب کا مدلول بھی یہی ہے۔ (۲) عمامہ کے اوپر رکھا جائے یہ بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ ترمذی کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ تشریف لاتے، تو متقنع ہوتے تھے اور القناع عمامہ کے اوپر ہوتا تھا۔ لماورد فی البخاری انه صلی الله علیه وسلم اتی بیت ابی بکر فی قصة الھجرة متقنعاً بثوبه و الظاھر انه کان متغشیا به فوق العمامة لا تحتھا لانه کان مستخفیا من اھل مکة متوجھاً الی المدینة (جمع ص ۲۱۸) (جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ ہجرت کے موقعہ پر جب ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے تو اپنی چادر سے قناع کئے ہوئے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ آپؐ اسے پگڑی کے اوپر ڈالے اسمیں ڈھانپے ہوئے تھے نہ کہ پگڑی کے نیچے اسلئے کہ اسوقت آپؐ مکہ والوں سے چھپ کر مدینہ شریف جانے کے لئے متوجہ تھے۔ اس کو عربی میں طیلسان (حجازی رومال) کہتے ہیں۔ یہ عرب کی عادت تھی کہ عمامہ کے اوپر رومال ڈالا جاتا ہے اور آج

بھی مروّج ہے (مگر بغیر عمامہ کے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول تھا، پھر یہ علماءِ کرام کا شعار بن گیا۔ شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں کسی کو اس وقت تک القناع اور طیلسان نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ جب تک کہ وہ تحصیل علم وحکمت کی تکمیل نہ کرلے۔ و فی خبر لا یتقنع الا من استکمل الحکمة فی قوله و فعله ویوخذمنه انه ینبغی ان یکون شعارا للعلماء یختص بهم لیعرفوا فیسألو اویمتثل امرهم ونهیهم وهذا اصل فی لبس طیلسان وله فوائد جلیلة کالا ستحیاء من اللّٰه والخوف منه اذ تغطیة الرأس شأن الخائف الذی لاناصر له ولامعین وکجمعه للتفکر لانه یغطی اکثر وجهه فیحضر قلبه مع ربه ویمتلئی بشهوده وذکره وتصان جوارحه عن المخالفات ونفسه عن الشهوات ولذلک قال بعض الصوفیة الطیلسان الخلوة الصغریٰ. (مواهب ص۱۰۶) (اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اتنے تک قناع (حجازی رومال) کا استعمال نہ کرلے جب تک اپنے اقوال وافعال میں حکمت اور دانائی کے امور کی تکمیل نہ کرلے اور اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مناسب ہے کہ یہ (قناع) علماء کے ساتھ خاص اور انکا شعار ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس کے ذریعہ پہچانے جاویں تو پھر ان سے مسائل پوچھے جائیں اور مامورات ومنھیات میں ان کے اقوال وافعال کا امتثال اور اتباع کیا جائے۔ اور یہی بنیادی نقطہ طیلسان (حجازی رومال وغیرہ) کے پہننے میں ہے۔ اسکے علاوہ بھی اسکے بڑے فوائد ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے خوف وحیاء کرنا۔ کیونکہ سر کا چھپانا ایسے ڈرنے والے کی شان ہے جسکا بظاہر کوئی بھی ناصر اور مددگار نہ ہو۔

یا پھر اپنے منتشر تفکرات کو مجتمع کرنے کے لئے کیونکہ جب یہ رومال اسکا زیادہ تر چہرہ ڈھانپ لیتا ہے تو اس کو اپنے ربّ تعالیٰ سے استحضار قلبی کی دولت حاصل ہو جائیگی اور پھر اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حضوری سے معمور ہو جائیگا اور اس کے اعضاء وجوارح اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور اسکا نفس شھوات سے محفوظ ہو جائیگا۔ اس لئے تو بعض صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ طیلسان (ایک طرح کی) چھوٹی خلوت اور حضوری ہے (مواھب ص:۱۰۶)

غرضِ اعادۂ حدیث :

یہ حدیث اس سے قبل باب الترجل میں بھی گذر چکی ہے۔ یہاں علیحدہ مستقل ترجمۃ الباب کے انعقاد سے مصنفؒ کی غرض القناع کے استعمال پر خصوصی تنبیہ ہے کہ آپؐ اس کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا القناع کثرتِ دھن کے باوجود پاک ہوتا تھا :

کانّ ثوبه ثوب زيّات : بصيغة النسبة اى بائع الزيت او صانعه فان الغالب عليهما ان يكون ثوبهما ملهنا (جمع ص۲۱۹) مراد یہ ہے کہ جس طرح زیات یعنی تیل بیچنے والے یا بنانے والے کا کپڑا تیل سے چکنا رہتا ہے اسی طرح حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قناع بھی گویا زیّات کا کپڑا معلوم ہوتا تھا، مگراس کے باوصف یہ آپؐ کی خصوصیت تھی کہ آپؐ کا کپڑا نہ تو کبھی میلا ہوتا تھا، نہ آپؐ کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی، نہ مچھر اور کھٹمل آپ کا خون چوس سکتا تھا۔ یہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ مناویؒ نے علامہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر کبھی نہیں بیٹھی۔

==========================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ جِلْسَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی ہیئت کے بیان میں

جلسة، کیفیت قعوداور هيئة الجلوس (بكسر الجيم اسم للنوع (جمع ص ۲۱۹)

جِلسة (جیم کے کسرہ کے ساتھ) یہ ایک بیٹھنے کی قسم کا نام ہے ۔ قعود کھڑے ہونے سے بیٹھنے کو اور جلوس لیٹنے سے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ بعض نے اس فرق پر نکیر بھی کی ہے، مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وربما يفرق فيجعل القعود لما هو من القيام والجلوس لما هو من الاضطجاع على ما فى القاموس (جمع ص ۲۱۹) (اور کبھی ان دونوں کے درمیان یہ فرق کیا جاتا ہے کہ قعود کھڑے سے بیٹھنے کو اور جلوس لیٹنے سے بیٹھ جانے کو کہتے ہیں جیسے کہ یہ قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے۔

یہاں جلسہ کے مقابل میں قیام ہے، خواہ جلسہ بصورت بیٹھنے کے ہو یا بصورت اضطجاع کے ہو۔ مصنفؒ نے اس باب میں تین احادیث نقل کی ہیں، جن میں آپؐ کی نشست سے متعلق تفصیلات ہیں۔ دوزانو بیٹھنا، چوکڑی مار کر بیٹھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا وغیرہ کی توضیح ہے۔ ہر ایسا طریقہ یا ہیئت جس سے غرور، کبر، نخوت ظاہر نہ ہو بلکہ عاجزی، تواضع، عبدیت، انکسار اور درماندگی نمایاں ہو، علماءِ کرامؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

عرب میں تہبند کا رواج تھا، شلوار کا استعمال بہت کم تھا۔ اس لئے ایسا طریقہ یا ہیئت جس سے کشفِ ستر ہو یا غرور و تکبر کا اظہار ہو، علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ ہاں اگر کشفِ ستر نہ ہو اور تکبر کا اظہار بھی نہ ہو، تو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱/۱۲۲) حَدَّثَنَا عَبْدُبْنُ حُمَيْدٍ اَنْبَاَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حَسَّانَ عَنْ جَدَّتَيْهِ

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءِ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَخَشِّعَ فِى الْجِلْسَةِ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عفان بن مسلم نے۔ اُن کے پاس خبر دی عبداللہ بن حسان نے اپنی دادی اور نانی کے حوالے سے جنہوں نے قیلہ بنت مخرمہؓ سے روایت نقل کی، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپؐ کو اس عاجزانہ حالت میں دیکھا، تو میں دہشت کی وجہ سے کپکپا اُٹھی۔

القرفصاء کا معنی وتشریح:

انها رأت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد وهو قاعد القرفصآء.

القرفصاء : (بضم القاف) قعود کی ایک خاص کیفیت ہے، دونوں رانیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور دونوں سرین پر بیٹھے اسے اکڑوں بیٹھنا اور ہاتھوں کے ٹانگوں کے گرد باندھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں ۔ والقرفصاء قعدة مخصوصة على الاٰلتين متكأو يلصق بطنه بفخذيه ويتأبط كفيه (اتحافات ص ۱۶۹) اور (قرفصاء ایک ایسی مخصوص نشست ہے کہ جس میں دونوں سرین پر تکیہ لگائے بیٹھ کر اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چمٹاتے ہوئے اپنی ہتھیلیوں کو بغل میں ڈال کر بیٹھنے کی کیفیت کو کہتے ہیں) عرب کے دیہاتی لوگ عموماً اس طرح بیٹھتے تھے۔ تاہم شیخ البیجوریؒ نے اس کی دو صورتیں نقل کی ہیں۔

(۱) بان يجلس على اليتيه ويلصق فخذيه ببطنه ويلصق يديه على ساقيه وهى جلسة المحتبى.

(کہ اپنی دونوں سرینوں پر بیٹھے اور اپنی رانوں کو پیٹ سے چمٹائے اور اپنے دونوں ہاتھ پنڈلیوں سے ملاتے ہوئے ان کا احاطہ کرے اور یہی احتباء (گوٹ مارنے) والے کی نشست ہے)

(۲) وقيل ان يجلس على ركبتيه متكأو يلصق بطنه بفخذيه ويتأبط كفيه وهى جلسة

الاعراب (مواھب ص ۱۰۷) (کہ دونوں گھٹنوں پر تکیہ لگائے بیٹھے اوراپنے پیٹ کورانوں کیساتھ چمٹائے اوراپنی ہتھیلیوں کوبغل میں ڈالے بیٹھے اوراسکوعرب دیہاتیوں کی نشست کہتے ہیں۔

بیٹھنے میں خشوع ومسکنت کا اظہار :

المتخشع فی الجلسة : حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم عاجزانہ حالت میں تھے۔ المتخشع: تفعّل کے باب سے ہے والتفعل لیس للتکلف بل لزیادة المبالغة فی الخشوع (مناوی ص ۲۲۰) اور یہاں تفعل کی خاصیت تکلف نہیں بلکہ خشوع میں مبالغہ اورزیادتی کرنے کے لئے مستعمل ہے۔ جیسا کہ متوحد، متقدس اورمتبر کے صیغے تکلف کے لئے نہیں بلکہ زیادتی، مبالغہ اورکمال کے لئے ہیں۔

الجلسة :ای فی هیئة جلسته و کیفیة قعدته (جمع ص ۲۲۰) یعنی یہاں جلسہ سے مراد آپؐ کے بیٹھنے کی نوعیت اورھیئت مقصود ہے) یعنی ایسا بیٹھنا تھا جس میں فقر ومسکنت احتیاج اورعبدیت کا اظہار تھا، جیسا کہ آپؐ کا ارشاد بھی ہے۔ اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد. (میں ایسا بیٹھتا ہوں جیسے کہ ایک غلام بیٹھتا ہے اور میں تو ایسے کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے) شیخ البیجوریؒ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں، ای الخاشع خشوعاً تاما فی جلسته تلک فھو خافض الطرف والصوت ساکن الجوارح (مواھب ص ۱۰۷) یعنی آپؐ اس نشست پر مکمل خشوع کیساتھ بڑی متواضع شکل میں بالکل سکون اورخاموشی سے نظریں جھکائے ہوتے تھے)

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو متمردین' سرکشوں' جبارین اورمتکبرین کی ھیئۃ جلوس سے نفرت تھی۔من التربع والتمدد والاتکاء ورفع الرأس وشماخة الانف وعدم الالتفات الی المساکین والاحتجاب عن المحتاجین (جمع ص ۲۲۰) (یعنی چارزانو بیٹھنے انگڑائی لینے تکیہ لگائے بیٹھنے سر اٹھانے ناک بھوں چڑھانے اورمسکین اورمحتاجوں کی طرف توجہ نہ کرنے اوران سے حجاب میں رہنے کی صورتیں)

رعب کی وجہ کیا تھی ؟

ارعدت من الفرق، میں خوف اوررعب مارے کانپ اٹھی۔

(۱) رعب اور پھر کانپنے کی وجہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متخشّع اور متفکر تھے۔ پھر یہ فکر بھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، جس کا منشأ کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے ان کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا ہو کہ مبادا امت پر کوئی عذاب تو نہیں آرہا، جس کی وجہ سے آپؐ اس قدر فکر مند ہیں اور ظاہر ہے کہ آپؐ کا فکر و ہم تو ہمیشہ امت کے لئے ہوتا تھا۔

(۲) حضرات صوفیاءِ کرامؒ اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت بیٹھنے کی ہیئت، قلب مبارک پر توجہ کاملہ، ماسوی اللہ سے قطع نظر اور تجلیاتِ ربّانی میں ارتکاز کی وجہ سے صفتِ جمال میں کمال اور صفت جلالت میں عظمت کو پہنچے ہوئے تھے، جس کی بدولت قیلہ بنت مخرمہ لرزہ براندام ہوگئیں (یہ وہی قیلہ بنتِ مخرمہ ہے، جن کا تفصیلی ذکر باب ما جاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (باب وہ احادیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) بارہویں نمبر کی روایت میں گذر چکا ہے۔

تکمیلِ مضمون حدیث :

اس حدیث کا کچھ اور حصہ بھی ہے، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت قیلہؓ کی یہ حالت خوف لرزہ دیکھ کر حاضرینِ مجلس میں سے کسی صاحب نے عرض کیا فقال لہ جلیسہ یا رسول اللّٰہ ارعدت المسکینۃ حضور علیہ السلام کو مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے رسولؐ اللہ ارعدت المسکینۃ یعنی یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہوگئی اور اس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ خود حضرت قیلہؓ کہتی ہیں کہ میں آپؐ کے پشت پر پیچھے تھی۔ آپ علیہ السلام نے میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ یا مسکینۃ علیک السکینۃ : اے مسکینہ! سکون اختیار کر۔ بس اتنا فرمانا تھا کہ ساری خوف و دہشت اور رعب و لرزہ جو مجھ پر طاری تھا جاتا رہا۔ اذہب اللّٰہ ما کان دخل قلبی من الرعب (جمع ص ۲۲۰) (تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو خوف اور رعب تھا وہ بالکل ہی ختم کردیا)

(۲/ ۱۲۳) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ

الزُّهرِیّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِیمٍ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّهٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان نے زہری کے حوالے سے، انہوں نے یہ روایت عباد بن تمیم سے ان کے چچا کے حوالہ سے نقل کی (چچا کا نام عبداللہ بن زید تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا۔ بایں حالت کہ اس وقت حضورؐ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

راویان حدیث (۳۱۱) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ (۳۱۲) عباد بن تمیمؒ اور (۳۱۳) عمہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

استلقاء کا معنی اور دو صورتیں :

انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستلقیاً فی المسجد ، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

استلقاء: الاضطجاع علی القفا . (مواھب ص۱۰۷) استلقاء کے معنی گردن کے بل لیٹنا جسے عرفاً چت لیٹنا کہتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان مستلقی بھی ہو اور نائم بھی ہو۔ و اضعا احدیٰ رجلیہ علی الاخریٰ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے ۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں بچھا کر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا اور یہ جائز ہے کہ اس میں کشف عورت کا امکان نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ یہی لکھتے ہیں کہ ان یکون رجلاہ ممد ودتین احداھما فوق الاخریٰ ولاباس بھذا فانہ لا ینکشف شیء من العورۃ بھذہ الھیئۃ (جمع ص۲۲۱) حدیث باب میں اسی صورت کا ذکر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان چت لیٹ جائے اور ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں کھڑے گھٹنے پر رکھ دے۔ اسی حالت میں لیٹنا منع ہے کیونکہ اس ہیئت میں کشفِ ستر کا اندیشہ ہے، جب تہبند باندھا ہوا ہو، ان یکون ناصبًا رکبۃ احدیٰ الرجلین ویضع الرجل الاخریٰ علی الرکبۃ

المنصوبة (جمع ص۲۲۱) یہ صورت ممنوع ہے۔حدیث نہی اس پر محمل ہے۔ ”وهو ماروٰه مسلم عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یستلقین احدکم ثم یضع احدیٰ رجلیه علی الاخری“. (اور وہ حدیث امام مسلمؒ نے بروایت حضرت جابرؓ نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ چت لیٹے تم میں سے کوئی پھر اپنا ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھے) ممانعت کی وجہ بھی اظہر ہے کہ تہبند بندھا ہو، تو ستر کھلنے کا احتمال قوی ہے۔ البتہ تہبند نہیں ہے اور شلوار پہنی ہے تو کشفِ ستر کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سے دونوں احادیث میں تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے اور دونوں کا اپنا اپنا محمل اور مراد متعین ہو جاتی ہے۔

حدیث کی باب سے مناسبت :

البتہ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کو ہیئت نشت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو پھر یہاں اندراج سے کیا فائدہ۔ علماءِ کرامؒ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ راجح جواب یہ ہے کہ جلسہ سے مراد عام ہے، بیٹھنا بھی اور لیٹنا بھی۔ جب اس قسم کا لیٹنا کہ پاؤں کے اوپر پاؤں رکھا ہو، مسجد میں جائز ہے، تو بیٹھنا تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ وفیه جواز الاتکاء والاضطجاع والاستراحة فی المسجد مطلقاً. (جمع ص۲۲۱) (اور اس حدیث سے مسجد میں تکیہ لگانا۔ لیٹنا اور آرام کرنا مطلقاً ہر صورت میں جائز ہے)

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ووجه ایراد الحدیث فی هذا الباب یدل علی حل الجلوس بسائر کیفیاته بالاولی لان الاستلقاء علی الهیئة المذکورة اذا جاز فی المسجد فسائر انواع القعود أجوز . (مناوی ص۲۲۱) (اور اس باب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کی وجہ سے اس بات پر دال ہے کہ مسجد میں ہر طریقہ اور شکل پر بیٹھنا بطریق اولیٰ جائز ہے اس لئے کہ جب چت لیٹنا بصورت مذکورہ مسجد میں جائز ہے تو پھر تو بیٹھنے کی سب صورتیں بطریق اولیٰ زیادہ جائز ہوں)۔

مسجد میں لیٹنے کا حکم :

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ مسجد میں لیٹنا ادب کے خلاف ہے۔ محدثین حضرات جواب

میں کہتے ہیں۔

(۱) ممکن ہے کہ یہ واقعہ اعتکاف کا ہو اور معتکف کے لئے جواز میں کسی کو اعتراض نہیں۔

(۲) اور اگر واقعہ غیر اعتکاف کا ہے، تو محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ مسجد کو مستقلاً ہمیشہ کے لیے بطور عادت کے مبیت (ٹھکانا) بنانا' جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر عبادت کرتے کرتے تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ کمر سیدھی کر لی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر مؤطا میں نقل ہوا کہ عشاء کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور لوگوں کے جمع ہونے تک مسجد میں لیٹے رہتے تھے۔

(۱۲۴/۳) حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ اَنْبَانَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِبْرٰهِيمَ الْمَدَنِيُّ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاجَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ اِحْتَبٰى بِيَدَيْهِ .

ترجمہ : ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سلمۃ بن شبیب نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے اخذ کی۔ انہوں نے یہ روایت اسحٰق بن محمد انصاری سے نقل کی، جنہوں نے یہ حدیث ربیح بن عبدالرحمٰن ابن ابی سعید سے اخذ کی۔ اُنہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا ابوسعید خدریؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے''۔

راویان حدیث (۳۱۴) سلمۃ بن شبیبؒ (۳۱۵) عبداللہ بن ابراہیم المدنیؒ (۳۱۶) اسحٰق بن محمد الانصاریؒ اور (۳۱۷) ربیح بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الاحتباء کا معنی وتشریح اور حکم :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس فى المسجد احتبٰى بيديه ۔ جب حضور ﷺ مسجد

مین بیٹھتے تو احتباء کی شکل میں بیٹھتے) بعض نسخوں میں "فی المجلس" (یعنی مجلس میں) مذکور ہے۔ بزار میں احتبٰی بیدیه کے بعد "نصب رکبتیه" (کہ اپنے دونوں گھٹنے کھڑے کرتے) کا اضافہ بھی منقول ہے۔ نیز بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ جلس عند الکعبة فضم رجلیه و اقامها و احتبٰی بیدیه (جمع ص۲۲۱) (کہ آپؐ بیت اللہ شریف کے پاس بیٹھتے اور پاؤں ملائے کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں سے احتباء (گوٹ مارا)

صحاحِ میں احتباء کا معنٰی: اذا جمع ظهره و ساقیه بعمامته (کہ اپنی پگڑی سے پیٹھ اور پنڈلیوں کو اکھٹا کر لینا) سے کیا گیا ہے اور کبھی کبھی عمامہ کی جگہ ہاتھوں سے بھی احتباء کیا جاتا ہے۔ وقد یحتبٰی بیدیه (جمع ص۲۲۲) (اور کبھی دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے) عسقلانیؒ فرماتے ہیں، احتباء عربوں کا خاص وتیرہ ہے، و منه الا حتباء حیطان العرب (جمع ص۲۲۲) (اور اسی سے یہ ہے کہ احتباء تو عرب کی چاردیواری (باغ) ہے)

خلاصہ یہ کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے، پاؤں اور پیٹ کو ملا کر پیٹھ سے جکڑ لینے کو "احتباء" کہتے ہیں۔ اسی صورت میں بجائے ہاتھوں کے کپڑے سے جکڑنے کو بھی احتباء کہتے ہیں۔

جمعہ کے روز دوران خطبہ آپؐ نے احتباء سے منع فرمایا کہ استماعِ خطبہ کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور بعض اوقات اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

بیٹھنے کی مختلف صورتیں:

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے۔ ان النبی ﷺ کان اذا صلی الفجر تربع فی مجلسه حتی تطلع الشمس حسناء (کہ بیشک جب حضور ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نشست پر چارزانو بیٹھ جاتے اتنے تک کہ سورج چمکتا ہوا نکلتا)۔ تربع کا معنی چارزانو بیٹھنا ہے۔ فقیل هذا الحدیث مخصص و قال میرک محمول علی اختلاف الاحوال فتارةً تربع و تارة احتبٰی وتارة استلقي و تارة ثنی رجلیه تو سعة للأمة المر حومة (جمع ص۲۲) (بعض حضرات نے اس حدیث کو پہلی حدیث کا مخصص (تخصیص کرنے والی) قرار دیا اور ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف احوال پر

محمول ہے۔ پس کبھی آپؐ چارزانو بیٹھتے اور کبھی احتباء کی صورت میں اور کبھی استلقاء کرتے اور کبھی پاؤں کوموڑے ہوئے (قعدہ کی شکل میں) بیٹھتے اور یہ سب امت مرحومہ پر توسع اور آسانی پیدا کرنے کے لیے)

حضور اقدس ﷺ کی نشست گاہ:

حضور اقدس ﷺ نے اپنی نشست کوکبھی بھی کسی خاص مقام اور کوئی مخصوص چیز پر بیٹھنے میں منحصر نہیں فرمایا، بلکہ جوجگہ بھی میسر ہو جاتی تو اضعاً وہیں تشریف فرما ہو جاتے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"کان یجلس علی الارض و علی الحصیر والبساط .....ولماقدم علیه عدی بن حاتم دعاه الی منزله فالقت الیه الجاریة وسادة یجلس علیها فجعلها بینه وبین عدی وجلس علی الارض: قال عدی فعرفت انه لیس بملک" (زادالمعاد ج ا ص ۶۰) (آپؐ زمین پر بھی اور چٹائی اور دری پر بیٹھا کرتے اور جس وقت آپؐ کے پاس عدی بن حاتم آئے تو اسکو اپنے گھر بلایا تو کنیز نے آپؐ کی طرف ایک گدّا ڈالا تو حضور ﷺ نے اس کو عدی اور اپنے درمیان ڈالا اور آپؐ زمین پر بیٹھے عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں نے پہچان لیا کہ آپؐ بادشاہ نہیں)

==================================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تُکَأَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب! حضوراقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

تکأۃ کا معنیٰ وتشریح :

تکأۃ: فُعَلَۃٌ کے وزن پر ہے، جیسے کہ ھُمَزَۃٌ اور لُمَزَۃٌ اس کی مثالیں ہیں، جس کا معنیٰ تکیہ، بہت تکیہ لگانے والا، فرش پر بچھونا بچھا کر آرام سے بیٹھنا وغیرہ کے آتے ہیں۔ اصل میں و کأۃ ہے، واؤ تا سے بدل دیا گیا ہے۔ جیسے کہ تراث اور تجاہ میں واو کو تا سے بدلا گیا ہے۔ اس باب میں امام ترمذی نے حضوراقدس ﷺ کی نشست کے دوران کسی چیز کا تکیہ استعمال کرنے کے متعلق پانچ احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ای باب الأخبار الواردة فی بیان تُکَأَةِ رسول اللہ صلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم (مواھب ص۱۰۸) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان جو حضور ﷺ کے تکیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) تکیہ لگا کر بیٹھنا حضوراقدس ﷺ سے ثابت ہے اور مباح ہے۔

(۱/۱۲۵) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِیُّ الْبَغْدَادِیُّ اَخْبَرَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَآئِیْلَ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ عَلٰی یَسَارِہٖ۔

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیں عباس بن محمد دوری بغدادی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسحٰق بن منصور سے حاصل کی۔ اُن کو یہ روایت اسرائیل سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے سماعت

کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور تکیہ آپ کی بائیں طرف تھا''۔

راویان حدیث (۳۱۸) عباس بن محمد الدوریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تکیہ لگا کر بیٹھنے کا حکم :

قال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم متکئا علی و سادۃ علی یسارہ :

وسادۃ: افادۃ کے وزن پر ہے۔ تکیہ کو کہتے ہیں۔ مایتوسد بہ من المخدۃ (بکسر المیم) (جس چیز کیساتھ ٹیک لگایا جائے یعنی مخدہ (میم کے کسرہ کیساتھ) سوتے وقت رخسار رکھنے کا تکیہ مراد ہے) اور کبھی کبھی وساد بغیر تاء کے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی اُساد بھی کہتے ہیں۔ علی یسارہ یعنی تکیہ حضور اقدس ﷺ کے بائیں طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ تصریح تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے۔ پس دائیں طرف، بائیں طرف اور حسب ضرورت پشت پیچھے تکیہ لگانا جائز ہے۔

و المقصود ھی راحۃ الجالس (اتحافات ص۱۷۲) (دراصل اس سے بیٹھنے والے کی راحت مقصود ہے (چاہے جس صورت پر بھی ہو) البتہ دائیں جانب بہر حال بہتر ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کوئی عذر نہ ہو، و ھو لبیان الواقع فیجوز الاتکاء علی الوسادۃ یمیناً و یساراً (جمع ص ۲۲۳) (یہ صورت حال اور واقعہ کا بیان ہی ہے ورنہ تکیہ پر دائیں بائیں ہر طرح ٹیک لگانا جائز ہے) علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے متعلق نقل فرمایا ہے'' و کان یتکئی علی الوسادۃ و ربما اتکأ علی یسارہ و ربما اتکأ علی یمینہ و کان اذا احتاج فی خروجہ توکأ علی بعض اصحابہ من الضعف (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۰) (کہ حضور ﷺ تکیہ پر ٹیک لگایا کرتے اور بعض اوقات بائیں جانب اور بعض دفعہ دائیں جانب اور جب باہر جانے کی ضرورت ہوتی تو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے بعض ساتھیوں (صحابہؓ) پر تکیہ اور ٹیک لگایا کرتے) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یسار کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں۔

امر اتفاقی ہے، لیکن قواعدِ محدثین کے لحاظ سے یسار کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے۔ اس لیے امام ترمذیؒ نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔ (خصائل)

(۱۲۶/۲) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ اَخْبَرَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ. قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهٗ سَكَتَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدۃ نے بیان کی۔ ان کے پاس خبر دی بشر بن مفضل نے، انہوں نے یہ روایت جریری سے اخذ کی، جنہوں نے اسے عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث اپنے والد حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ کی مجلس میں) فرمایا، کیا میں تمہارے سامنے وہ گناہ نہ بیان کروں جو کبیرہ گناہوں میں بڑے بڑے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: حضورؐ! کیوں نہیں ضرور، آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے، حالانکہ آپؐ اُس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا، جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور ﷺ یہ بات برابر کہتے رہے، یہاں تک ہم نے کہا کاش کہ آپؐ خاموش ہوجائیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ بتاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ، کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں

سے کونسی بات فرمائی تھی۔ اُس وقت حضور ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اور جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے حتی کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ سکوت فرمادیں۔ بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔

راویان حدیث (۳۱۹) عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃؓ اور (۳۲۰) ابیہ ؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی بحث :

الا احدثکم باکبر الکبائر : ایک صحیح روایت میں الا اخبر کم اور ایک میں الا انبئکم نقل ہوا ہے۔ ومعنی الکل واحد (مواہب ص ۱۰۸) (اور سب کا معنی باوجود اختلاف الفاظ کے ایک ہی ہے)

اندازِ خطاب کا یہ مسنون طریقہ تمام علماءِ کرام، داعیین اور مبلغین کو اختیار کرنا چاہیئے۔ حضور اقدسؐ بھی اکثر اس اندازِ خطاب سے گفتگو فرماتے تھے. لحثهم علی التفرغ والا ستماع لمایرید اخبارهم بہ. (مواھب ص ۱۰۸) (ان کو اس پر آمادہ کرنا مقصود ہے کہ جو بات ان کو آپؐ نے بتلانی ہے اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرکے کان لگائے سن لیں) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض طرقِ صحیحہ میں الا انبئکم باکبر الکبائر ، تین مرتبہ نقل ہوا ہے۔ اهتماماً بشأن الخبر المذکور انه امر له شأن (جمع ص ۲۲۳) (مذکورہ خبر کے عظیم الشان ہونے کا اہتمام کرنے کے لئے)

الکبائر: کبیرۃ کی جمع ہے، اکبرالکبائر کا معنیٰ گناہوں میں بڑا اور زیادہ شنیع گناہ۔ البتہ کبیرہ کے معنیٰ اور تعریف میں اختلاف ہے، (۱) ھی مانزل فیه وعید شدید فی الکتاب او السنة (۲) ماکان فیه حد (۳) کل جریمة توذن بقلة اکتر اث مرتکبها بالدین (اتحافات ص ۱۳۷) (جسکے متعلق قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہو۔ ۲۔ جس میں کوئی حد مقرر ہو۔ ۳۔ ہر ایسا جرم جو مجرم شخص کے دین سے لاپرواہی کا مظہر ہو)

شیخ بیجوریؒ نے ہر تعریف پر معترضین کا کلام نقل کیا ہے تیسری تعریف کو '' وھو اشمل التعاریف '' قرار دینے کے باوجود بھی اس پر کلام کیا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے کہا ہے کہ کبیرہ کی صحیح تعریف

مبہم ہے، جس طرح کے اسم اعظم لیلة القدر ساعة الجمعة، ووقت اجابة الدعاء لیلاً، صلوة الوسطی (اسم اعظم شب قدر۔ جمعہ کے دن کی ساعت قبولیت اور رات کے ایک حصہ میں دعا کی قبولیت کا وقت اور درمیانی نماز) کی قطعی تعیین مبہم ہے۔ وحکمته هنا الا متنا ع من کل معصیة خوفاً من الوقوع فی الکبیرة۔ (جمع ۲۲۴) (اور ان چیزوں کو مبہم رکھنے کی حکمت دراصل ہر گناہ سے رکوانا مقصود ہے بوجہ اس خوف کے کہ اسکی وجہ سے کہیں گناہ بیرہ کا مرتکب نہ ہو جاؤں)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک امر اضافی ہے، ہر گناہ بہ نسبت اپنے سے بڑے کے صغیرہ اور اپنے سے چھوٹے کے کبیرہ ہے۔ قال صاحب الکفایة و الحق انهما اسمان اضافیان لا یعرفان بذاتیهما فکل معصیة اضیفت الی مافو قها فهی صغیرة و ان اضیفت الیٰ ما دونها فهی کبیرة (شرح عقائد ص ۸۲) صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ حق بات تو یہ ہے کہ یہ دو (صغیرہ و کبیرہ) امر اضافی اور نسبتی ہیں بذاتہ انکی تعریفیں نہیں کی جاسکتیں اس لئے ایسا سمجھئے کہ ہر گناہ بہ نسبت اپنے مافوق (یعنی بڑے گناہ کے) صغیرہ ہے اور بہ نسبت مادون (چھوٹے گناہ کے) کبیرہ ہے۔

کبائر کی تعیین و تعداد اور بخشش کا وسیلہ :

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں۔ علماء نے مستقل تصانیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبی کی ایک کتاب اس مضمون میں مستقل ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، جو مصر میں چھپ گئی۔ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ مستقل گنوائے ہیں اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ (۴۶۷) مفصل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شمائل میں مشہور کبائر کو گنوایا ہے، جو حسب ذیل ہیں۔ آدمی کا قتل کرنا، زنا کرنا، اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپانا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ توڑ دینا ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا،

مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو، ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظ قرآن کی، کسی ظالم سے چغلی کھانا، دیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا، قرم سازی یعنی بھڑواپن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا، جادو کا سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا، بلا مجبوری کسی جاندار کو جلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا اور اس کے عذاب سے نہ ڈرنا، عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلاوجہ انکار کرنا چغلی کھانا (جمع ج ا ص ۲۲۴)۔

ملا علی قاریؒ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں کبائر کا مستقل باب ہے۔ اس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنوایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے یا عبادت میں یا اُس سے استعانت حاصل کرنے میں یا علم میں یا قدرت میں یا تصرف میں یا پیدا کرنے میں یا پکارنے میں یا کہنے میں یا نام رکھنے میں یا ذبح کرنے میں یا نذر ماننے میں یا لوگوں کے اس کی طرف امور سونپنے میں یعنی جیسے اللہ جل شانہٗ کو سب کام سپرد ہیں، اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امور ذیل بھی اس میں ذکر کئے ہیں:

گناہ پر اصرار کی نیت، نشہ کی چیز پینا، اپنے محرموں سے نکاح کرنا جوا کھیلنا، کفار سے دوستی کرنا باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا، مردار کا گوشت کھانا، نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو بُرا کہنا یا ان کا انکار کرنا، صحابہ کرامؓ کو بُرا کہنا، بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا، اسراف کرنا، فساد کرنا، کسی کے سامنے ننگا ہونا (یعنی بیوی کے علاوہ) بخل کرنا، پیشاب اور منی کو پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا، تقدیر کو جھٹلانا، تکبر کی وجہ سے پائچہ ٹخنوں سے نیچے کرنا، نوحہ کرنا، بُرا طریقہ ایجاد کرنا، محسن کی ناشکری کرنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، حائضہ سے صحبت کرنا، غلّہ کی گرانی سے خوش ہونا، جانور سے بدفعلی کرنا، امرد کو شہوت سے دیکھنا، کسی کے گھر میں جھانکنا، عالموں

اور حافظوں کی حقارت کرنا، اگر ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں، تو اُن کے درمیان مساوات نہ کرنا، امیر سے عہد شکنی کرنا وغیرہ بتائے ہیں۔

ان کبائر میں بھی درجات ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث بالا میں کبائر کو بڑے گناہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا، چاہے اس کے بعد کسی وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے۔ اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہیے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔ (خصائل ص:۷۹)

الاشراک باللّٰہ :

الاشراک باللّٰہ : الاشراک کالغوی معنیٰ جعل احد شریکاً لاٰخر (کسی کو دوسرے کا شریک بنانا) کو کہتے ہیں، لیکن یہاں غیر اللہ کو الٰہ بنانا مراد ہے۔ والا ظھر ان المراد بہ الکفر (جمع ج ا ص ۲۲۴) (اور یہ بات تو واضح ہے کہ اس سے مراد کفر ہے) المراد بہ مطلق الکفر و انماعبر بالاشراک لانہ اغلب انواع الکفر لا لاخراج غیرہ (مواھب ص ۱۰۹) (اس سے مراد مطلق کفر ہے اور اسکی تعبیر شرک سے اسے لیے کی گئی کہ یہ (شرک) کفر کے قسموں میں غالب ترین صورت ہے نہ کے کسی سے احتراز مقصود ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں :

وقول رسول اللّٰہ ﷺ متفق مع قولہ تعالیٰ : "ان اللّٰہ لا یغفر أن یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء" ومع الحدیث القدسی: "من لقینی بقراب الأرض خطیئۃ لا یشرک بی شیئاً، لقیتہ بمثلھا مغفرۃ" ومع قولہ تعالیٰ: ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من أحدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی بہ" و مع قولہ تعالیٰ : "ومن یشرک باللّٰہ فکأنما خرمن السماء فتخطفہ

الطير أو تهوى به الريح فى مكان سحيق"۔ (اور نبی علیہ السلام کا (گزشتہ) فرمان مبارک اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (ترجمہ) کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتے اس بات کو کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے علاوہ جسکو چاہیں بخش دیتے ہیں اور حدیث قدسی کے ساتھ جو شخص میرے پاس بھری زمین غلطیاں اور گناہ لے کر آئے لیکن کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں کیا تھا تو میں اسکو اپنی طرف سے اتنی ہی مغفرت عطا کرونگا'' اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے (ترجمہ) ''بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مرے بھی حالت کفر ہی میں سو ان میں کسی کا (بطور کفارہ) زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائیگا اگر چہ وہ معاوضہ میں اسکو دینا بھی چاہے''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کیساتھ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو (اسکی حالت ایسی ہوگی جیسے) گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹخ دیا'' موافق ہیں۔

بہر حال شرک کبائر سے ہے، خواہ وہ شرک ذات میں ہو، صفات میں ہو، عبادت میں، استعانت میں، علم وقدرت میں ہو یا تصرف وتدبیر میں ہو۔

عقوق الوالدين :

و عقوق الوالدين : والدین کی نافرمانی بھی گناہ کبیرہ ہے۔ والدہ کی ہو یا والد کی یا دونوں کی، دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے، لان عقوق احد هما يستلزم عقوق الآخر غالباً. (جمع ص ۲۲۵) (کیونکہ ان میں سے ایک کی نافرمانی دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے)

عقوق: العق سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی الشق و القطع (چیرنا اور کاٹنا)۔ اسی سے العقیقۃ ماخوذ ہے، جو مولود کے حلق شعر پر بکری کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ شرعاً مراد یہ ہے کہ والدین کی قولاً اور فعلاً نافرمانی اور ایذاء رسانی سے بچا جائے۔ والمراد صدور مايتأذى به الوالد من ولده من قول او فعل (اور اس سے مراد ہر ایسی بات یا کام جسکے ذریعہ اولاد کی طرف سے والد کو تکلیف پہنچے) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تقل لهما اف ولا تنهر هما، الاية (اور نہ کہہ والدین کو اف تک بھی اور نہ انکو جھڑک دے) البتہ شرک اور معصیت میں ان کی اطاعت حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان

جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا (اگر تجھ پر وہ دونوں بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل اور سند نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا (کے حوائج و معاملات) میں انکے ساتھ خوبی کیساتھ بسر کرنا)۔ آیت سے واضح ہے کہ عقوق الوالدین حرام ہے، اگر چہ والدین کافر ہوں۔ شیخ البیجوریؒ نے مزید تصریح کی ہے کہ: والمراد بالوالدین الاصلان وان علیا و مال الزرکشی الی الحاق العم والخال بھما ولم یتابع علیه (مواھب ص ۱۰۹) (کہ والدین سے مراد اپنے اصول ہیں اگرچہ اوپر تک جائیں (یعنی داد پردادا وغیرہ) اور امام زرکشیؒ کا رجحان تو چچا اور ماموں وغیرہ کو شامل کرنے کی طرف ہے البتہ کسی دوسرے نے اسکی موافقت نہیں کی) والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے، جس کی سزا آخرت میں بھی ملے گی اور بعض اوقات دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

والعقوق من العقوبات التی یجعل عقابھا فی الدنیا (اور والدین کی نافرمانی ایسی عقوبات (جُرموں) میں سے ہے جنکی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے)

والدہ کی ناراضگی کا ایک دلچسپ واقعہ :

دار قطنی، بیھقی (فی شعب لایمان) اور دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! یہاں ایک نوجوان ہے۔ جس پر نزع یعنی موت کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔ اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کی جا رہی ہے، فلا یستطیع ان یقولھا، وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ کلمہ پڑھ لے۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کیا وہ اپنی زندگی میں کلمہ نہیں پڑھا کرتا تھا، بتایا گیا کہ وہ تو مسلمان ہے اور کلمہ پڑھا کرتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا پھر کس چیز نے اس کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے سے روک دیا ہے، چنانچہ آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے۔

ہم بھی آپؐ کے ساتھ چل پڑے اور ہم سب اس نوجوان کے پاس آپہنچے۔ فقال یا غلام: قل لا الہ الا اللہ، (آپؐ نے فرمایا اے لڑکے لا الہ الا اللہ (کلمہ توحید) پڑھ۔ اس نے عرض کیا، حضرت!

مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں مل رہی، لا اَستَطِیعُ ان اقولها ، پھراس نے صاف بتادیا کہ اس کی وجہ والدہ کی نافرمانی ہے۔لعقوق والدتی ۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''احیة هی (کیاوہ زندہ ہے) فرمایا جی ہاں والدہ تو زندہ ہے، چنانچہ آپؐ نے ان کی والدہ کو بلوایااور پوچھا کیا یہ نوجوان تمہارا بیٹا ہے۔عرض کی جی ہاں، میرا بیٹا ہے،آپؐ نے فرمایا لکڑیاں جمع کرکے آگ روشن کردی جائے اور اگر تو بیٹے کو معاف نہ کرے تو جلتی آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے. فقالت اذاً کنت اشفع له ''(اسکی والدہ نے کہا پھرتو میں اسکی سفارش کروں گی) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تو بھی خدا کو گواہ بنا اور ہم بھی خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ تو اس سے راضی ہے۔بانکِ قد رضیتِ عنه ،تو اس بچے سے راضی ہے۔

والدہ نے عرض کیا''قد رضیتُ عن ابنی '' میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں۔تب حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا،''فقال یا غلام قل لا اله الا الله، فقال لا اله الا الله ، فقال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم الحمد الله الذی انقذه بی من النار. ذکره السیوطی فی شرح الصدور ''(اتحافات ص۱۷۴)۔(تو آپ نے فرمایا اے لڑکے! کلمہ توحید پڑھ تو لڑکے نے لا اله الا اللّٰه پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں کہ جس نے میرے ذریعہ سے اس شخص کو آگ اور دوزخ سے بچایا۔اس واقعہ کو امام سیوطیؒ نے شرح صدور میں ذکر کیا ہے)

انتباہ واہتمام :

وجلس رسول الله سلی الله علیه وسلم و کان متکئا !یعنی جلوس سے قبل آپؐ نے تکیہ فرمایا تھا، آپ بیٹھ گئے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے خصوصیت اور اہتمام سے اگلی بات فرمائی ہے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، و سبب الا هتمام بذلک کون قول الزور اوشهادة الزور اسهل و قوعاً علی الناس والتهاون بهما اکثر فان الاشراک ینبو عنه قلب المسلم والعقوق یصرف عنه الطبع السلیم والعقل القویم واما الزور فالحو امل والبواعث علیه کثیرة کا لعداوة والحسد و غیر هما فاحتیج الی الاهتمام به. (جمع ص ۲۲۵) (اوراسکے اہتمام کرنے کا سبب یہ ہے کہ جھوٹی بات اور

جھوٹی گواہی لوگوں کے خلاف دینا آسان ہے اور پھران دونوں کیساتھ تہاون اور لاپرواہی یہ سب کثیر الوقوع اُمور ہیں۔

اس لئے کہ شرک سے تو مسلمان کا دل نفرت کرتا ہے اور والدین کی نافرمانی سے بھی عقل صحیح اور سلیم الطبع انسان اعراض کرتا ہے اور وہ جو جھوٹ ہے۔ تو اس پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والی بہت سی چیزیں ہوسکتی ہیں جیسے دشمنی حسد وغیرہ وغیرہ اس لیے اس کے اہتمام کرنے کی ضرورت پڑی)

شہادتِ زور کا معنیٰ' قباحت اور شرعی حکم :

قال و شهادة الزور او قول الزور الخ ، پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا، راوی کہتے ہیں کہ آپؐ یہ بات برابر کہتے رہے (اور آپؐ کے تکرار سے ہم خوف زدہ ہو گئے) یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپؐ خاموش ہو جائیں۔

زور، ازوار سے ہے وهو الا نحراف وقال المطر يزى اصل الزور تحسين الشيء و وصفه بخلاف صفته و قال القرطبى شهادة الزور هى الشهادة بانكذب يتوصل بها الى الباطل من اتلاف نفس او اخذ مال او تحليل حرام او تحريم حلال ، فلا شئى اعظم ضرراً منه ولا اكثر فساداً بعد الشرك بالله (جمع ص ۲۲۷) (اور اسکا معنی انحراف (روگردانی) ہے اور امام مطریزیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز کی اصلی اور حقیقی صفت کے علاوہ دوسری صفت کے ساتھ اسکی خوبصورتی کو ظاہر کرنا۔ اور امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جھوٹی گواہی یہ ہے کہ جس کے ذریعہ آپ باطل اور ناحق کام تک پہنچیں یعنی کسی نفس کی ناحق ہلاکت یا کسی کا ناحق مال لینا یا حرام کو حلال کرنا یا حلال کو حرام کرنا ہو تو شرک باللہ کے بعد ایسے جھوٹ سے نقصان اور فساد کے لحاظ سے کوئی چیز بڑھ کر نہیں ہے) بار بار کے تکرار سے اس کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔

قلنا ليته سكت ! کاش حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جائیں۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے (۱) کہ بار بار کے تکرار سے کہیں طبع مبارک پر گرانی نہ آجائے ، كيلا يالم ﷺ (۲) یا اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں آپؐ کی زبان مبارک سے ایسے کلمات نہ نکل جائیں جو نزول بلا کا سبب بن جائیں، اوخو فا من ان

یجری علی لسانه ما یو جب نز ول العذاب. (جمع ص ۲۲۷)

واعظ، مدرس اور خطیب کے لیے ہدایت :

اس حدیث سے ایک فائدہ یہ بھی مستفاد ہوا کہ واعظ، خطیب اور مدرس کے لیے، وعظ و خطاب میں، درس و تدریس میں، بیان اور ہدایات میں بعض حالات میں ضروری ہے کہ وہ تکرار اور مبالغہ سے کام لے اور اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں ڈال دے کہ تلامذہ، مستفیدین اور حاضرین و مخاطبین کو اس پر رحم آجائے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ینبغی له ان یتحری التکرار و المبالغة و اتعاب النفس فی الا فادة حتی یر حمه السامعون و المستفیدون (جمع ص ۲۲۷)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، ویوخذ من الحدیث جواز ذکر الله و افادة العلم متکئا وان ذلک لا ینا فی کمال الا دب وان الاتکاء لیس مفوتاً لحق الحاضرین المستفیدین. (مواهب ص ۱۰۹) (اور حدیث مبارک سے اللہ کے ذکر اور دینی تعلیم کو تکیہ لگا کر دینے کا جواز اخذ کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کمال ادب کے خلاف نہیں ہے نیز یہ کہ تکیہ لگانا مستفیدین اور حاضرین کے حق کو فوت اور ضائع کرنے والا نہیں)

والا ظهر انه یختلف با ختلاف الا شخاص والا ماکن والا زمان (جمع ص ۲۲۶) (اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مذکورہ حکم اشخاص زمانے اور علاقوں کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے)

باب سے عدم مناسبت کا اعتراض :

اس حدیث پر ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسے ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ اس میں اتکاء وارد ہے۔

جبکہ ترجمۃ الباب میں التکأة کا عنوان ہے۔ اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اتکاء، تکأة کو مستلزم ہے۔ و اقصی ما قیل فی دفع هذا الایراد انه یستلزم التکأة و فیه ما فیه هکذا قالت الشراح. (حاشیۂ خصائل)

(۱۲۷/۳) حَدَّثَنَاقُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْاَ قْمَرِ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت شریک نے علی بن اقمر کے حوالے سے بیان کی۔وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابوجحیفہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی چیز سے ٹیک لگا کرنہیں کھاتا''۔

ابوجحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

لفظ امّا کا معنی وتشریح :

امّا انا فلا اکل متکئا امّا: حرف شرط ہے،تفصیل کے لیے آتا ہےاور مجردتاکید کے لیے بھی امّا ھنا لمجردا لتاکید و ان کانت للتفصیل مع التاکید غالباً نحو جاء القوم أما زید فراکب وأما عمرو فماش (مواھب ص۱۱۰)(لفظ امّا یہاں محض تاکید کے لیے ہے اگر چہ عام طور پرتاکید کیساتھ تفصیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے کہ جاء القوم الخ' میں امّا تفصیل کے لیے ہے(معنی یہ ہے قوم آئی ان میں سے زید سوار ہوکراور عمرو پیدل آئے)

اس سے نہی کرنا مقصود ہے۔تاہم طریقہ کنایہ کا ہے۔اپنے لیے ایک چیز ثابت نہ کرنے کا مقصد دوسرے سے اس کی نفی کرنا ہے،تو یہ نفی حکم میں نہی کے ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا تکبر کی علامت ہے :

کیونکہ تکیہ لگا کر کھانا تواضع کے خلاف ہے،زیادہ کھائے جانے کا سبب ہے۔اس سے پیٹ بھی بڑھتا ہےاور سرعت ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اہلِ جاہلیت اور عجمی سلاطین اور متکبرین کا وتیرہ ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں،والاظھر ان یرادبه تعریض غیره من اھل الجاھلیة والا عجام بانھم یفعلون ذلک اظھار اً للعظمة والکبریاء والا فتخار والخیلاء واما انا فلا افعل ذلک و کذلک من تبعنی. (جمع ص۲۲۷)(اورزیادہ واضح بات یہ کہ حضور ﷺ کےاس قول(کہ میں تکیہ لگا کرنہیں کھاتا)سے اہل جاہلیت اور عجمی لوگوں پرایک قسم کی تعریض اورطنز ہے کہ یہ لوگ جو تکیہ لگا کر کھا

ناا پنی بڑائی اور فخر وتکبر کے لیے کھاتے ہیں۔ میں اور میرے تابعداری کرنے والے ایسانہیں کرتے۔

تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں :

تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں صورتیں نہی کا مصداق ہیں۔(۱) دونوں یا ایک پہلو پر تکیہ لگا کر کھانا (۲) دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو زمین پر رکھ کر تکیہ لگائے۔(۳) جوکڑی مار کر کسی گدّے وغیرہ پر بیٹھے۔(۴) کمر (پُشت) دیوار یا تکیہ وغیرہ سے لگا کر بیٹھے، کھانے کے وقت ان چار صورتوں پر بیٹھنا مذموم ہے۔ ملا علی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں: الاول الا تکاء علی اربعة انواع الا ول الاتکاء علی احد الجنبین الثانی وضع احدی الیدین علی الا رض والاتکاء علیها والثالث التربع علی و طاء والا ستواء علیه والرابع استنا د الظهر علی و سادة و نحوها و کل ذلک مذموم حالة الا کل منهی عنه لا ن فیه تکبر ا۔(جمع ص ۲۲۸)

اسی طرح لیٹ کر کھانا بھی مکروہ ہے۔ البتہ کھڑے ہو کر کھانا مکروہ نہیں اور اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے مراد مستقل طور پر کھڑے ہو کر کھانا مراد نہیں بلکہ اگر کوئی چیز اتفاقاً کھڑے کھالی، تو اس کو مکروہ نہیں کہنا چاہیے، ورنہ آج ملحدین جو کھڑے ہو کر کھاتے ہیں اسی سے استدلال کرتے پھرینگے۔ نیز سنت طریقہ پر کھانے کی جو تین صورتیں مذکور ہیں، ان کے بھی خلاف ہے، حالانکہ شامی باب الحظر والاباحة میں ہے "کترک السنة المؤکدة فانه لایتعلق به عقوبة النار ولکن یتعلق به الحر مان عن شفاعة النبی المختار لحدیث من ترک سنتی لم ینل شفاعتی (شامی ج ۵ ص ۲۳۷) (جیسے کہ سنت مؤکدہ کو چھوڑ دینا کہ اس کے ساتھ اگرچہ دوزخ اور آگ کی سزانہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی تو ضرور ہے بوجہ اس حدیث کہ آپؐ نے فرمایا جس نے میری سنت (طریقہ) چھوڑ دیا وہ ہرگز میری شفاعت نہیں پائے گا)۔

نیز شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں آداب الطعام میں ذکر کیا ہے "فاذا غسل یدیه قبل الطعام ونزع النعلین واطمأن فی مجلسه واخذه اعتداداً به وذکر اسم الله افیضت علیه البر کة (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۸۵) جب (کھانے والا) اپنے ہاتھ کھانے سے پہلے دھولے اور جوتے

نکال کر اطمینان کیساتھ مجلس طعام میں بیٹھ جائے اور اسکو عزت و احترام سے اٹھا کر بسم اللہ الخ پڑھے تو اس کھانے میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اور بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

ویکرہ ایضاً مضطجعاً الا فیما یتنقل بہ ولا یکرہ قائماً لکنہ قاعداً افضل (جمع ص ۲۲۸) اور اسی طرح لیٹے ہوئے کھانا مکروہ ہے مگر (جو بطور تنقل یعنی تفکہ وغیرہ کے ہو) اور (اتفاقاً) کھڑے ہوکر کھانا مکروہ نہیں لیکن بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

کھانے میں سنت طریقہ :

کھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے پر جھکاؤ ہو اور کھانے والا اس پر منحنی ہو، والسنۃ ان یقعد عند الاکل مائلاً الی الطعام. (جمع ص ۲۲۸)

اس حدیث کا سبب بھی ایک اعرابی کا قصہ ہے، جو ابن ماجہ اور طبرانی میں اسناد حسن کے ساتھ منقول ہے۔ وہ یوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری ہدیہ کی گئی، فجثی علی رکبتیہ یاکل ، حضورؐ دوزانو بیٹھ کر کھا رہے تھے۔ اعرابی نے یہ دیکھ کر کہا، ماھذہ الجلسۃ ؟ یہ کونسا بیٹھنا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، ان اللہ جعلنی عبدا کریما ولم یجعلنی جبارا عنیدا (جمع ص ۲۲۸) مجھے اللہ تعالیٰ نے معزز اور متواضع بندہ بنایا اور نہیں بنایا مغرور سرکش۔

ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ سب کچھ تواضعاً کیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے، انما انا عبد اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد . میں تو ایک بندہ ہی ہوں اور بندہ جیسے بیٹھتا ہوں اور کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ اور غلام کھاتا ہے۔ اور یہ بھی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ حاضر خدمت ہوا۔ جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ عرض کی حضورؐ! اللہ نے آپ کو اختیار دے دیا ہے، چاہیں تو عبداً نبیا بن جائیں اور چاہیں تو ملکاً نبیا بن جائیں۔

اس وقت حضرت جبرئیل بھی رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ فاومأ الیہ ان تواضع قال بل عبداً نبیا (جمع ص ۲۲۸) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ عاجزی اور تواضع کو پسند کر حضورؐ نے فرمایا کہ میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں۔ فکانت جلسة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت الاكل كلها ادب و احترام فتارة يجلس على صدور قدميه و تارة يجلس ناصبا رجله اليمنىٰ وجالسا على اليسرىٰ (اتحافات ص۱۷۵) یعنی آپؐ کا کھانا کھاتے وقت بیٹھنا سب کا سب ادب واحترام کا طریقہ ہے، کبھی تو آپؐ دونوں پاؤں کی ہتھیلیوں پر بیٹھتے اور کبھی داہنے پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو لٹا کر اس پر بیٹھ جاتے۔ یہ حدیث بھی اور آنے والی حدیث بھی اگلے باب سے زیادہ موزوں ہے، یہاں زیادہ سے زیادہ یہی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ أن الاتكاء مستلزم تكاة. (مواھب ص۱۱۰) (کہ اتکاء اور تکاء آپس میں لازم ملزوم ہیں)

(۴/ ۱۲۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاجُحَيْفَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَآ اٰكُلُ مُتَّكِاً.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان سے علی بن اقمر کی وساطت سے پہنچی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا''۔

غرض اتیانِ حدیث :

اس حدیث کے متن میں ''اما انا'' نہیں ہے۔ باقی وہی الفاظ ہیں جو پہلی حدیث میں گذر چکے ہیں۔ سند میں بھی فرق ہے۔ غرض گذشتہ حدیث کی تاکید ہے، قال السيد امير الدين يظهر الفرق بين الحديثين باختلاف بعض رجال السند وتغيير يسير فى المتن والغرض تاكيد هذا الامر بالنسبة الى النبى صلى الله عليه وسلم (جمع ص۲۲۹) سید امیر الدینؒ کہتے ہیں کہ ان دو حدیثوں کے درمیان فرق تو سند میں بعض رجال کے اختلاف کیوجہ سے ہے اور کچھ معمولی تبدیلی متن میں بھی ہے اور اصل غرض اس امر (یعنی نبیؐ کا تکیہ لگائے ہوئے نہ کھانا) کی تاکید بنسبت نبی علیہ السلام کے ہے

(۵/ ۱۲۹) حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عِیْسٰی حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِیْلُ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی لَمْ یَذْکُرْ وَکِیْعٌ عَلٰی یَسَارِهٖ هٰکَذَا رَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ اِسْرَآئِیْلَ نَحْوَ رِوَایَةِ وَکِیْعٍ وَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا رَوٰی عَلٰی یَسَارِهٖ اِلَّا مَا رَوٰی اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِسْرَآئِیْلَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث یوسف بن عیسٰی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ روایت وکیع کے ذریعے پہنچی۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسرائیل نے سماک بن حرب کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے جابر بن سمرہؓ سے یہ حدیث سنی۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

امام ترمذیؒ نے یہاں پر کلام کیا ہے کہ اس روایت میں وکیع نے بائیں جانب کے الفاظ ذکر نہیں کئے اور بہت سے لوگوں نے اسرائیل کے ہم معنی روایت ہی بیان کی ہے اور ہم اسرائیل سے روایت کرنیوالے اسحٰق بن منصور کے سوا کسی ایک راوی کو بھی نہیں جانتے جس نے بائیں جانب کے الفاظ کہے ہوں"۔

امام ترمذی کا اعتراض :

قال ابو عیسٰی ....الخ ،امام ترمذیؒ کو باب کی پہلی حدیث کے لفظ علی یسارہ پر اعتراض ہے کہ بغیر اسحٰق بن منصور کے کسی بھی دوسرے راوی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ امام ترمذیؒ کا خیال ہے کہ یہ الفاظ شاید سہواً نقل ہوئے ہیں کہ حضورؐ کا معمول دائیں طرف تکیہ کا تھا۔ امام ترمذیؒ کی بات بھی درست ہے، تاہم شارحینؒ کہتے ہیں کہ علی یسارہ کسی عذر کی بنا پر ہوسکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ :

"فان کان بالمرء مانع لا یمکن معه من الاکل الا متکئا لم یکن فی ذلک کراهة ثم ساق عن جماعة من السلف انهم اکلوا کذلک" (جمع ص ۲۲۸) اگر کسی شخص کو رکاوٹ اور مانع درپیش ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے بغیر تکیہ کے وہ کھانا نہیں کھا سکتا تو پھر تکیہ لگائے کھانے میں کسی قسم کی

کراہت نہیں پھر بہت سے اسلاف اور بزرگوں سے تکیہ لگا کر کھانے کا تذکرہ کیا ہے اور اسحٰق بھی ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے۔

وکان الاولیٰ ایراد هذا الطریق عقب طریق اسحق بن منصور أول الباب (اتحافات ص ۱۷٦) اور اچھا یہ ہوتا کہ اس اسناد کے طریق کو مصنفؒ اسحٰق بن منصور کے اسناد کے بعد شروع باب میں لاتے۔

==============================

بَابَ مَا جَآءَ فِیْ اِتِّکَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لے کر چلنے کے بیان میں

اتکاء: کا معنٰی سہارالینا یا سہارا لے کر چلنا۔اتکاء: وکاء سے ماخوذ ہے،جس سے چیزوں کو باندھا جاتا ہے "اتکاء" انسان کی گرنے سے حفاظت اور دوسرے کے سہارے سے چلنے میں مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

باب تکأۃ اور باب اتکاء کی غرض انعقاد :

(۱) اس باب کا حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عارض یعنی حالتِ مرض وغیرہ میں کسی صحابی کا سہارالیکر چلنے کے بیان کی غرض سے انعقاد کیا گیا ہے۔وبھذا یفھم أن ھذا الباب غیر الاول ۔اور اس توجیہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ باب پہلے باب سے مغایر ہے۔

(۲) بعض شارحینؒ کہتے ہیں کہ بابِ سابق کے انعقاد سے غرض حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق تکیہ کا بیان ہے اوراس باب میں بیان اتکاء المصدر ،دونوں تراجم میں معنٰی مصدری اور بیان ما اتکئی علیہ جس چیز پرتکیہ کیا جائے کے بیان کے لحاظ سے فرق ہے۔

(۳) مگرزیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ پہلے ترجمۃ الباب میں مطلق وسادہ کا بیان تھا۔اعم من بیانھا وبیان الاتکاء علیھا (حاشیہ خصائل)(اس سے عام کہ اسمیں تکیہ یا جس پرتکیہ کیا جائے کا بیان ہو)اور اس ترجمۃ الباب سے بیان استناد علی غیر الوسادۃ من الانسان (مطلق تکیہ کے علاوہ کسی انسان وغیرہ پرسہارالینا)مقصود ہے۔یہاں اس باب میں توصاف ظاہر ہے کہ انسان کا سہارا لے کر چلنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔دراصل انسان کی کرامت واحترام کی وجہ سے اس کا عدم جواز کا وہم تھا،اس لئے علیحدہ

ترجمة الباب کا انعقاد کیا گیا۔

(۴) باب ھذا میں کیفیتِ فعل کا بیان مقصود ہے، اگر چہ ضمناً مفعول بہ کی کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے، جبکہ ماقبل کے باب میں اصلاً مفعول بہ کی کیفیت کا بیان مقصود تھا، اگر چہ فعل کی کیفیت وہاں ضمناً معلوم ہو جاتی ہے۔

(۱/۱۳۰) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَةَ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ قِطْرِیٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِہٖ فَصَلّٰی بِھِمْ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے عمرو بن عاصم نے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حماد بن سلمہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے حمید سے اخذ کیا۔ وہ اس حدیث کو خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضورؐ بیماری میں گھر سے نکلے کہ آپؐ نے اُسامہؓ کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس وقت آپ پر قطر کا ساختہ کپڑا تھا، جس کو آپ نے کندھے پر ڈال رکھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اس حدیث کی تشریح باب ما جاء فی لباس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (۶/ص۵۸) میں کی جاچکی ہے۔ قارئین وہاں ملاحظہ فرماویں۔

خلاصہ بحث :

اجمالاً تلخیص یہ ہے کہ شاکیاً، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ضرب یضرب کے باب سے آتا ہے، بمعنی بیمار ہونے کے۔ الشکوی کانت من المرض (اتحافات ص۱۷۷) بیماری کی وجہ سے شکایت تھی قیل وھذا فی مرض موتہ (جمع ص۲۳۰) بعض نے کہا کہ یہ واقعہ اور صورت حال مرض موت کے وقت تھی۔

یتو کأ: یہ التوکأ سے مضارع ہے، بمعنی الاتکاء علی الشیء ای یتحامل ویعتمد (جمع ص ۲۳۰) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین آدمیوں پر سہارا لیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ، رواۃ حضرات کبھی کسی کا ذکر کر دیتے ہیں، کبھی کسی کا۔ اس حدیث سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام واہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بنا برضرورت کسی آدمی کا سہارا لے کر چلنا جائز ہے۔

(۲/ ۱۳۱) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَطَآءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ الْحَلَبِيُّ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ وَعَلٰی رَأْسِهِ عِصَابَةٌ صَفْرَآءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا فَضْلُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُشْدُدْ بِهٰذِهِ الْعِصَابَةِ رَأْسِيْ قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ عَلٰی كَفِّهِ مَنْكِبِيْ ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مبارک سے پہنچی۔ ان کو یہ روایت عطاء بن مسلم خفاف حلبی کے ذریعے ملی۔ ان کو اسے جعفر بن برقان نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث عطاء بن ابی رباح سے اخذ کی، جنہوں نے اسے فضل بن عباسؓ سے روایت کیا۔

فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے مرض الوفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سر مبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھ رہی تھی۔ میں نے سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو۔ پس میں نے تعمیل ارشاد کی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں مفصل قصہ ہے۔

راویان حدیث (۳۲۲)محمد بن المبارکؒ (۳۲۳)عطاء بن مسلمؒ (۳۲۴)جعفر بن برقانؒ (۳۲۵)عطاء بن ابی رباحؒ اور(۳۲۶)فضل بن عباسؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ،حدیث کی تشریح :

دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں یہ میری اس ملاقات کاواقعہ ہے جب آپؐ مرض الوفات میں تھے..الخ وعلیٰ راسہ عصابة :(اوراسکے سر پر عصابہ یعنی پٹی یا پگڑی تھی) عصابة بمعنی پٹی کے یا عمامہ کے ہے، ای خرقة اوعمامة (جمع ص۲۳۰) تاہم حدیث کے اگلے الفاظ اشدد بھذا العصابة راسی (کہ اسی پٹی سے میرے سرکو باندھ) عصابة کےخرقہ ہونے کی تائید بلکہ تعین کرتے ہیں۔

صفراء : بمعنی زردرنگ ہونے' بعض حضرات نے کہا زردرنگ نہیں تھا،مگرابتداء میں تیل لگانے اور عصابة کےملوث ہوجانے کی وجہ سے وہ زرد معلوم ہوتا تھا۔

قال الحنفی لعل صفرتھا لم تکن اصلیة بل کانت عارضة من ایام مرضه لا جل عرق وغیرہ (جمع ص۲۳۱) حنفیؒ کہتے ہیں کہ اسکا پیلا پن (رنگ)اصلی اورحقیقی نہ تھا بلکہ بیماری کے دنوں میں پسینہ وغیرہ کیوجہ سے عارضی طور پر تھا(جمع ص۲۳۱) یہ توجیہہ تب ہے، جب عصابة بمعنی عمامة کے ہواوراگر عصابة بمعنی خرقة پٹی کے ہو، تو فلا اشکال (جمع ص۲۳۱) (توپھراس کے پیلے ہونے میں کوئی اشکال نہیں) بہرحال اگر واقعۃً بھی زردرنگ ہو،تو چونکہ وہ حرام نہیں' اس لئے اختیارفرمایا۔

شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں : العمامة الصفراء اور العمامة الحمراءاور العمامة السوداء (پیلی پگڑی،سرخ پگڑی،کالی پگڑی) آپؐ سے ثابت ہیں۔ فالعمامة البیضاء افضل (مواھب ص۱۱۱) (البتہ سفید پگڑی افضل ہے) (مواھب ص۱۱۱) فسلمت : میں نے سلام کیا،پھر مجھے سلام کا جواب دیا گیا،ففی الکلام ایجاز (مناوی ص۲۳۱)۔پس یہاں کلام میں اختصار ہے۔(مناوی ص۲۳۱)

مسئلہ حاضر وناظر :

لبیک یا رسول اللہ: اس سے بعض لوگ ''یا رسول اللہ'' سے ندا کے جواز پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ ندا بطور تعظیم کے تھی۔۔اس لئے اس کا قائل نہ، تو بدعتی ہے، نہ مشرک ہے، جیسے عام شعراء بھی ندا کرتے ہیں، جو بطور مجاز کے ہوتی ہے۔جو اخراج الکلام بخلاف مقتضی الظاھر ((یہ از قبیل اقتضاء ظاہر کے خلاف کلام کو استعمال کرنا) کے مطابق ہوتی ہے، جسے ہم تنزیل الغائب بمنزلة الشاهد (غائب کو بہ منزلہ حاضر کے بنا دینا) بھی کہہ سکتے ہیں، تو یہ گویا اسناد مجازی ہوا۔اس سے آپ کو حاضر و ناظر ثابت کرنا بے سود ہے۔

اشدد بهذه العصابة راسی۔(اسی پٹی کیساتھ میرے سر کو باندھ)۔یہ کمال فی التوکل کے منافی نہیں، کیونکہ یہ بھی معالجہ اور تداوی کی ایک نوع ہے۔ واظهار الافتقار المسكنة والتبری من الحول و القوة۔(اور یہ ایک قسم کی محتاجی مسکینی اور زور وقوت کے گھمنڈ نہ ہونے کا اظہار ہے)

فوضع كفه......الخ : عند قصد القعود او بعده اوعند ارادة القيام وهو الاظهر و قال میرکؒ ای فاتكأ علیّ وقال الحنفي فوضع كفه و كان متكئًا (جمع ص ۲۳۱) پھر اپنا ہاتھ مبارک رکھا الخ یعنی بیٹھنے کے ارادہ کیوقت یا اس کے بعد اور یا کھڑے ہونے کے ارادہ کیوقت اور بظاہر یہی صورت تھی ملا میرکؒ فرماتے ہیں (کہ پھر تو الفاظ فاتكأ عنی ہیں) یعنی میرے اوپر سہارا لے کر کھڑے ہوئے۔اور حنفی کہتے ہیں کہ الفاظ فوضع كفه و كان متكئًا یعنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور آپ تکیہ کئے ہوئے تھے۔(جمع ص ۲۳۱) ثم قام (پھر کھڑے ہوئے) یہی موضع استشہاد اور باب اتکاء سے وجہ مناسبت ہے۔

حدیث میں سبق آموز طویل قصہ :

وفي الحديث قصة: یہ قصہ باب الوفات میں تفصیل سے آرہا ہے۔علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، وهي انه صعد المنبر و امر بنداء الناس وحمد الله واثنى عليه والتمس من المسلمين ان يطلبوا منه حقوقهم (مواہب ص ۱۱۲) وہ یہ ہے کہ آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو آواز دے کر بلانے کا حکم

کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ تم اپنے حقوق مجھ سے طلب کرو) (مواہب ص ۱۱۲) مجمع الزوائد میں خوب تفصیل سے یہ تمام تر قصہ نقل کر دیا گیا۔ قارئین کے ذوق علم اور شوق مطالعہ کے پیش نظر من وعن نذر قارئین ہے۔

امام ترمذیؒ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت فضلؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا، حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کرلوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا:

میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا، میری کمر موجود ہے، بدلہ لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا ہو، میری آبرو سے بدلہ لے لے، جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو، وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے (بدلہ لینے سے) رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے، وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کرلے یا معاف کردے کہ میں اللہ جل شانہٗ کے یہاں بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔

چنانچہ اس کے بعد منبر سے اُتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو، وہ بھی ادا کردے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا میرے تین درہم آپؐ کے ذمے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں، نہ اس کو قسم دیتا ہوں، لیکن

پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک سائل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا، تو آپؐ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ اس کو تین درہم دیدو۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کرو۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لئے تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی۔ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔

اس کے بعد پھر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو، وہ بھی دعا نکرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی یا اللہ اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) نصیب فرما اور (زیادتی) نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یا عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ اس کو سچائی اور کامل ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرمادے۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں، میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے، جدھر بھی وہ جائیں، ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے۔ یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں زبان سے عاجز ہوں، حضور ﷺ

نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ متصف رہتے تھے۔ اسی غلبۂ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو جو باتفاق اہل حق تمام اُمت میں افضل ہیں۔ یہ شبہ ہو جاتا تھا۔

ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ جو مشہور اکابر صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گذر چکے یعنی صحابہ کرامؓ اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ اور تابعین کوئی بھی ان میں ایسا نہیں ہے، جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گذشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے، جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسنؒ کا یہ بھی مقولہ ہے جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو، وہ منافق ہے۔

ابراہیم تیمیؒ جو فقہاء تابعین میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو (بخاری شریف، فتح الباری) یہی مطلب ہے، ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو ہیچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند و نصیحت وغیرہ احوال کے اعتبار سے یہ ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔ (خصائل ص ۸۱)

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اَکْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے کے طریقے کے بیان میں

بعض نسخوں میں "باب صفة أکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی صفت کے بیان میں) منقول ہے۔ مگر پہلی عبارت بہتر ہے ، لان المقصود بیان الأخبار الواردة فی صفة اکله صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص۱۱۲) (اس لئے کہ اصل مقصود ان احادیث کا بیان ہے جو حضور ﷺ کے کھانے تناول فرمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)

لفظ ''الاکل'' کی تشریح :

الاکل: کی دو تعریفیں کی گئیں ہیں :

(۱) ادخال شئی من الفم الی البطن بقصد الاغتذاء (کسی چیز کا بہ ارادہ غذا حاصل کرنے منہ کے ذریعے پیٹ میں ڈالنا) مگر یہ تعریف درست نہیں ہے کیونکہ میوہ جات وغیرہ کا کھانا اس تعریف سے نکل جاتا ہے کہ انکا کھانا تفکّھًا (لذت اور مزہ کے لئے) ہوتا ہے۔ اغتذاء (غذا کے لئے) نہیں۔

(۲) ادخال الطعام الجامد من الفم الی البطن سواء کان بقصد التغذی اوغیرہ کالتفکه. (مواہب ص۱۱۲) (منجمد کھانے کو منہ کے ذریعہ پیٹ میں ڈالنا خواہ بہ ارادہ غذاء ہو یا غیر غذا یعنی تلذذ وغیرہ کے لئے۔ (مواہب ص۱۱۲) لذت اور مزہ کے لئے لفظ جامد کی قید سے "المائع" نکل گیا، کیونکہ مائع چیز کا منہ میں ادخال، اکل نہیں بلکہ شرب ہے، کیونکہ شرب : ادخال المائع فی الفم (کسی بہنے والی چیز کو منہ میں ڈالنا) کو کہتے ہیں۔ اس میں پانی، چائے، دودھ، شربت اور اس قسم کی

سب سیال اشیاء شامل ہیں۔البتہ الاکل : (بالضم) فاسم لما یوکل (مواھب ص۱۱۲) (الاکل (ہمزہ کے ساتھ) ہر کھائی جانے والی چیز کا نام ہے) والاکلۃ : لبلمرۃ و اکیلۃ الاسد فریسۃ التی یاکلھا. (مناوی ص۲۳۱) (اور لفظ الاکلۃ ایک دفعہ کھانے کو اور اکیلۃ الاسد کے معنی شیر کا اپنے شکار کردہ چیز کو کھانا)

حضور اقدس ﷺ کے کھانے کا طریقہ :

اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا بیان ہے۔جس سے آپ ﷺ کے کھانے کے طریقہ پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ آپ ﷺ کس طرح بیٹھ کر اور دائیں ہاتھ سے اور پھر اس کی کن انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے، پھر کھانا کھا کر انگلیوں کو صاف فرماتے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پونچھنے سے پہلے انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے اور پھر کسی کپڑے سے ہاتھ صاف کرلیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے فلا یمسح یدہ حتی یَلْعَقُھَا اَوْیُلْعِقُھَا یعنی اپنا ہاتھ کھانا کھانے کے بعد نہ پونچھتے۔جب تک اس کو چاٹ نہ لیتے یا کسی دوسرے کو چٹوا نہ دیتے۔جناب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کھانے کے بعد تولیہ سے ہاتھ پونچھنا سنت ہے۔(لغات الحدیث ج۵ ص۴۱)

(۱۳۲/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ ثَلَاثًا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَرَوٰى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ قَالَ يَلْعَقُ اَصَابِعَهُ الثَّلٰثَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کو محمد بن بشار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان کے حوالے سے بیان کی، انہوں نے یہ روایت سعد بن ابراہیم سے اخذ کی، اور انہوں نے یہ روایت کعب بن مالک کے فرزند سے حاصل کی، جو اپنے باپ کعبؓ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے

تھے۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن بشار کے علاوہ جو اس حدیث کی روایت کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

راویان حدیث (۳۲۷) سعد بن ابراہیمؒ (۳۲۸) ابن کعب بن مالکؒ اور (۳۲۹) عن ابیہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانے میں تین انگلیوں کا استعمال اور چاٹنا :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یلعق اصابعہ ثلثا ، حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد تین مرتبہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے تاکہ انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا کھانے کا معمولی سا حصہ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔قال ابو عیسٰی ... الخ ، سے امام ترمذیؒ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ بعض نسخوں میں لفظِ ثلاثا کے بجائے الثلاث' نقل ہوا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ثلاثاً مرات کی صفت نہیں بلکہ تین انگلیاں مراد ہیں، انگوٹھا، انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی، ای الابھام و المسبحۃ والوسطیٰ (جمع ص۲۳۳) کہ ان تینوں کے ساتھ آپؐ نوالہ کھایا کرتے تھے اور پھر ان کو چاٹ لیا کرتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر۴ میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ فیہ اشارۃ خفیۃ الی انہ کان یاکل باصابعہ الثلاث (جمع ص۲۳۲)(اس میں ایک مخفی اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ اپنے تین انگلیوں مبارک سے کھانا تناول فرماتے)

انگلیوں کو چاٹنے کی کیفیت :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے کی ابتداء وسطی انگلی سے ، پھر سبابہ اور پھر ابہام کو چاٹتے تھے جیسے کہ ملا علی قاریؒ نے حدیث نقل کر کے اس کی حکمت بیان فرمائی۔

کعب بن عجرۃؓ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث الابھام والتی تلیھا والوسطی ثم رأیتہ یلعق اصابعہ الثلاث قبل ان یمسحھا الوسطی ثم التی تلیھا ثم الابھام وکان السرفیہ ان الوسطی اکثر تلویثا لانھا اطول........اولان الذی یلعق الاصابع یکون بطن کفہ الیٰ جھۃ وجھہ فاذا ابتدأ بالوسطی انتقل الی السبابۃ الی جھۃ یمینہ ثم الی الابھام . (جمع ص ۲۳۳) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ اپنی تین انگلیوں انگوٹھے اور اسکے ساتھ والی (انگشت شہادت) اور

درمیان والی انگلی سے کھاتے تھے۔ پھر آپؐ کو دیکھا کہ اپنی تینوں انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے چاٹ لیا کرتے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی (انگشت شہادت) پھر انگوٹھے کو اور اس طریقے پر چاٹنے میں یہ راز ہے کہ درمیانی انگلی بوجہ لمبے ہونے کے زیادہ ملوث ہوتی ہے اور یا پھر اسلئے کہ جو شخص انگلیاں چاٹتا ہے تو اسکی ہتھیلی کا اندرونی حصہ اسکے چہرے کی طرف ہوگا پس جب ابتدا درمیانی سے کریگا تو پھر اسے دوسری انگلی سبابہ کی طرف انتقال دائیں جانب ہوگا اور پھر انگوٹھے کے لئے بھی اسی طرح (تو گویا چاٹنے میں بھی دایاں جانب ملحوظ رہا)

انگلیاں کب چاٹی جائیں :

یہ چاٹنا بھی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ کھانے کے دوران نہیں اور یہی سنت ہے

ای بعد الفراغ لافی الاثناء قال ابن حجر فیسن قبل المسح او الغسل اوبعد الفراغ من الاکل لعقها لرواية مسلم و یلعق یده قبل ان یمسحها محافظة علی البركة وتنظيفًا لها (جمع ص۲۳۲) یعنی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ کھانے کے دوران علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پس انگلیوں کا چاٹنا پونچھنے یا دھونے سے پہلے یا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سنت ہے مسلم شریف کی اس روایت کی بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کھانے کے بعد) ہاتھوں کی انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے اس لئے چاٹتے تھے تاکہ انکی صفائی اور برکت کا تحفظ ہو جائے) اصل بات یہ چل رہی تھی کہ تین انگلیاں چاٹنا سنت ہے یا تین مرتبہ؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ چاٹنا مستقل ادب ہے کہ اس سے مکمل صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں چاٹنا مستقل ادب ہے، جیسا کہ اسی باب کی چوتھی روایت میں آرہا ہے۔ (خصائل) ایک روایت کے مطابق چاٹنا بھی سنت ہے اور چٹوانا بھی، مگر چٹوانا وہاں مناسب ہے جہاں سامنے والا اسے بے تکلفی، محبت، شفقت، سنت اور برکت سمجھے۔ مثلاً مخلص خادم ہو، شاگرد رشید ہو، اپنی اولاد ہو، اہلیہ ہو، **یحبون و یتلذذون بذلک منه** (جمع ص۲۳۲) کہ وہ چاٹنے والے بھی اسکے چٹوانے کو پسند اور اسمیں لذت محسوس کریں) مگر ایسے لوگ جو متکبر ہوں، جن کے دماغ میں تہذیب مغرب کی رعونت ہو، جو سرمایہ دار اور مترفین ہوں اور جنہیں خیر و برکت اور

محبت وخلوص کے اس عمل سے کراہت ہو، وہاں نہیں چٹوانا چاہیے۔ خلافاً لمن کره من المترفین لعق الاصابع استقذاراً (موھب ص ۱۱۲) بخلاف متکبرین مالدار قسم کے لوگ جو انگلیوں کو چاٹنے سے نفرت اور گھن محسوس کریں۔

انگلیاں چاٹنے کے برکات :

ایک روایت میں انگلیاں چاٹنے کی علت بھی بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھالے، تو اسے کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں۔ فانه لا یدری فی ایتھن البرکة (مواھب ص ۱۱۲) (کیونکہ اسے کیا خبر کہ کھانے کے کونسے جزء میں خیر و برکت ہے)۔ اسی طرح برتن کا چاٹنا بھی سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی برتن میں کھایا، پھر اسے چاٹ لیا ...... استغفرت له القصعة (مواھب ص ۱۱۲) تو وہ برتن اس کے لئے استغفار پڑھتا ہے۔

احیاء العلوم میں ہے جس نے برتن چاٹ لیا، پھر اسے دھویا اور وہی پانی پی لیا، کان له کعتق رقبة (مواھب ص ۱۱۳) اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ جس نے دستر خوان پر گرے پڑے کھانے کے ٹکڑے کھالئے یا جو پلیٹ سے گرا اسے اٹھا کر کھالیا۔ امن من الفقر والبرص والجذام وصرف عن ولده الحمق، تو وہ فقر، برص اور جذام سے مامون رہے اور اس کی اولاد حماقتوں سے محفوظ رہے گی۔ الدیلمیؒ میں ہے کہ جس نے دستر خوان پر گرنے والے ٹکڑے کھائے، خرج ولده صبیح الوجه و نفی عنه الفقر اس کو اللہ پاک خوبصورت اولاد دے گا اور وہ فقر سے محفوظ رہے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے، جس نے کھانے کے بعد پلیٹ چاٹ لی اور پھر انگلیاں چاٹ لیں، اشبعه الله فی الدنیا والآخرة (مواھب ص ۱۱۳) اس کو اللہ پاک دنیا و آخرت میں بھوک سے محفوظ رکھے گا اور پیٹ بھر کر رزق عنایت فرماوے گا۔

(۱۳۳/۲) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهٗ الثَّلٰثَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حسن بن علی خلال نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت عفان اور ان کے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کی۔ انہوں نے ثابت سے اور ثابت نے یہ حدیث صحابی اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے، تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۳۳۰) الحسن بن علی الخلالؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگلیوں کے چاٹنے کو کراہت سے نہ دیکھا جائے :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم......الخ، مضمون حدیث اور متعلقہ ضروری بحث پچھلی حدیث میں عرض کر دی ہے۔ شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں پر رد ہے، جو انگلیاں چاٹنے کو "استقذارا" (بطورِ نفرت) ناپسند کرتے ہیں۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ بعض بے وقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ تو عقل کی بات ہے اور انہیں سمجھنی چاہیے کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے، یہ وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا۔ اس میں کیا نئی چیز آ گئی کہ اس سے نفرت ہونے لگی اور اس میں کراہت آ گئی (ان کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں)۔ قال الخطابی عاب قوم افسد عقولهم الترفه لعق الاصابع واستقبحوه كانهم ماعلمو ان الطعام الذی علق بهاوبالصحفة جزء من الماكول واذالم يستقذر كله فلا يستقذر بعضه وليس فيه اكثر من مصها بباطن الشفة . (مناوی ص ۲۳۴) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے یا کسی بھی انسان کے فعل کو، اس میں تو کلام ممکن ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فعل اور کسی بھی سنت کو قباحت کی طرف منسوب کرنا اندیشۂ کفر ہے۔

جیسا کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ سے تعبیر کی ہے۔ قال ابن حجرؒ: واعلم ان الكلام فيمن استقذرذلك من حيث هو لا مع نسبتهٖ للنبی ﷺ والا خشی علیه الكفر اذ من استقذر شيئاً من احواله مع علمه بنسبته اليه صلی الله عليه وسلم كفر. (جمع ص ۲۳۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

''درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے، ان کو التفات بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر کسی کو کراہت طبعی اپنے اس فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنا چاہیے۔ بندہ جب حجاز گیا تھا، تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے۔ مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا، ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکال کر دیکھتے ہیں، پھر منہ میں لے لیتے ہیں۔ غرض اس انداز سے وہ گھناوٹ سے تعبیر کر رہے تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس تذکرہ سے قے ہو جائے گی۔

لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیرنی کا چمچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے، پھر اس لعاب کے بھرے ہوئے کو رکابی بھی ڈال دیا جاتا ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سینکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا واہمہ بھی نہیں ہوتا'' (خصائل ص۸۳)

(۳/ ۱۳۴) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ الصُّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ نَحْوَهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن علی بن یزید صدائی بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن اسحٰق حضرمی نے روایت کیا۔

انکو یہ حدیث شعبہ سے سفیان ثوری کی وساطت سے پہنچی، انہوں نے علی ابن اقمر سے اور

انہوں نے علی صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کیا ہے۔ ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

راویان حدیث (۳۳۱) حسین بن علی بن یزید الصدائیؒ اور (۳۳۲) یعقوب بن اسحٰق الحضرمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک تعارض سے جواب :

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَّا اَنَا فلا اٰکل مُتَّکِئًا ، اس حدیث کی تشریح گذشتہ صفحات میں حدیث (۱۲۷/۳) باب ما جاء فی التکاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ انہ اکل مرۃ مُتَّکِئًا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانا کھایا تھا۔

علامہ البیجوریؒ اس کی متعدد توجیہات کرتے ہیں۔

(۱) فلعله لبیان الجواز۔ (شاید کہ صرف بیان جواز کے لئے ہو)

(۲) او کان قبل النھی ، (یا یہ آپؐ کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو) جس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے ابن شاہین نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ ان جبرئیل رأی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل متکئًا فنھاہ (مواھب ص۱۱۳) کہ بیشک جب جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ تکیہ لگا کر کھا رہے ہیں تو اس کو منع کر دیا۔

(۳) ٹیک لگا کر کھانے سے طعام بہ سہولت نیچے نہیں اترتا اور نہ اسے معدہ بہ سہولت قبول کرتا ہے اور بعض اوقات اس سے تکلیف بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔

(۴/۱۳۵) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ بَاَصَابِعِهٖ الثَّلَاثِ وَ يَلْعَقُهُنَّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی۔ انکے پاس اسے عبدۃ

بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت کعب بن مالکؓ کے فرزند سے سُنی۔ جنہوں نے اسے اپنے باپ حضرت کعبؓ کے حوالے سے پیش کیا۔ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی عادتِ شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔

تین انگلیوں سے کھانے کی مزید توضیح :

قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث ویلعقھن. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے اوران کو چاٹ لیتے تھے۔

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پانچ انگلیوں سے کھانا حریص قسم کے لوگوں کا کام ہے۔ علامہ البیجوریؒ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ " الأکل باصبع اکل الشیطان وباصبعین اکل الجبابرۃ وبالثلث اکل الا نبیاء (کہ ایک انگلی کیساتھ کھانا شیطان کے کھانے اور دو انگلیوں کیساتھ متکبرین اور بڑے لوگوں کے کھانے اور تین انگلیوں کے ساتھ نبیوں کے کھانے کا طریقہ ہے)(مواھب ص۱۱۴) حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے "الأکل باصبع واحد مقت وباثنتین تکبر وبالثلثۃ سنۃ و بازید شرۃ "۔(کہ ایک انگلی سے کھانا مبغوض اور قابل نفرت اور دو انگلیوں سے تکبر ہے اور تین انگلیوں سے سنت ہے اور اس سے زیادہ انگلیوں کے ساتھ کھانا حرص اور ہلکا پن ہے)۔ بعض روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ثابت ہے، تو وہ بوجہ ضرورت کے ہے۔ کوئی ایسی چیز ہو، جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو، تو پھر پانچوں سے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ تاہم اس سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے کہ لقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فمِ معدہ پر بوجھ اور حلق میں اٹک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ وربما سدّ المجریٰ فمات فوراً. (مواھب ص۱۱۴)

چمچوں کا استعمال :

بعض صالحین نے چمچوں کے استعمال سے بھی پرہیز کیا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین انگلیوں سے کھانا کھانا ثابت ہے۔

ہارون رشید کے بارے میں آیا ہے۔ جب ایک مرتبہ ان کے سامنے طعام لایا گیا، تو انہوں نے چمچ طلب فرمائی۔ اس وقت امام ابو یوسفؒ ان کے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے ہارون رشید سے عرض کی۔

حضور! جاء فی تفسیر جدک ابن عباس فی تفسیر قوله تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم جعلنا لهم اصابع یاکلون بها فأحضرت الملاعق فردها وأکل باصابعه (مواهب ص۱۱۴)

یعنی تمہارے داداجان حضرت ابن عباسؓ نے تفسیر آیہ کریمہ ولقد کرمنا بنی آدم کے ضمن میں فرمایا ہے:

"جعلنا لهم اصابع یاکلون بها (کہ ہم نے ان کو انگلیاں دیں جن سے وہ کھاتے ہیں) تو ہارون الرشید نے چمچوں کو واپس کر دیا اور انگلیوں سے کھانا کھایا۔

(۵/ ۱۳۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُکَیْنٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سُلَیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَاَیْتُهٗ یَاْکُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوْعِ.

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت فضل بن دکین سے اخذ کی۔ انہوں ے یہ روایت مصعب بن سلیم سے سنی اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے، بلکہ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹیک لگا کر کھانا بوجہ عذر کے تھا:

یقول اتی رسول اللّٰه علیه وسلم بتمر فرأیته یاکل وهو مقع من الجوع. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، تو میں نے دیکھا کہ وہ تناول فرما رہے ہیں اور بھوک کی وجہ سے سہارا لیئے ہوئے تھے۔

مقع، اقعاء سے ہے، وهو ان یستند الانسان الی ماوراء ہ من الضعف (اتحافات ص۲۰۰)

(اور وہ یہ کہ انسان کسی چیز کو ضعف اور کمزوری کیوجہ سے اپنے پیچھے تکیہ کیلئے کھڑا کرے)۔ اکڑوں

بیٹھنے، دونوں سرینوں پر بیٹھنے اور دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کر کے کسی چیز کا پیٹھ پیچھے سہارا لینے کو اقعاء کہتے ہیں۔ احادیث میں ٹیک لگا کر کھانا ممنوع ہے۔ حدیث باب میں جو **اقعاء** کا ذکر ہے، یہ بوجہ عذر و ضرورت کے تھا، یعنی بھوک تھی اور ضعف تھا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں۔ **ولیس فی هذا مایدل علی ان الاستناد من اٰداب الاکل لانه انما فعله لضرورة الضعف** (مواھب ص ۱۱۴)

(اور اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو یہ دلالت کرے کہ ٹیک لگانا یہ کھانے کے آداب وسنن میں ہے کیونکہ آپؐ نے تو یہ فعل بوجہ عذر کمزوری اور ضعف کیا تھا)

لہٰذا نہ تو اس روایت پر ان احادیث کا اشکال ہوسکتا ہے، جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہوسکتا ہے۔

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ خُبْزِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کے بیان میں

گذشتہ باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور اس کی کیفیت کا بیان تھا۔ اس باب میں آپ ﷺ کی کھائی جانے والی روٹی کا بیان ہے کہ وہ گندم کی ہوتی تھی یا جو کی، میدے کی ہوتی تھی یا چھنے ہوئے آٹے کی، پراٹھے بھی ہوا کرتے تھے یا نہیں۔ میدہ کی روٹی کا آپؐ سے کھانا ثابت نہیں۔ میدہ کی روٹی مالداروں کی غذا تھی، گندم تو کاشت ہی نہیں ہوتی تھی، دور دراز علاقوں شام وغیرہ سے منگوائی جاتی تھی۔ حضور اقدسؐ کو بالعموم جَو کی سادہ روٹی میسر آتی تھی، جسے آپؐ تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ پراٹھہ پکنے کا ذکر تو روایت میں ملتا ہے، مگر کھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات نقل کی ہیں، ای باب بیان صفة خبز رسول الله صلى الله عليه وسلم (مواهب ص۱۱۴) یعنی باب حضورؐ کی روٹی کے اوصاف کے بیان میں۔

والخبز (بالضم) الشیء المخبوز من نحو بروهو المراد هنا (مواهب ص۱۱۴) خبز بضم الخاء سے مراد ایسی چیز جو گندم وغیرہ سے پکائی ہوئی ہو۔ اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔

هو ما يخبز من برّ او شعیر و غيرهما (اتحافات ص۲۰۲) جو گندم یا جو وغیرہ سے پکائی جائے۔

(۱/۱۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ یَزِیْدَ یُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ اور محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی، وہ دونوں کہتے

ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو شعبہ نے ابو اسحٰق کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن یزید کو اسود بن یزید سے روایت بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے یہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اخذ کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسؐ کی وفات تک حضورؐ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

راویان حدیث (۳۳۳) عبدالرحمٰن بن یزیدؒ اور (۳۳۴) اسود بن یزیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''آل'' مقحم یا غیر مقحم :

ماشبع ال محمد......الخ، شبع کا معنی شکم سیر ہونا۔ من باب طرب (مواھب ص ۱۱۴) اس روایت میں لفظِ ''ال'' اگر مقحم زائد ہو، تو مراد آپؐ کی ذات مبارک ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خود سرور عالمؐ نے مسلسل دو روز تک گندم کی روٹی، تو اپنی جگہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور اگر لفظِ ''ال'' مقحم نہ ہو، تو آپؐ کی ذات بمع اہل خانہ کے مراد ہے۔ یعنی آپؐ کے حینِ حیات آپؐ کے اہل خانہ نے بھی مسلسل دو روز تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

والمراد بالآل ھنا ازواجه والذین کان ینفق علیھم ویعولھم ویحتمل ان یکون لفظ ''ال'' زائداً فیکون المراد ماشبع رسول الله صلی الله علیه وسلم (اتحافات ص ۲۰۲) اور یہاں آل سے مراد آپؐ کی ازواج مطہرات اور جن پر آپؐ خرچ کیا کرتے یعنی اہل وعیال اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں لفظ آل زائد ہو تو پھر مراد یہ ہوگا کہ خود حضورؐ سیر نہیں ہوتے تھے۔ الخ)

اس سلسلہ میں مختلف احادیث منقول ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، ماشبع آل محمد من طعام ثلاثة ایام (کہ حضورؐ کے اہل وعیال نے تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا) اور ایک دوسری روایت ہے، ماشبع آل محمد من خبز مادوم (محمدؐ کے اہل وعیال سیر نہیں ہوئے ایسی روٹی سے جو سالن کے ساتھ ہو) ایک اور حدیث میں ہے، ما شبع ال محمد یومین الاواحد ھما تمر (کہ پیٹ بھر

کر نہیں کھائی حضورؐ کے گھرانے نے مسلسل دو دن مگر ان میں سے ایک دن کھجور ہوتی تھی)۔ گویا ایک دن کھانا ایک دن فاقہ ہوتا تھا۔ سخاوت، بخشش اور جود وعنایت آپؐ اور آپؐ کے خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ فقیروں، عاجزوں، مسکینوں اور غریبوں کی پرورش آپ کی شفیق طبیعت تھی، اس لئے ایک روز آپؐ اور آپؐ کے اہل بیت روٹی سالن کھا لیا کرتے تھے۔ دوسرے روز کھجور پر گذارا کر کے غریبوں، فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دنیاوی عیش وعشرت اور فارغ البالی کو ان مقدس وجودوں نے پسند ہی نہیں فرمایا، بلکہ فقر وفاقہ کی زندگی کو تمام لذتوں پر ترجیح دے کر پیارے محبوبؐ کے نقش قدم پر چلنے کو باعثِ فخر سمجھتے۔

ایک اشکال کا جواب :

بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ اپنے اہل بیت کو ایک ایک سال کا نفقہ عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جوابات بیان کئے ہیں۔

(۱) اس حدیث میں لفظ "اهــل" مقحم یعنی زائد ہے۔ مراد خود ذاتِ اقدسؐ ہے اور آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی ذخیرہ نہیں کیا۔

(۲) حضور اقدسؐ تو اپنی ازواج مطہرات کو سال کا ذخیرہ حوالہ کر دیا کرتے تھے، مگر ازواج مطہرات شوقِ ثواب میں سب کچھ فقراء مساکین اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ **ولا ینا فی ذلک انه کان یدخر فی آخر حیاته قوت سنة لعیاله لأنه کان یعرض له حاجة المحتاج فیخرج فیها ما کان یدخره.** (مواهب ص ۱۱۵) اور یہ آپؐ کی گذشتہ حالت کے منافی اور مخالف نہیں کیونکہ آپؐ تو اپنی آخری زندگی میں اپنے اہل وعیال کے لئے پورے سال کا غلہ ذخیرہ فرمادیتے تھے لیکن جب کوئی محتاج اپنی حاجت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ تو پھر ذخیرہ شدہ میں سے اس کی حاجت کے لئے نکال لاتے۔

(۳) حضور اقدسؐ اور ازواج مطہرات کا فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا، کیونکہ آپؐ خود کسی چیز کا

ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔اور ازواج مطہرات اپنے نفقات کا صدقہ کرلیا کرتی تھیں۔فقرِ اختیاری کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) گھر میں سب کچھ موجود ہے۔مگر کھاتے نہیں' یہ فقرِ مذموم ہے۔

(۲) جومل جائے تناول کرلیا جائے ، نہ ملے تو صبر کرلیا جائے۔بظاہر یہ فقر اضطراری ہے، مگر آپؐ کے حق میں اسلئے اختیاری ہے کہ آپؐ دعا سے متمول بن سکتے تھے۔اُحد پہاڑ سونے کا بنانے کی پیش کش کی گئی، مگر آپؐ نے اختیاراً فقر کو ترجیح دی، بلکہ ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے، اللهم احيني مسكيناً وامتني مسكيناً واحشرني في زمرة المساكين ۔(اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے موت بھی مسکینی میں دے اور آخرت میں مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھایئے)۔فقر اختیاری کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپؐ کے پاس جتنا مال بھی آجاتا تھا، آپؐ اس کو راہ خدا میں فوراً خرچ کردیتے اور آپؐ کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں' فرماتے ہیں

(۱) یہ کہ سال بھر کا نفقہ اس حساب سے ہو کہ مسلسل دودن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو، بلکہ کبھی روٹی، کبھی کھجوریں اور کبھی فاقہ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہی ہوں۔اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو صرف روٹی کی نفی ہے۔

"الشبع " کی مضرتیں :

علماءؒ نے اس پر تنبیہ کی ہے' جو شبع (پیٹ بھر کر کھانا) معدہ میں فساد پیدا کرے اور پیٹ بڑھائے وہی "منهي عنه" یعنی ممنوع ہے اور حق بھی یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا اعضاء کو عبادت میں بوجھل بنا دیتا ہے۔انسان میں فطری اور طبعی نشاط کو ختم کردیتا ہے۔نیند کی کثرت اور سستی وغفلت کا باعث بنتا ہے، صاحبِ اتحافات بھی یہی نقل کرتے ہیں: والحق ان الشبع يثقل الاعضاء عن العبادة،

ویقلل نشاط المرء و یکثر من نومه وتثاؤبه. (اتحافات ص۲۰۲)

(۱۳۸/۲)حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا حَرِیْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ سُلَیْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ یَقُوْلُ مَا کَانَ یَفْضُلُ عَنْ اَهْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِیْرِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحیٰ بن ابی بکیر نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کو حریز بن عثمان نے سلیم بن عامر کے واسطے سے بیان کیا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہؓ باہلی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔

راویان حدیث (۳۳۵) یحیٰ بن ابی بکیرؒ (۳۳۶) حریز بن عثمانؒ (۳۳۷) سلیم بن عامرؒ اور (۳۳۸) ابوامامۃ الباھلیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کچھ بھی نہ رہتا :

ما کان یفضل عن اهل بیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خبز الشعیر : فضل کا معنی باقی رہنا، بچنا اور زیادہ ہو جانا، آتا ہے۔ ای یزید (یفضل کا معنی یزید ہے) (جمع ص ۲۳۸) یعنی دستر خوان پر جب کھانا چنا جاتا ہے، وہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ سارا کھا لیا جاتا تھا، بمشکل اس سے شکم سیری ہوتی ہے۔ یعنی آپؐ کے گھر میں اشیاء خورد ونوش بہت قلیل ہوا کرتے تھے کہ جو کی سادہ روٹی بھی بمشکل میسر تھی۔ اس کے فاضل بچے رہنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میرکؒ فرماتے ہیں ''ای کان لا یبقی فی سفرتهم فاضلاً عن ماکولهم'' (یعنی ان کے دستر خوان میں کھائے گئے کھانے سے زائد نہیں بچتا تھا) سیدہ عائشہؓ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قالت مارفع عن مائدته کسرة خبز حتی قبض (آپؐ کے دستر خوان سے آپؐ کی وفات تک کوئی بچا ہوا ٹکڑا نہیں اٹھایا گیا) وقد ورد عن عائشةؓ ایضاً انها قالت توفی صلی اللّٰه علیه وسلم ولیس عندی شیء یاکله ذو کبد الاشطر شعیر فی

رف أي نصف وسق فأكلت حتى طال علي فكلته ففني. (مناوی ص ۲۳۸) (اوراسی طرح حضرت عائشہؓ سے یہ بھی منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی جب وفات ہوئی تو میرے پاس کسی جگر والے یعنی ذی روح کے لئے کھانے کو کچھ بھی موجود نہ تھا مگر آدھے وسق کی مقدار میں جو میں اس سے کھایا کرتی کافی مدت تک پھر میں نے جب اس کو ماپ لیا تو پھر ختم ہو گئے)

(۱۳۹/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ هِلَالِ بْنِ خُبَابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن معاویہ جمحی نے بیان کی۔ اُنکے پاس یہ روایت ثابت بن یزید نے ہلال بن خباب کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمۃ سے اورانہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپؐ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گذار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا، اوراکثر غذا آپ ﷺ کی جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (گو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی)۔

راویان حدیث (۳۳۹) عبداللہ بن معاویہ الجمحیؒ اور (۳۴۰) ھلال بن خبابؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''طاویاً'' کا معنی :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيت .... الخ، طاوياً : طوی سے ہے۔ باب ضرب بمعنی لپیٹنے کے، اگر باب علم سے ہوتو، بمعنی بھوکا رہنے کے ہے۔ طاوی کا معنی مجازاً بھوکا ہونا آتا ہے۔ ای خالی البطن جائعاً وطوی (بالفتح) اذا جوّع نفسه قصداً (جمع ص ۲۳۸) یعنی خالی پیٹ (بھوکا) اور طوی (فتح کیساتھ) کا معنی یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو قصداً بھوکا رکھے۔

عشاء ! عین کے فتح کے ساتھ وھو مایو کل عند العشاء (بالکسر)(جمع ص۲۳۹)جو چیز رات کوعشاء کے وقت کھائی جائے۔

لفظ ''اھل '' کی تشریح :

اھلہ ! مراد عیال ہیں، زوجہ سے بھی کنایہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، وسار باھلہ (کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ چلے) وتاھل بمعنی تزوّج کے ہے۔علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں : والمراد باھلہ عیالہ الذین فی نفقتہ وفی المغرب اھل الرجل امرأتہ وولدہ والذین فی عیالہ ونفقتہ وکذا کل أخ وأخت وعم وابن عم وصبی یقوتہ فی منزلہ (مواھب ص۱۱۵)اوراہل سے مراد گھرانے کے وہ افراد ہیں جن کا نان نفقہ اسکے ذمہ ہواورلغت کی کتاب مغرب میں ہے کہ ایک شخص کے اہل اس کی بیوی اولاد اور گھرانے کے وہ لوگ جن کا خرچ وخوراک اس کے ذمہ ہواوراسی طرح ہر بہن اور بھائی چچا اور چچازاد بھائی اور دیگر چھوٹے بچے جو اس گھر میں پلتے ہوں (وہ سب اس کے اہل کہلاتے ہیں)

اظہار فقر سے اجتناب :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔یہ تو حضور اقدسؐ اپنی شرافتِ نفس وعظمتِ منصب اور رفعتِ مقام کی وجہ سے اپنے صحابہ کرامؓ سے بھی اس کیفیت فقر وافلاس کو چھپائے رکھتے تھے۔علامہ البیجوریؒ کے الفاظ میں یبالغ فی سترہ ذلک عن اصحابہ ،آپؐ اپنے صحابہؓ سے اس کو چھپانے کی انتہائی کوشش فرماتے تھے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے اور اہل بیتِ اطہار کے فقر وافلاس کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ دو دو تین تین روز فاقہ سے گذر رہے ہیں اور وہ خاموش رہیں اور تعاون نہ کریں، مگر آپؐ نے اور آپؐ کے اہل بیت نے اپنے فقر واحتیاج کا اظہار نہیں ہونے دیا۔اس میں بھی تعلیم امت مقصود تھی کہ غربت وافلاس اور فقر وفاقہ کے باوصف دستِ سوال نہیں پھیلانا چاہیے۔وھذا یدل علی فضل الفقر والتجنب عن السؤال مع الجوع (مواھب ص۱۱۵)اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر وفاقہ کے باوجود یہ عملاً دستِ سوال سے بچنے کی فضیلت پر

دلالت کررہا ہے۔

روٹی اکثر جو کی تناول فرماتے :

وکان اکثر خبزهم خبز الشعير: حضوراقدسؐ کی روٹی اکثر جو کی ہوا کرتی تھی اوراگلی روایت میں آرہا ہے کہ جو کا موٹا آٹا ہوتا تھا۔چھلنی بھی نہ ہوتی، پھونکوں سے تنکے اڑادیئے جاتے تھے۔

(۴/ ۱۴۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحمٰنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ الْحَنفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارِيَّ فَقَالَ سَهْلٌ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ. كَانَتْ لَكُمْ مَنَا خِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاكَانَتْ لَنَامَنَاخِلُ فَقِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِقَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مِنْهُ مَاطَارَثُمَّ نَعْجِنُهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی اُن کے پاس بیان کیا عبیداللہ بن عبدالمجید حنفی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرحمٰن نے بیان کی، جو کہ ابن عبداللہ بن دینار تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوحازم نے صحابی رسول حضرت سہل بن سعدؓ کے حوالے سے بیان کی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں ہوگا، پھر سائل نے پوچھا کہ حضورؐ کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا پھر جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سہلؓ نے فرمایا کہ اس کے آٹے میں پھونک مارلیا کرتے تھے' جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے وہ اُڑ جاتے تھے، باقی گوندھ لیتے تھے۔

راویان حدیث (۳۴۱) عبداللہ بن عبدالمجید الحنفی'' (۳۴۲) عبدالرحمٰن یعنی عبداللہ بن دینارؒ (۳۴۳)

ابوحازمؒ اور (۳۴۴) سھل ابن سعدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ''النقیّ ''اور ''الحواری'' کی تشریح :

اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم النقی یعنی الحواریّ : النقیَّ چھنا ہوا آٹا اور میدہ اس کو الحواری بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر ہمزۂ استفہام محذوف ہے۔ وھی ثابتة فی نسخة (مواھب ص ۱۱۶) (اور یہ ھمزہ ایک نسخہ میں موجود ہے)۔ النقیَّ: اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چھلنی سے صاف ہوکر آتا ہے۔ لنقائه من النخالة قال :

یطعم الناس اذا ما امحلوا ؎ من نقی فوقه ادمه

شاعر کہتا ہے کہ (میرا ممدوح) لوگوں کو کھلاتا ہے جب وہ قحط زدہ ہوتے ہیں میدہ کی روٹی سالن کے ساتھ۔

الحواری : النقی کی تفسیر ہے، جو راوی کا ادراج ہے' ھو الذی نخل مرة بعد مرة من التحویر و التبییض وھو تفسیر مدرج. (اتحافات ص ۲۰۵) (حواری وہ میدہ اور آٹا ہے جو کئی بار چھانا جائے یہ تحویر اور تبییض (سفیدی کے مادہ سے ہے اور نقی کی تفسیر حواری ہے یہ راوی کا ادراج ہے۔

حواری مخلص دوست کو کہتے ہیں، قال الحواریون نحن انصار اللّٰہ (صف ۱۴) مخلص دوستوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک مخلص دوست ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سہلؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپؐ نے اپنی زندگی میں کبھی چھنے ہوئے آٹے سے پکی ہوئی روٹی بھی کھائی ہے۔

حضورؐ نے میدہ کبھی دیکھا بھی نہیں :

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ کھانا تو کجا، ما رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم النقیّ، آپؐ نے زندگی میں چھنا ہوا آٹا یا میدہ دیکھا بھی نہیں ولکن سھلاً لم ینف الأکل فقط بل نفی الرؤیة کذالک (اتحافات ص ۲۰۵) یہاں حضرت سہلؓ نے صرف میدہ کی روٹی کھانے کی نفی نہیں کی بلکہ دیکھنے تک کی بھی کر دی۔ حتی لقی اللّٰہ ۔ یہ وصال مبارک سے کنایہ ہے کیونکہ موت اللہ کی ملاقات

کے اولین مقدمات میں سے ہے۔ ظاہرِ روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے چھنا ہوا آٹا اور میدہ نہ تو بعثت سے قبل دیکھا تھا اور نہ بعد میں، لم یرا لنقی قبل البعثة ولا بعد ھا (اتحافات ص ۲۰۵)

حضرت سھلؓ سے ایک دوسرے طریق سے روایت منقول ہے، مارأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم منخلاً من حین ابتعثه الله حتی قبضه (جمع ص ۲۴۰) (نبی کریمؐ نے بعثت سے لے کر وصال تک کبھی چھانی کو دیکھا بھی نہیں)

حضرت سھلؓ سے مزید پوچھا گیا ھل کانت لکم مناخل علی عھد رسول الله صلی الله علیه وسلم (کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھاننیاں ہوتی تھیں) مناخل ، منخل کی جمع ہے، وھو الة النخل وھو معروف (وہ چھاننے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو لوگوں میں مشہور ہے) (اتحافات ص ۲۰۵) جسے ہم اردو میں چھانی کہتے ہیں۔

جب سوال بصیغہ جمع ہے، یعنی ھل کانت لکم (معشر الصحابة من المھاجرین و الانصار) (اے جماعت صحابہؓ ! (مہاجرین وانصار) کیا تمہاری چھاننیاں ہوتی تھیں) (مواھب ص ۱۱۶) تو اس کا جواب بھی جمع کے صیغے میں دیا گیا۔ ما کانت لنا مناخل۔ (ہماری چھاننیاں نہیں تھیں)۔

آٹا صاف کرنے کا طریقہ :

سامعین نے روایت پر اور قصہ پر تعجب کیا، اس لئے پھر سوال کیا گیا کیف کنتم تصنعون بالشعیر (تو پھر جَو (پسے ہوئے) کیساتھ تم کیا معاملہ کرتے تھے)، تو جواب میں حضرت سہلؓ نے فرمایا، کنا ننفخه یعنی جو کا آٹا پیس کر اوپر سے پھونک مارتے تھے جس سے موٹا موٹا چھلکا اڑ جاتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ''النفخ'' کی تفسیر ''نقول اف'' (کہ ہم اس پر اف کرتے) سے بیان کی گئی ہے۔ فیطیر منه ماطار کالتبن ویبقی الدقیق (اتحافات ص ۲۰۵) تو جس چیز (تنکے وغیرہ) نے اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتی (اور اسکا آٹا رہ جاتا)۔

ثم نعجنه ، پھر اسے ہم گوندھ لیا کرتے تھے اور وہی پکا کر کھایا کرتے تھے۔ عجین اس آٹے کو کہتے ہیں، جو پانی میں گوندھا گیا ہو، عجن کا معنی گوندھنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر اَن چھنا آٹا استعمال فرمایا :

خلاصہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنے آٹے (گیہوں یا جو) کی روٹی نوش فرماتے رہے۔ طبی نقطۂ نگاہ سے بھی اَن چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی معدہ پر ثقل اور گرانی پیدا کرتی ہے۔

چھلنی کی بدعت :

بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت در آنے والی چھلنیوں کی ترویج ہے۔ ولذا قیل المنخل اول بدعة فی الاسلام (جمع ص ۲۴۰) تاہم یہ ملحوظ رہے کہ یہاں بدعت سے مراد وہ بدعت نہیں جو سنت کے مقابلہ میں ہے اور مذموم ہے بلکہ جدید اقدام اور جدید طریقہ رائج کرنے کے اعتبار سے بدعت کہا گیا ہے۔ تاہم اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وقد نقل المناوی عن الغزالی وھذا لا یقتضی ان اتخاذ المناخل لنخل الطعام منھی عنه، لأن القصد من النخل تطیب الطعام وھو مباح مالم یؤد الی التنعم المفرط ۔ (اتحافات ص ۲۰۵) اور تحقیق علامہ مناویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے۔ کہ اس روایت سے آٹا چھاننے کے لئے چھانیاں بنانے کا عدم جواز معلوم نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ آٹا وغیرہ کو چھاننے سے کھانے کی اصلاح اور اچھا بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ ایک مباح اور جائز امر ہے اگر انتہائی عیش پرستی کے لئے نہ ہو۔ (واللہ اعلم)

(۱۴۱/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ یُوْنُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا اَكَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی خِوَانٍ وَلَا فِیْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَلَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلٰی مَا كَانُوْ یَاْ كُلُوْنَ قَالَ عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ یُوْنُسُ هٰذَا الَّذِیْ رَوٰی عَنْ قَتَادَةَ هُوَ یُوْنُسُ الْاَسْكَافُ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے یونس کے حوالے سے بیان

کی۔انہوں نے اس کو قتادہ سے نقل کیا اور قتادہ نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپؐ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہؒ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر۔

لفظ "خِوان" کی تشریح :

ما اکل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...الخ ،خوانِ (خا کے کسرہ کے ساتھ) اس کی جمع خُون آتی ہے، جو خُوُن سے مخفف ہے۔خوان (خا کے ضمہ کے ساتھ) بھی ایک لغت میں آتا ہے، وہ اونچی شئی جس پر اہل امصار کھانا کھاتے ہیں، جس کے نیچے پائے ہوں، میز اور تپائی وغیرہ ،ھو الشیء المرتفع الذی یاکل علیہ اھل الامصار (اتحافات ص۲۰۶) قیل وسمی خوانالانہ یتخون ما علیہ ای ینتقص ۔(جمع ص ۲۴۱) اور اسے خوان اس لئے کہتے ہیں کہ جو چیز اس پر ہوتی ہے وہ کھانے سے کم ہوتی جاتی ہے۔اس میں ایک تیسری لغت بھی منقول ہے اور وہ اخوان (ہمزہ کا کسرہ اور خاء ساکن) کے ساتھ ہےلعلھا سمیت بذالک لا جتماع الاخوان والا صحاب عندھا وحولھا (جمع ص ۲۴۱) (اور شاید اسکی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو کہ بھائی اور ساتھی اسکے پاس اور ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں)۔مگر صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اسم عجمی ہے، معرب ہے۔

تپائی اور میز پر کھانا کھانے کا حکم :

اس کا استعمال عموماً مترفین کرتے ہیں۔یہ صنیع الجبارین ہے،لئلا یفتقروا الی خفض الرأس عند الاکل (جمع ص ۲۴۱) (یہ متکبرین اور بڑے مالداروں کا طریقہ ہے کہ انکی تو خواہش ہوتی ہے کہ کھانے کی وقت سر جھکانے کی بھی ضرورت نہ ہو)۔متکبرین، مترفین اور جبارین کی متکبرانہ اور شنیعہ عادت ہونے کے پیش نظر آپؐ کو پسند نہ تھی۔اس لئے کبھی بھی اسے اختیار نہ فرمایا۔اس لئے مناویؒ،

ملاعلی قاریؒ اور علامہ الیجوریؒ سب نے لکھا ہے۔ فالا کل علیه بدعة لکنها جائزة (جمع ص ۲۴۱) پس اس (میز تپائی وغیرہ) پر کھانا بدعت ہونے کے باوجود جائز ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وجاء النهي عنه اذا قصد الأكلون تكبرا فان لم يقصدو اذلك فلا جناح (اتحافات ص ۲۰۶) (اوران پر کھانے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ ان پر کھانے والوں کے ارادے تکبر اور بڑائی کے ہوں اگر ان کا مقصد یہ نہ ہوتو پھر صرف ان پر کھانے میں گناہ نہیں۔ کوکب دری میں ہے کہ ہمارے زمانے میں میز پر کھانا کھانا نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم ضرورت، مجبوری، ماحول اور بعض ایسے حالات جہاں تکبر اور تشبہ کا احتمال نہ ہو میز اور تپائی کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

چھوٹی پیالیوں اور چٹنی وغیرہ کے برتنوں کا استعمال :

سُکُرَّجَةٌ: چھوٹا برتن، چھوٹی پلیٹ، چھوٹی طشتری اور چھوٹی پیالی وغیرہ، جس میں چٹنی، اچار، مربہ اور سلاط وغیرہ رکھی جاتی ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں، اناء صغير يوضع فيه الشيء القليل المشهي للطعام الهاضم له كالسلطة والمخلل (مواهب ۱۱۷) کھانے کے ساتھ دسترخوان پر جو متعلقات رکھی جاتی ہیں، چٹنیاں اور مربے وغیرہ، جن سے کھانے میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ اشتهاء کھلتی ہے اور زیادہ کھایا جا سکتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ ان چیزوں سے احتراز فرمایا۔ اس لئے ان کے لئے استعمال ہونے والے برتن بھی استعمال نہیں کئے، بلکہ آپؐ تو پیٹ بھر کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے ہاضم اشیاء کے استعمال کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی، بل كان لا ياكل الا لشدة الجوع ولانها اوعية الالوان ولم تكن الالوان من شان العرب (بلکہ آپؐ تو انتہائی بھوک کی وجہ سے کھانا کھاتے تھے نیز یہ برتن متنوع اشیاء کے رکھنے کے لئے ہوتے ہیں اور عرب میں متنوع اور مختلف قسم کے کھانوں کا رواج نہیں تھا)۔ بلکہ عربوں کا محبوب کھانا ثرید ہوتا تھا، جس پر گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوتے تھے، انما كان طعامهم الثريد على مقطعات اللحم (مواهب ص ۱۱۷) ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سکرجة اس لئے بھی استعمال نہیں فرمایا کیونکہ اکثر متکبرین، خیلاء اور

جبارین اسے استعمال کرتے ہیں۔ اوانه من علامات البخل، و الاظهر انه من دأب المترفین و عادہ الحریصین علی الاکل المفرطین. (جمع ص ۲۴۱) (اور یا یہ (چھوٹے برتنوں کا) استعمال بخل کی علامت ہے۔ البتہ زیادہ واضح بات یہی ہے کہ بیشک یہ طریقہ عیش پرست اور انتہائی زیادہ کھانے والے حریص لوگوں کی عادت ہے۔

میدہ کی روٹی :

ولاخبز له مرقق، اور نہ ہی آپؐ کے لئے کبھی میدہ کی چپاتی پکائی گئی۔ مرقق باریک اور پتلی روٹی، ای

(۱) ملیّن محسن کخبز الحواری

(۲) وقیل الخبز المرقق ھو الرغیف الواسع الرقیق ویقال له الرُقاق (اور بعض نے خبز مرقق کی تعریف یہ کی ہے کہ پتلی اور چوڑی روٹی جسے رقاق کہا جاتا ہے)۔

(۳) وقیل ھو السمید مایصنع من الکعک وغیرہ۔ (اور بعض نے کہا کیک وغیرہ قسم کی روٹی جو میدہ سے بنائی جاتی ہے)

ترقیق کا معنی تلیین ہے اور ظاہر ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی روٹی اکثر جو سے ہوا کرتی تھی، جبکہ پتلی باریک روٹی (رُقاق) گندم کے میدہ سے پکتی ہے اور بظاہر وہ آپؐ کو میسر نہ تھا اور نہ آپؐ اسے پسند فرماتے تھے۔

ترقیق الخبز بھی تو متکبرین اور مترفین کا وتیرہ ہے اور ارباب تکلف کا کام اور یہ تو بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ ذاتِ اقدسؐ تکلف اور تنعّم سے بری تھی، بلکہ آپؐ زندگی بھر ان تکلفات وتنعّمات کے قریب بھی نہیں پھٹکے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے ما اعلم ان النبیؐ رأی رغیفا مرققا حتی لحق باللہ وشاۃً سمیطا بعینه حتی لحق باللہ (جمع ص ۲۴۲) (کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ نبی کریمؐ نے وفات تک پتلی روٹی (چپاتی وغیرہ) یا سالم بکری بھنی ہوئی دیکھی ہو) اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ میدہ قابض، ثقیل، دیرہضم اور مسدد ہے۔ میدہ کھانے والے اکثر قولنج، بدہضمی اور نفخ کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، انہیں بواسیر اور قبض کی شکایت اکثر رہتی ہے۔

"السفرة" کا معنی وتشریح اور استعمال :

فقلت لقتادة ... الخ ، جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؒ سے دریافت کیا۔ فعلی ما کانوا یاکلون پھر کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے ، انہوں نے جواب میں فرمایا، علی هذه السفرة ' اپنے اسی دستر خوان پر۔

السُفُر: سفرة کی جمع ہے۔ اسے سفرۃ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ جب بچھایا جاتا ہے تو اس پر چنا ہوا کھانا سب کا سب' سب کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کما ان السفر یسمّٰی سفراً لاسفاره من اخلاق الرجال (اتحافات ص ۲۰۷) جیسے کہ سفر کو اس لئے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر شخص کے اخلاق (اچھے یا بُرے) کو ظاہر کر دیتا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ و السفرة : جلد مستدیر وله معالیق وتضم و تنفرج ، السفرة اخص من المائدة وهی مایمد ویبسط لیؤ کل علیه سواء کان من الجلد او من الثیاب (اتحافات ص ۲۰۷) (کہ سفرہ ایک گول قسم کا چمڑہ جس میں معالیق (لٹکانے کے آلات) ہوں جو سمیٹے جاتے ہیں اور کھلتے بھی ہیں (پھر انکی نسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ سفرہ خاص ہے مائدہ سے کیونکہ مائدہ ایسا دستر خوانِ جسے اس لئے بچھایا جائے تا کہ اس پر کھانا کھایا جائے وہ چمڑے کا ہو یا کپڑے کا)

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ طعام کو میز اور تپائی پر رکھ کر کھانا، متکبرین اور مترفین کا طریقہ ہے اور زمین پر رکھ کر کھانا، سوءادب ہے........ و فساد له. (اور اسکو خراب کرنا ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان کا طریقۂ اعتدال اختیار فرمایا: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: میز یا تپائی پر کھانا بادشاہوں کا عمل ہے، رومال پر کھانا اہل عجم کا عمل ہے اور السفرة پر کھانا عرب کا عمل ہے اور وہ سنت ہے۔ جسے علامہ بیجوریؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وقال الحسن البصری الاکل علی الخوان فعل الملوک وعلی المندیل فعل العجم وعلی السفرة فعل العرب وهو سنة. (مواهب ص ۱۱۷)

(۱۴۲/۶) حَدَّثَنَا احمدُ بنُ منیعٍ حَدَّثَنا عَبَّادُ بنُ عَبادِ المُهلَّبِیُّ عَنْ مُجالِدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ دَخَلْتُ علی عَآئِشَةَ فدعَتْ لِیْ بطعامٍ وَقالَتْ مااَسْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاَشَآءُ اَنْ اَبْکِیَ اِلَّا بَکَیْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ اَذْکُرُ الحالَ الَّتِیْ فَارَقَ عَلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا وَاللّٰہِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلا لَحْمٍ مَرَّتَینِ فِیْ یَوْمٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت عباد بن عباد مہلبی نے مجالد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبی سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کی۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی، مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگتی ہوں۔

مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے حضورؐ کی وہ حالت یاد آجاتی ہے، جس پر ہم سے مفارقت فرمائی ہے کہ کبھی ایک دن میں دومرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔

راویان حدیث (۳۴۵) عباد بن عباد المھلبی ؒ (۳۴۶) المجالدؒ اور (۳۴۷) الشعبیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروقؒ کی ضیافت کی:

قال دخلت علی عائشةؓ ..الخ 'حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے پاس گیا۔ فدعت لی بطعامٍ یعنی انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا، ای امرت خادمھا ان یقدمہ الی '' (یعنی اپنے خادم کو کہا کہ وہ میرے پاس کھانا لائے) مقصد یہ ہے کہ انہوں نے میری ضیافت کی۔ فرمانے لگیں ما اشبع من طعام، میں سیر ہو کر کبھی بھی کھانا نہیں کھاتی جو کچھ میرے پاس ہوتا ہے، وہ سیر ہو کر نہیں کھایا جاتا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کھانے سے مراد روٹی اور گوشت ہے، ای خبز ولحم۔ (یعنی روٹی وگوشت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا

فاشاء ان ابکی الابکیت ،یعنی میں اپنے سے رونا نہیں روک سکتی، رونا بہرصورت آیا ہی چاہتا ہے جملے کا مفہوم واضح ہے۔ حضرت ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ جب بھی میں سیر ہوکر کھانا کھاتی ہوں، تو رونے کو جی چاہتا ہے۔ پس میں رو پڑتی ہوں۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ مـااشبع الابکیت ،لفظی ترجمہ یوں بنتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا، مگر رو پڑتی ہوں۔ ما نافیہ کے بعد اِلاّ آیا ہے۔ اس لئے یہی مفہوم بنتا ہے۔ درمیان میں فاشاء کا لفظ واقع ہے۔ یہ فا دو قسم پر ہو سکتی ہے۔

(۱) تاکید یہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ جب بھی سیر ہوکر کھانا کھایا، تو رونے کو جی چاہا ہے۔

(۲) اور اگر فاسبیہ مان لیا جائے، تو پھر معنی ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا رونے کا سبب بن جاتا ہے۔

رونے کی وجوہات :

رونا کیوں آتا تھا، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) آپؐ کی تنگدستی کا موازنہ جب دورِ فراخی سے کیا جاتا تھا تو اس دور کی عُسرت اور حضور اقدسؐ کے فقر و ناداری پر سیدہ عائشہؓ کو رونا آجاتا تھا، مگر یہ توجیہ راجح نہیں کہ آپؐ کا فقر اختیاری تھا اور اس پر آخرت میں انعامات موعود تھے۔ (۲) سیدۃ عائشہؓ کو رونا اس لئے آتا تھا کہ آپؐ کے وجود مسعود میں فقر و فاقہ میں جو مستی و لذت تھی اور جو اجر و ثواب موعود تھا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد وہ ان سے محروم ہوگئی۔ اس احساس محرومی ثواب پر انہیں رونا آتا تھا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، ای تحزنا لتلک الشدۃ التی قاستھا الحضرۃ النبویۃ او تأسفًا علی فوت تلک المرتبۃ العلیۃ المرضیۃ . (یعنی یہ غمگینی اور رونا یا تو اس تنگدستی اور سختی پر جو حضورؐ نے برداشت کی تھی اور یا پھر ان مراتب عالیہ (اجر و ثواب) سے محرومی کے سبب جو اسوقت حاصل ہوتے تھے) (جمع ص ۲۴۳) شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کان الشبع عند السیدۃ عائشۃ یثیر حزنھا ، ویسیل دمعھا لصلۃ قلبھا بحبیبھا و خشیتھا من ربھا . (حضرت عائشہؓ کے پاس کسی کا پیٹ بھرے کھانا اس کے غم کو ابھارتا اور اسکے آپؐ سے قلبی تعلق ومحبت اور اللہ تعالیٰ کے خوف کیوجہ سے آنسو جاری ہو جاتے)۔ (اتحافات ص ۲۰۷)

(۱۴۳/۷)حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِيْرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے ابو داوٗد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث شعبہ نے ابو اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سُنا جو کہ اسود بن یزید سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر پسند تھا :

قالت ماشبع...الخ ،شروع باب میں حدیث کی تشریح کی جا چکی ہے، مگر تھوڑا سا فرق ہے۔ وہاں سب گھر والوں آلِ محمد کا ذکر ہے اور یہاں صرف ذات والا ستودہ صفات کا ذکر ہے۔ دونوں احادیث کا مضمون ایک ہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کو فقر پسند تھا اور الفقر فخری (فقر اور مسکینی تو میرا فخر ہے) آپؐ کی شانِ امتیاز تھا، بلکہ اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں، جو کچھ میسر ہوتا، وہ حاجتمندوں، غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

(۱۴۴/۸)حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَاَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا اَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ ان کے پاس عبداللہ بن عمر اور ابو معمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث نے سعد بن ابی عروبۃ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے قتادہ سے اور قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے کبھی اخیر عمر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔

راویان حدیث (۳۴۸) عبداللہ بن عمرو ابو معمرؒ اور (۳۴۹) عبدالوارثؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث کا خلاصہ :

حدیثِ زیر بحث کا مضمون باب ھذا کی پانچویں حدیث کے ہم معنیٰ ہے۔ روایات بھی دونوں حضرت انسؓ سے منقول ہیں۔ حالتِ فقر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خود پسندیدہ تھی۔ اسی لئے اللہ پاک نے بھی اسی حالت میں رکھا، پھر آپؐ کے کھانے میں علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) آپؐ کو آپؐ کی پسند کے مطابق میسر ہی اتنا ہی آتا تھا، جو بقدر کفاف تھا، جس کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

(۲) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا میّسر تو ہوتا تھا، مگر تواضعاً پیٹ بھر کر تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ اِدَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کے بیان میں

لفظِ ادام کی تشریح :

اِدام: سالن کو کہتے ہیں۔ ہر وہ جامد شئی جیسے گوشت وغیرہ اور مائع چیز جو روٹی کے ساتھ لگا کر کھائی جاتی ہے۔ادام کہلاتی ہے۔ ما یؤ تدم به ویو کل به الخبز من خل وتمر و زیت ونحوه۔یعنی جس چیز کیساتھ روٹی کھائی جائے چاہے سرکہ ہو یا کھجور اور یا پھر زیتون وغیرہ کا تیل (اتحافات ص ۲۰۹)۔ اس کی جمع اُدم اور ادمةٌ آتی ہے۔ادام کے استعمال سے کھانا مرغوب اور زود ہضم بن جاتا ہے۔

شیخ الباجوریؒ اِدام کی تعریف میں لکھتے ہیں، ما یساغ به الخبز ویصلح به الطعام ، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے اور کھانا لذیذ ہو جائے۔اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف چیزوں کے ساتھ روٹی کھانے کا بیان ہے۔اس لئے بعض نسخوں میں، و ما اکل من الالوان کا اضافہ بھی نقل ہوا ہے،مراد انواع الاطعمة (کھانے کی مختلف قسمیں) ہیں۔آپؐ نے ایک غذا کا تعین اپنی ذات مبارکہ پر نہیں فرمایا تھا بلکہ جو میسر آتا،تناول فرما لیتے تھے۔

کان یا کل ما تیسر من لحم وفاکهةو تمر وغیرها (مواھب ص ۱۱۹) (آپؐ کو جو کھانا میسر ہو جاتا کھا لیتے تھے چاہے گوشت ہو یا میوہ اور کھجور وغیرہ) وکذلک کان هدیه صلی الله علیه وسلم و سیرته فی الطعام، لا یرد موجودا ولا یتکلف مفقودا فما قرب الیه شی ء من الطیبات الا اکله الا ان تعافه نفسه فیترکه من غیر تحریم، وما عاب طعاما قط ان اشتهاه اکله والا ترکه. (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۳) (اور یہی حضورؐ کے کھانے کا طریقہ اور عادت تھی کہ موجودہ چیز کو واپس نہ

کرتے اور غیر موجود کے تلاش کی فکر نہ ہوتی اور نہ اسکے لئے کوئی تکلف فرماتے تھے بلکہ آپؐ کے سامنے حلال اور صاف ستھرے کھانے میں سے جو چیز بھی پیش کی جاتی تو اس کو بخوشی کھالیتے ہاں اگر کھانے کو دل نہ چاہتا تو اسکو (بغیر حرام کئے) چھوڑ دیتے اور آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو معیوب نہیں سمجھا اگر اسکو دل چاہتا تناول فرمالیتے ورنہ اسکو چھوڑ دیتے)۔

لحم ''ادام'' ہے یا نہیں :

البتہ گوشت کے بارے میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے کہ وہ ادام کہلایا جائے گا یا نہیں، تو اس کا دارومدار بھی عرف پر ہے، جن علاقوں میں گوشت کو ادام سمجھا جاتا ہے اور بطور ادام استعمال ہوتا ہے۔ وہاں اس پر ادام کا حکم ہوگا اور جن علاقوں میں بطور ادام کے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ وہاں ادام نہیں کہلائے گا۔
امام اعظم ابوحنیفہؒ جو لحم کو ادام نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے بلاد کا اعتبار کرتے ہیں کہ وہاں یہی عرف عام تھا۔

گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا، چنانچہ ارشاد ہے : سید ادام اهل الدنیا و الآخرة اللحم وسید الشراب فی الدنیا و الآخرة الماء وسید الریا حین فی الدنیا و الآخرة الفاغیة ای ورق الحناء گوشت دنیا وآخرت میں رہنے والے لوگوں کے سالنوں کا سردار اور دنیا وآخرت میں پیئے جانے والی اشیاء کا سردار پانی اور دنیا وآخرت میں خوشبودار چیزوں کی سردار مہندی ہے (جمع ص ۲۴۵)
اس باب میں امام ترمذیؒ نے تینتیس (۳۳) روایات جمع کی ہیں۔

(۱۴۵/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فِيْ حَدِيْثِهٖ نِعْمَ الْاُدُمُ اَوِالْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن سہل بن عسکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحیٰی بن حسان نے بیان کیا، ان کے پاس یہ روایت سلیمان

بن بلال نے نقل کی، ان کے پاس ہشام بن عروۃ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے۔

سرکہ بہترین سالن :

نعم الادام الخل : لفظ **الخل**، خ کے فتح کے ساتھ ہے بمعنیٰ سرکہ کے، بعض اس کو **الخل**، خ کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جس کا معنیٰ مخلص دوست کے ہیں۔ اسے سرکہ کے لئے بولنا درست نہیں ہے۔ حضوراقدسؐ نے سرکہ کو **نعم الادام** قرار دیا ہے۔ یعنی اچھا سالن، سرکہ قدرے ترش، مگر لذیذ ہوتا ہے بے حد نافع اور مفید چیز ہے۔ ہاضم بھی ہے اور پیٹ کے کیڑوں کے لئے ہالک بھی۔ بقول ابن حجرؒ کے **قامع للصفراء ونافع لابدان** (جمع ص ۲۴۶) (کہ سرکہ صفراء کو ختم کرنے والا اور بدن کو نفع دینے والا) **وذکر انه یقطع الحرارة السموم** ۔(مواھب ص ۱۱۹) (اسکے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لُو کی گرمی کو ختم کر دیتا ہے)

فاتح عالمؐ نے روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ تناول فرمایا :

اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے مختلف روایات جمع کی ہیں۔

(۱) مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے ادام طلب فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا **ما عندنا الا الخل**، ہمارے پاس تو صرف سرکہ ہے۔ آپؐ نے اسے طلب فرما کر کھانا کھایا اور کھانے کے دوران بار بار فرماتے رہے، **نِعم الادام الخل** سرکہ اچھا سالن ہے اسی سے ملا علی قاریؒ استخراج کر کے لکھتے ہیں **وفی الحدیث استحباب التحدیث علی الاکل تانیسًا لِلآکلین** (اور حدیث سے کھانے کے وقت کھانے والوں کی خوش طبعی کے لئے بات چیت کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے)

(۲) حضرت ام سعدؓ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، **نعم الادام الخل، اللھم بارک فی الخل** ۔(اچھا سالن سرکہ ہے اے اللہ سرکہ میں برکت فرمادیں)

(۳) **وفی روایة انه کان ادام الانبیاء من قَبْلِیْ**. (ایک روایت میں ہے کہ یہ مجھ سے پہلے پیغمبروں کا

سالن تھا)۔

(۴) وفی حديث لم يقفر بيت فيه خل . (اور ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ خالی نہیں یعنی سالن سے)

کیا سرکہ افضل الادام بھی ہے ؟

اس میں شک نہیں کہ سرکہ اچھی، عمدہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ سالن ہے۔ اچھا ہے بعض نے کہا منافع کے لحاظ سے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں تکلیف نہیں کرنا پڑتی اور خرچہ بھی کم ہوتا ہے اور بعض نے اس توجیہ کو ترجیح بھی دی ہے، مگر کیا سرکہ سالن کی تمام انواع میں افضل بھی ہے، کہ نہیں؟

ظاہر حدیث سے تو تمام اداموں پر اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، مگر اہل علم کہتے ہیں۔ حدیث تو صرف مدح الادام بالخل (سرکہ کو ادام بنالینے کی مدح اور تعریف) کا فائدہ دیتی ہے۔ اس سے اس کی افضلیت معلوم اور ثابت نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپؐ کی خدمت میں سرکہ پیش کرنے والوں کی دل جمعی، دلجوئی اور پاسِ خاطر کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کیونکہ میز بانوں کے گھر میں اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔

قال ذلک تطييباً لخاطر من قدمو له، ولانه لم يكن عندهم غيرهٗ (اتحافات ۲۰۹) اور تفصیلی واقعہ ام ہانیؓ کی روایت میں بھی نقل ہوا ہے۔ ام ہانیؓ آپؐ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کا گھر بیت اللہ کے بالکل جوار میں تھا، جس روز آپؐ نے مکۃ المکرّمۃ فتح فرمایا، اسی روز حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے، جہاں آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ فتح مکہ پر شکریہ ادا کیا۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ حضرت فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ام ہانیؓ سے پوچھا کھانے کو کچھ ہے۔ جواب میں بتایا گیا کہ روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے ہیں، وہی طلب فرمائے، پانی میں بھگو کر نرم کیئے، پھر ادام یعنی سالن کا دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا سالن تو نہیں ہے۔ البتہ کچھ سرکہ موجود ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نعم الادام الخل، پھر نمک منگوایا، سرکہ میں ڈالا

اوراس کے ساتھ روٹی تناول فرمائی۔

یہ تاریخ کا اعجوبہ اور سیرت کا انوکھا باب ہے کہ سرورِ عالم فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں اور انہیں کھانے کے لئے خشک روٹی کے چند ٹکڑے بمشکل سرکہ کے ساتھ میسر آتے ہیں، جنہیں وہ بھگو کر بقدر کفاف گذر اوقات کر لیتے ہیں، مگر آج فاتحین کے جو کردار ہیں خدا پناہ، حال ہی میں امریکی سامراج نے جو طالبان کے افغانستان اور عراق پر فاتحانہ یلغار کی اور پھر مظالم ڈھائے۔ دنیائے انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔۔۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

(۱۴۶/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ انہیں یہ روایت ابوالاحوص نے سماک بن حرب کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا، کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو، حالانکہ میں نے حضور اقدسؐ کو دیکھا کہ معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہو سکے۔ پیٹ بھر کھانے کے لئے خشک کھجوریں بھی میسر نہ تھیں۔

الستم فی طعام وشراب....الخ ،مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔

الدقل، خشک کھجور کو کہتے ہیں۔ دراصل الدقل بچا کھچا وہ مال ہے جو دکاندار سے عمدہ مال بک جانے کے بعد ردی مال باقی رہ جاتا ہے۔ ردّی التمرو یابسه فضلاً عن افضل منه ۔خشک ردی اور بیکار کھجور چہ جائیکہ اس سے کوئی اچھی ہو۔ (مناوی ص ۲۴۷)

مقصد یہ ہے کہ آج جب فراخی آ گئی اور تم لوگ عیش و تنعم میں پڑ گئے ہو، قسم قسم کی نعمتیں اور لذائذ کھا رہے ہو اى الستم متنعمين فى طعام وشراب مقدار ما شئتم من التوسعة والافراط فيه یہاں استفہام انکاری ہے۔ (جمع ص ۲۴۶) مقصد توبیخ ہے۔ وَالْقَصْدُ بِهِ الحث على الاقتصار فى

الطعام و الشراب علی اقل ما یکفی کما کان ذلک شعار المصطفیٰ ۔(دراصل اس سے مقصد کھانے پینے کی کم مقدار جو کافی ہو پر اکتفاشعاری پر برانگیختہ کرنا ہے جیسے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار اور عادت مستمرہ تھی)(مواہب ص ۱۱۹)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوردی قسم کی بچی کھچی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر کھانے کے لئے میسر نہ تھیں۔آپ کی زہد، قناعت اور ریاضت ومجاہدہ کی زندگی پوری امت کے لئے نمونہ عمل ہے۔اب جبکہ ہر طرح کشادگی اور وسعت ہے اور اللہ کی نعمتیں عام تام ہیں،تو ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر کا بہترین اور عملی طریقہ یہی ہے کہ لذائذ اور خواہشاتِ نفسانی میں مگن ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور خفگی مول نہیں لینی چاہیے۔

اتباعِ رسول کی انگیخت :

لقد رایت نبیکم: میں مخاطبین سے کہا گیا ہے کہ تمہارا نبی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مخاطبین کی طرح مخاطِب کے بھی نبی ہیں،شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس سے مقصد ترغیب وتنبیہ ہے کہ جب تم نبی کے امتی اور اس کی محبت کے دعویدار ہو،تو دیکھو انہوں نے کس طرح زندگی گذاری اور تم کیا کر رہے ہو۔الزاماً لھم وتبکیتاً وحثاً علی التأسی به فی الاعراض عن الدنیا ولذاتها ما امکن ۔ (مواہب ص ۱۱۹)(اور امت کو ابھارنے کے لئے کہ جتنا ممکن ہو سکے آپ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دنیاوی لذات سے اعراض اور روگردانی کرنے کی پوری کوشش کریں)

باب سے مناسبت :

اس روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ بعض حالات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ادام بھی میسر نہ ہوتا تھا اور آپ بھی اس کی پرواہ کئے بغیر خشک اور ادنیٰ کھجوروں پر اکتفا کر لیتے تھے اور بھی بقدر کفاف کہ پیٹ بھر کر کھانے کو میسر نہ ہوتے تھے۔

(۱۴۷/۳) حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ

مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدہ بن عبداللہ خزاعی نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان سے محارب بن دثار کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنی۔ حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے۔ نعم الادام الخل، اس حدیث کی تشریح باب کی پہلی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ یہ حدیث مسلم، احمد اور تینوں ائمہ نے نقل کی ہے، و هو حديث مشهور كاد ان يكون متواتراً. (مواھب ص۱۲۰) (یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر کے قریب ہے)

(۱۴۸/۴) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ مُوْسٰى فَاُتِيَ بِلَحْمِ دَجَاجٍ فَتَنَحّٰى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَالَكَ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُهَا تَاْكُلُ شَيْئًا نَتْنًا فَحَلَفْتُ اَنْ لَّا اٰكُلَهَا قَالَ اُدْنُ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ھناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت وکیع نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سفیان اور اس نے ایوب سے اور انہوں نے ابو قلابہ سے سنی۔ انہوں نے یہ روایت زہدم جرمی سے روایت کی، جو کہتے ہیں کہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس تھا، ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا۔ مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ ابو موسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی، اُس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا۔ اس لئے میں نے مرغی کھانے سے قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نوش کرتے دیکھا ہے۔ اگر ناجائز یا ناپسند ہوتی، تو حضورؐ کیسے تناول فرماتے۔

راویان حدیث (۳۵۰) ابوقلابہؒ اور (۳۵۱) زھدمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قال کنا عند ابی موسیٰ فاتی بلحم دجاج.......الخ، اُتِیَ مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی جئی کے، دجاج کی دال پر تینوں حرکتیں جائز ہیں، لیکن زیادہ صحیح دال کا فتح ہے اور یہی مشہور ہے، معنی مطلقاً جنس مرغ ہے۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ ونقل میرک عن الشیخ ان الدجاج اسم جنس وھو مثلث الدال (جمع ص ۲۴۷) بعض نے کہا کہ دال کے ضمہ کے ساتھ ضعیف ہے، بعض نے کہا دجاج (کسرہ کے ساتھ) صرف مذکر کے لئے بولتے ہیں، جس کی واحد دیک ہے، دجاج (فتح کے ساتھ) صرف مونث کے لئے بولتے ہیں جس کی واحد دجاجۃ آتی ہے۔ یہ دج یدج، باب نصر سے ہے، اذا بالغ فی السیر سریعاً (جب جلدی سے چلنے میں مبالغہ ہو) (جمع ص ۲۴۷) وسمی بہ لاسراعہ فی الاقبال والادبار (اوراس کو دجاج اس لئے کہتے ہیں کہ آنے اور ہٹنے میں جلدی کرتا ہے) (مناوی ص ۲۴۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس طعام لایا گیا، جس میں مرغی بھی تھی، والمعنیٰ انہ اتی بطعام فیہ دجاج (جمع ص ۲۴۷)

اجتماع احباب یا صحبتِ صالح :

کنا عند ابی موسیٰؓ سے یہ بھی مدلول ہوتا ہے کہ قوم کے چند افراد اور احباب ایک مہربان ومخلص کے پاس جمع ہوں، یا شاگرد استاد کے پاس یا مرید شیخ کے پاس، غرض افادہ واستفادہ اور باہمی محبت ہو، تو یہ جائز ہے، وفیہ مشروعیۃ اجتماع القوم عند صدیقھم. (مناوی ص ۲۴۷) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مقصد کے لئے دوست واحباب کا اجتماع جائز اور مشروع ہے)

فتنحی رجل من القوم : تنحّی نحو سے ہے بمعنی طرف کے، ای صار الی طرف من القوم و تباعد، یہ ایک طرف کھسک کر دور ہو گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ رجل سے مراد خود زھدم ہیں مگر اکثر محدثین نے اس توجیہ کو مرجوح قرار دیا ہے۔

قال مالک : تو حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ استفھام متضمن للانکار ہے یعنی ایسی کونسی چیز ہے یا باعث ہے، جس نے تجھے تنحی (دُوری) پر مجبور کر دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا کہ انی رأیتھا ای جنسھا او عینھا او شخصھا یعنی میں نے خود اسے یا اس کی نوع کو قاذورات (گندگی) کھاتے دیکھا ہے۔ تأکل شیئا ای من القاذورات اور بعض نسخوں میں نتنًا کی تصریح ہے، جو شیئا سے بدل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت کسی کے پاس چلا جانا ممنوع نہیں ہے، جب یہ معلوم ہو کہ جس کے پاس جا رہا ہوں، وہ خوش ہو گا۔

میزبان کا اخلاقی فرض :

اور صاحبِ طعام کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ مہمان سے پوچھے کہ تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہو۔ فحلفت ان لا اکلھا، پس میں نے قسم کھالی کہ مرغی نہیں کھاؤں گا اور ظاہر ہے کہ یہ قسم طبعی کراہت کی وجہ سے تھی، نہ یہ کہ مرغی حرام ہے" لا لتوھم حرمۃ "اور ظاہر ہے کہ یہ صاحب تابعین سے تھے، خیر القرون کا دور تھا۔ صحابہ کرامؓ حیات تھے، یہ سب اس بات کے قطعی قرائن ہیں کہ بغیر دلیل کے وہ کیسے حلال چیز کو حرام قرار دے سکتے ہیں، مع ان الطعام مطبوخ فی بیت ابی موسیٰ۔ (جمع ص ۲۴۸) باوجودیکہ وہ کھانا ابوموسیٰ اشعریؓ کے گھر پکایا گیا تھا۔

اتباعِ رسولؐ ہی اصل فطرت ہے :

قال ادن، حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا، قریب آ جائیے: الدنو سے امر ہے، ای قرب وخالف طبعک وتابع شرعک، (یعنی نزدیک ہو جائے اور شریعت کی تابعداری کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی طبیعت کی مخالفت کیجئے) فانی رأیت..... الخ، یعنی میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا اتباعِ ھویٰ کے بجائے آپؐ کی اتباع ہی انسب ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ. (یعنی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے خواہشات اس دین اسلام کے تابع نہ ہوں جسکے ساتھ میں آیا ہوں) اسی طرح آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے، جسے امام نوویؒ نے

اربعین میں نقل کیا ہے۔ اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرها خیرا منها فأت باالذی هو خیر و کفر عن یمینک رواه الشیخان. (یعنی اگر تو کسی کام کی قسم اٹھالیں پھر اسکے علاوہ میں بہتری ہو تو پھر وہی کام کریں جس میں بھلائی ہے اور اپنی قسم (توڑنے) کا کفارہ دیں یہ بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے) مقصد یہ کہ مومن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع مقصود ہے۔ صاحب اتحافات کے الفاظ یہ ہیں۔ المطلوب من المومن ان یکون هواه تبعًا لما جاء به نبیّه. (اتحافات ص ۲۱۰)

شریعت، طبیعت پر مقدم ہے:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے طبعی کراہت کی وجہ سے کسی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے اور وہ شئی شرعًا مکروہ نہیں ہے، تو اسے اپنی قسم توڑ دینی چاہیے۔ علامہ مناویؒ اس کا تذکرہ اس عبارت میں فرما رہے ہیں۔ وینبغی حنث من حلف علی ترک شئی اعتادت نفسه کراهته لامر غیر مکروه شرعًا. (مناوی ص ۲۴۸) البتہ اگر کسی نے طلاق کا حلف لیا ہے، تو اسے حنث کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔ خاص کر جب کہ وہ تیسری طلاق ہو، اسی طرح اگر کسی نے اپنے غلام کے آزاد کرنے کا حلف لیا ہے، تو اسے حانث ہونے سے بچنا چاہیے۔ خاص کر جب وہ اس سے خدمت لینے کا م کاج اور دیگر امور میں محتاج ہو۔

مرغی کے گوشت کے فائدے:

مرغی کے بارے میں ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ولحم الدجاج حار رطب فی الاولیٰ خفیف علی المعدة سریع الهضم جید الخلط یزید فی الدماغ والمنی ویصفی الصوت ویحسن اللون ویقوی العقل ویولد دماً جیدًا وهو مائل الی الرطوبة و یقال ان ادامة اکله یورث النقرس (هو ورم یحدث فی مفاصل القدمین) ولا یثبت ولحم الدیوک اسخن مزاجاً واقل رطوبة (مناوی ص ۲۴۸) اور مرغی کا گوشت ابتداءً گرم مرطوب ہے معدہ پر ہلکا اور زود ہضم ہے دماغی قوت اور منی بڑھاتا ہے اور آواز کی خوبصورتی اور رنگ نکھارتا ہے عقل کو قوی مضبوط اور اچھا خون پیدا کرتا ہے قدرے مرطوب ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے دائمی طور پر کھانے سے نقرس کی بیماری (یعنی قدموں کے جوڑوں میں

ورم پیدا ہو جانا) پیدا ہوتی ہے اور مرغوں کا گوشت مزاجاً سخت گرم اور رطوبت میں کمی ہے۔

جلالہ کا مسئلہ :

یہاں ایک اور مسئلہ کی وضاحت بھی ضروری ہے، جسے فقہ اور شروحاتِ حدیث میں ''جلالہ'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، اگر کوئی بڑا جانور مثلاً بکری بھیڑ، دنبہ اور گائے وغیرہ کو گندی نجس اور غلیظ اشیاء کھانے کی لت پڑ جائے، تو اس کا گوشت کھانا مکروہ ہو جاتا ہے۔ نجس اور غلیظ اشیاء کھانے والے جانوروں کی قوتِ شامہ نجس ہو جاتی ہے اور انہیں پاک، صاف، ستھری اور عمدہ اور اچھی خوراک پسند ہی نہیں آتی، بلکہ وہ ہمیشہ گندی اشیاء اور نجس چیز میں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایسے جانوروں کو ''جلالۃ'' کہتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں ذبح سے قبل دس روز تک محبوس رکھا جائے اور پاکیزہ خوراک کھلائی جاتی رہے۔ اس عرصہ میں ان کے جسم میں نجاست اور گندگی زائل ہو جائیں گے۔
جلالیت (جلالہ ہونا) ختم ہو جائے گا اور ان کے گوشت سے کراہت کا حکم بھی سلب ہو جائے گا اور اگر وہ چھوٹا جانور ہے، مرغی وغیرہ تو ان کو بھی تین روز تک محبوس رکھ کر گندی اور غلیظ اشیاء کے کھانے سے روک دیا جائے اور پاکیزہ غذا دی جاتی رہے، تو اس سے بھی کراہت زائل ہو جاتی ہے اور تین روز بعد بلا کراہت کے جائز ہے۔ تاہم یہ بھی یاد رہے کہ مرغی بالعموم جلالہ کے حکم میں نہیں آتی۔ لہذا اس کا گوشت بھی بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ ایسی مرغی جو گندگی کھانے کی عادی ہوگئی ہو، یا غلاظت ہی پر چھوڑ دی گئی ہو، تو وہ جلالہ ہے اور اس کو تین روز تک محبوس رکھنا مامور بہ ہے۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے بھی اُن صاحب کو عملاً یہی مسئلہ بتایا کہ مرغی کا گوشت بالعموم بلا کراہت کے جائز ہے اور ہر مرغی جلالہ کے حکم میں نہیں ہے۔ **وما ورد من انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یاکل دجاجۃ امر بھا فربطت ایاماثم یاکلھا بعد ذلک انما ھو فی الجلالۃ فکان یقصرھا حتی یذھب اسم الجلالۃ عنھا** (مواھب ص ۱۲۰) اور وہ جو حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھانے کا ارادہ فرماتے تو پھر اسکو چند دن باندھ کر رکھنے کا حکم فرماتے پھر اسکو (ذبح کرنے کے بعد) تناول فرماتے تو آپ کا یہ ارشاد جلالہ مرغی کے متعلق تھا (نہ کہ ہر مرغی کے لئے) چنانچہ اسے چند دن

بند کر دیتے تا کہ جلالہ کا نام اس سے زائل ہو جائے)۔

(۱۴۹/۵) حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْاَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِيْنَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰى.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث فضل بن سہل اعرج بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم بن عمر بن سفینہ سے ان کے باپ (عمر) اور دادا کے حوالے سے روایت کی۔ حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباریٰ کا گوشت کھایا ہے۔

راوی حدیث (۳۵۱) سفینہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حباریٰ کا معنی وتعین :

اکلت مع رسول اللہ علیہ وسلم لحم حباریٰ: حباریٰ ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں۔ بعض نے تعذری کیا ہے، بعض نے بٹیر اور بعض نے سرخاب اور بعض مترجمین نے چکا چکوئی کہا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ حباریٰ کو فارسی میں ہو برہ اور شوات اور شوال کہتے ہیں ترکی میں تعذری اور ہندی میں چرز کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے، جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اڑتا ہے۔ جیسے علامہ ملا علی قاریؒ بھی یہ لکھتے ہیں کہ هو طائر كبير العنق رمادى اللون فى منقاره الطول، لحمه بين لحم البط والدجاج وهو اخف من لحم البط (جمع ص ۲۴۹) اُس کو جرج بھی کہتے ہیں۔ یونانی لوگ اس کو غلوفس کہتے ہیں، جثہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی حباریٰ کا ترجمہ شوات لکھا ہے اور مظاہر حق میں تعذری لکھا ہے۔ حباری کا ترجمہ اور حضرات نے بھی تعذری اور چرز لکھا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو سُرخاب بھی کہتے ہیں، لیکن صاحب محیط نے سُرخاب جس کو چکوہ بھی کہتے ہیں،

دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکوہ اور سُرخاب کی عربی نحام لکھی ہے۔ اس لئے اقرب یہی ہے کہ سُرخاب دوسرا جانور ہے۔ (خصائل ص ۸۸)

حباریٰ کی خصوصیات اور دیگر احادیث میں ذکر :

وقال ابن القیم ولحم الحباریٰ حار یابس بطئی الانهضام نافع لا صحاب الریاضة والتعب. (علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حباری پرندے کا گوشت گرم خشک اور دیر ہضم ہے البتہ محنت مزدوری اور تھکے ماندے لوگوں کے لئے مفید ہے) (مناوی ص ۲۴۹) شیخ عبدالرؤفؒ کہتے ہیں کہ زین الحافظؒ فرماتے ہیں۔ کہ مصنفؒ نے اس باب ذکرِ حباریٰ میں صرف ایک روایت حضرت سفینہؓ کی نقل کی ہے۔ وفیه عن انس رواہ ابن عدی فی الکامل قال اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بطیر حباریٰ فقال اللهم ائتنی برجل یحب اللّٰہ ورسوله اویحبه اللّٰہ ورسوله فاذا علی یقرع الباب فقال انس رسول اللّٰہ مشغول ثم اتی الثانية فقال رسول اللّٰہ مشغول ثم اتی الثالثة فقال یا انس ادخله فقد عنیته. (مناوی ص ۲۴۹) (حالانکہ اس سلسلہ میں تو حضرت انسؓ سے بھی ایک روایت ہے جسے ابن عدی نے (اپنی کتاب) الکامل میں ذکر کیا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حباری پرندہ لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ کوئی ایسے آدمی کو لے آئیں جسکو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ محبت ہو یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو اسکے ساتھ محبت ہو۔ تو اچانک اس دوران حضرت علیؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت انسؓ نے اسکو فرمایا کہ حضورؐ (اس وقت) مشغول ہیں پھر وہ دوبارہ آئے تو حضرت انسؓ نے کہا کہ آپؐ مشغول ہیں پھر جب تیسری بار آئے تو حضورؐ نے فرمایا اے انس اسکو داخل ہونے کی اجازت دے دیجئے اب تو اسکو تھکا دیا ہے)

عمدہ کھانا عین سنت ہے :

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عمدہ کھانا جب اللہ نے دیا، خلاف سنت نہیں ہے بلکہ عین سنت ہے، جبکہ شکر کے ساتھ کھایا جائے۔ بعض لوگ اللہ کے دیئے ہوئے کے باوجود سب کچھ ہونے کے باوجود، مرچ اور نمک اور پانی کا شوربا بنا کر کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ یہ نعمت باری تعالیٰ کی توہین

ہےاور و امّا بنعمة ربّک فحدث (اور جونعمت تیرے پروردگار کی ہے پس بیان کر) کے خلاف ہے، یہ تصوف نہیں بلکہ من گھڑت اعمال ہیں۔تصوف وہ معتبر ہے' جوشریعت کے عین مطابق ہو۔

قرآن مجیداوراحادیث میں کثرت سے اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ملاعلی قاریؒ نے اس سلسلہ میں چند استشہادات کا ذکر کیا ہے،جن کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔فرماتے ہیں قل من حرم زينة الله اخرج لعباده والطيبات من الرزق، وقال عزوجل يا ايها الرسل كلوا من الطيبات واعملو صالحاً ومن دعائه عليه السلام اللهم اجعل حبک احب الى من الماء البارد وقال السيد ابو الحسن الشاذلیؒ الذی يشرب الماء البارد ويحمد الله من وسط قلبه اتم من حالة الصبر وقد كان سفيان الثوری اذا سافر حمل معه فی سفرته اللحم المشوی والفالوذج انتهى نعم اذا لم يوجد فمقامه الصبر وبهما يتم مقام الرضا بالقضا وهو باب الله الاعظم وقد قال تعالى ورضوان من الله اكبر (جمع ص ۲۵۰)

(اے نبی تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت جواس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے پیغمبرو تم نفیس (ستھری) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی کہ اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور سید ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ جوشخص ٹھنڈا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف دل کی گہرائی سے کرتا ہے۔یعنی شکر کا مرتبہ صبر کے مرتبہ سے کمال میں زیادہ ہے اور سفیان ثوریؒ جب سفر پر جاتے تو اپنے سُفرہ (دسترخوان) میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ بھی ساتھ لے جاتے تھے (یعنی کھانے کی ضروری اشیاء کے علاوہ تلذذ کی چیزیں بھی ساتھ ہوتیں) ہاں اگر کوئی چیز بھی (کھانے کی) موجود نہ ہوتو پھر تو مقام صبر کے سوا چارہ ہی نہیں اور ان دونوں (صبر وشکر) ہی کیساتھ رضا بالقضاء کا مقام ومرتبہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا بڑا باب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سے رضامندی بھی بہت بڑی چیز ہے)

(۶/ ۱۵۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيْمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجُرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامُهٗ وَقُدِّمَ فِيْ طَعَامِهٖ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ اَحْمَرُ كَاَنَّهٗ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى اُدْنُ فَاِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ مِنْهُ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُهٗ يَاْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهٗ فَحَلَفْتُ اَنْ لَّا اَطْعَمَهٗ اَبَدًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ایوب سے اور انہوں نے قاسم تمیمی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت زہدم جرمی سے نقل کرتے ہیں۔ زہدم کہتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس تھے، ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنوتیم اللہ کا بھی تھا، جو سُرخ رنگ کا تھا۔ بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے یکسوئی اختیار کی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر کیا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا، جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے، اس لئے میں نے اسے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

راوی حدیث (۳۵۳) القاسم التمیمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی تشریح :

یہ حدیث پہلے بھی اسی باب میں چوتھے نمبر پر بیان ہو چکی ہے۔ صرف سند میں قدرے اختلاف ہے۔ تاہم دونوں میں اصل راوی زہدم جرمیؒ ہیں۔ گذشتہ روایت میں مرغی کے گوشت کے کھانے سے کراہیت کرنے والے کا نام نہیں بتایا گیا تھا۔ یہاں اشارۃً توضیح کی گئی ہے کہ وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا، جس کا تعلق تیم اللہ سے تھا۔ اور وہ کسی کا آزاد کردہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ وکل ما اضیف فی ھذہ الروایۃ تحدید للرجل الذی تنحی وھو من بنی تیم اللہ، وھو حی من بکر، ومعنی تیم اللہ عبداللہ (اور جو کچھ اس روایت میں بیان ہوا وہ دراصل اس شخص کی تحدید و تعین کرنا ہے جو (مرغی کھاتے کراہت کرتے ہوئے) یکسو ہو گیا تھا اور وہ بنی تیم اللہ کے قبیلہ سے تھا اور وہ بنو بکر میں سے

ایک قبیلہ ہے اور تیم اللہ کا معنی عبداللہ ہے)۔(اتحافات ص۲۱۲)

(۱۵۱/۷) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عِيْسٰى عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهٗ عَطَاءٌ عَنْ اَبِىْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت ابواحمد زبیری اور ابونُعیم نے بیان کی۔وہ دونوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس یہ روایت سفیان نے اور ان کے پاس عبداللہ بن عیسیٰ نے بیان کی۔وہ یہ روایت اہل شام میں سے ایک شخص عطاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابواسیدؓ سے روایت کی تھی۔ابواسید کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی۔اس لئے کہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔

راویان حدیث (۳۵۴) عبداللہ بن عیسیٰؒ (۳۵۵) عطاء الساحلیؒ اور (۳۵۶) ابی اسیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ الباب سے مناسبت :

کلو الزیت وادھنو به فانه من شجرة مباركة: ترجمة الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ زیتون کو روٹی کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہی ادام ہے، المراد ھنا اکل الزیت مع الخبز فھو الادام (اتحافات ص۲۱۲) زیت پھل کو بھی کہتے ہیں اور اس کے تیل کو بھی۔لہٰذا یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زیتون تو مائع ہے، اسے کھانے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے۔ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ومناسبة الحديث للباب ان الامر باكله يستدعى اكله صلى الله عليه وسلم وما احب الاكل منه. (اور باب سے حدیث کی مناسبت بایں معنی ہوئی کہ آپؐ کا زیت کو کھانے کا حکم اس امر کا مقتضی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا ہوگا یا یہ کہا جائیگا کہ

ترجمہ الباب سے ہر اس چیز کی معرفت مقصود ہے جس سے آپؐ نے یا تو کھایا ہو یا اس سے کھانے کو پسند کیا ہو۔ (جمع ص ۲۵۲) وادّھنوا بہ : ادّھان سے امر ہے، وھو استعمال الدھن یعنی تیل وغیرہ کا استعمال کرنا۔ (جمع ص ۲۵۱) یہ امر استحباب کے لئے ہے اور مستحب بھی اس شخص کے لئے ہے جو زیتون کے استعمال پر قادر ہو۔

زیتون، مبارک درخت ہے :

فانہ من شجرۃ مبارکۃ ' جیسا کہ قرآن میں ہے۔ زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضئی ولولم تمسسہ النار (وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اسکا تیل کہ روشن ہو اگر چہ نہ لگی ہو اس میں آگ) زیتون کے تیل کو برکت سے موصوف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ شجرہ مبارکہ سے نکلتا ہے اولا نھا تنبت بالارض المقدسۃ التی بورک فیہ (مناوی ص ۲۵۲) اور یا اس لئے کہ زیتون، ایک مقدس اور پاک زمین جس میں برکت ڈال دی گئی تھی پیدا ہوتی ہے۔

ملک شام جہاں کم وبیش ستر (۷۰) انبیاءِ کرام مبعوث ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا قدوم میمنت لزوم ہے۔ ان ہی حضرات کی وجہ سے یہ زمین مقدسہ کہلائی اور وہاں کا معروف اور مشہور درخت "زیتون" بھی بابرکت اور مبارک کہلایا۔ زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے پیدا ہوا۔ و اول شجرۃ نبتت بعد الطوفان۔ (یہ زیتون وہ پہلا درخت ہے جو طوفان نوح کے بعد پیدا ہوا۔ (مواھب ص ۱۲۲) انبیاءِ کرامؑ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی منھم ابراھیم علیہ السلام ومنھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ قال اللھم بارک فی الزیت والزیتون مرتین کما فی التفسیر القرطبی۔ (مواھب ص ۱۲۲) ان ہی میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں آپؐ نے فرمایا اے اللہ برکت نازل فرما زیت اور زیتون میں یہ کلمات آپؐ نے دو دفعہ ارشاد فرمائے اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے۔

زیتون کے برکات :

اس میں ادام کی صلاحیت بھی ہے اور تدھّن کی بھی، شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں۔

لان الدهن به فی البلاد الحارة من اسباب حفظ الصحة واما البلاد الباردة فضار. (اورگرم ملکوں میں اسکے تیل کا استعمال صحت کا محافظ ہے البتہ جو ٹھنڈے ملک ہیں تو ان میں اسکا استعمال مضر اور نقصان دہ ہے)(اتحافات ص۲۱۳) البتہ سردیوں میں سر کی مالش سے بینائی کو نقصان ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ زیتون میں بہت منافع ہیں۔اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے، کھایا جاتا ہے، مَلا جاتا ہے، دباغت میں استعمال ہوتا ہے، ایندھن جلانے کا کام آتا ہے، حتی الرماد یغسل به الابریشم (المواہب ص۱۲۲) انتہا یہ کہ اسکی راکھ میں بھی یہ فائدہ کہ اس کے ساتھ ابریشم دھویا جاتا ہے۔

زیتون کا درخت ہر لحاظ سے بابرکت ہے۔اس کی ہر چیز کارآمد ہے۔اُس کا سایہ بھی پھیلا ہوا اور گھنا ہوتا ہے۔چالیس سال کے بعد پھل لاتا ہے۔بعض کی عمر ہزار برس ہوتی ہے۔اُن میں بعض درخت اڑھائی ہزار سال کی لمبی عمر پائے ہوئے ہیں۔یونانیوں کے زمانہ کے لگائے ہوئے بعض درخت اب تک موجود ہیں۔اسکے پھل کھانوں میں ڈال کر انہیں مزید مرغوب اور خوش ذائقہ بنادیتے ہیں۔زیتون کا تیل انسانی پٹھوں کے لئے نافع، فالج کے مریضوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے لئے اس کی مالش مفید ہے۔ابونعیم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، فان فیه شفاء من سبعین داء منها الجذام (جمع ص۲۵۲)(یعنی زیتون کے تیل میں ستر بیماریوں کی شفا ہے۔ان میں سے ایک جذام بھی ہے)

(۱۵۲/۸) حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَکَةٍ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَکَانَ عَبْدُالرَّزَّاقِ یَضْطَرِبُ فِیْ هٰذَاالْحَدِیْثِ فَرُبَّمَا اَسْنَدَهٗ وَرُبَّمَا اَرْسَلَهٗ.

حَدَّثَنَا السَّنْجِیُّ وَهُوَ اَبُوْ دَاوٗدَ سُلَیْمَانُ بْنُ مَعْبَدِ الْمَرْوَزِیُّ السَّنْجِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَلَمْ یَذْکُرْ فِیْهِ عَنْ عُمَرَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرزاق کے ذریعے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معمر نے بیان کیا اور انہوں نے زید بن اسلم سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ ایک مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح وتوضیح گذشتہ حدیث میں آگئی ہے کہ دونوں کے الفاظ ایک ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ رواه الترمذی عن عمر، ورواه احمد والترمذی والحاکم عن ابی اسید ورواه ابن الماجة والحاکم عن ابی هریرةؓ ولفظه کلوا الزیت وادهنوا به فانه طیب مبارک. (جمع ص۲۵۲)
اسکو امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ سے اور احمد اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابی اسید سے اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابوھریرہؓ سے جسکے الفاظ کلو الزیت وادهنو فانه طیب مبارک. (کہ زیتون کو کھاؤ بھی اور مالش بھی کرو یہ مبارک خوشبو ہے)

قال ابو عیسیٰ ! اس حدیث کی سند میں امام ترمذیؒ اور امام عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مسنداً اور کبھی مرسلاً بیان کرتے ہیں۔ جس سے ایک گونہ اضطراب سا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم انہوں نے اس روایت کو قبول کیا ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنیٰ دوسری حدیث کی روایت بھی امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے، مگر اسی کی سند میں حضرت عمر کا نام ذکر نہیں ہوا۔ یہ گویا اس کی سند پر دوسری جرح ہے۔

حدیثِ مضطرب کی تعریف :

اعلم ان المضطرب هو الذی یختلف الرواة فیه فیرویه بعضهم علی وجه وبعضهم علی وجه آخر مخالف له ویقع الاضطراب فی الاسناد تارة وفی المتن اخریٰ وفیهما اخری من راوٍ واحد او اکثر ثم ان امکن الترجیح بحفظ رواة احدی الروایتین او کثرة صحبة المروی عنه اوغیر ذلک فالحکم للراجح ولا اضطراب حینئذٍ والا فمضطرب یستلزم الضعف . (جمع ص۲۵۲)
(جاننا چاہیے کہ حدیث مضطرب وہ ہے جس میں راوی حضرات مختلف طرق سے روایت کریں پس ان

میں بعض تو اسکی روایت ایک طریقہ سے کریں اور دوسرے پہلے کے مخالف کسی دوسرے طریقے پر کریں پھر یہ اضطراب کبھی صرف سند ہی میں ہوتا ہے اور کبھی متن سند میں اور کبھی دونوں میں نیز کبھی ایک راوی سے اور کبھی اس سے زیادہ راویوں سے اب اگر وہاں دو روایتوں میں سے ایک روایت کے راویوں کے حفظ و یاداشت کاملہ کی وجہ سے یا چونکہ اس راوی کی مروی عنہ سے کثرت صحبت ہوئی یا کسی دوسری وجہ سے ترجیح دینا ممکن ہو تو پھر اصل حکم اسی راجح روایت کا ہوگا اور گویا اسوقت اضطراب ہی نہ رہا اور اگر یہ وجوہ ترجیح نہ ہوں تو پھر حدیث مضطرب اور ضعیف ہوگی۔

(۹/ ۱۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الدُّبَّآءُ فَاُتِيَ بِطَعَامٍ اَوْدُعِيَ لَهٗ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهٗ فَاَضَعُهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا اَعْلَمُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشارؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت شعبہ نے قتادہ سے اور انہوں نے خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا آیا، یا حضورؐ کسی دعوت میں تشریف لے گئے۔ جس میں کدو تھا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ کو یہ مرغوب ہے، اس لئے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضورؐ کے سامنے کر دیتا تھا''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبہ الدباء: تعجب سے مراد استحسان اور پسندیدگی ہے۔ جیسے صاحب مواہب یہ کہتے ہیں کہ ''والمراد بالتعجب هنا الاستحسان والاخبار عن رضاه به''. (مواهب ص ۱۲۳) الدبآء: دال کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کدو کو کہتے ہیں اور کدو کی درخت بیل کو بھی۔ القرع: وهو ثمر شجر اليقطين (اتحافات ص ۲۱۴) (قرع کا معنی کدو

کی بیل کاثمرہ (میوہ کدو)) اس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔قال تعالیٰ وانبتنا علیه شجرة من یقطین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل پیدا کردی۔البتہ لغویوں سے تصریح کی ہے کہ یقطین "ما لا ساق له من الاشجار "(درختوں میں سے جس کا تنا نہ ہو) فیکون اعم من القرع. (اتحافات ص۲۱۷) تو یقطین قرع سے عام ہوئی۔

کدو کیوں پسند تھا ؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا؟ شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ کدو کھانے سے عقل میں تیزی، دماغ میں قوت، حافظہ میں طاقت اور سالن میں خوش ذائقہ اور مرغوبیت پیدا ہوتی ہے۔شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں :

و سبب كون النبي صلى الله عليه وسلم يعجبه الدباء ما فيه من زيادة العقل و الرطوبة وكونه سريع الانحدار و كونه ينفع المحرور ويلائم المبرود و يقطع العطش ويذهب الصداع الحار اذا شرب او غسل به الرأس الى غير ذلك . (مواھب ص۱۲۳) (اور نبی کریمؐ کے کدو کو پسند کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے کھانے میں عقل کی زیادتی اور مرطوب وزود ہضم ہے اور یہ کہ گرم مزاج والوں کے لئے مفید اور سرد مزاج کے لئے بھی مناسب ہے اور پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کے پینے یا اس کے ساتھ سر دھونے سے گرم بخار اور سر دردی کا خاتمہ ہوجاتا ہے)

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

"وسبب محبته ......وما خصه الله به من انباته على يونس حتىٰ وقاه و تربىٰ فى ظله فكان له كالام الحاضنة لفرخها" . (مناوی ص۲۵۳) کہ آپؐ کو کدو کیساتھ محبت (گذشتہ خصوصیات کے علاوہ) اس لئے بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیل کو حضرت یونسؑ پر اسکی حفاظت کے لئے پیدا کیا اور وہ اس کے سایہ میں پرورش پاتے رہے تو وہ کدو کی بیل حضرت یونسؑ کے لئے بمنزلہ ایسی ماں کے جو اپنے بچے کی پرورش اور پوری حفاظت کرتی ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کدو میں ایک چیز ایسی بھی ہے، جس کا راز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی

جانتے تھے۔ "ما كان يلحظه من السر الذى اودعه الله فيه اذ خصصه بالانبات على اخيه يونس عليه السلام" (یعنی وہ مخفی راز جواللہ تعالیٰ اسکو حضرت یونسؑ پر پیدا فرما کر رکھا ہے) (جمع ص ۲۴۵)

شیخ عبدالرؤفؒ نے غیلانیات کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے :

"عن عائشة رضى الله عنها قالت قال لى رسول الله يا عائشة اذاطبختم قدرافاكثروا فيهامن الدباء فانه يشد قلب الحزين. (مناوی ص ۲۴۵) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپؐ نے فرمایا اے عائشہ جب دیگچی میں سالن پکائیں تو اسمیں کدو کے قتلے زیادہ ڈالا کریں اس لئے کہ وہ غمگین شخص کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے)

طعام میں خدمت وایثار :

فاتى بطعام اودعى له حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا یا آپؐ کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ راوی کو شک ہے 'وهذا شك من انس اومن دونه وقصره على انس لا دليل عليه. (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ شک راوی حضرت انس کو ہے یا اس سے نیچے راویوں کا البتہ اس شک کو حضرت انسؓ پر منحصر کرنے پر کوئی دلیل موجود نہیں)

فاضعه بين يديه : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کدو کے قتلے چن چن کر آپؐ کے سامنے رکھتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ آپؐ کو کدو بہت پسند ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان طعام میں بھی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دیتا رہے، تو مستحسن ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جب کھانے میں اشیاء مختلف ہوں۔ مثلاً ایک سالن میں کدو بھی ہے اور گوشت بھی، یا بھنڈی بھی ہے اور گوشت بھی یا آلو بھی ہے اور گوشت بھی وغیرہ، تو دوسرے کے سامنے سے کھایا اور اٹھایا جا سکتا ہے یا اگر دوسرا شریک طعام ساتھی بطیبِ خاطر تمہارے اس کے سامنے سے اٹھانے کو محسوس نہ کرے بلکہ تمہیں علم ہو کہ وہ خوش ہوگا، پھر بھی جائز ہے۔

" وهذا الحديث يدل على ندب ايثار المرء على نفسه بما يحب من الطعام وجواز تقديم بعضهم لبعض من الطعام المتقدم بشرط رضا المضيف (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ حدیث ایک شخص کا اپنی

ذات پر کسی دوسرے شخص کو کسی اچھے اور محبوب کھانے میں ایثار کے استحباب پر دلالت کر رہی ہے اور یہ کہ اگر میزبان کی رضا مندی ہو تو پھر کوئی خاص چیز کھانے کیلئے دوسرے کو پیش کرنے کے جواز پر بھی)

(۱۰/۱۵۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اَبِىْ خَالِدٍ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهٗ دُبَّاءً يُقَطَّعُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نُكْثِرُ بِهٖ طَعَامَنَا قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَجَابِرٌ هٰذَا هُوَ جَابِرُ بْنِ طَارِقٍ وَيُقَالُ ابْنُ اَبِىْ طَارِقٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهٗ اِلَّا هٰذَا الْحَدِيْثَ الْوَاحِدَ وَاَبُوْ خَالِدٍ اسْمُهٗ سَعْدٌ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ان کے پاس یہ روایت حفص بن غیاث نے اسمٰعیل بن ابی خالد کے واسطے سے بیان کی۔اُن کے پاس یہ روایت حکیم بن جابرؒ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کی۔جابر بن طارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جا رہے تھے۔میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا۔فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائیگا۔

راویان حدیث (۳۵۷) حفص بن غیاثؒ (۳۵۸) اسماعیل بن ابی خالدؒ اور (۳۵۹) حکیم بن جابرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سالن زیادہ پکا کے رکھنا :

دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ......الخ 'یقطع: تقطیع سے ہے۔بمعنی قاش قاش کرنا،ٹکڑے ٹکڑے کرنا' ای جعل الشئی قطعةً قطعةً وباب التفعیل للتکثیر . اور تفعیل کا باب تکثیر کے لئے آتا ہے۔(جمع ص ۲۵۴) فقلت ما ھذا ، یہ سوال حقیقت شئی سے نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا فائدہ کیا ہوگا و المعنی ما فائدة کثرة تقطیعه۔(جمع ص:۲۵۴)

نکثر طعامنا ! تکثیر سے ہے''وھو جعل الشئی کثیرا''(جمع ص ۲۵۴) یعنی اپنا سالن زیادہ کرتے

ہیں۔ بعض نے کہا نکثر: اکثار سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کا گھر میں شوربا زیادہ رکھنے کا معمول تھا تا کہ وارد وصادر کی خدمت وتواضع اور پڑوسیوں کا حقِ جوار ادا کیا جا سکے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سالن پکانا اور اس سے متعلقہ امور انجام دینا زہد وتوکل کے منافی نہیں ہے' بلکہ یہ تو معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کے مناسب ہے جس سے وصف قناعت حاصل ہوگی۔

ملاعلی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں وفیه دلیل علی ان الاعتناء بامر الطبخ وما یصلحه لاینا فی الزهد والتوکل بل یلائم الاقتصاد فی المعیشة المؤدی الی القناعة ۔ (جمع ص ۲۵۴)

امام ترمذی کی وضاحت :

قال ابو عیسٰی ...... الخ 'چونکہ حضرت جابر بن عبداللہؓ مشہور ہیں۔حضرات صحابہ میں کثیر الروایة ہیں اور جب مطلقِ جابر کا ذکر ہو،تو مراد وہی ہوتے ہیں۔والمطلق یصرف الیه عند المحدثین ۔(اور جب مطلق جابر کا ذکر ہوتو محدثین کے نزدیک جابر بن عبداللہ مراد ہوتے ہیں)۔ (جمع ص ۲۵۴) اس لئے امام ترمذیؒ نے تصریح کر دی کہ یہاں روایت میں جابر سے مراد جابر بن طارق ہیں۔

(۱۵۵/۱۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنِ مَالِکٍ یَقُوْلُ اِنَّ خَیَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی ذٰلِکَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِّنْ شَعِیْرٍ وَ مَرَ قًا فِیْهِ دُبَّآءٌ وَقَدِیْدٌ قَالَ اَنَسٌ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَیَ الصَّحْفَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ یَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ان کے پاس اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔انہوں نے اسے اسحٰق بن عبداللہ بن ابوطلحہ سے نقل کیا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرتبہ دعوت کی۔میں بھی

حضورؐ کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُس نے حضورؐ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا۔ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما رہے ہیں۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہوگیا۔

بعض الفاظ کی تشریح :

فقال انس فذهبت مع رسو ل الله صلى الله عليه وسلم ......الخ ' حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دعوت میں تبعاً للنبی صلى الله عليه وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں شریک ہوئے ۔ لکونه خادمه او بطلب مخصوص یا تو اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور یا اسکو بھی مستقل دعوت دی گئی تھی ۔ (مواهب ص۱۲۴) قديد فعيل کے وزن پر ہے، بمعنی مفعول کے ای لحم مقدد والقد : القطع طولا كالشق یعنی گوشت کا ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا اور چیرا گیا ہو جیسے پھٹن (جمع ص ۲۵۵) فيكون مملحاً مجففاً في الشمس اوغيرها (مواهب ص۱۲۴) اور پھر نمک لگائے ہوئے دھوپ یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ خشک کیا جائے ۔ رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يتتبع الدباء ' حوالي القصعة : (میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ کاسہ کے اطراف میں کدو کے ٹکڑے اور قاشیں تلاش فرما رہے تھے) بعض نسخوں میں القصعة کے بجائے الصحفة نقل ہوا ہے۔ القصعة : بڑے پیالے کو کہتے ہیں، جس میں دس آدمی بہ سہولت پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ "انا ء يشبع العشرة ومن اللطافات لا تكسر القصعة ولا تفتح الخزانة". الصحفة : اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں پانچ افراد پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔ فهي التي تشبع الخمسة (مواهب ص۱۲۴) مكيلة : وہ پیالہ جس میں دو آدمی کھانا کھا سکیں' اس سے چھوٹے کو صحيفة کہتے ہیں' جس میں ایک آدمی کھانا کھا سکے اور ان میں سب سے بڑے کو جفنة کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصعة کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کر کے نوش فرما رہے ہیں۔ حوالي القصعة: وهو مفرد اللفظ مجموع المعنى اى جوانبها اور وہ لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے یعنی اس کے اطراف۔ (جمع ص ۲۵٦)

مسلمان کدو سے محبت کریں :

فلم ازل احب الدباء من یومئذٍ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس روز سے ہمیشہ کے لئے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔ ای محبة شرعية لاطبعية' جو چیز بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی، صحابہ کرامؓ اس کو محبت عقلی اور شرعی سمجھ کر پسند کرتے (نہ کہ طبعی طور پر)۔ حضرت انسؓ کی کدو سے محبت گویا آپؐ کی سنت سے محبت ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں، مسلمان کے لئے بہت ہی بہتر ہے کہ وہ کدو کو مرغوب سمجھے اور پسندیدہ غذا کے طور پر شوق و رغبت سے کھائے۔ اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرے، جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ

وانه يسن محبة الدباء لمحبة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكذا كل شئى كان يحبه ذكره النووى (جمع ص ٢٥٦) قال ابن عبد البرو من صريح الايمان محبة ما كان المصطفىٰ يحبه واتباع ما كان يفعله. (مناوی ص٢٥٦) (علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں خالص اور صریح ایمان کی علامت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس سے حضور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبت فرماتے نیز جو آپؐ کیا کرتے تھے اسکی اتباع کی جائے)

دعوت قبول کرنی چاہیے :

حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعلیٰ اور عظمتوں والے لوگ اپنے سے کم درجے اور ادنیٰ لوگوں کے ہاں جا کر ان کا کھانا کھا سکتے ہیں۔ چاہے دعوت کرنے والے کسبی کیوں نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا سنت ہے اور بے تکلف داعیوں کے ہاں اپنے خادم کو ساتھ لے جانا بھی مشروع ہے۔ جیسے کہ محشی مشکوٰۃ نے اس کو اس عبارت میں نقل کر دیا کہ :

وفى الحديث جوازا كل الشريف طعام من دونه من محترف اوغيره واجابة دعوته و مواكلة الخادم وان كسب الخياط ليس بدنى ملخصًا من المرقات ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص٣٦٤) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ داعی حسب توفیق دعوت کا انتظام کرے نہ کہ بتکلف بہت سے اشیاء کا اہتمام کر کے اپنے لئے باعث تفاخر سمجھے جیسے کہ صحابیؓ نے جو کی روٹی اور کدو کے قاشے ڈالے ہوئے شوربا پیش

فرمایا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک باب آ گیا ہے کہ آپؐ کس قدر متواضع اور خلیق تھے۔ اپنے اصحابؓ پر کس قدر مہربان اور شفیق تھے۔

(۱۵۶/۱۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ وَسَلَمَةُ بْنُ شَبِيْبٍ وَمَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن ابراہیم دورقی، سلمۃ بن شبیب اور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ تینوں کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے اُن کے باپ کے واسطہ سے پہنچی۔

وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔

راویانِ حدیث (۳۶۰) احمد بن ابراہیم الدورقیؒ اور (۳۶۱) ابو اسامۃ حماد بن اسامۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد پسند تھا :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الحلواء والعسل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھے۔ حلواء! شیرینی' میٹھا' ہر وہ چیز جس میں مٹھاس ہو کل ما فیہ حلاوۃ (اتحافات ص۲۱۶) لہٰذا یہاں پر العسل کا عطف از قبیل ''عطف الخاص علی العام'' کہ عطف خاص عسل (شہد) کا عام حلوہ (میٹھے) پر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گڑ' شکر مروج نہیں تھے، بلکہ بعض حضرات نے تو تصریح کی ہے کہ آپؐ نے شکر نہیں دیکھی تھی۔ میٹھی چیز عموماً کھجور اور شہد سے تیار کی جاتی تھی۔ وقد تطلق علی الفاکھۃ وقال الثعالبی الحلواء التی کان یحبھا تمر یعجن بلبن. (مناوی ص۲۵۶) (اور کبھی حلوہ کا اطلاق میوہ جات پر بھی ہوتا ہے امام ثعالبیؒ

فرماتے ہیں کہ وہ حلوہ جسکے ساتھ آپؐ محبت کرتے تھے وہ تو ایسی کھجور جو دودھ میں ملائی اور گوندھی جائے)

شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں، سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ بنایا اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، جو باریک آٹے اور شہد سے تیار کیا گیا تھا۔ جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا "فاستطابه". (مواھب ص ۱۲۵)

حلوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شدتِ اشتہا اور لذتِ نفس کے لئے نہ تھی ...... بل لا لاستحسانها ' (بلکہ اسکے عمدہ ہونے کے لئے) لہٰذا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عمدہ کھانے کی محبت تقویٰ اور زہد کے منافی نہیں ہے۔

ویوخذ من هذا الحديث ان محبة الاطعمة النفيسة لا تنا فی الزهد لكن بغير قصد . (مواھب ص ۱۲۵) (اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور نفیس قسم کے کھانوں سے غیر ارادی محبت زہد وتقویٰ کے منافی نہیں)

(۱۵۷/۱۳) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ الزَّعْفَرَانِيُّ اَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ عَطَآءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا قَرَّبَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَّشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَمَا تَوَضَّاً.

ترجمہ: "امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی۔ اُن کے پاس حجاج بن محمد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ جریج نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے خبر دی کہ اُسے عطاء بن یسار نے خبر دی اور اُسے ام المؤمنین ام سلمہؓ نے بتایا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کئے نماز پڑھی۔

راویانِ حدیث (۳۶۲) الحسن بن محمد الزعفرانیؒ (۳۶۳) حجاج بن محمدؒ (۳۶۴) ابن جریجؒ (۳۶۵)

محمد بن یوسفؒ اور (۳۶۶) عطاء بن یسارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت آپؐ کی محبوب غذا تھی :

انها قربت ...... الخ ،مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا ہے۔

جنباً کی بعض نے من شاۃ (بکری) کی تصریح کی ہے، مگراس پرکوئی قوی دلیل نہیں ہے۔الجنب: ماتحت الابط الی الکشح (بغل کے نیچے سے پہلو تک) (اتحافات ص ۲۱۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بھی پسند تھا۔ابن ماجہ کی روایت ہے۔آپؐ نے فرمایا اللحم سید الطعام لاهل الدنیا والآخرة (گوشت دنیا وآخرت کے لوگوں کے لئے کھانوں کا سردار ہے)۔(جمع ص ۲۵۸) دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔حضرت علیؓ سے مرفوعاً منقول ہے۔سید طعام اهل الدنیا اللحم ثم الارز (جمع ص ۲۵۸) (اہل دنیا کے کھانوں کا سردار گوشت اور پھر چاول ہیں) ابوشمعان کہتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے، فرماتے ہیں، کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اللحم وهو یزید سبعین قوة وقال الشافعی اکله یزید فی العقل (جمع ص ۲۵۸) (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا گوشت تھا اور وہ انسان میں ستر قوتیں زیادہ کردیتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوشت کا کھانا عقل میں زیادتی کا سبب ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گوشت رنگ کو صاف کرتا ہے۔خلق میں حسن لاتا ہے جس نے چالیس روز تک گوشت نہ کھایا، ساء خلقه ذکره فی الاحیاء (جمع ص ۲۵۸) علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں گوشت کے کھانے پر مداومت نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔وقال بقراط الحکیم لا تجعلو بطونکم مقابر للحیوان (مواھب ص ۱۲۵) (حکیم بقراط کہتے ہیں کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کا قبرستان نہ بنائیے) اس حدیث کا ماقبل سے ربط ظاہر ہے کہ اس سے پہلے حلوہ اور شہد کا بیان تھا اور اب گوشت کا تنبیهاً علی ان الثلاثة افضل الاغذیة وانفعها للبدن والکبد والاعضاء ولا ینفر منها الامن به علة او آفة (جمع ص ۲۵۷) (ان تین چیزوں کے تذکرہ سے

یہ تنبیہ کرنی تھی کہ یہ تینوں (حلوہ شہد گوشت) غذاؤں میں افضل اور بدن وجگر اور دوسرے اعضاء کے لئے نافع اور مفید ہیں اوران کے کھانے سے بیمار یا کوئی آفت زدہ ہی تنفر اور کراہت محسوس کریگا)

قال ابن العربی وقد اکل صلی اللہ علیہ وسلم الحنیذ، ای المشوی والقدید والحنید اعجل اللحم والذہ. (اتحافات ص ۲۱۷) ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُھنا ہوا گوشت کھایا ہے۔ نیز خشک اور بھنا ہوا گوشت پکنے میں جلدی اور کھانے میں لذیذ ترین ہوتا ہے)

ثم قام الی الصلوٰۃ و ما توضأ! اس میں دلیل یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضونہیں ٹوٹتا اور یہی مذہب خلفاءِ اربعہ اورائمہ اربعہ کا ہے۔ علامہ الیجوریؒ فرماتے ہیں، فیہ دلیل علی ان الأکل ما مسته النار لاینقض الوضوء و هو قول الخلفاء الاربعة والائمة الا ربعة ۔ (مواہب ص ۱۲۵)

(۱۵۸/۱۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ اَكَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابن لہیعہ نے بیان کی۔ انہوں نے اسے سلیمان بن زیادہ سے روایت کیا اور انہوں نے صحابی رسول عبداللہ ابن حارثؓ سے نقل کی۔ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔

مسجد میں بیٹھ کر کھانے کا حکم :

قال اکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شواءً فی المسجد، الشواء : آگ پر بھونے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔ ''اللحم المشوی بالنار'' (اتحافات ص ۲۱۸) اس حدیث میں باہم یکجا بیٹھ کر مسجد میں کھانا کھانے کا جواز مدلول ہے۔ بشرطیکہ مسجد کا فرش خراب نہ ہو اور کھانے کے ریزے فرشِ مسجد پر نہ گریں۔ (ورنہ پھر یا تو مکروہ اور یا حرام ہوگا)

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں فیہ دلیل لجواز اکل الطعام فی المسجد جماعة و فرادیٰ و محله ان لم

یحصل مایقذر المسجد والا فیکرہ او یحرم (جمع ص ۲۵۷) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے مسجد میں زمانہ اعتکاف میں کھانا کھایا ہو (جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے نقل کیا ہے کہ) ویمکن حمل اکلھم بالمسجد علی زمن الاعتکاف. (مواہب ص ۱۲۶)

ابن ماجہ میں یہ اضافہ بھی منقول ہے۔ ثم قام فصلی و صلینا معه ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء (جمع ص ۲۵۸) (کہ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپؐ کیساتھ نماز پڑھی اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا صرف یہ کہ کنکریوں کے ساتھ اپنے ہاتھ پونچھے)

خلاصہ یہ کہ مسجد میں کھانا جائز ہے، مگر اس کو عادت نہیں بنالینا چاہیے۔ یہ باب چونکہ آپؐ کے سالن کے بیان میں ہے تو لازماً یہاں گوشت بطور سالن کے روٹی کے ساتھ کھایا جانا مراد لیا جائے گا۔ ای مشویا یعنی مع الخبز (جمع ص ۲۵۸) (یعنی بھنا ہوا گوشت روٹی کیساتھ کھایا)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضیافت ضباعة بنت الزبیر ابنة عم النبی صلی اللہ علیه وسلم کے گھر پر تھی۔ حضور اقدس ﷺ اپنے مہمانوں سمیت (جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے) ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے سامنے بکری کا بھنا ہوا پہلو لایا گیا۔ ثم اخذ الشفرة (پھر حضور ﷺ نے چھری اٹھائی) یہ طلحۃ کے وزن پر ہے۔ بڑی اور چوڑی چھری کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شفار آتی ہے۔ جیسے کلب کی جمع کلاب اور شفرات بھی آتی ہے جیسے سجدۃ کی جمع سجدات۔ (مناوی ص ۲۸۹)

(۱۵/۱۵۹) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ اَنْبَانَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ اَبِیْ صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاُتِیَ بِجَنْبٍ مَّشْوِیٍّ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ یَحُزُّلِیْ بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ یُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَاَلْقَی الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهٗ تَرِبَتْ یَدَاهُ قَالَ وَ کَانَ شَارِبُهٗ قَدْ وَفٰی فَقَالَ لَهٗ اُقُصُّهٗ لَکَ عَلٰی سِوَاکٍ اَوْ قُصَّهٗ عَلٰی سِوَاکٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں اس کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسعر نے ابی صخرہ جامع بن شداد کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت مغیرہ بن عبداللہ سے اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔

مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا۔ کھانے میں ایک پہلو بھنا ہوا لایا گیا۔ حضور ﷺ چاقو لے کر اُس میں سے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلود ہوں اس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ مغیرہؓ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھیں بہت بڑھ رہی تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔ راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے۔

راویان حدیث (۳۶۷) مسعرؒ (۳۶۸) ابوصخرہؒ اور (۳۶۹) مغیرہ بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''ضفت'' کا معنیٰ وتشریح :

قال ضفت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ . اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک صاحب کے پاس مہمان ہوئے، جیسا کہ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: ای نزلت انا وایاہ ضیفین علی انسان. (مناوی ص ۲۵۸) وقال الطیبی ای نزلت انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل ضیفین لہ (جمع ص ۲۵۸) اور دوسرا معنیٰ یہ بھی محتمل ہے کہ ایک رات میں آپؐ کا مہمان بنا. ای کنت لیلۃ ضیفہ۔ (جمع ص ۲۵۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کا مہمان تھا اور آپ ﷺ کی مع مہمانوں کے کہیں دعوت تھی۔ جیسا کہ عام معمول ہے کہ اکابر کی دعوت بمع خدام ومتعلقین کے ہوتی ہے اس صورت میں روایات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا کہ یہ اصل میں آپؐ کے مہمان تھے اور آپ ﷺ کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے

یہ بھی اور آپ ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔(خصائل)

علامہ الببجوریؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت ضباعة بنت الزبير ابنة عم النبی صلی اللّٰه عليه وسلم (حضور ﷺ کی چچازاد بیٹی ضباعہ بنت زبیر) کے گھر پر تھی۔ و قيل انها كانت فی بيت ميمونة ام المومنين (اور بعض کے نزدیک ضیافت ام المومنین حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں تھی)۔(اتحافات ص ۲۱۹)

حضور اقدس ﷺ کی تواضع اور خدمت :

فجعل يحز فحزلی بها منه: حضور اقدس ﷺ، تالیف قلب، مروت شفقت اور تواضع و خدمت کے طور پر گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمانوں کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔ جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ فحز لی بها منه ۔يحز بمعنی يقطع کے ہے۔ الحز : القطع کو کہتے ہیں اور الحزة : قطعة من اللحم طولا (گوشت کے لمبا ٹکڑے) کو کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بھنے ہوئے گوشت کو حسب ضرورت چھری سے کاٹنا جائز ہے۔ ایک تو مروّجہ چھری کانٹے کا استعمال ہے، جس میں ہاتھ کی تھوڑی تلویث بھی برداشت نہیں کی جاتی۔ یہ بہر حال مذموم ہے۔ جب غیر معمولی حالت ہو اور اگر گوشت کے قطعے بڑے بڑے اور سخت ہوں اور لقموں کا ہاتھ سے توڑنا ممکن نہ رہے، تو پھر چاقو چھری کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ بہتر توجیہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ممانعت چاقو سے کھانے ں ہے اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے۔ اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(خصائل)

احادیث میں تعارض سے جواب :

نیز حدیث میں تصریح ہے۔ لا تقطعو اللحم بالسكين فانه من صنيع الا عاجم وانهشو ہ فانه اهنأ وامرأ (گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے اور اسکو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ یہ کھانے کو خوشگوار اور لذیذ ترین بنا دیتا ہے)(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۴) لہٰذا بظاہر دونوں احادیث میں معارضہ ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں (۱) لِقول ابی داؤد و البيهقی (انه) ليس

بالقوی وعلی التنزل (۲) فالنهی وارد فی غیر الشوی (۳) او محمول علی ما اذا تخذا لحز عادة (۴) او یحمل الحز علی الکبیر لشدة لحمه والنهی علی الصغیر (مناوی ص ۲۵۹)(۱) کہ حدیث نہی قوی نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد اور بیہقی نے قول کیا ہے (۲) اگر حدیث نہی کو قوی علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے تو پھر تطبیق یہ ہوگی کہ نہی کا حکم بھنے ہوئے گوشت کے علاوہ (خوب پکے ہوئے) کے لیے ہے (۳) یا نہی کا حکم اس وقت ہے کہ چھری کے ساتھ کاٹنے کی عادت بنالی جائے (۴) یا چھری سے کاٹنے کا حکم بوڑھے اور لاغر جانور کے لیے کہ اسکا گوشت سخت ہوتا ہے اور نہی کی حدیث کا محمل چھوٹا جانور ہو (مناوی ص ۲۵۹) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چھری سے کاٹنے کا حکم اس وقت ہو کہ گوشت کا ٹکڑا بڑا ہے اور ہاتھ میں نہیں اٹھایا جاسکتا اور نہی کا محمل چھوٹے ٹکڑے کے لیے ہو)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

(۱) هو لیس بالقوی علی انه یجوز ان یکون احتزازه صلی اللّٰه علیه وسلم ناسخاً لنهیه عن قطع اللحم بالسکین .

(۲) وان یکون لبیان الجواز تنبیهاً علی ان النهی للتنزیه لا للتحریم .

(۳) و قیل معنی کونه من صنیع الا عاجم ای من دابهم و عادتهم ای لا تجعلو القطع بالسکین دأبکم کالا عاجم بل اذا کان نضیجاً فانهشوه فان لم یکن نضیجاً فحزّوه بالسکین ۔ (جمع ص ۲۵۰)

(۱) یہ حدیث نہی قوی نہیں اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا چھری سے کاٹنا یہ ناسخ بن جائے حضور ﷺ کے فرمان مبارک کہ گوشت کو چھری سے کھانے کے لیے نہ کاٹو۔

(۲) یا حضورؐ کا چھری سے گوشت کو کاٹنا بیان جواز کے لئے ہو اور اس بات پر تنبیہ ہو کہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ عجمیوں کا طریقہ ہونے کا مطلب انکی عادت مستمرہ ہے یعنی مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ چھری کیساتھ کاٹنے کی عادت عجمیوں جیسے نہ بناؤ بلکہ اگر گوشت پختہ ہے تو پھر دانتوں سے نوچو اور اگر پکا ہوا نہیں تو پھر چھری سے کاٹو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تنبیہ :

فجاء بلال ! دریں اثنا حضرت بلالؓ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ یؤذن: ایذان سے ہے وهو الاعلام. وہ خبر دار کرتا ہے (اتحافات ص ۲۱۹) آپؐ نے کھانا چھوڑ دیا اور فرمایا "ماله تربت یداه" بلال کو کیا ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلالؓ کا یہ بے ڈھنگا پن پسند نہ آیا کہ آپؐ تو مہمانوں کی خاطر مدارات کر رہے تھے، پھر نماز کا وقت بھی آپؐ کو معلوم تھا۔ آپؐ کو اس کی فکر بھی ہوتی تھی۔ اس لئے آپؐ نے اس جملہ سے زجر و توبیخ، تنبیہ اور تربیت فرمائی۔ بددعا غرض نہ تھی اور یہ جملہ بددعا کے لئے استعمال بھی نہیں ہوتا۔ وجری علی السنة العرب لمجرد اللوم لا للدعوة عليه اور یہ کلمہ (ماله تربت بداه) عرب کی زبان میں محض کچھ ملامت کرنے کے لئے ہے نہ کہ بددعا کے لئے ہوتا ہے۔ (اتحافات ص ۲۱۹) اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے، تو اس کو درمیان میں اطلاع نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش بھی تھی۔ ویحتمل انه قال رعاية لحالة الضيف اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے حال کی رعایت کے لئے فرمایا ہو۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

مونچھوں کا شرعی حکم :

وكان شاربه قد وفى ...... الخ ' اس کے قائل یا مغیرۃ بن شعبہ ہیں تو شاربہ میں التفات ہوگا اور یہی احتمال قوی ہے بلکہ متعین ہے جیسے کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے، قال ميرك وقع فى رواية ابى داؤد و كان شاربى وفى..... الخ ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت میں لفظ و كان شاربى وفى الخ (کہ میری مونچھیں) ہے۔ (جمع ص ۲۶۰) یا مغیرہ بن عبداللہ ہیں یا حضرت بلال اور یا ضمیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہو، تو اس وقت التفات کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان احتمالات کو صاحب مرقات نے تکلفات سے تعبیر کیا ہے، فرماتے ہیں، قال الطيبى ويحتمل ان يكون الضمير فى شاربه لبلال فيكون التقدير قال بلال فقال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم اقصه لك اى

لنفعک ویحتمل ان یکون الضمیر فی شاربه لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ومعنیٰ قوله اقصه لک ای اعطیک تتبرک به وکل هذا تکلفات لا تشفی العلیل . طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ شاربہ کی ضمیر یا تو بلال کو راجع ہو تو پھر تقدیر (اصل) عبارت قال بلال الخ ہوگی، یعنی مجھے آپؐ نے فرمایا کہ تیرے نفع اور فائدے کیلئے ان کو کاٹ دوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر شاربہ میں حضورؐ کو راجع ہو اور معنی یہ ہوگا کہ میں تجھے مونچھیں کاٹ دوں یعنی آپ کو دیدوں تا کہ تو ان کے ساتھ تبرک حاصل کرے اور یہ سب ایسے تکلفات ہیں کہ علم کے بیمار کو شفا نہیں دے سکتے ۔ (واللہ اعلم) (حاشیہ مشکوٰۃ ۳۶۷) شارب اوپر کے ہونٹ پر اُگے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں جیسے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، والشارب هو شعر النابت علی الشفع العلیا ۔ (مواہب ص ۱۲۶)

حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس روز یہ واقعہ پیش آیا اس دن میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، تو آپؐ نے فرمایا ''اقصه لک علی سواکٍ اوقُصه علی سواک'' کیا تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر میں کتر دوں یا ان بڑھی ہوئی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر خود کتر لو ۔ پہلا جملہ استفہام ہے اور دوسرا جملہ امر ہے ۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا ۔

مسواک پر رکھ کر کترنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں کسی دوسرے سے استمداد کی ضرورت بھی نہیں ہے ۔ فوراً کتر دو ۔ دوسرا یہ کہ مسواک پر رکھ کر کترنے سے تکلیف نہ ہوگی'' وسبب القص علی السواک ان لاتتاذی الشفة بالقص '' اور مسواک پر رکھ کر کترنے کا سبب یہ ہے کہ ہونٹوں کو کترنے سے تکلیف نہیں ہوگی ۔ (مواھب ص ۱۲۶) یہ مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیدیا ۔ مونچھوں کا شرعی حکم یہی ہے کہ بالکل نیچے تک کتروادئے جائیں یا کم از کم اس قدر ضرور کترنے چاہیں کہ آدمی کا ہونٹ تو صاف نظر آئے ۔ آپؐ کے مختلف ارشادات میں داڑھی بڑھانے اور مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے ۔ اس وجہ سے ایک جماعتِ علماء کا مسلک یہ بھی ہے کہ مونچھوں کو منڈانا سنت ہے، مگر علماءِ محققین کہتے ہیں کہ کتروانا سنت ہے ۔ تاہم کتروانے میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے کہ مونڈنے کے قریب قریب ہو جائیں ۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی مونچھیں کترنا یا دوسرے سے کتروانا خود کترنا دونوں جائز ہیں۔ البتہ مونچھیں کترتے وقت دائیں سے ابتداء کی جائے۔ تو مندوب ہے ۔کیا مونچھوں کا مونڈنا افضل ہے یا کترنا؟ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں والا کثرون علی الاول (ای قصه) اکثر علماء اس کے کاٹنے کو افضل سمجھتے ہیں۔

بلکہ حضرت امام مالکؒ تو مونڈنے والے کو سزا دیا کرتے تھے قال مالکؒ یودب الحالق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مونڈنے والے کو سزا دی جائیگی ۔(مواھب ص ۱۲۷)

اسبال کا حکم :

اسبال کا باقی رکھنا بھی مکروہ ہے۔ اسبال: طرف الشارب کو کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر ہوا کہ وہ اسبال کو بڑھاتے اور داڑھیوں کو منڈاتے ہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا' فخالفوھم یعنی ان کی مخالفت کرو۔ و فی خبر احمد قصوا اسبالکم ووفروا لحاکم ولکن رأی الغزالی انه لا باس بترک الاسبال اتباعاً لسیدنا عمر رضی الله عنه. الله اعلم. (اتحافات ص ۲۲۰) اور احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ اپنے اسبال (مونچھوں کی لمبائی) کو کترواور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ۔ لیکن امام غزالیؒ کی یہ رائے ہے کہ اطراف میں لمبی مونچھیں رکھنے میں کوئی حرج نہیں یعنی حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنے کے لئے۔

(۱۶/۱۶۰) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ اَبِیْ حَیَّانَ التَّیْمِیِّ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الزِّرَاعُ وَ کَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت واصل بن عبد الاعلیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے محمد بن فضیل نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابو حیان تیمی سے روایت کی اور انہوں نے ابوزرعہ سے نقل کی۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی

خدمت میں کہیں سے گوشت آیا۔اس میں سے دست (یعنی بونگ) حضورؐ کے سامنے پیش ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو دست یعنی بونگ کا گوشت پسند بھی تھا۔حضورؐ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا۔

راویان حدیث (۳۷۰)واصل بن عبدالاعلیٰؒ (۳۷۱)محمد بن فضیلؒ (۳۷۲)ابوحیان التیمیؒ اور (۳۷۳)ابوزرعۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت کو دانتوں سے نوچنا اور کھانا افضل ہے :

پہلی روایت میں گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کا بیان تھا۔اس روایت میں دانتوں سے نوچنے اور کھانے کا بیان ہے۔الذراع سے مراد بازو ہے۔والمراد هنا مافوق الكراع (پاؤں سے اوپر کا حصہ مراد ہے)(مواھب ص۱۲۷)ھو الید من کل حیوان. ہر حیوان کی چوڑی(مناوی ۲۶۲)و کانت تعجبه " آپؐ اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔لسرعة نضجها مع سهولة هضمها، وطيب طعمها و لزيادة قوتها للجسم. (بوجہ اس کے جلدی پکنے اور بسہولت ہضم ہونے اور ذائقہ کے اچھے ہونے اور جسم کو طاقتور بنانے کیلئے)۔(اتحافات ص۲۲۰)

"فنهش منها" یہ نهش سے ہے اطراف الاسنان سے تناول کو نہش کہتے ہیں۔وھو اھنا وامرأ آپ ﷺ کو دانتوں سے نوچنا اور کھانا، چھری کے ساتھ کاٹنے اور کھانے سے زیادہ پسند تھا۔ وهذا اولى واحب من القطع بالسكين (مواھب ص۱۲۷) ولانه ينبئى عن ترک التكبر و التكلف و ترک التشبه بالاعاجم. (جمع ص۲۶۲) اور دانتوں سے نوچنے میں تکبر تکلف اور عجمیوں کی تشبیہ کو چھوڑنا مقصود ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا جتنا بھی لذیذ اور پسندیدہ ہو، پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے۔آپ ﷺ کو بازو کے گوشت سے محبت تھی، مگر اس کے باوجود فنهش منا یعنی اس سے تھوڑا بقدر ضرورت وکفاف تناول فرمایا۔تمام کا تمام نہیں کھایا کہ منها حرفِ تبعیض کا یہی مدلول ہے۔(مواھب ص۱۲۷)

(١٦١/١٧) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاؤدَ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِىْ ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عَيَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ وَسُمَّ فِى الذِّرَاعِ وَ كَانَ يُرٰى اَنَّ الْيَهُوْدَ سَمُّوْهُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ان کے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت زہیر یعنی ابن محمد سے ابی اسحٰق کے واسطہ سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت سعد بن عیاض سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے نقل کی۔عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا۔اسی میں حضور اقدسؐ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہودیوں نے زہر دیا تھا۔

راویان حدیث (٣٧٤) زہیرؒ (٣٧٥) سعید بن عیاضؒ اور (٣٧٦) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گوشت نے خبر دی کہ میں مسموم ہوں :

كان البنى صلى الله عليه وسلم ..... الخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ و سمّ فى الذراع ، حضور اقدس ﷺ کو اپنے پسندیدہ گوشت لحم الذراع.(بازو کے گوشت) میں زہر دیا گیا۔آپؐ نے اس سے ابھی ایک لقمہ لیا تھا۔جونگلا بھی نہ تھا کہ اخبره جبريل بانه مسموم فتركه و لم يضره ذلک السم يعنى حينئذٍ (کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو بتایا کہ یہ گوشت زہر آلود ہے تو آپؐ نے اسے چھوڑ دیا اور اس وقت زہر سے آپؐ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی) اگرچہ بعد میں وفات تک مختلف اوقات میں اس کا اثر ظاہر ہوتا رہا)

بعض روایات میں فاخبر به الذراع (کہ خود اس ذراع (پہلو) نے (زہر آلود ہونا) بتلایا)۔ (مناوی ٢٦٣) کی تصریح ہے تو علماءِ محدثین نے دونوں روایات میں تطبیق کی ہے کہ اولاً ذراع نے خود آواز دے کر آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا اور یہ معجزۃ تھا، پھر جبرائیل آئے۔ثم نزل جبريل بتصديقها بانه مسموم فتركه. (مناوی ص ٢٦٣) (پھر جبرائیل اس کی تصدیق کیلئے آسمان سے اترے اور کہا کہ یہ

زہر آلود ہے آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا)

ورنہ یہ بات محقق ہے کہ زہر کا اثر ہر سال معاد ہوتا تھا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف بھی ہوتی تھی بلکہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "حتیٰ مات به صلى الله عليه وسلم لزيادة حصول سعادة الشهادة" (کہ آپؐ مرتبہ شہادت سے اس زہر کے اثر کیوجہ سے فیضاب ہوئے)۔ (جمع ص ۲۶۳)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں : قال العلماء فجمع الله له بين النبوة و الشهادة و لايرد على ذلك قوله تعالىٰ و الله يعصمك من الناس لان الاية نزلت عام تبوك والسم كان بخيبر قبل ذلك. (مواھب ص ۱۲۸)

(علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی ذات مبارک کیلئے مرتبہ نبوت اور شہادت دونوں کو جمع فرمادیا۔ اور اس پر یہ اعتراض نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے متعلق واللّٰہ یعصمک من الناس فرمایا ہے (کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں کی تکلیف دینے سے محفوظ فرماویں گے) اس لئے کہ آیت مذکورہ غزوہ تبوک کے سال نازل ہوئی اور آپؐ کو زہر دینے کا واقعہ خیبر میں اس سے پہلے وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

یہودی عورت کا زہر کھلانا :

ان اليهود سموه ! فتح خیبر کے موقع پر یہودی زعماء کے مشورہ سے ایک یہودی خاتون نے بکری کا ایک ذراع بھونا اور اس میں بہت زیادہ زہرِ قاتل ملا کر آپ ﷺ کی دعوت کی۔ ابھی آپؐ نے لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ گوشت نے معجزۃً از خود اطلاع دی کہ میرے اندر زہر بھر دیا گیا ہے۔ پھر جبرئیلؑ اُترے اور فوراً تصدیق کر دی۔ آپؐ نے خود بھی اس کھانے سے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع کر دیا۔ سموہ میں زہر دینے کی نسبت ایک خاتون کے بجائے تمام یہودیوں کی طرف کی گئی ہے۔

واسنده الى اليهود لانه صدر عن امرهم واتفاقهم والا فالمباشرة لذلك زينب بنت الحارث امرأة سلام بن مشكم اليهودى كما رواه محى السنة والدمياطى وغيرهما. (مناوى

ص۲۶۳)(زہر دینے کی نسبت سب یہودیوں کی طرف کی گئی حالانکہ زہر دینے کا فعل تو صرف سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث نے کیا تھا جیسے کہ محی السنۃ اور دمیاطی وغیرہ ہی نے نقل کیا ہے اسلئے کہ اس عورت نے یہ کام ان سب کے متفقہ فیصلے اور حکم سے کیا تھا)

اس کے بعد آپؐ نے اس عورت کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اس میں زہر ملایا ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ واقعی اس میں زہر بھرا ہے۔ فقالت قلت ان کان نبیاً یضرہ السم والا استرحنا منہ (جمع ص۲۶۳)(اس خاتون نے کہا کہ ہمارا اس میں زہر ملانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے، تو زہر ضرر نہیں پہنچائے گا اور اگر نبی نہیں ہوں گے، تو ہمیں آپؐ سے استراحت حاصل ہو جائے گی) حضور اقدسؐ نے ان کا سارا قصہ سنا۔ حقائق سے آگاہی ہوئی، نہ طیش میں آئے، نہ غصہ فرمایا اور نہ انتقام لیا بلکہ فعفا عنھا ولم یعاقبھا لانہ کان لا ینتقم لنفسہ (اس کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی اس لئے کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے)۔(مناوی ص۲۶۳)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ولقد اسلمت زینب فترکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا سلامھا و لانہ کان لاینتقم لنفسہ (اتحافات ص۲۲۱) اور زینت بنت الحارث اسلام لے آئی تو حضور ﷺ نے اس کو اسلام لانے کے سبب چھوڑ دیا اور اس لئے بھی کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے) مگر بشر بن البراءؓ صحابی اس زہر کے کھانے سے شہید ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھ یہی زہر آلود کھانا کھایا تھا۔ دفعھا لورثتہ فقتلو ھا قوداً (مناوی ص۲۶۳) تو حضور اقدسؐ نے اسے شہید کے ورثا کے حوالے کر دیا، انہوں نے قصاصاً اسے قتل کر دیا۔ بعض روایات میں تعزیراً آیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قصاص لینے کے یہ معنی ہوں کہ آپؐ نے فرمایا ہو کہ اس سے قصاص لو اور قتل کرو، چونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، اس لئے اولیاء مقتول صحابی نے معاف کر دیا۔ (تقریر ترمذی ص۸۳۰)

حدیث سے ماخوذ فوائد :

شارحینؒ نے اس حدیث سے بہت سے فوائد اور مسائل کا استخراج کیا ہے۔ گوشت کا کلام

کرنا آپؐ کا معجزہ ہے کہ بے جان چیز بات کر رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدسؐ کو وہ غائب چیز بھی معلوم ہوگئی، جس کا تعلق شر سے تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زہر بذاتہ کوئی مؤثر چیز نہیں ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ زہر سے قتل، گویا اسلحہ سے قتل ہے، جس پر شرعاً قصاص مرتب ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ کے الفاظ میں اس کی مزید توضیح ملاحظہ ہو۔ وفی الحدیث فوائد کثیرة منها ما اظهره انه من کرامة نبیه حیث کلمه الجماد ولم یوثرفیه السّم وعلم ما غیبه عنه من الثروان السّم لایوثر بذاته ولو کان یوثر بذاته لاثر فیهما حالا وان القتل بالسم کالقتل بالسلاح الذی یوجب القود بشرطه المعروف .

(مناوی ص۲۶۳)

(۱۶۲/۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَكَتَّ لَنَا وَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ.

ترجمہ: ’’امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت ابان بن یزید نے قتادہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اخذ کی اور انہوں نے اسے صحابی رسولؐ حضرت ابوعبیدؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابوعبیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ کے کیلئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار ﷺ کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔

پھر حضورؐ نے دوسری طلب فرمائی۔ میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضورؐ نے اور طلب فرمائی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا، اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔

راویان حدیث (۳۷۷) مسلم بن ابراہیمؒ (۳۷۸) ابان بن یزیدؒ اور (۳۷۹) ابوعبیدؓ کے حالات

''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضوراقدس ﷺ کے لئے ضیافت کا اہتمام :

قال طبخت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدراً طبخت : طبخ سے ہے بمعنی پکانے کے اور بھوننے کے۔قدراً ہانڈی کو کہتے ہیں، وھی بالکسر آنیة یطبخ فیھا (قدر بکسر القاف ایسا برتن جسمیں کوئی چیز پکائی جائے) (مواھب ص ۱۲۸) جمع قدور آتی ہے۔قرآن مجید میں وقدور راسیات (بڑی دیگیں اپنی جگہ رہنے والی) آیا ہے۔ذکر ظرف کا ہے مراد مظروف ہے۔فذکر القدر واراد ما فیہ مجازًا بذکر المحل وارادة الحال (تو یہاں قِدر کا ذکر ہے اوراس سے مراد مجازاً وہ چیز جواسمیں ہو یعنی محل کا ذکر ہے اور مراد حال ہے۔(جمع ص ۲۶۴) وکان یعجبه الذراع فناولته۔(حضور ﷺ کو ذراع (بازو) پسند تھا تو میں نے وہ ہانڈی سے نکال دیا) ظاہرِ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرتبہ حضوراقدسؐ نے طلب نہ فرمایا بلکہ ناوله بلا طلب لعلمه بانه یعجبه ۔(جمع ص ۲۶۴) (کہ آپؐ کو بن مانگے وہ بازو دیا کیونکہ اسے علم تھا کہ آپؐ اس کو پسند فرماتے تھے)

چونکہ حضوراقدس ﷺ کو الذراع محبوب تھا۔اس لیے ارشاد فرمایا ناولنی الذراع یعنی مجھے ایک بازو اور دو،اس کے بعد پھر تیسرا ذراع طلب فرمایا تو حضرت ابوعبیدؓ کہتے ہیں کم للشاة من ذراع (بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں) یہ استفہام کے لیے ہے یا تعجب کے لیے انکار کے لیے نہیں ہے۔لا نه لا یلیق بالمقام۔(کیونکہ انکار کرنا اس مقام کے مناسب نہیں) (مناوی وجمع ص ۲۶۴) علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں استفہام میں اگرچہ انکار نہیں ہے،مگر سوء ادب ہے اور عدم امتثال امر ہے۔فلذلک عاد علیه شئو م عدم الامتثال بان حرم مشاھدة المعجزة وھی ان یخلق اللہ ذراعاً بعد ذراع ۔(موھب ص ۱۲۸) (اس لیے تو حکم نہ ماننے کی شومی سے آپؐ کے معجزہ کے مشاہدہ کرنے سے محروم ہوا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دیگ سے بازو کے بعد اور بازو پیدا کر کے دیتے)

ایک اعتراض کا جواب :

بظاہر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ گزشتہ روایات سے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے لحم و

خبز سے کبھی سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا جبکہ اس روایت میں ہے کہ دو ذراع تناول فرمائے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ سابقہ روایات میں یومین متتابعین یا فی یوم مرتین (دو دن مسلسل یا ایک دن میں دوبار) کی نفی ہے۔ مطلقاً ایک وقت کے شبع کی نفی نہیں کی گئی۔ جب کہ حدیث زیر بحث میں ایک وقت کی بات ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس وقت دو ذراع سے سیر ہو گئے تھے، ورنہ تیسرے کا مطالبہ کیوں فرماتے بلکہ صحابیؓ کے ذراع لانے کے بعد ظاہر ہے کہ سب شرکاء نے اس سے کھایا ہو۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کا قسم کھانے کا انداز :

فقال والذی نفسی بیدہ ! یہاں پر نفسی سے روح یا جسد یا دونوں مراد لیئے جاسکتے ہیں۔ ای روحی او جسدی اوھمابیدہ: ای بقدرتہ و قوتہ و ارادتہ ان شاء أبقاہ وان شاء افناہ (یعنی میری روح یا بدن یا دونوں اسی ذات کی قدرت طاقت اور اختیار میں ہیں چاہے تو ان کو باقی رکھے اور چاہے ان کو فنا کر دے) (مناوی ص ۲۶۴) حضور اقدس ﷺ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے یہ عادت مبارک تھی۔ مقصد یہ تھا کہ میری ذات تو رب تعالیٰ کی منقاد ہے۔ لا افعل الا مایرید۔ (کہ میں نہیں کرتا مگر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے) یہ روایت "من احادیث الصفات وایتھا" سے ہے، اس میں دو مذھب مشہور ہیں۔ (۱) التاویل اجمالاً: وھو تنزیہ اللہ تعالی عن ظواھرھا و تفویض التفصیل الیہ سبحانہ و تعالیٰ وھو مذھب اکثر السلف (۲) والتاویل تفصیلاً: وھو مختار اکثر الخلف (جمع ص ۲۶۴) (صفات کے بارے میں مختصر اور اجمالی تاویل یہ کہ ان کے ظاہری معانی سے اسکی ذات منزہ اور پاک ہے اور انکی پوری تفصیل اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سپرد ہے اور یہی اسلاف اور متقدمین کا مذھب ہے (یعنی وہ فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذلک۔

(۲) اور تفصیلی تاویلات اور معانی بتلانا یہ متأخرین کے نزدیک پسندیدہ ہیں)

معجزات کا وقوع کب ہوتا ہے :

لو سکت الخ، اگر تم خاموش رہتے اور اس قدر بات نہ کرتے، ای سکت عماقلت من الا

ستبعاد وامتثلت امری فی مناولة المراد (یعنی اگر آپ اسکو مستبعد اور ناممکن ہونے کے باوجود خاموشی سے میرے حکم کا امتثال کرتے ہوئے تیسرے بازو نکالنے کے لیے) بغیر پس وپیش کے چلے جاتے) (جمع ص ۲۶۵) تو ہانڈی سے ذراع نکالتے رہتے، جب تک میں طلب کرتا رہتا، گویا معجزہ ظاہر ہوتا، جو اللہ کی طرف سے ایک انعام ہوتا۔ بظاہر اس پر بھی ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحروں سے بہت سا کلام اور سوال وجواب کرتے رہے، مگر ان کا معجزہ ظاہر ہوکر رہا، مگر حضور اقدس ﷺ کا معجزہ صحابی کے محض کلام قلیل کی وجہ سے کیوں رک گیا؟

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، قیل انما منع کلامه تلک المعجزة لا نه شغل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن التوجه الی ربه بالتو جه الیه اوالی جواب سؤاله فان الغالب ان خارق العادة یکون فی حالة الفناء للا نبیاء والا ولیا ء و علم الشعور عن السواء حتی فی تلک الحالة لا یعرفون انفسهم فکیف فی حال غیرهم. (جمع ص ۲۶۵)

یعنی صحابی کی گفتگو نے معجزہ کے وقوع کو روک دیا کہ آپ ﷺ کی توجہ کامل جو اللہ تعالیٰ کی طرف تھی، اس گفتگو کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گئی اور صحابی کی طرف مبذول ہوگئی یا اس کا جواب دینے کی طرف، کیونکہ بسا اوقات معجزہ اور کرامات، انبیاء کے اور اولیاء کے حالتِ فنا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو اس وقت ماسوی اللہ کا شعور نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کیفیت میں وہ خود کو بھی نہیں پہچانتے تو جب اپنے نفس کے متعلق یہ فراموشی ہو تو دوسروں کے حال کو کیا پہچانیں گے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے وقت ساحروں سے کلام ختم ہو چکا تھا۔ جب عصا ڈالا اور وہ بھی اللہ کے حکم سے، تو اس وقتِ خاص میں ان کی توجہ تام اللہ ہی کی طرف تھی۔ اس وقت نہ تو انہوں نے کسی کی طرف توجہ کی اور نہ کسی سے کلام کیا، مگر آپؐ کو صحابی کی طرف توجہ دینی پڑی تو فنائیت سے توجہ ہٹ کر خلق اللہ پر آگئی معجزہ بند ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ درحقیقت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام واکرام تھا، اگر صحابی انقیادِ تام کے ساتھ آپؐ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کرتے رہتے، تو وہ باقی رہتا، مگر ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی، جو موقع کے مناسب نہ تھی۔ ادب واطاعت کا مطلوبہ معیار نہ

تھا۔ اس لیے وہ انعام اور اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔ (مناوی ص ۲۶۵) بہر حال یہ حضور ﷺ کا شان اعجاز ہے۔ مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنیٰ حضرت ابو رافعؓ سے بھی منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہوں اور یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

کھانے میں برکت کے معجزات :

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ نے ''الشفا'' میں چند واقعات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تلخیص اور مفہوم نقل کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کے دس دانوں سے زائد نہ تھے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی ساری متاع بتادی کہ اس وقت تو میرے پاس اس تھیلی میں کھجور کے چند دانے ہیں، جن کی تعداد بھی دس سے زائد نہیں۔ آپؐ نے اس سے چند دانے نکالے اور دستر خوان پر ڈال دئے، انہیں پھیلا دیا اور پھر دعا پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ دس افراد کو بلاتے رہو اور کھلاتے رہو، اس ترتیب سے پورا لشکر آتا رہا اور کھاتا رہا۔ تمام لشکر نے کھجوریں سیر ہو کر کھائیں، جو بچ گئیں فرمایا انہیں واپس تھیلی میں ڈالو، فرمایا ہمیشہ اسی تھیلی سے کھجور نکال کر کھاتے رہنا اور کبھی بھی اسے الٹ کر خالی نہ کرنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس تھیلی سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا بھی رہا اور کھلاتا بھی رہا، حتیٰ کہ آپؐ کا دور مسعود گذر گیا، پھر حضرت ابو بکرؓ کا زمانۂ خلافت آیا وہ بھی گزر گیا، حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا، وہ بھی گذر گیا، حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کا دور آیا، تب تک میں تھیلی سے کئی وسق کھجور نکال کر کھا چکا تھا اور کھلا چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں شر پسندوں نے ان پر حملہ کر کے جب انہیں شہید کر دیا، تو اس افراتفری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ تھیلی کسی نے زبردستی چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کے چھن جانے کا بہت افسوس ہوا، ارشاد فرمایا .... ؎

للناس همّ ولي اليوم همّان   هَمُّ الجراب وهَمُّ الشيخ عثمان

(کہ آج لوگوں کو صرف ایک ہی فکر و غم ہے اور مجھے دو غم ہیں ایک تھیلی گم ہونے کا اور دوسرا حضرت

عثمانؓ کی شہادت کا)

(۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی دعوت کی اور اتنا کھانا تیار کیا، جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شرفاء انصار میں سے تیس (۳۰) آدمیوں کو بُلا لاؤ۔ وہ بلا کر لے آئے اور ان کے کھانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، اب ساٹھ آدمیوں کو بلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بلایا۔ غرض ایک سواسی (۱۸۰) نفر کو یہ کھانا کافی ہو گیا۔ (۳) حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھاتا رہا۔

(۴) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لیے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے ملیدہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ اور جو تمہیں ملے، اس کو بھی بلا لینا۔ میں ان لوگوں کو بلا کر لایا اور جو ملتا رہا، اس کو بھی بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پُر ہو گئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے، تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اٹھا لو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اٹھایا اس وقت زیادہ پُر تھا۔ غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور ﷺ کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجمعوں میں پیش آئے ہیں۔ ایسے واقعات کو خلاف واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے اور جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے، وہ خلاف واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ (خصائل)

(۱۶۳/۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَبَّادٍ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ مَاكَانَ الذِّرَاعُ اَحَبَّ اللَّحْمِ اِلٰى رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهٗ كَانَ لَا

يَجِدُ اللَّحْمَ اِلَّا غِبًّا وَ كَانَ يَعْجِلُ اِلَيْهَا لِاَ نَّهَا اَعْجَلُهَا نُضْجًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانیؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحییٰ بن عباد نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن زبیرؓ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضورؐ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے، اس لیے حضورؐ اس کو پسند فرماتے تھے، تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغلِ علمیہ میں مصروف ہوں۔

راویان حدیث (۳۸۰) فلیح بن سلیمانؒ اور (۳۸۱) عبد الوھاب بن یحییٰ بن عبادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذراع کا گوشت کیوں پسند تھا ؟

عن عائشة قالت ما كان الذراع.....الخ، حضور اقدس ﷺ کو بکری کے ذراع (اگلے پائے گوشت) پسند تھا۔ اس کی بہت سے وجوہات ہوسکتی ہیں۔ سیدہ عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ وہ جلدی پک کر تیار ہوتا تھا اور زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتی تھی۔ اس سے وقت کی بچت ہوتی اور دین کے دیگر امور سرانجام دینے کے لیے وقت میسّر آجاتا۔ یہ حدیث اور اس طرح کی تمام احادیث کا مدلول یہی ہے کہ آپ ﷺ کو ذراع کا گوشت پسند تھا۔ تاہم حضور ﷺ کی یہ رغبت اور پسندیدگی تمام میلان خاطر اور اشتہاء کے درجہ کی نہ تھی، جو آپؐ کے شان والا کے مناسب نہیں۔

انه كان يحبه محبة طبيعية غريزية ولا محذور في ذلك لانه من كمال الخلقة والمحذور المنافي للكمال عناء النفس واجتهادها في تحصيل ذلك و تألمها لفقده۔ (مواهب ص ۱۲۹) (آپؐ ذراع کے گوشت سے طبعی اور فطری طور پر محبت کیا کرتے اور اس میں شرعاً کوئی حرج اور ممانعت بھی نہیں اس لیے کہ یہ بات فطرت اور خلقت کے کمال ہی کی وجہ سے ہو بلکہ کمال کے منافی کسی چیز سے وہی محبت ہے جس میں نفس کو محنت و مشقت میں مبتلا کر کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ حاصل ہو جانے کی صورت میں پریشانی اور تکلیف ہو)

(۱۶۴/۲۰) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ سَمِعْتُ شَيْخًا مِنْ فَهْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابواحمد نے اور اس کے پاس مسعر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے فہم کے ایک شیخ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

راوی حدیث (۳۸۲) شیخاً من فھم کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیٹھ کا گوشت اطیب ہے :

ان اطیب اللحم لحم الظھر : یعنی زیادہ لذیذ، زیادہ لطیف گوشت، فاطیب بمعنیٰ احسن کے۔ او معناہ اطھر لکونہ ابعد من الاذی . (جمع ص ۲۶۷) (اور یا یہ مطلب کہ وہ پاک و صاف ہے کیونکہ اس کے کھانے میں کسی قسم کی مشقت اور تکلیف نہیں ہے)

اس روایت میں جانور کی پیٹھ کے گوشت کو بہترین گوشت قرار دیا گیا ہے، جو ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ملصق ہوتا ہے۔ کھانے میں لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے۔ یہ ان روایات کے خلاف نہیں، جن میں ذراع کو پسندیدہ گوشت قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دونوں میں مختلف جہات سے پسندیدگی اور عمدگی کی ترجیحات ہوسکتی ہیں، مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشے نہ ہونے کے لحاظ سے یا چکنا ہونے کے لحاظ سے وغیرہ وغیرہ بہرحال مختلف جہات اور مختلف لحاظ سے کئی چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہوسکتی ہیں۔

گردن کا گوشت بھی پسند تھا :

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا۔ کان یحب الرقبة، جیسا کہ ضباعة بنت الزبیر کی روایت میں آیا ہے۔ انہوں نے بکری ذبح کی۔ حضور اقدس ﷺ کو علم ہوا تو پیغام بھیجا کہ ''اَن اطعمینا من شاتکم'' (کہ ہمیں بھی اپنی بکری سے کھلایئے) انہوں نے جواب بھیجا کہ

گوشت تو سارا تقسیم ہو چکا ہے بما بقی عندی الا الرقبة (میرے پاس تو گردن کے علاوہ کچھ بھی نہیں)اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں گردن پیش کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا یہی ہمارے لیے بھیج دو۔ ''فانها هدية الشاة و اقرب الشاة الى الخير و ابعدها من الاذى'' (یہ تو بکری کا ہدیہ ہے)(اتحافات ص ۲۲۴)

بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں :

جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ بکری کے سات (۷) اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ کپورہ، حرام مغز، خون، پتہ نر و مادہ کی شرمگاہ، غدود اور مثانہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : وورد انه ﷺ كان يكره من الشاة سبعاً المرارة، والمثانة، والحياء (اى الفرج و الذكر والا نشيين) والغدة والدم۔ (جمع ۲۴۶)

(۱۶۵/۲۱) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُؤَمَّلِ عَنِ ابْنِ اَبِى مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زید بن حباب نے بیان کیا اور عبداللہ بن المؤمل سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی ملیکۃ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

نعم الا دام الخل ! اس حدیث کی تشریح باب ھذا کی پہلی روایت کے ضمن میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ وكان المناسب ذكره فى أول الباب ۔(اتحافات ص ۲۲۴) (اور اسکا ذکر شروع کتاب میں مناسب تھا)

(۱۶۶/۲۲) حَدَّثَنَا اَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ ثَابِتٍ اَبِى حَمْزَةَ

الثُّمَالِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اُمِّ هَانِي قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْئٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَ خَلٌّ فَقَالَ هَاتِي مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوکریب محمد بن العلاء نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابوبکر بن عیاش نے بیان کی، وہ ثابت ابوحمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے شعبی سے نقل کی۔ وہ یہ روایت ام ہانیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (حضورؐ کی چچازاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (فتح مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، جس میں سرکہ ہو۔

راویان حدیث (۳۸۳) ابوبکر بن عیاشؒ (۳۸۴) ثابت ابی حمزہؒ اور (۳۸۵) ام ھانیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اُم ہانیؓ کے گھر ورودِ مسعود؛ خشک ٹکڑوں اور سرکہ سے ضیافت :

حضرت ام ہانیؓ کی روایت یہاں مختصر منقول ہے، مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے۔ زیادہ مفصل ہے۔ ہم ذیل میں مناوی سے اسے نقل کر رہے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس روز مکۃ المکرمہ فتح ہوا، اسی روز حضور اقدس ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وکان جائعاً فقال لها عندک طعام اکله؟ (اور حضور ﷺ بھوکے تھے آپؐ نے فرمایا آپ کے پاس کوئی کھانا ہے کہ میں اسکو کھالوں) انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ! خشک روٹی کے ٹکڑے ہیں اور مجھے حیاء آتی ہے کہ وہ پیش کروں، ارشاد فرمایا، نہیں لے آؤ، آپؐ نے اس کے ٹکڑے کیئے، پانی میں بھگوئے، نمک ملایا، پھر دریافت فرمایا، ما من ادام؟ یعنی کچھ سالن بھی۔ حضرت ام ہانیؓ نے عرض کیا، ما عندی الا شیء من خلّ (کہ میرے پاس تو تھوڑے سے سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے) آپؐ نے فرمایا اسے لے آیئے، لایا گیا، تو آپؐ نے اسے روٹی پر ڈالا اور کھانا تناول فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر ارشاد فرمایا: نعم الادام الخل یا ام ھانی (اے ام ھانی سرکہ اچھا سالن

ہے) جس گھر میں سرکہ موجود ہو، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، لا یقفر بیت فیه خل ۔ (مناوی ص ۲۶۸) وفی الباب ایضاً عن ام سعد عن ابن ماجة قال دخل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی عائشة و انا عند ها فقال هل من غداء فقالت عند نا خبز و تمر و خل فقال نعم الا دام الخل، اللهم بارک فی الخل فانه ادام الا نبیا ء قبلی ولم یفقر بیت فیه خل . (مواهب ص ۱۳۰) (اس باب میں ام سعد کی ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور میں بھی وہاں تھی آپؐ نے فرمایا کوئی غداء (صبح کا کھانا) ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمارے پاس روٹی کھجور اور سرکہ ہے پس آپؐ نے فرمایا بہترین سالن سرکہ ہے اے اللہ! سرکے میں برکت ڈالدے یہ تو مجھ سے پہلے پیغمبروں کا سالن تھا اور وہ گھر خالی نہیں جس میں سرکہ ہو)۔ (مواہب ص ۱۳)

خورد ونوش وسیلہ ہیں مقصد نہیں :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے ہاں خورد ونوش وسیلہ تھا، مقصد نہ تھا اور وسیلہ بھی بدرجۂ اضطرار وضرورت کے۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو رشتہ داری ہو، باہمی اعتماد ہو اور تعلق مخلصانہ ہو، وہاں کھانے کی طلب اور سوال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ روٹی اور سرکہ بلکہ ہر کھانے کی چیز کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے کہ کفرانِ نعمت ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : ثم فی الحدیث الحث علی عدم النظر للخبز والخل بعین الاحتقار و انه لا بأس بسؤال الطعام ممن لا یستحی السائل منة لصد ق المحبة والعلم بمودة المسئول لذالک . (جمع ص ۲۶۸)

(۱۶۷/۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِیِّ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَی النِّسَآءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَآئِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مثنی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن

جعفر نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبہ سے اور انہوں نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے مرہ ہمدانی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت ابوموسیٰ سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

راوی حدیث (۳۸۶) عمرو بن مرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال فضل عائشة ! یا تو مطلق فضیلت مراد ہے یا اپنے زمانے کی عورتوں پر فضیلت مراد ہے یا پھر ازواج مطہرات پر فضیلت مراد ہے۔

ثرید کی فضیلت اور برکات :

ثرید : فعیل کے وزن پر ہے۔ بمعنی مفعول یعنی مثرود کے۔ ضرب کے باب سے ہے یعنی شوربے میں روٹی توڑ کے کھانا خواہ وہ شوربا گوشت کا ہو یا کسی اور سالن کا۔ وھو الخبز المأدوم بالمرق و الغالب ان یکون مع اللحم. (اتحافات ص ۲۲۵) اس کا معنی خلط کرنا اور ملانا بھی نقل ہوا ہے۔ ثرد الثوب یعنی کپڑے میں رنگ ملا دیا، جبکہ ثرید میں بھی روٹی اور سالن کو مخلوط کر کے ملا دیا جاتا ہے۔ ویسے تو طعام کے بہت سے اقسام ہیں، مگر منافع کے لحاظ سے ثرید افضل ہے کہ اس کے کھانے میں مشقت نہیں ہوتی۔ وقت کم صرف ہوتا ہے، جلدی ہضم ہوتا ہے۔ تغذیہ اور تنمیہ کے اعتبار سے افضل ہے۔

علامہ بیجوریؒ بھی تقریباً یہی نقل کر رہے ہیں :و وجه فضل الثرید علی الطعام مافی الثرید من النفع و سھو لة مساغه و تیسر تنا وله و بلوغ الکفایة منه بسرعة و اللذة و القوة و قلة المشقة فی المضغ. (مواھب ص ۱۳۱)

ابوداؤد میں حدیث ہے، احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الثرید من الخبز و الثرید من الحیس (نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا اور روٹی کا ثرید یا حیس (کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا ہوا کھانا) کا ثرید تھا) حضرت سلمانؓ سے طبرانی اور بیہقی نے روایت نقل کی ہے، البرکة فی ثلاثة

فی الجماعة و الثرید والسحور (برکت تین چیزوں میں ہے (۱) جماعت (۲) ثرید (۳) سحری کھانا) اطباء سے منقول ہے کہ ثرید کے کھانے سے بوڑھے بھی جوان ہو جاتے ہیں ...... و قال الا طباء هو یعید الشیخ الی صباه۔ (جمع ۲۶۹)

سیدہ عائشہؓ کی فضیلت :

حدیث میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ میں جو فضائل تکوینی طور پر جمع ہوئے ہیں، وہ تمام صفات بیک وقت کسی بھی عورت میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً وہ افضل الانبیاء کے حبالۂ عقد میں آئی ہیں۔ واحب النساء الیه صلی اللّٰه علیه وسلم واعلمهن و احسبهن وانسبهن ۔ (جمع ص ۲۶۹) (حضور ﷺ کی محبوب ترین بیوی اور سب سے زیادہ عالمہ اور شرافت نسب کے لحاظ سے بڑھی ہوئی) حضرت خدیجہؓ کے بھی فضائل ہیں اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بھی فضائل ہیں، مگر ان کے جہات اور ہیں، لیکن ایسی هیئةِ جامعة جو ثرید کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو، صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے۔ اس لیے علماء نے کہا کہ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو جمیع عالم کی تمام نساء پر من جمیع الوجوہ فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ثرید کی فضیلت بھی دیگر اطعمہ پر من کل الوجوہ نہیں (ساری سورتوں میں نہیں ہے) بلکہ من جهاتِ مخصوصةِ (مخصوص وجوہ میں) ہے۔ وهو لا یستلزم الا فضیلة من کل الوجوه ۔ تو یہ من کل الوجوہ افضلیت کو لازم نہیں (جمع ص ۲۶۹) حالانکہ صحیح روایات میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ کی بھی دیگر خواتین پر فضیلت منقول ہے۔

فضیلت ثرید سے فضیلت عائشہ کی تمثیل کیوں ؟

قال الطیبیؒ والسرّفیه ان الثرید مع اللحم جامع بین القوة وللذة و سهو لة التناول و قلة المدة فی المضغ فضرب به مثلاً لیؤذن با نها اعطیت مع حسن الخلق وحسن الخلق و حلاوة النطق و فصاحة اللهجة و جودة القریحة و رزانة الرأی و رصانة العقل التحبب الی البعل فهی تصلح للتبعّل والتحدث اولا ستئا س بها والا صغاء الیها وحسبک انها عقلت من النبی صلی اللّٰه

علیہ وسلم مالم یعقل غیرھا من النساء وروت مالم یر و مثلھا من الرجال. (جمع ص۲۶۹)(علامہ طیبیؒ اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں راز یہ ہے کہ ثرید بمع گوشت چونکہ قوۃ لذت، تناول کرنے میں سہولت اور چبانے میں قلت وقت جیسے اوصاف کا جامع ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں اس کو بغرض تمثیل کے لایا گیا تا کہ یہ بتلایا جائے کہ بیشک حضرت عائشہؓ کو حسنِ صورت، حسنِ سیرت، میٹھی فصیح زبان، اچھی طبیعت، عقل اور رائے میں مکمل سنجیدگی اور مضبوطی جیسے اوصاف کیساتھ ساتھ اپنے خاوند کے ساتھ الفت محبت اور انتہائی پیار تھا۔ اس لیے تو صرف حضرت عائشہؓ ہی فرمانبردار بیوی ہونے، گفتگو اور کلام کرنے، انس اور محبت کرنے اور راز کی بات کو غور و تدبر سے سننے کی صلاحیت رکھتی تھی اور آپ لوگوں کے لیے تو صرف یہی بات کافی ہے کہ اس نے حضورؐ سے ایسی ایسی باتیں اور معلومات سمجھیں جو عورتوں میں سے کسی دوسری نے نہیں سمجھیں اور ایسی روایات آپؐ سے نقل کی ہیں جو دوسرے مردوں نے نہیں کی ہیں)

خواتین میں سب سے افضل کون ؟

علماء میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ دنیا بھر کی خواتین میں سب سے زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے؟ والدۂ عیسیٰؑ ، حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ۔ چاروں کے متعلق علیحدہ علیحدہ روایات میں فضیلت کی تصریح ہے۔ حضرت مریمؑ کو خود اللہ پاک نے صدیقہ کا خطاب دیا ہے کہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نبی علیہ السلام کی سب سے پہلی رفیقہ اور خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد "الفاطمة بضعة منی" اور سیدۃ نساء اھل الجنة (فاطمہؓ میرے وجود کا ٹکڑا ہے، آپ جنت والی عورتوں کی سردار ہیں) کی تصریح ہے، پھر سیدہ عائشہؓ کو حسنِ فقاہت، علم اور ازواج مطہرات میں دوشیزگی کی امتیاز کی وجہ سے فضیلت ہے۔ امت کو ایک تہائی علمِ دین سیدہ عائشہؓ سے پہنچا ہے۔ سورۂ نور کے دو رکوع ان کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ ان سب میں سے کسی بھی خاتون کو من جمیع الوجوہ سب نساء سے افضل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہر خاتون کو مختلف جہات سے اور جزوی اعتبار سے دوسری عوتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جہاتِ فضیلت بھی مختلف ہیں۔ بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی کی والدہ ہونے کے جہت سے حضرت مریمؑ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی جزئیت کے لحاظ سے سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل نہیں۔ اولین رفاقت اور خواتین میں پہلے ایمان لانے اور بحیثیت زوجہ کے مالی اعانت کرنے کی فضیلت حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے۔ تو زوجیت، خدمت، محبت اور اشاعت علم دین میں حضرت عائشہؓ افضل ہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے ان چاروں کے متعلق فضیلت کی احادیث پر بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا۔ والحاصل ان الحیثیات مختلفة والروایات متعارضة والمسألة ظنية والتوقف لا ضرر فيه قطعا فالتسليم اسلم والله تعالیٰ اعلم. (جمع ص ۲۷۰) (خلاصہ بحث یہی ہے کہ ان چاروں کے متعلق افضلیت کی روایات مختلف اور آپس میں متعارض ہیں اور چونکہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور یقیناً اس میں توقف کرنے میں کوئی نقصان اور حرج نہیں اس لیے (اپنی اپنی حیثیت میں) انکی فضیلت کو تسلیم کر لینا ہی بہتر اور محفوظ طریقہ ہے) (جمع مناوی ۲۷)

باب سے مناسبت کی توجیہ :

بظاہر اگر چہ اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی ربط نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ بعید المناسبت ہے۔ الا یقال انه یکون معه ادام (ہاں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ طعام کے ساتھ سالن بھی ہو تو پھر باب کے ساتھ مناسب فائدہ ہے) (مواہب ص ۱۳۱)

(۱۶۸/۲۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ اَلْاَ نْصَارِيُّ اَبُوْ طُوَالَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَآئِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسماعیل بن جعفر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر انصاری ابوطوالہ نے بیان کی۔ یہ ابوطوالہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔

راوی حدیث (۳۸۷) عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال رسول اللہ علی وسلم فضل عائشة ...... الخ ، گزشتہ حدیث میں اس کی تشریح تفصیل سے کی جا چکی ہے۔ ان روایات کے ذکر کرنے سے امام ترمذیؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو کھانوں میں ثرید سے محبت تھی۔ ثرید آپؐ کو پسند تھا، چنانچہ مختلف روایات سے ثرید کے کھانے اور پسند کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵/۱۶۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ ابْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ رَاَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِنْ ثَوْرِ اَقِطٍ ثُمَّ رَاٰهُ اَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَ لَمْ يَتَوَضَّأْ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ اُن کے پاس خبر دی عبد العزیز بن محمد نے۔ سہیل ابن ابی صالح کے واسطہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، جنہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔

راویان حدیث (۳۸۸) عبدالعزیز بن محمدؒ (۳۸۹) سہیل بن ابی صالحؒ اور (۳۹۰) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

ثور : کا معنی ٹکڑا ۔الثور : ھو قطعة من الشي لان الشي ء اذا قطع من الشي ء ثار عنه و ازال و في القاموس الثور: القطعة العظيمة من الا قط فالا ضا فة لا غية وھو لبن يجمد بنار. (علامہ مناویؒ ثور کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز سے کاٹی جائے تو وہ اس سے جدا ہوگئی (اور اسی کو ٹکڑا کہتے ہیں) اور قاموس میں ہے کہ ثور پنیر کے ایک بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں (تو اس صورت میں) پھر ثور اقط کی اضافت لاغیہ (لغو) ہوگی اور اقط کا معنی ایسا دودھ جو آگ کیساتھ منجمد کیا گیا ہو) (مناوی ١٧١) ثور، اقط کا معنی ایک ہی ہے۔لفظ ثور کو ٹکڑے کے معنی میں مجرد کرلیں اور اقط کو پنیر کے معنی میں لے لیں یا اضافت ہے، سعید کرز والی، کہ مضاف الیہ مضاف کا بیان ہے ففيه تجريد و بيان و تاكيد. (جمع ص ١٧١) (تو پھر ثور اقط میں تجرید اور بیان وتاکید ہوگی۔ (یعنی اقط بیان اور تاکید ثور کی ہے)

ما مست النار سے وضوء کا حکم :

عن ابی ھریرة انه رای رسول الله صلی الله علیه وسلم .....الخ اس مضمون کی حدیث اسی باب میں ١٣ویں نمبر پر گذر چکی ہے، جسے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے بکری کے پہلو کا پکا ہوا گوشت کھایا، مگر نماز کے لیے تازہ وضو نہ کیا۔اس روایت میں تصریح ہے کہ پنیر کا ٹکڑا کھا کر وضو بنایا، پھر آپؐ نے کتف شاۃ سے تناول فرمایا اور وضو کیئے بغیر نماز پڑھ لی۔

اسی ضمن میں دونوں طرح کی روایات آئی ہیں۔جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ما مست النار (جو چیز آگ پر پکی ہو) اس سے وضو واجب نہیں ہے۔والذی انتھی الیه النبی صلی الله علیه وسلم ھو علم الوضوء مما مسته النار للحدیث الصحیح الذی اخرجه ابو داؤد عن جابر کان اخر الامرین من رسول الله صلی الله علیه وسلم ترک الو ضوء مما مسته النار . (حضور اقدس ﷺ کا آگ پر پکی ہوئی چیز کے سلسلہ میں آخری فیصلہ یہ ہے کہ آپؐ اسکے کھانے کیوجہ سے وضو نہیں فرماتے تھے۔جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے حدیث صحیح نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ کا آخری

عمل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہ کرنا تھا) (اتحافات ص ۲۲۵) اسی سلسلہ کی تفصیلی بحث احقر کی ''توضیح السنن شرح آثار السنن'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

وضوءِ اوّل وثانی کا محمل :

حدیث باب میں اتنی بات ملحوظ رہے کہ :

(۱) اس حدیث کے ظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں ''الحکم السابق وھو الوضوء من ثور اقط (کہ پہلا حکم یعنی یہ کہ پنیر کے ٹکڑے سے وضو کرنا) حضور اقدس ﷺ کے عمل مبارک ''من اکلہ کتف شاۃ و علم توضئہ'' (حضور ﷺ کا بکری کے پہلو کھانے کے بعد وضوء نہ کرنے) سے منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسے اسی پر لفظ ثم دلالت کرتا ہے جو تراخی کے لیے آتا ہے۔

(۲) بعض حضرات نے یوں تطبیق کی ہے کہ پہلے وضو سے مراد وضوء لغوی ہے وھو غسل الکفین و الفم (ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا اور کلی کرنا) اور دوسرے وضوء سے مراد وضوء شرعی ہے، وھو وضوء الصلاۃ (مکمل وضو یعنی جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے)۔

(۳) بعض حضرات نے اول وثانی دونوں سے مراد وضوء شرعی لیا ہے، و قال فی وضوئہ اولاً و علم وضوئہ ثانیا اشارۃ و تنبیہ علی انہ مستحب لا واجب (کہ پہلی چیز (پنیر کے ٹکڑے) کھانے سے وضو کرنا اور دوسری چیز (بکری کا پختہ پہلو) کھانے سے وضو نہ کرنے میں یہ اشارہ اور تنبیہ کردی کہ وضوء شرعی کرنا مستحب ہے واجب نہیں) (مواھب ص ۱۳۱)

اس توجیہ کی تائید حضرت جابرؓ بن سمرۃ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضا من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضأ وان شئت فلا تتوضأ. (جمع ص ۲۷۲) (کہ بیشک ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا بکریوں کے گوشت کھانے سے ہم وضو کریں آپؐ نے فرمایا کہ اگر مرضی ہو تو پھر وضو کرلیں اور اگر مرضی نہ ہو تو پھر نہ کریں)

(۲۶/۱۷۰) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوٗدَ عَنْ اِبْنِهٖ وَهُوَ بَكْرُ بْنُ

وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَفِيَّةَ بِتَمْرٍ وَسَوِيْقٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد کے واسطہ سے اور انہوں نے اپنے بیٹے سے بیان کی، جن کا نام بکر بن وائل تھا۔ وہ زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔

راویان حدیث (۳۹۱) وائل بن داؤدؒ (۳۹۲) بکر بن وائل بن داؤد اللیثیؒ اور (۳۹۳) صفیہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الولیمۃ کا معنی اور تشریح :

اولم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی صفية بتمر و سویق. یعنی ولیمہ، کیا لفظِ ولیمة: ولم سے ماخوذ ہے، وھو الجمع و زناً ومعنًى لا ن الزوجين يجتمعان. (ولم کا معنی جمع ہے وزن اور معنی دونوں کے لحاظ سے کیونکہ (یہاں ولیمہ میں) بھی دونوں خاوند اور بیوی جمع ہو رہے ہیں) کشاف میں ہے کہ ولیمۃ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں، جو مسرت، خوشی اور سرور کے موقع پر کی جاتی ہے۔ من نكاح وختان و غير هما (یعنی نکاح اور ختنہ وغیرہ) لیکن اب جب ولیمۃ مطلق ذکر کیا جاتا ہے، مراد نکاح کے وقت دعوت کا اہتمام ہوتا ہے اور جب دوسری مسرتوں کے موقع پر دعوت کی جائے، تو ولیمہ مقید ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً......ولیمة الختان وغیره (ولیمہ ختنہ وغیرہ)۔ (جمع ص ۲۷۳)

ولیمہ کا شرعی حکم :

ولیمہ سنت ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد افضل ہے اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے۔

وقال ابن حجر الوليمة طعام يصنع عند عقد النكاح اوبعده وهى سنة مؤكدة والافضل فعلهابعد الدخول اقتداءً به صلى الله عليه وسلم (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ولیمہ ایسا کھانا جو نکاح کیوقت یا

اسکے بعد تیار کیا جائے اور یہ سنت موکدہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو دخول (وطی) کے بعد حضور ﷺ کی اقتداء اور اتباع کے طور پر کیا جائے۔ (جمع ص: ۲۷۳) ولیمہ میں کوئی خاص مقدار اور معیار مقرر نہیں ہے۔ ہر انسان کی اپنی حیثیت پر منحصر ہے، اگر لحم کی طاقت نہ ہو، تو عام کھانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ بتمر وسویق (کھجور اور ستو) پر کیا گیا۔ آپؐ نے ایک بیوی کا ولیمہ حیس پر کیا، جو کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ایک بیوی کا دو مد پر جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک تہائی رطل کے برابر ہے، ایک رطل چالیس تولے کا ہوتا ہے۔

دعوتِ ولیمہ میں عموم ہونا چاہئے جس مین بغیر امتیاز کے امیر غریب ہر طبقہ کے لوگوں کو مدعو کیا جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، سب کھانوں میں برا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے، جس میں مالدار لوگوں کو تو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ شر الطعام طعام الوليمة يدعى له الاغنياء و يترك لها الفقراء.

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا "اولم ولو بشاة" (متفق علیہ) یعنی ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری ہو، مطلب یہ ہے گو تھوڑا ہی سامان ہو مگر کرنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ عورت سے ہم بستری کرنے کے بعد ولیمہ کیا جائے۔ گو بہت سے علماء نے نکاح کے بعد بھی جائز فرمایا ہے اور ولیمہ مستحب ہے۔

(بہشتی زیور حصہ چہارم ص: ۳۴۶)

(۱۷۱/۲۷) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِيْ فَائِدٌ مَوْلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهٖ سَلْمٰى اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ جَعْفَرٍ اَتَوْهَا فَقَالُوْا لَهَا اِصْنَعِیْ لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُحْسِنُ اَكْلَهٗ فَقَالَتْ يٰبُنَیَّ لَا تَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اِصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِنْ شَعِيْرٍ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِیْ قِدْرٍ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

يُحْسِنُ اَكْلَهٗ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن محمد بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے فضیل بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت فائد نے بیان کی، جو کہ عبیداللہ بن علی بن ابی رافع کے آزاد کردہ غلام تھے اور خود ابورافع رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبیداللہ بن علی نے اپنی دادی سلمیٰؓ کے حوالہ سے بیان کی حضرت سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ امام حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰؓ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے، وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمیٰؓ نے کہا کہ پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا۔ (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انہوں نے فرمایا کہ نہیں ضرور پسند آئے گا۔ وہ اٹھیں اور تھوڑے جو لے کر ان کو پیسا پھر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مسالہ پیس کر ڈالا اور پکا کر لا رکھا کہ حضور ﷺ کو یہ پسند تھا۔

راویان حدیث (۳۹۴) الحسین بن محمد البصریؒ (۳۹۵) الفضیل بن سلیمانؒ (۳۹۶) فائد مولیٰ عبیداللہ بن علیؒ (۳۹۷) مولیٰ رسول اللہؐ اور (۳۹۸) سلمیٰؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلمیٰؓ کی خدمت میں صحابہ کرامؓ کی حاضری :

ان الحسن بن علی و ابن عباس .....الخ حسن بن علیؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ تینوں صغار صحابہؓ میں سے ہیں۔ تینوں حضرات کو حضور اقدس ﷺ کے عادات و اطوار، اعمال اور اخلاق و خصائل جاننے، سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ تینوں صحابہؓ حضرت سلمیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ بزرگ شخصیت تھیں۔ جنہیں حضور اقدس ﷺ کی خادمہ اور باورچن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لکونھا کانت خادمۃ المصطفٰی وطباختہ ۔ (مواھب ص۱۳۲) اسی مناسبت سے ان حضرات نے بہت پیارا سوال کیا، جس کے ایک ایک لفظ سے حضور اقدس ﷺ سے ان کی

محبت عشق اور اشتیاق کی خوشبو ٹپکتی ہے، انہوں نے عرض کیا: یعنی سب نے یا ان میں ایک نے' فقالو ! ای بعضهم او کلهم لها اصنعی لنا طعاماً مما کان یعجب رسول الله صلی الله علیه وسلم . ہمارے لیے وہ کھانا تیار کردیں، جو حضور اقدس ﷺ پسند فرماتے تھے فقالت یا بنی ،صیغۂ تصغیر ہے، شفقت کے لیے، والمقصود بالنداء کل واحد منهم او متکلم منهم (اور اس سے مقصود یا تو نداء ان میں سے ہر ایک کو تھی یا جو ان میں پوچھنے والا تھا) (جمع ص ۲۷۴) لاتشتهیه الیوم، فرمایا میرے پیارے بچو! وہ کھانا تو تنگی اور عسرت کے وقت کا کھانا تھا، اب تو طعام میں وسعت ہے اور آسانی و تیسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس کھانے کی طرف توجہ اور رغبت نہ ہو۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں : لسعة العیش وذهاب ضیقه الذی کان اوّلا وقد اعتاد الناس الأطعمة اللذیذة. (مواھب ص ۱۳۲)

یہاں پر حضرت سلمیٰؓ نے اپنے خطاب میں لا تشتهیه سے واحد کو مخاطب کیا حالانکہ مخاطب جماعت تھی۔ اما لانها خاطبت اعظمهم وهو الحسن واما لانها نزلت الجمیع منزلة الواحد لاتحاد بغیتهم (یا تو اس لیے کہ ان میں سے بڑے یعنی حضرت حسنؓ کو خطاب کیا اور یا آپؓ نے سب کو بوجہ ان کے مقصد کے ایک ہونے ایک فرد قرار دیکر خطاب کیا) (اتحافات ص ۲۲۸) اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس نے اصنعی کا خطاب حضرت سلمیٰؓ کو کیا آپؓ کا مخاطب بھی وہی ایک ہوا گرچہ مراد سب تھے۔ واللہ اعلم۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں ہمیں بنا کر دیجئے، چنانچہ اس نے تھوڑا سا جو کا آٹا گوندھ کر ہنڈیا میں ڈالا، پھر زیتون کا تیل، سیاہ مرچ، زیرہ اور توابل وغیرہ ملا کر اس میں ملا دیئے۔ توابل: اشیاء حارة تضاف الی الطعام کالکزبرة و الکمون و مشابههما (اتحافات ص ۲۲۸) یہ توبلۃ کی جمع ہے بمعنی گرم مصالحہ کے، اس کے اجزاء طبی طور پر شریک کیئے جاتے ہیں۔ یہ ہندوستان سے لائے جاتے تھے، وهی ادویة حارة یؤتی بها من الهند ۔ (جمع ص ۲۷۴)

یہ ہے حضور اقدس ﷺ کا پسندیدہ کھانا :

جب کھانا پکا لیا، تو تینوں برخورداروں کے سامنے رکھا اور فرمایا، وهذا مما کان یعجب النبی صلی الله علیه وسلم ویحسن اکله ۔ (یہ وہ کھانا ہے جو حضور ﷺ کو اچھا اور اس کے کھانے کو پسند

فرماتے تھے) علامہ البیجوریؒ لکھتے ہیں و یوخذ من هذا انه صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یحب تطییب الطعام بما تیسّر و سهل وان ذلک لا ینا فی الزهد . (اوراس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کھانے کو آسانی سے میسر شدہ چیزوں کیساتھ لذیذ بنانے کو پسند فرماتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنا زھد اور تقوی کے خلاف نہیں ہے)

(۱۷۲/۲۸) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْیَانَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ نُبَیْحِ الْعَنَزِیِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ اَتَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَنْزِلَنَا فَذَبَحْنَالَهٗ شَاةً فَقَالَ کَاَنَّهُمْ عَلِمُوْا اَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَ فِی الْحَدِیْثِ قِصَّةٌ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں ہمیں اسے ابو احمد نے بیان کیا۔ان کے پاس یہ حدیث سفیان نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت نبیح عنزی سے روایت کی،جنہوں نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔حضور اکرم ﷺ نے (دلداری کے لیے اظہار مسرت کے طور پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے،جس کو مختصر کر دیا گیا۔

راویان حدیث (۳۹۹) الاسود بن قیسؒ اور (۴۰۰) نبیح العنزیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قال اتانا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم .....الخ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ہاں رونق افروز ہوئے فذبحنا له: ای لا جله اصالة ولا صحابه تبعاً . شاة : وهی جنس یتناول الضأن والمعزو الذکر والا نثی جمیعا .(ہم نے آپؐ کے لیے اصالةً اور آپؐ کے صحابہؓ کے

لیے تبعاً بطور خادم ہونے کے ایک بکری ذبح کی اور یہ لفظ شاۃ یہاں بطور جنس کے مستعمل ہے بکری بھیڑ دُنبے وغیرہ چاہے مذکر یا مؤنث سب کو شامل ہے) (جمع ص ۲۷۵) باقی مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

میزبان اور مہمان کے اخلاقی فرائض :

اس حدیث میں میزبان اور مہمان دونوں کے لیے یہ ہدایت بھی ہے کہ میزبان اس کھانے کا اہتمام کرے، جو مہمان کو پسند ہو اور مہمان کو بھی چاہیے کہ میزبان کو پہلے سے اپنی پسند سے آگاہ کر دے تاکہ وہ مشقت میں نہ پڑے جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ذکر کر دیا۔ و یو خذ منه انه ینبغی للمضیف ان یحافظ علی مایحبه الضیف ان عر فه و للضیف ان یخبر بما یحبه مالم یو قع المضیف فی مشقة. (مواھب ص ۱۳۳)

ایک معجزہ کا بیان :

وفی الحدیث قصة : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث مین ایک دلچسپ قصہ اور نرالا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں میں نے جب حضور اقدس ﷺ پر بھوک کے اثرات کا غلبہ دیکھا تو میں بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا ھل عندک شئی رأیت بالنبی صلی اللہ علیه وسلم . جو عاً شدیداً کیا تیرے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے میں نے تو نبی کریم ﷺ پر سخت فاقہ کے آثار دیکھے ہیں) اس نے ایک تھیلا نکالا ، جس میں ایک صاع جو تھے، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک فربہ بکری بھی موجود تھی ، یا دنبہ بھی کہہ سکتے ہیں ۔ اسے میں نے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو کا آٹا گوندھ لیا ، و ذبحتھا انا وطبخت زوجی الشعیر ، پھر ہانڈی میں گوشت ڈالا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے ساری صورت حال عرض کر دی اور یہ بھی عرض کیا ، تعال انت و نفر معک یعنی آپ خود بھی اور چند اصحاب بھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ جو کچھ ماحضر ہے، تناول فرمالیں۔ رحمتہ اللعالمین ﷺ نے میری یہ درخواست سنتے ہی تمام لشکر کو مخاطب کر کے پکارا ، اے اہل خندق ! جابر نے کھانا تیار کیا ہے اور سب کو

دعوت دے رہا ہے اور حضرت جابر سے فرمایا ہانڈی کو چولہے سے نہ اتارو اور جب تک میں نہ آجاؤں روٹی نہ پکاؤ، لاتنزلن برمتکم ولا تخبزن حتی اجئ۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے، تو خمیر شدہ آٹا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس میں لعاب ڈالا، پڑھا اور دم کیا۔ اسی طرح ہانڈی کے قریب تشریف لائے اور اس کے ساتھ بھی یہی عمل کیا، پھر حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ روٹی پکانے والی عورت کو بلاؤ، وہ آپ کے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے چمچ بھر بھر کر سالن نکالتے اور دیتے رہو مگر اسے چولہے سے نہ اتارو۔

لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضرت جابرؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ تمام لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھایا، مگر سالن کی ہانڈی اسی طرح اُبل رہی تھی اور آٹے کا خمیر بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ میں نقل کردی۔ فاقسم باللّٰہ لأکلوا حتی ترکوہ وانحرفوا و ان برمتنا لتغط ای تغلی و یسمع غطیطها کما هی و ان عجیننا لیخبز هذا الحدیث من باب المعجزات و استیفائها یستفاد من المطولات۔ (جمع ص ٢٧٥)

(٢٩/١٧٣) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِیْلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْیَانُ وَاَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهٗ فَدَخَلَ عَلٰی اِمْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهٗ شَاةً فَاَکَلَ مِنْهَا وَاَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ فَاَکَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَ صَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِّنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ فَاَکَلَ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ.

ترجمہ! ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے بیان کیا، انہوں نے جابرؓ سے سنا اور سفیان نے کہا اور ہم سے محمد ابن منکدر نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے کچھ

تناول فرمایا، اس کے بعد کھجور کی چنگیری میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں۔ حضورؐ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر ظہر کی نماز کے لیے حضورؐ نے وضو کر کے نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے باسی گوشت سامنے رکھا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اُسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔

راوی حدیث (۴۰۱) عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ القناع: طباق کو کہتے ہیں۔ الطبق الذی یؤکل علیه و یقال له القنع (بالکسر و بالضم) (ایسا طشت یا ٹرے جس میں کھایا جاتا ہے اور اسکو قناع بھی کہتے ہیں (جمع ص ۲۷۶) طبق یعمل من خوص النخل (ایسی چنگیری جو کھجور کے پتوں سے بنائی جائے (اتحافات ص ۲۲۹) علالة: بچا ہوا گوشت یا بچا ہوا دودھ جو تھن میں رہ جائے۔ (اتحافات ص ۲۲۹)

استنباطِ مسائل :

ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور رطب یعنی تازہ کھجوریں بھی تناول فرمائیں۔

وضوء من مامست النار کے مسئلہ کی بھی توضیح ہوگئی کہ پکا ہوا گوشت کھایا، مگر وضو نہیں فرمایا فذبحت له شاة سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی ذبیحہ کر سکتی ہے اس لیے اسے ذبح کرنے کا طریقہ سکھایا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام کر سکے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی بزرگ شخصیت اور معزز مہمان کی تشریف آوری کے موقع پر بکری دنبہ وغیرہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔ یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی ہوگی۔ اگرچہ حدیث مذکور میں اس طرف اشارہ نہیں، لیکن حضور ﷺ کی عام عادت مبارک تھی کہ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرما لیتے تو ان کے لیے دعا ضرور

فرماتے، وکان اذا اکل عند قوم لم یخرج حتی یدعولھم (اور آپؐ جب کسی قوم کے پاس کوئی چیز کھالیتے تو وہاں سے نکلنے سے پہلے ان لوگوں کے لیے دعا کرلیا کرتے)۔(زاد المعاد ج۲ص۲۵)

ایک اشکال سے جواب :

البتہ ایک اشکال یہ ضرور واقع ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں، "ماشبع فی الیوم مرتین "اور دوسری روایت میں ماشبع قط سے اس کا تعارض ہے کہ اس روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک دن میں دو دفعہ کھانا کھایا اور بچ بھی گیا، جسے بعد میں پھر تناول فرمایا۔ شارحینؒ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے دولت کدہ پر کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا کہ میسر نہ تھا اور اگر میسر ہوا، تو فقراء اور مستحقین میں تقسیم کردیا، جبکہ حدیث میں بیرون خانہ کا واقعہ ہے اور جب آدمی کسی کے ہاں مہمان ہو، تب تو خوب سیر ہو کر اور بار بار کھائے تا کہ میزبان کو مسرت ہو، و یندب ذلک جبرًا لخاطر المضیف و نحوہ . (اور کس کے ہاں مہمان ہونیکی صورت میں میزبان وغیرہ کی دلجوئی کے لیے خوب سیر ہو کر کھانا چاہے (جمع ص ۲۷۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے اپنے علم کے مطابق وہ خبر دی ہو اور اس واقعہ کا اسے علم نہ ہو۔ یا حضرت عائشہ کی روایت کا محمل غالب اوقات ہیں اور یہ روایت علی اقل الاوقات (کبھی کبھار) پر محمول ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فما مر عن عائشة من نفی ذلک انماھو باعتبار علمھا او باعتبار الغالب (جمع ص۲۷۶) اور یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ دن میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا۔ دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تھوڑا سا دوبارہ کھالیا جائے۔(خصائل)

(۱۷۴/۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ اَبِيْ يَعْقُوْبَ عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا

وَشَعِيرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاصِبْ فَإِنَّهُ اَوْفَقُ لَكَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یونس بن محمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث یعقوب بن ابی یعقوب سے اور انہوں نے صحابیہ رسول حضرت ام منذرؓ سے نقل کی۔ ام منذرؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے ساتھ تھے، وہ بھی نوش فرمانے لگے۔ حضورؐ نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو تم مت کھاؤ وہ رک گئے اور حضورؐ تناول فرماتے رہے۔ اُم منذرؓ کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے مناسب ہے۔

راویان حدیث (۴۰۲) یونس بن محمدؒ (۴۰۳) عثمان بن عبدالرحمٰنؒ (۴۰۴) یعقوب بن ابی یعقوبؒ اور (۴۰۵) ام المنذرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

دوال : **دالیہ** کی جمع ہے۔ کھجوروں کا خوشہ، **وهو العذق من البسر يقطع و يعلق فاذا ارطب اكل على التدريج.** (مناوی ص ۲۷۶) (گدری کھجور (نیم پختہ) کا وہ خوشہ جو کاٹ کر لٹکایا جاتا ہے۔ پختہ ہو کر تدریجاً کھایا جاتا ہے) **وقال ابن العربی الدوال العنب المعلق فی شجرة.** (مواہب ص ۱۳۴) (ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ دوال انگور کے اس گچھا کو کہتے ہیں جو درخت میں لٹکا ہوا ہو) **معلقة** ! لٹکا ہوا، تعلیق مصدر ہے بمعنی لٹکانا، ایک کام کو بغیر کئے رہنے دینا۔ **مه** : بازرہ، رُک جا، اسم فعل **بمعنى الامر اى اكفف ولا تاكل منه** (جمع ص ۲۷۶) (لفظ مہ اسم فعل بمعنی امر کے ہے یعنی رُک جا اور اس سے نہ کھایئے) **من نقه الشخص اذا برئ من المرض** ۔ (جمع ص ۲۷۶) (لفظ **ناقةٌ** صیغہ اسم فاعل از **نقه الشخص** سے ماخوذ ہے جبکہ ایک شخص ابھی بیماری سے صحتیاب ہوا ہو)

الاحوال الثلاثة الصحة والمرض والنقاهة و هی حالة بین الحالین الاوّلین (جمع ص ۲۷۷) (انسان) کی تین حالتیں یہ ہیں۔ (۱) صحت (۲) بیماری (۳) نقاہت اور وہ دونوں سابقہ حالتوں کی درمیانی حالت کو کہتے ہیں) نـقه' تب بولا جاتا ہے، جب آدمی ماندہ ہو اور مرض سے ابھی صحت یاب ہوا ہو، اسی سے نقاہب بولا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ بھی ابھی تازہ مرض سے صحت یاب ہوئے تھے کمزوری او رنقاہت تھی، اس لئے پرہیز کی ترغیب دی گئی۔ سلق : چقندر کو کہتے ہیں۔

کھڑے ہو کر کھانا :

فجعل رسول الله صلی الله علیه وسلم یاکل و علی معه یاکل . (آپؐ اور حضرت علیؓ (کھجور کے لٹکے ہوئے خوشہ سے) کھا رہے تھے) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کھڑے ہو کر کھانے کا بلا کراہت جواز معلوم ہوتا ہے، تاہم اس کا ترک افضل ہے۔ ''فیه جواز الاکل قائمًا بلا کراهة لکن ترکه افضل کما فی الانوار''۔ (مناوی ص ۲۷۷)

اسباب کی رعایت اور پرہیز :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں، و یؤخذ من هذا ان التداوی مشروع ولاینافی التوکل ۔ (مواہب ص ۱۳۵) اس حدیث سے علاج معالجہ کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ توکل کے منافی نہیں ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لاغر و کمزور اور نقاہت والے شخص کیلئے سلق وشعیر نافع ہے۔ لا سیماً اذا طبخ باصول السلق ۔ (مواہب ص ۱۳۵) (خصوصاً جب چقندر کی جڑوں کے ساتھ پکائے جائیں) اور ناقہ کیلئے فواکہ بالخصوص کھجور اور انگور مضرت رساں ہیں ۔ لضعف المعدة عن دفعها مع سرعة استحالتها (مواہب ص ۱۳۵) (اس لئے کہ معدہ ان کی قوتِ مدافعت سے کمزور ہوگا اور ان کا استحالہ بھی جلدی ہو جائے گا) اما الرطب والفاکة فانهما ثقیلان علی معدة الناقة ۔ (اتحافات ص ۲۳۰) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ کھجور اور میوہ بیمار اور نقاہت والے شخص کے معدہ پر بوجھل ہوتے ہیں)

حدیث میں پرہیز کی تعلیم وترغیب بھی ہے۔ مرض کے علاج میں پرہیز ایک مؤثر عنصر ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے طب نبوی میں لکھا ہے کہ پرہیز شرعاً مشروع اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حصہ ہے، جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۷۵/۳۱) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَأَقُوْلُ لَا قَالَتْ فَيَقُوْلُ إِنِّيْ صَائِمٌ قَالَتْ فَأَتَانَا يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ أُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْس " قَالَ أَمَا إِنِّيْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ أَكَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن سری نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان ثوری سے طلحہ بن یحییٰ کے واسطہ سے روایت کی۔ اس نے عائشہ بن طلحہؒ سے اور انہوں نے یہ روایت عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاکر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے۔ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں، تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کرلیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے، میں نے عرض کیا کہ کھجور کا ملیدہ ہے۔ آپؐ نے فرمای کہ میں نے تو روزہ کا خیال کر رکھا تھا، پھر حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔

راویان حدیث (۴۰۶) بشر بن السریؒ (۴۰۷) طلحۃ بن یحییؒ اور (۴۰۸) عائشۃ بنت طلحہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح:

غداء: صبح کے کھانے کو کہتے ہیں ھو الطعام الذی یؤکل اوّل النھار، اس کے مقابلہ میں عَشاء ہے جو شام کے کھانے کو کہتے ہیں۔ الغذاء: کھائی جانے والی خوراک کو کہتے ہیں ھو ما یؤکل علی وجہ التغذّی مطلقًا فیشمل العشاء کما یشمل الغداء۔ (مواہب ص ۱۳۵) غذا ہر وہ چیز جو

بغور تغذی (غذاء حاصل کرنے) استعمال ہو، اس لئے عَشاء (رات کے کھانے) کو بھی شامل ہے جیسے کہ غداء (صبح کے کھانے) کو شامل ہے۔

حیس : ایک خاص قسم کا کھانا یا حلوہ جو کھجور، گھی اور پنیر کو ملا کر تیار کیا جاتا تھا، وھو التمر، مع السمن والاقط و قد یجعل عوض الاقط الدقیق وقال الشاعر ....

اذا تکون کریھۃ ادعٰی لھا — واذا یحاس الحیس یدعٰی جندب

ھذا وجدّکم الصغار بعینہٖ — لا ام لی ان کان ذاک ولا اب

عجب لتلک قضیۃٍ و اقامتی — فیکم علی تلک القضیۃ اعجب

(مواہب ص ۱۳۵)

(اور کبھی پنیر کی بجائے آٹا ملایا جاتا ہے، شاعر کہتے ہیں : اور جب مشکل اور مصیبت درپیش ہو تو میں بلایا جاتا ہوں اور جب حلوہ اور حیس تیار ہو جاتا ہے تو پھر جندب کو بلایا جاتا ہے، تمہارے آباء واجداد کی قسم یہی تو بعینہٖ ذلت اور خواری ہے۔ اگر حالت ایسی ہو تو میرے ماں باپ نہ ہوں یعنی ہلاک ہو جائیں، اس واقعے سے بڑا تعجب اور حیرانگی ہے اور اس سے بڑی حیران کن بات تو اس حالت میں میرا تمہارے ساتھ ٹھہرنا اور قیام ہے)

نفلی روزے کی نیت کا وقت :

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک تو یہ کہ نفلی روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ شافعیہ رحمھم اللہ عنھم کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ کی نیت بھی رات ہی سے کر لی جائے۔ البتہ کوئی عارض پیش آئے، تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔

نفلی روزے کے توڑنے کا حکم :

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفلی روزہ رکھے، تو اس کے توڑ دینے کا اختیار رہے۔ یہ مذہب

شافعیہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت **و لا تبطلوا اعمالکم** (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بنا پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث کی وجہ سے چونکہ روزہ توڑنا معلوم ہوتا ہے، اس لئے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جاوے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو، تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہئے اور بلاضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضوراقدس ﷺ کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی۔ البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔

مسئلہ : اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آوے، تو حنفیہؒ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کرلو۔ (خصائل ص ۱۰۱)

ملاعلی قاریؒ نے حدیث مذکور سے اظہار عبادت برائے مصلحت یا تعلیم مسئلہ اور اپنی حالت کے بیان کرنے پر استدلال کیا ہے۔ **ففیہ دلیل علی اظہار العبادۃ لحاجۃ و مصلحۃ کتعلیم مسئلۃ و بیان حالۃ انتہی** (جمع ص ۲۷۸) اور علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: **وفیہ حل اکلہ صلی اللہ علیہ وسلم الھدیۃ** (اور اس حدیث سے حضور ﷺ کا ہدیہ کو تناول فرمانے کا جواز اور حلت معلوم ہوتی ہے) (مناوی ص ۲۷۸)

(۱۷۶/۳۲) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِىْ يَحْيَى الْاَ سْلَمِيّ عَنْ يَزِيْدَ بن اَبِىْ اُمَيَّةَ الْاَ عْوَرِ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ فَاَكَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے باپ نے محمد بن ابی

یحیٰ اسلمی کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابی امیہ اعور سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت یوسف بن عبداللہ بن سلام سے سنی۔ یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضورؐ نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اور نوش فرما لیا۔ ترجمہ بالا روایت کے مذکورہ الفاظ کا ہے، جو کے اکثر نسخ شمائل کی عبارت ہے۔ بعض نسخ میں عن عبداللہ بن سلام کا اضافہ بھی ہے۔ اس صورت میں قال رأیت ......الخ، کا ترجمہ دو طرح کا ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں یا یوسف بن عبداللہ فرماتے ہیں ۔قال ای عبداللّٰہ او ابنہ ۔(جمع ص ۲۸۰)(یعنی عبداللہ نے یا اس کے بیٹے (یوسف) نے کہا)

راویان حدیث (۴۰۹) عمر بن حفص بن غیاثؒ (۴۱۰) محمد بن ابی یحیٰ الاسلمیؒ (۴۱۱) یزید بن امیۃ الاعورؒ اور (۴۱۲) یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جَو کی روٹی اور سالن :

ھذہ ادام ھذہٖ : مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس سے قبل اسی باب کی روایات میں سرکہ کو سالن کہاں گیا ہے۔ بلکہ بہتر سالن نعم الادام الخل ۔ اس حدیث میں یہ تعلیم دینا مقصود ہے ۔ھذہٖ ادام ھذہٖ یعنی اگر کوئی باقاعدہ سالن میسر نہ ہو، تو کھجور، پیاز، وغیرہ کو بھی بطور سالن استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یعنی زندگی کے قیمتی لمحات واوقات کو لذت کام ودہن میں نہیں گنوانا چاہئے، بلکہ دین اسلام کی تبلیغ، جھاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ، ذکر الٰہی تحصیل واشاعت علم دین اور عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔ فانی دنیا پر فریفتگی عبث ہے بلکہ کھجور کے سالن کے باہمی استعمال سے اغذیہ میں اعتدال کی تعلیم ہے کیونکہ جو کی تاثیر سرد وخشک ہے اور کھجور کی تاثیر گرم وتر ہے۔

علامہ الیبجوریؒ فرماتے ہیں :

ویؤخذ من ھذاانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدبر الغذاء فان الشعیر بارد یابس والتمر حار رطب فکان صلی اللہ علیہ وسلم لا یجمع بین حارین ولا بار دین ولا مسھلین ولا قابضین ولا

غلیظین ولا بین مختلفین کقابض و مسھل ولم یأکل طعاما قط فی حال شدة حرارته ولا طبیخا بائتا مسخنا ولا شیئا من الأطعمة العفنة والمالحة فان ذلک کلة ضار مولد للخروج عن الصحة و بالجملة فکان صلی اللہ علیه وآله وسلم یصلح ضرر بعض الأغذیة ببعض اذا وجد الیه سبیلا ولم یشرب علی طعامه لئلا یفسد ذکره ابن القیم. (مواھب ص١٣٦)(اوراس حدیث سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ غذا کے استعمال کرنے کے سلسلہ میں سوچ بچار اور احتیاط سے کام لیا کرتے مثلاً جو ٹھنڈے اور خشک ہیں اور کھجور گرم اور تر ہے پس آپؐ کی عادت مبارک کھانے میں یہ تھی کہ نہ کبھی دو گرم چیزیں اکٹھی استعمال کرتے نہ دو ٹھنڈی چیزیں، اس طرح نہ دونوں مسہل اور نہ دونوں قابض وسخت اشیاء کا استعمال کرتے اور نہ دو ایسی چیزیں کہ ان میں سے ایک قابض اور دوسری مسہل ہو کبھی استعمال میں نہ لاتے۔ نیز نہ آپؐ نے کوئی کھانا اور نہ سالن انتہائی گرم حالت میں استعمال فرمایا اور نہ ایسے کھانے جو بد بودار یا کھٹے ہوں اسلئے کہ یہ سب اشیاء نقصان دہ اور صحت کی خرابی پیدا کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر ممکن ہوتا تو آپ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کی اصلاح بعض دوسرے اشیاء اور غذاؤں سے کر کے ایک اعتدالی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کرتے۔ نیز آپؐ کھانا کھانے کے بعد پانی اسلئے نہیں پیتے تھے کہ کھانا خراب نہ ہو جاوے ابن قیمؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے)

(١٧٧/٣٣) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِىْ مَابَقِىَ مِنَ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سعید بن سلیمان نے عباد بن عوام کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حمید سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ کو ہانڈی اور پیالہ میں بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

راوی حدیث (۴۱۳) سعید بن سلیمان ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الثفل : تلچھٹ، تہ دیگی، پنجاب میں اسے گروڑی کہتے ہیں ۔هو الباقی من الطعام و قیل الثفل هو ثرید وهو مختار صاحب النهایة (کھانے سے جو نیچے بچ جائے اور بعض کہتے ہیں وہ ثرید ہے صاحب نہایہ نے اسکو پسند کیا ہے) (اتحافات ص ۲۳۲) فائق میں ہے کہ ثفل ،اصل میں تلچھٹ کو کہتے ۔یہ تیل کا ہو یا شوربے کا، یا شربت کا یا شراب کا یا کسی بھی پتلی چیز کا طیبیؒ نے تصریح کی ہے کہ حدیث میں ثفل سے مراد تہہ دیگی ہے۔

بچے ہوئے کھانے سے محبت :

اس میں بھی تھوڑی چیز پر صبر وقناعت اور ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت پر تشکر وامتنان اور اس کی قدر دانی کی تعلیم ہے ۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ،وفيه اشارة الى التواضع والصبر والقناعة بالقليل. (جمع ص ۲۸۱) نیز اس میں حضور اقدس ﷺ کے قول کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو کھلانے پلانے والا خود آخر میں کھاتا پیتا ہے ۔ساقی القوم آخرهم شرباً یہ حضور اقدس ﷺ کا جذبہ خدمت، ترجیح وایثار اور کمال تواضع تھا کہ اہل وعیال، اضیاف وخدام، اصحاب و متعلقین کو اوپر کا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود بچا ہوا کھاتے، ولعل وجه اعجابه انه منضوج غاية النضج القريب الى الهضم فهوا هنأوامرأ وألذ و فيه اشرة الى التواضع و القناعة باليسير ۔(اور نیچے والے کھانے کی پسندیدگی کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ انتہائی پختہ ہوتا ہے اور جلدی ہضم ہوتا ہے پس وہ مزیدار خوش گوار اور لذیذ ہوتا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے آپؐ کی تواضع اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنے کا) (مواہب ص ۱۳۶) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ خلاصۂ باب میں تحریر فرماتے ہیں۔ وفي الباب ثلاث و ثلاثون حديثاً . و باستعراض هذه الأحاديث كلها يلاحظ أن ادام رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مختلفاً . فمرة كان قثاء ومرة كان رطبا و مرة كان لحما و مرة كان خلا ومرة كان زيتاً و هكذا، ولكن الحال الغالب عليه هو التقشف والزهدة ۔(اور اس باب میں تینتیس احادیث ہیں اور ان کی تفتیش اور ان پر گہری نظر رکھتے

ہوئے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا سالن مختلف ہوتا تھا کبھی تو کھیرا ککڑی وغیرہ اور کبھی کھجور اور کبھی کبھار گوشت ایسا ہی کبھی سرکہ اور کبھی زیتون کا تیل وغیرہ لیکن اکثر حالات آپؐ کے تنگدستی اور زاہدانہ طریقہ پر گزرتے)۔(اتحافات ص۲۳۲)

تتمّہ :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے مطعومات ومشروبات کے متعلق خوب وضاحت فرمائی ہے۔البتہ ابتداء میں یہی لکھدیا کہ لا یرد موجوداً ولا تکلف مفقوداً۔(کہ آپ موجود چیز کو واپس نہ فرماتے اور نہ ہی غیر موجود کے لیے کوئی تکلف وغیرہ کیا کرتے) چنانچہ فرماتے ہیں ،واکل الحلوىٰ والعسل و کان یحبھما واکل لحم الجزور والضان والدجاج و لحم الحباری ولحم حمار الوحش و الارنب وطعام البحر واکل الشوی واکل الرطب والتمر و شرب اللبن خالصا و مشوباً والسویق والعسل بالماء و شرب نقیع التمر واکل الخذیرۃ وھی حساء یتخذ من اللبن والدقیق و اکل القثاء بالرطب واکل الاقط واکل التمربالخبزو اکل الخبز بالخل واکل الثرید وھو الخبز باللحم و اکل الخبز بالاھالۃ وھی الودک وھو الشحم المذاب و اکل من الکبد المشویۃ و اکل القدید واکل الدباء المطبوخۃ وکان یحبھا واکل المسلوقۃ واکل الثرید بالسمن واکل الجبن واکل الخبز بالزیت واکل البطیخ بالرطب و اکل التمر بالزبد وکان یحبہ۔(زادالمعادج۱ص ۵۴)(کہ حضور ﷺ نے حلوہ اور شہد کھایا ہے اور آپؐ ان کو پسند بھی فرمایا کرتے اور حضور نے اونٹ دنبہ مرغی۔حباری۔حماروحشی۔خرگوش،مچھلی وغیرہ کا گوشت بھی کھایا ہے۔نیز آپؐ نے بھنا ہوا گوشت خشک اور تر کھجور بھی کھائی ہے آپؐ نے خالص دودھ اور پانی ملا ہوا بھی پیا ہے اور ستو وشہد کو پانی کیساتھ پیانقیع تمر کو بھی پیا اور آپؐ نے خریزہ بھی کھایا۔(یعنی دودھ اور آٹے کو ملا کر پتلی غذا بنا کر پینا) آپؐ نے کھیرا کو کھجور کیساتھ ملا کر کھایا۔

اور آپؐ نے پنیر بھی کھایا اور روٹی کھجور کیساتھ کبھی کھائی ثرید بھی کھایا آپؐ نے روٹی پگھلی ہوئی چربی کیساتھ تناول فرمائی آپؐ نے بھنا ہوا جگر بھی کھایا اور خشک گوشت اور کدو پکا ہوا بھی کھایا اور

اس کو پسند بھی فرماتے اور چقندر بھی کھایا اور ثرید کو گھی کیساتھ کھایا اور روٹی کو زیتون کیساتھ کھایا اور خربوزہ کو تر کھجور کیساتھ اور خشک کھجور کو مکھن کیساتھ کھایا اور اسکو پسند بھی کیا کرتے تھے۔

(زادالمعاد ج اص ۵۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ وُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَالطَّعَامِ

باب ! حضوراقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضو کا بیان

لفظ وضو کا معنی وتشریح :

وضو : بالفتح سے مراد وہ پانی ہے، جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے اور وضو (بالضم) سے مراد حصول طہارت کا معروف عمل ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں تین روایات نقل کی ہیں کہ عند الطعام، وضو سے مراد کیا ہے؟ وضوءِ لغوی یا وضوءِ شرعی واصطلاحی۔ ترجمۃ الباب میں وضوء میں عموم ہے۔ والمراد مایشمل الشرعی واللغوی بدليل الاخبار الاتية . (اور وضوء سے مراد عام ہے وضوء لغوی اور شرعی دونوں کو شامل ہے بوجہ ان احادیث کے جو باب میں ذکر ہونگی) (مواہب ص ۱۳۶) حضرات محدثینؒ میں بعض وضوءِ اصطلاحی مراد لیتے ہیں اور اکثریت نے یہاں وضوء لغوی مراد لیا ہے اور اسی کو راجح قرار دیا ہے یعنی عند الطعام (کھانے کے وقت) اس سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا دھونا اور منہ صاف کرنا۔ والمراد هنا بالوضوء اللغوی، وهو غسل اليدين والفم لان الوضوء الشرعی ليس مسنوناً قبل الطعام ولا بعده (اور وضوء سے یہاں وضوء لغوی مراد ہے اور وہ دونوں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے اس لئے کہ وضوءِ شرعی نہ کھانے سے پہلے اور نہ بعد میں مسنون ہے) (اتحافات ۲۳۳) عند الطعام کی قید سے عدم وجوب وضوء مستفاد ہے۔ البتہ دونوں لغوی واصطلاحی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ پہلی دو حدیثوں میں اصطلاحی اور آخری حدیث میں لغوی مدلول ہے۔ فارادة الاول من حيث نفيه والثانی من حيث اثباته فكانه قال صفة وضوئه وجوداً و عدماً ۔

(مناوی ص ٢٨٢) (تو یہاں پہلے کا ارادہ کرنا نفی کی حیثیت سے ہوگا اور دوسرے کا ارادہ بحیثیت اثبات ہوگا۔ گویا مصنفؒ نے فرمایا کہ آپؐ کے وضوء کی صفت وجود اور عدم دونوں کے لحاظ سے) وضوء شرعی جو نماز کے لیے شرط ہے، کھانے سے پہلے اور بعد میں نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اس کو صرف استحباب کا درجہ حاصل ہے۔ جس طرح کہ ہر وقت وضوء سے رہنا مستحب ہے۔ و لا یحافظ علی الوضوء الاالمومن. (وضوء پر دوام اور محافظت صرف مومن ہی کرتا ہے) (مؤطا امام مالکؒ ص ١١) ہمیشہ باوضوء رہنے کے استحباب کا مستدل ہے اور یہی سلف صالحین کا معمول ہے۔

لفظ طعام کی وضاحت :

طعام لغوی طور پر بمعنی طعم کے مستعمل ہے، ای لکل ما یساغ و عرفا اسم لکل ما یؤکل ...... و هذا هو المراد هنا وعند اهل حجاز الطعام البر خاصة (کما ورد فی صدقة الفطر صاعا من طعام اوصاعا من شعير) وعندالفقهاء هو ما قصد للطعم اقتيا تا اوتأدّما اوتفكها. (مناوی ص ٢٨٦)

(عرف میں طعام ہر وہ چیز جو کھائی جائے اور یہی معنی یہاں مراد ہے اور اہل حجاز طعام صرف گندم کو کہتے ہیں (جیسے کہ صدقہ فطر کے متعلق حدیث صاعاً من طعام اوشعير میں طعام سے مراد گندم ہے) اور فقہاء کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے کھانے کا قصد کیا جائے چاہے' بلحاظ غذاء حاصل کرنے کے ہو یا ادام (سالن) بنانے اور یا فاکھہ (میوہ) کے طور پر تلذذ کے لئے ہو)

(١٧٨/١) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ اَبِى مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلاءِ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوْا الا نَاتِيْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلٰوةِ.

ترجمہ : ''امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے روایت ایوب سے ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے روایت کی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے، تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اس وقت حکم ہے۔ جب نماز ادا کروں۔

الخلاء ! خالی جگہ کو کہتے ہیں۔ مراد بیت الخلاء ہے، والمراد هنا مكان قضاء الحاجة . (اتحافات ص ۲۳۳) الوَضوء (بالفتح) پانی مراد ہے یعنی ما يتوضأ به۔

کھانے سے قبل وضوء عرفی مسنون ہے :

قال انما امرت با لو ضوء اذا قمت الى الصلوة ! مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں وضاحت فرمادی کہ مسلمان کھانا کھانے سے قبل وضوء کو واجب سمجھ کر اپنے لئے لازمی قرار نہ دے دیں۔ فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ وضوء شرعی نماز پنجگانہ، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت، مسِ مصحف اور ارادۃ الطّواف کے لئے واجب ہے۔ کھانے سے قبل یا بعد میں وضوء عرفی یا لغوی یعنی غسل الفم واليدين (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مستحب ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں :

”ولا يستفاد من هذا الحديث ان الرسول لم يتوضأ الوضوء اللغوى ، كما لا يستفاد منه انه توضأ، والحصر فى الحديث اضافى“. (اتحافات ص ۲۳۳)

اور اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لغوی وضوء (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) بھی نہیں کیا جیسے کہ اس سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ نے وضوء فرمایا اور اس حدیث میں ...... انما امرت ...... الخ میں حصر اضافی ہے (یعنی نماز کے لئے وضوء)

(۲/ ۱۷۹) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فَقِيْلَ لَهُ اَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ اُصَلِّيْ فَاَتَوَضَّأُ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ'' کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن حویرث اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک مرتبہ استنجے سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا وضو نہیں فرمائیں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیا اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟

راویانِ حدیث (۴۱۴) عمرو بن دینارؒ اور (۴۱۵) سعید بن الحویرثؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

وضوء تو نماز کے لئے ضروری ہوتا ہے :

الغائط : غوط سے ہے بمعنی کھودنے کے، داخل ہونے اور دھنس جانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ غائط نرم، کشادہ، ہموار اور پست زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ لوگ پاخانے کے لئے ایسی ہی جگہ تلاش کرتے تھے، اسی لئے اسے الغائط سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلی روایات میں خرج من الخلاء کے الفاظ تھے، یہاں خرج من الغائط کے الفاظ ہیں۔ مقصد دونوں روایات کا ایک ہی ہے کہ آپؐ قضاءِ حاجت سے فارغ ہوئے، تو وضو کئے بغیر کھانا تناول فرمایا اور توجہ دلانے پر فرمایا، اصلی فاتوضا یعنی وضوء تو نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضوء کروں۔

(۳/ ۱۸۰) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيْعِ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُالْكَرِيْمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ اَبِیْ هَاشِمٍ عَنْ زَاذَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قیس بن ربیع نے بیان کی۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالکریم جرجانی نے بیان کی۔ انہوں یہ روایت قیس بن ربیع سے اور انہوں نے ابی ہاشم سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت زاذان سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ سے ساعت کی۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔

راویان حدیث (۴۱۶) قیس بن الربیعؒ (۴۱۷) عبدالکریم بن محمد الجرجانیؒ (۴۱۸) ابوهاشمؒ اور (۴۱۹) زاذانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

برکتِ طعام ہاتھ دھونے میں ہے :

برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده ، حضرت سلمان فارسیؓ نے توراۃ میں اپنا پڑھا ہوا سبق ان برکة الطعام الوضوء بعده کہ کھانے میں برکت کا سبب اس کے بعد وضوء (ہاتھ دھونے) میں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا تو آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور بعد دونوں مواقع پر ہاتھ منہ صاف کرنا اور ان کی طہارت کرنا باعث برکت ہے۔ وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے، اصطلاحی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے، سلمان فارسیؓ نے توراۃ کے حوالے سے بات کی ہے، ہوسکتا ہے کہ توراۃ میں صرف طعام کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا ذکر ہو۔ اس صورت میں جو طعام سے پہلے ہاتھ دھونے کا ذکر ہے یہ شریعت محمدیؐ کا اضافہ ہو۔ ایماء الی ان شریعته زادت الوضوء قبله ایضا استقبالاً للنعمة بالطهارة المشعرة للتعظیم اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی شریعت نے کھانا کھانے سے پہلے وضوء (ہاتھ منہ دھونے) کا اضافہ بھی اس لئے کیا تا کہ کھانے کی نعمت کا استقبال طہارت سے کیا جائے جو اس کی تعظیم پر دال ہے۔ (جمع ص ۲۸۴) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تورات میں قبل الطعام اور بعد الطعام دونوں وقتوں میں ہاتھ منہ دھونے کا حکم ہو مگر بوجہ تحریف قبل الطعام ہاتھ

دھونے کا حکم اس سے حذف کردیا گیا ہو وھذا یحتمل ان یکون اشارۃً الی تحریف مافی التوراۃ۔ (جمع ص ۲۸۴)

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ کا مطلب شارحین حدیث نے لکھا ہے، کھانے میں اضافہ ہوتا ہے۔ شکم سیری نصیب ہوتی ہے، ومعنی برکۃ الطعام من الوضوء قبلہ النمو والزیادۃ فیہ نفسہ اور بعدہ کا مطلب یہ ہے جن فوائد اور مقاصد کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے، پورے حاصل ہوتے ہیں۔ کھانا بدن کا جز بنتا ہے، فرحت اوانبساط نشاط پیدا کرتا ہے۔ عبادات، انابت الی اللہ، ذکر اللہ اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے ان فوائد کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمادیا ۔ النمو والزیادۃ فی فوائدھا وآثارھا بان یکون سبباً لسکون النفس و قرارہ ا سبباً للطاعات وتقویۃ للعبادات والاخلاق المرضیۃ والافعال السنیۃ. (جمع ص ۲۸۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا ''فقر'' کو دور کرتا ہے اور بعد میں ہاتھ دھونا ''جنون'' کو دور کرتا ہے۔ صاحب العوارف فرماتے ہیں، کھانے سے قبل ہاتھ دھونا فقر کی دوری کا اس لئے سبب بنتا ہے کہ یہ آداب کے ساتھ نعمت کا استقبال ہے اور یہ نعمت کا شکرانہ ہے اور شکر نعمت کی زیادتی کا سبب ہے۔ لہذا ہاتھوں کو دھونا نعمت کو کھینچ کر لائے گا اور فقر کو ہٹادے گا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو، تو اس کو چاہیے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھولیا کرے۔ (اتحافات ج ۵ ص ۲۱۳)

ملاعلی قاریؒ نے وضوء لغوی قبل الطعام وبعد الطعام کی ایک اہم وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ولان الاکل بعد غسل الیدین یکون اھنأ وامرأ ولان الید لا تخلو عن تلوث فی تعاطی الاعمال وغسلھا اقرب الی النظافۃ و النزاھۃ (والغسل بعد الطعام) سبب لازالۃ الدسومات....قال صلی اللہ علیہ وسلم من بات وفی یدہ غمرۃ ولم یغسلہ فاصابہ شیء فلا یلومن الانفسہ ۔ (جمع ص ۲۸۶)

اور اس لئے بھی کہ ہاتھ دھونے کے بعد کھانا زیادہ لذیذ اور خوشگوار لگتا ہے اور اس لئے بھی کہ ہاتھ عام طور پر کاموں میں مشغول ہونے کیوجہ سے ملوث رہتے ہیں تو ان کا کھانا کھانے سے پہلے دھو لینا صفائی اور پاکی کا ذریعہ ہوجائیگا اور کھانا کھالینے کے بعد ہاتھوں کا دھونا چکنائی وغیرہ کے دور کرنے کا

سبب ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات گزاری اور اس کے ہاتھوں میں چکناہٹ تھی اور اس کو نہ دھویا تو اگر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

==================================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا یَفْرُغُ مِنْهُ

باب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کے بیان میں جو قبل الطعام و بعدہ پڑھا کرتے تھے

یہاں قول سے مراد مطلق ارشاد، یا کوئی بات اور گفتگو مراد نہیں، بلکہ وہ اذکار اور ادعیہ مراد ہیں، جو کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھے۔ اللہ کے نام سے آغاز اور حمد وشکر پر اختتام یہ کھانے کے آداب سے ہے۔ ای قبل الطعام وهو التسمية وبعد ما يفرغ منه هو الحمدلة (مواھب ص ۱۳۸) (یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ پڑھنا) پانی کا حکم بھی کھانے کی طرح ہے، بل هو منه كما يوخذ من قوله تعالى فيما حكاه في القرآن ومن لم يطعمه فانه منی (بلکہ وہ کھانے ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ومن لم يطعمه الخ جس کی حکایت قرآن مجید میں ہے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں یطعمه کی ضمیر کا مرجع نہر ہے (جو کہ پانی پر مشتمل ہوتی ہے) (مواھب ص ۱۳۸) اس باب میں مصنفؒ نے سات احادیث نقل کی ہیں۔

(۱/ ۱۸۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِیْعَةَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ جُنْدُلِ الْیَافِعِیِّ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقُرِّبَ اِلَیْهِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَطَعَامًا کَانَ اَعْظَمَ بَرَکَةً مِنْهُ اَوَّلَ مَا اَکَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَکَةً فِیْ

اٰخِرِهٖ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰهَ تَعَالٰی فَاَکَلَ مَعَهُ الشَّیْطٰنُ ۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن لہیعہ نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت راشد بن جندل سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت حبیب بن اوس سے ابوایوب انصاریؓ کے واسطہ سے سنی۔ ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداء میں یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے حیرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔

راویان حدیث (۴۲۰) یزید بن ابی حبیبؒ (۴۲۱) راشد بن جندل الیافعیؒ (۴۲۲) حبیب بن اوسؒ اور (۴۲۳) ابوایوب الانصاریؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ کی برکتیں :

قال کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... الخ مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت جو برکت تھی، وہ کھانے کے اختتام کے وقت نہیں تھی، بلکہ بے برکتی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے حیرت واستعجاب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کیف هذا؟ یہ کیا کیفیت ہے، ای بین لنا الحکمة و السبب فی حصول عظمة البرکة و کثرتها فی اول اکلنا هذا الطعام وقلتها فی الآخر وانعدام البرکة منه . (جمع ص ۲۸۶) یعنی ہم کو اس کی حکمت اور سبب تو بتلایئے کہ ہمارے کھانے کی ابتداء کے وقت تو کھانا بہت بابرکت اور کثیر تھا اور پھر آخر میں تھوڑا اور بے برکت کیوں ہو گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، انا ذکرنا اسم الله تعالیٰ حین اکلنا کہ ہم نے ابتداء میں کھاتے وقت بسم اللہ کہی تھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صرف بسم اللہ سے سنتِ تسمیہ حاصل ہو جاتی ہے، البتہ الرحمٰن الرحیم کے بڑھا دینے سے وہ اکمل ہو جاتی ہے۔ کما قاله الغزالی والنووی وغیرها جیسے کہ امام غزالیؒ اور امام نووی وغیرہ نے بھی ایسا کہا ہے (جمع ص ۲۸۶) شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و التسمية على الطعام مطلوبة حتى من الجنب والحائض، و هي بسم الله اور کھانے پر تسمیہ کہنا شرعاً مطلوب ہے حتیٰ کہ جنبی اور حائضہ عورت سے بھی اور وہ لفظ بسم اللہ ہے (اتحافات ص ۲۳۶) تفصیلی قصہ ترجمہ میں دیکھ لیں۔

شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے :

فاكل معه الشيطان: شیطان فیعان کے وزن پر ہے، شطن بمعنی بعد سے ماخوذ ہے، یعنی بعد عن رحمة الله اللہ کی رحمت سے دور، یا فعلان کے وزن پر ہے اور شاط یشط سے ماخوذ ہے بمعنی بھڑکنا اور شعلہ کی طرح اٹھنا، اکلِ شیطان، عندالجمهور (جمہور کے نزدیک شیطان کا کھالینا) حقیقت پر محمول ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ شیطان کھاتا پیتا ہو، جمہور محدثینؒ کہتے ہیں کہ شیطان کھانا کھالیتا ہے اور وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ بعض روایات میں تصریح ہے کہ ہڈیاں جنات کی خوراک ہیں۔ واكل الشيطان محمول على حقيقته عند جمهور العلماء سلفاً وخلفاً لا مكانه شرعاً وعقلاً. (جمع ص ۲۸۶) جمہور متقدمین ومتاخرین علماء کے نزدیک شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے کیونکہ یہ شرعاً وعقلاً ممکن ہے۔

ایک اشکال کا جواب :

(۱) یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے جب مسئلہ یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت دستر خوان پر جب ایک نے بسملہ پڑھ لی، تو وہ سب کے لئے کافی ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ: لو سمّى واحد فی جماعة یاکلون لكفى ذلك وسقط عن الكل (جمع ص ۲۸۶) تو پھر جب یہ شخص آیا اور اس نے بسملہ نہ پڑھی، تو بے برکتی کیوں آئی۔ کیونکہ پہلے سے بیٹھی ہوئی جماعت کی بسملہ اس کے لئے بھی کافی

تھی۔ شارحین حدیثؒ جواب میں کہتے ہیں کہ "قعد، ای بعد فراغنا من الطعام ولم یسمّ، جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے اور وہ آکر بیٹھا اور بسملہ نہیں پڑھی، تو کھانے میں بے برکتی آگئی۔

(۲) اویقال ان شیطان ھذا الرجل جاء معه فلم تکن تسمیتنا مؤثرة فیه ولا ھو سمّی یعنی لتکون تسمیته ما نعة من اکل شیطانه معه۔ (جمع ص ۲۸۶) یا جواباً یہ کہا جائے کہ اس شخص کا شیطان اس کے ساتھ ہی آیا تھا اس لئے ہماری بسم اللہ کہنا اس میں مؤثر نہ رہی اور خود اس نے تو بسم اللہ پڑھی نہیں تا کہ اس کا تسمیہ اس کے شیطان کے کھانے سے مانع اور رکاوٹ بن جاتا۔

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک جماعت کھانے میں اکٹھی مشغول ہو اور ان میں سے ایک نے بسملہ پڑھ لی ہو، فحینئذٍ تسمیة ھذا الواحد تجزی عن البواقی من الحاضرین تو پھر اس وقت اس کا بسم اللہ پڑھ لینا باقی حاضرین سے کافی ہو جاتا (جمع ص ۲۸۶) مگر یہ بات اس شخص کے لئے نہ ہوگی، جو ان کے ساتھ اوائل میں بوقت بسم اللہ پڑھنے کے موجود نہ تھا۔ کیونکہ تسمیۃ سے مقصود یہ ہے کہ شیطان کھانا کھانے والے مسلمان کے ساتھ کھانے پر تمکن حاصل نہ کرے اور جب جماعت کے ساتھ کھانے کے وقت عند التسمیۃ ایک انسان موجود نہ تھا، تو جماعت کے پہلے سے پڑھی ہوئی تسمیۃ اس غیر حاضر انسان کے کھانے میں شیطان کے تمکن میں مانع بننے کے لئے مؤثر نہ ہوگی۔

(۱۸۲/۲) حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ مُوْسیٰ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا ھِشَامُ الدَّسْتَوَائِیُّ عَنْ بُدَیْلِ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَنَسِیَ اَنْ یَّذْکُرَ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی طَعَامِہٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ.

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابوداوٗد نے بیان کی۔ اُن کے پاس ہشام دستوائی نے بدیل عقیلی کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمیر سے اخذ کی۔ انہوں نے اسے ام کلثوم سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا

کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے، تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بِسمِ اللّٰہِ اَوّلَہٗ و آخِرَہٗ کہہ لے۔

راویان حدیث۔(۴۲۴) ہشام الدستوائی ؒ (۴۲۵) عبداللہ بن عبید بن عمیر ؒ اور (۴۲۶) ام کلثوم ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب تسمیہ بھول جائے :

جب کھانا کھاتے وقت آدمی تسمیہ بھول جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ دورانِ طعام جس وقت بھی یاد آئے اگرچہ آخری لقمہ ہی لے رہا ہو، ای نسی التسمیة حین الشروع فی الاکل ثم تذکرہ فی اثنائہ یعنی ایک شخص کو شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا بھول گیا اور پھر اسکو کھانے کے دوران یاد آیا (مواھب ۱۳۹) تو بسم اللہ اوّلہ و آخرہ پڑھے، تو یہ اسی برکتِ تسمیہ کے لئے کفایت ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص نے کھانا شروع کیا، مگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا، حتی لم یبق من طعامہ الالقمة، جب اس نے آخری لقمہ اٹھایا تو اس وقت اسے یاد آیا اور اس نے پڑھا بسم اللہ اولہ و آخرہ تو حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرادیا، فضحک صلی اللہ علیہ و سلم ثم قال مازال الشیطن یاکل معہ فلما ذکر اسم اللہ استقاء ما فی بطنہ۔ (پھر فرمایا کہ شیطان لگا تار اس کے ساتھ کھارہا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان کے پیٹ میں جو کچھ تھا قئی کردیا) محشی مشکوٰۃ شریف نے مرقات کے حوالہ سے استقاء ما فی بطنہ کے متعلق یہ لکھا کہ المراد بہ رد البرکة الذاھبة بترک التسمیة کانھا کانت فی جوف الشیطان امانة فلما سمی رجعت الی الطعام۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۵) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بسم اللہ کے چھوڑنے کی وجہ سے وہ گئی ہوئی برکت پھر واپس لوٹ آئی گویا کہ وہ شیطان کے پیٹ میں امانت تھی جب اس شخص نے بسم اللہ پڑھ لی تو وہ دوبارہ کھانے کو لوٹا دی گئی۔

اولہٗ و اخرہٗ کا تلفظ :

ان کو بفتح اللام و الراء پڑھا جائے۔ یا تو یہ ترکیب میں منصوب بنزع الخافض (یعنی بحذف جار) ہیں۔ اور وہ لفظ فی ہے اصل عبارت ای فی اولہ و اخرہ یا پھر مفعول بہ فعل محذوف

اکلت کا ہیں اور عبارت اس طرح ہوگی ۔ای اکلت اوله و آخره مستعینا بالله...الخ .(جمع ص ۲۸۸)

ایک اعتراض کا جواب :

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اول و آخر کہنے سے وسط نکل جاتا ہے۔(۱) کیونکہ اول و آخر کنایہ ہے تعمیم سے فالمعنی بسم الله علی جمیع اجزائه (مواھب ۱۳۹) پس معنی یہ ہوگا کہ میں جمیع اوقات و اجزاء میں اللہ کا نام لیکر کھاتا ہوں۔ اس کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ ولھم رزقھم فیھا بکرة و عشیا کہ اس میں بھی ذکر صبح و شام کا ہے۔اور مراد تعمیم ہے لقوله تعالیٰ اکھا دائم بوجہ اس فرمان خداوندی کہ جنت کے کھانے دائمی ہونگے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اوله ۔سے مراد نصف اول اور آخره سے مراد سے نصف ثانی لیا جائے۔ فلا واسطة تو درمیانی واسطہ نہ رہا (مواھب ۱۳۹)

(۱۸۳/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِیُّ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سلمةَ اَنَّهٗ دَخَلَ علٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدَهٗ طَعَامٌ فَقَالَ اُدْنُ یَا بُنَیَّ فَسَمِّ اللّٰهَ تعالٰی وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالاعلیٰ نے معمر کے واسطہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے عمر بن ابی سلمہؓ سے سماعت کی۔عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں۔کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

راویان حدیث (۴۲۷) عبدالاعلیٰؒ اور (۴۲۸) عمر بن ابی سلمۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانا کھانے کے تین آداب :

(۱) کھانا بسم اللہ سے شروع کرنا (۲) دائیں ہاتھ سے کھانا (۳) اپنے سامنے سے کھانا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ادن منّي یا بنّي : اے میرے پیارے بچے بصیغة التصغیر شفقة و اهتماماً بحاله (یعنی یابُنَیَّ کالفظ بصیغہءِ تصغیر لانا) شفقت اور اسکے حال کے اہتمام کے لیے ہے۔(جمع ص ۲۸۸) اس میں بڑوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ چھوٹوں پر شفقت، محبت اور توجہ وعنایت رکھیں، خاص کر کھانے کے وقت میں لشدة الاستحیاحینئذ (مناوی ص ۲۸۸) (کہ اسوقت کھانے میں وہ شرم وحیاء محسوس کرتے ہیں)

حضرت عمر بن ابوسلمہؓ کہتے ہیں۔ کہ اس موقع پر حضور اقدسؐ نے مجھے کھانا کھانے کے تین آداب سکھلائے۔

کھانا شروع کرتے وقت بسملہ پڑھنا سنت ہے :

(۱) فسم اللہ تعالیٰ، (بسم اللہ کہیں) یہ امر استحباب کے لیے ہے۔اتفاقا و اجماعا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ بھی سنت ہے کہ بسملہ اُونچی آواز سے پڑھی جائے ،لیسمع من عنده، (تاکہ جو اسکے پاس ہیں وہ بھی سن لیں) سنت تو لفظ بسم اللہ سے حاصل ہو جائے گی۔ و الافضل اکمالها (مناوی ص ۲۸۸) اور بہتر ہے کہ مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے بعض حضرات نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بسملہ کے بعد اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (یہ دعا پڑھے) اے اللہ جو تو نے ہمیں عطا کیا ہے اسمیں برکت ڈال دے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچائیے) کا اضافہ کرے۔العبادی الشافعی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَیْءٌ شروع کرنا اس اللہ کے نام سے کہ اسکے نام لینے کیوجہ سے کوئی چیز نقصان اور ضرر نہیں پہنچاتی) کا اضافہ بھی مستحب ہے۔(مناوی ص ۲۸۸)

دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید :

(۲) و کل بیمینک (اور دائیں ہاتھ کے ساتھ کھا) صرف کھانا ہی نہیں بلکہ عزت وشرف اور

احترام واکرام کے تمام کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔ البتہ اگر عذر ہے اور دایاں ہاتھ استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے، تو پھر بائیں ہاتھ کے استعمال کی اجازت ہے۔ لفظ یمین، یمن، بمعنی "البرکة" سے ماخوذ ہے۔ اس لیے دائیں ہاتھ کو اعمالِ شریفہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور اعمال خسیسہ کو بائیں ہاتھ کے ساتھ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اکل بالیمین (دائیں ہاتھ سے کھانے) سمیت تینوں امر ندب واستحباب کے لیے ہیں۔ البتہ بعض علماء نے اکل بالیمین کے امر کو وجوب کے لیے لیا ہے، کیونکہ اکل بالشمال (بائیں ہاتھ سے کھانے) پر حدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔ جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ایک قصہ نقل ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔ آپؐ نے اُسے فرمایا کُلْ بِیَمِیْنِکَ یعنی دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس شخص نے کہا لَا اَسْتَطِیْعُ (میں تو اسکے ساتھ کھانے کی طاقت نہیں رکھتا)۔

حضور اقدس ﷺ اس کے اس کورے اور گستاخانہ جواب پر ناراض ہوئے اور فرمایا لَا اِسْتَطَعْتَ (تیری طاقت نہ ہو) (اس کا ہاتھ شل ہو گیا) اور اس کے بعد پھر وہ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز بھی اپنے منہ کے قریب نہ لے جاسکا، فلما لم یکن له فی ترک الاکل بالیمین عذر بل قصد المخالفة دعی علیه فشلت جبکہ اس شخص کا دائیں ہاتھ سے کھانے میں کوئی عذر نہ تھا بلکہ اس کا ارادہ آپؐ کی مخالفت کا ہی تھا اس لیے اُس پر بددعا کی اور اسکا ہاتھ شل ہو گیا۔) (مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح طبرانی میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سبیعة الاسلمیة کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہی ہے تو آپ نے بددعا دی، تو وہ طاعون کے مرض میں ہلاک ہوگئی۔ جمہور علماء ان روایات کو زجر وتوبیخ اور سیاست پر حمل کرتے ہیں (جیسے کہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں) فحمله الجمهور علی الزجر والسیاسة. (جمع ص۲۸۹)

ایک اور روایت میں ہے لا تا کلوا بالشمال فان الشیطان یا کل بالشمال رواه ابن ماجة عن جابر (کہ آپؐ نے فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بھی بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے) ایک دوسری روایت میں اذا اکل احدکم فلیا کل بیمینه ولیشرب بیمینه ولیاخذ بیمینه ولیعط بیمینه فان الشیطان یاکل بشماله و یشرب بشماله و

یعطی بشماله و یأ خذ بشماله والظاهر انه نهی عن التشبه بالشیطان فیفید الا ستحباب (جمع ص ۲۸۹) (آپ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے پئے اور دائیں ہاتھ سے اٹھائے اور دائیں ہاتھ دے بیشک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے اٹھاتا ہے اور بظاہر آپ کا مقصد شیطان ہی کیساتھ مشابہت کرنے سے روکنا ہے تو اس سے (ان کاموں کا دائیں ہاتھ سے کرنے کا استحباب معلوم ہوا)

اپنے سامنے سے کھانا :

(۳) وکل ممایلیک اگر بہت سے افراد ایک جگہ کھانے ہوں اور برتن ایک ہو اور کھانا بھی ایک ہی نوعیت کا ہو، تو اپنے سامنے کھانا چاہیے۔ ثم الجمهور علی سنیة الا کل مما یلیه مفردا کان اولالان الاکل من کل جانب حالة غیر ملائمة لتهذیب الطعام منبئی علی حرص صاحبه بل هوا کل الحیوانات و موجب لکر اهیّة اکل ما بقی من الطعام و سوء عشرة و ترک مو دّة مع صاحبه لتنفیر طبعه بذلک (پھر جمہور علماء کے نزدیک (ہر شخص کو) اپنے سامنے سے کھانا سنت ہے چاہے کھانیوالا اکیلا ہو یا بہت ہوں۔ اس لیے کہ ہر طرف ہاتھ بڑھا کر کھانا ایک غیر مہذب عادت ہونے کیساتھ ساتھ کھانیوالے کے حریص ہونے کی علامت بھی ہے بلکہ یہ تو ایک قسم جانوروں کا کھانا ہوا نیز بچ جانے والا کھانا دوسروں کے لیے کراہت کا سبب اور اپنے ساتھ کھانے والوں کو طبعی نفرت اور قطع تعلق کا ذریعہ اور ایک قسم بدترین برتاؤ ہے) (حاشیۃ مشکوٰۃ ص ۳۶۳) اور اگر برتن میں مختلف اشیاء ہیں، تو پھر اپنی پسند کی چیز دوسری طرف سے بھی اٹھائی جاسکتی ہے۔ ابن ماجۃ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کان اذا اتی بطعام اکل مما یلیه و اذا اتی بالتمر جالت یده الشریفة فیه (جب حضور کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپؐ اپنے سامنے سے کھایا کرتے اور اگر کھجور (یا کوئی میوہ) لایا جاتا تو پھر ہاتھ مبارک کے ذریعہ ادھر ادھر سے بھی اٹھالیا کرتے) (مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح ترمذی کے ایک حدیث میں ہے فقال یا عکراش کل من حیث شئت فا نها غیرلون واحد۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

(آپ نے فرمایا اے عکراش جہاں سے مرضی ہو کھالے کیونکہ مختلف انواع کی چیزیں ہیں)

ایک اشکال سے جواب :

باقی رہا یہ اشکال کہ حضور ﷺ کدو کے قتلے برتن میں تلاش کرتے اور تناول فرماتے تھے، کان یتتبع الدباء من حوالی القصعة ، جو اس روایت کے خلاف ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ دراصل نہی کی علت تقدر اور ایذاء رفقاء ہے اور حضور اقدس ﷺ کے اس اقدام میں وہ موجود نہیں و ذلک منتف فی حقه صلی الله علیه وسلم (جمع ص۲۸۹) اوالمراد من التتبع بیمینه وشماله مما یلیه بعد فراغ مابین یدیه ولم یکن احد فی جانبیه وهذااظهر . (یا حضور ﷺ کے دائیں بائیں تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے کے کھانے سے فراغت کے بعد ایسا کیا کرتے درآنحال کہ آپ کے جانبین میں بھی کوئی شخص نہ ہوتا تھا اور یہی بات زیادہ واضح اور ظاہر ہے)

(۱۸۴/۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَان حَدَّ ثنا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّ بَیْرِیُّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ الثَّوریُّ عَنْ اَبِیْ هَاشِمٍ عَنْ اسْمٰعِیْلَ بْن رِیَاحٍ عَنْ عُبَیْدَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَاوَسَقَا نَا وَ جَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔وہ کہتے کہ ہمیں اسے ابواحمد زبیری نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان ثوری نے ابو ہاشم کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسماعیل بن ریاح سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت ریاح بن عبیدہ سے صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطہ سے سماعت کی۔حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ وجب کھانے سے فارغ ہوتے ،تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لله الَّذی اَطْعَمَنا وسَقَانا وجعلنا مُسْلِمِیْنَ (تمام تعریف اس ذاتِ پاک کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)

راویان حدیث ((۴۲۹) اسماعیل بن ریاح'' اور (۴۳۰) ریاح بن عبیدة'' کے حالات ''تذکرہ

راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا :

الحمدلله الذی......الخ مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، جب کھانا کھالیا جائے، تو اس پر کھلانے والے رازق حقیقی کا شکر ادا کیا جائے اور اس تشکر وامتنان کے کلمات مبارک حضور اقدس ﷺ نے تعلیم فرما دیئے تا کہ منعم حقیقی کا شکر ادا ہو زیادہ نعمت کی طلب ہو، اداء شکر المنعم و طلب زیادۃ النعمة (جمع ص ۲۹۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے، لئن شکرتم لازیدنکم ، اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو میں ضرور زیادہ عطا کروں گا) چونکہ اصل طعام تھا اور پانی اس کے ضمن میں تبعاً پیا جاتا ہے اسی لیے اولاً طعام کا ذکر کیا، پھر پانی کا ذکر کیا گیا، کھانے پینے سے جسم میں قوت استحکام اور قوام آتا ہے، لهذا اطعمنا و سقانا میں جسم کے قوام کا ذکر وشکر ہے اور وجعلنا مسلمین میں روح کے قوام کا شکر ہے، ای منقادین لجمیع امور الدین للجمع بین الحمد علی النعمة الدنیویة والاخرویة ۔ (مواھب ص ۱۴۰) (ہمیں سارے دینی امور کی تابعداری کرنے والے بنادے جیسے کہ نعمت دنیوی واخروی پر حمد وشکر کی توفیق دیدی ہے)

(۱۸۵/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنَ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ یحییٰ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ثور بن یزید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے خالد بن معدان نے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول ﷺ کے سامنے حضرت ابوامامہؓ سے ساعت کی۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپؐ یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرُ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى

عَنۡهُ رَبَّنَا (تمام تعریف حق تعالیٰ شانہ کے لیے منحصر ہے ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصاف رذیلہ سے جو مبارک ہے ایسی حمد جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جا سکتا ہے (اے اللہ ہمارے کر کو قبول فرما)

راویان حدیث (۴۳۱) ثور بن یزیدؒ اور (۴۳۲) خالد بن معدانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ ''المائدۃ'' کا معنی وتشریح :

اذا رفعت المائدة .....الخ، دستر خوان کو کہتے ہیں، جس پر طعام چنا جائے، والمائدة تطلق علی کل ما یوضع علیه الطعام (جمع ۲۹۰) یہ ماد یمید سے مشتق ہے۔ اذا تحرک کبھی ذکر مائدہ کا ہوتا ہے اور مراد نفس طعام یا طعام کا بقیہ یا طعام کا برتن ہوتا ہے۔ یقول: یہ دعا پڑھے اور یہ بھی اونچی آواز سے، کیونکہ یہ بھی سنت ہے کہ جب کھانا کھالے، تو اس وقت تک اونچی آواز سے دعا نہ پڑھے جب تک دوسرے شرکاء فارغ نہ ہو جائیں، کیلا یکون منعاً لهم (تاکہ دوسرے شرکاء کے کھانے سے رک جانے کا سبب نہ ہو۔ (جمع ص ۲۹۰)

دستر خوان اٹھائے جانے کے وقت کی دعا :

الحمد الله حمدًا كثيرًا ....الخ ، جب دستر خوان اٹھالیا جائے تو حضور اقدس ﷺ یہ دعا پڑھتے الحمد لله : ای علی ذاته و صفاته و افعاله التی من جملتها الانعام بالاطعام ۔ (سب تعریفیں اللہ کے لیے یعنی اسکی ذات وصفات افعال کیوجہ سے جن میں سے ہمیں کھلانے کا انعام بھی ہے) (جمع ۲۹۰) حمداً : مفعول مطلق ہے باعتبار ذاتہ یا اس اعتبار سے کہ معنی فعل کو متضمن ہے یا فعل مقدر کے لیے مفعول مطلق ہے۔ کثیرا: یعنی اس کی حمد کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی نعمتوں کی کوئی غایت نہیں ہے۔ طیباً: ریا، سمعہ اور ہر عیب سے پاک، علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، کونه خالصاً من الرياء والسمعة والاوصاف التی لا تلیق بجنا به تعالیٰ۔ (مواهب ص ۱۴۱)

غیر مودّع (بتشدید الدال المفتوحة) ای حال کونه غیر متروک لنا بل نعود الیه کرّة

بعد کرة او المکسور ة ای حال کونی غیر تارک له فمؤدی الر وایتین واحد و هو دوام الحمد واستمراره (غیر مودع اگر بتشد ید دال مفتوحہ ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اس حال میں کہ وہ نہیں چھوڑے گئے بلکہ ہم اس کی طرف بار بار رجوع کریں گے۔اور اگر دال مکسورہ کیساتھ ہوتو پھر معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ میں اسکو چھوڑنے والا نہیں۔تو دونوں صورتوں کا حاصل اور خلاصہ ایک ہوا یعنی کہ حمد وثنا کا دوام واستمرار)(مواھب ص۱۴۱) غیر مستغنٍی عنه ای لا یستغنی عنه احد (اتحافات ص۲۳۹)(یعنی اس سے کوئی بھی مستغنی نہیں (سب اسکے محتاج ہیں))

ربنا : دراصل یا ربنا ہے منادی ہے،اس لیے منصوب پڑھا جاتا ہے۔ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں،

ربنا : روی بالرفع والنصب والجر فالرفع علی تقدیر هو ربنا او انت ربنا اسمع حمدنا و دعائنا او علی انه مبتداء و خبره غیر مودع بالرفع مقدم علیه والنصب علی انه منادیٰ حذف منه حرف النداء والجر علی انه بدل من الله (جمع ص۲۹۲) ربنا کے اعراب کے متعلق تین صورتیں ہیں رفع۔ نصب، جر پھر رفع یا تو اسلئے ہے کہ ترکیب میں خبر مبتداء محذوف کی ہے یعنی ہو ربنا یا انت ربنا ہوگا یعنی تو ہمارا رب ہے تو ہماری حمد وثناء اور دعا سن لے اور یا اس لیے مرفوع کہ ربنا ترکیب میں متبداء ہے اور اسکی خبر غیر مودع اس پر مقدم ہے اور اس کا نصب بنا پر منادی ہونے کے ہے اور حرف نداء محذوف ہے یعنی یا ربنا۔اور جر کی صورت میں یہ لفظ اللہ سے ترکیب میں بدل واقع ہوگا۔

جب کسی دوسرے کے ہاں دعوت ہوتی :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی کے گھر مین کھانا تناول فرماتے تو نہ اٹھتے جب تک ان کے لیے دعا نہ فرما لیتے۔جناب حضرت عبداللہ بن سبرہؓ کے گھر میں یہ دعا فرمائی۔اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ (اے اللہ تو رزق میں برکت نازل فرما اور انکو بخش دیں اور رحمت سے نواز دیں) اور حضرت سعدؓ کے گھر میں یہ دعا پڑھی اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامُکُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور اللہ کے پاک فرشتوں کی دعائیں تم پر ہوں) اور ایک

نوجوان (عمرو بن الحمق) نے حضور اقدس ﷺ کو دودھ پلایا، تو آپؐ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی، اللھم امتعه بشبابه (اے اللہ اسکو اپنی نوجوانی سے مستفید فرمادیں) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، فمرت علیه ثمانون سنة لم یر شعرة بیضاء (پس اسی سال عمر ہونے کے باوجود کوئی ایک بال سفید بھی نہ دیکھا) (جمع ص ۲۹۲) شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے یہ دعا بھی ثابت ہے، اللھم اطعمت و سقیت واغنیت واقنیت و ھدیت و احییت فلک الحمد علی ما اعطیت ۔ (مواھب ص ۱۴۱) (اے اللہ تو نے کھلایا پلایا تو نے استغنا اور بے نیازی عطا کی اور تو نے ہدایت اور زندگی مرحمت فرمائی آپ نے جو کچھ عنایت فرمایا اس پر سب حمد وثنا آپ ہی کے لیے ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ ان لوگوں کے لیے جو مساکین کی مہمان نوازی کرتے، تعریف اور دعائیں کرتے۔ فقال مرة الا رجل یضیف ھذا رحمه الله . (ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے ایسا شخص کہ اس کی مہمان نوازی کرے اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے) اسی طرح حضور ﷺ نے ایک انصاری اور اس کی بیوی (جنہوں نے ایثار کرکے اپنا اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلایا) کی مدح میں فرمایا۔ لقد عجب الله من صنیعکما اللیلة (اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے آج کی رات کے عمل سے بہت خوش ہوئے) (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵) جب حضور اقدس ﷺ اجتماعی طور پر اپنے رفقاء کے ساتھ کھانا کھاتے، تو آپؐ سب سے آخر میں فارغ ہوتے لکی لا یخجل الجلیس وعسی ان یکون له فی الطعام حاجة ۔ (تاکہ کھانے والے ساتھیوں میں سے کوئی شرمندہ نہ ہو جائے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو ابھی کھانے کی ضرورت باقی ہو۔ (اتحافات ص ۲۴۰)

(۱۸۶/۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانِ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ ھِشَامِ الدَّسْتَوَائِیْ عَنْ بُدَیْلِ بْنِ مَیْسَرَةَ الْعُقَیْلِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ الطَّعَامَ فِیْ سِتَّةٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَجَآءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَکَلَہٗ بِلُقْمَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ سَمّٰی لَکَفَاکُمْ .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوبکر محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

اسے وکیع نے ہشام دستوائی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت بدیل بن میسرۃ عقیلی سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ام کلثوم سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ سے نقل کی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرمار ہے تھے کہ ایک بدوی آیا اس نے دو لقموں میں سب کو نمٹایا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔

راوی حدیث (۴۳۳) ابوبکر محمد بن ابانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

عدم تسمیۃ کی وجہ سے کثیر طعام میں بے برکتی :

فجاء اعرابی فاكله بلقمتين ابسم الله کی برکت کا بیان ہے۔ تفصیلی قصہ تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اعرابی : نسبة الى الاعراب وهم سكان البوادى سواء كانوا من العرب او من غيرهم (اعرابی کا معنی بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جنگلوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کو کہا جاتا ہے چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب۔ (مواھب ص ۱۴۱) اعرابی آتے ہی کھانے پر ٹوٹ پڑا ابھی دو بڑے بڑے لقمے ہی لیے تھے کہ کھانا ختم ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا لو سمّی لكفاكم، اگر یہ نو وارد بسملۃ پڑھ لیتا تو کھانا سب کے لیے کافی ہوتا۔ ای الطعام ببركة التسمية (جمع ص ۲۹۲) في ستة من اصحابه میں کثرت طعام کو اشارہ ہے، یعنی کثرت طعام کے باوصف اس شخص کے ترک تسمیۃ کی وجہ سے شیطان شریک طعام ہو گیا اور بے برکتی ہو گئی۔ وفي هذا كمال المبالغة في زجر تارك التسمية على الطعام لان تركها يمحقه (اور اس میں کھانے کے وقت بسم اللہ چھوڑنے والے پر مکمل ڈانٹ وارد ہوئی کیونکہ تسمیہ کا چھوڑ دینا بے برکتی کا سبب ہوا) (مواھب ص ۱۴۲)

(۱۹۰/۱۹) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَّ مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا ابْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ سَعِيْدِ

ابْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّاْکُلَ الْاَ کْلَةَ اَوْیَشْرَبَ الشُّرْ بَةَ فَیَحْمَدَهٗ عَلَیْهَا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہناداور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابواُسامہ نے زکریا بن ابی زائدہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن ابی بردہ سے روایت کی اور انہوں اسے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جل جلالہٗ عم نوالہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ کھانا کھاوے یا ایک گھونٹ پانی پیوے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا اس پر شکر ادا کرے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ. (اے اللہ حمد و ثناء اور شکر آپ ہی ذات اقدس کا ہے میں تو آپ کی تعریف وثناء کا حق ادا کرنے سے عاجز ہوں)

راویان حدیث (۴۳۴) ابواسامۃؒ (۴۳۵) زکریا بن ابی زائدۃؒ اور (۴۳۶) سعید بن ابی بردۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

لیرضی عن العبد: ای یثنیه و یرحمه، الأکلة ، اگر ضم ہمزہ کے ساتھ پڑھیں تو مراد لقمہ ہے اور بفتحہا المرۃ (مواہب ص۱۴۲) او: کلمة او للتنوع ولیست للشک (لفظ او یہاں تنوع اور تقسیم کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیے۔ (مواہب ص۱۴۲)

کھانے کے بعد ترغیب حمد و شکر :

مقصد ترغیب حمد و شکر ہے کہ مسلمان جب کھانا کھائے یا پانی پیئے، حمد و شکر کرے، چاہے وہ ایک لقمہ ہو یا ایک گھونٹ ، مادہ حمد سے ماخوذ ، جو کلمہ بھی ادا کیا جائے، سنت حمد و شکر ادا ہو جائے گی۔ البتہ جو کلمات حمد و شکر اس سے قبل آپؐ نے تعلیم فرمادیئے ہیں، فھو بیان للا کمل (تو یہ کامل ترین الفاظ حمد و شکر کا بیان ہے)۔ (مواہب ص۱۴۲)

خلاصۂ باب:

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ ! خلاصۂ باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وکان النبی صلی اللہ علیه

وسلم يكره الحار من الا طعمة والاشربة ، و يوصي غيره ، فان فيه البركة، وروىٰ ابو نعيم ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان ينهي عن النوم عقب الا كل، وقال انه يقسي القلب ولذا نصح الا طباء بالمشي بعد العشاء ، ومن هنا نعلم ان الاسلام يتمشي مع قواعد الصحة والعافية على أتم وفاق (اتحافات ص ۲۴۱) (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کی گرم چیزوں کو ناپسند فرمایا کرتے اور انکے علاوہ کے کھانے کی تاکید فرماتے کیونکہ ان میں برکت ہوتی ہے۔ ابونعیم کی روایت ہے کہ آپؐ کھانا کھانے کے بعد سونے سے منع فرمایا کرتے اور کہا کہ یہ دل کو سخت کر دیتا ہے۔ اس لیے تو طبیب اور ڈاکٹر حضرات رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کی تاکید کرتے ہیں انہی روایات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے صحت وعافیت کے اصول کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا ہوا ہے۔ (اے اللہ سارے حمد وثنا تو آپ ہی کے ذات کے لائق ہیں میں انکے بیان کرنے سے قاصر ہوں) اللهم لك الحمد و لك الشكر لا احصي ثناء عليك .

تكملة :

(۱) شیخ ابراہیم بیجوریؒ فرماتے ہیں :

و ليسنّ تقديم الصبيان على المشائخ في الغسل قبل الطعام لان ايدي الصبيان اقرب الى الوسخ وقديفقد الماء لو قدم المشائخ وامّا بعد الطعام فبا لعكس اكراما للشيوخ وهذا كله في غير صاحب الطعام امّا هو فيتقدم بالغسل قبل الطعام ويتأخر بعده..............ويسنّ تنشيف اليدين من الغسل بعد الطعام لا قبله لانه ربما كان بالمنديل وسخ يعلق باليد ولا ن بقاء اثر الماء يمنع شدة التصاق الدهنية باليدين. اور سنت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے میں بچوں کو بڑوں پر مقدم کیا جائے اس لئے کہ لڑکوں کے ہاتھ عام طور پر میلے کچیلے ہوتے ہیں اور اگر مشائخ کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں تو بسا اوقات پانی ختم ہو جاتا ہے (تو پھر لڑکے انہی میلے کچیلے ہاتھوں کیساتھ شریک طعام ہونگے) البتہ کھانا کھالینے کے بعد بزرگوں کے ہاتھ بچوں سے پہلے احتراماً دھلائے جائیں واضح ہو کہ یہ گذشتہ حکم صاحب طعام کے علاوہ لوگوں کے لئے تھا اور صاحب طعام کے لئے یہ ہے کہ وہ کھانے سے پہلے تو ہاتھ دھونے میں پہل کریگا لیکن کھانے کے بعد کی صورت میں ہاتھ دھونے میں تاخیر کرے نیز کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر پونچھنا سنت ہے نہ کہ کھانے سے پہلے اس لئے کہ

اگر کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے تو ہوسکتا ہے کہ تولیہ وغیرہ میں کچھ میل ہو تو وہ ہاتھوں میں لگ جائیگی اور اس لئے بھی کہ دھلے ہوئے ہاتھوں میں پانی کی بقیہ تری چکناہٹ کو ہاتھوں پر چپکنے سے مانع ہوگی۔ (مواھب ص ۱۳۸)

(۲) علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ :

وكان (صلى الله عليه وسلم) لا يانف من مواكلة احد صغيرا كان او كبيرا حرا كان او عبدا اعرابيا او مهاجرا، حتى لقد روى اهل السنن عنه انه اخذ بيد مجذوم فوضعها معه فى القصعة فقال كل باسم الله ثقة عليه وتوكلا عليه. (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کسی دوسرے کو کھلانے میں ناپسندی کا اظہار نہ فرماتے تھے چاہے وہ کھانے میں شریک ہونے والا چھوٹا لڑکا ہوتا یا بڑا آزاد ہوتا یا غلام اعرابی ہوتا یا مہاجر۔ اتنے حد تک کہ اصحاب سنن نے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے کے کاسہ میں رکھتے ہوئے کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھائیے۔

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قَدَحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کے بارے میں

قدح : قاف اور دال کے فتح کے ساتھ، ایسا برتن جس میں کوئی چیز پی جائے، ھو ما یشرب فیه (مناوی ص۲۹۳) ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ درمیانی جحم کا پیالہ ہوا کرتا تھا، ھو اناء بین اناء ین لا صغیر ولا کبیر ،اس کی جمع اقداح آتی ہے، جیسے سبب کی جمع اسباب آتی ہے اور قدح: دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد تیر ہے اور قدح جب دال کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے، تو مراد زخم لگانا اور چھیلنا ہوتا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد پیالے اور ان کے مختلف نام تھے

(۱) الریان (۲) مغیثاً (۳) وقدح مضبب بسلسلة من فضة فی ثلاثة مواضع و آخر من زجاج و آخر من عیدان بفتح العین، والعیدانة النخلة السحوق (ریان، مغیث اور ایک ایسا پیالہ بھی جس پر تین جگہ چاندی کے پترے یا تار وغیرہ لگے ہوئے تھے اور ایک پیالہ شیشے کا بھی ایک اور کھجور سے لفظ عیدان (عین کے فتح کیساتھ) یہ عیدانة کی جمع ہے اور اس کا معنی کھجور کا لمبا درخت)۔ (اتحافات ص۲۴۲) اس باب میں مصنفؒ نے دو احادیث ذکر کی ہیں۔

(۱۸۸/۱) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْاَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيْظًا مُضَبَّبًا بِحَدِيْدٍ فَقَالَ يَا ثَابِتُ هٰذَا قَدَحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن اسود بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں

کہ ہمیں اسے عمرو بن محمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسیٰ بن طہمان نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی۔ حضرت ثابتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے، نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابت! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

راویان حدیث (۴۳۷) الحسین بن الاسود البغدادیؒ اور (۴۳۸) عمرو بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قدح خشب ، یہ اضافت بیانیہ ہے یا بمعنی من کے ہے، ای قدح من خشب لکڑی کا پیالہ (مواھب ص۱۴۲) مضبباً کہتے ہیں باب مضبب جب وہ ضبات (لوہے یا پیتل کی چوڑی پتریوں) کے ساتھ باندھ لیا جائے۔ ضبة ! لوہے کی چوڑی پتری کو کہتے ہیں، جو دروازہ بند کرنے کے لئے اندر کی طرف سے لگائی جاتی ہے۔ اس کی جمع ضبات آتی ہے۔ کحبة وحبات (مناوی ص۲۹۴) مضبب کا معنی ہے کہ لوہے کی پتری لگی ہوئی ہو، تضبیب سے اسم مفعول ہے، اگر یہ پتری لکڑی کی ہو، تو اسے اصاد کہتے ہیں' اسی سے مؤصدة بمعنی بند شدہ کے آیا ہے ظاہر ہے کہ آپؐ کا پیالہ مبارک پھٹ گیا ہوگا، جسے بعد میں پتری لگا دی گئی ہوگی۔ حدیث سے متبادر یہی ہے یہ تضبیب (پتری لگانے کا عمل خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ تضبیب کا عمل پیالے کی حفاظت کے لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے، غیرُ مرضی ناپسندیدہ قول ہے۔ (مواھب ص۱۴۲)

لیکن علامہ ملا علی قاریؒ نے دونوں قول احتمالی طور پر نقل کر کے تطبیق کی صورت بھی بیان کر دی۔ فرماتے ہیں، فیحتمل ان الواصل هو النبی صلی الله علیه و سلم او انس و کلام العسقلانی یمیل الیٰ الاول حیث قال هو الظاهر .... ثم قال و یحتمل ان یکون الواصل انسا ویؤیده ماروا ه البیهقی عن انس و لفظه فجعلت .... الخ، والظاهر ان یحمل قوله فاتخذ علی انه امر بالاتخاذ علی الاسناد المجازی و یحمل قوله فجعلت علی الاسناد الحقیقی فاتفق الروایتان ۔ (الجمع ص۲۹۴)

پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو جوڑنے اور ٹانکا لگانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا انسؓ اور علامہ عسقلانیؒ کا رجحان پہلے قول کی طرف ہے کیونکہ اس نے کہا کہ یہی بات ظاہر اور واضح ہے۔۔۔پھر کہا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ جوڑنے والا حضرت انسؓ ہو اور اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے ہے کہ فجعلت مكان الشعب سلسلة (کہ میں نے اس کے پھٹن کی جگہ پتری لگائی) لیکن زیادہ واضح تو یہ ہے کہ فاتخذ مكان الشعب الخ کو اسنادمجازی پر حمل کیا جائے (یعنی آپؐ نے اس ٹوٹے پن (چیر) کے بنانے کا حکم فرمایا) اور حضرت انسؓ کے قول فجعلت الخ کو اسناد حقیقی (کہ میں نے جوڑا) پر محمول کیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جائیگی۔

کمال تواضع اور ترکِ تکلف :

فقال يا ثابت هذا قدح رسول الله صلى الله عليه وسلم : دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پتریوں لگا پیالہ دکھایا جا رہا ہے، جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت اور رغبت کے ساتھ استعمال فرمایا تھا، وفيه دليل على كمال تواضعه وترك تكلفه وجاء في رواية عن انس انه قال لقد سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا القدح اكثر من كذا و كذا ۔ (جمع ص ۲۹۴) اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک تکلف اور کمال تواضع کی دلیل ہے اور ایک روایت میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ آپؓ فرمایا کرتے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالے سے اتنے اتنے بار سے بھی زیادہ پلایا ہے۔

نافع اشیاء کی حفاظت واصلاح مستحب ہے :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافع چیز کی حفاظت اور ممکن اصلاح واستعمال مستحب ہے اور اس کو ضائع کرنا مکروہ ہے۔ واشترى هذا القدح من ميراث النضر بن انس بثمانمائة الف درهم اور نضر بن انسؓ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم پر خریدا گیا۔ امام بخاریؒ سے روایت ہے کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے كان مضبباً بفضة یعنی اس پر چاندی کی پتریاں لگی ہوئی تھیں، جبکہ اس روایت میں مضبباً بحدید کی تصریح ہے ويمكن الجمع بانه كان مضبباً

بکل من الفضة والحدید۔ اوران کی تطبیق بایں صورت بھی ممکن ہے کہ چاندی اورلوہے ہر دونوں کی پتریاں لگائی گئی ہوں۔

(۲/ ۱۸۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ الْمَاءَ وَالنَّبِيْذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عاصم بن عاصم نے بیان کی۔ اُن کو یہ روایت حماد بن سلمہ سے ملی۔ انہوں نے یہ روایت حمید اور ثابت دونوں کے واسطہ سے حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع پانی، نبیذ، شہد، دودھ سب چیزیں پلائی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی والہیت :

لقد سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھذا القدح......الخ مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے بھذا القدح میں کتنا پیار، کتنی محبت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہیت ظاہر ہورہی ہے۔ حضرت انسؓ کو اس بات پر کتنا فخر وامتیاز اور ناز ہے کہ یہ وہ پیالہ ہے جس میں آپؐ کو ہر چیز پلایا کرتا تھا، اپنے نصیب وسعادت پر انہیں مسرت ہے کہ مجھے آپؐ کی خدمت کا نادر سے نادر موقع نصیب ہوتا رہا۔

پیالے کی ساخت :

القدح سے مراد وہی پیالہ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ھو قدح الخشب الغلیظ المضبب بالحدید موٹی لکڑی کا ایسا پیالہ جس پر لوہے کی پتریاں لگائی گئی ہوں۔ (مواھب ص۱۴۳) و قد ثبت فی الصحیح ان قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی کان عند انس قدح جید عریض ای

طوله اکثر من عرضه اتخذ من النضارو هو العود الخالص ، وقیل انه کان من النبع وقیل انه کان من الاثــل اورصحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیالہ جوحضرت انسؓ کے پاس تھا ایک اچھا مضبوط چوڑا پیالہ تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی سے زیادہ تھی اور وہ خالص عمدہ لکڑی سے بنا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبع (ایک قسم کی لکڑی جس سے تیر وکمان بنائے جاتے تھے) سے بنایا گیا تھا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جھاؤ (کھگل) کی لکڑی کا تھا۔(اتحافات ص۲۴۳)

الشراب کله : پیئے جانے والی تمام اشیاء، چار اشیاء کا خصوصیت سے ذکر ہے۔الماء و النبیذ، و الـعسل، و اللبن پانی۔نبیذ۔شہد اور دودھ کا یہ اشیاء اربعہ، بدل مفصل من مجمل ہے یا بدل بعض من الکل ہے۔ اهتـمـاماً بشـأنها لکونها أشهر الانواع ان چار چیزوں کی اہتمام شان کے لئے کیونکہ یہ پیئے جانے والی اشیاء میں مشہور ترین قسمیں ہیں۔(مواھب ص۱۴۳) نبیذ: کا معنیٰ کھجور، کشمش یا خوبانی کو پانی میں بھگو دیا جائے۔ جب اس کا اثر اچھی طرح پانی میں آجائے ،تو وہ پانی نبیذ کہلاتا ہے۔هوماء یجعل فیه تمرات لیحلو (اتحافات ص۲۴۳) آپؐ کے لئے بھی رات کے وقت کھجوریں بھگودی جاتی تھیں، جسے آپؐ صبح کے وقت نوشِ جان فرمالیا کرتے تھے۔اور آنے والی رات کو بھی اور کل آئندہ عصر تک پھر اگر اس میں سے کچھ بچ جاتی تو اپنے خادم کو پلا دیتے اگر اس سے نشہ ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تھا ورنہ اس کے بہادینے کا حکم فرمادیتے اور آپؐ کو اس کے پینے سے زیادتی قوت کا عظیم نفع ہوتا تھا علامہ بیجوریؒ اس کو اس عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ وکـان یـنبـذلـه صلی الله علیه وسلـم اول الـلیل ویشرب منه اذا اصبح یومه ذلک ولیلة التی تجئی و الغدالی العصر فان بقی منه شئـی سـقـاه الـخـادم ان لـم یـخف منه اسکار اوالا امر بصبه، وهو له نفع عظیم فی زیادة القوّة ۔ (مواھب ص۱۴۳)

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ فَاكِهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھل تناول فرمانے کے بیان میں

فاکھة، میوہ اور پھل کو کہتے ہیں۔ تر ہو یا خشک ہر قسم کا پھل جس کو کھا کر لذت حاصل کی جائے اور اس سے غذا و دوا مقصود نہ ہو، خواہ روٹی کے بعد ہو یا کسی بھی وقت، اور چاہے وہ تر (میوہ) ہو یا خشک جیسے انجیر، خربوزہ، کشمش، انگور یا اس جیسے دوسرے میوہ جات، صاحب اتحافات لکھتے ہیں ما یتفکه به بعد الطعام او فی ای وقت رطبًا کان او یا بسا کتین و بطیخ و زبیب و عنب و ما اشبه ذلک. (اتحافات ص ۲۴۴) اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے پھل کھانے کا بیان ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ ان کے لئے دعائے برکت فرماتے۔

''نخل'' اور ''رمان'' کا حکم :

بعض حضرات نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑ دی ہے کہ نخل اور رمان، فواکہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں فواکہ میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں یہ دونوں غذا اور دوا کے طور پر استعمال ہوتے تھے قرآن مجید میں بھی فیهما فاكهة ونخل ورمان آیا ہے، عطف تغایر کا متقاضی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو فواکہ سے متغایر ہونا چاہیے۔ جیسے صاحب اتحافات یہی لکھتے ہیں۔ وقیل ان التمر والرمان لیسا من الفاکهة لقوله تعالیٰ فیهما فاكهة و نخل ورمان والاصل فی العطف المغایرة۔ (اتحافات ص ۲۴۴)

حضرات صاحبینؒ نے جب دیکھا کہ اب لوگ انہیں تغذّی اور تداوی کے طور پر نہیں بلکہ

تفکہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے اسے فواکہ قرار دیا، وذھب الراغب الی ان الفاکھۃ ھی الثمار کلھا اور امام راغبؒ کا رجحان اسطرف ہے کہ فاکھۃ سب میوہ جات کو شامل ہے (اتحافات ص ۲۴۴) شارحینِ حدیثؒ نے قطعی فیصلہ یہ کیا ہے کہ تفکہ یا تغذی کا دارومدار عرف پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں سات روایات نقل کی ہیں۔

(۱۹۰/۱) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُوْسَی الْفَزَارِیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن جعفرؓ سے سنی۔ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۴۳۹) اسماعیل بن موسیٰ الغزالیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ککڑی اور کھجور کا یکجا استعمال :

یاکل القثاء بالرطب ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی ٹھنڈی (بارد) سبزی ہے اور کھجور (حار) گرم میوہ ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے دونوں کو ملا کر کھانا اعتدال ہے۔ جس کی وجہ سے نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ککڑی پھیکی اور کھجور میٹھی ہوتی ہے، دونوں کو یکجا کھانے سے ذائقہ میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور ککڑی میں بھی مٹھاس آجاتا ہے۔

وفی الصحیح انہ کان یاکل الرطب بالقثاء والفرق بینھما ان المقدم اصل فی الماکول کالخبز والمؤخر کالادام ، وقد اخرج الطبرانی بسند ضعیف ان عبداللہ بن جعفر قال رأیت فی یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم قثاء وفی شمالہ رطبا وھو یاکل من ذامرۃ ومن ذامرۃ وھو

محمول علی تبدیل ما فی یدیه لئلا یلزم الاکل بالشمال اور صحیح میں ہے کہ آپ تر کھجور کو ککڑی کے ساتھ کھایا کرتے تھے یعنی مندرجہ بالا روایت کے عکس اور دراصل انکے درمیان فرق یہی ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہو تو وہی ماکول ہونے میں اصل ہوتی ہے جیسے روٹی اور جو مؤخر ہو وہ بمنزلہ ادام اور سالن کے ہے امام طبرانیؒ نے ایک سند ضعیف سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تر کھجور دیکھی اور آپ کبھی اس سے کھاتے اور کبھی اس سے اور اس کا محمل یہی ہوگا کہ آپؐ کے ہاتھوں میں جو چیزیں تھی اسے تبدیل فرما کر کھا رہے تھے اور یہ اس لئے تاکہ آپ کا بائیں ہاتھ سے کھانا لازم نہ آجائے۔ (جمع ص ۲۹۶) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہ یک وقت متعدد اشیاء کا کھانا زہد و تقوی کے خلاف نہیں ہے......

قال النوویؒ فیه جواز اکل الطعامین معا والتوسع فی الاطعمتولا خلاف بین العلماء فی جوازہ ۔ (جمع ص۲۹۶)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف کھانوں، اطعمہ اثمار اور ماکولات کی صفات اور طبائع کو ملحوظ رکھ کر استعمال کرنا جائز ہے، جو طبی قواعد میں چلتا ہے۔ لان فی الرطب حرارة و فی القثاء برودة فاذا اکلا معاً اعتدلاوھذا اصل کبیر فی المرکبات من الادویة (جمع ص۲۹۶) اس لئے کہ تر کھجور گرم ہے اور ککڑی ٹھنڈی اور جب دونوں اکٹھے کھائے جائیں تو پھر دونوں میں اعتدالی کیفیت ہو جائیگی۔ اور یہی مرکب دوائیوں کے بنانے کا بنیادی قانون اور اصل ہے۔

(۲/ ۱۹۱) حَدَّثَنَا عَبۡدَةُ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰہِ الۡخُزَاعِیُّ الۡبَصۡرِیُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بۡنُ هِشَامٍ عَنۡ سُفۡیَانَ عَنۡ هِشَامِ بۡنِ عُرۡوَةَ عَنۡ اَبِیۡهِ عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاۡکُلُ الۡبِطِّیۡخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبدة بن عبداللہ خزاعی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کی اور وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

تربوز اور کھجور کا یکجا استعمال :

کان یاکل البطیخ بالرطب ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ بطیخ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے خربوزہ اور بعض نے تربوز قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا صحیح معنیٰ تربوز ہے، کیونکہ تربوز سرد ہے اور کھجور کی گرمی کو معتدل کر دیتا ہے چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ جب آپؐ تربوز کے ساتھ تازہ کھجوریں تناول فرماتے تو ارشاد فرماتے ، ویقول یلدفع حرهذا برد هذا و برد هذا حر هذا ۔ (جمع ص ۲۹۶) کہ اس کی (کھجور کی) گرمی اس (تربوز کی) ٹھنڈک کو دور کر دیتی ہے اور اس (تربوز کی) ٹھنڈک اس کی (کھجور کی) گرمی کو دور کر دیتی ہے۔

(۳/ ۱۹۲) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُوْلُ اَوْ قَالَ حَدَّثَنِىْ حُمَيْدًا قَالَ وَهْبٌ وَكَانَ صَدِيقاً لَهٗ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابراہیم بن یعقوب نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے بیان کیا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے حمید کو یہ کہتے ہوئے سنایا اس نے کہا کہ روایت حمید نے میرے سامنے بیان کی' کہتے ہیں کہ وہب حمید کا دوست تھا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بیان کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور کھجورا کھٹے کھاتے ہوئے دیکھا۔

خربوزہ اور کھجور :

یجمع بین الخربز والرطب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ اور تازہ کھجوریں یکجا تناول فرماتے تھے۔ دونوں کو ملا کر کھانے میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خربوزہ پھیکا ہو، کھجور سے

اس کے مزے میں مٹھاس اور اعتدال پیدا کر دیا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ برودت خربوزہ میں بھی من وجہٍ ہوتی ہے۔ اگرچہ پائیدار نہ ہو، فان فیہ برودۃ یعدلھا الرطب کہ خربوزہ میں ٹھنڈک ہے اس کو کھجور معتدل بنا دیتی ہے (جمع ص ۲۹۷) لفظِ خربز (بکسرتین) اور خربز (بفتحتین) فارسی سے معرب ہے۔ فارسی میں اسے خرپزہ اور خربزہ کہتے ہیں، ای کان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یاکل الخربز ویأتدم بالرطب۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کھاتے اور اس کا ادام کھجور کو بنا لیتے۔ (اتحافات ص ۲۴۶)

(۱۹۳/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن یحیٰی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن عبدالعزیز رملی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن یزید بن صلت نے محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت یزید بن رومان سے انہوں نے عروۃ سے روایت کی۔ عروۃ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تر کھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۴۰) محمد بن عبدالعزیزؒ (۴۴۱) عبداللہ بن یزید بن الصلتؒ اور (۴۴۲) یزید بن رومانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

غذا میں اعتدال اور اصلاحِ ضرر کا اہتمام:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل البطیخ بالرطب۔ اس حدیث کی تشریح وہی ہے، جو اس سے قبل کی حدیث میں عرض کر دی ہے۔ شیخ عبدالرؤف، علامہ ابن قیمؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں، وقد علم من ھذا الخبر وما قبلہ من احادیث الباب والذی قبلہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعدل الغذاء ویدبرہ فکان لا یجمع بین حارین ولا باردین ولا لزجین ولا قابضین ولا مسھلین

ولا غليظين ولا بين لبن وسمک ولا بين لبن وحامض ولا بين مستحيلين الى خلط واحد ولا بين مختلفين كقابض ومسهل وسريع الهضم و بطيئه ولا بين شوى وبطيخ ولا بين طرى وقديد ولا بين لبن وبيض ولا بين لحم و لبن ولم يأكل طعاماً قط فى وقت شدة حرارته ولا طبيخا بائتاً يسخن لـه بالغدو لا شيأ من الاطعمة العفنة والمالحه فان ذلک كله ضار مولد للخروج عن الصحة و كان يصلح ضرر بعض الاغذية ببعض اذا وجد اليه سبيلا ولم يشرب على طعامه لئلا يفسد ذكره ابن القيم. (مناوی ص ۲۹۸)

اس حدیث اوراس باب کی دوسری احادیث جواس سے پہلے گذر چکی ہیں بلکہ اس باب سے پہلے باب کی احادیث سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غذاء کو ہر طرح معتدل بنانے پر توجہ دیا کرتے تھے چنانچہ آپؐ نہ تو دوگرم چیزوں کو اکٹھا کھاتے اور نہ دو ٹھنڈی کو اسی طرح نہ دولیسدار چیزوں کو اور نہ ہی دو قابض اور نہ ہی دو مسہل چیزوں کو یکجا استعمال کرتے اور نیز نہ دو گاڑھی چیزوں کے درمیان اجتماع کرتے نہ ہی دودھ اور مچھلی کو اکٹھا کھاتے اور نہ دودھ اور کسی کھٹی اشیاء کو اکٹھے استعمال میں لاتے اور نہ ایسی دو چیزیں جنکی تحلیل اخلاط میں سے کسی ایک خلط کی طرف ہواور نہ دو مختلف چیزیں کہ ایک قابض اور دوسری مسہل ہو زود ہضم اور دوسری دیر ہضم ہوکو بیک وقت استعمال میں لاتے اور نہ بھنے ہوئے گوشت اور خربوزہ کے درمیان یا تازہ اور باسی کا اجتماع فرماتے اسی طرح دودھ اور انڈے اور گوشت اور دودھ بھی اکٹھے نہ کھاتے آپؐ نے کبھی سخت گرم کھانا نہیں کھایا اور نہ رات کا پکا ہوا دن کو گرم کیا جاتا اور نہ کوئی متعفن اور کھٹی غذائیں استعمال میں لاتے حاصل یہ کہ کھانے کی مذکورہ اشیاء انسانی صحت کے لئے مضر اور نقصان کا باعث بنتے ہیں آپؐ کی یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کو بعض دوسری غذائی اشیاء کو ملا کر اصلاح کر دیا کرتے اگر کوئی ایسا طریقہ ممکن ہوا کرتا نیز کھانے کے بعد فوری پانی نہیں پیا کرتے تا کہ غذا کی خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ ابن قیمؒ نے یہ تفصیل ذکر کی ہے۔

(۱۹۴/۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ

حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَأَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَآءُ وْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَفِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُکَ وَخَلِيْلُکَ وَنَبِيُّکَ وَاِنِّیْ عَبْدُکَ وَ نَبِيُّکَ وَاِنَّهٗ دَعَاکَ لِمَكَّةَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ قَالَ ثُمَّ يَدْعُوْ اَصْغَرَ وَلِيْدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِکَ الثَّمَرَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن سہیل بن ابی صالح نے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضورؐ کی خدمت میں لاکر پیش کرتے، تو حضورؐ یہ دعا پڑھتے، اللهم بارک لنا فی ثمارنا وبارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی صاعنا وفی مدنا، اللهم ان ابراهیم عبدک وخلیلک و نبیک وانی عبدک ونبیک وانه دعاک لمکة وانی ادعوک للمدینة بمثل ما دعاک به لمکة ومثله معه، (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت نازل فرما دے اور ہمارے مدینہ شہر میں برکت عنایت کر دے اور ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما دے (یہ ماپنے کے پیمانے ہیں) اے اللہ بیشک ابراہیمؑ تیرا بندہ خلیل اور نبی تھا اور میں بھی تیرا ہی بندہ اور نبی ہوں اور بیشک ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے وہی دعا جو اس نے مکہ کے لئے کی تھی اس سے دگنی۔ اس کے بعد جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اس کو مرحمت فرما دیتے۔

پہلا پھل حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں وضاحت کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے، کان الناس اذا رأوا اول الثمر. الخ' اس کو الباکورۃ کہتے ہیں۔ حضورؐ کے پاس لاتے، اپنے سے حضورؐ کو ترجیح دیتے اپنی

اولاد، خاندان سے بھی آپؐ کو ترجیح دیتے، لانه اولى الناس بما سيق اليهم من الرزق ۔ اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں سے ان ہی کو عطا کردہ رزق کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلا پھل قوم کے اکابر علماء اور صلحاء کے پاس لانا مستحب ہے۔

علامہ بیجوریؒ بھی یہی نقل کرتے ہیں: ويؤخذ منه انه ليندب الاتيان بالباكورة لاكبر القوم علماً وعملاً ۔ (مواھب ص ۱۴۵)

جب باغ لگتا اور میوہ پکتا تو صحابہ کرامؓ سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرماتے تاکہ آپؐ سب سے پہلے اسے تناول فرما دیں اور اس کے لئے برکت وسعت کی دعا فرما دیں اور اس لئے بھی کہ آپؐ کو اس ثمر جدید سے فرحت وانبساط حاصل ہو۔ فلا شک ان له فرحة تملأ القلب ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ کو قلبی مسرت اور خوشی ہو جایا کرتی۔ (اتحافات ص ۲۴۷)

پہلے پھل کی دعا :

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اول پھل دیکھ کر دعا فرماتے، اللهم بارك لنا في ثمارنا ...... الخ ۔ برکت سے مراد آفات وبلیات اور نقصان ومضرت سے حفاظت اور اثمار میں اضافہ اور زیادتی اور مخلوق کا ان سے ظاہری وباطنی منفعت اٹھانا مقصود ہے۔

مدینہ منورہ کے لئے دعا :

وبارك لنا في مدينتنا یعنی اس کے رہنے والوں کو رزق میں وسعت عطا فرما، ان کی دشمنوں سے حفاظت فرما، بكثرة الارزاق فيها و باقامة الشعائر الاسلام فيها کہ اس میں لوگوں کے رزق میں فراوانی اور اسلامی شعائر کے قیام کی توفیق ارزانی ہو۔ (مواھب ص ۱۴۵) اس لئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے سکانِ مدینہ کا اجر دوگنا کر دیا ہے و فتح عليهم كنوز كسرى و قيصر وخاقان مما لا يحصى اور فتوحات اسلامیہ میں انکو قیصر وکسریٰ اور خاقان کے بیشمار خزانے ہاتھ آئے۔ (اتحافات ص ۲۴۷) اور ایمان بھی ہمیشہ مدینہ منورہ میں اپنی تمام کیفیات اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ

موجود ہوتا ہے، والایمان دائما یارز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا (اور ہمیشہ ایمان سمٹ کر مدینہ شریف کی طرف آئیگا جیسے گھوم پھر کر سانپ بھی اپنی غار کی طرف آتا ہے) ہر سال ہر وقت زائرین کے وفود مدینہ منورہ میں بارگاہ نبوی میں زیارت اور صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔وفی ذلک تکثیر للخیر ونشر للبر اوراس میں خیر وبھلائی کی کثرت اور نیکی کا پھیلاؤ اور پہنچانا ہوتا ہے۔(اتحافات ص ۲۴۷)

صاع اور مد میں برکت کا معنی :

وبارک لنا فی صاعنا وملنا : مد کی جمع مداد، اَمداد اور مِداد آتی ہے۔صاع بالاتفاق چار مد کا ہوتا ہے لیکن مد میں اختلاف ہے۔امام صاحب کے ہاں مد دو (۲) رطل کا ہوتا ہے۔شوافع حضرات کے ہاں مدا یک رطل اور ثلثِ رطل کا ہوتا ہے۔صاع اور مد کے لئے دعا کرنا، دراصل فصل ہی میں خیر وبرکت کی دعا کرنا ہے کہ یہ اسی زمانے میں جنس کو ناپنے کے پیمانے تھے،یعنی جب ہم ان پیمانوں کے ساتھ نئی پیدا ہونیوالی فصل کو ناپیں،تو یہ فصل زیادہ سے زیادہ نافع ثابت ہو، والمراد بالبرکة فی الصاع والمد ، البرکة فی الشئی الذی یکال بھما. (صاع اور مد میں برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز ان سے ناپی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرمادے)۔(اتحافات ص ۲۴۸)

اللھم ان ابراھیم ......الخ ،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تیسرا حصہ اپنے شہر مدینہ منورہ کے لئے خصوصیت اور اہتمام سے اس میں خیر وبرکت کی طلب ہے۔دعا کے آغاز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر خیر سے غرض اپنے باپ ابراہیم کی عبودیت اور نبوت اور خلیل ہونے کو اپنی دعا کی قبولیت کیلئے وسیلہ بنانا تھا۔علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ : والغرض من ذلک التوسل فی قبول دعائه بعبودیة ابیه ابراھیم وخلته و نبوته . (مواھب ص ۱۴۵) الخلة: وھی المحبة التی تمکنت فی القلب وملأت خلاله ایسی محبت جو دل کی گہرائی سے ہو۔(اتحافات ص ۲۴۷)

مقام خلت ومحبت :

انی عبدک ونبیک ، اپنے کو خلیل نہ کہا، حالانکہ آپؐ بھی خلت سے سرفراز تھے،اس لئے

کہ آپؐ مقام محبت سے نوازے گئے تھے، جو مقام خلت سے ارفع ہے یا اپنے جدامجد کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار ہے جیسے اسی بات کو علامہ بیجوریؒ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لانہ خص بمقام المحبة الأرفع من مقام الخلة او ادبا مع ابیه الخلیل فلاینا فی انه خلیل ایضاً. (مواہب ص ۱۴۵) عبدیت کو رسالت پر مقدم کیا، لانها اصل الرسالة کہ یہ عبدیت رسالت کی بنیاد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا :

وانه دعا لمکة ، (اس نے دعا کی تھی مکہ شریف کیلئے) اور وہ دعا یہ تھی جو سورۂ ابراہیم میں مذکور ہے، جب انہوں نے اپنے نومولود فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو سرزمین عرب میں اللہ کے بھروسے پر تن تنہا چھوڑ دیا، تو بارگاہ ربوبیت میں یہ دعا کی، رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۔اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے اے پروردگار تاکہ وہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ انکی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل سے وہاں ایک قوم آباد ہوئی، پھر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، پھر لوگوں کی عبادت کا مرکز بنا، لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ دنیا بھر کا بہترین پھل وہاں موجود اور دنیا کی ہر ضرورت کی چیز وہاں دستیاب ہے۔

مدینہ منورہ کے حق میں دعا کی قبولیت :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مقصد یہی تھا کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کو بھی یہی خیر و برکت، مرکزیت، محبوبیت اور اس سے دو چند برکات و ثمرات عطا ہوں، آج وہ دعا قبول ہوئی مدینہ منورہ میں بھی ہر چیز دستیاب ہے، دنیا کا ہر پھل، ہر نعمت میسر ہے بلکہ مکہ مکرمہ سے سستی بھی ہے۔

ومثله معه ای ادعوک بضعف ما دعاک له ابراهیم لمکة و قد استجیبت دعوة

الخليل لمكة و الحبيب لمدينة فصار يجني اليهما من مشارق الارض ومغاربها ثمرات كل شئي (مواهب ص ۱۴۵) (یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کے دوگنا کی دعا کرتا ہوں جو دعا ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے کی تھی۔ تحقیق قبول ہوئی ابراہیمؑ کی دعا مکہ کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف کے لئے آج اس وقت ہر دونوں (مکہ اور مدینہ شریف) کو زمین کے گوشہ گوشہ اور مشرق و مغرب کے سب ممالک سے ہر قسم کے میوہ جات وافر طور پر آتے رہتے ہیں)

دنیا میں سب سے بہترین جگہ مکہ اور مدینہ ہیں :

اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کی جگہ (روضۂ اقدس) کے علاوہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ و مدینہ افضل ہیں۔ علامہ بیجوریؒ نے تنبیہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے: قد انعقد الاجماع علي ان مكة والمدينة افضل البقاع....والخلاف (فيما بينهما) غير البقعة الشريفة والا فهو افضل من السموات والارض جميعا . (اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ اور مدینہ افضل ہیں اور پھر ان دونوں کے درمیان افضلیت کا اختلاف روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ میں ہے ورنہ یہ بقعہ مبارکہ تو آسمان و زمین اور سب کائنات سے افضل ہے)۔ (مواھب ص ۱۴۵)

چھوٹے بچوں پر شفقت :

ثم يدعو اصغر وليد......الخ ، دعا سے فراغت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیتِ مکرم کے کم عمر اور صحابہ کرامؓ کے کم عمر بچوں کو بلا کر اس پھل سے ان کو عنایت فرماتے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: كان اذا اتى النبى صلى الله عليه وسلم بباكورة الثمر وضعها على عينيه ثم على شفتيه وقال اللهم كما اريتنا أوله فأرنا آخره ثم يعطيه من يكون عنده من الصبيان. (اتحافات ص ۲۴۸) (کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اس کو پہلے اپنی آنکھوں مبارک پر اور پھر ہونٹوں پر رکھ لیا کرتے اور یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ جیسے کہ اسکا شروع نیا پھل دکھایا ہے تو ہمیں اسکا آخر بھی دکھلا دیں) پھر جو چھوٹے بچے آپؐ کے پاس ہوتے انہیں دے دیا

کرتے۔ نئے پھلوں میں بچوں کو ترجیح دینا اس لئے بھی تھا کہ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، بلکہ اس کے پکنے، اترنے اور اتارنے کے لئے منتظر رہتے ہیں، او لتکون هناک مناسبة بين الباكورة في الرطب والصغار فهم اقرب العهد بالخلق والايجاد (اور یا اس لئے کہ نئے پھل (کھجور وغیرہ) اور چھوٹے بچوں میں ایک قسم کی مناسبت بھی ہے۔ کہ ان کے خلق وایجاد کا زمانہ قریب قریب ہے)۔ (اتحافات ص ۲۴۸) وفيه بيان حسن عشرته وكمال شفقته ومرحمته وملاطفته مع الكبير والصغير وتنزيل كل احد في مقامه ومرتبته للائقة به . (جمع ص ۳۰۰) اور آپؐ کے اس معاملہ میں اچھے برتاؤ کمال شفقت ومہربانی ونرم دلی ہر چھوٹے اور بڑے کیساتھ نیز ہر ایک کو اس کے مرتبہ میں رکھنا جس کا وہ لائق ہے کا بیان واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے)۔

ولید مفرد ہے جمع کے معنیٰ میں ہے، بچوں میں پھل تقسیم کرنے کے عمل میں ترحم علی الصغار ہے دوسرا یہ کہ آپؐ خود تناول نہ فرماتے تھے، کیونکہ ایسے پھل جب عام لوگوں کو میسر نہ ہوں اور وہ نہ کھا سکیں، تو آپؐ بھی کھانا پسند نہیں فرماتے تھے، جب فراوانی ہو جاتی اور پھل ہر ایک کو دستیاب ہوتا، تب آپؐ بھی پسند فرماتے تھے۔

والنفوس الذكية لا تتشوق الى تناول شئ من انواع الباكورة الابعد عموم الوجود ، فيقدر كل احد على تحصيله . (نیک اور پاکباز لوگ نئے پھل کے انواع تناول میں ابتداءً ہرگز شوق نہیں رکھا کرتے البتہ جب عام طور پر کثرت سے موجود ہو اور ہر ایک اس کے حاصل کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو پھر ان میں سے تناول کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے) (اتحافات ص ۲۴۸)

(۱۹۵/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ بَعَثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ اَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ فَاَتَيْتُهُ بِهِ وَعِنْدَهُ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَمَلَأَ يَدَهُ مِنْهَا فَاَعْطَانِيهِ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا ابراہیم بن مختار نے، انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کی وساطت سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے حاصل کی۔ ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراءؓ نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی مرغوب تھی۔ میں جس وقت ککڑیاں لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور والاؐ کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔

راویان حدیث (۴۴۳) ابراھیم بن المختارؒ (۴۴۴) ابوعبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسرؒ اور (۴۴۵) الربیّع بنت معوذ الانصاریۃؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قالت بعثنی ..... الخ، قصہ تو سارا ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ معاذ بن عفراء! ھو عمھا و ھو المشارک لاخیہ فی قتل ابی جھل ببدر، وحز رأسہ وھو مجروح مطروح (اتحافات ص ۲۴۹) (یہ معاذ بن عفراء حضرت معوذ بن عفراء کا چچا تھا اور یہی اپنے بھائی کے ساتھ ابوجہل کے قتل میں شریک تھا اور ابوجہل کا سر جدا کیا اور وہ زخمی شدہ زمین پر گرا ہوا تھا) القناع: مراد طبق ہے، یھدی علیہ (جو آپؐ کو ہدیہ میں پیش کیا گیا) (مواھب ص ۱۴۶) الطبق الذی یؤکل فیہ. (طبق وہ برتن جس میں کھانا کھایا جاتا ہے) (اتحافات ص ۲۴۹) اجرِ، اصل میں اجرو تھا، افلس کے وزن پر ہے ''واو'' کو ''ی'' سے بدل دیا گیا، لو قوعھا رابعۃ ضمہ کو ی کی مناسبت سے کسرہ سے بدل دیا گیا، پھر اس میں قاضٍ کا اعلال جاری ہوا اس کا مفرد ''جرو'' ہے، وھو الصغیر من کل شیء حیوانا کان اوغیرہ (مواھب ص ۱۴۶) جرو کا معنی ہر چیز میں سے چھوٹا چاہئے حیوان ہو یا غیر حیوان۔ غیر عام ہے اناء ہو یا خربوزہ یا ککڑی، مراد چھوٹا پھل ہے۔

زغب: ازغب کی جمع ہے جو الزغب سے ہے، وھو صغار الریش اول طلوعہ وشبہ

بہ القثاء الصغیر یعنی روئیں جو چوزے کے بدن میں شروع میں نکلتی ہیں، الزغب پرندوں کے بچوں کے لئے بولا جاتا ہے، جب نوزائیدہ بچے کے جسم پر ابھی پورے بال نہ اُگے ہوں، بلکہ روئیں روئیں سے ہوں۔ اسی طرح ککڑی کے لئے بول کر اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی بالکل ککڑی کے پکنے کا آغاز تھا۔ وہ نہایت ہی نرم و نازک تھی اور اس پر ابھی بالکل روئی روئی سی آئی ہوئی تھی۔

ککڑی اور کھجور کے تحفہ پر حضورؐ کا معاملہ :

وکان ...الخ ' یہ تو پہلی روایات میں آچکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی مع رطب کے محبوب تھی، وعنده حلية....الخ ، ای لباس یتزین به ایسالباس جس سے زینت اور خوبصورتی کی جائے۔ (اتحافات ص ۲۴۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے، ای من خراج البحرین وهو اقلیم بین البصرة و عمان یعنی بحرین کے خراج میں وصول ہوئے تھے بحرین بصرہ اور عمان کے درمیان ایک ملک ہے۔ (مواہب ص ۱۴۶) فملأ یده ، ای احدیٰ یدیه لا کلتا یدیه (مواہب ص ۱۴۶) فاعطانیه راویہ کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بھر کر مجھے زیورات دیئے۔ لعظیم سخائه صلی اللہ علیه و سلم و فیه کمال المناسبة فان الانثیٰ یلیق بها الحلية۔ (مواہب ص ۱۴۶) سخاوت میں ایک عظیم شخصیت ہونے کی بنا پر اور اس میں کمال مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا گیا کیونکہ عورتوں کیساتھ زیورات زیادہ لائق اور مناسب ہوتے ہیں۔ (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وفیه دلیل کمال کرمه و مروّته (اور اس میں آپ ﷺ کے کمالِ مروّت اور انتہائی سخی ہونے کی بھی دلیل ہے) (جمع ص ۳۰۲) شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، فیه عظیم سخائه، اس میں آپؐ کی کثرتِ سخاوت و جود معلوم ہوتی ہے۔ (اتحافات ص ۲۴۹)

ککڑی اور کھجور ملا کر کھانے میں فربہی کا فائدہ :

ککڑی کھجور کیساتھ ملا کر کھانے میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اس سے بدن فربہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو، تاکہ اُٹھان کچھ ہو جائے تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی، جس سے میرے بدن

میں اچھی فربہی آ گئی۔ ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی نمک کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ کبھی نمک کے ساتھ فرماتے ہوں، کبھی کھجور کے ساتھ، کہ رغبت کسی وقت میٹھے کی ہوتی ہے، کسی وقت نمکین کی۔ (خصائل)

(۷/ ۱۹۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍزُغْبٍ فَاَعْطَانِيْ مِلْأَ كَفِّهٖ حُلِيًّا اَوْقَالَتْ ذَهَبًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شریک نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن محمد بن عقیل نے دی۔ وہ اسے ربیع بنت معوذؓ بن عفراء سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ربیعؓ کہتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کو لے کر گئی، تو حضورؐ نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونا یا زیور مرحمت فرمایا۔

راوی کو تردد :

قالت اتیت .... الخ' یہ روایت بھی گذشتہ روایت کے ہم معنیٰ ہے اور ربیع بنت معوذ سے ہے، البتہ اس کی نچلی سند میں کچھ اختلاف ہے۔ راوی عبداللہ کو تردد ہے کہ حضرت ربیع نے واقعہ بیان کرتے ہوئے ،فاعطانی ملأ کفه حلیّا کہا تھا یا ذھباً کہا تھا۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اسی وقت بطور اکرام وانعام کے سونے یا اس سے بنائے ہوئے زیور سے اسے ہاتھ بھر کر نوازا تھا۔

خلاصۂ باب :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ خلاصۂ باب میں بیان فرماتے ہیں ،وفی الباب سبعة احادیث و منها نعلم ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یبرز فی کل ما یاکل و ما یختار و انه کان یکافئی علی

الهدايا باعظم منها ويعطي عطاء من لا يخشى الفقر ابدا . اوراس باب میں سات حدیثیں ہیں اوران سے یہی معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے وغیرہ بلکہ ہر پسندیدہ اشیاء کے دینے میں دوسروں سے فوقیت لے جاتے تھے اور آپؐ کسی شخص کے تحائف دینے پر اس کا بدلہ کہیں اس سے بڑا عنایت فرمادیتے بلکہ آپؐ کے عطایا تو اتنے زیادہ ہوا کرتے اور ایسے شخص کی مانند خرچ کیا کرتے جسکو کبھی فقر وفاقہ کا خوف اور فکر نہ ہو۔ (اتحافات ص ۲۵)

==============================

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ شَرَابِ رَسُوْلِ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے اشیاء کے بیان میں

شراب: پی جانے والی چیز کو کہتے ہیں، ما یشرب والمصدر من شرب اور شراب کا لفظ شرب یشرب کے باب کا مصدر ہے۔ (اتحافات ص ۲۵۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں نوشِ جان فرمایا کرتے تھے۔ اس باب میں آپؐ کے مشروبات، پانی، دودھ، شہد، نبیذ وغیرہ کے پینے کا بیان ہے۔ اس سے مراد وہ شراب نہیں، جو قطعاً حرام ہے، جسے قرآن میں "الخمر" کہا گیا ہے بلکہ شراب سے مراد آپؐ کے پاکیزہ مشروبات ہیں کہ آپؐ نے اپنی مبارک زندگی میں کون کونسے مشروبات استعمال فرمائے۔

نیز پینے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ دائیں سے شروع کیا جائے اور اگر بائیں جانب اکابر ہوں اور دائیں میں اصاغر ہوں، تو پھر اصاغر پر اکابر کا ادب واحترام، ترجیح واکرام ضروری ہے۔ انہیں اپنے بزرگوں کو ترجیح دینی چاہیے۔

(۱۹۷/۱) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ.

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت معمر سے زہری کے واسطہ سے روایت کی انہوں نے یہ روایت عروۃ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی سب چیزوں میں

میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا :

کان احب الشراب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلو البارد ،عرب کی پتھریلی اور ریگستانی زمین بالخصوص مدینہ منورہ میں اکثر کنویں کھاری تھے۔ٹھنڈا اور میٹھا پانی کہیں کہیں بلکہ کم دستیاب ہوتا تھا۔بعض اوقات میٹھا پانی بھی دور دراز مقامات سے لایا جاتا تھا۔ٹھنڈا اور میٹھا پانی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں کھجور بھگو کر نوش جان فرمایا کرتے تھے۔شہد کا شربت جو میٹھا اور خوب ٹھنڈا ہوتا نوشِ جان فرماتے۔آپؐ کی بارگاہ میں کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جو میسر ہوتا کھالیا کرتے تھے، مگر ٹھنڈے پانی کا اہتمام ہوتا تھا۔مقام ''سقیا'' جو مدینہ منورہ سے کافی مسافت پر ہے، وہاں سے آپؐ کے لئے پینے کا پانی لایا جاتا تھا کیونکہ وہاں کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا ہوتا تھا۔شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، المراد بالماء الحلو: العذب ، أو المنقوح فیه تمر أو زبیب أو الممزوج بالعسل. (اتحافات ص۲۵۱) (الماء الحلو سے مراد خوشگوار میٹھا پانی وہ پانی جس میں کھجور یا کشمش ڈال دی گئی ہو اور یا شہد کے ساتھ ملایا ہوا پانی)

ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے برکات :

ابن القیمؒ فرماتے ہیں، جب پانی میں وصفین مذکورین یعنی الحلاوۃ والبرودۃ (مٹھاس اور ٹھنڈک) جمع ہو جائیں تو یہ حفظِ صحت کی ضمانت ہے۔حرارت کی رافع ہیں، و حفظ علی البدن رطوباته الاصلیة اور بدن کی رطوباتِ اصلیہ (یعنی نرم و نازک ہونے کی کیفیت) کی حفاظت کرتا ہے (اتحافات ص۲۵۱) جبکہ نمکین پانی اس کی ضد ہے۔اس لئے بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرامؓ کے گھروں سے میٹھا پانی طلب کیا جاتا تھا۔شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں، واذا شربت الحلو البارد احمد ربی من وسط قلبی، ای من الاعماق . (اور جب میں میٹھا اور ٹھنڈا پانی پی لیتا ہوں تو پھر دل کی گہرائی سے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتا ہوں)۔(اتحافات ص۲۵۲) حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت تھانویؒ سے فرمایا کرتے ،اشرف علی! ٹھنڈا پانی پیو،ٹھنڈا پانی، کہ زبان

کے ساتھ دل بھی کہے، الحمدللہ۔

(۲/ ۱۹۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیلُ بْنُ اِبْرَاهِیمَ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ زَیْدٍ عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ اَبِیْ حَرْمَلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ عَلٰی مَیْمُوْنَةَ فَجَاءَتْنَا بِاِنَآءٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰی یَمِیْنِهٖ وَخَالِدٌ عَنْ شِمَالِهٖ فَقَالَ لِیَ الشُّرْبَةُ لَکَ فَاِنْ شِئْتَ اٰثَرْتَ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا کُنْتُ لِاُوْثِرَ عَلٰی سُؤْرِکَ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا فَلْیَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْهُ وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْیَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ شَیْءٌ یُجْزِیْءُ مَکَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَیْرُ اللَّبَنِ.

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰکَذَا رَوٰی سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُبَارَکٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً وَلَمْ یَذْکُرُوْا فِیْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَهٰکَذَا رَوٰی یُوْنُسُ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً.

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی اِنَّمَا اَسْنَدَهُ ابْنُ عُیَیْنَةَ مِنْ بَیْنِ النَّاسِ وَمَیْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هِیَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَخَالَةُ یَزِیْدَ بْنِ الْاَصَمِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ رِوَایَةِ هٰذَا الْحَدِیْثِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ زَیْدِ بْنِ جُدْعَانَ فَرَوٰی بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ زَیْدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ حَرْمَلَةَ وَرَوٰی شُعْبَةُ عَنْ عَلِیُّ بْنُ زَیْدٍ فَقَالَ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْمَلَةَ وَالصَّحِیْحُ عَنْ عُمَرُ ابْنُ اَبِیْ حَرْمَلَةَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر علی بن زید نے عمر کے واسطہ سے

دی جو کہ ابن ابی حرملہ ہیں۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولید دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المؤمنین حضرت میمونہؓ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن الولید بائیں جانب۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے، تو خالد کو ترجیح دیدے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے جھوٹے (پس خوردہ) پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ (اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر چیز عطا فرما) اور جب کسی کو حق تعالیٰ شانہٗ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے بعد اُس سے بہتر کی دعا اور دودھ کے بعد اسمیں زیادتی کی دعا اس لئے تعلیم فرمائی کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

راویان حدیث (۴۴۶) علی بن زیدؒ اور (۴۴۷) عمرو ابن ابی حرملہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تشریح حدیث :

قال دخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم.....الخ' تفصیلی قصہ تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے۔ ذیل میں متن حدیث کی تشریح لکھی جارہی ہے۔ دخلت کے بعد انا کی ضمیر، ضمیر تاکید ہے۔ 'تصحيحاً للعطف' عطف کو صحیح کرنے کے لئے (کیونکہ قانون نحوی کی رو سے جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی چیز کا عطف کیا جائے تو تاکید منفصل کیساتھ لانی ضروری ہے) حضرت میمونہؓ سے مراد امّ المؤمنینؓ ہیں۔ ان کا نام برۃ تھا۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا۔ آپؐ

نے ان کے ساتھ ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکۃ المکرّمہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں نکاح کیا اور ان کی وفات بھی ہجرت کے ۲۴ویں سال ۵۱ویں یا ۶۱ویں سال میں ہوئی۔ یہیں پر ان کا مرقد بنا۔ یہ آپ کی سب سے آخری زوجہ ہیں۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پڑھائی یہ عباس کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں۔ باناء من لبن ، الخ، ای باناء مملوء من لبن (یعنی ایسا برتن جو دودھ سے بھرا ہوا تھا) و انا علیٰ یمینه و خالد عن شماله ! انا کے بعد لفظ علی اور خالد کے بعد لفظ عن سے تعبیر جبکہ دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔ للتفنن فیهما اذهما بمعنی وهو مجرد الحضور (صرف عبارت میں تفنن اور تنوع پیدا کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی محض انکا وہاں موجود ہونا)۔ (جمع ص ۳۰۳)

تقدیم الایمن مستحب ہے :

الشربة لک ، یعنی میرے بعد دودھ پینے کی باری تمہاری ہے، اگر چاہو تو خالد کو اپنے اوپر ترجیح دے سکتے ہو، لانک صاحب الیمین وقد ورد الایمن فالا یمن . (اس لئے کہ آپ دائیں جانب والے ہوں اور الایمن فالا یمن کا حکم بھی وارد ہوا ہے) اس سے یہی مستفاد ہوا تقدیم الایمن ندبا ولو صغیراً مفضولاً و لذا قال فان شئت اثرت بها خالداً ۔ (کہ دائیں طرف والے کو مقدم رکھنا اگر چہ وہ چھوٹا اور مفضول بھی ہو مستحب ہے اسی لئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دیدے) کہ اکبر وافضل کا لحاظ اور مراعات بھی ضروری ہے، پھر اختیار و مشیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو دیدی۔ مقصود ان کی تطییبِ خاطر تھی اور اس امر پر تنبیہ مقصود تھی کہ ان کے لئے ایثار اور اکبر وافضل کو ترجیح دینا اولیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس کی محبت و عشق رسولؐ :

فقلت ...... الخ' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، میں نے کہا حضور! میں تو آپ کے بچے ہوئے دودھ پر کسی کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ پر آپ کے پس خوردہ کی اہمیت اور اس کا شغف ومحبت غالب ہوا، جو آپؐ کے ساتھ غایت تعلقِ خاطر اور غایتِ عشق ومحبت کا ثمرہ تھا۔

قربات میں ایثار کا مسئلہ :

یہاں پر ایک اہم مسئلہ یہ بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ قربانی میں ایثار جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔شوافع حضرات کہتے ہیں کہ قربات میں اپنے اوپر دوسرے کو ہرگز ترجیح نہیں دینی چاہیے۔حدیث باب بظاہر شوافع کا مستدل ہے،لیکن احناف کہتے ہیں کہ جب قربات نافلہ ہوں تو ایثار؛ بلا کراہت جائز ہے۔احناف کا مستدل بھی یہی حدیث ہے کیونکہ اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپ ان شئت آثرت بھا خالداً، (کہ آپ خوشی سے چاہیں تو خالد کو ترجیح دیدیں) ارشاد نہ فرماتے ،تو اس سے ثابت ہوا کہ قربات نافلہ میں ایثار بلا کراہت جائز ہے۔علماء کہتے ہیں کہ جہاں عبادتِ محضہ ہو یا جہتِ عبادت راجح ہو وہاں ایثار مکروہ ہے، جہاں عبادت مرجوح ہو وہاں ایثار جائز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار اور ابن عباسؓ کے جواب پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم اصرار سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا حق خوشی خاطر سے دے تو دے سکتا ہے۔مگر اس کو ایثار و ترجیح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔جنگِ احد میں باپ اور بیٹے دونوں کا جذبہ تھا کہ وہ دونوں جہاد میں شریک ہوں،قرعہ اندازی ہوئی تو نام بیٹے کا نکلا۔باپ نے خواہش ظاہر کی بیٹا اگر تم چاہو تو اپنے اوپر مجھے ترجیح دے کر جہاد میں بھیج سکتے ہو،مگر بیٹے نے کہا:یا ابت لا یوثر بالجنة احد احداً ابداً (اے میرے پیارے والد جنت ملنے میں کوئی بھی کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا)۔(مواھب ص ۱۴۸)

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو اپنے قرعہ اور ارادے پر قائم رکھتے ہوئے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔

ایک فائدہ :

الشیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ،یؤخذ من ھذا الحدیث ان من سبق الی مجلس عالم او کبیر وجلس بمحل عالٍ لا ینقل منه لمجئی من ھو افضل منه فیجلس ذلک الجائی حیث ینتھی به المجلس ولو دون مجلس من ھو دونه (مواھب ص ۱۴۹)(اس حدیث سے یہ معلوم کیا جا

سکتا ہے کہ جو شخص کسی عالم یا بزرگ کی مجلس کو سبقت کرتے ہو پہلے پہنچ کر اونچے اور معزز مقام پر بیٹھ گیا تو کسی ایسے شخص کے آجانے سے جو اس سے افضل بھی ہے اسکو وہاں سے اٹھایا نہیں جائیگا اور چاہئے کہ وہ بعد میں آنے والا مجلس کے آخر میں کہیں بیٹھ جائے اگرچہ اسکی یہ نشست کا مقام اس سے کم مرتبہ والے شخص کی نشست سے نیچے اور کمزور کیوں نہ ہو)۔

جب مطعومات مل جائیں تو یہ دعا پڑھیں :

ثم قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم ، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو اللہ پاک کوئی چیز کھلائیں، تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْہُ ۔ (اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت نازل فرمایئے اور ہمیں اس سے بھی اچھا کھلایئے) دعا میں لفظ ''خیر'' استعمال ہوا ہے جبکہ افضل اور احسن وغیرہ صیغوں میں نفس فعل میں اشتراک ہوتا ہے جبکہ لفظ ''خیر'' عام ہے کہ نفسِ فعل میں بھی اشتراک نہیں ہوتا اور پھر اسی کی خیریت کے مراتب کی تحدید بھی نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ ''خیر'' جامع اور حاوی ہوا اس جگہ بھی خیریت ظاہر و خیریت باطن سب مراد ہیں۔

جب دودھ ملے :

اور کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عنایت فرماویں، تو یہ دعا پڑھنی چاہیے، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَ زِدْنَا مِنْہُ ' یہاں دودھ کی دعا میں اس سے بہتر کے بجائے زِدْنَا مِنْہُ یعنی اس کے اضافے کی دعا کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ دودھ میں تو خیر ہی خیر ہے۔ اس سے بہتر کوئی چیز ہے ہی نہیں کیونکہ دودھ میں کھانے اور پینے کے تمام ضروری اجزاء پائے جاتے ہیں ۔ وکان اللبن طعاماً وشرابا لعظیم فائدتہ وقد ایدالطب الحدیث ماذکرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔ دودھ سے بہتر خورد و نوش کی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے بہتر کے حصول کے بجائے اسی میں اضافہ کی دعا تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ حکیم اور ڈاکٹر سب یہی کہتے ہیں کہ دودھ میں ہر قسم کے روغنیات ، چربی، نشاستہ ، پروٹین، نمکیات، معدنیات پائے جاتے ہیں، جو انسانی جسم کی نشو و نما کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اجزاء اس طرح یکجا کسی بھی دوسرے غذا میں نہیں پائے جاتے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو سال تک بچہ صرف

دودھ پر گذارہ کرتا ہے۔

قال ابو عیسیٰ......الخ ' امام ترمذیؒ اس سے سند کی غرابت کیطرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور غرابتِ سند' صحت اور حسن کے منافی نہیں ہے۔

==================================

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ شُرْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے طریقِ کار کے بیان میں

تمہید و تلخیص:

شرب کا لغوی، لفظی اور حقیقی معنی "المص" ہے۔ان الشرب وھو مصدر بمعنی التشرب وھو المراد ھنا (مواھب ص ۱۵۰) بیشک شُرب مصدر بمعنی تشرب (تفعل) کے ہے اور یہاں یہی مراد ہے) البتہ علامہ بیجوریؒ سابقہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ شرب، شین کے تینوں حرکات کے ساتھ مصدر ہے۔ہاں بفتح الشین مصدر قیاسی ہے اور باقی دونوں صورتوں میں مصدر سماعی ہے۔(مواھب ص ۱۴۷) امام ترمذیؒ نے اس باب میں دس احادیث درج فرمائی ہیں، جن سے آپؐ کے مشروبات کے استعمال یعنی پینے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔آپؐ نے بیٹھ کر بھی پانی نوش فرمایا۔بعض حالات میں کھڑے ہو کر بھی پیا، دو سانس میں پیا اور تین سانس میں بھی نوش فرمایا۔نیز اس باب میں بعض صحابیات کی محبت و عشق رسول کی والہانہ کیفیات بھی بیان ہوئی ہیں۔مثلاً حضرت کبشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ نے تبرکاً و ادباً جس مقام پر آپؐ نے (مشکیزہ کے) منہ لگا کر پانی پیا تھا۔وہ انہوں نے کتر کر رکھ لیا، تا کہ کسی اور کا منہ اس جگہ نہ لگے۔

(۱/۱۹۹) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا عَاصِمُ نِ الْاَحْوَلُ وَمُغِيْرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

ھشیم نے بیان کیا۔ ان کو اس حدیث کی خبر عاصم احول اور مغیرۃ نے شعبی کے واسطہ سے دی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔

بیٹھ کر کھانا پینا مسنون ہے :

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شرب زمزم وھو قائم ۔ زمزم: اس کنویں کو کہتے ہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کے مقام پر معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہوا، وھی بئر معروفۃ بمکۃ سمیت بذالک لان ھاجرۃ قالت لھا عند کثرۃ مائھا زمی زمی (مواھب ص ۱۵۱) (یہ مکہ شریف میں ایک مشہور کنواں ہے اس کو زمزم اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا پانی بہت ہوا تو حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا کہ زمی، زمی) عام اور معمول کے حالات میں کھانا پینا بیٹھ کر مسنون ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا خلاف سنت اور خلاف ادب ہے۔

بعض استثنائی حالات :

تاہم بوجہ عذرِ شرعی کے کھڑے ہو کر ممنوع نہیں بلکہ اجازت ہے۔ البتہ بعض قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ آپؐ کے عمل میں واضح ہے کہ آبِ زم زم کھڑے ہو کر قبلہ رو پیٹ بھر کر پینا سنت ہے۔ بعض حضرات نے زمزم کے پانی کو بھی کھڑے ہو کر پینے کے ذیل میں لا کر اس کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ جس طرح کہ عام پانی کے بارے میں نہی وارد ہے۔ لا یشربن احدکم قائمًا من نسی فلیستقی ضرور بضرور تم میں سے کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جس نے بھول کر پیا وہ قئی کر دے۔ (مسلم) حدیث میں فلیستقی کا امر استحباب پر محمول ہے، فان الامر اذا تعذر حملہ علی الوجوب حمل علی الاستحباب (اس لئے کہ جب امر کو وجوب پر حمل کرنا مشکل ہو جائے تو پھر استحباب پر حمل کیا جائیگا)۔ (جمع ص ۳۰۸) اور ان لوگوں نے آپؐ کے زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کی توجیہ کی ہے کہ یہ بوجہ ازدحام کے عذر پر مبنی تھا یا بیان جواز کے لئے ہے، مگر علماء کرام کا مشہور قول ہے کہ زمزم اسی نہی میں داخل نہیں۔ اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

آبِ زمزم پیتے وقت یہ دعا مسنون ہے، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور فراخی رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں) اسی طرح وضو کے بعد جو پانی برتن میں بچ جائے، اس سے کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر دو تین گھونٹ پینا مستحب ہے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مشکیزہ اونچی جگہ لٹکا ہوا تھا اور گلاس نہیں تھا، تو آپؐ نے مشکیزہ کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی نوش جان فرمایا۔ ایسی استثنائی صورت میں کھڑا ہو کر پانی پینا جائز ہے۔

روایات میں تطبیق :

شارحینِ حدیث دونوں قسم کی روایات کھڑے ہو کر پینے سے نہی اور کھڑے ہو کر پینے کے ثبوت کی صورت میں تعارض سے جواب میں کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے سے نہی، نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں اور بیٹھ کر پینے کا امر استحبابی ہے، وجوبی نہیں اور کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **والتوفیق بینهما ان النهی محمول علی التنزیه وشربه قائما لبیان الجواز.** (جمع ص ۳۰۷)

نوٹ: یہ تطبیق کی ضرورت شاید مطلق پانی پینے کے متعلق ہو حالانکہ یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا زمزم کے متعلق ہے، جس کو اکثر حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھڑے ہو کر پینا مستحب گردانتے ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : **ویمکن ان یکون القیام مختصا بماء زمزم وبفضل ما ء الوضوء علی ما وقع فی صحیح البخاری عن علی کرم اللّٰه وجهه انه شرب قائما وقال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل کما رأیتمونی ونکتة التخصیص فی ماء زمزم هی الاشارة الی استحباب التضلع من مائه فی فضل الوضوء هی الایماء الی وصول برکته الی جمیع الاعضاء ......الخ.** (جمع ص ۳۰۷) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑے ہو کر پینا ماءِ زمزم اور وضوء سے بچے ہوئے پانی کیساتھ خاص ہو جیسے کہ صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور پھر کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتا

ہوا دیکھا جیسے کہ تم لوگوں نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا اور کھڑے ہوکر پینے کا نکتہ زمزم کے پانی میں تو یہ ہے کہ اس سے خوب سیر ہوکر پینا مستحب ہے (اور پوری سیرابی کی صورت کھڑے ہونے میں ہے) اور وضوء کے بقایا پانی کو کھڑے ہوکر پینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وضوء کی برکت سارے اعضاء تک پہنچ جائے)

کھڑے ہوکر پینے کے نقصانات :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ، علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں، وللشرب قائماً آفات منها انه لا يحصل به الرىّ الدائم (اتحافات ص۲۵۶) ولا يستقر فى المعدة حتى يقسمه الكبد على الاعضاء ويلاقى المعدة فربما يردحرار تها ويسرع النفوذ الى السافل البدن بغير تدريج فيضر ضررا بينا (مناوى ص ۳۰۸) اور کھڑے ہوکر پینے میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس میں دائمی خوشگوار سیرابی نہیں ہوتی نیز ایسی صورت میں وہ معدہ میں قرار نہیں پکڑتا ہے تاکہ جگر اس کو دوسرے اعضاء کی طرف منتقل اور تقسیم کرتے اور وہ پانی صرف معدہ تک ہی پہنچا ہے تو بعض اوقات معدہ کی حرارت اس کو دفع کرتی ہے تو وہ نچلے بدن میں جلدی سرایت کرتا ہے نہ کہ بتدریج جس سے بدن کو واضح نقصان پہنچ جاتا ہے۔

(۲۰۰/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرِبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسین معلم سے روایت کی۔ انہوں نے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کی وساطت سے حاصل کی۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔

راویان حدیث (۴۴۸) الحسین المعلمؒ (۴۴۹) عمرو بن شعیبؒ (۴۵۰) ابیہ اور (۴۵۱) عن جدہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شرب قائماً وقاعداً کی توضیح :

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرب قائما ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای نادراً لبیان الجواز وحمل النھی عنہ علی التنزیہ او لضرورۃ اولخصوصیۃ ۔ یعنی کبھی کبھار بیان جواز کے لئے اور جس روایت میں آپؐ نے اس سے منع فرمایا وہ یا تو نہی تنزیہی ہے یا کسی خاص ضرورت کے تحت ایسا کیا اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (جمع ص ۳۰۸) تقدیم قیام، قاعدا پر (یعنی حدیث کے الفاظ میں قائماً کے لفظ کی تقدیم قاعداً پر) کثرت قیام پر دال نہیں بلکہ لانہ احق بالاھتمام لمافیہ من الرد علی المنکر چونکہ (قیام کے منکر کی تردید مقصود تھی اس لئے بطور اہتمام کے قیام کو مقدم کیا) (مناوی ص ۳۰۸) و قاعدا ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای مرارا لبیان الافضل والوجہ الاکمل وعادتہ الاجمل ۔ یعنی بیٹھ کر آپؐ نے کئی دفعہ اس لئے پیا ہے کہ اس کی افضلیت، اکملیت اور آپؐ کی ایک عادت جمیلہ کا بیان ہو جاوے۔ (جمع ص ۳۰۸)

ابن العربی کا ارشاد :

وقال ابن العربی للمرء ثمانیۃ احوال قائم، ماش، مستند ، راکع ، ساجد، متکی ، قاعد، مضطجع وکلھا یمکن الشرب فیھا واھناھا واکثر استعمالا القعود والقیام ففعلہ قاعدا غالبا لانہ اسلم وقائماً نادراً لعدم الحرج.

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی آٹھ حالتیں ہیں :

(۱) کھڑا ہونا (۲) چلنے والا (۳) ٹیک لگا کر کھڑا ہونے والا
(۴) رکوع کرنے والا (۵) سجدہ کرنے والا (۶) تکیہ لگانے والا
(۷) بیٹھنے والا (۸) لیٹنے والا

اور ان سب حالتوں میں پینا ممکن ہے۔ البتہ ان میں خوشگوار اور زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ بیٹھنا یا پھر کھڑا ہونا ہے اس لئے آپؐ نے اکثر تو بیٹھ کر پیا کہ یہ سلامتی والا طریقہ ہے اور کبھی کبھار کھڑے ہوکر بھی پیا تا کہ امت کے لئے حرج نہ ہو (مناوی ص ۳۰۸) قائماً وقاعداً میں ایجاز ہے۔تقدیر عبارت یوں ہے، رأيته يشرب قائماورأيته يشرب قاعدا ليفيد شربه مرة قاعداً ومرة قائماً ۔(مناوی ص ۳۰۸) کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے پیتے بھی دیکھا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے کبھی کھڑے ہوکر اور کبھی بیٹھ کر پانی پیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کھڑے ہوکر ممانعت اور آپؐ کے بیٹھ کر پینے میں فعل کے تعارض کے سلسلہ میں حضرات محدثین کی توجیہات لکھتے ہیں کہ: بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد ہوئی۔اس لئے یہ ناسخ ہے۔بعض اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینے کی روایت ناسخ ہیں ممانعت کے لئے ،لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے۔نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے کہ کھڑے ہوکر پینے میں مضرتیں ہیں الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر نوش فرمانا بیان جواز کے لئے ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہوکر پانی پینا حرام نہیں ،البتہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

شیخ احمد الجواد الدومیؒ کا ارشاد :

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں:

وفی الحديث دليل على جواز الشرب من قيام وقعود و لكن الغالب انه كان صلى الله عليه وسلم يشرب قاعداً ، اور اس حدیث میں کھڑے اور بیٹھ کر پینے کے جواز کی دلیل ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب معمول بیٹھ کر پینے کا تھا۔(اتحافات)

(۲۰۱/۳)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ

ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَقَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَ هُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احول سے شعبی کے واسطہ سے اخذ کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوزمزم کا پانی پلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔

قال سقيت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من زمزم فشرب وهو قائم، یہی مضمون باب ھذا کی حدیث اول میں گذر چکا ہے۔ آب زمزم کھڑے ہوکر قبلہ رو ہوکر پینا افضل اور مستحب ہے اور خوب سیر ہوکر پینا چاہیے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں کہ کھڑے ہوکر زمزم کا پانی پینے والے کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ پانی پئے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ،الَّذِیْ شَرِبَ الْمَاءَ قَائِمًا وَقَاعِدًا. اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے پانی کھڑے اور بیٹھے ہوکر پیا ہے اس دعا کی تلقین کے بعد لکھتے ہیں، فانه بسبب ذلک يندفع عنه الضرر اس دعا کے سبب اس پینے والے کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ (یعنی جس تکلیف کے دور کرنے کی نیت سے پیا)۔ (مواھب ص ۱۵۱)

(۴/ ۲۰۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفِ الْكُوْفِیُّ قَالَا اَنْبَانَا ابْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْاَ عْمَشِ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَالِ بْنِ سَبُرَةَ قَالَ اُتِیَ عَلِیٌّ بِكُوْزٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ فِی الرَّحْبَةِ فَاَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهٗ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوکریب محمد بن علاء اور محمد بن طریف کوفی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ اس روایت کی خبر ہمیں ابن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے دی۔ انہوں

نے یہ روایت عبدالملک بن میسرۃ سے نزال بن سبرہ کے واسطہ سے روایت کی۔ نزال بن سبرۃ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ مسجد کوفہ کے میدان میں (جوان کا دارالقضا تھا) تشریف فرما تھے۔ ایک کوزہ پانی لایا گیا، انہوں نے ایک چلّو پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئے مضمضہ کیا اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ پر اور ہاتھوں پر اور سر پر مسح کیا۔ پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے، جو پہلے سے باوضو ہے۔ ایسے ہی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا۔

راویان حدیث (۴۵۲) محمد بن طریف الکوفیؒ (۴۵۳) الاعمشؒ (۴۵۴) عبدالملک بن میسرۃؒ اور (۴۵۵) النزال بن سبرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

''رحبۃ'' کا معنیٰ، تشریح اور تعیین :

وھو فی الرحبۃ ،مضمون حدیث کی توضیح تحت اللفظ ترجمہ میں کردی گئی ہے۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کے عمل کا ذکر ہے جبکہ وہ رحبۃ میں تھے رحبۃ : صحنِ مسجد کو کہتے ہیں۔ وسط مسجد کو بھی کہتے ہیں اور کوفہ میں ایک محلے کا نام بھی رحبہ ہے، مگر اس جگہ یہ مراد نہیں بلکہ جامع کوفہ کے وسط میں ایک چبوترہ تھا، جس پر امیر المؤمنین وعظ فرمایا کرتے تھے۔ والمراد بالرحبۃ رحبۃ الکوفۃ او رحبۃ المسجد وھی المکان المتسع (اتحافات ص ۲۵۸) حضرت علیؓ کا قیام کوفہ میں کافی عرصہ رہا۔ انہوں نے ایک چبوترہ جامع مسجد کوفہ میں بنوایا تھا، اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ کے نام سے موسوم تھا، جس کو حضرت عمرؓ نے بنوایا تھا، اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ میں چلا جائے یہ مسجد سے خارج تھا، نماز جنازہ بھی یہاں پڑھی جاتی تھی۔ مؤطا امام محمد میں ہے، من کان منشدا شعرا او متکلماً بکلام الدنیا فلیذھب الی الرحبۃ. جو کوئی شعر گوئی کرنا چاہے یا کوئی دنیاوی بات کرنی ہو تو وہ چبوترہ کی طرف چلا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہلکا سا وضو :

حضرت علیؓ کا یہ وضو فرمانا تجدید، تنظیف اور نشاط کے لئے تھا۔ ترجمۃ الباب سے اس

حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لیا، ثم شرب منه وهو قائم ، اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل۔ کہ ایسا ہی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ شیخ عبد الروف ؒ فرماتے ہیں، وفيه دليل على ان افعاله صلى الله عليه وسلم كاقواله (اور اس میں دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا حکم اقوال جیسے ہے) (مناوی ص ۳۱۰) علامہ البیجوری ؒ فرماتے ہیں، ويؤخذ من الحديث ان الشرب من فضل وضوئه مستحب (اور یہ بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وضوء سے بچے ہوئے پانی کو پینا مستحب ہے) (مواهب ص ۱۵۲) اور یہ بھی لکھا ہے کہ...... وان كان الشرب قائما لبيان الجواز (اگر چہ اس پانی کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہے) (مواہب ص ۱۵۴)

وضو کا بقیہ پانی کھڑے ہو کر پینا :

فقہ کی کتابوں میں وضو کے بقیہ پانی اور آب زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی تصریح ہے، علامہ شامی ؒ نے وضو کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کو شفاء امراض کے لئے مجرب نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری ؒ اسے مستحب کہتے ہیں۔

شارحینِ حدیث کی بعض توجیہات :

یہاں پر حدیث مختصر نقل ہوئی ہے۔ مشکوۃ شریف میں بخاری کے حوالے سے مفصل منقول ہے۔ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ پر حقیقۃً مسح کیا ہو، مقصد نشاط، تنظیف اور تازگی ہو، تو اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجازاً ہے۔ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس کو وضو کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اسی بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وضوء لغوی مراد لیا جائے اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ اس حدیث میں ملکے... ہونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس میں تو پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ پاؤں کا ذکر دیگر روایات میں صراحۃً موجود ہے۔ یہ توجیہ اس لئے بھی راجح ہے کہ بعض روایات میں مسح کی جگہ ہاتھ منہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔ جب یہ توجیہ تسلیم کر لی جائے، تو پھر اس حدیث سے تجدید وضو مراد ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا فرماتے ہیں کہ یہی توجیہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے۔

(۵/ ۲۰۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ عِصَامٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِى الْاِنَاءِ ثَلَاثًا اِذَا شَرِبَ وَيَقُوْلُ هُوَ اَمْرَأُ وَ اَرْوٰى .

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید اور یوسف بن حماد نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث بن سعید نے ابی عصام کے واسطہ سے بیان کی۔ ابوعصام نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

راویان حدیث (۴۵۶) یوسف بن حمادؒ (۴۵۷) عبدالوارث بن سعیدؒ اور (۴۵۸) ابی عاصمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تین سانس میں پانی پینا :

كان يتنفس فى الاناء ثلاثًا اذا شرب. صحیحین میں ابوقتادہؓ سے روایت ہے نھیٰ ان يتنفس فى الاناء، لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ انه كان يشرب ثلاث مرات اور ہر مرتبہ برتن کو اپنے منہ سے جدا کرتے، سانس لیتے اور پھر برتن منہ کو لے جاتے، منهى عنه تو تنفس فى الاناء ہے۔ یعنی برتن میں سانس لینا، اس طرح پانی آسانی سے پیا جاتا ہے۔ معدہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ اسے فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے۔ پیاس رفع ہوتی ہے۔ طبیعت پر خوش گوار اثر مرتب ہوتا ہے اور انسان خوب سیراب ہوتا ہے۔ و ورد انه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يشرب فى ثلاثة انفاس واذا أدنى الاناء الى فيه سمى اللّٰه واذا أخره حمد اللّٰه يفعل ذلك ثلاثًا. (مواهب ص ۱۵۳) اور حدیث شریف میں یہ وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے اور جب برتن کو منہ مبارک کے قریب کرتے

تو بسم اللہ پڑھتے اور جب منہ سے دور کرتے تو الحمدللہ پڑھتے اور آپؐ ایسا تین مرتبہ ہی فرمایا کرتے تھے)

برتن میں سانس لینے کی مضرتیں :

اگر منہ برتن کے ساتھ لگائے رکھے اور برتن میں سانس لیتا رہے، تو ناک کی آلائش اور رشاش کا پانی کے برتن میں گرنے کا امکان ہے، جس سے طبعی تنفر پیدا ہوتا ہے۔ ویسے بھی جو سانس نکالی جاتی ہے، وہ اندر کے ہر قسم کے جراثیم سے ملوث ہوتی ہے' اس لئے برتن کے اندر سانس لینے سے اجتناب کیا جائے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وقد ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن العبّ نفسا واحدا وقال ذلک شرب الشیطن رواہ البیھقی عن ابن شھاب مرسلاً۔ (جمع ص ۳۱۱)

اور حدیث میں وارد ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سانس سے (جانوروں جیسے) پینے کو منع فرمایا اور کہا کہ یہ شیطان کا پینا ہے امام بیہقیؒ نے یہ روایت ابن شہاب زھریؒ سے مرسل نقل فرمائی ہے۔

علماء واطباء نے ایک ہی سانس میں پینے کی بہت سی مضرتیں لکھی ہیں۔ بالخصوص ضعف اعصاب کا سبب بتایا ہے۔ نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مضرت کا سبب ہے۔ وفی مسند الفردوس عن علی مرفوعاً اذا شربتم الماء فاشربوہ مصا، ولا تشربوہ عبا فان العب یورث الکبار (وجع الکبد) اور (مسند الفردوس میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب تم پانی پیو تو چوس کر اور سانس نکال کر پیو اور ایک ہی سانس میں نہ پیا کرو کیونکہ یہ (بعض اوقات) درد جگر پیدا کرتا ہے)۔ (اتحافات ص ۲۵۹)

ھو امرأ: افعل من مرأ الطعام او الشراب فی جسدہ اذا لم یثقل علی المعدۃ وانحدر عنھا طیباً بلذۃ ونفع ومنہ فکلوہ ھنیئاً مریئاواروی! من الری ای اشدریا وابلغہ وانفعہ بمعنیٰ اقمح للظمأ واقویٰ علی الھضم. حدیث شریف میں لفظ امرأ یہ اسم تفضیل ہے از مقولہ مرأ الطعام او الشراب فی جسدہ سے ہے یعنی جس وقت کھانا پینا معدہ پر بوجھل نہ ہو اور اس سے خوشگواری لذت

اور نفع کی صورت میں منتقل ہو جائے۔ قرآن مجید کی آیت فکلوہ ھنیئا مریئا بھی اسی مادہ سے ہے اروی کا معنی بھی زیادہ خوشگوار نافع پیاس کو ختم کرنے اور ہضم ہونے میں قوی اور مفید ہو۔ (مناوی ص ۳۱۱)

(۲۰۴/۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ رِشْدِيْنِ بْنِ كُرَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن خشرم نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے انہوں نے یہ حدیث رشدین بن کرب سے ان کے باپ کے حوالہ سے روایت کی اور انہوں نے اُسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے، دو دفعہ سانس لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۵۹) رشدین بن کریبؒ اور (۴۶۰) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پانی پینے میں دوبار سانس لینا :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا شرب تنفس مرتین. مراد بعض اوقات ہیں۔ اس توجیہ سے روایات کے درمیان جمع اور تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مارواہ المصنف فی جامعہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشربو ا واحدا کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنٰی وثلاث وسمّوا اذا انتم شربتم واحملوا اذا انتم رفعتم. (جمع ص ۳۱۲)

جس کو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹ جیسے ایک سانس سے نہ پیا کرو لیکن دو یا تین سانس نکال کر اور جس وقت تم پیئو تو بسم اللہ پڑھو اور جب برتن کو منہ سے جدا کرو تو پھر الحمدللہ پڑھو۔

اصلاً سارا مشروب یکبارگی پینا ممنوع ہے بلکہ دو یا تین سانس یعنی وقفے ضرور لینا چاہئیں

تا کہ مشروب سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے اور اگر مشروب میں دو وقفے یا دو سانس لیئے جائیں، پھر بھی تین دفعہ پیا جاتا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: التنفس مرتین کان حالا من احوال النبی صلی اللّٰه علیه و سلم و اما التنفس ثلاثاً فهو الغالب. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ سانس نکالنا یہ تو کبھی بطور عارضی حالت کے ہوتا تھا اکثر آپؐ تین مرتبہ سانس نکال کر پیا کرتے تھے۔ (اتحافات ص ۲۶۰)

(۷/ ۲۰۵) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ یَزِیْدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ کَبْشَةَ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰی فِیْهَا فَقَطَعْتُهٗ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے یزید بن یزید بن جابر کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ سے ان کی دادی کبشہؓ کی وساطت سے اخذ کی۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضورؐ نے کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا۔ میں نے اٹھ کر مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔

راویان حدیث (۴۶۱) یزید بن یزیدؒ اور (۴۶۲) کبشہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم :

قالت دخل علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ...الخ' عربوں میں پانی کی قلت کے پیش نظر وہ لوگ مشکیزے بھر کر اس کے منہ کس لیتے اور کسی اونچی جگہ پر لٹکا لیتے، جہاں اس پر ہوا لگتی پانی ٹھنڈا بھی رہتا اور محفوظ بھی۔ حسب ضرورت منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیل کر پی لیا جاتا۔ حضرت کبشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے تو لٹکے ہوئے مشکیزے کے

ساتھ منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پی لیا (وجہ ظاہر ہے کہ کوئی چھوٹا برتن یا گلاس وغیرہ میسر نہ ہوگا) یہاں ایرادِ حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ بتایا جائے کہ حسبِ ضرورت اور بوجہ عذر کے کھڑے ہو کر بھی پانی پینا جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس اباحت کی وضاحت فرما دی ہے۔ وفعله صلى الله عليه وسلم لبيان الجواز اولمكان الضرورة. (جمع ص ۳۱۲) اور نبی علیہ السلام کا یہ عمل یا تو بیان جواز کے لئے یا کسی ضرورت کی وجہ سے ہوگا۔

حضرت کبشہؓ کی ایک محبانہ ادا :

فقمت الى فيها فقطعته ، حضرت کبشہؓ نے اپنا عمل بتایا کہ جب آپؐ نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تو میں نے مشکیزے کے منہ کا وہ حصہ کاٹ لیا، جسے آپؐ نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تھا۔ امام نوویؒ نے امام ترمذیؒ سے اس کی دو وجہ نقل کی ہیں۔

(۱) ایک تو تبرکاً۔ (۲) یہ کہ دوسرا کوئی استعمال نہ کرے اور بے ادبی نہ ہو۔ اى قطعته لصيانته عن الابتذال بشرب كل احد منه وللتبرك وللاستشفاء به قطعها فم القربة للوجهين المذكورين كما قاله النووى فى شرح مسلم .

(مواهب ص ۱۵۵ جمع ص ۳۱۳)

تعارض سے جواب :

یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آپؐ کا یہ عمل بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت کے خلاف ہے ، جس میں تصریح ہے، نهى صلى الله عليه وسلم عن الشرب من فى السقاء. (جمع ص ۳۱۲) یعنی آپؐ نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

علماء محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان جواز پر محمل ہے یا ممانعت کی روایت خلاف اولی پر محمول ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرب قائماً ضرورت کی وجہ سے تھا کہ کوئی برتن موجود نہ تھا۔ نیز یہ نہی تشریعی نہیں بلکہ شفقت کی بنا پر ہے۔ فانه نهى تنزيهى لبيان الافضل والاكمل (جمع ص ۳۱۲) (کہ یہی نہی تنزیہی ہے افضل اور اکمل صورت کا بیان ہے) کہ شاید کوئی

زہریلی چیز ہو، کیڑا ہو یا بچھو ہو، جو اندر چلا گیا ہو تا کہ اس کی مضرت سے بچا جا سکے۔ جیسا کہ حدیث میں ایک شخص کا واقعہ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پینے کی ممانعت فرمادی۔

محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممسوس مبارک :

اور ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر شخص کا منہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے مشکیزہ کیساتھ لگنے سے دوسروں کو گھن نہ آئے یا وہ اس کے مس کردہ مقام سے محبت کریں تاہم بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں، جن کا لعاب دھن، قند و شکر سے زیادہ شیریں، بیماریوں کے لئے راحت جان و ذریعہ شفا اور دنیا و مافیھا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور باعث فرحت و انبساط اور ذریعہ سرور قلب بنتا ہے۔

عناب لب ، لعاب دہن ، شرب وصال
یہ نسخہ چاہئے تیرے بیمار کے لئے

حضرت تھانویؒ نے بھی کسی جگہ یہ شعر نقل کیا ہے کہ محبوب کی گالیاں بھی محبوب ہوتی ہیں

لگتی ہیں گالیاں بھی تیرے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب دو عالم ہیں کے مشکیزے سے پانی پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۰۶/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیُّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا وَزَعَمَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا۔

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزرہ بن ثابت انصاری نے بیان کی۔ وہ یہ روایت صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عبداللہؓ سے نقل کرتے ہیں ثمامہؒ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

قال کان انس بن مالک ...... الخ' اس حدیث کی تشریح باب ھذا کی پانچویں حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمادیں۔ **الزعم**: اضداد سے ہے، جس طرح جھوٹی بات کہنے کو زعم کہتے ہیں۔ اسی طرح سچی بات کو بھی زعم کہتے ہیں۔ جیسے کہ صاحب اتحافات نے یہی معنی نقل کیا ہے۔ **الزعم ھنا محقق وفعل انس اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم** (اتحافات ص ۲۶۱) (کہ زعم بمعنی حقق کے ہے یعنی حضرت انس کا یہ فعل (تین بار سانس نکالنا) حضورؐ کی اتباع کیلئے تھا) **يتنفس في الاناء اى خارجه لا فى جوفه**۔ (مواھب ص ۱۵۵) کہ سانس نکالتا تھا برتن میں یعنی برتن کے باہر نہ کہ اس کے اندر۔

(۲۰۷/۹) **حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدُالْكَرِيْمِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ اِبْنَةَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَاْسِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا.**

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابو عاصم نے ابن جریج کے واسطہ سے دی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالکریم سے اور انہوں براء بن زید سے روایت کی (جو حضرت انس کے نواسے تھے) اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم کے پاس گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، حضورؐ نے کھڑے ہوئے اس میں

سے پانی نوش فرمایا۔ ام سلیم کھڑی ہوئیں اور اس مشکیزہ کے منہ کو کتر کر رکھ لیا۔

راوی حدیث (۴۶۳) عبدالکریم الجزریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ام سلیمؓ کا قصہ :

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل علی ام سلیمؓ ...... الخ' اس حدیث کی تشریح اسی باب کی ساتویں حدیث میں گذر چکی ہے۔ وہاں حضرت کبشہؓ نے خود اپنا قصہ بیان کیا تھا۔ یہاں حضرت انسؓ اپنی والدہ حضرت ام سلیمؓ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ابو شیخ ابن حبانؒ نے کتاب اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حدیث یوں نقل کی ہے :

عن انس قال دخل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ام سلیم فرأی قربة معلقة فیها ماء فشرب منها وهو قائم فقامت ام سلیم الیها فقطعتها بعد شرب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم منها وقالت لا یشرب منها احد بعد شرب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم.

حضرت انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے پاس انکے گھر گئے آپؐ نے ایک لٹکا ہوا مشکیزہ جس میں پانی تھا جب دیکھا تو اس سے کھڑے ہوئے پی لیا ام سلیمؓ اٹھی اور حضورؐ کے پینے کے بعد منہ لگی جگہ کو کاٹ کر کہا کہ حضورؐ کے پینے کے بعد کوئی اس سے نہیں پیئے گا۔ (جمع ص ۳۱۲) حضرات صحابیاتؓ کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور والہیت کے کس قدر جذبات تھے۔ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ جس مشکیزے پر آپؐ کا دہن مبارک لگا ہو، وہاں کوئی دوسرا منہ لگائے۔

(۲۰۸/۱۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ نَصْرِ النَّيسابُورِیُّ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّد الْفَرْوِیُّ حَدَّثَنَا عُبَیْدَةُ بِنْتِ نَائِلٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِیْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَشْرَبُ

قَائِمًا وَ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ.

ترجمہ: ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن نصر نیشا پوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا اسحٰق بن محمد فروی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبیدہ بنت نائل نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عائشہ بنتِ سعد بن ابی وقاص سے ان کے باپ کے واسطے سے اخذ کی۔ سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پانی نوش فرما لیتے تھے''۔

راویان حدیث (۴۶۴) احمد بن نصر النیسا پوریؒ (۴۶۵) اسحٰق بن محمدؒ (۴۶۶) عبیدة بنت نائلؒ (۴۶۷) عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص اور (۴۶۷) ابیھا کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شُرب قائماً کی توجیہات :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشرب قائما . ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای احیانا او بعد فراغ الوضوء اوماء زمزم یعنی کبھی کبھار یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اور یا زمزم کا پانی (کھڑے ہوکر پینا مراد ہے) (جمع ص ۳۱۳) کان اگر چہ دوام کے لئے آتا ہے۔ مگر حضرات محدثین اس پر متفق ہیں کہ فن حدیث میں استمرار کے لئے نہیں آتا۔ بعض اوقات تو اتفاقی فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ وکان لا تفید التکرار علی التحقیق فتصدق بمرة . لفظ کان تحقیقی قول کے مطابق تکرار اور دوام کا فائدہ نہیں دیتا اس لئے ایک بار کام ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے۔ (مواھب ص ۱۵۶) یہاں بھی وہی توجیہات کی جاسکتی ہیں، جو اس سے قبل کی جاچکی ہیں کہ شرب قائما یا تو بیان جواز کے لئے تھے، یا پھر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی یا کوئی شدید ضرورت تھی یا بیٹھنے کی صورت میں نیچے کیچڑ تھا اور کپڑوں کی تلویث کا خطرہ تھا۔ قال بعضھم: ای بعض المحدثین او بعض اصحاب اسماء الرجال وفی نسخة قال الترمذی وفی اخری قال ابو عیسی و قوله عبیدة بنت نابل ای بالباء الموحدة من نابل والمذکور اولا نائل بالھمز کما مر۔ قال بعضھم یعنی بعض محدثین یا مصنفین اسماء رجال نے کہا اور ایک نسخہ میں قال الترمذی ہے (یعنی امام ترمذی نے کہا) اور دوسرے نسخے میں قال ابوعیسیٰ منقول

ہے اور اسکا قول عبیدۃ بنت نابل (یعنی باء) کے ساتھ ہے اور جو قول پہلے مذکور ہے وہ نائل ھمزہ کیساتھ ہے۔(مواھب ص ۱۵٦)

خلاصہ باب :

وفی الباب عشرة احادیث ومنها علمنا ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان یشرب قائما وقاعدا توسعة لامته وکان یشرب فی ثلاثة انفاس لما فی ذلک من فوائد صحية جمة . اور اس باب میں دس احادیث ہیں اور ان سے ہم نے یہی معلوم کیا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت پر توسع اور آسانی کے لئے کھڑے اور بیٹھے دونوں حالتوں میں پیا کرتے تھے اور آپؐ تین سانس نکال کر اس لئے پیا کرتے کہ اس میں بدن کی صحت وسلامتی کے لئے بہت سے فوائد ہیں۔(اتحافات ص ۲٦۲)

تم الجزء الاول ویلیه الجزء الثانی اوله باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین.

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیمویؒ

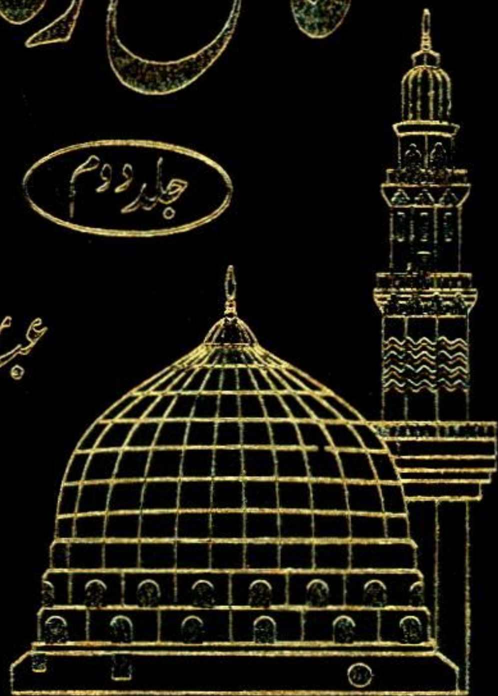
(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

شرح
شمائل ترمذی

جلد دوم



مولانا
عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

شرح

شمائل ترمذی

جلد دوم

مولانا عبد القیوم حقانی



القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام : شرح شمائل ترمذی (جلد دوم)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 634 صفحات

پروف ریڈنگ : اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہ

کمپوزنگ : مولوی گل رحمان' جان محمد جانؔ' مولوی مظہر علی اراکین القاسم اکیڈمی

سنِ اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

سنِ اشاعت پنجم : صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / جنوری ۲۰۱۲ء

ناشر : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ

مطبع : مطبع عربیہ، پرانی انارکلی لاہور

موبائل : 0333-9102770......0346-4010613......0333-6544950

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس' المنظر اپارٹمنٹس' 458 گارڈن ایسٹ' نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ' راجہ بازار راولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی'

جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ' اردو بازار لاہور

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ہ
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلوا علیہ وآلہٖ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مَرُوں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے بادِ مِری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ

کرے حُضُور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حُجۃ الاسلام نانوتوی

ماخوذ فضائل درود شریف از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ

مدفون جنت البقیع المتوفی ۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء دوشنبہ بعد عصر

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

”شرح شمائل ترمذی“

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجآء فی تعطُّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں	۲۷	جہیز میں پسینہ رسولؐ کی خوشبو	۳۱
		دستِ مبارک کے خوشبو کی عطر بیزیاں	۳۲
		بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۴
		مضمونِ حدیث کی تشریح	۳۵
		مرد اور خواتین کیلئے خوشبو کا استعمال	۳۶
		مسلمان خواتین کی غفلت و جہالت	۳۷
خلاصۂ باب	۲۷	سند کی بحث	۳۸
جسمِ اقدس کے خوشبو کی مہک	۲۷	لفظِ ”ریحان“ کی تشریح	۳۸
آپؐ جس راستے سے گزرتے وہ مہک اُٹھتا	۲۸	جنت البقیع کا ایک واقعہ	۳۹
آپؐ کا پسینہ، عمدہ ترین خوشبو	۲۸	حکیم ابراہیم کا سانحۂ ارتحال	۴۰
استعمالِ خوشبو اُمت کیلئے دستور العمل	۲۹	مکتوباتِ قدسیہ	۴۱
خوشبو کب لگانی چاہیے	۲۹	جنت البقیع میں بچھو کا مسئلہ	۴۱
لفظِ سکتہ کے معانی	۳۰	خاکِ یثرب میں دفن ہونے کی آرزو	۴۲
مضمونِ حدیث	۳۰	حضرت نانوتویؒ کی تمنا	۴۳
سراپا خوشبو یا جسمِ معطر	۳۱	خاکِ مدینہ	۴۴

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
اصلاحِ کتاب	۴۴	ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے	۵۷
بنیادی عقائد کے انکار کا وبال	۴۴	متواصل الاحزان	۵۷
جوارِ رسول ﷺ کی برکتیں	۴۵	ایک تعارض کا جواب	۵۸
قصیدہ بردہ کے اشعار	۴۵	دائم الفكرة	۵۹
خوشبو تحفۂ رحمت ہے	۴۶	ليست له راحة	۵۹
ترجمۃ الباب سے مناسبت	۴۷	طويل السكت	۶۰
حضرت جریرؓ کا معائنہ	۴۸	حسبِ ضرورت گفتگو	۶۰
حضرت جریرؓ کی خوبصورتی	۴۸	آغاز واختتامِ کلام کی کیفیت	۶۱
جمالِ محمد ﷺ اور حُسنِ یوسفؑ	۴۸	و يتكلم بجوامع الكلم	۶۲
باب كيف كان كلام رسول الله ﷺ		گفتگو مبارک	۶۳
باب حضور اقدس ﷺ کی گفتگو	۵۰	احباب اور اعداء کے ساتھ معاملہ	۶۴
		عظمتِ مقام ورفعتِ شان	۶۵
		تعظیمِ نعمت	۶۵
		دنیا اور اُمورِ دنیا سے تعلق کی نوعیت	۶۶
لفظِ ''کلام'' کی بحث	۵۰	حضورِ اقدس کا غصہ حق کیلئے ہوتا تھا	۶۷
شیرینیٔ گفتار	۵۱	جب اشارہ فرماتے	۶۷
حافظ ابنِ حجرؒ کا ارشاد	۵۲	جب غصہ ہوتے	۶۷
حضور اقدس کا تین مرتبہ کلام دہرانا	۵۳	جب خوش ہوتے	۶۸
تکرارِ کلام کیوں؟	۵۳	آپ ﷺ کا تبسّم	۶۸
مبلّغ، واعظ اور مدرس کیلئے ہدایت	۵۴	ظہورِ نواجذ اور تبسّم میں تعارض کا جواب	۶۹
''وصافا'' کی مراد	۵۶		

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجآء فی ضحک رسول اللہ ﷺ	
باب حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے میں	۷۱
پنڈلیاں مبارک	۷۲
غالب اوقات، تبسم آپ کا معمول تھا	۷۲
سرمگین آنکھیں	۷۳
متواصل الاحزان سے تعارض اور جواب	۷۴
حصرِ اضافی	۷۵
دائمی تفکر وحزن اور ہمیشہ مسکراہٹ کی تطبیق	۷۶
حضورؐ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے	۷۷
حدیث میں ذکر کس کا ہے؟	۷۸
ما اراھاھنا کی تشریح	۷۹
قسم کیوں لی گئی	۷۹
روایاتِ ضحک وتبسم کا حاصل	۷۹
ذکر نواجذ کا ہے مراد ضواحک ہیں	۷۹
بارگاہِ نبوت میں حضرت جریرؓ کا مقام	۸۱
ضحک بمعنی تبسم	۸۱
حضور ﷺ کا تبسم وخندہ روئی	۸۲
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۸۴
زحف کا معنیٰ	۸۴
آخری جنتی سے باری تعالیٰ کا خطاب	۸۴
آخری جنتی کی تمنا	۸۵
ادنیٰ جنتی کا اعلیٰ مقام	۸۵
آخری جنتی کی حیرت واستعجاب	۸۶
تمہید	۸۹
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۸۹
لفظِ دابہ کی تشریح	۸۹
تکبیر وحمدلہ میں تثلیث کی حکمت	۹۰
تعجب بمعنیٰ محبت ورضا کے	۹۱
حدیث سے ماخوذ افادات	۹۱
نقلِ روایت	۹۳
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۹۳
قول بمعنیٰ فعل	۹۳
حضورِ اقدس ﷺ کیوں ہنسے؟	۹۴
خلاصۃ الباب	۹۵
باب ماجآء فی صفۃ مزاح رسول اللہ ﷺ	
باب! حضور اقدسؐ کے مزاح اور دل لگی میں	۹۶

عنوان	صفحہ نمبر
مزاح سنت ہے ----------	۹۶
مزاح سے ممانعت کے وجوہ ----------	۹۶
حضورؐ کیلئے مزاح ضروری ہونے کی غرض	۹۷
مزاح آفت نہیں سنت ہے ----------	۹۸
یاذاالاذنین کا مطلب ----------	۹۸
توصیف بھی اور تعلیم بھی ----------	۹۹
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ----------	۱۰۰
استخراجِ مسائل ----------	۱۰۱
جوازِ مزاح پر استدلال ----------	۱۰۱
صغیر کو کنیت سے پکارنا جائز ہے ----------	۱۰۲
پرندوں کا پالنا ----------	۱۰۲
حرمِ مدینہ میں شکار کا مسئلہ ----------	۱۰۳
سجع کا حکم ----------	۱۰۳
تصغیرِ اسماء بھی مباح ہے ----------	۱۰۳
حضورؐ کے مزاح پر صحابہؓ کا مکالمہ ----------	۱۰۴
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ----------	۱۰۵
سوال و جواب میں حزم واحتیاط کرنا چاہئے	۱۰۵
بارگاہِ نبوت میں دیہاتی ہدایا ----------	۱۰۸
حضورِ اقدس ﷺ کے ہدایا ----------	۱۰۸
آپ ﷺ کا قولی مزاح ----------	۱۰۸

عنوان	صفحہ نمبر
ہدیہ میں اسوۂ حسنہ ----------	۱۰۹
مدارِ قبولیت حُسنِ باطن پر ہے ----------	۱۰۹
حضورِ اقدس ﷺ کا فعلی مزاح ----------	۱۱۰
تقاضائے عشق ومحبت ----------	۱۱۰
ھذا العبد کی بحث ----------	۱۱۱
حضرتِ زاہرؓ کی انکساری ----------	۱۱۲
مزاح نبوتؐ، علوم ومعارف کا گنجینہ ----------	۱۱۲
غیر اللہ میں اشتغال، خواہشات کی بندگی ہے ----------	۱۱۴
لفظِ ''عجوز'' کی تشریح ----------	۱۱۵
مسلمان مرد اور خواتین، جوان ہو کر جنت	--
میں داخل ہوں گے ----------	۱۱۶
باب ماجآء فی صفة کلام رسول اللہ ﷺ فی الشعر باب! حضورِ اقدس ﷺ کے ارشادات در بابِ اشعار	۱۱۷
غرضِ انعقادِ باب ----------	۱۱۷
شعر وشاعری اور اس کا شرعی حکم ----------	۱۱۷
شعر حضور ﷺ کے شایانِ شان نہیں ----------	۱۱۷

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
مذموم اشعار	۱۱۸	ایک انتباہ	۱۳۱
قرآن میں شعراء کا تذکرہ	۱۱۸	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد	۱۳۴
اچھے اشعار	۱۱۸	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۱۳۵
آپؐ اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے	۱۱۹	عرضِ ایرادِ حدیث	۱۳۵
حضور اقدسؐ کا ایک محبوب مصرعہ	۱۲۰	استخراجِ مسائل	۱۳۶
ایک پسند فرمودہ مصرعہ کے دو معانی	۱۲۰	حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی	۱۳۷
شعر میں تقدیم تاخیر کا مقصد	۱۲۱	انشاء و استماعِ شعر کے جواز پر استدلال	۱۳۷
حضرت درخواستیؒ کی ایک ادا	۱۲۱	سو سے زائد حاضریوں کا ایک مشاہدہ	۱۳۸
حضرت لبیدؓ	۱۲۲	حضور ﷺ کی خاموشی کا راز	۱۳۹
حضرت لبیدؓ کا ایک شعر جو حضورؐ کو پسند تھا	۱۲۳	حضور ﷺ کی محفل میں لطائف و تبسّم	۱۳۹
امیۃ بن ابی الصلت	۱۲۴	اچھے اشعار حضور ﷺ کو پسند تھے	۱۴۱
خلعتِ خون کی سعادت	۱۲۵	امیۃ ابی الصلت کا ایک لاجواب شعر	۱۴۲
ایک اشکال سے جواب	۱۲۵	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۱۴۳
شعر کا پس منظر	۱۲۶	نعتِ حسّانؓ کے لئے حضورؐ کا اہتمام	۱۴۴
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۱۲۷	بنو تمیم کے وفد سے شعر و خطابت میں مقابلہ	۱۴۴
شعر موزون کرنیکے اشکال سے جواب	۱۲۸	تلوار کی طرح زبان سے بھی جہاد ضروری ہے	۱۴۵
مفاخرت نسبی کا شرعی حکم	۱۲۸	حضرت حسّانؓ کے بعض مشہور اشعار	۱۴۶
حدیث کی مفصل تشریح	۱۲۹	اچھے اشعار مندوب ہیں	۱۴۷
دادا سے نسبت کی توجیہات	۱۲۹	**باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر**	۱۴۸
پس منظر اور تفصیلی واقعہ	۱۲۹		

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
باب! حضور اقدس ﷺ کا کلام رات کو قصہ گوئی کے بیان میں	۱۴۸	دوسری خاتون کا بیان	۱۵۹
		حالات کے تفصیلی بیان سے انکار کی وجہ	۱۶۰
		ایک اشکال سے جواب	۱۶۰
لفظِ ''سمر'' کا معنیٰ، تشریح اور احکام	۱۴۸	عُجَرُ بُجَرُ کی تحقیق	۱۶۱
غرضِ انعقادِ باب	۱۴۸	حاصلِ بیان	۱۶۲
عربوں کے ملکات فاضلہ	۱۴۹	تیسری خاتون کا بیان	۱۶۲
ازواجِ مطہرات کی تعلیم وتربیت کا اہتمام	۱۵۰	دو جملوں میں جمیعِ عیوب کا تذکرہ	۱۶۲
ذات لیلة کی وضاحت	۱۵۰	چوتھی خاتون کا بیان	۱۶۳
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۱۵۱	اعتدالِ مزاج کی ایک عمدہ تعبیر	۱۶۴
حدیثِ خرافہ	۱۵۱	پانچویں خاتون کا بیان	۱۶۵
وجہ تشبیہ	۱۵۲	فھد کا معنیٰ وتشریح	۱۶۵
خرافہ کون تھا	۱۵۲	لفظِ اسد کا معنیٰ وتشریح	۱۶۶
استنباطِ مسائل	۱۵۳	لفظِ عھد کا معنیٰ وتشریح	۱۶۷
حدیث امّ زرع، امّ زرع کا قصہ	۱۵۴	چھٹی خاتون کا بیان	۱۶۷
سند کے لطائف	۱۵۵	إن اکل لفّ	۱۶۸
تمہیدی گزارش	۱۵۵	و ان شرب اشتفّ	۱۶۹
وجہ تسمیہ	۱۵۶	وان اضطجع التف	۱۶۹
یہ قصہ کہاں ہوا	۱۵۶	ساتویں خاتون کا بیان	۱۷۰
عہد وعقد کا معنیٰ وتشریح	۱۵۷	عیایاء کا معنیٰ	۱۷۱
پہلی خاتون کا بیان	۱۵۷	غیایآء کا معنیٰ	۱۷۱
لاسھل ولا سمین کا اعراب	۱۵۹		

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
طباقاء کے مختلف معانی	۱۷۱	زوجہ کو انتہا درجہ خوش کردیا	۱۸۴
مجمع الامراض	۱۷۲	غریب خاندان سے اُٹھا کر مالداروں میں جگہ دی	۱۸۴
شجک کی وضاحت	۱۷۲	زوج اور سسرال کے عمدہ اخلاق	۱۸۶
فلک کا مطلب	۱۷۳	اُمّ ابی زرع کے اُصول	۱۸۷
آٹھویں خاتون کا بیان	۱۷۳	شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹے کا ذکر	۱۸۸
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد	۱۷۴	بنتِ ابی زرع کا وصف	۱۸۹
نویں خاتون کا بیان	۱۷۵	ابوزرع کی لونڈی کی صفت	۱۸۹
پہلی خصلت	۱۷۵	ابوزرع کی ایک حسین خاتون سے ملاقات	۱۹۰
دوسری خصلت	۱۷۶	دولڑکے کون تھے؟	۱۹۱
تیسری خصلت	۱۷۶	یلعبان سے مراد کیا ہے؟	۱۹۱
چوتھی خصلت	۱۷۷	ابوزرع نے طلاق دے دی	۱۹۲
دسویں خاتون کا بیان	۱۷۷	گیارہویں خاتون نے نکاح کرلیا	۱۹۲
کثرتِ مال کی عمدہ تعبیر	۱۷۸	زوجِ ثانی کی توصیف میں کمال	۱۹۲
کمالِ سخاوت کی عمدہ تعبیر	۱۷۹	زوجِ ثانی کی بہادری کی توصیف	۱۹۲
گیارہویں خاتون کا بیان	۱۷۹	حُسنِ سلوک	۱۹۳
قانونِ نحوی	۱۸۲	جانوروں کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا	۱۹۳
وجہ تسمیہ حدیث	۱۸۲	زوجہ کی خاندان کی کفالت کے احسانات	۱۹۳
استفہام برائے تعظیم وتفخیم	۱۸۳	دونوں ازواج میں تقابل اور فوقیتِ ابوزرع	۱۹۴
لفظ اناس اور حلی کا معنیٰ وتشریح	۱۸۳	فضیلتِ عائشہؓ وعظمتِ رسول ﷺ	۱۹۵
بازوؤں کے موٹاپے کا ذکر	۱۸۳	اخذِ مسائل	۱۹۶

عنوان	صفحہ نمبر
کیاذکرِ عیوبِ ازواج غیبت تھا؟ ----	۱۹۶
باب ماجاء فی صفة نوم رسول الله ﷺ	
باب! حضور اقدس ﷺ کے سونے کے بیان میں	۱۹۸
لفظِ مضجع وکف کا بیان ----------	۱۹۹
سونے میں آپ کا معمول مبارک ---	۲۰۰
دائیں کروٹ پر سونا امت کے لئے مستحب ہے	۲۰۰
چت لیٹنا، اُلٹا یا بائیں کروٹ پر سونے کا حکم	۲۰۰
سونے میں حضور اقدس کا اختصاص --	۲۰۱
سوتے وقت کی دُعا ----------	۲۰۱
نبی معصوم کا عذاب سے بچنے کی دُعا کا اہتمام	۲۰۲
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد --	۲۰۲
بعث، جمع اور نشور ------------	۲۰۳
جب بستر پر تشریف فرما ہوتے -----	۲۰۴
سوتے اور جاگتے وقت دُعا کے الفاظ کی تشریح	۲۰۴
دنیا کی ساری زندگی ایک خواب ہے --	۲۰۶
نفث، نفخ، تفل کا فرق --------	۲۰۷
ظواہر کا مسلک ------------	۲۰۷
نفث وقرأت میں تقدیم تاخیر کی بحث --	۲۰۸
جمہور کا مسلک ------------	۲۰۸
سوتے وقت تبرک بالقرآن کا معمول -	۲۰۹
خلاصۂ بحث ------------	۲۰۹
حضورِ اقدسؐ سوتے تھے، مگر دل بیدار رہتا تھا	۲۱۰
گہری نیند کے باوجود وضو کی تجدید نہ فرمائی	۲۱۱
انبیاءِ کرام کی نیند ناقضِ وضو نہیں ----	۲۱۱
سونے کے وقت کی ایک دُعا ------	۲۱۲
دُعا کا معنیٰ وتشریح -----------	۲۱۲
شکر وامتنان کی ترغیب وبرکات -----	۲۱۳
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ------	۲۱۴
صبح سے قبل استراحت کی صورت ----	۲۱۵
اوقاتِ خواب اور اس کی اعتدالیت ---	۲۱۵
باب ماجاء فی عبادة رسول الله ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی عبادت کے بیان میں	۲۱۶

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
عبادۃ کا معنیٰ وتشریح	۲۱۶	حضرت ابن عباسؓ کا حضورؐ کے پہلو میں قیام	۲۳۳
غرضِ انعقادِ باب	۲۱۶	گوشمالی کا ایک اور واقعہ	۲۳۴
حضورؐ کا عظمتِ مقام کے باوجود نوافل کا اہتمام	۲۱۷	اخذِ مسائل	۲۳۴
نوافل کا اہتمام	۲۱۹	نوافل بالجماعۃ کا حکم	۲۳۵
نبی معصوم سے گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ	۲۲۰	تعدادِ وتر	۲۳۶
تکلّف بمعنیٰ تحمل کے ہے	۲۲۰	اوقاتِ وتر	۲۳۷
منشأ سوال	۲۲۱	لفظِ اَوْ تقسیم کیلئے ہے یا تردید کے لئے	۲۳۹
حضرت علیؓ کا ارشاد مبارک	۲۲۲	استنباطِ مسائل	۲۴۰
سیاقِ حدیث کی غرض	۲۲۲	آغاز میں رکعتین میں تخفیف کی حکمت	۲۴۱
آیت کا شانِ نزول	۲۲۳	حضرت خالدؓ کا تجسس واشتیاق	۲۴۳
الحاصل	۲۲۴	عتبۃ اور فسطاط کا معنیٰ	۲۴۳
بعض اشکالات کا تفصیلی جواب	۲۲۵	تعدادِ رکعات وتوجیہات	۲۴۵
صلوٰۃ اللیل	۲۲۷	تہجد میں تعدادِ رکعات	۲۴۶
صلوٰۃ وتر	۲۲۷	آٹھ رکعات تراویح کا استدلال صحیح نہیں ہے	۲۴۸
وظیفۂ زوجیت	۲۲۸	حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے	۲۴۸
حضرت ابنِ عباسؓ	۲۳۰	قیامِ رمضان سے مراد وتر تراویح ہیں	۲۴۸
الوسادۃ	۲۳۱	تعدادِ رکعاتِ تراویح	۲۴۹
متنِ حدیث کی تشریح	۲۳۱	حُسنِ صلوٰۃ کے بیان سے واماندگی	۲۵۰
سو کر اُٹھتے وقت قرآن پڑھنا سنت ہے	۲۳۲	اختلافِ روایات اختلاف اوقات پر محمول ہے	۲۵۱
شَنَّ کا معنیٰ وتشریح	۲۳۲	وتر کا حکم	۲۵۱

عنوان	صفحہ نمبر
مسلکِ احناف کے دلائل	۲۵۲
حضرت عائشہؓ سے مزید تفصیل	۲۵۳
صحابۂ کرامؓ کا عملی اجماع	۲۵۳
نورکعات کی تفصیل	۲۵۴
تعیینِ لیل	۲۵۶
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۲۵۶
اِس روایت میں اجمال ہے	۲۵۷
تفصیل وتطبیق	۲۵۷
حضورِ اقدسؐ نے ایک آیت پرتمام رات گزاردی	۲۵۸
اخذِ مسائل	۲۵۹
نوافل میں تطویلِ قیام	۲۶۰
تین معانی کا احتمال	۲۶۱
اخذِ مسائل	۲۶۱
نوافل قاعداً اور قائماً پڑھنے کی مختلف	--
صورتیں اوران کا حکم	۲۶۲
نمازِ تہجد میں مختلف احوال کا بیان	۲۶۴
حضورِ اقدس ﷺ کا نوافل میں معمول	۲۶۵
سبحہ کی تحقیق	۲۶۶
ترتیل کا معنیٰ	۲۶۷
ایک رکعات میں مکمل سورت پڑھنا مستحب ہے	۲۶۷

عنوان	صفحہ نمبر
سننِ مؤکدہ کی تفصیل	۲۶۹
تطبیق کی تین صورتیں	۲۷۰
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۲۷۱
صبح کی سنتوں میں قرأت کا مسئلہ	۲۷۱
آپؐ صبح کی دوسنتیں گھر میں ادافرماتے تھے	۲۷۳
ظہر کے چار رکعات سنت	۲۷۴
دِن میں پڑھے جانے والے نوافل	۲۷۵
تحقیق وسوال کے ساتھ جذبۂ عمل بھی	۲۷۵
عمل نہ ہوسکے تو صرف علم بھی فائدے سے خالی نہیں	۲۷۶
اشراق اور چاشت کی نماز	۲۷۶
تسلیم بین الرکعتین سے مراد	۲۷۷
ایک اہم نکتہ	۲۷۷
حاصلِ باب	۲۷۸
باب صلوٰۃ الضّحٰی	
باب! نمازِ چاشت کے بیان میں	۲۸۱
ضحٰی کا معنیٰ اوروقت کی تعیین	۲۸۱
صلوٰۃ الضحٰی کی فضیلت	۲۸۲
صلوٰۃِ ضحٰی اور تعدادِ رکعات	۲۸۲

عنوان	صفحہ نمبر
چھ رکعات کی بات	۲۸۵
دیگر صحابہؓ سے عدم روایت کی حقیقت	۲۸۶
ایک تعارض کا حل	۲۸۶
تخفیف رکعات کیوں؟	۲۸۷
صلوٰۃ ضحٰی پڑھنے کا معمول کیا تھا	۲۸۷
تعارضِ روایات سے جواب	۲۸۸
صلوٰۃ ضحٰی میں آپ کا ایک اور معمول	۲۸۹
بحثِ اسناد	۲۹۰
صلوٰۃ الزوال کی حقیقت	۲۹۱
ایک اشکال کا جواب	۲۹۲
سوال کی حکمت	۲۹۲
چار رکعت نوافل سلامِ واحد سے	۲۹۲
تطویلِ قرأت	۲۹۴
باب صلوٰۃ التطوع فی البیت باب! نفل نماز گھر میں پڑھنے کے بیان میں	۲۹۵
گھر نوافل ادا کرنا	۲۹۵
گھر میں نوافل پڑھنے کی حکمتیں	۲۹۶

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجآء فی صوم رسول اللہ ﷺ باب! رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بیان میں	۲۹۸
صوم کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ	۲۹۸
نفل روزوں کا معمول	۲۹۸
نفل روزوں میں فلسفہ وحکمت	۲۹۹
روایات میں تعارض کا جواب	۳۰۱
رمضان کی وجہ تسمیہ	۳۰۱
اِستنباطِ مسائل	۳۰۲
عبادات میں افراط وتفریط سے اجتناب	۳۰۳
دوامِ عمل بھی، اور شفقت علی الامت بھی	۳۰۳
عبادات میں اعتدال کا اہتمام	۳۰۴
تعارض اور تطبیق	۳۰۵
روزوں میں تسلسل کی وجہ	۳۰۶
شعبان ورمضان کے روزے مختلف روایات میں تطبیق	۳۰۷
شعبان کے روزوں کی فضیلت واہمیت	۳۰۹
ہر ماہ میں تین روزوں کا اہتمام	۳۱۰
جمعہ کے دِن کا روزہ	۳۱۱

عنوان	صفحہ نمبر
پیر اور جمعرات کا روزہ	۳۱۲
شعبان میں نفلی روزوں کا اہتمام	۳۱۴
عرضِ اعمال کی تین مختلف صورتیں	۳۱۴
نوافل میں عدم موالاۃ کا معمول	۳۱۵
صومِ عاشورہ کی فضیلت	۳۱۷
طاقت کے مطابق عمل	۳۲۱
ادائیگی حقوق کا اہتمام	۳۲۱
عملِ قلیل ہو، مگر مداومت ہو	۳۲۲
آپؐ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے	۳۲۴
جب غلبۂ شوق ہو	۳۲۴
باب ماجاء فی قرأة رسول الله ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی قرأت کے بیان میں	۳۲۵
قرأتِ رسول ﷺ کی توصیف	۳۲۶
قرأت میں وقف واتصال کا مسئلہ	۳۲۷
قرأت جہراً ہو یا سراً	۳۲۹
لفظِ عریش کی وضاحت	۳۳۰
جہراً تلاوت بھی جائز ہے	۳۳۰
قرأت میں ترجیع کا مسئلہ	۳۳۲
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رائے	۳۳۲
قرأت میں تحسینِ صوت	۳۳۳
تنبیہ	۳۳۴
تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے	۳۳۴
شاہ ولی اللہ کا قولِ فیصل	۳۳۵
قرأت بالجہر میں اعتدال	۳۳۶
تتمہ	۳۳۷
باب ماجاء فی بکاءِ رسول الله ﷺ	۳۳۸
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے گریہ وزاری کے بیان	
بکاء کا معنیٰ واقسام	۳۳۸
ازیز و مرجل کا معنیٰ	۳۴۰
کمالِ خوف کا اظہار، عبدیت کاملہ کی دلیل ہے	۳۴۰
دوسروں سے قرآن سننا	۳۴۲
استماعِ قرآن کے وقت گریہ وتضرع	۳۴۲

عنوان	صفحہ نمبر
اخذِ مسائل	۳۴۳
کسوف وخسوف	۳۴۶
صلوٰۃ کسوف، ہر رکعات میں ایک رکوع	۳۴۶
نماز میں گریہ	۳۴۶
صلوٰۃ کسوف کی دوطویل رکعتیں	۳۴۷
شمس وقمر قدرت کی دوآیتیں	۳۴۸
کسوف وخسوف کوکسی کی موت وحیات سے	--
کوئی تعلق نہیں	۳۴۸
کسوف وخسوف کا ایک اہم سبب	۳۴۹
تقضی اور حضن کا معنیٰ	۳۵۰
قصہ بیٹی کا نہیں، نواسی یا نواسے کا ہے	۳۵۱
حضرت ام ایمنؓ	۳۵۲
نوحہ شرعاً ممنوع ہے	۳۵۲
آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کا بوسہ لیا	۳۵۴
حضرت ام کلثومؓ کا انتقال	۳۵۵
لم یقارف کا معنیٰ	۳۵۵
ایک اشکال کا جواب	۳۵۶
ابوطلحہ کون تھے؟	۳۵۶
الحاصل	۳۵۷
باب ماجآء فی فراش رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے بستر کے بارے میں	۳۵۸
حضورؐ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ	۳۵۹
کھردرے بستر کو ترجیح	۳۶۲
باب ماجآء تواضع رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی انکساری کے بارے میں	۳۶۴
تواضع کا معنیٰ اور تشریح	۳۶۴
حضورؐ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے	۳۶۵
حضورؐ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا	۳۶۵
چند متواضعانہ اعمال	۳۶۵
مدحِ رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے	۳۶۷
مقامِ عبدیت ورسالت	۳۶۸

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
ایک بیوقوف خاتون کی حاجت برآری	۳۷۰	تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے	۳۸۴
کمالِ تواضع کی انتہاء	۳۷۰	محققین کی رائے	۳۸۵
ایک خاتون جس کیلئے آپؐ نے اپنی چادر بچھائی	۳۷۱	کھڑے ہونے کی چار قسمیں	۳۸۶
اخذِ مسائل	۳۷۱	تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ	۳۸۶
مریض کی عیادت	۳۷۲	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق	۳۸۶
ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام	۳۷۳	حدیثِ باب اور محدثین کا وتیرہ	۳۹۲
عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں	۳۷۴	تحصیلِ علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں	۳۹۲
جنازہ میں شرکت	۳۷۵	ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال	۳۹۳
گدھے پر سوار ہونا	۳۷۵	تقسیمِ اوقات کا اہتمام	۳۹۳
دعوت قبول فرمانا	۳۷۶	اُمت کیلئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال	۳۹۴
بنو قریظہ	۳۷۷	خاص وقت بھی خواص کیلئے وقف کیا تھا	۳۹۴
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۷۹	نبویؐ تربیت کے اہداف	۳۹۵
سادگی اور فروتنی کی انتہاء	۳۸۰	نصیحت وہدایت میں سخاوت	۳۹۵
اخذِ مسائل	۳۸۰	خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام	۳۹۵
بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب	۳۸۰	فرقِ مراتب	۳۹۶
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۳۸۲	جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام	۳۹۷
تواضع وعبدیت کا اظہار	۳۸۲	مراتبِ استحقاق میں تفاوت	۳۹۷
ریا وشہرت سے حفاظت کی دُعا	۳۸۲	علمی بحث ومذاکرہ کی ترغیب	۳۹۸
صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ	۳۸۳	غائبین کی فکر	۳۹۹
حضورؐ اپنے لئے کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے	۳۸۴	خدمتِ علم وخلق کا اجر وثواب	۳۹۹

عنوان	صفحہ نمبر
دربارِ نبوت، علم وخدمت کا مرکز	۴۰۰
اکرامِ ضیف کا اہتمام	۴۰۰
درسگاہِ نبویؐ کے فضلاء	۴۰۱
زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام	۴۰۲
دعوتِ محبت وتالیفِ قلوب	۴۰۲
شرفاءِ قوم کا اکرام	۴۰۳
یحذر الناس کا معنیٰ	۴۰۳
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہ	۴۰۴
طبعی رُجحان یکسوئی کا تھا	۴۰۵
لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط	۴۰۵
احباب کی خبر گیری کا اہتمام	۴۰۵
عام لوگوں کی خبر گیری	۴۰۶
اعتدال ومیانہ روی	۴۰۶
ہر چیلنج کے مقابلہ کیلئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے	۴۰۸
حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول	۴۰۸
آپؐ کے خواص، بہترین جماعت تھے	۴۰۸
اخذِ مسائل	۴۰۹
بارگاہِ نبوت میں فضل وتقدم جنہیں حاصل تھا	۴۰۹
بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ	۴۱۰
حضورؐ کی مجالس، ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی	۴۱۱
آدابِ مجلس	۴۱۱
تمام حاضرینِ مجلس حصہ وافر پاتے تھے	۴۱۲
حاضرینِ مجلس کا تأثر	۴۱۲
طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے	۴۱۳
سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے	۴۱۳
وسعتِ اخلاق وسخاوت	۴۱۳
اُمت پر رحم وشفقت کی انتہاء	۴۱۴
آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر	۴۱۴
مجالس کی پاکیزگی	۴۱۵
صفاتِ صحابہ کرامؓ	۴۱۵
الکراع کا لغوی معنیٰ	۴۱۶
تحفہ ودعوت کی قبولیت سنت ہے	۴۱۷
حضورؐ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے	۴۱۷
بچوں سے محبت اور شفقت	۴۱۹
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۴۲۳
سید البشر ﷺ	۴۲۳
کمالِ عزت وتکریم	۴۲۴
علماء کی تحقیق	۴۲۴
باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ	۴۲۵

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات کے بیان میں	۴۲۵	مبارک ہاتھوں کی ملائمت	۴۳۸
		حدیث مسلسل بالمصافحہ	۴۳۸
		وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو	۴۳۹
لفظِ خلق کی تشریح	۴۲۵	ترکِ مواجھت بھی مصلحت تھی	۴۴۳
حسنِ اخلاق	۴۲۵	فاحشاً و متفحشاً کی تشریح	۴۴۴
بیان شمائل کیلئے صحابہ کرامؓ کا سوال	۴۲۷	ملا علی قاریؒ کا ارشاد	۴۴۴
کاتبینِ وحی	۴۲۸	شور وشغب سے مکمل اجتناب	۴۴۵
صحابہ کرامؓ کی دلداری وخاطر داری	۴۲۸	برائی کے بدلے برائی نہ کرتے	۴۴۵
آخری جملہ کا مفہوم	۴۲۹	عفو در گذر	۴۴۶
کریمانہ اخلاق کی انتہاء	۴۳۱	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۴۵۱
عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب	۴۳۱	اپنی ذات کیلئے انتقام نہ لیتے	۴۵۱
عمرو بن العاصؓ کی اپنے سوال پر ندامت	۴۳۲	اسهل الامرین کو اختیار کرنا	۴۵۲
حضرت انسؓ خدمتِ نبویؐ میں	۴۳۳	’’رجل‘‘ کون تھا	۴۵۳
ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا	۴۳۴	دفعِ مضرت کیلئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے	۴۵۴
مولانا عبدالحقؒ اتباعِ سنت کا کامل نمونہ	۴۳۴	مدارات اور مداہنت کا فرق	۴۵۵
ابونعیم کی روایت	۴۳۵	اُصولِ جرح وتعدیل	۴۵۶
رضا بالقضاء	۴۳۵	جمالِ محمدؐ کا حسین منظر	۴۵۸
سیرت وسوانح کا عظیم باب	۴۳۶	دو عبارتوں کا فرق	۴۶۳
حضرت انسؓ کی عظمت ومقام	۴۳۷	کمالِ سخاوت کی دلیل	۴۶۸
اخلاقِ حمیدہ	۴۳۷	سوال وجواب	۴۶۹

عنوان	صفحہ نمبر
مراتب جود وسخا	۴۷۱
ماہِ مبارک میں سخاوت	۴۷۲
حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور	۴۷۳
بے انتہاء سخاوت	۴۷۳
صحبتِ صالحین	۴۷۴
اخذِ مسائل	۴۷۴
ذخیرہ اندوزی سے احتراز	۴۷۵
ایک شبہ اور اس کا جواب	۴۷۶
قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کر دیتے	۴۷۸
جود وسخا کے واقعات	۴۷۹
حضرت عمرؓ کی رائے پر نا گواری	۴۸۰
ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا	۴۸۱
اخذ واستنباط	۴۸۲
بعض الفاظِ حدیث کی تشریح	۴۸۳
ہدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا	۴۸۳
تنبیہ	۴۸۴
باب ماجآء فی حیاء رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی حیاء کے بیان میں	۴۸۵
حیاء کی فضیلت واہمیت	۴۸۵
حیاء کے اقسام	۴۸۶
حضورِ اقدس ﷺ کا مقامِ حیاء	۴۸۷
شیخ عبد الرؤفؒ کا ارشاد	۴۸۸
جب حضور ﷺ کو کوئی بات نا گوار ہوتی	۴۸۹
حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ	۴۸۹
باب ماجآء فی حجامة رسول اللہ ﷺ	۴۹۱
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے پچھنے (سنگھیاں) لگوانے کے بیان میں	
الحجامة (پچھنے لگوانا)	۴۹۱
معالجہ، توکل کے منافی نہیں	۴۹۱
توکل کی حقیقت	۴۹۲
حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ	۴۹۳
منشأ سوال	۴۹۴
طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی	۴۹۴
حجام کو اُجرت دینا مباح ہے	۴۹۴
غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک	۴۹۵
پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے	۴۹۶

عنوان	صفحہ نمبر
اخذِ مسائل	۴۹۶
پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق	۴۹۷
پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق	۴۹۸
پچھنے کہاں لگواتے تھے	۴۹۹
پچھنے لگوانے کے خاص ایام	۵۰۰
خلاصۂ بحث	۵۰۱
پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات	۵۰۲
باب ماجآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے اسماء مبارکہ کے بیان میں	۵۰۴
لفظِ اسماء کا معنیٰ کا مصداق	۵۰۴
آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام	۵۰۵
اسم "محمد" کی تشریح	۵۰۵
اسم "احمد" کی تشریح	۵۰۶
"الماحی" کی تشریح	۵۰۸
الحاشر	۵۰۸
العاقب	۵۰۸
نبی الرحمۃ	۵۰۹
نبی التوبۃ	۵۱۰
المقفی	۵۱۱
نبی الملاحم	۵۱۲
باب ماجآء فی عیش النبیؐ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے گذرِ اوقات کے بیان میں	۵۱۳
تکرارِ باب کیوں؟	۵۱۳
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہات	۵۱۴
چند کھجوروں پر قناعت	۵۱۵
اُمت چار گروہوں میں بٹ گئی	۵۱۶
اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کے عملی نمونے	۵۱۷
گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہ جلتی	۵۱۸
بعض اوقات گھر میں چراغ کا تیل بھی میسر نہ ہوتا	۵۱۸
شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھنا	۵۱۹
ایک اشکال سے جواب	۵۲۰
واقعات متعدد ہو سکتے ہیں	۵۲۴

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت صدیق اکبرؓ کو حضورِ اقدس ﷺ سے کمال مناسبت حاصل تھی	۵۲۵
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عاشقانہ انداز	۵۲۷
حضرت عمرؓ کی حاضری	۵۲۷
ابوالہیثم انصاریؓ	۵۲۷
محبوب درِ دولت پر	۵۲۸
اخذِ مسائل	۵۲۸
تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا	۵۳۰
پیٹ بھر کر کھانا کھانا	۵۳۰
صحابیؓ اور ان کے اہل وعیال پر شفقت	۵۳۱
''عناق'' اور ''جدی'' کا معنیٰ	۵۳۱
ضیافت میں وسعت	۵۳۲
مخلص خادم کیلئے انعام کا اعلان	۵۳۲
جو آقا کی مرضی وہی غلام کی مرضی	۵۳۳
غلام کا انتخاب اور وجہ انتخاب	۵۳۳
اخذِ مسائل	۵۳۳
غلاموں سے حُسنِ سلوک کی تاکید	۵۳۴
ہر انسان کے دو مشیر	۵۳۴
پہلا شخص جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا	۵۳۵
اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلانے والا	۵۳۶
صحابہ کرامؓ کی غربت وفقر کا ایک منظر	۵۳۶
سریۃ الخبط	۵۳۷
قصہ سعدؓ کا پسِ منظر	۵۳۸
حضرت سعدؓ کا استدلال	۵۳۹
حضرت عمر فاروقؓ کی پیشگی ناکہ بندی	۵۴۰
المربد	۵۴۱
بصرہ	۵۴۱
مقام بصرہ میں کاروان کا پڑاؤ	۵۴۲
فذکروا کی ضمیر کا مرجع	۵۴۲
تعمیر بصرہ کی تکوینی منصوبہ بندی	۵۴۲
ایک چادر کے بھی دو ٹکڑے کر لیے	۵۴۳
ایک بے مثال دورِ حکومت	۵۴۳
آغازِ اسلام میں کفار کی مزاحمت بہت شدید تھی	۵۴۵
خوراک کی معمولی مقدار پر دو ہفتے گزارہ کرتے رہے	۵۴۵
ضفف کا معنیٰ	۵۴۷
صبح اور شام کے کھانے میں معمول	۵۴۷
مدنی زندگی کے آخری لحات کا منظر	۵۴۸
باب ماجاء في سن رسول الله ﷺ	۵۵۰

عنوان	صفحہ نمبر
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی عمر مبارک کے بیان میں	۵۵۰
لفظِ سن کا معنیٰ اور تشریح	۵۵۰
عمر مبارک میں قولِ راجح کی تعیین	۵۵۱
اصح الراویات	۵۵۲
پہلی روایت کی تائید	۵۵۳
دفعِ تعارض	۵۵۴
تاویلِ روایت	۵۵۵
حضرت انسؓ کی روایت میں تاویل	۵۵۶
باب ماجآء فی وفات رسول اللہ ﷺ	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کی وفات کے بیان میں	۵۵۷
لفظِ وفاۃ کا معنیٰ	۵۵۷
ورق مصحف کے ساتھ رُخِ انور کی تشبیہ	۵۵۸
عرضِ نظارہ	۵۵۹
تاریخِ وصال میں اختلاف	۵۵۹

عنوان	صفحہ نمبر
مسجد تشریف آوری تین مرتبہ ہوئی	۵۶۰
وقتِ وفات کی مختلف روایات کی تطبیق	۵۶۰
مفاخرہ سیدہ عائشہؓ	۵۶۲
دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب	۵۶۳
استنباطِ مسائل	۵۶۳
نزع میں استقلال اور توجہ الی اللہ کا اہتمام	۵۶۴
علامہ البیجوریؒ کی تشریح	۵۶۴
قبضِ روحؑ میں اعزازِ خداوندی	۵۶۵
موت کی شدت اور نرمی	۵۶۷
حاصلِ بحث	۵۶۸
مقامِ تدفین میں اتفاق	۵۶۹
شانِ صدیق اکبرؓ	۵۶۹
تقبیلِ میت سنت ہے	۵۷۱
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والہیت	۵۷۲
اوصاف میّت کا بیان جائز ہے	۵۷۲
نورِ نبوت کی ضیا پاشیاں	۵۷۴
اور جب وصال ہوا	۵۷۵
سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کا مرثیہ	۵۷۶
پیر کا روز یومِ وصال ہے	۵۷۷
تدفین میں تاخیر کیوں؟	۵۷۷

عنوان	صفحہ نمبر
یومِ تدفین کی روایات میں تطبیق -----	۵۷۹
انبیاء پر بیہوشی آ سکتی ہے، مگر جنون نہیں --	۵۸۳
نرم دلی صدیق اکبرؓ کی طبعی افتاد تھی ----	۵۸۳
صواحباتِ یوسفؑ کے ساتھ تشبیہ ----	۵۸۴
قولِ اوّل ----------------	۵۸۴
قول دوم ----------------	۵۸۴
صدیق اکبرؓ نے امتثالِ امر کو ترجیح دی --	۵۸۵
جن خوش نصیبوں پر حضورؐ نے تکیہ فرمایا تھا۔	۵۸۵
آپؐ کا وصال، اُمت کیلئے عظیم صدمہ۔	۵۸۶
نمازِ جنازہ کی نوعیت وتفصیلات -----	۵۸۷
مدفن مبارک ----------------	۵۸۸
غسل کا مرحلہ ----------------	۵۸۹
مسئلہ خلافت اور امیر کا انتخاب -----	۵۹۰
ابوبکر صدیقؓ کی تین امتیازی خصوصیات	۵۹۰
حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی زندگی میں آپؐ	--
کی نیابت فرمائی -----------	۵۹۱
ایک اعتراض کا جواب ----------	۵۹۲
حضورؐ کے وصال پر صحابہؓ غم سے نڈھال ہوگئے	۵۹۳
لفظِ ''فرط'' کا معنیٰ -----------	۵۹۴
فوت ہونیوالے چھوٹے بچے ذخیرۂ آخرت بنیں گے	۵۹۵
حضورؐ کی جُدائی سب سے بڑا صدمہ ہے	۵۹۵
باب ماجاء فی میراث رسول اللہ ﷺ	۵۹۷
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے ترکہ کے بیان میں	
حضورِ اقدس ﷺ کی وراثت -----	۵۹۷
ترکۂ انبیاء کے وارث نہ ہونے کی حکمتیں	۵۹۸
سیدہ فاطمہؓ کے سوال کا منشاء اور تفصیلی جواب	۶۰۰
حضورِ اقدس ﷺ کا جمیع ترکہ ----	۶۰۱
حضرت ابوبکرؓ نے مسئلہ شرعی کی وضاحت کردی	۶۰۱
انبیاء کے عیال کے نفقہ کا مسئلہ -----	۶۰۲
حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی خصومت کی حقیقت	۶۰۳
ابوداؤد کی روایت ------------	۶۰۴
اصل مسئلہ ----------------	۶۰۵
نہی اور نفی کی صورت میں مراد کی تعیین --	۶۰۷
مولانا محمد زکریاؒ کی مزید توضیح -----	۶۰۷
بعض اعتراضات کے جوابات -----	۶۰۸
الحاصل ----------------	۶۰۹
تفصیلی قصہ ----------------	۶۱۰

عنوان	صفحہ نمبر
باب ماجآء فی رؤیۃ رسول اللہ ﷺ فی المنام	
باب! حضورِ اقدس ﷺ کے خواب میں دیکھنے کے بیان میں	٦١٧
لفظِ رؤیۃ اور رؤیا کا معنیٰ اور فرق	٦١٧
حقیقتِ خواب	٦١٧
منامی حقائق اور مسلکِ اہل سنت والجماعت	٦١٨
شیطان، حضورؐ کی شکل وصورت نہیں بنا سکتا	٦٢٠
ایک طے شدہ امر	٦٢١
شیخ مدنیؒ کی تقریر	٦٢١
امرِ منامی کی شرعی حیثیت	٦٢٢
امامِ شاطبیؒ کا نقل کردہ قصہ	٦٢٢
توضیح	٦٢٧
رویتِ حق کا معنیٰ	٦٢٧
مومن کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے	٦٢٩
طالبانِ علومِ نبوت کے لئے دو خصوصی نصیحتیں	٦٣٠
منقولات کے اتباع کا اہتمام	٦٣٠
امامِ عبداللہ بن مبارکؒ	٦٣٠
اتباعِ سنت کی تاکید	٦٣١
گذشتہ باب سے مناسبت	٦٣١
علمِ حدیث میں اُستاذ کا انتخاب	٦٣٢
علمِ حدیث، دین ہے	٦٣٢
تکمیل روایت	٦٣٢
امام ترمذیؒ کی غرضِ ایرادِ اثر	٦٣٣
باب سے مناسبت	٦٣٣

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ تَعَطُّرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں

تعطر : کا معنیٰ خوشبو لگانا، التعطر استعمال العِطر كما ان التطيّب استعمال الطيب (جمع ج۲ص۲) (تعطر کا معنیٰ عطر استعمال کرنا جیسے کہ تطیب کا معنیٰ خوشبو لگانا) عِطر عین کے کسرہ کے ساتھ الطیب کو کہتے ہیں۔ العطر بكسر العين وهو الطيب (مواہب ص۱۵۶) عرب کثیر التعطر یعنی بہت عطر استعمال کرنے والے شخص کو "رجل معطر" کہتے ہیں (جمع ج۲ص۲)

انعقادِ باب کی غرض ان احادیث کا بیان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالِ عطر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسے کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اى باب بيان الاحاديث الواردة فى تعطر رسول الله صلى الله عليه وسلم (مواہب ص۱۵۶)

خلاصۂ باب :

جن میں آپ ﷺ کے عطر کے استعمال کرنے' عطر کے تحفہ قبول فرمانے اور مردوں کے لئے کس قسم کے عطر کے استعمال اور خواتین کے لئے کس قسم کی خوشبو استعمال کرنے کا ذکر ہے۔

جسمِ اقدس کے خوشبو کی مہک :

احادیث میں استعمالِ عطر کا بیان ہے، حالانکہ اگر آپ عطر استعمال نہ بھی فرماتے، تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے عمدہ ترین خوشبو مہکتی تھی جیسے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں قد كان صلى الله عليه وسلم طيب الرائحة وان لم يمس طيبا كما جاء ذلك فى الاخبار الصحيحة (مواہب ص۱۵۶)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر، مشک اور نہ کوئی اور خوشبو آپ کی خوشبو سے زیادہ

عمدہ نہیں سونگھی۔

(امام بخاریؒ اور احمدؒ نے اس کی روایت ان الفاظ میں کی ہے کہ ماشممت ریحاقط ولامسکا ولا عنبرا اطیب من ریح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رواہ احمد والبخاری (جمع ج۲ص۲) مگر اس کے باوجود آپؐ خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہؓ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اس سے اس قدر پائیدار اور بے مثال خوشبو ہوئی کہ ان کی چاروں بیویاں (ہر ایک عمدہ ترین خوشبو استعمال کرتی تھیں) جن میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ ان کے زیر استعمال خوشبو بھی حضرت عقبہؓ کی خوشبو کے برابر ہو جائے، مگر وہ مغلوب رہیں اور حضرت عقبہؓ کی خوشبو غالب رہی۔ علامہ ملا علی قاریؒ طبرانی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کان عندہ اربع نسوۃ کلھن تجتھد ان تساویہ فیہ فلم تستطع مع انہ کان لایتطیب۔ (جمع ج۲ص۲)

آپؐ جس راستے سے گذرتے وہ مہک اٹھتا :

علامہ ملا علی قاریؒ نے ابو یعلی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس راستے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گذرتے تھے، آپؐ کے بعد گزرنے والے اس راستہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ آپؐ کا ابھی اس راستہ سے گذر ہوا ہے (جمع ج۲ص۲)

آپؐ کا پسینہ عمدہ ترین خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ نے مسلم کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ سوئے ہوئے تھے اور آپؐ کے بدن مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ نے ایک شیشی میں اسے بھرنا شروع کر دیا کہ اچانک آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس کو ہم اپنی دیگر خوشبوؤں میں ملائیں گے، کیونکہ یہ سب سے زیادہ عمدہ خوشبو ہے' فقالت ھذا عرقک نجعلہ لطیبنا وھو اطیب الطیب (جمع ج۲ص۲) اسی طرح جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا، تمام روز اپنے ہاتھ سے عمدہ ترین خوشبو سونگھتا رہتا۔ یہی حال اس بچے کا ہوتا جس

کے سر پر آپ دستِ شفقت رکھ لیتے (اتحافات ص ۲۶۳)

استعمالِ خوشبو اُمت کے لئے دستور العمل :

یہ تو آپ کی ذاتی اور جسم مبارک کی خوشبو تھی، جو قدرت نے ودیعت فرمائی تھی، مگر اس کے باوجود بھی آپ عالم اسباب میں خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے تا کہ عام افرادِ اُمت' مرد وخواتین کے لئے بھی ایک مسنون عمل کا نمونہ موجود ہو اور امت کے لئے ایک دستور العمل بن جائے اور ان کے لئے خوشبو لگانے کی حدود متعین ہو جائیں۔

خوشبو کب لگانی چاہئے :

جمعہ' عیدین' نماز باجماعت' قرآن کی تلاوت' درس و تدریس اور ذکر کے حلقوں میں اور مباشرت کے وقت خوشبو لگانا چاہئے۔صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں ویتأ کد لکل من الرجل والمرأة عند المباشرة ' فانها من حسن المعاشرة (اتحافات ص ۲۶۳) تا کہ کسی کے پسینہ کی وجہ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔طہارت تو دین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔خوشبو اسی طہارت کا ایک حصہ ہے۔ اس باب میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔

(۲۰۹/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اَبُوْاَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا ـ

ترجمہ ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن رافع اور بہت سے دوسرے لوگوں (رواۃ) نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اس کی خبر احمد زبیری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت شیبان نے عبداللہ بن مختار کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن انس بن مالکؓ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سُکّہ تھا

اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۶۹) محمد بن رافع (۴۷۰) شیبان ؒ (۴۷۱) عبداللہ بن المختارؒ اور (۴۷۲) موسیٰ بن انسؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ سکۃ کے معانی :

قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم سكة يتطيب منها ! لفظِ سکۃ کے دو معنیٰ آئے ہیں (۱) ظرفِ عطر یعنی ڈبیہ، شیشی یا عطر دانی، جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے۔ و يحتمل ان تكون وعاء، وان كان المراد بها الوعاء فهي للابتداء و قال الشارح والظاهر ان المراد بها ظرف يوضع فيه الطيب كما يشعر به قوله منها (مواہب ص۱۵۶) (جب سکّہ سے مراد خوشبو دانی ہو تو پھر یتطیب منھا میں لفظ من ابتدائیہ ہے اور شارحؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ بظاہر اس سے وہ شیشی یا عطر دانی مراد ہے جس میں عطر رکھا جاتا ہے جیسا کہ کہ اس کا قرینہ لفظ منہا ہے)

(۲) دوسرا معنیٰ ایک خاص قسم کی مرکب خوشبو نقل ہوا ہے۔ جو صندل زعفران گلاب وغیرہ کو ملا کر بڑی محنت سے تیار کی جاتی ہے۔ صاحبِ قاموس نے تو اس کے بنانے کا طریقہ بھی نقل کیا ہے۔ و قال العسقلاني وهي طيب مركب (اتحافات ص۲۶۴) (علامہ عسقلانیؒ نے سکّہ کو ایک خاص مرکب خوشبو کہا ہے) كان المراد بها هنا نفس الطيب فمن في قوله يتطيب منها للتبعيض (مواہب ص۱۵۶) (علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں یعنی سکّہ سے مراد یہاں خوشبو ہی ہے تو پھر اس صورت میں یتطیب منھا میں لفظ من تبعیضیہ ہوگا)۔

الغرض خوشبو دانی مراد ہو یا خوشبو، آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں نظم و ترتیب مدلول ہوتا ہے کہ سفر و حضر میں ضروریاتِ زندگی آپؐ اپنے پاس رکھتے تھے۔ سرمہ دانی، کنگھی، شیشہ اور خوشبو یا خوشبو دانی وغیرہ۔

مضمونِ حدیث :

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

خوشبو یا خوشبودانی تھی، جس سے آپؐ خوشبو لگاتے تھے۔

سراپا خوشبو یا جسمِ معطر :

ابتداءِ باب میں یہ عرض کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اطہر ہر وقت خوشبو سے معطر اور مہکتا رہتا تھا۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے جسمِ اقدس کی خوشبو راستہ میں پھیل جاتی تھی اور ہم سمجھ لیتے کہ حضور اقدس ﷺ اسی راہ سے گذرے ہیں۔ لہٰذا ہم اسی خوشبو پر آپؐ تک پہنچ جاتے۔

علامہ ملا علی قاریؒ، دارمی، بیہقی اور ابونعیم سے نقل کرتے ہیں :

انہ لم یکن یمر بطریق فیتبعہ احد الاعرف انہ سلکہ من طیب عرقہ و عرفہ ولم یکن یمر بحجر الا یسجد لہ (جمع ج ۲ ص ۲)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے سے تشریف لے جاتے، تو آپؐ کے پسینہ مبارک کی خوشبو کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتے تھے اور کسی ایک پتھر پر آپؐ کا گذر نہ ہوتا، مگر وہ پتھر آپؐ کو سجدہ کرتا۔

جہیز میں پسینۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ ابویعلیٰ سے نقل کرتے ہیں :

کہ ایک صحابی نے اپنی لڑکی کے جہیز میں کچھ کپڑے تیار کیئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپؐ کا پسینہ مبارک طلب کرنے کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوا۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کی ایک انگلی کو اپنے اسی مبارک پسینہ سے تر کیا جو کہ ایک شیشی میں بند کیا ہوا تھا اور پھر چند قطرے اس صحابی کو عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اپنی لڑکی سے کہہ دو کہ جب وہ جہیز کے کپڑے پہنے تو پسینہ کے ان قطروں کو بطورِ خوشبو استعمال کرے۔ اس کے بعد جب کبھی وہ نیک بخت خاتون یہ خوشبو استعمال کرتی تو اہل مدینہ اس کو سونگھتے اور اس گھر میں خواتین جمع ہو جاتیں۔ اس کے بعد اس گھر کا نام ہی ـــــ "بیت المطیبین" یعنی خوشبو سونگھنے والوں کا گھر مشہور ہو گیا۔ **فکانت اذا تطیبت بہ شم اھل المدینۃ**

ذلک الطیب فسموا بیت المطیبین (جمع ج۲ص۲)

دستِ مبارک کی خوشبو کی عطر بیزیاں :

جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیرا، میں نے اسے ٹھنڈا اور ایسی معطر ہوا کی طرح پایا جو کسی عطر فروش کی شیشی یا صندوق سے نکلتی ہے۔

حضرت عقبہ کا واقعہ اس سے قبل بھی اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے۔ تفصیل سے ملاحظہ فرمایئے اور لطف اٹھایئے۔

اُم عاصم کہتی ہیں کہ ہم عقبہ کی زوجیت میں چار عورتیں تھیں، ہم میں سے ہر ایک اس کوشش میں رہتی کہ وہ خوشبو میں اپنے شوہر عقبہ سے بڑھ جائے اور عقبہ' وہ صرف اپنی داڑھی کو ایک عام تیل لگاتے' اس کے سوا اور کوئی خوشبو نہ استعمال کرتے، لیکن اس کے باوجود ہم سب سے زیادہ معطر اور پاکیزہ تھے، جب گھر سے نکلتے تو لوگ کہتے کہ ہم نے اس خوشبو سے زیادہ نفیس خوشبو نہیں سونگھی جو عقبہ لگاتے ہیں۔ ام عاصم کہتی ہیں کہ میں نے ایک روز عقبہ سے کہا ہم بہتر سے بہتر خوشبو لگانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر آپ کی خوشبو سے نہیں بڑھ پاتیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے مجھے نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک بیماری لگ گئی تھی۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے مجھے کپڑے (یعنی قمیص وغیرہ) اُتارنے کا حکم دیا۔ میں نے کپڑے اُتار دیئے اور آپ ﷺ کے آگے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک پر پھونک ماری، پھر اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر پھیرا۔ اس روز سے میرے پورے جسم میں یہ خوشبو مہکی ہوئی ہے۔

حضرت الشیخ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ وصائل الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے جو خوشبو آتی تھی۔ وہ دوسری تمام خوشبوؤں سے مختلف ہوتی تھی۔ نیز فرماتے ہیں مسلم شریف میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو کثرت سے پسینہ آتا تھا، چہرۂ انور پر پسینہ آتا تو موتیوں کی طرح محسوس ہوتا اور اس کی

خوشبو مشک اور اذفر سے بھی زیادہ ہوتی۔

(۲/۲۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَايُرُدُّ الطِّيْبَ وَ قَالَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايُرُدُّ الطِّيْبَ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزرۃ بن ثابت نے ثمامۃ بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو رد نہ فرمایا کرتے تھے۔

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے کہ جب کبھی بھی خوشبو تحفۃً یا ہدیۃً دی جائے تو قبول کرلی جائے۔ حضرت انس بن مالکؓ کا یہی معمول تھا۔ **لایرد الطیب**، پھر ان کا یہ معمول حضور اقدس ﷺ کے عملِ مبارک کا پرتو تھا، **ان النبی ﷺ کان لایرد الطیب** پھر ظاہر ہے کہ خوشبو کا ہدیہ خوش دلی سے دیا جاتا ہے تو خوش دلی سے لے لیا جائے، اس میں حکمت بھی یہی ہے کہ یہ ہدیہ اتنا قیمتی نہیں ہوتا کہ پیش کرنے والے پر گراں گذرے، پھر بھاری مقدار میں بھی نہیں ہوتا، چونکہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے، اس لئے لینے والے کی طبیعت کو محسوس نہیں ہوتا، جیسا کہ مسلم شریف میں حدیث ہے، **من عرض علیہ ریحان فلا یرد فانہ خفیف المحمل و طیب الریح** (جمع ج۲ص۲)

(جس شخص کو عطر اور خوشبو کا ہدیہ پیش کیا جائے وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ اس کا بوجھ اور وزن تو ہے نہیں اور اس کی خوشبو اچھی ہے)

درحقیقت حضور اقدس ﷺ سب کی دلجوئی فرماتے تھے اور کسی کی دل شکنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ خوشبو کا رد کرنا ایک مخلص و محبّ صادق کی دل شکنی کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا آپؐ قطعاً ہدیۂ خوشبو کو رد نہ فرماتے تھے۔ دوسرا یہ بھی کہ آپؐ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ اس لئے اس ہدیۂ جمیلہ کو پسند کرنا ہی بہت

احسن واجمل بات تھی۔علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں :

المعنی انه لیس بثقیل بل قلیل المنة ومع هذا طیب الرائحة فالهدیة اذا کانت قلیلة و تتضمن منفعة فلا ترد لئلا یتأذی المهدی اذا لم یکن طماعاً (جمع ج۲ص۴) (مطلب یہ کہ یہ کوئی وزنی چیز نہیں بلکہ وہ احسان کرنے میں کوئی بڑی چیز بھی نہیں اس کے باوجود اس کی خوشبو اچھی ہے۔ ھدیہ اگر چہ معمولی ہو،لیکن اس کا نفع اگر زیادہ ہے تو اس کو رد نہ کیا جائے تا کہ ہدیہ کرنے والے کی دل شکنی نہ ہو جب کہ وہ لالچی اور حریص نہ ہو)

(۲۱۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ فُدَیْکٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ الطِّیْبُ وَاللَّبَنُ۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابن ابی فدیک نے بیان کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن مسلم بن جندب سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں،تکیہ،اور خوشبودار تیل اور دودھ۔

راویان حدیث (۴۷۳) ابن ابی فدیکؒ (۴۷۴) عبداللہ بن مسلمؒ اور (۴۷۵) عن ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الوسائد جمع وسادۃ کی ہے،جو سوتے وقت سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔اسے مخدۃ بھی کہتے ہیں۔ اذ قد یوضع تحت الخد والدھن کل ما یدھن به والمرادھنا الذی فیه طیب (مخدۃ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ وہ رخسار کے نیچے بھی کبھی رکھا جاتا ہے اور دھن ہر وہ چیز ہے جو تیل کی جگہ استعمال کی جائے اور یہاں اس سے مراد خوشبودار تیل ہے) (اتحافات ص ۲۶۵)

مضمونِ حدیث کی تشریح :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔اس روایت میں مذکور تمام چیزیں خواہ وہ تکیے ہوں یا خوشبودار تیل یا خوشبو اور دودھ' خفیف المحمل ہیں اور باہمی اعتماد ومحبت کا باعث ہیں۔جیسے یہی بات علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ولا بد من اعتبار معنی فی ثلاث من العظمة والشرف و قلة المؤنة و خفة المحمل (جمع ج۲ص۴) لہٰذا جب ہدیہ کے طور پر پیش کئے جائیں تو لا ترد یعنی واپس نہ کی جائیں بلکہ انہیں اللہ کی نعمت سمجھ کر قبول کر لی جائیں۔

شمائل میں بعض نسخوں میں الوسائد' الدھن اور الطیب مذکور ہے، اللبن نہیں ہے۔بعض نسخوں میں اللبن ہے، الطیب نہیں ہے ، وفی نسخة صحیحة بدله اللبن (مواہب ص۱۵۷) اور نسخہ صحیحہ میں طیب کی بجائے لبن کا لفظ ہے ولعل المراد بالدھن ھو الذی له طیب فعبر تارة بالطیب و اخریٰ بالدھن (جمع ج۲ص۴) (اور شاید کہ دہن سے مراد خوشبودار تیل ہے تو کبھی اس کی تعبیر لفظ طیب (عطر) اور کبھی دھن (تیل) سے کی جاتی ہے) بعض روایات میں خوشبودار پودے اور پھول کا بھی ذکر آیا ہے۔

امام شافعیؒ نے ایسی سات چیزیں گنوائی ہیں اور انہیں اشعار میں نظم کیا ہے .... ؎

عن المصطفیٰ سبع یسن قبولها ۔۔۔ اذا مابها قد اتحف المرء خلان

فحلو و البان و دھن و وسادة ۔۔۔ ورزق لمحتاج و طیب و ریحان

(مواہب ص۱۵۷)

(سات چیزوں کا قبول کرنا سنت نبویہؐ ہے جب کوئی انسان وہ اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ دے پس وہ حلوہ (میٹھی چیزیں) دودھ۔تیل۔تکیہ اور مسکین کے لئے کھانا اور عطر و خوشبو ہیں)

(۲۱۲/۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِیُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْجُرَيْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَ خَفِیَ لَوْنُهٗ وَطِيْبُ النِّسَآءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِيْحُهٗ .

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ عَنِ الطُّفَاوِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ بِمَعْنَاهُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے واسطہ سے ابونضرۃ کی وساطت سے روایت کی اور انہوں نے یہ ایک شخص (طفاوی) سے سُنی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا زعفران وغیرہ)۔

امام ترمذیؒ دوسری سنداس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ ان کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے جریری کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابونضرۃ سے طفاوی کے ذریعے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہ سے سُنی جو رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتے تھے اور یہ روایت پہلی روایت سے معنی میں متفق ہے۔

راویان حدیث (۴۷۶) ابوداؤد الحفری اور (۴۷۷) عن رجل کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرد اور خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال:

حضور اقدس ﷺ کا ارشادِ گرامی واضح ہے۔ لہٰذا مردوں کو چاہئے کہ وہ تو ایسی خوشبو ضرور استعمال کریں جو محفل میں دوسروں کو بھی محسوس ہو اور فضا معطر ہو، مگر اس کا رنگ نہ ہو۔ کماء الورد والمسک والعنبر و الکافور (جمع ج۲ص۵) مگر عورتوں کی خوشبو کا رنگ نمایاں نہ ہو، وہ عطر انتہائی پوشیدہ ہو، کالزعفران والصندل ' والحناء (جمع ج۲ص۵) علماء کہتے ہیں خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال اس وقت ممنوع ہے جب وہ گھر سے باہر نکلیں۔ فان مرورھا علی الرجال مع ظھور رائحۃ الطیب منھا منھی عنہ ' (بے شک عورت کا خوشبو سے معطر ہو کر مردوں پر گزرنا شرعاً ممنوع ہے) گھر میں ہو یا اگر شوہر کے پاس ہو تب استعمال جائز ہے فاما اذا کانت عند زوجھا فلتطیب بما شاء ت

(جمع ج۲ص ۵) اور جب عورت اپنے خاوند کے پاس ہو پھر جو عطر چاہے لگا سکتی ہے) جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ عن ابی موسیٰ کل عین زانیة والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی زانية (جمع ج۲ص۶) (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں ہر آنکھ (غلط نظر کرنے میں) زنا کرنے والی ہے اور جب عورت عطر لگا کر کسی مجلس پر گزرتی ہے تو وہ (اس صورت میں گویا کہ) زانیہ ہے)

اسی طرح احمد، صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو عورت بخور لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔ ایما امراة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (جمع ج۲ص۴)

مسلمان خواتین کی غفلت وجہالت :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے یہاں مسلمان خواتین کے موجودہ اور مروجہ طرزِ عمل پر بہت رونا رویا ہے کہ عام مسلمان خواتین تو اپنی جگہ، عرب مسلمان خواتین بھی فرنگی تہذیب کی لپیٹ میں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے پاکیزہ اخلاق وتعلیمات سے غافل ہوگئی ہیں۔ واتت من الاعمال ماينذى له جبين الاسلام (اتحافات ص۲۶۷) (اور ایسے اعمال کرتی ہیں جس سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو جاتا ہے) مسلمان خواتین مغربی تہذیب کی تقلید میں اندھا دھند چلی جارہی ہیں، نہ حیا ہے نہ پردہ، نہ شرم نہ غیرت، بلکہ مختلف قسم کے سینٹ لگا کر بازاروں کی زینت بنتیں اور شیطان کا کردار ادا کرتی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ ہی کے تعلیمات وہدایات اور سنتوں میں عزت بھی ہے اور عظمت بھی، نجات بھی ہے اور فلاح بھی۔

(۳۱۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيْفَةَ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ ذُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ عَنْ حَنَّانٍ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ فَاِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَلَا

نَعْرِفُ لِحَنَّانٍ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِيْ كِتَابِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ حَنَّانُ الْاَسَدِيُّ مِنْ بَنِيْ اَسَدِ بْنِ شَرِيْكٍ وَهُوَ صَاحِبُ الرَّقِيْقِ عَمُّ وَالِدِ مُسَدَّدٍ وَ رَوٰى عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ وَ رَوٰى عَنْهُ الْحَجَّاجُ بْنُ اَبِيْ عُثْمَانَ الصَّوَّافُ وَ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن خلیفہ اور عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یزید بن ذریع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حجاج صواف نے حنان کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔ ابوعثمان نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہئے کہ لوٹائے نہیں، اس لئے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔

راویان حدیث (۴۷۸) محمد بن خلیفہؒ (۴۷۹) حجاج الصوافؒ (۴۸۰) حنانؒ اور (۴۸۱) ابوعثمان النہدیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کی بحث :

ابوعثمان النہدی تابعی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں حضور اقدس ﷺ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے یہ روایت آپؐ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ لہٰذا یہ روایت مرسلات سے ہے۔ جیسے کہ علامہ سیوطیؒ نے اس کی تصریح کی ہے' فالحديث مرسل كما صرح به السيوطى (جمع ج۲ص۶) جو اس صورت میں معتبر ہوتی ہیں، جب اس کے راوی ضعیف نہ ہوں بلکہ ثقہ ہوں۔

لفظ ''ریحان'' کی تشریح :

ریحان کا اطلاق عموماً ایک خاص قسم کے خوشبودار پودے ''نیاز بو' پر آتا ہے، جس کی ٹہنی اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کی تعریف كل نبت طيب فهو ريحان (ہر خوشبودار پودا ریحان ہے) سے کی گئی ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں وهو كل نبت طيب الريح من

انواع المشموم علی ما فی النهایة (جمع ج ۲ ص ۶) (کہ مشمومات (سونگھی جانی والی چیزوں) میں اچھے خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جیسے کہ نہایہ میں بھی اس طرح ہے)۔

اہل مغرب ریحان کو ایک خاص درخت سے مخصوص کرتے ہیں، جسے آس کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حدیث صحیح میں بھی یہی مراد ہے، جس میں آیا ہے کہ...... مثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب و طعمها مر (جمع ج ۲ ص ۶) (اس منافق کی مثال جو کہ قرآن پڑھتا ہے ایسی ہے جیسے کہ ریحانہ کا درخت کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے) اہل شام و عراق حبق کو ریحان کہتے ہیں اور حبق پودینہ کو کہتے ہیں۔ بہر حال لغوی اعتبار سے ریحان کا معنیٰ خوشبو، رحمت آرام، چین، آسائش، صاحب اور دوست کے بھی آتے ہیں۔ اس کے معنیٰ میں وسعت ہے۔

جنت البقیع کا ایک واقعہ :

مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے، جب اپنے ایک بزرگ اور مہربان دوست ماہنامہ الحق کے کاتب (جب کمپیوٹر اور کمپوزنگ مروج نہ تھے) جناب الحاج عبدالواحد صاحب خوشنویسؒ (جو معروف سکالر، عظیم مصنف حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہ صاحب تاریخ مکۃ المکرمہ و مدینۃ المنورہ کے برادر بزرگ تھے) صبح سویرے چمن سے چنبیلی کے پھول کاٹ کر اپنے میز پر سجاتے اور باوضو الحق کی کتابت کرتے، احقر اُن دنوں ماہنامہ الحق کی خدمت پر مامور تھا، بلکہ مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں درس و تدریس، خطابت اور دیگر متنوع ذمہ داریوں سمیت الحق کی ادارت سے لے کر پروف ریڈنگ اور کاپی پیسٹنگ تک کے تمام امور تن تنہا انجام دیتا تھا۔ مرحوم جب چنبیلی کے پھول سجا کر کتابت شروع کرتے اور میں حاضر ہوتا، تو فرماتے' حقانی صاحب! ''ریحانہ'' سجا رکھا ہے، جنت کا پھول ہے جنت کا' ایک روز علی الصبح کچھ مسودات لے کر حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کتابت بھی جاری ہے، وجود پر لرزہ بھی اور آنکھوں سے آنسو بھی ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو گلوگیر آواز میں جواب دیا اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے ہر چند تسلی دینی چاہی، مگر مرحوم کا رونا کب رُکنے کا تھا اور پس منظر تو مجھے معلوم نہ تھا۔ آخر کیا تسلی دے سکتا تھا، جب جذبات پر قابو پایا اور قدرے

بات کرنے کے موڈ میں ہوئے تو فرمانے لگے :

حقانی صاحب ! کیا پوچھتے ہو کیا انجام ہوگا، اب کے بار جب عمرے پر گیا تھا تو جنت البقیع میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، دیکھا ایک نئی قبر کھودی جاری ہے، لوگ اچانک کسی چیز کے نمودار ہونے سے پریشان ہو گئے، میں بھی لپک کر اُن کے پاس جا پہنچا تو دیکھا کہ نئی کھودی جانے والی قبر سے ایک خطرناک بچھو ظاہر ہوا، جس کی لمبائی کوئی آٹھ انچ کے برابر ہوگی۔ اسے دیکھا میں تو تب سے اب تک پریشان ہوں۔ حقانی صاحب! جب جنت البقیع (جس کے مدفون سعادت مند ہیں) میں اتنے بڑے بڑے خطرناک بچھو موجود ہیں، تو ہم گنہگاروں کا انجام کیا ہوگا اور پھر رونے میں ڈوب گئے' بس اتنی سی بات بہ مشکل کر سکے کہ پھر گریہ طاری ہوا۔ اب پس منظر مجھے معلوم ہو چکا تھا، ان کے رونے سے میرا دل بھی پسیج گیا اور چند لمحے مجھے بھی ان کی معیت میں اشک ندامت کے حاصل ہوئے۔ یہ سارا واقعہ مجھے لفظ ''ریحان'' کی بحث سے یاد آیا، امانت تھی جو قارئین کے حوالے کر دی۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ اسی مضمون کی ایک نقل میں نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ بانی و مہتمم مدرسۂ عربی نجم المدارس کو بھیجی۔ غرض یہ تھی کہ واقعہ عبرتناک ہے، انہوں نے جو جواب مرحمت فرمایا، ذیل میں وہ بھی مِن وعَن نقل کر دیا جاتا ہے کہ میری اصلاح ہو جائے گی اور قارئین کو نفع ہوگا۔

جناب محترم حقانی صاحب سلمک اللّٰہ معنا من الفتن ما ظہر و ما بطن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اخلاص نامہ کسی جدید حالتِ منتظرہ کے بغیر نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

حکیم ابراہیم کا سانحۂ ارتحال :

جناب محترم حکیم ابراہیم صاحب مرحوم کا اچانک حادثہ وارتحال ہم جیسے عمر رسیدہ پڑوسیوں کے لئے جرس کی جگانے والی فریاد تھی مگر ہم پنبہ بگوش لوگ حسبِ سابق نومِ ارنبی (خوابِ خرگوش) میں ہی

مدہوش ہیں۔اللہ کریم ہی معاف فرماویں۔آمین۔

مرحوم خوش قسمت تھا کوئی ایک نماز بھی قضا کئے بغیر چلا گیا۔موت فجاءۃ بظاہران کے لئے رحمت ہی رہی کہ سکرات کی سختی کسی کو محسوس نہیں ہوئی۔ ماشاء اللّٰہ والحقیقة عند اللّٰہ یہ سطور کافی نقاہت کی حالت میں لکھے گئے۔

مکتوباتِ قدسیہ :

مکتوبات قدسیہ (حضرت مولانا شمس الحق افغانی کے مکاتیب) کے لئے آپ کی انتظار بجا سہی لیکن اپنی مجبوری بھی اختیار میں نہیں۔ پہلے ہی مکتوب پر چند سطریں لکھیں،اب غالباً دو ہفتہ سے ہمت اور فرصت دونوں سدِ سکندری بنے ہوئے ہیں۔ جنت البقیع مبارک کی کسی قبر مبارک سے بچھو کے واقعہ پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھ کر قلم کو ہاتھ میں لیا۔۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کو یہاں تک لکھا، نہ معلوم کب تک پہنچ سکوں۔

جنت البقیع میں بچھو کا مسئلہ :

عرض ہے ہم گنہ گاروں کا بقیع کے بچھو سے ڈرنا کیا ضروری ہے ۔ جناب کاتب کا خوفِ خداوندی کے غلبہ سے رونا قابل صد تحسین ہے اور پھر آپ کی ان سے ہمنوائی میں متاثر ہونا بھی باعث تبریک سہی لیکن یہ کسی کافر منافق اور فی زمانہ کے کسی ملحد زندیق کی قبر کا بچھو ہوگا۔کیا دجال کے علاوہ کسی کافر کا مدینہ منورہ میں داخلہ تکوینی طور پر کسی آیت سے ثابت ہے۔دجال کی رفاقت کے لئے زلازل کا آنا خود اس کی دلیل ہے کہ اس وقت تک کافر بصورتِ نفاق والحال بصورتِ الحاد وزندقہ مدینہ پاک میں سکونت کر رہے ہوں گے اور خود دورِ مبارک میں تو آیت وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (التوبہ: ۱۰۱) (اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں) اور وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:۶۰) (اوران کے سوا اوروں کو بھی،جنہیں تم نہیں جانتے ،اللہ انہیں خوب جان رہا ہے) سے ثابت ہے اور یہ لوگ وہاں مرتے بھی ہوں گے اور وہیں صورتِ اسلام کی وجہ سے دفن بھی کئے گئے ہوں گے۔ہاں تشریعی طور پر ان کا داخلہ ممنوع سہی لیکن یہ تو ہم کمزور مسلمانوں کا قصور ہے کہ

ان کو نکالنے میں کوتاہی کریں اور آج کل کی عام بیماری ہیضہ اتحاد میں نہ صرف اس کو حرام نہیں بلکہ باعث حفاظت بھی کہتے رہیں۔

حقانی صاحب! کیا رئیس المنافقین کی قبر اسی پاک شہر کے کسی گوشہ میں نہیں رکھی گئی ہوگی۔ کسی اعرابی کے بیعت توڑ دینے اور پھر بھاگ جانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے عموم کا حکم غالباً کسی نے بھی نہیں لگایا ہوگا کہ کوئی کافر یہاں نہ رہ سکے گا۔

خاکِ یثرب میں دفن ہونے کی آرزو :

اگر گنہگاروں کو وہیں دفن ہونے پر عذابِ برزخ سے چھٹکارے کی امید اور بہت ہی بڑی امید نہ ہوتو وہ وہیں دفن ہونے کی رو رو کر کیوں دعائیں کرتے رہے ہیں۔ شاعر مشرق کے اس مصرعہ کو کہ ......

ع میں موت چاہتا ہوں زمین حجاز میں

اگر صرف شاعری بھی کہدیا جاوے تو سیدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا نفلی حج پر نہ جانے کی وجہ کیا یہی نہیں کہی جاتی کہ کہیں مدینہ پاک سے باہر دفن نہ ہونا پڑے۔

کیا وہ اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے۔ معصومین کو یہاں دفن ہونے کی زیادہ ضرورت ہے یا ماوشما مذنبین (گنہ گاروں) کو۔

اچھا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی جو تقریباً بتواتر ثابت ہے کہ "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃَ فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم "(اے اللہ مجھے شہادت دے اپنے راستے میں اور میرے موت مقرر کر واپنے حبیب کے شہر میں) کسے معلوم نہیں۔ اگر صرف روحانی زیارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ کی مقصود تھی تو وہ تو ...... ع بعد منزل نبود در سفر روحانی ...... سے بھی ہوسکتی تھی۔ مدینہ پاک میں دفن سے یہی تو امیدیں ہیں کہ اب ان شاء اللہ گناہوں کے باوجود عذاب برزخ سے محفوظ رہیں گے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اعترافِ ذنوب (و لو بالصغائر عند اللّٰہ) آپ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ موت کے خوف سے حضرت کیوں رو رہے ہو؟ کے جواب میں آپ کا ارشادِ گرامی

ہے.............

مَالِیَ حِذَارَ الْمَوْتِ اِنِّیْ مَیِّتٌ
وَلٰکِنَّ حِذَارَ الذَّنْبِ یَتْبَعُهَا ذَنْبُ
ظَلُوْمٌ لِنَفْسِیْ غَیْرَ اَنِّیْ مُسْلِمٌ
اُصَلِّی الصَّلَوَاتِ کُلَّهَا وَ اَصُوْمُ

نہیں ہے میرے لئے ڈرنا موت سے کہ میں مرنے والا ہوں، لیکن ڈرنا ہے گناہ سے جس کے بعد دوسرے گناہ ہوں، زیادہ ظلم کرنے والا ہوں اپنے آپ پر سوای اس کے کہ میں مسلمان ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں سب اور روزہ رکھتا ہوں۔

حضرت نانوتویؒ کی تمنا :

پھر یہ کل کی بات ہے، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کیوں یاد نہ رہا کہ.............

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مور و مار کا غذا بننا اور بات ہے اور بچھو اور سانپ کا کاٹنا اور ڈسنا شئ آخر ہے۔ پہلی صورت محبوب ومرغوب ومطلوبِ عشاق ہے۔

دیکھئے مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث...... "کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ یُؤْکَلُ "(جب کھانا کھایا جاتا تو ہم اس کھانے کی تسبیح پڑھنا بھی سنا کرتے تھے) کسی صحابی کی غذا بننے پر لقمہ طعام کو کتنی خوشی ہورہی ہے یہی حضرتِ قاسم نانوتویؒ کی تمنا ہے اور دوسری بات قابل صد استعاذہ ہے۔ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ مُدْبِراً او لدِیْغاً اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ مجھے موت آئے اس حالت میں کہ میں میدانِ جنگ سے پیٹھ پھرنے والا ہوں یا (سانپ بچھووغیرہ) کا ڈسا ہوا ہوں)

خاکِ مدینہ :

خاکِ مدینہ منورہ کے متعلق مَنْ مَاتَ فِیْ اِحْدَی الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ من مات میں مذنبین بھی شامل ہیں۔ بین السطور من الفزع الاکبر کے ساتھ اور من کل کدورۃ بھی لکھا گیا ہے۔ یوم القیامۃ کے ساتھ من مات فقد قامت قیامته (جو مر گیا اس کی تو قیامت قائم ہوگئی) کا خیال رہے تو برزخ کو بھی شامل ہے۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ ما علی الارض بقعة احب الی ان اکون قبری بها منها (کہ آپؐ نے مدینہ منورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں مجھے اپنی قبر کے لئے مدینہ شریف سے کوئی دوسری جگہ زیادہ محبوب اور پیاری نہیں ہے)

اصلاحِ کتاب :

ایسی ترغیبات کے ہوتے ہوئے ہم گنہ گاروں کو کسی قبر کے کسی بچھو کا واقعہ بالخصوص مطالعہ کرانا اپنی ناقص خیال میں نہیں آیا۔ کتاب میں ضمناً آ جانا تو ایک بات ہے اور ناچیز کا مشورہ تو یہی ہے کہ وہاں بھی اس واقعہ پر یہ حاشیہ لگا دینا چاہیئے کہ یہ کسی کافر، منافق، ملحد اور زندیق کی قبر کا بقایا ہوگا۔

بنیادی عقائد کے انکار کا وبال :

اور اسی تاکید کے ساتھ کہ یہاں بنیادی عقائد کے انکار کرنیوالوں کو جلد از جلد توبہ کر لینی چاہیئے۔ جن میں حضرت حق جل مجدہ کی ذات وصفات میں کسی مخلوق کو ولو کان ملکاً او نبیاً مرسلاً (اگر چہ وہ فرشتے یا نبی اور رسول کیوں نہ ہوں) شریک کرنا، قیامت رسالت یا ختم نبوت میں شک وتردد کرنا بھی شامل ہے اور اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت اور بزرگی بالخصوص عشرہ مبشرہ اور بالاخص خلفاء راشدین یارانِ اربعہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی جنتی ہونے کا انکار کرنا بھی شامل ہے ورنہ شدید خطرہ ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ خاک پاک مدینہ مثل الشہادۃ ہے یمحی السیئات لا النفاق والالحاد (کہ غلطیوں اور گناہوں کو تو مٹا دے گی نہ کہ منافقت اور الحاد وبے دینی کو)

جوارِ رسول ﷺ کی برکتیں :

ہاں عذابِ قبر سے حفاظت کے جتنے اسباب ہیں ان میں سب سے اقوی صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے تو جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی ہونا چاہیئے۔

قصیدہ بردہ کے اشعار :

قصیدہ بردہ کے یہ مبارک اشعار تو وردِ زبان رہنے چاہیئے، نہ معلوم کیوں بروقت آپ کو یاد نہ رہے۔

حَاشَاهُ اَنْ يُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَكَارِمَهٗ اَوْ يَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

اور حاشا یہ کہ آپ کا امیدوار بخششوں کا محروم رہے یا پناہ لینے والا یوں ہی الٹا پھرے بے توقیر

وَ لَنْ يَّفُوْتَ الْغِنٰی مِنْهُ يَداً تَرِبَتْ اِنَّ الْحَيَا يُنْبِتُ الْاَزْهَارَ فِی الْاَكَمِ

اور ہرگز بے نیازی فوت نہ ہوگی، اس ہاتھ کی جو خاک پر پہنچا جس نے وسیلہ آپ کا لیا کیونکہ مینہ ٹیلوں پر سبزہ پیدا کرتا ہے۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیَ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے تمام مخلوق سے بزرگ تر آپ کے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس سے پناہ چاہوں حادثۂ عام کے نازل ہونے میں۔

مَا سَامَنِی الدَّهْرُ ضَيْمًا وَّاسْتَجَرْتُ بِهٖ اِلَّا وَنِلْتُ جِوَاراً مِّنْهُ لَمْ يُضَمِ

مجھ پر زمانہ نے جب کبھی رنج وخواری سے ستم کیا اور میں نے آپ کی پناہ لی فوراً حمایت میں آ گیا اور اس کے ستم سے بچ گیا۔

اے فخر نوح کیا کہیں پوچھے اگر کوئی
کشتی یہ ڈوبتی ہوئی کس ناخدا کی ہے

بہرحال ڈرائیں نہیں بلکہ بخلوصِ قلب دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان وادب کے ساتھ وہیں کی خاک پاک کا شرف عطا فرماویں۔ آمین ثم و ثم۔

ناکارہ عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ (۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ)

خوشبو تحفۂ رحمت ہے :

فانه خرج من الجنة...... شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ولعل المراد ان اصل الطیب من الجنة فكل ريح طيب يذكر بالجنة و يشوق اليها و يرغب فى الاعمال الصالحة (اتحافات ص ۲۶۸) (اور شاید کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خوشبو کی اصل اور بنیاد جنت میں سے ہو پس ہر اچھی خوشبو جنت کی یاد اور شوق دلا کر اعمالِ صالحہ کی ترغیب پر ابھارتی ہے)

ظاہر ہے کہ جس چیز کی اصل جنت سے آئی ہو وہ رحمت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا تحفۂ رحمت یا ہدیۂ رحمت کو رد نہیں کرنا چاہئے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یعنی اصل الطيب من الجنة و خلق الله الطيب فى الدنيا ليذكر العباد بطيب الدنيا طيب الآخرة و يرغبون فى الجنة و يزيلون فى الاعمال الصالحة ليصلوا بسببها الى الجنة (جمع ج ۲ ص ۷) (کہ خوشبو کا اصل و منبع جنت سے ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشبو کو اس لئے پیدا کیا کہ اس دنیاوی خوشبوؤں کی وجہ سے آخرت کی خوشبوئیں یاد دلائیں اور یہ لوگ جنت کی رغبت اور اعمالِ صالحہ میں زیادتی کے سبب جنت تک رسائی حاصل کریں)۔

(۲۱۴/۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَلْقٰى جَرِيْرٌ رِدَآءَهٗ وَمَشٰى فِيْ اِزَارٍ فَقَالَ لَهٗ خُذْ رِدَآءَكَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ مَارَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ اِلَّا مَابَلَغَنَا مِنْ صُوْرَةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو میرے والد نے بیان کے واسطہ سے بیان کی ۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حازم سے روایت کی اور انہوں نے جریر بن عبد اللہ بجلیؓ سے سُنی جو کہ صحابی رسول ہیں ۔ جریر بن عبد اللہ بجلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لئے) پیش کئے گئے ، انہوں نے چادر اتار کر صرف لُنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو (معائنہ ہو چکا) پھر قوم

کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔

راویان حدیث (۴۸۲) عمر بن اسماعیل الھمدانیؒ (۴۸۳) ابی اسماعیل الھمدانی ابوعمر الکوفیؒ (۴۸۴) بیان (۴۸۵) قیس بن ابی حازم اور (۴۸۶) جریر بن عبداللہ ؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت :

شمائل کے بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔۔۔وقال میرک و لعله من ملحقات بعض النساخ سهواً (جمع ج۲ص۲) (ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ملحقاتِ کاتبین میں سے ہو) کیونکہ بظاہر اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت بھی نہیں ہے، تاہم شارحینِ حدیث نے وجہ مناسبت لکھی ہے اور وہ صرف اتنی ہے کہ ہر خوبصورت آدمی خوشبو کو پسند اور استعمال کرتا ہے، اگرچہ وہ خوشبو ہر کسی پر ظاہر نہ ہو۔

البتہ وہ لوگ جن کے حواس کدورات سے پاک وصاف ہوتے ہیں، وہ اس خوشبو کا ادراک کر لیتے ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود کی خوشبو کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور مسافت سے سونگھ لیا انی لاجد ریح یوسف (کہ میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) لہٰذا حضرت جریرؓ کی خوبصورتی میں بھی خوشبو کا حصہ ہے۔ گویا اس روایت کو ترجمۃ الباب کے ساتھ التزامی مناسبت ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ولا یخفٰی مافیه من التکلف بل التعسف والاقرب ان یتصرف فی عنوان الباب بزیادة و حسن صورة الاصحاب و عرضهم علی ابن الخطاب واللہ اعلم بالصواب (جمع ج۲ص۹) (اور اس میں جو تکلف اور تعسف ہوا (یعنی غیر واضح توجیہ اختیار کرنے میں جو تکلف ہوا) وہ مخفی نہیں ہے اور زیادہ قریب توجیہ یہ ہے کہ باب کے عنوان میں تصرف کر کے یہ زیادتی کی جائے کہ حسن صورة الاصحاب وعرضهم علی ابن الخطاب

حضرت جریر کا معائنہ :

عرضت بین یدی عمر بن الخطاب حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش کیا گیا، جیسے سپاہیوں کو امیر لشکر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی جسمانی اہلیت جاننے کے لئے معائنہ کریں، جو معیار پر پورا اتریں، انہیں لے لیں اور جو معیار پر پورا نہ اتریں انہیں واپس کردیں۔ او ھو للبناء للمفعول ای عرضنی علیہ من ولاہ ذلک لینظر فی قوتی و جلادتی علی القتال (جمع ج۲ص۸) (عرضت فعل مجہول کے صیغے پر) یعنی حضرت عمرؓ نے جس کو معائنہ کا متولی بنایا تھا اس نے مجھے آپؓ کے سامنے اس لئے پیش کیا کہ حضرت عمرؓ میری قوتِ مضبوطی اور جنگ پر صبر واستقلال کا ازخود ملاحظہ فرمالیں) اس موقع پر حضرت جریر نے چادر اتاردی اور صرف تہبند میں جسمانی ساخت کا معائنہ کرایا، قدرے چلے تو حضرت عمرؓ نے ان کے جسم کی ساخت سینہ، کندھے، چال ڈھال اور رفتار ملاحظہ فرمائی۔ انہ فعل ذلک جریر اظہاراً لقوتہ و تجلدہ فی شجاعتہ (جمع ج۲ص۸) (جریرؓ نے اپنا معائنہ مذکورہ طریقہ پر اس لئے کرایا تاکہ حضرت عمرؓ پر آپ کی بہادری اور زور وقوت کا ظہور ہو جاوے) تب حضرت عمرؓ نے فرمایا 'خذ رداءک یعنی چادر اوڑھ لو' تمہارے جسم کا معائنہ ہو چکا ہے ای و اترک مشیک فانہ قد ظہر امرک (جمع ج۲ص۸) (اور اپنی یہ چال ڈھال چھوڑ دے کہ آپ کا معائنہ اب مکمل ہو چکا ہے)

حضرت جریرؓ کی خوبصورتی :

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ما رایت رجلاً احسن صورۃ من جریر میں نے آج تک جریر سے قد وقامت ، جسم واندام، ساخت اور وضع قطع اور حسن و جمال میں بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔

جمالِ محمدؐ اور حسنِ یوسفؑ :

الا ما بلغنا من صورت یوسف الصدیق علیہ السلام پھر حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ اپنی

معلومات کی حد تک حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو سنا تھا بس وہی ہیں جو حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے' حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا استثناء تو کیا لیکن جمالِ محمدؐ کا تذکرہ نہ کیا حالانکہ آپ تو خلاصۂ کائنات تھے، حسن و جمال کا مرقع اور جسم ،قد وقامت اور ساخت و وضع میں تمام نسل انسانی میں معتدل اور متوازن ترین خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ حضرات محدثینؒ جواب میں فرماتے ہیں' **وسکت سیدنا عمر عن جمال النبی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم و ذکر جمال یوسف ' لأن جمال نبینا فوق کل جمال ولایقاس به ای جمال** (اتحافات ص۲۶۹) (اور حضرت عمرؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کا تذکرہ کر کے آپؐ کے حسن و جمال کے بیان کرنے سے اس لئے خاموشی اور سکوت فرمایا کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی خوبصورتی اور جمال جملہ خوبصورتیوں پر فوقیت رکھتا ہے اور اس پر کسی خوبصورتی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **و قال بعض المحققین ان جمال نبینا صلی اللّٰہ علیه وسلم کان فی غایة الکمال و ان من جملة صفائه و کثرة ضیائه علی ماروی ان صورته کان یقع نورها علی الجدار بحیث یصیر کالمرأة یحکی ما قابله من مرور المار لکن اللّٰہ ستر عن اصحابه کثیرا من ذلک الجمال الزاهر والکمال الباهر اذ لو برز الیهم لصعب النظر الیه علیهم** (جمع ج۲ ص۹) (اور بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال بے حد اور انتہائی درجہ کمال میں تھا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کی صفائی کی روشنی کی ایک معمولی سی جھلک کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا نور جب آئینہ کی مانند دیوار پر پڑتا تو اس کے پرتاؤ میں سامنے کی چیزیں اور گزرنے والوں کی شکلیں صاف نظر آجاتی تھیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے صحابہؓ سے بارہا ان کے حسن و جمال کی رونق اور خوشنمائی کو اس لئے پوشیدہ اور چھپائے رکھا کہ اگر ان پر آپؐ کے حسن و جمال کی خوبصورتی اور چمک دمک ظاہر کر دی جاتی تو پھر آپؐ کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا)

==========================

بَابُ کَیْفَ کَانَ کَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! اس بیان میں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیسی گفتگو فرماتے تھے

باب کیف ای علی ایّ صفۃ کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
درحقیقت یہاں پر مضاف الیہ مقدر ہے ای باب جواب کیف کانَ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مناوی ص۹)

لفظ کلام کی بحث :

کلام اسم مصدر ہے، بمعنی تکلّم کے یا بمعنی ما یتکلم بہ (جس چیز کے ساتھ بات کی جائے) کے، اور اگر دونوں معانی مراد لئے جائیں تب بھی درست ہے۔ ویصح ارادۃ کل منھما ھنا اذ یلزم من بیان کیفیۃ التکلم بیان کیفیۃ مایتکلم بہ و بالعکس (مواہب ص۱۶۰) (اور یہاں دونوں معانی کا ارادہ بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ تکلم کی کیفیت کے بیان سے جس چیز کے ساتھ تکلم کیا جائے کی بیانِ کیفیت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے) اس بات میں حضور اقدس ﷺ کے اندازِ گفتگو کا بیان ہے کہ آپؐ کا بیان اور طرزِ بیان کیا تھا، الفاظ کتنے متناسب اور موزون تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور عربی ادب کو آپؐ پر ناز تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ آپؐ کی گفتگو بھی تو وحی الٰہی تھی۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ٥ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم:۳،۴) (اور نہیں بولتا خواہش اپنی نہیں وہ مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے)

حدیثِ رسول ﷺ کا شغل رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کلام میں کس قدر محبوبیت ہے ....

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اس باب میں مصنفؒ نے تین احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۲۱۶/۱) حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ مَسْعَدَۃَ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ الاَسْوَدِ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ مَاکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْرُدُ سَرْدَکُمْ ھٰذَا وَ لٰکِنَّہٗ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ بَیِّنٍ فَصْلٍ یَحْفَظُہٗ مَنْ جَلَسَ اِلَیْہِ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدہ بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے حمید بن اسود نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اسامۃ بن زید سے اور انہوں نے زہری سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت عروۃ سے سُنی، جنہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۸۷) حمید بن مسعدۃؒ اور (۴۸۸) اسامہ بن زیدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیرینی گفتار :

قالت ما کان رسول اللّٰہ ﷺ یسرد .... یسرد کا معنیٰ جوڑنا' ٹانکنا' فرفر بولنا اور بلاتوقف پڑھتے چلے جانا۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یسرد ای فی کلامہ والمعنی لم یصل بعضہ ببعض بحیث لا یتبین بعض حروفہ لسامعہ (جمع ج۲ص۱۰) (یعنی آپؐ لگاتار گفتگو نہ فرماتے تھے مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنی گفتگو میں ایسا خلط ملط نہ فرماتے جس سے سننے والے کو بعض حروف سمجھ میں نہ آسکیں)

بیّن کا معنیٰ واضح اور ظاہر۔ فصل یہ بین کی تاکید ہے۔ والمراد بہ انہ کلام فاصل بین الحق والباطل (جمع ۲ص۱۰) (اور فصل سے مراد ایسا کلام جو حق و باطل کے درمیان امتیاز اور حدِ فاصل ہو) معنیٰ ظاہر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی گفتگو میں سکون' اطمینان' تسلی اور تشفی ہوا کرتی تھی۔ اپنی بات واضح

طور پر سمجھاتے، گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا، ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے۔ حاضرین آپ ﷺ کی سنجیدہ' حکیمانہ اور میٹھی گفتگو بہ آسانی سمجھ کر یاد کرلیا کرتے تھے ۔ يحفظه من جلس اليه . وفي الجامع الصغير أحبوا العرب لثلاث لأني عربي ، والقرآن عربي و كلام اهل الجنة عربي رواه الطبراني والبيهقي عن ابن عباس (جامع صغیر میں طبرانی اور بیہقیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عرب لوگوں سے تین وجوہ سے محبت کیا کرو۔ اس لئے کہ میں عربی ہوں اور قرآن مجید عربی میں ہے اور جنت والوں کی گفتگو بھی عربی ہوگی)

حافظ ابن حجر کا ارشاد :

قال ابن حجر كان رسول الله ﷺ افصح الخلق لسانا ' واعذبهم كلاماً واسرعهم ردا' واحلاهم منطقاً و احلهم جناناً ' و اوضحهم بياناً ' كيف و لسانه أعظم سيف من سيوف الله بين عنه مراده ' و يقصم بساطع نوره حجج المبطلين ' ويهدى الله به عباده (اتحافات ص ۲۷۰) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب مخلوق ہیں خوش بیانی کے لحاظ سے فصیح ترین اور گفتگو میں زیادہ شیرین اور جواب دہی میں حاضر جواب تھے ان کا بیان انتہائی واضح اور دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتا تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ ﷺ کی زبان مبارک اللہ کی تلواروں میں ایک بڑی تلوار تھی کہ اس کے ذریعہ اپنے مقصد اور مراد کو واضح کیا اور نور کی بلندی اور پھیلاؤ سے اہل باطل کے دلائل کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہدایت سے سرفراز فرمایا)

صحیحین میں سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر تسہیل' ٹھہراؤ اور میٹھا بولتے تھے کہ اگر کوئی سامع آپ ﷺ کے الفاظِ گفتگو گننا بھی چاہتا، تو وہ اس میں کامیاب ہو جاتا لوعدّه العادّ لأحصاه (جمع ج۲ ص۱۱)

(۲/۲۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْقُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ ۔

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے قتیبہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن مثنیٰ سے سُنی۔ انہوں نے اسے ثمامہ سے روایت کیا۔ جنہوں نے اسے خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسبِ ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ آپؐ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

راوی حدیث (۴۸۹) ابو قتیبہ سلم بن قتیبہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ کلام دہرانا:

قال کان رسول اللہ ﷺ یعید الکلمۃ ثلثا لتعقل عنہ حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ ایک ایک بات کا دہرانا اپنی امت پر کمال درجہ کی شفقت سے تھا، تاکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے ارشادات' احکام اور اوامر اور ہدایات کو ذہن نشین کر کے حفظ کر لیں اور امت مرحومہ تک پہنچادیں۔ حدیث میں لفظ **الکلمۃ** سے مراد کلمہ' مفردہ جملہ' قصیرہ اور الطّویلہ تینوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔ **تطلق علی کلمۃ المفردۃ ' والجملۃ القصیرۃ والطویلۃ** (اتحافات ص ۲۷۲) شفیقِ انسانیت ﷺ کی گفتگو نہایت ہی دلجمعی، اطمینانِ قلب اور بھرپور توجہ کے ساتھ ہوتی۔

تکرارِ کلام کیوں ؟

تکرار کی وجہ بھی یہی تھی تاکہ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ سب آپ ﷺ کے کلام سے برابر مستفید ہو سکیں۔ تین مرتبہ غایت اکثر یہ ہے، ورنہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سے بھی اگر مقصد حاصل ہو جاتا، تو اسی پر اکتفا فرما لیتے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ بات کو دہرانا آخری درجہ ہوتا اس کے بعد پھر اسی بات کو نہ دہراتے۔ **ان الثلاثۃ غایۃ و بعدہ لا مراجعۃ** (مناوی ص ۱۱)

یہ تکرار کلام بھی تب ہوتی، جب سامعین کی کثرت ہوتی اور مجلس میں مختلف الاذھان حاضرین موجود ہوتے یا کبھی ایسا ہوتا کہ بعض الفاظ یا ارشاد سامعین پر مختلط ہو جاتا اور وہ مراد حاصل نہ کر پاتے تو آپؐ اس جملہ کا تکرار فرما دیتے **و لعل التکرار کان حین یدعو الی ذلک حاجۃ** (اتحافات ص ۲۷۲)

)(اور آپؐ کلام میں تکرار بھی حسب ضرورت کیا کرتے) الشیخ ابراہیم الباجوریؒ لکھتے ہیں والمراد انه کان یکرر الکلام ثلاثاً اذا اقتضی المقام ذلک لصعوبة المعنیٰ او غرابته او کثرة السامعین لادائما فان تکریر الکلام من غیر حاجة لتکریره لیس من البلاغة (مواہب ص۱۶۱) (اور مطلب یہ کہ حضور ﷺ کا بات کو تین بار دہرانا بھی اس وقت ہوتا کہ جب کلام کا معنیٰ مشکل یا اس میں کوئی غرابت (اجنبیت وغیرہ) ہوتی اور یا پھر سننے والوں کی کثرت نہ کہ دائمی طور پر اس لئے کہ کلام کو بلاضرورت مکرر لانا علم بلاغت کے اصول میں سے نہیں) وحمله علی ما اذا عرض للسامعین نحو لغط فاختلط علیهم فیعیده لهم لیفهموه او علیٰ ما اذ کثر المخاطبون فیلتفت مرة یمیناً و اخریٰ شمالا لیسمع الکل (مناوی ص۱۱) (علامہ مناویؒ فرماتے ہیں اور اس کا حمل کرنا اس صورت پر کہ سامعین کو شور وغیرہ پیش ہونے سے چونکہ ان پر گفتگو خلط ملط ہوگئی پس اس کلام کو اس لئے دہرایا کہ وہ سمجھ جائیں یا چونکہ مخاطبین کثیر تعداد میں تھے تو آپؐ کبھی دائیں طرف متوجہ ہوتے اور پھر بائیں طرف متوجہ ہو کر وہی کلام مکرر دہراتے تاکہ سب سن لیں (تو اس توجیہ کو عصام نے رد کیا ہے لیکن شارحؒ نے بھی اسے تسلیم نہیں کیا)۔

نیز امام مناویؒ نے آپؐ کے تکرارِ کلام کی مزید حکمتیں بھی لکھی ہیں وحکمته ان الاولیٰ للاسماع والثانیة للوعی والثالثة للفکر او الاولیٰ اسماع والثانیة تنبیه والثالثة امر (مناوی ص۱۱) (فرماتے ہیں کہ آپؐ کے تکرار کلام کی علت اور حکمت یہ ہے کہ پہلا کلام تو سنانے کے لئے اور دوبارہ تکرار اس کے محفوظ کرنے کے لئے اور تیسری بار اس میں غور وفکر کرنے کے لئے یا پھر پہلی بار تو سنانے کے لئے اور دوسری بار تنبیہ کے لئے اور تیسری بار حکم کے لئے)

مبلغ، واعظ اور مدرس کے لئے ہدایات :

لتعقل عنه ! یہ حضور اقدس ﷺ کے کمالِ حسن خلق، کمال شفقت وعنایت اور رحمت علی الخلق کی دلیل ہے هذا دلیل علی کمال حسن الخلق والشفقة والمرحمة علی الخلق (جمع ج۲ص۱۱) لہٰذا ایک مبلغ، واعظ اور مدرس کو بھی چاہئے کہ اپنی گفتگو میں تسہیل اور تکرار رکھے تاکہ سامعین اس کی بات

کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کرلیں اور عمل کرسکیں۔ ویوخذ من الحدیث ان المعلم یتأنی فی القائه الموعظة لیفهمها السامعون (اتحافات ص ۲۷۱)

(۳/۲۱۸) حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیْعٍ اَنْبَانَا جُمَیْعُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعِجْلِیُّ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِیْجَةَ یُکْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِیْ هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَ کَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِیْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِکْرَةِ لَیْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ طَوِیْلُ السَّکْتِ لَایَتَکَلَّمُ فِیْ غَیْرِ حَاجَةٍ یَفْتَتِحُ الْکَلَامَ وَیَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ وَ یَتَکَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ کَلَامُهٗ فَصْلٌ لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِیْرَ لَیْسَ بِالْجَافِیْ وَلَا الْمُهِیْنِ یُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَاِنْ دَقَّتْ لَا یَذُمُّ مِنْهَا شَیْئًا غَیْرَ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ یَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا یَمْدَحُهٗ وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْیَا وَلَا مَاکَانَ لَهَا فَاِذَا تُعُدِّیَ الْحَقُّ لَمْ یَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَیْءٌ حَتّٰی یَنْتَصِرَ لَهٗ وَلَا یَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَایَنْتَصِرُ لَهَا اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِکَفِّهٖ کُلِّهَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا وَ ضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْیُمْنٰی بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْیُسْرٰی وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ جُلُّ ضِحْکِهِ التَّبَسُّمُ یَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ۔

ترجمہ ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی جُمیع بن عمرو بن عبدالرحمٰن عجلی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت بنی تمیم کے ایک آدمی ابوعبداللہ نے بیان کی جو کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر ابوہالہ کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے یہ روایت ابن ابی ہالہ سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت حسن بن علیؓ سے کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور ﷺ کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (آخرت کے) غم میں متواتر مشغول رہتے۔ ہر وقت سوچ میں رہتے تھے۔ ان امور کی

وجہ سے کسی وقت آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہاء تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔ جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ ﷺ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو، اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ اس کی مذمت نہ فرماتے تھے۔ البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف۔ دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے، جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو اس کو ملا لیتے (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے) اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔ اُس وقت آپ ﷺ کے دندانِ مبارک اولے کی طرح چمک دار سفید ظاہر ہوتے تھے۔

(صلی اللہ علیہ وآلہٖ : بحسب جمالہٖ و کمالہٖ)

حضرت حسن بن علیؓ سے منقول اس حدیث کا کچھ حصہ پہلے باب کی حدیث نمبر سات (۷) میں بھی نقل ہو چکا ہے۔ کچھ حصہ بعد میں بھی بیان ہوا ہے، کچھ حصہ اس روایت میں اور کچھ بعد والی روایات میں نقل ہوا ہے۔

"وصافا" کی مراد :

وکان وصافا" ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند سے فرزند تھے اور اُن کے ساتھ

حضور اقدس ﷺ کی آغوشِ تربیت میں آئے تھے۔ اُن کی یہ خصوصیت تھی کہ آپؓ کے گھر میں پرورش پانے اور آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس، احوال واعمال اور اوصاف کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کے اوصاف بہت واضح اور عشق ومحبت سے بیان کیا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے ارتحال کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھوٹی تھی۔ لہٰذا آپ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کے اوصاف سنانے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

یہاں وصافاً سے مراد حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کے وصف کا بیان ہے۔ ای لحلیة النبی صلی الله علیه وسلم کما صرحت به الروایة السابقة اول الکتاب (مناوی ص ۱۱) (جیسے کہ کتاب کے شروع میں ایک گذشتہ روایت میں اس کی تصریح ہے)

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے :

کان متواصل الاحزان ...... سوال تو صرف حضور اقدس ﷺ کی گفتگو سے متعلق تھا، لیکن جواب میں تفصیل ہے یہ تو حضور ﷺ سے محبت، عشق ووالہیّت اور ذکرِ محبوب میں حصولِ لذت ومحبت کی اک ادا ہے کہ ع ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اس میں امت کے محبینِ صادقین کے لئے بھی بہت کچھ سامانِ فرحت ومحبت اور بہت سے علمی فوائد کا حصول ہے جیسا کہ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں۔ ولکن المجیب استرسل فی الجواب واستطرد فیه، فأفادنا فوائد کثیرة (اتحافات ص ۲۷۳)

متواصل الاحزان :

متواصل الاحزان، یعنی آپ ﷺ غمِ متواتر میں مشغول رہتے تھے۔ حزن سے یہ مراد نہیں کہ آپ ﷺ کو ترکِ مطلوب پر الم یا فوتِ مرغوب پر ملال ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ ان چیزوں سے بری تھے لایحزن لشیء من هذا کله (اتحافات ص ۲۷۳)

بلکہ تواصل سے مراد فکرِ اُمت کے اہتمام کا تسلسل تھا۔ فروغِ دعوت کی فکر تھی اور مستقبل کے چیلنجز کے مقابلہ کے لئے امت کو تیار کرنے کی مساعی کا غم ہوتا تھا، گویا بہبودِ اُمت کی ہمہ وقتی فکر رہتی تھی

یا حزن سے مراد ذات وصفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ ہے او المراد بالحزن الهدؤ الذی یشمله ﷺ والجلال الذی یحیط به من کثرة مشاهدته لجلال الله و عظمته (اتحافات ص ۲۷۳) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں والتواصل یفید معنی الدیمومة وقد صرح بها فی المعطوفِ والحزن صفة الانبیاء قدیماً اذ هو حالة خوف وهو علی قدر المعرفة کما قال بعضهم ...... ے

علی قدر علم المرء یعظم خوفه فلا عالم الا من الله خائف

(المواهب ص ۱۶۱)

(کہ متوصل الاحزان میں دوامِ حزن کے معنیٰ کا فائدہ ہے اور اس کی تصریح معطوف میں کردی یعنی دائم الفکرة کے لفظ سے ہوگئی اور یہ حزن اور متواتر غم تو انبیاء کرام علیہم السلام کی عادتِ مستمرہ قدیمہ ہی ہے اور پھر ان میں ہَم وحزن بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بقدر ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض حضرات نے فرمایا انسان کے علم ہی کی مقدار پر اس کے خوف کی عظمت ہوتی ہے پس کوئی عالم نہیں مگر اللہ ہی سے ڈرنے والا ہوتا ہے)

ایک تعارض کا جواب :

یہ جو بظاہر متواصل الاحزان کا ان روایات سے جن میں آپ ﷺ کا وصف کان دائم البشر او ضحوک السن (کہ آپ ﷺ ہمیشہ خندہ رو اور متبسم ہوا کرتے) بیان کیا گیا ہے سے جو تعارض ہے ہمارے بیان کردہ معنیٰ سے اس کا بھی دفعیہ ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ کا دائم البشر ہونا قطعی ثابت ہے لان حزنه لایمنع إشراق جبینه ' والذین و صفوه بدوام البشر ' وصفوه به لأن اشراقه و بشره کان هادئین یلقیان بجمال النبوة و أدبها و قال بعض المحبین ...... ے

اذا ماشرعت فی مدیحک راقنی لحسنه و استجلاله فاغیب

و یتبع بعض بعضا لارتباط و کثرته ' و الکل منه عجیب

(اتحافات ص ۲۷۴)

(اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور حزن آپ ﷺ کے چہرہ کی رونق اور خوش روئی سے مانع نہ ہوتا اور جن لوگوں

نے آپ ؐ کو ہمیشہ خندہ پیشانی اور بارونق ہونے سے ہمیشہ موصوف کیا ہے وہ اس لئے کہ یہ تو آپ ؐ کی ایک عادت اور دائمی خصلت تھی جو کہ نبوت کے برتاؤ اور اچھی روش کا نتیجہ ہوتی تھی اور بعض محبین (عشاق) حضرات کہتے ہیں کہ جب کبھی میں آپ ؐ کی مدح اور تعریف کرتا ہوں تو ان کے حسن وجلاء سے متعجب ہو کر مستغرق ہو جاتا ہوں اور مدائح بوجہ اپنی کثرت اور مربوط ہونے کے پے درپے اور مسلسل وارد ہوتے رہے اور یہ سب کچھ اس سے عجیب اور حیران کن ہے)

دائم الفكرة :

الفكرة ' العبرة من الاعتبار کی طرح الافتکار سے اسم ہے۔ الفکر' کا لغوی معنیٰ علامہ بیجوریؒ تردد القلب بالنظر و التدبر لطلب المعاني (دل کا معانی کی طلب اور تلاش میں تدبر اور سوچ میں پڑ جانا) سے کرتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یوں نقل فرماتے ہیں ترتيب امور معلومة ليتوصل بها الى مطلوب علمي أو ظني (مواہب ص۱۶۲) (امورِ معلومہ کو ایسی ترتیب دینا جس کے ذریعہ ایک یقینی یا ظنی مطلوب اور نتیجہ تک پہنچ جائیں)

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت' کبریائی و بے نیازی اور جلوۂ جمال میں آپ ؐ کو جو شہود تھا، اس کی وجہ سے ہر وقت تفکر میں رہتے۔ بقول شیخ ابن حجرؒ ہر وقت صنائع الٰہی میں فکر کرتے رہتے تھے۔ علامہ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں فى خلق السموٰت والارض و ادارة الملكوت العظيم و قد جاء فى الخبر تفكر ساعة خير من عبادة سبعين سنة (الاتحافات ص۲۷۴) (کہ آپ ؐ اکثر اوقات آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کائناتِ عظیمہ کو متحرک رکھنے وغیرہ میں غور وفکر فرمایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک لحہ کا تفکر وتدبر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)

ليست له راحة :

یہ دائم الفکرۃ کے لوازم سے ہے کہ آپ ؐ کو آرام نہیں ملا۔ آپ ؐ نے مکی زندگی انتہائی جہد و مشقت' محنت ومجاہدہ میں گذاری، پھر ہجرت بجائے خود ایک محنت وامتحان ہے۔ مدنی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گذاری۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسلسل ہر لحہ فکر اور عمل میں رہے۔ عبادات' مجاہدات اور

ریاضت میں انہماک اس کے علاوہ تھا، دعوت وتبلیغ کے امور اس پر مستزاد۔ آرام کہاں اور راحت کیسے؟ وکیف یستریح والراحة فرع فراغ الخاطر وله الفکر المتواتر والصلاة والجهاد و التعلیم والاعتبار والاهتمام باظهار الاسلام والذب عن اهله و حمایة بیضتة (مناوی ج۲ص۱۲) (اور آپؐ کیسے آرام فرما سکتے جب کہ راحت وآرام دل ودماغ کی فراغت اور اطمینان پر متفرع ہے حالانکہ حضورﷺ یا تو متواتر اور مسلسل فکر وتدبر میں مشغول ہوتے یا پھر نماز، جہاد، تعلیم وتبلیغ اور اظہارِ اسلام کے اہتمام اور اسلام و مسلمانوں کی مدافعت اور حفاظت کے امور میں فکرمند ہوا کرتے) فظاهره مشغول بذلک و باطنه موصول بذی الجلال والاکرام (اتحافات ص۲۷۴) (پس آپؐ ظاہری طور پر تو ان امور میں فکرمند اور مشغول ہوا کرتے اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی عظمت جلالت وکبریائی میں مستغرق ہوتے)

طویل السکت :

طویل السکت 'طویل خاموشی بھی دوام الفکر کے لوازم میں سے ہے لمنافاة الفکر النطق (مناوی ج۲ص۱۲) (کیونکہ غور وفکر اور تدبر بول چال کے منافی ہے) چونکہ آپؐ اکثر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں' اس کی عجائبِ مخلوقات' عظمت وکمال اور دلائل وبراہینِ توحید میں غور فرماتے رہتے۔ لہٰذا اکثر خاموش رہتے، جیسے کہ ترمذی اور احمد نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے من صمت نجا (جو خاموش رہا نجات پائی) ایک دوسری روایت ہے من کان یومن باللّٰه والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیسکت (جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ویقین رکھتا ہے پس چاہئے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی بات کرے یا پھر چپ رہے) ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول منقول ہے لیتنی کنت اخرس الاعن ذکر اللّٰه (جمع ج۲ص۱۲) (کاش کہ میں اللہ کے ذکر کرنے کے سوا گونگا ہوتا)

حسبِ ضرورت گفتگو :

لایتکلم فی غیر حاجةای لنفسه او لغیره (مواہب ص۱۶۲) یعنی آپؐ بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے کہ بے ضرورت گفتگو لغو باتوں اور لایعنی قصوں میں مشغولیت ہے اور آپؐ تو ان سے محفوظ ہیں لان الکلام فی غیر حاجة من العبث وهو مصؤن عنه (مواہب ص۱۶۲) جبکہ حضور اقدس ﷺ

کی عام گفتگو بھی تو وحی الٰہی ہوا کرتی تھی۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحٰی (اور نہیں بولتا خواہش اپنی سے نہیں وہ مگر وحی کے بھیجی جاتی ہے) پھر آپؐ ہی کے تعلیمات ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (کسی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول اور بے فائدہ چیزیں چھوڑ دے) ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت (مواہب ص۱۶۲) (جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین ہو تو پھر چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کی گفتگو کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے)

آغاز واختتامِ کلام کی کیفیت :

یفتتح الکلام و یختمہ بأشداقہ یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے کلام کا آغاز واختتام بھرے منہ کیا کرتے تھے۔ شدق، طرف الفم کو کہتے ہیں۔ یہاں اشداق سے مراد مافوق الواحد ہے۔ لان لہ شدقین (مواہب ص۱۶۲) (اس لئے کہ آپؐ کے منہ کے دو طرف تھے) یعنی آپ مغروروں اور متکبروں کے طرح ادھوری بات نہیں کرتے تھے، نہ الفاظ چباتے اور نہ ناز وانداز سے حروف توڑتے نہ صرف ہونٹوں کی حرکت پر اکتفا کرتے بلکہ آپ بھرے منہ کلام فرماتے۔ علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں انہ کان یستعمل جمیع فمہ للتکلم ولا یقتصر علی تحریک شفتیہ کما یفعلہ المتکبرون (مواہب ص۱۶۲) بعض روایات میں اشداق کی جگہ اسم اللہ نقل ہوا ہے جو دونوں افعال افتتاح واختتام سے مربوط ہے علی سبیل التنازع کیونکہ آپؐ کا کلام اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ محفوف ہوا کرتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ آغازِ کلام میں بسملہ پڑھتے تھے اور اختتام کلام میں حمدلہ۔ اختتام میں خصوصِ بسملہ مراد نہیں جیسا کہ یہ آپؐ کا مشہور معمول بھی نہ تھا۔ لہٰذا متکلم کے لئے بھی یہی سنت ہے کہ وہ کلام کا آغاز بسملہ پر اور اختتام حمدلہ پر کریں۔ علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ماظن انہ صدر من صدرہ الشریف کلمۃ ولاحرف الا مقروناً بذکر اللّٰہ المنیف لان بعض اتباعہ یقول ؎

ولو خطرت لی فی سواک ارادۃ — علی خاطری سھواً حکمت بردتی

(جمع ج۲ص۱۲)

(میں تو یہ گمان نہیں کرسکتا کہ آپؐ کے دل سے کوئی کلمہ یا حرف نکلا ہو اور وہ اللہ کے ذکر کے ساتھ مقرون نہ ہوا کرتا ہو اس لئے بعض متبعین کا تو یہ کہنا ہے کہ اگر میرے دل میں تیرے سوا کوئی ارادہ غلطی سے بھی آئے تو پھر میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دوں گا)

و یتکلم بجوامع الکلم :

الجوامع جامعۃ کی جمع ہے اور الکلم (بفتح الکاف و کسر اللام) اسم جنس ہے۔ ویؤیدہ قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب (جمع ج۲ص۱۳) حدیث میں اضافت من قبیل اضافۃ الصفۃ الی الموصوف (جوامع الکلم کی اضافت از قبیلِ اضافت صفت کی موصوف کی طرف) کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپؐ گفتگو میں کم سے کم الفاظ استعمال فرماتے تھے، جو کثیر معانی کو متضمن ہوا کرتے تھے وھذا یسمٰی عند علماء المعانی بالایجاز و ھو من البلاغۃ ان اقتضاہ المقام (مواہب ص۱۶۲) (اور علماء معانی و بیان کے نزدیک اس کا نام ایجاز ہے یہ بلاغت سے شمار ہوتا ہے اگر مقام اس کا مقتضی ہو) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ابن حجرؒ وغیرہ سے منقول ہے، مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی مراد اس سے اعم ہے جو قرآن کے علاوہ احادیث کو بھی شامل ہے۔

بعض حضرات نے اس سے قواعد لئے ہیں و قیل المراد بجوامع الکلم القواعد الکلیۃ الجامعۃ للفروع الجزئیۃ (مواہب ص۱۶۳) (اور بعض نے کہا کہ جوامع الکلم سے ایسے قوانین کلیہ مراد ہیں جو فروع جزئیہ کے جامع ہوں) بعض روایات میں جوامع الکلم کے ساتھ حضور ﷺ کی فضیلت کی تخصیص کی گئی، جیسے کہ مسلم شریف میں ہے۔ فضلت علی الانبیاء بست منہ جوامع الکلم (مجھے دوسرے انبیاء کرامؑ پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے انہی میں سے جامع کلمات بھی ہیں)

تاہم جب عموم راجح ٹھہرا تو وہ قواعد کلیہ کو بھی متضمن ہے۔ ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل ج۲ص ۱۴ میں چہل حدیث نقل کر دی ہیں، جو جوامع الکلم کی ایک مثال ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی چہل حدیث مرتب کی ہے جو باقاعدہ دینی مدارس کے ابتدائی نصابِ تعلیم میں شامل ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے جوامع الکلم کی چند مثالیں نقل کی ہیں۔

(۱) الذنب لاینسی ، والبر لا یبلی ، والدیان لایموت ، فکن کیف شئت .(۲) صنائع المعروف تطفئی غضب الرب (۳) صدقة السر تطفیٔ غضب الرب (۴) الحیاء خیر کله (۵) الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة ، والتودد للناس نصف العقل وحسن السؤال نصف العلم (اتحافات ص۲۷۵)

(۱)(گناہ بھلایا نہیں جاسکتا اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور بدلہ دینے والی ذات (اللہ جل جلالہ) پر موت نہیں ہوگی پس تو رہ جیسے تیرے مرضی ہو (۲) نیکی اور بھلائی کے کام اللہ کے غصہ کو بجھا دیتے ہیں (۳) خفیہ طور پر صدقہ کرنا بھی اللہ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے (۴) حیا میں مکمل بہتری اور خیر ہے (۵) خرچ میں اعتدال اور میانہ روی آدھی معیشت ہے (۶) لوگوں کے دل میں محبت پیدا کر لینا آدھا عقل ہے (۷) اور اچھے انداز سے سوال کرنا نصف علم ہے)

گفتگو مبارک :

کلامه فصل ،اس کا معنیٰ پہلے واضح کیا جاچکا ہے۔فصل مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل یا بمعنیٰ اسم مفعول کے۔پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے فاصل بین الحق والباطل وهو من قبیل رجل عدل للمبالغة (جمع ج۲ص۱۴) (کہ آپ ؐ کی گفتگو حق وباطل کے درمیان حد فاصل ہوتی تھی یہ بطور مبالغہ کہ از قبیلِ رجل عدل کے ہے کہ جیسے وہ عدل بھی بمعنیٰ عادل کے ہے یہاں بھی فصل بمعنیٰ فاصل کے ہے) ہوگا۔دوسری صورت میں معنی مفصول من الباطل ومصئون عنه (جمع ج۲ص۱۴) (کہ آپ کا کلام باطل سے محفوظ اور جدا ہوتا تھا) ہوگا،یعنی آپ ؐ کی گفتگو صاف اور واضح ،حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی، تذبذب، تردد اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتی تھی۔ لافضول ولا تقصیر، یہ پچھلے جملے کے لئے بمنزلہ بیان اور تفسیر کے ہے۔وفی الاصول المعتمدة بفتح الاسمین بناءً علی ان لا لنفی الجنس والخبر محذوف ای لا فضول فی کلامه ولاتقصیر فی تحصیل مرامه (جمع ج۲ ص۱۵) (اور بعض معتبر نسخوں میں دونوں اسم (لا فضول ولا تقصیر) مفتوح ہیں بناء بر اسم لائے نفی جنس کے اور ان کی خبر محذوف ہے یعنی اصل عبارت یہ ہوگی لا فضول فی کلامه (آپ ؐ کی گفتگو میں زائد بات نہ ہوتی تھی) ولا تقصیر فی تحصیل مرامه (اور مقصد حاصل کرنے میں کوئی کمی نہ

ہوتی) آپ ؐ کا کلام مبارک جملہ جملہ ہوتا تھا، جس میں خفیف سکتہ ہوتا تھا، جبکہ کلامِ طویل سے آدمی اُکتا جاتا ہے اور کلام قصیر مخل فی الفہم ہوتا ہے۔ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں۔ ای کان کلامہ حسبما یقتضیہ المقام من ایجاز واطناب وھو المساواۃ (اتحافات ص۲۷۵) (کہ آپ ؐ کا کلام مبارک مطابق اقتضاءِ مقام ہوتا نہ تو مختصر اور نہ طویل بلکہ متوسط اور درمیانی درجہ کا ہوتا تھا)

احبا اور اعداء کے ساتھ معاملہ :

لیس بالجافی ' یہاں تک تو حدیث کا وہ حصہ بیان ہوا جو سائل کو مطلوب تھا۔ مزید اوصاف کا بیان گویا سائل کو اس کے سوال سے بڑھ کر نوازا جارہا ہے، جیسے کہ محبِّ صادق کا حال ہوتا ہے۔ ذرہ محبوب کا ذکر چھڑے تو دل کے بندھن کھل جاتے ہیں اور وصف محبوب جاری رہتا ہے' الجافی ' الجفا سے ماخوذ ہے جو البر اور الوفا کی ضد ہے معنی ہوگا، عدیم البر قولاً و فعلاً (جمع ج۲ص۱۵) گویا آپ عدیم البر والوفا نہ تھے۔ آپ کی نیکیاں' شفقتیں' محبتیں اور احسانات تو اجانب کو بھی حاصل تھیں، چہ جائیکہ اقارب کی بات کی جائے۔ احباب کی محرومی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اعداء بھی مالا مال ہوجاتے تھے۔ لانہ نعمة مهداة للمومنين و رحمة مرسلة للعالمين (جمع ج۲ص۱۵) (کیونکہ آپ ؐ کی ذاتِ اقدس ایک ایسی نعمت جو مومنین کے لئے تو ہدیہ اور تحفہ ہے اور سب جہاں والوں کے لئے ایک رحمت مرسلہ ہیں)

یا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ؐ کی طبیعت میں اکڑپن' غلاظتِ طبع' بدگوئی نہ تھی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من بدا جفا ای سکن البادية غلظ طبعه لقلة مخالطة الناس (جمع ج۲ص۱۵) (یعنی جو جنگل میں رہتا ہے اس کی طبیعت سخت ہوجاتی ہے کیونکہ اس کا لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بہت کم ہوتا ہے) مقصد یہ ہے کہ آپ ؐ ازروئے صلہ رحمی' نیکی و احسان کے' اپنے احباب و اقارب بلکہ اجانب تک کے ساتھ صرف احبا ہی نہیں، اعداء کے ساتھ بھی انتہائی بھلائی' حلیمی' بردباری' نرمی اور رواداری کے ساتھ پیش آتے تھے یہ فطرت اللہ ہی نے آپ کو بخشی تھی۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آلِ عمران : ۱۵۹) (اور اگر آپ

بدزبان اور سخت دل ہوتے، تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے)

عظمتِ مقام ورفعتِ شان :

ولا المھین (۱) میم کی فتح کے ساتھ پڑھیں تو صفۃ مشبہ کا صیغہ بنتا ہے۔ بمعنیٰ حقیر وضعیف کے، یعنی آپ حقیر وضعیف اور معاشرے میں پست وخلیق نہ تھے بلکہ انہیں عظمت ورفعت اور اعتماد ومحبت کا مقام حاصل تھا۔ آپ کے وقار ومہابت اور جلالتِ قدر سے کفار وفجار کانپتے تھے اور عرب کے جابر وظالم لوگ آپ کی عظمت ومہابت کے سامنے جھک جاتے تھے۔ آپ کے دروازے پر کوئی چوکیدار اور دربان نہ تھا، مگر بایں وصف بھی بڑے بڑے رئیس، سردار اور بادشاہ تک اپنی سرداری اور شان وشوکت کے باوصف آپ کی عظمت ومقام کے قائل اور صلابت فکر پر اعتماد کرتے تھے۔

(۲) بعض روایات میں میم کے ضمہ کے ساتھ منقول ہوا ہے، تو بمعنیٰ اسم فاعل کے ہوگا تو معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ نہ تو کسی کی توہین کرتے تھے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے تھے جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لایھین ولا یحقر احدا من الناس (جمع ج۲ص۱۵)

والمعنٰی انه غیر جاف للاحباء ولا ذلیل لدی الاعداء بل متواضع للمومنین و متکبر علی المتجبرین فیطابق فی قوله تعالیٰ (اور مطلب یہ ہوا کہ آپ نہ تو اپنے دوستوں سے بے وفائی اور سخت مزاجی فرماتے اور نہ دشمنوں کی نظر میں کمزور اور عاجز بلکہ آپ ایمان والوں کے لئے تو متواضع اور سرکشوں کے لئے مغرور ہوا کرتے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہوا) اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ٥ (المائدہ:۵۴) (وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر) ویوافق قوله عز وجل اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ٥ (الفتح:۲۹) (کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں)

تعظیم نعمت :

یعظم النعمة ...... یعنی آپ نعمت کی کبھی تحقیر نہ فرماتے، اگرچہ وہ بہت ہی قلیل ہوتی، ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کو بڑی وقعت واہمیت سے دیکھتے تھے۔ قولاً تعظیم یہ تھی کہ نعمت ملنے پر زبان سے خدا تعالیٰ کا

شکر ادا کرتے اور فعلاً تعظیم یہ تھی کہ نعمت سے حاصل ہونے والی صحت وقوۃ کو اپنے رب کی رضا میں صرف فرماتے تھے۔ وان دقت ای و ان صغرت و قلت النعمة سواء كانت نعمة ظاهرية او باطنية دنيوية او اُخروية فان القليل من الخليل جليل ' و ما يشكر الكثير من لم يشكر القليل (جمع ج۲ص۱۵) (آپؐ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت قدردانی فرماتے اگر چہ وہ نعمت بہت تھوڑی اور کم قیمت ہوتیں اور چاہے وہ نعمت ظاہری ہوتی یا باطنی اسی طرح چاہے وہ دنیوی ہوتی یا اخروی اس لئے کہ دوست کی عطا کردہ چیز اگر چہ قلیل ہو دراصل وہ بڑی اور عظیم ہوتی ہے اور جو چھوٹی نعمتوں کا شکریہ نہ ادا کر سکے وہ بڑی نعمتوں کا شکر ہرگز نہیں کرسکتا)

لایذم منها ' یہ بھی تعظیم نعمت ہی کی ایک نوع ہے کیونکہ نعمۃ کی برائی درحقیقت منعم کی برائی ہے لان ذم النعمة هو فی الواقع ذم المنعم و ليس هذا خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص۲۷۲) ولایمدحه کیونکہ نعمت کی تحقیر یہ متکبرین کا کام ہے اور بھرپور توجہ سے پل پڑنا حریصوں کا کام ہے۔ علامہ مناویؒ کے الفاظ یہ ہے وذلک لان ذمه شأن المتكبرين والاعتناء بمدحه شأن المكثرين و ذوی الشرة والنهمة والحرص (مناوی ص۱۶) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، البتہ رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف فرمائی ہے (خصائل)

دنیا اور امورِ دنیا سے تعلق کی نوعیت :

لاتغضبه الدنيا ...... یعنی دنیا اور دنیا کے معاملات اور دنیوی امور کی وجہ سے آپ کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا، کیونکہ آپؐ کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔ لدنائتها و سرعة فنائها و كثرة عنائها و خسة شركائها و زيادة لالمزيد تاكيد النفی (جمع ج۲ص۱۷) (اس لئے کہ دنیا ایک ردی اور گھٹیا اور جلد فنا ہونے والی چیز ہے نیز اس میں سخت تکلیف اور دنیا داروں کے لئے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتی ہے اور کلمہ لا کی زیادتی (ولاماكان الخ) میں مزید تاکید نفی کے لئے ہے) یہ معنیٰ تب ہے جب لا ثانیہ' تاکید اولیٰ کے لئے ہو اور ما موصولہ ہے۔ بعض نے لا ثانیہ کو زائدہ اور ما کو نافیہ قرار دیا ہے، تو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپؐ کو دنیا غضب میں نہیں لاتی تھی اور نہ ہی آپؐ دنیا کے لئے تھے بلکہ دنیا

میں رہتے ہوئے دنیا سے بے تعلق تھے۔ اذ اِغضاب الدنیا لیس الاغضاب ما کان لها (مواہب ص ١٦٣) (اس لئے کہ دنیا کا غضب وغصہ نہیں ہوتا مگر دنیاوی امور کی وجہ سے)

حضور اقدس ﷺ کا غصہ حق کے لئے ہوتا تھا :

واذا تعدی الحق ... اس کا معنیٰ تو تحت اللفظ ترجمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے یعنی کوئی شخص دینی اُمور میں یا حق بات میں حد سے تجاوز کر لیتا۔ بصیغة المجهول من التعدی ای اذا تجاوز احد (مناوی ج۲ص۱۶) لم یقم لغضبه 'قام کے صلہ میں جب لام آ جائے تو سامنے مقابلہ کے لئے ٹھہرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

جب اشارہ فرماتے :

اذا اشار ... جب آپؐ اشارے کا ارادہ فرماتے تو اشار بکفه کلها 'پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے تاکہ ابہام رفع ہو اور افہام وتفہیم آسان ہو۔ چند انگلیوں سے اشارہ سے گریز کرتے۔ لأنه شأن المتكبرين (مواہب ص ١٦٤) (اس لئے کہ یہ تکبر کرنے والوں کا طریقہ ودستور ہے)۔

نہایۃ میں ہے، آپؐ کا اشارہ مختلف امور کے لئے مختلف ہوا کرتا تھا توحید اور تشہد کے لئے مسبحه کے ساتھ اشارہ فرماتے اور دیگر امور کے لئے پورے ہاتھ کے ساتھ، تاکہ دونوں اشاروں میں فرق واضح ہو کہ مسبحه سے اشارہ کی غرض توحید تھی، لہٰذا غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے۔

جب غصہ ہوتے :

و اذا غضب اعرض و اشاح ' جب کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر کر اعراض فرماتے اور بے توجہی کرتے اور غضب کے مقتضا پر مزید عمل نہ کرتے جیسا کہ حکم ہے۔ وأعرض عن الجاهلين (اور اعراض (روگردانی) کر جاہل لوگوں سے) و اشاح ' ای بالغ فی الاعراض (والعفو والصفح) هذا هو المراد هنا (مواہب ص ١٦٤) (اشاح کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے علامہ بیجوریؒ کہتے ہیں کہ اعراض میں آپؐ نے مبالغہ فرمایا اور یہی معنیٰ یہاں مراد ہے) ورنہ اشاح لغةً بولا جاتا

ہے۔ اذا تنحی و انکمش اومنع او صرف او قبض وجهه (مناوی ج۲ص ۱۷) (جب کوئی یکسو ہو جائے یا دوڑے یا روکے یا ہٹائے اور یا چہرے میں انقباضی کیفیت ہو جسے منہ چھڑانا کہتے ہیں) اشاح کا معنیٰ اعراض میں مبالغہ کرنا نقل کر دیا ہے، گویا اعراض کی تاکید ہے۔ آج کل رواداری اور مداہنت کی جاتی ہے کہ دل میں بغض ہوتا ہے اور ظاہر لطف وعنایت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہی وہ معاملہ ہے جسے شریعت میں عملی نفاق کہتے ہیں۔ مومن کا ہرگز یہ کام اور مقام نہیں کہ وہ دل میں بغض رکھے اور بظاہر لطف وعنایت اور رواداری کا معاملہ کرے بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر دینا چاہئے تاکہ جس پر غصہ کیا جارہا ہے، وہ بھی عملاً اس کا ازالہ کرے۔

جب خوش ہوتے :

اذا فرح غض طرفه ' اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرمالیتے۔ لان الفرح لا یستخفه و لایحرکه ولایجعله متکلماً وانما غایة تاثیره فیه هذا القدر (مناوی ج۲ص ۱۷) (اس لئے کہ خوشی نہ اس کو ہلکا بناتی ہے اور نہ اس کو حرکت دیتی ہے اور نہ اس کو متکلم بناتی ہے ہاں اس کی انتہائی تاثیر اسی قدر (آنکھیں بند کرلینا) ہے) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، غض طرفه ای اطرق و لم یفتح عینه تواضعاً و تمکیناً و فی روایة کان اذا رضی و سرّ ای صار مسروراً و فرحاً فکان وجهه وجه المرأة (جمع ج۲ص ۱۷) (یعنی آپ سر جھکا دیتے اور بوجہ تواضع عاجزی اور تمکین (اللہ تعالیٰ کے پاس مرتبہ تلاش کرنا) کے اپنی آنکھیں مبارک نہ کھولتے اور ایک روایت میں ہے جب خوش اور راضی ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک شیشہ کی مانند ہوتا تھا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم :

و جل ضحکه ...... جُل بمعنیٰ معظم کے آتا ہے۔ ای معظم ضحکه (مواہب ص ۱۶۴) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اکثر تبسم سے نہیں بڑھتی تھی، تبسم یہی ہوتا ہے کہ ہنسی میں قہقہہ نہ ہو، جسے ہم مسکراہٹ بھی کہتے ہیں ۔ التبسم وهو بشاشة الوجه من غیر تاثیر تام فی هیئة الفم (مناوی ج۲ص ۱۸) (تبسم کا معنیٰ چہرہ کا ہنس مکھ ہونا بغیر کسی اثر تامہ کے منہ کی ہیئت اور شکل میں) قہقہہ وقار کے بھی

خلاف ہے۔غفلت اور لا پرواہی سے ہوتا ہے۔لفظ جُلّ بمعنی اکثر کے استعمال ہوا ہے۔یہی درست ہے۔ لانہ ربما ضحک حتی بدت نواجذہ (مواہب ص۱۶۴)(اس لئے کہ بعض اوقات میں آپؐ ایسا بھی ہنستے کہ نواجذ (دانت) ظاہر ہو جاتے) جبکہ کچھ زیادہ منہ کھل جائے۔

ظہورِ نواجذ اور تبسم میں تعارض کا جواب :

نواجذ کے ظہور اور تبسم دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے تو ملا علی قاریؒ دونوں میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امورِ دنیا میں ہنسی تبسم سے نہیں بڑھتی تھی۔

وجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں آپؐ کی دلچسپی ہی نہیں تھی ، نہ اس سے آپؐ کو خوشی ہوتی تھی اور نہ ناراضگی۔البتہ امورِ آخرت میں ہنسی میں ظہورِ نواجذ ہو جاتا تھا۔

یفتر : افتر سے ہے بمعنی دانت کھلنا ای ضحک ضحکاً حسناً حتی بدت اسنانہ من غیر قھقھۃ (مناوی ج۲ص۱۸)(یعنی آپؐ ایسا مبارک ہنسنا ہنسے کہ آپؐ کے دانت مبارک صرف ظاہر ہوئے بغیر قہقہہ کرنے کے)مثل حب الغمام' حب دانہ کو کہتے ہیں۔

اسی مناسبت سے غلہ فروش کو حباب کہتے ہیں۔ الغمام بادل حب الغمام یعنی ژالہ اور اولہ' آپؐ کے دانتوں کو اولے سے تشبیہ دی ہے۔صفائی اور سفیدی اور لطافت میں ۔

فالمعنیٰ یضحک ضحکا حسنا عن سن مثل حب الغمام فی البیاض والصفاء والبریق واللمعان وورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا ضحک یتلألأ فی الجدر ای یشرق علیھا اشراقاً کاشراق الشمس (مواہب ص۱۶۴)

(مطلب یہ ہوا کہ آپؐ ایسے خوبصورت دانتوں سے ہنسا کرتے جو کہ ژالہ اور اولوں کی مانند سفیدی اور چمک میں ہوا کرتے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ ہنستے تو دیواروں پر ایسی روشنی پڑتی جیسے سورج کی روشنی) ۔

و قیل حب الغمام اللؤلؤ لانہ یحصل من ماء المطر النازل من الغمام وھو انسب فی باب التشبیہ لما فی الاول من البرودۃ ولما فی الثانی من زیادۃ تشبیہ الفم بالصدف والریق بماء

الرحمة فی بحر النعمة (جمع ج۲ص۱۸)(اور بعض کہتے ہیں کہ حب الغمام سے مراد موتی ہیں کیونکہ یہ اس بارش کے پانی سے بنتے ہیں جو بادل سے نازل ہوکر برستا ہے اور یہی توجیہ بابِ تشبیہ سے زیادہ مناسب ہے۔

کیونکہ پہلی صورت ژالہ وغیرہ میں برودت ہے اور دوسری توجیہ پر کچھ زیادتی ہے کہ یہاں منہ کو صدف کے ساتھ اور لعاب کو اس رحمت کے پانی کے ساتھ جو رحمت کے سمندر میں ہو تشبیہ دی گئی ہے)

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ ضِحْکِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بیان میں

ضحک ہو یا تبسم، دونوں فطری چیزیں ہیں۔ خوشی، مسرت اور سرور وانبساط کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا قدرت کا عطیہ اور انسان کا خاصہ ہے۔ والضحک خاصیة للانسان واصله مِن سرور یعرض للقلب و قد یضحک غیر المسرور (مناوی ج۲ ص۱۸) (اور مسکراہٹ انسانی خاصیت ہے اور اس کا مبدأ وہ خوشی ہے جو دل میں آ جاتی ہے البتہ کبھی ناخوش انسان بھی ہنستا ہے) مگر بعض لوگ اس موقع پر بھی حدود سے تجاوز کر کے بداخلاقی، کراہت اور بدروئی کی انتہاؤں تک چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا، یہی غرضِ انعقاد باب ہے۔ مصنفؒ اس باب میں نو احادیث لائے ہیں۔

(۱/۲۱۹) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ اَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَ هُوَ ابْنُ اَرْطَاةَ عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کَانَ فِیْ سَاقَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ وَ کَانَ لَا یَضْحَکُ اِلَّا تَبَسُّمًا فَکُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْہِ قُلْتُ اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ وَ لَیْسَ بِاَکْحَلَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو بیان کیا عباد بن عوام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حجاج نے جو کہ ابن ارطاۃ ہے۔ سماک بن حرب کے واسطہ سے دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ سے سماعت کی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں، اور آپ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، میں جب حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپؐ سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ اُس

وقت سُرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

راوی حدیث (۴۹۰) الحجاج کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پنڈلیاں مبارک :

كان في ساقي رسول ﷺ حموشة۔

الحموشة ! پنڈلی، پتلی اور درمیانی باریک تھی۔ رقة الساق و هي مما يتمدح به (اتحافات ص ۲۷۸) (پنڈلی کا باریک اور پتلا ہونا قابل مدح وفخر سمجھا جاتا تھا) بعض نے الخموشة (بضم اوله المعجم) نقل کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ فمخالف للاصول و معارض للغة و مغير للمعنى فان الخمش (بالمعجمة) هو خدش الوجه ولطمه وقطع عضو منه (جمع ج۲ ص ۱۸) (یہ تو قواعد اور اصول لغت کے بھی مخالف اور معنیٰ کو بھی تبدیل کرنے والا ہے کیونکہ خمش (خاء معجمہ کے ساتھ) چہرہ کو نوچنا اس پر تھپڑ لگانا اور اس سے کسی عضو کا کٹنا مراد ہوتا ہے)

روایت میں حضورِ اقدس ﷺ کی تین صفات کا بیان ہے۔ یہ پہلی صفت ہے کہ آپ ﷺ کی پنڈلیاں مبارک قدرے پتلی تھیں اور ان پر گوشت کم تھا، بھاری نہ تھیں، یہ ایک صفت محمود ہے۔

غالب اوقات تبسم آپ ﷺ کا معمول تھا :

و كان لا يضحك الا تبسماً یعنی حضور اقدس ﷺ غالب اوقات تبسم ہی فرماتے اور مسکراتے۔ قہقہہ آپ کی عظمتِ شان اور مقام رفیع کے خلاف تھا۔ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ہنسنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) تبسّم، منہ کھل جاتا ہے، مگر آواز نہیں آتی۔ (۲) ضحک (ہنسنا) منہ بھی کھل جاتا ہے، نواجذ بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور ہنسنے کی ہلکی سی آواز بھی آتی ہے۔ (۳) قہقہہ، انسان کا پورا منہ کھل جاتا ہے، خوب آواز سے ہنستا ہے، یہ ہنسنے کی آخری اور انتہائی قسم ہے، جو ناپسندیدہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے تبسم اور ضحک تو ثابت ہے، مگر قہقہہ ثابت نہیں، جو قساوتِ قلبی اور غفلت کی علامت ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، لا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب (ترمذی) اياک و كثرة الضحک فانه يميت القلب. (معجم صغیر للطبرانی ج۲، ص ۱۰۴)

(زیادہ نہ ہنسا کر کیونکہ کثرت سے ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے (ترمذی) اور طبرانی کی روایت میں ہے زیادہ ہنسنے سے بچا کر کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتی ہے)

یہ بھی پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آپ کا ہنسنا امور آخرت کی وجہ سے اور تبسم امور دنیا میں ہوتا تھا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، **هو انه كان يضحك في امور الآخرة و يتبسم في امور الدنيا** (مواہب ص۱۶۵) حدیث کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے۔ علامہ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں **ويظهر ان التبسم هو خلق الانبياء ، قال سبحانه تعالٰى في سليمان فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا** (النمل:۱۹) (اس سے ظاہر ہوا کہ تبسم انبیاء کرام کی خصلت و عادت ہے اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں سلیمانؑ کے بارے میں فرماتا ہے پس مسکرایا ہنستا ہوا اس (چیونٹی) کی بات سے)

سرمگین آنکھیں :

فكنت اذا نظرت ..... یہ آپؐ کی تیسری صفت کا بیان ہے کہ جب کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا، تو سمجھتا کہ آپ **اكحل العينين** ہیں، یعنی آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔ **وليس باكحل** ، حالانکہ آپؐ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔ سید الکائنات حضور اقدس ﷺ سراپا حسن و جمال تھے۔ آپ کے دونوں پلکوں کی سیاہی آپؐ کی خلقتِ اصلیہ سے تھی۔ آپؐ کی آنکھیں خلقی اور فطری طور پر سرمگین تھیں۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، **انما هو الجمال الخلقي الذى لا مثيل له** (اتحافات ۲۷۸) (بے شک آپؐ کا حسن و جمال ایسا فطری اور خلقی تھا جس کی کوئی نظیر و شبیہ نہیں) دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آپؐ نے سرمہ لگایا ہوا ہے، حالانکہ یہ قدرتی سرمہ تھا، جو خارجی سرمہ کی سیاہی سے زیادہ خوبصورت، دیدہ زیب اور پائیدار تھا، جو ہمیشہ رہتا اور زائل نہ ہوتا۔ زوال پذیر کاجل کے بارے میں بچپن میں سنا ہوا بہادر شاہ ظفر کا شعر یاد آ گیا ....

ہوتا ہے کالا جہاں مردم آزاروں کا منہ
پا گئے یہ رمز چشمِ شوخ کے کاجل سے ہم

تاہم متعدد فوائد و مقاصد کے حصول کے لئے حضور اقدس ﷺ سرمہ بھی استعمال فرماتے

ہیں۔اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ؐ نے کبھی سرمہ نہ کیا ہو، تا کہ منافی ہو حدیثِ اکتحال کے ساتھ، تاہم دوسرے مقاصد اور فوائد کے لئے گاہے گاہے سرمہ استعمال فرمایا ہے۔اس روایت میں الفاظ فکنت نظرت ' قلت' کو متکلم کے بجائے مخاطب کے صیغے بنا کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲۲۰/۲) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِیْعَةَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِیْرَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابن لہیعہ نے دی۔انہوں نے یہ روایت عبیداللہ بن مغیرۃ سے روایت کی۔انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن حارث بن جزءؓ سے سُنی۔عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

راویان حدیث (۴۹۱) عبیداللہ بن المغیرہؒ اور (۴۹۲) عبداللہ بن الحارثؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

متواصل الاحزان سے تعارض اور جواب :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائم الفکر اور پے در پے غموم میں مبتلا رہتے تھے۔یہ بظاہر اس کے منافی ہے، اس لئے اس حدیث کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ؐ کا تبسم آپ ؐ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا، ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا، جس کا تبسم اس کے ہنسنے سے زیادہ ہو، چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی سے روایت کی جا رہی ہے، اس میں یہی مطلب متعین ہے۔دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غموم کے صحابہؓ کی دلداری اور انبساط کے خیال سے خندہ پیشانی اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے اور یہ کمال درجہ اخلاق وتواضع ہے۔اسی باب کی حدیث نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں حضرت جریرؓ

فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھتے، تبسم فرماتے یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب پہلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی رنج وفکر میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے وہ خندہ پیشانی سے ملتا ہے، جو لوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں، ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا ہے (خصائل ص ۱۷۱-۱۷۲)

(۲۲۱/۳) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اِسْحٰقَ السَّيْلَحَانِيُّ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا كَانَ ضِحْكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تَبَسُّمًا قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن خالد خلال نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت یحییٰ بن اسحٰق سیلحانی نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت لیث بن سعد نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا ۔

راوی حدیث (۴۹۳) احمد بن خالد الخلالؒ اور (۴۹۴) یحیی بن اسحاق السیلحانیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حصرِ اضافی :

ما کان ضحک ..... یہ حصر اضافی ہے۔ حقیقی نہیں، کیونکہ آپؐ سے ہنسنا بھی ثابت ہے، **لما تقرر انه ضحک احیاناً حتی بدت نواجذه** (مناوی ج۲ص۲۰) (کیونکہ یہ پہلے ہی ثابت ہو چکا کہ آپؐ کبھی ایسے ہنستے کہ آپؐ کے نواجذ (دانت) مبارک ظاہر ہو گئے) البتہ آپؐ کا اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا، ہنسنے کی نوبت کم آتی تھی۔

قال ابو عیسیٰ هذا حدیث غریب من حدیث لیث بن سعد : اصطلاحِ محدثین میں

غریب حدیث وہ ہوتی ہے، جس کا صرف ایک ہی راوی ہو۔ امام ترمذیؒ جو فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یہاں پر لیث بن سعد کی وجہ سے جو کہ یگانہ راوی ہیں، غریب ہے، یہ غرابت اسناد میں ہے، متنِ حدیث میں نہیں، لہٰذا غرابتِ سند، صحتِ متنِ حدیث کے منافی نہیں، اس روایت میں منفرد راوی لیث بن سعد کی جلالت علم اور امامت پر اتفاق، بلکہ اجماع ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، قیل انّ غرابته ناشئة من تفرد الليث وهو مجمع على امامته و جلالته فهي غرابة في السند وهي لا تنافي صحته (جمع ج۲ص۲۰)

دائمی تفکر وحزن اور ہمیشہ مسکراہٹ کی تطبیق :

یہاں بھی اشکال نہ کیا جائے، کہ اس سے قبل حدیث میں آپ ﷺ کی صفت تو متواصل الاحزان دائم الفكرة بیان کی گئی ہے اور یہاں اکثر الاوقات تبسم کا ذکر ہے، جو بظاہر متعارض ہے، کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ :

(۱) حزن کا تعلق ضحک سے ہے، آپ ﷺ کا ہنسنے کا عام معمول نہیں تھا، قہقہہ کی نوبت کم آئی ہے، البتہ تبسم آپ کا اکثر معمول تھا، جو قابلِ اعتراض نہیں۔

(۲) آپ ﷺ ذہنی فکری اور عملی طور پر تو متفکر اور متواصل الاحزان رہتے تھے، مگر حضرات صحابہؓ سامعین اور مخاطبین کے رعایت کے لئے مسکراہٹ فرماتے تھے تا کہ انہیں بے تکلفی رہے اور حصولِ فیض میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

(۴/۲۲۲) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَنْبَأَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ اٰخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَتُخْبَأُ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا ، كَذَا وَ كَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ اَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا

حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِيْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاهَا هٰهُنَا قَالَ اَبُوْذَرٍّ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کواس کی وکیع نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اعمش نے معرور بن سوید کے واسطہ سے بیان کیا اورانہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے سُنی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں، جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی دربارِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا، اس کے لئے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں، جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تو نے فلاں دن فلاں گناہ کیے ہیں، تو وہ اقرار کرے گا، اس لئے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صغائر ہی کا نمبر ہے، کبائر پر دیکھیں کہ کیا گذرے کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں، جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔ ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے وہ ڈر رہا تھا ان کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔

راویان حدیث (۴۹۵) المعرور بن سویدؒ اور (۴۹۶) ابوذرؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے :

انی لَاَعْلَمُ ! آپؐ کو علم یا وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا یا الہام کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے اعلم بمعنی اعرف کے ہے (جمع ج ۲ ص ۲۰) اول رجل یدخل الجنة ! مراد یہ ہے کہ دوزخ سے نکل کر جنت میں اوّل داخل ہونے والا اول آدمی مراد ہے، کیونکہ علی الاطلاق تو سب سے پہلے جنت میں حضور اقدس

ﷺ داخل ہونے والے ہیں جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وحاصله اول رجل یدخل الجنة ممن یخرج من النار لان اول من یدخل الجنة علی الاطلاق انما هو النبی صلی الله علیه وسلم (جمع ج۲ص۲۰) علامہ عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی پہلے وہ مبارک شخص ہیں، جو جنت میں داخل ہوں گے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ، و آخر من یدخل الجنة هو جهینة یخرج من النار زحفاً أوحبواً (اتحافات ۲۸۰) (اور آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ جہینہ ہے۔ دھیرے دھیرے گھسٹتے ہوئے یا پھر گھٹنوں کے بل چل کر دوزخ سے نکلے گا)

حدیث میں ذکر کس کا ہے ؟

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اول وآخر کا بیان نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آدمی نہ تو اول ہے کہ حقیقی معنوں میں اول داخل ہونے والے خود حضور اقدس ﷺ ہیں یا وہ لوگ جنت میں اول داخل ہوں گے جو بغیر حساب والے ہیں اور یہ شخص تو مقامِ حساب میں ہے اور یہ شخص آخری بھی نہیں کہ ترمذی کی دوسری روایت میں آخری شخص ایک اور بیان کیا گیا ہے، تو یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان عجائبات کے لئے ہے، جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں هو استیناف بیان لحال رجل ثالث غیر الاول والآخر (جمع ج۲ص۲۱)

علامہ ملا علی قاریؒ نے ایک اور توجیہ وتطبیق کی صورت ان الفاظ سے بھی بیان کر دی ہے۔ علی ان فی روایة الترمذی وهمًا و الصواب انی لا علم آخر رجل یدخل الجنة الخ ' فانه هكذا رواه مسلم وغیره من حدیث ابی ذر و یوتی الخ ' علی هذه الروایة ایضا بیان لحال رجل ثالث كما تقدم او بیان لآخر رجل یدخل الجنة من غیر ان یدخل النار تأمل والله اعلم (جمع ج۲ص۲۱) (اس کے علاوہ یہ بھی کہ ترمذی کی روایت (انی لا علم اول رجل الخ) میں وہم ہوا ہے اور صحیح عبارت انی لا علم آخر رجل یدخل الجنة الخ ہے کیونکہ مسلم وغیرہ نے ابوذرؓ کی حدیث میں یہی الفاظ روایت کیے ہیں تو پھر اسی روایت پر بھی یوتی بالرجل الخ میں ایک تیسرے شخص کے حال کا بیان ہوگا جیسے پہلے گذر چکا ہے اور یا پھر اس آخری شخص کا بیان جو جنت کو داخل ہوگا بغیر اس کے کہ وہ پہلے دوزخ میں داخل ہوا ہو)

ماارا ھا ھھنا کی تشریح :

اس جملہ میں ما نافیہ اور اراھا کی ضمیر کا مرجع ذنوب ہے۔ ھھنا کا مشارالیہ یا مقام عرض و حساب ہے یا صحائف اعمال۔ مطلب یہ کہ میرے بعض بڑے گناہ ہیں، جو یہاں مجھے نظر نہیں آرہے۔

قسم کیوں لی گئی :

قال ابو ذر و لقد رایت ...... جناب ابوذرؓ نے فرمایا کہ پس قسم ہے کہ میں نے آپؐ کو دیکھا کہ ہنسے، یہاں تک کہ اگلے دانت مبارک نظر آئے۔ اس روایت کو مسلسل بالضحک کہتے ہیں کہ سب ہنسے پڑھنے والے، پڑھانے والے، حضرات صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ اور خود باری تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہو) ولقد ! قسم اس لئے لی گئی تا کہ ان کی خبر میں شک نہ کیا جائے، کیونکہ مشہور تو یہی ہے کہ آپ کا اکثر معمول تبسم کا تھا جیسا کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں وانّما اقسم لئلا یرتاب فی خبرہ لما اشتھر ان المصطفیٰؐ کان لا یضحک الا تبسما (مواہب ص ۶۷)

روایاتِ ضحک و تبسم کا حاصل :

اس سلسلہ میں جس قدر روایات بھی آئی ہیں، سب کا حاصل یہی ہے کہ آپؐ اکثر اوقات اور بطورِ معمول کے تبسم ہی فرمایا کرتے تھے، جب کبھی اس میں زیادتی ہوتی، تو ہنس دیتے تھے، مگر مکروہ تو کثرتِ ضحک ہے، نہ نفسِ ضحک (کیونکہ کثرت اور افراطِ ضحک انسانی وقار ختم کر دیتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وربما زاد فضحک والمکروہ الاکثار او الافراط لانھا بہ الوقار (مناوی ج ۲ ص ۲۲) حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حیرت واستعجاب کے مقام پر ضحک بھی مکروہ نہیں ہے، جب وہ مسنون حدود سے متجاوز نہ ہو، علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں ویؤخذ من الحدیث انہ لایکرہ الضحک فی مواطن التعجب اذا لم یجاوز الحد (مواہب ۱۶۷/ مناوی ج ۲ ص ۱۲)

ذکر نواجذ کا ہے مراد ضواحک ہیں :

حتی بدت نواجذہ ! نواجذ کی مفرد ناجذۃ ہے، بمعنیٰ اقصی اضراس یعنی داڑھ، مگر یہاں اس

کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ مبالغہ مقصود ہے، ای بالغ فی الضحک حتی ظہرت نواجذہ (مواہب ۱۶۷) (کہ آپؐ نے ہنسنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ آپؐ کے نواجذ (دانت) بھی ظاہر ہو گئے) تو ذکر نواجذ کا ہے، مراد ضواحک ہیں۔ شیخ ابراہیم الیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ وکانت مبالغتہ فی الضحک نادرۃ والمکروہ الاکثار منہ (مواہب ص۱۶۷) (اور حضور ﷺ کا ضحک (ہنسنے) میں مبالغہ کرنا نادر ہوتا تھا اور دراصل کراہت کثرت اور افراط ضحک میں ہے)

(۲۲۳/۵) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ بَیَانٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ مَا حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَ لَا رَاٰنِیْ اِلَّا ضَحِکَ.

(۲۲۴/۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسٍ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ مَاحَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِیْ اِلَّا تَبَسَّمَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معاویہ بن عمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زائدہ نے یہ روایت بیان (راوی) کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حاتم سے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ سے نقل کیا۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاویہ بن عمرو نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زائدہ نے اسمٰعیل ابن ابی خالد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت قیس سے اور انہوں نے جریر بن عبداللہ صحابی رسول سے روایت کی۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے

بارگاہِ نبوت میں حضرت جریرؓ کا مقام :

ماحجبنی مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ مجھے حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا، گویا میرے لئے آپ کے دروازے ہر وقت کھلے ہوتے تھے۔ حَجَبَ ...... کا فاعل تو حضور ﷺ ہیں، ممنوع حضرت جریرؓ ہیں اور ممنوع عنہ کا ذکر نہیں، تو وہ محذوف ہے، ای ما منعنی فی الدخول علیه فی بیته مع خواصه و خدمه لشدة اقباله علی (مواہب ص۱۶۷) (یعنی حضور ﷺ نے مجھے اپنے گھر میں خواص اور خدام کی موجودگی میں داخل ہونے سے منع نہیں فرمایا اور آپ میری طرف انتہائی توجہ فرمایا کرتے)

والمقصود انی لم احتج الی الاستیئذان و یحتمل ان یکون المعنیٰ ما منعنی ملتمساتی عنه بل اعطانی البتة مطلوباتی منه (جمع ج۲ ص۲۲) (اور اس سے مطلب یہ تھا کہ مجھے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنیٰ یہ ہو کہ آپ نے مجھ سے میرے مطالبات کو روکا نہیں بلکہ مجھے میرے مطالبات پورے پورے دے دیتے)

منذ اسلمت ! یعنی جب سے میں نے اسلام قبول کیا اور حضور اقدس ﷺ کا غلام بنا، آپ نے مجھے اپنے دربار میں حاضری اور قدموں میں بیٹھنے سے کسی وقت بھی نہیں روکا، حضرتِ جریرؓ نے آپ کی وفات کے سال میں اسلام قبول کیا تھا۔ اسلم قبل وفاته اربعین یوماً (مواہب ص۱۶۷) (حضرت جریرؓ آپ کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے)

ضحک بمعنیٰ تبسم :

ولا رآنی ! اس کے بعد منذ اسلمت حذف ہے، اذا لحذف من الثانی لدلالة الاول کثیر (جمع ج۲ ص۲۲) (اس لئے کہ جملہ ثانیہ سے حذف کرنا بوجہ دلالت پہلے جملہ کے کثیر الوقوع عمل ہے)

الا ضحک ! یہاں پر ضحک بمعنیٰ تبسم کے ہے، جیسا کہ حدیث نمبر چھ میں اس کی تصریح ہے، وفی هذا

الحديث تخصيص الضحک بالتبسم (اتحافات ص۲۸۱) (اوراس حدیث میں ضحک کی تخصیص تبسم سے ہے) حضرت ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، ولعل وجه التبسم له كل مرة فى رؤيته انه رآه مظهر الجمال فانه كان له صورة حسنة على وجه الكمال حتى قال عمرؓ فى حقه انه يوسف هذه الامة (جمع ج۲ص۲۳) (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۰۶) (اور حضور ﷺ کا ہر بار حضرت جریرؓ کو دیکھ کر تبسم فرمانے کی وجہ شاید یہ کہ آپؐ نے حضرت جریرؓ کو مظہرِ جمال، خیال کیا ہو کیونکہ حضرت جریرؓ کی خوبصورتی حددرجہ کمال کی تھی اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں اس امت کے یوسف ہونے کا قول اور تذکرہ کیا ہے)۔

حضور ﷺ کا تبسم وخندہ روئی :

بہرحال شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسا درحقیقت تبسم ہی ہوتا تھا، الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی وسائل الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

عبداللہ بن حارث بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا درحقیقت مسکرانا ہوا کرتا تھا، آواز کے ساتھ نہیں ہنستے تھے، آپؐ جب گفتگو فرماتے تو مسکرا کر اور بڑی خندہ روئی کے ساتھ فرماتے، آپؐ کے تمام ساتھی بھی آپؐ ہی کی طرح زور زور سے نہیں ہنستے تھے، صرف مسکراتے تھے، جب آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، تو اس سنجیدگی اور متانت سے بیٹھتے تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ زور سے ہنسیں گے یا بات کریں گے تو پرندے اُڑ جائیں گے، گویا پوری مجلس میں پاس ادب سے سناٹا ہوتا تھا، اتفاقاً کسی کو کسی بات پر پوری ہنسی بھی آجاتی، تو وہ منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لیتا، کہیں آپؐ کے سامنے ہنسنے کی آواز نہ نکل جائے، اور گستاخی جانی جائے، حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ حال ادب اور احترام کی بنا پر تھا۔

(۲۲۵/۷) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ

لَاَعْرِفُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ فَاِنَّ لَكَ الَّذِىْ تَمَنَّيْتَ وَ عَشَرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِىْ (مِنِّىْ) وَ اَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ھناد بن سری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابومعاویہ نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ روایت ابراہیم کے واسطہ سے عبیدۃ سلمانی سے روایت کی، اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی، عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا، وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسیٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا، وہ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں، لوٹ کر بارگاہِ الٰہی میں اس کی اطلاع کرے گا۔ وہاں ارشاد ہوگا کیا دنیاوی منازل کی حالت بھی یاد ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ رب العزت خوب یاد ہے، اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو، جس نوع سے دل چاہے۔ وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا، وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جب اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے، تو آپؐ کو ہنسی آ گئی، حتی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔

راویان حدیث (۴۹۷) ابراہیم اور (۴۹۸) عبیدۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مفہوم حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ ذیل میں بعض الفاظِ حدیث کی تشریح بھی کر دی جاتی ہے۔

زحف کا معنیٰ :

رجل یخرج منها زحفاً ، دوزخ سے نکلنے والے آخری آدمی کی صفت زحفًا مذکور ہے، زحف مفعول مطلق ہے، ای خروجاً زحفاً یا حال ہے بمعنیٰ زاحف کے ہے بمعنیٰ گھسٹتے ہوئے چلنا چوتڑوں کے بل۔ والزحف المشی علی الاست مع اشراف الصدر وفی روایة حبوا وھو المشی علی الیدین والرجلین والرکبتین ولاتنا فی بین الروایتین لاحتمال انه یزحف تارة ویحبو اخری (مواہب ص۱۶۸) (دونوں روایتوں میں منافات اور تعارض نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھسٹتے ہوئے چلے یا گھٹنوں کے بل) زحوف اور زحفات اس کے ہم معنیٰ ہیں۔

یہ آدمی عامۃ المسلین میں ایک گنہگار ہوگا، من عصاة المومنین، اس کا نام جھینة یا ھناد ہے۔ المنازل! مراد جنت کے درجات ہیں ، اس کی مفرد منزل آتی ہے ، وھی موضع النزول (مواہب ۱۶۷) (منزل کا معنیٰ رہنے کی جگہ)

آخری جنتی سے باری تعالیٰ کا خطاب :

اتذکر الزمان الذی کنت فیه ' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فرمایا جائے گا، کیا تجھے اپنی زندگی کا وہ زمانہ یاد ہے، جب تمہارا دنیا میں قیام تھا، وہ کہے گا، مجھے یاد ہے کہ زمین کی وسعت کس قدر زیادہ تھی، اس پر کتنے ڈھیر سارے لوگ آباد تھے، اس کی نعمتیں' آرام و آسائش کے اسباب حکومتیں، سلطنتیں، بادشاہتیں سب یاد ہیں۔ اب دنیا کی حالت یاد کرو، جب بھر جاتی تھی، تو دوسرے کی جگہ نہ رہتی تھی، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسی مفہوم کو عبارتِ ہذا میں ذکر کر دیا ہے والمعنیٰ اتقیس زمنک ھذا الذی انت فیه الآن بزمنک الذی کنت فی الدنیا ان الامکنة اذا

امتلأت بالساكنين لم يكن للاحق مسكن فيها (جمع ج۲ص۲۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء نے وہی تحریر کیا جو تحت اللفظ میں لکھ دیا ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے، تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اُس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہو۔

آخری جنتی کی تمنا :

تمن ! بمعنیٰ ادع کے ہے، دعا کو تمن سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمنی غیر ممکن اشیاء کی بھی ہوتی ہے، جہاں حصولِ الشئ کے اسباب بعیدہ ہوں، مقصد دعا کا یہ ہے کہ انتہائی عظیم چیز کی تمنا کرو، کیونکہ دعا ہوتی ایسی چیز کے بارے میں ہے جو مل سکے، ای تمن من كل جنس و نوع تشتهى من وسع الدار وكثرة الاشجار فان لك مع امتلائها مساكن كثيرة واماكن كبيرة وجنت تجرى من تحتها الانهار كلها على طريق خرق العادة بقدرة الملك الغفار (جمع ج۲ص۲۳) (اس کو کہا جائے گا کہ تو ہر جنس اور نوع کی آرزو اور تمنا کر جا ہے آپ گھر یعنی (جنت کی وسعت) چاہتا ہے درختوں کی کثرت مطلوب ہے جنت کے بھر جانے کے باوجود آپ کے لئے اس میں بہت بڑے مکانات اور ایسے باغات جن کے نیچے نہریں ہوں گے یہ سب کچھ خلافِ عادت صرف اس ذاتِ اقدس کی قدرت سے ہوں گے جو بادشاہوں کے بادشاہ اور بہت بخشنے والی ذات ہے) ولا تقس حال الأخرىٰ بحال الدنيا فان تلك دار ضيقة و محنة و هذه دار متسعة و منحة (مواہب ص۱۶۸) (اور تو آخرت کے گھر کا قیاس دنیا کے گھروں پر نہ کر کیونکہ یہ تو بہت تنگ و تاریک اور تکلیف دہ ہیں اور آخرت کا گھر تو بڑا وسیع اور مخصوص حد یہ ہے)

ادنیٰ جنتی کا اعلیٰ مقام :

فيقال له ! پس اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے وہ بھی ہے، جس کی تو تمنا کر رہا ہے، و عشرة اضعاف الدنيا ، اور اس سے دس گنا بھی، اضعاف بمعنیٰ امثال کے ہے

فضعف الشئی مثله و ضعفاہ مثلاہ و اضعافه امثاله (مواہب ۱۶۹) (تو ایک چیز کا ضِعف اس کا مثل ہوا اور دوضعف دو مثل ہوئے اور ایک چیز کے چند اضعاف اس کے چند امثال ہوئے) لیکن دس گنا مساحت و مقدار کے اعتبار سے نہیں بلکہ قدر و قیمت کے اعتبار سے ہے، جو کچھ اسے آخرت میں دیا جائے گا، وہ دنیا کی نعمتوں میں سے دس گنا بڑھ کر ہوگا، جیسے علامہ بیجوریؒ کی اس عبارت سے ظاہر ہے **فما یعطاه فی الآخرة یکون مقدار عشرة اضعاف الدنیا ـــ بحسب القیمة بل افضل و اجل** (مواہب ص۱۶۹) جیسا کہ سونا' دنانیر وغیرہ، گھوڑے کے مقابلہ میں مساحت و مقدار میں کم ہیں، لیکن قیمت میں بڑھ کر ہیں، ہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر مساحت و مقدار کے اعتبار سے بھی اضعاف ہو، تو اس کے لئے بھی کوئی مانع نہیں ہے۔۔۔ **ولا مانع من المضاعفة بالمساحة والمقدار**، کیونکہ ایک روایت میں تصریح ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا گھر ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر وسیع ہوگا، وہ اس کی انتہاء کو ایسے دیکھے گا، جیسے ابتداء کو دیکھ رہا ہے، **وینظر الی جناته و نعیمه و خدمه و سرره مسیرة الف سنة وارفعهم الذی ینظر الی ربه بالغداة والعشی** (مواہب ص۱۶۹) (اور یہ جنتی شخص اس کے باغات اور اس کی نعمتیں اور اس کے خدام اور تخت وغیرہ کو ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور ان میں سے سب سے مرتبہ کے لحاظ سے بڑا وہ ہوگا جو صبح و شام دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوتا رہے)

آخری جنتی کی حیرت واستعجاب :

اتسخربی و انت الملک ! بعض نسخوں میں **أتسخرنی** اور بعض میں **أتسخرمنی** نقل ہوا ہے۔سخر کا صلہ با اور مِن آتا ہے اور بغیر صلہ کے بھی تعدیہ ہوتا ہے۔ایسے الفاظ اِنسان سے خوشی اور جوشِ مسرت کے وقت نکلتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک شخص کا واقعہ منقول ہے، جس کی اونٹنی گم ہوگئی تھی اور وہ نا اُمیدی کے بعد اچانک مل گئی، تو اس نے جوشِ مسرت میں کہا، **انت عبدی و انا ربک** (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں) اس کو سبقت لسانی کہتے ہیں، یعنی بارِالہا ! آپ تو ملِک الملوک ہیں، شہنشاہ اور احکم الحاکمین ہیں اور میں بندۂ فقیر، بادشاہوں کے بادشاہ کے شایانِ شان یہ نہیں کہ وہ ایک حقیر و فقیر اور ذرۂ بے مقدار سے مذاق کرے ۔ اسی کو علامہ ملا علی قاریؒ نے **والحال انک الخ** کی

عبارت سے ذکر کیا ہے) والحال انک الملک العظیم الشان عظیم البرهان وانا العبد الذلیل المستهان والیک المشتکی وانت المستعان (جمع ج۲ص۲۴) وهذا نهایة الخضوع و هوسبب لکمال جود الملک و لذالک نال ما نال من الاکرام. (مواهب۱۶۹)(اور یہ انتہائی عاجزی ہے اور یہی بادشاہ (ذاتِ خداوندی) کے کمالِ جود وسخا کا سبب ہے اس لئے کہ جو اکرام واعزاز ملنا تھا وہ مل گیا اور اس کو پالیا)

بعض حضرات نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ خطاب اس شخص سے کسی فرشتہ کے ذریعہ ہوا ہو، تو انت الملک (تو اس وقت لفظ ملک بفتح اللام بمعنیٰ فرشتے کے ہوگا تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ تو میرے ساتھ مذاق کرتا ہے حالانکہ تو فرشتہ ہے) (بفتح اللام) پڑھا جائے گا، و خطر لی انه یمکن ان یکون المخاطب بهذا المقال و احد من الملائکة(جمع ج۲ص۲۴) (جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ اس مقولہ کا مخاطب فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہو) ضحک 'اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ہنس دیا دو وجہ سے' اس آدمی کی دہشت وحیرت اور ربّ قدیر سے معاملہ' اس آدمی کی اپنے گناہوں پر بھی اور وسعتِ رحمت پر نظر اور اللہ پاک کی شفقت وعنایت اور اس کے فضل ورحمت کا اس کے غضب پر غالب ہونے پر جیسے علامہ بیجوریؒ یہ لکھتے ہیں ای تعجبًا مِن دهش الرجل و مِن غلبة رحمته تعالیٰ علیٰ غضبه(مواهب ص۱۶۹)

(۲۲۶/۸) حَدَّثَنِی قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَنْبَانَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِیَ بِدَابَّةٍ لِیَرْکَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الرِّکَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰی عَلٰی ظَهْرِهَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِکَ فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِکْتَ یَا اَمِیْرَ الْمُوْمِنِیْنَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ کَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِکَ فَقُلْتُ

مِنْ اَیِّ شَیْئٍ ضَحِکْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَعْجَبُ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرِیْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابوالاحوص نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے دی اور انہوں نے یہ روایت علی بن ربیعۃ سے روایت کی۔ ابن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس (ان کے زمانۂ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی۔ آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہوئے تو الحمدللہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا ورنہ ہم کو اس کے مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے الحمدللہ تین مرتبہ کہا، پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، پھر سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ آپ میری مغفرت فرمائیں، کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا، اس دعاء کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے بھی تبسم فرمایا تھا۔ میں نے بھی حضور اکرم ﷺ سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر واقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ لَکَ الْکِبْرِیَاءُ وَالْعَظَمَۃُ۔ (اے اللہ میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما دیں کیونکہ آپ کی ذاتِ اقدس کے سوا اور کوئی مغفرت کر ہی نہیں سکتا اے اللہ! میں تو تیری حمد ثنا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ تیرے ہی

لئے عظمت بڑائی اور کبریائی ہے)

راوی حدیث (۴۹۹) علی بن ربیعہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمہید :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے۔ موضعِ استشہاد یا ترجمۃ الباب سے مناسبت **فقلت من ای شئی ضحکت یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کس چیز سے ہنس پڑے) میں ہے، جس کی تفصیلی بحث گذشتہ احادیث میں عرض کردی گئی ہے ذیل میں بعض الفاظِ حدیث کی قدرے تشریح نقل کردی جاتی ہے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

حدیثِ زیر بحث میں حضور اقدس ﷺ کے ایک معمول کا بیان ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی خلافت کا دور تھا۔ **ان القضیۃ فی ایام خلافتہ** (جمع ج۲ص۲۶) آپ کہیں تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ **اتی بدابۃٍ**، تو آپ کے لئے سواری لائی گئی۔

لفظِ دابۃ کی تشریح :

دابۃ لغت میں **ما یدب علی وجہ الارض** (ہر وہ چیز جو روئے زمین پر حرکت کرے) کو کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اسی مفہوم میں مذکور ہے۔ **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا** (زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے) پھر عرف عام میں اسے ذوات الاربع کے ساتھ خاص کردیا گیا۔ **ثم خصھا العرف العام بذوات الاربع** (جمع ج۲ص۲۵)

فلما وضع رجلہ ...... مراد ارادہ ہے یعنی جب گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھنے کا ارادہ فرمایا، تو **بسم اللّٰہ** کہا، جار مجرور ارکب محذوف سے متعلق ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ عمل حضور اقدس ﷺ کی اتباع و پیروی میں کیا کہ آگے اس کی تفصیل نقل کردی گئی ہے۔ گویا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ عمل حضرت نوح علیہ السلام کے عمل سے ماخوذ ہے۔ **کما یدل علیہ حکایۃ عن نوح**

علیہ السلام قال ارکبوا فیھا بسم اللہ لان الدابۃ بالبر کالسفینۃ بالبحر (مواہب ص۱۶۹) (جیسے کہ قرآن مجید میں بطور حکایت نوح علیہ السلام کا قول اس پر دلالت کرر ہا ہے کہ اس کشتی میں اللہ کا نام لیکر سوار ہو جاؤ اس لئے کہ خشکی میں جانور پر سواری کا حکم بمنزلہ کشتی کے سوار کے سمندر میں ہونے پر) فلما استویٰ ... جب پیٹھ پر آرام سے بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ کس قدر عظیم نعمت ہے کہ ایک طاقتور گھوڑے کو اللہ نے ان کا مطیع وفرمانبردار بنا دیا ہے، علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وھی تذلیل ھذہ الدابۃ واطاقتہ لنا علی رکوبھا مع الحفظ عن شرھا (مواہب ص۱۶۹) یہ تمام اذکار بھی اللہ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہیں ، وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون لتستووا علی ظھورہ ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ (الآیۃ) (اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ چڑھ بیٹھو تم ان (کشتیوں اور چوپایوں) کی (سطح اور) پیٹھ پر پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت تو یاد کرو اور کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم ایسے (طاقتور اور ہنرمند) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ثم قال سبحن الذی ...... دعا میں اللہ کی تنزیہہ کا بیان ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات استواء علی الدابۃ کی طرح استواء علی مکان سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ شریک سے منزہ ہے، نیز وہ ہر قسم کے دابۃ وحیوان کی تذلیل کے عجز سے پاک ہے، وہ قادر ہے، جس نے اس گھوڑے کی طرح ساری کائنات کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔

مقرنین ای مطیقین (اتحافات ص۲۸۲) (مقرنین کا معنیٰ مطیقین ہے یعنی ہماری یہ طاقت نہ تھی کہ ہم ان جانوروں کو مسخر کر لیتے) و انا الی ربنا ای حکمہ و امرہ او قضائہ و قدرہ او جزائہ واجرہ (جمع ج۲ ص۲۵) (اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف یعنی اس کے حکم یا قضاء وتقدیر یا جزا اور اجر (کی طرف لوٹنے والے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ ربّنا سے پہلے مضاف محذوف ہے)

تکبیر وحمدلہ میں تثلیث کی حکمت :

ثم قال الحمد للہ ثلاثاً ای ثلاث مرات ' تکرار میں تعظیمِ نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ او

الاول لحصول النعمة والثانی لدفع النقمة والثالث لعموم المنحة (جمع ج۲ص۲۵) (یا پہلی بار الحمد للہ کہنا حصولِ نعمت پر اور دوسری بار عذاب اور تکلیف کے دفع ہونے پر اور تیسری بار بوجہ عموم عطا وکرم کے) واللہ اکبر ثلاثا اما تعظیمًا لھذہ الصنعة او الاول ایماء الی الکبریاء والعظمة فی ذاته والثانی للتکبیر والتعظیم فی صفاته والثالث اشعار الی انه منزہ عن الاستواء المکانی والاستعلاء الزمانی (جمع ج۲ص۲۵) (اور آپ ؐ کا تین بار اللہ اکبر کہنا یا تو اس کاریگری کی عظمتِ شان کے لئے یا پہلی بار تو اللہ کی ذات میں عظمت اور کبریائی کو اشارہ ہے اور دوسری بار میں اس کی صفات کی تعظیم و بڑائی کی طرف اور تیسری بار میں ذاتِ باری تعالیٰ کا استواء مکانی اور زمانی سے تنزیہ اور پاکی کا اظہار ہے)

سبحانک ...... ہوا اور زمین کی ہر سواری خواہ وہ حیوانات میں سے ہو یا گاڑی اور جہاز ہو پر سفر کرتے وقت مذکورہ دعائیں پڑھنا مسنون ہیں۔

البتہ کشتی یا پانی کے جہاز کے سفر میں بسم اللّٰہ مجرٖها و مرسٰها ان ربی لغفور رحیم (ھود: ۴۱) (اللہ کے نام کے ساتھ ہے چلنا اس کا اور تھمنا اس کا تحقیق رب میرا البتہ بخشنے والا مہربان ہے) پڑھنا مسنون ہے۔

تعجب بمعنیٰ محبت ورضا کے :

ان ربک لیعجب .... عجب یعجب کا لغوی معنیٰ تعجب کرنا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات تعجب سے منزہ ہے، کیونکہ تعجب کسی نامعلوم چیز کے علم میں آنے پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز معلوم ہے، چنانچہ یہاں معنیٰ ہے کہ اللہ اپنے بندے پر راضی ہو جاتا ہے۔ و عجب ربنا کنایة عن رضاه و سروره (اتحافات ۲۸۲)

حدیث سے ماخوذ افادات :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہیں اور وہ اس میں گھرا پڑا رہتا ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکرِ نعمت میں تکثیر و مداومت اختیار کرے ، ینبغی أن یکثر من شکر النعمة (اتحافات ص ۲۸۲)

وفی کلام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إشارة الی سعة مغفرة اللّٰہ ورحمته و رضوانه (اتحافات ص ۲۸۲) (صاحبِ اتحافات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور رضا مندی کی طرف اشارہ ہے)

(۹/۲۲۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كَانَ ضِحْكُهٗ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَعَهٗ تُرْسٌ وَ كَانَ سَعْدٌ رَامِيًا وَ كَانَ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّيْ جَبْهَتَهٗ فَنَزَعَ سَعْدٌ بِسَهْمٍ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئْ هٰذِهٖ مِنْهُ يَعْنِيْ جَبْهَتَهٗ وَانْقَلَبَ وَ شَالَ بِرِجْلِهٖ فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قُلْتُ مِنْ اَيِّ شَيْئٍ ضَحِکَ قَالَ مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عبداللہ انصاری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابن عون نے محمد بن اسود کے واسطہ سے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت عامر بن سعدؓ نے نقل کی۔ عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد سعدؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوۂ خندق کے دن ہنسے، حتی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے۔ عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لیے ہوئے تھا اور سعد گو بڑے تیر انداز تھے، لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر اُدھر کر لیتا تھا، جس کی وجہ سے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا۔ سعدؓ نے ایک مرتبہ تیر نکالا۔ جس وقت اس نے ڈھال سے سر اُٹھایا، فوراً ایسا تیر مارا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا، ٹانگ بھی اوپر کو اُٹھ گئی، پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کونسی بات پر انہوں نے فرمایا کہ سعدؓ کے اس فعل پر ۔

راویان حدیث (۵۰۰) عبداللہ بن عونؒ (۵۰۱) محمد بن محمد بن الاسودؒ اور (۵۰۲) عامر بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نقل روایت :

عامر اپنے والد حضرت سعدؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت سعد قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے، فرماتے ہیں کنت ثالث الاسلام و انا اول من رمٰی بسھم فی سبیل اللّٰہ (جمع ج۲ص۲۷) (کہ میں اسلام لانے میں تیسرا شخص تھا اور میں ہی پہلا وہ آدمی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا اور چلایا ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

لفظِ خندق معرب ہے...... لان الخاء و الدال و القاف لا تجتمع فی کلمة عربیة . (اتحافات ۲۸۳) (اس لئے کہ خاء دال اور قاف کا اجتماع کلمہ عربیہ میں نہیں ہوا کرتا) اور جعفر کے وزن پر حفیر حول اسوار المدینة (جمع ج۲ص۲۷) (خندق کا معنیٰ ایک طویل گڑھا جو مدینہ کی شہر پناہ کے اردگرد تھا)

الترس ! وھو ما یستتر به حال الحرب (اتحافات ص۲۸۳) (ترس (ڈھال) کی تعریف میں کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ جنگ کے حال کو چھپایا جائے) ایک روایت میں ترس کی جگہ قوس منقول ہے (مواہب ص۱۷۱) و کان سعد رامیًا (اور حضرت سعدؓ تیر انداز تھے) یہ اگر حضرت سعدؓ کا کلام ہے تو اس میں التفات ہے، کیونکہ وہ و کنت رامیًا (میں تیر پھینکنے والا) کہنے والے ہوتے۔ مراد اچھے تیر انداز ہونے کے ہیں ، وان کان من کلام عامر فلا التفات (مواہب ص۱۷۱) (اور اگر یہ عامر راوی کا کہنا ہے تو پھر اس میں التفات نہ ہوگا)

قول بمعنیٰ فعل :

و کان الرجل ! یہ حضرت سعدؓ کا کلام ہے کہ یہ رجل مشرک و کافر تھا، یقول کذا و کذا بالترسِ سے مراد یفعل کذا و کذا به ہے، یعنی وہ ڈھال دائیں، بائیں کر کے اپنی حفاظت کرتا تھا، ذکر قول کا ہے مراد فعل ہے اور یہ عرب میں مستعمل ہے ، والعرب تجعل القول عبارة عن جمیع الافعال و تطلقه علی غیر الکلام تقول قال بیده ای اخذ و قال برجله ای مشی و قالت به العینان سمعًا و

طاعة ای اومأت به و قال بالماء علی یده ای صبه و قال بثو به ای رفعه و قال بالترس ای اشار به و قلبه و قس علی هذه الافعال (مواہب ص ۱۷۱) (عرب کا یہ دستور وطریقہ ہے کہ وہ قول کا ذکر کر کے اس سے ہر قسم کا فعل مراد لیتے رہتے ہیں اور اس کا اطلاق غیر کلام پر کر لیتے ہیں مثلاً تو کہے گا قال بیده اور اس کا معنیٰ کرے گا اس نے اپنے ہاتھ سے اٹھایا یعنی (قال کو بمعنیٰ اخذ کے لیا) اور قال برجله کا معنیٰ مشی برجله (یعنی پاؤں سے چلا) کا کرتے ہیں اور قالت به العینان کا معنیٰ او مأت به کا کرتے ہیں یعنی آنکھوں سے اشارہ (فرمانبرداری کا کیا) اور قال بالماء علی یده کا معنیٰ صبه یعنی اس نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور قال بثوبه کا معنیٰ رفعه یعنی اس نے کپڑا اٹھایا اور قال بالترس کا معنیٰ اشار به وقلبه یعنی ڈھال سے اشارہ کیا اور اس کو الٹایا اور ایسے دوسرے افعال اس پر قیاس کیے جا سکتے ہیں)

وانقلب الرجل ای صار أعلاه أسفله و سقط علی إسته و شال برجله ای رفعها (مواہب ص ۱۷۱) (اور وہ شخص الٹا گرا یعنی اس کا اوپر کا حصہ نیچے ہوا اور وہ اپنی سرین پر گر پڑے اور اپنے پاؤں کو اوپر کیا)

حضور اقدس ﷺ کیوں ہنسے ؟

فضحک النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ! حضور اقدس ﷺ حضرت سعد کی تیراندازی قدرت کی مدد و یاوری، اور رجلِ کافر کے ماہرانہ کرتب کے باوجود تیر کے ہدف پر بیٹھنے پر ہنسے، چونکہ یہاں ہنسی کے متعدد احتمالات تھے، من رمی الرجل و اصابته اومن رفعه رجله و افتضاحه بکشفِ عورته (یا تو اس شخص (سعدؓ) کی ٹھیک تیراندازی سے یا اس کافر کے پاؤں اٹھ جانے اور کشفِ عورت کی وجہ سے شرمندگی ہونے سے) اس وجہ سے حضرت عامر نے حضرت سعدؓ سے استفسار کیا کہ آپؐ کے ہنسنے کا سبب کیا تھا۔ قال من فعله بالرجل ..... یعنی آپؐ حضرت سعدؓ کی تیراندازی اور ہدف کے نشانہ بننے کی مہارت پر فرحت و سرور سے ہنسے کہ اللہ کا دشمن ڈھیر ہو گیا۔ لامن رفعه لرجله حتی بدت عورته .

(مناوی ج ۲ ص ۲۸) (نہ اس کافر کے پاؤں اٹھانے اور کشف عورت ہو جانے پر)

حضرت عصامؒ کا قول ہے کہ آپؐ اللہ کی قدرت کے ظہور اور کافر کی عاجزی و درماندگی پر ہنسے کہ اسے ڈھال اور بچاؤ کی تدبیروں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے

ساتھ بھی ان کے کشفِ عورت یا کسی بھی نوعیت کی تحقیر وتذلیل، اور عار واہانت پر مشتمل کوئی ٹھٹھہ یا مذاق کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصۃ الباب :

احمد عبدالجواد الدومیؒ نے خلاصۃ الباب میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقد افادنا ان ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تبسمًا و ان الادب النبوی یقتضینا ان نقتدی به ما استطعنا الی ذلک من سبیل، إن القهقهة تذهب بالوقار، وتبعث فی الانسان السآمة و الملل (اتحافات ۲۸۳) (اور تحقیق ہمیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کا ہنسنا تبسم کی صورت میں ہوتا تھا اور حضور ﷺ کی یہ عادت اور خصلتِ مبارکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم سے جتنا ہو سکے ان عادات میں اس کی متابعت کی کوشش کرنی چاہئے اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قہقہہ انسان کے عزت ووقار کو ختم کر دیتا ہے اور انسان میں اکتاہٹ بے قراری دل تنگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے)

==================================

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِفَةِ مِزَاحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح اور دل لگی کے بیان میں

مزاح سنت ہے :

اس باب میں چھ ایسی احادیث درج کی جارہی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کی خوش مزاجی، بذلہ سنجی اور دل لگی کا بیان ہے۔ مزاح بھی حضور اقدس ﷺ کا ایک معمول اور سنت ہے، مگر اس میں آپؐ کبھی بھی وقار سے گری ہوئی یا دوسرے کو دکھ دینے والی یا غلط بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ خوش طبعی اور دل لگی کے لہجے میں صحیح اور حق بات فرمایا کرتے، جیسا کہ آنے والی احادیث میں خود آپؐ کا ارشاد منقول ہے کہ انی لامزح ولا اقول الا الحق (کہ میں مزاح اور دل لگی کرتا ہوں لیکن اس میں بھی حق اور صحیح بات کہتا ہوں) مزاح (بکسر المیم) ہو تو اس کا معنیٰ ہنسی اور انبساط ہوتا ہے۔ وھو بمعنیٰ الممازحۃ (اتحافات ص ۲۸۴) اور مُزاح (بضم المیم) ہو تو معنیٰ خوش طبعی اور دل لگی اور مذاق کا ہوتا ہے۔ وھو الانبساط مع الغیر من غیر تنقیص أو تحقیر لہ بأی لون من الالوان (اتحافات ص ۲۸۴) (وہ کسی سے ایسی خوش طبعی اور مذاق جس میں اس کی تنقیص وتحقیر کا پہلو نہ ہو چاہے پھر جس طرز میں ہو) صاحبِ مرقاۃ مزاح اور مسخرہ کا فرق ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ ثم المزاح انبساط مع الغیر من غیر ایذاء فان بلغ الایذاء یکون سخریۃ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (کہ مزاح ایسی دل لگی اور انبساط ہے جو کسی شخص سے بغیر اسی ایذاء دیے کی جاوے اور اگر اس میں ایذاء یا تحقیر وغیرہ ہو تو پھر مسخرہ ہوا)

مزاح سے ممانعت کے وجوہ :

باقی رہی یہ بات کہ بعض روایات میں آپؐ سے مزاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملا علی قاریؒ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی غرض سے امام نوویؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ مزاح جس کی نہی وارد

ہوئی ہے، وہ ہے جس میں افراط ہو اور ہمیشہ کیا جائے، وہ جو کہ زیادہ ہنسی کا باعث ہو، قساوتِ قلب کا سبب ہو، اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو، مہماتِ دینی سے توجہ ہٹادے، کینہ پیدا کرے اور وقار اور ہیبت کو گرادے۔ فانہ یورث کثرۃ الضحک و قسوۃ القلب' و یشغل عن ذکر اللّٰہ والفکر فی مہمات الدین، و یوجب الأحقاد' و یسقط المھابۃ والوقار (جمع ج۲ص۲۹) اور جو مزاح ان مذموم اُمور سے خالی ہو، دوسروں کی دلداری' خوش طبعی، فرحت وسرور اور انبساط ونشاط کا سبب ہو، وہ مستحب ہے۔

واما ماسلم من ھذہ الامور فھو المباح الذی کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یفعلہ علی الندرۃ لمصلحۃ تطییب نفس المخاطب و مؤانستہ وھو سنۃ مستحبۃ (جمع ج۲ص۲۹)

حضورِ اقدس ﷺ کے لئے مزاح ضروری ہونے کی غرض :

حضورِ اقدس ﷺ خوش طبع تھے۔ دوسرا یہ کہ آپ ؐ کے لئے مزاح وخوش طبعی کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ آپ ؐ کی عظمت ووقار اور رعب وشوکت اور ہیبت ودبدبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک ماہ کی مسافت تک اس کے اثرات پڑتے تھے، اگر آپ ؐ خوشی طبعی' دل لگی' مسکراہٹ اور مزاح نہ فرماتے' تو حاضرین وخدام اور مستفیدین کے لئے آپ ؐ کی عظمت ورعب کی وجہ سے بھرپور استفادہ مشکل تھا اور آپ ؐ کی اتباع میں اُمت کے علماء، صلحاء، مصلحین، اساتذہ، مربیین اور مشائخ بھی اسی سنت پر عمل کرکے کام کرتے، تو عامۃ الناس کے لئے افادہ واستفادہ بہت مشکل ہوجاتا۔ اس لئے آپ ؐ کو مزاح کا مزاج دیا گیا۔ **سئل بعض السلف عن مزاحہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال کانت لہ المھابۃ العظمیٰ' فلو لم یمازح الناس لما اطاقوا الاجتماع بہ والتلقی عنہ** (اتحافات ص۲۸۴) (بعض اسلاف کرامؒ سے حضور ﷺ کے مزاح کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ؐ کی ذاتِ اقدس تو ایک عظیم بارعب شخصیت تھی کہ اگر آپ ﷺ ان لوگوں سے کچھ خوش طبعی نہ فرماتے تو پھر ان کے لئے حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کی ہرگز طاقت نہ ہوتی) اس سلسلہ میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نمازِ تہجد کے بعد گھر میں کچھ (دل لگی کی) باتیں کرکے باہر تشریف لاتے تھے، تاکہ ان تجلیات کا اثر زائل ہوجائے، جس کا عامۃ الناس تحمل نہیں کرسکتے تھے (تقریری ترمذی)

مزاح آفت نہیں سنت ہے :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ رقمطراز ہیں کہ امامِ سفیان بن عیینۃ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت! مزاح بھی ایک آفت ہے، انہوں نے فرمایا نہیں ! بلکہ یہ سنت ہے، لیکن جو مزاح کو سمجھے بھی اور اپنے مواقع اور محل میں استعمال کرے قیل لسفیان بن عیینة: المزاح هجنة فقال بل هو سنة لكن لمن يحسنه ' ويضعه مواضعه (اتحافات ص ۲۸۶)

أفد طبعک المكدود بالجد راحة بجد و علله بشيءٍ من المزاح

ولكن اذا اعطيته المزاح فليكن على قدر مايعطى الطعام من الملح

(مواہب ص ۱۷۲)

(اپنی تھکی ماندہ طبیعت کو سنجیدگی سے آرام پہنچا اور اس کو کچھ مزاح وخوش طبعی کا عادی بنا لیکن اس کو اتنی خوش طبعی اور بے تکلفی عطا کر جتنا کہ کھانے میں نمک مناسب ہوتا ہے)

(۱/ ۲۲۸) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَانَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاذَا الْاُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُوْدٌ قَالَ اَبُوْ اُسَامَةَ يَعْنِيْ يُمَازِحُهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی ابو اسامہ نے شریک کی وساطت سے خبر دی ۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احول سے روایت کی حضرتِ انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک مرتبہ مزاحاً یاذاالاذنین فرمایا (اے! دو کانوں والے)۔

یاذا الاذنین کا مطلب :

حضرت انسؓ حضور اقدسؐ کے صحابی اور خادمِ خاص ہیں ۔ آنحضرتؐ نے انہیں یا ذاالاذنین سے خطاب فرمایا، جواز راہ مذاق وانبساط تھا۔ ایک طرف تو مذاق ہے اور دوسری طرف حق بھی' شاید اس

جانب اشارہ مقصود ہو کہ حضرت انسؓ ہر چیز پر کڑی نظر رکھتے اور اسے یاد رکھتے ہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تعلیم و ہدایت سن لیتے ہیں، اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں ، ویمکن ان یکون اشارة الی کمال انقیاده و حسن خلمته ۔(جمع ج۲ص۲۹)

توصیف بھی اور تعلیم بھی :

جو ایک مخلص خادم اور شب و روز کے ہمدم و رفیق کے لئے بہت ہی اچھا وصف ہے اور یہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انسؓ علم میں اور تحصیلِ علم میں حریص ہیں، بہت ہی عمدہ طریقے سے آپؐ کے ارشادات سنتے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ کان تو ہر انسان کے دو ہوتے ہیں، مگر مذکورہ خصوصی امتیاز کی وجہ سے انہیں یاذا الأذنین کہہ کر پکارا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کان چھوٹے ہونے میں یا بڑے ہونے میں دیگر لوگوں سے ممتاز ہوں۔ علامہ بیجوریؒ اور صاحبِ اتحافات نے یہی مفہوم مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کیا ہے)ای یا صاحب الاذنین السمیعتین الواعیتین الضابطین لما سمعتاه وصفه بذلک مدحًا لذکائه و فطنته۔(مواہب ص۱۷۲)ولعل اذنیه کانتا متمیّزتین بقصر او طول(اتحافات ص۲۸۵)

اس میں ایک سبق بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ تو دبستانِ رسول ﷺ کے ایک ادنیٰ طالب علم تھے، انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بیٹے ایا ذا الاذنین کہ دراصل کان وہ ہیں، جن سے حق بات سنی اور سمجھی جائے الحض و التنبیه علی حسن الاستماع (جمع ج۲ص۲۹) کفار کے بھی تو کان ہوتے ہیں، مگر قرآن نے گواہی دی ہے، وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا (اعراف:۷۹) کہ ان کے کان تو ہیں، مگر وہ سنتے نہیں۔

(۲/۲۲۹) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِیِّ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِی التَّیَّاحِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ اِنْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیُخَالِطُنَا حَتّٰی یَقُوْلُ لِاَخٍ لِّی صَغِیْرٍ یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی وَ فِقْهُ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ كَانَ يُمَازِحُ وَ فِيهِ أَنَّهُ كَنّٰى غُلَامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ يَا اَبَا عُمَيْرٍ وَ فِيهِ اَنْ لَا بَأْسَ اَنْ يُعْطِيَ الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ وَ اِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ لِاَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ فَيَلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد بن السری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت ابی تیاح سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرتِ انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ میل جول، مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اکرم ﷺ اس سے فرماتے یا اباعمیر ما فعل النغیر، ارے عمیر وہ نغیر کہاں جاتی رہی۔

راوی حدیث (۵۰۳) ابوالتیاحؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

اس روایت کے راوی بھی حضورِ اقدس ﷺ کے خادمِ خاص حضرتِ انسؓ ہیں۔ تحت اللفظ ترجمہ میں مفہومِ حدیث واضح ہے، قال ان کان ...... یہ اصل میں انه کان ہے، فأن مخففة من الثقیلة واسمها ضمیر الشأن (مواہب ص۱۷۳)

لیخالطنا ! قاموس میں ہے خالطه ای مازحه اس کا ثلاثی خلط یخلط خلطًا ہے۔ لغوی معنیٰ ملا دینا ہے۔ یہاں مراد مزاح اور مذاق ہے۔ ضمیر متکلم مع الغیر سے مراد حضرتِ انسؓ اور ان کا خاندان ہے کہ اس میں وہ اپنے بھائی کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں کہ وفیه کمال خلق النبی صلی الله علیه وسلم وان رعایة الضعفاء من مکارم الاخلاق وانه یستحب استحالة قلوب الصغار وادخال السرور فی قلوبهم و قد قال الله تعالیٰ وصفه الکریم فی کلامه القدیم و انک لعلیٰ خلق عظیم (حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۱۶) (کہ اس میں حضور ﷺ کے کمال اخلاق کا علم اور یہ کہ ضعیف اور کمزور لوگوں کا خیال رکھنا بھی اچھے اخلاق میں سے ہے نیز یہ کہ چھوٹے

بچوں سے خوش طبعی کرتے ہوئے ان کے دلوں میں خوشحالی پیدا کرنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے اخلاقِ کریمہ کو خلقِ عظیم کے امتیازی وصف سے بیان کرتے ہوئے **وانک لعلی خلقٍ عظیم** فرمادیا)

نغیر ! یہ **نغر** کی تصغیر ہے۔ اس کی جمع **نغران** ہے، سرخ چونچ والی چڑیا کو کہتے ہیں۔ **ھو طائر کالعصفور احمر المنقار و قیل ھو طائر له صوت و قیل ھو الصقر و قیل غیر ذلک والاشھر الاول** (مواہب ص ۱۷۳) علامہ بیجوریؒ نے نغیر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چڑیا کی مانند ایک پرندہ سرخ چونچ والا ہے اور بعض نے کہا کہ ایک خوش آواز پرندہ اور بعض نے کہا کہ شکرا ہے بعض نے کچھ اور کہا ہے لیکن پہلی بات زیادہ مشہور ہے) یہ ایک بلبل قسم کا پرندہ ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ لال سے اور بعض نے بلبل سے کیا ہے۔

استخراجِ مسائل :

حدیث میں بظاہر تو چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ مثلاً حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کو کنیت سے پکارا، جب اس کا پالا ہوا پرندہ (بلبل) مرگیا تو وہ مغموم تھا، آپ نے اسے چھیڑا، اور دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا وہ نغیر کیا ہوا، حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ مرگیا ہے۔

قال ابو عیسیٰ ! امام ترمذیؒ یہاں سے حدیث سے معلوم ہونے والے بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں بعض فقہاء نے تو آپ کے مزاح میں ارشاد فرمودہ اس ایک جملہ سے سو (۱۰۰) مسائل کا استخراج کیا ہے، جیسا کہ ابن القاصؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ **واعلم ان فوائد ھذا الحدیث تزید علی المائة افردھا ابن القاص بجزء** (مواہب ص ۱۷۳) کیا شان ہے حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کی ایک جملہ اور وہ بھی مذاق و مزاح کا اس میں بھی علوم اور معارف کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔

جوازِ مزاح پر استدلال :

وفقه الحدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جائز مزاح اور مذاق مستحب ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔ **کان یمازح** مخاطب کی تطییبِ نفس کے لئے آپ

مزاح کیا کرتے تھے...... ای لمصلحة تطییب نفس المخاطب و مؤانسته و ملاطفته و مداعبته و ذلک من کمال خلقه و مکارم اخلاقه و تواضعه و لین جانبه حتی مع الصبیان و سعة صدره و حسن معاشرته للناس (مواہب ص۱۷۳) (جس میں مخاطب سے انس و محبت پیدا کرنے اس سے نرمی کا معاملہ کرنے اور اس کو خوشحال رکھنے جیسے مصالح کے پیش نظر آپ ﷺ خوش طبعی فرمالیا کرتے حتی کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی اور یہی باتیں آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی بلندی اور کمالِ تواضع، ملاطفت، وسعتِ صدر اور لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی دلیل اور امت کے لئے سنہری اصول ہیں)

صغیر کو کنیت سے پکارنا جائز ہے :

وفیه انه کنٰی ! دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کو کنیت ابو عمیر سے پکارا، حالانکہ ابھی تو وہ بچہ تھا، تو حدیث سے اس بات کا جواب ہو گیا کہ یہ کذب نہیں بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ آپؐ نے ان کی یہ کنیت نغیر کی مناسبت سے رکھی۔ لطف و مزاح کے لئے، اور اب سے مراد ساتھی اور صاحب ہے۔ ابوالکلام' ابوالحسنات وغیرہ کہ یہاں نہ تو کلام کا باپ مراد ہے اور نہ حسنات کا' مراد صاحب ہے۔ نیز یہ تفاؤل بھی ہے کہ یہ بچہ زندہ رہے اور اللہ اسے باپ بنا دے، جیسے علامہ بیجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ وھو لا بأس به لأن الكنية قد تكون للتفاول بانه يعيش و يصير أبا لكونه يولد له (مواہب ص۱۷۳)

پرندوں کا پالنا :

وفیه انه لابأس ...... امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بھی ثابت اور معلوم ہو گیا کہ چھوٹے بچوں کا پرندوں کو پالنا یا ان کے لئے کسی دوسرے کا پالنا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ حفاظت' خدمت اور ان کے حقوق برابر ادا کئے جا سکیں۔ البتہ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں تعذیب الحیوان ہے اور وہ شرعاً منهی عنه ہے، شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ اس صورت میں تعذیب یقینی نہیں، بلکہ تحسین و رعایت قطعی ہے۔ عموماً پرندے پالنے والے ان کے اکرام و اطعام کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ انہیں ان سے محبت ہوتی ہے۔ ویقوم المؤنة علی الوجه اللائق فیجوز

تمکینه منه حینئذٍ والّا حرم (مواہب ص ۱۷۳) (اگر پرندہ پالنے والا اس کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتا ہے تو پھر اس کو اپنے پاس رکھنے کی گنجائش ہے ورنہ حرام ہے)

نیز اس سے چھوٹے بچوں کے لئے جائز کھلونے خریدنا اور ان کو دینے کا جواز بھی ثابت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جانور کا پالنا اور پنجرے میں بند رکھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ تعذیب الحیوان سے بچا جا سکے۔ اسی طرح ایک شخص گھر میں اکیلا رہ رہا ہے، یا بیمار ہے اور وہ پرندہ رکھ لیتا ہے تو دل بہلانے کے لئے یہ اس کے لئے جائز ہے۔

حرم مدینہ میں شکار کا مسئلہ :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرم مدینہ میں پرندہ کا پنجرہ میں رکھنا جائز ہے، تو اس کا شکار بھی جائز ہے۔ حدیث زیر بحث احناف کا مستدل ہے، جس میں حضورؐ نے ابوعمیر پر نکیر نہیں کی بلکہ اس میں دلچسپی لی اور اس کی دلداری کی۔ جبکہ شوافع حضرات حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ میں بھی شکار کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

سجع کا حکم :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات جب بلا تکلف بات بنے' مبالغہ آرائی مقصود نہ ہو اور لطف و دل لگی غرض ہو، تو کلام میں سجع بھی جائز ہے، جیسا کہ **یا ابا عمیر مافعل النغیر** سے ظاہر ہے۔ ہاں اگر مبالغہ آرائی غرض ہو اور تصنع و تکلف کرنا پڑے تو سجع ممنوع ہے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں

ویؤخذ من الحدیث جواز السجع و محل النهی عنه اذا کان فیه تکلف (مواہب ص ۱۷۳)

تصغیر اسماء بھی مباح ہے :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخاطب کو اس کے اسم مصغر سے بھی پکارا جا سکتا ہے۔ جب بے تکلفی ہو، مخاطب کو حظ و فرحت ہو، تحقیر و تذلیل، اور اعتراض و نکیر غرض نہ ہو بلکہ انبساط و انشراح' دل لگی اور باہمی موانست ہو، وفیه اباحة تصغیر الاسماء (جمع ج ۲ ص ۳۲)

(۳/۲۳۰) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدَّوْرِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَقِيْقٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو علی بن حسن بن شقیق نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن مبارک نے دی۔ انہوں نے یہ روایت اسامہ بن زید سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید مقبری سے سنی اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

راوی حدیث (۵۰۴) علی ابن الحسن بن شقیقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضورؐ کے مزاح پر صحابہؓ کا مکالمہ :

تداعبنا ! یہ **الدعابة** سے ہے **فکاهة** اور **مزاحة** کی طرح' **داعب** سے مصدر ہے، **مداعبة**' **مفاعله** کے وزن پر ہے۔

حضراتِ صحابہ کرامؓ کے سوال کی غرض یہ تھی کہ آپؐ ہی نے تو مذاق سے منع فرمایا ہے۔ **لا تمار اخاک ولا تمازحه ولا تعده موعدا فتخلفه** (مواہب ص ۱۷۴) (کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے جھگڑا اور مزاح نہ کیا کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو کہ پھر اس کی خلاف ورزی کر دیں) پھر آپؐ کی عظمتِ شان اور علوِ مقام بھی تو اتنا رفیع ہے کہ بظاہر تو مذاق اس کے شایانِ شان نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا کہ **انی لا اقول الاحقا ای مطابقاً للواقع** (مواہب ص ۱۷۴) میری عام بات اور میرا مذاق بھی وہی ہوتا ہے، جو واقع کے مطابق اور حق ہو' مبالغہ، استہزاء، تمسخر، دلآزاری نہیں بلکہ دل لگی، دل جوئی، خوش طبعی، موانست ومحبت اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، **فمن حافظ علی قول الحق مع بقاء المهابة والوقار فله المداعبة بل هی سنة** (مواہب ص ۱۷۴) (پس جو شخص اپنے مزاح میں حق بات کہنے

اور اپنے عزت وقار اور بارعب رہنے کی رعایت رکھے گا تو اس کے لئے تو خوش طبعی جائز ہے بلکہ سنتِ نبوی ﷺ ہے) یہ تو پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کے ایک مزاحی جملہ سے بھی محدثین نے سینکڑوں مسائل کا استخراج کیا ہے۔

(۲۳۱/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبۃ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خالد بن عبداللہ نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدسؐ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے، سائل نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں بچے کو کیا کروں گا (مجھے سواری کے لئے چاہئے) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک اونٹ کسی اونٹی کا بچہ ہوتا ہے۔

راوی حدیث (۵۰۵) خالد بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

والا بل اسم جمع لا واحد له من لفظه و هو بكسر تين و سمع تسكين الباء للتخفيف والنوق جمع ناقة و هى انثى الا بل قال ابو عبيدة لا تسمٰى ناقة حتى تجذع (مواہب ص۱۷۵)

سوال و جواب میں حزم و احتیاط کرنا چاہئے :

قصہ سارا تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ رجل' کوئی صاحب ضرورت سادہ بزرگ تھے۔ و كان به بله (مواہب ص۱۷۴) استحمل بابِ استفعال سے ہے۔ اس میں طلب کے معنیٰ پائے جاتے

ہیں، یعنی سواری طلب کی کہ انہیں کہیں سفر درپیش تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا انی حاملک علی ولد ناقة (میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا) اور بعض نسخوں میں ولد الناقة بھی آیا ہے۔ آپ ؐ کے اس جملہ مبارک سے اولِ وہلہ میں بظاہر یہی متبادر بھی ہوتا ہے کہ آپ ؐ اسے اونٹ کا چھوٹا بچہ دینے کا فرما رہے ہیں۔ یتبادر منه ماهو الصغير من اولاد الابل ، حالانکہ اسے تو سفر درپیش ہے۔ اسے بچہ نہیں اونٹ چاہیئے، مگر حضور ؐ نے ایسا جملہ لطافت، دل لگی اور موانست کے لئے اختیار فرمایا مداعبة و ملاطفة و مباسطة له (مواہب ص ۱۷۴)

اس حدیث میں ایک تو آپ ؐ کا لطیف مزاح مذکور ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ غور وفکر کرنے کے بعد سوال کرنا چاہیئے اور جواب پر بھی غور وفکر کرنا چاہیے۔ ملا علی قاریؒ شرح حدیث میں فرماتے ہیں، فكانه يقول له لو تدبرت فى الكلام لعرفت المرام ففيه مع المباسطة له الاشارة الى ارشاده و ارشاد غيره بانه ينبغى لمن سمع قولاً ان يتامله و لايبادر الى رده الا بعد ان يدرک غوره (جمع ج ۲ ص ۳۵)(حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (گویا حضور ﷺ اس کو کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ نے میری بات میں کچھ غور وفکر کیا ہوتا تو آپ مقصد کو جان لیتے آپ ؐ نے اس کہنے میں خوش طبعی کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اور ایسے دوسرے لوگوں کی یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کو سنے تو مناسب ہے کہ اس میں تدبر اور غور وفکر کرے اور اس کے جلدی جواب دینے اور رد کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے)

(۲۳۲/۵) حَدَّثَنَا اِسۡحٰقُ بۡنُ مَنۡصُوۡرٍ حَدَّثَنَا عَبۡدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعۡمَرٌ عَنۡ ثَابِتٍ عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنۡ اَهۡلِ الۡبَادِيَةِ كَانَ اسۡمُهٗ زَاهِرًا وَ كَانَ يُهۡدِىۡ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِّنَ الۡبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنۡ يَّخۡرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَ نَحۡنُ حَاضِرُوۡهُ وَ كَانَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ سَلَّمَ يُحِبُّهٗ وَ كَانَ رَجُلًا دَمِيۡمًا فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ

يَوْمًا وَ هُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهُ وَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِىْ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُوْمَا اَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَشْتَرِىْ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِىْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معمر نے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ثابت سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے جن کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ جب حاضر خدمت ہوتے، جنگل کے ہدایا سبزی ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد ونوش کا ان کو عطا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے، اور ہم اس کے شہر ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا۔

زاہر کچھ بدشکل بھی تھے، ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں، انہوں نے کہا ارے ! کون ہے، مجھے چھوڑ دے لیکن کن انکھیوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور ﷺ کو پہچان لیا، تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینۂ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبس رہے ہزار نعمتوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے، جو اس غلام کو خریدے۔ زاہرؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ! اگر آپ مجھے فروخت فرمادیں گے تو کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اللہ کے نزدیک تو تم کھوٹے نہیں ہو، بلکہ بیش قیمت ہو۔

بارگاہِ نبوت میں دیہاتی ہدایا :

مضمون حدیث اور حضور اقدس ﷺ کے قولی مزاح کی طرح عملی مزاح کا ایک نمونہ بھی تحت اللفظ ترجمہ میں قارئین کے سامنے آ گیا ہے۔ان رجلاً من اھل البادیۃ یہ صاحب حضورِ اقدس ﷺ کے جلیل القدر بدری صحابی حضرت زاہر بن حرام اشجعی ہیں، جن سے آپؐ کو بے تکلفی تھی۔ دیہاتی آدمی تھے، جب حاضرِ خدمت ہوتے، تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دیہاتی ہدیہ لایا کرتے تھے، ہدیہ دیہاتی ظاہر ہے سبزیاں، ساگ اور پودینہ وغیرہ ہوا کرتا تھا ھدیۃ من البادیۃ ای حاصلۃ منھا مما یوجد فیھا من الازھار والاثمار والنبات وغیرھا (جمع ج۲ص۳۵) یہ ہدایا آپؐ ان سے قبول کرتے تھے، لانھا تکون مرغوبۃ عزیزۃ عند اھل الحضر (مواہب ص۱۷۵) (اس لئے کہ سبزیاں پھول اور میوے وغیرہ شہریوں کو پسند اور مرغوب ہوتے ہیں)

حضورِ اقدس ﷺ کے ہدایا :

فیجھزہ یعنی پھر جب واپس جاتے تو حضورِ اقدس ﷺ بھی ان کے لئے اُن کے مناسبِ حال شہری ضرورتوں کی تکمیل کر دیا کرتے تھے۔ضروری برتن اور اہم اشیاء انہیں مرحمت فرماتے ' مما یعینہ علی کفایتھم والقیام بکمال معیشتھم (مواہب ص۱۷۵) (جو ان کی کمالِ معیشت اور برتاؤ میں معین ومددگار ثابت ہوتے)

آپؐ کا قولی مزاح :

ان زاھراً بادیتنا ' یہ حضورِ اقدس ﷺ کے قولی مزاح کی مثال ہے، جو حق ہے۔آپ فرمایا کرتے کہ زاہرؓ ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں' ای نستفید منہ مایستفید الرجل من بادیتہ من انواع النباتات فصار کانہ بادیتہ و قیل من اطلاق اسم المحل علی الحال او علی حذف المضاف ای ساکن بادیتنا کما حقق (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی ہم اس سے وہ چیزیں حاصل کرتے ہیں جو کوئی شخص ان کو دیہات سے حاصل کرتا ہے یعنی سبزیاں

میوہ وغیرہ تو گویا زاہرؓ ہمارا دیہات ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ از قبیل ذکر محل (دیہات) اور مراد حال (یعنی جو اس میں ہوں سبزیاں وغیرہ) کے ہے۔ یا پھر یہاں مضاف محذوف ہے یعنی لفظِ ساکن دراصل عبارت ان زاهراً ساكن باديتنا ہوگا یعنی زاہرؓ ہمارے دیہات کے رہنے والے ہیں)

ونحن حاضروه ! اى اهل النبوة اوالجمع للتعظيم حاضروه ! اى حاضر و المدينة له و فيه كمال الاعتناء به و الاهتمام بشأنه (جمع ج۲ص۳۶) (نحن حاضروه۔ یعنی ہم اہلِ نبوت اس کے شہر ہیں یا یہ جمع صرف تعظیم کے لئے ہے مراد آپ ﷺ ہیں اس کہنے میں حضرت زاہرؓ کی شان کا اہتمام بخوبی معلوم ہو رہا ہے)

ہدیہ میں اسوۂ حسنہ :

مراد یہ ہے، ہم ان کو یہاں سے وہ چیز عنایت فرماتے ہیں، جنہیں انہیں اپنے دیہات میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں اُمت کے لئے یہ ارشاد و پیغام ہے کہ ہدیہ کے مقابلہ میں اسی کے برابر بلکہ اس سے بہتر ہدیہ دینا چاہئے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں فانما هو ارشاد لـلامة الى مقابلة الهدية بمثلها او خير منها. (مناوی ج۲ص۲۶)

مدارِ قبولیت حسنِ باطن پر ہے :

وكان ... حضورِ اقدس ﷺ حضرت زاہرؓ سے محبت کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے تهادوا تحابوا یہ جملہ آئندہ آنے والی عبارت کے لئے بمنزلہ توطۂ وتمہید ہے، وكان رجلاً یہ اُن لوگوں میں سے تھے، جن کے بارے قرآن نے رِجَالٌ لَّاتُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور:۳۷) (وہ ایسے مرد کہ نہیں غافل کرتی ان کو سوداگری اور نہ بیچنا، یادِ خدا سے) گواہی دی ہے، دميما ! اى قبيح الصورة مع كونه مليح السيرة (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی بدصورت ہونے کے باوجود نیک سیرت تھے) اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بارگاہِ قدس میں قبولیت کا مدار حسنِ باطن پر ہے، حسنِ ظاہر پہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان الله لاينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم (بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالداری کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں اور اعمال پر نظر رکھتے ہیں)

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

حضورِ اقدس ﷺ کا فعلی مزاح :

فاتاہ …… بہرحال حضرت زاہرؓ صورت میں جیسے بھی تھے، سیرت میں اجمل واکمل تھے، وہ بادیہ سے آتے تو بازار میں دیہاتی چیزیں فروخت کرکے اپنی ضروریات بازار سے خرید کر واپس تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کا بازار جانا ہوا تو حضرتِ زاہرؓ اتفاق سے بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے، **و متاعه كان قربة لبن و قربة سمن** (مواہب ص۱۷۶) (اوران کا سامان ایک مشکیزہ دودھ کا اور ایک مشکیزہ گھی کا تھا) اور اپنے کام میں انہماک تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دنیوی کام میں منہمک دیکھا تو پیچھے سے آئے اوران کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا، تاکہ آپؐ کو پہچان نہ سکے **و اخذ عينيه بيديه كيلا يعرفه** (جمع ج۲ص۳۶) اور پیچھے سے انہیں اپنے ساتھ ملا کر دبوچ لیا اور گود میں لے لیا احتضان کا معنی گود میں لینا ہے۔

اى ادخله فى حضنه و هو مادون الابط الى الكشح و جاء من ورائه و ادخل يديه تحت ابطيه (مواہب ص۱۷۶) (یعنی حضور ﷺ نے حضرت زاہرؓ کو اپنے حضن میں لیا (حضن بغل سے نیچے پہلو تک جگہ کا نام ہے) یعنی آپ ﷺ اس کے پیچھے سے آئے اوران کے دونوں ہاتھ اس کی بغل کے نیچے ڈالے) آگے قصہ بڑھانے سے پہلے یہ بھی واضح کردیا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بازار میں داخلہ اور حسنِ مخالطت جائز ہے۔ **يؤخذ منه جواز دخول السوق و حسن المخالطة** (مواہب ص۱۷۶)

تقاضائے عشق ومحبت :

فالتفت …… پس جب انہوں نے آنکھوں کے کناروں سے آپؐ کو پہچان لیا، **اى عرفه بنعت الجمال على وجه الكمال** (جمع ج۲ص۳۶) (یعنی جب حضرت زاہرؓ نے آپ ﷺ کو پوری طرح حسن وجمال کی صفت کے ساتھ پہچان لیا) تو اپنی پیٹھ کو بڑے اہتمام کے ساتھ پیچھے کرکے آپؐ

کے سینہ مبارک سے ملنے لگے۔ تبرکاً و تلذذاً به و تدللاً علی محبوبه (بطورِ تبرک تلذذ اور اپنے محبوب پر ناز برداری کے لئے) ظاہر ہے کہ اس وقت وہ آپؐ کے ہاتھوں میں بندھے ہوئے تھے، ورنہ مقتضاءِ عشق و محبت اور کمال ادب تو یہ تھا کہ ان یقع علی رجلیه و یقبلهما بمقلتیه و یتبرک بغبار قدمیه و یجعله کحل عینیه۔ (وہ حضور ﷺ کے قدموں مبارک پر گر کر آنکھوں سے چومتے اور آپ ﷺ کے قدموں کی غبار کو تبرکاً اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیتے) (جمع ج۲ ص ۳۷)

هذا العبد کی بحث :

جب انہوں نے آپؐ کو پہچان لیا تب آپؐ نے مزاحاً فرمایا من یشتری هذا العبد (یہ غلام کون خریدے گا) یہ جملہ بھی خلافِ واقع نہیں ہے کہ بعض نسخوں من یشتری العبد آیا ہے، جو بغیر اسم اشارہ کے ہے، گویا یہ ایک عام جملہ ہوا۔ حضرت زاہرؓ کی طرف اشارہ نہیں۔ مگر دیکھنے والا حضرت زاہرؓ کو ہی عبد سمجھ رہا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اشتراء اور عبد کے ظاہری معنیٰ متروک ہیں، کیونکہ نبی کا یہ حق ہے کہ عبد کو حر اور حر کو عبد قرار دے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۝ (الاحزاب: ٦) نبی بہت شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی) یا پھر عبد کا معنیٰ عام ہے، کیونکہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا عبد ہے ووجه تسمیته عبدا واضح فانه عبدالله (جمع ج۲ ص ۳۷) (اور حضرت زاہرؓ کو عبد کہنے کی وجہ تسمیہ تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بندے تو ہیں) و کما فی قوله تعالیٰ اِنْ کُلُّ مَنْ الی قوله تعالیٰ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم:۹۳) (اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نہیں کوئی شخص کہ بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے مگر آتا ہے رحمٰن کے پاس بندہ ہو کر) اسی طرح اشتراء کا لفظ بعض اوقات اختیار کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... (التوبہ:۱۱۱)

گویا اس جملہ میں ایک گونہ توریہ ہے اشتراء کا معنیٰ قریب تو خریدنا اور بیچنا ہے۔ مگر آپؐ نے اس کا معنیٰ بعید اختیار فرمایا ہے، بمعنی اختیار کے، ای من یقابل هذا الانسان بالاکرام مع انه دمیم و من اهل البادیة (جمع ج۲ ص ۳۷) (کون پسند کرے گا اس انسان (زاہرؓ) کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنا باوجود یہ کہ وہ خوبصورت بھی نہیں اور دیہاتی ہے)

حضرت زاہرؓ کی انکساری :

فقال یا رسول الله اذًا ! اس جملہ میں حضرت زاہرؓ کس قدر عجز و انکسار ظاہر کر رہے ہیں جواب و جزاء لِشرط محذوف ای ان بعتنی اذا ' کاسدًا ای متاعًا رخیصاً او غیر مرغوب فیه (جمع ج۲ص۳۷) (اذا کاسداً الخ یہ جملہ جواب اور جزا شرطِ محذوف ان بعتنی کے لئے ہے یعنی اگر آپ ﷺ نے مجھے بیچا تو میں تو بے کار اور سستا سامان ہوں جس کو لوگ پسند بھی نہیں کرتے) کہ یہ زشت رو تو بہت کم قیمت ہے، مگر نگاہِ نبوت میں اس زشت رو کی کتنی قیمت ہے' فرمایا لکن عند الله لست بکاسدٍ' او قال ،انت عندالله غال (لیکن تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یا آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کے نزدیک بڑا قیمتی ہے) یہ راوی کو شک ہے کہ آپ ؐ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلص دوست کی مناسب مدح جائز ہے ۔ فیؤخذ منه جواز مدح الصدیق بماینا سبه (مواہب ص۱۷۶)

مزاحِ نبوت' علوم و معارف کا گنجینہ :

حضورِ اقدس ﷺ کا مزاحِ مبارک بھی علوم و معارف کا گنجینہ ہوا کرتا تھا۔ اس ایک مزاحی قول و فعل سے بھی دسیوں فقہی مسائل کا علماء نے استخراج کیا ہے۔ اساتذہ' دورۂ حدیث کے طلبہ اور اربابِ ذوق کے لئے امام شیخ عبدالرؤف مناویؒ کے نقل کردہ بعض استخراجی مسائل بھی نقل کردیے جاتے ہیں۔

و فیه جواز مصادقة اهل البادیة و محبتهم ' و دخول السوق و اعتناق من یحبه من خلفه و لایبصره ' و تسمیة الحر عبدا و حسن المخالطة ' و مواساة الفقراء و علم الالتفات الی الصور ان الله لا ینظر الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم ' ورفع الصوت فی مقام العرض علی البیع ' وعلم المبالات بمنع الماخوذ علی اخذه فی مقام المداعبة و جواز مداعبة الادنی مع الاعلی و مدح الصدیق بما یناسبه والاخبار بالعلم بمحبة من یحبک ' و قبول الهدیة و المکافلة علیها و ذلک معروف من عادته صلی الله علیه وسلم ' اما العمال بعده

فیحرم علیھم قبولھا الا ماالستثنیٰ فی محله ' والاخبار بقدر من له قدر عند الله و غیر ذلک و ذلک کله من فوائد مزاح ذلک الجناب الافخم صلی الله علیه وسلم فمزاحه لیس مزاحاً الا باعتبار الصورة اذ لا یخلو عن بشری فاضلة او مصلحة شاملة او فائدة کاملة فھو بالحقیقة غایة الجد و من ذلک ممازحته لعائشة و مسابقته لھا و تراخیه حتی سبقته کما رواہ فی العلل عنھا فانه مع ما فیه من الملاطفة والمجابرة فیه ریاضة تنفع البدن و تفریح یذھب الحزن (مناوی، ص:۳۷،۳۸) (دیہاتیوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا ثبوت بازار کو جانے اور اپنے محبوب کے ساتھ پیچھے سے ایسا معانقہ کرنا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ پائے کا جواز اور ایک آزاد کو عبد کہنا اور اچھی مخالطت (ملنا جلنا) اور فقیروں کی غمخواری اور کسی کی صرف صورت کو مدنظر نہ رکھنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پیش نظر رکھنا کہ اللہ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال پر ہی نظر رکھتے ہیں اسی طرح کسی چیز کی فروخت کے وقت آواز بلند کرنا اور خوش طبعی ادنیٰ کی اعلیٰ کے ساتھ کا جواز اور اپنی دوست کی مناسب طریقہ پر مدح وتعریف کرنا اور محبوب کو اپنی محبت بتلا دینا اور ہدیہ قبول کر لینے اور اس کا بدلہ دینے کا جواز ۔۔۔۔اور یہ تو حضور ﷺ کی عادتِ معروفہ تھی رہا بعد کے عمال وغیرہ کا معاملہ تو ان کے لئے لوگوں سے ہدایا اور تحفے قبول کرنا ٹھیک نہیں مگر جن صورتوں کی استثناء اپنے محل میں ہوئی ہے اور اسی طرح جن کی اللہ تعالیٰ کے پاس قدر ومنزلت ہو ان کو ان کے درجہ اور مرتبے کی خبر دینا وغیر ذلک ۔ یہ سب مسائل وفوائد حضور ﷺ کے مزاح کرنے ہی سے مستنبط ہوئے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مزاح صرف صورۃً مزاح ہوتا (کیونکہ آپ ﷺ کا مزاح بشارتِ فاضلہ، مصلحتِ عامہ یا پھر فائدہ کاملہ سے خالی نہ ہوتا) ورنہ حقیقت میں وہ انتہائی حق وصدق پر مشتمل ہوتا تھا اور اسی نوعیت سے ہے مزاح اور خوش طبعی ۔ آپ ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اور مسابقت یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑنا اور پھر آپ ﷺ کی تاخیر وتراخی تاکہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ جائے جیسے کہ کتاب العلل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے دیکھو اس میں ان کی آپس میں ملاطفت اور مجابرت کے ساتھ ساتھ ایسی ورزش بھی ہے جو بدن کے لئے نافع اور ایسی تفریح بھی جو حزن اور غمگینی کو ٹالنے والی ہے)

غیر اللہ میں اشتغال، خواہشات کی بندگی ہے :

امام مناویؒ نے مزید حکم واسرار بھی نقل کئے ہیں، کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت زاہرؓ کو دیکھا کہ وہ دل کی گہرائیوں سے کاروبارِ دنیا میں مشغول ہیں، تو آپؐ پر یہ شاق گذرا کہ آپ کا ایک محبِّ صادق حُبِّ دنیا کے قعرِ مذلت میں غرق ہو جائے اور اس کا دل ذکرِ حق سے غافل ہو، تو آپؐ نے اُن کو اپنی گود میں لیا، دبوچا، جس طرح ہلاکت کے گڑھوں کے کناروں پر کھڑے ہوئے گرنے والوں کو پکڑا جاتا ہے، تو آپؐ نے اسے پکڑا اور من یشتری هذا العبد کہہ کر اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ دنیاوی اُمور میں منہمک ہو کر عبد الدینار والدراهم (درہم ودینار کی غلامی) کے راستے پر چل پڑا ہے۔ دنیاوی خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔ اشارة الی ان من شغل بغیر اللّٰه فهو عبد هواء (مناوی ج۲ص۳۸) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو بھی اللہ کے سوا دوسرے امور میں ہمہ تن مشغول ہو جائے وہ خواہشات نفسانی کا غلام ہے)

حضرتِ زاہرؓ نے بھی دیکھا کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے صفائے باطن میں اضافہ ہوا، تجلیاتِ ربانی کا دل میں مسکن بنا، تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ مزید حصولِ نور کے لئے اپنے کو آپؐ کے جسدِ اقدس سے ملنے لگا۔ بل اجتهد فی تمکین صدره بصدر ذلک الصدر الاعظم لیزداد امدادا (مناوی ج۲ص۳۸)

(۲۳۳/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُبَارَكُ بْنُ فُضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَتَتْ عَجُوْزٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُدْخِلَنِيَ الْجَنَّةَ فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِيْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے

مصعب بن مقدام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مبارک بن فضالہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسن سے سُنی ۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ مجھے جنت میں داخل فرما دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی ۔ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی ۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس سے کہدو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی ، بلکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ سب اہل جنت عورتوں کو نوعمر کنواریاں بنادیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول انا انشأنا ھن انشاءً ٥ فجعلنٰھن ابكارًا ٥ الأية میں اس کا بیان ہے، جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) (یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں، صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں)

راویان حدیث (۵۰۶) المبارک بن فضالہ ؒ اور (۵۰۷) الحسن ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ عجوز کی تشریح :

قصہ تو سارا تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہو گیا ہے۔ أتت عجوز ایک بوڑھی خاتون' یہ خاتون صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں، جو زبیر بن العوام کی والدہ تھیں، وعمة النبی صلی الله علیه وسلم ذكره ابن حجر (مواہب ص ۱۷۷) (اور حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں ابن حجرؒ نے اس کو ذکر کیا ہے) عجوزة نہ کہا کہ یہ لغت متروک ہے، ولا تقل عجوزة اذھی لغة ردیئة (جمع ج ۲ ص ۳۸) قرآن میں بھی لفظِ 'عجوز' مذکور ہے۔ حضرت سارۃ زوجۂ حضرتِ ابراہیمؑ نے اس لفظ کو اپنے حق میں استعمال فرمایا تھا۔ جب فرشتے نے ان کو بیٹے کی بشارت دی تو کہنے لگی يٰوَيْلَتٰٓى ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا (ہود: ۷۲) (ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہوسکتی ہے، میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بڑے عمر کے ہیں) لفظِ عجوز کا اطلاق عورتوں کی طرح مردوں پر بھی ہوتا ہے۔ گویا جنت میں داخلے کے وقت عورتوں کی طرح مرد بھی جوان بنادیئے جائیں گے۔

مسلمان مرد اور خواتین، جوان ہو کر جنت میں داخل ہوں گے :

جب بارگاہِ نبوت میں حاضری کے بعد اس خاتون نے آپ ؐ سے جنت میں داخلے کے لئے دعا کی درخواست کی، تو آپ ؐ نے اُن سے فرمایا، اِن الجنة لاتدخلها عجوز (کہ جنت میں تو بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوں گی) آپ کا یہ ارشاد مذاق و مزاح ہے اور حق ہے۔ قالها ممازحة و مداعبة لها (اتحافات ص ۲۸۸) (آپ ﷺ نے اس کو بطورِ مزاح اور خوش طبعی کے کہا) وہ خاتون آپ ؐ کے ارشاد مبارک کی حقیقت کو نہ سمجھ سکی اور خود کو جنت سے محروم تصور کر کے بے قرار ہو گئیں۔ فولت تبکی، روتی ہوئی واپس لوٹی فجزعت المرأة فولت باكية (اتحافات ص ۲۸۸)

تب حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک کی وضاحت فرمائی کہ جنت میں کوئی خاتون بھی بڑھاپے کی حالت میں نہیں پہنچے گی، بلکہ اللہ پاک اسے جوانی کی حالت میں لوٹا دے گا۔ اسی طرح مسلمان مردوں کا حال ہوگا۔ ہر خاتون اور ہر مرد کو تیس پینتیس سال کی عمر دیدی جائے گی۔ بل یرجعها الله شابة بكراً جميلة هي والنساء المسلمين (اتحافات ص ۲۸۸) (بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو اور باقی مسلمان عورتوں کو باکرہ اور حسین و جمیل شکلوں میں جنت میں داخل فرماویں گے) اس کے استدلال میں آپ ؐ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ اِنَّآ اَنشَاْنٰهُنَّ اِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (واقعہ: ۳۶،۳۵)

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ صِفَةِ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الشِّعْرِ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات در باب اشعار

غرضِ انعقادِ باب :

اس باب میں مصنفؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جن اشعار کا پڑھنا یا سننا احادیث میں آیا ہے، وہی یہاں نقل کر رہے ہیں۔

شعر و شاعری اور اس کا شرعی حکم :

شِعر بالکسر کا لغوی معنیٰ ادراک ہے اور شعراء کی اصطلاح میں وہ موزون کلام ہے، جس میں ردیف قافیہ اور وزن ہو اور قصداً ایسا بنایا گیا ہو هو الكلام الموزون المقفى قصداً (اتحافات:۲۹۰) جب ہم قصداً کی قید لگاتے ہیں، تو قرآن و حدیث کے ایسے تمام جملے جو وزنِ شعر پر برابر اترتے ہیں سے احتراز ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ شعر نہیں ہیں، اس سے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی سامنے آجاتی ہے کہ آپؐ جب نثر میں اتنا عمدہ کلام کر لیتے تھے، جو وزنِ شعر کی طرح از خود غیر ارادی طور پر موزون ہو جاتا تھا، اگر قصداً شعر پر توجہ دیتے تو کتنے عمدہ اشعار بنا سکتے تھے۔

شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں :

مگر یہ آپؐ کے شایان نہ تھا وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ (یٰسٓ:۶۹) (نہ تو ہم نے اس کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے)

قرآن مجید کے بارے میں رب العالمین کا اعلان ہے، وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقۃ:۴۱) (یہ کسی شاعر کا قول نہیں)

مذموم اشعار :

پس جو اشعار حقیقت پر مبنی ظنیات اور وہمیات سے مبرا' مبالغہ اور کذبات سے پاک ہوتے ہیں، ان کا بنانا' پڑھنا اور سننا وسنانا جائز ہے، مگر جو اشعار وہمیات ظنیات، مبالغوں اور کذبات پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ مذموم وممنوع ہیں۔ شعر مذموم وہی ہے، جس میں خلافِ واقعہ اُمور اور تخیلات وتصورات نمایاں ہوں، جذبات کی انگیخت ہو اور فحش اُمور کی ترغیب ہو، صاحب اتحافات فرماتے ہیں کہ ولعل الشعر المذموم هو المبلوء بالتشبيب المفضوح' والملئى بتحسين غير الحسن و ذم الحسن من الأمور (اتحافات ص ۲۹۰) متنبّی شعر کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں ......

لاتحسبن الشعر فضلا بارعا ما الشعر الا هجنة و خيال

الهجو قذف ، والرثاء نياحة والعتب ضغن والمديح سوال

(ضرور بضرور شعر وشاعری کو فضیلت میں یکتا ہونا گمان نہ کر شعر تو غلط کلام اور خیالات ہی ہیں مثلاً ہجو تو تہمت لگانا اور مرثیہ رونا دھونا ہے اور عتاب تو کینہ پروری اور مدح سوال اور مانگنا ہے)

قرآن میں شعراء کا تذکرہ :

اس لئے قرآن نے بھی حضور اقدس ﷺ سے شعر کی نفی ہے اور قرآن میں ایسے اشعار اور شعراء اور ان کے متبعین کی مذمت ہے، جو گندے اشعار بناتے، سناتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ o اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ o (الشعراء:۲۲۵) (شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں، جو بھکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں)

اچھے اشعار :

حضرتِ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ سے شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، الشعر كلام حسنه حسن و قبيحه قبيح (اتحافات: ۲۹۰) (مشکوٰۃ ص ۴۱۰) (شعر ایک ایسا

کلام ہے کہ اس کا اچھا تو اچھا ہے اور اس کا بُرا بُرا ہی ہوگا) حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ و إن مِن البيان لسحرا، وإن من الشعر لحكمة و قال عمرؓ تعلموا الشعر ،فان فيه محاسن تبتغى ، و مساوئ تتقى (اتحافات ص ۲۹۰) (بعض بیانات البتہ جادو اثر ہوتے ہیں اور اشعار میں سے بعض دانائی اور حکمت کی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اشعار سیکھا کرو اس میں بعض ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو تلاش کی جاتی ہیں یعنی ضرورت ہوتی ہے اور بعض ایسی برائیاں بھی ہوتی ہیں جن سے بچا جاتا ہے)

(۲۴۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قِيْلَ لَهَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْئٍ مِّنَ الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَ يَتَمَثَّلُ وَ يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت مقدام بن شریح سے ان کے باپ کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں مثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہؓ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے، و ياتيک بالاخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے، جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔

راویان حدیث (۵۰۸) المقدام بن شریحؒ (۵۰۹) عن ابیہؒ اور (۵۱۰) ابن رواحۃؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ﷺ اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے :

هل كان النبى صلى الله عليه وسلم يتمثل بشئى من الشعر...... حضرت عائشہؓ سے

دریافت کیا جارہا ہے کہ کیا حضورِ اقدس ﷺ نے کبھی کوئی شعر پڑھا ہے؟ اصلاً بات یہ ہے کہ آپؐ نے نہ تو شاعری کی اور نہ کبھی از خود قصداً شعر موزون فرمایا اور نہ شاعری کو باعثِ افتخار جانا، بلکہ صاف ارشاد فرمایا، ماانا بشاعرٍ ہاں کبھی کبھار مناسب موقع پر ایک آدھ شعر پڑھ دیتے تھے، جیسے کہ آپؐ نے غزوہ خندق کے موقعہ پر چند اشعار پڑھے۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایات میں ان کا ذکر ہے۔ البتہ اشعار سن لیا کرتے تھے اور اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان یتمثل بشعر ابن رواحۃ۔

حضوراقدس ﷺ کا ایک محبوب مصرعہ :

ویتمثل و یقول ...... حضوراقدس ﷺ کبھی کبھار یہ مصرعہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے و **یاتیک بالاخبار من لم تزود** یعنی تیرے پاس کبھی کوئی ایسا شخص بھی خبریں لے آیا کرے گا، جس کو تو نے اس خبر رسانی کے عوض کوئی مال و دولت نہیں دی ہوگی۔

یہ مصرعہ حضرت ابن رواحہؓ کا نہیں بلکہ طرفہ ابن عبد کا ہے، جس کا نام عمرو ہے، جو زمانۂ جاہلیت کا معروف شاعر ہے۔ سبعہ معلقہ نمبر۲ میں یہ شعر اس طرح موجود ہے ....

سَتُبدِیْ لَکَ الایَّامُ مَا کُنتَ جَاھِلاً

وَ یَأْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

یعنی زمانہ تیرے سامنے ایسے واقعات لائے گا اور ایسے حالات بیان کرے گا، جن سے تو اس وقت تک بے خبر ہے اور تمہارے پاس خبریں لانے والا بھی ایسا فرد ہوگا، جس کو تو نے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا اور نہ زادِ راہ دیا۔

ایک پسند فرمودہ مصرعہ کے دومعانی :

زمانۂ قدیم میں جب ڈاک، تار، ٹیلی فون اور اخبار ایجاد نہیں ہوئے تھے، خبر رسانی کے لئے اخراجات، اسفار اور وقت کی قربانی دینی پڑتی تھی۔ زادِ راہ اور معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا، اس شعر میں یہ پیش گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ بغیر معاوضہ و ادائیگی زادِ راہ کے خبریں پہنچ

جایا کریں گی۔

دوسرا مضمون شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ فیس دے کر کاہنوں کے پاس جاتے اور جھوٹی خبریں معلوم کرتے ہیں اور آپؐ بلا معاوضہ وحی، قرآن، جنت، جہنم، اللہ کے احکام اور گذشتہ اقوام اور انبیاء کی تاریخ، واقعات اور تفصیلی حقائق پر مبنی سچی خبریں سنا رہے ہیں۔

گویا شعر میں پہلے سے آپؐ کی ذات کے حق میں پیش گوئی ہے کہ عنقریب مبعوث ہونے والے پیغمبر تمہیں سچی خبریں بلا معاوضہ سنایا کرے گا۔

شعر میں تقدیم تاخیر کا مقصد :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شعر کو تقدیم و تاخیر سے پڑھا، پہلا مصرعہ بعد میں اور بعد والا پہلے پڑھا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا **لیس ھکذا یارسول اللہ !** یا رسول اللہ ! یہ تو اس طرح نہیں ہے **قال ما انا بشاعر** تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں بھی تو شاعر نہیں ہوں۔ گویا آپؐ نے اس کے معنیٰ سے استشہاد فرمایا، جو عمدہ مضمون اور مقصود تھا، اسی کو مضمونِ فضلہ پر مقدم فرمایا، مگر شاعر پر چونکہ وزنِ شعر اور ذوقِ نظم مسلط ہوتا ہے، اس لئے بغرضِ وزن شعر وہ فضلہ کو عمدہ پر مقدم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ جب حضرت صدیقؓ نے آپؐ کو اصل شعر پر آگاہ فرمایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے نقل کرنے سے شعر گوئی غرض نہیں، بلکہ اصلِ معنیٰ جو ایک حقیقت ہے ،اس سے آگاہ کرنا ہے **ما انا بشاعر قاصد شعریته و انما قصدت معناه وھو اعم من أن یکون فی قالب وزن اولا** (مواہب ص۱۷۹) (میں تو ایسا شاعر نہیں کہ اس کے شعر ہونے کے ارادہ سے پڑھا ہو بلکہ میں نے اس کے معنیٰ اور مطلب کا ارادہ کیا تھا اور یہ عام ہے چاہے وزن کی صورت میں ہو یا نہ ہو)

حضرت درخواستیؒ کی ایک ادا :

ہم نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں دیکھا سنا، بلکہ بارہا سنا کہ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اشعار پڑھا کرتے تھے، مگر اس کے مصرعوں میں ان سے تقدیم و تاخیر ہو جایا کرتی تھی، پھر وہ اس انداز سے پڑھتے کہ وہ ان ہی کے ساتھ جچتا تھا، ان کی تقدیم و تاخیر سے کسی بھی سننے والے کو

قباحت محسوس نہ ہوتی تھی، بچپنا تھا، ہم لوگ کہتے کہ حضرت درخواستیؒ کو اشعار پڑھنا نہیں آتا، مگر اب یہ معلوم ہوا کہ اس کے پس منظر میں بھی گویا ان سے اتباع سنت پر عمل کرایا جارہا تھا، ہم لوگ اگر شعر میں تقدیم تاخیر کردیں تو موردِ الزام ٹھہریں، مگر یہ اُن کی شان تھی اور ان کے ساتھ جچتی تھی کہ وہ تقدیم وتاخیر سے پڑھ رہے ہیں اور لوگ اس سے حظِ وافر حاصل کررہے ہیں، نہ کسی کو اعتراض ہے، نہ کوئی اسے خلافِ ادب سمجھتا ہے، اور نہ یہ کسی کو عیب محسوس ہوتا ہے۔

(۲/۲۳۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ . اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ...... وَ كَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِى الصَّلْتِ اَنْ يُّسْلِمَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوسلمۃ نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سُن کر بیان کیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا، وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے..... الا كل شئى ما خلا الله باطل آگاہ ہوجاؤ، اللہ جل شانہٗ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیۃ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔

حضرتِ لبیدؓ :

ان اصدق كلمة ... یہاں ذکر کلمۃ کا ہے مراد کلام ہے المراد بها هنا الكلام (مواہب ص ۱۷۹)

و كلمة لبيد ' یہ ابن ربیعہ ہیں، جو زمانۂ جاہلیت کے عظیم شاعر وادیب تھے وهو المشهور من فصحاء العرب و شعرائهم (جمع ج ۲ ص ۴۲) سبعہ معلقہ میں چوتھا قصیدہ انہی کا ہے، جسے خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ نوے (۹۰) سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے،

۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ مات سنة احدی و اربعین وله من العمر مائة و اربعون سنة (جمع ج۲ص۴۲)
اسلام لانے کے بعد اشعار کہنا چھوڑ دیئے، فرمایا کرتے کہ میرے لئے شعر و شاعری کے بجائے قرآن کی سورۂ بقرہ ہی کافی ہے۔ ولم یقل شعراً بعد الاسلام و کان یقول یکفینی القرآن (مواہب ص۱۷۹)

حضرت لبیدؓ کا ایک شعر جو حضور ﷺ کو پسند تھا:

الا کل شیءٍ یہ شعر بھی حضرت لبیدؓ کا ہے، جوانہوں نے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا، ان کا کلام آپؐ کو پسند تھا۔ اس کا ایک مصرعہ حدیث میں منقول ہے، تمام شعر اس طرح ہے .... ۔

اَلا کُلّ شَیْءٍ مَا خَلا اللّٰہ بَاطِلٌ وَ کُلّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ
نَعِیْمُکَ فِی الدُّنْیَا غَرُوْرٌ وَحَسْرَۃٌ وَ اَنْتَ قَرِیْبًا عَنْ مَقِیْلِکَ رَاحِلٌ

سوائے ذات باری تعالیٰ کے دنیا کی ہر چیز باطل ہے، فانی ہے والمراد بالباطل الفانی المضمحل (جمع ۲ص۴۲) اور بلاشبہ ہر نعمت (دنیوی) ختم ہو جانے والی ہے، فلا یرد نعیم الجنة فانه دائم لا یزول (مواہب ص۱۷۹) (اس لئے جنت کی نعمتوں کے متعلق اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ دائمی ہیں ان کا زوال نہ ہوگا) اور تیرے پاس موجود دنیا کی تمام نعمتیں دھوکہ اور حسرت ہیں اور تو بھی جلد اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والا ہے۔

یہ شعر اگرچہ حضرت لبیدؓ نے زمانۂ جاہلیت میں کہا تھا، مگر عقیدۂ توحید' عظمتِ خداوندی' دنیا کے بے ثباتی اور فکرِ آخرت کی انگیخت میں ایک حقیقت اور قرآنی تعلیمات کے موافق ہے، اس لئے آپؐ کو بھی پسند تھا، قرآن میں بھی یہی مضمون اچھوتے، لافانی، اور معجزانہ انداز میں اس طرح منقول ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ○ وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ (الرحمٰن:۲۶،۲۷) (زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی)۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ (قصص:۸۸) (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر ذات اس کی)

امیة بن ابی الصلت :

و کادامیة! اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کر لیتا، امیۃ بن ابی الصلت زمانۂ فترت کا عظیم شاعر تھا۔ قیامت کا قائل تھا اور اپنے اشعار میں حقائق بیان کرتا تھا۔

جب حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے تب بھی موجود تھا، مگر قدرت نے یاوری نہ فرمائی، حسد میں مبتلا ہوا اور اسلام قبول نہ کر سکا۔ اس نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کا مرثیہ بھی کہا تھا، ورثی من قتل ببدر (مواہب:۱۷۹) بعض کہتے ہیں کہ اس نے کہا نبوت میرا حق تھا، محمدؐ کو یہ مقام کیسے مل گیا کان یطمع ان یکون نبی الامة (اتحافات:۲۹۲) بعض روایات میں ہے کہ ان کے اشعار تو اسلام لائے، مگر خود مسلمان نہ ہوا ۔ قال فیہ النبی ﷺ آمن شعرہ و کفر قلبه (اتحافات ص۲۹۲) اس سلسلہ کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں اسی باب کی حدیث نمبر ۸ میں درج ہے۔

(۲۳۶/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ اَصَابَ حَجَرٌ اِصْبَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَمِيَتْ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مثنیؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر محمد بن جعفر نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت جندب بن سفیان بجلیؓ سے نقل کی۔

جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی انگلی میں لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ خون میں آلودہ ہوگئی تھی، تو حضور اقدس ﷺ نے یہ شعر پڑھا، جس کا حاصلِ ترجمہ یہ ہے، تو ایک اُنگلی ہے، جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی کہ خون آلود ہوگئی اور یہ بھی رایگاں نہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی، جس کا ثواب ملے گا۔

راوی حدیث (۵۱۱) جندب بن سفیانؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

خلعتِ خون کی سعادت :

قال اصاب حجر ...... حضور اقدس ﷺ کی انگلی مبارک کے زخمی ہونے کا یہ واقعہ احد میں پیش آیا۔ **قال الکرمانی قیل کان ذلک فی غزوۃ احد** (جمع ج۲ص۴۳) یہی جمہور علماء کی رائے ہے، بعض لوگوں نے اسے ہجرت سے قبل کا واقعہ قرار دیا ہے۔ جب انگلی مبارک زخمی اور لہو آلود ہوئی، تو آپ ؐ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہوا ......

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ　　　وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

مقصد واضح ہے کہ انگلی کا زخمی اور لہولہان ہونا کوئی صدمہ اور درد والم کی بات نہیں، یہ تو سعادت واعزاز ہے کہ اللہ کریم کی راہ میں اسے خلعتِ خون کی سعادت سے سرفراز کیا جارہا ہے۔

ایک اشکال سے جواب :

اسی پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ ؐ نہ تو شاعر تھے اور نہ شعر بنانا آپ ؐ کے شایان شان ہے پھر کیوں یہ شعر ارشاد فرمایا۔ حضراتِ محدثینؒ جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) اولاً ! تو یہ اصطلاحی شعر ہی نہیں کیونکہ شعر کلامِ موزون ومقفٰی قصداً کو کہتے ہیں اور یہ کلماتِ طیبات آپ ؐ کی زبانِ فیض ترجمان سے بغیر قصدِ شعر کے نکلے اور موزون ہو گئے، قرآن مجید میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں، بلکہ ایک مصری عالم نے بحور شعریہ میں سے ہر ہر بحر میں قرآن مجید کی آیات لائی ہیں، پھر تو سارا قرآن شعر قرار پائے گا، حالانکہ قرآن میں ایک شعر بھی نہیں ہے، لہٰذا ہر کلامِ موزون اور ہر کلامِ مقفٰی و مسجع شعر نہیں، بہت دفعہ اوزان شعریہ پر بظاہر کلام منطبق ہو جاتا ہے، لیکن اس سے مقصود شعر نہیں ہوتا۔

(۲) ثانیاً ! یہ کہ یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا ہے، بعض نے کہا ولید بن المغیرہ کا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اسے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ادا فرمایا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے اسے رجز قرار دیا ہے، جو شعر نہیں ہوتا۔

(۴) بعض نے یہ جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ ایک آدھ شعر کہہ دینے سے آدمی شاعر نہیں

کہلاتا النادر کالمعدوم (نادر چیز نایاب کے حکم میں ہوتی ہے)۔

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے، دمیت اور لقیت میں تا ساکنہ ہے، مکسورہ نہیں، لہٰذا وزنِ شعر نہیں بنتا، تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ دوسری توجیہ کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر حضور اقدس ﷺ کا نہیں بلکہ منقول ہے، کسی دوسرے شاعر کا شعر ہے، چنانچہ واقدی نے اسے ولید بن ولید کا بتایا ہے، اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب محاسبۃ النفس میں اسے ابن رواحہ کا بتایا ہے، اور ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔

(خصائل ص ۱۸۷)

شعر کا پسِ منظر :

واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب محاسبة النفس ان جعفرا لما قتل بمؤتة دعا الناس بابن رواحة فاقبل و قاتل فاصیبت اصبعه فارتجز و جعل یقول ...... ۔

هل انت الا اصبع دمیت و فی سبیل الله ما لقیت

یا نفس الا تقتلی فتموتی هذا حیاض الموت قد صلیت

فما تمنیت فقد لقیت ان تفعلی بفعلها هدیت

ثم ثبت حتی استشهد و تمثل النبی صلی الله علیه وسلم بقوله (اتحافات: ۲۹۳)

(محاسبۃ النفس میں ابن ابی الدنیا سے منقول ہے کہ حضرت جعفرؓ جب غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو لوگوں نے حضرت ابن رواحہؓ کو کمان سنبھالنے کے لئے بلایا آپؓ تشریف لائے اور کفار کے ساتھ قتل وقتال کرتے رہے کہ اس دوران ان کی انگلی زخمی ہوگئی تو اس کو خطاب کرتے ہوئے رجز کے طور پر کہا اور نہیں تو مگر ایک انگلی جو خون آلود ہوگئی اور جو کچھ تکلیف پہنچی وہ بھی اللہ ہی کے راستہ میں ہوئی اے نفس! اگر تو قتل وقتال نہ بھی کرتا تب بھی تو مرجاتا۔۔۔ یہ موت کا حوض ہے جس میں تو داخل ہوئی ہے جو تیری آرزو وتمنا تھی وہ تو تجھے حاصل ہوگئی اگر تو اس جیسا کام کرے تو تجھے بھی اس راستہ کی ہدایت ورہنمائی ہوجائے گی پھر حضرت ابن رواحہؓ ثابت قدمی سے لڑتے رہے اتنے تک کہ شہید کردیے گئے حضور ﷺ

نے ان کے قول کو بطور تمثیل کے کہا ہے)

(۴/۲۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا عُمَارَةَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لٰكِنْ سُرْعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَ اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحیٰ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت سفیان ثوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابواسحٰق نے براء بن عازب کے واسطہ سے بیان کیا۔ براء بن عازبؓ سے کسی نے پوچھا کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر جنگِ حُنین میں بھاگ گئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری۔ بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلۂ بنی سلیم اور مکہ کے نومسلم نوجوان تھے) قبیلۂ ہوازن کے سامنے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا، حضور اقدس ﷺ (جن کے ساتھ اکابر صحابہؓ کا ہونا ظاہر ہے) اپنے خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارثؓ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرمارہے تھے انا النبی لا کذب......انا ابن عبد المطلب میں بلاشک وشبہ نبی ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد (پوتا) ہوں۔

راوی حدیث (۵۱۲) یحیٰ بن سعیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یا ابا عمارة 'الخ' بضم العین حضرت براء بن عازب کی کنیت ہے۔ و کان السوال عن فرارهم جميعاً و لكن البراء آكد ان الرسول صلى الله عليه وسلم لم يفر بل ثبت على بغله و

یقول انا النبی (اتحافات ص۲۹۴) (اس شخص کا سوال تو سب کے فرار ہو جانے کا تھا لیکن حضرت براءؓ نے حضور ﷺ کے فرار ہونے کی نفی مؤکد بیان کر کے فرمایا کہ آپؐ تو فرار نہیں ہوئے بلکہ اپنے خچر پر ثابت قدمی سے بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے کہ انا النبی لا کذب ...)

شعر موزون کرنے کے اشکال سے جواب :

یہاں پر بھی وہی اشکال وارد ہے کہ آپؐ شعر کہہ رہے ہیں، حالانکہ نہ تو آپؐ شاعر تھے، اور نہ شعر کہنا آپؐ کے شایانِ شان ہے۔

امام احمد عبد الجواد الدومیؒ جواب میں فرماتے ہیں وکلام النبی ﷺ من قبیل الرجز لا الشعر او ھو شعر غیر مقصود (اتحافات ص۲۹۴) (کہ نبی کریم ﷺ کا کلام از قبیل رجز کے تھا شعر نہ تھا یا ایسا شعر ہے جو مقصود نہیں یعنی شعر گوئی کے ارادہ سے نہیں پڑھا گیا)

مفاخرتِ نسبی کا شرعی حکم :

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر چہ مفاخرت نسبی کی ممانعت ہے، مگر مقابلہ میں جب کفار انساب پر فخر کرتے ہوں، تو اس وقت مفاخرت کی اجازت ہے، ویؤخذ من ھذا الحدیث جواز قول الشخص انا فلان بن فلان او نحوہ لا للمفاخرۃ والمباھاۃ و منہ قول علی کرم اللّٰہ وجھہ' انا الذی سمتنی امی حیدرہٗ و قول سلمۃ انا ابن الاکوع فان کان للمفاخرۃ والمباھاۃ کما ھو دأب الجاھلیۃ کان منھیًا عنہ (مواہب ص۱۸۲) (اور اس حدیث سے کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جب فخر و مباہات کے لئے نہ ہو کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس قبیل سے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی ہے۔

کہ میں تو وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ اور حضرت سلمہؓ کا یہ قول کہ میں اکوع (بہادر شخص) کا بیٹا ہوں۔ ہاں اگر ایسی قسم کے اقوال فخر و مباہات کے لئے ہوں جیسے کہ اہل جاہلیت کا دستور و طریقہ ہے تو پھر یہ شرعاً ممنوع ہوں گے)

حدیث کی مفصل تشریح :

باقی رہی مزید شرحِ حدیث تو وہ ذیل میں مِن وعَن خصائل سے نقل کر دی جا رہی ہے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے خلافِ معمول جو تفصیل سے کلام فرمایا ہے، وہ لاجواب ہے اور تمام شروحات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں عنوانات معہ تقسیمِ مضامین احقر نے کر دی ہے، تاکہ اساتذہ وطلبہ کو پڑھنے اور پڑھانے اور افادہ واستفادہ میں سہولت ہو۔

دادا سے نسبت کی توجیہات :

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف اس لئے نسبت کیا کہ (۱) انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے غلبہ کی اطلاع کفارِ قریش کو دی تھی اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کا تھا (۲) بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپؐ کے والد کا انتقال زمانۂ حمل ہی میں ہو گیا تھا، اس لئے آپؐ ابن عبدالمطلب ہی کے ساتھ مشہور تھے (۳) نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبدالمطلب مشہور سردار تھے، اس لئے شہرت کی وجہ سے اس طرف نسبت فرمائی (۴) حافظ ابن حجرؒ نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ مشہور چیز یاد دلائی۔

پسِ منظر اور تفصیلی واقعہ :

غزوۂ حنین ۸ھ میں ہوا ہے۔ قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر حضور ﷺ نے اس پر قبضہ کر لیا تب تو سمجھو کہ آپؐ غالب ہیں اور بے چون وچرا اطاعت کرو اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ غالب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلۂ ہوازن وغیرہ بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے، اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر یکجا لڑائی کے خیال سے حنین پر جو مکہ مکرمہ سے طائف وعرفات کی جانب تقریباً دس میل

کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں مجتمع ہوئے، ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا، مگر بعض جوشیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے مسابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے غالب ہوتے جا رہے ہیں۔ مبادا ہم پر بھی حملہ کریں، اس لئے خود ہی ابتدا کرنی چاہئے۔ بیس ہزار کا مجمع جس میں مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے نومسلم شریک تھے، نیز ایک جماعت کفارِ مکہ کی شریک تھی، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ غنیمت کی لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس لشکر کے ساتھ ۹ رشوال ۸ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے، مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو اُن پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان وہاں سے گزرے انہوں نے دفعتہً تیروں کا نشانہ بنایا۔ مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر اِدھر اُدھر متفرق ہو گئے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ پیچھے بھاگے، یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعتہً اُن لوگوں نے جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے، چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازے اور فقرے کسنا شروع کیے۔ بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آگئے اور مسلمانوں کے مغلوب ہو جانے کا مژدہ اُن لوگوں کو سنایا، جو مسلمان نہ ہوئے تھے، یا ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا، حضور اکرم ﷺ کا ہاشمی خون اُس وقت جوش پر تھا، آپؐ نے اس خوفناک منظر میں اپنی سواری سے اُتر کر پاپیادہ **انا النبی لا کذب** فرماتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رُخ کیا اور حضرت عباسؓ نے مہاجرین وانصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جا رہے ہو، اِدھر آؤ۔ آواز کا سننا تھا کہ پریشان حال متفکر جماعت لبیک کہتی ہوئی ایسی جوشِ محبت میں لوٹی، جیسے اونٹنی اپنے

بچے کی طرف لوٹتی ہے۔ مسلمانوں کا لوٹنا تھا کہ طرفین میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے زمین سے کچھ مٹی کنکریاں وغیرہ اٹھا کر **شاھت الوجوہ** فرماتے ہوئے مقابل پر پھینکی، تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا، اُس کے بعد لڑائی کا رُخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آرہے تھے، اب کافر بدحواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے اور اپنا مال و متاع اہل و عیال مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ اِدھر کا رُخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسبِ ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا جو صاحب مفصل دیکھنا چاہیں، اردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

ایک انتباہ :

یہاں پر ایک امر پر تنبیہ اشد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دو روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے، کسی ایک دو حدیث میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل آ سکتی ہے، نہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں، رائے زنی بے محل ہے۔ اسی جنگِ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی ساری جماعت یا پورا لشکر دس ہزار بھاگ گیا تھا اور بجز دو چار نفر کے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت جو بیس ہزار سے زیادہ تھی، اس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتے، جب کہ سب بھاگ چکے تھے۔ چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے، جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، لشکروں کی ترتیب اور حملہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں، وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔ لشکر کی عام ترتیب کے مطابق پانچوں حصوں پر حضور اقدس ﷺ نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی۔ مقدمۃ الجیش (لشکر کا اگلا حصہ) **میمنہ میسرہ** (دایاں بایاں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصہ اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا، جس کا ایک امیر مستقل جھنڈا لیے ہوئے تھا

اس کی جماعت اس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سعد بن ابی وقاصؓ، اُسیدؓ بن حضیر، خبابؓ بن منذر وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔ مقدمۃ الجیش میں قبیلۂ بنی سلیم کی جماعت تھی، جس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلہ حصہ تھا۔ اسی جماعت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب یہ گھاٹیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی، جس کے وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ملا اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیا۔ ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش انتشار ادھر اُدھر دوڑنا ضروری تھا، لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا، پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ایک شخص کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جو اُس وقت کافر تھا کہ جب ہم نے مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا، تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹتے رہے، ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے، بڑھتے بڑھتے ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے اور نہایت حسین چہرہ والے۔ لوگ ان کے گرد جمع تھے، انہوں نے ہم کو دیکھ کر **شاهت الوجوه ارجعوا** کہا۔ یہ کہنا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہو گئے اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔ اسی بناء پر حضرت براءؓ نے شمائل کی روایت میں جو اوپر گزری یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے منہ نہیں پھیرا، بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کی برداشت نہ کر سکے بھاگ گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قصہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ جس راستے سے بڑھ رہے تھے، اس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا۔

غور کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ کے قریب ایک وقت میں سو (۱۰۰) آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقعہ پر اسی (۸۰) کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو

سامنے سے لوگ ہٹتے رہے اور صرف بارہ آدمی رہ گئے اور اس کے بعد صرف وہ چار اشخاص رہ گئے، جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اکرم ﷺ اس پر سے اُتر کر تنِ تنہا کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے، یہی وقت ہے، جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے، یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ بھاگ گئے تھے، پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے، چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے، بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے، جیسا کہ مفصل واقعات میں مذکور ہے۔ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، جیسا کہ انتشار کے وقت لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے جو نہایت بلند آواز تھے، لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین انصار اصحاب شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلائی، جس کے سننے پر وہ سب پھر حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمان کے ہاتھ تھا۔ بہرحال اس مضمون میں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اُس وقت کتنے آدمی تھے، مختلف روایتیں ہیں اور ہر روایت اپنے موقع پر چسپاں ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور اکرم ﷺ تنِ تنہا تھے، کوئی ساتھ نہ تھا، بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے خچر سے اُتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اس وقت پیچھے رہ گئے تھے اور حضور اکرم ﷺ تنہا بڑھے جا رہے تھے، لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے لوگ کسی وقت حضور اکرم ﷺ کے قریب تھے، ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے (خصائل ص ۱۸۸ تا ۱۹۲)

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ بھی نقل کر دیا کہ حضور ﷺ نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے **انهزموا و رب محمد** (انہوں نے شکست کھائی ربِّ محمد کی قسم) کے الفاظ ادا فرمائے، جو کفار کی شکست کا سبب بنے اور ابن اسحٰق کی روایت سے حضرت جبیر بن مطعمؓ کا یہ

قول بھی نقل فرمایا : لقد رأیت قبل هزيمة القوم والناس يقتتلون يوم حنين مثل النجاد الاسود اقبل من السماء حتى سقط بيننا و بين القوم فنظرت فاذا نمل اسود مبثوث قد ملأ الوادی فلم يكن الّا هزيمة القوم فلم اشک انها الملائكة (زادالمعاد: ج۲ص۲۰۹) (میں نے جنگ حنین کے دن سے کفار کی شکست سے پہلے جبکہ لوگ لڑ رہے تھے آسمان کی طرف سے کالی دریوں یا پرتلوں جیسے چیزیں آتی دیکھیں حتی کہ وہ ہمارے اور کفار کے درمیان گر گئیں جب میں نے ان کو دیکھا ناگہاں مجھے وہ پھیلی ہوئی اتنی زیادہ چیونٹیاں نظر آئیں کہ پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی ابھی کوئی زیادہ وقت نہ گزرا کہ اسی دوران کفار کو شکست فاش ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہی تھے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کا ارشاد :

احقر نے اپنے مربی و شیخ ' محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ؒ کو بارہا مجاہدین اور طالبان کو یہ وظیفہ بتاتے ہوئے سنا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو اور محاصرہ میں پھنس جاؤ، تو کنکریاں لے کر شاهت الوجوه کہتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکو۔ حضور اقدس ﷺ کی سنت بھی ہے اور دشمن سے حفاظت کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ مجاہدین نے اس پر عمل کیا اور اللہ پاک نے ان کی نصرت فرمائی اور ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ طالبان اور مجاہدین کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ ایسے متعدد واقعات احقر نے ''صحبتے با اہل حق'' میں قلم بند کر دیے ہیں۔ شائقین وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

(۲۳۸/۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ اَنْبَاَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَآءِ وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُوَ يَقُوْلُ :

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ   اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ   وَ يُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَقُوْلُ

شِعْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ یَا عُمَرُ فَلَهِیَ اَسْرَعُ فِیْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جعفر بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت ثابت نے حضرت انسؓ کی وساطت سے بیان کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، تو عبداللہ بن رواحہؓ آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، خلوا بنی الکفار' الخ ،اے کافرزادو! ہٹو آپ کا راستہ چھوڑ دو آج حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو، ہم تم لوگوں کی ایسی خبر لیں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے ابنِ رواحہؓ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس ﷺ کے سامنے شعر پڑھتے جا رہے ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمرؓ ! روکو مت یہ اشعار اُن پر اثر کرنے میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الھام ' ھامة کی جمع ہے بمعنی سر کے، مقیل کا معنی وقت القیلولة ہے۔ یہاں مرادمحلِ استقرار الرؤس ہے (مواہب ص۱۸۲) یذھل ' ذھول سے ہے بمعنی بھول جانا۔

غرضِ ایرادِ حدیث :

مضمونِ حدیث تو سارا تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے، ایرادِ حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے اشعار نہ صرف سنے ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی نکیر کے باوجود بھی انہیں پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، بلکہ انہیں بھی فرمایا اور ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ اشعار کا گھاؤ' تلوار کے گھاؤ سے شدید ہوتا ہے۔ خلّ عنه یا عمر فلھی اسرع فیھم من نضح النبل اے عمر! اسے چھوڑ دو ،یہ اشعار پڑھتا رہے، کیونکہ یہ اشعار ان میں اثر کرنے میں تیر برسانے سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ زاد المعاد میں ابن قیمؒ نے عمرۃ القضاء کے واقعہ کے ضمن میں تفصیل

بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وهم يطوفون بالبيت و عبد الله رواحة بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم يرتجز متوشحا بالسيف يقول : خلوا بني الكفار عن سبيله قد انزل الرحمن في تنزيله في صحف تتلى على رسوله يا ربّ اني مومن بقيله اني رأيت الحق في قبوله اليوم نقريكم على تاويله ....

ضربا يزيل الهام عن مقيله

و يذهل الخليل عن خليله

(زادالمعاد ج۲ص ۱۶۸)

(اور مسلمان بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ تلوار لٹکائے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے رجز پڑھتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ کافر زادے چھوڑ دو حضور ﷺ کا راستہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ایسے صحیفوں میں اتارا جو تلاوت کیے جاتے ہیں اس کے رسول پر اے ربّ! میں ان کے قول پر ایمان ویقین رکھنے والا ہوں میں نے حق کو ان کے ماننے میں دیکھا ہے آج ان کے حکم پر آپ لوگوں کی ایسی مہمانی کریں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے جدا کر دیں گے)

کافیہ اور شرح جامی پڑھنے پڑھانے والوں کو طالب علمی کے زمانے سے یہ شعر خوب یاد رہتا ہے ....

جراحات السنان لها التيام　　　　ولا يلتام ماجرح اللسان

(تلواروں کے گھاؤ تو مندمل ہو جاتے ہیں، مگر زبان کا لگایا ہوا زخم کبھی درست نہیں ہوتا)

استخراجِ مسائل :

فقہاءِ کرام اس حدیث سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ ایسا کام اور اقدام جس سے کفار کو اذیت پہنچے جائز ہے، بلکہ بعض حضرات نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ حدیثِ پاک میں تو اشعار جن سے کفار کی اذیت مقصود ہو، حرم پاک میں اور نبی آخر الزمان ﷺ کی موجودگی میں پڑھے جا رہے ہیں، اور

آپؐ اس پر خوش ہو رہے ہیں، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ لشکر اسلام کے دار الحرب پہنچنے پر انہیں ہدایت کی جائے کہ وہ دار الحرب کے بچھوؤں اور سانپوں کو قتل نہ کریں، تا کہ وہ کفار کو تکالیف پہنچاتے رہیں (عالمگیری)

فقہاء نے اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ عبادات نافلہ شروع کرنے کے بعد اگر توڑ دی جائیں تو واجب القضاء ہو جاتی ہیں، کیونکہ آپؐ نے ہجرت کے چھٹے سال نفلی عمرہ شروع فرمایا تھا، مگر کفار کی رُکاوٹ اور پھر صلح حدیبیہ کے پیش نظر اسے توڑ ڈالا اور اگلے سال قضاء ادا فرمائی۔ اس لئے تو اسے عمرۃ القضا کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی :

باقی رہی یہ بات کہ حضرتِ عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی تھی۔ جواب ظاہر ہے کہ ان کے خیال کے مطابق حالات بظاہر ناموافق تھے۔ کفار کا غلبہ تھا۔ دوسرا یہ کہ شعر کی قرآن وحدیث میں مذمت مذکور ہے۔ لہٰذا یہ مناسب نہ تھا کہ حضرت ابن رواحہؓ حضور ﷺ کے سامنے اور پھر حرم پاک میں اشعار پڑھتے۔ اس سے دشمن کے جذبۂ انتقام کی آگ بھی بھڑک سکتی تھی اور قتال فی الحرم تک نوبت پہنچ سکتی تھی۔ **وایضاً فقد یحرک غضب الاعداء فیلتحم القتال فی الحرم** ۔ (مواہب ص۱۸۳) مگر حضورِ اقدس ﷺ نے وقتی مصلحت، حالات اور تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اجازت فرمائی اور تصویب وتائید بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

انشاء واستماع شعر کے جواز پر استدلال :

شیخ ابراھیم البیجوریؒ فرماتے ہیں **ویوخذ منه جواز بل ندب انشاء الشعر و استماعه اذا کان فیه مدح الاسلام والحث علی صدق اللقاء و مبایعة النفس لله تعالیٰ** (مواہب ص۱۸۳) (اور اس حدیث سے شعر کہنے اور سننے کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جب کہ اس میں اسلام کی مدح اور مسلمانوں کو جذبہ جہاد اور اللہ ہی کے واسطے لڑنے پر ابھارنے کا ذریعہ ہوں)

(۶/۲۳۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَانَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَالَسْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَ كَانَ اَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ وَ يَتَذَاكَرُوْنَ اَشْيَآءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَ رُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی شریک نے سماک بن حرب کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرۃؓ سے روایت کی۔ حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو (۱۰۰) مجلسوں سے بھی زیادہ بیٹھا ہوں، جن میں صحابہؓ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے قصائص نقل کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ (اُن کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔

سو سے زائد حاضریوں کا ایک مشاہدہ :

جالست ...... حضرت جابر بن سمرۃ حضور اقدس ﷺ کے ہمہ وقتی حاضر باش صحابیؓ تھے۔ سو سے زائد مرتبہ حاضریوں کا ایک مشاہدہ نقل فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں اشعار سنایا کرتے اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات نقل کرتے، تو آپ ﷺ سُن لیا کرتے خاموش رہتے اور کبھی کبھی مسکرادیا کرتے۔ آپ ﷺ میر مجلس اور میر محفل تھے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ فرمایا۔ آدابِ مجلس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ اہل مجلس پر ہمہ وقت اپنی بات نہ ٹھونکی جائے۔ فطرت طبیعت میلانات ورجحانات اور حالات کے مطابق جو بات چل رہی ہو، اسے چلنے دیا جائے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی فرماتے ہیں: کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہتا تھا، جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر اس کو لکھوادیا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دُنیا کے تذکرے کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے، جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی اسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابۂ کرام کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ

کمالِ شفقت ورأفت کی وجہ سے اُسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لئے فرماتے، یہ نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو اور کوئی تذکرہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور ﷺ کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے، تو بسا اوقات توحّش کا سبب بن جاتا ہے، بالخصوص اجنبی کے لئے کہ اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بنتے ہیں (خصائل ص ۱۹۴)

حضور ﷺ کی خاموشی کا راز :

وھو ساکت .... ' ای ممسک عن الکلام مع القدرۃ علیہ لایمنعھم (مواہب ص ۱۸۳)

(حضور ﷺ باوجود قدرۃ علی الکلام کے کچھ کہنے سے رکے رہتے اور صحابہ ؓ کو شعر گوئی سے منع بھی نہ کرتے) ظاہر ہے کہ اگر آپ ؐ زبان مبارک سے شعر و شاعری کی اجازت مرحمت فرماتے، تو وہ لازماً شریعت کا حکم بن جاتا، سنت کا درجہ حاصل کر لیتا اور اگر منع فرماتے تو حرام ہو جاتا، حالانکہ یہ امرِ مباح تھا۔ اس لئے آپ ؐ خاموش رہے کہ مباح' مباح رہے۔ اس لئے عملاً شرکت نہیں فرمائی اور شرکت پر اپنے جذبات اور فرطِ مسرت کا اظہار بھی نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ شاعری مستقل اختیار کرنا کوئی اچھا مشغلہ بھی نہیں

حضور ﷺ کی محفل میں لطائف و تبسم :

و ربّما تبسّم معھم ----- اور حیرت واستعجاب کی چیزوں پر مسکرا دیا کرتے تھے کہ یہی لازمۂ بشریت ہے۔ جیسا کہ ایک صحابی کا شعر ہے، جس میں کفار کی جاہلیت کا اظہار ہے ....

لقد ضلّت القوم باصنام ما بلّت علیھا الثعالب

(البتہ تحقیق قوم تو ایسے بتوں کے ذریعے گمراہ ہوئی جن پر لومڑیوں نے پیشاب کیا تھا)

شاید اس شعر کا پس منظر بھی یہ واقعہ ہوا، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ؐ کی مجلس میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے ایک لومڑی کو دیکھا کہ میرے معبود (بت) کے سر پر چڑھ دوڑی اور اس کے سر آنکھوں پر پیشاب کر دیا۔ اس بت کی مصنوعی آنکھیں بھی بند ہو گئیں تو میں نے کہا کہ یہ کیسا

خدا ہے، جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب تک کر جاتی ہیں اور وہ کچھ نہیں کہتا، لہٰذا میں نے جاہلیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ نے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک صحابی نے آپؐ کی محفل میں کہا کہ جتنا نفع مجھے میرے صنم (بت) نے پہنچایا ہے اور کسی کو نہیں پہنچایا ہوگا کہ وہ میری تھیلی میں ہوا کرتا تھا (غالباً آٹے وغیرہ سے بنایا ہوگا) جب قحط پڑا اور کھانے کو کچھ نہ ملا، تو میں نے اپنے خدا (بت) کو تھیلی سے نکال کر توڑ ڈالا اور حلوہ بنا کر خود بھی کھایا اور احباب کو بھی کھلایا (جمع ج ۲ ص ۵۲) ظاہر ہے کہ جب محفل میں اس قسم کے لطائف وظرائف سنائے جارہے ہوں گے، تو آپؐ بھی مسکرا دیا کرتے ہوں گے۔

اس حدیث سے بھی شعر بنانے' سننے کے جواز پر استدلال ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ فحش اور گندے مضامین پر مشتمل نہ ہو۔ ويوخذ منه حل انشاد الشعر و استماعه اذا كان لا فحش فيه و ان اشتمل على ذكر ايام الجاهلية و وقائعهم فى حروبهم و مكارمهم و نحو ذلك (مناوی ج ۲ ص ۵۳) (حدیث سے ایسی شعر گوئی کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جس میں فحش اور بے ہودہ کلام تو نہ ہو اگرچہ وہ جاہلیت کے واقعات اور ان کے جنگی کارناموں اور اپنے آباء واجداد کے مکارم اخلاق وغیرہ کے تذکروں پر مشتمل ہوں)۔

(۲۴۰/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ. اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر شریک نے عبد الملک بن عمیر کے واسطہ سے دی، انہوں نے یہ روایت ابی سلمہ سے، انہوں نے اسے ابو ہریرہؓ سے سماعت کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعرانِ عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لبید کا یہ مقولہ ہے الا كل شئى ما خلا الله باطل

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت اسی باب میں دوسرے نمبر پر گذر چکی ہے، وہاں تفصیل سے بحث کردی گئی ہے۔ اشعر کلمة ای اجودها و احسنها و أدقها و ارقها (مواہب ص ۱۸۳) کلمة سے مراد کلام ہے، فالمراد بالکلمة الکلام (مواہب ص ۱۸۳) (اشعر کلمة کا معنیٰ علامہ بیجوریؒ یہ لکھتے ہیں کہ اچھا جید و خوبصورت اور دقیق کلمہ جو دلوں میں نرمی اور رقت پیدا کرنے والا ہو)

(۲۴۱/۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّائِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِي الصَّلْتِ كُلَّمَا اَنْشَدْتُهُ بَيْتًا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ هِيْهِ حَتّٰى اَنْشَدْتُهُ مِائَةً يَعْنِي بَيْتًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مروان بن معاویہ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عمرو بن شرید سے ان کے باپ کے واسطہ سے سُنی۔ حضرت شریدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے حضور ﷺ کو امیہ کے سو شعر سُنائے۔ ہر شعر پر حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ اور سُناؤ اخیر میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔

اچھے اشعار حضور ﷺ کو پسند تھے :

یہ تو پہلے اسی باب کی دوسری حدیث میں کچھ قدر عرض کیا جا چکا ہے کہ آپؐ کو امیۃ بن ابی الصلت کے اشعار پسند تھے۔ باقی شرح حدیث بھی وہاں کردی گئی ہے۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے، اچھے اشعار جن کا مضمون درست ہو، حق کے موافق ہو، علم و ادب کے معیار پر درست ہو، حضور ﷺ انہیں سن لیا کرتے تھے۔

هيه : کا معنیٰ زیادہ کر اور پڑھ بکسر الهائين بينهما ياء ساكنة والهاء الاولى مبدلة من الهمزة

والاصل ایه' و هو اسم فعل بمعنیٰ زدنی (کلمہ هیه کی تشریح اس طرح ہے کہ یہ لفظ دونوں ھا ءکے کسرہ کے ساتھ اوران کے درمیان یاء ساکنہ ہواور پہلی ھا ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے اصل میں ایه تھا اور یہ اسم فعل بمعنیٰ زدنی کے ہے) اسے کلمۂ استزادہ بھی کہتے ہیں۔اس کے مفہوم میں پسندیدگی کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے، جب کوئی کلام پسند آجائے تو لفظِ ھیه سے اس کی زیادتی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اسم فعل ہے، بمعنیٰ تکلم کے۔

امیة ابی الصلت کا ایک لاجواب شعر :

فقال النبی ﷺ ان کاد لیسلم قریب تھا کہ امیہ اسلام قبول کرلیتا، کیونکہ ان کے اشعار توحید، حقائق، معاد اور اسلامی تعلیمات کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے بسبب اشتمال شعره علی التوحید والحکم البدیعة نحو قوله ....

لَکَ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَاءُ وَالْفَضْلُ رَبَّنَا

فَلا شَيْئَ اَعْلٰی مِنْکَ حَمْداً وَلَا مَجْدًا

(مواہب ص ۱۸۴)

ترجمہ : اے ہمارے رب ! آپ ہی کے لئے تعریفیں ہیں اور آپ ہی کی ملکیت میں تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لئے سب فضیلتیں ہیں، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے، نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

(۲۴۲/۹) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُوْسَی الْفَزَارِیُّ وَ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَ الْمَعْنٰی وَاحِدٌ قَالَا اَنْبَانَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْهِ قَآئِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ یَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا یُنَافِحُ اَوْ یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ .

حَدَّثَنَا اِسۡمٰعِیۡلُ بۡنُ مُوۡسٰی وَ عَلِیُّ بۡنُ حُجۡرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابۡنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنۡ اَبِیۡہِ عَنۡ عُرۡوَۃَ عَنۡ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مِثۡلَہٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی حضور ﷺ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کریں، یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔ یہ شکِ راوی ہے اور حضور اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں، جب تک کہ وہ دین کی امداد کرتے ہیں ۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ راوی اس حدیث جیسی دوسری حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ حدیث اسمٰعیل بن موسیٰ اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سُنی، جو حضور نبی کریم ﷺ سے پہلی روایت کے ہم معنیٰ حدیث بیان کرتی ہیں ۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفاخر یعنی حضور اقدس ﷺ کے مفاخر بیان فرماتے تھے **ای یذکر مفاخر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم او ینافح** بمعنیٰ مدافعت کے ہے، **ای یدافع** (اتحافات ص۲۹۷) **ینافح ای یخاصم عن قبلہ و یدافع عن جھتہ فقیل المنافحۃ المخاصمۃ فالمراد انہ کان یھاجی المشرکین و یذمھم عنہ** (جمع ج۲ ص۵۵) (یعنی حضرت حسانؓ آپ ﷺ کی جانب سے مدافعت اور

مخاصمت کرتے تھے یعنی مشرکین کی ہجو برائی اور مذمت کیا کرتے تھے)

روح القدس ! مراد حضرت جبرئیل ہیں، **ای جبریل و سمی به لانه یأتی الانبیاء بما فیه الحیاة الا بدیة و المعرفة السرمدیة واضافته الی القدس و هو الطهارة لانه خلق منها و قد جاء فی حدیث مصرحاً وهو ان جبریل مع حسان** (جمع ج۲ص۵۶)(جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ انبیاء کرام کو ایسی چیز (وحی) لاتے جس میں ان کے لئے حیاتِ ابدی اور معرفتِ سرمدی ہوتی اور اس کی اضافت قدس کی طرف (بمعنیٰ طہارت کے) اس لئے ہے کہ وہ اس سے پیدا ہوئے ہیں اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جبرئیلؑ حضرت حسانؓ کے ساتھ ہیں)

نعتِ حسانؓ کے لئے حضور ﷺ کا اہتمام :

حضورِ اقدس ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھواتے اور حضرت حسانؓ مفاخرہ کرتے ،یعنی آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ، معجزات، کمالات، تعریف، خاندانی شرافت وعظمت، حقانیت وعلوِ مرتبت اور مدح اور حسنِ ظاہری و باطنی کا بیان کرتے اور فخریہ اشعار پڑھتے یا کفار کے الزامات کا جواب دے کر آپؐ کی مدافعت کرتے اور یہی اس زمانے کا دستور تھا۔ حضور ﷺ بھی اپنے دور کے مطابق جہاد بالسیف کے ساتھ ساتھ جہاد باللسان بھی کرتے تھے۔ کفار کے خطیب وشعراء اگر اپنے جوانوں کو شعر وخطابت سے آگے بڑھاتے تھے ،تو آپؐ بھی جوابِ آن غزل کے طور پر حضراتِ صحابہؓ سے خطابت وشعر گوئی کرا کے ان کے دندان شکن جواب کا اہتمام فرماتے تھے۔

بنو تمیم کے وفد سے شعر وخطابت میں مقابلہ :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو تمیم کا وفد بارگاہِ قدس میں حاضر ہوا اور ان کے ساتھ اُن کا مشہور شاعر اقرع بن حابس بھی تھا۔ انہوں نے آ کر دروازہ پر دستک دی اور کہا **یا محمد اخرج الینا نفاخرک او نشاعرک فان مدحنا زین و ذمنا شین** ،(اے محمد! ہماری طرف نکل آؤ ہم آپ سے مشاعرہ اور مفاخرت کرنا چاہتے ہیں اگر ہم نے آپ کی مدح کی تو خوبصورت ہو جاؤ گے اور اگر ہم نے مذمت کی تو معیوب ہو جائے گا) حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو

اشعار کے لئے ہوئی ہے اور نہ کسی کی مدح وذم میں مقابلہ کے لئے، انی لم ابعث بالشعر ولا بالفخر ولکن ھاتوا' مگر آ و اس میں خود کو آ زمالو۔ان کا خطیب کھڑا ہوا، تو آپؐ نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ ان کے خطیب کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ نے تقریر کی تو غالب آ گئے، ان کے شاعر اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور کہا ....

اتیناک کما یعرف الناس فضلنا اذا خالفونا عند ذکر المکارم

و انا رؤس الناس فی کل معشر و ان لیس فی ارض الحجاز کدا رم

(ہم آپ کے پاس آئے جیسا کہ ہماری فضیلت اور شرافت کو سب لوگ جانتے ہیں جس وقت کہ تم ہمارے مخالفت کرتے ہو، شرفاء کے تذکروں کے وقت اور ہر گروہ و جماعت میں ہم لوگوں کے سردار ہیں اور ارضِ حجاز میں بنودارم جیسے شریف لوگ نہیں ہیں)

تو حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت حسانؓ کو جواب کے لئے حکم دیا۔ حضرت حسانؓ نے جواباً فرمایا..............

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم یعود وبالا عند ذکر المکارم

ھبلتم علینا تفخرون و انتم لنا خول ما بین قن و خادم

(جمع ج۲ص ۵۷)

(اے بنی دارم! فخر مت کرو اس لئے کہ تمہارا فخر کرنا شرفاء لوگوں کے تذکرہ کے وقت تمہارے لئے وبال اور نقصان دہ ہوگا ۔حیلہ گری اور چالاکی کے ذریعہ تم ہمارے اوپر فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے غلام اور نوکر ہو یا تم ہمارے چرواہے بصورت غلام اور نوکر کے ہو)

اس میں بھی مسلمان غالب آئے فکان اول من اسلم شاعرھم' سب سے اول ان کا شاعر مسلمان ہوا۔

تلوار کی طرح زبان سے بھی جہاد ضروری ہے :

اصل بتانا یہ مقصود ہے کہ خطابت و اشعار سے بھی مقابلہ تھا اور یہ اس زمانہ میں جہاد کا ایک

ہتھیار تھا۔ حضرت کعبؓ نے حضور اقدس ﷺ سے اشعار کے بارے میں دریافت کیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی اور یہ بھی روایات میں ہے کہ ان پر یہ اشعار تیر کی طرح لگتے ہیں، جیسا کہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں آپؐ کا ارشاد نقل ہے ۔ فلھی اسرع فیھم من نضح النبل ۔

حضرت حسانؓ کے بعض مشہور اشعار :

ذیل میں عاشقانِ رسول ﷺ کی ضیافت طبع کے لئے حضرت حسانؓ کے بعض اشعار بھی نقل کردیے جاتے ہیں۔ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں .... ؎

هجوت محمدا او اجبت عنه — و عند الله فی ذاک الجزاء

هجوت مطهرًا برًا حنيفًا — امين الله شيمته الوفاء

اتهجوه و لست له بكفء — فشر كما لخير كما الفداء

فان ابی و ولدی و عرضی — لعرض محمد منكم وقاء

اے مخاطب ! تو نے معاذ اللہ حضور ﷺ کے حق میں ہجو کی ہے، تو میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اس جواب دینے میں میری جزا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ (۲) تو نے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ پاکیزہ ترین، انتہائی نیکوکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہیں، پھر وہ اللہ کے امانت دار ہیں اور وہ مجسمہ وفا ہیں (۳) کیا تو ایسی ہستی کی ہجو کرتا ہے تو ہر گز ہرگز اس میں حق بجانب نہیں ہے، پس تمہارا شر اور تمہاری برائی ایسے رسولِ مقبول کے حق میں جو تم سب سے بہتر ہے، صفر کے برابر ہے (۴) پس میرا باپ اور اولاد اور میری عزت سرور کونین ﷺ کی آبرو کے لئے تمہارے مقابلے میں ڈھال ہے۔

اور حضور ﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں .... ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ — كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

وَ اَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِىْ — وَ اَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

اے محبوبِ خدا ! آپؐ ہر ایک عیب سے پاک پیدا کئے گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس طرح پیدا ہوئے، جیسا کہ آپؐ نے چاہا، اور آپؐ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے کسی کو نہیں دیکھا، اور آپؐ سے زیادہ حسین کسی وقت کسی ماں نے نہیں جنا۔

اچھے اشعار مندوب ہیں :

اس سے قبل باب ھذا کی روایت میں آپؐ کا شعر سننا تو ثابت تھا، مگر سننے سنانے کے اہتمام اور کمالِ توجہ سے پسندیدگی کا اظہار نہیں تھا۔ اس روایت میں اشعار کے سننے' سنانے اور حضور ﷺ کا اس کے اہتمام کرنے' توجہ دینے اور پسند فرمانے سے اس کی مندوبیت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اشعار میں فی نفسہ مندوبیت نہیں ہے، بوقتِ ضرورت اس کی طلب محمود ہے، چونکہ کفارِ ناہنجار حضورِ اقدس ﷺ کی ہجو کہتے تھے، تو جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا (الشوریٰ:۴۰) کے مطابق اس کا جواب دیا جانا چاہئے تھا تا کہ کفار کو غلبہ نہ ہو، تو اس صورت میں اشعار کو مطلوبیت' محمودیت اور مندوبیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی السَّمَرِ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام رات کو قصہ گوئی کے بیان میں

لفظِ سمر کا معنیٰ، تشریح اور احکام :

السمر (بفتح السین و المیم) لغت میں چاندنی اور عرف میں حدیث اللیل کو کہتے ہیں۔ بعض نے بسکون المیم بھی پڑھا ہے، تو اس صورت میں مصدر ہوگا ۔ بمعنیٰ المسامرة و هی المحادثة (اتحافات: ۲۹۸) سمور چاندنی رات میں باتیں کرنے اور قصہ گوئی کو کہتے ہیں۔ صاحبِ نہایہ نے لکھا ہے، السمر : ضوء لون القمر سمّی به لانهم کانوا یتحدثون فیه (جمع ج۲ ص ۵۷)

غرضِ انعقادِ باب :

اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ رات کو قصہ گوئی جائز ہے جب بے ہودگی اور مضرت سے پاک ہو۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا بھی ہے اور کیا بھی ہے ......

والمقصود من هذا الباب انه صلی اللّٰه علیه و سلم جوز السمر و سمعه و فعله (مواہب ص ۱۸۹)

باب کی دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عشاء کے بعد قصہ سنا بھی اور سنایا بھی، پھر اندرون خانہ خاندان کے افراد کو سنایا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گھر میں دل لگی اور تفریحِ طبع کے لئے قصہ سنانا مستحسن عمل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۲۴۳/۱) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا اَبُوْ النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْعَقِیْلِ الثَّقَفِیُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَقِیْلٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ نِسَآءَهُ حَدِیْثًا فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ کَاَنَّ الْحَدِیْثَ حَدِیْثُ خُرَافَةَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا

خُرَافَةُ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِّنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابونضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو بیان کرنے والے ابوعقیل ثقفی عبداللہ بن عقیل ہیں۔ انہوں نے یہ روایت مجالد سے شعبی کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے اسے مسروق سے سنا، انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے سنی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا۔ ایک عورت نے کہا یہ کہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا۔ خرافہ بنوعذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے تھے، ایک عرصہ تک انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا، پھر لوگوں میں چھوڑ گئے، وہاں کے زمانۂ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے، اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیثِ خرافہ کہنے لگے۔

راویانِ حدیث (۵۱۳) حسن بن صباح البزارؒ (۵۱۴) ابوالنضرؒ اور (۵۱۵) ابوعقیل الثقفی عبداللہ بن عقیلؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

عربوں کے ملکاتِ فاضلہ :

عربوں کے کچھ خاص عادات تھے، کچھ روایتیں اور رواجات تھے۔ اچھی روایات بھی تھیں اور قبیح اعمال بھی تھے۔ تاہم قدرت نے انہیں صحیح الفطرت اور ملکاتِ فاضلہ دے کر تخلیق فرمایا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمانؐ کو ان ہی میں مبعوث فرمایا۔ عربوں نے اپنی روایات کے مطابق ہر کام کے لئے اوقات مخصوص کر رکھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے ، یوم الغیم للصید و یوم المطر للشرب (کہ ابر و بادل کا دن شکار کھیلنے کے لئے اور بارش کا دن شراب وکباب کے لئے) اسی طرح چاندنی رات میں ایک طبعی نشاط، اور فرحت وسرور کے لمحات ہوتے ہیں، تو عربوں نے چاندنی راتوں کو قصہ گوئی

کے لئے خاص کر رکھا تھا، اسی قصہ گوئی کو سمر کہتے ہیں۔ اس سے سمران ہے بمعنیٰ چھوٹی کہانیاں، مگر توسعاً اور مجازاً اس میں عموم آ گیا اور مطلق کلام بعد العشاء کو بھی سمر کہا جانے لگا اور باب ھذا میں یہی معنیٰ مراد ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعلیم وتربیت کا اہتمام :

حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ نساء ہ .....

حضور اقدس ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنوائے ہوئے تھے۔ سب علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے کمرہ میں رہتی تھیں۔ آپ باری باری ہر ایک کے ہاں رات بسر فرماتے تھے۔ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے ہاں آپ کی دو راتیں گذرتیں تھیں، دو بیبیاں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ کا انتقال تو آپ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ باقی نو (۹) بیبیاں آپ کی رحلت کے بعد تک زندہ رہیں۔ آپ کے اس معمول کے مطابق آپ کو جس بیوی کے ہاں رات گذارنی ہوتی، تو دیگر ازواجِ مطہرات بھی آغازِ شب میں اسی کے گھر جمع ہو جاتیں تا کہ دینی مسائل، خواتین کے مخصوص مسائل اور تعلیم وتربیت حاصل کر کے اسے خواتینِ اُمت میں فروغ دیا جا سکے، تعددِ ازدواج کی غرض بھی تو یہی تھی، تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ تفریح، دل لگی، نقلِ حکایات کا سلسلہ بھی چلتا تھا کہ اُمت کی معلمات اپنی تعلیمات اور دعوت وتبلیغ میں خواتینِ اُمت کی صحیح تعلیم وتربیت کر سکیں۔

ذات لیلۃ کی وضاحت :

لفظِ ذات عربی میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) لفظِ ذات بمعنیٰ حال کے آتا ہے۔ فَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال: ۱) میں لفظِ ذات بمعنیٰ حال کے استعمال ہوا ہے، یعنی اپنے درمیان حال کو درست رکھو۔ (۲) شب وروز کا کوئی لمحہ دن رات کی کوئی گھڑی اور وقت مراد ہوتا ہے۔ (۳) ذات بمعنیٰ انسان کی ذات یعنی اس کے جسم کے لئے بھی آتا ہے۔ (۴) ذات بمعنیٰ نفس کے بھی

آتا ہے۔(۵) اور ذات بمعنیٰ ارادہ اور عزائم کے بھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، اِنَّـهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الملک:۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے مخفی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ تاہم اس جگہ ذات سے مراد وقت ہے، یعنی رات کا کوئی وقت، کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی ای فی ساعاتِ ذات ليلة فذات صفة موصوف محذوف أو لفظ ذات مقحم فهو مزيد للتاكيد (مواہب ص۱۸۹) (تو لفظِ ذات یا تو موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی ساعات کی اور یا وہ زائد برائے زیادتیء تاکید ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

نساء ہ .... یہ تو پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جس بیوی کے ہاں آپؐ کی باری ہوتی تھی، اُمہات المؤمنین اسی کے کمرہ میں جمع ہوجایا کرتی تھیں، فارغ ہوتیں تو سب آجاتیں ورنہ اکثر اس معمول کو نبھایا کرتی تھیں، نساء ہ سے بھی جميع أزواجه او بعضهن (اتحافات:۲۹۸) (کل بیویاں یا بعض مراد ہیں) مراد ہیں۔ حدیثاً! بمعنیٰ کلامِ عجیب کے ہے، ای كلاماً عجيبا أو كلاماً غريباً (اتحافات:۲۹۸)

كأن الحديث خرافة میں بھی اس کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد عجیب و غریب دلچسپ اور حیرت انگیز قصہ ہے، ورنہ کیا مجال کہ آپؐ کی طرف کسی جھوٹ کی نسبت کی جاسکے، المراد انه حديث مستملح ولا نريد بحال أنه كذب (اتحافات ص۲۹۶) (حدیثِ خرافہ سے مراد دلچسپ واقعات اور کہانیاں ہیں اور اس سے کسی صورت میں جھوٹ کا ارادہ نہیں)

حدیث خرافہ :

چونکہ آپؐ کا سنایا ہوا قصہ بھی ایک تعجب انگیز' حیران کن' دلچسپ قصہ تھا، اس لئے ایک زوجہ صاحبہ نے اسے حدیث خرافہ سے تشبیہ دی۔ خرافہ کا لغوی معنیٰ جھوٹی بات' بے وقوفوں کی بات' بے عقلی اور لایعنی باتیں کرنا ہے۔ خرافات بکنا لایعنی باتیں کرنا، عربی میں بھی خرافہ لایعنی باتوں کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ....

أَأَتْرُكُ لَذَّةَ الصَّهْبَآءِ صَرْفًا

لِمَا وَعَدُوْهُ مِنْ لَحْمٍ وَّ خَمْرٍ
حَيَاةٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ نَشْرٌ
حَدِيْثُ خُرَافَةَ يا أُمَّ عَمْرٍو

(الملل والنحل ج۳ص۲۲۱)

کیا میں صرف اس وعدے پر شراب و کباب سے لطف اندوزیاں چھوڑ دوں کہ یہ چیزیں مجھے جنت میں جا کر ملیں گے اور یہ کہ زندگی کے بعد موت ہے، پھر حیات ہے۔اے ام عمرو! یہ سب محض خرافات ہیں یعنی لایعنی باتیں ہیں۔

وجہ تشبیہ :

اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ اگر حدیث خرافہ سے صرف جھوٹی اور قابل تعجب باتیں ہی مراد لیا جائے تو یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، بلکہ بعض اجزاء میں تشبیہ ہے، یعنی اکاذیب میں تشبیہ نہیں بلکہ مستبعدات میں تشبیہ ہے۔ وانما ارادت التشبيه فى الاستملاح فقط (مواہب ص۱۸۶) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، الاظهر أن حديث خرافة يطلق على كل ما يستملح ۔(اتحافات ص۲۹۸) (اور زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث خرافہ کا اطلاق ہر کلام ملیح عجیب وغریب پر ہوتا ہے)

خرافہ کون تھا :

اتدرون ما خرافة ! حضور اقدس ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کیا تم جانتی ہو، یہ خرافہ کون تھا۔ بعض نسخوں میں أتدرين مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، أتدرون کی صورت میں شیخ ابراہیم الباجوریؒ فرماتے ہیں، خاطبهن خطاب الذكور تعظيماً لِشأنهن. (مواہب ص ۱۸۶)(ان کے ساتھ مذکرین کا خطاب ان کی عظمتِ شان کے لئے استعمال کیا گیا)

اس کی مثال لو شئت طلقت النساء سواكم ہے' قرآن مجید میں اس کی نظیریں ملتی ہیں' وكانت من القانتين ۔اور انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ۔(ان مذکورہ تینوں مثالوں میں مذکر کے صیغے (سواكم .القانتين .عنكم)مؤنثات کی تعظیم شان کے لئے مستعمل ہوئے ہیں)اور

یہ بھی ممکن ہے، مخاطب محض خواتین نہ ہوں، مرد بھی ہوں، جو اس موقع پر موجود ہوں گے تو واقعہ نزولِ حجاب سے قبل کا قرار پائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محارم میں سے کچھ مرد وہاں موجود ہوں یا اجنبی ہوں، لیکن پسِ پردہ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ۔۔۔ وتحتمل انه كان بعض المحارم من الرجال او من الاجانب معهن ولكنهن وراء النقاب (جمع ج۲ص۵۷)

كان رجلاً ... یہ یمن کے ایک قبیلہ عذرة کا ایک فرد تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کو جنّوں نے پکڑا اور اٹھا کر لے گئے، پھر وہ ایک عرصہ تک جنات میں رہا، وہاں پر اس نے جنات کے حرکات و سکنات' مختلف اشکال' واقعات و واردات اور حالات کا مشاہدہ کیا۔ ان کی طرزِ زندگی، بودوباش، رسم و رواج اور مختلف مناظر دیکھے۔ جنات کے شہر، بستیاں اور ان کے گھر دیکھے، جنہوں نے اپنے ہاں طویل عرصہ اسے ٹھہرائے رکھا، پھر اسے واپس چھوڑ دیا۔ فكان يحدث ... واپسی پر وہ لوگوں سے وہاں کے عجیب مناظر، حیران کن واقعات اور تعجب انگیز قصے بیان کیا کرتا تھا۔ بالآخر معاشرہ میں خرافہ کی ذات ایک ضرب المثل بن گئی اور جب کبھی کوئی عجیب حیران کن واقعہ ذکر ہوتا تو لوگ کہتے کہ یہ تو حدیث خرافہ ہے۔

استنباطِ مسائل :

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ بعد العشاء اہل و عیال سے حسنِ معاشرت، نقل حکایات' مفید قصوں کا بیان، دلجوئی و دل لگی، محمود و مسنون ہے۔ جیسے کہ صاحب اتحافات نے بھی اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کر دیا يؤخذ من الحديث حسن معاشرة الرجل لاهله و سمرة معهم و اخباره لهم بالخفيف من الامور وقصته عليهم القصص المفيده اقتداء به صلى الله عليه وسلم فإن التشبه باهل الفلاح فلاح ۔ (اتحافات:۲۹۸تا۲۹۹)

ایک حدیث میں جو بعد العشاء گفتگو کرنے سے نہی آئی ہے، وہاں کلام بیہودہ مراد ہے، والنهى الوارد عن الكلام بعد العشاء محمول على مالا يعنى عن الكلام بعد العشاء و لذالک قال فی المنهج و كره نوم قبلها و حديث بعدها لا في خير (مواہب ص۱۸۷) (جو عشاء کے بعد کلام کرنے

سے منع وارد ہوئی ہے تو اس سے فضول اور بیہودہ گفتگو مراد ہے اس لئے تو صاحب منہج نے فرمایا کہ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد نیکی کے علاوہ گفتگو کرنا مکروہ ہے)

ملا علی قاریؒ نے تطبیق ان الفاظ سے فرمادی کہ **فالنھی الوارد محمول علی کلام الدنیا وما لایعنی فی العقبیٰ والحکمۃ ان یکون خاتمۃ فعلہ و قولہ بالحسنیٰ و مکفرۃ لما وقع لہ فیما مضی** (جمع ج۲ص۵۸) (جن احادیث میں بعد العشاء کلام سے نہی ہے ان کا محمل دنیوی گفتگو اور جو آخرت میں بے فائدہ ہو اور اس میں حکمت اور راز یہی ہے کہ انسان کے افعال واقوال کا خاتمہ ایسے امور پر ہو جو نیکی کا سبب اور جو گذشتہ غلطیوں کے لئے کفارہ بن سکیں)

حَدِیْثُ اُمِّ زَرْعٍ .... ام زرع کا قصہ

(۲۴۴/۲) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَخِیْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَتْ اِحْدٰی عَشْرَةَ اِمْرَاَةً فَتَعَاهَدْنَ وَ تَعَاقَدْنَ اَنْ لَا یَکْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِهِنَّ شَیْئًا ...... فَقَالَتِ الْاُوْلٰی - زَوْجِیْ لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلٰی رَاْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ لَا سَهْلٍ فَیُرْتَقٰی وَ لَا سَمِیْنٍ فَیُنْتَقٰی۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجرؒ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عیسیٰ بن یونس نے دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے سنی، جنہوں نے اسے اپنے بھائی عبد اللہ بن عروۃ کے واسطہ سے اور انہوں نے اپنے باپ عروۃ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں کچھ چھپائیں نہیں۔ ایک عورت ان میں سے بولی کہ میرا خاوند ناکارہ دُبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے، جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو (۱۰۰) دقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار کیا ہی جائے۔

راوی حدیث (۵۱۶) اخیہ عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کے لطائف :

حدیث امّ زرع کے لطائف میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں تین تابعین کرام کی روایت بعضھم عن بعض کے طرز پر منقول ہے اور یہی روایة الاقارب بعضھم عن بعض بھی ہے، جیسے علامہ مناویؒ نے فرمایا کہ و من لطائف اسنادہ ان فیہ روایة ثلاثة تابعین بعضھم عن بعض ھشام و عبد اللّٰہ وعروة وروایة الاقارب بعضھم عن بعض فقد روی الاخ عن اخیہ عن ابیہ عن خالتہ (مناوی ج۲ص۵۹) (اس اسناد کے لطائف میں سے یہ بات ہے کہ اس میں تین تابعین عظام میں سے بعض کی روایت بعض سے نقل ہے یعنی حضرت ہشام عبداللہؒ اور عروہؒ اور اس میں اقارب (رشتہ داروں) کی روایت بعض کی بعض سے ہے کیونکہ اس میں روایت ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں)

تمہیدی گذارش :

حدیثِ اُم زرع ! زمانۂ قدیم میں یہی رواج تھا کہ مرد عام طور پر کام کاج' محنت اور طلب رزق کے لئے دور دراز کے اسفار کرتے اور مہینوں بلکہ سالوں سالوں گھر سے غائب رہتے، پیچھے گھروں میں خواتین باقی رہتیں، جو اپنے گھریلو امورِ خانہ داری سے فارغ ہو کر خود اپنے گھر میں گھر کی خواتین، یا اڑوس پڑوس کسی گھر میں جمع ہو جاتیں، قصہ گوئی ہوتی، تفریح طبع کے لئے نقل حکایات کا سلسلہ چلتا۔ اسی ضمن میں بے تکلف ہو جاتیں، تو سب کچھ اگل دیتیں اور خواتین کے اپنے مزاج کے مطابق بعض اپنے شوہر کی مدح و محبتیں، یا نفرتیں اور ان کی شکایات تک بیان کر دیا کرتیں۔ اس سے اپنے مجروح و غمزدہ دلوں کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرتیں اور وقت گذاری بھی ہو جاتی۔ حدیث امّ زرع میں جن گیارہ خواتین کا ذکر ہے، وہ بھی اسی طرح کی ایک محفل جما کر بیٹھیں باہمی معاہدہ کیا اور اسے پختہ کر کے اپنے اپنے شوہر کی حقیقی تصویر ادبی پیرایوں میں بیان کی۔

وجہ تسمیہ :

اس حدیث کا نام حدیث امّ زرع رکھا گیا ہے، جسے مسلم اور بخاری نے بھی نقل کیا ہے، چونکہ ان گیارہ خواتین میں سب سے لمبا اور واضح بیان امّ زرع کا ہے، جس کا اصلی نام عاتکہ بتایا جاتا ہے۔ نیز امّ زرع کی نقل حکایات کے بعد حضور اقدس ﷺ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا کنتُ لکِ کابی زرع لامّ زرع (میں تیرے لئے (شفقت محبت میں) ایسا ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کے لئے تھا) اس سے امّ زرع کی فضیلت واہمیت اور امتیاز بھی واضح ہو گیا، جواب میں سیدہ عائشہؓ نے فرمایا، بابی و امی لانت خیرلی من ابی زرع لامّ زرع۔ (میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ تو میرے لئے بہت ہی خیر خواہ ہیں بہ نسبت ابوزرع کا ام زرع کے لئے)

یہ قصہ کہاں ہوا :

یہ قصہ کہاں پیش آیا؟ اور یہ عورتیں کہاں اور کس جگہ جمع ہوئیں تھیں؟ اس سلسلہ میں کوئی یقینی اور قطعی امر سامنے نہیں آیا۔ البتہ بعض شارحینِ حدیث نے کمزور روایات کا سہارا لے کر مقام اور جگہ کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر جمہور نے ان کی اس تحقیق پر اعتبار نہیں کیا۔ بعض محققین نے اسے یمن، بعض نے اسے مکۃ المکرّمہ اور حجاز کا واقعہ قرار دیا ہے واللّٰہ اعلم بالصواب۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کانت الاحدیٰ عشرۃ امرأۃ من بعض قری مکۃ أو الیمن۔ (اتحافات ص ۳۰۰)

باقی رہی یہ بات کہ ان گیارہ خواتین کے نام کیا تھے۔ اس سلسلہ میں بھی شارحین نے اپنے طور پر تحقیق کر کے کچھ نام بتائے ہیں، مگر بات پھر وہی ہے، اس سلسلۃ میں جن روایات کا سہارا لیا گیا ہے، وہ کمزور ہیں، مگر چونکہ ان کے اسماء پر کوئی علمی مسئلہ موقوف نہیں ہے اس لئے عام شارحینِ حدیث نے اسے توجہ بھی نہیں دی ہے وکأن المصنف لم یثبت ذلک عندہ فلذلک لم یتعرض لاسمائھن علی انہ لا یتعلق بذکر اسمائھن غرض یعتد بہ ولذلک لم یسمّ ابا زرع ولا ابنتہ ولا جاریتہ ولا المرأۃ التی تزوجھا ولا الوالدین ولا الرجل تزوجتہ بعد أبی زرع۔ (مواہب ص ۱۸۷)

(علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں چونکہ مصنفؒ کے نزدیک ان کے اسماء کی تحقیق پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی اس لئے تو

ان گیارہ عورتوں کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا اس کے علاوہ ان کے اسماء کے معلوم کرنے میں کوئی خاص غرض بھی متعلق نہ تھی اس لئے تو مصنفؒ نے نہ تو ابوزرع کا نام اور نہ ان کی بیٹی اور کنیزہ کا اور نہ اس عورت کا جس کے ساتھ نکاح کیا تھا اور نہ والدین کا اور نہ اس شخص جس سے ام زرع نے ابوزرع کے بعد نکاح کیا کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے)

عہد وعقد کا معنیٰ وتشریح :

فتعاهدن ...... لفظِ عہد عربی زبان میں اور قرآن میں بھی عام استعمال ہوا ہے۔ **وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا** (نبی اسرائیل:۳۴) اپنے عہد کو پورا کرو، کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان خواتین نے اپنے اوپر ایک عہد لازم کرلیا **اى الزمن انفسهن عهدًا** (مواہب ص۱۸۷)

وتعاقدن : عطف تفسیری ہے بمعنیٰ پھر اس عہد کو پختہ کرلیا، جیسا کہ قرآن میں بھی عقد بمعنیٰ پختگی کے آیا ہے۔ **اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ** (مائدہ:۱) یعنی اپنے عہدوں کو پختہ کرو۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **اى عقدن على الصدق من ضمائرهن** (جمع ج۲ص۶۰) (یعنی انہوں نے اپنی دل کی بات کو سچ سچ بتلانے کا پختہ عہد کرلیا تھا)

ان لا يكتمن : یعنی ان خواتین نے اولاً باہمی معاہدہ کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے اصلی صفات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گی، پھر اس عہد کو پختہ کیا، **على ان لا يخفين شيئًا من اخبار ازواجهن مدحًا او ذمًا بل يظهرن ذلك و يصدقن** (مواہب ص۱۸۷) (اپنے خاوندوں کی مدح وذم کی خبر دینے میں کسی چیز کو خفیہ نہیں رکھیں گی بلکہ سچ کہہ کر اس کا اظہار کردیں گی)

پہلی خاتون کا بیان :

قالت الاولىٰ ...... حضرت ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ ان میں سے پہلی خاتون نے کہا، **الاولىٰ اى فى التكلم او التعدد** (مناوی ج۲ص۶۰) (یا تو بات کرنے میں پہلی تھی یا شمار کرنے میں) **زوجى لحم جملغثٍ** میرا خاوند تو ایسا ہے جیسے لاغر اونٹ کا گوشت ہو، **لحم جمل** زوجی کی خبر ہے یعنی ایک قباحت

تو اس میں یہ ہے کہ وہ اونٹ کا گوشت ہے ، جس میں لوگ پہلے سے کم رغبت کرتے ہیں، ای کلحم جمل فی الرداءۃ (مواہب ص۱۸۷) پھر اونٹ بھی ایسا جو غثٍ (لاغر) ہے، جس میں کسی کی رغبت ہوتی ہی نہیں ، گویا میرا شوہر بھی لاغر اونٹ کے گوشت کی طرح مرغوب فیہ نہیں ہے ۔ غثٍ کا معنی شدید الھزال (مناوی ج۲ص۶۰) (انتہائی کمزور) ہے اس کو اگر مجرور پڑھیں تو جمل کی صفت ہے، مرفوع پڑھیں تو لحم کی صفت ہے، مگر پہلی صورت راجح ہے۔ ملا علی قاریؒ نے مرفوع ہونے کی صورت میں دو احتمال اور بھی لکھے ہیں (۱) کہ یہ دوسری خبر ہو یا یہ مبتدا محذوف کے لئے خبر ہو۔ فرماتے ہیں و مرفوع علی انه خبر بعد خبر او علی انه خبر مبتدا محذوف ای ھو غث (جمع ج۲ص۶۰) والمقصود منه المبالغة فی قلة نفعه والرغبة عنه و نفار الطبع منه . مطلب ظاہر ہے کہ اولاً تو وہ زوج اونٹ کا گوشت ہے، جو کسی کام کا نہیں، پھر وہ سوء خلق، زشت روئی کے پیش نظر اتنا بعید ہے کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا نہیں۔

علیٰ رأس جبل و عرٍ۔ وہی خاتون اپنے زوج کی مزید مذمت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ ناکارہ گوشت بھی پہاڑ کی چوٹی پر ہے، جو سہل الحصول نہیں، پھر پہاڑ بھی وعر یعنی سخت دشوار گذار ہے، ای غلیظ یصعد الصعود الیه و یعسر القعود علیه ، وھذا کنایة عن سوء خلقه و کبره (اتحافات ص ۳۰) (ایسا سخت و دشوار کہ اس پر چڑھنا اور بیٹھنا مشکل ہو اور دراصل یہ اس کی بداخلاقی اور متکبر ہونے سے کنایہ ہے) پھر اس پر مزید یہ کہ لا سھل' یہاں لا بمعنیٰ لیس کے ہے، جس کا اسم محذوف ہے، ای لا الجبل سھل (مناوی ج۲ص۶۰) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وقیل المعنیٰ انه مع قلة خیره و کثرة کبره سیئی الخلق عظیم الخلق یعجز عنه کل احد فی اظھار الحق (جمع ج۲ص۶۰) (اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خیر و بھلائی کی قلت اور مغرور ہونے کی کثرت کے باوجود بے ڈھنگا موٹا پا اور بداخلاق بھی ہے اور ہر ایک شخص اس کے سامنے حق بات کے اظہار کرنے سے عاجز ہے) فیر تقی رقی سے ہے بمعنی اوپر کو چڑھنا' ای فیصعد الیه (جمع ج۲ص۶۰)

ولا سمین فینتقی' وہ اونٹ بھی ایسا کہ اس میں چربی بھی نہیں' جس کا تناول بجائے صحت کے مضرت ہے۔ یہ لفظ تقی'' سے ماخوذ ہے' بمعنیٰ کسی چیز کے چھانٹ لینے اور اختیار کرنے کے' یعنی اس

گوشت میں کوئی عمدگی ہی نہیں کہ شدید مشقت کے ساتھ اس کو اختیار کیا جا سکے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ نقی بمعنی گودا سے ماخوذ ہے۔ معنٰی یہ ہوگا کہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہیں، جو لاغر اور حد درجہ بوسیدہ اور فرسودہ ہے۔ آخر جس میں گودا ہی نہ ہو وہ کیا گوشت ہو سکتا ہے۔

لاسھل و لا سمین کا اعراب :

اس میں تین اعراب پڑھے جا سکتے ہیں (۱) یا دونوں مبنی علی الفتح ہوں۔ (۲) یا دونوں مجرور اور صفت برائے جبلٍ ہوں (۳) یا دونوں مرفوع ہوں اور لا بمعنی لیس کے ہو ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قال میرک لاسھل و لا سمین فیھما ثلاثة اوجه البناء علی الفتح لانه اسم لالنفی الجنس والجر علی انه صفة جبل ای غیر سھل ولاسمین والرفع علی ان لابمعنی لیس (جمع ج۲ص۶۰)

بعض نسخوں میں فینتقل بھی آیا ہے، یعنی وہ گوشت اس قابل نہیں کہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے لانے کی زحمت برداشت کر کے وہاں سے منتقل کیا جائے، ای بصیغة المجھول ای فیوخذ او یحمل بل یترک لردائته فی ذلک المحل (جمع ج۲ص۶۱) (شمائل کے بعض نسخوں میں فینتقل بصیغہ مضارع مجہول منقول ہے اور یہ معنٰی ہوں گے کہ نہ وہ موٹا ہے کہ اسے اٹھا کر لایا جائے بلکہ بوجہ ردی اور بے کار ہونے کے اسی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بے کار ہستی ہے، جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے، پھر اس کے باوجود متکبر اور بد خلق اس درجہ کا ہے کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے، نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے کسی مصرف کی دوا نہیں (خصائل ص ۲۰۰)

دوسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِي لَا اَبُثُّ خَبَرَهُ اِنِّي اَخَافُ اَنْ لَّا اَذَرَهُ اِنْ اَذْكُرْهُ اَذْكُرْ عُجَرَهُ وَ بُجَرَهُ۔

ترجمہ : دوسری عورت بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں اگر کہوں تو ظاہری اور

باطنی عیوب سب ہی کہوں۔

قالت الثانیه...... الخ : پہلی عورت نے بیان ختم کیا، تو دوسری گویا ہوئیں، **لا ابث خبره**: **بث** ' **یبث** ، پھیلانا اور ظاہر کرنا' بعض روایات میں **لا اثیر** کے الفاظ آئے ہیں، دونوں کا معنیٰ ایک ہے **خبره** بمعنیٰ حالات کے ہے، یعنی کتمانِ حالات تو کرتی نہیں کہ باہمی معاہدہ کی پابندی کرنی ہے۔ البتہ اشارات میں سب کچھ واضح کردوں گی **والاشارة اشد من الصریح** (اور اشارہ زیادہ سخت (اور کارگر) صریح کلام سے ہوتا ہے) کیونکہ اگر صراحۃً کہا تو یہ خبر پھیل جائے گی اور میری خیر نہ ہوگی۔ **فتخاف من ذکر خبره ان یطلقها** (مواہب ص۱۸۸) (تو اس کی مکمل خبر دینے سے یہ خوف ہے کہ مجھے طلاق نہ دیدے

حالات کے تفصیلی بیان سے انکار کی وجہ :

انی اخاف ...... : مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس کی قباحت وشناعت اور داستانِ ظلم واستکبار شروع کردوں، تو اس کی برائیاں، مظالم اور قباحتیں اس قدر طویل ہیں، **ان لا اذره** ، کہ میں ان کو درمیان میں چھوڑ نہ سکوں گی اور تم سنتے سنتے بھی تھک جاؤ گے۔ **اذر** اور **وزر** دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی چھوڑنا۔ یہاں پر لا زائدہ ہے، جیسے کہ قرآن میں بھی آیا ہے **ما منعک ان لاتسجد** (اتحافات ص ۳۰۱) (کہ تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو سجدہ کرلیتا) یعنی اس کی اخبار عجیبہ اور قابل مذمت ولائقِ نفرین ہیں ایک بار بیان شروع کیا تو پورا کئے بغیر چھوڑ نہیں سکوں گی ...... **اذره** میں ضمیر غائب کا مرجع اگر زوج قرار پائے تو معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کے حالات کا بیان نہیں چھوڑ سکوں گی اور اگر اس کے حالات بیان کئے تو طلاق ملے گی اور میرے وسائل نہیں، زندگی دوبھر ہو جائے گی اور اگر ضمیر غائب کا مرجع خبر قرار پائے تو معنیٰ ہوگا کہ مکمل حالات بیان کئے بغیر اسے ادھورا اور نامکمل نہیں چھوڑ سکتی۔ **ای لا اترکه اولا اترک خبره** (جمع ج۲ ص۶۱)

ایک اشکال سے جواب :

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ یہ عورت اجتماعی معاہدہ سے بدعہدی کر رہی ہے اور اپنے زوج کے حالات چھپا رہی ہے، جواب ظاہر ہے کہ اسے اپنے زوج سے بہت شکایات ہیں۔ اسے اس بات کا

بھی اندیشہ ہے کہ اگر میں نے صاف صاف حالات بیان کردیئے اور وہ خاوند تک پہنچ گئے تو وہ بداخلاق ہے، طلاق دیدے گا، تو اس نے اس ایک جملہ میں اس کی پوری داستانِ حیات بیان کردی کہ بداخلاق' تندخو' سخت مزاج' درشت رویہ اور نادان وظالم ہے کہ آخری اقدام تک کر ڈالنے کا فیصلہ بھی کرسکتا ہے۔ بل وفت علی ادق وجہٍ و اکمله کما لایخفٰی علی اولئک الفصحاء البلغاء (مواہب:۱۸۸) (بلکہ اس نے تو اپنے عہدو پیان کو کامل اور دقیق طرز وطریقہ پر پورا کردیا جیسے کہ یہ بات ایسے فصیح اور بلیغ لوگوں پر مخفی نہیں ہونی چاہئے)۱

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی عدم التفصیل 'تلمیح اقوی من التصریح. (اتحافات ص ۳۰۱) (اور تفصیل نہ کرنے میں ایسے اشارات ہیں جو تصریح کرنے سے بھی قوی ہیں)

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے بھی اشکالِ مذکور کے جواب کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وهذه المرأة قد وفت بما تعاهدت و تحالفت علیه من عدم کتمان شئی من ذلک و شرحت ذلک علی اوفی وجه واکمله بلاغة کما لایخفی علی اولئک الفصحاء البلغاء وان خفی علی غیرهم (مناوی ج ۲ ص ۶۱) (اس دوسری عورت نے کسی چیز کو بھی خفیہ نہ رکھنے والے پختہ معاہدے اور حلف کی پاسداری کرتے ہوئے اسے پورا کیا اور پھر اس کی تشریح وتوضیح کو اس نے جس فصیح وبلیغ اور کامل طریقہ سے بیان کیا وہ اگرچہ غیر فصیح لوگوں پر مخفی بھی ہو لیکن ان جیسے فصیح وبلیغ حضرات پر ہرگز مخفی نہیں)

عُجَر بُجَر کی تحقیق :

اذکر عجره و بجره : عجر 'عجرة کی جمع ہے، بمعنی گردن کی رگوں کا پھول جانا، نفخة فی عروق العنق (اتحافات ص ۳۰۱) مراد حالاتِ ظاہری ہیں۔ اچھے ہوں یا برے، بعض نے اسے صرف ظاہری عیوب کے معنیٰ میں لیا ہے اور بجر ' بجرة کی جمع ہے، بمعنیٰ ناف کا اوپر کو اٹھنا، عظم السرة (اتحافات ص ۳۰۱) گردن کی رگیں پھول جائیں یا ناف اُبھر جائے، دونوں عیوب ہیں اور دونوں ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں۔ وقد قال علی کرم الله وجهه اشکو عجری و بجری الی ربی ای همومی و احزانی (جمع ج ۲ ص ۶۱) (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پریشان کن افکار اور

غموں کی شکایت صرف اپنے رب کریم کو کرتا ہوں) ظاہری عیوب اور باطنی عیوب دونوں مراد ہیں ۔
والعجر والبجر عیوبه الظاهرة والخفية (اتحافات ص ۳۰۱)

حاصلِ بیان :

ملا علی قاریؒ اس کا حاصل یوں لکھتے ہیں، وحاصل کلامها انها تريد ان تشكو الى الله تعالىٰ اموره كلها ماظهر و مابطن منها (جمع ج ۲ ص ۶۱) (کہ وہ عورت یہ چاہتی ہے کہ میں اپنے ظاہری وباطنی سب امور کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو کرتی ہوں)

تیسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِي الْعَشَنَّقُ اِنْ اَنطِقْ اُطَلَّقْ فَاِنْ اَسْكُتْ اُعَلَّقْ۔

ترجمہ : تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند لم ڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں۔

قالت الثالثه ...... : دوسری کے بعد معاہدہ کے مطابق تیسری خاتون نے اپنے زوج کے حالات بیان کرنا شروع کیئے۔ زوجي العشنق : میرا خاوند لمبے قد والا بے ڈھنگا آدمی ہے۔ دراز قد، لاغر گویا بے وقوف ہے۔ عموماً مشہور یہی ہے کہ درازئ قد بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے۔ صاحب اتحافات بھی یہی لکھتے ہیں وهو الطويل الممتد ' مع نحافة و هذا يدل على السفه غالباً (اتحافات: ص ۳۰۱) و قد جمعت جميع العيوب فى هذه اللفظة (مواهب: ۱۸۸) (اس تیسری عورت نے اپنے خاوند کے سب عیوب کو اسی ایک لفظ میں جمع کر دیا)

دو جملوں میں جمیع عیوب کا تذکرہ :

ان انطق اطلق ' اس کی قد کاٹھ تو ہے، غیر متوازن و بدصورت ' اخلاق بھی اچھے نہیں، زشت رو اور جلد مشتعل ہو جاتا ہے، کوئی بات ' کوئی مطالبہ، کوئی مشورہ دوں، تو فوراً اشتعال میں آ کر طلاق دینے

سے بھی گریز نہیں کرتا اور اگر اس وقت میں اس کے عیوب گنوالوں اور تفصیلات میں چلی جاؤں، تو یقیناً وہ اپنی بداخلاقی کی وجہ سے مجھے طلاق دیدے گا اور مجھے یہ پسند نہیں کہ اس سے میری اولاد بھی ہے اور مجھے اس کا احتیاج بھی ہے یا مجھے اس سے تعلقِ خاطر ہے۔ علامہ بیجوریؒ اس کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں ای ان انطق بعیوبہ تفصیلاً یطلق لسوء خلقه ولا احب الطلاق لأولادی منه اولحاجتی الیه او لمحبتی ایاه (مواہب ص۱۸۸)

فان أسکت اعلق : اور اگر میں چپ رہتی ہوں، تو گویا لٹکی رہتی ہوں، مطالبات نہ کروں، کوئی ضروریات نہ مانگوں، تو معلق رہتی ہوں، از خود تو اُسے اُمورِ خانہ داری کی ذمہ داریوں کا شعور ہی نہیں یا اگر میں اس کے عیوب بیان کروں، تو پھر بھی میں معلقہ خاتون کی طرح رہ جاتی ہوں۔ میری حالت نہ تو ان خواتین کی طرح ہے جو منکوحہ ہوتی ہیں، اور جن کے شوہر ان کی ضروریات اور تقاضے پورے کرتے ہیں اور نہ ان خواتین کی طرح آزاد ہوں جو مطلقہ ہوتی ہیں اور اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کرلیتی ہیں، یا میں اپنے شوہر سے زبردست تعلقِ خاطر و محبت کے پیش نظر اس کے عشق و محبت میں معلق رہتی ہوں علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ...... ای و ان سکت عن عیوبه یصیرنی معلقة و هی المرأة التی لاهی مزوجة بزوج ینفع ولا مطلقة تتوقع ان تتزوج و یحتمل أن المراد اعلق بحبه فیکون من علامة الحب (مواہب ص۱۸۸)

الغرض پہلی دونوں خواتین کی طرح اس تیسری خاتون نے بھی اپنے شوہر کی برائیاں بڑے بلیغ انداز میں بیان کیں اور شدید مذمت کی۔ قال الزمحشری و هذا من الشکایة البلیغة۔ (مناوی ج۲ ص۶۱) امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی یہ شکایت بڑی بلیغ انداز میں ہے)

چوتھی خاتون کا بیان :

قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِی کَلَیْلِ تِهَامَةَ لَاحَرٌّ وَلَاقَرٌّ وَلَامَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ ۔

ترجمہ : چوتھی عورت نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے نہ

ٹھنڈا نہ اُس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔

چوتھی خاتون جس کا نام مہد بنت ابی ہرومہ بتلایا جاتا ہے' نے اپنے شوہر کی تعریف کی اور بتایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔معتدل مزاج ہے۔زوجی کلیل تهامة : تهامه' دامنِ کوہ کو کہتے ہیں،یعنی وہ جگہ جو بلندی کے نیچے واقع ہو، مکہ معظّمہ بھی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔اس لئے اسے بھی تہامہ کہتے ہیں۔اکثر شعراء تهامه بول کر مراد مکہ معظّمہ لیتے ہیں۔ وتهامة : مكة و ماحولها من الاغوار اى البلاد المنخفضة و أما البلاد العالية فيقال لها نجد والمدينة لا تهامية و لا نجدية لا نها فوق الغور و دون النجد (مواہب ص۱۸۹) (تہامہ سے مراد مکہ شریف اوراس کے اردگرد ایسے مقامات مراد ہیں جو گہرائی میں واقع ہوں اور جو شہر بلندی پر واقع ہوں ان کو نجد کہتے ہیں اور مدینہ شریف نہ تو تہامیہ (گہرائی والا شہر) ہے اور نہ نجدیہ (بلندی والا شہر) ہے اس لئے کہ وہ گہرائی سے کچھ اونچا اور بہت بلندی سے کچھ نیچے اور گہرائی میں واقع ہے)

تهامه ۔سے گویا مكة المكرّمہ اوراس کے اطراف مراد ہیں۔ جہاں دِن کے وقت شدید گرمی، مگر رات معتدل ہوتی ہے، ہوائیں چلتی ہیں تو طبیعت میں بے حد فرحت ونشاط پیدا ہوتا ہے، موسم خوشگوار اور معتدل ہوتا ہے تو چوتھی خاتون اپنے شوہر کی پہلی صفت یہ بیان کرتی ہے، تہامہ کی رات کی طرح، میرا خاوند معتدل المزاج ہے، اى فى كمال الاعتدال و عدم الأذىٰ و سهولة امره ۔(مواہب ص۱۸۸) (اپنی اعتدالی کیفیت کی وجہ سے نہ وہ مجھے کوئی تکلیف دیتا ہے بلکہ سب اُمور آسانیاں مہیا کرتا ہے)

اعتدال مزاج کی ایک عمدہ تعبیر :

لاحر ولا قر ' اس کے اعراب تین طرح پڑھ سکتے ہیں (۱) (لا بمعنیٰ عطف کے ہے اور ذو محذوف ہے، اى لا ذو حرٍ و لا ذو قرٍ (۲) لا بمعنیٰ لیس اور غیر کے ہے اور یہ الفاظ مرفوع ہیں۔ اى لا حرٌ و لاقرٌ (۳) لانفی جنس کے لئے ہے اور خبر محذوف ہے۔ اى لا حرَّ فيه و لاقرَّ فيه ۔خلاصہ یہ کہ اعراب جس طرح بھی پڑھے جائیں' مراد ایک ہی ہے کہ میرے خاوند کے مزاج میں نہ گرمی ہے اور نہ سردی، بلکہ اعتدال ہے۔

لا مخافة و لا سآمة : **مخافة** ایسی چیز جس سے خوف کھایا جائے ،یعنی اس میں بلا وجہ طیش میں آنے اور ناراض ہو جانے اور پھر اچانک ناراض ہو کر بہت کچھ کر گزرنے کا کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہے اور نہ اس میں سامۃ یعنی اُکتاہٹ ہے کہ طبیعت اس کی کسی ادا سے گھن کرے یا نفرت پیدا ہو۔ **ای و لا ملالة فی مصاحبته فیسأم عنه** (جمع ج۲ص۶۲) **و هذا من ابلغ المدح لانها نفت عنه سائر الاسباب الاذی و اثبتت له جمیع انواع اللذة فی عشرته** (مناوی ج۲ص۶۲)(اور یہ اس کی بڑے بلیغ انداز میں تعریف ہے کیونکہ اس نے اپنے خاوند سے تکلیف اور ناراض کر دینے کے جمیع اسباب کی نفی کردی اور اس کے لئے برتاؤ اور معاشرت میں لذت اور سہولیات دینے کے کل ذرائع کا اثبات کر دیا)

پانچویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِی اِنْ دَخَلَ فَهِدَ وَاِنْ خَرَجَ اَسِدَ وَلَا یَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ۔

ترجمہ : پانچویں عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا۔

قالت الخامسة ! یہ پانچویں خاتون جس کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے' کا بیان ہے، جس میں مدح وذم دونوں پہلوؤں کا احتمال ہے۔ **و هذا کلام محتمل للمدح و الذم** (اتحافات ص۳۰۱)

فهد کا معنی وتشریح :

زوجی ان دخل فهد 'جب میرے شوہر گھر میں آجاتے ہیں تو وہ چیتے کی طرح ہوتے ہیں مشہور ہے کہ چیتا تین خصلتوں میں زیادہ مشہور ہے۔ کثرتِ نوم، کثرتِ جماع اور کثرتِ تغافل' گویا خاتونِ خامسہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں بھی مذکورہ تینوں اوصاف موجود ہیں ، گھر میں داخل ہوتے ہی خوابِ غفلت ، کثرتِ جماع اور تغافل اس کی لاینفک ادائیں ہیں ۔نوم وتغافل ایسا کہ امورِ خانہ داری میں اس کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ، کام سنوریں یا بگڑیں ، اسے تو اپنی نیند ہی پوری کرنی ہے۔
ای اذا دخل و ثب علیها وثب الفهد لارادة جماعها او ضربها او نام او تغافل عما یجب علیها تعهده (مناوی ج۲ص۶۲)(جب بھی وہ گھر آتا ہے تو چیتے کی طرح میرے اوپر جماع یا مارنے کے ارادہ

سے چھلانگ لگا دیتا ہے یا پھر سو جاتا ہے اور یا ضروری امور میں کوتاہی اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے) اگر خاتون کی اس گفتگو سے مراد مدح ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ گھریلو امور میں مداخلت نہیں کرتے جو چاہیں کھائیں، پکائیں، خریدیں، لے آئیں لیجائیں، ضائع کریں اسے تو اپنے کام ہی سے کام ہے۔ یہ اس کا کرم ہے، حلم ہے، حوصلہ ہے، تحمل ہے اور اگر مراد برائی ہو، ذم ہو تو پھر مراد تکاسل و تغافل اور خوابِ مدہوشی ہے کہ اسے تو اپنے آرام، مدہوشی نیند اور جماع سے کام ہے، اسے گھریلو امور میں کوئی دلچسپی نہیں ،کوئی مرے جیئے، بھوک ہو، افلاس ہو، ناداری ہو، بیماری ہو، اِسے کیا پرواہ' اسے تو خوابِ غفلت سے فرصت ہی نہیں۔ اسی کو علامہ مناویؒ نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے **فان كان القصد المدح فالمراد التغافل عما اضاعته المرأة مما يجب عليها تعهده كرماً وحلماً او الذم فالمراد النوم والتكاسل و عدم المبالات بضبطِ امور اهل بيته** (مناوی ج۲ص۶۳)

لفظِ اسد کا معنیٰ وتشریح :

وان خرج اسد :اور جب گھر سے باہر نکلے تو شیر بن جاتا ہے، یعنی جب لوگوں میں جاتا ہے یا اسے جنگ سے واسطہ پڑتا ہے تو شیر کی طرح میدانِ مبارزت میں اترتا ہے۔ اس کلام میں دونوں احتمال ہیں، مدح ہو تو معنیٰ شجاعت' بہادری اور ہیبت و دبدبہ ہے اور اگر ذم مراد تو غضب و سفاہت کی طرف اشارہ ہے ۔ **يحتمل المدح بارادة شجاعته و مهابته والذم بارادة غضبه و سفهه والاول بسياقها اقرب** (مناوی ج۲ص۶۳) پانچویں خاتون کے اپنے خاوند کے متعلق مدح اور ذم کا محتمل بیان اکثر روایات میں تو یہی مذکور ہے' البتہ حاشیہ بخاری شریف میں ہے' **والاكثر شرحوه على المدح ووقع فى رواية الزبير بن بكار مقلوبا انه اذا دخل اسد و اذا خرج فهد فان صح فالمراد انه اذا خرج الى الناس كان فى غاية الرزانة والوقار و حسن السمت و اذا دخل منزله كان متفضلا ومواسيا** ...... **وزاد ولايرفع اليوم لغد** ...... **وهو يؤيد المدح كذا فى التوشيح** (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۷۹)

(اکثر حضرات نے پانچویں خاتون کے کلام کی تشریح مدح سے کی ہے اور زبیر بن بکارؒ کی روایت میں اس کے الفاظ مقلوب طرز (یعنی آگے پیچھے ہونے کی صورت) پر ہیں یعنی وہ عورت یہ کہتی ہے کہ **انه اذا**

دخل اسد و اذا خرج فهد (جو پہلی عبارت کے برعکس ہیں) اگر یہ الفاظ صحیح ہوں تو پھر مطلب یہ ہے کہ وہ جب باہر لوگوں میں جاتا ہے تو راہ راست پر انتہائی سنجیدگی اور وقار سے ہوتا ہے اور جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو بڑا مہربان اور غمخواری کا اظہار کرتا ہے اور اس روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ وہ آج کے کام کل کے لئے نہیں چھوڑتے تو اس روایت کے الفاظ مدح ہونے کی تائید کرتے ہیں توشیح میں بھی اسی طرح ہے)

لفظِ عهد کا معنیٰ وتشریح :

و لا یسئل عما عهد 'اور وہ گھریلو معاملات میں کوئی باز پرس نہیں کرتا یعنی امورِ خانہ داری' کھانے پکانے' سودا سلف خریدنے' کپڑے اور زیورات اور خواتین کے تقاضوں اور ضرورتوں تک میں وہ مداخلت نہیں کرتے۔ بانه كريم الطبع نزه الهمة حسن العشرة لين الجانب فى بيته لا يتفقد ما ذهب من ماله و اثاثه ولا يسئل عنه لشرف نفسه و سخاء قلبه و قال بعضهم هذا يحتمل انه اما تكرماً و اما تكاسلاً (مناوی ج۲ص۶۳) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ وہ اچھی طبیعت والے اور بلند ہمت اچھے برتاؤ اور گھر میں نرمی کا مظاہرہ کرنے والے ہیں اور اپنی قلبی سخاوت اور شرافت کے پیش نظر مال ومتاع کے گم یا خراب ہونے پر سوال وجواب یا کسی قسم کی گرفت نہیں کیا کرتے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کے خاوند کا یہ معاملہ رکھنا ہوسکتا ہے کہ عزت وشرافت کی وجہ سے ہو یا پھر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے ہو)

تاہم اس سلسلہ میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پانچویں خاتون کے کلام کو مذمت پر حمل کرنا قرین قیاس نہیں بلکہ فطرت سلیمہ اس سے اباء کرتی ہے۔ مع ان البناء على حسن الظن مهما امكن اولٰی (جمع ج۲ص۶۳) (اس کو حسن ظن پر محمول کرنے کا جتنا امکان ہو بہتر ہے کہ اس پر حمل کیا جائے)

چھٹی خاتون کا بیان :

قَـالَـتِ السَّادِسَةُ زَوْجِی اِنْ اَكَلَ لَفَّ وَ اِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَاِنْ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا یُولِجُ

الْکَفَّ لِیَعْلَمَ الْبَثَّ ۔

ترجمہ : چھٹی عورت بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے، تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

قالت السادسة : اس خاتون کے بیان میں بھی مدح وذم دونوں پہلو نکل سکتے ہیں۔تاہم اس کے کلام میں مذمت زیادہ نمایاں ہے۔جیسا کہ پانچویں خاتون کی گفتگو میں مدح زیادہ محتمل تھی۔

ان اکل لفّ :

زوجی ان اکل لفّ ' لف' کا معنیٰ لپیٹنا' بہت کھانا، یعنی میرے زوج کے دسترخوان پر کھانے کی کثرت ہوتی ہے، کثرت سے کھاتا ہے کہ دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے ہیں۔اب اگر اس سے مدح مراد لیں تو معنیٰ وہی ہے جو اوپر نقل کردیا ہے کہ اللہ پاک نے اسے وسیع دسترخوان اور ہمہ اصناف واقسامِ طعام سے مالا مال کردیا ہے۔اس کے دسترخوان پر ایک کھانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا، انہ یتنعم باکل صنوف الطعام ولا یکتفی بواحد (مناوی ج۲ص ٦۳) اور اگر ذم کا پہلو مراد لیا جائے تو معنیٰ ہوگا کہ وہ بسیار خورہ ہے۔دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے، نہ اسے بڑوں کا خیال رہتا ہے نہ چھوٹوں کی فکر رہتی ہے۔اسے اپنا پیٹ بھرنے سے کام ہے۔اہل وعیال بوکھے مر جائیں، سو مر جائیں، بس اس کا تو اپنا پیٹ تازہ رہے۔انہ فی الاکل یمنع حق العیال و یاکل الطعام بالاستقلال (مناوی ج۲ص ٦۳) (وہ کھانے میں اہل عیال کے حق کو منع کر کے سارا کھانا خود ہڑپ کر جاتا ہے) ای اکثر الطعام و خلط صنوفہ کالانعام (جمع ج۲ص ٦۳) (اور کھانے کی مختلف اقسام کو چوپایوں کی طرح خلط ملط کرتے ہوئے کثرت سے کھاتا رہتا ہے) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں' والاقرب الی سیاقھا ان مرادھا ذمہ بأنہ اِن أکل لم یبق شیئًا للعیال و أکل الطعام بالاستقلال (مواہب ص۱۸۹) (سیاقِ کلام سے یہ بات زیادہ قریب ہے کہ اس عورت کا ارادہ خاوند کی برائی اور مذمت ہو کہ جب وہ کھانا شروع کرتا ہے تو سب کھانے کو خود ہڑپ کر لیتا ہے اور اہل

وعیال کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا)

و ان شرب اشتفّ :

یعنی میرا زوج جب پینے پہ آتا ہے تو آخری قطرہ تک پی جاتا ہے' الشفافة برتن میں رہ جانے والے پانی کے آخری قطرے کو کہتے ہیں' والشفافة بقية الماء فی قعر الاناء يقال لمن شربها اشتفها (مناوی ج۲ص۶۳) (شفافہ کا معنیٰ برتن کے نچلے حصے کا بقیہ پانی جو کوئی اسے بھی پی لیتے ہیں تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے فلان اشتفها) ملاعلی قاریؒ اسے بمعنیٰ استیعاب کے لیتے ہیں کہ برتن میں پانی ہو یا دودھ آخری قطرہ تک پی لیا جائے' ای استوعب جميع ما فی الاناء من نحو اللبن و الماء (جمع ج۲ ص۶۳) (جو کچھ برتن میں دودھ یا پانی تھا سب کا سب پی لیا) اگر مدح مراد لیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ جب پینے کا نمبر آتا ہے، تو اس کے دسترخوان پر پینے پلانے کی بھی جمیع انواع موجود ہوتی ہیں۔ پانی' شربت' دودھ' اللہ نے اسے کثرتِ مال سے نوازا ہے، خرچ کرتا ہے، بخل اور کنجوسی سے کام نہیں لیتا۔ کل کیلئے ذخیرہ کی فکر نہیں کرتا کہ توکّل ہے اور خدا کی ذات پر اعتماد ہے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں والمدح بان يراد شرب مع عياله الشراب كله لكرمه ولا يترک منه شيئًا ولا يدخر لخشية املاق (مناوی ج۲ص۶۳) اور اگر ذم مراد لیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ جب پینے پہ آئے تو سب کچھ پی جائے، اہل وعیال' دوست واحباب اور خدام کے لئے ایک قطرہ بھی نہ چھوڑے۔

جیسے علامہ بیجوریؒ یہی بیان کرتے ہیں فان اريد به الذم و هو المتبادر من كلامها فالمعنىٰ انه يشرب الماء كله و لايترک شيئًا لعياله (مواہب ص۱۹۰)

و ان اضطجع التفّ :

و ان اضطجع التف ...... جب سوتا ہے تو تنہا کپڑے میں لپٹ جاتا ہے اور نہ میری طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ میری بے چینی' پریشانی اور اضطراب معلوم کرے۔ مدح مراد ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے۔ دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا یعنی دوسروں کے عیوب کی تفتیش نہیں کرتا اور خواہ مخواہ لوگوں کی کوتاہیوں کو تلاش نہیں کرتا پھرتا۔ اور اگر ذم مراد ہو اور ظاہر ہے کہ ذم کا معنیٰ

راجح ہے، تو معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ چادر اوڑھ کر گھر کے ایک کونے میں مجھ سے علیحدہ سو جاتا ہے اور اعراض کرتا ہے۔ولا یباشرها ولا یضاجعها فلا نفع لزوجته منه (مناوی ج۲ص۶۳)(اور نہ اپنی بیوی کے ساتھ سوتا ہے اور نہ مجامعت کرتا ہے تو اس کی بیوی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے)ولا یولج ...... الخ: لفظی معنیٰ وتشریح تو بیان ہو چکی، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ گویا اسے اپنی اہلیہ سے حد درجہ نفور ہے کہ گھر آ جائے تو اسے اپنی اہلیہ کا کوئی فکر و غم نہیں ہوتا، وہ بیمار ہو، اسے زخم ہو، کوئی درد و تکلیف ہو یا کوئی پریشانی یہ اس کے قریب آنے اور چھونے تک کا روادار نہیں ہے۔محشی بخاریؒ نے فرمایا ' حاصله انه اکوّل و مع ذلک لیس بفحول (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۸۰) (خلاصہ یہ کہ وہ بڑا پیٹو ہے اور اس کے باوجود کوئی نر اور جوان مرد نہیں ہے)

و تکون هذه المرأة قد وصفت زوجها بالشره الشدید و التفریط فی جمیع حقوقها فلا تنفع منه لا من قریب ولا من بعید (اتحافات ص۳۰۱)(تو اس عورت نے اپنے خاوند کو سخت حریص اور لالچی ہونے کے باوصف تمام حقوق میں تفریط کا مرتکب ظاہر کیا ہے نہ تو اس میں کوئی قریبی رشتہ دار اور نہ اجنبی اور بعید لوگ کوئی نفع اٹھا سکتے ہیں)

ساتویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِیْ عَیَایَآءُ اَوْ غَیَایَآءُ طَبَاقَآءُ کُلُّ دَاءٍ لَهٗ دَآءٌ شَجَّکِ اَوْ فَلَّکِ اَوْ جَمَعَ کُلًّا لَکِ۔

ترجمہ : ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا میں جو کوئی بیماری ہوگی، وہ اس میں موجود ہے۔ اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔

قالت السابعة زوجی عیایآء او غیایاء۔ ساتویں خاتون (جس کا نام ہند ہے) کا تمام بیان اپنے شوہر کی مذمت میں ہے اور مذمت بھی کی ایسی کہ اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے ہی نہیں۔

عیایاء کا معنیٰ :

عیایاء، علم یعلم کے باب سے ہے بمعنیٰ درماندگی، لاچاری، گونگا پن اور اپنے اظہار مافی الضمیر میں معذوری کو کہتے ہیں، نامردی اور عورت کی خواہش کی تکمیل میں عاجز رہ جانے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، هو من الابل الذی تعب و اصح هزيلًا و تريد بذلک أنه عنين لايقدر على الجماع او العاجز عن تدبير امره (اتحافات ص۳۰۲)

(عیایاء اونٹوں میں اس اونٹ کو جو تھکا ماندہ اور کمزور ہو گیا ہو یہاں اس عورت کا مقصد یہ تھا کہ اس کا خاوند نامرد ہے جماع کرنے پر قادر نہیں اور یا یہ مطلب کہ وہ اپنے امور (کاموں وغیرہ) کے سوچنے سمجھنے سے عاجز ہے)

غیایآء کا معنیٰ :

لفظِ أو راوی کے شک کے لئے ہے یا تعبیر میں تخیر کے لئے ہے یا بمعنیٰ بل کے ہے' و أو للشک من الراوی و يحتمل انها للتخيير فی التعبير او انها بمعنیٰ بل (مواہب:۱۹۰) غیایاء کا اصل مادہ غیّ ہے بمعنیٰ ضلالت وگمراہی کے ای ذوغیّ و هو الضلالة او الخيبة او ذو غيابة وهی الظلمة (مواہب:۱۹۰) مطلب واضح ہے کہ میرا شوہر ہر کام میں خائب وخاسر نامرادو ناکام ہے۔اس کی سوجھ بوجھ ہی ایسی ہے کہ بے عقلی چھلک پڑتی ہے۔معناه لا يهتدی الی مسلک (جمع ج۲ص۶۴) (کسی راستہ پر رہنمائی نہیں پاتا)

طباقآء کے مختلف معانی :

طباقآء : اس کے متعدد معانی منقول ہیں، بمعنیٰ احمق و بے وقوف کے' جس پر معاملات اور دنیوی اُمور کے تمام راستے بند ہو جائیں اور وہ کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائے،الاحمق الذی تنطبق عليه الامور' فلا يعرف مخرجاً لها و لا مدخلاً (اتحافات:۳۰۲) دوسرا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ طباقآء اس شخص کو

کہتے ہیں، جو کلام سے عاجز ہو اور گفتگو کے وقت اس کے دونوں ہونٹ منطبق ہو جائیں..... **هو الذی يعجز عن الكلام فتطبق شفتاه كذا في النهاية** (جمع ج۲ص۶۴) (۳) تیسرا معنیٰ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مباشرت کے وقت اپنا سارا جسم عورت پر ڈال دے، جو بظاہر عورت کے لئے ایذاء ہے اور ظاہر ہے کہ یہ **عجز عن الجماع** بھی ہے اور ناپسندیدہ حرکت بھی۔ **عاجز عن الجماع أو يطبق على المرأة اذا علاها بصدره لثقله فليس لها منه الا الايذاء والتعذيب** (مناوی ج۲ص۶۴)

الغرض وہ بتانا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں کوئی پہلو بھی خیر کا نہیں، جس چیز میں بھی اقدام کرتا ہے، نامراد لوٹتا ہے۔ گویا **أَيْنَمَا يُوَجِّههُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ** (النحل:۷۶) (مالک اسے جس طرف بھی بھیجتا ہے، وہ کوئی اچھی خبر نہیں لاتا) کا صحیح مصداق ہے۔

مجمع الامراض :

كل داء له داء، ہر بیماری اس میں کامل طور پر موجود ہے۔ لفظِ **كل** جب نکرہ پر داخل ہو، تو احاطۂ افراد کے لئے آتا ہے اور جب معرفہ پر داخل ہو تو احاطۂ اجزاء کے لئے آتا ہے، تو یہاں گویا استغراقِ ادعائی ہے، کل داء کے بعد **في الناس** مقدر ہے، یعنی لوگوں کی تمام بیماریاں اس میں موجود ہیں۔ **اى جميع الادواء موجودة فيه بلا دواء ففيه سائر النقائص**۔ (جمع ج۲ص۶۴) **و الحاصل انه اجتمع فيه سائر العيوب والمصائب** (مناوی ج۲ص۶۴) (خلاصہ یہ ہوا کہ وہ لا دواء ہے اور اس میں سب عیوب اور مصیبتیں بھی جمع ہیں)

شجک کی وضاحت :

شجّک : نصر کے باب سے ہے بمعنیٰ سر میں ضرب لگانے کے، خطاب اپنے نفس سے ہے، **اوالمراد به خطاب العام** (جمع ج۲ص۶۴) (یا اس سے عام خطاب ہے) **والمراد انه يجرح عند الضرب و يؤذى**۔ (اتحافات ص۳۰۲) (اور اس سے مراد یہ کہ وہ مارتے وقت سخت ایذائیں دے کر زخمی کر لیتا ہے)

فلّکِ کا مطلب :

او فلک:فلّ توڑنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔گھر سے باہر نکالنے،دور پھینکنے اور مکمل اعراض کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ ای ضرباً یکسر العظم او یطردک من البیت۔ (اتحافات ص۳۰۲)او جمع کلاً لکِ یا یہ دونوں کام کردے مار مار کر زخمی کردے اور مستزاد اس پر یہ کہ ہڈیاں بھی توڑ دے اور پھر آخر میں گھر سے باہر پھینک دے۔

خلاصہ یہ کہ یہ عورت بتانا چاہتی ہے کہ اس کا زوج قبیح ترین اوصاف سے متصف ہے۔ و ھذہ المرأۃ تصف زوجھا باقبح الاوصاف و تنعتہ بأسوأ النعوت فھو احمق و سئی العِشرۃ، و ضروب ...... الخ(اتحافات ص۳۰۳)

اور یہ عورت اپنے خاوند کا قبیح ترین اوصاف سے تذکرہ کرتی ہے کہ وہ احمق بے وقوف بدترین برتاؤ والا اور بہت ہی مارنے والا ہے۔

آٹھویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّامِنَۃُ زَوْجِی الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ زَرْنَبٍ۔

ترجمہ : آٹھویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

آٹھویں خاتون جس کا نام ناشرہ بنت اوس بتایا جاتا ہے اور بعض نے عمرہ بنت عمرو بتایا ہے، اپنے شوہر کی مکمل تعریف کرتی ہے،جبکہ ساتویں خاتون نے مکمل تقبیح اور مذمت بیان کی تھی۔کہتی ہیں زوجی المسّ مس ارنب:میرے زوج کو چھونا گویا خرگوش کی طرح نرم،ملائم،نازک اور حددرجہ پیارے جسم کو چھونا ہے،گویا وہ سخت طبیعت،تندخو اور بدمزاج نہیں،اس کی طبیعت میں نرمی اور ملاطفت ہے، جسمانی اور روحانی دونوں لذتوں کا مرکب ہے۔بدن ملائم ہے کہ چھونے اور لپٹنے کو جی چاہے۔مزاج

میں بھی نرمی والفت ہے کہ جی بھر کر پیار لینے کو موقع دیتا ہے۔ ای کمس الارنب فی اللین و النعومة (جمع ج۲ص۶۴) و یحتمل ان المراد کریم الجانب لین العریکة والخلق و حسن العشرة (مناوی ج ۲ص۶۴) (اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کہ وہ عمدہ شریف پہلو والا نرم طبیعت اور اخلاق والا اور اچھے برتاؤ کرنے والا تھا) والریح ریح زرنب : زرنب زعفران یا اس طرح کوئی خوشبودار بوٹی ہے، نوع من النبات طیب الرائحة و قیل زعفران (جمع ج۲ص۶۴) روحانی اور جسمانی ملاطفت کے ساتھ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کا جسم خوشبوؤں میں مہکتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے، یعنی میرا غالب رہنا اسی کے عاجز و ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے، بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں (خصائل:۲۰۳) التوشیح کے حوالہ سے محشی بخاریؒ نے اس کی یہ وضاحت کی ہے، زاد النسائی و انا اغلبه والناس یغلب ، فوصفته مع جمیل عشرته لها و صبره علیها بالشجاعة (حاشیہ بخاری ج۲ص۷۸۰)

(امام نسائیؒ نے یہ زیادتی ذکر کی ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے تو گویا اس نے اپنے خاوند کو اچھے برتاؤ رکھنے کے ساتھ موصوف بھی کیا اور یہ کہ میری زیادتیوں اور کوتاہیوں پر تو صبر سے کام لیتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بہادر ہے)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ، وتصف هذه المرأة زوجها بالنعومة فی الجسم ولین البشرة وطیب الرائحة و لعلها تکنّی بذلک عن حسن الخلق (اتحافات:۳۰۲) اور یہ آٹھویں خاتون اپنے خاوند کو نرم و نازک، ملائم اور خوشبوؤں سے مہکتا ہوا جسم والا ثابت کر رہی ہے اور شاید کہ وہ عورت اس کے ذریعہ کنایۃً اس کے حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ کا ذکر کر رہی ہے)

نویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِى رَفِيعُ الْعِمَادِ عَظِيمُ الرِّمَادِ طَوِيْلُ النِّجَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ

ترجمہ : نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند رفیع الشان بڑا مہمان نواز اونچے مکان والا بڑی راکھ والا ہے، دراز قد والا ہے، اس کا مکان مجلس اور دارالمشورہ کے قریب ہے۔

اس خاتون نے (جس کا نام کبشہ تھا) بھی مختصر مگر جامع انداز میں اپنے شوہر کی تعریف کی اور چار جملوں میں اس کی چار خصلتیں بیان کی ہیں۔

پہلی خصلت :

زوجی رفیع العماد : **عماد** بانس کو اور ستون کو کہتے ہیں۔ بانسوں پر خیمے اور ستونوں پر گھروں کا اور محلات کا مدار ہوتا ہے۔ **اذا لعماد فی الاصل عمد تقوم علیها الأبنیة او الأبنیة الرفیعة** (مواہب ص۱۹۰) نویں خاتون کہنا یہ چاہتی ہے (۱) کہ میرے زوج کے خیمہ کے بانس یا محل کے ستون اونچے ہیں۔ بانس اور ستون اونچے ہوں گے تو خیمہ اور محل بھی رفیع ہوگا، بلندی والا ہوگا جو آسودہ حالی اور فراغ البالی سے کنایہ ہے اگر یہ حقیقت میں بھی واقعتاً بڑی عمارت ہے تو مراد وسعتِ رزق، کثرتِ اسباب اور مالداری کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اونچے محل وہی لوگ تیار کر سکتے ہیں جو مالدار ہوتے ہیں

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ اس کا مکان بلندی اور اونچائی پر واقع ہے، تب بھی درست ہے کیونکہ عربوں میں سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلند جگہ پر بناتے تھے تاکہ راہ گذر، مسافر اور پردیسی و پریشان حال لوگ دور سے مکان کو دیکھ کر بے تکلف چلے آئیں اور صاحبِ مکان کو ان کی خدمت کرنے، کھلانے اور سلانے کا موقع ملے، تو ظاہر ہے، اس صورت میں وہ خاتون رفیع العماد کہہ کر اس کی شرافت اور عظمتِ سخاوت کو بیان کرنا چاہتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **فالمعنیٰ ان ابنیته رفیعة و ارتفاعها اما باعتبار ذاتها حقیقة و اما باعتبار شهرتها مجازا او با رتفاع موضعها بان بنی بیوتها فی المواضع المرتفعة لیقصدها الاضیاف و ارباب الحاجة** (جمع ج۲ص۶۵)

(۳) بعض حضرات نے یہ معنیٰ بھی بیان کیا ہے کہ اونچا مکان شرافت اور عظمتِ حسب ونسب سے کنایہ ہے، گویا میرا خاوند خاندانی نسبت اور وجاہت کے لحاظ سے بھی رفعتِ مقام پر ہے، أی رفیع الذکر عالی الحسب والنسب (اتحافات ص ۳۰۲)

دوسری خصلت :

عظیم الرماد : میرے شوہر کی دوسری خصلت یہ ہے کہ بڑی راکھ والا ہے۔ رماد' راکھ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارمدہ آتی ہے۔ عظیم کا معنیٰ کثیر اور زیادہ۔ ظاہر ہے کہ راکھ تب زیادہ بنے گی جب لکڑی زیادہ جلے گی، گویا میرے شوہر کے ہاں کثرت سے لکڑی جلتی اور راکھ بنتی ہے، دن کو مہمانوں کے لئے کھانا پکانے میں اور رات کو بھی کھانے پکانے اور مہمانوں کو اپنے گھر کا راستہ دکھانے میں کہ مہمان آگ کی روشنی دیکھ کر اس طرف رُخ کریں گے۔ یہ شوہر کی کثرتِ سخاء سے کنایہ ہے۔ شیخ احمد عبد الجوادؒ لکھتے ہیں، وهو كناية عن كثرة الضيفان ' و بسطة اليد ' لان كثرة الرماد تستلزم كثرة الوقود ' وهى تستلزم كثرة الخبز والطبخ و هى تستلزم كثرة الضيفان الأكلين ' وهذا شأن الكرماء (اتحافات: ص ۳۰۲)

تیسری خصلت :

طویل النجاد : نجاد تلوار کے پرتلہ کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جس کی تلوار کا پرتلہ طویل ہوگا اس کی تلوار بھی لمبی ہوگی۔ عربی محاورہ میں طویل القامت ہونے سے کنایہ ہے۔ هى حمائل السيف و هى كناية عن طول القامة (اتحافات ص ۳۰۲) جو اس کی بہادری، امور حرب و جہاد پر دسترس اور اپنے احکام وعزائم پر کمالِ قدرت وتنفیذ اور شجاعت وسخاوت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' و يمكن ان يكون كناية عن سعة حكمه على اتباعه و اشياعه كما يقال سيف السلطان طويل اى يصل حكمه الى اقصى ملكه وايضاً فيه ايماء الى شجاعته المستلزمة غالباً لسخاوته (جمع ج ۲ ص ۶۵)

چوتھی خصلت :

قریب البیت من الناد 'الناد' مجلسِ مشاورت کو کہتے ہیں۔ اسی سے دار الندوۃ آیا ہے۔ ای مجلس القوم و متحدثھم (جمع ج۲ص۶۵) اصل میں النادی ہے۔ ی سجع کلام کے لئے حذف ہوئی ہے۔ ای الموضع الذی یجتمع فیه وجوه القوم للتشاور و التحدث (مناوی ج۲ص۶۵) میرے شوہر کا گھر مجلس القوم (ٹاؤن ہال، اسمبلی ہال، لیبر ہال اور تکیہ گاہ وغیرہ) کے قریب ہے کیونکہ وہ آسودہ حال بھی ہے۔ جذبۂ خدمت سے سرشار بھی' سردار بھی ہے اور عظمتِ حیثیت کا مالک بھی۔ اسے سرداری بھی حاصل ہے اور مقامِ سخاوت بھی' وہ خود بھی رئیس ہے اور رؤسائے قوم کا میزبان بھی۔ و انما قرب بیته من النادی لیعلم الناس مکانه و مکانته (جمع ج۲ص۶۵) (اور میرے شوہر کا گھر مجلس القوم کے اس لئے قریب ہے کہ لوگوں کو اس کے مکان اور اس کی شان و مرتبہ سے آگاہی ہو) و قرب البیت کنایة عن السؤدد و المجد و هذه اوصاف ممدوحة (اتحافات ص۳۰۲) (اور گھر کا قریب ہونا یہ سرداری اور بلندی شان سے کنایہ ہے اور یہ سب اچھے اوصاف ہیں)

دسویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِیْ مَالِکٌ وَمَا مَالِکٌ مَالِکٌ خَیْرٌ مِنْ ذٰلِکَ لَهٗ اِبِلٌ کَثِیْرَاتُ الْمُبَارِکِ قَلِیْلَاتُ الْمَسَارِحِ اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَیْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِکُ۔

ترجمہ: دسویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں، وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا اُن سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اس کے اونٹ بکثرت ہیں، جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں، وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا۔

زوجی مالک 'میرے شوہر کا نام مالک ہے۔ فما مالک اور میں کیسے بیان کروں کہ مالک کیا ہے۔ یہ استفہامِ تعظیم و تفخیم ہے' گویا کہنا چاہتی ہیں کہ مالک ایک عظیم انسان ہے۔ اس کی

عظمتِ شان کے پیش نظر الفاظ میں اس کی تعریف بھی نہیں کی جا سکتی۔ وھو استفھام تعظیم وتفخیم (مواہب ص ۱۹۱) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فما مالک ھذا تعجیب من امرہ و شانه و تعجیز عن کنه بیانه کقوله تعالیٰ الحاقة ما الحاقة فالاستفھام للتعظیم و التعجیب و التفخیم (جمع ج۲ ص ۶۵) (مالک کیا ہے یہ گویا اس کی شان و مرتبہ سے تعجب و حیرانگی ہے اور اس کے بیانِ حقیقت سے عاجزی کا اظہار ہے جیسے الحاقة ماالحاقة میں بھی استفہام اس کی عظمت تعظیمِ شان اور تعجب کے لئے ہے) اسی طرح قرآن مجید میں اس کی ایک اور نظیر بھی موجود ہے القارعة ٥ ما القارعة ٥ و ما ادرک ما القارعة

مالک خیر من ذلک' ذلک اسم اشارہ یا تو ساتھ والی مذکورہ قریبہ خاتون کی طرف اشارہ ہے یا پھر سابقہ تمام خواتین مذکورات کی طرف اشارہ ہے، یعنی میرا شوہر سابقہ مذکورہ خاتون کے خاوند سے یا تمام خواتین کے شوہروں سے بہتر ہے ...... انه خطاب لاحداھن من المجاورات اولجنسھن من المخاطبات ای زوجی مالک خیر من زوج التاسعة او من جمیع النساء السابقة (جمع ج۲ ص ۶۵)

کثرتِ مال کی عمدہ تعبیر :

له ابل...... مبارک ' مبرک کی جمع ہے، اسمِ ظرف' بمعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہیں' یا اونٹوں کے بیٹھنے کے زمانے' یا مصدر میمی ہے بمعنیٰ البروک کے جمع المبرک و ھو محل بروک البعیر أو زمانه او مصدر میمی بمعنیٰ البروک (جمع ج۲ ص ۶۶)

دسویں خاتون یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرا شوہر مالدار بھی ہے۔ اس زمانے میں بہترین مال اونٹ تھے، وہ اس کے پاس کثیر ہیں، مالداری کے ساتھ ساتھ اس میں سخاوت و خدمتِ خلق کا جذبہ ہے، اس لئے گھر کے قریب اونٹوں کے بٹھانے کی جگہیں بہت ہیں، بجائے چراگاہ میں بھیجنے کے وہ قریب رکھتے ہیں تاکہ مہمان آئیں تو ان کی ضیافت کے لئے چراگاہ جانے اور وہاں سے اونٹ لانے کے بجائے قریب سے بہ سہولت اونٹ اٹھا کر ضیافت میں فوری ذبح کر دیا جائے اور دودھ دوہ کر فوراً پیش کیا جا سکے۔

قلیلات المسارح ' المسارح ' کا مفرد مسرح ہے، وھو اما مصدر او اسم زمان او

مکان (جمع ج۲ص۲۶)سرحت الماشية سے ماخوذ ہے بمعنی چرانے کے قرآن میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، ولكم فيها جمال حين تريحون و حين تسرحون (النحل:۶) (تمہارے لئے ان چوپایوں میں حسن و جمال ہے جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ مقصد یہ ہے کہ باوجود کثرت کے وہ دن کو جنگلوں میں نہیں چرائے جاتے اور کسی وقت بھی گھر کے قریب سے دور نہیں بھیجے جاتے یا معنیٰ یہ ہے کہ دور کی چراگاہوں میں صرف تھوڑے سے وقت کے لئے بقدرِ ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ گھر کے قریب ٹھہرائے جاتے ہیں، تاکہ اگر مہمان تشریف لائیں تو فوراً دودھ اور گوشت سے ان کی تواضع کی جا سکے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں حتیٰ اذا نزل ضيف يقريه من البانها و لحومها (جمع ج۲ص۲۶)

کمال سخاوت کی عمدہ تعبیر :

اذا سمعن ...... یعنی صرف یہ نہیں کہ میرے شوہر مالدار ہیں اور صاحبِ جود و سخا ہیں، بلکہ ہمارے اونٹ بھی اس کے عادی ہیں، وہ جوں ہی مہمانوں کی آمد پر ان کے لئے بجائے جانے والے استقبالی باجے اور ساز و رباب کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کی ذبیحہ و ہلاکت کی باری قریب ہے، ملا علی قاریؒ آئندہ عبارت میں یہی ذکر کرتے ہیں يعني انه من كرمه وجوده عود ابله بانه اذا نزل الاضياف به ان يا تيهم بالمعازف كالرباب و يسقيهم الشراب و يطعمهم الكباب فاذا سمعت الابل ذلك الصوت من الباب علمت انهن منحورات بلا حساب (جمع ج۲ص۲۶)مزھر' باجے کو کہتے ہیں، وهو العود الذي يضرب عليه عند الغناء (اتحافات:۲۰۳) جو باجا ہاتھ سے بجایا جائے' اسے مز مار اور جو لکڑی سے بجایا جائے، اسے مزھر کہتے ہیں' اس کی جمع مزاھیر آتی ہے۔

گیارہویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشَرَةَ زَوْجِي اَبُوْزَرْعٍ وَ مَا اَبُوْزَرْعٍ اَنَاسَ مِنْ حُلِيّ اُذُنَيَّ وَ مَلَاءَ مِنْ

شَحمِ عَضُدَىَّ وَ بَجَّحَنِی فَبَجَحتُ اِلَیَّ نَفسِی وَ جَدَنِی فِیۡ اَهلِ غُنَیمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِی فِی اَهلِ صَهِیلٍ وَ اَطِیطٍ وَ دَآئِسٍ وَ مُنَقٍّ فَعِندَهٗ اَقُولُ فَلا اُقَبَّحُ وَ اَرقُدُ فَاَتَصَبَّحُ وَ اَشرَبُ فَاَتَقَمَّحُ اُمُّ اَبِی زَرعٍ فَمَا اُمُّ اَبِی زَرعٍ عُکُومُهَا رَدَاحٌ وَ بَیتُهَا فَسَاحٌ ، اِبنُ اَبِی زَرعٍ فَمَا اِبنُ اَبِی زَرعٍ مَضجَعُهٗ کَمَسَلِّ شَطبَةٍ وَتُشبِعُهٗ ذِرَاعُ الجَفرَةِ. بِنتُ اَبِی زَرعٍ فَمَا بِنتُ اَبِی زَرعٍ طَوعُ اَبِیهَا وَ طَوعُ اُمِّهَا وَ مِلءُ کِسَآئِهَا وَغَیظُ جَارَتِهَا جَارِیَةُ اَبِی زَرعٍ فَمَا جَارِیَةُ اَبِی زَرعٍ لَا تَبُثُّ حَدِیثَنَا تَبثِیثًا وَ لَا تُنَقِّثُ مِیرَتَنَا تَنقِیثًا وَلَا تَملَأُ بَیتَنَا تَعشِیشًا. قَالَتْ خَرَجَ اَبُوزَرعٍ وَالاَوطَابُ تُمخَضُ فَلَقِیَ امرَاَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا کَالفَهدَینِ یَلعَبَانِ مِن تَحتِ خَصرِهَا بِرُمَّانَتَینِ فَطَلَّقَنِی فَنَکَحَهَا فَنَکَحتُ بَعدَهٗ رَجُلًا سَرِیًّا رَکِبَ شَرِیًّا وَ اَخَذَ خَطِّیًّا وَ اَرَاحَ عَلَیَّ نَعَمًا ثَرِیًّا وَ اَعطَانِی مِن کُلِّ رَآئِحَةٍ زَوجًا وَ قَالَ کُلِی اُمَّ زَرعٍ وَ مِیرِی اَهلَکِ . فَلَو جَمَعتُ کُلَّ شَیءٍ اَعطَانِیهِ مَا بَلَغَ اَصغَرَ اٰنِیَةِ اَبِی زَرعٍ قَالَتْ عَآئِشَةُ فَقَالَ لِی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ کُنتُ لَکِ کَاَبِی زَرعٍ لِاُمِّ زَرعٍ ۔

ترجمہ : گیارھویں عورت ام زرعہ نے کہا کہ میرا خاوند ابوزرع تھا۔ ابوزرع کی کیا تعریف کروں، زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے مجھے ایسا خوش و خرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا، جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کا بیل اور کسان (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے علاوہ اُس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا۔ کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں، (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں، اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھر پور رہتے تھے، اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ نورٌ علیٰ نور ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی

یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچے کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ یعنی بہادر کہ سونے کے لئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی۔ ابوزرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات، ماں کی تابع دار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے کمالات سے جلن پیدا ہو۔ عرب میں مرد کے چھریرا ہونا اور عورت کے لئے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے) ابوزرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں، ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہ کرتی تھی، گھر میں کوڑ کباڑ نہیں ہونے دیتی، مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی، ہماری یہ حالت تھی کہ لطف سے دن گذر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، ابوزرع گھر سے نکلا راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی، جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود اور اناروں سے یا تو حقیقۃً انار مراد ہیں کہ اُن کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے، یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دیدینے سے اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے، اس سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دے دی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے، لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں، جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے۔

قانونِ نحوی :

قالت الحادية عشرة ! دونوں جزءمؤنث ہیں اور یہی نسخہ صحیح ہے اور اُصول کے مطابق ہے بعض نسخوں میں جزءاول کی تذکیر اور ثانی کی تانیث یعنی الحادی عشرة اور بعض میں اس کے بالعکس مذکور ہے اور یہ دونوں اُصولِ عربیت کے خلاف ہیں کما تقرر فی علم العربیة من انه یقال الحادی عشر فی المذکر بتذکیر الجزئین والحادیة عشرة فی المؤنث بتأنیث الجزأین۔(مواہب ص۱۹۱) (کیونکہ علومِ عربیہ (صرف نحو) میں یہ ثابت اور مقرر ہو چکا ہے کہ مذکر میں الحادی عشر دونوں جز کی تذکیر کے ساتھ پڑھا جائے گا اور مؤنث میں الحادیہ عشرۃ دونوں جز مؤنث ہوں گے)

وجہ تسمیہ حدیث :

اس حدیث کا نام بھی حدیثِ اُمّ زرع مشہور ہے۔بعض محدثینؒ نے علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی یہ حدیث نقل کی ہے ۔ زوجی ابوزرع میرے خاوند کا نام ابوزرع تھا، چونکہ گیارہویں خاتون کا شوہر مالدار تھا، کھیتی باڑی اور کافی صاحبِ جائیداد تھا، انہار و باغات کا مالک تھا۔گھوڑے اور اونٹ' بھیڑ بکریاں بھی کثیر تعداد میں اس کی مملوک تھیں۔محلات و مکانات بھی تھے اور اللہ نے اولاد بھی عنایت فرمائی تھی۔اس لئے ابوزرع کہنے میں ایک خاص لطافت ہے۔شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کنایة عن کثرة زرعه و وفرة نعمه و یحتمل ان یکون الزرع بمعنی الولد (اتحافات ص۳۰۳) (کہ ابوزرع کھیتی باڑی اور کثرتِ نعمت و جائیداد سے کنایہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ زرع بمعنیٰ اولاد کے ہو (یعنی کثیر الاولاد بھی تھے) شیخ ابراہیم البیجوریؒ ابوزرع کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : کنته بذلک لکثرة زرعه کما یدل علیه مازاده الطبرانی من قولها صاحب نعم و زرع و یحتمل انها کنته بذلک تفاؤلا بکثرة اولاده (مواہب ص۱۹۱) (اس کی بیوی نے اس کو بوجہ کثرت کھیتی باڑی اور باغات کے ابوزرع کے کنیت سے موصوف کیا جیسے کہ اس پر طبرانی کی روایت میں اس کی بیوی کے اس قول کی زیادتی ہے کہ وہ جانوروں کھیتوں اور باغات کے مالک ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بطورِ تفاول اور نیک فالی کثرتِ اولاد سے کنایہ بیان کیا ہو)

استفہام برائے تعظیم و تفخیم :

وما ابوزرع 'یہاں ما استفہامیہ ہے بمعنیٰ تعظیم کے، مبتدا واقع ہے اور اس کے مابعد خبر ہے۔ فما استفهامية بمعنىٰ التعظيم مبتداء و مابعده خبره من قبيل الحاقة ماالحاقة۔(مناوی ج۲ ص۶۶) وما ابوزرع' کی طرح استفہامیہ کلام تعظیم و تفخیم کے لئے ہوتا ہے۔قرآن میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ وما ادراک مالیلة القدر (سورۃ قدر)(تجھے کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہوتی ہے)

لفظِ اناس اور حلی کا معنیٰ و تشریح :

اناس من حلي اذني : اناس ' اقام کے وزن پر ہے۔ النوس سے ماخوذ ہے۔وهو التحرّک الشي متدلياً (جمع ج۲ص۶۶)(کسی چیز کو ناز و نخرہ کر کے حرکت دینا)اناسه ای حر که غیره ای اثقل باب افعال سے بمعنیٰ لٹکانے اور جھکانے کے۔ حلی اسم جنس ہے بمعنیٰ زیور یا حلیة کی جمع ہے، بمعنیٰ زیور کے وهی الصيغة للزينة اور تنوینِ تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور اسی میں بلاغت پنہاں ہے و التنكير للتعظيم (جمع ج۲ص۶۶)(اور حلّی کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے)وفيه البلاغة مالا يخفى (مناوی ج۲ص۶۶)(اور اس میں بے تحاشا بلاغت مخفی ہے)

امّ زرع بتانا چاہتی ہے کہ میرے شوہر مالدار بھی ہیں اور مجھ پر مہربان اور شفیق بھی' اس نے مجھے سونے کے اس قدر زیورات پہنائے کہ اس کے بوجھ نے میرے کانوں کو جھکا دیا اور لٹکا دیا۔ وهذا التعبير يفيد عظم الحلية التي وضعت في أذنيها (اتحافات:۲۰۳)(اور ان الفاظ سے تعبیر کرنا اس کے کانوں میں پہنے ہوئے زیورات کا بھاری اور قدر و قیمت والے ہونے کا فائدہ دے رہے ہیں)

بازوؤں کے موٹاپے کا ذکر :

وملأ من شحم عضدی ، من ' تعلیلیہ ہے یعنی عمدہ کھانوں' بہترین غذاؤں اور میرے لئے کھانے کھلانے کے خصوصی اہتمام نے میرے بازوؤں کو موٹا کر دیا۔اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میرے زوج کی معیشت بہت عمدہ ہے، فقط عضدین کے ذکر پر اکتفا کیا، لان سمنهما دلالة على سمن

الجسم (اتحافات ص۳۰۲) (اس لئے کہ بازوؤں کا موٹاپن جسم کے موٹاپے پر دلالت کرتا ہے و یمکن ان یکون کنایة عن قوة یدیها و سائر بدنها او کنایة عن حسن حالها و طیب معاشرته ایاها (جمع ج۲ص۶۶) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملأ من شحم عضدی ہاتھوں اور باقی بدن کی زور وقوت سے کنایہ ہو یا اس کی خوشحالی اور خاوند کے اچھے برتاؤ سے کنایہ ہو)

زوجہ کو انتہا درجہ خوش کردیا:

و بجحنی فبجحت الیّ نفسی: اس نے مجھے اس قدر خوش کردیا، ای فرّحنی و قیل عظمنی (مناوی ج۲ص۶۷) کہ میں خوش ہوگئی۔ اس نے مجھے اس قدر عظمت دلائی کہ میں خود کو عظیم محسوس کرنے لگی۔ ای فرحنی ففرحت او عظمنی فعظمت نفسی عنده (مناوی ج۲ص۶۷) (مجھے اتنی قدر وعزت دی کہ میں خود کو بڑی معزز سمجھنے لگی) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ای عظمنی؛ فعظمت عنه نفسی و قال الشاعر ......

و ما الفقر من أرض العشیرة ساقنا إلیک و لکنا بقرباک نبجح

(اتحافات ص۳۰۲)

(اور مجھے اپنے خاندان وقبیلہ اور وطن سے تیری طرف فقر وغربت نہیں لائی لیکن تیری قربت اور نزدیکی میں خوشی اور بڑا اپنا نصیب ہوا)

غریب خاندان سے اُٹھا کر مالداروں میں جگہ دی:

وجدنی فی اهل غنیمة بشق، غنم بکری کو کہتے ہیں۔ غنیمة اس سے تصغیر ہے اور تصغیر تقلیل کے لئے ہے۔ ای التصغیر للتقلیل ای أهل غنم قلیلة (مواہب ص۱۹۲) شق کے تین معانی نقل ہوئے ہیں (۱) خاص مقام یعنی معین جگہ کا نام (۲) دامنِ کوہ یا کنارۂ پہاڑ (۳) اگر بکسر الشین ہو تو بمعنی مشقت ہے، فتح شین کے ساتھ پڑھیں تو پہلے دونوں معانی مراد ہیں، وهو المعروف لاهل اللغة. (مواہب ص۱۹۶) اور شین کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو تیسرا معنیٰ مراد ہے وهو المعروف لاهل الحدیث (مواہب ص۱۹۲)

گیارہویں خاتون بتانا چاہتی ہے کہ میں ایک غریب وفقیر خاندان سے ہوں اور میرے

والدین معمولی حیثیت کے لوگ تھے، جن کا گذر اوقات محض تھوڑی بکریوں پر ہوا کرتا تھا۔ فجعلني في أهل صهيل و اطيط و دائس و منق ، پھر میرا شوہر مجھے ایسے لوگوں میں لے آیا، جو گھوڑوں والے اونٹوں والے تھے، اناج گاہنے والے اور اسے صاف کرنے والے تھے، مراد خوش حال اور متمول لوگ ہیں۔ صہیل گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز کو کہتے ہیں، هو صوت الخيل 'اطيط اونٹوں کی آواز کو کہتے ہیں هو صوت الابل ارادت انها كانت فى اهل قلة فنقلها الى اهل كثرة و ثروة لان اهل الخيل والابل اعظم و اشرف من اهل الغنم (مناوی ج۲ص۶۷) (ام زرع کا مطلب یہ ہے کہ میں معاشی طور پر تنگدست غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی تو ابوزرع نے بہت مالدار اور خوشحال گھرانے میں مجھے نقل کر دیا اس لئے کہ گھوڑوں اور اونٹوں والے عرف میں بکریوں والوں سے معزز اور شریف شمار ہوتے ہیں)

دائس : اسم فاعل ہے، اس سے مصدر دوس داسا اور دیاسة آتا ہے، معنیٰ خرمن کو پاؤں سے روند کر دانے نکالنا، اگر دائس سے مراد بیل ہے تو پھر صہیل پر عطف ہے اور اگر مراد وہ لوگ ہیں جو بیلوں کو ہانکتے اور اُن کے بازوں سے دانے نکلواتے ہیں تو پھر فی کے تحت آئے گا اور اہل پر عطف ہوگا۔

منق : تنقية سے ماخوذ ہے، بمعنیٰ اناج کو صاف کرنا اور کھانے کے قابل بنانا یا نقیق سے ماخوذ ہے بمعنیٰ مرغی کا ذبح ہونے کے وقت آواز نکالنا ...... فالصحيح انه من التنقية فهو الذى ينقى الحب و يصلحه و ينظفه من التبن وغيره بعد الدوس بغربال وغيره وهذ المعنىٰ هو المناسب فى المقام ...... و قيل الاولىٰ تفسير المنق بذابح الطير لانه عندذبحه ينق فيصير هو ذا نقيق اى جعلنى من اهل ذابحى الطير و طاعمى لحومها (جمع ج۲ص۶۷)

پہلے معنیٰ کی صورت میں خاتون یہی بتانا چاہتی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے زراعت پیشہ خاندان میں جگہ دی ہے، جو اناج کو صاف کر کے کھاتے ہیں، جن کے مال کثیر ہیں، جن کی نعمتیں بہت ہیں، جن کے احوال قابل رشک ہیں، دوسرے معنیٰ کی مراد بھی یہی ہے کہ مجھے اس نے ان لوگوں میں جگہ دی ہے جو پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانے والے ہیں، یہ کنایۃ ہے اس بات سے کہ اس کا شوہر مرغیوں اور جنگلی پرندوں کے گوشت سے اس کی تربیت کرتا ہے، گویا وہ عمدہ گوشت کھانے اور

کھلانے والے خوشحال لوگ ہیں۔

زوج اور سسرال کے عمدہ اخلاق :

فعنده ...... شوہر اور اس کے خاندان کے عمدہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ جب میں ان کے سامنے بات کرتی ہوں تو میری کرامت واکرام اور عزت افزائی کے پیش نظر میری کسی بات کا وہ برا نہیں مناتے۔ فلا انسب الی تقبیح شئی من الافعال (جمع ج۲ص۶۸) وہ میرے ذاتی اعزاز کے پیش نظر میری کسی بات کو رد نہیں کرتے کہ میرا کلام انہیں پسند ہے اور میری ہر ادا اور ہر بات سے اُن کی محبت ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے، لا تقبحوا الوجوه ای لاتقولوا قبح اللّٰہ وجه فلان (جمع ج۲ص۶۷) (تم چہروں کی قباحت نہ کیا کرو یعنی یہ نہ کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ فلاں کی چہرے کو قبیح کردے)

وارقد فأتصبح ' بعض نسخوں میں ارقد کی جگہ انام آیا ہے، تصبّح تفعّل کے باب سے ہے۔یعنی صبح کو اُٹھنا جب خوب دن چڑھ آئے یعنی میں اپنی مرضی سے سوتی اور اپنی مرضی سے اُٹھتی ہوں، سو جاتی ہوں، تو میرے آرام وراحت کے پیش نظر مجھے نیند سے نہیں اُٹھایا جاتا، کوئی خدمت اور کام مجھ سے نہیں لیا جاتا کہ ان کے پاس کام کرنے والے خدم وحشم پہلے سے موجود ہوتے ہیں، تو میری خدمت اور ضرورت انہیں محسوس ہی نہیں ہوتی۔

واشرب فاتقمح' جب میں کوئی مشروب (نبیذ' دودھ' شربت' ٹھنڈا پانی) پیتی ہوں تو خوب سیر ہو کر پیتی ہوں یعنی جب سیر ہو جاتی ہوں، تب اسے چھوڑتی ہوں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والمعنیٰ لا أتألم منه لا من حيث المرقد ولا من حيث المأكل والمشرب (جمع ج۲ص۶۸) (مطلب یہ کہ کھانے پینے اور سونے میں مجھے ابوزرع کی طرف سے کوئی مشکل اور تکلیف درپیش نہیں ہوتی) باقی رہی یہ بات کہ پینے کا ذکر کیا اور کھانے کا ذکر نہ کیا، تو ظاہر ہے کہ پینا، کھانے کے بعد ہوتا ہے، جب پینے میں یہ اکرام ہے تو کھانے میں تو لامحالہ ہوگا، انما لم تذكر الأكل اما اكتفاء او لأن الشرب متفرع عليه او لانه قد علم مما سبق (جمع ج۲ص۶۸) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کھانے کا تذکرہ یہاں

نہیں کیا گیا یا تو اشرب فاتقمح پر اکتفاء کیا (کہ پینے کے ذکر سے اکتفاء کیا گیا) اور یا اس لئے کہ پینا تو کھانے پر متفرع ہے (یعنی پینا تو کھانے کے بعد ہی ہوتا ہے) یا پھر یہ سابقہ کلام سے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے)

امّ ابی زرع کے احوال :

اب تک تو امّ زرع نے اپنے خاوند کے حالات وصفات بیان کئے۔ اب خاندان کے دیگر افراد کا حال بیان کرتی ہوئی سب سے پہلے اپنی ساس کی توصیف بیان کرتی ہیں۔ امّ ابی زرع فما امّ ابی زرع : ابوزرع کی ماں یعنی میری ساس کا کیا کہیے؟ میں تمہیں بتاؤں کہ اس کا کیا مقام ہے، مالداری' کشادہ حالی' وسعتِ مال ودار، کیا کیا نعمتوں سے اللہ نے نوازا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ خواتین اپنی ساس کی صفت اور مدح کم بیان کرتی ہیں، مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور ہے، اعلاماً بانها فی نهاية حسن الخلق و كمال الانصاف (مناوی ج۲ص ۶۸) (یہ بتلانا چاہتی ہے کہ میری ساس انتہائی بااخلاق اور کامل انصاف والی عورت ہے)

عکومها رداح ! عکوم ' عکم کی جمع ہے سامان رکھنے کے برتن کو کہتے ہیں، وهی اوعية المتاع (اتحافات:ص ۳۰۳) و قيل نمط تجعل فيه النساء ذخائرها (مناوی ج۲ص ۶۸) (اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کی ٹوکری جس میں عورتیں اپنے سامان وغیرہ محفوظ کرتی ہیں) رداح بڑے بھاری اور زیادہ برتنوں کو کہتے ہیں، عظيمة ثقيلة كثيرة (مناوی ج۲ص ۶۸) یعنی میرے ساس کے گھر کے برتن بڑے کشادہ اور وسیع ہیں، جن میں اناج اور کھانے پینے کی اشیاء ہر وقت وافر مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ وبيتها فساح اس کا گھر بھی کشادہ اور صحن بڑا وسیع ہے، ای فسيح كطويل و طوال (مناوی ج۲ص ۶۸) قرآن میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ، فافسحوا يفسح الله لكم وفی معناه حديث خير المجالس افسحها ای اوسعها ۔(مناوی ج۲ص ۶۸) (کشادگی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی نصیب کرے گا اور اسی معنیٰ میں یہ حدیث ہے کہ اچھی مجالس (نشستیں) وہ جو وسیع اور کشادہ ہوں) یہ اس کی ساس کی دولت ثروت، کثرت نعمت اور کثیر اہل خدمت کے وجود کی

دلیل بھی ہے،و ذلک دلیل علی الثروۃ و کثرۃ النعمۃ (جمع ج ۲ ص ۶۹)

شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹے کا ذکر :

ابن ابی زرع و ما ابن ابی زرع......مسلّ : سلول سے ہے نصر کے باب سے آتا ہے بمعنیٰ کھینچنے اور چھیلنے اور صاف کرنے کے۔ شطبۃ : کا معنیٰ تراشی ہوئی شاخ' یعنی ابن ابی زرع کا بدن ہلکا پتلا اور چھریرا ہے، جو عرب کے عرف عام میں پسندیدہ ہے، جو سونے کے وقت بہت ہی کم جگہ گھیرتا ہے ۔شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ھی جریدۃ النخل الرطبۃ ای مکان نومہ خفیف لطیف نظیف (اتحافات ص ۳۰۴) شطبۃ کا معنیٰ کھجور کی شاخ' کھجور کی شاخ کو جب کھینچا جائے تو وہ مناسب نشان ڈالتی ہے اور بالکل صاف نشان پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے بستر پر سلوٹ نہیں پڑتی یعنی وہ مغلوب النوم نہیں ہے، بلکہ اس کا سونا مہذب ہے۔ یا مسل :ظرف مکان ہے اور شطبۃ کا معنیٰ تلوار' ابن ابی زرع کا بدن میان سے نکلی ہوئی تلوار کی طرح صاف' ستھرا' پاکیزہ' باریک اور چمکدار ہے۔اس کے سونے کی جگہ مثل مقام سلولِ تلوار کے۔ہے یا نیامِ سیف کی طرح قلیل ہے اور ہوشیار ہے کہ غافلوں کی طرح چت نہیں لیٹتا کہ بہت سی جگہ گھیر کر سو جائے۔

وتشبعہ ذراع الجفرۃ ' الجفرۃ: بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جس کی عمر چار ماہ ہو اور جس کی کوکھیں شبع کی وجہ سے پُر ہوں۔ ولد الشاۃ اذا عظم واستکرش (مواہب:ص ۱۹۳)أنثی ولد المعز و قیل الضأن اذا بلغت اربعۃ اشھر و فصلت عن امھا و قد مدحتہ بقلۃ الأکل (اتحافات ص ۳۰۴) (الجفرۃ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جو چار ماہ کی عمر کو پہنچ جائے اور ماں کے دودھ سے جدا کر دیا جائے گویا ابن ابی زرع کے تھوڑے کھانے کی تعریف کی ہے)

یعنی ابن ابی ذرع قلیل الاکل ہے،کھانا بہت کم کھاتا ہے،مگر کھاتا عمدہ ہے، چھوٹا گوشت اور وہ بھی پائے کا، فھو قلیل الاکل أو قلیل اللحم و ھو محمود شرعًا و عرفاً لاسیّما عند العرب (جمع ج ۲ ص ۶۹) (گویا وہ تھوڑے کھانے والا ہے یا موٹا نہیں ہے اور یہ شرعاً اور عرفاً قابل تعریف ہیں خصوصاً اہلِ عرب کے نزدیک)

بنتِ ابی زرع کا وصف :

بنت ابی زرع گیارہویں خاتون بیٹے کی توصیف کے بعد اب بیٹی کی صفت بیان کرتی ہیں فما بنت ابی زرع اس بات سے کنایہ ہے کہ ان کی بیٹی بھی ایک عظیم انسان ہے، ای ھی شئی عظیم فالمقصود بالاستفھام التعظیم (مواہب:ص۱۹۳)طوع ابیھا ...... الخ' طوع مصدر ہے بمعنٰی اسم فاعل کے یعنی ماں باپ کی مکمل فرمانبردار ہے، ای مطیعة لابیھا و مطیعة لامھا غایة الاطاعة (مواہب ص۱۹۳)طوع ابیھا وامھا کہنے کے بجائے لفظِ طوع کوامھا کے ساتھ مستقل ذکر کر کے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ والدین میں ہر ایک کی مستقلاً فرمانبرداری کرتی ہے۔ اشارة الی ان طاعة کل مستقلة (مواہب:۱۹۳) ملأ کسائھا : کساء کا لغوی معنٰی چادر اور کمبل ہے' یعنی کمبل کو بھر دینے والی ہے، گویا بھرے اور گداز جسم والی ہے اور عرب معاشرے میں عورت کے لئے بھرا جسم محمود وممدوح اور پسندیدہ ہے کنایة عن ضخامتھا وسمنھا وامتلاء جسمھا و کثرة شحمھا ولحمھا وھو مطلوب فی النساء (جمع ج۲ص۷۹) وغیظ جارتھا، وہ اپنے پڑوسنوں کو غصہ اور غضب دلانے والی ہے۔ ایسی حسین متوازی جسم' عمدہ اخلاق' کریمانہ صفات کی مالکہ کہ اس کی پڑوسنیں اس سے حسد کرنے لگتی ہیں والمعنٰی انھا محسودة لجارتھا و انھا لحسنھا صورة وسیرة تغیظ جارتھا (جمع ج۲ص۷۰) بعض شارحین نے یہاں جارة سے مراد سوکن بھی لیا ہے' والمراد منھا ضرتھا و سمیت جارة للمجاورة بین الضرتین غالباً (مواہب:۱۹۳)

ابو زرع کی لونڈی کی صفت :

اب امّ زرع اپنے سسرال کی لونڈی کا ذکر کرتی ہیں، جاریة ابی زرع : یہاں پر جاریة بمعنی مملوکة کے ہے کہ ابو زرع کی لونڈی کے کیا کہنے' وہ بھی بھلے مانس' شریف اور حیادار وعزت دار خاتون ہے۔ لا تبث حدیثنا، وہ ہماری باتوں کا ہمارے خاندانی امور کا اور گھریلو رازداریوں کا افشاء نہیں کرتی، وہ عام خواتین کی طرح بات سے بتنگڑ نہیں بناتی، نہ آگ لگاتی ہے اور نہ ناچاقیاں پیدا کرتی ہے، ای لاتنشر ولاتظھر ولا تذیع ولا تشیع (جمع ج۲ص۷۰)تبثیثا : مصدر من غیر بابه ہے ما

قبل کی تاکید کے لئے آیا ہے، جیسے قرآن میں ہے، وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل:۸) (اور منقطع ہو جا اس کی طرف منقطع ہو کر)

ولا تنقث ميرتنا تنقيثا: نقث بمعنیٰ تقسیم کرنے، پھیلانے اور بکھیرنے کے آتا ہے۔ ميرة اناج و طعام کو کہتے ہیں کہ ہماری لونڈی دیگر خواتین کی طرح گھر کا اناج لے کر بازاروں میں فروخت کر کے اسے ضائع نہیں کرتی یا بقدر ضرورت لے کر تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے، ڈنڈی نہیں مارتی، چوری نہیں کرتی، تنقیثاً یہ مصدر من غير بابه یا من غير لفظه کے قبیل سے ہے۔ تاكيداً و مبالغة في وصفها بالامانة والديانة والصيانة (جمع ج۲ص۷۰) (تنقیثاً مصدر برائے تاکید ہے اور ابوزرع کی لونڈی کی وصف امانت دیانت اور حفاظت میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے)

ولا تملأ بيتنا تغشيشاً: وہ ہمارے گھر کو پرندوں کے گھونسلوں کی طرح گھاس پھونس اور تنکوں سے نہیں بھرتی، یعنی صفائی پسند ہے، اى انها مهتمة بتنظيفه والقاء كناسته (اتحافات ص۳۰۴) (کہ وہ صفائی کا پورا اہتمام کرتی ہے اور کوڑا کرکٹ کو (باہر) ڈالتی ہے)

ابوزرع کی ایک حسین خاتون سے ملاقات:

قالت خرج ابوزرع: اب تک توامّ زرع نے ابوزرع کے اپنے، اور ان کے خاندان کے افراد حتی کہ ان کی لونڈیوں تک کے حالات اور صفات بیان کئے۔ اب یہاں سے اپنی سرگذشت کا باقی حصہ بیان کرتی ہیں کہ ابوزرع ایک روز گھر سے سفر کے لئے نکلے، والاوطاب تمخض، اوطاب جمع ہے، اس کی مفرد وطب آتی ہے، جس کا لفظی معنی مشک یا مشکیزہ ہے، جس میں دودھ رکھا اور بلویا جاتا ہے وهى انية اللبن (اتحافات ص۳۰۴) (لفظ تمخض صیغہ مجہول ہے یعنی مشکیزہ کو حرکت دی گئی دودھ سے مکھن نکالنے کے لئے) تمخض، مخض سے ہے بمعنی دودھ کو حرکت دے کر مکھن نکالنا و تمخض بالبناء المجهول اى تحرك لاستخراج الزبد من اللبن۔ (مواهب ص۱۹۴) اسی سے مخاض بھی آیا ہے، دردِزہ کو کہتے ہیں جو خواتین کو ہلا کے رکھ دیتا ہے، تمخض الاوطاب کا معنیٰ یہ ہے کہ ابوزرع کے سفر کے لئے خروج کے وقت دودھ کی مشکوں کو ہلایا جاتا تھا تاکہ مکھن اور چھاچھ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔

یہ دودھ کی کثرت اور مکھن کی کثرت سے کنایہ ہے۔ ابوزرع کا نکلنا صبح کے وقت بھی ہوسکتا ہے اور موسم بہار کا زمانہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ سبزہ زار کی وجہ سے جانور سیر ہوتے ہیں اور دودھ خوب دیتے ہیں اور دونوں معانی بیک وقت بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ ابوزرع صبح کے وقت ایک دن موسم بہار میں گھر سے باہر نکلے۔

دولڑکے کون تھے :

فلقی امرأۃ معها ولدان لها 'اس نے ایک ایسی خاتون کے ساتھ ملاقات کی جس کے ساتھ دولڑکے بھی تھے، **کالفهدین** وہ دونوں لڑکے چیتوں کی طرح چست وچالاک اور بیدار تھے، **مثلها فی الوثوب و اللعب و سرعه الحرکة** (مواہب ص۱۹۴)

یہاں پر **ولدان** بمعنیٰ مصاحبان کے ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ دونوں لڑکے اس کی اپنی اولاد بھی ہوں، اس لئے تو **ولدان لها** کہا منهانہ کہا۔

یلعبان سے مراد کیا ہے ؟

یلعبان : ابوزرع کی اس خاتون سے ملاقات کے وقت یہ دونوں لڑکے اس کی کمر کے نیچے یعنی خاتون کی گودی میں دواناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ **خصرها ای وسطها و فی روایة من تحت صدرها** (جمع ج۲ص۱۷) اس جملے کے دومعانی ہوسکتے ہیں، ایک تو حقیقی کہ اس خاتون کے سرین بڑے تھے اور خاصرہ (کمر) باریک تھی، اسی لئے نیچے سے گویا **فجوۃ** تھا جس سے چھوٹے انار آجاسکتے تھے اور لڑکے حقیقی اناروں سے کھیل رہے تھے ...... **تعنی انها ذات کفل عظیم فاذا استلقت علی قفاها ارتفع الکفل بها من الارض حتی یصیر تحتها فجوۃ یجری فیها الرمان** (جمع ج۲ص۱۷) مجازی معنیٰ یہ ہوسکتا ہے کہ خاتون کے دونوں پستانوں کو اناروں سے تشبیہ دی گئی ہو اور وہ لڑکے اپنی ماں کی حقیقی اولاد ہوں کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پستانوں سے کھیل رہے تھے ' **وقیل ذات ثدیین حسنین صغیرین کالرمانتین** (جمع ج۲ص:۱۷) ہر دونوں کی مراد ایک ہی ہے کہ وہ خاتون خوبصورت اور حسن و جمال کی پری پیکر تھی' ابوزرع نے دیکھا تو دل دے بیٹھا، جیسے کہ شیخ احمد عبدالجواد" فرماتے ہیں **وهی کنایة**

عن الجمال و قد رغب أبوزرع فيها لنجابتها و نجابة اولادها (اتحافات ص ۳۰۴)

ابوزرع نے طلاق دیدی :

فطلقني ...... نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے ابوزرع نے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کرلیا۔ اس طلاق دینے کے عمل میں بھی یہ خاتون ابوزرع کی مدح وتوصیف کا پہلو نکال رہی ہے کہ جب اس کا دل ادھر مائل ہوا تو ظاہر ہے کہ دونوں کو گھر میں رکھنا' دونوں کے لئے سوکنیں ہونے کی وجہ سے باعث ملال ہوتا، لہٰذا دونوں کی اور خود ابوزرع کی بہتری اس میں تھی کہ مجھے آزاد کردیتا۔ سو اس نے ایسا ہی کردیا اور جدید خاتون سے نکاح کرلیا۔

گیارہویں خاتون نے نکاح کرلیا :

ونكحت بعده رجلاً' اپنی سرگذشت بیان کرتے ہوئے گیارہویں خاتون کہتی ہے کہ جب ابوزرع سے مجھے طلاق مل گئی تو میں نے بھی دوسرے ایک مرد سے نکاح کرلیا۔

زوجِ ثانی کی توصیف میں کمال :

رجلاً سريا ، جورجلیّت میں کامل اور شرافت وسخاوت کا مجسمہ تھا۔ سرياً اى شريفاً و قيل سخيا (جمع ج ۲ ص ۱۷) اى من سراة الناس و اشرافهم (اتحافات ص ۳۰۴) جو اپنی قوم کا رئیس، آسودہ حال اور مالدار آدمی تھا، جو عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتا تھا۔ شريا اى فرساً يمضى بلا فتور ولا انكسار قال ابن السكيت اى فرساً فائقاً جيداً (جمع ج ۲ ص ۱۷) (شریا کا معنیٰ گھوڑے کا تیز دوڑنا جس کی چال میں سستی اور ٹوٹا پن نہ ہو ابن سکیت فرماتے ہیں کہ شریاً کا معنیٰ عمدہ اور اچھا گھوڑا)

زوجِ ثانی کی بہادری کی توصیف :

و اخذ خطياً ، اور وہ بے حد بہادر تھے کہ خطی نیزے استعمال کرتا تھا، خط یمن کے ایک علاقے کا نام ہے، جہاں عمدہ ترین جنگی نیزے تیار ہوتے تھے، گو خطی نیزہ ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کا نیزہ تھا جو ان کے استعمال میں ہوتا تھا، وهو الرمح المنسوب الى الخط قرية بساحل بحر عمان تعمل

فیہ الرماح (مواہب ص۱۹۴) (خطیاً سے مراد وہ نیزہ جو خط بستی (جو بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے) کی طرف منسوب ہے اس میں اچھی قسم کے نیزے تیار ہوئے تھے)

حسنِ سلوک :

و اراح علی نعما ثریا : یہ زوج ثانی کے حسن سلوک کا بیان ہے کہ اس نے میری بہت دلجوئی کی، نعمتیں عطا کیں اور قسم قسم کے عمدہ جانور عنایت فرمائے، اراح یعنی انہوں نے بعد الزوال مجھے نعمتوں سے مالا مال فرمایا اور نعمتیں بھی کثرت سے اور نوع نوع کی، صاحب اتحافات کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں ای کان یاتی بالنعم فی وقت الرواح و ھو مابعد الزوال و ثریا ای کثیرۃ من الثروۃ وھی کثرۃ المال (اتحافات ص۳۰۴)

اراح سے مراد چرنے چگنے والے حیوانات بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں آیا ہے۔ حین تریحون و حین تسرحون (النحل:٦) (جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں أو ادخلھا علی فی المراح والنعم الابل والبقر والغنم (مواہب ص۱۹۴) (اور شام کے وقت ان (حیوانات) کو میرے سامنے لائے اور نعم سے مراد اونٹ، بیل، بکریاں مراد ہیں)

جانوروں کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا :

واعطانی یعنی احسان و مروت کی بھی اس نے انتہاء کر دی اور مجھے ہر جانور کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا ، رائحۃ ، ہر وہ جانور جو شام کے وقت گھر کو لوٹتا ہے، ای من کل بھیمۃ ذاھبۃ الی بیتہ فی وقت الرواح (وھو ما بعد الزوال) (مواہب ص۱۹۴) زوجاً ای صنفاً او اثنین اثنین مبالغۃ فی الاحسان الیھا (اتحافات ص۳۰۴) زوج بمعنیٰ صنف کے قرآن میں آیا ہے، و کنتم ازواجا ثلاثۃ۔

زوجہ کے خاندان کی کفالت کے احسانات :

وقال کلی امّ زرع : پھر زوجِ ثانی نے مجھے کہا یہ مال و دولت، اناج و نعمت اور حیوان و انعام

سب تمہارے لئے ہیں، خوب مزے لے کر کشادہ دلی سے کھاؤ۔ امّ زرع منصوب ہے کلمۂ نداء محذوف ہے، نصب علی النداء ای یاامّ زرع (مناوی ج۲ص۷۲) (لفظ ام زرع منصوب بہ نداء ہے اصل میں یا ام زرع ہوگا) ای کلی ما تشائین۔ (مواہب ص۱۹۴) و میری اهلک، میری امر ہے کبیعی و أطعمی (مناوی ج۲ص۷۲) یعنی اپنے خاندان، میکے والدین اور رشتہ داروں پر احسان کرو، ان کے پاس بھی فراخدلی سے بھیجو وتفضلی علیهم وهو امر من المیرة وهی الطعام الذی یمتاره الانسان ای یجلبه لاهله قال الله تعالیٰ و نمیر اهلنا (جمع ج۲ص۷۲) (اپنے خاندان اور رشتہ داروں پر احسان کر، لفظِ میری یہ صیغہ امر حاضر میرة" سے ہے یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو کوئی انسان اپنے خویش واقارب کو بھیجتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل کرتے ہوئے کہ ونمیر اهلنا فرمایا)

دونوں ازواج میں تقابل اور فوقیتِ ابوزرع :

فلو جمعت کل شی اعطانیه یہاں سے بطورِ تلخیص وآخر کلام کے ابوزرع کے نعمتوں کی کثرت، ان کے احسانات کی وسعت اور اس کے کرم واخلاق اور شفقت ومحبت کا بیان کر کے زوجِ ثانی سے اس کا تقابل کرنا چاہتی ہے۔ فلو جمعت ... یعنی اگر میں زوج ثانی کی تمام نعمتوں وانعامات کو جمع کر کے یکجا کرلوں ، مابلغ ...... یہ سب کچھ جمع ہو کر بھی زوجِ اول ابوزرع کے عنایت فرمودہ ایک چھوٹے سے برتن کی مالیت اور عظمت ورفعت کو نہیں پہنچ سکتے۔ ما بلغ اصغر آنیة ابی زرع ای قیمتها او قدر مثلها (مواہب ص۱۹۴)

زوجِ ثانی نے مجھے جس قدر بھی عنایات واکرام سے نوازا ہے یہ بہت کچھ ہے، مگر کچھ ہونے کے باوجود بھی زوجِ اول ابوزرع کی عنایات کی ایک حقیر ترین چیز معمولی سے برتن کی عظمت ومقام کے برابر نہیں ہوسکتے، چہ جائیکہ اس کے عظیم، اور کثیر عنایات کا تقابل کیا جائے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ یعنی انّ جمیع ما اعطاها لایساوی اصغر شئی حقیر مما لابی زرع فکیف بکثیره و فی ذالک اشارة الی قولهم ما الحب الا للحبیب الاول ولذالک کانت السنة تزوج البکر وهذا احد

وجوه احبیة عائشةؓ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔(مواہب ص۱۹۵)
(یعنی سب کچھ جو زوجِ ثانی نے مجھے دیا ہے وہ ابوزرع کی کسی چھوٹی حقیر چیز کے برابر بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اس کی بڑی بڑی چیزوں اور نعمتوں کے ساتھ اس کی برابری ہوسکتی ہے اور اسی میں عرب کے اس مقولہ کو اشارہ ہے کہ محبت صرف پہلے دوست ہی سے ہوتی ہے اسلئے بہتر اور سنت ہے کہ باکرہ کے ساتھ نکاح کیا جائے اور آپ ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ زیادہ محبت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے) شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے لکھا ہے، وھذا یدل علی وفائھا لزوجھا الاول مع تطلیقھا منہ وانہ لخلق نادر فی النساء (اتحافات ص۳۰۵) (اور یہ اس کی پہلے خاوند کے ساتھ طلاق دینے کے باوجود وفاداری کا ثبوت ہے اور یہ صورت اور برتاؤ عورتوں میں ایک نادر اور نایاب خصلت ہے)

فضیلتِ عائشہؓ و عظمتِ رسول ﷺ :

قالت عائشةؓ ...... ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ پورا واقعہ بیان ہو چکا تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا، کنت لک کابی زرع لامّ زرع میں بھی تمہارے حق میں ایسا ہی ہوں جیسے کہ ابوزرع اپنی بیوی امّ زرع کے حق میں تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای فی اخذک بکرا و اعطائک کثیرا لا فی الطلاق والفراق (جمع ج۲ ص۲۷) (یعنی تجھے بکرا نکاح کرنے میں اور بہت کچھ تجھ کو دینے میں نہ کہ طلاق دینے اور جدا کرنے میں) تشبیہ جمیع وجوہ میں نہیں، فالتشبیہ لیس من کل وجوہ کما یفید ذلک قولہ لک (مواہب ۱۹۵) (پس یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں جیسے کہ حضور ﷺ کے فرمان لکِ سے معلوم ہو رہا ہے) جبکہ طبرانی میں غیر انی لم اطلقک (بغیر اس کے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں کہا) کی تصریح ہے اور طبرانی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے آپ ﷺ کے جواب میں عرض کیا : یا رسول اللّٰہ! بل انت خیر من ابی زرع، و من روایۃ الزبیر : بأبی و أمی، لانت خیر لی من أبی زرع لامّ زرع (اتحافات ص۳۰۵) (اے میرے محبوب اور اللہ کے رسول بلکہ تو تو میرے لئے ابوزرع سے بہت اچھا ہے اور حضرت زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں البتہ آپ تو بہت بہتر ہیں میرے لئے ابوزرع سے ام زرع کے لئے)

محدثین حضرات نے یہاں یہ بحث بھی کی ہے کہ اُصول کی رو سے اس حدیث کا مقام کیا ہے۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، وجہ ظاہر ہے کہ اس کی سند حضور اقدس ﷺ تک پہنچی ہے، البتہ یہ بات بہر حال واضح نہیں کہ گیارہ خواتین کی یہ حکایت خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی یا کسی نے آپؐ کی موجودگی میں یہ کہانی سنائی۔

محدثین نے تصریح کی ہے کہ اگر اس قصہ کے راوی خود حضور اقدس ﷺ ہیں تو یہ بذاتہ مرفوع حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کسی دوسرے صاحب نے یہ قصہ بیان کیا ہے تو یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے **ان التشبيه المتفق على رفعه يقتضى ان يكون النبى صلى الله عليه وسلم سمع القصة و عرفها فاقرها فيكون مرفوعاً كله من هذه الحيثية** (جمع ج۲ص۷۲) (تشبیہ (کنت لک کابی زرع لام زرع) جو متفق علیہ مرفوع ہے یہ تقاضا کرتی ہے کہ آپؐ نے اس قصہ کو سنا بھی اور جانا بھی ہے پھر بھی اس کو برقرار رکھا ہے تو گویا سب حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہوئی (البتہ از قسم حدیث تقریری ہوئی)

اخذِ مسائل :

حدیث باب سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسنِ معاشرہ، سید عائشہؓ کی فضیلت، قصہ گوئی اور ماضی کے واقعات سنانے کے جواز اور مشبہ کا ہر چیز میں مشبہ بہ کے ساتھ مساوی ہونے کی عدم ضرورت اور بغیر تعیینِ شخصیت کے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں اور دیگر بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، علامہ مناویؒ گذشتہ مسائل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں **وفيه ندب حسن العشرة للاهل و فضل عائشة و جعل السمر فى خير كملاطفة حليلة والاخبار عن الامم الغابرة و ان المشبه لايعطى له حكم المشبه به من كل وجه لان المصطفى صلى الله عليه وسلم لم يطلق عائشة** (مناوی ج۲ص۷۲)

کیا ذکرِ عیوبِ ازواج غیبت تھا ؟

باقی رہی یہ بات کہ ان خواتین نے اپنے ازواج کی غیر موجودگی میں ان کے عیوب ظاہر کر کے

غیبت کا ارتکاب کیا ہے، پھر وہی عیوب آپؐ کے سامنے بیان ہوئے، مگر آپؐ نے نکیر نہ فرمائی یا آپؐ نے خود نقلِ حکایت کے صورت میں انکے عیوب بیان فرمائے اور قباحت محسوس نہ فرمائی' جو بظاہر غیبت ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا حکم ہے لا یغتب بعضکم بعضاً (الحجرات:۱۲) (تمہارے بعض بعض کی غیبت نہ کریں) شارحینِ حدیث نے اس کے تفصیل سے جواب دیئے ہیں (۱) بغیر تعیینِ شخصیت کے کسی فرد کی برائی بیان کرنا شرعاً غیبت نہیں ہے، وان ذکر الانسان لابعینها وجماعة کذلک بامر مکروہ لیس بغیبة (جمع ج ۲ ص ۷۳) (کسی غیر معین شخص یا جماعت کا تذکرہ کسی غیر مناسب فعل کے ساتھ یہ غیبت نہیں)

نیز شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وان ذکر المجهول بما یکره لیس غیبة والمراد جهله عند المتکلم والسامع (المناوی ج ۲ ص ۷۲) (کسی مجہول شخص کا تذکرہ ناپسندیدہ فعل کے ساتھ کرنا غیبت نہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص متکلم اور سامع دونوں کو معلوم نہ ہو) شیخ ابراہیم البیجوریؒ حدیثِ باب سے اخذِ مسائل کی تفصیل کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ وجواز ذکر المجهول عند المتکلم والسامع بما یکره فانه لیس غیبة غایة الامر أن عائشة ذکرت نساء مجهولات ذکر بعضهن عیوب أزواج مجهولین لایعرفون بأعیانهم ولا بأسمائهم و مثل هذا لا یعد غیبة علی انهم کانوا من اهل الجاهلیة و هم ملحقون بالحربیین فی عدم احترامهم . (مواہب ص ۱۹۵) (جو شخص متکلم اور سامع کے نزدیک مجہول ہو اس کے کسی ناپسندیدہ کام کرنے کے تذکرے سے غیبت لازم نہیں آتی اور یہ جائز بھی ہے زیادہ سے زیادہ قابل اعتراض بات یہ ہوئی کہ حضرت عائشہؓ نے ایسی چند مجہول عورتوں کا ذکر کیا جن میں بعض نے اپنے مجہول خاوندوں کے کچھ عیوب کا تذکرہ کیا جو نہ خود بذاتہ معلوم ہیں اور نہ کوئی ان کے نام وغیرہ اور اس جیسا تذکرہ غیبت شمار نہیں ہوتی اس کے علاوہ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگ تھے جو حکماً اہلِ حرب کی طرح غیر محترم ہیں)

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِيُ صِفَةِ نَوُمِ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے بیان میں

اس میں ایسی احادیث درج کی گئی ہیں، جن میں آپ ؐ کے نوم مبارک کا بیان ہے۔ نوم کا معنٰی سونا اُونگھنا اور مرنا کیا گیا ہے، نوم کی تعریف یوں کی گئی ہے، ھو غشية ثقيلة تهجم على القلب فتقطعه عن المعرفة بالاشياء. (مواہب ص۱۹۵) (یہ ایک بھاری ثقیل قسم کا پردہ جو اچانک دل پر پڑ جاتا ہے تو اس کو چیزوں کی پہچان سے روک دیتا ہے) بعض نے نوم کی تعریف یوں کی ہے ، والنوم حالة طبيعية تتعطل معها القوىٰ تسير في البخار الى الدماغ (مناوی ج۲ص۴۷) (یہ ایک طبعی حالت ہے جس کی وجہ سے قویٰ انسانیہ معطل ہو جاتی ہیں اور بخارات کے ذریعہ دماغ تک سرایت کر جاتی ہے) حضور اقدس ﷺ کے سونے کا طریقہ ٗسوتے وقت اُدعیہ، اسی طرح سو کر اٹھنے کے وقت دعائیں اور معمولات کیا تھے؟ نیز آپ ؐ کا خراٹے بھرنا کس نوعیت کا تھا، صبح کو نیند سے اٹھے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھی ۔ یہ آپ ؐ ہی کی خصوصیت تھی ۔ نیند کے آداب میں یہ بھی ہے کہ وضو کر کے سویا جائے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے، اذا اخذت مضجعك فتوضأ و ضوءك للصلوٰة (اتحافات ص۳۰۶) (جب تو سونا چاہے تو پھر نماز جیسا وضو کر لیا کریں) اور نیند سے اُٹھتے وقت آپ ؐ کے معمولات ٗاسی طرح کھانے پینے ٗبول و براز ٗلباس وغیرہ میں آپ ؐ کے معمولات سننِ زوائد ہیں ۔ فانها طريقة مسلوكة و مسنونة على وجه العادة لا العبادة (حاشیہ نورالانوار ص۱۴۷) (یہ امور رائج اور مسنون بطریق عادت کے ہیں نہ کہ عبادت) اس باب میں مصنفؒ نے چھ (٦) احادیث درج کی ہیں۔

(۲۴۵/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بُنُ الْمُثَنّٰى اَنْبَاَنَا عَبُدُ الرَّحُمٰنِ بُنُ مَهُدِيّ اَنْبَاَنَا اِسُرَائِيُلُ عَنُ اَبِيُ اِسُحٰقَ عَنُ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ يَزِيُدَ عَنِ الْبَرَآءِ بُنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضُجَعَهٗ

وَضَعَ كَفَّهُ تَحْتَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَ قَالَ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اَنْبَاَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَهٗ وَ قَالَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرحمٰن بن مہدی نے دی، اُن کو یہ روایت اسرائیل نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن یزید سے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت براء بن عازب سے روایت کیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس وقت آرام فرماتے، اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے، رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائیو۔

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرحمٰن نے اسرائیل کے واسطہ سے دی۔ انہوں نے یہ روایت ابی اسحٰق سے ابی عبیدہ کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے یہ روایت عبداللہ سے پہلی روایت کی مثل نقل کی۔ البتہ اس روایت میں دُعا کے الفاظ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ کے بجائے يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ آیا ہے۔ حدیث کے باقی الفاظ پہلی روایت جیسے ہی ہیں ۔

راوی حدیث (۵۱۷) عبداللہ بن یزیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ مضجع وکف کا بیان :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اخذ مضجعہ الخ ، مضجع ' اضطجاع سے ہے ، موضع الضجوع و جمعہ مضاجع (مناوی ج۲ص۷۳) یعنی سونے کی جگہ 'بستر ہ' چارپائی' پلنگ وغیرہ، فالمعنیٰ اذا اراد النوم فی مضجعہ (جمع ج۲ص۷۳) (جب آپ بستر پر سونے کا ارادہ فرماتے) وضع کفہ الیمنی ......الخ ' کف : انگلیوں سمیت ہتھیلی کو کہتے ہیں، کف کا معنی ہے روکنا، منع کرنا، چونکہ یہ بدن سے مضرتوں کو روکتی ہے۔ اس لئے اسے کف کہتے ہیں۔ الکف الراحۃ مع الاصابع

سمیت به لانها تکف الاذیٰ عن البدن (مناوی ج۲ ص۷۳)

سونے میں آپ ﷺ کا معمول مبارک :

تحت خده الایمن ' دائیں رخسار کے نیچے ہتھیلی مبارک کو رکھ لیتے تھے رو بہ قبلہ ہو کر' یہ اقویٰ بھی ہے اور اس میں تیامن بھی ہے اور یہی اولیٰ بھی ہے۔ گویا دائیں کروٹ پر لیٹنا اور دائیں رخسار کے نیچے ہتھیلی مبارک رکھنا سونے میں آپ ﷺ کا معمول اور عادت مبارک تھی، ویسے بھی ہر پاکیزہ کام میں تیامن آپ ﷺ کا معمول تھا في طهوره و ترجّله و تنعله ۔ (یعنی وضو کرنے کنگھی دینے اور جوتے پہننے میں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ، انما كان يختار الايمن لانه كان يحب التيامن في شأنه كله ولتعليم امته (جمع ج۲ ص۴۷) (سونے میں دائیں پہلو کو اس لئے پسند فرماتے کہ آپ ﷺ ہر (پسندیدہ امور) میں تیامن کو پسند فرمایا کرتے اور امت کی تعلیم کے لئے بھی)

دائیں کروٹ پر سونا امت کے لئے مستحب ہے :

حدیث باب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دائیں پہلو پر سونا اور داہنی ہتھیلی کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنا امت کے لئے مستحب ہے، وهذا دليل على استحباب النوم على الشق الايمن (اتحافات ص۳۰) (اور یہی دائیں کروٹ پر سونے کے مستحب ہونے کی دلیل ہے)

چت لیٹنا، اُلٹا یا بائیں کروٹ پر سونے کا حکم :

اُمت کے لئے چت لیٹنا' بائیں پہلو پر لیٹنا یا اُلٹا لیٹنا مکروہ ہے۔ جیسے شیخ احمد عبد الجوادؒ فرماتے ہیں و قد كره العلماء النوم على الظهر والبطن و على الجانب الايسر (اتحافات ص۳۰۶) لكن النوم على الظهر اردأ النوم واردأ منه النوم منبطحا على الوجه و قد روى ابن ماجة انه صلى الله عليه وسلم لما مر بمن هو كذالك في المسجد ضربه برجله و قال قم اواقعد فانها نومة جهنمية (جمع ج۲ ص۴۷) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لیکن چت لیٹ کر سونا ردی اور نکما سونا ہے اور اس سے زیادہ خراب اور ردی الٹا لیٹ کر سونا ہے اور ابن ماجہ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب حضور ﷺ ایسے

ہی لیٹے ہوئے شخص پر مسجد میں گزرے تو اسے پاؤں سے ٹھوکر دیتے ہوئے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ یا فرمایا کہ بیٹھ جاؤ یہ جہنمی سونا ہے) ملا علی قاریؒ اس کے کراہت کی ایک اور وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ **ولعل السبب فيه انه موافق للرقاد اللوطية المحركة للناظر داعية الشهوة النفسية الشومية** (جمع ج۲ص ۴۷) (شاید اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اس قسم کا سونا لوطی شخص کے سونے کے مشابہ ہے جو کسی دیکھنے والے کی قوت شہوانیہ کو اس فعل بد پر محرک ہوگا)

سونے میں حضور اقدس ﷺ کا اختصاص :

دائیں کروٹ پر لیٹنا اور اس کا استحباب امت کے لئے ہے اور آپؐ کا یہ معمول بھی تعلیم امت کے لئے ہے، ورنہ آپؐ دائیں کروٹ سوئیں یا بائیں کچھ فرق نہیں، کیونکہ آپؐ کا قلب مبارک تو سوتا ہی نہیں تھا، جیسے علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ **ثم نوم المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم على الايمن انما هو تشريع و تعليم لامته لانه لاينام قلبه فلا فرق فى حقه بين الشق الايمن والايسر۔**

(مناوی ج۲ص۴۷)

سوتے وقت کی دعا :

رب قنى عذابك يوم تبعث عبادك : یہاں **قنى** بمعنی **احفظنى** کے ہے **يوم تبعث** سے مراد یہ ہے کہ جس روز پروردگار اپنے بندوں کو حشر ونشر کے لئے اٹھائے گا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ نیند موت کا بھائی اور بیداری بمنزلہ بعث بعد الموت کے ہے۔ اس لئے بیداری کے بعد کی دعا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا** (ساری تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ فرمایا) کے الفاظ سے منقول ہے۔ اس دعا کے بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ حصن حصین میں رب کے بجائے **اللهم** منقول ہوا ہے۔ غرض بہرحال یہی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ آخری سونا ہو اور اس میں موت واقع ہو جائے تو آخری کلمات اللہ کا ذکر، دعا، اور آخرت میں کامیابی ونجات کی دعا ہو، حصن حصین میں یہ بھی منقول ہے کہ یہ کلمات آپؐ تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔

نبی معصومؐ کا عذاب سے بچنے کی دعا کا اہتمام :

دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ تو معصوم ہیں اور آپؐ پر عذاب کا تصور ہی گناہ ہے، پھر آپؐ عذاب سے بچنے کی دعا کیوں کر رہے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **و ذکر ذلک مع عصمته و علو مرتبته تواضعاً لله واجلالاله و تعلیماً لامته** (جمع ج ۲ ص ۴۷) (اور آپؐ نے باوجود معصوم اور عالی شان مرتبہ والا ہونے کے یہ دعا اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اپنی تواضع اور امت کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمائی)

بعض علماء نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ قیامت کا منظر اور بعث بعد الموت ایک ہیبت ناک منظر ہوگا۔ ذی ہیبت چیز کی ہیبت تو ہر وقت رہتی ہے، پھر حضرات انبیاء کو ہر وقت اس کا استحضار بھی رہتا ہے۔ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا مشاہدہ بھی رہتا ہے، وجدانی طور پر باوجود معصوم ہونے کے بھی وہ بارگاہِ قدس میں اپنے کو کمال عبدیت کے پیش نظر قصوروار سمجھتے تھے۔ اس لئے اس دعا کا اہتمام کرتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد :

حصن حصین میں ہے کہ آپؐ تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ عام معمول تھا، جس کو متعدد حضرات نے سنا۔ حضور ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود اس قسم کی دعاؤں کو پڑھنا یا تو اظہارِ عبدیت کے لئے ہوتا تھا کہ بندگی کا مقتضیٰ مولیٰ سے مانگنا ہی ہے یا امت کی تعلیم کے لئے۔ اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا دائیں کروٹ پر سونا معلوم ہوتا ہے اور یہی حضور اکرم ﷺ کا دائمی معمول تھا۔ اسی وجہ سے دائیں کروٹ پر سونا مستحب بھی ہے اور اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کی بائیں طرف ہوتا ہے، اسلئے دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے اور استغراق کی اور گہری نیند نہیں آتی، بلکہ آدمی چوکنا سوتا ہے اور اگر بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو دل نیچے کی جانب ہوتا ہے اور اس صورت میں گہری نیند آتی ہے۔ اس وجہ سے بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے، لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے،

جس کی طرف ان کا ذہن نہیں گیا۔ وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اس پر اثر کرے گا، دل اعضائے رئیسہ میں اہم عضو ہے۔ اس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب ہے۔ اس لئے بائیں کروٹ سونے میں اگر طبی مصلحت ہے تو ایک طبی مضرت بھی ہے اور مضرت سے بچنا زیادہ اہم ہے۔ اس لئے طبی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے۔ اس کے علاوہ دائیں کروٹ پر لیٹنا موت کے بعد قبر میں لیٹنے کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور موت کو یاد کرنے کا حکم بھی ہے اور دینی دنیوی بہت سے فوائد موت کو یاد کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، آدمی کو چاہئے کہ اس لذتوں کے ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرے اور حق تو یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو کیسے بھولے جو بہر حال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آ جائے۔ (خصائل: ص ۲۰۸ و ۲۰۹)

بعث، جمع اور نشور :

مثل هو قال يوم تجمع عبادک : مثله سے مراد لفظ و معنیٰ دونوں مراد ہیں اور اس دوسری روایت میں تبعث کی جگہ **تجمع** کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث میں بعث اور دوسری میں لفظ جمع مذکور ہے۔ دونوں حدیثوں میں ایک ایک لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ **لانه يكون البعث ثم الجمع ثم النشور** (مواہب: ۱۹۶) (اس لئے کہ پہلے اٹھنا پھر اکٹھا ہونا پھر پھیل جانا)

(۲/۲۴۶) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ نَوْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيٰى وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ربعی بن حراش سے اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت حذیفہؓ سے روایت کی۔ حذیفہ رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بستر پر لیٹتے تو اَللّٰھُمَّ بِاِسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْیَا پڑھتے تھے یا اللہ تیرے ہی نام سے مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اُٹھوں گا)

راوی حدیث (۵۱۸) ربعی بن حراش ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب بستر پر تشریف فرما ہوتے :

اذا اوی الی فراشه ' بستر پر آرام کرنے کے لئے بیٹھنے یا سونے کے معنیٰ میں آتا ہے ای دخل بقصد النوم (اتحافات ص ۳۰۷) لغوی معنیٰ متوجہ ہونا ہے۔ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ قصر کے ساتھ بھی آتا ہے اور مد کے ساتھ، والافصح فی اللازم القصر وفی المتعدی المد ای وصل الی فراشه (مواہب ص ۱۹۶) (اور زیادہ فصیح باب لازم میں قصر ہے اور متعدی باب میں مدّ کے ساتھ، معنیٰ یہ ہوگا کہ جب آپ ؐ بستر پر تشریف فرما ہو جاتے)

سوتے اور جاگتے وقت دعا کے الفاظ کی تشریح :

قال .... تو یہ دعا پڑھتے، دعا پڑھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ آخری مہلت ہے کہ النوم اخو الموت، اور النوم هو الموت الاصغر (کہ نیند موت کا بھائی ۔۔۔ نیند چھوٹی موت ہے) تو خاتمہ دعا وذکر اللہ پر ہو ۔ و حکمة الدعا عند النوم احتمال ان یکون هذا آخر عمر الشخص فیقع ذکر اللّٰه خاتمة امره و عمله (مواہب ص ۱۹۶) (اور سونے کے وقت دعا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس شخص کی عمر کے آخری لمحات ہوں تو چاہئے کہ اس کا آخری عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو)

اللهم باسمک اموت و احییٰ :بعض حضرات موت وحیات سے حقیقی معنیٰ مراد لیتے ہیں، مگر یہ تکلف ہے، واضح معنیٰ مجازی ہے کہ موت سے مراد نیند اور حیاۃ سے مراد بیداری ہے، وهذا اولیٰ و اظهـــر (اور یہی معنیٰ زیادہ ظاہر اور بہتر ہیں) جیسا کہ دعا کے جزء کا یہی مدلول ہے' ملا علی قاری ؒ نے موت کے کئی معانی نقل کئے ہیں۔ (۱) سکون ٹھہرنا (۲) جہالت (۳) احوال شاقہ وغیرہ' ...... و قیل الموت فی کلام العرب یطلق علی السکون یقال ماتت الریح اذا سکنت ...... وقد یستعمل فی زوال القوة العاقلة وهی الجهالة لقوله تعالیٰ او من کان میتا فاحییناه و قوله تعالیٰ فانک

لاتسمع الموتی و منه حدیث مثل الذی یذکر ربه والذی لایذکر مثل الحی والمیت و قد یستعار الموت للاحوال الشاقة کالفقر والذل والسوال والھرم والمعصیة وغیر ذلک (جمع ج ۲ص۷۵) (اور بعض کہتے ہیں کہ موت کا اطلاق سکون (ٹھہرنے) پر ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ ماتت السریح جب ہوا ساکن اور ٹھہر جاتی ہے اور موت کا اطلاق کبھی قوتِ عاقلہ کے زوال یعنی جہالت پر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اومن کان میتافاحیینا ہ (وہ شخص کہ وہ جاہل تھا پھر ہم نے اسے عاقل بنایا) اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول فانک لاتسمع الموتی (اے حضور ﷺ آپ جاہلوں کو نہیں سنا سکتے) اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ وہ شخص جو اللہ کو یاد کرتا ہو اور وہ جو اسے یاد نہیں کرتا مثل الحی والمیت کہ وہ بمنزلہ عاقل اور جاہل کے ہیں۔ اور کبھی موت کا استعارہ مشکل احوال جیسے فقر، ذلت، سوال، بڑھاپا اور گناہ وغیرہ کے لئے بھی ہوتا ہے) واستیقظ' بیداری کے وقت بھی اللہ کا ذکر و دعا مسنون ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و فیه اعلان البراءة من الحول والطول، و استناد الی حول اللہ و قوته۔ (اتحافات ص۳۰۷) (اوران ادعیہ کرنے میں ایک نوع اپنے زور قوت سے بیزاری کا اعلان اور اس کی نسبت کو صرف ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب کرنا ہے)

و الیه النشور (۱) لفظِ نشور کا معنیٰ التفرق فی الامر المعاش کا لافتراق حال المعاد (جمع ج ۲ص۷۵) یعنی باری تعالیٰ ہی معاش کے مالک ہیں اور معاد کے بھی اور اسی سے ان کا حصول ہے۔ (۲) بعض نے کہا کہ النشور کا معنیٰ زندگی بعد الموت ہے، ھو الحیاة بعد الموت (جمع ج ۲ص ۷۵) (۳) النشور سے مراد مرجع ہے، ای الیه الرجوع للثواب أو العقاب، ای لابد من رجوع الخلق کلھم الی اللہ لیجازوا بأعمالھم اِن خیرا فخیر و ان شرا فشر فمرجعھم اما الی دار الثواب واما الی دار العقاب (مواہب ص۱۹۷)

(علامہ بیجوریؒ نشور کا معنیٰ مرجع سے کرتے ہیں فرماتے ہیں اسی ذات کی طرف ثواب وعقاب کا مآل اور انجام ہے یعنی سب مخلوق کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا تا کہ ان کو اپنے اعمال خیر وشر کا بدلہ دیا جائے تو لامحالہ ان کا مرجع یا جنت یا جہنم ہی ہوگا)

دنیا کی ساری زندگی ایک خواب ہے :

محدثِ جلیل شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں چونکہ نیند موت کے مشابہ تھی، اس لئے جاگنے کو دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا، علماء نے لکھا ہے کہ سو کر اُٹھنے کے بعد یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ اسی طرح مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اس دنیا کو آخرت کی مثال بنایا ہے اور عبرت اور غور کے واسطے ہر قسم کی چیزیں یہاں پیدا فرمائیں۔ دنیا کی ساری زندگی ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نہایت خوش حال ہے، متمول ہے، ہر قسم کی راحت کے سامان اس کے پاس موجود ہیں کسی قسم کی اس کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہے، وہ خواب میں اگر اپنے کو قید میں کوڑے کھاتا ہوا دیکھے، ہر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھے، وہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ خواب ہے، وہ اس سے پریشان بھی ہے رو بھی رہا ہے، لیکن دفعتہً آنکھ کھل جاتی ہے، وہ سب راحت و آرام مل جاتے ہیں، اس خواب کی تکلیف کا ذرا بھی احساس اس کو نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دیندار کا حال سمجھ لو، وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکالیف اٹھائے، وہ خواب ہے، اگر آنکھ کھلنے کے بعد اس کو ساری راحتیں میسر ہیں تو اس خواب کا کیا اس پر اثر ہو سکتا ہے، اس کے بالمقابل حسرت سے غور کرو، اُس تہی دست پر جو اس خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے، مگر آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے کوڑے اس پر پڑ رہے ہیں تو اس خواب کی راحت و آرام کو لے کر وہ کیا چاٹ لے گا۔ ایک بامشقت سزا کا قیدی خواب میں اپنے آپ کو ہفت اقلیم کا بادشاہ بنا ہوا دیکھے، لیکن آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل کے اندھیری کوٹھڑی میں ہے' ہتھکڑی لگی ہوئی ہے تو اس خواب کی بادشاہت سے اس کو کیا ملا۔ اس گُر کو صحابہؓ نے سمجھا تھا، اسلئے وہ دنیا میں ہر مشقت کو لطف و لذت سے برداشت کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ خواب ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ اپنے لطف سے ہم لوگوں کو بھی یہ دولت نصیب فرمادے تو اس کے کرم سے بعید نہیں (خصائل ص ۲۰۹ تا ۲۱۰)

(۳/۲۴۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ رَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ

كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيهِمَا وَ قَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ o وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَااسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهٗ وَ وَجْهَهٗ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مفضل بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت عقیل سے سماعت کی اوران کا خیال ہے کہ عقیل نے زہری سے یہ حدیث سنی، انہوں نے عروۃ سے اورانہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضورِاقدس ﷺ ہر شبانہ جب بستر پر لیٹتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا کران پر دم فرماتے اور سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے، تین مرتبہ ایسے ہی کرتے سر سے ابتدا فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصہ پھر بقیہ بدن پر۔

راویان حدیث (۵۱۹) المفضل بن فضالۃ ؒ اور (۵۲۰) عقیل ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نفث ، نفخ ، تفل کا فرق :

قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کردیا گیا ہے۔ جمع کفیہ فنفث فیھما : نفث کا معنیٰ پھونکا، دم کیا، منہ سے ہوا کا نکالنا ضعف کے ساتھ کہ تھوک نہ نکلے۔ النفث ! نفخ لطیف بلا ریق (جمع ج۲ص۷۶) نفخ کا معنیٰ منہ سے بزور و قوت ہوا نکالنا، وھو اقل من التفل (جمع ج۲ص۷۶) تفل کا معنیٰ منہ سے ہوا کے ساتھ تھوک کا تھوڑا سا نکالنا۔ انہ لایکون الا ومعہ شئی من الریق (المواھب ص۱۹۷)

ظواہر کا مسلک :

حدیث میں لفظ نفث پہلے اور قرأ بعد میں واقع ہوا ہے اہل ظواہر، ظاہر حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے دم کیا جائے ، پھر پڑھا جائے تا کہ ساحرین کی مخالفت کی جائے۔

بان الحكمة فيه مخالفة السحرة والبطلة (جمع ج۲ص۷۷)

نفث و قراءت میں تقدیم تاخیر کی بحث :

تاہم اس شبہ سے کہ نفث مقدم اور قراءت مؤخر ہے، شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں، اصلاً قراءت مقدم ہے اور نفث مؤخر ہے، راوی سے قلب ہو گیا ہے اور اگر قلب راوی نہ ہوتو شارحین کہتے ہیں کہ واو مطلق جمع کے لئے آیا ہے، لان الواو تقتضى الجمع لا الترتيب فيحمل على ان النفث بعد القراءة (جمع ج۲ص۷۷) (اس لئے کہ حرف واؤ صرف دو چیزوں کے اکٹھے ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ ان کے درمیان ترتیب پر اس لئے حدیث کا محمل کہ نفس (پھونک مارنا) قراءت (پڑھنے) کے بعد ہوگا) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وكذا فى صحيح البخارى بالواو و قال شارحٌ من علمائنا وهو الوجه لان تقديم النفث على القرأة لم يقل به احدٌ (جمع ج۲ص۷۷) (اسی طرح لفظ واؤ کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی ہے اور اہل سنت والجماعت کے علماء میں سے کسی شارحؒ نے فرمایا کہ یہی توجیہ بہتر ہے اس لئے کہ پھونک مارنے کی تقدیم سورتوں کے پڑھنے پر کا قائل کوئی بھی نہیں ہے)

جمہور کا مسلک :

جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ اولاً قراءت ہو پھر دم کرنا چاہئے۔ جیسا کہ دیگر روایات کا مدلول بھی یہی ہے۔ لان النفث ينبغى ان يكون بعد التلاوة ليوصل بركة القرآن الى بشرته (حاشیہ شمائل ترمذی) (چاہیے کہ پھونک مارنا تلاوت کے بعد ہو تاکہ قرآن کی برکت انسانی بدن تک پہنچے) بعض روایات میں واؤ عاطفہ کے بجائے فا تعقیبیہ آیا ہے، تو پھر فنفث فیهما کا معنی ہوگا، فاراد النفث فيهما فقرأ فنفث بالفعل (مواہب ص۱۹۷) (آپؐ نے ہاتھوں میں پھونکنے کا ارادہ فرما کر سورتیں پڑھیں اور پھر ان میں پھونک ماری) اور فا بمعنی واؤ کے بھی آتا ہے، جو مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسے راجح قرار دیا ہے، فالاولى ان يقال الفاء هنا بمعنى الواو ففى القاموس ايضاً ان الفاء تاتى بمعنى الواو (جمع ج۲ص۷۷) (پس بہتر یہ کہ کہا جائے کہ یہاں فا بمعنی واؤ کے ہے

قاموس میں بھی ہے کہ فا بمعنیٰ واؤ کے آتا ہے) اس کی نظیر قرآن میں بھی موجود ہے، وکم من قریة اهلکناها فجاء ها باسنا (اعراف : ۴) (اس آیت میں فجاء ها بمعنیٰ وجاء ها کے ہے یعنی بہت ہی بستیاں ہیں کہ ہلاک کیا ہم نے ان کو جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا) وحمل بعضهم علی ان النفث وقع قبل القرأة و بعدها ایضاً (جمع ج۲ص۷۷) (اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ نفث (پھونک مارنا) قراءت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی واقع ہوا ہے)

سوتے وقت تبرک بالقرآن کا معمول :

سوتے وقت قرآن کی سورتیں پڑھنا تبرک بالقرآن ہے، وهذا للتبرک بالقرآن (اتحافات ص۳۰۸) سورۃ کی ابتدا کے ذکر کرنے سے مراد پوری کامل سورتیں ہیں، ای السور الثلاثة بکما لها (مناوی ج۲ص۷۶) شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، هذه حال أخری من حالات نومه و ظاهر الحدیث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یفعل ذلک فی الصحة و المرض (اتحافات ص۳۰۷) (کہ آپؐ کے سونے کے حالات میں یہ ایک اور حالت ہے اور حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ (صحت و مرض میں) یہ عمل فرمایا کرتے تھے)

خلاصۂ بحث :

نبی کریم ﷺ سے سونے کے وقت مختلف دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور کلام اللہ کی مختلف سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی کوئی سورۃ سوتے ہوئے پڑھے، اللہ کی طرف ایک فرشتہ محافظ اس کے لئے مقرر ہو جاتا ہے جو جاگنے کے وقت تک اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ سے تین سورتوں کا پڑھنا حدیث بالا میں وارد ہے۔ ان کے علاوہ مسبحات یعنی اُن سورتوں کا پڑھنا جو سبح، یسبح، سبحان سے شروع ہوتی ہیں وارد ہے، الٓمٓ سجدۃ اور تبٰرک الذی کا ہمیشہ پڑھنا۔ نیز آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کی اخیر دو آیتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سوتے ہوئے ہمیشہ قل یاایها الکفرون پڑھ کر سویا کرو ان کے علاوہ بہت سی دعائیں پڑھنا بھی

حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے (فتح الباری خصائل :۲۱۱)

(۲۴۸/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَ كَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاَتَاهُ بِلَالٌ فَاٰذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ وَ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَ فِى الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سلمۃ بن کہیل کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت کریب سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ سوئے اور خراٹے لینے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر تیاری نماز کی اطلاع دی۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔

حضور اقدس ﷺ سوتے تھے مگر دل بیدار رہتا تھا :

نام و نفخ: حضور اقدس ﷺ سو گئے اور ہلکے سے خراٹے لینے لگے ، **و كان اذا نام نفخ** اور خراٹے لینا آپؐ کی عادت مبارک تھی، مگر یاد رہے کہ یہ وہ خراٹے نہیں جسے زور زور سے لیا جاتا ہے سننے والے پریشان ہو جاتے ہیں اور سونے والے بے آرام ہو جاتے ہیں، جسے غطیط کہتے ہیں، جو صوتِ منکر کے ساتھ بوجہ کسی بیماری کے سرزد ہوتے ہیں، جبکہ آپؐ سے نفخ ثابت ہے جو نہ تو کسی مرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ مذموم ہے۔ **وانه ليس بمذموم ولا مستهجن** (مناوی ج۲ ص۷۷) شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں : **والنفخ اخراج الريح من الفم بصوتٍ والمراد هنا ما يخرج من النائم حين استغراقه في نومه** (مناوی ج۲ ص۷۷) (نفخ کا معنیٰ منہ سے کچھ آواز کے ساتھ ہوا نکالنا اور یہاں اس سے مراد وہ خراٹے ہیں جو کہ سونے والے شخص سے جب کہ وہ نیند میں مستغرق ہو نکلتے ہیں)

گہری نیند کے باوجود وضوء کی تجدید نہ فرمائی :

ولم یتوضأ : سوکر اٹھنے کے بعد جبکہ سونا بھی خوب آرام کا تھا، آپؐ نے وضو نہیں بنایا اور نماز پڑھ لی اور یہ صبح کی نماز تھی، وھی صلاۃ الصبح (مواہب ص ۱۹۸) بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نیند سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، پھر آپؐ نے کیونکر نماز پڑھی۔ شارحینِ حدیث جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص سے ہے۔ کہ اس لئے آپؐ کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر قلب نہیں سوتا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وھذا من خصائصه علیه السلام لان عینه کانت تنام و لاینام قلبه و یقظة قلبه یمنعه عن الحدث (جمع ج ۲ ص ۷۷) خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے ، تنام عینی ولا تنام قلبی (موارد الظمآن ص ۵۲۲) (کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا)

انبیاءِ کرام کی نیند ناقض وضوء نہیں :

بخاری اور مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ محض سو جانے کی وجہ سے انبیاء کرام کا وضو نہیں ٹوٹتا، نوم الانبیاء غیر ناقض للوضوء ایک دوسری روایت میں بھی یہی صراحت مذکور ہے، نحن معاشر الانبیاء تنام اعیننا و لا تنام قلوبنا (مواہب ص ۱۹۸) (ہم انبیاء کرام ایک ہی جماعت اور گروہ ہیں ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے)

وفی الحدیث قصة ' اس حدیث میں ایک قصہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جو آئندہ باب ماجاء فی عبادة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کی حدیثِ خامس میں نقل کیا جا رہا ہے۔

(۲۴۹/۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ كَفَانَا وَ اٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عفان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حماد بن سلمہ نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی

اورانہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَ اٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ ، تمام تعریفیں اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کے لئے ہیں، جس نے شکم سیر فرمایا اور ہماری مہمات کے لئے خود کفایت فرمائی اور سونے کے لئے ٹھکانا مرحمت فرمایا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی ٹھکانا دینے والا ہے۔

سونے کے وقت کی ایک اور دعا :

اس حدیث میں رات کو سوتے وقت کی ایک اور دعا مذکور ہے، جس میں حمد وشکر، اعتراف امتنان واحسان اور عبدیت وانابت کی تعلیم ہے۔

دُعا کا معنیٰ وتشریح :

الحمد لله الذی ...... یہ دعا کھانے پینے کے بعد بھی ہے اور بستر پر جانے کے وقت بھی' یہاں اندراج سے مقصود سونے کے وقت پڑھنے کی ترغیب ہے کہ آپؐ کا یہ معمول مبارک تھا۔ اللہ تعالیٰ صبح وشام کی نعمتوں، کھانے پینے کے وسائل واسباب رزقِ حلال' صحت وسلامتی' گھر بار اور آرام گاہ وبستر' پھر آرام کرنے کی توفیق' یہ سب خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، انہیں یاد کرو اور ان لوگوں پر بھی نظر ڈالو، جو ان سے محروم ہیں۔ کفانا ای کفٰی مهماتنا ودفع عنا اذیّاتنا و آوانا ای ردّنا الی ما وانا و لم یجعلنا من المنتشرین کالبهائم فی صحرانا (جمع ج ۲ ص ۷۷) (یعنی ہماری مہمات کی کفایت فرمائی اور ہماری تکلیفات کو ہم سے دور کیا اور ہمیں اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹایا اور ہمیں جانوروں کی طرح جنگلوں میں منتشر نہیں فرمایا)

فکم ممن لا کافی له ولا موؤی ' کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کا کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور نہ ان کو کوئی ٹھکانا مہیا کرنے والا ہے۔ ای فکم من الخلق انتشر علی الارض لایجد فراشًا الا الارض ولا سقفاً الا السماء والانسان اذا ذکر الاقل منه زاد حمده لربه (اتحافات ص ۳۰۹) (پس بہت سے مخلوق میں ایسے ہیں کہ ان کا زمین کے سوا کوئی بستر وغیرہ نہیں اور کئی لوگوں کی

آسمان کے سوا سر چھپانے کے لئے کوئی چھت وغیرہ نہیں اور جب انسان کی اپنے سے کم ترین اشخاص پر نظر ہوگی اور اس کے سامنے ان کا تذکرہ ہوگا تو وہ اپنے رب کی حمد وشکر زیادہ کرے گا)

شکر و امتنان کی ترغیب و برکات :

چونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ عم نوالہ پر اپنے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ بھی اس کے کاموں کو غیب سے پورا فرماتے ہیں، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ جس کا کسی نے ترجمہ کیا ہے ...... ع خدا خود میرِ سامان است اربابِ توکل را

اور حضور اقدس ﷺ میں یہ مضمون علیٰ وجہ الاتم ہونا ہی چاہئے تھا۔ اس لئے وہاں سے کفایت بھی علیٰ وجہ الاتم ہوتی تھی۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ بھروسہ اللہ جل شانہٗ پر کرتا ہے، اتنا ہی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس کی اعانت ہوتی ہے۔ متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون وارد ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اس کے ازالہ کی درخواست کرے تو اس کی حاجت پوری نہیں کی جاتی اور اگر اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں اس کو پیش کرے تو بہت جلد کسی نہ کسی طرح سے اس کی ضرورت پوری کردی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اولادِ آدم! اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ ہوجائے تو میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں اور تیرے دل کو غناء سے بھردوں، ورنہ تیرے دل کو تفکرات سے بھردوں گا اور ضرورتیں پوری نہ ہونے دوں گا۔ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول ہونے کے لئے ضروریات سے فراغت کا انتظار دیکھا کرتے ہیں، وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ ضروریات سے فراغت کا راستہ ہی اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ حدیثِ بالا میں جو دعا نقل کی گئی ہے، اس میں حضور اقدس ﷺ نے شکر کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حالت میں شکر کرنا ضروری ہے کہ زیادتی شکر انعام کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرتے رہو گے تو میں اپنے احسانات میں اضافہ کروں گا۔ اور اس طرف متوجہ فرمایا کہ اپنے سے کم تر کی حالت کی طرف بھی غور کرنا چاہئے تا کہ شکر دل سے نکلے۔ کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں، جن کو کھانا میسر نہیں، فاقہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں

جن کوٹھکانا نصیب نہیں، بے ٹھکانے گزر کرتے ہیں۔ اسی طرح سے کوئی حامی مددگار نہیں ہے، جو مصائب میں کوئی اعانت کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں، جس نے یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہے۔

(۶/۲۵۰) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَاْسَهُ عَلٰى كَفِّهٖ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد الجریری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت حمید سے اور انہوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کی، انہوں نے اسے عبداللہ ابن رباح سے اور انہوں نے یہ حدیث ابوقتادہ سے سنی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (سفر میں رات کو چلنے کے بعد) اگر اخیر شب میں کچھ سویرے کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے اور اگر صبح کے قریب ٹھیرنا ہوتا تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرتے اور ہاتھ پر سر رکھ آرام فرما لیتے۔

راویان حدث (۵۲۱) حسین بن محمد الجریریؒ (۵۲۲) سلیمان بن حربؒ اور (۵۲۳) عبداللہ بن رباحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

عرس ! تعریس سے ہے رات کے آخری حصے میں مسافر کے نیند و استراحت کے لئے اترنے کو کہتے ہیں، من التعريس و هو نزول المسافر فى آخر الليل للاستراحة و النوم (جمع ج۲ ص۸۷) بليل ! ماقبل کیلئے تاکید ہے، یا تجرید ہے، وقد يطلق و يراد به النوم مطلقاً (جمع ج۲ ص۸۷) (اور کبھی تعریس کا ذکر ہوتا ہے اور اس سے مطلق نیند مراد ہوتی ہے) على شقه الايمن : شق کا لغوی معنیٰ نصف الشئى اور یہاں شق کا معنیٰ طرف و جانب ہے۔ شق ایمن پر سونا حضور

اقدس ﷺ کا پسندیدہ عمل تھا۔ لأنہ کان یحب التیامن فی أمرہ کلہ (اتحافات ص۳۰۹) (آپ ﷺ تمام امور (حسنہ) میں تیامن (دائیں طرف) کو محبوب اور پسند فرماتے)

صبح سے قبل استراحت کی صورت :

واذا عرس قبیل الصبح ...... آپؐ کا یہ عمل صلوٰۃ الصبح کے لئے بیداری میں سہولت کے لئے تھا اور اس سے تعلیم امت بھی مقصود تھی، انما کان یفعل ذلک حرصاً علی صلوٰۃ الصبح و ھو تعلیم لنا (اتحافات ص۳۰۹)

خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ اگر وقت میں وسعت و گنجائش ہوتی تو آرام و استراحت سے دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور آرام فرماتے، لیکن اگر وقت قلیل ہوتا تو پھر ہاتھ پر تکیہ لگا کر تھوڑی دیر کے لئے آرام فرما لیتے۔ ایسے وقت میں پوری طرح لیٹ کر آرام فرمانے سے گریز کرتے کہ نیند گہری آجائے تو نماز فوت ہو جانے کا امکان تھا، بلکہ کہنی پر ٹیک لگا کر سر مبارک کو ہاتھوں پر رکھ کر تھوڑا سا آرام کر لیتے تھے۔

اوقاتِ خواب اور اس کی اعتدالیت :

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر اوقات میں رات کو سویرے سوتے اور آخر رات میں اُٹھ کر عبادت میں مصروف رہتے۔ البتہ مسلمانوں کے بعض مصالح کے پیشِ نظر کبھی کبھار رات کا ابتدائی حصہ بھی بیداری میں گذارتے۔ وکان ینام اول اللیل ویقوم آخرہ و ربما سھر اول اللیل فی مصالح المسلمین ۔ و کان نومہ اعدل النوم وھوٰ انفع مایکون من النوم والاطباء یقولون ھو ثلث اللیل والنھار ثمان ساعات (زاد المعاد ج۱ ص۵۶) (اور آپؐ کی نیند معتدل ہوتی تھی اور وہ زیادہ نافع ہوا کرتی ہے اور اطباء حضرات کہتے ہیں کہ وہ رات اور دن کی تہائی یعنی آٹھ گھنٹے ہیں)

==================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ عِبَادَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بیان میں

عبادۃ کا معنیٰ وتشریح :

عبادۃ کا لغوی معنیٰ عاجزی' انکساری واماندگی' خدمت' بندگی اور اطاعت ہے۔ خواہ وہ کسی بھی ہیئت پر ہو یا وہ اطاعت بطورِ عادت کے ہو، اصل مقصود عبادت سے امتثالِ امر ہے۔ بارگاہِ قدس میں غایتِ خضوع اور غایت تذلل کے ساتھ جبینِ نیاز جھکانا اور سجدہ کرنا عبادت ہے...... **والعبادة اقصى غاية الخضوع و التذلل** (مواہب ص۱۹۹) پھر عبادت کی مختلف صورتیں ہیں، قولی' فعلی' بدنی' مالی وغیرہ، پھر عبادات میں' فرائض' واجبات' سنن اور نوافل کی تقسیم ہے۔

لفظِ عبادت اپنے معنیٰ کے لحاظ سے جمیع عبادات کو شامل ہے۔ حتیٰ کہ بعض عادات بھی عبادات بن جاتے ہیں۔ بعض اُمور ایسے بھی ہیں کہ جن کی مشروعیت عبادت کے لئے ہوئی ہے، مگر بعض اعمال و افعال ایسے ہیں کہ ان کا جواز اِنسانی حاجات کی تحصیل و تکمیل کے لئے ہوا ہے۔ تاہم نیت درست ہو تو ایسے اعمال وافعال بھی عبادت بن جاتے ہیں۔ تاہم اس باب میں نقل فرمودہ چوبیس (۲۴) روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظِ عبادت سے مراد عبادات نافلہ ہیں، **والمقصود هنا هو عبادة التطوع' سواء كانت بليل أونهار** (اتحافات ص۳۱۱) (اور یہاں آپ کی نفلی عبادت مقصود ہے چاہے وہ رات کو ہو یا دن کو) جن پر عام لوگ کم واقفیت رکھتے ہیں۔ فرائض تو سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

غرضِ انعقادِ باب :

حضور اقدس ﷺ باوجود معصوم ہونے کے نوافل کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ یہی اس

باب کی غرض انعقاد ہے، ستعرف فی هذا الباب کیف کانت عبادة النبی صلی الله علیه وسلم، و کیف داوم علیها حتی ورمت قدماه ۔(اتحافات ص ۳۱۱)(چنانچہ عنقریب اسی باب میں تو یہ جان لے گا کہ حضور ﷺ کی عبادت کی کیفیت کیا ہوتی تھی اور آپؐ نے عبادت پر کیسے دوام فرمایا کہ آپؐ کے قدموں میں ورم آجاتا تھا) باب نوم کے بعد لانے کی وجہ ظاہر ہے، وعقب باب النوم بباب العبادة لأن نومه صلی الله علیه وسلم مِن اجلّ العبادات و أکمل الطاعات ۔(مواہب:ص۱۹۹)(اور مصنفؒ نے باب العبادۃ کو باب النوم کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ آپؐ کی نیند بھی ایک بڑی عبادت اور کامل طاعات میں سے تھی)او لانه کان یعقب نومه بعبادته ۔(المناوی ج۲ص۸۰)(یا اس لئے کہ نیند کے بعد آپؐ عبادت فرمایا کرتے)

حضور اقدس ﷺ کا عظمتِ مقام کے باوجود نوافل کا اہتمام :

حضور اکرم ﷺ کی ہر حرکت وسکون عبادت ہے، ہر کلام وخاموشی ذکر وفکر ہے، لیکن مثال کے طور پر شمائل کا جز ہونے کی وجہ سے مصنفؒ نے چند عبادات کا ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت اور مراتب عالیہ کے حصول کا پروانہ ملنے کے باوجود اُس مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود جہاں تک نہ کوئی ولی اللہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی پہنچا، کس قدر نفلی عبادات کا اہتمام فرماتے تھے اور ہم لوگ جو امتی کہلاتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، کتنا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ ہم گنہ گار ہیں، سیہ کار ہیں، گناہوں کے مقابلے اور تول کے لئے بھی ہم عبادات کے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ محتاج ہیں، پھر ہماری عبادتیں بھی ایسی ہیں، جن کا پورا معاوضہ تو درکنار ان کا کوئی بھی معاوضہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے۔ اللہ جل شانہٗ کے یہاں ہر عبادت کا وزن اور اس کی قیمت اخلاص پر مبنی ہے، جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کا عبادت میں وزن ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، کسی کے لئے نواں اسی طرح آٹھواں ساتواں چھٹا پانچواں چوتھائی تہائی آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) اور دسواں بھی مثال کے طور پر ارشاد ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں

ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے اول نماز کا حساب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو پوری ہے یا ناقص ہے، اگر وہ پوری ہوتی ہے تو جائزہ میں پوری لکھ دی جاتی ہے اور اگر ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس کے لئے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل ہوتے ہیں تو ان سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ وغیرہ کا محاسبہ ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

ہم لوگوں کے فرائض جیسے ادا ہوتے ہیں، وہ ہمیں بھی معلوم ہیں، ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ نفلی عبادات نماز کے قبیلہ سے ہوں یا صدقات کے یا اور دوسری عبادات کے نہایت کثرت سے و اہتمام اور اخلاص سے کی جائیں۔ عدالت میں پیشی کا وقت نہایت سخت ہے اور ہمارے اعمال کے دو نگراں ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ آدمی کے بدن کا ہر جز اُس عملِ نیک یا بد کی گواہی دینے والا ہے، جو اس سے صادر ہوئے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیبہ اور تسبیحات کو گنا کرو کہ قیامت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں اور ان کو گویائی عطا کی جائے گی اور حضور اکرم ﷺ پر میرے ماں باپ قربان کہ آپؐ کا نمونہ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہے۔ (خصائل: ۲۱۴ تا ۲۱۵)

باقی رہی یہ بات کہ نبوت سے قبل بھی تو حضور اقدس ﷺ غارِ حرا میں عبادت کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی اور کس طریقہ پر تھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، انه صلی اللّٰه عليه وسلم کان متعبدا بالعبادات الباطنية من الاذكار القلبية والافكار فى الصفات الالٰهية والمصنوعات الآفاقية و الانفسية و الاخلاق السنية والشمائل البهية من الترحم على الضعفاء و الشفقة على الفقراء والتحمل من الاعداء والصبر على البلاء والشكر على النعماء والرضاء بالقضاء والتسليم والتفويض والتوكل على ربّ الارض والسماء والتحقق بحال الفناء و مقام البقاء على ما يكون منتهى حال كمل الاولياء والاصفياء۔ (جمع ج۲ ص۸۰)

(نبی کریم ﷺ عباداتِ باطنیہ یعنی اذکارِ قلبیہ، صفاتِ الٰہیہ، آفاقی (بیرونی) اور انفسی (اندرونی) مظاہر اور مناظر خداوندی میں تدبر و تفکر نیز بلند اخلاق اور اچھے عادات یعنی ضعیف اور کمزور لوگوں پر

شفقت ورحمت دشمنوں کی تکالیف پر تحمل، مصائب پر صبر اور اللہ کی نعمتوں پر شکر قضا وقدر، تسلیم وتفویض جیسے اوصافِ جمیلہ آسمان وزمین کے مالک پر توکل فنا وبقاء کے مقام کا تحقق جو کہ اولیاء کرام اور برگزیدہ شخصیات کا مطمح نظر اور منتہی ہوا کرتا ہے پر غور وفکر کرنے میں ہمہ تن منہمک رہا کرتے تھے)

(۱/۲۵۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ بِشْرُ بْنُ مَعَاذٍ قَالَا اَخْبَرَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

ترجمہ : ’’ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید و بشر بن معاذ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابوعوانہ نے زیاد بن علاقہ کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے آپؐ کے اول و آخر سب گناہ بخش دیے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (کہ جب حق جل شانہٗ نے مجھ پر اتنا بڑا انعام فرمایا ہے) تو کیا میں اس کا شکر ادا نہ کروں۔

راویان حدیث (۵۲۴) بشر بن معاذؒ (۵۲۵) ابوعوانہؒ اور (۵۲۶) زیاد بن علاقہؒ کے حالات ’’تذکرہ راویان شمائل ترمذی‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوافل کا اہتمام :

انتفخت قدماہ ، مسلسل عبادت اور طویل قیام کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں پر دباؤ پڑ جاتا تھا اور وہ سوجھ جاتے تھے، **ای واستمر علی الاجتهاد فی الصلوة حتی تورمت قدماه الشریفتان من طول قیامه فیها و اعتماده علیهما** ۔ (مواہب ص۲۰۰) چونکہ فرائض میں آپؐ کا تخفیف کا معمول تھا، امت کو بھی اس کی تعلیم فرمائی، اس لئے اس سے مراد نفلی عبادت ہے۔

نبیؑ معصومؐ سے گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ :

فقیل له 'حضوراقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا ،بعض اکابر صحابہؓ نے عرض کیا ،وفی روایة انه عمر ۔(مواہب ص۲۰۰) (اورایک روایت میں ہے کہ وہ عمرؓ تھے) کہ آپ یہ کلفت ومشقت کیوں برداشت کرتے ہیں ،وقد غفر الله لک ...... : بظاہراس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپؐ سے صادر ہوئے ،لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ نے معاف فرمادیے حالانکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ،ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا ۔ اس کے بہت سے جواب علماء نے مرحمت فرمائے ہیں ، جو اپنے موقعوں پر درج ہیں ۔ بالخصوص سورۂ انا فتحنا کی تفسیروں میں مختلف جواب نقل کیے گئے ہیں' بندہ کے نزدیک سہل یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین کے لئے گناہ بن جاتے ہیں) ہر شخص کے گناہ اس کے درجہ کے مناسب ہوتے ہیں ۔ آپؐ کے درجہ اور رتبہ کے مناسب جو کوتاہیاں شمار کی گئیں وہ ایسے اُمور ہیں ، جو ہمارے لئے عین طاعت ہیں ۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ کافر سرداروں کے اسلام لانے کی توقع اور اُمید میں ان سے گفتگو فرما رہے تھے ، جو عین دین تھا ۔ اس وقت ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ نے آ کر کچھ بات کی ، جس کی بنا پر حضور اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کے درمیان میں دخل دینا گراں ہوا ۔ اس پر سورۂ عبس میں حضور اکرم ﷺ پر تنبیہ ہوئی ، اسی طرح جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے غایتِ شفقت اور رحمت کی وجہ سے اس توقع پر کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں ، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا ، تو قرآن پاک میں اس پر تنبیہ ہوئی ۔ اس نوع کے واقعات ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی علوِ شان کے لحاظ سے وہ تقصیر شمار کیے گئے (خصائل ص ۲۱۶ تا ۲۱۷)

تکلّف بمعنیٰ تحمّل کے ہے :

تکلف کی دو قسمیں ہیں ،ان یفعل الانسان فعلاً بمشقة و هو ممدوح و هو المراد هنا و أن یفعل فعلاً تصنعاً وهو مذموم ۔(مواہب ص۲۰۰) ((۱) کہ انسان کسی کام کو تکلیف ومشقت برداشت کر کے کرلے اور یہ تو قابل مدح ہے اور یہاں یہی مراد ہے (۲) اور دوسری قسم یہ کہ تصنع اور

بناوٹ کے طور پر کسی کام کو کرنا اور یہ قابل مذمت ہے) یہاں دوسری قسم مراد نہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، انا و امتی برآء من التکلف ۔(جمع ج۲ص۸۰) (میں اور میری امت تکلف اور بناوٹ سے بیزار ہیں) قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے ، وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ (سورۂ ص:۸٦) (اور نہیں میں تکلف کرنے والوں سے) پہلی قسم سے مراد تکلف بمعنیٰ تحمل و برداشت کے ہے، اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے قال افلا اکون عبدا شکورا 'حرفِ فا میں دو اقوال ہیں ۔(۱) الفاء للعطف علی مقدر تقدیرہ أاترک الصلوۃ اعتمادا علی الغفران فلا اکون عبدا شکورا ۔(فاء برائے عطف مقدر پر ہے۔تقدیرِ عبارت أاترک الخ کہ کیا میں نمازِ نفل (کی کثرت) کو چھوڑ دوں پھر نہ بنوں بندہ شکر گزار) (۲) و قیل للتسبب عن غیر مذکور ای أاترک صلواتی بما غفرلی فلا اکون عبدا شکورا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مغفرت کا اعلان وانعام اس بات کا سبب ہے کہ میں اللہ پاک کی نماز پڑھوں اور اس کا شکر ادا کروں۔

منشأ سوال :

شاید سائل کی غرض یہ ہو کہ باوجود غفران کے اعلان و انعام کے اپنے آپ کو عبادت کے لئے مشقت میں ڈالنے کی وجہ یا تو گناہوں کا خوف ہو سکتا ہے یا مغفرت کی اُمید" اما خوف الذنب او رجاء المغفرۃ ۔(جمع ج۲ص۸۰) مگر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد نے بات واضح کر دی کہ اس قدر کثرت و اہتمامِ عبادت کا سبب کچھ اور ہے، وھو الشکر علی التأھل لھا مع المغفرۃ و اجزال النعمۃ ۔(جمع ج۲ص۸۰) (اور وہ رحیم کریم ذات کا شکر کرنا کہ اس نے مجھے باوجود مغفرت اور کمال نعمت عطا کرنے کے اپنی عبادت کی اہلیت بھی نصیب فرمائی)

جیسا کہ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے، ولا یکونن احدکم کالعبد السوء' إن خاف عمل ولا کالأجیر السوء ان لم یعط الأجر لم یعمل ۔(اتحافات ص۳۱۱) (اور تم میں کوئی ہرگز اس برے غلام کی طرح نہ ہو کہ اگر اس کو خوف ہو تو پھر کام کرتا ہے اور نہ اس برے مزدور جیسے کہ اگر اسے اجرت نہ دی جائے تو کام چھوڑ دے)

حضرت علیؓ کا ارشاد مبارک :

علامہ ملا علی قاریؒ نے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ جنت کی حرص و لالچ پر عبادت کرتے ہیں یہ عبادت تاجروں کی عبادت ہے اور جو لوگ خوف اور ڈر کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے اور جو لوگ بلا رغبت وخوف محض نعماءِ الٰہی کے شکریہ میں عبادت کرتے ہیں یہ عبادت احرار کی عبادت ہے، عن علی کرم الله وجهه ان قوماً عبدوا رغبة فتلك عبادة التجار و ان قوماً عبدوا رهبة فتلك عبادة العبيد و ان قوماً عبدوا شكراً فتلك عبادة الاحرار۔ (جمع ج۲ص۸۰)

سیاقِ حدیث کی غرض :

دراصل اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اطاعتِ خداوندی میں ساری کائنات میں سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ایک عظیم شخصیت تھی۔ نیز حدیث سے نفلی عبادات کا اہتمام اور اس کے لئے حتی الوسع مشقت برداشت کرنے کا استحباب بھی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں : والغرض من سياق هذا الحديث بيان انه اعظم الخلق طاعة لربّه و فيه ندب تشمير ساق الجد في العبادة وان ادى لمشقة مالم يفض الى ملال۔ (مناوی ج۲ص۸۰)

(۲۵۲/۲) حَدَّثَنَا اَبُوْعَمَّارِ نِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ تَفْعَلُ هٰذَا وَ قَدْ جَآءَكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ غَفَرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا.

ترجمہ : " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عمار حسین بن حریث، نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو فضل بن موسیٰ نے محمد بن عمرو کی وساطت سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ابی سلمۃ سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس درجہ نوافل

پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے، پھر آپ اس درجہ کیوں مشقت برداشت فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مضمونِ حدیث تو وہی ہے جو اس سے قبل کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ مصنفؒ کی غرض بھی یہی ہے کہ دوسری سند سے بھی سابقہ مضمونِ حدیث کی تائید حاصل ہو جائے۔ ترم قدماہ ایک نسخہ میں تورم نقل ہوا ہے اتفعل هذا ای الاجتهاد والتکلف فهو علی تقدير همزة الاستفهام ۔(مواہب ص۲۰۱) (تفعل هذا یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کیا تو اتنی محنت و مشقت کرتا ہے) حضور اقدس ﷺ بارگاہِ قدس میں تشکر و امتنان اور عبدیت و عبادت کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ حضراتِ مفسرین نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ......" کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

آیت کا شانِ نزول :

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محدث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ عطاء بن ابی رباحؒ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو، وہ مجھے بتلایئے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آپؐ کی کس شان کو پوچھتے ہو؟ اُن کی تو ہر شان عجیب ہی تھی۔ ہاں ایک واقعہ عجیب سناتی ہوں، وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے، پھر فرمایا اجازت دو کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اُٹھے، وضو فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپؐ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اُٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ آئے، اور حضور ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور علیہ السلام اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور شکریہ میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مجھ پر آیتِ مبارکہ نازل فرمائی ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ :لأیۃ۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے، اس شخص کے لئے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا (معارف القرآن ج۲ص۲۶۱،۲۶۲)

الحاصل :

علامہ ملا علی قاریؒ الحاصل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، **والحاصل انه لايستغنى احد عن فضله سبحانه و لذا قال صلى الله عليه وسلم لن ينجو احد منكم بعمله قالوا و لا انت يا رسول الله قال و لا انا ' الا ان يتغمدنى الله برحمته و بهذا يتبين ان الله تعالىٰ لو عمل بالعدل مع الخلق لعذب الاولين و الآخرين و هو غير ظالم لهم فنسأل الله فضله و نستعيذ من عدله** (جمع ج۲ص۸۱) (خلاصہ یہ کہ دنیا میں کوئی بھی اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اور مہربانی سے مستغنی نہیں اس لئے تو آپ علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہرگز تم میں سے کوئی آدمی اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا صحابہؓ نے عرض کیا حضور علیہ السلام! آپ بھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اور میں بھی نہیں بچ سکتا الا یہ کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے عدل وانصاف کا معاملہ فرماویں تو بھی اولین وآخرین کو عذاب دینے میں ظالم نہیں ہوں گے اس لئے ہم تو اس سے اس کے فضل وکرم کا معاملہ چاہتے ہیں اور اس کے صرف عدل سے پناہ مانگتے ہیں)۔

(۳/۲۵۳) **حَدَّثَنَا عِیْسَی بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِیْسَی بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرَّمْلِیُّ حَدَّثَنَا عَمِّیْ یَحْیَی بْنُ عِیْسَی الرَّمْلِیُّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْمُ یُصَلِّیْ حَتّٰی یَنْتَفِخُ قَدَمَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ مَا**

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا.

ترجمہ : '' امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن رملی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت میرے چچا یحیٰ بن عیسیٰ رملی نے بیان کی، انہوں نے یہ روایت اعمش سے نقل کی اور انہوں نے اسے ابی صالح سے روایت کیا۔ ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نماز اتنی طویل پڑھتے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر آئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ آپ کے سب گناہ اوّلین و آخرین معاف ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

راوی حدیث (۵۲۷) عیسیٰ بن عثمان الرملیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمون حدیث وہی ہے جو گذشتہ دو احادیث میں بیان ہو چکا ہے انما ذکر الحدیث بالاسانید الثلاثة للتاکید والتقویة (جمع ج ۲ ص ۸۲) (حدیث کو تین اسناد سے ذکر کرنا تاکید و تقویت کے لئے ہے)

بعض اشکالات کا تفصیلی جواب :

امامِ ترمذیؒ نے اہتمام کی وجہ سے تین طریقوں سے اس مضمون کو ذکر کیا۔ ان روایات پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ سے مختلف طریقوں سے طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آدمی صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمادیا کہ میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب یہی اصل مقصد پیدائش کا ہے تو اس میں جتنا بھی اضافہ اور اہتمام اور زیادتی ہوگی، وہ ممدوح اور پسندیدہ ہوگی۔ اس کے بعد زیادتی کی ممانعت جہاں جہاں وارد ہوئی ہے۔ وہ عوارض کی وجہ سے ہے، جہاں کوئی عارض اور مانع پیش آجائے گا، وہاں غیر مستحسن ہو جائے گی۔ منجملہ اِن عوارض کے اُکتا جانا اور گھبرا کر بالکل ترک کر دینا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بھاگ کر چلنا نہ اُکھڑ کر گرنا۔ احادیث میں اس طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال اسی قدر کرو

جتنے کا تحمل ہو سکے۔ اللہ جل شانہٗ ثواب عطا کرنے سے دریغ نہیں فرماتے، جب تک کہ تم عمل سے اُکتا نہ جاؤ اسی لئے علماء مجاہدات کی زیادتی سے روکتے ہیں کہ مبادا اُکتا کر بالکل ہی ترک ہو جائے۔ جب کہ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور کیوں نہ ہوتی، جب کہ نماز اللہ کے ساتھ راز و نیاز ہے، تو حضورِ اکرم ﷺ جیسے مخلص بندے کے لئے آقا کے ساتھ سرگوشی میں جتنی بھی لذت ہو قرینِ قیاس ہے۔ اُکتاوے وہ جو اس لذت سے محروم ہو۔ اسی طرح دوسرا مانع جو احادیث میں وارد ہوا ہے، حقوقِ لازمہ کی ادا میں کوتاہی ہے کہ مجاہدات کی کثرت سے ضعف پیدا ہو کر حقوق میں کوتاہی ہوگی۔ حضورِ اکرم ﷺ کے یہاں یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو قدسی ذات ان مجاہدات اور تقلیلِ طعام وغیرہ پر بھی ایک دفعہ میں نو بیویوں سے صحبت کر سکتا ہو، وہاں ضعف کا کیا سوال۔ اسی طرح دیگر عوارض کا حال ہے جو حضورِ اکرم ﷺ کے یہاں منتفی تھے۔ اس لئے ان جیسی روایات پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (خصائل)

(۲۵۴/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ فَقَالَتْ كَانَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ ثُمَّ یَقُوْمُ فَاِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ ثُمَّ اَتٰی فِرَاشَهٗ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اَلَمَّ بِاَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ وَثَبَ فَاِنْ كَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَیْهِ مِنَ الْمَآءِ وَاِلَّا تَوَضَّاَ وَخَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی محمد بن جعفر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت شعبہ نے ابی اسحاق کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسود بن یزید سے روایت کی۔ حضرت اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضورِ اقدس ﷺ کی رات کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا کیا معمول تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصفِ اوّل میں استراحت فرماتے تھے، اس کے بعد تہجد پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی، تب وتر پڑھتے،

اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لے آتے، اگر رغبت ہوتی، تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے، پھر صبح کی اذان کے ساتھ فوراً اُٹھ کر اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

صلوٰۃ اللیل :

قال سألت عائشة عن صلواة رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... ' صلواة الليل میں اگر چہ عموم ہے، مغرب وعشاء دونوں کو شامل ہے، مگر یہاں مزید تفصیل ہے وہ بمعنیٰ تہجد کیے، کـان السؤال عن صلاة الليل يشمل التهجد و الوتر (اتحافات ص۳۱۲)(گویا صلوٰۃ اللیل کا سوال (مغرب وعشاء کے ساتھ) تہجد اور وتر کو بھی شامل ہے) كان ينام اول الليل ـ حضور اقدس ﷺ کا یہ عام معمول تھا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اور نصف شب تک آرام فرماتے، قبل العشاء سونے کو پسند نہ فرماتے، لانـه يكره النوم قبلها (مواہب ص۲۰۲) ثم يقوم ، پھر نماز تہجد کے لئے قیام فرماتے، ای يصلی فان قيام الليل متعارف فی الصلاة فيه يستمر يصلی السدس الرابع و الخامس (مناوی ج۲ ص۸۲) (ثم يقوم کا مطلب یہ کہ پھر نماز تہجد پڑھتے اس لئے کہ قیام لیل تہجد پڑھنے کے لئے متعارف ہے۔ اور آپ ﷺ کی عادتِ مستمرہ چوتھے سدس اور پانچویں سدس میں تہجد پڑھنے کی تھی)

صلواۃِ وتر :

فاذا كان مِن السحر اوتر ـ اسی طرح جب عبادت الٰہی میں رات کا آخری حصہ ہو جاتا، تو وتر ادا فرماتے، السحر کا معنیٰ آخر الليل ہے۔ (اتحافات ص۳۱۳) اوتر میں وتر کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، كان ﷺ يـوتـر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يـقـرأ في كل ركعة ثلاث سور آخرهن قل هوا الله احد ، وفی رواية كان يقرأ في الاولىٰ سبح اسـم ربـک الأعلـىٰ ، وفي الثانية قل ياايها الكافرون و فی الثالثة قل هو الله احد ، والمعوذتين رواه ابـو داؤد والتـرمذی ـ (مواہب ص۲۰۲) (نبی کریم ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور مفصل سورتوں میں سے نو سورتیں ان میں پڑھتے تھے ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھا کرتے ان میں آخر قل هوا الله احد

ہوتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھا کرتے تھے اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے)ثم اتی فراشه، پھر اپنے بستر پر استراحت کے لئے تشریف لے آئے، لیقویٰ بھا علی صلاۃ الصبح و مابعدھا من و ظائف الطاعات و لانه یدفع صفرۃ السھر عن الوجه(جمع ج۲ ص۸۲) (تا کہ صبح کی نماز اور بعد کے نفلی وظائف وغیرہ پر تقویت حاصل کی جائے اور اس لئے بھی کہ بیداری کی وجہ سے چہرہ کی زردی (کمزوری) کو دور کیا جائے)

وظیفۂ زوجیت :

فاذا کان له حاجة......الخ 'مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے،الم باھله' المام بمعنیٰ نزولِ خفیف کے آتا ہے،گویا جماع سے کنایہ ہے، ای قرب من زوجته و ھو کنایة عن الجماع۔(اتحافات ۲۱۳)(یعنی اپنی بیوی کے قریب ہو جاتے اور یہ جماع سے کنایہ ہے)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ وظیفۂ زوجیت کے لئے بعد السحر کے وقت کو ترجیح دیتے تھے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

''اطباء کے نزدیک بھی صحبت کے لئے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے۔ نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے۔اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ایسی حالت میں مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے، اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے،لیکن یہ طبی مصالح ہیں۔شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے۔نبی کریم ﷺ سے بھی اوّل شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے۔البتہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے اور اس سے حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد والدین کی نافرمان ہوتی ہے۔(خصائل)

(۵/۲۵۵) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَی الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِکٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَیْمٰنَ عَنْ کُرَیْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ

مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ اَوْ بَعْدَهٗ بِقَلِيْلٍ فَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَ قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰيٰتِ الْخَوَاتِيْمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُّعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ اَخَذَ بِاُذُنِي الْيُمْنٰى فَفَتَلَهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ قَالَ مَعْنٌ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَآءَ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ ۔

ترجمہ : ''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی ۔ (ح) ہم کو اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معن نے مالک کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے اسے مخرمہ بن سلیمان سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت کریب سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات (لڑکپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ (ام المؤمنین رضی اللہ عنہا) کے یہاں سویا۔ حضور اقدس ﷺ اور ان کی اہلیہ تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کی چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا سو گئے اور تقریباً نصف رات ہونے پر اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور فرمانے لگے، پھر سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' کو تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد مشکیزہ کی طرف جو پانی سے بھرا ہوا لٹک رہا تھا تشریف لے گئے اور اس سے (برتن میں پانی لے کر) وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اکرم ﷺ کی (بائیں جانب) برابر کھڑا ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے (اس لئے کہ مقتدی کو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے) میرے سر پر ہاتھ مبارک رکھ کر میرا کان مروڑا، پھر حضور اقدس ﷺ دو دو رکعت پڑھتے رہے، معن کہتے ہیں کہ چھ (۶) مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے دو دو (۲) رکعت پڑھیں۔ گویا بارہ (۱۲) رکعت ہو گئیں

، پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے۔ صبح نماز کے لئے جب بلالؓ بلانے آئے تو دو (۲) رکعت سنت مختصر قرأت سے پڑھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت ابنِ عباسؓ :

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جو حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور عمر میں چھوٹے صحابی تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں۔ لانها اخت امه لأبيها ، واسم امه لبابة و كنيتها أم الفضل (اتحافات ص۳۱۲) (اس لئے کہ حضرت میمونہؓ ابن عباسؓ کی ماں کی علاتی بہن تھیں اور اس کی ماں کا نام لبابہ اور کنیت ام الفضل تھی) ابن عباس کی طرح خالد بن ولیدؓ اور حضرت زید بن اصم بھی ان کے بھانجے تھے۔ حضرت میمونہؓ کون تھیں "هی التی وهبت نفسها للنبی صلی الله علیه وسلم و تولی ولایتها العباس" ۔ (اتحافات ص۳۱۲) (یہ وہ عورت تھی جس نے اپنا نفس (جان) حضور ﷺ کو بخش دی تھی اس کا متولی حضرت عباسؓ تھا)

ملا علی قاریؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لانها لما جاء تها خطبته و هی علی بعير لها قالت هو و ما عليه لله و لرسوله وجعلت امرها للعباس فانكحها النبی صلی الله عليه وسلم و هو محرم فلما رجع بنی بها بسرف ...... و من غريب التاريخ انها ماتت بسرف فی المحل الذی تزوجها فيه و صلی عليها ابن عباس و دخل قبرها وهی آخر ازواج النبی صلی الله عليه وسلم (جمع ج۲ص۸۳) (اس لئے کہ جب اس کے پاس حضور ﷺ کا پیغامِ نکاح پہنچا اور وہ اس وقت اپنے اونٹ پر سوار تھی کہا کہ اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور میں نے اپنا متولی حضرت عباسؓ کو بنایا ہے تو حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ اس کا نکاح کروادیا اور آپؐ اس وقت محرم تھے جب آپؐ (مکہ سے واپس) لوٹے تو مقام سرف میں بیوی کے پاس گئے اور تاریخ کے عجائبات میں سے ہے کہ حضرت میمونہؓ نے مقام سرف میں اسی جگہ وفات پائی جہاں آپؐ نے اس سے نکاح فرمایا تھا اور اس پر نمازِ جنازہ حضرت عباسؓ نے پڑھی اور قبر میں اتارا اور یہ نبی کریمؐ کی بیویوں میں آخری بیوی ہے)

یہ وہی ابن عباسؓ ہیں جن کے لئے حضور اقدس ﷺ نے علم و حکمت کی دعا فرمائی تھی۔ اللھم علمه الکتب والحکمة ' اللھم فقهه فی الدین '(اے اللہ اس کو کتاب و حکمت (قرآن و حدیث) کا علم اور دین کی سمجھ عطا فرما) اپنے محسن و مربی استاذی واستاذ العلماء امیر المومنین فی الحدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہٗ العزیز کا یہ معمول تھا کہ اپنے تلامذہ وفضلاء کے لئے خصوصیت سے ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اساتذہ و مشائخ کے لئے مسنون یہی ہے کہ وہ اپنے تلامذہ اور شاگردوں کے لئے اِن الفاظ کے ساتھ دعا کیا کریں۔

الوسادة :

فاضطجعت فی عرض الوسادة ...... یعنی حضور اقدس ﷺ تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کے چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا۔ اس روایت میں حضرت میمونہؓ کے اضطجاع کا کوئی ذکر نہیں، مگر عادتِ شریفہ یہی ہے کہ زوجین کا اضطجاع ایک ساتھ ہوتا تھا و وضع رأسه الشریف علی طولها مع اهله میمونة ۔(مواہب ص۲۰۳) (اور حضور ﷺ نے اپنا سر مبارک بمعہ اپنی اہلیہ حضرت میمونہؓ کے تکیہ کے طولانی حصہ پر رکھا)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

قاضی عیاضؒ وغیرہ حضرات نے بجائے تکیہ کے بستر ے کا ترجمہ فرمایا تھا، جب کہ لفظِ وسادہ کا اصل ترجمہ تکیہ ہی کا ہے اور تکیہ مراد لینے میں کوئی بُعد بھی نہیں، تو پھر بستر مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً تکیہ کی لمبائی پر حضور اقدس ﷺ سر مبارک رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے اور ابن عباسؓ تکیہ کی چوڑان پر سر رکھ کر یعنی قبلہ کی طرف سر کر کے لیٹ گئے۔ (خصائل)

متنِ حدیث کی تشریح :

حتی اذا انتصف اللیل ...... جب آدھی رات ہوئی، **او قبله ای قبل انتصافه** ۔(مناوی ج۲ ص۸۴) نصف رات یا اس سے قدرے قبل یا قدرے بعد میں، حضرت ابن عباسؓ وقت کے تعین میں شک کر رہے ہیں ۔ **فجعل یمسح النوم** ...... نوم کی مسح عادۃً ممکن نہیں، مراد أثر النوم ہے، لان

النوم لا یمسح۔ (مواہب ص ۲۰۳) اور وہ سستی، آنکھوں کی بندش اور طبعی فتور ہے۔

سو کر اُٹھتے وقت قرآن پڑھنا سنت ہے :

و قرأ العشر الآیات ...... آپؐ سے قرأتِ قرآن 'بعد النوم' ثابت ہوئی۔ بظاہر اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان آیات کو بغیر وضو کے پڑھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کی نوم ناقض وضو نہیں تھی۔ تاہم ظاہری صورت میں اس عمل سے بھی، اور دیگر روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؐ بغیر وضو کے بھی قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ سو کر اٹھنے کے وقت کچھ نہ کچھ قرآن پڑھ لینا مسنون ہے کہ اس سے کسل زائل ہوتا ہے۔ نشاط اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ عبادت کے لئے فرحت و انبساط کی انگیخت ہوتی ہے، بلکہ سورۃ آلِ عمران کی اِن آخری آیات کی تلاوت مستحب اور آپؐ سے ثابت ہے۔ بل تندب هذه الآیات بخصوصها عقب الانتباه (مواہب ص ۲۰۳) (یعنی خواب سے بیداری کے بعد ان آیات کی تلاوت ایک مستحب عمل ہے)

شنّ کا معنی وتشریح :

الی شنّ ...... شنّ پرانی مشک کو کہتے ہیں، وهو قربة الخلق ۔ (جمع ج ۲ ص ۸۵) مواہب (۲۰۳) والے نے "قربة بالیة" سے تعبیر کیا ہے، جو کسی موزون جگہ پر معلق تھی، لٹکی ہوئی تھی، لتبرید الماء او لحفظه (جمع ج ۲ ص ۸۵) (پانی کے محفوظ یا ٹھنڈا رکھنے کے لئے) فتوضأ منها میں ضمیر "الشنّ" کو راجع ہے، و تانیثه باعتبار المعنی ۔ (جمع ج ۲ ص ۸۵، ایضاً جمع ج ۲ ص ۸۶) (منها کی ضمیر مؤنث لفظ شنّ کو باعتبار معنیٰ کے راجع ہے) اور صحیح نسخے میں "منه"، ضمیر مذکر نقل ہوئی ہے۔ وفی روایة فأطلق شناقها بکسر الشین خیط یشد به فم القربة ثم صب فی الجفنة ثم توضأ منها (مواہب ص ۲۰۳) (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا شِناق کھولا (یعنی وہ دھاگہ) جس کے ساتھ مشکیزہ کا منہ بندھا ہوا تھا) پھر ایک بڑے پیالہ میں پانی ڈال کر وضو فرمایا) فأحسن الوضوء ...... الخ، ای اسبغه واکمله بأن أتی بواجباته و مندوباته ۔ (مواہب ص ۲۰۳) (یعنی کامل وضو فرمایا یعنی واجبات سنن اور مستحبات سب بجا لائے)۔

حضرت ابن عباسؓ کا حضوراقدس ﷺ کے پہلو میں قیام :

فقمت الی جنبه ...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہوا اور ایک روایت میں مزید تصریح ہے کہ "**فقمت و توضأت فقمت عن یساره**" (مواہب ص ۲۰۳) (میں اٹھا اور وضو کر کے آپؐ کے بائیں طرف کھڑا ہوا)

فوضع ...... حضوراقدس ﷺ نے اولاً میرے سر پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا، **قیل و ضعها علیه اولاً لیتمکن مِن اخذ الاذن او لانها لم تقع الاعلیه اولینزل بر کتها به لیحفظ جمیع افعاله صلی الله علیه وسلم فی ذلک المقام وغیره** ۔(جمع ج۲ص۸۶) (بعض حضرات نے کہا کہ آپؐ نے ہاتھ مبارک سر پر پہلے اس لئے رکھا تا کہ کان پکڑنے کی قدرت اور امکان ہو۔ اور یا آپؐ کا ہاتھ پہلے سر ہی پر پڑا اور یا اس لئے کہ ہاتھ مبارک کی برکت سر پر نازل ہوتا کہ اس کی برکت سے آپؐ کے سب افعال اس جگہ کے بھی اور دوسرے مقامات کے بھی یاد ہو جاویں)

ففتلها ...... کان مروڑا ' **وفی روایة الشیخین فاخذ باذنی فأدارنی عن یمینه قیل و فتلها اما لینبهه علی مخالفة السنة او لیزداد تیقظه لحفظ تلک الافعال او لیزیل ما عنده من النعاس**۔ (جمع ج۲ص۸۶) (بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے میرا کان پکڑ کر مجھے دائیں جانب پھیر دیا۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس کے کان کو یا تو اس لئے مروڑا کہ اس کو سنت (دائیں کھڑنا) کی مخالفت پر تنبیہ ہو جائے یا پھر اس لئے کہ اعمال نبوی ﷺ کی محافظت پر بیدار مغزی ہو جائے یا پھر اس لئے کہ اس کی اونگھ وغیرہ کو دور کرنا مقصود تھا) **او استعطافاً للصبی المحتاج الی العطف فی مقام العبادة او ازعاجاً و تهییجاً و تحریضاً له علی قیام اللیل و تعلم الدین** ۔(مناوی ج۲ص۸۶) (اور یا پھر مقامِ عبادت میں بوجہ کم سنی کے اس کے ساتھ نرمی محبت کا معاملہ کیا گیا یا اس کو دین کے سیکھنے اور تہجد کے اہتمام کرنے پر تحریص اور ابھارنا مقصود تھا) یہ **فتل** کوئی فعل کثیر نہیں ہے، کہ اسے مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا جا سکے۔

گوشمالی کا ایک اور واقعہ :

و قد قیل إن المعلم اذا فتل أذن المتعلم کان أذکی لفهمه قال الربیع رکب الشافعي یوماً فلصقت بسرجه فجعل یفتل أذني فأعظمت ذلک حتی وجدته عن ابن عباس انه صلی اللّٰه علیه وسلم فعله به فعلمت أن الامام لایفعل شیئا الاعن اصلٍ۔(مواہب ص۲۰۳ومناوی ج۲ص ۸۶)(کہا جاتا ہے کہ جب استاد شاگرد کا کان مروڑتا ہے تو یہ اس کی ذکاوت علمی کا سبب بن جاتا ہے امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے شیخ واستاذ امام شافعیؒ سوار ہوئے تو میں بھی سواری کی زین پر اس کے ساتھ چمٹ پڑا۔ شیخ ؒ نے میرا کان مروڑنا شروع کیا تو یہ مجھے بڑا بھاری معلوم ہوا تا آنکہ ابن عباسؓ کی روایت سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا تب معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ اور استاد کوئی بات بھی بغیر اس کی اصل اور بنیاد کے نہیں کیا کرتے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تسویۃ الصفوف امام کی ذمہ داری ہے۔شارحینِ حدیث اور فقہاء اس سے یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ اگر نماز میں کسی فعلِ تحریمی کا ازالہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔مثلاً اگر کسی شخص سے نماز میں ٹوپی گر جاتی ہے تو وہ اسے سر پر رکھ سکتا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔امرِ معروف بفعل قلیل نماز میں جائز ہے۔رات کو نماز کے بعد وتر پڑھنا افضل ہے۔یہ کہ مؤذن کو مستحب ہے کہ اگر امام گھر میں ہو اور نماز تیار ہو تو اسے اعلام کرے۔صبح کی سنتیں ہلکی پھلکی پڑھنا مسنون ہیں۔صبح کی سنتیں گھر میں ادا کرنا بہتر ہیں۔(مناوی ج۲ص۸۶) وفیه انه یسن للمقتدی الفذّ الوقوف عن یمین الامام فان وقف عن یساره حوله ندبا و ان الفعل القلیل لا یضر بل قد یسن اذا کان لمصلحة و ان الامر بالمعروف مشروع حتی فی الصلواة، وجواز صلٰوة الفرض بوضوء النفل و انّ الممیز کالبالغ جماعة و موقفا و انّ النفل یفعل جماعة. (مناوی ج۲ص۸۶) (حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا ایک مقتدی کو امام کے دائیں کھڑا ہونا مسنون ہے اگر وہ بائیں کھڑا ہوا تو اس کو استحباباً امام دائیں جانب پھیر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل قلیل نماز کے لئے مضر نہیں

بلکہ کبھی مصلحت کی بناء پر مسنون بھی ہے اور یہ کہ امر بالمعروف ایک حکم شرعی ہے چاہے نماز میں بھی ہو نفل نماز کے لئے کیے ہوئے وضو سے فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور سمجھ دار لڑکے کا حکم جماعت کرنے کی صورت میں بالغ مرد جیسا ہے اور یہ کہ نفل بھی (بغیر تداعی) کے جماعت کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں) یؤخذ منہ حذق ابن عباس مذ کان طفلاً و مراقبته احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العبادات والعادات (مواہب ص ۲۰۴) (حدیث پاک سے حضرت ابن عباسؓ کی لڑکپن ہی سے عقلمندی، دانائی اور نبی کریم ﷺ کے عبادات اور خصائل کی کھوج وکرید کرنا معلوم ہو رہا ہے) جب مقتدی ایک ہو تو مسنون ہے کہ وہ امام کے دائیں جانب رہے۔ السنة من وقوف الماموم الواحد عن یمین الامام۔ (مواہب ص ۲۰۳)

فصلّی رکعتن ...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو دو رکعت پر سلام سنت ہے اگرچہ آپؐ سے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی ثابت ہے، والاول اصح واشھر۔ (مواہب ص ۲۰۴) (اور پہلا عمل (دو دو رکعت والا) زیادہ صحیح اور مشہور ہے)

نوافل بالجماعۃ کا حکم :

ملا علی قاریؒ حضرت ابن عباسؓ کے حضورؐ کے پیچھے نوافل پڑھنے کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وان الجماعة فی غیر المکتوبات جائزة ...... اقول و قد صرح فی الفروع اتفاق الفقهاء بکراهية الجماعة فی النوافل اذا کان سوی الامام اربعة قال فی الکافی ان التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی و امالو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لایکره و ان اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فيه و ان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقا و اما ماذکره فی شرح النقاية من جواز الجماعة فی النوافل مطلقا نقلاً عن المحیط و کذا ما ذکر فی الفتاویٰ الصوفية و نحوهما فمحمول علی ان المراد بالجواز الصحة وھی لاتنافی الکراهة واللہ اعلم۔ (جمع ج ۲ ص ۸۶)

(بے شک جماعت کرنا غیر فرائض میں بھی جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فقہاء نے نوافل میں جماعت جبکہ امام کے علاوہ چار آدمی ہوں مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ الکافی میں ہے کہ نوافل کی جماعت اس

وقت مکروہ ہے جب کہ علی سبیل التداعی کے ہو۔لیکن اگر ایک یا دو اشخاص کسی ایک امام کے پیچھے اقتداء کرلیں تو پھر مکروہ نہیں اور اگر تین آدمیوں نے اقتداء کرلی تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے البتہ اگر چار آدمیوں نے ایک امام کے پیچھے اقتداء کی تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور وہ جو شرح نقایہ میں محیط سے نقل کرکے یہ مذکور ہے کہ نوافل میں مطلقاً جماعت جائز ہے اور اسی طرح فتاویٰ صوفیہ وغیرہ میں بھی اس کا جواز منقول ہے تو فقہاء کرام اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں جواز سے مراد نوافل کی جماعت کا محض صحیح ہونا ہے اور یہ کراہت کے منافی نہیں)

تعدادِ وتر :

ثم اوتر ' پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے۔اس روایت میں تیرہ (۱۳) رکعت کا ذکر کیا گیا ہے۔یعنی اولاً دو رکعت تحیۃ الوضوء' آٹھ رکعت تہجد' پھر تین وتر ادا فرمائے۔آپؐ سے مختلف روایات میں وتروں کی ادائیگی کے مختلف طریقے منقول ہیں۔بخاری میں اوتر بثلاث 'اوتر بخمس ' اوتر باحدیٰ عشر ' اوتر بثلث عشر (کہ تین وتر ادا کیے پانچ وتر پڑھے گیارہ وتر ادا کیے تیرہ وتر پڑھے) کے الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں۔مسلم ج ۱ ص ۲۵۶' نسائی ج ۱ ص ۲۴۸ مسند اسحاق ج ۳ ص ۷۰۶ کی روایات کے مطابق احناف کا مسلک یہ ہے کہ وتروں کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائیں اور یہی آپؐ کا طریقہ تھا۔امام شافعیؒ کا مسلک دو سلاموں کے ساتھ تین رکعت' امام مالکؒ کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ تین رکعت اور دو سلام کے ساتھ تین رکعت پڑھنا بھی درست ہے، مگر اولیٰ و راجح احناف کا مسلک ہے کہ دو' دو رکعت تہجد پڑھنا معمول بنالیا جائے، جب صبح کے ظہور کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت بڑھا کر وتر بنالو۔ ثم اعلم ان اباحنیفة قال یتعین الوتر ثلاثا موصولة محتجا بان الصحابة اجمعوا علی ان هذا حسن جائز واختلفوا فیما زاد او نقص فاخذ بالمجمع علیه و ترک المختلف فیه (جمع ج ۲ ص ۹۰) (معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر تین رکعت یکجا متعین ہیں وہ دلیل میں فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے ان تین پر اجماع کیا ہے اور کہا کہ یہ جائز اور حسن ہے اور تین سے زائد اور کم میں صحابہؓ کا اختلاف ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے متفق علیہ کو لیا اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا)

اوقاتِ وتر :

حضور ﷺ اکثر اوقات وتر آخری شب میں پڑھتے تھے۔ البتہ حسبِ ضرورت اوّل شب یعنی بعد العشاء اور کبھی وسط شب میں بھی پڑھے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' **و وتره صلی الله علیه وسلم آخر اللیل هو الاغلب بناء علی انه الافضل والاکمل و الّا ففی الصحیحین و غیرهما عن عائشةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اوتر من کل اللیل من اوّله و اوسطه و آخره والمراد باوّله بعد صلاة العشاء و لعل اختلاف هذه الاوقات علی ما وردت به الروایات لاختلاف الاحوال و الاعذار فایتاره اوله لعله کان لمرض و اوسطه لعله کان لسفر۔** (جمع ج ۲ ص ۸۷) (حضور ﷺ کا اکثر معمول وتر کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنے کا تھا کیونکہ یہی وقت حضورؐ کے نزدیک پڑھنے کے لئے افضل واکمل تھا۔ ورنہ دوسرے اوقات میں بھی پڑھے ہیں بخاری ومسلم وغیرھما میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے سب حصوں (یعنی شروع رات درمیان اور آخری حصہ میں) میں وتر پڑھے ہیں اور اول شب سے مراد عشاء کی نماز کے بعد پڑھنا ہے۔ اور حضور ﷺ کا مختلف اوقات میں وتر پڑھنا اعذار اور احوال کے اِختلاف کی وجہ سے تھا جیسے کہ روایات اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں تو شروع رات میں پڑھنا شاید بیماری کے سبب اور درمیانی رات میں پڑھنا شاید سفر وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہوگا)

ثم اضطجع ...... '**اضطجع** سے مراد لیٹنا اور قدرے استراحت ہے تاکہ قیام لیل کا تعب' تھکاوٹ کا ازالہ ہو اور صبح کی نماز میں خوب نشاط حاصل ہو۔ کسی رنجیدگی یا بے چینی کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صبح کی دوسنتوں کے بعد لیٹنا بھی اسی طرح مستحب ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ **قال میرک المراد بالاضطجاع منه صلی الله علیه وسلم بعد التهجد للاستراحة لیزول عنه تعب قیام اللیل فیصلی فریضة الصبح بنشاط ولم یکن به ملالة قال النووی و یستحب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر ایضاً** (جمع ج ۲ ص ۸۶)

(۲۵۶/۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِىْ جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَ رَكْعَةً .

ترجمہ : ’’ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے یہ حدیث بیان کی ۔ انہوں نے یہ روایت وکیع سے سُنی ۔ انہوں نے شعبہ سے اور انہوں نے ابی جمرہ سے روایت کی ۔ اُنہوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تہجد (مع وتر کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے ۔

راوی حدیث (۵۲۸) ابوجمرۃؒ کے حالات ’’تذکرہ راویان شمائل ترمذی‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

تفصیل وتشریح اس سے قبل روایت میں عرض کردی گئی ہے ۔ یصلی من اللیل ' میں کلمہ مِن ابتدائیہ ہے ۔ من قبیل اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم وصمت من یوم الجمعۃ ۔ (مناوی ج۲ص ۸۷) جیسے کہ ان دومثالوں میں کلمہ من ابتدائیہ ہے) صاحبِ قاموس کہتے ہیں کہ مِن بمعنی فی کے ہے اورمثال دیتے ہیں ، اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ ۔ (جیسے کہ اس آیت میں بھی من بمعنیٰ فی کے ہے) ثلاث عشر رکعۃ یعنی دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر ، بعض علماء نے ان میں صبح کی دوسنتیں شمار کی ہیں ۔ اس صورت میں آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوئیں ۔ (خصائل)

(۲۵۷/۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ اَبِىْ اَوْفٰى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَىْ عَشْرَةَ رَكْعَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوعوانہ نے بیان کیا ۔ اُن کو یہ روایت قتادۃ نے زرارۃ ابی اوفیٰ سے سُن کر بیان کی انہوں نے یہ روایت سعد بن ہشام سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کبھی کسی عارض کی وجہ سے رات کو تہجد نہیں پڑھ

سکتے تھے، تو دن میں (چاشت کے وقت) بارہ (۱۲) رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۵۲۹) زرارہ ابی اوفیؒ اور (۵۳۰) سعد بن ہشامؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ اَوْ تقسیم کے لئے ہے یا تردید کے لئے :

کان اذا لم یصل باللیل' (آپؐ جب رات کو نماز نہ پڑھ لیتے) مراد تہجد اور وتر ہے 'صلی من النھار' (تو دن کو پڑھ لیا کرتے) اذا کا جواب ہے اور منعہ من ذلک النوم أو غلبتہ عیناہ (کہ آپؐ کو اس سے یا تو نیند روک دیتی تھی یا آنکھیں غالب ہو جاتی تھیں) سے مراد کیا ہے؟ علامہ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں' فالمقصود بہ بیان سبب علم صلاتہ فی اللیل و أو للشک من الراوی أو للتقسیم والفرق بینھما ان الأول محمول علی ما إذا أراد النوم مع امکانِ ترکہ اختیارا والثانی محمول علی ما اذا غلبہ النوم بحیث لایستطیع دفعہ ۔(مواہب ص۲۰۴) (دراصل اس سے مقصود آپؐ کا رات کو نمازِ تہجد نہ پڑھنے کے سبب کا بیان ہے اور اس میں لفظ او شک راوی کے لئے ہے یا تقسیم کے لئے اور ان دونوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی صورت کا محمل یہ ہو کہ آپؐ نیند کا ارادہ تو قصداً کر لیں اور اس کے ترک کا صرف امکان ہو اور دوسری صورت کا محمل یہ ہو کہ آپؐ پر نیند کا قدرتی طور پر ایسا غلبہ ہو کہ اس کے دفع اور روکنے کی استطاعت نہ ہو)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں...... اگر حضور اکرم ﷺ پر تہجد فرض تھا تو قضا ظاہر ہے اور اگر فرض نہیں تھا' تب بیانِ افضلیت کے لئے قضا فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کی روایت سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی وارد ہے کہ جو شخص اپنا ورد اور معمول رات کو پورا نہ کر سکے، اس کو چاہیئے کہ صبح کے بعد سے دوپہر تک کسی وقت پورا کر لے۔ یہ ایسا ہی ہے گویا رات ہی کو پورا کر لیا۔ جیسے علامہ بیجوریؒ نے مواہب میں اسی طرح نقل فرمایا ہے عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نامہ عن حزبہ من اللیل أو عن شئی منہ فقرأہ مابین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظھر کان کمن قرأہ من اللیل ۔(مواہب ص۲۰۵) اسی سے مشائخِ سلوک کا یہ معمول ماخوذ ہے کہ ذکر وغیرہ

اگر رات کو پورا نہ کر سکے تو صبح کے وقت اس کو پورا کر لے۔ وقت گزر جانے کی وجہ سے بالکل ترک نہ کر دے کہ پھر نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

استنباطِ مسائل :

وفیه دلیل علی جواز قضاء النافلة بل علی استحبابه لئلا تعتاد النفس بالترک و علی ان صلواة اللیل ثنتا عشرة رکعة کما هو المختار عندابی حنیفة ۔(جمع ج۲ص۸۸)(اور اس میں نوافل کی قضاء کا جواز بلکہ مستحب ہونے کی دلیل ہے تا کہ نفس ان کے ترک کا عادی نہ بن جائے اور حدیث تہجد کا بارہ رکعت ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول مختار یہی ہے)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضور ﷺ جب یہ صلوٰۃ اللیل دن کو پڑھتے تھے تو وتر اول اللیل بعد العشاء پڑھے ہوتے تھے۔ جیسے کہ مسلم کی روایت میں ہے' کان صلی اللّٰه علیه وسلم اذا نام من اللیل من وجع اوغیره فلم یقم من اللیل صلی ثنتی عشرة ...... و هذا فیه تنبیه علی انه کان یقدم وتره فی اول اللیل ۔(جمع ج۲ص۸۸) کہ جب کبھی نبی کریم ﷺ رات کو درد وغیرہ کی وجہ سے سو جاتے اور پھر تہجد کے لئے نہ اٹھتے تو پھر دن کو بارہ رکعت پڑھ لیا کرتے اس میں تنبیہ ہے کہ اس رات آپؐ وتر شروع رات میں بعد العشاء تہجد سے پہلے پڑھ لیا کرتے) علامہ ابن قیمؒ نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ حضور ﷺ حضر اور سفر میں ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، اس لئے دن کو بارہ رکعت اس وقت پڑھتے تھے، جب کوئی عارضہ پیش ہو جاتا تھا، فرماتے ہیں، ولم یکن صلی اللّٰه علیه وسلم یدع قیام اللیل حضرا ولاسفرا وکان اذا غلبه النوم او وجع صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة ۔(زادالمعاد ج۱ص۱۰۸) (اور آپؐ سفر اور حضر میں تہجد نہیں چھوڑا کرتے اور جب کبھی آپؐ پر نیند کا غلبہ یا کوئی درد وغیرہ ہوتا (اور رات کو تہجد نہ پڑھ لیتے) تو پھر دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے)

(۲۵۸/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ يَعْنِیْ ابْنَ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَحْ صَلا

تَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن علاء نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابواُسامہ نے ہشام یعنی ابن حسان کے واسطہ سے، اُنہوں نے یہ روایت محمد بن سیرین سے روایت کی اورانہوں نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ نے یہ ارشادفرمایا کہ جب رات کوتہجد کے لئے اُٹھوتو شروع میں اول دومختصر رکعتین پڑھ لو۔

آغاز میں رکعتین میں تخفیف کی حکمت :

قال اذا قام ...... شیخ احمد عبدالجوادالدومیؒ فرماتے ہیں ، افتتاح صلاة الليل بركعتين خفيفتين ' للتنشيط والدخول في الصلاة بعد ذلك بيقظة تامة (اتحافات ص ۳۱۵) (تہجد کودو مختصراور ہلکی رکعتوں سے شروع میں طبیعت کو چست اور ہشاش بشاش بنانا مقصود تھا تا کہ اس کے بعد کی نماز میں پوری بیداری اور چستی سے لگا رہے)

ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں : تا کہ شروع ہی سے طویل رکعتیں شروع کرنے سے تکان نہ ہو جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء ہوتی تھیں اور تحیۃ الوضو کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے۔ اس لئے ان کو مختصر پڑھنے کا ارشاد ہے اور حضوراکرم ﷺ بھی مختصر پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں ایک لطیف بات لکھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے بالوں میں تین گرہیں جادوگر کی طرح لگاتا ہے، جن میں یہ افسوں ہوتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے اور سوتا رہوں، جب آدمی اُٹھ کر اللہ پاک کا نام لیتا ہے یعنی کوئی دعاوغیرہ پڑھتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری کھلتی ہے۔ چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھلتی ہے اس لئے دو رکعت مختصر طور پر پڑھنے کا حکم ہے، تا کہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ نبی کریم ﷺ شیطان کے تسلّط سے گومحفوظ تھے، مگر حضوراکرم ﷺ کا معمول امت کی تعلیم کے لحاظ سے ایسے امور کی رعایت فرمانے کا تھا، جن کی

اُمت کواحتیاج ہو،اس لئے نبی کریم ﷺ بھی بسا اوقات ان مختصر رکعتوں کو پڑھتے تھے،جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، والحکمة فيه تهوين الامر على النفس ابتداء لحصول النشاط والارشاد الى ان من شرع في شئي فليكن قليلا قليلاً حتى يتعود نفسه بالعمل على التدريج فيكون الشروع في بقية عمله بالنشاط و اتمامه على الوجه الاكمل ثم في الحديث اشعار بانه لاينبغي ان يقتصر في صلاة الليل على ركعتين الا عند الضرورة ـ (جمع ج ۲ ص ۸۸) (اوران (دومختصر رکعتوں کے پڑھنے میں) حکمت یہ ہے کہ نفس میں چستی پیدا کرنے کے لئے ابتداء میں کچھ نرمی اور آسانی کی جائے اوراس میں امت کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کو شروع کرنا چاہے تو ابتداء میں تھوڑا تھوڑا کرے تا کہ نفس کو تدریجاً اس عمل کا عادی بنا کر بقیہ اعمال کو چستی اور کامل طریقہ پر پورا کرنے کے لئے امادہ کیا جا سکے پھر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ انسان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ تہجد بلاضرورت اور عذر کے صرف دو رکعتیں ہی پڑھے)

(۹/۲۵۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَن عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنَ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَهٗ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِىِّ اَنَّهٗ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهٗ اَوْفُسْطَاطَهٗ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَ هُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَ هُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی (ح) ہمارے پاس اسے اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معن نے بیان کی۔

اُن کو یہ روایت مالک نے عبداللہ بن ابی بکر کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی کہ عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے اُن کو زید بن خالد جہنی کے حوالہ سے خبر دی۔ حضرت زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج غور سے دیکھوں گا۔ میں آپؐ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا (تاکہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے اول دو مختصر رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد طویل طویل طویل رکعتیں پڑھیں (تین دفعہ طویل کا لفظ اس کے زیادتی طول بیان کرنے کے لئے فرمایا) پھر ان سے مختصر دو رکعتیں دو رکعتیں، پھر وتر پڑھے، یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

راویان حدیث (۵۳۱) عبداللہ بن ابی بکرؒ (۵۳۲) ابیہؒ (۵۳۳) عبداللہ بن قیس بن مخرمہؒ اور (۵۳۴) زید بن الخالد الجہنیؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت خالدؓ کا تجسس واشتیاق :

أنه قال لارمقنّ صلاة رسول الله ﷺ ہ رمق یرمق رمقاً باب نصر سے ہے۔ الرمق هو النظر الی الشئی علی وجه المراقبة والمحافظة ۔(مواہب ص ۲۰۵) (اس کا معنیٰ کسی چیز کو پورے تأمل اور گہری نظر سے محافظت کے لئے دیکھنا) و مزید التأمل (اتحافات ص ۳۱۶) پھر اسے لام تاکید اور نونِ تاکید ثقیلہ سے موکد کر دیا گیا ہے...... مبالغة فی طلب تحصیل معرفة ذلک و ضبطه۔ (مواہب ص ۲۰۵) ((حضورؐ کی رات کی نماز کو) معلوم اور ضبط کرنے کی طلب اور تحقیق میں مبالغہ کرنا مقصود ہے) یہاں بجائے ماضی کے ''لا رمقن'' مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہ ماضی سے عدول مضارع کی طرف بوجہ اس حالت کے استحضار کے ہے یا مقصد یہ ہے کہ میں اب گویا آپؐ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ واقعہ آج کی طرح مجھے یاد ہے۔ گویا تیقظ میں مبالغہ ہوا۔

عتبة اور فسطاط کا معنیٰ :

فتوسدت عتبته أو فسطاطه! دروازے کے اوپر نیچے والی لکڑیوں کو عتبہ کہتے ہیں۔ دروازے کی چوبوں کو لزاز کہتے ہیں۔ اس کی جمع لُزّة آتی ہے۔ ای جعلت العتبة العالیة وسادة لی۔

(اتحافات ص۳۱۶)''فسطاط'' خیمے ڈیرے اور شہر کو کہتے ہیں۔لفظِ أو شک کے لئے ہے اور فسطاط سے قبل مضاف محذوف ہے۔ای عتبة فسطاطه ۔(مواہب ص۲۰۵) یہ راوی کو شک ہے کہ استاذ نے عتبة کہا تھا یا فسطاط یعنی مکان کی چوکھٹ یا خیمہ کی چوکھٹ۔ یہ حضراتِ محدثین کا کمالِ احتیاط ہوتا ہے کہ جس لفظ میں انہیں ذرا بھی تردد ہوا کرتا ہے، اس کو ظاہر کر دیتے ہیں، مگر یہاں متبادر یہی ہے کہ ''عتبة فسطاط'' یعنی خیمہ کی چوکھٹ مراد ہے۔ یہ قصہ بھی کسی سفر کا ہے کہ حضر یعنی مدینہ منورہ میں آپ ؐ کا قیام زنانہ مکان میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں ازواجِ طاہرات ہوا کرتی تھیں۔ظاہر ہے کہ حضرت خالدؓ کو وہاں دیکھنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا اور سفر میں جب آپ کے ساتھ ازواجِ طاہرات نہیں ہوتی تھیں، تو حضرت خالدؓ کے لئے اس تجسس واشتیاق کی تکمیل آسان تھی۔

فانه (السفر) خال عن الازواج الطاهرات فيمكنه ان يتوسد عتبة فسطاطه و المراد بعتبة الفسطاط بابه اى محل دخوله و الفسطاط بيت من شعر و قيل خيمة عظيمة و يطلق على مصر العتيقة و كل مدينة جامعة و المرادهنا الاوّل ، وفيه عشر لغات فسطاط (بطائين) مع سكون السين أو تشديدها و فستات (بتائين) مع سكون السين و فستاط (بتاء ثم طاء) و فسّاط (بسين مشدّدة ثم طاء) فهذه خمسة كل بضم الاول و كسره فتلك عشرة كاملة ۔

(مواہب ص۲۰۵) (چونکہ حضور ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ازواج مطہرات نہیں تھیں تو حضرت خالدؓ کے لئے یہ ممکن ہوا کہ (آپ ؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے) خیمہ کے چوکھٹ پر تکیہ لگائے عتبة الفسطاط سے مراد خیمہ میں داخل ہونے کی جگہ اور محل مراد ہے فسطاط کا معنیٰ بالوں سے بنا ہوا خیمہ اور بعض کہتے ہیں کہ بڑا خیمہ اسی طرح اس کا اطلاق پرانے شہر یا ہر بڑے شہر پر بھی ہوتا ہے اور یہاں مراد پہلا معنیٰ ہے لفظ فسطاط کے تلفظ میں دس لغات ہیں (۱) فسطاط دو طاء اور سین کے سکون کے ساتھ (۲) فَسّطاط دو طاء اور سین مشدد کے ساتھ (۳) فُستات دو تاء سین ساکن کے ساتھ (۴) فستاط پہلے ایک تاء اور پھر طاء کے ساتھ (۵) فُسّاط پہلے سین مشددہ پھر طاء کے ساتھ۔ یہ تو پانچ صورتیں ہوئیں ان میں سے ہر ایک کو ضم اول (فا) کے ساتھ یا کسرہ اول (فا) کے ساتھ)

تعدادِ رکعات وتوجیہات :

جولوگ وتر کی ایک رکعت ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک چھے مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر کل تیرہ ہوئیں، اور جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں، ان کے نزدیک کل پندرہ (۱۵) رکعتیں ہوئیں۔ تیرہ رکعتیں فرمانا اس بناء پر ہے کہ تحیۃ الوضوء شروع کی، دو رکعت اس میں شمار نہیں کی گئیں۔ بعض روایتوں میں، پھر ان سے مختصر دو رکعت پڑھیں، یہ لفظ بجائے چار مرتبہ ان کے تین مرتبہ ہے۔ اس صورت میں تحیۃ الوضوء کی دو خفیف رکعتیں جو شروع میں وارد ہوئی ہیں، ان کے باوجود دس رکعت نوافل ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں لامحالہ وتر کو تین ہی رکعت ماننا پڑے گا۔ ایک رکعت ماننے کی صورت میں تیرہ رکعت کا عدد پورا نہ ہوگا۔ (خصائل)

(۲۶۰/۱۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ کَیْفَ کَانَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا لَاتَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا لَاتَسْئَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ قَالَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ عَیْنِیَّ تَنَامَانِ وَ لَایَنَامُ قَلْبِیْ .

ترجمہ : امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا۔ ان کو مالک نے یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن ابی سعید مقبری سے نقل کی، جنہوں نے اسے ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن سے روایت کیا۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر' چنانچہ خود اس کی تفصیل فرماتی

ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے۔ نہ یہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین حالت یعنی خشوع وخضوع سے پڑھی جاتی تھیں، پھر اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے تھے، ان کی لمبائی اور عمدگی کا حال کچھ نہ پوچھو' پھر تین رکعت پڑھتے تھے یعنی وتر' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔

تہجد میں تعدادِ رکعات :

اس حدیث میں چند ضروری مباحث ہیں، جن میں سے دو ذکر کیے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی گیارہ رکعت سے زیادہ کی نفی فرماتے ہیں، حالانکہ حضرت ابن عباسؓ زید بن خالدؓ وغیرہ وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے تیرہ ثابت ہیں بلکہ بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں خود حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن ابی قیس کے سوال پر حضور اکرم ﷺ کی شب کی نماز کی رکعات یہ گنوائی ہیں کہ چار اور تین اور چھے اور تین آٹھ اور تین دس اور تین جو تیرہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے بھی تیرہ رکعتیں نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور موطأ امام مالکؒ کی روایت ہے۔ **عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين** یعنی حضور اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد صبح کی اذان پر دو رکعت صبح کی سنتیں پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے تو اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہدیا کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں تہجد کی رکعات کے بارے میں مضطرب ہیں۔ یعنی ضعیف ہیں، لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں کیا اشکال ہے کہ گیارہ رکعات اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی ان سے کم وبیش بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہوں، جیسا کہ دوسری روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ **وقد حاول القاضي عياض ان**

یجمع بین احادیث روایتها فقال و یجمع بین احادیثها بأنها تکون قد اخبرت باحدی عشر عن غالب امره، و بباقی الروایات عما یقع فی حاله صلی اللّٰه علیه وسلم نادرا بضیق الوقت و اتساعه، او تطویل القراءة و قصرها و ماشا به ذلک۔ (اتحافات ص ۳۱۷)

(چنانچہ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے تہجد کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی مختلف روایات کی تطبیق وتوجیہ یہ فرمائی کہ گیارہ رکعات کی روایات کو تو حضور ﷺ کے عام اور اکثر معمول پر حمل کیا جائے اور باقی روایات جو گیارہ سے کم وبیش کی ہیں ان کو حضور ﷺ کے مختلف احوال واوقات پر محمول کیا جائے یعنی تنگی اور وسعتِ وقت کے لحاظ سے یا پھر طولِ قراءت اور مختصر قراءت کی بنا پر یا اسی قسم کے دوسرے ان کے مشابہ حالات کی وجہ سے)

علامہ ملا قاریؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں، والصواب ان ما ذکرته من ذلک محمول علی اوقات متعددة و احوال مختلفة بحسب النشاط و بیان الجواز وسیعلم مما سیاتی انه کان تارة یصلی قائما و هو الاغلب و تارة جالسا ثم قبل الرکوع یقوم (جمع ج ۲ ص ۹۰)

(اور صحیح بات یہ ہے کہ جو حضرت عائشہؓ نے مختلف روایات ذکر کی ہیں دراصل وہ مختلف اوقات وحالات کی بناء پر محمول ہیں مثلاً طبیعت میں نشاط ہونا یا پھر بیانِ جواز کے لئے یا دوسرے وجوہ کی وجہ سے اور عنقریب یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ کبھی کھڑے ہو کر نمازِ تہجد پڑھتے اور یہی اکثر اور غالب معمول ہوتا تھا اور کبھی بیٹھ کر لیکن پھر رکوع کرنے سے پہلے کھڑے ہو جاتے تھے) اس سلسلہ میں علامہ ابن قیمؒ سے یہ منقول ہے کہ وصلوٰته باللیل ثلاثة انواع احدها و هو اکثرها صلاته قائماً الثانی انه کان یصلی قاعدا ویرکع قاعداً الثالث انه کان یقرأ قاعداً فاذا بقی یسیر من قراءته قام فرکع قائما والانواع الثلاثة صحت عنه ۔ (زاد المعاد ج ا ص ۱۱۰) (کہ آپؐ کی تہجد کی نماز کی تین صورتیں تھیں (۱) کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور یہی اکثر اوقات میں ہوا کرتی۔ (۲) کہ نماز بھی بیٹھ کر اور اس کے رکوع بھی بیٹھ کر کیا کرتے (۳) کہ نماز کی قراءت تو بیٹھ کر فرماتے لیکن جب تھوڑی قراءت رہ جاتی تو پھر کھڑے ہو جاتے اور کھڑے سے رکوع میں چلے جاتے اور تینوں صورتیں آپؐ سے منقول

ہیں)۔

آٹھ رکعت تراویح کا استدلال صحیح نہیں :

دوسری بحث یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ بھی مسئلہ نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعت ہے، حالانکہ اس روایت سے تہجد کا صرف آٹھ رکعت ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، چہ جائیکہ تراویح۔ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صلوٰۃ اللیل کے لفظی معنی رات کی نماز کے ہیں، لیکن اس سے مراد اور قرینہ تہجد کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس سے اگر رات کی ہر نماز مراد لی جائے تو تراویح کے ساتھ مغرب اور عشاء کے فرض اور ان کی سنتیں سب ہی خارج ہو جائیں گے، جن کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔

حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے :

غرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے، وہی پوچھنے کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ رمضان المبارک میں زیادتی عبادت کی تھی، جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے۔ اس لئے ابوسلمہ کو خیال آیا کہ شاید تہجد کے عددِ رکعت میں بھی کچھ اضافہ فرماتے ہوں۔ اس لئے پوچھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی فرمادی، کبھی نہیں ہوتی تھیں، اس لئے کہ تیرہ رکعات تک خود حضرت عائشہؓ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تراویح کے بارے میں حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مفصل رسالہ الرای النجیح اردو میں شائع شدہ ہے، جس کا دل چاہے اسے دیکھ لے۔ مختصر امر یہ ہے کہ احادیث میں تہجد کو صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تراویح کو قیامِ رمضان (رمضان کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

قیامِ رمضان سے مراد تراویح ہیں :

متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قیامِ رمضان سے تراویح مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ کو قیامِ رمضان کا بہت اہتمام تھا۔ متعدد احادیث میں قولاً اور فعلاً اس کی اہمیت وارد ہے۔ حضور اکرم

ﷺ کا ارشاد ہے کہ جوشخص ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ قیام رمضان کرے، اس نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں، تمام معاف ہو جاتے ہیں (علماء کے نزدیک صغائر مراد ہیں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ قیامِ رمضان کا ایجابی حکم تو نہ فرماتے تھے، البتہ ترغیب دیا کرتے تھے۔ خود نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بڑی لمبی جماعت کے ساتھ اس نماز کو پڑھتے تھے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا یہ عذر فرماتے تھے کہ مجھے اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اور حضور ﷺ کی ہمیشہ پڑھنے سے فرض ہو جانا کئی وجوہ سے محتمل تھا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین متفرق طور پر کچھ تنہا اور کچھ جماعت میں پڑھتے تھے، جو تقریباً نصف رات تک پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان متفرق جماعتوں اور علیحدہ پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم فرما دیا کہ انتشار نہ ہو۔ سائب کہتے ہیں کہ امام عموماً ہر رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے، ہم لوگ کھڑے کھڑے تکان کی وجہ سے کسی چیز پر سہارا لگاتے تھے اور سحر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

تعدادِ رکعاتِ تراویح :

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہل قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب حضرات کی فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس (۳۶) رکعتیں ہیں۔ فقۂ حنبلی کی مشہور کتاب ''مغنی'' میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک راجح قول بیس رکعت کا ہے اور یہی مذہب ہے۔ سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ، امامِ شافعی کا۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے، میں نے انکار کر دیا۔ امام مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں انتالیس (۳۹) رکعات پڑھی جاتی تھیں یعنی چھتیس تراویح اور تین وتر۔ اوجز میں یہ بحث مفصل ہے۔

میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس رکعات جو پڑھی جاتی تھیں، ان میں بیس تراویح

ہوتی تھیں، لیکن ہر ترویحہ میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے، جتنی دیر میں چار رکعت پڑھے۔ اس لئے وہ حضرات ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے۔ اس لئے یہ سولہ رکعات چار درمیانی ترویحوں کی بڑھ گئیں۔ بہرحال یہ مالکیہ کا مذہب ہے، بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک راجح قول بیس رکعات ہی کا ہے۔

حسنِ صلوٰۃ کے بیان سے واماندگی :

لاتسئل عن حسنهن ! سوال سے ممانعت نہیں بلکہ اس جانب اشارہ ہے کہ اس نماز کی شان بہت بڑی ہے یعنی نہایت ہی اطمینان، وقار، عظمت، فروتنی، عاجزی اور تعدیل ارکان کے ساتھ انتہائی عمدگی اور خوبصورتی سے ادا فرماتے اور ان میں قرأت بھی لمبی اور مناسب پڑھتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کس قدر پیارا ہے کہ میں آپ ﷺ کی نماز کی ادائیگی کے حسن و جمال اور خوبصورتی کو بیان ہی نہیں کر سکتی۔ **فالمنع من السوال كناية عن العجز عن الجواب۔**

(مواہب ص ۲۰۶)

(پس منع کرنا اس کے سوال سے یہ کنایہ ہے، جواب سے عاجز ہونے پر (یعنی وہ لاجواب ہے)

(۲۶۱/۱۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ.

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ (ح) وَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا، انہوں نے یہ حدیث مالک سے ابن شہاب کے واسطہ سے روایت کی۔ اُنہوں نے اسے عروہ سے نقل کیا اور عروہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جس میں

ایک رکعت وتر ہوتی تھی، جب آپؐ اس سے فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ روایت ہمارے پاس ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی معن نے مالک کے حوالے سے، انہوں نے یہ روایت انہی معانی میں ابن شہاب سے روایت کی (ح) ہمارے پاس یہ حدیث انہی معانی میں قتیبۃ نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت مالک سے اور انہوں نے ابن شہاب سے نقل کی۔

اختلافِ روایات' اختلافِ اوقات پر محمول ہے :

کان یصلی من اللیل ...... یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، جو اس پہلی روایت کے خلاف ہے، جس میں آٹھ رکعت کا بیان تھا۔ اسی وجہ سے بعض محدثین نے حضرتِ عائشہؓ کی روایات میں کلام کیا ہے۔ تاہم توجیہ بمنزلہ توجیہ کے درجہ میں اسی اختلاف کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : **والحاصل ان فی روایۃ ثلاث عشرۃ و فی روایۃ احدیٰ عشرۃ و فی روایۃ تسعاً و فی روایۃ سبعاً و لعل اختلاف الروایات بحسب اختلاف الأوقات، و الحالات من صحۃ و مرض و قوۃ وضعف ولذالک قال الشیخ ابن حجر والصواب حملہ علی اوقات متعددۃ واحوال مختلفۃ فکان تارۃ یصلی کذا و تارۃ یصلی کذالک او للتنبیہ علی سعۃ الامر فی ذلک** (مواہب ص۲۰۷) (حاصل یہ ہوا کہ ایک روایت میں (صلوٰۃ اللیل) تیرہ رکعت اور ایک روایت میں گیارہ اور ایک روایت میں نو اور ایک روایت میں سات کا ذکر ہے شاید کہ اختلافِ روایات مختلف اوقات اور حالات کی بناء پر ہو یعنی صحت، مرض، قوت، ضعف، وغیرہ اس لئے تو شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ دراصل صحیح بات یہ ہے کہ اس اختلافِ روایات کو آپؐ کے مختلف حالات اور متعدد اوقات پر حمل کیا جائے تو کبھی کتنی رکعات اور کبھی کتنی رکعات انہی وجوہ کی وجہ سے پڑھا کرتے تھے اور یا آپؐ کا مقصد امت کے لئے اس میں وسعت اور آسانی پیدا کرنے پر تنبیہ ہے)۔

وتر کا حکم :

یوتر بواحدۃ...... جس میں ایک رکعت وتر کی نماز ہوا کرتی تھی، مسئلہ وتر کی ایک رکعت کا

ہے، وتر کے بارے میں ائمہ کے چند اختلافات ہیں، سب سے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کرامؒ کے نزدیک وہ واجب ہیں۔ بعض دیگر ائمہ کے نزدیک مستحب ہیں، چونکہ حدیث اس سے ساکت ہے، اس لئے یہاں اس بحث کو ترک کیا جا رہا ہے۔

مسلک احناف کے دلائل :

ایک اختلاف ائمہ کا وتر کی رکعات میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں حتمی ایک سلام کے ساتھ ہیں، دیگر بعض ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے، شوافع کا یہی مسلک ہے، پھر ان ائمہ میں بھی اختلاف ہے، بعض صرف ایک رکعت فرماتے ہیں اور بعض ائمہ ایک رکعت کے ساتھ اس سے پہلے دو رکعت علیحدہ سلام کے ساتھ واجب بتاتے ہیں۔ احادیث میں مختلف روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، جن کی ترجیح میں ائمہ میں اختلاف ہوا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا۔ حنفیہ حدیث باب سے جواب میں کہتے ہیں، وقیل کون الوتر واحدة منسوخ للنهی عن البتیرا ۔ (جمع ج۲ص۹۲) (وتر کا ایک رکعت ہونا منسوخ ہے بوجہ منع کرنے آپؐ کے بتیراء سے (یعنی ناتمام اور ناقص عمل سے)

احناف حضرات اپنے مسلک میں چند احادیث سے استدلال کرتے ہیں :

عبداللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جو ابوداؤد نے ذکر کی ہے' گزشتہ حدیث کی بحثِ اول میں گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم ﷺ کی شب کی نماز چار اور تین' چھے اور تین' آٹھ اور تین' دس اور تین رکعتیں ذکر فرمائی۔ اس تکلیف کے ساتھ ذکر کرنا اور تین رکعت کو ہر جگہ بلا کم و زیادہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر صاف دلیل ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے، جس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی تھی، یہ تین ہی رکعتیں رہتی تھی، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سات، نو، گیارہ فرماتیں۔ چار اور تین' چھے اور تین وغیرہ کیوں فرماتیں۔

(۲) ملا علی قاریؒ نے حنفیہ کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تین رکعات وتر جائز و مستحسن ہیں اور اس سے کم میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع علیہ قول اَولیٰ ہے مختلف

فیہ سے، حسن بصریؒ جو مشہور محدثین اور اکابر صوفیہ میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت حسنؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر وتر کی تین رکعات میں دو سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمرؓ تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر سے زیادہ عالم تھے۔

(۳) احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعد وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے طریقوں سے حنفیہ استدلال فرماتے ہیں۔ علماء نے اس بارے میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ (خصائل)

حضرت عائشہؓ سے مزید تفصیل :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اور تفصیل بھی منقول ہے کہ آپؐ ان تین رکعات میں سے پہلی رکعت کے اندر **سبح اسم ربک الاعلیٰ** دوسری میں **قل یاایھا الکفرون** اور تیسری میں **قل ھو اللہ احد** اور معوذتین پڑھتے تھے اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور ہر ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مثل روایتِ حضرت عائشہؓ کے منقول ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آخری رکعت میں صرف **قل ھو اللہ احد** کہا معوذتین کا ذکر نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا عملی اجماع :

اور صحابۂ کرام کا عملی اجماع وتر کی تین رکعات پر حسن بصریؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی ایک سلام سے۔ اس عمل کا خلاف کسی صحابی سے منقول نہیں ہے، اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے کوشش کر کے اتنا ثابت کر دیا کہ سلیمان بن یسار نے تین رکعات کو مکروہ کہا ہے۔ مگر تلاش کرنے پر صرف ایک شخص مخالف نکلا، وہ بھی صحابی نہیں ہے، بلکہ تابعی ہے۔

نیز! ان تین رکعات کو نفل تو کہہ نہیں سکتے، اس لئے کہ **نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ**

وسلم عن صلوة البتيرأ (کہ نبی کریم ﷺ نے بتیراء (نفل میں طاق رکعتوں) سے منع فرمایا ہے) موجود ہے ، تو احناف کا مسلک مسئلہ وتر میں احوط اور اقرب الی الصواب ہے۔

(۲۶۲/۱۲) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا اَبُوْالْاَحْوَصِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ ـ

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالاحوص نے اعمش کے حوالہ سے بیان کیا، اور انہوں نے ابراہیم سے اور وہ اسود سے بیان کرتے ہیں اسود کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحیٰی بن آدم نے بیان کیا، ان کے پاس یہ روایت سفیان ثوری نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی، جس کا مضمون پہلی روایت کے موافق ہے۔

نو رکعات کی تفصیل :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر کے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت میں خود عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھ اور تین فرمایا۔

(۲۶۳/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِىْ حَمْزَةَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِىْ عَبْسٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ

وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظْمَةِ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ حَتّٰى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَآئِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شُعْبَةُ الَّذِيْ شَكَّ فِي الْمَآئِدَةِ وَالْاَنْعَامِ. قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَاَبُوْحَمْزَةَ اِسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ زَيْدٍ وَ اَبُوْجَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ اِسْمُهُ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبہ نے عمرو بن مرۃ کے حوالے سے انہوں نے اسے بنی عبس کے ایک شخص سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت کیا۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور اکرم ﷺ نے نماز شروع فرما کر یہ دعا پڑھی اللّٰہ اکبر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة (اللّٰہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کی ذات والاصفات سب سے برتر ہے وہ ایسی ذات ہے جو بڑی بادشاہت والی ہے، بڑے غلبہ والی ہے، بڑائی اور بزرگی وعظمت والی ذات ہے) پھر حضور اکرم ﷺ نے (سورۂ فاتحہ پڑھ کر) سورۂ بقرہ تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا، یہ رکوع قیام ہی جیسا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے اس رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار بزرگ کی) فرماتے رہے، پھر رکوع سے سر مبارک اٹھا کر کھڑے ہوئے اور یہ کھڑا ہونا بھی رکوع ہی جیسا تھا، اس وقت لِرَبِّيَ الْحَمْدُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ (میرے رب ہی کے لئے ہے ساری تعریفیں) فرماتے رہے، پھر سجدہ ادا کیا اور وہ سجدہ بھی کھڑے ہونے کے برابر ہی تھا، اس میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى (پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے پروردگار برتر کی) فرماتے رہے۔ پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے۔ یہ بھی سجدہ کی طرح سے طویل تھا، اس میں حضور ﷺ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ

(اے اللہ بخش دے مجھے) فرماتے رہے۔غرض حضور اکرم ﷺ اپنی اس نماز میں سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران سورۂ نساء، سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام۔راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہو گیا کہ کونسی تھی، لیکن اوّل کی تین محقق ہیں۔غرض تینوں سورتیں وہ اور ان دونوں میں سے ایک سورت یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

راوی حدیث (۵۳۵) ابوحمزہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تعیینِ لیل :

حدیث میں یہ تعیین نہیں کی گئی کہ یہ کونسی رات تھی ۔ ایّ لیلة قام فیها حذیفة (جس میں حضرت حذیفہؓ نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی) لیکن احمد ونسائی کی روایات میں تصریح ہے کہ أنها من لیلة رمضان (اتحافات ص ۳۱۸) (کہ یہ قیامِ رمضان شریف کی کوئی رات میں تھا) انه صلی مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من اللیل (کہ اس نے حضورؐ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی)! من تبعیض کے لئے ہے یا بمعنی فی کے ہے، جبکہ مسند احمد اور نسائی میں صلی معه فی لیلة من رمضان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ فلما دخل فی الصلوٰة ای اراد الدخول یعنی جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا (جمع ج ۲ ص ۹۳)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

اللّٰه اکبر " ذو الملکوت " ای صاحب الملک ' و صیغة ملکوت للمبالغة والکثرة "والجبروت" من الجبر القهر "والکبریا" أی الترفع والتنزه عن کل نقص "والعظمة" ای تجاوز القدر عن الاحاطة هکذا قال ابن حجر و جاء فی جمع الوسائل أن الکبریاء هو کمال الذات و العظمة اشارة الی جمال الصفات۔(اتحافات ص ۳۱۸) (ذو الملکوت کا معنیٰ بڑی بادشاہت والا اور صیغہ ملکوت کا مبالغے اور کثرت شئی کے لئے ہے۔جبروت جبر سے بمعنی قہر (غالب، قدرت، عظمت) کبریاء یعنی ہر عیب ونقص سے بلند وبالا اور پاک العظمة یعنی اس ذات کی قدر وعزت کا احاطہ سے باہر ہونا یعنی مذکورہ بالا تشریح ابن حجرؒ فرماتے ہیں اور جمع الوسائل میں (علامہ ملا

علی قاریؒ فرماتے ہیں) کہ کبریاء کا معنیٰ ذاتِ باری تعالیٰ کا کمال اور عظمت اشارہ ہے صفات کے جمال کی طرف)

اس روایت میں اجمال ہے :

دراصل اس روایت میں اجمال ہے۔ البتہ طوالت ارکان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ چاروں سورتیں پہلی رکعت میں تلاوت کی گئیں یا ہر رکعت میں ایک ایک اور یہ بھی واضح نہیں کہ آپؐ نے چار رکعت پڑھے یا صرف دو رکعت۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں

و یلاحظ ان هذا الحديث لم يذكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كم صلّى في هذه الليلة و لكنه ذكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم أطال في صلاته۔(اتحافات ص۳۱۹)

تفصیل و تطبیق :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں **والظاهر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى أربع ركعات قرأ في كل ركعة منها سورة ويحتمل انه قرأ الثلاث الاول البقرة' و ال عمران' والنساء في ركعة واحدة و هذا ماتفيده رواية مسلم و ابي داؤد و لعل الواقعتين متعدد تان ۔** (اتحافات ص۳۱۹) (اور ظاہر بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار رکعت پڑھیں ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھی اور یہ احتمال بھی ہے کہ پہلی تین سورتیں (بقرہ۔ العمران۔ نساء) ایک رکعت میں پڑھی ہوں۔ اور یہ مسلم اور ابوداؤد کی روایات کا حاصل اور خلاصہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دراصل دو متعدد واقعات ہوں)

مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے موافق بظاہر دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں، اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ہی قصہ ہو اور کسی روایت میں کچھ سہو ہو گیا ہو' تاہم غلطی پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ حضور اقدس ﷺ کا لمبی لمبی نماز پڑھنا روزانہ کا معمول تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ چار سورتیں چار رکعت میں اور ایک مرتبہ تین سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہوں تو کیا مانع ہے۔

(۲۶۴/۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيِّ عَنْ اَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاٰيَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لَيْلَةً ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر محمد بن نافع بصری نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالصمد بن عبدالوارث نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اسماعیل بن مسلم عبدی سے نقل کی اور انہوں نے ابومتوکل سے روایت کی ۔ انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک رات تہجد میں صرف ایک آیت کو تکرار فرماتے رہے ۔

راویان حدیث (۵۳۶) ابوبکر محمد بن نافع البصریؒ (۵۳۷) عبدالصمد بن عبدالوارثؒ اور (۵۳۸) ابوالمتوکلؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک آیت پر تمام رات گذار دی :

قالت قام رسول الله صلى الله عليه وسلم بآية من القرآن ليلة یعنی حضور اقدس ﷺ قرآن مجید کی ایک ہی آیت تمام رات نماز میں پڑھتے رہے ۔ اس روایت میں تو آیت کا ذکر نہیں ہے ، مگر دیگر روایات میں اس کی تصریح ہے ۔ ابوعبید نے فضائل القرآن میں حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رات نماز تہجد میں تمام رات ایک ہی آیت پر گذار دی ۔ حتی اصبح بها و يقوم و يركع فقيل لأبي ذر ماهي قال ” ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزيز الحكيم ۔ (مائدہ:۱۱۸) (مواہب ص ۲۱۰) (تا آنکہ صبح ہوئی اور آپ ؐ قیام اور رکوع بھی کرتے رہے (اور آیت بھی ان میں پڑھتے رہے) ابوذرؓ سے کہا گیا وہ کونسی آیت تھی آپؓ نے فرمایا کہ ان تعذبهم الآية ہے ”اگر عذاب دے گا تو ان کو ۔ پس وہ بندے تیرے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے پس تو ہی غالب حکمت والا ہے)

مقصد یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو اُن کو اُن کے گناہوں پر عذاب دیتا ہے، تو عین عدل ہے اور

اگر ان کے گناہوں کو میری عاجزی و دعا کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے تو یہ تیرا عین فضل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دھراتے رہنا اللہ تعالیٰ کی دو صفات عدل و مغفرت کے متحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔

تمام رات سے مراد پچھلی رات کا قیام ہے، جو تہجد کے وقت آپ ؐ کا معمول تھا۔ ایک آیت کی مسلسل تلاوت یہ آپ ؐ کا امتیازی عمل تھا، خاص حالات و کیفیات اور وجدان کے پیشِ نظر ایسا ہو جاتا تھا۔ امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ایک رات صرف ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کر دی۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔(یٰسین:۵۹)(اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے گناہگارو)۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ، ویؤخذ منه جواز تكرار الآية فى الصلاة و لعل ذلك كان قبل النهى عن القراءة فى الركوع والسجود فلاينافيه خبرمسلم نهيت ان أقرأ القران راكعا و ساجدا على ان النهى للتنزيه فيكون فعله لبيان الجواز (مواہب ۲۱۰)(حدیث پاک سے ایک ہی آیت کا پوری نماز میں بار بار پڑھنے کا جواز معلوم کیا جا سکتا ہے اور شاید کہ یہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اس لئے یہ حدیث مسلم کی منافی نہ ہوا جس میں ہے کہ مجھے روکا گیا کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نہی (رکوع سجدہ میں) تنزیہی ہو تو آپ ؐ کا یہ فعل و عمل بیان جواز کے لئے ہوا) أو ان القراءة قصد بها الدعاء والتضرع و طلب المغفرة من الله العزيز الحكيم (اتحافات ص ۳۲۰)(یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرأت سے ارادہ دعا، تضرع عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کی درخواست ہو)

صاحب اتحافات کی توجیہ کو علامہ ملا علی قاریؒ نے دوسرے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ

و يمكن ان يقال المعنى كان يركع و يسجد بمقتضى تلك الآية مما يتعلق بمبناها و يترتب

علی معناها بان یقول سبحان ربی العزیز الحکیم . اللهم اغفرلنا ولاتعذبنا وارحم امتی ولا تعذبهم فانهم عبادک واغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم و نحو ذلک واللہ اعلم۔ (جمع ج ۲ ص ۹۶) (یہ بھی ممکن ہے کہ یرکع ویسجد کا یہ مطلب ہو کہ اس آیت کے معنیٰ و مقتضی کو ملحوظ و مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ رکوع اور سجدہ میں پڑھتے رہے۔ مثلاً یہ پڑھتے ہوں سبحان ربی العزیز الحکیم الخ۔ کہ پاکی بیان کرتا ہوں اپنے پروردگار کی جو غالب اور حکمت والا ہے اے اللہ ہمیں بخش دے اور عذاب نہ دیجئے اور میری امت پر بھی رحم فرما اور ان کو عذاب نہ دیجیے یہ تیرے ہی تو بندے ہیں اور ان کو بخش دے تیری ہی ذات غالب اور حکمت والی ہے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ فرماتے تھے)

(۱۵/۲۶۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سُوْءٍ قِيْلَ لَهٗ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَ اَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت سلیمان بن حرب نے بیان کی۔ ان کو شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اعمش سے ابووائل کے حوالہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک بُرے کام کا ارادہ کرلیا۔ کسی نے پوچھا کس کام کا ارادہ کر لیا تھا، کہنے لگے کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ دوں۔

راوی حدیث (۵۳۹) ابی وائلؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوافل میں تطویل قیام:

فلم یزل قائما! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ آپؐ نے بہت لمبا قیام فرمایا۔ یہاں

تک کہ عادی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر بظاہر اسباب یہ شاق گذرا۔ یہ آپؐ کا ہمیشہ کا معمول نہ تھا کبھی بعض حالات' وجدان وکیف اور بارگاہِ ربّ میں حضوری کی لذتیں آپ کو ایسے عالم میں لے جاتی تھیں کہ وہ ہمیشہ کا معمول ترک ہو جایا کرتا تھا۔

تین معانی کا احتمال :

قال هممت ان اقعد وادع النبی صلی الله علیه وسلم 'اس کے تین معانی محتمل ہیں۔(۱) میں نماز پڑھتے پڑھتے بیٹھ جاؤں اور اقتداء چھوڑ کر اپنی نماز منفرداً مکمل کرلوں اور آپؐ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد مصلیًا وادع النبی صلی الله علیه وسلم یصلی قائما** (۲) دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس شفع کے بعد بیٹھ جاؤں اور بوجہ تھکاوٹ کے مزید نماز نہ پڑھوں اور آپؐ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد بعد هذا الشفع ولا اصلی وادع النبی صلی الله علیه وسلم یصلی** ۔ یہ دونوں احتمال درست ہیں اور انہیں دو کو حضرت ابن مسعودؓ امرِ سوء سے تعبیر کر رہے ہیں۔(۳) ایک تیسرا احتمال یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ میں ابھی سے نماز سے بیٹھ جاؤں اور بقیہ نماز کو ترک کردوں اور پھر نماز نہ پڑھوں اور آپؐ کو چھوڑ دوں کہ آپ اپنی نماز پڑھتے رہیں، **ان اقعد عن الصلوٰة الآن و اترکها وراءه ولا اصلی وادع النبی صلی الله علیه وسلم یصلی** 'مگر یہ محض احتمال ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے ایک عمل خیر کا ترک کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ **لاتبطلوا اعمالکم** کی ہدایات ان کے سامنے موجود ہوں، **لان ذلک لایلیق بجلالة ابن مسعود و ترک الاقتداء به والحرمان من مداومة جماعته امر سوء** ۔(مناوی ج۲ص۹۷)(اس لئے کہ احتمال مذکور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی شان ومنزلت کے لائق نہیں اور آپؐ کی اقتداء کو چھوڑ دینا اور آپؐ کے ساتھ جماعت سے مداومت سے محرومی یہی امرِ سوء (براکام ہے)

اخذِ مسائل :

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ''**من امّ قوماً فلیخفف**'' کا حکم فرائض کی امامت کے لئے ہے۔ ورنہ نوافل میں آپؐ کی تطویل ظاہر ہے کہ کس قدر ہوتی تھی۔ یہ نوافل ہی تھے کہ حضرت

ابن مسعودؓ کے لئے بھی متابعت شاق ہوگئی تھی۔

(۲۶۶/۱۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی الْاَنْصَارِیُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ عَآئِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَیَقْرَأُ وَھُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِیَ مِنْ قِرَاءَتِہٖ قَدْرُ مَا یَکُوْنُ ثَلَاثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ اٰیَۃً قَامَ فَقَرَأَ وَھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَکَعَ وَ سَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ مِثْلَ ذٰلِکَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسی انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معن نے بیان کی۔ اُن کو یہ روایت مالک نے ابونضر سے ابوسلمہ کے حوالہ سے بیان کی اور ابوسلمہ نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ (زمانۂ ضعف میں) نوافل میں قرآن شریف (چونکہ زیادہ پڑھتے تھے اس لئے) بیٹھ کر تلاوت فرماتے تھے اور جب رکوع کرنے میں تقریباً چالیس آیت رہ جاتی تھیں تو کھڑے ہوکر تلاوت فرماتے اور رکوع میں تشریف لے جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع فرماتے، پھر سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت ادا فرماتے۔

نوافل قاعداً اور قائماً پڑھنے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم :

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ کان یصلی جالساً نوافل بیٹھ کر پڑھنے کا یہ عمل آپؐ کی کبرسنی کا عمل بتایا جاتا ہے ۔ قیل کان ذلک فی کبر سنه۔ (مواہب ص۲۱۰) لعل الجلوس کان لارهاق أومرض أو حالة طارئة۔ (اتحافات ص۳۲۱) (شاید کہ آپ کا یہ بیٹھنا بوجہ بدن کو ہلکا کرنے یا بیماری کے یا کوئی حالت طاری ہوجانے کی وجہ سے ہو) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کھڑے ہوکر نفل پڑھنے پر قادر ہو وہ بیٹھ کر بھی نفل پڑھ سکتا ہے ...... یؤخذ صحة التنفل القادر قاعداً هو مجمع علیه۔ (مواہب ص۲۱۰) وفی الحدیث جواز بدء النفل من جلوس ثم القیام لعذر (اتحافات ص۳۲۱) (حدیث شریف سے نوافل کو کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر شروع کرنا اور پھر کھڑے ہو

جانے کا جواز معلوم ہوتا ہے)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپؐ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا نفل قاعداً پڑھنا اجر وثواب میں قائماً کے برابر ہے۔ ان تطوعه قاعداً كهو قائماً لانه مامون الكسل فلاينقص اجره بخلاف غيره فانه من صلى قاعداً فله نصف اجر القائم۔(مواہب ص ۲۱۰) (اس لئے کہ آپؐ سستی اور کاہلی سے محفوظ ہیں اس لئے آپؐ کے اجر وثواب میں کمی نہیں کی جاسکتی بخلاف دوسرے امتیوں کے کہ اگر وہ بیٹھ کر نفل پڑھیں تو ان کو کھڑے شخص کے ثواب کا آدھا اجر وثواب دیا جاتا ہے) واضح رہے کہ یہ حکم غیر معذور شخص کا ہے۔ ورنہ معذور شخص کو بھی بفضل خداوندی پورا پورا اجر ملے گا۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، لكن القاعد لغير عذر له نصف اجر القائم (جمع ج۲ ص ۹۸) بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو آدمی قاعداً نفل پڑھنا شروع کردے تو اس کے لئے قائماً رکوع وسجدہ جائز نہیں ہے، مگر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ آدمی جو قائماً نفل نماز شروع کرے، اسے قاعداً بھی اس کی تکمیل جائز ہے، و يوخذ من ذلك صحة بعض النفل قاعداً و بعضه قائماً و صحة بعض الركعة قاعداً و بعضها قائماً و جعل بعض القراء ة فى القعود و بعضها فى القيام و سواء فى ذلك كله قعد ثم قام او قام ثم قعد و سواء نوى القيام ثم اراد القعود أو نوى القعود ثم اراد القيام وهو قول الائمة الاربعة لكن يمنع بعض المالكية الجلوس بعد ان ينوى القيام ۔(مواہب ص ۲۱۱) (اور اس حدیث مذکور سے چند مسائل کا علم ہوا۔ یعنی یہ جائز ہے کہ نفل نماز کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ کھڑے ہو کر پڑھے نیز یہ کہ ایک رکعت کا بعض بیٹھ کر اور بعض کھڑے ہو کر پڑھے تو بھی جائز ہے اسی طرح قرأت کا کچھ حصہ بیٹھے پڑھے اور کچھ کھڑے ہو کر پڑھے اور ان سب صورتوں میں چاہے پہلے بیٹھا تھا پھر کھڑا ہوا یا پہلے کھڑا تھا اور پھر بیٹھا اور چاہے نیت کھڑے ہونے کی تھی پھر بیٹھنے کا ارادہ کیا اور یا نیت بیٹھنے کی تھی پھر کھڑے ہونے کا ارادہ کیا اور یہی ائمہ اربعہ کا قول اور مذہب ہے لیکن بعض مالکیہؒ کے نزدیک بیٹھنا منع ہے جبکہ پہلے نیت قیام کی تھی)

(۲۶۷/۱۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا خَالِدُ نِ الْحَذَّآءُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّىْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَآئِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا فَاِذَا قَرَأَ وَ هُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَ هُوَ قَائِمٌ وَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَ سَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ہشیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خالد حذاء نے عبداللہ بن شقیق کے واسطہ سے خبر دی ۔عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے نوافل کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ رات کے طویل حصہ میں نوافل کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور طویل حصہ میں نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے اور جب بیٹھ کر قرآن مجید پڑھتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھنے کی حالت میں ادا فرماتے۔

راوی حدیث (۵۴۰) عبداللہ بن شقیقؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

نمازِ تہجد میں مختلف احوال کا بیان :

کان یصلی لیلاً طویلاً ...... اس کا ایک معنٰی تو یہ ہے کہ ایک ہی رات میں بہت سا حصہ کھڑے ہو کر اور بہت سا حصہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ دوسرا معنٰی یہ ہے کہ یہ مختلف لیالی کے احوال ہیں کہ بعض راتوں میں طویل نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور بعض راتوں میں بیٹھ کر طویل نماز پڑھتے تھے۔ حضراتِ محدثینؒ نے دوسرے معنیٰ کو راجح قرار دیا ہے کہ آپؐ تہجد کی نماز میں تطویل فرمایا کرتے، طبیعت میں نشاط اور صحت وسلامتی ہوتی، کھڑے کھڑے تہجد پڑھتے' ضعف اور اضمحلال ہوتا تو بیٹھ کر تہجد ادا فرماتے۔ اس حدیث کا پہلی روایت سے کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں حدیثوں میں مختلف احوال کا بیان ہے۔ ھذا الحدیث یروی احوالاً أخری من عبادته صلی اللّٰه علیه وسلم ولا تنافی بین ھذا الحدیث والذی قبله۔(اتحافات ص ۳۲۱)

یہ تو پہلے بھی عرض کیا گیا کہ نوافل کا دارومدار طبعی نشاط اور سرور پر ہے، جس وقت جس طرح نشاط وسرور حاصل ہوتا، اسی وقت اسی طرح نماز ادا فرماتے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ کے پیشِ نظر تعلیم امت مقصود ہوتی تھی۔ مختلف صورتوں میں افعال کی ادائیگی بیان جواز کے لئے ہوتی۔ اس لئے تو آپؐ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا ثواب ملتا کہ تعلیم اُمت وبیانِ جواز کی غرض سے بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نبوت کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔

(۱۸/۲۶۸) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا وَ يَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ وَ يُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِنْهَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ ان کو معن نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابن شہاب کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث سائب بن یزید سے مطلب بن ابی وداعہ سہمی کی وساطت سے سنی، جنہوں نے امّ المومنین حضرت حفصہؓ سے نقل کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھتے اور اس میں کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورۃ اپنے سے لمبی سورۃ سے بھی بڑھ جاتی تھی۔

راویان حدیث (۵۴۱) المطلب بن ابی وداعۃؒ اور (۵۴۲) حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا نوافل میں معمول :

کان رسول اللہ ﷺ ...... علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں **زاد مسلم من ھذا الوجہ فی اولہ ماراٴیت رسول اللہ ﷺ یصلی فی سبحتہ جالساً حتی اذا کان قبل موتہ بعام فکان الخ**

(امام مسلمؒ نے اسی روایت کے شروع میں کان رسول الخ سے پہلے مذکورہ عبارت زیادہ کی ہے یعنی حضرت حفصہؓ فرماتی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی نوافل بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا تا آنکہ آپؐ کی وفات سے ایک سال پہلے تو پھر آپؐ نوافل بیٹھ کر پڑھتے) اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا نوافل قائماً پڑھنے کے معمول پر (غیر سفر و غیر عذر میں) مواظبت تھی، اگر چہ آپؐ کے لئے قاعداً نوافل بھی اجر و ثواب میں قائماً کے حکم میں تھے ، یؤخذ من ذلک انه ﷺ و اظب علی القیام فی النفل أکثر عمره و ان کان تطوعه قاعداً کهو قائماً۔(مواہب ص۲۱۲)

سبحة کی تحقیق :

سبحة ! تسبیح کے دانے گننے کو بھی کہتے ہیں، دعا اور نوافل نماز کو بھی کہتے ہیں قضیت سبحتی یعنی میں نے اپنی دعا پوری کر لی ۔ یہاں سبحة سے صلوٰۃ النافلة مراد ہے۔و سمیت النافلة سبحة لاشتمالها علی التسبیح (اتحافات ص۳۲۲) (اور نفل نماز کو اس لئے سبحہ کہتے ہیں کہ وہ بھی تسبیحات پر مشتمل ہوتی ہے)۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، وخصت النافلة بذلک لان التسبیح الذی فی الفریضة نافلة فاشبهته صلوٰۃ النفل و هذا التخصیص امر غالبی فقد یطلق التسبیح علی الصلوٰۃ مطلقاً تقول فلان یسبح ای یصلی فرضاً او نفلاً و منه قوله تعالیٰ فسبح بحمد ربک ای صلّ و قوله فلولا انه کان من المسبحین ای المصلین۔(مواہب ص۲۱۲)

(اور نفل نماز کی تخصیص تسبیح کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ فرض نماز میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ نفل ہوتی ہیں تو گویا نفل نماز تسبیح کے مشابہ ہوئی اور تسبیح کی تخصیص نفل نماز کے ساتھ حکم غالب اور اکثری ہے ورنہ تسبیح کا اطلاق تو مطلق نماز (چاہے فرض یا نفل ہو) پر بھی ہوتا ہے عرب کا مقولہ ہے فلان یسبح یعنی فلاں نماز پڑھتا ہے چاہے فرض ہو یا نفل اور اسی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول فسبح بحمدربک بھی ہے یعنی تو اپنے رب کی نماز پڑھ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول فلو لا انه کان من المسبحین (کہ اگر یونسؑ نماز پڑھنے والوں سے نہ ہوتے) میں مسبحین بمعنی مصلین کے ہے)

ترتیل کا معنیٰ :

ویرتلها تلاوت میں مخارج' اظہارِ حروف اور حرکات انتہائی ترتیل سے ادا فرماتے اور نہایت ہی اطمینان' سکون' وقار اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ' ای یبین حروفها و حرکاتها و وقوفها مع التأنی فی قراءتها وهو معنی قول بعضهم الترتیل رعایة الحروف والوقوف ۔ (مواہب ص ۲۱۲) (یعنی قرأت کرنے میں حروف وحرکات اور وقوف وغیرہ کو پورے واضح طور پر ادا کرتے ہوئے سکون اور اطمینان سے تلاوت فرمایا کرتے اور یہی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ترتیل کا معنیٰ حروف (کے مخارج) اور وقوف وغیرہ کا پورا خیال رکھنا)حتی تکون أطول من أطول منها ای حتی تکون السورة المرتلة أطول من السورة الأطول منها لو قرئت غیر مرتلة (اتحافات ص ۳۲۲) (یعنی آپ ﷺ کا ترتیل سے پڑھنا اس درجہ کا ہوتا کہ ترتیل سے پڑھی گئی (چھوٹی) سورت بھی اس لمبی سورت سے طویل معلوم ہوا کرتی ۔ جب لمبی سورت کو بغیر ترتیل کے پڑھا جائے)

ایک رکعت میں مکمل سورت پڑھنا مستحب ہے :

حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستحب ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورت پڑھی جائے ،اگر چہ بعض سورت کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ وندب استیعاب السورة فی الرکعة الواحدة و هو افضل من قرأة بعض سورة بقدرها والاقتصار علی بعض سورة جائز حسن بلا کراهة و قد فرق المصطفیٰ ﷺ الاعراف فی المغرب (مناوی ج ۲ ص ۹۹) (اور کسی سورت کے بعض پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے حضور ﷺ نے بھی سورہ اعراف کو مغرب کی نماز میں متفرق طور پر پڑھا۔

(۱۹/۲۶۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِیُّ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ سُلَیْمَانَ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَآئِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی کَانَ اَکْثَرُ صَلَاتِهٖ وَ هُوَ جَالِسٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن محمد زعفرانی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حجاج بن محمد نے ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی خبر عثمان بن ابی سلیمان نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے ذریعہ سے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ وصال کے قریب زمانہ میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۵۴۳) عثمان بن ابی سلیمانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ حیاۃ طیبہ کے آخری ایام میں نفلی عبادت اکثر اوقات بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور ان میں تلاوت بہت زیادہ فرماتے تھے۔ حضرت امّ سلمہؓ سے روایت ہے انها قالت والذی نفسی بیده ما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی کان اکثر صلواته قاعداً الا المکتوبة ۔ (نسائی وابن ماجۃ) (وہ فرماتی ہیں قسم ہے اس ذات پاک کی کہ میری روح اس کی قبضہ میں ہے کہ وفات کے قریب آپؐ فرض نماز کے علاوہ نفل نماز اکثر بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے)

(۲۰/۲۷۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ فِيْ بَيْتِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے ایوب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے سُنی، جنہوں نے اسے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو عشاء کے بعد وہ بھی گھر میں پڑھیں۔

سننِ مؤکدہ کی تفصیل :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں : اس حدیث میں سنتوں کا ذکر ہے۔ سنتِ مؤکدہ حنفیہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہیں، جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں گزرا۔ البتہ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعات پر مداومت کرے حق تعالیٰ جل شانہٗ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں۔ ان بارہ رکعات کی تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے کئی حدیثوں میں یہی آئی ہے، جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں گزری۔ البتہ ظہر سے قبل ان روایتوں میں چار رکعت وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں، ان کے لئے آسمان کے دروازے کُھل جاتے ہیں یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد وابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے وقت چار رکعت گھر سے پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سنتیں مکان پر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور وہ چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت میرے گھر پڑھتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور فرض پڑھاتے، اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور مغرب کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھتے اور نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ اس مفصل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سنتیں اکثر گھر پر پڑھتے تھے' اور مسجد میں تشریف لا کر غالب یہ ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھا کرتے تھے، جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور

اقدس ﷺ نے کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے دو ہی رکعت سنت پڑھی ہوں، جن کو حضرت ابن عمرؓ نے نقل فرمایا۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اس حدیث میں یہ ارشاد کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ نمازیں پڑھیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جماعت کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ بھی پڑھتے تھے اور میں بھی پڑھتا تھا۔ سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ (خصائل ص ۲۳۸ تا ۲۳۹)

تطبیق کی تین صورتیں :

اس روایت میں آپؐ سے قبل الظہر دو اور حضرت علیؓ کی روایت سے چار رکعت منقول ہیں۔

(۱) بعض حضرات نے تطبیق یوں کی ہے کہ یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں اور چار رکعت سنت آپؐ گھر پر پڑھ کر آتے تھے۔

(۲) دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ چار رکعت احوط ہیں، لہٰذا انہیں ترجیح دی جائے گی۔ اکثر فقہاء اس کو راجح قرار دیتے ہیں۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آپؐ کبھی دو رکعت پڑھتے اور کبھی چار۔

(۲۱/۲۷۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُنِيعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ حَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَ يُنَادِي الْمُنَادِيْ قَالَ اَيُّوْبُ اُرَاهُ قَالَ خَفِيْفَتَيْنِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایوب نے نافع کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ صبح صادق کے بعد جس وقت مؤذن اذان کہتا ہے، اس وقت دو مختصر رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

کان یصلی رکعتی ...... مرادصبح کی سنتیں ہیں، و اوجبها الحسن البصری ۔(مواہب ص ۲۱۳) (حسن بصریؒ صبح کی سنتوں کوواجب قراردیتے ہیں) یطلع بمعنیٰ یظهر کے ہے، الفجر وهو ضوء الصبح و هو حمرة الشمس فی سواد اللیل سمی بذلک لانفجاره والمراد الفجر الصادق ' أراه ای اظن نافعاً فالهاء راجعة لنافع شیخ ایوب ۔(مواہب ص ۲۱۳)(فجر سے مرادصبح کی روشنی ہے اور وہ رات کی تاریکی میں سورج کی سرخی کا نمودار ہونا ہے فجر کو اس لئے فجر کہتے ہیں کہ اس میں صبح کی روشنی آجاتی ہے یہاں اس سے مرادصبحِ صادق ہے۔

قال ایوب اراه الخ یعنی شیخ ایوب کہتے ہیں میں خیال کرتا ہوں نافع کا تو اس صورت میں ضمیر اراہ کی حضرت نافع کو راجع ہوگی جو ایوب کا شیخ اور استاد ہے۔

صبح کی سنتوں میں قرأت کا مسئلہ :

اس حدیث میں صبح کی نماز سے قبل دوسنتوں کا بیان ہے۔ اکثر روایات میں ان دورکعت کے بارے میں یہی آیا ہے کہ آپؐ ان کو مختصر پڑھتے تھے، جیسا کہ روایت باب میں ہے، "قال خفیفتین" یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے محض فاتحہ پر اکتفاء کرنے اور دوسری سورۃ نہ ملانے کا کہا ہے، مگر یہ قول مرجوح ہے' صحیح یہی ہے کہ ان دورکعت میں حضور اقدس ﷺ سے سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، جو اکثر مختصر ہوا کرتی تھیں مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ آپؐ ان دونوں رکعت میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے نعم السورتان تقرأبهما فی رکعتی الفجر ۔(جمع ج ۲ ص ۱۰۱) یعنی یہ دوسورتیں کیسی اچھی ہیں کہ صبح کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ صبح کی سنتوں میں ان دوسورتوں کے پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا جَمِیعًا۔ (کہ یہ مجھے پوری دنیا سے بھی زیادہ محبوب اور پسند ہیں)

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امامِ ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ د. سنتیں واجب ہیں اور اس

میں تو کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ تمام رواتب سے یہ افضل ہیں "ولهٰذا روى عن ابى حنيفة انهما واجبتان فلا شك انهما افضل من سائر الرواتب" (جمع ج۲ص ۱۰۲) علامہ ابن قیمؒ ان کے باقی رواتب سے زیادہ افضل ومؤکد ہونے کے متعلق لکھتے ہیں : و كان تعاهده و محافظة على سنة الفجر اشد من جميع النوافل و لذلك لم يكن يدعها هى والوتر سفراً و حضرا و كان يواظب فى السفر على سنة الفجر ...... دون سائر السنن ۔(زادالمعادج اص ۱۰۴) آپ سنت فجر کی دوسرے سنن ونوافل سے زیادہ محافظت اور پابندی کا خیال رکھا کرتے اس لئے تو ان کو اور وتروں کو سفر وحضر میں نہیں چھوڑتے تھے اور سفر میں بھی ہمیشہ فجر کی سنتوں پر مواظبت اختیار فرمایا کرتے نہ کہ دوسرے سنن ونوافل پر)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : والمراد بتخفيفهما عدم تطويلهما على الوارد فيهما وهو " قولوا امنا بالله الىٰ آخر آية البقرة " أو الم نشرح و قل يأيها الكافرون فى الركعة الاولىٰ و قل يا أهل الكتاب تعالوا الىٰ آخر آية آلِ عمران او ألم تركيف ، أو قل هو الله احد فى الثانية حتى لوقرأ جميع ذلك لم تفته سنة التخفيف ۔(مواہب ص ۲۱۳)(اور سنت فجر میں تخفیف سے مراد یہ کہ جو قرأت احادیث میں ان میں پڑھنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں اس سے لمبی نہ پڑھا کرتے اور وہ قولوا امنّا بالله الخ یعنی سورہ بقرہ کی اس آیت کے آخر تک یا پھر الم نشرح یاقل یاایها الكافرون پہلی رکعت میں اور قل یااهل الكتاب تعالوا الخ یعنی سورت آل عمران کی اس آیت کے آخر تک اور یا پھر الم تركيف یا قل هوا الله احد دوسری رکعت میں گویا اگر یہ سب سورتیں منقولہ صورت میں بھی پڑھ لے تو سنت فجر کی تخفیف کرنا فوت نہ ہوگا)

(۲۷۲/۲۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ

وَحَدَّثَتْنِیْ حَفْصَةُ بِرَكْعَتِي الْغَدَاةِ وَلَمْ اَكُنْ اَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مروان بن معاویہ فزاری نے جعفر بن برقان کے حوالہ سے بیان کی ۔ انہوں نے یہ روایت میمون بن مہران سے روایت کی ، جنہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے آٹھ رکعتیں یاد کی ہیں ۔ دوظہر سے قبل ، دوظہر کے بعد ، دو مغرب کے بعد ، دو عشاء کے بعد ، مجھے میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا نے صبح دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔

راوی حدیث (۵۴۴) میمون بن مھرانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

رکعتا الفجر سے مراد صبح کی سنتیں ہیں، وأصل الغداة ما بین طلوع الفجر و طلوع الشمس ۔ (اتحافات ص ۳۲۴) (اور الغداۃ اصل اور قاعدہ کی رو سے صبح صادق اور سورج نکلنے کے درمیانی وقت کا نام ہے)

آپ ﷺ صبح کی دو سنتیں گھر میں ادا فرماتے تھے :

وحدثتنی حفصة ...... یعنی مجھے میری بہن حفصہؓ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے ، جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس سے قبل بھی گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو رکعت سنت گھر میں ادا فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فرمانا کہ ولم اکن اراھما من النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتا نہیں دیکھا) کچھ مستبعد نہیں ہے۔ نیز ظہر کی چار سنتیں بھی آپؐ اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے۔ اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کا ذکر بھی نہیں کیا۔

بعض علماء نے ''نہ دیکھنے کی'' یہ توجیہ بھی کی ہے کہ اس وقت تک نہیں دیکھا' جب حضرت حفصہؓ نے خبر دی تھی' اس کے بعد دیکھنے کی نوبت آئی تھی ، کیونکہ بعض روایات میں حضرت ابن عمرؓ کا اپنا مشاہدہ بھی اِن سنتوں کے متعلق نقل ہوا ہے۔ رمقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شهرا یقرأ بهما ای بسورتی الاخلاص والکافرون فی رکعتی الفجر فهذا صریح فی انه رأه یصلیهما ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۰۲) (میں نے حضور ﷺ کا ایک ماہ تک سنت فجر میں سورت کافرون اور سورت اخلاص پڑھنے کا مشاہدہ

کیا ہے تو یہ روایت اس بات میں صریح ہے کہ ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کو سنت فجر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے)

(۲۷۳/۲۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدِ نِ الْحَذَّآءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَ الْعِشَآءِ رَكْعَتَيْنِ وَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوسلمۃ یحیٰ بن خلف نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے خالد حذاء کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے نوافل کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے دو رکعت ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز سے قبل بتلائیں۔

راوی حدیث (۵۴۵) ابوسلمۃ یحیی بن خلفؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ظہر کے چار رکعت سنت :

سننِ مؤکدہ میں حنفیہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے، جو روایت میں مذکور ہے، البتہ ظہر کی سنتوں میں اختلاف ہے۔ ظہر سے قبل کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار ہیں، جو مؤکد ہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت، صبح سے قبل دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔ (بخاری)

(۲۷۴/۲۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَةَ يَقُوْلُ سَاَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَاتُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْنَا مَنْ اَطَاقَ مِنَّا ذٰلِكَ صَلّٰى فَقَالَ كَانَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ

ههُنَا کَھَیْئَتِھَا مِنْ ھٰھُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَ اِذَا کَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ ھٰھُنَا کَھَیْئَتِھَا مِنْ ھٰھُنَا عِنْدَ الظُّھْرِ صَلّٰی اَرْبَعًا وَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الظُّھْرِ اَرْبَعًا وَ بَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا یَفْصِلُ بَیْنَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ بِالتَّسْلِیْمِ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالنَّبِیّٖنَ وَ مَنْ تَبِعَھُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے ابو اسحٰق کی وساطت سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن ضمرۃ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ عاصم بن ضمرۃؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کے ان نوافل کے متعلق استفسار کیا، جن کو آپؐ دن میں پڑھتے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اوپر چڑھ جاتا، جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اُس وقت حضور اکرم ﷺ دو رکعت (صلوٰۃ الاشراق) پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اوپر ہو جاتا، جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے، تو اس وقت چار رکعت (چاشت کی نماز جس کا مفصل بیان دوسرے باب میں آ رہا ہے) پڑھتے تھے، ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت (یہ چھ رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں) اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے چار رکعت کے درمیان بیٹھ کر ملائکہ مقربین اور مؤمنین پر سلام بھیجتے تھے۔

راوی حدیث (۵۴۶) عاصم بن ضمرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دن میں پڑھے جانے والے نوافل :

من النھار ! دن کو پڑھے جانے والے نوافل کے متعلق استفسار کیا گیا، کیونکہ رات کے نوافل یعنی تہجد وغیرہ کے معمولات ان کو پہلے سے معلوم تھے، تہجد کی روایات کثرت سے منقول ہیں اور مشہور ہیں۔

تحقیق وسوال کے ساتھ جذبۂ عمل بھی :

فقال انکم لا تطیقون ذلک تم اس کی طاقت کہاں رکھتے ہو، یعنی آپ ﷺ جیسی عبدیت' فروتنی وعاجزی' خشوع وخضوع' حسنِ اہتمام' تعدیلِ ارکان اور کمال عبدیت کے اظہار کی طاقت تم میں

کہاں ہے؟ ای خشوعاً و تمام أرکان و طول رکوع و سجود و انصرافاً عن الدنیا۔(اتحافات ص ۳۲۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود تنبیہ تھی کہ محض سوال اور تحقیق سے کیا فائدہ جب تک عمل کی سعی نہ ہو۔

عمل نہ ہو سکے تو صرف علم بھی فائدے سے خالی نہیں :

فقلنا .... یعنی جو طاقت رکھ سکتا ہوگا، وہ پڑھے گا اور جس کی طاقت نہ ہوگی، اس کو علم تو حاصل ہو جائیگا، وہ دوسروں کو تو بتا سکے گا اور خود بھی عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ومن لم یطق ذلک منا فقد علمه ۔(مواہب ص ۲۱۴)

اشراق اور چاشت کی نماز :

کان اذا کانت الشمس ! یہ پہلی بیان کردہ دو رکعت ہیں، مراد صلوٰۃ الاشراق ہے، جو سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ دوسری روایات میں تصریح ہے کہ آپؐ یہ دو رکعت تب ادا فرماتے تھے، جب سورج نیزہ یا سوا نیزہ کے برابر نکل آتا تھا۔

واذا کانت الشمس ...... اِن چار رکعت سے مراد چاشت کی نماز ہے، جس کا مفصل بیان آگے آرہا ہے، جو سورج کے نکلنے کے ایک پہر بعد پڑھی جاتی ہے۔ هی صلوٰة الاوابین و ورد فی الحدیث "صلاة الأوابین حین ترمض الفصال " (اتحافات ص ۳۲۵) یعنی جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں جلنے لگیں، آج کل کے حساب سے کوئی نو تا گیارہ بجے کا وقت ہو سکتا ہے، یعنی زوال سے ایک گھنٹہ پہلے تک۔

ویصلی قبل الظهر اربعاً هی سنة الظهر القبلیة وبعدها رکعتین هی السنة البعدیة و بقیة الحدیث واضح (اتحافات ص ۳۲۵) (اور ظہر سے پہلے آپؐ چار رکعات پڑھا کرتے یہ ظہر سے پہلے کی سنتیں ہیں اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھتے اور یہ ظہر کے بعد کی سنتیں ہیں اور باقی حدیث کا مطلب واضح ہے)

تسلیم بین الرکعتین سے مراد :

یفصل بین کل رکعتین بالتسلیم ...... اس سے التحیات بھی مراد ہوسکتا ہے۔یعنی التحیات میں دعاوسلام کے کلمات پڑھنا ہے۔لہٰذا حدیث میں جہاں جہاں چار رکعت کا بیان کیا گیا ہے، سب کوشامل ہے، کیونکہ روایت میں" النبیین و من تبعھم" (انبیاءؑ اور جن لوگوں نے ان کی اتباع اور تابعداری کی ہو) کی تصریح موجود ہے، جس کا تقاضا ہے کہ سلام سے آخری ختم صلوٰۃ کا سلام مراد نہیں، بلکہ التحیات کا سلام مراد ہے اور آخری سلام تو صرف مخاطبین پر ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :''اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے صرف دورکعت پرسلام پھیرنا مراد ہوتو مقصود یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں جوعصر سے قبل پڑھی جاتی تھیں، دورکعت پرسلام پھیردیتے تھے،عصر کے نوافل دورکعت اور چار رکعت دونوں طرح ثابت ہیں، خود حضرت علیؓ سے بھی دونوں روایتیں ہیں''۔(خصائل) البتہ یہاں تسلیم علی الملائکة سے مراد تسلیم فی النیۃ ہوگا۔

جیسے علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ، فیسن للمسلم منھا ان ینوی بقوله السلام علیکم من علی یمینه و یساره و خلفه من الملائکة و المؤمنین" (جمع ج۲ص۱۰۴)(پس سلام پھیرنے والے کے لئے مسنون یہ ہے کہ السلام علیکم کہتے وقت دائیں بائیں اور پیچھے موجود فرشتوں اور مومنین کی نیت کیا کرے)

ایک اہم نکتہ :

مذکورہ روایت میں"و من تبعھم کے بعد من المؤمنین و المسلمین کے اضافہ کے متعلق ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں، ولعل الجمع بین الوصفین مع ان موصوفھما واحد للاشارة الی انقیادھم الباطنی و الظاھری و الجمع بین النسبة العلمیة و المباشرة العملیة(جمع ج۲ص۱۰۴)(المواہب ص۲۱۵) (اور شاید یہ دو اوصاف (ایمان واسلام) کے درمیان اجتماع باوجودیکہ ان کا موصوف ایک ہی ہے یہ اشارہ ہو کہ وہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر تابعداری اختیار کرنے والے اور وہ نسبتِ علمیہ (اعتقادیات) اور نسبتِ عملیہ کے اوصاف کے جامع ہیں)

حاصلِ باب :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ باب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

" أربعة و عشرون حديثًا قدمها لنا الامام الترمذی فی عبادة التطوع لرسول الله صلى الله عليه وسلم ـ ولم يتعرض الإمام الترمذی فی الباب الفرائض ، فكيف كان وقته يسمح لذلک كله؟

وهذا مع الجهاد و مصالح العباد ، و شوؤن البيت و غير ذلک من الامور الجسام لعل الذين يضيعون أوقاتهم فی غير طائل ، يقتدون بهذا العمل لتوجيهی ، وهذه التربية المصفاة .

قال الشاعر :

إذا عاش الفتى ستين حولا ۔۔۔ فنصف العمر تمحقه الليالی
و نصف النصف يمضی ليس ۔۔۔ يدری بغفلته يمينا من شمال
وباقی النصف آمال و حرص ۔۔۔ و شغل بالمكاسب و العيال
و باقی العمر أسقام و شيب ۔۔۔ و آفات تدل على انتقال
فحب المرء للحيوان جهل ۔۔۔ و قسمته على هذا التوالی

و للرواتب من النوافل حكمة جليلة قال فی الاكمال إن أوقات الصلوات تفتح فيها أبواب السماء ، و يستجاب فيها الدعاء ، فرغب فی تكثير النوافل حينئذ . قالوا و تقديم النوافل على الفرائض ليأنس العبد بالصلاة المفروضة ليكون فيها من الخاشعين (اتحافات ص ۳۲۶) (امام ترمذیؒ نے صرف حضور ﷺ کی نفلی عبادت کے متعلق بھی چوبیں (۲۴) احادیث کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس نے باب میں فرائض کا تذکرہ نہیں کیا اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ آپؐ ان کے لئے وقت میں کتنی وسعت اور فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوں گے اور عبادت خداوندی میں ہمہ تن مصروفیت کے ساتھ ساتھ جہاد ،لوگوں کے مصالح ،گھریلوں ضروریات کے علاوہ دیگر بڑے اہم امور میں

مصروفیات ہوا کرتیں ان امور کے تذکرے سے شاید وہ لوگ جو اپنے قیمتی اوقات کو فضول اور بے مقصد کاموں میں لگائے رکھتے ہیں کچھ غور وفکر کر کے اپنے اوقات کو آپ ﷺ کی پیروی کر کے بامقصد اور اہم امور میں مصروف رکھا کریں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب ایک نوجوان ساٹھ سال زندگی گزار دے تو گویا آدھی عمر کو راتوں کی غفلت وغیرہ نے گھٹا دیا اور پھر آدھی عمر کا نصف تو ایسے گزرتا ہے کہ وہ اپنی غفلت میں دائیں بائیں کی تمیز بھی نہیں کر سکتا اور باقی نصف آرزؤوں لالچ، کسبِ معاش اور اہل وعیال کی مشغولیت میں لگ جاتا ہے۔ اور باقی بیماریوں بڑھاپے اور ایسے آفات ومصائب جو موت وانتقال کی خبر دیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو زندگی سے محبت کرنا جہالت ہی ہے اور اس کی تقسیم اسی طور طریقہ پر ہی ہے۔ اور سنن ونوافل کے اہتمام کرنے میں بہت سے فوائد اور حکمتیں مضمر ہیں۔ اکمال میں ہے کہ اوقات نماز میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ان اوقات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لئے ایسے قیمتی اوقات میں نوافل کی کثرت میں رغبت اور الفت پیدا کریں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نوافل وسنن کی فرائض پر تقدیم اس غرض ومقصد کے لئے ہوتی ہے تا کہ بندہ فرض نمازوں کے ساتھ مانوس ہو جائے تا کہ گروہ خاشعین سے ہو جائے)

علامہ مناویؒ اس مقام پر خاتمہ کا عنوان قائم کر کے ایک ضابطہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، قال ابن دقيق العيد، ضابط ماورد فيه احاديث بالنسبة الى النوافل المرسلة ان كل خبر صحيح دل على استحباب عدد من الاعداد وهيئة من الهيئات اونفل من النوافل يعمل به في استحبابه ...... ثم يختلف مراتب ذلك المستحب فما دل الدليل على تأكده اما بملازمة فعله اوبكثرة فعله و اما بقوة دلالة اللفظ على تأكد حكمه واما بمعاضدة خبر آخر تعلو رتبته في الاستحباب ومانقص عن ذلك فهو بعده في الرتبة ...... وما ورد فيه حديث لاينتهي للصحة فان كان حسنا عمل به ان لم يعارضه اقوى منه و مرتبته ناقصة عن الرتبة الثانية اعني الصحيح الذي لم يدم عليه اولم يؤكد اللفظ في طلبه، وما كان ضعيفا لايدخل في حيز الموضوع فان احدث شعارا في الدين منع والااحتمل ان يقال يستحب لدخوله تحت العمومات المقتضية لفعل الخير و ندب الصلوة و احتمل ان يقال هذه الخصوصيات بالوقت والحال والهيئة فاللفظ يحتاج لدليل خاص ليقتضي استحبابه بخصوصه

وهذا اقرب اھ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۰۴)

(ابن دقیق العیدؒ نے کہا کہ نوافل مرسلہ کے متعلق واردشدہ احادیث کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر حدیث صحیح جب اعداد میں سے کسی عدد یا ہیئات اور کیفیات میں سے کسی کیفیت اور یا کسی نفل کام کے مستحب ہونے پر دلالت کرے تو استحبابی طور سے اس پر عمل کیا جائے گا ہاں استحباب کے مراتب درجات مختلف ہوں گے یعنی جب کوئی دلیل اس کے مؤکد ہونے پر دال ہو جیسے وہ فعل یا تو بطور دوام کیا جاتا تھا یا اس کو بہت زیادہ کرتے تھے اور یا پھر اس کے حکم پر الفاظ وعبارت ہی میں تاکید نمایاں ہو یا پھر کسی دوسری حدیث وخبر سے اس کی مزید تاکید ہو رہی ہو تو یہ استحباب کے اعلیٰ درجہ کی قسم ہے اور جو اس سے کچھ کم ہو تو اس کا درجہ بھی پہلے سے بعد میں ہوگا اور جس فعل کے مستحب ہونے کے متعلق ایسی حدیث وارد ہو جو صحیح کے درجہ کو نہیں پہنچی ہے۔

تو پھر اگر وہ حسن کے درجہ میں ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ اس کے معارض کوئی ایسی حدیث نہ ہو جو اس سے قوی تر ہو اور اس کا مرتبہ ناقص اور کم ہوگا دوسرے درجہ کی روایت سے یعنی اس حدیث صحیح سے جس سے ایسے فعل کا استحباب معلوم ہوا تھا جس پر دوام کا التزام نہیں ہوا یا اس کے کرنے میں مؤکد الفاظ اور کلمات استعمال نہیں ہوئے تھے اور اگر وہ حدیث ضعیف درجہ کی ہو تو اگر اس کی وجہ سے کوئی نیا طریقہ (بدعت) دین میں ایجاد ہونے کا خطرہ ہو تو پھر وہ ممنوع ہوگا ورنہ احتمال ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ مستحب ہے کیونکہ یہ ان عمومی روایات میں سے ہوگا جو نماز اور دوسرے نیکی کے امور کے استحباب کے مقتضی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت حال یا کیفیات کے ساتھ مخصوص ہوں تو پھر لفظ ایک ایسی دلیلِ خاص کا محتاج ہوگا جو بالخصوص اس کے استحباب کی مقتضی ہو۔ اور یہ توجیہ وتطبیق اقرب ہے)

==================================

باب صلوٰۃ الضحٰی

باب ! نمازِ چاشت کے بیان میں

ضحٰی کا معنٰی اور وقت کی تعیین :

ضحٰی 'قریٰ کی طرح ضحوۃ کی جمع ہے۔ضحوۃ اوّلِ نہار کو کہتے ہیں۔سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوالِ آفتاب تک وقتِ ضحٰی ہے۔شارحینِ حدیث نے اس کے تین نام نقل کئے ہیں۔

(۱)ضحوۃ' ذلک عند الشروق ۔(۲)ضحی ذلک اذا ارتفعت الشمس ۔(۳) ضحاء ذلک الی الزوال ۔(ضحوہ سورج نکلنے سے روشن ہونے تک کو کہتے ہیں (۲) ضحٰی جب سورج خوب چڑھ جائے (۳) ضحاء۔سورج کے خوب چڑھنے سے زوال تک) حنفیہ کے نزدیک چوتھائی دن کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت ہے۔فالضحی اسم لزمن مخصوص والإضافة هنا بمعنی فی : ای الصلوة التی تصلی فی الضحی ۔(اتحافات ص ۳۲۷)(تو ضحٰی ایک مخصوص وقت کا نام ہے اور صلوۃ الضحٰی میں اضافت بمعنی فی کے ہے یعنی وہ نماز جو ضحٰی (چاشت) کے وقت میں پڑھی جاتی ہے)

طلوعِ شمس سے لے کر ظہر سے پہلے پہلے تین نماز ادا کی جاتی ہیں۔سورج طلوع ہونے کے بعد دس پندرہ منٹ (کہ اس میں نماز مکروہ ہے) جب سورج نیزے' سوا نیزے کے برابر ظاہر ہو جاتا ہے،اس وقت نماز اشراق ادا کی جاتی ہے۔اشراق کے دو تین گھنٹے گذرنے کے بعد چاشت کا وقت شروع ہوتا ہے، جو نو' دس بجے سے قبل استواء تک رہتا ہے۔اس وقت پڑھی جانے والی نفل نماز کو چاشت کہتے ہیں۔لکن الأفضل تاخیرها الی ان یمضی ربع النهار لیکون فی کل ربع صلوة ۔ (مواہب ص ۲۱۵)(لیکن اس میں چوتھائی دن گزرنے تک تاخیر اس لئے افضل ہے تا کہ دن کی ہر چوتھائی میں نماز ہو) جسے بعض روایات میں صلوٰۃِ اوّابین کا نام بھی دیا گیا ہے۔اس کا نام ضحٰی ہے اور

باب میں اسی کا تذکرہ ہے اور ایک صلوٰۃ الزوال ہے، جس کا وقت زوال سے کچھ بعد ہے۔ انہی کا تذکرہ علامہ ملا علی قاریؒ ان الفاظ سے فرماتے ہیں' وانّ ما وقع فی اوائله یسمی صلوٰۃ الاشراق و ماوقع فی اواخرہ یسمی صلوٰۃ الزوال و ما بینها یختص بصلوٰۃ الضحٰی ۔(جمع ج۲ص۱۰۴) اور کبھی صلوٰۃ ضحٰی سے تینوں نمازیں مراد لی جاتی ہیں ۔ اس باب کے تحت امام ترمذیؒ نے آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں۔

صلوٰۃِ ضحٰی کی فضیلت :

صلوٰۃ ضحٰی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ شارحینِ حدیث نے اس میں علماء کے آٹھ مذاہب ذکر کئے ہیں۔ احناف اسے مستحب قرار دیتے ہیں اوجز المسالک میں پچیس (۲۵) صحابہ کرامؓ کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ أخرج مسلم عن رسول الله ﷺ قال یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقة ، فکل تسبیحة صدقة و کل تحمیدة صدقة' و کل تهلیلة صدقة و کل تکبیرة صدقة و امر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة' ویجزی عن ذلک رکعتان یرکعها من الضحٰی ۔(اتحافات ص۳۳۱) (امام مسلمؒ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا کہ (صبح صحت وسلامتی کے ساتھ اٹھنے پر) ہر انسان کے ہر جوڑ کے بدلہ صدقہ ہے پھر اس کا سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور الحمدللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور ان سب سے چاشت کی دو رکعت نماز پڑھ لینا کافی ہے)

یہ نماز چار رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک میں ادا کی جاتی ہے۔ امام احمدؒ سے روایت ہے، من حافظ علی صلاۃ الضحٰی غفرت له ذنوبه و ان کانت مثل زبد البحر...... (جس شخص نے چاشت کی نماز کا اہتمام کیا تو اس کے سب گناہ ولغزشیں معاف کردی جائے گی اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں) اس نماز پر مواظبت کرنے والے کو دو حجوں اور دو عمروں کا ثواب ملتا ہے

(۱/۲۷۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مَعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى قَالَتْ نَعَمْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَ يَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد طیالسی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبۃ نے یزید رشک کے واسطہ سے۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے معاذہؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ معاذہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں چار رکعت (کم سے کم) پڑھتے تھے اور اس سے زائد جتنا دل چاہتا پڑھ لیتے۔

راویان حدیث (۵۴۷) یزید الرشکؒ اور (۵۴۸) معاذہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلواۃ ضحیٰ اور تعدادِ رکعت :

أربع ركعات و يزيد ماشاء الله عزوجل ! شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ نوافل ہیں۔ کم سے کم دو اور زیادہ کے لئے تحدید نہیں، جتنی بھی سرور وانبساط سے پڑھی جاسکیں پڑھی جائیں۔ تاہم حضور اقدس ﷺ سے بارہ (۱۲) رکعت تک پڑھنا ثابت ہے۔

علامہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح اور ضعیف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے آٹھ رکعات سے زیادہ یہ نماز نہیں پڑھی اور بارہ رکعت سے زیادہ پڑھنے کی ترغیب بھی نہیں دی اور چار رکعت پڑھنا افضل ہے، لكن باستقراء الاحاديث الصحيحة والضعيفة علم انه لم يزد على الثمان و لم يرغب اكثر من اثنتى عشرة ۔ (جمع ج۲ص۱۰۶) (احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کے تتبع اور تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ آپؐ نے چاشت کی نماز آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی اور بارہ رکعت سے زیادہ کی ترغیب نہیں دی)

حدیث باب سے متعلق ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، وفيه دليل على ان الاربع هو الافضل من

حیث مواظبته صلی اللّٰہ علیه وسلم والزیادۃ علیه احیاناً و یدل علیه اکثر الاحادیث الواورۃ فی ذلک و کحدیث ابی الدرداء و ابی ذر عند الترمذی مرفوعاً عن اللّٰہ تعالیٰ ابن آدم ارکع لی اربع رکعات اول النھار اکفک آخرہ ۔(جمع ج۲ص۱۰۶)(اورحدیث باب میں چار رکعت نماز چاشت پڑھنے کے افضل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کی چار رکعت نمازِ چاشت پڑھنے پر مواظبت ہوا کرتی تھی اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھ لیا کرتے نیز چار رکعت نماز چاشت کی افضلیت پر اکثر احادیث بھی دال ہیں اور جیسے کہ ترمذی کے نزدیک ابودرداءؓ اور ابوذرؓ سے حدیث قدسی منقول ہے اے ابنِ آدم! تو میری رضا کے لئے چار رکعت شروع دن میں پڑھ لے میں تیرے دن کے سارے امور کے لئے کافی ہو جاؤں گا)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں انیس (۱۹) صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو صلوٰۃ الضحٰی پڑھتے دیکھا ہے، حتی قال ابن جریر اخبارھا بلغت حد التواتر ۔(مواہب ص۲۱۶)(تا آنکہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز کے متعلق احادیث حدتواتر کو پہنچے ہیں)

(۲۷۶/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنِیْ حَکِیْمُ بْنُ مُعَاوِیَةَ الزِّیَادِیُّ حَدَّثَنَا زِیَادُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ الرَّبِیْعِ الزِّیَادِیُّ عَنْ حُمَیْدِ الطَّوِیْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الضُّحٰی سِتَّ رَکَعَاتٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ مجھے اسے حکیم بن معاویہ زیادی نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت زیاد بن عبیداللہ بن ربیع زیادی نے حمید طویل کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوٰۃ الضحٰی یعنی چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے

راویان حدیث (۵۴۹) حکیم بن معاویہؒ اور (۵۵۰) زیاد بن عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

چھ رکعت کی بات :

کان یصلی الضحی ستّ رکعات ! گذشتہ حدیث میں اربع رکعات و یزید ماشاء اللہ منقول ہوا ہے۔مختلف حالات اور کیفیات کے پیش نظر تعدادِ رکعات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔کم از کم دو رکعت، عام معمول چار رکعت، زیادہ کا معمول آٹھ رکعت اور گاہے گاہے بارہ رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں : فالحاصل أنه صلاها تارة رکعتین و هو اقلها و تارة اربعًا و هو اغلب احواله و تارة ستا و تارة ثمانية و هو اکثرها فضلا و عددا علی الراجح و قیل افضلها ثمان و اکثرها اثنتا عشرة (مواہب ص۲۱۶)

(۴/۲۷۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَيْلٰی قَالَ مَا اَخْبَرَنِیْ اَحَدٌ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّی الضُّحٰی اِلَّا اُمُّ هَانِیءٍ فَاِنَّهَا حَدَّثَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ مَارَأَيْتُهٗ صَلّٰی صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر دی شعبہ نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے روایت کی۔عبدالرحمٰنؒ ایک تابعی کہتے ہیں کہ مجھے امّ ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی نے حضور اکرم ﷺ کی صلوٰۃ الضحیٰ کی خبر نہیں پہنچائی۔البتہ حضرت امّ ہانیؓ نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ اُس روز جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا،ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔میں نے ان آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر حضور اکرم ﷺ کی کبھی کوئی نماز نہیں دیکھی،لیکن باوجود مختصر ہونے کے رکوع،سجود پورے پورے فرمارہے تھے یہ نہیں کہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے ناقص ہوں۔

راویان حدیث (۵۵۱) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ اور (۵۵۲) ام ھانیؓ ـــ ـلات ''تذکرہ راویان شمائل

ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر صحابہؓ سے عدم روایت کی حقیقت :

ما اخبرنی احد ...... عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نماز کا علم سوائے امّ ہانی کے کسی اور صاحب کو تھا ہی نہیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں..... **والمنفی انما هو اخبار غير ام هانى لعبد الرحمن بن ابى ليلى بصلواة النبى صلوة الضحى و هو لاينافى ما تقدم مِن ان اكابر الصحابة تسعة عشر شهدوا ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يصليها و من ثم قال ابوزرعة ورد فيها احاديث كثيرة صحيحة مشهورة حتى قال ابن جرير انها بلغت حد التواتر** (مواہب ص ۲۱۷) (عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ مجھے ام ھانیؓ کے علاوہ حضورؐ کی چاشت نماز پڑھنے کی روایت کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا تو یہاں منفی صرف یہ ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو حضور ﷺ کی نمازِ چاشت کا علم ام ھانیؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے خبر دینے کی ہے۔ اور یہ بات سابقہ انیس (۱۹) صحابہؓ سے مروی شدہ روایت کے خلاف نہیں جس میں وہ شہادت دیتے ہیں کہ نبی علیہ السلام (نماز چاشت) پڑھا کرتے تھے اور اسی لئے تو امام ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس سلسلہ میں تو بہت سے احادیث صحیحہ مشہورہ وارد ہوئی ہے ابن جریرؒ نے تو اس حد تک کہہ دیا کہ نمازِ چاشت کے بارے میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں)

ایک تعارض کا حل :

دخل بيتها يوم فتح مكة ...... (حضور ﷺ فتح مکہ کے دن ام ھانیؓ کے گھر گئے) جبکہ بعض دیگر روایات میں اس کے بالعکس ہے، یعنی **دخلت امّ هانى على رسول الله صلى الله عليه وسلم** (ام ھانیؓ حضور ﷺ کے پاس آئیں) شارحینِ حدیث نے تطبیق کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ راجح یہ ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہوں گے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپؐ جب امّ ہانی کے گھر تشریف لے گئے، تو **دخل بيتها** صادق ہوگیا، مگر حضرت امّ ہانی اس وقت گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعد میں جب وہ اپنے گھر تشریف لائیں تو وہ **دخلت امّ هانى على رسول الله صلى الله عليه**

وسلم کی مصداق قرار پائیں۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ نماز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی ہے یہ چاشت کی نماز نہ تھی بلکہ مکۃ المکرمہ کے فتح ہونے پر شکرانہ کی نماز تھی۔حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسرت کی بات ہوتی تو شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے۔یہ بھی ممکن ہے کہ ان رکعات میں سے کچھ حصہ چاشت کی نماز ہو اور کچھ حصہ شکرانہ کی نماز ہو''۔(خصائل)

تخفیفِ رکعات کیوں ؟

اخف منها ...... شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ چاشت میں پیغمبرِ خدا ﷺ کی قرأت لمبی ہوتی تھی۔سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ فتح مکہ کے دن مشاغل اور مشکل ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اس نماز کی قرأت کو نہایت مختصر فرمادیا ہو۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و انما خفف یوم الفتح لاحتمال انه قصد التفرغ لمهمات الفتح لكثرة شغله به۔(جمع ج۲ص۱۰۹)

(۴/۲۷۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا وَ کِیْعُ حَدَّثَنَا کَهْمَسُ ابْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ یَّجِیْءَ مِنْ مَغِیْبِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔اُن کو یہ حدیث کہمس بن حسن نے عبداللہ بن شقیق کے حوالہ سے نقل کی۔عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ صلوٰۃ الضحٰی پڑھتے تھے،انہوں نے فرمایا کہ معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے۔ہاں سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے۔

صلوٰۃ ضحٰی پڑھنے کا معمول کیا تھا :

قالت لا الا ان یجئی من مغیبه ! ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا،معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے،ہاں سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے تھے۔لفظی ترجمہ میں لفظِ معمولاً کا اضافہ کر کے تعارض روایات کے اشکال کا جواب دے دیا گیا ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب' حضرت معاذۃ رضی اللہ عنہا کے جواب کے بالعکس ہے۔ وہاں قطعاً اثبات اور یہاں بظاہر نفی ہے۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نفی مداومت کی ہے، جو کبھی کبھی پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، ای لم یکن یداوم علی صلوتها فقولها هنا لا نفی للمداومة۔(مواہب ص ۲۱۷)

تعارضِ روایات سے جواب :

الّا ان تجئی من مغیبه ! حضوراقدس ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ اکثر سفر سے واپسی پر صبح کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجدِ نبوی میں تشریف لے جا کر نوافل ادا فرماتے اور یہ عموماً چاشت کا وقت ہوا کرتا تھا، پھر وہیں تشریف رکھتے، کعب بن مالک سے روایت ہے، انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان لایقدم من سفره الانهارا من الضحی فاذا قدم بدأ بالمسجد اوّل قدومه فصلّی فیه رکعتین ثم جلس فیه۔(مواہب ص ۲۱۷)

لہٰذا بعض علماء نے اسی طرح تطبیق کی ہے کہ سفر سے لوٹنے کے علاوہ اور ایام میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ گویا حدیث میں نفی خاصۃً مسجد میں پڑھنے کی مقصود ہے کہ مسجد میں جب ہی پڑھتے تھے، جب سفر سے واپس تشریف لاتے۔ (خصائل)

(۲۷۹/۵) حَدَّثَنَا زِيَادُ ابْنُ اَيُّوبَ الْبُغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ ۔الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَايَدَعُهَا وَ يَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَايُصَلِّيْهَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں زیاد بن ایوب بغدادی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن ربیعہ نے فضیل بن مرزوق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عطیہ سے سُنی اور انہوں نے صحابیِ رسول حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوۃ الضحٰی کبھی تو اس قدر اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم لوگوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ اب کبھی

نہیں چھوڑیں گے اور حضور اکرم ﷺ کبھی (فرض ہونے کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ایسا ترک فرماتے تھے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بالکل چھوڑ دی۔ اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔

راویان حدیث (۵۵۳) محمد بن ربیعہ الکلابیؒ (۵۵۴) فضیل بن مرزوقؒ اور (۵۵۵) عطیہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلوٰۃ ضحٰی میں آپ ﷺ کا ایک اور معمول:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... صلوٰۃ ضحٰی کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا، کبھی پڑھ لیتے، کبھی ترک فرمادیتے، کبھی کم پڑھتے اور کبھی زیادہ پڑھتے۔ اس میں بھی باری تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کارفرما تھی، اگر مسلسل پڑھتے تو احتمال تھا کہ اللہ پاک اسے فرض قرار دے دیں اور اگر مسلسل ترک فرمادیتے تو لوگ اس کی برکات سے محروم رہ جاتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض امور میں حضور اقدس ﷺ کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے کر ڈالیں، مگر اس ڈر سے اہتمام نہیں فرماتے تھے کہ مبادا امت پر یہ فرض ہو جائیں۔ شیخ الببجوریؒ فرماتے ہیں والحاصل انه كان يحبها فكان يواظب عليها اياما و يتركها احيانا للخوف من اعتقاد فرضيتها (مواہب ص ۲۱۸)

(۲۸۰/۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ عَنْ هُشَيْمٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قُرْثَعِ الضَّبِّيِّ اَوْ عَنْ قَزْعَةَ عَنْ قُرْثَعٍ عَنْ اَبِي اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الْاَرْبَعَ الرَّكْعَاتِ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَآءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتّٰى تُصَلَّى الظُّهْرُ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ اَفِيْ كُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ فَاصِلٌ قَالَ لَا.

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَزْعَةَ عَنِ الْقُرْثَعِ عَنْ اَبِيْ اَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ہشیم نے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبیدۃ نے ابراہیم کے واسطہ سے، اُن کو یہ حدیث ابراہیم نے سہم بن منجاب سے اور اس نے قرثع ضبی سے بلا واسطہ یا بالواسطہ قزعہ عن قرثع سُن کر نقل کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمیشہ زوال کے وقت چار رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان چار رکعتوں کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت سے ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی کارِ خیر اُس وقت آسمان پر پہنچ جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی ہر رکعت میں قرأت کی جائے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں قرأت کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ان میں دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں چاروں رکعات ایک ہی سلام سے ہونی چاہییں۔

بحث اسناد :

امامِ ترمذی نے ابوایوب انصاریؓ کی حدیث مذکور کو دو سندات سے ذکر کیا ہے۔ (۱) اپنے شیخ **احمد بن منیع عن ھشیم** ...... کے واسطہ سے جس میں یہ شک ہے کہ **سھم بن منجاب عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے یا **عن قزع عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے۔ (۲) اپنے شیخ احمد بن منیع **حدثنا ابو معاویة** ...... کے واسطہ سے، جس میں بلاشک **عن قزعة عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری** ہے۔ اس کی وجہ علامہ مناویؒ نے نقل فرماتے ہوئے لکھا ہے **قال القسطلانی کذا وقع فی ھذہ الروية (الاولٰی) بالشک و فی طریق ابی معاوية عن قزعة بلاشک ...... قال بعضهم ابومعاوية المذکور هو هشيم و فيه تأمل لانه لو کان کذلک فليس لا يراد المؤلف الاسناد بعينه و قوله فی آخره نحوه کبير فائدة فيحتمل ان يکون ابومعاوية هو محمد بن خازم او شيبان النحوی و يحتمل ان مراد المؤلف ان ابن منيع رواه تارة عن هشيم علی التردد و تارة علی الجزم** ۔ (مناوی ج۲ ص۱۱۲) (علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں اسی طریقہ سے اسی روایت (پہلی) میں شک کے ساتھ واقع ہوا (کہ سھم بن منجاب قرثع سے اور وہ ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں یا

سہم قزع سے اور وہ قرثع سے اور وہ ابوایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں) اور ابومعاویہ عن قزع کے طریق (سند) میں بغیر شک کے اسی طرح ہے کہ (عن قزعة عن قرثع عن ابی ایوب الانصاری) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابومعاویہ مذکورہ وہ ھشیم ہی ہیں لیکن یہ کہنا قابل تأمل ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو مصنفؒ کا اسناد کو بعینہ ذکر کرنا اور پھر اس کے آخر میں نحوہ (کہ اس کے مثل ہے) کہنے کا کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا تو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ ابومعاویہ وہ محمد بن خازم یا شیبان نحوی ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ مصنفؒ کی مراد یہ ہو کہ احمد بن منیع کبھی تو ہشیم سے شک کی صورت میں اور کبھی یقینی طور پر روایت کرتے ہیں)

راویان حدیث (۵۵۶) عبیدہؒ وابراھیمؒ (۵۵۷) سہم بن منجابؒ (۵۵۸) قرثعؒ اور (۵۵۹) قزعہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

صلوٰۃ الزوال کی حقیقت :

کان یلمن اربع رکعات ......یلمن ہیشگی کرتے تھے۔ ای یداوم (مواھب ص ۲۱۸) عند زوال الشمس 'یہاں عند بمعنی بعد کے ہے، ای عقبه لعدم التراخی کانها عنده ۔ (مواھب ص ۲۱۸) یعنی زوال کے بعد چونکہ زوال کے بعد بلا تاخیر پڑھا کرتے اس لئے اس کو عند زوال الشمس سے تعبیر کیا گیا) صوفیاء کرام صلوٰۃ الزوال کو ایک مستقل نماز قرار دیتے ہیں، مگر محدثین حضرات ان چار رکعت سے ظہر کی سنتیں مراد لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زوال کے بعد اور ظہر سے پہلے پہلے ان چار رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہے۔ جن پر آپ ﷺ نے مداومت فرمائی ہو۔ وهذه الصلوة هی سنة الزوال و قیل سنة الظهر القبلية و يبعد الاول التعبير بالادمان المراد به المواظبة اذلم يثبت انه صلی الله عليه وسلم واظب علی شئی من السنن بعد الزوال الاعلٰی راتبة الظهر (مواھب ص ۲۱۸) (اور یہ چار رکعات زوال کے بعد یہ سنت زوال ہیں اور بعض حضرات اس کو ظہر سے پہلے کی سنتیں کہتے ہیں حدیث میں ادمان یعنی مواظبت سے پڑھنے کے قرینہ نے پہلے معنی کو بعید قرار دے دیا اس لئے کہ آپؐ سے زوال کے بعد سنن ظہر کے علاوہ دوسرے سنن پر دوام ثابت نہیں ہے)

ایک اشکال کا جواب :

جب یہ صلوٰۃ الضحٰی نہیں تو امام ترمذیؒ نے اسے اس باب کے تحت کیوں درج کیا۔ شارحینِ حدیث فرماتے ہیں (۱) کہ اس وقت چاشت کی نماز کا منتہٰی تھا۔ اس لئے تبعاً یہاں ذکر کر دیا گیا۔ (۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے، اس کا محل گذشتہ باب ہے، جیسا کہ بعض نسخوں میں یہ گذشتہ باب میں نقل بھی ہوئی ہے۔

سوال کی حکمت :

فقلت ! سوال کی غرض اس کی حکمت وفضیلت کا استفہام ہے۔ **هو الاستفهام عن حكمة ذلک**۔(اتحافات ص ۳۳۰) حضور اقدس ﷺ کا جواب واضح ہے۔ **تفتح** ! آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ **لصعود الطاعة و نزول الرحمة**۔(اتحافات ص ۳۳۰)(طاعت اور نیکیوں کے چڑھنے اور رحمت خداوندی کے نزول کے لئے) **فاحبّ** ! شیخ عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں۔ **قد يراد بالصعود القبول**۔(اتحافات ص ۳۳۰)(کہ کبھی صعود (اوپر جانے) سے مراد قبول ہونا ہوتا ہے)

چار رکعت نوافل سلامِ واحد سے :

هل فيهن تسليم فاصل قال لا ' یہ مسئلہ ماقبل باب کی آخری حدیث میں بھی بیان ہو چکا ہے ۔ **يفصل بين كل ركعتين بالتسليم على المقربين والنبيين و من تبعهم من المؤمنين والمسلمين** ' یعنی آپ ﷺ دو دو رکعت سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے۔ احناف کہتے ہیں، یہ سلامِ فصل نہیں، بلکہ مومنین پر سلام ہے۔ یہ سلام چار رکعت کے درمیان بھی ہے کہ دو رکعت کے درمیان گویا فاصل ہے اور فاصل نہیں بھی کہ سلام نہیں پھیرا جاتا بلکہ ایک سلام سے چار رکعت مکمل کر لئے جاتے ہیں امام اعظمؒ کے نزدیک نوافل چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل ہیں...... **قال الافضل اربعاً اربعاً ليلاً ونهارا و وافقه صاحباه فى النهار دون الليل**۔(مواہب ص ۲۱۹)(علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نوافل چار چار رکعات پڑھنا رات اور دن دونوں میں افضل ہیں اور

صاحبین (امام ابو یوسفؒ و محمدؒ) نے امام صاحب کی دن میں نہ کہ رات میں موافقت کا قول کیا ہے)

(۲۸۱/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ اَبِی الْوَضَّاحِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ قَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَلِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابوداؤد نے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد بن مسلم ابن ابی الوضاح نے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن سائب سے روایت کیا۔ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی عملِ صالح اس وقت بارگاہِ عالی تک پہنچے۔

راویان حدیث (۵۶۰) محمد بن مسلمؒ (۵۶۱) عبدالکریم الجزریؒ اور (۵۶۲) عبداللہ بن السائبؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث باب میں ظہر سے پہلے اور بعد الزوال کے وقت کی برکت و اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے، پھر اس میں عبادت اور وہ بھی نماز' آخر اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ نماز میں نبی ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور باری تعالیٰ سے مناجات و مذاکرات ہیں ۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو زوالِ آفتاب کے بعد کی سنتیں بہت پسند تھیں ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تفتح فیها ابواب السماء و ینظر اللّٰہ الی خلقه بالرحمة وهی صلوٰة یحافظ علیها آدم و نوح و ابرهیم و موسیٰ و عیسی علیهم السلام ۔ (جمع ج۲ص ۱۱۲) (اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نظرِ رحمت سے نوازتے ہیں یہ ایک ایسی نماز ہے کہ اس پر آدم، نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے

جلیل القدر انبیاء نے محافظت فرمائی ہے)

(۸/۲۸۲) حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ عَنْ مِسْعَرِ ابْنِ كِدَامٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَ ذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيْهَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسلمۃ یحیٰ بن خلف نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمر بن علی مقدمی نے مسعر بن کدام کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابواسحٰق سے روایت کی، جنہوں نے اسے عاصم بن ضمرۃ کے واسطہ سے نقل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی ان چار رکعت کو پڑھتے تھے اور ان میں طویل قرأت فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۵۶۳) عمر بن علی المقدمیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

تطویلِ قراءت :

و یمد فیھا ! تطویل قرأت کی طرف اشارہ ہے۔ من المد بمعنی الاطالة ۔ (جمع ج۲ ص۱۱۴)
(یمد کا لفظ مدّ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ لمبی قراءت کے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان چار رکعت میں بہتر یہ ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھے، ورنہ کوئی ایسی سورۃ جو سو آیات سے زیادہ ہو تا کہ حضور اکرم ﷺ کا اتباع طویل قرأت میں ہوجائے۔ (خصائل)

باب ھذا میں حدیث چھ سے تا آخر تینوں روایات کا بظاہر اس باب سے تعلق معلوم نہیں ہوتا، ویلاحظ ان الأحادیث الثلاثة الاخیرة غیر مناسبة للباب ۔ (اتحافات ص ۳۳۱)

===

بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ فِی الْبَیْتِ

باب ! نفل نماز گھر میں پڑھنے کے بیان میں

(۲۸۳/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنْ حِرَامِ بْنِ مُعَاوِیَةَ عَنْ عَمِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِیْ بَیْتِیْ وَالصَّلٰوةِ فِی الْمَسْجِدِ قَالَ قَدْ تَرٰی مَا اَقْرَبَ بَیْتِیْ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَاَنْ اُصَلِّیَ فِیْ بَیْتِیْ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُصَلِّیَ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَلٰوةً مَکْتُوْبَةً۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس عنبری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن بن مہدی نے معاویہ بن صالح کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت علاء بن حارث سے حرام بن معاویہ کے حوالہ سے بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت اپنے چچا عبداللہ بن سعدؓ سے نقل کی۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ نوافل مسجد میں پڑھنے افضل ہیں یا گھر میں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، (جس کی وجہ سے مسجد کے آنے میں کسی قسم کی دقت یا رُکاوٹ نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود) فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد سے زیادہ پسند ہے۔

راویان حدیث (۵۶۴) عباس العنبریؒ (۵۶۵) معاویہ بن صالحؒ (۵۶۶) العلاء بن الحارثؒ (۵۶۷) حرام بن معاویہؒ اور (۵۶۸) عبداللہ بن سعدؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

گھر نوافل ادا کرنا :

سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... اس سوال کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے

کس قدر پیارا اور خوبصورت جواب مرحمت فرمایا کہ اے ابن سعد! یقیناً تو دیکھ رہا ہے کہ میرا گھر اسی مسجد یعنی مسجد نبوی کے کتنا ہی نزدیک ہے یعنی بغیر کسی ہچکچاہٹ' بغیر کسی رکاوٹ اور تکلیف برداشت کرنے کے مسجد نبوی میں نفل نماز ادا کر سکتا ہوں، مگر میں پسند یہی کرتا ہوں کہ علاوہ فرائض کے باقی نفل نمازیں گھر میں ہی پڑھوں۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں' فمعنی الحدیث انه مع كمال قرب بيتي من المسجد صلاتي في بيتي احب الى من صلوتي في المسجد الا المكتوبة۔ (مناوی ج۲ص۱۱۵) (حدیث کا مطلب یہ کہ باوجودیکہ میرا گھر مسجد کے بہت ہی قریب ہے لیکن پھر بھی فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے) دلیل میں صحیحین کی حدیث نقل فرماتے ہیں، افضل الصلاة صلاة المرء في بيته الا المكتوبة (مناوی ج۲ص۱۱۵) (کسی شخص کے لئے زیادہ افضل نماز فرض نماز کے علاوہ گھر میں نماز پڑھنا ہے) البتہ فرائض کے علاوہ وہ نمازیں جن کا اخفا مناسب نہیں ہے ۔مسجد ہی میں افضل ہیں، جیسے طواف کعبہ کی رکعتیں تحية المسجد' صلواة التراويح' صلواة الكسوف یعنی ہر وہ نفل نماز جو جماعت سے ادا کی جاتی ہو۔

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وكذالک يستثنىٰ من النفل ما تسن فيه الجماعة و الضحىٰ و سنة الطواف والاحرام والاستخارة وغير ذلک۔ (مواہب ص۲۲۰)

گھر میں نوافل پڑھنے کی حکمتیں :

حدیث میں تصریح ہے کہ نوافل کا مسجد میں پڑھنے سے گھر میں پڑھنا افضل ہے' حالانکہ حدیث میں ہے مسجد نبویؐ میں ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے' مگر پھر بھی گھر میں نماز پڑھنے کو افضل کہا گیا ہے۔اسی طرح جامع مسجد میں ایک نماز پر پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے' مگر نوافل گھر میں پڑھنا اس سے افضل ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ کمیت کے لحاظ سے مساجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے، مگر کیفیت کے اعتبار سے صلواة تطوع في البيت نفل نماز گھر میں افضل ہے' لتحصيل البركة في البيت و أهله و لتنزل الملائكة و ليذهب عنه الشيطان (المواہب ص۲۱۹) (اہل وعیال اور گھر میں خیر و برکت حاصل

ہونے کی غرض سے اور تا کہ رحمت کے فرشتوں کا نزول ہو اور اس گھر سے شیطان چلا جائے **ولأن الصلوٰة فی البیت ابعد عن الریاء و اقرب الی الإخلاص** ۔(مواہب ص۲۲۰)(اور اس لئے بھی کہ نفل نماز کا گھر میں پڑھنا ریا وسمعہ سے بعید اور اخلاص سے زیادہ قریب ہے) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، **اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولاتتخذوھا قبورا** ۔(مواہب ص۲۱۹)(نفل نماز گھروں میں پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ)**الا ان تکون صلواۃ مکتوبۃ** ! فرض نمازوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے، **لانها من شعائر الاسلام** ۔ (مواہب ص۲۲۰)(اس لئے کہ فرائض تو اسلام کے شعائر میں سے ہیں) اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنن اور واجبات بھی تطوع میں داخل ہیں، تاہم سنن مؤکدہ اور وتروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ملحق بالفرائض ہیں۔ کیونکہ یہ مکملاتِ فرائض ہیں، لہٰذا بہتر ہے کہ آج کل انہیں مساجد میں پڑھنا چاہئے۔ امام شعرانیؒ یہی فرماتے ہیں کہ خواص بھی انہیں مسجد میں ادا کریں، ورنہ عامۃ المسلمین ان کا پڑھنا بھی چھوڑ دیں گے۔

==

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بیان میں

صوم کا لغوی اور اصطلاحی معنٰی :

صوم کا لغوی معنٰی "الامساک" ہے یعنی رُکنا چاہے کھانے پینے سے ہو یا بولنے سے۔ قرآن میں بھی اس معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ انی نذرت للرحمن صوماً ای امساکًا عن الکلام ۔ (مواہب ص۲۲۰) (میں نے اللہ کے لئے روزہ کی نذر کی ہے یعنی لوگوں سے بات چیت سے رکنا اور خاموشی اختیار کرنا) شریعت میں صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک نیتِ معتبرہ کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانا روزہ ہے ، و شرعاً الامساک عن المفطرات جمیع النهار بنية والمراد ههنا مایشمل الفرض والنفل (مواہب ص۲۲۰) (اور یہاں صوم سے مراد عام ہے فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے)

نفل روزوں کا معمول :

اس باب میں آپ ﷺ کے نفلی روزوں کے معمولات کا بیان ہے۔ باب میں سولہ (۱۶) حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ مہینہ میں کتنے دن روزے رکھتے تھے۔ مسلسل یا وقفہ وقفہ سے' مہینہ کے آغاز میں اور انتہا میں تین تین ایام روزے رکھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ ایام بیض یعنی تیرہ چودہ پندرہ (۱۳'۱۴'۱۵) کو تو اکثر روزے رکھنے کا معمول تھا۔ ماہِ صیام کی فرضیت سے قبل عاشورے کا روزہ فرض تھا جب شعبان ۲ھ میں روزہ فرض قرار دیا گیا تو یہ روزہ مستحب قرار پایا۔

نفل روزوں میں فلسفہ وحکمت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں دلچسپ بحث لکھی ہے من وعن نذرِ قارئین ہے۔

اس باب سے مقصود حضور اقدس ﷺ کے نفل روزوں کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ روزے بہت رکھنے کی تھی، کبھی کبھی آپ ﷺ مسلسل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے۔ روزہ کی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ، کے ہر حکم میں، ہر ارشاد میں ہزاروں مصالح ہیں، حکمتیں ہیں۔ آدمی کی عقل کی اتنی پرواز کہاں ہے کہ حق تعالیٰ جلّ شانہ جیسے حکیم کی حکمتوں تک پہنچ سکے۔ ہر شخص کی جہاں تک پرواز ہے۔ وہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے دینی اور دنیوی فوائد کا ادراک کرسکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اس سے بھی اونچی ہوتی ہیں، جس طرح اور احکام میں ہزاروں مصلحتیں ہیں، روزے میں بھی ہیں، من جملہ ان کے چند مصالح ظاہر اور بدیہی ہیں، جن میں سے (۱) ایک جذبۂ مواساۃ اور ہمدردی ہے، جو شخص خود بھوکا رہتا ہے، اس کو بھوکے کی ہمدردی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو خود بھوک کی تکلیف اُٹھاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ غریب پر کیا گزرتی ہے، بھوکے کو کس مصیبت کا سامنا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو بھوکے کی امداد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ ہمدردی کو بھی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ (۲) اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزہ سے قوتِ بہیمیّہ اور شہوانیہ کا زور کم ہوتا ہے۔ یہ قوت جب زور پکڑتی ہے، تو بہت سے ایسے اُمور آدمی سے سرزد ہوتے ہیں، جو دین و دنیا میں روسیاہی کا سبب بنتے ہیں، اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ......

این نہ عشق است آں کہ در مردم بود

این فسادِ خوردنِ گندم بود

یہ عشق یعنی جو آج کل لوگوں میں ہوتا ہے، وہ عشق نہیں ہے، جو بھلے آدمیوں میں ہوتا ہے، یہ پیٹ بھرنے کا فساد ہے کہ جب پیٹ بھرائی مل جاتی ہے تو ناپاک حرکتیں خوب سوجھتی ہیں اور جب بھوک کا غلبہ ہو رہا ہو تو عشق وِشق سب بھول جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو نکاح نہ کرسکتا ہو، اس کو چاہئے کہ روزے کثرت سے رکھا کرے کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ (۳) اس کے علاوہ ایک

بڑی مصلحت روحانیت کی قوت ہے۔ روزہ سے روحانیت کو بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر ملت و مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں روزے کا وجود ہے اور مذاہب حقہ میں حضرت آدم علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانے سے روزہ کی مشروعیت رہی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علی نبینا و علیھم الصلوٰۃ والسلام کا معمول روزے میں مختلف رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معمول ہمیشہ بارہ مہینے روزے رکھنے کا تھا' اور حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ دو دن افطار کا تھا۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مختلف معمولات رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا معمول اس میں بھی عجیب نرالا تھا کہ مصالح وقتیہ کے تحت خاص خاص ایام کے روزے معمول اور متعین فرما رکھے تھے اور ان کے علاوہ وقتی مصالح کے تحت بھی بسا اوقات لگاتار روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے، جس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب روزہ بمنزلہ ایک تریاق اور دوا کے ہے تو وقتی مصالح سے اس میں قلت وکثرت جیسا کہ دوا کا اُصول ہے لابدی ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے چند معمولات نمونہ کے طور پر مصنفؒ نے ذکر فرمائے ہیں۔ (خصائل)

(۲۸۴/ا) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُومُ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ صَامَ وَ يُفْطِرُ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے ایوب کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ کبھی حضور اقدس ﷺ متواتر روزے رکھتے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ

اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے، لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سے رمضان المبارک کے علاوہ کسی تمام ماہ کے روزے نہیں رکھے۔ حضور اقدس ﷺ کے اس معمول کے متعلق کسی قدر تفصیل حدیث نمبر۳ کے ذیل میں آئے گی۔

قالت کان یصوم ...... یعنی کبھی تو آپ ﷺ تواتر سے روزے رکھتے اور یہ اس قدر تواتر و تسلسل ہوتا، ہم سمجھتے کہ اس ماہ میں افطاری ہی نہیں فرماویں گے اور کبھی افطار میں اس قدر تسلسل ہوتا' ہمارا خیال بنتا کہ اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے۔

روایات میں تعارض کا جواب :

وما صام ...... یعنی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے' جبکہ اگلی حدیث میں ہے' **کان یصوم شعبان الا قلیلاً** اور ایک روایت میں یہ بھی ہے، **ماصام شهراً کاملاً الّا شعبان** (شعبان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے) بظاہر روایات میں تعارض ہے' شارحینِ حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں وصالِ صیام ہوتا تھا، مگر مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد وصال کو چھوڑ دیا تھا یا کل سے مراد اکثر ہے...... **یجمع بینهما بحمل الکل علی المعظم حتی جاء فی کلام العرب إذا صام اکثر الشهر یقال صام الشهر کله أو أنه صامه کله فی سنة و صام بعضه فی سنة اخری۔** (مواہب ص۲۲۰) (تعارض کے دفعیہ کے لئے یا تو یہ تطبیق کی جائے گی کہ کل کو اکثر پر محمول کرلیں گے اور کلام عرب میں بھی ہے کہ جب ایک شخص مہینہ کے اکثر دنوں کے روزے رکھ لے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے مہینہ کے روزے رکھے ہیں اور یا یہ کہ نبی علیہ السلام نے ایک سال تو پورے شعبان کے روزے رکھے اور دوسرے سال میں شعبان کے بعض روزے)

رمضان کی وجہ تسمیہ :

سمی بذلک لأن وضع اسمه علیه و افق الرمض وهو شدة الحر أو لانه یرمض

الذنوب ای یذھبھا ۔(مواہب ص۲۲۱)(رمضان کا نام رمضان اس لئے ہے کہ اس کے اس کی وضع رمضان کے نام پر رمض کے ساتھ موافق ہوئی اور رمض سخت گرمی کو کہتے ہیں اور یا اس لئے کہ گناہوں کو دور کرتا ہے)

استنباطِ مسائل :

مذکورہ بالا حدیث میں غور کرنے سے چند مسائل معلوم کئے جاسکتے ہیں ۔(۱) مستحب ہے کہ ہر ماہ میں نفلی روزے رکھے جائیں ۔(۲) یہ کہ نفلی روزوں کا تسلسل مہینہ سے کم ہو۔(۳) اور نفلی روزے رمضان (عیدین ایام تشریق) کے علاوہ پورے سال میں رکھے جاسکتے ہیں ۔(۴) و قال شارح من علمائنا فیه دلیل للمذھب الصحیح المختار الذی ذھب الیه البخاری و المحققون انه یجوز ان یقال رمضان من غیر ذکر الشھر بلا کراھیة ۔(جمع ج۲ص۱۱۶)(اور علماء احنافؒ میں سے کسی شارح نے کہا کہ اس میں مذہبِ مختار کی دلیل ہے اور امام بخاریؒ اور دیگر محققین کا بھی یہی مذہب ہے وہ یہ کہ جائز ہے کہ کہا جائے رمضان بغیر ذکر کرنے لفظ شہر کے اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں)

(۲/۲۸۵) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرَ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یَّصُوْمَ مِنْهُ شَیْئًا وَ كُنْتَ لَا تَشَآءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا اَنْ رَاَیْتَهٗ مُصَلِّیًا وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَیْتَهٗ نَآئِمًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن جعفر نے حمید سے روایت بیان کی ۔انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ عادتِ شریفہ اس میں مختلف تھی، کسی ماہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے، جس سے یہ خیال ہو جاتا کہ اس میں افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے

،جس سے ہم یہ سمجھتے کہ اس ماہ میں آپ ﷺ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم حضور اکرم ﷺ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسر ہو جاتا۔

راوی حدیث (۵۶۹) اسماعیل بن جعفرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

عبادات میں افراط وتفریط سے اجتناب :

کان یصوم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ روزے بھی رکھتے تھے اور افطار بھی فرماتے تھے۔ رات کو نماز بھی پڑھتے تھے اور نیند بھی فرماتے تھے۔ گویا روزوں اور نمازوں میں کمالِ اعتدال تھا نہ افراط ہوتا تھا اور نہ تفریط۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں **والحاصل ان صومه و صلاته صلى الله عليه وسلم كانا على نهاية الاعتدال فلا افراط فيهما و لا تفريط**۔ (المواہب ص ۲۲۱)

علامہ مناویؒ مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: **ومن ثم لما بلغه ان بعض صحبه حلف ليقومن الليل ابدا و البعض ليصومن الدهر ابدا قال امّا انا فاصلي و انام و اصوم و افطر فمن رغب عن سنتي فليس مني** ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۱۹) (جب حضور ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ بعض صحابہؓ نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ وہ ضرور بہ ضرور ہمیشہ قیام اللیل کریں گے اور بعض دوسرے صحابہؓ نے یہ حلف کیا ہے کہ ہم ضرور بہ ضرور ہمیشہ روزے رکھیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا رہتا ہوں پس جس شخص نے میری سنت سے روگردانی کی تو وہ مجھ سے نہیں)

دوامِ عمل بھی، اور شفقت علی الامت بھی :

حتّٰی نری ان لا یرید انه یصوم منه شیئًا ' ظاہراً حدیث کی اس عبارت سے دوام معلوم نہیں ہوتا۔ محدثین حضرات اس کی توضیح میں فرماتے ہیں، دوامِ عمل تو تھا یعنی جس قدر روزے ایک مہینے میں آپ ﷺ رکھنا چاہتے تھے، وہ رکھ لیتے تھے۔ البتہ اوقات اور ایام میں تبدیلی کر لیا کرتے تھے' تاکہ کسی وقتِ خاص کے تعیّن سے امت پر وجوب نہ ہو جائے، تو اس طرح گویا دوامِ عمل بھی رہا اور شفقت

امت بھی ملحوظ رہی، جبکہ مکہ المکرمہ میں تسلسل سے روزے رکھتے تھے' حتی کہ چالیس روز بلکہ دو ماہ تک بھی صومِ وصال ہوا کرتا تھا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی'' فرماتے ہیں وكذالك تهجده صلى الله عليه وسلم اى كان ينام ماشاء الله أن ينام و يصلى ماشاء الله ان يصلى (اتحافات ص ۳۳۴) (اور اسی طرح آپ ﷺ کی تہجد کی نماز کا وطیرہ تھا کہ جتنا اللہ تعالیٰ چاہے آپ ﷺ اتنا ہی سویا کرتے اور نماز بھی کہ جتنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی اتنی ہی پڑھتے)

عبادات میں اعتدال کا اہتمام :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ نہ تمام رات سونے کی تھی نہ تمام رات جاگنے کی تھی، بلکہ درمیانی رفتار میں حقوقِ نفس کی رعایت فرماتے ہوئے عبادات کا اہتمام بھی پورا پورا فرماتے تھے۔ اس لئے شب کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی ممکن تھا کہ کچھ حصہ آرام بھی فرماتے تھے اور نماز کی حالت میں دیکھنا بھی کہ کچھ حصہ نماز میں گزرتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا ہے وہ یہ کہ عادتِ شریفہ اس باب میں مختلف تھی کہ کبھی اوّلِ شب میں نوافل پڑھتے، کبھی وسطِ رات میں' کبھی اخیر میں۔ اس لئے اگر رات کے کسی حصۂ خاص میں کوئی سوتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے، یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اوّل رات میں حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن یہ بھی مل جاتا اور اس وقت سوتا ہوا دیکھنا چاہے تو یہ بھی مل جاتا۔ اس لئے کہ رات کا ہر حصہ کسی نہ کسی دن حضور ﷺ نماز میں گزارتے تھے اور اس کی دو مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

اول تو یہ کہ عبادت جو اصل مقصد اور آدمی کے وجود کی غرض ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے، رات کے ہر حصہ کو کبھی نہ کبھی اس کی برکات میسر ہو جائیں اور قیامت میں رات کا ہر حصہ اپنے اندر عبادت کا وجود رکھے۔ دوسرے یہ کہ عبادت جب ایک ہی وقت میں ہوتی رہے تو بمنزلہ عادت کے بن جاتی ہے، پھر مشقت کا لطف نہیں رہتا اور جب رات کے مختلف حصوں میں عبادت کی جائیگی تو عادت نہ بنے گی۔

تعارض اور تطبیق :

حدیث بالا کا بظاہر ان احادیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں کہ...... کان اذا صلی صلاۃً داوم علیھا و فی الروایة الاخری کان عمله دیمة (کہ آپ ﷺ جب کبھی کوئی (نفل نماز) پڑھتے تو پھر اس پر دوام کیا کرتے اور دوسری روایت میں بھی ہے کہ آپ ﷺ کا عمل دائمی ہوتا تھا) سے تعارض ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں، لان المراد ما اتخذه واجباً لا مطلق النافلة ...... قلت الاظھر ان یقال اعمال العمل المسمٰی بالتھجد مثلا تارة فی اول اللیل و اخری فی آخره...... لاینا فی مداومة العمل کما ان صلوة الفرض تارة تصلی فی اوّل الوقت و تارة فی آخره۔ (جمع ج۲ ص۱۱۸) (کہ اس سے مطلق نماز نفل نہیں بلکہ جس کو آپ ﷺ واجب بنالیا کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ زیادہ واضح یہ بات ہے کہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کی تہجد کی نماز کبھی شروع رات میں ہوا کرتی اور پھر کبھی رات کے آخری حصہ میں اور یہ عمل دوام کے منافی نہیں جیسے کہ فرض نماز کبھی آپ ﷺ شروع وقت میں پڑھ لیتے اور کبھی وقت کے آخر میں)

(۲۸۶/۳) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ مَا یُرِیْدُ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ مَایُرِیْدُ اَنْ یَّصُوْمَ مِنْهُ وَ مَا صَامَ شَهْرًا کَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبۃ نے ابی بشر کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت سعید بن جبیر سے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے سُنی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرم ﷺ کی یہ عادتِ شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے، جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی افطار

فرماتے تھے، جس سے ہمیں خیال ہوتا کہ اس میں روزہ نہیں رکھیں گے' لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔

روزوں میں تسلسل کی وجہ :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔ اس معمول کی دو وجہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کے لئے بطورِ دوا کے بھی استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے، جو اطباء کے یہاں ایک معروف چیز ہے اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہوسکتا ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے۔ اُمت کے لئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں، وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے، وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج عملدر آمد کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے، مثلاً پیر جمعرات کا روزہ رکھنا، ہر مہینے میں تین روزے رکھنا، ایامِ بیض' عشرۂ محرم' عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ کے عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے۔ اس لئے عوارض دور ہوجانے کے بعد بطورِ قضا اور تلافی کے جتنے روزے معمول میں سے ترک ہوجاتے تھے، ان کو پورا فرما لیا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کی ایک خصوصی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے، تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے، اس لئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے، تو ان کو رکھتے۔ اس لئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔ اللّٰھم وفّقنا اتباعه ۔(خصائل)

(۴/۲۸۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَ رَمَضَانَ .

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَ هٰكَذَا قَالَ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ جَمِيْعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے سفیان سے سُن کر بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت منصور (الثقفی) سے سُنی، جنہوں نے اسے سالم بن ابی جعد سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابوسلمۃ سے ام سلمۃ کے حوالہ سے سُنی۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو رمضان وشعبان کے سوا دو ماہ کامل روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

راویان حدیث (۵۷۰) منصورؒ اور (۵۷۱) سالم بن ابی الجعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعبان ورمضان کے روزے مختلف روایات میں تطبیق :

یہ حدیث بظاہر گزشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے' کیونکہ اب تک سب روایتیں اس پر متفق تھیں کہ حضور اکرم ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے، لیکن اس حدیث میں اس کے ساتھ شعبان کو بھی ملا دیا' ان دونوں کی تطبیق علماء نے مختلف طریقوں سے فرمائی ہے۔ اول یہ کہ اس حدیث میں تمام شعبان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ اکثر حصہ شعبان کے روزے رکھنے کی تھی۔ چنانچہ آئندہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کسی وقت میں اتفاقاً حضور اکرم ﷺ نے تمام ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں، جس کی حضرت ام سلمہؓ کو اطلاع ہوئی اوروں کو نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ حضرات کی روایت میں عادت کی نفی ہے کہ حضور اکرمؐ کی

عادت شریفہ رمضان کے علاوہ اور کسی ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی نہیں تھی۔ اتفاقاً کسی ماہ کے پورے روزے رکھ لینا اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی سال عارض کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے شعبان کے بھی پورے روزے رکھ لیے ہوں تو چونکہ وہ معمول نہ تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ وغیرہ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور چونکہ پورے مہینے رکھے تھے۔ اس لئے حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کو ذکر کر دیا۔ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور اکرم ﷺ ابتداء میں شعبان کے تمام مہینے کے روزے رکھتے ہوں اور اخیر میں ضعف کی وجہ سے کم کر دیے ہوں۔ اس لئے جس نے آخری فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ وہ آخری فعل تھا، اس نے اکثر ذکر کر دیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ عارض کی وجہ سے تھا، اصل معمول تمام مہینہ کا تھا اس نے تمام مہینہ ذکر کر دیا۔ بعض نے اس کا عکس بتایا ہے، جیسا کہ روایت کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اکثر مہینے کے روزے رکھتے تھے، بعد میں تمام مہینے کے رکھنے لگے۔ (خصائل)

(۲۸۸/۵) حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا اَبُوسَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهٖ فِيْ شَعْبَانَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا بَلْ كَانَ يَصُوْمُ كُلَّهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ھناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے محمد بن عمرو سے سُن کر بیان کیا۔ انہوں ابوسلمہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے اکثر حصہ میں آپ ﷺ روزے رکھتے تھے، بلکہ (قریب قریب تمام مہینے کے روزے رکھتے تھے)۔

راویان حدیث (۵۷۲) عبدۃؒ اور (۵۷۳) محمد بن عمرو بن العطاءؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعبان کے روزوں کی فضیلت واہمیت :

یہ ترقی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمام ماہ شعبان کے روزوں کا ذکر صاف بتلا رہا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ سے خود حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس مہینہ میں وہ دن بھی ہے، جس میں سال کے اعمال حق تعالیٰ جل شانہٗ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہ احادیث وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک وجہ کا ہونا' دوسرے وقت دوسری وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے اور متعدد وجوہ کا جمع ہو جانا بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول تین دن ہر ماہ میں روزے رکھنے کا تھا۔ وہ بسا اوقات عوارض کی وجہ سے رہ جاتے تھے اور سب کا مجموعہ شعبان میں حضور اکرم ﷺ رکھا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ دوسری روایات میں پیر جمعرات کا روزہ بھی حضور اکرم ﷺ کا معمول نقل کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اگر دو تین مہینے بھی تمام سال میں کسی عذر سے چھوٹ گئے تو ایک مہینہ کے روزے بن جانا کیا مشکل ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کا روزہ افضل ہے، یعنی جیسا فرض نمازوں سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی رمضان سے قبل نفل روزے ہیں، اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے ضعف کے خیال سے رمضان شریف کے قبل روزے کو منع بھی فرمایا ہے' مگر حضور اکرم ﷺ پر ضعفِ روزہ کا کچھ ایسا اثر نہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے لگاتار روزے بھی رکھ لیتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے کسی نے شعبان میں روزوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں ہر اُس شخص کا نام مرنے والوں میں لکھا جاتا ہے جو اس تمام سال میں مرنے والے ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت ایسی حالت میں لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر مہینہ میں نفل روزے رکھنے کا مخصوص معمول تھا اور رمضان المبارک میں نفل روزے رکھنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے ماہِ رمضان کے حصے کے روزے بھی پیشگی شعبان ہی میں رکھ لیتے تھے اور اسی بناء پر شعبان رمضان دو مہینوں کے روزے مل کر اکثر حصہ مہینہ کا

ہو جاتا تھا۔ (خصائل)

(۲۸۹/۶) حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِیْنَارِ الْکُوْفِیُّ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ مُوْسٰی وَ طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَیْبَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّۃِ کُلِّ شَھْرٍ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَ قَلَّ مَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن دینار کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن موسیٰ اور طلق بن غنام (الکوفی مات ۲۱۱ھ) نے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت شیبان سے اور انہوں نے عاصم سے سُنی۔ اُنہوں نے یہ روایت زر سے نقل کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کے شروع میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۵۷۴) طلق بن غنامؒ اور (۵۷۵) زر بن جیشؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر ماہ میں تین روزوں کا اہتمام :

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصوم ... حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کی ابتداء میں تین روزے رکھتے تھے۔ الغرۃ اول الشھر (غرۃ کا معنیٰ مہینہ کا شروع) ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، گویا سال بھر روزے رکھنے کے برابر ثواب ہے کیوں کہ ہر روزہ' دس روزوں کے ثواب کی ضمانت ہے۔ ومن ثم ورد فی الخبر صوم ثلثۃ ایام من کل شھر صوم الدھر۔ (مناوی ج ص ۱۲۲) (اس لئے تو حدیث میں آیا ہے کہ ہر مہینہ سے تین دن روزہ رکھنا پورے زمانہ کے روزے رکھنا ہے (یعنی جو شخص یہ عمل کرے گا وہ صائم الدھر ہوگا) و یظھر أن ثلاثۃ ایام کانت فی اول الشھر ' و سبب الثلاثۃ أن الحسنۃ بعشر امثالھا فیکون کصیام الدھر۔ (اتحافات ص ۳۴۵) (اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تین دن شروع مہینہ میں ہوا کرتے تھے اور مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے

کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے تو گویا یہ پوری زندگی روزے رکھنے والا ہوا) البتہ ہر مہینہ میں تین دن کی تعیین میں روایات مختلف ہیں، کبھی شروع میں تین دن، کبھی ہر پیر اور جمعرات، کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ، کبھی آخری تین دن کی روایات منقول ہیں۔ احادیث میں تعارض نہیں، معمول میں ایام کی تعیین نہیں تھی

جمعہ کے دن کا روزہ :

و قلّ ما كان يفطر يوم الجمعة اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے، وهو دليل لابي حنيفة و مالك حيث ذهبا الى ان صوم يوم الجمعةوحده حسن۔ (جمع ج۲ ص۱۲۳) (اور آپ ﷺ کا یہ معمول امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مذہب کی دلیل ہے کیونکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صرف تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے)

حدیث باب سے جمعہ کے روز، صیام کا اہتمام معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیگر روایات میں جمعہ کی تخصیص کی ممانعت آئی ہے۔ لہٰذا بعض علماء سے اس کے استحباب کا قول منقول ہے۔ بعض علماء ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی تخصیص کو مکروہ بتاتے ہیں۔ اس کے متعلق مفصل بحث کے لئے علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد ج۱ ص۱۴۲ میں مستقل عنوان فصل فى افراد صوم يوم الجمعة قائم فرمایا ہے۔

(۲۹۰/۷) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّهِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ كَانَ لَايُبَالِىْ مِنْ اَيِّهِ صَامَ ...... قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ يَزِيْدُ الرِّشْكُ هُوَ يَزِيْدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ شُعْبَةُ وَ عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ وَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ وَهُوَ يَزِيْدُ الْقَاسِمُ وَ يُقَالُ الْقَسَّامُ وَالرِّشْكُ بِلُغَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ هُوَ الْقَسَّامُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے یزید رشک کے واسطہ سے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ

معاذۃ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں رکھتے تھے۔ میں نے مکرر پوچھا کہ مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کا اہتمام نہیں تھا، جن ایام میں موقعہ ہوتا رکھ لیتے۔

من ایہ صام ' آپ ﷺ کا ایک زمانہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ مہینہ میں صوم کے لئے تعین ایام کا اہتمام نہیں تھا، کبھی اوّل میں، کبھی وسط میں اور کبھی آخر میں، ای کان یستوی عندہ الصوم من اولہ و من اوسطہ و من آخرہ ۔(مواہب ص۲۲۴) (یعنی آپ ﷺ کے خیال میں مہینہ کے شروع درمیان اور آخر کے تین دن روزہ رکھنے میں برابر تھے)

(۲۹۱/۸) حَدَّثَنَا اَبُوْحَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوٗدَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحفص عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن داؤد نے ثور بن یزید سے روایت کر کے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت خالد بن معدان سے اور انہوں نے ربیعۃ جرشی سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر جمعرات کے روزہ کا (اکثر) اہتمام فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۵۷۶) عبداللہ بن داؤدؒ اور (۵۷۷) ربیعۃ الجرشیؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیر اور جمعرات کا روزہ :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری ...... یتحری، تحری سے ہے بمعنیٰ قصد کرنا اور ترجیح دینا من التحری وھو طلب الحری او الاحریٰ بحسب الظن الغالب و منہ قولہ تعالیٰ فاولئک تحروا رشدا ای کان یقصد ۔(جمع ج۲ ص۱۲۵) (یتحریٰ یہ تحری سے ہے اور اس کا معنیٰ

یہ کہ غالب ظن سے زیادہ مناسب یا زیادہ لائق تلاش کرنا اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ فاولئک تحروا رشدا ''سو انہوں نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا'' تو یتحریٰ بمعنیٰ یقصد کے ہوا) آپ پیر او رجمعرات کو روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ صوم الاثنین قد ثبت عند مسلم عن ابی قتادة قال سئل عن صوم الاثنین فقال فیه ولدت و انزل علیّ فاحب (الحدیث)۔ (حاشیۂ شمائل ترمذی) (حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے سوموار یعنی پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن (پہلی) وحی نازل ہوئی تو میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں روزہ سے ہوں)

اسی باب میں دسویں نمبر پر حدیث نقل کی گئی ہے کہ یہ دونوں دن اعمال کی پیشی کے ہیں، قال تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی و انا صائم ۔(آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہِ اقدس میں پیر اور خمیس کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال آپ کے سامنے پیش ہوں اور میں روزہ سے ہوں)۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ' وحکمة العرض ' کما ذکر العلماء ' ان اللہ تعالیٰ یباهی ملائکته بالطائعین الصالحین من بنی آدم ' واللہ سبحانهٗ و تعالیٰ غنی عن العرض ' و علیم بدقائق عباده ۔(اتحافات ص ۳۳۶) (اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کے پیش ہونے کی علت وحکمت جیسے کہ علماء کرامؒ نے ذکر کی ہے یہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں پر انسانوں میں سے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے اعمال کے ذریعہ فخر و مباہات فرماتے ہیں ۔ حالانکہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال دقیقہ سے باخبر ہیں اس کے سامنے پیش ہونے کی ضرورت نہیں)

(۲۹۲/۹) حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبِ الْمَدِیْنِیُّ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ فِیْ شَهْرٍ اَکْثَرَ مِنْ صِیَامِهٖ فِیْ شَعْبَانَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابومصعب مدینی نے یہ روایت بیان کی۔ اُنہوں نے یہ روایت مالک بن انس سے ابی نضر کے حوالہ سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن سے نقل کی اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضوراقدس ﷺ شعبان سے کسی ماہ میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔

شعبان میں نفلی روزوں کا اہتمام :

قالت ما کان ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں اور تشریح اس سے قبل حدیث نمبر ۵/ ۲۸۸ میں ہو چکی ہے، یعنی نفلی عبادات میں آپ ﷺ کا کوئی مستقل معمول نہیں تھا۔ ہر مہینے میں چند ایام روزہ رکھ لیتے تھے۔ البتہ ماہِ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ شعبان میں نفلی روزوں کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

(۲۹۳/۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِىْ وَ اَنَا صَائِمٌ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یحیٰی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوعاصم نے محمد بن رفاعہ سے روایت کر کے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سہیل بن ابی صالح سے ان کے باپ کے حوالہ سے بیان کی، اور انہوں نے اسے صحابی رسولؐ ابوہریرہؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عالی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔

عرضِ اعمال کی تین مختلف صورتیں :

قال تعرض الاعمال ...... حدیث باب میں عرضِ اعمال کا ذکر ہے، جو پیر اور جمعرات

کے دن پیش کئے جاتے ہیں' جبکہ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے پیش کیئے جاتے ہیں' یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار و عمل النہار قبل عمل اللیل ۔ (مسلم) جبکہ بعض احادیث میں ہے کہ ایک پیشی اعمال شعبان اور شب قدر میں بھی ہوتی ہے۔ بظاہر تینوں روایات میں اختلاف ہے۔

شارحینِ حدیث نے جمع روایات کی سہل صورت یہ لکھی ہے کہ شب وروز کے اعمال تفصیلی طور پر روزانہ دومرتبہ پیش ہوتے ہیں، پھر معمولی تفصیل سے ہفتہ میں دوبار پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور تمام سال کی مجموعی سالانہ روئیداد یا رپورٹ اجمالی طور پر شعبان اور شب قدر میں پیش ہوتی ہے اور بار بار پیشی میں جملہ دیگر مصالح کے ایک مصلحت فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کا اظہارِ شرف ہے، جنہوں نے پیدائش آدم پر اعتراض کیا تھا، تو باری تعالیٰ بہت سے نیک اعمال پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۲۹۴/۱۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْاَحْمَدَ وَ مُعَاوِیَةُ بْنُ ھِشَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ خَیْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّھْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَیْنِ وَمِنَ الشَّھْرِ الْاٰخَرِ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِیْسَ۔

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابواحمد اور معاویہ بن ہشام نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے بحوالہ منصور یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت خیثمہ سے روایت کی، اور انہوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کبھی) ہر مہینہ کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار پیر کو روزہ رکھ لیتے تھے اور دوسرے ماہ میں منگل بدھ جمعرات کو

نوافل میں عدم موالاۃ کا معمول :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اس حدیث کا مضمون یہی ہے کہ آپ ﷺ نے

کسی مہینہ میں نفلی روزوں کے لئے دنوں کا تقرر نہیں فرمایا تھا تا کہ آپ ﷺ کی اُمت کو کوئی مشکل اور صعوبت پیدا نہ ہو۔ لم يوال الرسول صلى الله عليه وسلم فى الصيام بين أيام الأسبوع تخفيفاً على الأمة و رحمة بها و لأن الموالاة لم تفرض الا فى شهر رمضان ۔ (اتحافات ص ۳۳۶)

(حضور ﷺ نے امت پر ترحم اور تخفیف و آسانی کرنے کی غرض سے پورے ہفتے کے مسلسل نفلی روزے کبھی نہیں رکھے اور اس لئے بھی کہ روزوں کا تسلسل اور تواتر ماہ رمضان کے علاوہ فرض نہیں کیا گیا ہے)

علامہ ملا علی قاریؒ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل کی ایک اور توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ اراد صلى الله عليه و سلم ان يبين سنية صوم جميع ايام الاسبوع فصام من شهر السبت و الاحد والاثنين و من شهر الثلاثاء والاربعاء والخميس وانما لم يصم جميع هذه الستة متوالية لئلا يشق على الامة الاقتداء به (ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی غرض اور مقصد ہفتے کے تمام دنوں میں نفلی روزے کی سنّیت بیان کرنا ہو اس لئے تو کبھی ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھ لیتے اور آپ ﷺ نے مسلسل ان چھ دنوں کے روزے اس لئے نہیں رکھے تا کہ امت پر آپ ﷺ کی اقتداء و تابعداری کرنا مشکل نہ ہو جائے)

باقی آپ ؐ کا معمول صوم یوم الجمعہ کا تو اس کا تذکرہ ابن مسعود کی ایک روایت ہے کہ كان قلما يفطر يوم الجمعة منفردا او منضما الى ما قبله او بعده (جمع ج ۲ ص ۱۲۵)

(آپ ؐ بہت قلیل تنہا صرف جمعہ کا روزہ یا آگے پیچھے ملائے ہوئے (رکھنے کی عادت کو) چھوڑا کرتے)

(۲۹۵/۱۲) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمًا يَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ

رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيْضَةُ وَ تُرِكَ عَاشُوْرَاءُ فَمَنْ شَآءَ صَامَهُ وَ مَنْ شَآءَ تَرَكَهُ ـ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدۃ بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اورانہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشورا کا روزہ زمانۂ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی (ہجرت سے قبل تطوعاً) رکھ لیا کرتے تھے (لیکن ہجرت کے بعد) جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو خود بھی (اہتمام سے) رکھا اور اُمت کو بھی (وجوباً) حکم فرمایا، مگر جب رمضان المبارک کے روزہ کا حکم نازل ہوا تو وہی فرضی روزہ بن گیا اور عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ (اب استحباب باقی ہے) جس کا دل چاہے رکھے جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

صوم عاشورہ کی فضیلت :

قالت كان عاشورآء يوماً تصومه ...... عاشورے کے روزے کی فضیلت میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عاشورہ کے روزہ سے ایک سال کے۔ بعض شروح میں لکھا ہے کہ عاشورہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارہ پر آئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا۔ اُسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اُسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اس دن ان کی اُمت کا قصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے نکالے گئے۔ اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی کرامات اس دن کی شروح حدیث اور کتب سیر میں لکھی ہیں۔ محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی ہے، مگر بہت سے کرامات صحیح طور سے بھی

ثابت ہیں، کہتے ہیں کہ وحشی جانور بھی اُس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر کس قدر متبرک دن ہے، جس کو ہم لوگ لہو ولعب میں ضائع کر دیتے ہیں۔ غالباً انہیں میں سے کسی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں اس دن کی فضیلت مشہور تھی، جس کی وجہ سے قریش اسلام سے قبل اس کا روزہ رکھتے تھے، جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہل کتاب ہیں، وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلاصی عطا کی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اُمت کو بھی اس روزہ کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک رمضان سے پہلے یہ روزہ فرض تھا، جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ استحباب اور ایک سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت اب بھی باقی ہے۔

مسئلہ: عاشورے کا روزہ اصل دسویں تاریخ کا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ ابتداء اسلام میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہرحال آسمانی ہے اور مشرکین کے مذہب سے اولیٰ ہے، مگر اخیر زمانے میں اہل کتاب کی مخالفت کا قولاً اور فعلاً اہتمام ہوگیا تھا، جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا۔ اسی سلسلہ میں کسی صحابیؓ نے ادھر توجہ دلائی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اگر زندہ رہا تو آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہود کی مخالفت کرو اور نویں یا گیارہ کا روزہ رکھا کرو یعنی دسویں کے ساتھ ایک اور ملا لیا کرو کہ اس سے تشبہ جاتا رہتا ہے۔ اس لئے تنہا عاشورے کا روزہ نہیں رکھنا چاہئے، بہتر تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ ملا لے تا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، اگر نویں کا نہ ملا سکے تو پھر گیارھویں کا ملا لے۔ (خصائل) **ولذا قال بعض المحققین صیام یوم عاشوراء ثلاثة مراتب ادناها ان یصام وحده و فوقه ان یصام التاسع معه و فوقه ان یصام التاسع والحادی عشر معه** ۔(جمع ج۲ ص۱۲۸) (اس لئے تو بعض

محققین کہتے ہیں کہ عاشورہ کے دن کے روزوں کے تین درجات ہیں ان میں ادنیٰ یہ ہے کہ صرف تنہا عاشورہ ہی کے دن روزہ رکھے اس سے اوپر کا درجہ یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کے ساتھ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھے اور سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کے ساتھ نویں اور گیارہ تاریخ کا روزہ بھی رکھے)

(۲۹۶/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ كَانَ عَمَلُهُ دِيْمَةً وَ اَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْقُ

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے منصور کے ذریعہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے روایت کی، جنہوں نے اسے علقمۃ سے نقل کیا۔ علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کوئی ایام کو عبادت کے لئے مخصوص فرمایا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ (نہیں) حضور اکرم ﷺ کے اعمال دائمی ہوتے تھے، تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے، جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے۔

کان عمله دیمة ...... ای دائماً متصلاً (مناوی ج۲ص۱۳۲) (یعنی دائمی اور متصل) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ' فان الدیمة فی الاصل المطر الذی لا رعد فیه و لا برق و فیه سکون و اقله ثلث اللیل او ثلث النهار و اکثره مابلغ من عدة۔ (جمع ج۲ص۱۳۲)

یعنی دیمہ دراصل اس بارش کو کہتے ہیں، جس میں نہ گرج ہوتی ہے، نہ چمک بلکہ موسلا دھار بارش ہوتی رہتی ہے۔ تہائی رات یا تہائی دن کم از کم اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، برستی رہتی ہے۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا خطاب حضرات صحابہ کرامؓ کو ہے باوجودیکہ ان کی علوِ ہمت اور قلبی جِلا حضور پاک ﷺ کی صحبت مبارک سے نورٌ علیٰ نور تھی، مگر حضورِ اقدس کے برابر کی طاقت وہ کب رکھتے تھے 'والحق انه لیس یطیق ما کان یطیق النبی صلی الله علیه وسلم فی الخشوع والأعمال. (اتحافات ص۳۳۹)

(اور حق بات یہی ہے کہ آپ ﷺ جتنے اعمال کی اور جس خشوع وخضوع سے انہیں ادا کرنے کی طاقت رکھتے تھے اتنی طاقت صحابہؓ میں کوئی بھی نہیں رکھتا تھا)

(۱۴/۲۹۷) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدِيْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ قُلْتُ فُلَانَةٌ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَ كَانَ اَحَبُّ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے خبر دی۔ جنہوں نے اسے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے، میں نے عرض کیا کہ فلانی عورت ہیں، جو رات بھر نہیں سوتیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنے چاہیں، جن کا تحمل ہو سکے، حق تعالیٰ شانہٗ ثواب دینے سے نہیں گھبراتے، یہاں تک کہ تم کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو وہی عمل زیادہ پسند تھا، جس پر آدمی نباہ کر سکے۔

و عندی امرأة ...... كانت المرأة من بنی اسد، واسمها الحولاء بنت تويت بضم التاء الاولٰی ابن حبيب بن عبد العزیٰ، من رهط خديجة أمّ المؤمنين ۔(اتحافات ص ۳۳۹) (یہ عورت بنی اسد قبیلہ کی تھی اس کا نام حولاء بنت تُویت (پہلی تاء کے ضمہ کے ساتھ) ابن حبیب بن عبد العزیٰ تھا ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی قوم سے تھی)

لاتنام الليل ...... ای لذکرها و تهجدها (ذکر کرنے اور تہجد پڑھنے کی وجہ سے ساری رات نہیں سویا کرتی) علامہ الدومیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں منہ سامنے مدح کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، وفيه جواز المدح فی الوجه اذا امنت الفتنة (اتحافات ص ۳۳۹) **فو اللّٰه!**

والقسم من رسول الله صلی الله علیه وسلم للتاکید ۔(اتحافات ص ۳۳۹)(حضور ﷺ کا قسم اٹھانا تاکید ہی کے لئے ہے)

طاقت کے مطابق عمل :

علیکم من الاعمال ما تطیقون ...... حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''جتنی طاقت رکھتے ہو اُتنے اعمال کرو'' یعنی خواہ روزہ ہو یا نماز یا قرآن مجید کی تلاوت یا ذکرالٰہی وغیرہ وغیرہ اپنی بساط کے مطابق نفلی عبادت کرو' اپنی طاقت اور بساط سے زیادہ نہ کرو' تاکہ تکلیف مالا یطاق کا باعث نہ بنے اور تم خود بھی دل برداشتہ نہ ہو جاؤ۔ ارشاد ہے ''وہ نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم خود تھک جاؤ گے'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ ثواب عطا فرمانے میں ہرگز نہیں تھکتا، مگر تم اپنی طاقت سے زیادہ عبادت کرو گے تو تھک جاؤ گے اور جب تمہاری عبادت میں اس تھکاوٹ کے باعث بے اطمینانی اور دل برداشتگی پیدا ہوگی تو خلوص عاجزی اور جو خشوع وخضوع ہونا چاہیے، وہ جاتا رہا تو پھر قبولیت نہیں ہوگی۔ ام المؤمنین کا ارشاد ہے کہ ''حضور رسول کریم ﷺ کے نزدیک یہ بات بہت پسندیدہ تھی کہ اس پر عمل کرنے والا مداومت کرے'' یعنی ایسی عبادت کرے جو ہمیشہ کرے، اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ عبادت جو زیادہ کی جائے اور منقطع ہو، اس سے ہمیشگی کی عبادت اگرچہ تھوڑی ہو بہتر ہے۔

ادائیگی حقوق کا اہتمام :

یہ صحابیہ حضرت حولاء رضی اللہ عنہ تھیں۔ صحابۂ کرامؓ میں عبادت کا ولولہ اور جوش تھا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے قصے اس قسم کے مذکور ہیں کہ ان حضرات کا شوق ان کو حد سے زیادہ مجاہدہ پر مجبور کرتا تھا' مگر حضور اکرم ﷺ اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ایک مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ طے کرلیا کہ عبادت میں بہت ہی کوشش کروں گا، دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور رات کو روزانہ ایک کلام مجید ختم کیا کروں گا۔ میرے والد نے ایک شریف عورت سے میرا نکاح کردیا۔ ایک مرتبہ والد نے بیوی سے میرا حال دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا بہت نیک آدمی ہیں، رات بھر بستر پر نہیں آتے، نہ کسی سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں۔ میرے والد مجھ پر

بہت خفا ہوئے کہ میں نے کیسی شریف عورت سے تیرا نکاح کیا تھا، تو نے اس کو معلق چھوڑ کر رکھا ہے۔ مجھ پر غلبۂ شوق میں کچھ اثر نہ ہوا۔ والد نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صحیح ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسا نہ کیا کرو، کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی افطار۔ اسی طرح رات کو نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے کہ رات بھر جاگنے سے ضعیف ہو جاتی ہیں۔ تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اولاد کا بھی حق ہے، ملنے والوں کا بھی حق ہے۔ (خصائل)

(۲۹۸/۱۵) حَدَّثَنَا اَبُوْهِشَامٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ وَ اُمَّ سَلَمَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبُّ اِلَيْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتَا مَادِيْمَ عَلَيْهِ وَ اِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو ہشام محمد بن یزید رفاعی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابن فضیل نے اعمش کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت ابو صالح سے نقل کی۔ ابو صالح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرتِ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسند تھا۔ دونوں نے جواب دیا کہ جس عمل پر مداومت کی جائے، خواہ کتنا ہی کم ہو۔

عمل قلیل ہو مگر مداومت ہو:

قال سألت عائشة و امّ سلمة ...... مضمونِ حدیث واضح ہے یعنی نفلی عبادات' ذکر واشغال' نفلی روزے اور تلاوت وغیرہ کے معمولات اپنی طاقت' صحت اور بساط کے مطابق ادا کرے' ایسا نہ ہو کہ نوافل کی زیادہ وکثرت کی وجہ سے طاقت اور صحت جاتی رہے اور فرائض کی ادائیگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا شفیقِ اُمت نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ تھوڑی عبادت کرو، مگر باقاعدہ اور ہمیشہ کرو الحدیث واضح

والعمل القليل مع الدوام خير من الكثير مع الانقطاع ۔(اتحافات ص۳۴۰)(اور حدیث کا مطلب واضح ہے کہ تھوڑا عمل دائمی طور پر یہ بہتر ہے اس بہت سے عمل سے جس میں انقطاع (ناغہ) ہو)؛ ذ بدوام العمل تدوم الطاعة والذكر والمراقبة ولا كذلك مع انقطاعه ۔(مواہب ص۲۲۷)(اس لئے کہ دائمی عمل سے ذکر و مراقبہ اور طاعت میں دوام کی عادت پڑ جاتی ہے اور اس جیسا (اثر) نہیں ہوتا عمل وعبادت کے رہ جانے سے)وهذه ثمرات تزيد على الكثير المنقطع اضعافاً كثيرة ۔(جمع ج۲ ص ۱۳۵)((دائمی اور باقاعدگی سے تھوڑے عمل کرنے کے) اتنے زیادہ فوائد ونتائج ہوتے ہیں کہ وہ اس عمل کثیر جس میں انقطاع ہوتا ہو کئی گنا بڑھ جاتے ہیں)

(۲۹۹/۱۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَاصِمَ بْنَ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُورَةً سُورَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے عمرو بن قیس کے حوالہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن حمید (السکونی الحمصی) سے سُنا۔ عاصم کہتے ہیں کہ میں عوف بن مالک سے سنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مسواک فرمائی، پھر وضو فرمایا، پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ میں نے بھی حضور اکرم ﷺ کا اقتداء کیا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور اکرم ﷺ

نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی اور جس آیتِ رحمت پر گزرتے، وہاں وقفہ فرما کر حق تعالیٰ شانہٗ سے رحمت کا سوال فرماتے اور ایسے جس آیت عذاب پر گذرتے، وہاں وقفہ فرما کر اس عذاب سے پناہ مانگتے، پھر حضور اکرم ﷺ نے تقریباً اتنی دیر رکوع فرمایا، رکوع میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمة، یہ دعا پڑھتے رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکومت اور سلطنت والی نہایت بزرگی اور عظمت و بڑائی والی ہے۔ پھر رکوع ہی کی مقدار کے موافق سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی دعاء پڑھی، (پھر دوسری رکعت میں) سورۂ آل عمران (اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔

راویان حدیث (۵۷۸) عبداللہ صالحؒ (۵۷۹) عمرو بن قیسؒ اور (۵۸۰) عوف بن مالک الاشجعیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ﷺ صائم الدھر اور قائم اللّیل تھے :

حدیث ۱۴ تا ۱۶ کا بظاہر باب ھذا سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ بعض نے اسے سہوِ کاتب قرار دیا ہے ''ان احادیث کو'' باب ما جاء فی عبادة رسول صلی اللہ علیه وسلم (حضور ﷺ کی عبادت کرنے کے باب) میں ہونا چاہئے تھا۔ بعض حضرات یہ توجیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا مقصود یہ ہو کہ آپ ﷺ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو بھی اس طرح کی عبادت کرتے تھے' گویا آپؐ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ (پوری عمر روزے رکھنے والے اور ساری راتوں میں تہجد کرنے والے)

جب غلبہ شوق ہو :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''عموماً'' جو لوگ روزہ کے شوقین ہوتے ہیں' اکثر دیکھا گیا کہ وہ ایسی افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے' اس لئے اوّل امام ترمذیؒ نے اعتدال اور میانہ روی کی حدیثیں نقل کیں اور اخیر روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبۂ شوق میں کسی وقت کچھ معمول سے زیادتی ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ البتہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ عبادت سے ملال اور نفور پیدا ہو جائے۔

==========================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ قِرآ ءَ ةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بیان میں

اس باب میں مصنف نے آٹھ (۸) احادیث درج کی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کی تلاوت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ انتہائی وقار اور متانت سے اور ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے۔ حروف واضح ہوتے، سننے والے کو کوئی شبہ نہ ہوتا بعض نسخوں میں "فی صفة قراء ة رسول الله صلی الله علیه وسلم" (یعنی لفظِ قرأت سے پہلے صفة کا لفظ ہے یعنی حضور ﷺ کے پڑھنے کی صفت اور نوعیت کے بیان میں) نقل ہوا ہے۔ والمراد بها الترتيل والمد والوقف والاسرار والاعلان الترجيع و غيرها (مواہب ص ۲۲۸) (اور صفت قرأت سے مراد ترتیل، مدّ، وقف، خفیہ، جہر اور ترجیع (کلمات و آیات کو دوبارہ پڑھنا) وغیرہ مراد ہے)

(۱/۳۰۰) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ بْنُ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ عَنْ یَعْلَی بْنِ مَمْلَکٍ اَنَّهُ سَأَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَ ةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو لیث بن شہاب نے ابن ابی ملیکہ سے سن کر بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت یعلٰی بن مملک سے نقل کیا۔ یعلٰی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امّ سلمة رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی، انہوں نے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ صاف صاف کیفیت بتائی۔

راوی حدیث (۵۸۱) یعلٰی بن مملکؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قراءت رسول ﷺ کی توصیف :

فإذا هي تنعت ...... فا ' عطف کیلئے ہےاور اذا ' مفاجاۃ کے لئے ، مفیدۃ باجابتها لذالک علی الفور مبیّنة بانها فی کمال ضبطها ۔(جمع ج۲ص۱۳۷) (حضرت ام سلمہؓ فوری طور مفید جواب دیتی ہوئی بیان کرتی ہےاور اس کو پورے ضبط و وضاحت کے ساتھ مفصل اور واضح طور پر خاص کیفیت سے بیان کر دیا۔ مفسرة یہ فسر سے مشتق ہےاس کا معنیٰ بیان کا آتا ہےاور اس مادہ سے تفسیر بھی ہے) قرأۃً مفسّرة ای مبیّنة مشروحةً واضحةً مفصولة الحروف من الفسر وهو البیان و منه التفسیر ۔(جمع ج۲ص۱۳۷) قال الجزری ، حرفاً حرفاً ای کلمة کلمة ولعلها ذکرت بالقول او الفعل لنبیّن الکیفیة فتثبت فی ذهن السائل ۔(اتحافات ص۳۴۲)(امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ حرفاً حرفاً بمعنیٰ کلمةً کلمةً یعنی ایک ایک حرف اور کلمہ بتادیا اور شاید کہ ام سلمہؓ نے یہ زبانی طور پر کہا اور یا فعل کے ساتھ (یعنی خود پڑھ کر) اس کی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے پڑھا تاکہ وہ سائل کو خوب ذہن نشین ہو جائے)یعنی حضرت ام سلمہؓ نے یہ کیفیت یا تو زبانی بتائی یا پڑھ کر عملاً بتائی اقرب دوسرا احتمال ہے،جس کی باب ہٰذا کی تیسری حدیث سے تائید بھی ہوتی ہے ۔علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' وظاهر السیاق یدل علی الثانی فکانها علمت بقرینة المقام ماهو مراد السائل او اظهرت کیفیة ماسمعت بالفعل الذی هو اقویٰ من القول مع انه یفید الروایة والدرایة (جمع ج۲ص۱۳۷)(سیاقِ کلام کا ظاہر دوسرے احتمال پر دلالت کر رہا ہے گویا کہ قرینہ مقام ہی کی وجہ سائل کی مراد کو جان لیا یا پھر اس نے وہ کیفیت (جو حضور ﷺ سے سنی تھی) بالفعل ظاہر کردی جو کہ محض قول سے زیادہ قوی ہے باوجودیکہ وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے مفید ہے)

(۲/۳۰۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِیْرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِکٍ کَیْفَ کَانَ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَدًّا ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے

وہب بن جریر بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو میرے باپ نے قتادہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی قراءۃ کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔

قال مدًا ای ممدودة ' أو ذات مد ' اور یہ طبعًا تھا۔ قرأت وتجوید کے اُصول اور قواعد کے مطابق جتنی کہ ایک ''مد'' اس کی مستحق ہوتی ہے۔ و هذا هو المدّ الطبیعی و طبعاً الخالی من المبالغة و المد یستلزم الترتیل و الترتیل یستلزم التدبر و قدکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فی قرأته یکسوه من کل آیة یقرؤها حال یناسب تلک الآیة وقد قال علی کرم اللّٰه وجهه "لا خیر فی عبادة لا فقه فیها و لا فی قراءة لا تدبر فیها أفلا یتدبرون القرآن'' (اتحافات ص ۳۴۲)

(۳۰۲/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَ تَهٗ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ o ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o ثُمَّ يَقِفُ وَ كَانَ يَقْرَأُ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن سعید اموی نے ابن جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے ام المؤمنین امّ سلمہؓ سے نقل کی۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ہر آیت کو جُدا جُدا کر کے علیحدہ علیحدہ اس طرح پڑھتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پر ٹھہرتے پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر وقف کرتے تھے پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر وقف کرتے۔

راوی حدیث (۵۸۲) یحییٰ بن سعید الاموی ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قراءت میں وقف واتصال کا مسئلہ :

کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقطع قراء ته ...... ظاہر حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

آپ ﷺ ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔ ای بالتوقف من التقطیع و هو جعل الشئی قطعة قطعة (جمع ج ۲ ص ۱۳۹) یقطع کالفظ تقطیع سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے بنانا) ای یقف علی رؤس الآیة فالوقوف علی الآیاتِ سنة ۔(اتحافات ص ۳۴۳) (یعنی آپ ﷺ ہر آیت پر وقف فرمایا کرتے تو گویا ہر آیت پر وقف کر کے پڑھنا سنت ہوا) ہر آیت پر وقف کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب تک سانس جاری رہے پڑھتا رہے، گویا اتصال افضل ہے اور وقف ضرورت پر مبنی ہے۔(۲) بعض حضرات کا قول ہے کہ ہر آیت پر وقف ہونا چاہئے، گویا وقف افضل ہے اور اتصال بھی جائز ہے۔ امام جزریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ محققینؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم یاد رہے کہ جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ اولویت اور غیر اولویت کا فرق ہے۔ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اردو زبان میں ایک رسالہ ''رد الطغیان فی اوقاف القرآن '' کے نام سے لکھا ہے، جو اپنے موضوع پر بے حد نافع ہے۔

(۳۰۳/۴) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ مُّعَاوِیَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ عَنْ قِرَاءَ ةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکَانَ یُسِرُّ بِالْقِرَاءَ ةِ اَمْ یَجْهَرُ قَالَتْ کُلُّ ذٰلِکَ قَدْ کَانَ یَفْعَلُ رُبَّمَا اَسَرَّ وَ رُبَّمَا جَهَرَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے لیث نے معاویہ بن صالح کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن ابی قیس سے نقل کی۔ عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف آہستہ پڑھتے تھے یا پکار کر۔ انہوں نے کہا کہ دونوں طرح معمول تھا۔ میں نے کہا الحمد للہ اللہ کا شکر واحسان ہے ، جس نے ہر طرح سہولت عطا فرمائی (کہ بمقتضائے وقت جیسا مناسب ہو آواز سے یا آہستہ اسی طرح پڑھ سکے)

قرأت جہراً ہو یا سراً :

یہ سوال جیسا کہ جامع ترمذی شریف کی روایت میں تصریح ہے، تہجد کی نماز کے بارے میں تھا اور اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ دونوں طرح معمول تھا، یعنی آواز سے بھی اور آہستہ بھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک رات میں ہی دونوں طرح معمول تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی رات میں آواز سے پوری نماز پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور کسی رات میں آہستہ تمام نماز پڑھ لیتے تھے۔ دونوں صحیح ہیں اور تہجد میں دونوں طرح پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے، وقت کی مناسبت سے بسا اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے۔ بالخصوص جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے یا نشاط پیدا ہو اور جہاں کسی تکلیف کا احتمال ہو یا ریا کا شائبہ ہو، وہاں آہستہ پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے، جہر سے پڑھنے میں دوسروں کی تکلیف کی رعایت ضروری ہے اور کسی وقت دونوں برابر ہوں تو معمولی جہر اولیٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معمول تہجد میں آہستہ پڑھنے کا تھا اور حضرت عمرؓ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضراتؓ پر گذر ہوا، دونوں کا حال دیکھا۔ صبح کو جب دونوں حضراتؓ حاضرِ خدمت ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا کہ ابوبکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تم بہت آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس پاک ذات سے باتیں کررہا تھا، وہ سُن ہی رہا تھا، پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بہت بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ غفلت سے سونے والوں کو جگانا اور شیطان کو اپنے سے دور رکھنا مقصود تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے دونوں حضرات کی تصویب فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا بڑھا لیا کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم ذرا آہستہ کردو۔ (خصائل)

(۵/۳۰۴) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْعَبْدِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ كُنْتُ اَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ وَ اَنَا عَلٰى عَرِيْشِي۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وکیع نے اور ان کے پاس مسعر نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو العلاء عبدی سے بواسطہ یحییٰ بن جعدۃ نقل کی اور اس نے ام ہانی سے۔ حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (مسجد حرام میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور میں حضور اکرم ﷺ) کے پڑھنے کی آواز رات کو اپنے گھر کی چھت پر سے سُنا کرتی تھی۔

راویان حدیث (۵۸۳) ابو العلاء العبدیؒ اور (۵۸۴) یحییٰ بن جعدۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ عریش کی وضاحت :

و انا علی عریشی ! عریش ' لغت میں چھت اور سائبان کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد بستر ہے العریش ھو السریر الذی کانت تنام علیہ أو فراشھا ۔ (اتحافات ص ۳۴۴) (عریش یا تو وہ چارپائی جس پر وہ سویا کرتی تھی اور یا اس کا بستر مراد ہے)

جہراً تلاوت بھی جائز ہے :

حضرت امّ ہانیؓ کا گھر بیت اللہ شریف کے سامنے رکن یمانی کے مقابل تھا، جب رات کو آپ ﷺ بیت اللہ شریف میں عبادت کرتے، تو قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے، تو حضرت امّ ہانیؓ اپنے گھر میں اپنے بستر پر آپ ﷺ کی تلاوت وقرأت سنتی تھیں۔ گویا آپ ﷺ اونچی آواز سے بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ وھذہ القراءۃ کانت فی مکۃ عند الکعبۃ لیلاً ۔ (اتحافات ص ۳۴۴) (اور آپ ﷺ کی یہ (جہراً) قرأت مکہ میں رات کو بیت اللہ شریف میں ہوتی تھی) جہری قرأت کی وجہ ایک تو یہ ہوسکتی ہے۔ لیسمع من لم یکن یسمع من قریش أو لان القراءۃ باللیل یکون الخشوع فیھا اکثر او لغیر ذلک ۔ (اتحافات ص ۳۴۴) (تاکہ سن لیں قریش میں سے وہ بھی جو نہیں سنا کرتے تھے اور یا یہ کہ رات کے وقت نماز میں خشوع کی کیفیت زیادہ ہوا کرتی ہے یا ہوسکتا ہے کسی اور غرض ومقصد کے

لئے ہو) باقی رہا اس حدیث کا "المسر بالقراءة كالمسر بالصدقة" (کہ خفیہ قرأت کرنے والے (کی مثال اور درجہ) ایسا ہے جیسا کہ خفیہ صدقہ اور خیرات کرنے والا) سے بظاہر تعارض کا مسئلہ سو یہ کوئی تعارض ہی نہیں، یہ حکم تب ہے جب ریا کاری کا اندیشہ ہو۔ اور حضور ﷺ کے متعلق ریا کاری وغیرہ کا امکان تک نہیں ہوسکتا۔ شیخ احمد عبدالجوادؒ فرماتے ہیں فهذا يكون حين يخشى الرياء أما رسول الله صلى الله عليه وسلم فلايعرف الرياء اليه سبيلا ۔ (اتحافات ص ۳۴۴) ریا کا تو آپ ﷺ کی طرف گمان بھی ناممکن ہے، بلکہ زوال ایمان کا باعث ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا قراءت میں جہر بشرائط مذکورہ عظیم حکمتوں پر مبنی ہے۔

(۶/۳۰۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَنْبَاَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ يَقُوْلُ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَاقَتِهٖ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ : اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ . قَالَ فَقَرَاَ وَ رَجَّعَ قَالَ وَ قَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ لَوْ لَا اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَاَخَذْتُ لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ اَوْ قَالَ اللَّحْنِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوداؤد نے بیان کیا اور ان کے پاس شعبۃ نے خبر دی۔ معاویۃ بن قرۃ سے معاویۃ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مغفلؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فتح مکہ کے دن اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر۔ تا کہ بخشے تیرے واسطے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا) پڑھتے دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ معاویۃ بن قرۃ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُس لہجہ میں پڑھ کر سُناتا۔

قرأت میں ترجیع کا مسئلہ :

فقرأ و رجع ...... حدیث میں ''سورۃ الفتح'' کی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ ''سورۃ الفتح'' صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی، جس میں مسلمانوں کے ساتھ فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا تھا، جب وہ وعدہ پورا ہوا اور اللہ پاک نے فتح مکہ مکمل کرا دیا اور آپ ﷺ مکۃ المکرّمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تشکر و امتنان، عبدیت وانابت کے جذبات سے سرشار ہو کر اللہ کے وعدوں کو یاد کر کے آپ مزے لے لے کر سورۃ الفتح پڑھ رہے تھے رجّع، ترجیع سے ہے، ترجیع کا معنیٰ خوش آوازی سے پڑھنے، ایک آیت کو دو دو بار پڑھنے اور حلق میں آواز گھمانے، لوٹانے اور لوٹا کر پڑھنے کے آتے ہیں ای ردد صوته بالقراءة و قد فسره عبد اللّٰه بن مغفل بقوله آ، آ،آ بهمزة مفتوحة بعده الف ساكنة ثلاث مرات و زعم بعضهم ان ذلک کان من هز الناقة بغير اختياره و رد بأنه لو کان کذالک لما فعله عبد اللّٰه اقتداء به (مواہب ص ۲۳۰) (یعنی اپنی آواز کو قرأت کے ساتھ لوٹایا اور دہرایا اور اس کی وضاحت عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے قول آ، آ، آ سے کی یعنی ہمزہ مفتوحہ کے بعد الف ساکن تین مرتبہ پڑھا اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس قسم کی آواز غیر اختیاری طور پر اونٹنی کی رفتار و حرکت کی وجہ سے تھی لیکن اس کی تردید بایں وجہ کی گئی کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر عبداللہ بن مغفلؓ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء ہرگز نہ کرتے)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رائے :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ترجیع کے معنی لغت کے اعتبار سے لوٹانے کے ہیں، آواز کو لوٹا کر پڑھنا مراد ہے۔ خود عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر آ آ آ منقول ہے۔ اس کا مطلب بعض علماء نے آواز کو درست کر کے پڑھنے کا فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور دارالاسلام بن جانے کی وجہ سے غایت سرور تھا۔ اس لئے نہایت لطف سے پڑھ رہے تھے، مگر میرے اُستاذ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ چونکہ اونٹنی پر تشریف فرما تھے، اس لئے اس کی حرکت سے آواز ترجیعی معلوم ہوتی تھی۔ اسی بناء پر عبداللہ بن مغفلؓ

نے اس کی تفسیر آ آ آ سے نقل کی اور اسی وجہ سے معاویہ نے اس کی نقل کرنے کی ہمت نہیں کی کہ دانستہ اس طرح آواز بنانے سے لوگ مجتمع ہو جائیں گے۔ اس توجیہ کے موافق آئندہ حدیث کے بھی مخالف نہیں ہوگی۔ بندہ کے نزدیک یہی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ اگر پہلے قول کے موافق آواز بنا کر اور درست کر کے پڑھنا مراد ہے، تو پھر لوگوں کے مجتمع ہونے کا کیا خوف ہے۔ قرآن پاک کو اچھی آواز سے جس میں گانے سے مشابہت پیدا نہ ہو، پڑھنا ہی چاہئے۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوان سے قرآن پاک کو ترتیل سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ (خصائل)

قرأت میں تحسین صوت :

شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں' والترجيع هو التحطيط والترديد . ويوافق هذا الحديث : زينوا القرآن بأصواتكم ، و حديث : " وليس منا من لم يتغن بالقرآن " وحديث : " مـا أذن الله لشئي كاذنه لنبي حسن الصوت يتغني بالقرآن " .وورد أنه صلى الله عليه وسلم استمع لقراءة أبي موسى الأشعري فلما أخبره بذلك قال : " لو كنت أعلم أنك تسمعه لحبرته لك تحبيرا " . أي حسنته لك تحسينا ، وورد : " لكل شئي حلية ، و حلية القرآن حسن الصوت " . و ظاهر هذه الأحاديث جواز التغني بالقرآن بشرط أن لا يخرج عن الأداء الشرعي،قال في الإكمال " و لا خلاف في أن تحسين الصوت بقراءة القرآن مشروع مندوب اليه "(اتحافات ص ۳۴۵)

(ترجیع کا معنیٰ ایک بات کو دہرانا اور لوٹانا اور اسی معنیٰ کی موافقت اس حدیث سے ہے کہ تم اپنی آوازوں سے قرآن کو مزیّن اور خوبصورت کیا کرو۔ اور اس حدیث سے بھی کہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہیں پڑھتا اور اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی کسی چیز کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنے کی۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار ابوموسیٰ اشعریؓ کی قرأت کو کان لگا کر سنا اور جب آپ ﷺ نے اس کو یہ بتلا بھی دیا تو ابوموسیٰؓ نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ ﷺ میری قرأت کو سن رہے ہیں تو میں اس کو آپ ﷺ کے لئے خوب مزیّن و آراستہ کر کے عمدہ طریقہ پر پڑھتا۔ اور

حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور اس کو خوش آوازی سے پڑھنا ہے تو بظاہر یہ سب احادیث قرآن مجید کے پڑھنے میں خوش آوازی کرنے کے جواز پر دال ہیں بشرطیکہ یہ خوش آوازی اس کو اداء شرعی (تجوید و قرأت کے قواعد) سے خارج نہ کردے۔ ''اکمال'' میں ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا مشروع اور مندوب ہے)

تنبیہ :

مسئلہ قرأت قرآن میں تحسینِ صوت پر ترجیع وغیرہ کے جواز، عدم جواز اور اس مسئلہ کے متعلق مذاہب کی تفصیل مطلوب ہو، تو زاد المعادج اص ۱۶۵ ملاحظہ فرماویں۔

(۳۰۶/۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسِ الْحُدَانِيُّ عَنْ حُسَامِ بْنِ مِصَكٍّ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَ كَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَ كَانَ لَا يُرَجِّعُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ ابن سعید نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے نوح بن قیس حدانی نے حسام بن مصک کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ روایت حضرت قتادۃؒ سے نقل کی۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز والا مبعوث فرمایا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ حسین صورت اور جمیل آواز والے تھے۔ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

راویان حدیث (۵۸۵) نوح بن قیس الحدانیؒ اور (۵۸۶) حسام بن مصکؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے :

حسن الوجه حسن الصوت...... یعنی تمام انبیاء کرام حسین صورت اور حسین صوت والے ہوتے تھے۔ لیدل حسن ظاهره علی حسن باطنه لأن الظاهر عنوان الباطن۔ (مواہب ص ۲۳۱)

(تا کہ اس کا ظاہری حسن وخوبصورتی اس کے حسنِ باطنی پر دلالت کرے کیونکہ ظاہر (ہمیشہ) باطن کا عنوان ہوا کرتا ہے) معنی الحدیث واضح فقد کان رسولنا الأکرم صلی اللہ علیہ وسلم أحسن الناس وجوھا و أحسنھم صوتاً " وکان لایرجع " بتشدید الجیم المکسورۃ ای فی بعض الأحیان فلا تنافی بینه و بین الحدیث الذی قبله ۔ (اتحافات ص ۳۰۰) (تو حدیث شریف کا مطلب بالکل واضح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز تھے اور آپ ﷺ ترجیع (یعنی بات کو دہرانا) بعض اوقات نہیں کیا کرتے (تو اس توجیہ سے) اس حدیث اور اس سے پہلے ذکر شدہ حدیث میں کوئی منافات اور تعارض نہ رہا)

علامہ بیجوریؒ نے اسی تطبیق کے علاوہ ایک اور توجیہ بھی لکھدی، جس کی طرف ترجمہ میں بھی اشارہ کردیا گیا۔ فرماتے ہیں' ای فی بعض الاحیان او کان لایرجع ترجیع الغناء ولا ینافی مامر ۔ (مواہب ص ۲۳۱) (یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ترجیع (لوٹانا) راگ کے طرز کی نہ ہوتی (تو اس توجیہ سے) گذشتہ روایت (جس میں قدرتی خوش آوازی کا ذکر تھا) کے منافی نہ ہوا)

شاہ ولی اللہ کا قولِ فیصل :

لایرجع ...... میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ ﷺ باوجود خوش آواز ہونے آواز کو حلق میں گھما گھما کر بہ تکلف خوش آوازی بنا بنا کر قرآن نہیں پڑھتے تھے، بلکہ طبعی لہجہ کے مطابق حسبِ ضرورت خوش آوازی سے پڑھتے تھے، جو محمود بھی ہے اور مطلوب بھی، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، حَسِّن بالقرآن صوتک ' حسنوا القرآن بأصواتکم ' اور لکل شئی حلیة و حلیة القرآن الصوت الحسن (کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں آواز کو خوبصورت بناؤ۔ یا یہ کہ تم قرآن کو خوش آوازی سے پڑھا کرو اور یہ کہ ہر ایک چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن مجید کا زیور خوش آوازی ہے)

لایرجّع ' میں گانے اور تکلف سے آواز نکالنے کی نفی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح مؤطا میں قول فیصل تحریر کیا ہے کہ ایک لہجہ طبعی ہوتا ہے، جس میں ترنم اور تکلف کی ممانعت ہے، کیونکہ اس میں تخشع اور تدبر فی القرآن حاصل نہیں ہوتا۔

(۸/۳۰۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن حسان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے عمرو بن ابی عمرو کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمہ سے روایت کی اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی آواز (صرف اس قدر بلند ہوتی تھی کہ) آپ ﷺ اگر کوٹھڑی میں پڑھتے تو صحن والے سُن لیتے تھے۔

قرأت بالجہر میں اعتدال :

قال كان قراءة النبي صلى الله عليه وسلم ...... بیت سے مراد کوٹھڑی' گھر' دالان اور حجرہ سے مراد صحن ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ جب اندر اپنی قیامگاہ یا دالان میں تلاوت فرماتے، تو صحن والے سن لیتے تھے، یعنی آواز مبارک نہ تو بہت اونچی ہوتی تھی اور نہ ہی بہت پست' بلکہ بین بین تلاوت فرماتے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، **والمقصود أن قرائته كانت متوسطة لافي نهاية الجهر ولا في غاية الاخفاء**۔ (جمع ج۲ص۱۴۳)

قرآن مجید کا آہستہ اور آواز سے پڑھنا، دونوں مواقع کے لحاظ سے افضل ہے، اگر ترغیب کا موقع ہو یا کوئی اور سبب جہر کی ترجیح کا ہو، تو جہر سے پڑھے اور اگر ریا وغیرہ کا خوف ہو تو آہستہ پڑھے۔ غرض یہ کہ موقع کے لحاظ سے حکم بھی مختلف ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسا ہے، جیسا اعلان سے صدقہ کرنے والا اور آہستہ قرآن شریف پڑھنے والا ایسا ہے، جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا' جبکہ صدقہ کے متعلق اظہار و اخفاء کا افضل ہونا موقع اور محل کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کا بھی حکم ہے۔ (خصائل)

تتمہ :

قرآن مجید کی تلاوت کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا معمول مذکورہ آٹھ حدیثوں کی تشریح کے ضمن میں واضح ہو چکا ہے۔آخر میں بطور تکملہ کے یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ بغیر جنابت کے ہر حالت میں تلاوت فرمالیتے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں، وکان یقرأ القرآن قائما و قاعداً و مضطجعا و متوضأ و محدثا ۔(زادالمعادج ۱ص ۱۶۵)(آپ ﷺ ہر حالت میں قرآن مجید پڑھا کرتے چاہے کھڑے ہوتے یا بیٹھے اور لیٹے ہوئے وضو کے ساتھ بھی اور بے وضو کی حالت میں بھی)

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طلبنا خمسا فوجدنا فی خمس طلبنا برکة القوت فوجدنا فی صلوة الضحیٰ و طلبنا ضیاء القبور فوجدنا فی صلوٰة اللیل و طلبنا جواب منکر و نکیر فوجدنا فی قرأة القرآن و طلبنا عبور الصراط فوجدناہ فی الصوم و الصدقة و طلبنا ظل العرش فوجدناہ فی الخلوة (روض الریاحین ص ۱۵۲)(ہم نے پانچ چیزوں کی طلب وتلاش کی تو ہم نے ان کو پانچ چیزوں میں پایا ہم نے رزق میں برکت طلب کی تو وہ ہمیں نماز چاشت میں ملی اور ہم نے قبروں کی روشنی طلب کی تو وہ ہمیں تہجد گزاری میں حاصل ہوئی اور ہم نے منکر ونکیر کے (صحیح) جواب دینے کی طلب کی تو ہم نے قرآن مجید کی تلاوت میں اسے پالیا اور ہم نے پل صراط پر گزرنے کی طلب کی تو روزے اور صدقہ وخیرات میں ہم نے پالی اور ہم نے عرش خداوندی کا سایہ طلب کیا تو خلوت اور گوشہ نشینی میں میسر ہوا)

اللّٰھم اجعل لنا ممن یعمل بھا آمین یا رب العالمین (اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں سے کردے جو ان چیزوں پر عمل پیرا ہیں آمین یارب العالمین۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیُ بُکَآءِ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ وزاری کے بیان میں

بکاء کا معنیٰ واقسام :

بکاء ' مد کے ساتھ بھی آیا ہے اورقصر کے ساتھ بھی' جب مقصور پڑھیں گے، بُکی تو معنی ہے ضعیف اورسست آواز کے ساتھ رونا ہو،سیلان اللمع مع الحزن (حزن وغم کے ساتھ آنسو بہانا) اور اگر ممدود پڑھیں گے، تو معنی ہے بلند آواز کے ساتھ رونا وبالمد رفع الصوت معه (مواہب ص ۲۳۱) (حزن وغم کے ساتھ زور سے رونا) رونے کی بھی متعدد انواع واقسام ہیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تفصیل لکھی ہے، جونذرِقارئین ہے۔ وھو انواع بکاء رحمة و رأفة و بکاء خوف وخشیة وبکاء محبة و شوق بکاء فرح و سرور و بکاء جزع من ورود مؤلم علی الشخص لایحتمله و بکاءِ حزن و بکاء مستعار کبکاء المرأة لغیرها من غیر مقابل و بکاء مستاجرٍ علیه کبکاء النائحة و بکاء موافقة و ھو بکاء من یری من یبکی فیبکی ولا یدری لایّ شئی یبکی و بکاء کذب و ھو بکاء المصر علی الذنب (مواہب ص ۲۳۱) (رونے کی چند قسمیں ہیں (۱) رحمت ورأفت یعنی نرم دلی کا رونا (۲) خوف وخشیت کا رونا (۳) محبت اورشوق سے رونا (۴) خوشی کا رونا (۵) کسی شخص کا ناقابل برداشت تکلیف سے آہ زاری کرنا (۶) غم کا رونا (۷) عاریت کا رونا یعنی کسی عورت کا بلا معاوضہ کسی کے لئے رونا (۸) اجرت لیکر رونا جیسے کہ مردہ پر رونے والی عورت کا رونا (۹) صرف دوسرے کی موافقت کے لئے رونا جیسے کہ کسی کوروتے دیکھ کر رونا اور یہ معلوم نہ ہوکہ وہ کس لئے روتا ہے (۱۰) جھوٹا رونا یعنی گناہ پر اصرار کرنے والے شخص کا رونا)

باب ھٰذا میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں، جن میں حضوراقدس ﷺ کے بکاء کا ذکر ہے کہ

آپ ﷺ نماز میں اللہ پاک کے جلال و جمال کی تجلیات کے وقت، اشتیاقِ محبت کے ازدیاد کے وقت، قرآن کے سماع کے وقت، اللہ تعالیٰ کی ہیبت، عظمت و کبریائی اور اپنی اُمت پر شفقت و رحمت کی وجہ سے اُمت کے لئے بخشش و مغفرت کے طلب کرنے کے وقت اور میّت پر رحم و مودت کی وجہ سے گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ رونے میں غم کا رونا حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا شوق کا رونا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کا رونا محبت کا رونا تھا۔ ومنه حزن و هو لداؤد و منه شوق و هو لابراهيم و منه محبة و هو لمحمد۔ (مناوی ج۲ ص۱۴۴)

شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں، وبكاءه صلى الله عليه وسلم تارة يكون رحمة و شفقة على الميّت و تارة يكون خوفا على أُمته و تارة يكون خشيةً من الله تعالىٰ و تارة يكون اشتياقاً و محبة مصاحباً للاجلال والخشية و ذلک عند استماع القرآن۔ (مواہب ص۲۳۱) (نبی کریم ﷺ کا رونا کبھی تو ملت پر شفقت و رحمت کے لئے ہوا کرتا اور کبھی امت پر خوف کھانے کی وجہ سے اور کبھی خشیت خداوندی کی بنا پر اور کبھی ایسے شوق و محبت جو عظمت و خشیت باری تعالیٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ رونا اکثر قرآن مجید کے استماع کے وقت ہوا کرتا تھا)

(۱/۳۰۸) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَ لِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَآءِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن نصر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ثابت سے نقل کی، اور انہوں نے اسے مطرف بن عبداللہ بن شخیرؒ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی، جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

راویان حدیث (۵۸۷) مطرفؒ اور (۵۸۸) ابیہ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ازیز و مرجل کا معنیٰ :

ولجوفه ازیز ...... رونے کی آواز کو ازیز هو صوت البكاء اور ہنڈیا کو مرجل کہتے ہیں ،هو القدر من النحاس او كل قدر يطبخ فيها و سمى بذلك لانه إذا نصب فكأنه أقيم على رجلين ۔(مواہب ص۲۳۲) (وہ تانبے کی ہنڈیا (دیگ) یا ہر ہنڈیا جس میں سالن پکایا جاتا ہو۔ مرجل کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کو مرجل اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ رکھی جاتی ہے تو گویا وہ دو پاؤں پر کھڑی کی گئی)

کمال خوف کا اظہار، عبودیت کاملہ کی دلیل ہے :

حضور اقدس ﷺ کا نماز میں یہ گریہ وتضرع، کمالِ خشوع وخضوع، اللہ سے خوف اور شدتِ شوق کی وجہ سے تھا۔ خوفاً من الله و شدة شوق اليه ويؤيد هذا ماروى عنه صلى الله عليه وسلم " لوتعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا و لبكيتم كثيرا"۔(اتحافات ص۳۴۷) (اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں البتہ تم لوگ پھر تھوڑے ہنستے اور بہت روتے) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ حالت آپ ﷺ پر اس وقت ہوتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ دونوں کا ظہور اکھٹے ہوتا تھا'' (خصائل)

علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اقدس ﷺ کا کمال خوف کا اظہار، کمال درجہ کا خشوع وخضوع آپ ﷺ کی عبودیت کاملہ کی دلیل ہے۔و هذا دليل على كمال خوفه و خشيته و خضوعه في عبوديته ۔(جمع ج۲ص۱۴۴) اور ہانڈی کے جوش کی طرح آپؐ کے سینے سے آواز اور گریہ آپؐ کو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وراثت میں منتقل ہوا۔ و ذلك مما ورثه من أبيه ابراهيم فانه كان يسمع من صدره صوت كغليان القدر على النار من مسيرة

میل ۔ (مواہب ص۲۳۲) (ابراہیم علیہ السلام کے سینہ مبارک سے ایسی آواز جیسے کہ ہنڈیا آگ پر رکھے جوش مارتی ہے ایک میل سے سنائی دیتی تھی)

(۳۰۹/۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَ عَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى بَلَغْتُ وَ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهْمُلَانِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے عبیدۃ کی وساطت سے نقل کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سُناؤ، (شاید حضور اکرم ﷺ نے اس لئے ارشاد فرمایا ہو کہ سننے میں غور و تدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے سننے کی رغبت فرمائی ہو کہ بہت سی وجوہ اس کی ہوسکتی ہیں، مثلاً یہی کہ قرآن شریف سننے کی سنّیت بھی حضور اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہوجائے) میں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ ہی کو سناؤں۔ (شاید ابن مسعودؓ کو یہ خیال ہوا ہو کہ سنانا، تبلیغ اور یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے امتثالِ حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء (جو چوتھے پارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے پڑھنا شروع کی۔ میں جب اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔ (پس کیوں کر ہوگا جس وقت لاویں گے ہر امت سے ایک گواہی دینے والا اور لاویں گے ہم تجھ کو ان پر ان کے گواہ) تو میں نے حضور

اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

دوسروں سے قرآن سننا :

اقرأ علی ...... وهو علی المنبر کما فی الصحیحین ۔(مواہب ص۲۳۲)(حضور ﷺ اس وقت منبر پر تشریف فرما تھے جیسے بخاری ومسلم کی روایت میں ہے)حضرت ابن مسعودؓ سمجھ گئے کہ حضوراقدس ﷺ کا یہ امر امتحان واختبار کے لئے نہیں بلکہ استلذاذِ قراءت کے لئے ۔

لکون السامع خالصاً لتعقل المعانی بخلاف القاری فإنه مشغول بضبط الالفاظ و اعطاء الحروف حقها ولأنه اعتاد سماعه من جبریل و العادة محبوبة بالطبع ۔(مواہب ص۲۳۲)

(اس لئے کہ سامع تو صرف معانی ومطالب سمجھنے کی طرف متوجہ رہتا ہے بخلاف پڑھنے والا کہ وہ الفاظ وحروف کے ضبط وترتیب اوراپنے مخارج سے ادائیگی کے خیال میں مصروف ہوتا ہےاوراس لئے بھی کہ آپ ﷺ کی جبرئیل علیہ السلام سے سننے کی عادت بن چکی تھی اور عادت فطری طور پر انسان کومحبوب وپیاری ہوتی ہے)حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک لائق فاضل کواپنے سے کمتر مفضول سے اخذ و استفادہ میں استنکار نہیں کرنا چاہئے۔ **فقد کان کثیرا من السلف یستفیدون من طلبتهم** ۔ (مواہب ص۲۳۲)(بہت سے اسلاف کرامؒ اپنے طلبہ اورشاگردوں سے استفادہ کیا کرتے تھے)

استماع قرآن کے وقت گریہ وتضرع :

قال فرأیت ...... تهملان یہ همل سے مشتق ہے **هو جریان اللمع او المطر بسرعة ای تسیل دموعهما لفرط رأفته أو مزید شفقته حیث عز علیه عنتهم** ۔(مناوی ج۲ص۱۴۶)(وہ آنسوؤں یابارش کا تیزی سے بہنا۔یعنی آپؐ کی آنکھوں مبارک سے (بوجہ انتہائی نرم دلی یا آپؐ کی مزید شفقت کے کہ امت کی تکلیف آپؐ پر دشوار تھی)لگا تار آنسو بہہ رہے تھے)

(۱)حضور اقدس ﷺ کا گریہ وتضرع قرآن کے سننے کی وجہ سے تھا کہ تلاوت کے وقت عارفین وصالحین کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ٥ (سورۃ مریم:۵۸)یعنی جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو زمین پر گر جاتے ہیں سجدہ

کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۰۲) میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o یعنی یہ قرآن جب ان پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن کا سننا ان کے خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اِن آیات کا اوّلین مصداق تو حضور اقدس ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، گو آپ ﷺ کا یہ گریہ قرآن کی عظمت وجلال کی وجہ سے تھا اور زیادہ قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اس پس منظر میں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی آغاز تلاوت سے آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا ہو، مگر ابن مسعودؓ کی نگاہ اس وقت پڑی ہو جب وہ وَ جِئْنَابِکَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شَهِیْدًا پر پہنچے ہوں۔

۲ ...... دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ نفس آیت کے مضمون اور معانی یعنی قیامت کے ہولناک منظر اور محشر کی ہولناکی کے تصور سے گریہ آ گیا ہو۔ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں ومن الطبیعی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد تمثل فی هذه اللحظة مایکون یوم القیامة من هول و شفاعة و عتاب و عقاب .... (اتحافات ص ۲۴۸)

۳ ...... بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ آیت میں آپ ﷺ کی گواہی کا ذکر ہے شدتِ شہادت کی وجہ سے خوف ہو۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ ! جو لوگ میرے سامنے نہیں ہیں، ان پر کیسے گواہی دوں گا۔

۴ ...... بعض شارحین فرماتے ہیں کہ قیامت کا ہولناک منظر جب سامنے آیا اور اُمت کی کمزوری و ضعف تو امت کے گنہ گاروں پر شفقت ورأفت کی وجہ سے گریہ کا غلبہ ہو گیا۔

الغرض تمام وجوہات علیحدہ علیحدہ بھی گریہ کا سبب بن سکتی ہیں اور ان سب کا مجموعہ بھی سببِ گریہ بن سکتا ہے۔

اخذِ مسائل :

اور صحیحین میں ہے کہ جب ابن مسعودؓ ان آیات پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا' انه قال له حسبک' ویؤخذ منه حل امر الغیر بقطع قراء ته للمصلحة (مواہب ص ۲۴۳) (آپ کو بس اتنا

پڑھنا کافی ہے۔اس سے کسی شخص کو کسی مصلحت کی بناء پر قرأت سے روکنے کے حکم کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے) و فیہ ندب القراء ۃ حتی فی مجلس الوعظ والاستماع لها والاصغاء اليها والبكاء عندها والتدبر والتواضع لاهل العلم ورفع منزلتهم وجواز استماع القرآن من محل عال والقاری أسفل منه وجواز طلبها ممن هو دونه رتبة و علما كمامر۔(مناوی ج۲ص۱۴۶)(اور اس حدیث سے قرآن مجید کے پڑھنے کا استحباب معلوم ہورہا ہے تا آنکہ وعظ ونصیحت کی مجلس میں بھی۔ نیز یہ بھی کہ اس کو پوری توجہ اور کان لگا کر سنا جائے اور استماع کے وقت رونے کا، اہل علم کا خشوع وخضوع اور تدبر کرنا اور ان کے مرتبہ کا عالی شان ہونا اور قرآن مجید کو اونچی جگہ پر سننا اور قاری اس سے نیچے کا جواز نیز قرأت کا مطالبہ اپنے سے کم علم ورتبہ سے کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے)

(۳/۳۱۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَ يَبْكِيْ وَ يَقُوْلُ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَ اَنَا فِيْهِمْ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَ نَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ فَلَمَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا انْكَسَفَا فَافْزَعُوْآ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہؒ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جریر نے عطاء بن سائب کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے نقل کی۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا (یہ قصہ جمہور کے نزدیک ۱۰ھ کا ہے۔حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے

اور نماز شروع فرما کر اتنی دیر کھڑے رہے گویا رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے) (دوسری روایت میں ہے کہ سورہ بقرہ پڑھی تھی) اور پھر رکوع اتنا طویل کیا کہ گویا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ ہی نہیں، پھر ایسے ہی رکوع کے بعد سر اُٹھا کر قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے، گویا سجدہ کرنا ہی نہیں ہے، پھر سجدہ کیا اور اس میں سر مبارک زمین پر اتنی دیر تک رکھے رہے گویا سر مبارک اُٹھانا ہی نہیں ہے۔

اسی طرح سجدہ سے اُٹھ کر جلسہ اور پھر جلسہ کے بعد دوسرے سجدہ میں۔ غرض ہر ہر رکن اس قدر طویل ہوتا تھا کہ گویا یہی رکن اخیر تک کیا جائے گا، دوسرا کوئی رکن نہیں ہے۔ شدتِ غم اور جوش سے سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ عالی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے اللہ ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک اُمت کو عذاب نہ ہوگا۔

اے اللہ ! تو نے ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، عذاب نہیں ہوگا، اب ہم سب کے سب استغفار کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اُس مضمون کی طرف اشارہ ہے، جو کلام اللہ شریف میں نویں پارے کے اخیر میں ہے۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔اس آیت شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ایسا نہ کریں گے کہ ان لوگوں میں آپ ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اس حالت میں بھی ان کو عذاب نہ دیں گے کہ وہ اِستغفار کرتے رہتے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب نکل چکا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس کے بعد وعظ فرمایا، جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کی حمد وثنا کے بعد یہ مضمون فرمایا کہ شمس وقمر کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں ہوتے، بلکہ یہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی دو نشانیاں ہیں۔ جن سے حق سبحانہٗ اپنے بندوں کو عبرت دلاتے ہیں اور ڈراتے ہیں) جب یہ گہن ہو جایا کریں تو اللہ جل جلالہٗ کی طرف فوراً متوجہ ہو جایا کرو (اور استغفار و نماز شروع کر دیا کرو)

راویان حدیث (۵۸۹) عطاء بن السائبؒ الثقفی الکوفیؒ اور (۵۹۰) ابیہ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کسوف وخسوف :

قال انکسفت الشمس ...... کسوفِ شمس سورج کے بے نور ہو جانے (ھو استتار نورھا (اتحافات ص ۳۴۸) کو کہتے ہیں اور خسوف جب چاند بے نور جائے، ہماری اصطلاح میں اسے سورج گرہن اور چاند گرہن کہتے ہیں۔ یوماً علی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، (ایک دن حضور ﷺ کے زمانہ میں) یہ وہی روز تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اور لوگ کہنے لگے کہ سورج بھی حضرت ابراہیم کی موت پر غمزدہ ہے۔ اس لئے بے نور ہو گیا ہے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ففی البخاری کسفت الشمس علی عهد النبی صلی الله علیه و سلم یوم مات ابراھیم فقال الناس کسفت الشمس لموت ابراھیم۔ (مواہب ص ۲۳۳)

صلوٰۃ الکسوف ہر رکعت میں ایک رکوع :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بمنزلہ صریح ہے کہ صلوٰۃ کسوف بھی عام نمازوں کی طرح ایک رکعت میں ایک رکوع کے ساتھ پڑھی گئی۔ یہی مسلک امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے اور یہ حدیث ان کا مستدل ہے۔ وھذا الحدیث کالصریح فی أنها صلوٰۃ برکوع واحد و به احتج ابو حنیفة (مواہب ص ۲۳۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ رکعتِ واحد میں دو رکوع ہیں اور امام احمدؒ تین رکوع کے قائل ہیں۔ و ذھب احمدؒ الی انها تصح بثلاث رکوعات لادلة اخریٰ۔ (مواہب ۲۳۳)

نماز میں گریہ :

فجعل ینفخ و یبکی ...... آپ ﷺ شدتِ غم اور جوش کے ساتھ سانس لیتے تھے اور روتے تھے۔ یہ دوسری رکعت تھی۔ امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ اور طبرانیؒ کی روایات میں تصریح ہے کہ و یبکی و ھو ساجد۔ (جمع ج ۲ ص ۱۴۷) (آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں رو رہے تھے) علامہ ابن قیمؒ نے حضور اکرم ﷺ کا رونا مختلف وجوہ سے نقل کر کے بکاء کی اقسام اور ان کے درمیان فرق

کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے، جن حضرات کو اس کی تفصیل مطلوب ہو، وہ زاد المعاد ج اص ۶۴ ملاحظہ فرمادیں۔ دس اقسام کا ذکر تو اس باب کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔ البتہ بکاء کے اُصول کو ان الفاظ سے لکھا ہے کہ و اما بکاءه صلی اللّٰہ علیه و سلم فکان من جنس ضحکه لم یکن بشهیق و رفع صوت کما لم یکن ضحکه بقهقة و لکن کان تلمع عیناه حتی تهملا و یسمع لصدره ازیز ۔ (زاد المعاد ج اص ۶۴) (حضور ﷺ کا رونا بھی ہنسنے کی نوع سے تھا یعنی چیخ و پکار کے ساتھ نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آپ ﷺ کا ہنسنا بھی قہقہہ نہیں ہوتا تھا لیکن آنکھیں مبارک صرف آنسو آلود ہو کر بہہ پڑتی تھیں اور آپ ﷺ کے سینے مبارک کی آواز بھی سنی جاسکتی تھی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نماز کے دوران میں اُمت کی فکر کیا کرتے تھے۔ اُمت کے حق میں مغفرت طلب کرتے، بخشش کی دعائیں کرتے اور گریہ وزاری اور تضرع فرماتے۔ ویقول ربّ الم تعدنی ...... (اور کہتے اے رب کیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں فرمایا کہ) قرآن مجید کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۔ (الانفال:۳۳) (اور نہیں تھا اللہ کہ عذاب کرتا ان کو اور تو بیچ ان کے تھا۔ اور نہیں تھا اللہ تعالیٰ عذاب کرنے والا ان کو اور وہ ہوں بخشش مانگتے۔

صلواۃ کسوف کی دو طویل رکعتیں :

فلما صلی رکعتین ...... اس سے قبل ان رکعتین کی تفصیل کا بیان ہوا کہ سورج گرہن کے وقت حضور اقدس ﷺ نے خوب لمبی نماز پڑھی، جس میں طویل قیام فرمایا۔ رکوع بھی طویل تھا، قومہ اور سجدہ الغرض تمام ارکان میں طوالت اختیار فرمائی۔ ان دو رکعت پر اتنا وقت صرف فرمایا کہ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو سورج گرہن دور ہو چکا تھا۔

چونکہ سورج دن کو ہوتا ہے، پہلے پہر یا پچھلے پہر اور لوگ دن کو بیدار ہوتے ہیں لہٰذا اگر صلواۃ کسوف اجتماعی طور پر پڑھی جائے تو اُمت کے لئے تکلیف مالا یطاق کا باعث نہیں۔ اس لئے اس کا اجتماعی پڑھنا مستحب ہے۔ البتہ چاند گرہن رات کے وقت ہوتا ہے، لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں، اس

لئے بہتر یہ ہے کہ صلواۃ الخسوف انفرادی طور پر پڑھ لینا چاہئے اور یہی بہتر ہے۔

شمس وقمر قدرت کی دو آیتیں :

قال ان الشمس والقمر آیتان من ایات اللّٰہ ...... **ای الدالتان علی وحدانیته و کمال قدرته کما قال تعالیٰ و جعلنا اللیل والنهار آیتین ای علامتین تدلان علی القادر الحکیم بتعاقبهما علی نسق واحد مع امکان غیره او علی تخویف العباد من بأسه و سطوته و یؤیده قوله تعالیٰ و مانرسل بالآیات الا تخویفا** ۔(جمع ج۲ص۱۴۹)(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کے نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمالِ قدرت پر دال ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنائی ہیں یعنی ایسی دو علامتیں جو اللہ تعالیٰ کے قادر وحکیم ذات ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ شمس وقمر کا ایک ہی نہج وطریقہ پر ایک دوسرے کے پیچھے چلنا حالانکہ دوسری صورتوں کا امکان بھی ہوسکتا ہے یہی اس ذات کی قدرت اور حکمت ودانائی کی نشانیاں ہیں۔ اور یا پھر یہ اپنے بندوں پر سخت عذاب میں مبتلا ہونے کے علامات ہیں اور اس معنیٰ کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ہم اپنی آیات (نشانیاں) نہیں بھیجتے مگر ڈرانے ہی کے لئے)

کسوف وخسوف کو کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں :

لاینکسفان لموت احد ...... آغازِ باب میں عرض کیا گیا ہے کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت وحیات پر واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ اس زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے بھی واضح فرمادیا، کسوف ہو یا خسوف ان کو کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اللہ کی عظمت وقدرت کی نشانیاں ہیں۔

فافزعوا الی ذکر اللّٰہ تعالیٰ 'یہ فزع سے ہے، کہا جاتا ہے، **فزع الصبی امه** 'جب لڑکا کسی چیز سے ڈر جائے، خوف کھائے اور پناہ کے لئے ماں کی طرف بھاگے اور سمجھے کہ خوفناک چیز سے بچنا ماں کے دامن میں آنے سے ہوگا اور وہ بچ جائے گا۔ مسلمان بھی بارگاہِ قدس میں سجدہ ورکوع اور ذکر وانابت کو

عذابِ الٰہی سے بچانے والی چیز سمجھ کر اس کی طرف لپکنا اپنائیں۔ فادعوا اللّٰہ مخلصین له الدین پر عمل کریں، اللہ کریم حفاظت فرماوے گا، نجات دے گا، پناہ ملے گی، تو بقا ملے گی' ای خافوا و تضرّعوا والتجئوا و بادروا و توجهوا الی ذکر الله والامر للاستحباب ۔(جمع ج۲ص۱۴۹)(اسی ذات سے ڈرو اور تضرع وعاجزی کرو، پناہ مانگو، سبقت کرو اور متوجہ ہو اللہ کے ذکر کی طرف اور یہ امر استحبابی ہے)

کسوف وخسوف کا ایک اہم سبب :

سورج اور چاند گرہن کے اسباب علم ہیئت والے بھی بیان کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں بھی اس کو کسی کی موت وحیات کے ساتھ متعلق کیا جاتا رہا۔ آپ ﷺ نے ان کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ان الشمس و القمر لاینکسفان ... اوران کے آثار کے مدافعت کا عمل بھی بتلایا کما فی خبر البخاری فاذا رئیتم ذلک فافزعوا و کبروا وصلوا و تصدقوا ' (جیسے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے جب تم اس طرح کا واقعہ دیکھو تو اس سے خوف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عظمت و کبریائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ وخیرات کرو) البتہ ملا علی قاریؒ نے اس کے ایک اہم سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا' وانّ اللّٰہ اذا تجلی لشئی من خلقه خشع له فان ظاهره ان سبب الکسوف خشوعهما لله تعالیٰ و لعل السر فی ذلک ان النور من عالم الجمال الحسی فاذا تجلت صفة الجلال انطمست الانوار لهیبته و عظمته و من ثم قال طاؤس لما نظر للشمس و هی کاسفة بکی حتی کاد ان یموت و قال هی اخوف لله منا ۔(جمع ج۲ص۱۵۰)(اور جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتے ہیں تو وہ چیز فروتنی اور اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتی ہے تو یہاں بھی بظاہر سبب کسوف سورج اور چاند کی اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع فروتنی کا اظہار ہی ہے اور شاید کہ اس میں یہ خفیہ راز ہو کہ نور (روشنی) حسی اور ظاہری جمال کے عالم میں سے ہے اور جب ان پر ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت جلال کی تجلی کا پرتو پڑا تو اس کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے (سورج وچاند کے) انوار مٹ اور بجھ گئے اس لئے تو امام طاؤسؒ نے جب سورج گرہن دیکھا تو اتنا روئے کہ قریب تھا کہ مرجاتے اور پھر فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں سے بھی زیادہ ڈرنے والا ہے)

(۳۱۱/۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّآئِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ابْنَةً لَهُ تَقْضِيْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَ هِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ صَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِيْ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ اَبْكِيْ اِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهٗ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابواحمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عطاء بن سائب کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمہ سے نقل کی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک لڑکی قریب الوفات تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو گود میں اُٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہی رکھے رکھے ان کی وفات ہوگئی۔ امّ ایمن (جو حضور اکرم ﷺ کی ایک باندی تھی) چلا کر رونے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا۔ (چونکہ حضور اکرم ﷺ کے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اس لئے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمائیں اور، اُن میں شفقت و رحمت کا مادہ عطا فرمائیں) پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے۔ حتی کہ خود اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی حمد کرتا ہے۔

تقضی اور حضن کا معنی :

قال اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم ابنة له..... تقضی بمعنٰی قضاء کے ہے، یہاں موت کا وقوع مراد ہے۔ القضاء مرجعه الى انقطاع الشيء و تمامه۔ (جمع ج۲ ص۱۵۱) (قضا کا مآل اور انجام اس چیز کے ختم اور پورے ہونے پر ہوتا ہے)

فاحتضنها ...... یہ حضن (بمعنی گود) سے ہے، وهو مادون الا بط الی الکتف او الصدر والعضدان و ما بینهما ۔(مناوی ج۲ص۱۵۱)(اور وہ بغل کے نیچے کندھے تک یا سینہ اور دونوں بازوں اوران کے درمیان کو کہتے ہیں)

قصہ بیٹی کا نہیں نواسی یا نواسے کا ہے :

یہ قصہ کس بیٹی کا ہے۔اس میں علماء کا اختلاف ہے۔مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں،مگر راجح یہی ہے کہ یہ قصہ آپ ﷺ کی کسی نواسی یا نواسے کا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آپ ﷺ کے کسی صاحبزادے کا واقعہ ہو۔وقال عالم المغرب ، لعل المذکور : ابنه ، فوقع تحریف فی الکلمة (اتحافات ص۳۵۰)(مغرب کے بعض حضرات کا قول ہے کہ حدیث کا لفظ بجائے ابنة کے شاید ابنہ ہو تو گویا کلمہ میں تحریف (ردوبدل) واقع ہوئی ہے) قالوا اِن المراد ببنته هی أمامة بنت بنتهٖ زینب و کانت متزوجة لأبی العاص ابن الربیع (اتحافات ص۳۵۰) (اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بیٹی سے مراد آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہ ہیں جو کہ حضرت زینب ؓ کی بیٹی تھی اور حضرت زینب ؓ ابوالعاص ابن الربیع کی بیوی تھیں)

ملا علی قاریؒ نے اس احتمال کی پرزور مفصل تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ لکنه اشکل من حیث ان اهل العلم بالاخبار اتفقوا علی ان امامة عاشت بعد النبی صلی الله علیه وسلم حتی تزوجها علی بن ابی طالب ...... (اس میں ایک اشکال یہ ہے کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امامہ ؓ تو حضور ﷺ کے بعد بھی بہت وقت تک زندہ رہی تا آنکہ اس سے حضرت علیؓ نے نکاح بھی کیا تھا) پھر بعد میں فرمایا'ویحتمل ان یکون المراد ابن بعض بناته و هو الظاهر ففی الاسباب المیلادی ان عبد الله بن عثمان من رقیة بنته صلی الله علیه وسلم مات فی حجره فبکی و قال انما یرحم الله من عباده الرحماء ...... (جمع ج۲ص۱۵۲)(اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا کوئی نواسہ ہو اور یہی ظاہر بھی ہے کیونکہ اسباب المیلادی میں ہے کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ ؓ کا بیٹا عبداللہ بن عثمانؓ آپ ﷺ کے گود میں فوت ہوا تو آپ ﷺ اس وقت روئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی

اپنے رحماء بندوں ہی پر رحم فرماتے ہیں)

الغرض واقعہ جس کا بھی ہو، مقصود آپ ﷺ کی رقت، نرم دلی، محبت اور شفقت کا بیان ہے۔ اولاد کے ساتھ محبت وشفقت نہ تو ولایت کے خلاف ہے، اور نہ نبوت کے، بلکہ عینِ فطرت، بلکہ عند اللہ ممدوح ومطلوب ہے۔

حضرت ام ایمنؓ :

وصاحت ام ایمنؓ...... حضرت ام ایمنؓ حضور اقدس ﷺ کی آزاد کردہ لونڈی رونے لگی۔ ام ایمنؓ کا اصلی نام برکتہ تھا۔ معرکۂ احد میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمات کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں۔ حضرت ام ایمنؓ آپ ﷺ کے لئے والد کی طرف سے میراث میں آئی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا پلایا تھا، پھر آپ ﷺ نے اُن کا نکاح بھی اپنے خادم خاص حضرت زیدؓ سے کیا، جس کے بطن سے اُسامہ پیدا ہوئے، اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بیس (۲۰) دن بعد فوت ہوئیں۔ صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ وامّ ایمن ھی التی حضنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مولاتہ و ھی التی تزوجھا زید بن حارثۃ و ولدت لہ أسامۃ و ماتت بعد وفاۃ عمر بعشرین یوما۔ (اتحافات ص ۳۵۰)

اتبکین عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... (کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہے) عندی کے بجائے عند رسول اللہ کہا گیا۔ لانہ ابلغ فی الزجر۔ (جمع ج ۲ ص ۱۵۱) (اس لئے کہ حدیث شریف کے گذشتہ الفاظ بنسبت لفظ عندی کے ڈانٹنے میں زیادہ بلیغ ہیں)

نوحہ شرعاً ممنوع ہے :

حضرت امّ ایمنؓ کا رونا ممنوع ومحظور تھا کہ اس میں نوحۂ صیاح، جزع اور عدم الرضاء بالقضاء کے آثار تھے۔ کیونکہ شریعت میں چلاّ چلاّ کر رونا اور میت پر جزع فزع کرنا منع ہے۔ پیٹنا، بال نوچنا، گریبان چاک کرنا، منہ پر طمانچے مارنا، سینہ کوبی کرنا، خاک اڑانا، رونے کی یہ تمام قسمیں شرعاً قطعاً ممنوع ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے لیس منا من ضرب الخلود و شق الجیوب و دعا

بدعوی الجاهلیة ۔ (بخاری ومسلم) (کہ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے اور گریبان پھاڑتا ہے اور دورِ جاہلیت کی باتیں کرتا ہے) جو خاتون نوحہ کرتی اور سنتی ہے، اللہ نے اس پر لعنت بھیجی ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم علی النائحة و مستمعة ۔ (ابوداؤد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انا بریء ممن حلق و صلق و خرق ۔ (بخاری ومسلم) میں اس شخص سے بری ہوں جو سر منڈائے اور چلا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

قال لست ابکی انما ھی رحمة ...... آپ ﷺ نے امّ ایمنؓ سے فرمایا کہ میرا رونا تیرے رونے کی طرح نہیں، یہ رونا نہیں شفقت و محبت اور صبر ہے، حوصلہ ہے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ کما فی الصحیحین جعلھا اللہ فی قلوب عبادہ فانما یرحم اللہ من عبادہ ۔ (جمع ج۲ ص۱۵۲) (جیسے کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہے کہ اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ویؤیدہ ماورد ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضی الربّ و انا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون ۔ (جمع ص۱۵۲) (اور اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل بھی غمگین ہے لیکن کہیں گے وہی بات جو ربّ تعالیٰ کو پسند ہوگی اور بے شک تیری جدائی پر اے ابراہیم ہم مغموم ہیں)

(۳۱۲/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَ هُوَ مَیِّتٌ وَهُوَ یَبْکِیْ اَوْ قَالَ وَ عَیْنَاهُ تُهْرَقَانِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عاصم بن عبید اللہ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی اور انہوں نے اسے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے

روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عثمان بن مظعونؓ کی پیشانی کو اُن کی وفات کے بعد بوسہ دیا۔ اُس وقت حضور اکرم ﷺ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔

راویان حدیث (۵۹۱) عاصم بن عبید اللہ (۵۹۲) قاسم بن محمد اور (۵۹۳) عثمان بن مظعون کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کا بوسہ لیا :

ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعونؓ فوت ہوئے، تو حضور اقدس ﷺ نے ان کا بوسہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنسو اُن کے رخسار پر گر رہے تھے۔ فرأيت دموع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسیل علی خدّ عثمان۔ (جمع ج ۲ ص ۱۵۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعونؓ فوت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے چہرے سے چادر ہٹائی، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور بہت روئے۔ قبل بین عینیہ ثم بکی طویلا (جمع ج ۲ ص ۱۵۳) پھر جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ارشاد فرمادیا، اے عثمانؓ! تیرے لئے بشارت ہے کہ نہ تو تو نے دنیا پہنی اور نہ دنیا تجھے پہن سکی۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ طوبیٰ لک یا عثمان لم تلبسک الدنیا ولم تلبسها۔ (جمع ج ۲ ص ۱۵۳)

(۶/۳۱۳) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ وَ هُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ اَفِيْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ قَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَنَا قَالَ انْزِلْ فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابو عامر نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فلیح بن سلیمان نے ہلال بن علی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی صاحبزادی (اُمّ کلثوم) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے آنسو جاری تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اُترے، جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ حضور ﷺ کے فرمانے سے وہ قبر میں اُترے۔

راویان حدیث حدیث (۵۹۴) ابو عامرؒ اور (۵۹۵) ھلال بن علیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امّ کلثومؓ کا انتقال:

شهدنا ابنة لرسول الله صلى الله عليه و سلم ...... یہ متوفاۃ حضور اقدس ﷺ کی لختِ جگر حضرت امّ کلثومؓ تھیں، جو حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں تھیں۔ جالس على القبر اى على طرفه و اغرب شارح حيث قال و فى الحديث جواز الجلوس على القبر۔ (جمع ج۲ ص۱۵۴) (یعنی حضور ﷺ قبر کی ایک جانب بیٹھے ہوئے تھے اور کسی شارح نے یہ تو عجیب بات کہی کہ حدیث میں قبر پر بیٹھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے)

لم یقارف کا معنیٰ:

لم يقارف الليلة ...... جامع الاصول میں ہے، لم يقارف اى لم يذنب ذنبا ۔ (کہ آج کی رات کوئی گناہ نہ کیا ہو) محدث کبیر شیخ رشید احمد گنگوہیؒ بھی اسی معنیٰ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ دوسرا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ويجوز ان يراد الجماع فكنّى عنه ۔ (جمع ج۲ ص۱۵۴) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد جماع ہو پس حضور ﷺ نے اس سے کنایہ کیا ہو)

و أصلها الدنو واللصوق ۔ (اتحافات ص۳۵۲) (یقارف کا اصلی اور لغوی معنیٰ نزدیک ہونا اور چپکنا ہے) حضور اقدس ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ میری بیٹی کو وہ شخص قبر میں اُتارے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو اور اگر دوسرا معنیٰ مراد لیں، تو معنیٰ ہوگا، جس نے آج رات گناہ نہ کیا ہو۔ اس کے جواب میں حضرت ابوطلحہؓ آگے بڑھے اور اپنی خدمات پیش کیں، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا

......انزل' فنزل فی قبرها 'حضرت ابوطلحہؓ کو حکم فرمایا۔ چنانچہ والد اور شوہر کی موجودگی میں حضرت ابوطلحہؓ نے انہیں قبر میں رکھا۔

ایک اشکال کا جواب :

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ، حضرت امّ کلثوم کے ذی رحم محرم نہیں ہیں۔ محرم کے ہوتے ہوئے اس کو کیوں حکم دیا گیا، جواب میں شارحین کہتے ہیں کہ بیانِ مسئلہ غرض تھی...... وفیہ حل جواز دخول الاجنبی القبر باذن من ولی المیت ۔(اتحافات ص۲۵۲)(اور حدیث سے اجنبی شخص کا ولی میت کی اجازت سے قبر میں داخل ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے) دوسرا یہ کہ اس میں ایک خاص مصلحت تھی۔ وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اس رات اپنی ایک جاریہ سے جماع کیا تھا اور بیمار زوجہ سے بے اعتنائی برتی تھی، جس پر لطیف سی تنبیہ مقصود تھی۔ حکم ہوا کہ اُن کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیا جائے' مگر یہ ایک وقتی رنجش تھی، جو جلد ختم ہوگئی۔ تاہم حضرت عثمانؓ کے لئے یہ شرعاً کوئی جرم نہ تھا اور اگر ضرورت ہوتو کچھ اشکال بھی نہیں اور اگر حضرت گنگوہیؒ کا ترجمہ لیں، پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نے اللہ کی ذات پر توکل وبھروسہ اور اعتماد کر کے خود کو پیش کر دیا۔

ابوطلحہ کون تھے ؟

یہ ایک مشہور صحابی ہیں، جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کا نام زید بن سہل انصاری خزرجی ہے' ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، شهد المشاهد و قال صلی اللہ علیه وسلم لصوت ابی طلحة خير من مائة رجل و قتل يوم حنين عشرين رجلاً واخذ اسلابهم و فضائله كثيرة ۔(جمع ج۲ص۱۵۴)(آپؓ سب غزوات میں شریک رہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوطلحہؓ کی آواز تو بہتر اور بھاری ہے سو(۱۰۰) آدمیوں کی آواز سے بھی۔ غزوہ حنین میں آپؓ نے بیس (۲۰) آدمیوں کو قتل کر کے ان کے مال واسباب بھی اٹھائے اور اس کے فضائل ومناقب بہت ہیں) وهو عم انس و زوج امه و ليس فی الصحب احد يقال له ابوطلحة سواه ۔ (مواہب ص۲۳۶)(آپؓ حضرت انسؓ کے چچا اور ماں کے خاوند بھی تھے اور صحابہؓ میں آپؓ کے علاوہ اور کوئی ابوطلحہ نہیں ہے)

الحاصل :

علامہ احمد عبدالجواد الدومیؒ آخر باب کا حاصل تحریر فرماتے ہیں کہ :

وفی الباب ستة احادیث و قد قرأنا ان دموع رسول الله صلی الله علیه وسلم کانت تسیل للرحمة الرحیمة ' والعاطفة الکریمة و قد أفاضت الأخبار الأخریٰ ببکاء رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و هو فی صلاته أوحین یذکر احوال أمته ' و هکذا و لقد کان بکاء النبی صلی الله علیه و سلم من غیر صوت ' کما أن ضحکه کان کذالک ' والله اعلم ۔(اتحافات ص۳۵۲)(اس باب میں چھ احادیث تھیں اور ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے آنسو مبارک رحمت وشفقت اور نرم دلی کی وجہ سے بہا کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے احادیث مشہورہ سے حضور ﷺ کا نماز میں رونا یا امت کے حالات کے تذکرہ کے وقت رونا یا اس جیسے دوسرے امور کے وقت رونا ثابت ہے البتہ آپ ﷺ کا رونا بغیر کسی آواز کے ہوتا تھا جیسے کہ آپ ﷺ کا ہنسنا بھی بغیر آواز کے ہوتا تھا)

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنٰی مفروش کے ہے، جیسے کتاب بمعنٰی مکتوب کے ہیں، اس کی جمع فُرش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ ویقال له ایضاً فرش من باب التسمية بالمصدر ' وقد ورد فی صحیح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضیف و فراش للشیطان و انما اضافه للشیطان لانه زائد علی الحاجة مذموم و قیل لانه اذا لم یحتج إلیه کان مبیته و مقیله۔ (مواهب ص۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورت اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا مبیت (بیتوتة کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ) کی جگہ ہے) حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے' ٹاٹ اور بوریا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی فرماتے ہیں "حضور نبی کریم ﷺ کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم وبیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً' آپؐ دنیاوی ساز و سامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کو عنایت فرمائی تھیں، مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی' ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا"۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے لئے بستر بچھا دیا، تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا، تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپ ﷺ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی، اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۵۹۶) علی بن مسہرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سیدِ دو عالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیشِ نظر اپنی اُمت کو عبادت، زہد، ریاضت، محنت، مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمتِ خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی عیش و آرام اور تنعم کی زندگی ترک فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدّے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہقی نے امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بسترہ دیکھا جو چمڑا کو دوہرا کر کے بچھا رکھا تھا فبعث الیّ بفراش حشوہ صوف وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضور ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا، فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستره دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔

واللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذھب والفضۃ

''اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہٗ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے'' یعنی خوب آرام، عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں، مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت و آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمدؒ اور ابوداؤد الطیالسیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے فاثر فی جنبہٖ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر واقدس پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا:

''مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا''

''مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام، میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے''۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبہانی امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسمِ مبارک پر بوریے کے نشان نظر آرہے تھے۔ حجرہ کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو روپیہ آرہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گذر بسر ہے۔ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا' اے ابن خطاب ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چندروزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے' جو کبھی ختم نہ ہوں گی''۔

شرح سنۃ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ

یرکب الحمار العری و یجیب دعوۃ المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض

''برہنہ گدھے پر سواری فرماتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے''۔ (شرح غوثیہ ۴۲۱ تا ۴۲۳)

الادم' ادیم کی جمع ہے وھو الجلد المدبوغ 'او الاحمر' او مطلق الجلد ولعل الخشونۃ کانت تساعدہ علی قلۃ النوم' لأن الفراش الوثیر یساعد علی کثرۃ النوم و ھذا دلیل الزھادۃ الحقیقیۃ فان قدرتہ او سع من ذلک بکثیر۔ (اتحافات ص ۳۵۴) (ادیم کا معنی رنگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھردرا پن وسختی نیند کی قلت میں معاون ومددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم وملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق ومعاون ہوتا ہے اور یہی چیز دراصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی طاقت وقدرت میں اس سے زیادہ قیمتی وملائم کی بھی وسعت ہوسکتی تھی)

(۳۱۵/۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْخَطَّابِ زِیَادُ بْنُ یَحْیَی الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَیْمُوْنٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُہٗ لِیْفٌ وَ سُئِلَتْ حَفْصَۃُ مَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِکِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِیْہِ ثِنْیَتَیْنِ فَیَنَامُ عَلَیْہِ فَلَمَّا کَانَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَیْتُہٗ اَرْبَعَ ثِنْیَاتٍ لَکَانَ اَوْطَأَ لَہٗ فَثَنَیْنَاہُ لَہٗ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْنِیَ اللَّیْلَۃَ قَالَتْ قُلْنَا ھُوَ فِرَاشُکَ اِلَّا اَنَّا ثَنَیْنَاہُ بِاَرْبَعِ ثِنْیَاتٍ قُلْنَا

هُوَ اَوطَأُ لَکَ قَالَ رُدُّوْهُ لِحَالَتِهِ الْاُوْلٰى فَاِنَّهُ مَنَعَتْنِىْ وَطْأَتُهُ صَلٰوتِى اللَّيْلَةَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحیٰی بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطہ سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر ہ کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرّہ کا بستر ہ تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھردرے بستر کو ترجیح :

المسح بکسر المیم ' ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوتا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل و ھو کساء خشن من صوف ۔

(اتحافات ص ۳۵۴)

مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے : حضور سیّد دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بستر ے، یہ آرام و آسائش، یہ تنعم دنیوی تمہیں یادِ الٰہی، نماز اور تہجد سے بے پروا غافل نہ کر دیں۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بستر ہ استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نمازِ تہجد کہیں نہ پڑھی جا سکے۔ آج ہمیں سرورِ انبیاء، شفیقِ اُمت، پیغمبر اسلام ﷺ کی اِس سنتِ مبارکہ کو زندہ کرنا چاہیے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے

دیکھا اور آپ بوریئے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن هنا نستفيد كيف أن لين الفراش كاد يمنع رسول الله صلى الله عليه و سلم من التهجد و اذا كان الرسول و هو الذى تنام عينه ولاينام قلبهٗ يخشى الفراش الوثير فكيف بنا نحن ؟ إن الكثير مِن المسلمين يفرح إذا استغرق فى النوم مِن أول الليل الى اٰخره والأكثر مِن الكثير يحزن اذا لم يكن عنده الفراش الوثير إننا نتفنن اليوم فى السرر والستائر و النمارق ' ناسين البساطة الحلوة ' والسنن الكريمة ۔(اتحافات ص ۳۵۵)(اوران احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپ ﷺ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا۔ اور جب کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سوجاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم وملائم بستر کا سببِ غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہوگی حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخرِ رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم وملائم اور آسائش وآرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان وغمگین رہتے ہیں ادھر آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت، پلنگ، صوفہ سیٹ گاؤ تکیے ، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل ، دری ، ٹاٹ ، فرش زمین) وغیرہ کی میٹھی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں)

==============================

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنی اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل، عاجزی، فروتنی، انکساری اور خشوع ہے۔ و عند الصوفية تذلل القلوب لعلام الغيوب بالتسليم لمجاری احكام الحق (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور صوفیاء کرامؒ کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکامِ حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ۔ تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضى جاهه، و تنزله عن مرتبة أمثاله و عند المحققين : التواضع هو : أن لا يرى العبد لنفسه مزية و يرى الحالة التي هو فيها اعظم مِن أن يستحقها و سئل أبو يزيد : متى يكون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم ير العبد لنفسه مقالا و لاحالا ۔ (اتحافات ص ۳۵۶) (تواضع کا معنیٰ عرفِ عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضوراقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے۔ حضراتِ صوفیاءِ کرام کہتے ہیں، تواضع میں کمال تب آتا ہے، جب تجلی شہود میں کمال حاصل ہو۔ علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض

العارفین "لا یبلغ العبد حقیقة التواضع الا اذا دام تجلی الشهود فی قلبه" (مواہب ص۲۳۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلیٔ شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے :

شیخ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبر کی وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب روتھے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدسؐ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا :

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، فقال علی جمع الحطب یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے فقالوا یا رسول الله نکفیک العمل، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت ! یہ کام تو ہم خود کرلیں گے فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکره ان اتمیز علیکم و ان الله یکره من عبده ان یراه متمیزا بین اصحابه ۔ (جمع ج۲ص۱۶۱) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کرلو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال :

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں لم یاکل متکأ بعد حتی فارق الدنیا و قال اجلس کما یجلس العبد و آکل کما یا کل العبد و لم یقل لشیء فعله خادمه انس اف قط وما

ضرب احدا من عبیدہ و امائہ وھذا امر لایتسع لہ الطور البشری لولا التائید الالٰھی و عن عائشة انھا سئلت کیف کان اذا خلا فی بیتہ قالت ألین الناس بساما ضحاکا لم یرقط مادا رجلیہ بین اصحابہ و عنھا ما کان احد احسن خلقا منہ مادعاہ احد من اصحابہ الا قال لبیک و کان یرکب الحمار و یردف خلفہ (جمع ج۲ص۱۶۰) (نبی کریم ﷺ نے کبھی (بلاعذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت انس ؓ کو کسی کام کرنے پر اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائیدِ خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوعِ انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت وقدرت نہیں ہوسکتی اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا ؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے نرم مزاج والے۔ تبسم اور ہنسنے والے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ ؓ کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہ ؓ (ساتھیوں) میں سے کسی نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں) اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۳۱۶/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَسَعِیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِیُّ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصٰرٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع ،سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے

لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویان حدیث (۵۹۷) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ اور (۵۹۸) عبید اللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدح رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے:

لا تطرونی ...... اطراء کا معنیٰ کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا۔ **هو مجاوزة الحد فی المدح**۔ (اتحافات ص ۳۵۶) **وهو المبالغة فی المدح والغلو** (مناوی ج۲ ص ۱۶۱) (علامہ مناویؒ اطراء کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو، جو خلافِ واقع ہو، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے، **فالمعنیٰ لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغیر الواقع**۔ (مناوی ج۲ ص ۱۶۱)

کما اطرت النصاری عیسی بن مریم ...... جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں مبالغہ کیا۔ حد سے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا **وکما حرفوا قوله تعالیٰ فی الانجیل عیسی نبیی وانا ولدته** (جمع ج۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ "عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے" میں تحریف (رد وبدل) کی ہے)

یہ کفریہ عقائد مدح میں غلو، حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ **علی قصد التعظیم و ارادة التکریم** (بارادۂ تعظیم وتکریم) کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت ورسالت :

انما انا عبد الله فقولوا عبد الله و رسوله : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول' میں مقام عبدیت میں ہوں، پھر کلمۂ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ واشهد ان محمدا عبده و رسوله (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۃ کہف میں ارشاد ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ۔ (کہف:۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ...... (بنی اسرائیل:۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت ورسالت انتہائی صفتِ کمال ہے۔ وهذا غاية الكمال فى مرتبة المخلوق فلا تقولوا فى حقى شيئًا ينافى هاتين الصفتين ولا تعتدوا فى شأنى وصفاً غيرهما (جمع ج۲ص۱۶۱) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت ورسالت انتہائی صفتِ کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

والى هذه الزبدة اشار صاحب البردة بقوله ...... ؎

دع ما دعته النصارىٰ فى نبيهم
واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا' اور ہر طرح کی صفت کر' جس طرح جی چاہے' مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح اُنہوں نے عیسٰی ابن مریم کی صفت کی تھی۔

آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفاتِ کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض ...... ؎

ارى كل مدح فى النبى مقصرا — وان بالغ المثنى عليه و اكثرا
اذا الله اثنى بالذى هو اهله — عليه فما مقدار ما يمدح الورىٰ

و لقد احسن من قال مِن ارباب الحال .... ؎

ما اِن مدحت محمدا بمليحتی بل قد مدحت مديحتی بمحمد

(جمع ج۲ص۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارضؒ کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگر چہ ثناء ومدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء ومدح ایسی ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا اربابِ حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف ومدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کردی)

(۲/۳۱۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اِمْرَأَةً جَآئَتْ اِلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَتْ اِنَّ لِيْ اِلَيْکَ حَاجَةً فَقَالَ اِجْلِسِيْ فِيْ اَيِّ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَيْکِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبد العزیز نے حمید کے واسطہ سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ میں بیٹھ جا میں وہیں آکر سُن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبدالعزیزؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری :

اِن امرأة جاء ت الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... یہ خاتون کون تھیں، اور نام کیا تھا، لم یقف الشراح علی اسم المرأة ۔(اتحافات ۳۵۷) (شارحین حضراتؒ اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و فی بعض حواشی الشفا اسمھا ام زفر ۔(مواہب ص ۲۳۸) (کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں ۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتورِ عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی ۔اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے ۔اس لئے حضور اکرم ﷺ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمالِ تواضع کی انتہا :

ارشاد فرمایا، اجلسی فی ایّ طریق المدینة شئتِ یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا ۔علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہو، تا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ’’حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سرِ راہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے‘‘۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ’’ھذا (الحدیث) دلیل علی مزید تواضعه وبراء ته مِن جمیع انواع الکبر‘‘ (جمع ج ۲ ص ۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر و بڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز و اکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضاعی ماں ہے۔

اخذِ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا' یہ بھی تواضع ہے' اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوۃ بالاجنبیۃ نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا۔ فیہ تنبیہ علی ان الخلوۃ مع المرأۃ فی زقاق لیس من باب الخلوۃ فی بیت معھا (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۹) (اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا یہ اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ کمرے میں ہو)

(۳/۳۱۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمِ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَ يَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَ يُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَ كَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَّخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِّنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِّنْ لِيْفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعور کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت

فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پٹھوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔

راوی حدیث (۶۰۰) مسلم الاعورؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

یعود المریض ' یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جارہی ہے۔

حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام، جوان ہوتا یا بوڑھا، عورت ہوتی یا مرد، مسلمان ہوتا یا کافر، بیمار پرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ **و کان یقول للمریض کیف تجدک او کیف اصبحت او کیف امسیت ' اولاباس علیک ' طهور ان شاء الله او کفارة و طهور**۔ (اتحافات ۳۵۸) (اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے (یعنی آپ کی طبیعت کیسے ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) انشاءاللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔ حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ''بیمار کی درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے **بسم الله ارقیک من کل داء یوذیک الله یشفیک** (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا، تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہو گیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے

مشرف ہوا اور ابوداؤد میں ہے کہ **فنفخ في وجهي فافقت** میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہو گیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا :

یاجابر لا اراک میتا من وجعک هذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔ **یجب للمسلم علی المسلم ست** یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں"۔

جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے **اذهب الباس ربّ الناس ، واشف انت الشافي ، لا شفاء الا شفائک شفاء لا یغادر سقما** (اتحافات ص ۳۵۸) (اے لوگوں کے ربّ! اس (مریض) کے خوف و تکلیف کو دور فرما دے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تواضع بھی ہے۔ اس لئے کہ **لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاهه و تنزله عن مرتبة امثاله** (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ و مرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزلی اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں :

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے

اس کو عذابِ جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے **من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده " اسأل الله العظیم، رب العرش العظیم ان یشفیک (سبعاً) فان الله تعالیٰ یشفیه** ۔(اتحافات ص ۳۸۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرشِ عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعین نہیں :

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسب فرصت و ضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمالیا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں **ولم یکن من هدیه علیه الصلوٰۃ والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادۃ المریض ولاوقتا من الاوقات بل شرع لامته عیادۃ المرضٰی لیلًا و نهارًا و فی سائر الاوقات و فی المسند عنه و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غدوۃ صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسي و ان کان مساء صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح** ۔(زادالمعاد ج ۱ ص ۱۷۰) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسبِ فرصت بلا تکلف عیادتِ مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوع میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیماری پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جا رہا ہے تا آنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے

رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

و یشهد الجنازة یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے' جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای یحضرها لتشییعها والصلوة علیها سواء کانت لشریف أو وضیعٍ فیتأکد لأمته فعل ذلک اقتداء به صلی اللہ علیه وسلم ۔(مواہب ص۲۳۸)(آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

و یرکب الحمار اونٹ' اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کرلیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھالیا کرتے تھے۔ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ای مع قدرته علی الناقة والفرس والجمل و ربما کان یردف احد معه ۔(جمع ج۲ص۱۶۴) جب حضور اقدس ﷺ مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔بنی عبد المطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھالیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔و جاء فی مختصر السیرة للمحب الطبری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم رکب حمارا الی قباء ' و کان مع ابوهریرة فقال أحملک بهافقال ماشئت یارسول اللہ! فوثب لیرکب' فلم یقدر! فاستمسک به صلی اللہ علیه وسلم فوضعا جمیعاً و حاول ابوهریرة الرکوب مرة أخری فوضعا جمیعاً ۔ (اتحافات ص۳۵۹) (محب الطبری کی ''مختصر السیرۃ'' میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابوھریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابوھریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔تو ابوھریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابوھریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر

گر دونوں گئے) ۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے خچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاوی میں معمولی ٹٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں ۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بہ آسانی اُٹھالیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت وقوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ہوں ۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے ۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت اور عظمت و مقام کے جو دونوں جہاں کے سرداری سے حاصل تھا ، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا ۔ و تأسی به أكابر السلف فی ذلک فقد كان لسالم بن عبد الله بن عمر حمار هرم فنهاه بنوه عن ركوبه فأبى فجدعوا أذنه فركبه فجدعوا الاخرىٰ فركبه فقطعوا ذنبه فصار يركبه مجذوع الأذنين مقطوع الذنب ۔ (مواہب ص ۲۳۸) (اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر و اسلافِ امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم ابن عبداللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؒ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؒ کے بیٹوں نے گدھے کی دُم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؒ کان اور دُم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

يجيب دعوة العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے ۔ چاہے جس ضرورت و حاجت کے لئے آپ کو بلاتے ۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے ہوتے ۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ المملوک کی تصریح بھی آئی ہے ۔ ای الى ایّ حاجة دعاه ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) ممکن ہے کہ یہاں ''العبد'' سے مراد ''عبد ماذون '' ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے ۔ یا عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہو ۔ و سمی عبدا باعتبار ماكان فالمراد به المعتوق

(جمع ج۲ص۱۶۴) (اور اس کو غلام باعتبار گذشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبدِ معتوق 'آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرما لیتے اور استنکاف نہ فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔ یہ صورت تب بنتی ہے' جب عبد سے مراد "عبد رقیق" ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں' اسی بات کا تذکرہ ملاعلی قاریؒ فرما رہے ہیں او کان یجیب دعوة العبد من عند سیده و لم یمتنع عن اجابته لعدم ما أتی سیده بنفسه کما هو شأن الأکابر الزمان ۔ (جمع ج۲ص۱۶۴) الغرض آپ عام لوگوں' فقراء' غرباء' مساکین' غلاموں اور محبین کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے اُن کی عزت افزائی ہوتی تھی ۔ عن انس قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقعد علی الارض و یأکل علی الاوض و یجیب دعوة المملوک ای علی خبز الشعیر و یقول لودعیت الی ذراع لاجبت ولو اهدی الی کراع لقبلت و کان یعتقل شاته ۔ (جمع ج۲ص۱۶۴) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھے بھی تھے اور اس پر کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے)

بنو قریظہ !

و کان یوم بنی قریظة ...... جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضورِ اقدس ﷺ نے ہتھیار اُتار دینا چاہے، مگر حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار اُتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کرلیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنو قریظہ

کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان وشوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان وشوکت اور بنی ٹھنی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان، کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان ''من لیف'' یعنی کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔

وعليه اكاف ' اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ هو كالسرج للفرس " من ليف " من بيانية و ركوب الحمار مع هذا الانتصار ' خلق لايقدر عليه الاالسيد المختار ۔(اتحافات ص ۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق وخصلت ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند واختیار کرے)

وقد نظم الحافظ العراقي معنىٰ هذ الخبر فاجاد حيث قال ......

يمشي مع المسكين والارملة   في حاجة من غير ما انفة
يردف خلفه على الحمار   على اكاف غير ذى استكبار
يمشي بلا نعل و لا خف الى   عيادة المريض حوله الملا

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۵)

(اور اسی کو بہتر انداز میں حافظ العراقیؒ نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں اور بے واؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳۱۹/۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَ لَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبدالاعلی کوفی نے یہ روایت بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اُس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔اخیر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

يدعى الى خبز الشعير...... شعیر جَو کو کہتے ہیں۔الاہالہ ہر وہ روغن جو بطورِ سالن کے استعمال ہو،اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دنبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد دسومۃ کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وهو كل شيء من الادهان مما يؤتدم و قيل ما اذيب من الالية و الشحم و قيل الدسم الجامد (جمع ج ۲ ص ۱۶۵)

السنخة قال الزمخشرى سنخ إذا تغيّر و فسد و أصله فى الأسنان يقال سنخت الأسنان اذا فسدت أسناخها (علامہ زمخشریؒ سنخة کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز اور کھانے میں تغیر تبدل اور فساد آ جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ اى الشئى او الطعام۔اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔عرب محاورہ میں کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آ جائے)۔

شیخ الباجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ و يؤخذ مِن ذلك جواز أكل المنتن من لحم وغيره حيث لاضرر (مواہب ص ۲۳۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بدبودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنی میں

بد بودار کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ پرانا ہونا، منجمد ہونا اور بات ہے اور بد بودار ہونا اور بات' آپ ﷺ نظیف تھے اور بد بودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء :

ولقد کانت له درع' آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابوشحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی' بعد میں اسے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدها یعنی وصال تک رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، لانه صلی الله علیه و سلم مات فقیرا و قد فکها من بعده ابوبکر' و قیل الامام علی، و هذه الحال مع ما کان علیه النبی صلی الله علیه و سلم من مال خیبر و ارض فدک و غنائم الجهاد۔ (اتحافات ص ۳۶۰) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکر ؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے چھڑایا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجودیکہ مالِ خیبر فدک والی زمین اور جہاد میں مالِ غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذِ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت' رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔

وکان الرهن النبی صلی الله علیه وسلم عند الیهودی لبیان جواز ذلک (اتحافات ص ۳۶۰)

بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے' جو اپنے اوپر دَین چھوڑ جاتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دَین کی ادائیگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاءِ دَین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ وعدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تا کہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کر کے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگر چہ صحابہ کرامؓ پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر و فاقہ کا دور گزرا ہے، مگر آخر عمر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی تھی۔ قریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرامؓ متمول تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اولاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۳۲۰/۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَا تُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَآءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار

درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویان حدیث (۶۰۱) ابوداؤد الحفریؒ اور (۶۰۲) الربیع بن صبیحؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان، رث بوسیدہ، پھٹے، پرانے اور " قطیفة " پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع وعبدیت کا اظہار :

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمالِ تواضع، فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں، بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سو اونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابۂ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا وشہرت سے حفاظت کی دعا :

اللهم اجعله حجاً ...... یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ وشہرت، یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی، مسکینی اور تواضع وعبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے۔ بہر حال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع وعبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ اس سے نہ تو ریاکاری پیدا ہوتی ہے، اور نہ سمعہ وشہرت کا شائبہ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نبیِ معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم اُمت کی غرض سے تھی۔ ہاں! ریاکاری اور شہرت وسمعہ تو ان لوگوں میں آ سکتا ہے، جو کہ نفیس سواریوں پر بیٹھیں اور اعلیٰ

وعمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں۔ عیش وعشرت کے سامان واسباب کا اس کے پاس وفور ہو ان کے پاس گروہ در گروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں، اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سو اونٹ ذبح کیئے۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیئے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کئے۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے، **و منهم عمر اهدى فيما اهدى له بعيرا اعطى فيه ثلثمائة دينارا فأبى قبولها**۔ (مناوی ج۲ ص ۱۶۸)

(۶/۳۲۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوْآ اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے حمید کے واسطہ سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ:

لم يكن شخص احب اليهم ...... یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے، جبکہ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو دولتِ توحید سے نوازا۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرمادیں۔ جاہلی عرب کی انتہائی

بداخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارمِ اخلاق پر فائز فرمایا۔

نیز آنحضور ﷺ ذاتِ ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان، مسلمان ہی نہیں ہوتا۔ **الا لا ایمان لمن لا محبة له** آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں۔

ایک بار سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا "اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں، سوائے اپنی جان کے"، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں، جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں"۔

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر عرض کیا کہ "اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **الآن تم ایمانک یا عمر** اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ، بھائی، ماں اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست والست تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ وصادقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حضور اقدس ﷺ اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یقوموا لما یعلمون ...... اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہر داریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماءِ کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمالِ تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔

حالانکہ خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے واقعات سے قیامِ تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہوجاتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **كان النبي صلى الله عليه وسلم يحدثنا فاذا قام قمنا قياماً حتى نراه قد دخل** ۔(جمع ج۲ص۱۷۰)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ اربابِ فضل وکمال اور ذی وجاہت و ذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ **و هذا القيام للقادم من اهل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب**۔(جمع ج۲ص۱۷۰)

حضور اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا **قوموا الى سيدكم** (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں، **قال البيهقي هذا القيام يكون على وجه البر والاكرام كما كان قيام الانصار لسعد و قيام طلحة لكعب بن مالك** (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز واکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ **و في حديث سعد دلالة على ان قيام المرء بين يدى الرئيس الفاضل و الوالى العادل و قيام المتعلم للمعلم مستحب غير مكروه**۔(مشکوٰۃ ص۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالۃً معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب

اور وجوہ مختلف ہیں۔اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں "ابوالولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔(۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔(۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔(۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔(خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں **لیس ھذا مِن القیام المنھی عنہ انما ذاک فیمن یقومون علیہ و ھو جالس و یمکثون قیاما طول جلوسہ** ۔(جمع ج۲ص۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہئے، جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے، جو اس کو ناجائز بنادے۔مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا، جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہو اور اس کے دین و ایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت و احترام دل میں نہ ہو یا ریاکاری ہو یہ صورتیں بہر حال ناجائز ہیں۔

انما كرهه تواضعاً و شفقة عليهم و خوفاً عليهم من الفتنة اذا أفرطوا فى تعظيمه (مواہب ص ۲۳۰)

(اورآپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم وشفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کرکے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوجاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكَنّٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَ كَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْأً فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَؤُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَ وَجَدْتُّهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَ عَنْ مَخْرَجِهٖ وَ شَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْأً قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اٰوٰى اِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّءَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَآءٍ جُزْءً لِّلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَجُزْءً لِاَهْلِهٖ وَ جُزْءً لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَهٗ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَايَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْأً وَ كَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِيْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسَمَهٗ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ وَ مِنْهُمْ ذُوالْحَاجَتَيْنِ وَ مِنْهُمْ ذُوالْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَ يَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَّسْاَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَ يَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَآئِبَ وَاَبْلِغُوْنِيْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُذْكَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهٗ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَايَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَ يَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِيْ عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ

كَانَ يَصْنَعُ فِيهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ وَ يُؤَلِّفُهُمْ وَلَايُنَفِّرُهُمْ وَ يُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ وَ يُحَذِّرُ النَّاسَ وَ يَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّطْوِيَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُ بِشْرَهٗ وَ خُلُقَهٗ وَ يَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَ يَسْأَلُ النَّاسَ مِمَّا فِي النَّاسِ وَ يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَ يُقَوِّيهِ وَ يُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ نَصِيحَةً وَ اَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّمُؤَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَايَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ وَ اِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَ يَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَآئِهٖ بِنَصِيْبِهٖ لَايَحْسِبُ جَلِيْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهٗ اَوْ فَاوَضَهٗ فِيْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَ مَنْ سَأَلَهٗ حَاجَتَهٗ لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِّنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَ خُلُقُهٗ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَ صَارُوْا عِنْدَهٗ فِي الْحَقِّ سَوَآءً مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَّحَيَاءٍ وَّ صَبْرٍ وَّ اَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَاتُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَ يَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَ يُؤْثِرُوْنَ ذَالْحَاجَةِ وَ يَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ ـ

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابو ہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ انہوں نے یہ روایت ابو ہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا' وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا، تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا

حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سُن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سُن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز وطریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے، تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے، اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اُس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اُٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے اُمور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم وعمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اُس وقت کو ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے اُمور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کار آمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی اُمور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم ومعارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود

ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی اُمور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی اُمور کو حضور اقدس ﷺ صحابہؓ سے خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی اُمور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسبِ ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولّی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اُکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی

فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے، تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلاند کر نہ جایا کریں۔ یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدرِ مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اُٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خُلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلس مجلسِ علم وحیاء اور صبر و امانت تھی، نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن ...... یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذیؒ نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اوّل کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذیؒ نے وہی حصہ نقل کیا ہے، جو تواضع سے متعلق ہے۔ مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیلِ علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) اور یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ من حفظ فھو حجة علی من لم یحفظ. (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہوجاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) زماناً! فیه احتمال أن هذا لکتمان کان قصداً کما یحتمل أن یکون اتفاقاً. (اتحافات ص ۳۶۳) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپائے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؓ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؓ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، لیختبر اجتهاده فی تحصیل العلم بحلیة جده أو لینتظر سؤاله عنها فإن التعلیم بعد الطلب أثبت و أرسخ فی الذهن (مواہب ص ۲۴۲) (امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل وصورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؓ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال :

فخما مفخما ای عظیماً فی نفسه و معظماً عند الخلق أو كونه عظيماً عند الله معظماً عند الناس ۔ (مواہب ص ۲۴۱) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان وعظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحبِ قدر تھے، بڑے مرتبہ والے، وجاہت والے اور پُر وقار تھے۔ اسی طرح لوگوں کی نگاہ میں بھی عظمت وشان اور ہیبت ورعب والے معلوم ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت، رعب ودبدبہ دلوں میں گھر کرتا تھا، گوکہ بظاہر جسامت وقدامت معتدل تھی، مگر اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایک ہیبت وعظمت تھی، جو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ بدرجہ کمال جلوہ گر تھی۔

شكله ! والمراد بالشكل هنا أى طريقته فى أصحابه جاء فى كتب اللغة أن الشاكلة والشكل، الطريقة والمنهب وليس المرادهنا الصفة والصورة۔(اتحافات ص ۳۶۳) ای هيئته و طريقته الشامل لمجلسه فدخل فى السوال عن الشكل السوال عن مجلسه الأتى . (مواہب ص ۲۴۲)(اور یہاں شکل سے مراد آپ ﷺ کا طور طریقہ اپنے صحابہ ؓ کے بارے میں۔) کتب لغت میں ذکر ہے کہ لفظ شاکلة اور شکل سے مراد طریقہ اور مذہب ہے اور یہاں ان سے صفت اور صورت مراد نہیں ہے۔ یعنی آپ ؐ کا طور طریقہ (برتاؤ) جو آپ ﷺ کی محفل ومجلس کو بھی شامل ہے اس لئے کہ شکل سے سوال کرنے میں تو اس کی آئندہ مجلس سے سوال واستفسار بھی داخل ہوا)

تقسیم اوقات کا اہتمام :

جزأ دخوله ثلثه اجزاء ...... یعنی اپنے دخولِ دار کے زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم فرمادیتے جزءً لله اى للعبادة والتهجد (اتحافات ص ۳۶۳) والتفكر فى مصنوعاته (مواہب ص ۲۴۲) یعنی ایک حصہ نماز، ذکرِ الٰہی، تسبیح وتہلیل، عبادت وتہجد کے لئے مقرر فرماتے اور اس حصہ میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ و جزءً لاهله یعنی ضروریاتِ اہل خانہ، حسنِ معاشرت اور اُن کے ساتھ اختلاط کے لئے مخصوص فرماتے ...... ای لموانستهن و عشرتهن و مراعاة حقوقهن فقد كان خير

الناس لاهله ۔(اتحافات ص۳۶۳)(اس لئے کہ آپؐ سب لوگوں میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت میں بے نظیر تھے)

اُمت کے لئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال :

و جزءً لنفسه : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو، غسل، دیگر حوائج ضروریہ بشری وفطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے۔ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اُمت کی فلاح واصلاح کے لئے۔صرف موجود وحاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے۔شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزأه الذی جعله لنفسه بينه و بين جميع الناس سواء من كان موجوداً و من سيوجد بعدهم إلى يوم القيامة بواسطة التبليغ عنه (مواہب ص۲۴۲)(پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ اُمت کے لئے قربانی اور ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال ہے۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کر دیا تھا :

فيرد ذالک بالخاصة على العامة ' پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا، اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے۔خواص سے مراد اکابر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ ہیں۔جیسے صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں کہ و المراد بالخصوص ' الخلفاء الاربعة و كبار الصحابةؓ ۔(اتحافات ص ۲۶۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقتِ خاص میں داخل ہوتے، پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین' علوم ومعارف اور مسائل واحکام عوام تک پہنچتے۔ای ان هــؤلاء الخواص يبلغون عنه مايسمعون منه ۔(اتحافات ص۳۶۳)(کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچا دیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ

بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقتِ خاص میں صحابہ کرامؓ علم وحکمت' اسرار ومعارف' اصلاحِ احوال' اور تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے، ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کر انہیں علم وحکمت سے بہرہ ور فرماتے، اسرار ومعارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے، تزکیۂ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الٰہی کا مرکز بنا دیتے۔ اصلاحِ احوال فرما کر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرماتے۔ اُمور تبلیغ سکھا کر ان کو توحید ورسالت کا داعی اور مبلغ بناتے۔

نصیحت وہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر...... تقسیم علوم ومعارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام وخواص سے علوم ومعارف نہ چھپاتے' **عنهم : ای عن العامة او عن الخاصة ثم تصل الی العامة او عنهما او عن الناس ' شیئاً : ای مما یتعلق بهم و فیه نفع لخصوصهم او عمومهم**۔(جمع ج۲ص ۱۷۳) (حدیث کے جملہ **ولا یدخر عنهم** میں **هم** ضمیر کے مراجع کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف **العامة** ہے یا پھر صرف **الخاصة** یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ **الناس** ہے یعنی آپ ﷺ چھپائے نہ رکھتے عام لوگوں سے یا خاصہ سے پھر ان کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ اور خاصہ) نہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصح وخیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے' **ای لا یخفی عنهم شیئاً مِن تعلقات النصح والهدایة** ۔(مواہب ص ۲۴۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ ومشائخ اپنے خواص' خدام اور ہمراز تلامذہ ومستفیدین سے علوم ومعارف' حکم ومصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مربیین واساتذہ اپنے بعض

متوسلین اور تلامذہ میں سے حسبِ لیاقت وحسب طبعی مناسبت ان کو خصوصیت وامتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور اُن کو اپنی خصوصی توجہ وعنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالح کے پیش نظر لامحالہ ان فطری اُمور کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحبِ علم وفضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے، ایثار اهل الفضل باذنه کی مراد بھی یہی ہے، باذنه کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے' جبکہ بعض روایات أُذنه (بضم الاوّل) آیا ہے، بمعنیٰ سُننے میں ارباب فضل وکمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرقِ مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ارشاد ہے، المنى مناخ من سبق '(جس نے سبقت کی یعنی (پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام وخواص' حکمران ومحکوم' اور آقا وغلام سب برابر ہوتے تھے۔البتہ ان کے فضل وعلم' صلاح وتقویٰ اور رتبہ ودرجہ میں مساوات قرینِ قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین اُمور کی تعیین فرمائی تھی۔(۱) فضل وتقدیم (۲) احتیاج وحاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔اس لئے ارشاد فرمایا،

و قسمه على قدر فضلهم فى الدين : يعنى على قدر مراتبهم فى الدين من جهة الصلاح والتقوىٰ لامنِ جهة الاحساب والانساب أو المراد على قدر حاجاتهم فى الدين ويلائمه قوله فمنهم ذوالحاجة ...... (مواہب ص۲۴۳) (پھر اصحابِ علم وفضل میں بھی ان کے صرف دینی مراتب (صلاح وتقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسبِ درجات ان کی ترجیح وتقدیم فرمایا کرتے نہ کہ

بلحاظ حسب ونسب کے یا پھر یہ تقسیم وترجیح ان کی حاجات وضروریات دینیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم ومناسب ہے اس کا یہ قول کہ فمنهم ذو الحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح وتفصیل کا معاملہ حسب ونسب کی وجہ سے نہیں صلاح وتقویٰ کی بنیاد پر تھا اور قرآن نے بھی یہی اُصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام:

بہرحال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت بابرکت اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض وبرکات حاصل کرتے۔ علوم ومعارف سے خوب حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح وتقوی کے مقام پر فائز ہو جاتے۔ اُن کی اس محنت، طلب، ذوق علم اور شوقِ تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار ورموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے، تو ان کو تدریس وتعلیم اور دعوت وتبلیغ پر مامور فرما دیتے تاکہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم ومعارف اور پیغام واحکام پہنچا دیں اور جس احسن ومناسب اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ ومنہج پر دوسروں کی اصلاح وتربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت:

فیتشاغل بهم ...... کلمۂ "فا" تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض اہل علم وفضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی، بعض کو دو، بعض کو زیادہ، ملا علی قاریؒ مسائل کے عموم کے قائل ہیں، فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنيوية والاخروية۔ (جمع ج۲ص۱۷۴) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی

ہو یا اخروی)

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت وضرورت اور حسبِ مراتب مشغول رہتے' ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں ...... **ای بذی الحاجة و من بعلهم فیشتغل بهم و یشتغلون به علی قدر حاجتهم**۔(مناوی ج۲ص۱۷۴)

علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب :

ویشغلهم ...... یعنی آپ ﷺ حاضرین ومستفیدین کو بھی ایسے معاملات'علمی تحقیق' بحث ومذاکرہ میں مشغول رکھتے، جوخودان کے لئے پوری اُمت کے لئے اصلاح وفلاح دینی، دنیوی، اخروی اورترقی وکمال کا باعث ہوتے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **ای یشغلهم بالامر الذی یصلحهم فی دینهم و دنیاهم واخراهم** ۔(جمع ج۲ص۱۷۴) **والامة** : یہ **عطفِ العام علی الخاص** کے قبیل سے ہے، **سواء کانت الامة امة الدعوة والاجابة او الاعم منهما** ۔(جمع ج۲ص۱۷۴)(چاہے امتِ اجابت ہو یا امتِ دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) **ای یصلح الامة فلا یدعهم یشتغلون بما لا یعنیهم** (مواہب ص۲۴۳) **بل یشغلهم بما یصلحهم والامة** (مناوی ج۲ص۱۷۴) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلتهم عنه ' یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسبِ حال جواب مرحمت فرماتے،یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے' جن کی اُن کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال' زمان' مکان ومقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔سائلین کے اختلافِ احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی وصایا وہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرمادیں۔آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، **استحِی من اللّٰه کما تستحی من رجل صالح من قومک** ،جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی

اسی طرح حیا کرو۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "**لا تغضب**" یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔ (ملخصاً از مواہب ص ۲۴۳)

غائبین کی فکر :

ویقول لیبلغ الشاهد ...... ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہو سکے، حاضرین یہ علوم و معارف دوسروں تک پہنچا دیں تا کہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ **فالشاهد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر أو الشاهد الصحابی و الغائب التابعی أو الشاهد العالم و الغائب الجاهل او الشاهد الحضری و الغائب البدوی او الشاهد السامع و الغائب من لم یسمع وهذا افید و انفع ثم هذا بیان لجعلهم مشغولین بما یصلح الأمة فإنه لما أجابهم بما ینبغی لهم شغلهم بما یصلحهم و لما اوصی بالتبلیغ شغلهم بما یصلح الامة**۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ **ویقول لیبلغ الشاهد منکم الغائب** (کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچا دے) میں لفظ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔ یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔ یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔ یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا۔ اور یہ تعمیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔ پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیا جن سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کر دی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرما دیا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو جائے گی)

خدمت علم و خلق کا اجر و ثواب :

و ابلغونی ...... بوجہ بیماری یا بسبب دوسری مسافت یا کسی اور عذر یا کسی وجہ سے جو مستحقین، کمزور، غرباء، بیوائیں، ضعفاء، خواتین، یتامیٰ اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش

کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کرسکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے۔ ثبت الله قلميه على الصراط يوم القيامة يوم تزل الأقدام دينية كانت الحاجة او دنيوية۔ (مواہب ص ۲۴۳) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرمادیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

دربارِ نبوت، علم وخدمت کا مرکز :

ولا يذكر عنده الا ذلك یعنی بارگاہِ نبوت میں انہی اور ایسی ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم و معارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ ولا يقبل من احد غيره تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، علم و معرفت الٰہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبانِ حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے، ای ولا يقبل من أحد غير المحتاج اليه فهو توكيد للكلام الذى قبله. (مواہب ص ۲۴۳)

يدخلون روّاداً : بتشديد الواو: جمع رائد، وهو في الأصل من: يتقدم القوم، والروّاد هنا أكابر الصحبة "۔ (اتحافات ص ۲۶۴) (روّاد کا لفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنیٰ قوم کا بڑا، سردار اور قائد۔ یہاں رواد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں۔ یہاں روّاد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے، لينظر لهم الكلاء و مساقط الغيث۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۵) (تاکہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرامؓ کے لئے مستعار لیا گیا جو جمیع اُمت کے لئے بمنزلہ روّاد کے تھے۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولا يفترقون ...... یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہِ علم وسخا سے جدا نہیں ہوتے تھے،

جب تک تحصیلِ علم وحاجت کی تکمیل نہ ہوجاتی، ذواق میں چکھنا ہے، جو علمی و دینی بھی ہوسکتا ہے اور دنیوی وحسّی بھی ہوسکتا ہے، یعنی افادۂ علمی بھی اور دعوتِ حسّی بھی، جو بھی ہو اخلاقِ کریمانہ کا مظہر اتم ہے۔

ذواق : ای فعال بمعنیٰ مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم و المعارف دائما فھو لارواحھم بمنزلۃ الادام لاجسادھم فعلی الاوّل التنکیر للتقلیل لما عرف مما کانوا علیہ من قلۃ العیش و علی الثانی للتعظیم و عن بمعنیٰ بعد نظیرہ لترکبن طبقًا عن طبق ۔(مناوی ج۲ص ۱۷۵)(علامہ مناویؒ ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنیٰ مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا غالبًا یا پھر روحانی غذا یعنی علوم ومعارف دائمی کی تقسیم کرنا۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی عیش مشہور ومعروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی۔ اور لفظ عن بمعنیٰ بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) **لترکبنّ طبقاً عن طبق** میں بھی عن بمعنیٰ بعد کے ہے)

درسگاہِ نبوی کے فضلاء :

ویخرجون من عندہ أدلۃ : جمع دلیل ای علماء یدلون الناس علی ما علموا من الخیر (لفظ ادلۃ دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) **الخیر** سے مراد علم، عمل ارادۂ خیر اور زہد و تقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہوکر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے۔ علم وعمل سے آراستہ ہوتے۔ سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے۔ لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم ومعرفت الٰہی حاصل کرتے۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا **اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم**۔(جمع ج۲ص ۱۷۶) (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی

بھی تم اقتداء وتابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں أذلةٍ نقل ہوا ہے..... والمعنی علیه یخرجون من عنده حال کو نهم متذللین متواضعین ۔(مواہب ص۲۴۴)(اوراس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں (ان میں غرور وتکبر بالکل نہیں ہوتا))

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسألته عن مخرجه ...... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرونِ گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیه یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اعمال رویہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانه الّا فیما یعنیه : یخزن ' نصر کے باب سے ہے، بمعنیٰ جمع کرنے کے محفوظ کرنے کے ای یحبسه و یضبطه (مواہب ص۲۴۴) فیما یعنیه یعنی اہم، مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔ خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللّٰه والیوم الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت (مواہب ص۲۴)(جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت وتالیف قلوب :

ویؤلفهم ولا ینفرهم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیف قلوب فرماتے اور انہیں اپنے سے مانوس فرماتے۔ ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔ یہ آپ ﷺ کا کمال حلم اور کمالِ تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداقِ اتم تھے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹)(اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا ہے'

بشرّوا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا (جمع ج۲ص۱۷۶)((امراء کوحکم ہے) کہ لوگوں کوخوشخبری سناؤ اوران کونفرت نہ دلاؤان پرآسانی اورنرمی کیا کرواوران کے لئے اموروا حکام کومشکل نہ بناؤ)

شرفاءِقوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم یولیه علیهم 'ہرقوم کے شرفاءاوررؤساءکی تکریم وتعظیم فرماتے ہو اس کے شایانِ شان جواکرام مناسب ہوتا کرگذرتے ،پھراُمت کوبھی یہی تعلیم اوریہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه و هو افضلهم دینا و نسباً وحسباً ۔(له طرق کثیرة کاد ان یکون متواترا)۔(جمع ج۲ص۱۷۶)(جب تمہارے پاس کسی قوم کامعززاورشریف شخص تشریف لائے توتم ان کی عزت وتکریم کیا کرو۔کیونکہ وہ ان میں سے دین اورحسب ونسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے (اس حدیث کے مختلف اسناد ہے جوتواتر کے قریب ہے))

و یولیه علیهم ای یجعله والیاً ای حاکماً علیهم وهذا من تمام حسن نظره و عظیم تدبیره اذا لقوم اطوع لکبیرهم واخوف منه مع ما فیه من الکرم الموجب للرفق بهم ولاعتدال امره معهم۔(مناوی ج۲ص۱۷۷)(اورآپ ﷺ اس معززشخص کواپنی طرف سے ان پرحاکم اورمتولی بنادیتے تھے۔اوریہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیراورگہری نظراورسوچ کانتیجہ ہی ہوتا تھااس لئے کہ قوم اپنے بڑے اورسردارکی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجودیکہ اس میں بخشش وفیاضی کی صفت بھی ہے جوکہ نرم دلی اوراعتدال فی الامورکاسبب ہوگا)

یحذر الناس کا معنیٰ :

ویحذر الناس علامہ مناویؒ نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں،(۱)لوگوں کوعذابِ الٰہی سے ڈراتے'اوراس کی اطاعت پرابھارتے ای یخوفهم من عذاب الله و الیم عقابه و یحثهم علی طاعته ۔(مناوی ج۲ص۱۷۷)(۲) ویحذر الناس الفتن (جمع ج۲ص۱۷۷)لوگوں کوفتنہ'فساد'افتراق وانتشارسے بچنے کی تاکیدفرماتے(۳)یامعنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کوایک دوسرے کے شرسے بچنے اورکام وکاروبارمیں لوگوں سے حزم واحتیاط کی تاکیدفرماتے تھے' ای یحذر بعض الناس من بعض یأمرهم

بالحزم۔ (مناوی ج ۲ص ۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلاوجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے، لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے۔ ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواءؓ کو مال لے جانے کے لئے تجویز فرما کر کہدیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کرلیں، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کررہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

ابن الفغواءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے، انہوں نے پتہ بتادیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا، اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواءؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں، تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں، تم میرا انتظار کرنا، میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا، میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کرکے چل دیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اسی لئے یہی معنی

بہتر ہیں۔(خصائل:۲۹۲)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا :

ویحترس منهم ...... یعنی آپ ﷺ خود کو لوگوں سے یکسو رکھتے تھے، مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی، اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط :

ای یحفظ نفسه من اذاهم او من نفورهم (جمع ج۲ص ۱۷۷) (یعنی اپنے نفس کو ان کی تکالیف اور نفرتوں سے محفوظ رکھا کرتے)۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرتِ مخالطت ومخاطبت، تعلیم وتربیت اور توجہ و عنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہو پاتے تھے۔ بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار رکھتے ہوئے محتاط رہا کرتے ای یتحفظ من کثرة مخاطبهم المودیّة الی سقوط هیبته و جلالته من قلوبهم لکن لایفرط فی ذلک بل یتحرس ۔(مناوی ج۲ص ۱۷۷)

بارگاہِ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی، مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت وتمکین سے پیش آتے۔ اُن کی شرارتوں، اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاقی کا اظہار فرماتے، کبھی بھی بدخوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے۔ یطوی بمعنیٰ یمنع ہے، شدة سے مراد چہرے کی طلاقت وبشاشت مراد ہے۔

یحترس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید اخلاقی لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو، ولذا اکده بقوله ولاخلقه (جمع ج۲ص ۱۷۷) (اس لئے اس کی تاکید ولاخلقه سے کردی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود محتاط رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)

احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ویتفقد اصحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے،

ہمیشہ تحصیل علم، وطلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب و اہل محلّہ ہوتے، تو ان کی غیوبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے، پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے، مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے، علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں فان کان احد منهم مریضاً عاده أو مسافرا دعاله او میتاً استغفر له۔ (مواہب ص ۲۴۴)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ویسأل الناس ...... یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات، ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے، اگر رنجشیں ہوتیں، مشکلات وحاجات ہوتے، تو ان کی اصلاح فرماتے، اچھی باتوں، عمدہ حالات اور اخلاقِ حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ، معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ فرما کر اسے زائل کر دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب وذنوب کی تفتیش وتجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، ای یسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیدفع ظلم الظالم و ینتصر للمظلوم ویقوی جانب الضعیف و لیس المراد أنه یتجسس عن عیوبهم و یتفحص عن ذنوبهم۔ (مواہب ص ۲۴۴)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرینِ اُمت، حکمران، علماء، صلحاء، اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں۔ ان کے حالات واخبار معلوم کریں، نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بروقت زائل کریں۔ علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحكام الى ان یکشفوا و یتفحصوا بل و لغیرهم ممن کثر اتباعه کالفقهاء والصلحاء والاکابر فلایغفلن عن ذلک لئلا یترتب علیه ماهو معروف من الضرر الذی قد لایمکن تدارک رفعه۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

اعتدال ومیانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے

آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا، تلون مزاجی سے نفرت تھی، صلح کی بات ہو یا جنگ کی' معاملات ہوں یا عبادات' ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق' میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا۔ غیر مختلف معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے، بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے ۔ **و حاصل المعنیٰ ان سائر افعاله و اقواله علی سمت الاستواء والاعتدال** (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال وافعال ٹھیک اور معتدل طریقہ پر ہوا کرتے تھے)

ولا یغفل ...... حضور اقدس ﷺ تبلیغ وارشاد' تعلیم وتربیت' تنظیم وجماعت اور اُمورِ دعوت میں مصروف رہتے' تاکہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادت الٰہی اور اصلاحِ احوال سے سستی اور کاہلی برتنا نہ شروع کردیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے **والمعنیٰ لایغفل عن مصالحهم من تذکیرهم و ارشادهم و نصیحتم و تعلیمهم و امدادهم** ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) **مخافة ان یغفلوا ای عنها بناءً علی مراعاة المتابعة** ۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت وتابعداری میں غافل نہ ہوجائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں' **الناس علی دین ملوکهم**۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح اُمت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) **اوخشیة ان یغفلوا عن الاستفاده فیقعوا فی عدم الاستقامة** 'یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی ...... **اَو یمیلوا الی الدعة والرفاهية أو یمیلوا الی الملل او یمیلوا عنه و ینفروا' مخافة ! مفعول مِن اجله ای مِن اجل خوف غفلتهم** ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہوجائے گا اور یا ان کا میلان ورجحان مختلف ادیان ومذاہب کی طرف ہوجائے گا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے

روگردانی اور نفرت کرلیں گے۔ لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تا کہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاویں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے :

لکل حال عنده عتاد ، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج، صلح، جنگ، عسرت، یُسرت، خوف وامن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا۔ عتاد کا معنیٰ سامان، اسباب، انتظام اور تیار رہنا ہے، ای کان یعد لکل أمر ماینا سبه۔ (اتحافات ص ۳۶۴)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، بفتح اوله و هو العدة والتأهب مما يصلح لكل ما يقع و الاظهر انه عليه السلام اعد لكل امر من الامور حكما مِن الاحكام و دليلاً مِن ادلة الاسلام او المعنى انه عليه الصلوٰة و السلام كان مستعد الجميع العبادات من الجهاد وغيره۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) اور ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ...... ما اعده الرجل من السلاح والدّواب و آلة الحرب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر اُمور دینی ہر وقت اور ہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔ اسلحہ، جانور اور دیگر ضروریاتِ جنگ تیار رکھتے، صاحب لغات الحدیث (ج ۲ ص ۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام بینی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول :

کان لا یقصر عن الحق، یعنی حق کے بیان، ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای ببیانه واستیفائه ۔ (اتحافات ص ۳۶۴) ولا یجاوزه یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا یتجاوزه فلا یأخذ أکثر منه۔ (مواہب ص ۲۴۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔ فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص، بہترین جماعت تھے :

الذین یلونه من الناس خیارهم، جو لوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں

بہترین تھے۔ اقوال، افعال، تقویٰ، دیانت اور معاملات کی صفائی، عزت و وجاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اُمہات المؤمنین، بنات مطہرات، اہل بیت، خلفاءِ راشدین، عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم و تحصیل فوائد میں بھی طلبِ صادق اور پھر افادۂ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا'' **لیلینی منکم أولو الأحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**" (مواہب ص ۲۴۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری، افضلیت اور مقام و رتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت بابرکت کا ثمرہ تھا۔ آپ ﷺ کی توجہات، عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے، جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، اِنسانیتِ کامل کی معراج کو پالیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، **فینبغی للعالم فی درسه ان یجعل الذین یقربون منه خیار طلبته لانھم ھم الذین یوثق بھم علماً و فھما**۔ (مواہب ص ۲۴۵) (تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم و اکتساب و ذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم و فہم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلھم عندہ ...... یعنی بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم اور زیادہ قبولیت و افضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین و دنیا کی خیر خواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''**الدین النصیحة**'' (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، مواہب ص ۲۴۵) یعنی دین تو خیر خواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ **خیر الناس من ینفع الناس** بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمهم عنده ...... مواساۃ وسی یسیٔ و سیا سے ہے: بمعنی مدد کرنا، تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہقی میں ہے، المواساة یعنی کسے رادر چیز ہم چوخویش دانستن' (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرة : وزر یزرُ وزراً سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا' تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہقی میں ہے، موازرة بمعنی مددگاری کردن۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر، احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر و احتیاج کے باوصف دیگر محتاجین و مستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) (اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہماتِ اُمور میں' نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدۃ:۲) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فاللّٰه فی عون العبد مادام العبد فی عون أخيه المسلم .(مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے ، ومن كان فی حاجة اخيه كان الله فی حاجته و من فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ۔(مشکوٰۃ ص۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرمادے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریٔ خلق میں حصہ لیتے تھے' تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم' محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو غمگین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو' صاحبانِ حوائج کی حاجت براری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اُٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک اِنسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسه ...... حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، فقال ...... اٹھتے بیٹھتے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الٰہی ہوتا، جو کنایہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے، جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت وافسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، ما من قوم یقومون من مجلس لایذکرون اللہ فیه الا قاموا عن مثل جیفة حمار و کان علیهم حسرة (رواه احمد و ابوداؤد) نہیں اُٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر حسرت وافسوس ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں : " ما عمل العبد عمله انجی له من عذاب اللہ من ذکر اللہ" (رواه مالک والترمذی وابن ماجة) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذابِ الٰہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔

شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں، وهذه الآیة اصل فی ذلک اعنی الذکر عند القعود و القیام اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں و فیه ندب الذکر عند القعود والقیام و هو من اعظم العبادات لقوله تعالیٰ ولذکر اللہ اکبر الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبهم (مناوی ج۲ ص۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبانِ عقل و فراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ ای ان الذکر هو مبدأ جلوسه و منتهاه۔ (اتحافات ص۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتهی .... مفہومِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کو

بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یأمر بذالک اور اسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہ کو بھی ارشاد فرماتے، یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اور ان کو تعلیم و تربیت اور اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دینا تھا اور قولاً و عملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اُٹھتے بیٹھتے دھکے نہ دیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوسِ بالانشینی میں ایذاءِ مسلم سے بچا جائے' سٹیج پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر و نخوت کی علامت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، وھذا خلق لایطیقہ الا نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔(اتحافات ص۳۶۵) (اور یہ ایسی بہترین عادت وخصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسے بھی بجالانے کی قدرت و طاقت نہیں ہوسکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعطی کل جلسائه ...... یعنی آپ ﷺ علوم و معارف' ہدایات اور کھانے پینے کی اشیاء' تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔ کوئی بھی حاضر مجلس آپ ﷺ کی توجہ و عنایات سے نامراد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہو کر بامراد اٹھتا۔

حاضرینِ مجلس کا تأثر :

لایحسب جلیسه ...... آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب و عزیز ہے۔ آپ ﷺ امت پر شفیق اور مومنوں پر رؤف و رحیم تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہر ایک کو یہ یقین ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔ سب خدام اور رفقاء کار اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز و مقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ دفعاً لتحاسد و رفعاً للتباغض و التقاطع المنهی عنه ۔(مناوی ج۲ ص۱۸۰) ((حضور ﷺ کا یہ حسین برتاؤ) ان کے آپس میں بغض و حسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسه ...... یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرینِ مجلس، ملاقاتیوں اور زائرین و حاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابره ای غالبه فی الصبر علی المجالس والمكالمة ولا يبادر بالقيام عنه و لايقطع كلامه و لايظهر الملال والسآمة بل يستمر معه (مناوی ج ۲ ص ۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر ہوتے، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق، کمالِ تواضع اور عبدیت وانکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے :

و من سأله حاجة ...... سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی، محبت، شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے۔ وهذه من كمال سخائه و مروته و حيائه۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعتِ اخلاق وسخاوت :

قد وسع الناس ...... یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی، سخاوت، اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ ﷺ کشادہ رو، خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

قد وسع الناس ای اجمعین حتی المنافقين لكونه رحمة للعالمين"۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعتِ اخلاق وسخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمۃ للعالمین ہی ہے) بسطه ای جوده و كرمه و انبساطه و خلقه ای و حسن

خلقه فالمراد امداداته الظاهرة و الباطنة (جمع ج۲ص۱۸۱) (یعنی بسطہ سے مراد آپ ﷺ کا جود وکرم اور حسنِ اخلاق ہیں تو گویا مراد مدد ظاہری اور باطنی ہے)

اُمت پر رحمت وشفقت کی انتہاء :

فصار لهم ابا ...... آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت، محبت، ہمدردی، غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے، جس طرح والد شفقت، محبت، مودت، اصلاح، خبر گیری، حاجت بر آری، حلِ مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ بھی مخلوقِ خدا کا گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واعظم من اب اذ غاية الاب ان يسعى فى صلاح الظاهر وهو يسعى فى صلاح الظاهر والباطن۔ (مناوی ج۲ص۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔(احزاب:۶)

اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رأفت ورحمت اور لطف وکرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنی اُمت پر شفقت ورأفت کا کیا عالم تھا۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ومن ثم اشفق على ذوى الكبائر من امته و امرهم بالستر و اتى برجل بعد تحريم الخمر و هو سكران و تكرر ذلك فلعنوه فقال لاتلعنوه فانه يحب الله و رسوله (مناوی ج۲ص۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا۔ اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا۔ تو صحابیؓ نے اس پر جب لعن وتشنیع کرنا شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر :

و مجلسه ...... یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم ومعارف کا افادہ واستفادہ ہوتا تھا۔ حیاو

شرم کی تعلیم وتربیت ہوتی تھی۔خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجہ صبر تھا۔مجالسِ امانت کا مطلب یہ ہے کہ جواحکام وہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں انہیں محفوظ کر کے بے کم وکاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا، جواسرار ہوتے ، وہ سینوں کے دفینے بن جاتے۔ یہ چاروں باتیں یعنی علم' حیا' صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔مجالس میں ادب واحترام' انکسار وتواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شورو شغب کو راہ ملتی، بلکہ حکمِ خداوندی'' لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی '' (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہتے۔صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسه کان كله صلحاً و علماً و صبراً و أدباً و أمانةً و عدم رفع للاصوات و صفاء و سرور " ۔(اتحافات ص ۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس ومحفل سب اصلاحی، علمی ،صبر، ادب وامانت پر مشتمل اور اخلاص وخوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شوروشغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولا تؤبن ...... مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت وناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ من الابن وهی العقد فی القصبات ۔(مناوی ج۲ص۱۸۱) (اُبن کا معنیٰ بانسوں میں گرہیں ہونا) وهو العيب اوالتهمة ای لاتقذف ولاتعاب كذا فی الفائق ای لاتعرف ولا تذكر بقبيح ۔ (جمع ج۲ص۱۸۱) (ملاعلی قاریؒ الاُبن کا معنیٰ عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لا تؤبن کا معنیٰ تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا) ولاتثنی......اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب وزلات کو اُچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس ہفوات ولغویات سے پاک ہوتی تھیں۔علامہ مناویؒ لکھتے ہیں ای لا تشاع و لاتذاع فلتاته ای زلاته وهفواته واحده فلتة وهو الهفوة۔(مناوی ج۲ص۱۸۲)

صفاتِ صحابۂ کرامؓ :

متعادلین......یعنی سب صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے۔کبر وغرور سے

نفرت تھی۔ ای متساویین لایتکبر بعضهم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یتفاضلون بالتقویٰ (جمع ج۲ص۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت وصحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ بڑوں کی عزت کرتے' چھوٹوں پر رحم کھاتے' حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا اکرام واحترام اوران کی حفاظت فرماتے و هذا الحديث من الجوامع الدالة علی کمال أوصافه صلی الله علیه وسلم (اتحافات ص۳۶۵) (اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جوحضور ﷺ کے اوصاف کاملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۳۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِیَ اِلَیَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادۃ کے حوالہ سے بیان کی اورانہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

راوی حدیث (۶۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

الکُراع کالغوی معنیٰ :

الکُراع بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے، ملاعلی قاریؒ نے بھی کراع کے یہی معنیٰ

نقل کیے ہیں وھو مادون الرکبۃ من الساق و مادون الکعب من الدواب۔(جمع ج۲ص۱۸۳)

تحفہ و دعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے۔یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کرلوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔اسی طرح دعوت پر بلاوے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکینِ خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور کمالِ تواضع کی روشن دلیل ہے۔شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں،وفیہ ندب قبول الھدیۃ و اجابۃ الدعوۃ و لولشئی قلیل و کمال تواضعہ و حسن خلقہ و جلبہ للقلوب۔(مناوی ج۲ص۱۸۳)

یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو، اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمالِ تواضع، حسنِ اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۴/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَ نِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن نے بیان کیا۔ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے :

قال جاء نی ...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے

لئے) تشریف لاتے ' تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون' الفرس العجمی۔ (اتحافات ص۳۶۶) و فی المغرب هو الترکی من الخیل و لعله اراد مایتناول البرذونة تغلیباً۔ (مواہب ص۲۴۸) (برذون کا معنیٰ کسی نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنیٰ ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگرچہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن تغلیباً برذونۃ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا' بلکہ پا پیادہ تھے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں ' فکان صلی اللّٰہ علیه وسلم لتواضعه یدور علی اصحابه ماشیا۔(مواہب ص۲۴۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں پیادہ پا میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت' فروتنی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر' آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھا لیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو' کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھا لیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے بٹھایا۔

حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ..... و هذا الحدیث یفید أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم یزور أصحابه و یعودهم ماشیا ' لما فی ذلک من کثرة الثواب و عظیم التواضع۔(اتحافات ص۳۶۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی زیارت وملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۳۲۵/۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْنُعَیْمٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَبِی الْهَیْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ یُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِیْ فِیْ حَجْرِهٖ وَ مَسَحَ عَلٰی رَاْسِیْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے خبر دی۔ انہیں یہ روایت یحییٰ بن ابی ہیثم عطار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام ''یوسف'' تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۶۰۴) یحییٰ بن ابی الھیثمؒ اور (۶۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سمانی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوسف واقعدنی فی حجرہ...... الخ ' الحجر ! الثوب و ھو طرفہ المقدم منہ لان الصغیر یوضع فیہ عادۃ و یطلق علی المنع من التصرف و علی الانثی من الخیل و حجر ثمود و حجر اسماعیل و غیر ذلک مما فی قول بعضھم .... ؎

رکبت حجرا وطفت البیت خلف الحجر
و حزت حجرا عظیما ما دخلت الحجر
للّٰہ حجر منعنی من دخول الحجر
ما قلت حجرا ولو أعطیت ملأ الحجر

(مواہب ص ۲۴۸)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔ لفظ حجر (حاء پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ)

کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا متبرک عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر ثمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگر چہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

ھو بالکسر ما بین یدیک من بدنک و بالفتح فرج الرجل والمرأۃ ۔ (مناوی ج۲ ص ۱۸۴) جس طرح یوسف بن عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت' محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں "جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے' خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض واستنکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا' ان سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) **وفیہ انہ یسنّ لمن یقتدی بہ ویتبرک بہ تسمیۃ اولاد اصحابہ وتحسین اسماءھم و ان اسماء الانبیاء من اسماءھم الحسنۃ و وضعہ فی**

الحجر (مناوی ج۲ص۱۸۴) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہورہی ہے)

مسح علی رأسي ! زاد الطبراني و دعا لی بالبرکة و فی فعله لهذين من کمال رحمته و محاسن اخلاقه و تواضعه مالا يخفی۔ (مناوی ج۲ص۱۸۴)

(اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانیؒ نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ ﷺ کی تواضع، حسنِ خلق اور کمالِ شفقت پوری طرح واضح ہورہی ہے)

(۱۱/۳۲۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ اَنْبَانَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَ قَطِيْفَةٍ كُنَّا نَرٰى ثَمَنَهَا اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیو۔

مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے، تشریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گذر چکی۔

(۱۲/۳۲۷) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ وَ

عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهُ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُ الدُّبَّاءَ وَ كَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اورانہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل باب ماجاء فی اِدام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ الباجوریؒ کہ " لدلالته علی تواضعه" (مواہب ص۲۴۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دال ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر تھا۔ یہاں ثرید کی تصریح ہے۔ ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہدیا ہو یا اُس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہدیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۳۲۸/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلِبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدِمُ نَفْسَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے عبد

اللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرۃؒ سے نقل کی۔ عمرۃؒ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جُوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۶۰۶) عمرۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفلی ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلیۃ آتا ہے' جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب رأس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سر یا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ فلی رأسہ بحثہ عن القمل کفلاہ ای یفتش (جمع ج۲ص۱۸۵) یحلب ' حلبٌ یا حلابٌ سے ہے بمعنیٰ دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشرا من البشر...... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنا' اپنے کام خود انجام دینا' معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا، آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ للتواضع و ترک الترفع لکنہ مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالۃ (مناوی ج۲ص۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سرانجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ . الآیہ میں

یہی اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے) کما فی قوله تعالیٰ انما انا بشر مثلکم یوحٰی الیّ الایة۔

کمالِ عزت وتکریم :

یفلی ثوبه ...... حاشیۂ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیه ذباب قط و لم یکن القمل یوذیه تعظیماً و تکریماً لجاهه، یعنی آنحضرت ﷺ کے وجودِ اطہر پر مکھی ہرگز نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذاء پہنچانے کے لئے پیدا ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی کمال عزت وتکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جُوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جُوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرقِ گلاب میں جُوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جُوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔ (خصائل)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے بیان میں

لفظِ خُلُق کی تشریح :

خُلُقٌ ' عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں۔اس کی جمع اخلاق ہے۔وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کئے افعال بہ سہولت صادر ہوں۔ الخلق بضم الخاء واللام هو الطبع والسجية وهو من الأوصاف الباطنية قال الامام الغزالی ، الخلق ، هيئة للنفس تصدر عنها الافعال بسهولة فان كانت الهيئة جميلة 'سميت خلقا حسنا ' والاسميت خلقا سيئًا ۔(اتحافات ص۳۶۹) (الخلق (خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ)اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنیٰ طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) و عن العسقلانی حسن الخلق تحصيل الفضائل و ترک الرذائل (جمع ج۲ ص۱۸۶) (امام عسقلانیؒ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق)اختیار کرلینا)

حُسنِ اخلاق :

حضوراقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں۔قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴)(اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ماكان احد احسن خلقا من رسول الله

صلی اللہ صلی اللہ علیه و سلم مادعاہ احد من اصحابه و لامن اهل بیته الا قال لبیک۔ (مناوی ج۲ص۱۸۵) (نبی کریم ﷺ سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں' وعرفوا حسن الخلق بانّه مخالطة الناس بالجمیل و البشر و اللطافة و تحمل الاذی و الاشفاق علیهم و الحلم و الصبر و ترک الترفع و الاستطالة علیهم وتجنب الغلظة والغضب والمواخذة ۔(مواہب ص۲۵۳) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر وآداب کے ہمرکاب خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف ومہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے' نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر وتحمل' پے درپے برتری کی نمو کا ترک، مروت واحسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلوتہی' بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاقِ حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں۔ شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں۔ سیرت آپ کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔

باب ہذا میں مصنفؒ بطورِ نمونہ کے پندرہ حدیثیں نقل کر کے محمدی اخلاق کی ایک جھلک دکھا رہے ہیں۔ و هذه الترجمة لبعض أخلاق النبی و بعض سجایاہ' لالجمیعها بدلیل أن التواضع مثلاً من اخلاق النبی صلی اللہ علیه وسلم' ومع ذلک فقد ذکر قبل (اتحافات ص۳۶۹) (جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

(۳۲۹/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ الدَّوْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یَزِیْدَ الْمُقْرِیُّ حَدَّثَنَا لَیْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعُثْمَانَ الْوَلِیْدُ بْنُ اَبِی الْوَلِیْدِ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ خَارِجَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ

دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا اُحَدِّثُكُمْ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكُنَّا اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَ اِذَا ذَكَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهٗ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن یزید مقری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت لیث بن سعد نے بیان کی ۔ ان کے ہاں یہ حدیث ابوعثمان ولید بن ابی ولید نے سلیمان بن خارجہ کے حوالہ سے بیان کی ۔ انہوں نے اسے خارجہ بن زید بن ثابت انصاریؒ سے نقل کیا ۔ خارجہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے کچھ حالات سنائیں ۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے کیا حالات سناؤں (وہ احاطۂ بیان سے باہر ہیں) میں حضور اکرم ﷺ کا ہمسایہ تھا ۔ جب حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو کر اس کو لکھ لیتا تھا جس قسم کا تذکرہ ہم کرتے تھے حضور اکرم ﷺ بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے ، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کے تذکرے فرماتے ۔ یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات اور تفصیلات حضور اکرم ﷺ بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے ۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں ۔

راویان حدیث (۶۰۷) عبداللہ بن یزید المقریؒ (۶۰۸) لیث بن سعدؒ اور (۶۰۹) خارجہ بن زیدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی “میں ملاحظہ فرمائیں ۔

بیان شمائل کے لئے صحابہ کرامؓ کا سوال :

فقال ماذا احدثکم ...... حضور اقدس ﷺ کے تمام عادات و روایات اور اخلاق و شمائل کا احاطہ ممکن نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے ، کیونکہ وہ تو احاطۂ بیان سے باہر ہیں ۔ حضرات صحابہؓ کے استفسار

حدثنا سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر آپ ﷺ کے علوم و معارف اور اخلاق و شمائل سننے کے لئے بے تاب و منتظر رہتے ہیں۔

کاتبینِ وحی :

کنت جاره' میں تو حضور اقدس ﷺ کا پڑوسی تھا۔ بسبب قربت کے آپ ﷺ کے اخلاق' حالات' احوال' اعمال' ارشادات اور آپ ﷺ کے شب و روز مجھ پر سب سے زیادہ واضح تھے۔ یہاں تک کہ فکان اذا نزل علیه الوحی بعث الیّ فکتبته لهٗ یعنی جب وحی اترتی تو مجھے طلب فرماتے اور میں آپ ﷺ کے لئے لکھ لیتا تھا۔ حضرت زیدؓ کا وحی کی کتابت اکثر الاوقات کے اعتبار سے تھا کہ پڑوس میں قریب رہتے تھے۔ ورنہ اُن کے علاوہ بھی کاتبین وحی کا تذکرہ سیرت کی کتب میں منقول ہے۔ وکتّاب الوحی هم زید و عثمان و علی و أبیّ ومعاویة و خالد بن سعید و حنظلة بن الربیع والعلاء بن الحضرمی و أبان بن سعید ۔ (اتحافات ص۳۶۹) (اور کاتبین وحی حضرت زیدؓ ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت ابیؓ ، حضرت امیر معاویہؓ ، حضرت خالد بن سعیدؓ ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ ، حضرت علاء بن الحضرمیؓ اور حضرت ابان بن سعیدؓ ہیں) حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر بھی کاتبینِ وحی میں ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ حضرت امیر معاویہؓ صرف مراسلت لکھا کرتے تھے۔ صاحب الکمال فی اسماء الرجال تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کاتبینِ وحی میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی دلداری و خاطر داری :

فکنا اذا ذکرنا الدنیا ...... یعنی حضور اقدس ﷺ شفیقِ اُمت تھے۔ انہیں اپنے صحابہؓ سے غایت تعلق' محبت دلداری اور بے تکلفی تھی۔ صرف آخرت ہی آخرت کے تذکرے سنا سنا کر وہ انہیں صرف راہب نہیں بنانا چاہتے تھے' جو شخص بھی جس قسم کے مشورہ کے لئے آنا چاہتے' خواہ وہ دنیوی اُمور کا ہوتا یا اخروی اُمور کا' حتی کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی' اس کے لوازمات' بے ثباتی اور اسی کی تنگی وخوشحالی کا تذکرہ کرتے' تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہوکر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت' دوامِ حیات' وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریکِ گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد ونوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہوکر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل ھذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے' جو لکھا گیا ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتبِ وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا' غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف و لذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ فکل احدثکم کے متعلق تشریحاً لکھتے ہیں۔ لتتفقهوا فی الدین فترفعوا الی درجات المقربین. فاعاده لیؤکد به الحدیث و یظهر اهتمامه به و فیه جواز تحدیث الکبیر مع صحبه فی المباحات و بیان جواز امثال ذلک واجب علی المصطفیٰ فلیس ذکر الدنیا والطعام فی هذا المقام خالیا عن فائدة علمیة و ادبیة ۔ (مناوی ج۲ص۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے بلند مراتب ودرجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور

کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور ادبی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۲/۳۳۰) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ اَبِىْ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِيْثِهٖ عَلٰى اَشَرِّ الْقَوْمِ يَتَاَلَّفُهُمْ بِذٰلِكَ فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِيْثِهٖ عَلَيَّ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنِّىْ خَيْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَيْرٌ اَوْ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَيْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا خَيْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِىْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّىْ لَمْ اَكُنْ سَاَلْتُهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرمؐ کی توجہات اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ، پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہئے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیادؒ (۶۱۱) محمد بن کعب القرظیؒ اور (۶۱۲) عمرو بن العاصؓ کے

حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجھه ...... حضور اقدس ﷺ بداخلاق، درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی حد درجہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی سے پیش آئے اور دورانِ گفتگو اپنا رُخ اُن کی طرف پھیر کر بھرپور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے، توجہ فرماتے، محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر، رعونت، استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حلم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، حتی ظننت انی خیر القوم ای من کثرۃ التفاته۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۹) یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام و مرتبہ گویا اب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں اُن حضرات کی افضلیت کا بتادیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل و عظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو، افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے

پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اوّل ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگر چہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔(خصائل)

عمرو بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصدقنی ...... آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کالحاظ کئے بغیر صحیح جواب مرحمت فرمایا۔ أی اجابنی بالصدق من غیر مراعاۃ و مدارۃ ۔(مواہب ص۲۵۲) جو حقیقت تھی، وہ صحیح صحیح بیان فرمادی۔بس پھر کیا تھا' خود حضرت عمرو بن العاصؓ نادم ہوئے۔

فلودت انی لم یکن سئلته' کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ ھذہ الندامة من السوال استحیاء من الخطاء الفاحش یعنی اظہارِ ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بنا پر ہوا کہ وہ یہ سوال کر کے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیثِ مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

یجالس الفقیر و المسکینا و یکرم الکرام اذ یأتونا

لیس مواجها بشئی یکرھه جلیسه بل بالرضاء یشافھه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (بیٹھنا اٹھنا) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت وتکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملنا جلنا ہوتا)

(۳۳۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَیْمَانَ الضُّبَعِیُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَشَرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَ مَا قَالَ لِیْ لِشَیْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَا صَنَعْتَهُ وَلَالِشَیْءٍ تَرَکْتُهُ لِمَ تَرَکْتَهُ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَامَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَاحَرِيْرًا قَطُّ وَلَاشَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَلَاشَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَاعِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کبھی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت، کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کس قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا

حضرتِ انسؓ خدمتِ نبوی میں :

قال خدمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ ...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنین کی تصریح ہے۔ بعض روایات میں تسع سنین' کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آ گیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا، جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود اُن کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش

کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضر خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپؐ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا :

فما قال لی اُف قط ' حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت وصحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی' کوتاہیاں تو لازمۂ بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ' اتباعِ سنت کا کامل نمونہ :

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ و مربی' اپنے اُستاذ امیر المؤمنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ بے اختیار یاد آنے لگے۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے۔ مجھے دس سال کی خدمت' صحبت' قربت' سفر وحضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا۔ حضرت کے ساتھ علمی و دینی کام کئے۔ تدریسی کام' انتظامی اُمور' حضرت کے شب وروز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں۔ حضرت کے حینِ حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ' عیدین' تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و اندازِ تربیت پر' اس طویل عرصۂ خدمت و رفاقت میں حضرتؒ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا' بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ' نہ نقد و جرح' نہ اعراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

ابونعیم کی روایت :

بہرحال یہاں تو اسی قدر نقل ہے۔ وھذا الحدیث رواہ ابو نعیم عن انس ایضاً بلفظ خدمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشر سنین فما سبنی قط و ماضر بنی ضربة ولا انتھرنی ولاعبس فی وجھی ولاامرنی بامر فتوا نیت فیہ فعا تبنی علیہ فان عاتبنی احد قال دعوہ و لو قدر شئی کان ۔(مواہب ص۲۵۲)(اور یہی حدیث ابونعیم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی! اس کو جانے دو، کچھ نہ کہو جو مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انسؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام ومحبین اور صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمالِ اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا۔ خدام کے افعال' کوتاہیوں اور افراط وتفریط کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے' بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے۔ فکان یشھد أن الفعل مِن اللّٰہ ولا فعل لأنس فی الحقیقة فلا فاعل الا اللّٰہ و الخلق الآن و سائط فالغضب علی المخلوق فی شئی فعلہ او ترکہ ینافی کمال التوحید کما ھو مقرر فی علمہ مِن وحدة الافعال ۔(مواہب ص۲۵۲)(پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ دراصل حضرت انسؓ کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ وغضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابونعیم کی روایت میں تصریح ہے. ولو قدر شئی کان کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے' وہی ہوتا ہے' مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایتِ لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا برقضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملینِ صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس جامعیت کے کمال پر تھی۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا۔ اس لئے حضراتِ صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اللہ جل شانہٗ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (خصائل ص: ۳۰۴)

و ذكر الشيخ ابراهيم البيجوريؒ ما قال لي لشئي صنعته لم صنعته ولاشئي تركته لم تركته أي لشدة و ثوقه و يقينه بالقضاء و القدر و لذلك زاد في رواية و لكن يقول قدر الله وماشاء فعل ولوقدر الله كان ولو قضى لكان۔ (مواہب ص۲۵۲) (شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی کوئی کام کیا ہے تو آپ ﷺ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضا و قدر پر پورا یقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا و قدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہو جاتا ہے)

سیرت و سوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت و سوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔ آپ

کے کریمانہ اخلاق، صبر، حسنِ معاشرت، حلم و علم، تحمل و بردباری، عفو، چشم پوشی وتسامح، زبان کی عفت و عصمت، خدام پر شفقت و تالیفِ قلوب اور وسعتِ رحمت وعنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔ علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

و فی ذلک بیان کمال خلقه و صبره و حسن عشرته و عظیم حلمه و صفحه و ترک العقاب علی مافات و صون اللسان عن الزجر والذم للمخلوقات و تألیف خاطر الخادم بترک معاتبته علی کلا الحالات وھذا کله فی الأمور المتعلقة بحظ الانسان ۔(مواہب ص۲۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت ومقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت وعظمت، خدمت واطاعت اور کمال محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلافِ شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلافِ شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ وغضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلایتسامح فیه لأنه اذا انتھک شی مِن محارم اللّٰه اشتد غضبه و ھذا یقتضی ان أنساً لم ینتھک شیئاً مِن محارم اللّٰه و لم یرتکب ما یوجب المؤاخذة شرعاً فی مدة خدمته له صلی اللّٰه علیه وسلم ففی ذلک منقبة عظیمة له و فضیلة تامة۔(مواہب ص۲۵۳)

اخلاقِ حمیدہ :

وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مِن احسن الناس خلقاً۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن وافضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے ایسے اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے، جو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ ھذا شأنه مع عموم الناس لامع خصوص أنس قال

تعالیٰ و انک لعلی خلق عظیم و قال ! لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا مِن حولک۔ (مواہب ص۲۵۳) (حضور ﷺ کے ایسے حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انسؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم (اورتمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا ..... یعنی حضور اقدس ﷺ بلندیٔ اخلاق اور عظمتِ خلق کی طرح اپنی خِلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ماقبل بیان کردہ روایت انه شن الکف (ای غلظهما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انه کان ناعما غلیظ اللحم و العظم فاجتمع له نعومة البدن و قوته ۔ (مناوی ج۲ص۱۹۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل) اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم وملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت مجتمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضراتِ صحابہ کرامؓ اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایتِ فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے

حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگردنے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔ اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تک بھی اسی طرح پہنچی ۔ (خصائل ص ۳۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسکاً قط ...... یعنی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجود مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھے۔ اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں " **اِنَّ تِلْکَ کَانَتْ رَائِحَتُہٗ بِلَاطِیْبٍ** کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجودِ اقدس و مطہر ہی کی تھی، نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ **ریحہ الذاتیۃ لا المکتسبۃ** (مناوی ج۲ص۱۹۲) آنحضور ﷺ کا وجودِ مبارک طیّب و مطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گذرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گذرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : **کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا مرّ فی طریق من طرق المدینۃ و جدوا منہ رائحۃ الطیب و قالوا مر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ھذا الطریق** (اخرج البزار و ابویعلیٰ) حضور سیدِ دوعالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے، تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پالیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گذرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا' **فجاء ت امه بقارورة تجمع فیهاعرقه فسألها رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالک فقالت نجعله فی طیبنا و هو اطیب الطیب۔** تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں ۔آنحضور ﷺ نے اس پسینہ کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے ۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ **قالت یا رسول الله نرجو برکته لصبیاننا قال اصبت وروی البخاری نحوه** کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہو جائیں گے ۔شفیقِ اُمت مومنوں پر رؤف و رحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اُم سلیم! تو نے سچ کہا ۔

صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں: **و فیه استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحین قیل لما حضر انس بن مالک الوفاة اوصی ان یجعل فی جنوبه مِن ذالک الطیب** یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے ۔

حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔جابر بن سمرہ سے روایت ہے :

قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوٰة الاولیٰ ثم خرج الیٰ اهله و خرجت معه فاستقبله و لدان فجعل یمسح خدی احدهم واحداً واحداً واما انا فمسح خدی فوجدت لیده بردا وریحا کانما اخرجها من جونة عطار (رواہ مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی ۔حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد

سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ پس جو بچے آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رُخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا' میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبیہ سے نکلی ہے ۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی هريرة قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال انی زوجت ابنتی و احب ان تعيننی قال ما عندی شئی ولکن ائتنی بقارورة واسعة الرأس و ء ود شجرة فجعل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم يسلت العرق من ذراعيه حتی امتلئت القارورة قال خذها و أمر بنتک ان تغمس هذا العود فی القارورة و تطيبت به فکانت اذا تطيبت يشم اهل المدينة رائحة الطيب فسموا بيت المطيّبين ۔(اخرج ابو يعلیٰ والطبرانی فی الاوسط و ابن عساکر)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرماویں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جا اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پسینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب کبھی وہ اس پسینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا ۔

ابراہیم بن اسماعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے :

انه اردفنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم فالتقمت خاتم النبوة بفمی فکان شيم علی مسکا ۔ یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آرہی تھی

(۴/۳۴۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید اور احمد بن عبدۃ ضبّی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

راوی حدیث (۶۱۳) سلم العلویؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہ اثر صفرۃٍ ...... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھی، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے۔ ولو هنا شرطية أو للتمني ، والظاهر ان هذ الرجل كان ممن يخشى منه مخالفة النبى صلى الله عليه و سلم فاوعزالى أحد الصحابة أن يكلموه (اتحافات ص۳۷۲) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف متصور تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارۃً فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کر لیں)

ترک مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لایکاد یواجه ...... حضور ﷺ نے اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور اس کے جانے کے بعد یہ تمنا کی۔ اس میں بھی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں، **لان مواجهته ربما تفضي الى الكفر لان من يكره امره و يأبى امتثاله عناداً او رغبة عنه يكفر و فيه مخافة نزول العذاب والبلاء ...... ففي ترک المواجهة مصلحة۔** (مناوی ج۲ ص۱۹۳)

(اس لئے کہ اس کو منہ درمنہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی نوبت ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے اور اس صورت میں عذاب خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو اس لئے ترکِ مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرورِ دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو غایتِ شفقت و حیا کی وجہ سے منع نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام کرنے کو حضور سرورِ عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف غصہ کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ کرامؓ اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اُٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا، اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اُٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

(۳۴۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ وَاِسْمُهٗ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّ لَاصَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَايَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَ يَصْفَحُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابوعبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلاّ کر (خلافِ وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرمادیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۱۴) ابی عبداللہ الجدلیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح :

فاحشاً، جس کے اقوال، افعال، اعمال، صفات میں قباحت، بدخلقی اور بخیلی ہو، و استعماله فی القول اکثر (مناوی ج۲ص۱۹۴) (اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشاً جو خواہ مخواہ فحش گو بنے، لگی بندھی مجلس بنائے، ای متكلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج۲ص۱۹۴) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو بٹھانے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کردی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جاکر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملاعلی قاریؒ کا ارشاد :

علامہ ملاعلی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامه و فعله و المتفحش يتكلف الفحش و يتعمده فنفت عنه صلى الله عليه وسلم الفحش و المتفحش به طبعاً و تكلفاً۔ (جمع ج۲ص۱۹۴) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی اندازِ تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور متفحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ

دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے اُم المؤمنین ؓ نے فحش اور متفحش ہونے کی نفی فرمادی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شور و شغب سے مکمل اجتناب :

ولا صخاباً فی الاسواق ...... صخاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیخنے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ : **فی التوارۃ محمد عبدی لیس بفظ ولاغلیظ ولاصخوب فی الاسواق** ۔ تورات میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی ؒ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت نقل کرتے ہیں :

نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اُونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ بُرائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کردیتے تھے۔ تورات میں خدا نے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اُونچی آواز سے بولتا ہے' برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کردیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (**رضوان اللہ علیھم اجمعین**) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسئیۃ ...... یعنی اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگذر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بد اخلاقی، برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرما

دیتے۔حضور پاک شفیقِ امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزار ہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔صاحبِ روض نظیف فرماتے ہیں : یَعْفُوْ وَ یَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنِیَ کَرَمًا وَ یَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَآءَ بَعْتَذِرِ ...... یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرمادیتے اور درگذر فرماتے اور جو کوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے ۔

عفو درگذر :

و لکن یعفو و یصفح : عفو کے معنٰی ترک عقوبة المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کردینا) اور صفح کا معنٰی اعراض عن تثریب المذنب (مجرم کے جرم وقصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ اوالمراد یعفو بباطنه و یصفح ای یعرض بظاهره ...... و ذلک منه طبعاً وامتثالا لقوله سبحانهٗ و تعالٰی فاعف عنهم واصفح و حسبک عفوه و صفحه عن اعداء ہ الذین حاربوه و بالغوا فی ایذائه حتی کسروا رباعیته و شجوا وجهه وما من حلیم الا و قد عرف له زلة اوهفوة تخدش فی کمال حلمه الاالمصطفٰی فانه لایزیده شدة الایذاء له والجهل علیه الاعفوا و صفحاً (مناوی ج۲ص۱۹۴) (یا یعفو ویصفح کا مطلب یہ کہ آپ اندرونی طور پر معاف کردیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورتحال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالٰی کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صفح اور درگذر فرمائیے۔آپ ﷺ کے عفو ودرگذر فرمانے کے حالات واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی وشافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفو اور درگذر کرنے کا معاملہ فرمایا۔جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ وجدل ایذارسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم وبردباری کے کمال کو مخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی اس کے تحمل عفو اور درگذر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)

بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ

کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے نہ دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو، تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد ! ﷺ اگر آپ ایسا کرسکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقتِ معین پر مجھے دیدو تو میں قیمت پیشگی اب دیدوں اور وقت معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کرسکتا ہوں میں نے اس کو قبول کرلیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کرلو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلّوں کو پکڑ

کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمد ! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم ! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم ! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا، لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کردو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دیدینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علامتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھ مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللّٰہ عنہ و ارضاہ۔ (جمع الوسائل)

(۳۴۴/۶) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا امْرَاَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔

ماضرب بیده ...... سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شئی سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگِ اُحد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضورؐ کے ہاتھ مبارک سے اُبی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہوسکتا ہے۔ نیز حدود وتعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضورِ پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں **کان النبی صلی اللہ علیه وسلم لایضرب مع وجود اسباب الضرب لأن الحلم کان طبیعته و کظم الغیظ کان سجیته** ۔(اتحافات ص:۲۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادتِ مبارکہ تھی)

شیخ ابنؒ حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: **هذا النفی مندرج تحت نفی العام الاانه خصه بالذکر اهتماما بشانه ووجهه ان ضرب الزوجة و الخادم و ان کان مباحا للادب فترکه افضل** ۔یعنی یہ نفی، نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے، مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے۔ البتہ علامہ ملا علی قاریؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، **قالوا بخلاف الولد فالاولٰی تأدیبهٗ و الفرق انّ ضربه**

لمصلحة تعود عليه فلم يندب العفو بخلاف ضربهما فانه لحظ النفس فندب العفو عنهما مخالفة لهوى النفس و كظماً لغيظها (جمع ج۲ص۱۹۵) (فقہاء کرام (بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود) اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل وبہتر سمجھتے ہیں۔ اوراس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بوجہ ایسی مصلحت کے ہوتا ہے جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو ودرگذر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگذر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ عَيَّاضٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَّظْلِمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَالَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ فَاِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ كَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِيْ ذٰلِكَ غَضَبًا وَمَاخُيِّرَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّااخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ مَاْثَمًا.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی ہتک ہوتی، تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔

حضورِ اقدس ﷺ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے، تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

راوی حدیث (۶۱۵) فضیل بن عیاضؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

مارأیت ...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصرا ' کا مصدر انتصار ہے' جس کا معنی ہے بدلہ لینا 'انتقام لینا' غائب ہونا' مظلمة جو ناحق تجھ سے لیا جائے' اگر لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ستم کے ہیں ، وقیل بالکسر والفتح الظلم وھو وضع الشئی فی غیر محله (جمع ج۲ص۱۹۶) (ملاعلی قاریؒ مظلمة(بکسر اللام وفتحه) کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبہ سے گھٹانا)ینتھک' انتھاک سے ہے' جس کے معنیٰ ہیں پھاڑنا' کھینچ کر کاٹ ڈالنا' فضیحت ورسوائی کرنا

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی' حضورِ اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما دیا۔ علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے' معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس کی معذرت قبول کرتے، کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگذر کرتے اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگِ اُحد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلّہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم ! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسهل الامرین کواختیار کرنا :

وما خیر بین امرین ...... حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی اُمور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوریؒ نے دینی اور دنیوی اُمور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ و فی معنی ذلک الاخذ برخص اللّٰہ تعالٰی و رسوله و رخص العلماء مالم یتتبع ذلک بحیث تنحل ربقة التقلید من عنقه۔ (مواہب ص۲۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں (سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ کی گئی ہو)

(۳۳۶/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ اَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ اَخُو الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَاَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَ يَا عَآئِشَةُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اِتِّقَآءَ فُحْشِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروۃ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔

استأذن رجل ...... بعض نے کہا کہ یہ شخص عیینة بن حصن الفزاری تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، ولا یبعد تعدد القضیة ولم یکن اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاهراً ۔(جمع ج۲ص۱۹۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

''رجل'' کون تھا :

بئس ابن العشيرة او اخو العشيرة ...... یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا اخ فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفع مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ بہ نیتِ اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کردیا تاکہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص:۳۱۲)

شیخ عبدالرؤف ؒ لکھتے ہیں کہ و لیس ذلک غیبة بل هو من النصیحة و الشفقة علی الامة لیعرف حال المقول علیه علی ان عیینة کان اذ ذاک متزلزل الایمان مضمر النفاق بدلیل انه اظهر الردة بعد المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم و جئی به ابی بکرؓ اسیراً فکان الصبیان یصیحون به فی ازقة المدینة هذا الذی خرج من الدین فیقول عمکم لم یدخل حتی خرج فکان ذلک القول من المصطفیٰ صلی اللہ علیه وسلم علما من اعلام النبوة ومعجزة له لاخباره بغیب وقع۔ (مناوی ج۲ص۱۹۹) اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال وقال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانواڈول

اور اس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے قیدی کی حیثیت سے' جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے' جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا اچھا داخلِ اسلام کب ہوا تھا۔ پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاءؒ کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق معلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں' حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحبِ ہویٰ' دوسرا فاسق معلن' تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

اِن مِن شر الناس ...... اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بدترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔ یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔ یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمدورفت چھوڑ دیں۔ جس سے اگرچہ نقصان ہے، مگر حضور اکرمؐ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاءِ کرامؒ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معلن کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں، وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ ملا علی قاریؒ نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بین المداراة و

المداهنة ان المداراة بذل الدنيا لصلاح الدنيا او الدين او هما معا و هى مباحة و ربما تكون مستحسنة والمداهنة بذل الدين لصلاح الدنيا (جمع ج۲ص۲۰۱) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی و درستگی کے لئے خرچ و قربان کرنا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعاً) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنیٰ دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

اُصول جرح وتعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہٗ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اُصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا روایانِ حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تا کہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرامؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اُصولِ تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْكَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں گزارنے لگے۔

الغرض! حدیث کے باب میں اُصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقةٌ ، ثبتٌ یا عالمٌ وغیرہ کہتے ہیں۔

(۳۴۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيِّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ

عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَأَلْتُ اَبِیْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَآئِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ وَّلَا فَحَّاشٍ وَّلَا عَيَّابٍ وَّ لَا مُشَّاحٍ يَّتَغَافَلُ عَمَّا لَايَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَايُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْمِرَآءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَايَعْنِيْهِ وَ تَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا يُعِيْبُهٗ وَلَايَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَ لَايَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَ مَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَ يَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَ يَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَ مَسْئَلَتِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَ يَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوْهُ وَلَايَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُّكَافِیٍٔ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْقِيَامٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ وہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور وطریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلّانے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے ناامید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپؐ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں

فرماتے تھے، مگر وہی جس سے ثواب کی اُمید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہوجاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوجاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات' جس بات سے سب حضرات ہنستے۔ آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تا آنکہ حضور ﷺ کے صحابہؓ 'مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا، پس اسے منع فرما کر بات ختم فرمادیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔

یہ حدیث اسی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو آپ ﷺ کی تواضع کے باب میں ساتویں نمبر میں گذر چکی ہے۔

جمالِ محمدؐ کا حسین منظر :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱) دائم البشر یعنی چہرۂ انور پر بشاشت' خندہ روئی' نورانیت اور تبسم رہتا تھا۔ و هو طلاقة الوجه والبشاشه و حسن الخلق مع الخلق و فى التعبير بكان و دوام البشر اشعار بان حسن خلقه كان عاما غير خاص بجلسائه و فيه ايماء بانه كان رحمة للعالمين (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (علامہ ملا علی قاریؒ دائم البشر کی تشریح میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا

چہرہ مبارک ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوتا تھا اور مخلوق کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے اور لفظ کان اور دائم البشر سے تعبیر کرنے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق کا یہ برتاؤ صرف اپنے ہم نشینوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ سب کے لئے عام تھا اور اس میں اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس واقعی رحمت للعالمین تھی) ترش روئی اور اغماض نام کے چیز نہ ہوتی تھی۔ یہ متواصل الاحزان کے منافی نہیں ہے۔ لان حزنه بسبب اهوال الآخرة اما بالنسبة لامور الدنيا فكان دائم البشر (مناوی ج۲ص۲۰۱) (اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور متفکر ہونا تو قیامت کے دہشت ناک مناظر ہی کی وجہ سے ہوتا تھا اور دنیوی امور کی نسبت تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت خندہ روئی ہوا کرتی تھی)۔

(۲) سهل الخلق آپ نرم مزاج تھے اخلاق میں حد درجہ تواضع وانکسار اور ملائمت تھی۔ سختی درشتی تندخوئی اور تلخ گوئی نہیں کرتے تھے۔ ای ليس بصعبه و لا خشنه ۔ (اتحافات ص ۳۷۵)

(۳) لين الجانب یعنی انتہائی نرم خو خوش لہجہ نرم طبیعت حلیم اور بردبار تھے۔ درشتی اور تلخی نام کی چیز سے نا آشنا تھے۔ علامہ بیجوری بھی لین الجانب کی یہی تشریح کر رہے ہیں ای سريع العطف كثير اللطف جميل الصفح مع السكون والوقار والخشوع والخضوع وعلم الخلاف۔ (مواہب ص ۲۵۸)

(۴) ليس بفظ و لا غليظ ، فظ کا معنی سخت کلام بدخلق غلیظ کا معنی تندخو ای يحمل احد هما على فظاظة اللسان والآخر على فظاظة القلب ۔ (جمع ج۲ص۲۰۱) (ان میں سے ایک کو تو زبان کی بدگوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران: ۱۵۹) اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای ليس فيه جفاء و لا غلظة ۔ (اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ میں اکھڑپن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) و لا صخاب و لا فحاش ، نہ تو آپ چیخ کر چلا کر بات کرنے اور شور وشر کرنے والے تھے

اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس کثیر الصخب ای الصیاح ولایعرف الفحش ولایقع منہ۔ (اتحافات ص۴۷۶)

(۶) ولا عیّاب و لا مشاح ای لایعیب غیرہ ابدا ۔ (اتحافات ص۴۷۶) یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط ۔ (اتحافات ص۴۷۶) حتی کہ کھانے میں بھی عیب گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا معلوم ہوا تو نوش فرمالیا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنیٰ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا' حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتھی 'جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے' پسند نہ فرماتے، گو وہ حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے فکر مندی بے معنیٰ ہے۔ ای یظھر الغفلۃ والاعراض عما لایستحسنہ من الاقوال والافعال تلطفًا باصحابہ و رفقاً بھم ۔ (مواہب ص۲۵۸) (یعنی جو اقوال وافعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلطف اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض وروگردانی اختیار فرمادیتے)

(۸) و لا یؤئس منہ ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب ومحبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا، تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کو حصول واستعمال کی اجازت دیتے تھے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای لایجعل غیرہ آئسا مما لایشتھیہ ولایقطع رجاءہ منہ۔ (مواہب ص۲۵۸)

ولایجیب فیہ ' یہاں بھی فیہ کی ضمیر ' ما لا یشتھی کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے، مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہ جاتے، بل یسکت عنہ عفواً و تکرماً ، بلکہ از روئے عفو وکرم خاموشی بھی اختیار فرما

لیتے تھے۔ یا نرم اور میٹھے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) و قد ترک نفسه من ثلاث ' حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعها من خصال مذمومة ۔ (مواہب ص ۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔ (۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا' ای الجدال ولو بحق لحدیث من ترک المراء وهو محق بنی الله له بیتاً فی ربض الجنة ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (اگر چہ وہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مدمقابل سے) جھگڑنا لڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ وسطِ جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنا دیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرۃ:۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ (۲) والاکبار ' یعنی خود کو بڑائی ' تکبر ' رعونت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے، ہمیشہ تواضع وانکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے ای من استعظام نفسه فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی معاشرته مع الناس ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفاتِ مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے) اور حدیث میں انا سید ولدِ آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحدیثاً بنعمة المولیٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان و اظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لاافتخاراً ولا استعظاما بمقتضی الهویٰ ۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) خواہش نفسی ' عجب و خود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر وغرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثار کا لفظ منقول ہے۔ ای من الکلام والمال ۔ (اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لایعنیه ' یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ بامعنیٰ ' بامقصد اور بہ قدرِ ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مؤمنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (المؤمنون:۳) (جو لغویات سے منہ موڑ

لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے ...... من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه ۔(مواہب ص ۲۵۹)(انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) و ترک الناس من ثلث' تین اُمور ایسے تھے، جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔(۱) کان لایذم احداً 'یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے' ای مواجهة ولا غیر مواجهة ۔(۲) ولایعیبه ای فی الغیبة 'یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں' ای لایذم فی الامور الاختیاریة المباحة و لایعیب فی الاطوار الخلقیة الجبلیة کالطول و القصر و السواد وامثالها ۔(جمع ج۲ ص ۲۰۴)(نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیاریہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات وہیئات جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے)اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دوسری روایت میں' ولا یعیره نقل ہوا ہے، من التعییر وهو التوبیخ (جمع ج۲ ص ۲۰۴)(اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) و لا یطلب عورته یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای عورة احد وهی مایستحی منه اذا ظهر فالمعنٰی لا یظهر ما یرید الشخص ستره و یخفیه الناس عن الغیر۔(جمع ج۲ ص ۲۰۴)(کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ عیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، و فیه تنبیه علی ان من دأب اهل کمال ان لایصرحوا بمعایب ارباب النقصان ولا یتجسسوا علی الوقوف علی فجور ارباب الذنوب۔(مناوی ج۲ ص ۲۰۴)

(اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر یا اخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے عیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ و ترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسه من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصّهم لان القصد بهذه الثلاث رعايتهم كما ان القصد بالثلاثة الاول رعاية نفسه فلذلك لم يقل ترك نفسه من ستة ولم يعدّها مما ترك نفسه منها فسقط قول البعض الاعيان لافرق بينهما يقتضي تفاوت البيان (مناوی ج ۲ ص ۲۰۴) (آپ ﷺ نے ترک الناس میں ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچار کھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرمادیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مدنظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت وحفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے متروکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیانِ فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) لا يتكلم الا فيما رجا ثوابه 'آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر و ثواب ہوتی تھی' یعنی گفتگو مبارک 'با مقصد' نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی اى فى الشئى النافع المطلوب ۔(اتحافات ص ۳۷۶) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات' کوئی فعل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا، جس پر اجر و ثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) واذا تكلم اطرق ...... اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو حاضرینِ مجلس نہایت ہی خاموش' آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت' بے خیالی اور بے جا ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ اى ارخوا رؤسهم الى الارض و نظروا اليها و أصغوا إليه لاستماع كلامه و لسرورهم و ارتياح ارواحهم بحديثه (مواہب ص ۲۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل و جان کو تسکین و راحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے

تھے) والطیر لایقع الا علی ساکن ساکت قال ......

اذا حلت بنولیث عکاظا

رأیت علی رؤسھم الغرابا

(مناوی ج۲ص۲۰۵)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بنولیث عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں تو ان کے سروں پر (بوجہ خاموشی وسنجیدگی) گویا کہ کوّے بیٹھے ہیں)

اطرق ' اطراق سے ہے، خاموش ہونے' چپ رہنے' نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، الاطراق ان یقبل ببصرہ الی صدرہ و یسکت ساکتاً۔ (نہایہ) (اطراق کا معنیٰ کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و کقولھم اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القری ۔ (کافیہ ص۳۶) (اطراق کا معنیٰ سر کو جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے بحث منادیٰ میں اطرق کو اسی معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القریٰ کہ اے کرا گردن خم کردے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کردے۔ بے شک شترمرغ بستیوں میں (گرفتار کر کے پہنچایا جاچکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرینِ مجلس آپ ﷺ کی صحبتِ مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپؐ کی نظرِ فیض آثار اور توجہات عظیمہ وعنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدسؐ کے علوم و معارف' افادات ونصائح' ارشادات وہدایات اور انوار وتجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہوجاتے، تب صحابہ کرامؓ حسبِ ضرورت باہم گفتگو کرتے، فیہ ایماء الی انھم لم یکونوا یبتدؤن بالکلام و لایتکلمون فی اثناء حدیثہ کما ھو مقتضی الادب . (جمع ج۲ص۲۰۵) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو

ابتداء بالکلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضیٰ ادب واحترام ہے)

(۱۳) **لایتنازعون عنده الحدیث** ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب حضرات صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذاتِ اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اسی قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح ڈالتے اور نہ باہم الجھتے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، **لانه لاینبغی التنازع ولا التخاصم فی حضرته** ۔(اتحافات ص۲۷۶)

ومن تکلم عنده ...... جو کوئی بھی بارگاہِ قدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی برکت تھی کہ حاضرین وخدام آدابِ مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کر لیتا، تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے **فلا یتکلم عنده اثنان معاً ولایقطع بعضهم علی بعض کلامه لانه خلاف الادب** ۔(مواہب ص۳۵۹)

(۱۴) **حدیثهم عنده حدیث اوّلهم** ...... بارگاہِ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اوّلیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ای **یتحدث عنده ماجاء اولاثم من بعده علی الترتیب** ۔ (اتحافات ص۲۷۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور شخصیتِ اولین کی بات ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ اوّل کہنے والے نے جو کہدیا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرامؓ مباحات میں متحد الآراء ہوتے تھے، جو غایتِ محبت وانس کی علامت ہے۔

(۱۵) **یضحک مما یضحکون منه** ...... حضور اقدس ﷺ امراء، حکمرانوں اور متکبرین کی طرح

اپنے رفقاءِ کار، خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لمحے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل وتفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہؓ میں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہوجاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے' ای موافقة لهم و تطييباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص۳۷۶)

(۱۶) یصبر للغریب ...... حضور اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے اندازِ سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ آدابِ مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جا و بے جا سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا' مگر حضور اقدس سرورِ دو عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفو و درگذر فرما کر انتہائی صبر، تحمل، بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے۔ فقد ورد ان المومن الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاهم افضل ممن یعتزلهم و قد کان صلی اللّٰه علیه و سلم أعلی الناس فی ذلک مقاما فقد أتاه ذو الخویصرة التمیمی فقال یا رسول اللّٰه اعدل فقال و یحک و من یعدل اذا لم اعدل فقد خبت و خسرت ان لم اعدل فقال عمر یا رسول اللّٰه ائذن لی أضرب عنقه فقال دعه رواه البیهقی عن ابی سعید ۔ (مواهب ص۲۶۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ ذوالخویصرة تمیمی جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یارسول اللہ! انصاف فرمایئے

آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل وانصاف نہیں کرسکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل وانصاف کرسکے اور پھر تو میں خسارہ ونقصان میں رہا اگر میں عدل وانصاف نہ کرسکوں۔ تو (اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یارسول اللہ! کہ میں اس کی گردن اڑادوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) **و یقول اذا رأیتم** ...... آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، **فارفدوه ای ساعدوه فی توصله الی حاجته** (مناوی ج۲ص۲۰۷) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی میں)

(۱۸) **و لایقبل الثناء** ...... عام طور پر منہ سامنے مدح وتعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ بطور شکریہ و اداءِ احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ احسان کا شکریہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ اور فریضہ ادا کررہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے، **ای لایقبل مدیحاً الا من انسان أحسن الیه وماسوی ذلک أعرض عنه و أشاح بوجهه** (اتحافات ص۴۷۶) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح وتوصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان وبھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) **و لا یقطع علی احد** ...... آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو کو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرمادیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سننا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی **حتی یجوز** اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، **من المجازاة ای حتی یتجاوز الحد اوالحق و فی نسخة حتی یجور من الجور ای حتی یجور فی الحق بأن یمیل عنه** (مواہب ص۲۶۰)

فیقطعه بنهی او قیام 'تو نرم لہجے' حکمت اور موزون طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اُٹھ کر

چلے جاتے۔اما بنهي له عن الحديث ان افاد بان لم يكن معاندا اوقيام من المجلس ان كان معاندا ۔(یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے)

وفي هذا الحديث مالا يخفى من نهاية كماله صلى الله عليه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رأفته و رحمته و عظيم أخلاقه ۔(مواہب ص۲۶۰)(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات،نرم دلی،لطف وکرم،حلم وصبر،عفو ودرگزر،شفقت ورحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۱۰/۳۳۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمالِ سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی،جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا،اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرما دیں۔

غرضیکہ 'نہ' نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔ یہی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گذرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے' مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کر' اگر میرے پاس کچھ آیا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور و معروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاقِ حمیدہ و جلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے

.............ے

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہ

لَوْ لَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاؤُہٗ نَعَمٖ

(جمع ج ۲ ص ۲۰۸)

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشھد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشھد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز

بجز در اشہد ان لا الٰہ الاّ اللہ

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال وجواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے، جیسے کہ قرآن

مجید میں بھی ہے، لااجد ما احملکم علیه (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اورقبیلہ اشعریون کے وفد کوفرمایا واللّٰہ لا احملکم و غیرھما (قسم بخدا! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کرسکتا) شیخ ابراہیم بیجوریؒ نے اس سوال کے جواب کوان الفاظ میں اشارہ کردیا۔ والمراد انه لم یقل لامنعاً للاعطاء فلاٗینا فی انه قاله اعتذاراً ان لاق الاعتذار کما فی قوله لا اجد ما احملکم علیه او تادیباً للسائل ان لم یلق به الاعتذار کما فی قوله للاشعر یین واللّٰه لا احملکم فهو تأدیب لهم لسؤالهم مالیس عنده مع تحققهم ذلک ومن ثم حلف حسماً لطمعهم فی تکلیفه التحصیل مع عدم الاضطرار الی ذلک۔ (مواہب ص ۲۶۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال وروایات کے جن میں بطورِ معذرت کے کبھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعر یین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللّٰه لااحملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ وتادیب مقصود تھی کہ تمہیں باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں' المعروف أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لایسأل عن شئی الا کان یعطی سائله الحاجة المطلوبة' او یدعواله' اویعده بها ثم یوفٰی له ماوعد به۔ (اتحافات ص ۳۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرمادیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرمادیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کردیتے)

(۳۳۹/۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ اَبُوالْقَاسِمِ الْقَرْشِیُّ الْمَکِّیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَ کَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَیَاْتِیْهِ جِبْرِیْلُ فَیَعْرِضُ عَلَیْهِ

الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کواسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبیداللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لا کر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سُناتے' اُس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

راویان حدیث (۶۱۶) عبداللہ بن عمرانؒ (۶۱۷) ابراہیم بن سعدؒ اور (۶۱۸) عبیداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتبِ جودوسخا :

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم اجود الناس ...... شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، كانت مراتب جوده صلى الله عليه و سلم ثلاثة (۱) الجود العادى وهو فوق جود البشر (۲) جود أعلٰى منه وهو فى رمضان (۳) جود أكر و أكثر' و كان عند مايلقى جبريل و يدارسه القرآن' والجود فى المحسوسات و المعنويات' و قد استفاضت الأخبار فى أن الدنيا لم تسكن قلبه أبدا لقد كان يعطى عطاء الملوك' بل عطاء من لايخشى الفقر أبدا ۔(اتحافات ص:۳۷۸)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے۔ (۱) جودِ عادی یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (۲) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلٰی ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (۳) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو

انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔ باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر و فاقہ کا فکر و غم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت :

و کان اجود ما یکون فی شهر رمضان ...... اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے۔ یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر حال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے۔ کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ کوئی بھی حضور ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی۔ اُس کو مرحمت فرمادی۔ قرض لے کر ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور اداءِ قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) باوجود بخشش و عطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے۔ **اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ**. **کَانَ** کا اسم ہے اور **فِی شَهْرِ رمضان** خبر ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی **کَانَ کَوْنُهٗ اَجْوَدُ کَائِنًا فِیْ رَمَضَانَ** یعنی آنحضور ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایاتِ بے پایاں کو حاصل کرتے۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ ان کا شکر بجالانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ

ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات مُتَخَلِّقْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہ تھی ۔لہٰذا سنت الٰہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال ومتاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے۔اس صورت میں وہ کان کی خبر ہوگی اور کان کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے ۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور :

فیأتیه جبریل ...... رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہوکر آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے،اِن جبریل کان یعارضه القران فی کل سنة مرة و انه عارضه العام الوصال مرتین ،جس برس وصال ہوا۔اس میں دو(۲) مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فیأتیه میں فا تعلیل ما سبق کے لئے ہے،یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی ۔ ای سبب اجودیته اتیان جبرئیل له کل لیلة من رمضان۔(مناوی ج۲ص۲۰۹)

اجود بالخیر من الریح المرسلة ' تو اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگا سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کرسکتا تھا۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں و عبر بالمرسلةاشعارا بدوام هبوبها بالرحمة وعموم النفع بجود المصطفٰی صلی اللّٰہ علیه وسلم کما تعم المرسلة سائر مامرت علیه ۔(مناوی ج۲ص۲۱۱)(اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلہ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور برستی ہے۔بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کا جودوکرم، سخاوت ورحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہوجاتے ہیں)اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤفؒ بیان کرتے ہیں' و الحدیث مسوق لبیان

اتیان الملائکة الی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت ۔(مناوی ج۲ ص۲۱۱) (دراصل حدیث کے اسلوبِ بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خداتعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبتِ صالحین :

و فیہ ان صحبة الصالحین مؤثرة فی دین الرجل وعلمه ولذالک قالوا لقاء اهل الخیر عمارة القلوب (مناوی ج۲ص۲۱۱) اوراس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اور علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔اس لئے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذِ مسائل :

و فیه ندب اکثار الجود فی رمضان و مزید الانفاق علی المحتاجین فیه و التوسعة علی عیاله و اقاربه و محبیه و عند ملاقاة الصالحین و عقب مفارقتهم شکراً لنعمة الاجتماع بهم و مدارسة القران و جواز المبالغة والاعیاء فی الکلام کماذکره القرطبی۔(مناوی ج۲ص۲۱۱)

اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو،اور مسکین و نادار لوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اور اپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اور ان کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ وخوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے،تا کہ صالحین نیکوکار لوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پورا پورا حق اور شکریہ بجالایا جا سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت ومشقت برداشت کرکے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہئے

ورحم الله صاحب البرده حیث عبر عن جوده بالزبدة فی قوله .... ؎

فان مِن جودک الدنیا و ضرتها

و مِن علومک علم اللوح و القلم

(جمع ج ۲ص ۲۱۲)(کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح وقلم آپ کے علموں میں سے ہیں)

(۱۲/۳۴۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایدخر شیئًا لغد' حضور اقدس ﷺ آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ بھی آنحضور ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما دیتے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔ الشیخ یوسف النبھانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت' زکوٰۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دو پہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے ہاں رات نہیں گذاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔ اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ ﷺ اس وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ بھی کسی ضرورتمند کو نہیں دے دی۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

ان عدم الادخار آیة عظیمة علی اعظم التوکل والایثار وهما من محاسن

الاخــلاق (مناوی ج۲ص۲۱۳) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں ۔

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ ففی الصحیحین انه صلی اللہ علیه وسلم کان یدخر لاهلـه قـوت سنتهم ۔ (جمع ج۲ص۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحینؒ حدیث اس کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے اہل وعیال کے لئے، تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ ادخـار لغد نہیں فرماتے تھے۔اور اہل وعیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔اور یا اس لئے تاکہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور اور متجردین (کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ، لـکـمـال تـوکله علی ربه و قد یدخر لعیاله قوت سنتهم لضعف توکلهم بالنسبة الیه صلی اللہ علیه وسلم و لیکون سنة للمعلیین (عیالدار) من امته و لـلمتجردین من اهل ملته ، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے اہل وعیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے لا یدخر شیئا لغد علی الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، والاولٰی ای یجمع بانه کان یدخر لهم قوت سنتهم ثم من جوده و کرمه علی الوافدین والمحتاجین کان یفرغ زادهم قبل تمام السنة۔(جمع ج۲ص۲۱۲)

علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، وبیـانـاً لجواز الادخـار ...... فـادخـاره لـم یکن لخشیة العدم بل لاجل الکرم (مناوی ج۲ص۲۱۲) (ہوسکتا ہے آپ ﷺ کا

ذخیرہ کر لینا صرف بیان جواز کے لئے ہو تو گویا حضور ﷺ کا ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقتِ ضرورت) لوگوں سے جود و کرم کا برتاؤ کیا جا سکے)

حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجہ مناسبة الحدیث بعنوان الباب ان الکرم والجود والتوکل والاعتماد علی واجب الوجود دون الخلق من کمال الخلق (جمع ج۲ص۲۱۴) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم' سخاوت' توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی۔ اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایتِ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی (خصائل)

(۳۴۱/۱۳) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مُوْسَى بْنِ اَبِىْ عَلْقَمَةَ الْفَرْوِىُّ الْمَدَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ اَنْ يُّعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِىْ شَىْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ

عَلَیَّ فَاِذَا جَآءَنِی شَیْءٌ قَضَیْتُهٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَیْتَهٗ فَمَا کَلَّفَ اللّٰهُ مَالَا تَقْدِرُ عَلَیْهِ فَکَرِهَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ وَلَاتَخَفْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ عُرِفَ الْبِشْرُ فِیْ وَجْهِهٖ لِقَوْلِ الْاَنْصَارِیِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کردوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اُس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مکلّف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذاتِ پاک عرشِ بریں کی مالک ہے' اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہوسکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰؒ (۶۲۰) ابیؒ اور (۶۲۱) ہشام بن سعدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کردیتے :

فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ماعندی شیء ...... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای لیس فی ملکی شیء موجود۔ (جمع ج۲ص۲۱۴) (یعنی میرے

ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یعنی مطلوبہ چیز حسبِ ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا' اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوا دیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائیگی فرما دیتے۔

جود وسخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے۔ اس کو ارشاد فرمایا **انفق بلالاً ولاتخش من ذی العرش اقلالا**۔ اے بلال ! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو۔ ضرورتمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے

اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی ! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اُس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سُن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور ! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائیگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں رُوپوش ہو جاؤں گا۔ جب آپ ادائیگی فرما دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آتے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لئے گئے۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بار سے آپ کو سبک دوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ ...... تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے تو اسے عطا فرما دیا فما

کلف اللّٰہ مالا تقدر علیہ ۔پس اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر آپ کو قدرت نہیں ہے، مکلف نہیں بنایا، یعنی من امرہ بالشراء و وعدہ بالقضاء ۔(جمع ج۲ص۲۱۴) (اس شخص کو یہ کہہ دینا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کر دوں گا) یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطاو بخشش کے ہے ۔سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فکرہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کہنی پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹتا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواریٔ خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلافِ شریعت تھی' بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای مِن حیث استلزامہ قنوط السائل و حرمانہ لالمخالفتہ للشرع۔(مناوی ج۲ص۲۱۴)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا :

فقال رجل مِن الانصار ...... انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ! خرچ کیجئے کسی قسم کا خوف صاحبِ عرش سے نہ کیجئے، اقلالًا ای شیئًا مِن الفقر و زاد فی التاج ان معناہ الافتقار و الاحتیاج ۔ (جمع ج۲ص۲۱۴) یعنی کسی قسم کا فکر و اندیشہ یا غم نہ کیجئے' و انفق و لوفوق طاقتک ۔ (اتحافات ص:۳۷۹) (اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو) اللہ کریم اپنی بارگاہ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم ...... اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے ۔طبیعت اور چہرۂ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا، جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رُخِ انور پر فرخندگی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔ وعرف فی وجھہ البشر ای الطلاقۃ والبشاشۃ ۔(مواھب ص

۲۶۳) فانفرجت اساریر المصطفٰی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و عرف البشر فی وجھہ ۔(اتحافات ص۳۷۹)بھذا امرت ۔یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہروقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کی کا خوف نہ کروں،ای لا بقول عمر کما افادہ تقدیم الجار والمجرور والمعنی بالانفاق الذی قالہ الانصاری امرت لابالمنع الذی قالہ عمر ۔(مواہب ص۲۶۳)(یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا جیسے کہ یہی معنیٰ جار مجرور (یعنی بھذا) کی تقدیم سے معلوم ہورہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرمارہے ہیں)

اخذ واستنباطِ :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں،ویؤخذ من ھذا الحدیث أنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان فی غایۃ الکرم و الجود و مما ینبغی التنبہ لہ أن کل خصلۃ من خصال الفضل قد احل اللّٰہ نبیّہ فی اعلاھا و خصہ بذروۃ سناھا ۔(مواہب ص۲۶۳)(اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق وعادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلندترین خصلت پر ہونے کا حکم وارشاد فرمایا ہے)

(۳۴۴/۱۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَیْلٍ عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوَّذِ بْنِ عَفْرَآءَ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَ اَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْأَ کَفِّہٖ حُلِیًّا وَّ ذَھَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ربیع کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی

تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قناع' مراد طبق ہے جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خربوزہ یا ککڑی اس کی جمع جراء' اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع' اجریۃ آتی ہے۔ زغب نرم روئیں' بال اور پر کا نکلنا' اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں' جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد ککڑی ہے' جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ و سلم ...... اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زر و زیورات سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۳۴۳/۱۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيْبُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اُس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ھدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

کان یقبل الھدیۃ ...... حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے

بدلے مٹھی بھر زر و زیورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ویثیب خیرا منھا کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوریؒ باب ھذا کے آخر میں بطورِ تنبیہ کے لکھتے ہیں :

و اعلم ان اخلاقه صلى الله عليه وسلم وهديه و سيرته هى الميزان الاكبر فتعرض عليها الاشياء فما وافقها فهو المقبول وما خالفها فهو المردود (مواہب ص ۲۶۴) (یہ بات بخوبی معلوم کرلیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرتِ مبارکہ یہی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال وکارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے)۔

===================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظِ حیاء کالغوی معنیٰ تغیر وانکسار ہے۔(جمع ج۲ص۲۱۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنیٰ بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے منقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنیٰ میں آتا ہے۔شرعاً حیاء کے معنیٰ ہیں ھو خلق یبعث علی تجنب القبیح و یحض علی ارتکاب الحسن و مجانبة التقصیر فی حق ذی الحق ۔(مواہب ص۲۶۴) یعنی وہ خلق ہے جو افعالِ قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو۔حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحبِ حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو۔حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیاۃ سے ماخوذ ہیں ' و کلاهما مأخوذ من الحیاة فان احدهما حیاة الارض و الآخر حیاة القلب ۔(جمع ج۲ص۲۱۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات وزندگی ہے)

حیاء کی فضیلت واہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے ' الحیاء شعبة من الایمان حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے ، ان لکل دین خلقا ، وان خلق الاسلام الحیاء۔ (ابن ماجۃ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے، اور اسلام کا خلق حیاء ہے ۔حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے، الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة ۔(ابن ماجۃ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہونا ہے۔ عمران بن حصین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، الحیاء لایاتی الّا بخیر ۔(بخاری) حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے' الحیاء کله

خیر (مسلم) یعنی حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ ایک اور ارشاد ہے ' **لادین لمن لاحیاء له** (جس میں حیاء نہیں ہے، اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے۔ غایتِ اہتمام غرض تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے۔ **و لعل الافراد فی الترجمة إشارة الی عظم شانه** (اتحافات ص ۳۸۱) (اور اس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) **ولان به حسن العشرة للخلق و المعاملة للحق** ۔ (مواہب ص ۲۶۴) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے، اگر اپنی منشأ کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں کنایوں میں کہتے۔ قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی، تو لوگوں سے دور کسی میدان میں چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے، جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر اُن کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے، کبھی اندر تشریف لاتے تھے، مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے .... ؎

شوق افزوں مانعِ عرضِ تمنا دابِ حُسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے' جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریقِ احسن واولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)

امامِ ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۴۴/۱) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشَدَّ حَيَآءً مِّنَ الْعَذْرَآءِ فِیْ خِدْرِهَا وَ كَانَ اِذَا كَرِهَ شَيْأً عَرَفْنَاهُ فِیْ وَجْهِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابو سعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہارِ ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۶۲۲) عبداللہ بن ابی عتبہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقامِ حیاء :

کان اشد حیاء ...... العذراء دوشیزہ' باکرہ' کنواری اور درناسفتہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لتعذر و طیھا ۔(مواہب ص ۲۶۴) (عذراء کے ساتھ اس لئے مسمّیٰ کی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور متعذر ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء رکھتے تھے' جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے

ہیں، وہ پردہ جو لڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔ لڑکی کے لئے مکان کا مخصوص حصہ‘ رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ و ھو ستر یجعل للبکر فی جانب البیت لتستر بہ حتی عن بعض النساء۔ (جمع ج۲ص۲۱۶) (ملا علی قاریؒ خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جو کمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تاآنکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحینِ حدیث نے اس کا ایک معنیٰ یہ لیا ہے۔ اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم و حیا طبعاً موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی‘ تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجۂ اتم موجود ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے‘ جس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی محلوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجۂ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنیٰ شارحینِ حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شبِ عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم و حیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ کا ارشاد :

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وفیہ ان الحیاء من الاوصاف المحمودۃ ای مالم ینتہ الی ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترک اقامۃ حد والا کان مذموماً و حیاءہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مبرأ من ذلک کلہ (مناوی ج۲ص۲۱۷) اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصافِ محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری‘ نامردی‘ حق سے نکلنا اور اقامت حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے، اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حیاء تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور مبرّا تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کرہ شیأ اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوار خاطر ہوتی' تو اس کا اثر رُخِ انور سے معلوم ہوجاتا۔ وکذا العذراء فی خدرھا لاتصرح بکراھة الشئی بل یعرف ذلک فی وجھھا غالباً وبھذا ظھر وجه ارتباط ھذه الجملة بالتی قبلھا۔ (مواھب ص ۳۶۴)

(اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحۃً نہیں کرتی بلکہ عمومی طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ماقبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہوگئی)

(۲/۳۳۵) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَانَظَرْتُ اِلٰى فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالہ سے خبر دی' انہوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیاء اور تستُّر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محل شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۶۲۳) موسیٰ بن عبداللہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشة مانظرت ...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محل شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اُصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے

حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون ووقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محلِ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔

(ملخصاً من المناوی وغیرہ ج۲ ص۲۱۳)

=================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے (سنگیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (پچھنے لگوانا) :

الحجامة ' پچھنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنیٰ اونچائی' بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔ الحجامة هی شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و هی مایحجم به۔ (اتحافات ص ۳۹۳) (حجامت کا معنیٰ جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال مونڈنے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں پچھنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حالق ہی حجام (پچھنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام' حلاق کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حالق کو ہیں۔ پچھنے لگوانا آپ ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیئے ہیں۔

معالجہ' توکل کے منافی نہیں :

باب ھذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں پچھنے لگوانے کے مختلف واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے معمولات میں معالجہ' بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معالجہ' اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضور اقدسؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہوسکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی حجامته صلی اللّٰه علیه وسلم اِقرار لمبدأ

التداوی والعلاج ولامنافاۃ بین الأخذ بالأسباب والتوکل علی اللہ ۔(اتحافات ص ۳۸۳) (اور نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے میں دوا اور علاج ومعالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اسباب وذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم ترکہ توکلا فضیلۃ و لاینا فیہ فعل المصطفی وھو سید المتوکلین لانہ انما فعلہ للتشریع کما تقرر ۔(مناوی ج۲ص ۲۱۴)(ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتلانے کی ہدایت ہے)

توکّل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب واولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تفویض کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے ....

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود   روغنِ بادام خشکی مے نمود

مقدّراتِ الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ نسرکہ کے استعمال سے صفرا بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحبؒ کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفصیلِ شیخینؓ کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا، مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۴۶/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ اَنَسٌ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَجَمَهٗ اَبُوْطَيْبَةَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَ كَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپؐ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ:

ابو طيبة ! اسمه نافع و كان مملوكا لبني حارثة أو لابي مسعود الانصاري۔ (اتحافات ص ۳۹۳) و خطّأ الحافظ ابن حجر من قال كالنووي لبني بياضة اسمه نافع على الصحيح و قول البغوي ميسرة رد بانه اشتبه عليه باسم ابي جميلة الراوي حديث الحجامعة و قول ابن عبد البر

اسمه دینار وھموہ فیه لان دینارا الحجام تابعی روی عن ابی طیبة لا ابو طیبة نفسه انتھی ۔

(مناوی ج۲ص ۲۱۷)

منشأ سوال :

سئل انس بن مالکؓ ...... حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحینؒ نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔ لہٰذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ و لعل الباعث علی ھذا السوال ورود الخبر بخبث کسب الحجام ۔(اتحافات ص ۳۹۳)(اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب و اجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی ''حرمت'' سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیاناً کوئی حجامت کرے تو جائز ہے، لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ عملاً آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس ...... حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابوطیبة نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ ابوطیبة کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔

وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہِ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاءِ حنفیہؒ کے نزدیک تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔ فدلّ ذلک علی حله لأنه لو کان حراماً لم یعطه وماورد من النهی عنه فهو للتنزیه و هو المراد بکونه خبیثاً ۔(مواہب ص ۲۶۵) (تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر ہے تو وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد فی روایة من تمر ۔(مواہب ص ۲۶۵) معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک :

و کلم اهله ...... حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیده منهم فی التخفیف عنه ۔(مواہب ص ۲۶۵) ابو طیبة کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا' یعنی عبدِ ماذون بنا دیا تھا، وہ کماتا' محنت مزدوری کرتا' تین صاع تمر مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بچ کے رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا۔

اس سے بے بس' لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے جذبہ صادقہ کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت و امداد اور بھرپور عنایت کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وهذا یفید عنایة رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحجام۔(مواہب ص ۵۱۳)

پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل ...... یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو، وہ پچھنے لگوانا ہے۔ بعض شارحین اور

علماء ومحدثین رحمھم اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حرمین شریفین کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں' اس سے خون بنتا ہے، جو پچھنے لگوانے سے خارج ہوسکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے پچھنے لگوانا مستحب ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں' **ولعل هذه الأفضلية تتبع الزمان والمكان فالأجواء الحارة يناسبها الحجامة و غير الأجواء الحارة تتداوى بما يناسبها** ۔(اتحافات ص۳۹۴) (اور شاید کہ (پچھنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان ومکان اور آب وہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج ومعالجہ سے کام لیا جائے) اطباء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں' ضرورت پڑنے پر **فصد** ان کے لئے مفید ہے۔ **واهل البلاد الباردة فالفصد لهم اولى** ۔(مواہب ص۲۶۵) (اور ٹھنڈے وسرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذِ مسائل :

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں، **ويؤخذ مِن الحديث التداوى بل سنه واخذ الأجرة للطبيب والشفاعة عند ربّ الدين** ۔(مواہب ص۲۶۶) (حدیث شریف سے علاج ومعالجہ اور اس کے طریقہ اور طبیب وڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے)

(۲/۳۴۷) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَآءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَمَرَنِىْ فَاَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبدالاعلیٰ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو جمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۴) ورقاء بن عمرؒ اور (۶۲۵) ابی جملۃؒ کے حالات ""تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کردی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وھو الصاعان السابقان (مواھب ص۲۶۶) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع سابقہ)

(۳۴۸/۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَظُنُّهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلَى الْاَخْدَعَيْنِ وَ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَ اَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شعبی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباسؓ ...... چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے بعض

احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اُجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابوطیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اُجرت سینگی لگانا چاہئے تھا۔ علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں، محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخدعین ! تثنیہ ہے اس کا واحد اخدع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ ھما عرقان فی جانبی العنق۔ (مواہب ص۲۶۶) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخدع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۳۴۹/۴) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَ سَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُکَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ اٰصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَ اَعْطَاهُ اَجْرَهٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدۃ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کو بُلایا، جس نے آپ ﷺ کے سینگی لگائی۔ حضور اکرم ﷺ نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا، تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کرادیا اور سینگی لگانے

کی اجرت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیٰ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی ابوطیبہ کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۳۵۰/۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدِ ن الْعَطَّارُ الْبَصرِیُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَ جَرِیْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ رُسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَحْتَجِمُ فِی الْاَخْدَعَیْنِ وَالْکَاهِلِ وَ کَانَ یَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسعَ عَشْرَةَ وَ اِحْدٰی وَ عِشْرِیْنَ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷ / یا ۱۹ / یا ۲۱ / تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یحتجم فی الاخدعین ...... یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔ کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع کو اھل آتی ہے' یعنی دونوں کندھوں کے درمیان

، و هو مقدم اعلى الظهر مما يلي العنق وهو الثلث الاعلى و فيه ست فقرات و قيل ما بين الكتفين و قيل الكتد و قيل موصل العنق قال ابوزيد هو للانسان خاصة ويستعار لغيره (مناوی ج۲ص۲۲۳) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گڑھے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابوزیدؒ کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

پچھنے لگوانے کے خاص ایام :

وكان يحتجم لسبع عشرة ...... اور حضور اقدس ﷺ ۱۷/۱۸/اور ۱۹/تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث واقع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں پچھنے لگوانا بیماری سے صحت وشفا کا باعث ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا پچھنے لگوانا قوتِ حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ جل جلالہٗ کا اسم پاک لے کر پچھنے لگوایا کرو اور جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو پچھنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن پچھنے لگوایا کرو، جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے۔ شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن پچھنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے، جبکہ ۱۷، ۱۹، یا ۲۱ کو یہ دن آئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق

ہے۔ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے. بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں۔ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔اگر چہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمّیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب مادّے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمّی مادّہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔(خصائل)

خلاصہ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دموی علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا، اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقیناً ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۳۵۱/۶) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَ هُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الرزاق نے معمر کے حوالہ سے اس کی خبر دی۔انہوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں

(جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالتِ احرام میں پشتِ قدم پر سینگی لگوائی۔

پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول الله صلى الله عليه و سلم احتجم ...... حالتِ احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اُکھڑیں ......فيه حل الحجامة للمحرم حيث لا ازالة شعر والا حرمت بلا ضرورة ۔(مناوی ج۲ ص۲۲۴) ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اُس ملک کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آ جاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرونِ بدن میں چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقّت۔ اسی وجہ سے اہلِ حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔ سینگی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہرِ بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے، اسلئے سینگی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرونِ بدن سے اور رگوں سے خون کھنچتا ہے، اس لئے فصد

وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔ (خصائل)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ:

و قال صاحب الهدى التحقيق فی امر الفصد و الحجامة انهما يختلفان باختلاف الزمان و المكان والمزاج والحجامة فی الازمان الحارة والاماكن الحارة والابدان الحارة التی دم اصحابها فی غاية النضج انفع و الفصد بالعكس ولهذا كانت الحجامة انفع للصبيان و لمن لا يقوى على الفصد و يؤخذ من هذا ايضا ان الخطاب لغير الشيوخ لقلة الحرارة فی ابدانهم و قد اخرج الطبرانی بسند صحيح الی ابن سيرين قال اذا بلغ الرجل اربعين سنة لم يحتجم۔ (جمع ج۲ص۲۲۰) (صاحب الھدیٰ حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان ومکان اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں۔ اور حجامت (پچھنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (پچھنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ کھولنے (نشتر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہے۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ امام ابن سیرینؒ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر پچھنے نہ لگوائے)

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اَسْمَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے بیان میں

لفظِ اسماء کا معنیٰ و مصداق :

اسماء ' اسم کی جمع ہے۔ اسم وہ لفظ ہے، جو کسی جوہر یا عرض کی تعیین و تمیز کے لئے وضع کیا گیا ہو' اس کا ہمزہ' ہمزۂ وصل ہے۔ **والمراد بالأسماء هنا الأعلام و الصفات** ۔(اتحافات ص ۳۸۷) (اور یہاں اسماء سے اعلام اور صفات (دونوں) مراد ہیں)

قاضی ابو بکر بن عربی مالکیؒ اپنی شرح ترمذی احوذی میں اور الیجوریؒ **المواهب** میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے بھی ہزار نام ہیں۔ **أن للّٰه تعالٰی ألف اسم وللنبی ألف اسم** (مواہب ص ۲۶۸) حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے **البهجة السنية فی الأسماء النبوية** کے عنوان سے ایک کتاب تالیف فرمائی، جس میں نبی کریم ﷺ کے پانچ سو (۵۰۰) اسماءِ گرامی ذکر کئے ہیں۔ احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر آیا ہے۔ سب اسماء مبارکہ کا احصاء کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے قرآن مجید میں سات نام ہیں۔ محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ ' مزمل' مدثر' عبداللہ' ناموں کی کثرت مسمّی کی شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ **والقاعدة أن كثرة الأسماء تدل على شرف المسمٰى** ۔(مواہب ص ۲۶۸)

مصنفؒ نے اس باب میں حسبِ معمول بطورِ نمونہ کے صرف دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں آپ ﷺ کے نو (۹) اسماءِ مبارکہ کا ذکر ہے۔ مصنفؒ کا عام معمول بھی یہی ہے کہ وہ ہر ترجمۃ الباب کے نیچے بطورِ نمونہ بغرض اختصار چند احادیث کے درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۳۵۲/ا) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِيُّ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت محمد بن جبیر بن مطعم سے اُن کے باپ کے واسطہ سے نقل کی۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ من جملہ ان کے محمد ہے اور احمد ہے اور ماحی ہے جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے اور ایک نام حاشر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں حشر کے لئے سب سے پہلے آپ ﷺ کو اُٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی اور اُٹھائی جائے گی تو گویا حضور ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے اور ایک نام میرا عاقب ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام :

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ان لى اسماء ...... اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے پانچ صفاتی ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسم ''محمد'' کی تشریح :

انا محمد 'علماء نے لکھا ہے کہ محمد' حمد کا مبالغہ ہے' جس کے معنیٰ ہیں بہت حمد کیا گیا یا تو اس وجہ سے کہ حضور اقدس ﷺ کا نام ہے اور آپ کے خصال حمیدہ بہت زیادہ ہیں، یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف مرةً بعد مرةٍ '(بار بار) کی گئی یا اس وجہ سے کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے' سابقین انبیاء نے' اولیاء نے' یا تفاؤل کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد

کی جائے یا اس وجہ سے کہ اوّلین وآخرین سب ہی آپ کے ثنا خوان ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، جس کا نام حمد کا جھنڈا ہے۔ (خصائل)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ تحریر فرماتے ہیں 'لفظِ ''محمد'' حمد سے اسم مفعول ہے یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لئے اور احمد بھی حمد سے ہے۔ واقع علی المفعول ہے۔ اس محمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے ......

و شق له مِن اسمه لیجلّه فذو العرش محمود و هذا محمد

اللہ نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو ! رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرت ﷺ محمد ہیں، واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کو حمد سے خاص مناسبت ہے۔ حضور ﷺ کا نام محمد و احمد ہے اور حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے۔ اُمت محمدیہ کا نام حمادون ہے اور آنحضرتؐ کے لواء مبارک کا نام **لواء الحمد** ہے۔ **و الحمد لله علی ذلک حمداً کثیراً**۔ (رحمۃ للعالمین)

وحید الزمان (مشہور اہل حدیث) لکھتے ہیں کہ ایک عجیب امر یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمد نہیں ہوا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو کسی اور کے پیغمبر موعود ہونے کا اشتباہ نہ ہو۔ (لغات الحدیث) البتہ جب حضور اقدس ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب تھا۔ تو بہت سے لوگوں نے اس اُمید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے، جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی نبی بن جائے۔ محمد نام رکھا، لیکن اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام:۱۲۴) یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس جگہ کو جہاں اپنی رسالت کو تجویز فرماتا ہے۔

اسم ''احمد'' کی تشریح :

و انا احمد ...... اور میرا نام احمد ہے۔ یہ علم افعل تفضیل سے فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا۔ لہٰذا آپ ﷺ احمد الحامدین (حمد بیان کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والے) ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تھی۔اے اللہ ! مجھے اُمت احمد سے کیجئے۔ **اللھم اجعلنی من امة احمد۔** (جمع ج۲ص۲۲۷) حضرت عیسیٰؑ نے بھی احمد کا نام لے کر آپ ﷺ کی بشارت دی تھی۔ **وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔** (الصّف:٦) (اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے)

یہ قرآن مجید کی اپنی ایک شان اور عظمت وحکمت ہے، جہاں آپ ﷺ کا نام بتانا تھا، وہاں احمد بتایا، اور دوسری جگہ ذکر ہوا تو محمد ذکر کیا، جبکہ محمد تو آپ ﷺ کا مشہور نام ہے۔ چاہئے تھا کہ جہاں نام بتایا جارہا ہے، وہاں محمد بتایا جائے۔ شارحین فرماتے ہیں، **اسمهٗ احمد** کہہ کر ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے، کیونکہ کتبِ سابقہ میں آپ ﷺ کا نام محمد تھا، جبکہ جاہلیت میں لوگوں نے تفاؤل کے طور پر اپنے بچوں کے نام محمد رکھے، جس کی وجہ اس سے قبل بتادی گئی ہے، تو **اسمهٗ احمد** میں اللہ تعالیٰ نے التباس سے بچایا اور احمد ذکر کیا۔ قرآن مجید کا ایک دوسرا انداز یہ بھی ہے کہ جہاں خطاب وندا کا موقع آیا ہے، وہاں دیگر انبیاءِ کرام کو اسماءِ گرامی سے مخاطب کیا گیا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا نام نہیں لیا گیا۔ سوائے چار مقامات کے جہاں نام کا لینا ضروری تھا۔ اس کی وجہ بھی آپ ﷺ کا اعزاز وتکریم ہے کہ آپؐ کے اوصاف رسول، نبی، مزمل، مدثر، طٰہٰ، یٰسین ذکر ہوئے اور احمد نہیں آیا۔

علامہ البیجوریؒ کعب احبار سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اہل جنت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی عبدالکریم ہے۔ اہل دوزخ کے نزدیک عبدالجبار، اہل عرش کے نزدیک عبدالمجید، تمام فرشتوں کے نزدیک عبدالحمید، انبیاء کرام کے نزدیک عبدالوہاب، شیاطین کے لئے عبدالقہار، جنات کے نزدیک عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، صحراؤں میں عبدالقادر، سمندروں میں عبدالمہیمن، زندوں کے نزدیک عبدالقدوس، حشرات الارض کے نزدیک عبدالغیاث، جنگلی جانوروں میں عبدالرزاق، درندوں میں عبدالسلام، چوپایوں میں عبدالمؤمن، پرندوں میں عبدالغفار، تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک طٰہٰ ویٰسین اور مومنین کے نزدیک محمد ﷺ اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس لئے

جنتیوں میں آپ ﷺ جنت کو تقسیم فرمائیں گے۔ (مواہب ص۲۶۸)(ایضاً المناوی ج۲ص۲۲۸)

الماحی کی تشریح :

وانا الماحی ...... اور میں ماحی ہوں۔ میری وساطت سے اللہ تعالیٰ کفر کو نیست و نابود فرماتا ہے اور پھر یہ زمانہ آیا بھی ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر ۱۰۰۰ھ تک اسلام کا جھنڈا بلند رہا اور تمام عالم سرنگوں رہا۔ حضور اقدس ﷺ کفر و شرک کو مٹانے والے ہیں۔ کذابوں اور جھوٹوں کو دلائل و براہین سے شکست دینے والے ہیں۔ نیز اپنی اُمت کے گناہوں کو معاف کروانے والے ہیں۔

الحاشر :

و انا الحاشر ...... اور میں حاشر ہوں، یعنی میدانِ محشر میں میرے پیچھے ہو کر چلیں گے یا سب سے پہلے قیامت کے دن قبر سے اُٹھوں گا اور لوگ میرے بعد اُٹھیں گے۔ میرے قدم پر' قدمی تثنیہ ہے یا مفرد ہے یا قدمی بمعنیٰ زمانی کے ہے یا قدمی بمعنیٰ اتباعی کے ہے جو تکون الانبیاء یوم القیامة تحت لوائی (قیامت کے دن سب انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) کے مطابق ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں پہلا شخص ہوں، جس کے لئے قبر سب سے پہلے شق کی جائے گی۔ وقد ورد انه اول من تنشق عنه الارض فیتقدم الناس فی المحشر و یحشر الناس علی اثره ۔(مواہب ص۲۶۹)(اور یہ وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ قبر سے اٹھیں گے تو میدانِ محشر میں سب سے مقدم ہوں گے اور لوگ آپ ﷺ کے بعد اٹھ کر آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر چلیں گے)

العاقب :

وانا العاقب ...... اور میں عاقب ہوں یعنی عاقب وہ ہے، جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ دجال' کذاب اور جھوٹا ہے۔ آپ ؐ کے بعد منصب نبوت پر اور کوئی فائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے لا ینبؤ بعدی احد

ان اسماءِ سبعہ کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشن گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء وصفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔

(۲/۳۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَ نَبِيُّ التَّوْبَةِ وَ اَنَا الْمُقَفِّيُّ وَ اَنَا الْحَاشِرُ وَ نَبِيُّ الْمَلَاحِمِ.

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰكَذَا قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن طریف کوفی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوبکر بن عیاش نے عاصم کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابووائل سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ سے نقل کی۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ سے راستہ میں ملا۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لے جا رہے تھے۔ تذکرۃً حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے اور احمد ہے اور نبی الرحمۃ ہے اور نبی التوبہ ہے اور میں مقفّی ہوں اور حاشر ہوں اور نبی ملاحم ہوں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے نضر بن سہیل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حماد بن سلمہ نے دی۔ انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے نقل کی۔ جو کہ پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح کی روایت حماد بن سلمہ نے عاصم سے انہوں نے زر سے اور انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے بھی نقل کی ہے۔

نبی الرحمۃ :

و انا نبی الرحمۃ ...... اور میں نبی رحمت ہوں۔ رحمت نرم دلی مہربانی اور دردمندی کے اظہار کو کہتے ہیں، جس کا نتیجہ مغفرت واحسان ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ بحیثیت نبی کے اللہ تعالیٰ کی

مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ آپؐ کے قدِ رعنا کو رحمة للعلمین کے لباسِ فاخرہ سے مزیّن کیا گیا ہے۔ وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۔(اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے) اِن اسماء کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشن گوئی کے طور پر لکھے گئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء وصفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں۔ مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔ کفار کے لئے اس لئے کہ حضور ﷺ کے الطاف وشفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذاب عامہ نازل نہ ہوا، بلکہ قرآنِ پاک میں یہ وعدہ ہوگیا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہرگز عذاب نہ کریں گے اور نیز جب تک آپ ﷺ کے دین کا بقا رہے گا تب تک تمام عالم کا نظام باقی رہے گا، جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا، نظامِ عالم درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔ نیز آپ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے کسی اُمت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہو جائے۔ نیز آپ ﷺ لوگوں کا آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ ﷺ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز آپؐ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کا دین سراسر رحمت ہے۔ اس لئے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کی اُمت کی صفت قرآن شریف میں رُحَمَـآءُ بَیۡنَهُمۡ وارد ہوئی ہے۔ یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے، اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ (خصائل)

نبی التوبة :

ونبی التوبة ...... اور میں نبی توبہ ہوں۔ توبہ واستغفار کرنے سے میری اُمت کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ جب توبہ اپنی شرائط کے ساتھ کی جائے تو گناہوں کی معافی کے لئے کافی ہے۔ بخلاف

اُمم سابقہ کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے شرائط سخت تھے۔ مثلاً قتلِ نفس وغیرہ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ (البقرۃ:۵۴) (اور مار ڈالو اپنی اپنی جان کو یعنی بعض آدمی (جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی) بعض آدمیوں کو (جنہوں نے گوسالہ پرستی کی) قتل کرو۔ یہ (عمل درآمد) تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل درآمد کرنے سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے۔ بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں) آپ ﷺ اُمت کو بھی کثرت سے توبہ کی ترغیب دینے والے ہیں اور خود بھی کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے جتنی مخلوق کی توبہ قبول کی ہے، اتنی کسی دوسرے نبی کی اُمت کی نہیں کی۔ اس لئے آپ ﷺ کا لقب نبی التوبۃ بھی ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ و ارکان التوبة علی ماقاله العلماء ثلاثة الندم و القلع والعزم علی ان لایعود و لا اجد جعل الاستغفار اللسانی شرطا للتوبة نعم للتوبة باعتبار تعلقها بحقوق العباد و ببعض حقوق الله شروط ۔ (جمع ج۲ ص۲۲۷) (علماء کرام کے نزدیک توبہ کے ارکان واصول تین ہیں۔ (۱) اپنی غلطی پر پشیمان اور شرمندہ ہونا (۲) قلع (گناہ اور غلطی کو بالکل ختم کرنا) (۳) اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ پھر یہ غلطی اور گناہ نہیں کروں گا۔ اور زبانی استغفار کا توبہ کے لئے شرط ہونے کو میں نے (کتب وغیرہ) میں نہیں پایا (یعنی میرے معلومات میں نہیں) ہاں توبہ کے لئے باعتبار حقوق العباد اور بعض حقوق اللہ کے ساتھ متعلق ہونے کی شرطیں ہیں)

المقفی :

و انا المقفی ...... تقفية سے ہے بمعنیٰ پیچھے لگانے کے قَفْوٌ اور قُفُوٌّ پیچھے رہنے اور آخری ہونے کو کہتے ہیں۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، بکسر الفاء المشددة و فتحها والمعنی علی الاوّل ای سار علی آثار الانبیاء عملاً بقوله تعالیٰ فبهداهم اقتده والمعنی علی الثانی الذی انتهی الیه الامر بعد الأنبیاء من قوله تعالیٰ ثم قفینا علی آثارهم برسلنا ۔ (اتحافات ص۲۸۷) (لفظ

المقفی میں فاء مشددہ یا کسرہ کے ساتھ ہے یا فتح کے ساتھ اور پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''سو چل تو ان کے (انبیاء کے) طریقے پر'' کی پیروی کرتے ہوئے انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلے اور دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ انبیاء کرام کے بعد امر نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ تک پہنچا۔ جیسے کہ اس آیت کہ ''پھر پیچھے بھیجے ان کے قدموں اپنے رسول'' میں اس طرف اشارہ ہے)

نبی الملاحم :

و نبی الملاحم ...... الملاحم 'ملحمة سے ہے بمعنیٰ عظیم جنگ کے' بڑے حادثے کو ملحمة کہتے ہیں۔ اس کی جمع ملاحم ہے۔ گھمسان کی لڑائی کی جگہ، جہاد کو بھی ملحمة کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضور اکرم ﷺ کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا۔ نیز اس اُمت میں ہمیشہ رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی پیشن گوئی ہے کہ میری اُمت میں جہاد قیامت تک رہے گا۔ حتیٰ کہ اخیر حصہ اُمت دجال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی اُمت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجود اختلافات اس گئے گزرے دور میں بھی پائی جاتی ہے۔ کسی نبی کی اُمت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز ملحمه کے معنی فتنہ عظیم کے بھی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور اکرم ﷺ کا نام صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے، جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے۔ ایک دجال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر ہر نبی نے دجال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے۔ ایسے ہی یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں، جن کے آثار شروع ہیں۔ اللّٰهم احفظنا منها بمنک و فضلک وجاه نبیک و حبیبک۔ (خصائل)

=================================

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ عَیْشِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرِاوقات کے بیان میں

عیش ' زندگی' کھانے' طعام اور گذرِاوقات کو کہتے ہیں' ای باب بیان ماورد مِن الأحادیث فی کیفیة معیشته صلی اللہ علیه وسلم حال حیاته (مواہب ص۲۷۰) (باب! حضورؐ کی معاشی کیفیت کے متعلق واردشدہ احادیث کا بیان)

اس عنوان سے ایک باب پہلے گذر چکا ہے، جس میں مصنفؒ نے دو حدیثیں نقل کی تھیں۔اس باب میں حضوراقدس ﷺ' حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات اہل بیت عظامؓ کے گذرِاوقات کا بیان ہے کہ وہ کس طرح فقر وفاقہ' جہد مسلسل اور صبر واستقامت کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔

تکرارِ باب کیوں ؟

رہا یہ سوال' کہ دوبارہ یہ ترجمۃ الباب قائم کر کے اس میں نو (۹) احادیث کا اندراج کر کے بظاہر تکرار ہے اور یہ کیوں؟ تو علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ایک واضح جواب تو یہی ہے کہ اس باب میں وہ اُمور آ گئے ہیں' جو گذرے ہوئے باب میں ذکر نہیں ہوئے تھے۔لہٰذا یہ محضِ تکرار نہ ہوا۔ شیخ الیجوریؒ فرماتے ہیں، واعادہ ھنا بزیادات اخرجته عن التکرار۔(مواہب ص۲۷۰) (مصنفؒ نے اس باب کا اعادہ ایسی جدید امور کی زیادتی کی صورت میں کیا جس نے اس کو تکرار ہوجانے کی صورت سے نکال دیا)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے وجوہ تکرار میں تفصیل سے لکھا ہے :

یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک جگہ ہی ذکر کی ہیں۔ مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے، لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں، اُن میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے، اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذیؒ نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور کرنے سے متفرق مصالح اس کی سمجھ میں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتداء سے لے کر اخیر تک رہا۔ اس لئے ابتدائی زمانہ کی طرف اوّل اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیبر اور حُنین وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر وفاقہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ حرص وطمع دور فرمائے تو فقر وفاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونے کی بنادے۔ میں نے عرض کیا یا اللہ ! یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تاکہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر وفاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اس طرح دل لگانے لگو، جس طرح اُن لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کردے، جیسا کہ ان کو ہلاک کردیا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ایک جگہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ! محمد (ﷺ) کی اولاد کی روزی بقدرِ کفایت تجویز فرما۔ (مشکوٰۃ) (خصائل)

(۳۵۴/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَايَمْلَأُ بَطْنَهٗ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالاحوص نے سماک بن حرب کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ کو یہ

کہتے ہوئے سنا۔نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو(اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟) حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپؐ کے یہاں ردّی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر نہیں تھیں۔

چند کھجوروں پر قناعت :

یقول الستم ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔دقل ' ردی کھجور اور بادبان کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں۔عرب کہتے ہیں اراک اطول من الدقل و انت تنشر کلامک بنشر الدقل میں تم کو دیکھتا ہوں کہ بادبان کے ڈنڈے سے بھی زیادہ لمبے ہو اور گفتگو ردّی قسم کی کرتے ہو۔یعنی تمہارے نبی برحق ﷺ جس کی اتباع اور پیروی کرنا تم پر لازم ہے گھٹیا قسم کی کھجور پر بھی قناعت فرما لیتے تھے، مگر وہ بھی اس قدر مقدار میسّر ہوتی کہ اس سے شکم سیری بھی نہیں ہوتی تھی، جبکہ تمہارا یہ عالم ہے کہ تم دنیاوی نعمتوں کی فراوانی میں مستغرق ہو گئے ہو۔یہ حدیث اس سے قبل بھی باب ماجآء فی صفة ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسرے نمبر پر گذر چکی ہے۔غرض یہی ہے کہ کھانے پینے کو مقصود نہ بنایا جائے'والقصد التقریع و التوبیخ علی الاکثار من ذلک۔(مواہب ص ۲۷۰)(یعنی آپ ﷺ کی غرض حد سے زیادہ کھانے پینے پر توبیخ اور ڈانٹنا مقصود ہے)

بعض اہل اللہ کا ارشاد ہے، جوعوا أنفسکم لولیمة الفردوس ۔(مواہب ص ۲۷۰) جنت الفردوس کے ولیمہ کے تناول میں شرکت کے لئے دنیا میں اپنے آپ کو بھوکا رکھو، پیٹ بھر کر کھانا اور اس طرح کھانا کہ جو کسل کا باعث ہو، تحصیل علم وعمل صالح سے مانع ہو، شرعاً مذموم ہے۔اتنی مقدار کھانا کہ باعثِ حیات ہو اور عملِ صالح کے لئے معین ہو، شرعاً مطلوب ہے' علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ والمذموم انماھو الشبع المثقل الموجب للکسل المانع من تحصیل العلم و العمل و أما الأکل المعین علی العبادة فھو مطلوب۔(مواہب ص ۲۷۰)

علامہ ملا علی قاریؒ اس کا حاصل دوسرے انداز میں اس طرح لکھتے ہیں :قالوا لا تدخل الحکمة معدة ملئت طعاما و من قل اکلہ قل شربہ فخف نومہ فظھرت برکة عمرہ و روی

الطبرانی اهل الشبع فی الدنیا اهل الجوع فی الآخرة و جاء فی حدیث اشبعکم فی الدنیا اجوعکم فی الآخرة ۔(جمع ج ۲ ص ۲۳۰) (بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ حکمت اور دانائی ایسے معدہ میں داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو اور جو تھوڑا کھائے گا وہ پئے گا بھی تھوڑا۔ تو اس کی نیند بھی معمولی ہوگی پھر اس وقت اس کی عمر کی برکت ظاہر ہوگی۔ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ جو دنیا میں سیر (پیٹ بھرے) ہوں گے وہی آخرت میں بھوکے ہوں گے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ تمہارے دنیا میں زیادہ سیر شدہ لوگ آخرت میں زیادہ بھوکے ہوں گے)

اُمت چار گروہ میں بٹ گئی :

علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری کی حالت کو پسند فرمایا۔ حالانکہ آپ ﷺ پر خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں۔ اس کے بعد لوگ چار حصوں میں بٹ گئے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نقل کرتے ہیں۔ قسم لم یرد الدنیا ولم ترده کالصدیقؓ، وقسم لم یرد الدنیا و ارادته کالفاروقؓ، وقسم ارادها وارادته کخلفاء بنی امية والعباس الاعمر بن عبد العزیز و قسم ارادها و لم ترده لکن افقره اللّٰه و امتحنه بجمعها ۔ (مواہب ص ۲۷۰) یعنی ایک وہ جماعت جنہوں نے تو خود دنیا کی طرف رُخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ صدیق اکبرؓ، دوسری وہ جماعت جنہوں نے دنیا کا رُخ نہ کیا، لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسے حضرت فاروقِ اعظمؓ، تیسرے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا، جیسے بنی اُمیہ و بنی عباس کے بادشاہ عمر بن عبد العزیز کے علاوہ' چوتھے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ادھر کا رُخ نہ کیا، یہ وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہوگئی۔

(۳۵۵/۲) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِنْ كُنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَانَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدة نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ انہوں نے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اکرم ﷺ کے اہل وعیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

الفقر فخری کے عملی نمونے :

عائشةؓ قالت ...... ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ ہم یقیناً آلِ محمد ﷺ ہیں۔ ہم پر پورا پورا مہینہ گذر جاتا تھا کہ ہمارے گھر کے چولہے میں آگ نہیں سُلگتی تھی۔ سوائے کھجور اور پانی کے اور غذا نہ ہوتی۔ یعنی گھر میں چولہا نہ جلتا، روٹی اور سالن پکانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ صرف پانی اور کھجور پر گذر اوقات ہوتا۔ حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ نقل فرماتے ہیں:

امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عروہ سے ارشاد فرمایا اے بھتیجے! خدا کی قسم ہم ایک چاند دیکھتے ہیں، وہ مہینہ ختم ہو جاتا ہے، دوسرا چاند دیکھتے ہیں، وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، تیسرے مہینہ کا چاند دیکھتے ہیں، مگر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں چولہا روشن نہیں ہوتا۔ عروہ نے کہا اے خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گذر کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا کھجور اور پانی پر۔ ہاں ہماری دو انصاری ہمسایہ ہیں جو کہ صاحب وسعت ہیں، وہ کبھی کبھی دودھ وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ تو ہم حضور اقدس ﷺ کو پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کبھی کوئی چیز آنے والے دن کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ آنجناب ﷺ جب رات کا کھانا تناول فرمالیتے تو صبح کے لئے کچھ نہ ہوتا اور اسی طرح جب صبح کا کھانا تناول فرماتے، تو رات کے کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام صنعاء پہاڑ پر کھڑے تھے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا۔ آلِ محمد ﷺ کے گھر

میں شام اسی حالت میں آتی ہے کہ ان کے پاس ایک چٹکی آٹا بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ کلام اس سے بھی زیادہ صاف سنائی دیا، جیسے آسمان سے کسی دھماکے کی آواز سنی جاتی ہے۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں، آلِ محمد ﷺ کے گھر میں ایک صاع کھانے نے بھی کبھی شام نہیں گذاری۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں، وفی مسند الحارث بن ابی اُسامة عن انس ان فاطمة جاء ت بکسرة خبز الی المصطفٰی صلی اللّٰہ علیه و سلم فقال ما هذه قالت قرص خبزته فلم تطب نفسی حتی اتیتک بهذه فقال اما انه اوّل طعام دخل فم ابیک منذ ثلاثة ایام ۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۳۰) (حارث بن ابی سامہ کے مسند میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ روٹی کا ایک ٹکڑا لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک ٹکیہ روٹی کی پکائی تو میرا دل (کھانے) کو نہ چاہا تا آنکہ یہ (ٹکڑا) آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جانیئے کہ یہ پہلا نوالہ کھانے کا ہے جو تین دنوں کے بعد آپ کے والد کے منہ میں جارہا ہے)

گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہ جلتی :

آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی، جس کے لئے آگ جلانا پڑتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی، بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گذر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہو جاتا تھا، حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

بعض اوقات گھر میں چراغ کا تیل بھی میسر نہ ہوتا :

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینہ مسلسل ایسا گذر جاتا کہ حضور اقدس ﷺ کے گھر میں

روشنی کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لئے آگ جلنے سے مراد چراغ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہ ؓ اندھیرے ہی میں اس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا گھر میں چراغ نہیں ہے، یہ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اس کو کھانے ہی میں استعمال نہ کرتے۔ (خصائل)

(۳/۳۵۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ حَدَّثَنَا سَیَّارٌ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَ رَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَیْنِ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ طَلْحَةَ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَ مَعْنٰی قَوْلِهٖ وَ رَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کَانَ اَحَدُهُمْ یَشُدُّ فِیْ بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجُهْدِ وَالضُّعْفِ الَّذِیْ بِهٖ مِنَ الْجُوْعِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن ابی زیاد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سیار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سہل بن اسلم نے یزید بن ابی منصور کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے انس سے اور انہوں نے ابوطلحہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے شدّت بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدّت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ حضور اکرم ﷺ کو شدّت بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بدون کھائے گزر چکا تھا۔

شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھنا:

قال شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت

بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے تا کہ اس کی سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ مدینہ میں ایک پتھر کے ساتھ خاص ہے، جس کا نام مشبعہ ہے۔ اس پتھر میں اللہ جل شانہ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کے باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی ہے، لیکن ظاہر پہلا ہی قول ہے۔ اس لئے کہ اب بھی اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ شدت بھوک کے وقت پیٹ سے کسی کپڑے کا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوک کی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خالی پیٹ میں نفخ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پتھر یا کسی سخت چیز کو باندھ لینے سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پیٹ بالکل خالی ہو جائے تو انتڑیوں کے اتر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بالخصوص چلنے پھرنے میں اور پیٹ کو باندھ لینے سے یہ خدشہ نہیں رہتا۔ نیز پیٹ کے بالکل خالی ہو جانے سے کمر بھی جھک جاتی ہے۔ کبڑا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایک اشکال سے جواب :

اس حدیث پر ایک قوی اشکال ہے وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے اور جب صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں روزوں کے تسلسل کا ارادہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے منع فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ بغیر افطار کے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ کھلانا پلانا کس طرح ہوتا تھا، یہ اپنی جگہ پر ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونکہ روزے والی روایات کثیرہ ہیں، اس لئے بعض علماء نے محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دے دیا، لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایات بھی کئی ہیں۔ نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہو سکتا ہو، اس لئے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد پھر مختلف اقوال تطبیق ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

(۱) پتھر والی روایات ابتداء زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں۔ اس لئے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں۔

(۲) کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص اور عام مومنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزہ کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا، جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقت اور بار ہوتا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور کمال کے درجہ پر تھا۔

(۳) مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور اکرم ﷺ کے بھی ہوتے ہوں، جیسا کہ مشائخِ سلوک کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اس قول کے موافق ان روایات کو ابتداء زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔

(۴) حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء و مساکین کے ساتھ اشتراکِ عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں سعادت مند چھوٹوں کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابہ کرامؓ جیسے سعید عشاق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

(۵) حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کھلانا پلانا اعزاز و اکرام ہی تو تھا کوئی وجوبی امر نہ تھا تو کسی وقت جب کہ صحابہ کرامؓ پر تنگی و عسرت کا غلبہ ہو فقر و فاقہ اس حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ سے پتھر باندھنا پڑ جائیں حضوا کرم ﷺ خود اس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچہ اگر بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے پھر حضور اکرم ﷺ کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا، جہاں ہزروں ماؤں کی شفقتیں قربان۔ (خصائل)

(۴/۳۵۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ اَبُوْ مُعَاوِیَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِکِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَاعَةٍ لَایَخْرُجُ فِیْهَا وَلَا یَلْقَاهُ فِیْهَا اَحَدٌ فَاَتَاهُ اَبُوْ بَکْرٍ فَقَالَ مَاجَآءَ بِکَ

یٰـااَبَابَکْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنْظُرُ فِیْ وَجْھِہٖ وَالتَّسْلِیْمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ جَآءَ عُمَرُ فَقَالَ مَاجَآءَ بِکَ یَاعُمَرُ قَالَ الْجُوْعَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ . فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِکَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰی مَنْزِلِ اَبِی الْھَیْثَمِ بْنِ التَّیْھَانِ الْاَنْصَارِیِّ وَ کَانَ رَجُلًا کَثِیْرَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَ الشَّاءِ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ خَدَمٌ فَلَمْ یَجِدُوْہُ فَقَالُوْا لِاِمْرَاَتِہٖ اَیْنَ صَاحِبُکِ فَقَالَتْ اِنْطَلَقَ یَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَآءَ فَلَمْ یَلْبَثُوْا اَنْ جَآءَ اَبُوالْھَیْثَمِ بِقِرْبَۃٍ یَزْعَبُھَا فَوَضَعَھَا ثُمَّ جَآءَ یَلْتَزِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ یُفَدِّیْہِ بِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ ثُمَّ انْطَلَقَ بِھِمْ اِلٰی حَدِیْقَتِہٖ فَبَسَطَ لَھُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰی نَخْلَۃٍ فَجَآءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفَلَا تَنَقَّیْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِہٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ تَخْتَارُوْا اَوْ تَخَیَّرُوْا مِنْ رُطَبِہٖ وَبُسْرِہٖ فَاَکَلُوْا وَ شَرِبُوْا مِنْ ذٰلِکَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مِنَ النَّعِیْمِ الَّذِیْ تُسْئَلُوْنَ عَنْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَ رُطَبٌ طَیِّبٌ وَمَآءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُوْ الْھَیْثَمِ لِیَصْنَعَ لَھُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَھُمْ عَنَاقًا اَوْ جَدْیًا فَاَتَاھُمْ بِھَا فَاَکَلُوْا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ لَکَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْیٌ فَاْتِنَا فَاُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِرَاْسَیْنِ لَیْسَ مَعَھُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاہُ اَبُو الْھَیْثَمِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْتَرْ مِنْھُمَا فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِخْتَرْلِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ ھٰذَا فَاِنِّیْ رَاَیْتُہٗ یُصَلِّیْ وَاسْتَوْصِ بِہٖ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو الْھَیْثَمِ اِلٰی اِمْرَاَتِہٖ فَاَخْبَرَھَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِلَّا اَنْ تُعْتِقَہٗ قَالَ فَھُوَ عَتِیْقٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا وَلَا خَلِیْفَۃً اِلَّا وَلَہٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَاہُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ بِطَانَۃٌ لَا تَاْلُوْہُ خَبَالًا وَ مَنْ یُّوْقَ بِطَانَۃَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِیَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان ابومعاویہ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے

ہیں کہ ہم کو اسے عبد الملک بن عمیر نے ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن کے واسطہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز (خلاف عادت شریفہ) سید دو عالم ﷺ ایسے وقت باہر تشریف لائے، جس وقت آپ باہر تشریف نہیں لایا کرتے تھے اور نہ ہی اس وقت کوئی ایک ملاقات کرنے والا آپ ﷺ سے ملنے آتا۔ دریں اثنا ابو بکر صدیقؓ آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو بکر ! اس وقت تیرے آنے کا باعث کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس ارادہ و نیت سے گھر سے نکلا ہوں کہ رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات کروں اور چہرۂ اقدس کو دیکھوں اور آپؐ کی خدمتِ بابرکت میں سلام عرض کروں۔ پس تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا اے عمر ! تجھے اس وقت کونسی ضرورت لے آئی تو انہوں نے عرض کیا کہ بھوک یا رسول اللہ ﷺ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ تو میں بھی محسوس کرتا ہوں، پھر یہ تینوں حضرات ابی ہیثم بن تیہان انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے اور یہ صاحب کافی کھجور، درخت اور بکریاں رکھتا تھا اور اس کا کوئی نوکر نہیں تھا۔ یہ انصاری گھر پر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی سے پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے، اس نے کہا وہ تو ہمارے لئے میٹھا پینے کا پانی لانے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ وہ انصاری پانی سے بھری ہوئی مشک لے آیا، جس کو وہ بوجھ کی طرح اٹھا رہا تھا۔ پس فوراً اس مشک کو رکھ دیا، پھر آئے اور آتے ہی فرطِ محبت سے حضور پاک ﷺ سے لپٹ گئے۔ اور آنجناب پر اپنے ماں باپ قربان کرنے لگے، پھر ان تمام حضرات کو اپنے کھجوروں کے باغ میں لے گئے ان بزرگوں کے لئے بچھونے بچھائے، پھر ایک درخت کی جانب گئے اور کھجور کا خوشہ لے آئے (جس میں کچی پکی آدھ کچری کھجوریں تھیں) اور ان گرامی قدر بزرگوں کے سامنے پیش کردیں تو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا تو نے ہمارے لئے پکی کھجوریں چھان کر کیوں نہ توڑیں۔ تو ابو الہیثمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ خود پکی اور کچی کھجوریں پسند فرما کر تناول فرماویں۔ تینوں حضرات نے وہ کھجوریں نوش فرمائیں اور اس پانی سے پانی پیا، پھر سید الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھے اس ذاتِ

اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ بھی اس نعیم میں داخل ہے، جس کا سوال قیامت میں ہوگا۔ ٹھنڈا سایہ، تازہ کھجوریں، اور ٹھنڈا پانی۔ ابوہیثم جانے لگے تاکہ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا، تو ان حضرات کے لئے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ ان صاحبان کے سامنے پکا کر پیش کر دیا۔ ان حضرات نے اسے تناول فرمایا۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تیرا خادم کوئی نہیں ہے؟ ابوہیثم نے عرض کیا کہ نہیں حضور ﷺ نے فرمایا جب بھی غنائم میں غلام آئیں تو مجھے یاد کرنا، پھر حضور ﷺ کی خدمت میں دو غلام پیش کئے گئے۔ ابوہیثم آئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں میں سے ایک کو پسند کر لے۔ ابوہیثم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ! آپ ہی میرے لئے ایک منتخب فرمالیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غلام لے لے، کیونکہ میں نے اسے نماز ادا کرتے دیکھا ہے اور میری ایک وصیت اس کے حق میں قبول کر، وہ یہ کہ اس کے ساتھ نیکی کرتا رہ، ابوہیثم اپنی بیوی کے پاس گئے، اور حضور ﷺ کا ارشاد اُسے بتایا تو اُسے اس کی بیوی نے کہا کہ اس غلام کے بارے میں حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے، تو اس کو پورا نہیں کر سکتا، سوائے اس بات کے تو اسے آزاد کر دے۔ فوراً ابوہیثم نے کہا غلام آزاد ہے۔ تو (جب اس کی آزادی کی اطلاع آنجناب ﷺ کو پہنچی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے جانشین کے لئے دو باطنی مشیر اور صلاح کار پیدا کرتا ہے، جن میں سے ایک مشیر بھلائی کا امر کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ایک مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا اور جو شخص برے مشیر سے بچالیا جائے وہ ہر قسم کی برائی سے بچالیا گیا۔

راوی حدیث (۶۲۸) آدم بن ابی ایاسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

واقعات متعدد ہو سکتے ہیں :

قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے نہ تو اس وقت نکلنا آپ ﷺ کی

عادت مبارک تھی اور نہ اس وقت کوئی ملاقات کے لئے آتا تھا۔ شیخ ابراہیم الببجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ رات کا بھی ہوسکتا ہے اور دن کا بھی۔ مسلم شریف کی روایت میں ذات لیلة (رات) کی تصریح ہے اور شرح ملاعلی القاریؒ میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ذات یوم (دن) کی تصریح ہے۔ دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ یہ قصہ صرف ایک مرتبہ نہیں دو متعدد واقعات ہوسکتے ہیں۔ ایک واقعہ رات کو پیش آیا ہو اور دوسرا دن کو۔ علامہ بیجوریؒ یہی توجیہ فرمارہے ہیں ولعل ذلک تعدد فمرة كان ليلا و مرة كان نهارا ۔(مواہب ص۲۷۲)

حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس ﷺ سے کمالِ مناسبت حاصل تھی :

فقال خرجت...... حضور اقدس ﷺ کے سوال پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جمال جہاں آراء کی زیارت و ملاقات اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، و فيه ايماء بان عادة الصديق ايضاً كانت على وفق عادة النبى صلى الله عليه وسلم حيث لم يكن يخرج الاحين يخرج ۔(جمع ج ص۲۳۶) یعنی حضرت صدیق اکبرؓ کا معمول بھی حضور اقدس ﷺ کے معمول کے مطابق ہوا کرتا تھا اور یہ تکوینی بات تھی۔ ربّ ایسا کرادیتے تھے۔ اُدھر حضور ﷺ کے دل میں آیا کہ اب باہر نکلنا چاہئے، اِدھر صدیق اکبرؓ کے دل میں بھی ڈال دیا گیا، وہ بھی باہر نکل آئے۔ دونوں میں ایک فطری اور طبعی مناسبت تھی۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو اگر خلافِ عادت شریف باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمال تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ خلافتِ صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اگر کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو مناسبتِ تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اکرم ﷺ کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا۔ بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ حضور اقدسؐ کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور اکرم ﷺ کا طرزِ عمل تھا وہی اکثر

حضرت صدیق اکبرؓ کا بھی تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہؓ اُس کا تحمل بھی نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ نہایت جوش میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک ہوں حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضورؐ بیشک۔ حضرت عمرؓ! پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ حضور ﷺ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ! کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ جائیں گے۔ اور طواف کریں گے؟ حضور ﷺ! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے۔ حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور ﷺ بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد عمرؓ، اسی جوش میں حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابوبکرؓ! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ! بے شک۔ حضرت عمرؓ! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ! بے شک۔ حضرت عمرؓ! پھر دین کے بارے میں ہم (یا ہمیں؟) ذلت کیوں دیے جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ! اے آدمی! یہ بلا تردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں۔ وہی ان کا مددگار ہے تو ان کا رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمرؓ! کیا انہوں نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ: کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ اسی سال جائیں گے' حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا ۔حضرت ابوبکرؓ! کیا تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ بخاری شریف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بھی اسی قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتیٰ کہ اگر حضور اکرم ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ شریک ہیں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصہ سورۃ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکرؓ کا اس وقت خلافِ معمول باہر آنا دل رابدل رہیست حضور اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کا اثر تھا گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کیوجہ سے تھا، لیکن حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ کر اس کا

خیال بھی جاتا رہا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استفسار پر اس کا ذکر نہیں کیا ......

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے آقاؐ

بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی، مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے۔(خصائل)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عاشقانہ انداز :

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے استفسار پر اپنے حاضر ہونے کے تین مقاصد عرض کئے۔ سبحان اللہ! محبت' اطاعت اور عشقِ رسول ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کتنا پیارا اور عاشقانہ انداز اختیار کر رہے ہیں' حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غرض ملاقات' رخ انور کا دیدار اور سلام عرض کرنا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی حاضری :

فلم یلبث ...... ابھی تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ استفسار پر حاضری کی وجہ عرض کی کہ مجھے اس وقت نہایت ہی شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔

ابوالہیثم انصاریؓ :

فانطلقوا إلى منزل ابی الهیثم ...... پھر تینوں حضرات ابوالہیثم تیہان انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوالہیثم انصاری حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ تھا۔ صحابہؓ میں یہ صاحب کچھ زیادہ آسودہ حال تھے۔ کھجوروں کا باغ بھی تھا، بھیڑ بکریاں بھی تھیں۔ تاہم گھر کا کام کاج اور ضروریت کی خود تکمیل فرماتے تھے۔ و اسمه مالک و قیل ابو ایوب ولا مانع من کون الثانی کنیته والأول اسمه۔(مواہب ص۲۷۳) (ابوالہیثم کا نام مالک تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابوایوب ہے۔ لیکن اس میں کوئی مانع نہیں کہ دوسرا یعنی (ابوایوب) ان کی کنیت ہو اور پہلا یعنی

(مالک) اس کا نام ہو)

محبوب درِ دولت پر :

خادم وغیرہ نہیں تھا، جب حضور اقدس ﷺ شیخین کے ہمراہ ان کے در دولت پر حاضر ہوئے تو وہ موجود نہ تھے اور میٹھا پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ وہ میٹھے پانی کا مشکیزہ اٹھائے پہنچ گئے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے زبان حال سے گویا ہوئے ......

ہم نشیں جب میرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

اخذِ مسائل :

۱) تینوں حضرات کا حضرت انصاریؓ کے گھر میں بے تکلف جانے سے علماء اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بلند مرتبہ والے اشخاص جن کی پرہیزگاری اور تقدس کی وجہ سے ان کے ساتھی ان کا احترام کرتے ہیں، تکریم کرتے ہیں، اگر اپنے احباب کے گھر بغیر پیشگی اطلاع کے کھانے پینے کے لئے چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۲) حضرت ابوالہیثمؓ کی مالداری اور آسودہ حالی کے باوصف اپنے کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دینے سے معلوم ہوا کہ مالداری اور سرمایہ داری کے باوجود بھی اپنے گھر والوں کی خدمت اور ان کی ضروری حاجات اور تقاضوں کی تکمیل تقدس، بزرگی اور عظمت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس میں تو کمالِ تواضع اور حسنِ خلق ہے۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں **يؤخذ منه أن خدمة الإنسان بنفسه لأهله لاتنافي المروءة بل هي من التواضع و كمال الخلق** ۔(مواہب ص۲۷۴)

۳) تینوں حضرات کا حضرتِ ابوالہیثمؓ کی اہلیہ سے گفتگو اور اس کے جواب سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ خاتون سے مردوں کی گفتگو جائز ہے۔ جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔ بلکہ شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ **يؤخذ منه حل تكلم الأجنبية و سماع كلامها مع أمن الفتنة وان وقعت فيه**

مراجعة ثم اِن هذه المرأة تلقتهم احسن التلقی و انزلتهم أکرم الإنزال و فعلت مایلیق بذلک الجناب الافخم و الملاذ الأعظم یؤخذ منه جواز إذن المرأة فی دخول منزل زوجها اذا علمت رضاه وجواز دخول الضیف منزل الشخص باذن زوجته مع علم رضاه حیث لاخلوة محرمة. (مواہب ص۲۷۳)(اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فتنہ کا خوف نہ ہوتو اجنبی عورت سے کلام کرنا اور اس کی بات کوسننا اور سوال وجواب کرنا جائز ہے۔ پھر اس عورت نے آپ اور آپؐ کے رفقاء (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے ساتھ حسنِ تلقی اور عزت واحترام کا ایسا عظیم الشان برتاؤ اور معاملہ کیا جوآپ ﷺ کی عظمتِ شان کے لائق ومناسب تھا تو اسی سے اس مسئلہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ کہ عورت خاوند کی رضامندی کی صورت میں کسی کواس کے گھر آنے کی اجازت دے سکتی ہے اور وہ بھی جب اس کومعلوم ہو کہ اس کا خاوند کواس سے خوشی ہوگی داخل ہوسکتا ہے۔ جبکہ حرام خلوت کی صورت نہ ہو)

۴) فوضعه' پھر ابوالہیثمؓ نے کھجور کا خوشہ اُن کے سامنے رکھا تا کہ وہ کھانے سے پہلے اس سے حسبِ طبیعت کھجور نوش فرماتے رہیں۔ شارحینِ حدیثؒ نے اس کی بھی متعدد وجوہ بتائی ہیں۔

(ا) کھانے سے پہلے میٹھی چیز سے تفکہ کرنا معدہ کے لئے بہتر، مقوی، مفید اور نافع ہے کہ اس سے نظام ہضم میں مدد ملتی ہے، علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں لان الابتداء بما یتفکه من الحلاوة أولٰی فإنه مقو للمعدة لأنه اسرع هضماً۔(مواہب ص۲۷۴)

(ب) قرطبیؒ فرماتے ہیں، مہمان کی آمد میں جو چیز گھر میں فوراً دستیاب ہو اور بسہولت میسر ہو سب سے پہلے وہی چیز لانی چاہئے اور اسی سے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ و قال القرطبی انما قدم لهم هذا العرجون لأنه الذی تیّسر فوراً من غیر کلفة۔(مواہب ص۲۷۴)(امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالہیثمؓ ان کے پاس کھجور کا خوشہ اس وقت اس لئے لائے کہ وہ ابوالہیثمؓ کو بلاتکلف فوراً میسر تھا)

(ج) میزبان کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہمان کا اکرام احسن چیز اور عمدہ چیز سے کرے، جو اسے میسر ہو، یؤخذ من الحدیث انه ینبغی للمضیف ان یقدم الی الضیف أحسن ماعنده .(مواہب

ص ۲۷۴) (حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی ماخوذ ہوسکتا ہے کہ میزبان کے لئے مناسب ہے کہ وہ مہمان کے سامنے سب سے پسندیدہ چیز پیش کرے)

تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا :

هذا و الذی نفسی بیده ...... چونکہ حضور اقدس ﷺ شفیقِ امت اور معلّم اِنسانیت ہیں اور ان کا ہر ہر لحظہ اور ہر ہر ادا تعلیم اُمت کے لئے تھی۔ اس لئے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ میں میری جان ہے۔ یہ بھی ان نعمتوں میں داخل ہے، جن کا سوال قیامت میں ہوگا، پھر موجودہ تینوں چیزیں بھی شمار کردیں۔ **ظل بارد ورطب وماء بارد** یعنی ٹھنڈا سایہ تازہ اور تر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔ سورۃ تکاثر میں واضح ارشاد ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کرتے رہے **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ**۔ (التکاثر: ۸) (پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا) **وفی روایة مسلم فلما شبعوا و رووا قال صلی الله علیه و سلم لابی بکر و عمر رضی الله عنهما والذی نفسی بیده لتسئلن عن هذا النعیم یوم القیامة اخرجکم من بیوتکم الجوع ثم لم ترجعوا حتی اصابکم هذا النعیم**۔ (جمع ج ۲ ص ۲۴۰) (اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب وہ سب (یعنی حضور ﷺ ابوبکرؓ اور عمرؓ) خوب کھانے پینے سے سیر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ میری روح اس کے قبضہ واختیار میں ہے تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھ گچھ (سوال وجواب) ضرور ہوگا۔ تمہیں گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تمہیں گھروں کو لوٹنے سے پہلے یہ نعمتیں حاصل ہوگئیں)

پیٹ بھر کر کھانا کھانا :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے۔ البتہ احادیث میں جو زیادہ کھانے کی مذمت آئی ہے، وہ وہی زیادہ ہے جو صحت کے لئے مضر ہو یا پیٹ بھر کر کھانے کی عادت اور مداومت بنا لی جائے، جس سے قلب میں قساوت، بدن میں کسل پیدا ہوتا ہے اور فقراء محتاجین اور بھوکوں ومساکین

کی کیفیات بھول جاتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت انہی الفاظ میں فرماتے ہیں وماوردفی ذمه محمول علی شبع مضر أوعلی المداومة لانه یقسی القلب و یکسل البدن وینسی الاخوان المحتاجین۔ (جمع ج۲ ص۲۴۰)

صحابیؓ اوران کے اہل وعیال پر شفقت :

فانطلق ...... ابتدائی تواضع وخدمت کے بعد حضرت ابوالہیثم جانے لگے تا کہ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو ! ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا۔ میزبان، اپنے عظیم مہمان سے فرطِ محبت اور جذبۂ عشق میں کہیں ایسا جانور ذبح نہ کردے، جو دودھ دے رہا ہو یا عنقریب بچہ جننے والا ہو کہ کل کو نقصان ہوگا۔ یہ ایک صحابیؓ پر اوران کے اہل وعیال پر کمال شفقت ومحبت کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ لاتذبحن ذات درّ أی لبن وفی روایة مسلم ایاک و الحلوب ای ولو فی المستقبل فیشمل الحامل وھذا نھی ارشاد و ملاطفة فلاکراھة فی مخالفته فالمقصود الشفقة علیه و علی أھله لانھم ینتفعون باللبن مع حصول المقصود بغیرھا (مواہب ص۲۷۵) (آپ ﷺ نے فرمایا ضرور بضرور دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کریں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ دودھ دینے والے جانور کے ذبح سے محتاط رہیں یعنی اگر چہ وہ آئندہ دودھ والا ہوگا تو یہ حاملہ جانور کو بھی شامل ہوا۔ چونکہ یہ نہی اور منع کرنا شفقت اور ملاطفت کے لئے ہے اس لئے اس کی مخالفت کرنا مکروہ اور ناجائز نہ ہوگا۔ تو آپ ﷺ کا دراصل اس صحابی پر اوراس کے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومہربانی کرنے کا معاملہ ہے کیونکہ وہ دودھ دینے والے جانور سے نفع اٹھاتے رہیں گے اور آپ ﷺ اور رفقاء کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہو جائے گا)

عناق اور جدی کا معنیٰ :

فذبح لھم عناقا أو جدیا ' لفظِ أو شک کے لئے ہے۔ای شک من الراوی ۔(مواہب ص ۲۷۵) العناق (بفتح العین) چھوٹا بچہ انثی المعزلھا أربعة أشھر و الجدی (بفتح الجیم) المعز مالم یبلغ سنة ۔(مواہب ص۲۷۵) (بکری کے چار ماہ والے بچے کو عناق (بفتح العین) کہتے ہیں

اور جب تک پورے سال کا نہ ہو تو اس کو جدی (بفتح الجیم) کہتے ہیں)

ضیافت میں وسعت :

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابوالہیثم کا مہمانوں کے لئے بکری ذبح کرنا بے جا تکلفات اور مکروہات میں سے نہیں ہے۔ یہ کراہت تب ہے، جب میزبان کے لئے ضیافت کے مصارف اسی کی طاقت سے باہر ہوں اور وہ برداشت نہ کر سکے، مگر یہاں تو حضرت ابوالہیثم آسودہ حال ہیں، خوشحال ہیں۔ فهو مطلوب لقوله صلى الله عليه و سلم من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه لا سيّماً هؤلاء الاضياف الذى فيهم سيد ولد عبد مناف صلى الله عليه وسلم ۔(مواہب ص ۲۷۵) (تو اس کا مطلوب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھے تو وہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کیا کرے خصوصاً ایسے اضیاف جس میں عبد مناف کی اولاد کے سردار (محمد ﷺ) بھی موجود ہوں)

مخلص خادم کے لئے انعام کا اعلان :

فقال النبى صلى الله عليه و سلم هل لک خادم ...... حضرت ابوالہیثمؓ کے خلوص ومحبت وارفتگی اور والہیّت کا منظر دیدنی تھا۔ وہ محبوب دو عالم ﷺ کی ضیافت اور خدمت میں دل وجان سے نچھاور ہو رہے تھے۔

ادھر حضور اقدس ﷺ سراپا شفقت تھے۔ اُن کا دل پسیج رہا تھا اور اُن کے دل میں اپنے میزبان کی تکلیف کا احساس ابھر رہا تھا۔ چنانچہ دریافت فرمایا۔ هل لک خادم کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے؟ جواب نفی میں ملا۔ تو ارشاد فرمایا ، فاذا اتانی سبی یعنی ہمارے پاس جنگی قیدی آتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب کوئی جنگی قیدی آیا تو وہ بحیثیت غلام کے تمہیں بطور انعام کے دے دیا جائے گا۔

جو آقا کی مرضی، وہی غلام کی مرضی :

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ کے پاس دو جنگی قیدی آئے۔ حضرت ابوالہیثم

حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ﷺ نے حسب وعدہ اُن کو غلام دینا چاہا تو ارشاد فرمایا، اختر منهما یعنی دونوں میں سے ایک پسند کرلے، مگر وہ بھی تو نبی آخر الزمان ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، عرض کیا حضرت نہیں ! اختر لی، آپ ﷺ خود ایک میرے لئے پسند کرلیں کہ میری نسبت آپ ﷺ کا انتخاب زیادہ سودمند ہوگا۔ انہوں نے اپنی مرضی کو حضور ﷺ کی مرضی میں فنا کردیا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا ' المستشار مؤتمن جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنی سوچ، عقل اور صوابدید کے مطابق درست مشورہ دے۔ اگر مستشار دانستہ غلط مشورہ دے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا۔

غلام کا انتخاب' اور وجہ انتخاب :

حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی قاعدہ کے پیش نظر دو میں سے ایک غلام کا انتخاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' خذ هذا فاني رأيته يصلى 'یہ غلام لے لو' اور اس کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے اللہ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدمت' مزدوری کا اور کام کاج میں اس شخص کو ترجیح دینی چاہئے، جو نماز کی پابندی کرے۔

اخذِ مسائل :

یہاں سے فقہاء دو مسئلوں کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ اِنسان کی افضلیت اور نیکی و صالحیت پر اس کے نمازی ہونے سے استدلال کیا جاسکتا ہے' ویؤخذ منه انه يستدل على خيرية الانسان بصلاته قال تعالىٰ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔(مواہب ص ۲۷۵) (یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) ثانیاً یہ کہ مستشار (مشورہ دینے والے) کے لئے مناسب یہ ہے کہ مستشیر (مشورہ لینے والے) کو اپنے مشورہ کی وجہ بھی بیان کردے تاکہ اس کے لئے مشورہ پر عمل کرنے میں معاون ثابت ہو۔ و يؤخذ منه ايضاً أنه ينبغي للمستشار ان يبين سبب اشارته بأحد الامرين ليكون اعون للمستشير على الامتثال ۔(مواہب ص ۲۷۶)

غلاموں سے حسنِ سلوک کی تاکید :

و استوص به معروفا ...... آپ ﷺ نے اپنے حسنِ انتخاب اور اس کی بیانِ وجہ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ اس نمازی غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ چنانچہ وہ غلام کو لے کر گھر پہنچے اور بیوی کو سارا ماجرا اور آپ ﷺ کی وصیت سنائی تو اس اللہ کی بندی نے فوراً کہا ابوالہیثمؓ ! تم حضور اقدس ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل نہیں کرسکو گے اور اس غلام کے حق میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو جائے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے آزاد کردو۔ **قال فهو عتيق**' (ابوالہیثمؓ نے کہا کہ وہ آزاد ہے) اپنی نیک اور پاکباز خاتون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے فوراً اسے آزاد کردیا۔

ہر انسان کے دو مشیر :

اِن اللّٰه لم يبعث نبيا ...... جب حضور اقدس ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اس کے خلیفہ کے لئے دو اندرونی مشیر ہوتے ہیں۔ **بطانة** 'راز دار' بھیدی' ہو، بھید' دلی دوست اور مشیر کو کہتے ہیں، **وبطانة الرجل صاحب سره الذى يستشيره فى اموره تشبيها له ببطانة الثوب** ۔(مواہب ص ۲۷۶) (کسی شخص کا بطانہ وہ راز دار کہلاتا ہے جس سے وہ اندرونی اور ضروری امور میں مشورہ لیتا ہو۔ گویا وہ مشابہ ہوا **بطانة الثوب** (کپڑے کے استر) کے ساتھ) ایک باطنی مشیر اسے نیکی کی ہدایت کرتا، نیکی پر آمادہ کرتا ہے، برائی اور منکرات سے روکتا اور برے اقدامات پر ملامت کرتا ہے، جبکہ دوسرا مشیر **لا تالوه خبالا اى لاتقصر فى فساد حاله و لاتمنعه منه فالألو التقصير و قد تضمن معنى المنع** (مواہب ص ۲۷۶) اس کے تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا، جس شخص کو اچھا مشیر مل گیا، **فقد وقى** ، اسے گویا شر سے نجات مل گئی۔ ابوالہیثم اگرچہ نہ تو نبی تھے اور نہ نبی کے خلیفہ مگر ان کو علی سبیل تمثیل خلیفہ کہا گیا ہے اور ان کی بیوی کو بمنزلہ بہترین مشیر کا قرار دیا گیا ہے۔

(۳۵۸/۵) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ بَيَانٍ حَدَّثَنِىْ قَيْسُ بْنُ

حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَغْزُوْ فِی الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا تَاْکُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَا قُنَا حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ کَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِیْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے بیان کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اسے قیس بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا شخص، جس نے کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ کی جماعت ابتداء اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں۔ اس کے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں، اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے، جیسا کہ یہ لوگ بتاتے ہیں تو حسر الدنیا والاخرۃ (دنیا و آخرت دونوں خسارہ میں ہوئے) دنیا اس عسرت و تنگی میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

پہلا شخص جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا :

انی لاول رجل ...... حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو ایران کے فاتح اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں کہ جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ انتہائی راز داری سے عبادت کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں اور دروں میں جا کر یادِ الٰہی کرتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً مکہ مکرمہ کے

پہاڑوں میں صحابہؓ مشغولِ عبادت تھے وھم یصلون (مواہب ص۲۷۶) (نماز پڑھ رہے تھے) کہ مشرکین کا ایک گروہ اچانک نمودار ہوا اور برا بھلا کہہ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے قریب ہی اونٹ کا ایک جبڑا پڑا ہوا تھا انہوں نے اٹھا کر مشرکین پر ہلہ بول دیا۔ سات مشرکین کے سر اس جبڑے سے پھٹ گئے اور ان کے سروں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ أھراق و فی نسخة ھراق بلاھمز وھما لغتان یقال اھراق و ھراق ای أراق و صب۔ (مواہب ص۲۷۶) (اھراق اور ایک نسخہ میں بغیر ہمزہ ھراق اور یہ دو لغتیں ہیں یعنی اھراق اور ھراق لیکن بمعنیٰ اراق کے ہے یعنی خون بہایا) سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ فرمانا اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلانے والا :

رمی بسھم ...... یعنی سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلایا ہے ۱ھ میں ابوسفیان کی زیر سرکردگی مشرکین کا لشکر آیا جو کہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اسلام کا سب سے پہلا لشکر عبیدہ بن حارث کی زیر امارت حضور اقدس ﷺ نے بھیجا تا کہ اس کا حملہ روکا جائے۔ چنانچہ رابغ کے مقام پر مشرکین سے مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جہاد میں مسلمانوں کا جھنڈا سفید تھا۔ اسی جہاد میں حضرت سعد بن وقاصؓ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے تیر چلانے والے تھے۔ فکان اول من رمی بسھم وھو اول سھم رمی بہ فی الاسلام۔ (مواہب ص۲۷۷) (تو سعد بن وقاصؓ پہلے وہ شخص ہوئے جس نے تیر چلایا اور یہ پہلا تیر تھا جو دین اسلام میں چلا گیا) آپؓ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی غربت وفقر کا ایک منظر :

لقد رأیتنی ...... میں حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے ایک ایسے گروہ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا تھا، جن کا گذر اوقات صرف درخت کے پتے اور ببول کے کانٹے ہوتے تھے۔ جن سے ہمارے جبڑے پھٹ جاتے اور ہم میں سے ہر ایک بکریوں اور اونٹوں کی طرح پاخانہ کرتا' یعنی ان فضلتھم تشبہ فضلة الشاة والبعیر فی الیبس لعدم الغذاء المالوف للمعدة۔ (مواہب ص۲۷۷)

(صحابہ کرامؓ کا پاخانہ بوجہ یبوست اور خشکی کے بکریوں اور اونٹوں کی مینگنیوں کے مشابہ ہوتا کیونکہ انہیں معدہ کے موافق غذا میسر نہ ہوتی تھی)

سرية الخبط :

ہجرت کے پانچویں یا آٹھویں سال کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ تین سو انصار و مہاجرین کا لشکر تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اللہ کے نبی نے قیادت عطا فرمائی تھی۔ مدینہ منورہ سے پانچ روز کی مسافت پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اسی سریہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ یہ بہت ہی سخت تھا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقتوں، مصیبتوں، صعوبتوں اور تکالیف کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ جنگلی درختوں کے پتے اور کانٹے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ اس لشکر میں اوائل میں کھانے کے لئے روزانہ تین اونٹ ذبح ہوتے تھے، جب اونٹوں کی قلت کا اندیشہ ہوا تو امیرِ لشکر نے ان کے مزید ذبح کرنے کی ممانعت کردی تو روزانہ کچھ مقدار میں کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں، پھر ان میں قلت اور شدید قلت آئی اور حالت یہاں تک پہنچی کہ یومیہ ایک کھجور ملنے لگی کہ صحابہ کرامؓ اسے چوستے رہتے اور پانی پیتے رہے، جب وہ بھی ختم ہوگئیں، تو **مانا كل الا ورق الشجر والحبلة** . تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ حبلة سمر کا پھل جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے، بعض نے کہا جنگلی کانٹے دار درخت، **وهو كل شجر عظيم له شوك كالطلح والعوسج**۔ (مواہب ص ۲۷۷) (ہر بڑا کانٹے دار درخت جیسے ببول وغیرہ)

خبط کے معنی پتے جھاڑنا، صحابہ کرامؓ کے پتے جھاڑنے اور کھانے کی وجہ سے اس کا نام بھی **سرية الخبط** مشہور ہوگیا، پھر پتے اور کانٹے کھانا بھی کتنا سخت تھا کہ منہ میں چھالے پڑ گئے۔ حتی کہ **تقرحت اشداقنا** ' **تقرحت** ' **القرح** سے ہے بمعنیٰ زخمی ہونے اور پھٹنے کے، القرح زخم، پھٹن، پھوڑوں اور چھالوں کو کہتے ہیں، اشداق کا معنیٰ جبڑے، **اى صارت ذات قروح من ذلك الورق والثمر والأشداق جمع شدق وهو طرف الفم**۔ (مواہب ص ۲۷۷) (یعنی پتوں اور کیکر کی پھلیوں کے کھانے کی وجہ سے ہمارے جبڑے اور باچھوں میں چھالے پڑ کر زخمی ہوئے)

قصۂ سعدؓ کا پس منظر :

اس حدیث کا ترجمۃ الباب حدیث کا یہ آخری حصہ ہے، جس میں صحابہ کرامؓ کی تنگی و عسرت اور غربت وفقر کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اس تفصیلی ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی بہت سی شکایات کیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی شکایت کی یہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا، اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، اُس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلق شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد ایسی نہیں چھوڑی، جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو۔ سب نے ان کی تعریف کی۔ البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کے لئے نہیں نکلتے، گویا اپنی جان پیاری ہے۔ دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں، اس لئے تین بددعائیں کرتا ہوں۔ ہر ایک کے مناسب۔ اے اللہ ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے، محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اس کی عمر بڑھا دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اُس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقر ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا تو کہتا کہ سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔ اللّٰھم انا نعوذبک من غضبک و غضب رسولک و غضب اولیائک (اے اللہ! ہم تیرے غیظ و غضب اور تیرے رسول ﷺ

کے غصہ سے اور تیرے برگزیدہ شخصیات کے غصہ اور بددعاؤں سے تیری پناہ میں آتے ہیں) حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا، جن کو اس سے قبل تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے

حضرت سعدؓ کا استدلال :

و اصبحت بنو اسد ...... ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بنو اسد کی شکایات بے جا ہیں۔ آخر جس نے اسلام میں سب سے پہلے کافر کا خون بہایا ہو، جو سب سے پہلا تیر چلانے والا ہو، جس نے فقر و فاقہ اور غربت و افلاس میں اسلام، استقامت اور جہاد و عزیمت پر عمل کیا ہو، پھر وہ دین کے معاملہ میں سستی اور نماز میں کسل کرتا ہو، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لقد خبت اذاً و ضل عملی۔ پھر تو میں سخت نقصان میں رہا اور میرے سارے عمل اکارت چلے گئے۔

(۳۵۹/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسٰى اَبُوْنَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عُمَيْرٍ وَ شُوَيْسًا اَبَا الرُّقَادِ قَالَا بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَ قَالَ انْطَلِقْ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِيْ اَقْصٰى اَرْضِ الْعَرَبِ وَ اَدْنٰى بِلَادِ اَرْضِ الْعَجَمِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوْا هٰذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوْا مَا هٰذِهٖ قَالَ هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوْا حَتّٰى بَلَغُوْا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيْرِ فَقَالُوْا هٰهُنَا اُمِرْتُمْ فَنَزَلُوْا فَذَكَرُوا الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَ اِنِّيْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَالَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰى تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ اُولٰٓئِكَ السَّبْعَةِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ اَمِيْرُ مِصْرٍ مِّنَ الْاَمْصَارِ وَ سَتُجَرِّبُوْنَ الْاُمَرَآءَ بَعْدَنَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن عیسیٰ ابونعامہ عدوی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد بن عمیر اور شویس ابا الرقاد کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ خالد بن عمیر اور شویس ابا الرقاد فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے عتبہ بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ

یہاں تک کہ منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سے سرزمینِ عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ پس وہ لشکر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ مربد پہنچا۔ انہوں نے وہاں سفید پتھر دیکھے، لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہے پھر چل پڑے یہاں تک کہ چھوٹے پل کے قریب پہنچ گئے، تو انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ جگہ وہی ہے ،جس جگہ ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہاں انہوں نے پڑاوڈال دیا۔ پھر تمام واقعہ راویوں نے مفصل بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان نے کہا، البتہ تحقیق مجھ پر ایک ایسا دور گذرا ہے کہ میں حضور سرورِ عالم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے ساتواں فرد تھا۔ ہمارے پاس کچھ بھی کھانے کا نہیں ہوتا تھا، مگر درختوں کے پتے۔ ان کے کھانے سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے۔ نیز مجھے ایک دفعہ ایک چادر ملی جو کہ نصف میں نے اور نصف سعد نے لے لی۔

پس (آج یہ عالم ہے) ہم ان سات صحابہؓ میں سے ہر ایک صحابی کسی نہ کسی شہر کا حاکم ہے اور عنقریب تم ہمارے بعد کے حکام کو آزما کر دیکھو گے۔

راویان حدیث (۶۲۹) خالد بن عمیرؒ اور (۶۳۰) شویس ابوالرقادؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی پیشگی ناکہ بندی :

بعث عمر بن الخطاب ...... حضرت عمر فاروقؓ نے عتبہ بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ۔ جب منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سرزمین عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ عتبہ بن غزوان کی قیادت میں جانے والے لشکر کی تعداد تین سو تھی۔ ان کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ علم ہو گیا تھا، اہل عجم نے عربوں پر یلغار کا فیصلہ کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزدجرد نے عجمیوں سے امداد طلب کی ہے، جس کا راستہ یہی یعنی بصرہ ہے، جس راستے پر لشکر اِسلام بھیجا جارہا ہے۔ حضرت عمرؓ کا لشکر بھیجنا، کفار کی پیشگی ناکہ بندی غرض تھی۔ **فاراده عمر ان يرابطوا بذلك الثغر ليضبطوا تلك الجهة من العدو** (مناوی ج ۲۴۴) (اس لشکر بھیجنے سے حضرت عمرؓ کا یہ مقصد تھا کہ وہ دشمن کی اس سرحد پر اس لئے پڑاوڈالیں تا کہ اس طرف کے دشمن سے مکمل

حفاظت ہو سکے)

المربد :

حتی اذا کانوا بالمربد ...... لشکر چلا اور مربد (بصرہ) پہنچا۔ مربد اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں رات کو اونٹ اور بکریاں رہتی ہیں، جسے تھان اور باڑہ بھی کہا جا سکتا ہے۔من ربد بالمکان اذا اقام فیه (جمع ج۲ص۲۴۲) (مربد ماخوذ ہے ربد بالمکان سے۔جس وقت اس میں ٹھہرا جائے (چونکہ وہ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ ہوتی ہے اس لئے مربد الابل کہلاتی ہے)

نیز مربد اس جگہ کو بھی کہتے ہیں، جہاں تازہ میوہ خشک کیا جاتا ہے۔ کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ بھی مربد کہلاتی ہے۔ مجلس کو بھی مربد کہتے ہیں۔موضع بالبصرة و اصله موضع حبس الابل او تجفیف الرطب (مناوی ج۲ص۲۴۴) (مربد بصرہ کے ایک موضع کا نام ہے اور دراصل اونٹوں کے باڑ کو یا کھجور خشک کرنے کے میدان کو کہتے ہیں)

بصرہ :

توانہوں نے وہاں پہنچ کر سفید پتھر دیکھے الکذان سنگ ہائے نرم وسفید کو کہتے ہیں۔ حجارة رخوة کانها مائلة الی البیاض ' توانہوں نے مقامی لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ سفید سفید کلوخ نما چیزیں کیا ہیں تو جواب ملا کہ هذه البصرة یہ سفید رنگ کے پتھر ہیں،ای هذه الحجارة تسمی بالبصرة لأن البصرة اسم للحجارة الرخوة المائلة للبیاض (مواهب ص۲۷۸) اس وقت تک بصرہ نہیں بنا تھا حضرت عتبہؓ نے اس کی بنیاد اور تعمیر وترقی کا کام کیا۔ شہر بسایا۔ یہ حضرت عمرؓ کی ہدایات پر ان ہی کے دور مسعود میں ہجرت کے سترھویں سال بسایا گیا ۔ سکنها الناس سنة ثمان عشرة ولم یعبد بأرضها صنم ولذالک یقال لها قبة الاسلام و خزانة العرب (مواهب ص۲۷۸) (۱۸ھ میں لوگوں نے بصرہ میں سکونت شروع کردی اور اس میں کسی قسم کی کوئی بت پرستی نہیں ہوئی اس لئے اس کو اسلام کا گنبد اور عرب کا محافظ خانہ کہا جاتا ہے)

مقام بصرہ میں کاروان کا پڑاؤ :

فساروا ...... کاروان چلتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ حبال الجسرا لصغیر یعنی نہر دجلہ کے چھوٹے پل تک پہنچ گیا۔ و کان ذلک الجسر علی الدجلة فی عرضها یسیر علیه المشاة والرکبان واحترز بالصغیر عن الجسر الکبیر و هو عند بغداد و بینهما عشرة ایام (مواہب ص ۲۷۸) (یہ دجلہ کی چوڑائی پر ایک چھوٹا پل جس پر پیدل اور سوار لوگ چلا کرتے تھے اور صغیر کی قید لگانے سے بڑے پل سے احتراز کرنا مقصود تھا اور وہ بغداد کے قریب واقع ہے اور ان دونوں کا درمیانی فاصلہ دس (۱۰) کی منزل ہے)

فقالوا ...... تو یہ امارات وعلامات دیکھ کر بعض ذی فہم ساتھی دوسروں سے کہنے لگے کہ یہی وہی جگہ ہے۔ جہاں پر امیر المؤمنین نے تمہیں پڑاؤ کا حکم دیا ہے۔ لأجل حفظ البلاد العرب من العجم (مواہب ص ۲۷۸) (عرب کے شہروں کو عجمیوں سے بچانے کے لئے) فنزلوا.. پس انہوں نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

فذکروا کی ضمیر کا مرجع :

فذکروا الحدیث بطوله ...... بعض روایات میں فذکرا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ضمیرِ تثنیہ کا مرجع خالد اور شویس ہیں اور یہ جو جمع کا صیغہ مذکور ہے، یہ بھی باعتبار مافوق الواحد کے، بعض میں واحد کا صیغہ نقل ہوا ہے، تو پھر مرجع محمد بن بشار یا ابونعامہ قرار پاتے ہیں، وهو الاقرب (جمع ج ۲ ص ۲۴۴) (اور یہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے)

تعمیر بصرہ کی تکوینی منصوبہ بندی :

یعنی اس کے بعد روایت میں رواۃ نے تمام واقعہ مفصل بیان کیا کہ جب کاروان نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عتبہؓ نے اہل خراسان کو پیغام بھیجا تو ادھر سے ایک بڑا لشکر مقابلہ کے لئے آیا۔ حضرت عتبہ کا انہوں نے استخفاف کیا، غرور و گھمنڈ میں مقابلے پر اتر آئے۔ باہمی قتال ہوا۔ حضرت عتبہ کی اللہ نے

مدد فرمائی۔ غالب اور فاتح قرار پائے، پھر چونکہ وہاں اقامت کی ضرورت تھی۔ اور اقامت کے لئے مکانات اور ضروریات کی تکمیل ناگزیر تھی۔ تاکہ اقامت میں سہولت ہو اور سرحدات کی حفاظت کی جا سکے، مگر یہاں پر یہ حدیث نامکمل چھوڑ دی گئی، کیونکہ اس باب میں موضع استشہاد صرف اسی قدر ہے، جس کو راوی نے آئندہ جملے میں نقل کر دیا ہے۔ جو حضرت عتبہ کا کلام ہے۔ **مما يدل علي ضيق عيش رسول الله صلى الله عليه وسلم و اصحابه** . (مناوی ج۲ص۲۴۶) (جو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی معاشی اور تنگ دستی پر دلالت کر رہا ہے)

ایک چادر کے بھی دو ٹکڑے کر لئے :

قال عتبة ...... حضرت عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ میں ان سات افراد میں ایک ہوں، جنہیں حضور اقدس ﷺ کی رفاقت و خدمت سفر کے مواقع میسر آئے۔ **اى لسابع سبعة فى الاسلام لانـه اسـلـم بعد ستة** (جمع ج۲ص۲۴۵) (میں اسلامی دور کا ساتواں مسلمان ہوں کیونکہ اس نے چھ افراد کے بعد اسلام لایا تھا) یہ فقر و مسکنت اور غربت و افلاس کا دور تھا۔ ہمارے کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تھا۔ ہم درختوں کے پتوں پر گذر اوقات کر لیا کرتے تھے۔ **تقرحت أشداقنا**.... تو ہمارے باچھیں چھل گئیں، منہ پر چھالیں نکل آئے۔ یہی حال کپڑوں کا ہوتا تھا، نئے کپڑے کہاں میسر تھا (یا تھے) عمدہ لباس تو کجا' لباس تک بمشکل مہیا ہوتا تھا۔ **فالتقطت بردة** مجھے کہیں سے گری پڑی پرانی چادر ملی، وہی میرے لئے عظیم غنیمت اور گویا بیش بہا تحفہ تھا۔ صرف میرا نہیں میرے رفقاء کا بھی یہی حال تھا۔ لہٰذا میں نے اس چادر کے دو ٹکڑے کئے آدھا حصہ اپنے استعمال میں رکھا اور آدھی چادر سعدؓ کی خدمت میں پیش کی کہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔

ایک بے مثال دورِ حکومت :

فما منا...... حضرت عتبہؓ نے حضور اقدس ﷺ کے دور اور دورِ فاروقی کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم پر عسرت و فقر اور تنگی کا ایسا دور گذرا ہے۔ اب اسلام غالب ہو گیا، وسائل مل گئے، دولت کی فراوانی ہے، وہ سات فقراء اب امراء بن گئے، ان میں ہر ایک کسی نہ کسی علاقے کا گورنر

ہے۔ چونکہ ہم نے فقیری اور غربت کے ایام دیکھے ہیں۔ اس لئے عوام اور فقراء کا خیال بھی ہے اور ان کی ضروریات کا احساس بھی، مگر ہمارے بعد ایسے حکمران اور امراء آئیں گے، جن کی آنکھیں ناز ونعمت میں کھلی ہوں گی، فقر وفاقہ سے ان کا واسطہ نہیں آیا ہوگا، تو انہیں موجودہ یُسر، کشادگی، اور فراوانی کی قدر اور اس پر شکر نہ ہوگا۔ جب وہ تمہارے ساتھ بے پروائی بے رخی اور بے مروتی کا سلوک کریں گے، تو ہمیں یاد کروگے۔ اپنے سامعین کو ادھر بھی توجہ دلانی غرض ہے کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ اکثر دنیا میں مل جاتا ہے۔ اس لئے آج دین کے لئے جو مشقت اٹھاؤ گے، دنیا میں اس کا ثمرہ پاؤ گے۔ دوسری بات یہ بھی کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے، اس کو برداشت کرلو یہ غنیمت ہے، ان حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان کے اس ارشاد میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بعد عدالت، امانت، اور اعراض دنیا میں ان کے مثل حکام پیدا نہ ہوں گے اور یہ بات تجربہ اور تاریخ نے ثابت کردی۔ کہ ایسا ہی ہوا، وكان الامر كذالك فهو من الكرامات الظاهرة۔ (مواہب ص ۲۷۹) (اور بات وہی ہوئی (اور ہوتی رہے گی) جو حضرت عتبہؓ نے فرمائی۔ تو گویا یہ اس کی کرامات ظاہرہ میں ایک کرامت ہوئی)

(۳۶۰/۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ اَسْلَمَ اَبُوْحَاتِمِ الْبَصرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَ مَا يُخَافُ اَحَدٌ وَ لَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَ يَوْمٍ وَ مَالِيَ وَلِبَلَالٌ طَعَامٌ يَاكُلُهُ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح بن اسلم ابوحاتم بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اسے حماد بن سلمۃ نے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت ثابت سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں

اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں، جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا۔ مجھے تیس (۳۰) شب وروز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکے، بجز اُس تھوڑی سی مقدار کے جو بلال کی بغل میں چھپی ہوئی تھی

راوی حدیث (۶۳۱) روح بن مسلمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

آغازِ اسلام میں کفار کی مزاحمت بہت شدید تھی :

لقد اخفت ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس روایت میں ابتداء کار' آغازِ اسلام اور مکی زندگی میں عسرت وافلاس اور کفار کی شدید مزاحمت وایذاء رسانی کا تذکرہ ہے۔ جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاءِ کار پر جینا دوبھر کردیا تھا۔ کفار ومشرکین حرم کا احترام کرتے تھے۔ اس میں قاتل تک کا احترام کیا جاتا تھا۔ رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم کفار کے لئے قابل احترام مہینے تھے۔ اس میں وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی نہیں چھیڑتے تھے، مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو نہ تو حرم میں امن حاصل تھا اور نہ ان ایام احترام میں حفاظت حاصل تھی۔ کفار خود اپنے عقائد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے۔

خوراک کی معمولی مقدار پر دو ہفتے گذارہ کرتے رہے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا وَ لَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنَ لَیْلَةٍ وَ یَوْمٍ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو حضرت بلالؓ نے اپنی بغل میں چھپا رکھی تھی۔ تیس دن رات کا مطلب یہ ہے کہ کل پندرہ شب و روز تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ہم سفر حضرت بلالؓ کے پاس کھانے کی معمولی سی مقدار تھی ، جواُن کو کسی طرح بھی کفایت نہیں کرسکتی تھی، مگر انہوں نے دو ہفتے کا یہ عرصہ نہایت بھوک و پیاس کے ساتھ بسر لیا۔

محدثینؒ اس مقام کے متعلق بحث کرتے ہیں، جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت بلالؓ

کو بھوک پیاس کی یہ تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ظاہر ہے یہ کسی سفر کے دوران کا واقعہ ہے، جس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حضرت بلالؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ شہر مکہ کے علاوہ تبلیغ دین کے لئے دوسرے شہروں اور میلے منڈیوں میں بھی چلے جاتے تھے، جہاں آپ ﷺ کے ہمراہ ایک آدھ ساتھی بھی ہوتا تھا۔آپ نے اسی سلسلہ میں طائف کا سفر بھی اختیار کیا، جہاں آپ ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی گئی، حتی کہ آپ ﷺ کا جسم لہولہان ہوگیا، مگر اُس سفر میں آپ کے ساتھ بلالؓ نہیں، بلکہ زیدؓ تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے سفر کا بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اُس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور عامر بن فہیرہؓ تھے۔

لہٰذا یہ کسی دوسرے سفر کا واقعہ ہے، جس میں آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے، جنہوں نے خوراک کے لئے تھوڑا سا راشن لے لیا۔کھجوریں وغیرہ ہوں گی، جو صرف اتنی مقدار میں تھیں کہ کسی تھیلے وغیرہ میں ڈال کر بغل میں رکھ لیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خوراک کی اس معمولی مقدار پر ہمیں پندرہ دن کا عرصہ گزارنا پڑا، جو کہ نہایت ہی تکلیف دہ عرصہ تھا۔اس روایت سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزران کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(۳۶۱/۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنْبَأَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهٗ غَدَآءٌ وَلَا عِشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَّ لَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْاَيْدِیْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے اس کی خبر دی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابان بن یزید عطار نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دسترخوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی او رگوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں، مگر حالتِ ضفف میں۔

ضفف کا معنیٰ :

اسی مضمون کی روایت باب نو (۹) کی حدیث نمبر دو پر بھی گذر چکی ہے۔ ضفف کا معنیٰ ہاتھوں کی کثرت، ای أیدی الاضیاف۔(مواہب ص ۲۸۰) ضفف کے دوسرے معانی بھی نقل کئے گئے ہیں۔مثلاً کثرۃ عیال، ضیق الحال، شدۃ الفقر، یا لوگوں کا اکٹھا کھانا چاہے میزبان کے طور پر ہو یا مہمان کے طور پر، مگر یہاں کثرتِ ایدی کا معنیٰ راجح ہے۔ هذا هو المراد هنا۔(مواہب ص ۲۸۰)

صبح اور شام کا کھانے میں معمول :

اولاً تو صبح اور شام کے کھانے میں گوشت اور روٹی یکجا جمع نہیں ہوتے تھے اور اگر کبھی دستر خوان پر دونوں جمع ہو جاتے، تو پھر کھانے والے بہت ہوتے تھے۔جن لوگوں نے کثرۃ عیال کا معنیٰ کیا ہے، تو وہ یہی توجیہ کرتے ہیں یا معنیٰ یہ ہے کہ جب مہمان ہوتے تھے، آپ ﷺ اکرام ضیف میں دونوں کو ایک دستر خوان پر جمع کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔بات واضح ہے، جب تنہا ہوتے، جو میسر آتا وہی تناول فرماتے، خواہ روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو، البتہ مہمان ہوتے تو دونوں کے اجتماع کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

(۳۶۲/۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ بْنِ اَبِىْ فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ ذِئْبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ اِيَاسِ الْهُذَلِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ لَنَا جَلِيْسًا وَ كَانَ نِعْمَ الْجَلِيْسُ اِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ وَ دَخَلَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَ اُوْتِيْنَا بِصَحْفَةٍ فِيْهَا خُبْزٌ وَّ لَحْمٌ فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكٰى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لَهُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ هَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَ اَهْلُ بَيْتِهٖ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَلَا اُرَانَا اُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّنَا .

ترجمہ . امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن حمید نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن اسمٰعیل بن ابی ندیک نے بیان کیا۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے مسلم بن جندب کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے نوفل بن ایاس ہذلیؒ سے نقل کیا۔نوفل بن ایاس

کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ہمارے ہمنشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہمنشین تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے، واپسی میں ان کے ساتھ ہی ان کے مکان پر چلے گئے۔ انہوں نے گھر جا کر اوّل غسل کیا، جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے، تو ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی کیوں روئے؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کو وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی ہی سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور اکرم ﷺ کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے، ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔

راوی حدیث (۶۳۲) مسلم بن جندبؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

عبدالرحمٰن بن عوفؓ ! آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ زہری قرشی ہیں، عشرۃ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ تیرہویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں گھی اور پنیر کی تجارت کرتے تھے۔ اللہ نے برکت دی۔ صاحبِ جودوسخا تھے۔

آپ ﷺ نے دومۃ الجندل کی طرف روانہ کردہ دستے کا ان کو امیر بنایا تھا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں پگڑی بندھوائی تھی۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز فجر بھی پڑھی تھی۔ احد کی جنگ میں پامردی اور استقلال کا ثبوت دیا۔ اس جنگ میں آپ کی ٹانگ بھی شہید ہوئی تھی اور بیس زخم بھی آئے تھے۔ عام الفیل سے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ کی عمر ۷۲ برس تھی۔

مدنی زندگی کے آخری لمحات کا منظر :

فلا ارانا ...... حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور جمیع صحابہؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ

خدانخواستہ کہیں اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم کو تمہاری خوبیوں کا بدلہ تو دنیا میں دیا جا چکا ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔(الاحقاف:۲۰)(تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس لئے رو رہے تھے کہ خدا نہ کرے کہ کہیں ہماری موجودہ آسودہ حالی آخرت میں ہمارے اجر و ثواب میں کمی کا باعث بن جائے۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو آپ ﷺ العیاذ باللہ بادشاہوں والی زندگی گذارنے لگے۔ حدیث باب سے ثابت ہوا کہ یہ خالص جھوٹ والزام ہے۔ مدنی زندگی کے آخری لمحات کا یہ منظر ہے۔ اللہ کریم ہمیں اپنے پیارے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ سِنِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیان میں

لفظِ سِن کا معنیٰ اور تشریح :

سِن بالکسر کی جمع اَسنان آتی ہے۔ دانت، درانتی، کنگھی کے دندانے، قلم کے تراشنے کی جگہ، ریڑھ کی ہڈی کے کنارہ، عمر، فرصت اور مہلت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے، و هو حديث السن یعنی وہ نوعمر ہے۔ ھو کبیر السن بڑی عمر کا ہے، ھو سنُ فلانٍ فلاں کا ہم عمر ہے۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم فرماتے ہیں، اگر لفظِ سِن عمر کے معنیٰ میں استعمال ہو تو مذکر آتا ہے، اگر مدت یا فرصت مراد ہو تو پھر یہ مؤنث آتا ہے۔

اردو زبان میں بھی یہ لفظ مدّت یا فرصت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جس کی مثال میر تقی مِیؔر کے کلام سے ملتی ہے۔ یہ شاعر شاہ رفیع الدینؒ کے زمانہ میں بڑے پائے کا شاعر ہوا ہے۔ اگرچہ مسلکاً شیعہ تھا، مگر اردو زبان کے اعتبار سے اس کا شعر بہترین کلام مانا جاتا ہے .... ؎

وجودِ نقش و نگار سا ہے کچھ
صورت اِک اعتبار سا ہے کچھ
یہ فرصت جسے کہیں ہیں عمر
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

شاعر نے انسانی وجود کی بے ثباتی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے اور اسے نقش و نگار سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔ اسی طرح انسان کی شکل وصورت بھی ایک بے حقیقت اور بالکل عارضی چیز ہے۔ انسان کی

عمر کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ایک تھوڑی مدت کے لئے انتظار ہے، جو ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنی طبعی عمر گزار کر اگلے جہاں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔(شرح شمائل ترمذی ص ۵۹۹)

عمر مبارک میں قول راجح کی تعیین :

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں تین قسم کی روایات نقل ہوئی ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ساٹھ (۶۰) برس تھی۔(اس کے متعلق محدثینؒ فرماتے ہیں کہ گننے میں کسر کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے ساٹھ کہہ دیا) دوسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک پینسٹھ (۶۵) سال ہے (اس کے متعلق محدثینؒ کا خیال یہ ہے کہ اس میں سنِ ولادت اور سنِ پیدائش دونوں کو مستقل شمار کیا گیا ہے) تیسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح اور جمہور محدثین و مؤرخین کے نزدیک راجح ہے۔ **وهی اصحها و اشهرها رواها البخاری من روایة ابن عباس و معاویة ایضاً و مسلم من روایة عائشة و ابن عباس و معاویة و اتفق العلماء علی ان اصحها ثلاث و ستون** (جمع ج ۲ ص ۲۴۹)

اور یہی صحیح و مشہور تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر شریف ہے۔ حضرت امام بخاری نے ابن عباس اور معاویہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور امام مسلم نے بھی عائشہ صدیقہؓ، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت نقل کی ہے۔ اور علماءِ کرام نے بھی آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

اس باب میں مصنفؒ نے چھ احادیث نقل کی ہیں۔

(۲۶۳/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَ تُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّ سِتِّيْنَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح

بن عبادۃ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زکریا بن اسحٰق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عمرو بن دینار نے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے۔ ان تیرہ برس میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اُس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

راویان حدیث (۶۳۳) روح بن عبادۃؒ (۶۳۴) زکریا بن اسحٰقؒ اور (۶۳۵) عمرو بن دینارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اصح الروایات :

قال مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ نبوت مبارکہ کے دعویٰ کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے، جب وحی نازل ہوئی اور بعثت سے سرفراز ہوئے تو عمر مبارک چالیس سال تھی۔ تیرہ (۱۳) برس مکہ مکرمہ میں دعوت وتبلیغ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال تک دعوت وتبلیغ اور جہاد واعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہے اور جب انتقال ہوا تو عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ روایۃ المصنف ھنا اصح الروایات (اتحافات ص۳۹۸) (یہاں مصنفؒ کی یہ روایت سب سے اصح ترین روایت ہے)

(۳۶۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَرِيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَخْطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَاَنَا ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابواسحٰق سے، انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے جریر سے نقل کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں یہ فرمایا کہ حضور

اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔

راویان حدیث (۶۳۶) عامر بن سعدؒ اور (۶۳۷) جریرؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی روایت کی تائید :

عن معاوية انه سمعه ...... امام ترمذیؒ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید وتصویب اور تقویت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔ باقی رہی حضرت معاویہؓ کی اس طبعی اتباع کی تمنا، تو ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، **انا متوقع ان اموت فی هذه السن فی موافقة لهم قال میرک لکن لم ینل مطلوبه بل مات وهو قریب من ثمانین** ۔(جمع ج۲ص۲۵۰) یعنی میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے بھی تریسٹھ برس کی عمر میں موت آئے تا کہ اِن حضرات کی عمر کی موافقت ہو جائے۔ میرک نے فرمایا، امیر معاویہؓ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور اسّی (۸۰) برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۳۶۵/۳) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيِّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّ سِتِّيْنَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن مہدی بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے ابن جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

راوی حدیث (۶۳۸) حسین بن مھدیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں

و هو ابن ثلث و ستين سنة ' اس روایت سے بھی پہلی دونوں روایات کی تقویت وتائید ہوتی ہے اور مصنفؒ کی غرض بھی یہی ہے۔ لہٰذا وہ تمام روایات جن میں تریسٹھ کے بجائے ساٹھ یا پینسٹھ کا ذکر ہے، صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہری معنیٰ پر حمل نہیں ہیں، بلکہ ان میں تاویل کی گئی ہے۔

(۳۶۶/۴) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَ يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدِ نِ الْحَذَّآءِ حَدَّثَنِيْ عَمَّارٌ مَوْلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّ سِتِّيْنَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسمٰعیل ابن علیۃ نے خالد حذاء کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمار بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں ہوا۔

راویان حدیث (۶۳۹) یعقوب بن ابراہیمؒ اور (۶۴۰) اسماعیل بن علیۃؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

دفعِ تعارض :

اس روایت میں تاویل کی گئی ہے۔ اس میں سن ولادت اور سنِ وفات کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ ای بحسبان سنتي الولادة والوفاة ۔ (مواہب ص۲۸۳) لہٰذا پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر کا اطلاق مجازی ہے۔ لہٰذا اس کا پہلی والی روایات سے تعارض نہیں ہے۔

(۳۶۷/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّ

سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ دَغْفَلُ لَانَعْرِفُ لَهٗ سِمَاعًا مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار اور محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاذ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے اسے قتادۃ نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے دغفل بن حنظلہ (السدوسی) سے نقل کیا۔ دغفل بن حنظلہ سدوسی سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

راویان حدیث (۶۴۱) الحسنؒ اور (۶۴۲) دغفل بن حنظلہؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

تاویل روایت :

قال ابو عیسٰی ...... خود مصنفؒ فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ بڑی عمر کے تھے، مگر آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی یہ روایت کسی دوسرے سے سنی ہوئی ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، رجلا ای محتلما شابا لکنه لم یثبت انه اجتمع به ۔ (مناوی ص ۲۵۱) (دغفل بالغ اور نوجوان تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے)

(۶/۳۶۸) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَ لَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَآءَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نَحْوَهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسٰی انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن انس نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے قد تھے، نہ پستہ قد، نہ بالکل سفید تھے، نہ بالکل گندمی رنگ۔ آپ ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن لئے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد دس سال حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ساٹھ سال کی عمر میں حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اُس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں تاویل :

یہ حدیث اور اس کی مکمل شرح اور حل لغات **باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** میں کردی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف دہائیاں ذکر کردی جاتی ہیں۔ اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروۃ بن الزبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی پینسٹھ برس والی روایت کو غلط بتلایا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور اوائل میں ان کا ارشاد بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں

آپ ﷺ کے شمائل وخصائل سے متعلق ابواب سیرت اوراحادیث گذشتہ باب ماجاء فی سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں۔ یہاں سے مصنفؒ آخری تینوں ابواب میں سیرتِ سرورِکائنات ﷺ کے متعلقات کا بیان فرماتے ہیں۔ پہلا باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ دوسرا باب آپ ﷺ کی وراثت اور تیسرا باب آپ ﷺ کی خواب میں رویئت اور زیارت وملاقات سے متعلق ہے۔ اس باب میں مصنفؒ نے چودہ (۱۴) احادیث کا اندراج فرمایا ہے۔

لفظِ وفاة کا معنیٰ :

لفظِ وفات' موت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ وفی (بالتخفیف) بمعنیٰ تم ای تم اجله۔ (جمع ج۲ص۲۵۲) یعنی وقت پورا ہو گیا۔ عرب کہتے ہیں، وفی فلاناً یعنی فلاں کو اس کا حق دے دیا گیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس ﷺ کو زندگی کا حق دے دیا ہے۔ جیسے علامہ مناویؒ بھی یہی لکھتے ہیں او مِن و فّی فلانًا ای اعطاه حقه لان اللّٰه تعالٰی اعطاه حقه مِن الحیاة ۔ (مناوی ج۲ص۲۵۲)

(۱/۳۶۹) حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثٍ وَ قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ اٰخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَشْفَ السِّتَارَةَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَنَظَرْتُ اِلٰی وَجْهِهٖ کَاَنَّهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ

وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ خَلفَ اَبِىْ بَكْرٍ . فَاَشَارَ اِلَى النَّاسِ اَنْ اَثْبُتُوْا وَ اَبُوْبَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَ اَلْقَى السِّجْفَ وَ تُوُفِّيَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعمار حسین بن حریث اور قتیبۃ بن سعید اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عیینۃ نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو مجھے دیکھنا نصیب ہوا، تو وہ اُس وقت تھا، جبکہ پیر کے دن آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا۔ پس جب میں نے حضور اقدس ﷺ کے روئے مبارک پر نظر ڈالی تو گویا وہ قرآنِ مجید کا ایک ورق نظر آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ صحابہؓ مضطرب ہونے لگے، تو حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر رہو اور ابوبکر تمہارا امام ہو اور پردہ گرادیا اور اسی دن پچھلے پہر وصال پا گئے۔

ورقِ مصحف کے ساتھ رُخِ انور کی تشبیہ :

قال آخر نظرة ...... نظرة کا معنیٰ ایک نگاہ اور الستارة پردہ کو کہتے ہیں۔ انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو مجھے دیکھنا اس وقت نصیب ہوا تھا، جب پیر کے روز آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا یعنی پیر کا روز تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت سیدہ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک کے دروازہ سے پردہ ہٹا کر مسجدِ نبوی میں نمازیوں پر نظرِ شفقت فرمائی اور دیکھا ۔ اس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ امامت فرما رہے تھے۔ وکان الرسول قد أمر ان يؤمّ أبوبكر المسلمين فى الصلاة۔ (اتحافات ص۳۹۱) (اور حضور ﷺ اس سے پہلے حکم دے چکے تھے کہ ابوبکرؓ مسلمانوں کی نماز میں امامت کیا کریں)

میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا، کانه ورقة مصحف گویا کہ وہ قرآن پاک کا ایک مقدس ورق ہے، یعنی آپ ﷺ سراپا حسن و جمال کا رُخِ انور صفائی سفیدی، روشنی حسن، جمال، نورانیت اور ہدایت میں قرآنِ پاک کی طرح تھے۔ حاصلِ تشبیہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جلوۂ

جہاں آراء سے بھی اسی طرح ہدایت ملتی ہے جو کہ جامع محاسن ہے، جس طرح قرآنِ پاک سے ہدایت ملتی ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، ووجه التشبيه حسن الوجه و صفاء البشرة و سطوع الجمال لما افيض عليه مِن مشاهدة جمال الذات۔ (مناوی ج۲ص۲۵۵) یعنی تشبیہ سے غرض یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جو فیضان رویت باری تعالیٰ سے حاصل ہوا، وہ آپ ﷺ کے رُخِ انور، چہرۂ اقدس کی پاکیزگی اور انتہائے جمال کی صورت میں جلوہ افگن تھا۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، و هو تشبيه فيه بلاغة و جمال ففي المصحف إشراق حسي و إشراق معنوي۔ (اتحافات ص۳۹۱) (وہ (یعنی رخِ انور کو مصحف سے تشبیہ دینا) ایک ایسی تشبیہ جس میں بلاغت اور جمال ہے پس مصحف میں حسی اور ظاہری روشنی بھی اور معنوی روشنی بھی موجود ہے)

غرضِ نظارہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

یہ وہی دوشنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے، جس پر حضور اقدس ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظامِ شرعی قائم ہوگیا اور قدیمی رفیق ابوبکرؓ نیابت کا حق ادا کردے گا اور اُمت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ، لیکن اُس کوہِ استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کردیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کردیا۔ حضرت عمرؓ جیسا اسلامی ستون کہ دوست دشمن سب ہی اُن کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے ہیں۔ وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابوبکرؓ اُن کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

تاریخِ وصال میں اختلاف :

و توفى مِن آخر ذلک اليوم 'مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال

دوشنبہ کو ہوا، لیکن اس روز کی تاریخ میں اختلاف ہے۔(۱) اکثر مؤرخین یہی کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاوّل کی بارہویں (۱۲) تاریخ تھی۔(۲) دوسرا قول بعض محدثین کا ہے، جو حساب کے لحاظ سے دو (۲) ربیع الاول کو ترجیح دیتے ہیں۔

مسجد تشریف آوری تین مرتبہ ہوئی :

حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے مرضِ وفات کے آخری دن کا واقعہ ذکر کیا ہے، ورنہ آپؐ کا مسجد کو تشریف لانا تین مرتبہ ہوا ہے۔

(۱) حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ مصلے سے ہٹ گئے اور آپؐ نے خود امامت فرمائی۔

(۲) آپ ﷺ تشریف لائے اور صف کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

(۳) آپ ﷺ مسجد میں تشریف نہ لائے، بلکہ لوگوں کے اختلال کو دیکھ کر اثبتوا ارشاد فرمایا یہ ہیبت و عظمت اور سرور وحال کا عالم طاری ہونے کی وجہ سے تھا۔ قریب تھا کہ صفوں میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے۔ اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حافظ کا شعر نقل کیا ہے، جو بہت ہی موزون ہے ......

درنمازم خم ابروئے تو چوں یاد آید
حالتِ رفت کہ محراب بہ فریاد آید

وقتِ وفات کی مختلف روایات کی تطبیق :

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کا وقت دن کا آخری حصہ تھا۔ حالانکہ دیگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات صبح چاشت کے وقت ہوئی، جو دن کا اوّل حصہ ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد دونوں روایات میں تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وجمع العلماء بين الميعادين فان الوفاة كانت ضحوة ، ولكن حصل هرج و اضطراب عند الصحابة ، حتى قال عمر : من قال ان محمداً قد مات' قتلته بسيفي هذا ' ثم جاء الصديق رضى الله عنه ' فهدأ الموقف و قال : من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ، ومن كان يعبد الله فان الله حى لايموت و تلا :

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، أفان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم' و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا، و سیجزی الله الشاکرین ثم تبیّن للناس أنه توفی آخر النهار۔(اتحافات ص۳۹۲) (حضور ﷺ کے وقتِ وفات میں جو روایات کا اختلاف وارد ہوا ہے اس کے متعلق علماء کرام نے دونوں وقتوں کے درمیان تطبیق بایں صورت کی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات مبارک تو بوقتِ چاشت ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ انتہائی پریشان اور خوف وہراس کے عالم میں تھے اور لوگوں میں کئی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔تا آنکہ حضرت عمرؓ (جیسے بہادر) بھی کہہ رہے تھے کہ جس نے یہ کہا کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں تو میں اسے اس تلوار سے قتل کر دوں گا۔پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور پُرسکون واطمینان سے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو کوئی بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ تو وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی کہ اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہیں اور اس پر موت نہیں ہوگی۔پھر یہ آیت وما محمد الا رسول الآیۃ پڑھی۔کہ محمد ﷺ تو ایک رسول ہے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں (اسی طرح آپ ﷺ بھی ایک روز گزر ہی جائیں گے) سو اگر آپ ﷺ کا انتقال ہو جائے یا آپ ﷺ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص (جہاد یا اسلام سے) الٹا پھر جاویگا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کھو دے گا) اور خدا تعالیٰ جلد ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو (جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں) پھر لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا پتہ آخری دن میں ہوا)

(۳۷۰/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ اَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى صَدْرِيْ اَوْ قَالَتْ اِلٰى حِجْرِيْ فَدَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُوْلَ فِيْهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مسعدہ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

اسے سلیم بن اخضر نے ابن عون کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے اسود کے حوالہ سے نقل کی اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کے لئے طشت مانگا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی۔اس کے بعد پھر وصال ہوگیا۔

راویان حدیث (۶۴۳) حمید بن مسعدۃؒ (۶۴۴) سُلَیم بن اخضرؒ (۶۴۵) عبداللہ بن اعونؒ اور (۶۴۶) ابراھیمؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مفاخرِ سیدہ عائشہؓ :

کنت مسندۃ ...... یہ تو حضرت عائشہؓ کا اعزاز اور مفاخر میں ہے کہ اُن کو آپ ﷺ کا آخر تک وصال، اور خدمت کے مواقع ملتے رہے، جب آپ ﷺ کو اپنے ربّ کا وصال حاصل ہوا تو سر مبارک سیدہ عائشہؓ کی گود میں تھا۔ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں حضرت عائشہؓ اپنے مفاخر کا اس انداز میں تذکرہ فرماتی ہیں، ان من نعم اللّٰہ علّی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توفی فی بیتی و فی یومی و بین سحری و نحری و ان اللّٰہ جمع بین ریقی و ریقہ عند موتہ (مشکوۃ شریف ص ۵۴۷) (بے شک مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ آپؐ میری باری کے دن میرے کمرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے لعاب مبارک اور میرے لعاب کو یکجا اور اکٹھا کر دیا)

الطست : الطُّسّ سے ہے ہاتھ دھونے کے لئے تانبے کا برتن، لگن، چلمچی کلمۃ اعجمیۃ، اناء کان مطلوباً للتبول کما ھو المذکور فی الحدیث (اتحافات ص ۲۹۳) (یہ عجمی کلمہ ہے یہ ایک برتن تھا جس میں پیشاب کرنا مقصود تھا جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے)

فمات، و فی روایۃ البخاری عنھا توفی فی بیتی بین سحری و نحری ای کان رأسہ الشریف بین سحرھا و ھو الرئۃ و نحرھا وھو موضع القلادۃ و فی روایۃ و بین حاقنتی

وذاقنتی والحاقنة المعدة والذاقنة ماتحت الذقن (اتحافات ص۳۹۲) (اور بخاری شریف میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ میرے کمرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے یعنی آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ ؓ کے پھیپھڑے اور گردن کے درمیان تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میرے معدے اور (ٹھوڑی کے نیچے کی جگہ) گردن کے درمیان فوت ہوئے)

دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب :

حاکم ؒ اور ابن سعد ؒ کی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا سر مبارک بوقت وفات حضرت علی ؓ کی گود میں تھا۔ جیسے کہ علامہ مناوی ؒ لکھتے ہیں۔ روی الحاکم و ابن سعد ان رأسهٔ فی حجر علی ' (حاکم اور ابن سعد نے روایت کی کہ آپ ﷺ کا سر مبارک وفات کے وقت حضرت علی ؓ کی گود میں تھا) پھر ان کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ و لعلهما تناوباه حال النزع علی ان طرق الثانی لاتخلو عن شئی کما قال الحافظ ابن حجر (مناوی ج۲ ص۲۵۷) (اور شاید کہ دونوں (حضرت عائشہ ؓ اور حضرت علی ؓ) نے نزع (جان کنی) کی حالت میں باری باری اپنی گود میں لیا ہو اس کے علاوہ حافظ ابن حجر ؒ نے دوسری روایت (حضرت علی ؓ کے متعلق) کے اسناد میں لاتخلو عن شئی (کہ ان میں کچھ ہے) کہہ کر ضعف کو اشارہ کر دیا)

استنباطِ مسائل :

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی پر ٹیک لگا سکتا ہے اور بیوی کی موجودگی میں کسی برتن میں پیشاب بھی کر سکتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناوی ؒ نے بھی لکھا ہے کہ و فیه حل الاستناد للزوجة و البول فی الطست بحضرتها۔ (مناوی ج۲ ص۵۷)

(۳/۳۷۱) حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوْسَی بْنِ سَرْجِسٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ بِالْمَوْتِ وَ عِنْدَهٗ

قَدَحٌ فِيهِ مَآءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَآءِ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ قَالَ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے لیث نے ابن ہاد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن سرجس سے قاسم بن محمد کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ شدتِ حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ ! موت کے شدائد پر میری امداد فرما۔

راویان حدیث (۶۴۷) ابن الهادؒ اور (۶۴۸) موسیٰ بن سرجسؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نزع میں استقلال اور توجہ الی اللہ کا اہتمام :

قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہوگیا ہے۔ یہ تمام تر واقعہ تعلیمِ اُمت کے لئے ہے کہ موت کی تلخیوں اور سختیوں میں، درد و تکالیف کا رونا نہ رویا جائے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ دوسری جانب حضور اقدس ﷺ کے ثبات و استقلال کا اظہار بھی ہے کہ نزع کی شدت میں بھی غایت توجہ الی اللہ رہی۔ اس وقت بھی یُسر و سہولت کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعا و استدعا کا اہتمام رہا۔

علامہ البیجوریؒ کی تشریح :

علامہ البیجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ منکرات الموت سے مراد نزع کی سختی ہے، کیونکہ نزع کے وقت ایسی تکالیف وارد ہوتی ہیں یا سکرات الموت لیا جائے تو مراد شدائد کے بحر میں ڈوبنا ہے، مگر اِن سب تکالیف و آلام کا ظہور فقط ظاہری امر ہے، جو اس وقت صاحبِ نزع کا حسبِ حال نظر آتا ہے۔

لاجل زیادة رفع الدرجات والترقی فی اعلی المقامات و الکرامات (مواہب ص۲۸٦) لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ ان کے درجات کی ترقی اور عند اللہ مقام کی رفعت اور انعام واکرام کی زیادتی پر دال ہے۔

لیکن حضور اقدس ﷺ کا معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔ ظاہر تو سکرات الموت ہے، لیکن باطن میں معاملہ ذاتِ باری تعالیٰ اور ملائکۃ المقربین کے ساتھ تھا۔ فان جبریل اتاہ فی مرضہ الشریف ثلاثۃ ایام یقول لہ کل یوم ان اللّٰہ ارسلنی الیک اکراما و اعظاما و تفضیلاً یسئلک مما ھو اعلم بہ منک کیف تجدک و جاءہ فی یوم الثالث بملک الموت فاستاذنہ فی قبض روحہ الشریفۃ فاذن لہ ففعل (مواہب ص۲۸٦)

یعنی جس ذاتِ گرامی صفات کی مزاج پرسی کے لئے جبریل پورے تین دن آپ ﷺ کے پاس رہیں اور اس مرض الموت کے دوران ہر روز کہتے رہیں کہ حضور ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کریں، حالانکہ وہ آپ ﷺ کے حال کو آپؐ سے زیادہ جانتا ہے۔ محبوب ! تو اپنے آپ کو کس حال میں پاتا ہے اور بتایئے ! تیرا منشا کیا ہے؟ اور پھر جبریل نے یہ بھی کہا کہ یہ مزاج پرسی اسی شرافت اور عظمت اور فضیلت کے اظہار کے لئے ہے، جو آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہے۔ اس عیادت کے تیسرے روز ہی جبکہ جبریل کی زبان سے کیف تجدک (آپ ﷺ کا منشا مبارک کیا ہے) کا جملہ نکلا تو ملک الموت درِاقدس پر حاضر ہو کر روحِ مکرم ومقدس کو قبض کرنے کی اجازت مانگنے لگا، پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ملک الموت نے اپنا کام مکمل کرلیا۔

قبضِ روح ﷺ میں اعزازِ خداوندی :

علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے، جس میں جبرئیل علیہ السلام کا مسلسل تین دن تک خدا تعالیٰ کی طرف سے عیادت کے لئے حاضر ہونے کے بعد لکھتے ہیں، وجاء معہ ملک یقال لہ اسماعیل علی مائۃ الف ملک کل ملک علی مائۃ الف یعنی جبرئیل

کے ساتھ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا جو کہ ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا اور پھر ان میں سے ہر فرشتہ لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا۔ انہوں نے آ کر حضور ﷺ سے داخلہ کی اجازت چاہی، آپؐ نے جبرئیل سے اس کے متعلق پوچھا۔ جبرئیلؑ نے فرمایا، ھذا ملک الموت یستأذن علیک ما استأذن علی آدمی قبلک و لایستأذن علی آدمی بعدک۔ (یہ موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) ہے۔ آپؐ سے (روح قبضہ کرنے) کی اجازت چاہتا ہے۔ نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی انسان سے (جان کنی) کی اجازت چاہی اور نہ کسی انسان سے آپ ﷺ کے بعد (جان کنی) کی اجازت چاہے گا) حضور ﷺ نے داخلہ کی اجازت دی ، ملک الموت سلام کرتے ہوئے گویا ہوئے ، ان اللّٰہ ارسلنی الیک فان امرتنی ان اقبض روحک قبضت و ان امرتنی ان اترک ترکتہ فقال و تفعل 'کہ حضور میں آپؐ کی روح قبضہ کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ اگر اجازت ہو فبہا ورنہ پھر (بغیر روح قبضہ کئے) آپ ﷺ کو چھوڑے جاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ اپنا کام مکمل کیجئے گا۔ ملک الموت نے فرمایا، نعم بذلک امرت و امرت ان اطیعک کہ ہاں بتخیرک امرت مجھے تو آپ ہی کی اطاعت کا حکم کیا گیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا، فقال جبرئیل ان اللّٰہ قد اشتاق الی لقائک (حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ملاقات کے مشتاق ہیں) آپ ﷺ نے روح قبض کرنے کی اجازت فرمائی اور ملک الموت نے اپنا کام مکمل فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۹)

(۳۷۲/۴) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَآءِ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی سَاَلْتُ اَبَازُرْعَةَ فَقُلْتُ لَهٗ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ هٰذَا قَالَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم

کو اسے مبشر بن اسمٰعیل نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبد الرحمٰن بن علاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث عبد اللہ بن عمرؓ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدتِ تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

راویان حدیث (۶۴۹) مبشر بن اسماعیل" اور (۶۵۰) العلاء بن اللجلاج" کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت لا اغبط ...... مضمونِ حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک کے آنے کی وجہ ظاہر ہے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیامِ اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ **الغبطة** حسنِ حال، خوشی اور رشک کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہے۔ **و ھی ان یتمنی ان یکون له مثل ما للغیر من غیر ان تزول عنه** (مواہب ص ۲۸۶) غبطہ یہ ہے کہ دوسرے کے مال و جاہ کی آرزو کی جائے، مگر اس کے زوال کی خواہش نہ کرے۔ اگر دوسرے سے زوال چاہے تو یہ حسد ہے اور شرعاً مذموم ہے۔

موت کی شدت اور نرمی :

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ شدتِ موت علامت خیر ہے۔ موت کی سختی عمدہ چیز ہے۔ جب ہی تو آپ ﷺ پر سختی ہوئی۔ یہ حضرت عائشہؓ کی رائے تھی۔ حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی ایسی زیادہ سختی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی اضطراب نہیں فرمایا، صرف پیشانی پر پانی ملتے رہے اور وفات تک نماز کی وصیت کرتے رہے اور آخری کلمہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا...... **اللّٰھم الحقنی بالرفیق الاعلیٰ**" (لغات الحدیث ج ۲ ص ۸ کتاب غ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ ہوْنِ موت اور خفتِ موت علامتِ ایمان ہے۔ تو رفع تعارض کے لئے کہا جائے گا کہ نزعِ روح سے پہلے پہل جو تکالیف ہیں، وہ مکفّرات ہیں۔ البتہ نزعِ روح کے وقت جب کہ عالمِ

آخرت منکشف ہوتا ہے اور انسان کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس میں خفت ہونا علامتِ ایمان ہے، تو نزعِ روح میں خفت اور اس سے پہلے شدّت یہ دونوں علامتِ ایمان ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ پر بھی یہی کیفیت طاری ہوئی، مگر یہ ضابطہ نہیں ہے، اگر قبل از موت کسی پر شدّت طاری نہ ہو اور آسانی سے روح نکل جائے تو ایمان کے مخالف نہیں۔

حاصلِ بحث :

شیخ احمد عبدالجوادؒ فرماتے ہیں، ان الشدة قد تكون تكفيرا لبعض السيآت و قد تكون لرفعة الدرجات (اتحافات ص ۳۹۳) (موت سے پہلے شدت اور تکلیف کا ہونا کبھی تو سیئات کا کفارہ اور کبھی بلندی درجات کے لئے ہوتا ہے) و الحاصل ان الشدة ليست امارة على سوء و لا ضده والسهولة ليست علامة على خير ولا ضده (مواہب ص ۲۸۶) (خلاصہ یہ کہ موت کے وقت سختی اور تکلیف کا ہونا نہ برے اور نہ نیک ہونے کی علامت ہے اور جان کنی کے وقت آسانی ہونا نیک اور برے ہونے کی علامت اور دلیل ہے)

(۵/۳۷۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ هُوَ ابْنُ الْمُلَيْكِيِّ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِىْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهٗ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ اُدْفُنُوْهُ فِىْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابومعاویہ (محمد بن حازم) نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر (جو کہ ابن ملیکی ہیں) کے حوالہ سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکۃ سے اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کے دفن میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک

بات سنی ہے، جو مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام کا وصال اُسی جگہ ہوتا ہے، جہاں اُن کا دفن پسندیدہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

راوی حدیث (۶۵۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مقامِ تدفین میں اتفاق :

اختلفوا فی دفنه ...... حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے مدفن میں اختلاف پیدا ہوا اور صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف ہو گئیں۔ کسی کی رائے تھی مسجد نبوی میں، بعض نے کہا جنت البقیع میں، بعض نے کہا آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے ساتھ، بعض نے مکہ مکرمہ کی رائے دی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے اور آپ ﷺ سے سنی ہوئی تعلیم کے مطابق موضع وصال پر دفن کرنے کی ہدایت فرمائی۔ **ادفنوه فی موضع فراشه**۔ چنانچہ حدیث کے مطابق صحابہ کرامؓ آپؐ کے موضع تدفین پر متفق ہو گئے۔ اور آپ ﷺ کی چارپائی والے مقام پر آپ ﷺ کی قبر تیار کی گئی، جو امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تھی۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷)

شانِ صدیق اکبرؓ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

چونکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے سب اُمور سرانجام پانے مقرر ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور نقل کرتا ہوں۔

(۱) کسی نبی کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوتی، جب تک امت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔ (۳) میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (۴) انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ (۵) حق تعالیٰ شانہ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اس کا متولّی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔

(۶) جو شخص خلیفہ اور بادشا بنے اور وہ لا پروائی سے کسی کو نائب بنائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، لا پروائی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔ (۷) حدِ زنا کی حدیث۔ (۸) جہاد میں مشورہ کی حدیث۔ (۹) دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے۔ (۱۰) خلافت کا قریش میں ہونا۔ (۱۱) انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت۔ (۱۲) چوری کی سزا۔ (۱۳) منصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ (۱۴) جو یہ چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے تو مؤمنین پر سختی نہ کرے، ان پر رحم کا برتاؤ کرے۔ (۱۵) جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، عذابِ عامّہ میں مبتلا ہوتی ہے۔ (تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے وصال اور وصال کے بعد انتظامات سے ہے۔ (خصائل)

(۳۷۴/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ عَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ وَ سَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِيْ عَآئِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّ اَبَابَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار، عباس عنبری، سوار بن عبداللہ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ اُن سب نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید نے سفیان ثوری کے حوالہ سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اُن کو موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبیداللہ بن عبداللہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

راویانِ حدیث (۶۵۲) عباس العنبریؒ (۶۵۳) سوار بن عبداللہؒ اور (۶۵۴) موسیٰ بن ابی عائشۃ الہمدانیؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

تقبیلِ میّت سنت ہے :

قبل النبی صلی اللہ علیہ و سلم ...... تحت اللفظ ترجمہ میں مضمونِ حدیث واضح ہے۔ قبّل ، تقبیل سے ہے، بمعنیٰ چومنے اور بوسہ لینے کے۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ آئندہ تفصیل آرہی ہے۔

(۱) یہ بوسہ تبرک وتیمن کے لئے تھا، ای تیمناً و تبرکاً (مناوی ج۲ص ۲۶۱) (۲) نیز اس بوسہ میں حضور اقدس ﷺ کی اقتداء اور پیروی غرض تھی۔ و اقتداء بتقبیلہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون۔ (مناوی ج۲ص ۲۶۱) (ابو بکرؓ کا آپ ﷺ کے ماتھے مبارک کو چومنا یہ دراصل آپ ﷺ کی اقتداء مقصود تھی کہ حضور ﷺ نے بھی عثمان بن مظعون کا بوسہ لیا تھا) (۳) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ تقبیل المیّت سنة (مواہب ص۲۸۶) یعنی میّت کا بوسہ لینا سنت ہے۔ (۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ الوداعی بوسہ تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

(۳۷۵/۷) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ عَنْ اَبِى عِمْرَانَ الْجَوْنِيّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ بَابَنُوسَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ اَبَابَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا دَخَلَ عَلَى النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَوَضَعَ فَمَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى سَاعِدَيْهِ وَ قَالَ وَانَبِيَّاهُ وَاصَفِيَّاهُ وَاخَلِيْلَاهُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے مرحوم بن عبد العزیز عطار نے ابو عمران جونی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت یزید بن بابنوس سے اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا، ہائے نبی ہائے صفی اور ہائے خلیل۔

راویانِ حدیث (۶۵۵) مرحوم بن عبد العزیز العطارؒ اور (۶۵۶) یزید بن بابنوسؒ کے حالات "تذکرہ

راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والہیت :

ان ابابکرؓ دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... حضرت ابوبکر صدیقؓ وصال کے بعد حجرۂ عائشہ میں بارگاہِ قدس میں تشریف فرما ہوئے۔ دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور حضور ﷺ کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے، یعنی کمال محبت میں آپؐ پر جھکے، اس میں میت کو چھونے اور ہاتھ لگانے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

وانبیاہ 'وا' کا لفظ عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج اور دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : وفی روایة احمد انه اتاه من قبل راسه فحدر فاه فقبّل جبهته ثم قال و انبیاه ثم رفع رأسه و حدرفاه و قبل جبهته ثم قال واصفیاه ثم رفع رأسه وحدرفاه و قبّل جبهته و قال واخلیلاه (جمع ج۲ص۲۶۲)

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے سرِ اقدس کی طرف سے تشریف لائے اور چہرۂ انور پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو چوما، پھر فرمایا ہائے نبی، پھر سر اٹھایا اور روئے مبارک پر پھر سر جھکایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے برگزیدہ، پھر سر اٹھایا اور پھر روئے اطہر پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے دوست ۔

نیز ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں ابن ابی شیبہؒ سے نقل کیا ہے : فوضع فمه علی جبینه فجعل یقبله و یبکی ویقول بابی انت و امی طبت حیا و میتا (جمع ج۲ص۲۶۲) منہ رکھا اور بوسہ لینا شروع کر دیا اور روتے بھی جاتے تھے اور فرماتے بھی جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ کی زندگی بھی پاک اور وصال بھی پاک ۔

اوصافِ میّت کا بیان جائز ہے :

حضرات فقہاءؒ و محدثینؒ بیان کرتے ہیں کہ :

کہ کسی برگزیدہ عالم محقق یا شیخ طریقت کے وصال پر اس کے اچھے اوصاف بیان کرنا مستحب ہے۔ اس

لئے کہ یہ خلفاءِ راشدین کا طریقہ تھا کہ وہ برگزیدہ حضرات کی وفات کے بعد اوصافِ حسنہ بیان کرتے تھے ۔

علامہ البیجوریؒ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں :

و هذا يدل على جواز عد اوصاف الميت بلانوح بل ينبغي ان يندب لانه من سنة الخلفاء الراشدين والائمة المهتدين و قد صار ذالک عادة فی رثاء العلماء بحضور المحافل العظيمة والمجالس الفخيمة (مواہب ص ۲۸۷) یہ دلیل ہے میت کے اوصاف بیان کرنے کے جواز پر بشرطیکہ اس بیان میں کسی قسم کا نوحہ نہ پایا جائے، بلکہ یہ مندوب ہے۔ اس لئے کہ یہ سنتِ خلفاءِ راشدین اور ائمہ مہتدین ہے اور یہ علماءِ کرام کی عادت ہو چلی ہے، بڑی بڑی محفلوں اور مجالس میں اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

(۳۷۶/۸) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالِ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِي دَفْنِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن ہلال صواف بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن بن گئی تھی اور جس دن حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی۔ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ بھی جھاڑنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔

نورِ نبوت کی ضیا پاشیاں :

قال لما كان اليوم ...... جس روز حضورِ اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ

منورہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کے علوم و معارف اور برکات کے نور سے منور ہو گیا۔ گویا آپ ﷺ کے جمالِ باکمال کے پرتو سے مدینہ منورہ کے در و دیوار چمک اٹھے اور نورِ نبوت تمام مدینہ کو محیط ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

و فی قوله کل شئی مبالغة لطیفة کانّ کل شئی فی العالم اقتبس النور واخذه من المدینة فی ذالک الیوم والاصح ان المراد به ان کل جزء من اجزاء المدینة اضاء ذالک الیوم حقیقة ولاتجرید و کیف لایضئی له ذالک و قد کانت ذاته کلها نوراوسماه الله نورا فقال سبحانه قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین فکان نورا أضاء للعالمین و سراجًا منیراً (مناوی ج۲ص۲۶۲) یعنی حدیث شریف میں جو کل شئی آیا ہے، یعنی ہر ایک شے اس میں ایک لطیف مبالغہ ہے۔ کہ کائنات کی ہر چیز اسی نور سے مستفید ہو رہی ہے اور اس دن مدینہ منورہ بھی اس نور سے تابناک ہو رہا تھا اور صحیح بات تو یہی ہے کہ مدینہ منورہ کا ہر ایک گوشہ حقیقتاً اس دن روشن تھا اور کیوں روشن نہ ہوتا، جبکہ حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ اقدس سراپا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک نور رکھا۔ سو ارشاد فرمایا سبحانہ وتعالیٰ نے کہ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اور حضور ﷺ کا نور تمام جہانوں کو روشن کرتا ہے اور ان کا پیکر جمیل روشن چراغ ہے ۔

علامہ البیجوریؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :

ای استنار من المدینة الشریفة کل شئی نوراحسیّا و معنویا لانه صلی الله علیه وسلم نور الانوار والسراج الوهاج نور الهدایة العامة ورافع الظلمة الطامة (مواهب ص۲۸۷) یعنی مدینہ منورہ کی ہر شے حسیاتی و معنوی طور پر نور سے منور ہو گئی۔ اس لئے کہ حضور انور ﷺ کی ذاتِ اقدس نور الانوار، نہایت ہی روشن چراغ، ہدایت عامہ کے نور اور کمال تاریکی کو دور کرنے والی ہے۔

اور جب وصال ہوا :

اظلم منها کل شئی ...... جس روز حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ منورہ تاریکی

میں ڈوب گیا۔ گویا ہر شی پر غم کا عالم طاری تھا۔ ہر شخص پریشان اور مضطرب تھا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں:

یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال وعقائد میں تغیر ہو گیا تھا، بلکہ فیضِ صحبت اور مشاہدۂ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے، وہ حاصل نہ رہے تھے۔ چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں حاضری اور غیبت میں انوار کا بیّن فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن انوار کے حاصل کرنے کے لئے اب مجاہدات، ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اُس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جمالِ جہاں آرا کی زیارت ہی سیکڑوں جلووں سے زیادہ تھی اور ایمان واحسان کی اُس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی، جو سیکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی محبت کے مقابلہ میں تن من جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی پوری زندگی اس کی شاہد عدل ہے۔ (خصائل)

وما نقضنا ...... اور ہم نے قبر مبارک کی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے اور تدفین میں مصروف تھے، مگر ہمارے دل یہ ماننے کے لئے آمادہ نہ تھے کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لئے گئے ہیں۔

یعنی ہم آپ ﷺ کے وصال کی بات پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے دلوں کو برا کہا کہ اے ہمارے قلوب! تم کس طرح قبر مبارک پر مٹی ڈالنے پر راضی ہوئے۔ محشی مشکوٰۃ لمعات سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، حتی انکرنا ...... لم یرد عدم التصدیق الایمانی بل ھو کنایة عن عدم وجدان النورانیة والصفاء الذی کان حاصلاً من مشاھدته صلی اللّٰه علیه وسلم لتفاوت حال الظھور والغیبة۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۴۷) (یعنی حتی انکرنا قلوبنا (ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا) سے تصدیقِ ایمانی کا نہ ہونا ہرگز مراد نہیں بلکہ یہ ایک قسم کنایہ ہے کہ وہ نورانیت اور دلوں کی صفائی جو آپ ﷺ کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوا کرتی وہ نہیں پا رہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے موجود اور حاضر ہونے کی کیفیت اور ناموجود ہونے کے حال و کیفیت میں بڑا فرق ہے)

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کا مرثیہ :

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

شرح السنۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم دفن کر کے محترمہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا جگرِ گوشہ رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا :

یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا التراب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم (جمع ج ۲ ص ۲۶۳) (اے انس! کیا تمہارا دل اس کام سے خوش ہوا کہ تم حضور رسولِ کریم ﷺ کے مرقد پر مٹی نچھاور کرے)

اور فرماتی ہیں : **واخذت من تراب القبر الشریف فوضعته علی عینها وانشدت :**

ماذا علٰی من شم تربة احمد　　ان لایشم مدی الزمان غوالیا

صبت علٰی مصائب لوانها　　صبت علی الایام صرن لیالیا

یعنی سیدۃ النساء خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے قبر شریف سے تھوڑی سی مٹی لے کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور یہ دوشعر پڑھے۔ (۱) سیدنا احمد (ﷺ) کی تربت مبارک کی خاک شریف جو شخص سونگھے گا، اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے لئے یہ حکم ہے ...... کہ جب تک زمانہ ہے ایسی خوشبو کبھی نہ سونگھے گا۔ (۲) اے حضور ﷺ! جناب کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ پر کچھ ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ اگر وہ روزِ روشن پر نازل ہوتیں تو وہ بھی شبِ بلا بن جاتا ۔

(۹/۳۷۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حاتم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عامر بن صالح نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ

کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔

راویانِ حدیث (۶۵۷) محمد بن حاتمؒ اور (۶۵۸) عامر بن صالحؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیر کا روز یوم وصال ہے :

قالت توفی ...... حضور اقدس ﷺ کا یوم وصال تمام علماء اور محدثین کے نزدیک پیر کا دن ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ **متفق علیه بین ارباب النقل** ۔ (مناوی ج۲ ص ۲۶۳)

(۱۰/۳۷۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَمَکَثَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَیْلَةَ الثُّلٰثَاءِ وَ دُفِنَ مِنَ اللَّیْلِ وَ قَالَ سُفْیَانُ وَ قَالَ غَیْرُهٗ یُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِیْ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی امام باقرؒ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔ یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گذرا اور منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اکرم ﷺ کو قبر شریف میں اُتارا۔ سفیانؒ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام باقر کی حدیث میں تو یہی ہے کہ جو گذرا، لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصۂ شب میں پھاوڑوں کی آواز آتی تھی۔

تدفین میں تاخیر کیوں ؟

قال قبض ...... **المساحی** جمع ہے، مفرد اس کی **مسحاة** ہے۔ پھاوڑے کو کہتے ہیں پیر کے روز وصال ہوا، پیر اور منگل کے دِن لوگ زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ غسل اور تدفین کا انتظام کرتے رہے، منگل اور بدھ کی درمیانی شب مدفون ہوئے اور وہ بھی شب کے آخری حصہ میں، جمہور کا یہی قول ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

گویا اخیر حصۂ شب میں قبر کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ خلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی۔ حالانکہ دفن کی تعجیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے، ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی، بلکہ تعجیل ہی تھی کہ اوّل تو اس حادثۂ ہائلہ کی وجہ سے ہوش وحواس ہی ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کے رہ گئے تھے، کوئی مدہوش تھا، کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی، کوئی صدمہ کی شدّت سے حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ جیسا بہادر استقلال وشجاعت کا مجسّمہ بے قابو تھا۔ اس کے بعد مراحلِ انتظامیہ درپیش تھے۔ وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لئے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز وتکفین کے ہر ہر جز میں اس کی ضرورت تھی کہ ہر جز میں اختلاف ہو رہا تھا۔ نیز نبیؐ ہونے کی وجہ سے ہر ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہو گیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدفنِ ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی تجہیز وتکفین اور صلوٰۃ الجنازہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز وتکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی، مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ کس طرح غسل دیا جائے کہ کس طرح نماز پڑھی جائے۔ ہر مسئلہ میں احادیث معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ کپڑوں ہی میں حضورِ اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا اور بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی۔ جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ نماز کے لئے جتنا وقت چاہئے تھا، وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آ جانے سے یہ مہم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نااہل امیر بن گیا تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا۔ اس لئے اس وقت دین کا تحفظ صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شام تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعتِ عامّہ ہو جانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔ (خصائل)

(۳۷۹/۱۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ

نَمِرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ دُفِنَ یَوْمَ الثُّلاَثَاءِ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد العزیز بن محمد نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نقل کی ۔حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے ۔

یومِ تدفین کی روایات میں تطبیق :

اس سے ماقبل کی حدیث میں منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین کا ذکر ہے، جبکہ یہاں منگل کے دن کا بیان ہے۔محدثین دونوں احادیث میں تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

(۱) کہ تجہیز وتکفین کا عمل منگل کے روز سے شروع ہوا ہوگا اور بدھ کی شب آخر وقت میں تدفین سے فراغت ہوئی ہوگی ۔(۲) منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین ہوئی ،جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے ۔اس حدیث میں عرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے ۔(۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مسئلہ خلافت سے فراغت کے بعد منگل کے دن تجہیز وتکفین کی ابتداء ہوئی اور بدھ کی شب میں فراغت ہوئی ۔ یہ اور پہلی توجیہ ایک ہی ہے صرف الفاظ اور تعبیر کا فرق ہے ۔

(۱۲/۳۸۰) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَیْطٍ اَخْبَرَنَا عَنْ نُعَیْمِ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ نُبَیْطِ بْنِ شُرَیْطٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَیْدٍ وَ كَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلاَلًا فَلْیُؤَذِّنْ وَ مُرُوْآ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ لِلنَّاسِ اَوْ قَالَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُغْمِیَ عَلَیْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلاَلًا فَلْیُؤَذِّنْ وَمُرُوْآ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ اِنَّ اَبِیْ رَجُلٌ اَسِیْفٌ اِذَا قَامَ ذٰلِكَ الْمَقَامَ بَكٰی فَلَا یَسْتَطِیْعُ فَلَوْ اَمَرْتَ غَیْرَهٗ

قَالَ ثُمَّ اُغْمِیَ عَلَیْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْیُؤَذِّنْ وَمُرُوْآ اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّ کُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ یُوْسُفَ قَالَ فَاُمِرَ بِلَالٌ فَاَذَّنَ وَ اُمِرَ اَبُوْبَکْرٍ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انْظُرُوْآ اِلٰی مَنْ اَتَّکِیءُ عَلَیْهِ فَجَآءَ تْ بَرِیْرَةُ وَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَاتَّکَأَ عَلَیْهِمَا فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَکْرٍ ذَهَبَ لِیَنْکُصَ فَاَوْمَأَ اِلَیْهِ اَنْ یَّثْبُتَ مَکَانَهٗ حَتّٰی قَضٰی اَبُوْبَکْرٍ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا یَّذْکُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَیْفِیْ هٰذَا قَالَ وَ کَانَ النَّاسُ اُمِّیِّیْنَ لَمْ یَکُنْ فِیْهِمْ نَبِیٌّ قَبْلَهٗ فَاَمْسَکَ النَّاسُ قَالُوْا یَا سَالِمُ انْطَلِقْ اِلٰی صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَادْعُهٗ فَاَتَیْتُ اَبَابَکْرٍ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاَتَیْتُهٗ اَبْکِیْ دَهِشًا فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ لِیْ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اِنَّ عُمَرَ یَقُوْلُ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا یَّذْکُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَیْفِیْ هٰذَا فَقَالَ لِیْ اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَجَآءَ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَفْرِجُوْا لِیْ فَاَفْرَجُوْا لَهٗ فَجَآءَ حَتّٰی اَکَبَّ عَلَیْهِ وَ مَسَّهٗ فَقَالَ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ثُمَّ قَالُوْا یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ صَدَقَ قَالُوْا یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْا وَ کَیْفَ قَالَ یَدْخُلُ قَوْمٌ فَیُکَبِّرُوْنَ وَ یَدْعُوْنَ وَ یُصَلُّوْنَ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ ثُمَّ یَدْخُلُ قَوْمٌ فَیُکَبِّرُوْنَ وَ یُصَلُّوْنَ وَ یَدْعُوْنَ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوْا یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَیُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْآ اَیْنَ قَالَ فِی الْمَکَانِ الَّذِیْ قَبَضَ اللّٰهُ فِیْهِ رُوْحَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَقْبِضْ رُوْحَهٗ اِلَّا فِیْ مَکَانٍ طَیِّبٍ فَعَلِمُوْآ اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ یُّغَسِّلَهٗ بَنُوْآ اَبِیْهِ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُوْنَ یَتَشَاوَرُوْنَ فَقَالُوْآ اِنْطَلِقْ بِنَآ اِلٰی اِخْوَانِنَا مِنَ الْاَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ مِنَّا اَمِیْرٌ وَّ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ فَقَالَ عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ لَهٗ مِثْلُ هٰذِهِ الثَّلٰثِ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْ

يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَاتَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا مَنْ هُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَ بَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيلَةً.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن داؤد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلمۃ بن نبیط نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نعیم بن ابی ہند نے نبیط بن شریط کے حوالہ سے اس کی خبر دی اور انہوں نے اسے سالم بن عبیدؓ صحابی رسول ﷺ سے روایت کیا۔ صحابیِ رسول سالم بن عبیدؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ بیماری کے دوران آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور پھر آرام ہو جاتا تو ارشاد فرماتے کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں، ارشاد فرمایا بلال کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ پھر بے ہوشی طاری ہوئی اور پھر آرام ہو گیا تو ارشاد فرمایا کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں! ارشاد فرمایا بلال کو کہو اذان دے اور ابوبکرؓ صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ بیشک میرا باپ رقیق القلب ہے، جب وہ آپؐ کے مصلّی پر کھڑا ہوگا تو بے ساختہ رو پڑے گا۔ لہٰذا وہ آپؐ کی جگہ پر نہیں کھڑا ہو سکے گا۔ لہٰذا آرزو رکھتی ہوں کہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیجئے۔ سالم بن عبیدؓ نے فرمایا آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی اور پھر آرام ہو گیا، تو ارشاد فرمایا بلالؓ کو کہو اذان کہے اور ابوبکر کو کہو صحابہ کو نماز پڑھائے۔ پس یقیناً تم یوسف علیہ السلام کے واقعہ والی عورتیں بن رہی ہو۔ سالم بن عبیدؓ نے فرمایا کہ چونکہ بلالؓ کو امر کیا گیا تو اس نے اذان دی' اور ابوبکرؓ کو امر کیا گیا' تو انہوں نے نماز پڑھائی۔ پھر رسولِ کریم ﷺ نے کچھ آرام محسوس فرمایا' تو ارشاد فرمایا دیکھو کوئی ہے، جس پر سہارا لے کر مسجد تک جاؤں۔ حضرت بریرہؓ اور ایک دوسرے شخص آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں پر سہارا لیا، پس جب ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، تو حضور ﷺ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے نماز پوری کر لی۔ بالآخر رسولِ کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جس نے بھی یہ بات کہی اور میں نے سُنی کہ حضور ﷺ کا وصال ہوا ہے، اس کی گردن اپنی تلوار سے اُڑا دوں گا۔ راوی نے کہا کہ عام طور لوگ ناخواندہ تھے، نیز

ان میں پہلے کوئی نبی بھی نہ ہوا تھا۔ لہٰذا لوگ چپ ہو گئے۔ صحابہؓ نے کہا اے سالم! حضور ﷺ کے ساتھی کو بلا لو۔ ابو بکر صدیقؓ (اپنے محلّہ کی) مسجد میں تھے کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں روتا ہوا دہشت زدہ ان کے پاس پہنچا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کیا حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ پس ابو بکر صدیقؓ نے مجھے کہا چلو۔ سو میں ان کے ساتھ آ گیا۔ اُس وقت صحابہؓ حضور پاک ﷺ کے وجود مبارک کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے لوگو مجھے راہ دے دو۔ پس آئے یہاں تک کہ آنحضور ﷺ پر گر پڑے اور وجود مبارک سے لپٹ گئے اور فرمایا یقیناً آپ ﷺ نے بھی انتقال کرنا ہے اور بیشک انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر صحابہؓ نے کہا اے رسول کریم ﷺ کے رفیق! کیا حضور ﷺ وصال فرما چکے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ پس صحابہؓ کو یقین آ گیا۔ صحابہ نے کہا اے رفیقِ رسولِ کریم ﷺ! کیا ہم رسول اللہ ﷺ پر نماز پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کس طرح؟ فرمایا کہ ایک گروہ داخل ہو، پس تکبیر کہیں، دعا کریں اور نماز پڑھیں۔ پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ آئے تکبیر کہے، نماز پڑھے اور دعا کہے، پھر باہر چلا آئے، حتیٰ کہ ساری مخلوق اسی طرح حجرہ مبارکہ میں داخل ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رفیقِ رسول اللہ ﷺ کیا آنحضرت ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے کہا کہ کہاں؟ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے، وہی مدفن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ پس صحابہؓ جان گئے کہ انہوں صحیح صحیح فرمایا ہے، پھر ابو بکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کے چچازاد بیٹوں کو فرمایا کہ تم غسل دو اور مہاجر جمع ہو کر باہم دگر مشورے کر رہے تھے۔ سو مہاجرین نے ابو بکر صدیقؓ کو کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائیوں انصار کی طرف چلیں تا کہ وہ بھی اس مشورہ میں شریک ہو جائیں۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم سے ہو، تو عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ کون ہے جس میں تین فضیلتیں جمع ہیں۔ صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھا' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تم جانتے ہو وہ

دونوں کون سی ہستیاں تھیں۔راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ابوبکر صدیقؓ کے دستِ مبارک پر لوگوں نے بیعت کر لی۔بیعتِ نیک اور بہترین۔

راویان حدیث (۶۵۹)سلمۃ بن نبیطؒ (۶۶۰)نعیم بن ابی ھندؒ (۶۶۱)نبیط بن شریطؒ اور (۶۶۲)سالم بن عبیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

انبیاء پر بے ہوشی آ سکتی ہے، مگر جنون نہیں :

قال اغمی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... بیماری کے دوران حضور اقدسؐ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔یہ اس آخری بیماری کا ذکر ہے، جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہو سکے۔یہ بیماری بھی درحقیقت ضعفِ بدن تھا نہ یہ قطعی بے ہوشی' انبیاء پر بے ہوشی کا آنا جائز ہے کہ بے ہوشی بھی ایک گونہ مرض ہے، جو ضعف اور فتورِ اعضاء سے لاحق ہوتی ہے۔بخلاف جنون کے کہ وہ نقص ہے اور انبیاء اس سے پاک ہوتے ہیں اور انبیاء کی بے ہوشی بھی عام انسانوں کی طرح بے ہوشی نہیں ہوتی۔و لیس إغماؤھم کإغماء غیرھم (مواہب ص۲۸۹) کیونکہ اس سے صرف اُن کے ظاہری حواس پر پردہ آ جاتا ہے، مگر قلوب بحال ہوتے ہیں، کیونکہ جب ان کے دلوں پر نیند نہیں آتی تو بے ہوشی تو بطریقِ اولیٰ نہیں آنی چاہئے۔علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں لانہ اذا عصمت عن النوم فعن الإغماء أولیٰ (مواہب ص۲۸۹)

نرم دلی صدیق اکبرؓ کی طبعی افتاد تھی :

فقالت عائشۃ ...... حضرت صدیق اکبرؓ طبعی طور پر نرم دل پیدا ہوئے تھے۔ان پر اکثر رقت طاری رہتی تھی، پھر حضور اقدس ﷺ سے بھی بہت قریب کا تعلق تھا۔سیدہ عائشہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی زیرک بیٹی تھیں۔انہیں اپنے والد کے ساتھ حضور ﷺ سے تعلقِ خاطر اور طبعی افتاد و نرم دلی کا بھی علم تھا۔انہیں یہ تصور غالب تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے آپ ﷺ کا مصلّٰی خالی نہ دیکھا جا سکے گا۔پھر امّ المؤمنین حفصہ بنت عمرؓ بھی حضرت عائشہؓ کی ہمنوا بن چکی تھیں۔دونوں حضرت صدیق اکبرؓ کی بجائے کسی دوسرے شخص سے امامت کروانے پر اصرار کر رہی تھیں۔حضرت عائشہؓ کے متعدد بار

سوال و جواب پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

صواحباتِ یوسف کے ساتھ تشبیہ :

فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ: تم یوسف کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔

قولِ اوّل :

اوّل یہ کہ تم سے مراد حضرت عائشہؓ ہیں اور عورتوں سے مراد صرف زلیخا ہیں اور جمع کا لفظ تعظیمی محاورہ کے اعتبار سے فرمایا۔ اس قول کے موافق (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زلیخا نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسفؑ پر بہت زیادہ اصرر کیا۔ ایسے ہی تم بھی بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ (ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زلیخا نے اپنی ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن و جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ ظاہراً تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب ہیں، وہ آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ سے خود دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک لوگ اُس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے، جو حضور اکرم ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہو اور اس کو منحوس سمجھیں گے۔

قولِ دوم :

دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت یوسفؑ والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں، جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا۔ اس قول کے موافق بھی (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہؓ نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔ (ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار کرنے میں ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے ذہن

میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضورِ اکرم ﷺ کی جگہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے، تو نحوست کا وسوسہ کریں گے۔ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے بھی اپنی موافقت پر اصرار کرایا اور شاید ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ والیوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں، لیکن درحقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے امتثالِ امر کو ترجیح دی :

بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل شانہٗ اور مسلمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے۔ امتثالِ حکم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی (اور حضور اکرم ﷺ کے شام وصال تک سترہ (۱۷) نمازیں ادا فرمائیں۔ اس لئے کہ یہ قصہ جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے، پنجشنبہ کی شام کا ہے کہ پنجشنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کے نماز کے وقت یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھانا شروع کی اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اس لئے کل سترہ (۱۷) نمازیں ہوئیں، جو مسلسل حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے شدّتِ مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتداء اس سے بہت پہلے سے تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی۔ (خصائل)

جن خوش نصیبوں پر حضور ﷺ نے تکیہ فرمایا تھا :

فقال انظروا ...... حضرت بریرہؓ جو آپ ﷺ کی لونڈی تھیں اور حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ دوسرے صاحب کا نام نوبہ تھا۔ بعض نے حضرت علیؓ، حضرت قثمؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کے نام بھی لیئے ہیں۔ یعنی دوسرے شخص کا مصداق ان میں سے کوئی ایک تھا۔ **وفی روایۃ**

للشيخين خرج بين عباس و رجل آخر وهو علیّ وفی رواية العباس وولده الفضل ' و فی اخرىٰ العباس و أسامة و للدار قطنی أسامة و الفضل و يمكن التوفيق بين الروايات بتعدد خروجه صلی الله عليه وسلم (مواہب ص ۲۹۰) (اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ حضرت عباسؓ اور ایک دوسرے شخص کے سہارے نکلے اور وہ حضرت علیؓ تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اور اس کے بیٹے حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت اسامہؓ کے سہارے اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے۔ اور سب روایات کے درمیان تطبیق کی یہی صورت ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا باہر آنا متعدد بار ہوا ہوگا)

آپ ﷺ کا وصال' اُمت کے لئے عظیم صدمہ :

قضی ابوبکر صلوا ته ' حضرت ابوبکرؓ نے اپنی نماز مکمل کر لی۔ یہ پیر کی صبح کا واقعہ ہے، پھر تکلیف میں اضافہ ہوا اور اسی روز چاشت کے وقت وصال فرمایا۔ صحابہؓ کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا، وہ ظاہر ہے، منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور اکرم ﷺ کے تئیس (۲۳) سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور اکرم ﷺ جیسی قدسی ذات کی مفارقت اور اُس محبوب کی جدائی جس کی بدولت گھر بار خویش واقارب مال ومتاع سب لٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے، جو درحقیقت سنبھالا تھا نہ کہ افاقہ۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے وصال کی خبر کا باوجود بہت مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا، چنانچہ حضرت عمرؓ (جیسے باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل وکمال اور بدیں شجاعت و ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہوکر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ (خصائل)

فقال عمر والله لا اسمع ...... حضرت عمرؓ فرمانے لگے، واللہ ! آپ ﷺ کا وصال نہیں ہوا، جو بھی آپ ﷺ کے وصال کی بات کرے گا، اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حالات نازک تھے ،نزاکت اور سامعین کے سکوت کی وجہ ترجمہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو بلایا گیا۔

آپ ﷺ کے جسدِ اقدس کے قریب پہنچے، حتی اکب علیه تو آپ ﷺ پر جھک گئے، ومسه (اوراس کو ہاتھ لگایا) جس کی تفصیل گذشتہ حدیث میں آ گئی ہے۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی انک میت وانهم میتون (الزمر:۳۰) (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) اس کے بعد کی تمام تفصیلات تحت اللفظ ترجمہ میں آ گئی ہیں۔

نمازِ جنازہ کی نوعیت وتفصیلات :

انصلی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے رفیقِ رسولِ کریمؐ ! کیا ہم حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے عرض کیا کس طرح؟ انہوں نے فرمایا ایک گروہ داخل ہو، پس تکبیر کہیں دعا کریں اور درود پڑھیں، پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ داخل ہو، یعنی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں لوگ حجرۂ مبارکہ میں جائیں، تکبیر، دعا اور صلوٰۃ پڑھ کر واپس چلے آئیں۔

نمازِ جنازہ کا یہ طریقہ حضور ﷺ کے لئے خاص تھا۔ اس کی تفصیلات مستدرکِ حاکم اور مسندِ بزار میں موجود ہیں۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں کو حجرۂ عائشہؓ میں اکٹھا کیا تو انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ حضور ! موت تو ہر ذی روح کے لئے برحق ہے، جب آپ کی ذاتِ مبارکہ پر یہ وقت آ جائے، تو مَنْ یُّصَلِّیْ عَلَیْکَ تو آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے غسل دے کر تین سفید کپڑوں میں کفن پہنا دو تو مجھے چارپائی پر رکھ دینا، پھر تم تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر نکل جانا۔ سب سے پہلے میرا جنازہ مقرب فرشتے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ پڑھیں گے، یعنی جبرائیل علیہ السلام، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ درگروہ کمرے میں داخل ہوکر فَصَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مجھ پر درود وسلام پڑھنا۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ حدیث یاد تھی۔ لہٰذا انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ دس دس کے گروہ میں لوگ کمرے میں داخل ہوکر آپ کا جنازہ پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہؓ میں سے پہلے مردوں

نے دس دس کی تعداد میں اندر داخل ہو کر مذکورہ طریقے سے آپ کا جنازہ پڑھا اور پھر اسی طریقے سے عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔

جناب قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری لکھتے ہیں :

نماز جنازہ پہلے کنبے والوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں اور عورتوں نے، پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں کوئی امام نہیں تھا ...... نماز یہ تھی۔ ان اللہ و ملئکته یصلون علی النبی یاایها الذین اٰمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما ،اللّٰهم ربنا لبیک و سعدیک صلوٰة اللّٰه البر الرحیم . و الملائکة المقربین والنبین والصدیقین والصالحین وماسبح لک من شئی یا رب العلمین علٰی محمد بن عبد اللّٰه خاتم النبیین و سید المرسلین و امام المتقین ورسول رب العلمین الشاهد المبشر الداعی باذنک السراج المنیر و بارک و سلم (رحمۃ اللعالمین ج۲ص۳۲۶) (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کے اوپر اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھیجو۔ سلام بھیجنا اے اللہ ہمارے ربّ! ہم بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اے ربّ رحیم اے رب العالمین تو اپنا اور مقرب فرشتوں، نبیوں، صدیقین اور نیکوکار اور ہر وہ مخلوق جو تیری پاکی بیان کرے کا درود وسلام پہنچادے۔ محمد بن عبداللہ خاتم النبیین والمرسلین متقین کے مقتدا اور رب العالمین کے رسول شاہد، مبشر جو آپ کے حکم سے داعی ہیں اور سراج منیر ہیں)

مدفن مبارک :

قال فی المکان الذی قبض اللّٰه فیه روحه ...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے۔ وہی مدفن ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ علامہ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

اخرج ابن الجوزی فی الوفاء عن عائشة قالت لما قبض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اختلفوا فی دفنه فقال لی علی رضی اللّٰه عنه انه لیس فیَ الارض بقعة اکرم علی اللّٰه من بقعة قبض فیها نفس نبیه قال الشریف السمهودی فهذا اصل الاجماع علی تفضیل

البقعة التی ضمت اعضاء ہ علی جمیع الارض حتی الکعبة ۔(مناوی ج۲ص۲۷۲)
یعنی الوفاء میں ابن جوزی تخریج کرتے ہیں کہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جس وقت حضور ﷺ کا وصال ہوا تو دفن کرنے کی جگہ پر مختلف آراء پیدا ہوگئیں۔ پس مجھے علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روئے زمین پر اس جگہ سے افضل کوئی مقام نہیں، جہاں اس کے نبی کا وصال شریف ہوا ہو۔ الشریف السمہودی نے فرمایا یہ حدیث اجماع (اُمت) کی اصل ہے۔ اس بات پر کہ تمام روئے زمین حتی کہ کعبۃ اللہ سے بھی وہ جگہ افضل ہے، جہاں حضور اقدس نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے وجودِ مطہر کے اعضاءِ شریفہ لگے ہوئے ہیں۔

غسل کا مرحلہ :

ثم امرھم ان یغسلہ بنو أبیہ...... پھر ابوبکر صدیق نے اہل بیت اور آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو غسل اور تجہیز وتکفین کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے غسل میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹے فضلؓ اور قثمؓ، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اسامہ بن زید اور صالح حبشی شریک تھے۔ بعض محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اجازت سے اوس بن خولی انصاریؓ، سعد بن وقاصؓ کے کنویں سے پانی بھر کر لاتے تھے اور حجرۂ انور میں پہنچاتے تھے۔ حجرۂ انور کا دروازہ بند تھا اور یہ چھ حضرات اندر تھے۔ بیہقی نے دلائل میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اختلاف ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو کپڑے میں غسل دیا جائے یا دیگر اموات کی طرح برہنہ کر کے نہلایا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیم خوابی کا عالم طاری کر دیا کہ انہوں نے اپنی ٹھوڑیوں کو اپنے سینوں پر پہنچا دیا، یعنی اونگھ غالب آ گئی۔ اچانک گھر مبارک کے ایک کونہ سے ایک شخص کی صدا آئی اغسلوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم و علیہ ثیابہ (جمع ج۲ص۲۷۳) یعنی خدا کے پیغمبر کو برہنہ نہ کرو اور اس کے کپڑوں میں ہی اسے غسل دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا فغسلوہ و علیہ قمیصہ یصبون الماء فوق القمیص ۔(جمع ج۲ص۲۷۳) (پس انہوں نے آپ ﷺ کو غسل دیا قمیص پہنے ہوئے اور اس کے اوپر ہی پانی ڈال رہے تھے)

مسئلہ خلافت اورامیر کاانتخاب :

واجتمع المهاجرون...... مہاجرین نے جمع ہوکر کارِخلافت چلانے کے لئے انتخابِ امیر کے لئے باہمی مشورہ شروع کردیا، ادھرانصار بھی سقیفۂ بنی سعد میں جمع ہوکرامیر کے انتخاب پرصلاح مشورہ کررہے تھے۔ اس مسئلہ پرصحابہ کرامؓ میں کچھ اختلاف بھی ہوا۔ بہرحال جب حفاظتِ اسلام اوررفع اختلافات کے لئے کسی شخص کومدارِرائے بنانے کی تجویزشروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب تلوارسونتے ہوئے کھڑے تھےاوریہ کہہ رہے تھے کہ جوشخص یہ کہے گا کہ حضوراکرم ﷺ کاوصال ہوگیاہے، اس کی گردن اُڑادوں گا۔ حضرت ابوبکرصدیقؓ نے ان کے اس مقولہ پرتنبیہ فرمائی اورایک خطبہ ارشادفرمایا، جس میں کلامِ پاک کی آیت وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ...... 'تلاوت فرمائی، اس کے بعدارشادفرمایاکہ جوشخص محمد ﷺ کی پرستش کرتاہوتوحضوراکرم ﷺ کاتووصال ہوچکا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتاہو، تواللہ جل جلالہٗ زندہ ہےاورہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کی آوازسن کرمنبرکی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک روایت میں آیاہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشادفرمایاکہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے، جواس کی نگرانی کرےاوراس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا، پھریہ تجویزہواکہ) انصارکی شرکت بھی اس مشورے میں ضروری ہے۔ ان کی شرکت سے کوئی امرقرارپاناچاہئے۔ اس لئے اُن کی مجلس میں یہ حضرات گئے۔ وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑاہواتھا۔ انصارنے یہ تجویزکی کہ انصارمیں سے ایک امیرمستقل ہواورمہاجرین میں علیحدہ امیرہو۔ (اس پرحضرت ابوبکرؓ نےحضوراکرم ﷺ کاارشاد الائمة من قريش امیرقریش میں سے ہونقل کیا)

ابوبکرصدیقؓ کی تین امتیازی خصوصیات :

حضرت عمرؓ نے ارشادفرمایاکون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں، چہ جائیکہ اورفضائل اورپھریہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہرایک کمالِ فضل پردال ہو۔

اوّل حضوراقدس ﷺ کے ساتھ اتحادوارتباط اورتنہائی کے وقت ساتھ دینا، جس کوحق تعالیٰ

شانہٗ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ (دوسرا دو میں کا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ ان کو حضور اکرم کا ساتھی اور رفیق فرما رہے ہیں) اذ قال لصاحبه لاتحزن (جس وقت کہ کہتا تھا اپنے رفیق کو کہ غم نہ کھا) تیسرے اللہ جل شانہٗ کی معیّت کہ حضور اقدسؐ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں حضرات وہاں تھے، جن کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے، جن کا آیت میں ذکر ہے، کس قدر بڑی ذات ہے، ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدسؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے برابر کون سی ہستی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی، جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کی زندگی میں آپؐ کی نیابت فرمائی :

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصلّے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانے میں حکماً نماز پڑھوائی۔ تم میں سے کون گوارا کرسکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے، جس کو حضور ﷺ نے امام بنایا ہو۔ انصار نے کہا اللہ کی پناہ۔ ہم حضرت ابوبکرؓ کے آگے نہیں بڑھ سکتے) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا ورغبت بیعت کی۔

یہ ابتدائی بیعت تھی، جو انصار کی مجلس میں ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ ہوئی، جس میں اوّل حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بھی تھے اور دیگر اُمور تھے ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعاء کی۔ اپنے انکار پر اُمت میں فتنہ پیدا ہوجانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا ہے،

میری طاقت سے باہر ہے۔اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔(خصائل)

ایک اعتراض کا جواب :

واجتمع المهاجرون يتشاورون 'معلوم ہوا کہ تاخیر اس مشاورت کی وجہ سے تھا۔روافض کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ خلافت کی فکر میں تجہیز و تکفین سے بے پرواہ ہو گئے۔طبقات ابن سعد میں بعض روایاتِ منکرہ ایسی منقول ہیں، جن سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے، لیکن کہا جائے گا کہ تجہیز و تکفین تو اہلِ بیت کا کام تھا۔چنانچہ ان يغسله بنو ابيه (اس کو غسل اس کے خویش واقارب دے دیں) کا حکم ارشاد فرما چکے تھے۔صحابہ کرامؓ پر کیا اعتراض ہے۔صحیح جواب یہ ہے کہ طبقات ابن سعد کی روایات موضوعہ ہیں۔ انتفاخ نعش کی نوبت نہیں آئی۔البتہ تاخیر ضرور ہوگئی جو ہونی چاہئے تھی۔ کما مرّ...... چونکہ تجہیز و تکفین آخری خدمت تھی۔جب کہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرامؓ ہر خدمت میں مسابقت کرتے تھے۔تو اس وقت مجادلہ ہو جاتا بغیر انتخابِ خلیفہ کے قتل و قتال کی نوبت آتی ۔ یہ داخلی فتنہ تھا ادھر ملوک عجم مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے۔اس داخلی فتنہ سے خوب فائدہ اٹھاتے ،اس لئے انتخابِ خلیفہ کی طرف توجہ کی گئی ۔ بنا بریں فقہاء فرماتے ہیں اوّل فریضہ بعد الایمان اقامت خلافت ہے تاکہ اُمورِ ایمانیہ کی حفاظت ہو۔

(۳۸۱/۱۳) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ شَيْخٌ بَاهِلِيٌّ قَدِيْمٌ بَصْرِيٌّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ اِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِّنْهُ اَحَدٌ الْوَفَاةُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن زبیر شیخ باہلی قدیم بصری نے بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت نقل کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفاۃ میں

سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی۔ بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اُتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔

راوی حدیث (۶۶۳) عبداللہ بن الزبیرؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ﷺ کے وصال پر صحابہؓ غم سے نڈھال ہوگئے :

و اکرباہ ...... کرب، شدت، سختی، تنگی اور تکلیف میں ہونے کو کہتے ہیں۔ لفظ وا عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ یوسف نبہانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ غم سے نڈھال ہوگئے۔ بہت سے لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اپنے کپڑے سے حضور ﷺ کا جسم مبارک ڈھانپ دیا۔ لوگ مختلف باتیں کرنے لگے، کسی نے کہا حضور ﷺ کی رحلت نہیں ہوئی، کسی نے کہا حضور ﷺ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، ان کا قلع قمع کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا جو یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کی رحلت ہوگئی ہے، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ مختلف باتوں سے شور و شغب ہوگیا۔ حضرت علیؓ نڈھال ہوکر گھر بیٹھ گئے۔ عثمان غنیؓ پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا، لوگ کوئی بات پوچھتے تو ہاتھ کے اشاروں سے جواب دیتے۔ مصیبت اور غم واندوہ کے اِس طوفان میں جس کو اپنے ہوش وحواس پر مکمل قابو تھا، وہ صِرف حضرت ابوبکرؓ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ کی مدد فرمائی اور انہیں ثابت قدم رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو لوگ مطمئن ہوگئے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر ۳۰،۳۱) (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تحقیق تم دن قیامت کے نزدیک پروردگار اپنے کے

جھگڑو گے)(وسائل الوصول)

(۱۴/۳۸۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ وَ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقِ الْحَنَفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّيْ اَبَا اُمِّيْ سِمَاكَ بْنَ وَلِيْدٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ لَهٗ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ يَامُوَفَّقَةُ قَالَتْ فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِّاُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری اور نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبدربہ بن بارق حنفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا سماک بن ولید کو کہتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچے ذخیرۂ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ شانہٗ اُن کی بدولت اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! جس کا ایک ہی بچہ ذخیرہ بنا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچہ چل دیا ہو، وہ بھی بخش دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی نہ مرا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے میں ذخیرۂ آخرت بنوں گا۔ اس لئے کہ میری وفات کا رنج آل واولاد سب سے زیادہ ہوگا۔

راویانِ حدیث (۶۶۴) ابوالخطاب زیاد بن یحییٰؒ (۶۶۵) عبدربہ بن بارق الحنفیؒ اور (۶۶۶) جدی ابا امی سماک بن الولیدؒ کے حالات ''تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ فرط کا معنیٰ :

عن ابن عباس ...... مضمونِ حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ فرطؔ بچے کا معصومیت کے زمانہ میں انتقال ہونا، قافلہ پہنچنے سے قبل ایک شخص کا مقررہ مقام پر پہنچ کر پانی اور چارے کا بندوبست اور انتظام کرنا، وهو السابق الى محل لابد من الوصول اليه ليهّيء المنزل و يزيل ما

یخاف منه و یأخذ الامن فیه للمتأخر عنه فھو بمعنیٰ فاعل ۔(مناوی ج ۲ص ۲۸۱)(علامہ مناویؒ فرط کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا ایسے مقام کی طرف پہلے پہنچ جانا تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے محفوظ جگہ اور دوسرے ضروریاتِ زندگی کا مکمل انتظام کردے تو فرط بمعنیٰ فارط اسم فاعل کے ہوگا)

فوت ہونے والے چھوٹے ذخیرۂ آخرت بنیں گے :

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں :

جس شخص کے میری اُمت سے دو چھوٹے بچے فوت ہوجائیں، یعنی حضور ﷺ کے اُمتی میں سے کسی کے دو چھوٹے بچے مرجائیں، تو یہ دونوں اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوں گے۔ یہ اس شخص کی سفارش کریں گے اور اس کی بخشش کا ذریعہ ہوں گے۔ ان کی بدولت یہ جنت میں جائے گا۔ گویا اس کے دخولِ جنت کا یہ بچے وسیلہ بنیں گے۔ اُمّ المؤمنینؓ کے استفسار پر تو اس شفیقِ اُمت ﷺ نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر ایک چھوٹا بچہ فوت ہوا، تو وہ بھی ذخیرہ بن جائے گا۔ نیز اُمت میں وہ لوگ کہ جن کا کوئی چھوٹا بچہ فوت نہ ہوا ہو، تو ان کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے لئے میں ذخیرۂ آخرت ہوں حدیث شریف میں ہے : انا فرطکم علی الحوض (جمع ج ۲ص ۲۸۱) میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں۔ یعنی پہلے جاکر تمہارے لئے تمام سہولت اور آرام کا انتظام کرنے والا ہوں۔ اس لئے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ جب تمہارا چھوٹا بچہ فوت ہوجائے، تو اس کی نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا۔(جمع ج ۲ص ۲۱۸) یا اللہ! اس بچہ کو ہمارا پیش خیمہ بنا۔ یعنی یہ جو ہم سے آگے آیا ہے، اس کو آخرت میں کام آنے کے لئے ہمارے لئے اجر وثواب بنا یا ہمارا سفارشی بنادے۔ ایک حدیث شریف میں ہے صغیرسن بچہ جو گذر گیا ہوا پنے ماں باپ کی سفارش کرے گا

حضور اقدس ﷺ کی جدائی سب سے بڑا صدمہ ہے :

انا فرط لامتی ...... میرے وصال کا رنج آل اولاد سب سے زیادہ ہوگا یعنی میری اُمت کو میرا یہ دنیاوی فراق ناقابلِ قبول ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو

میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے۔ حضرت احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں :

وکان الرجل من اهل المدینة الشریفة اذا اراد ان یعزی اخاه عزاه فی النبی قبل ای یعزیه فی مصیبته (اتحافات ص ۴۰۰) (مدینہ شریف کے لوگوں میں سے جب کوئی اپنے بھائی مسلمان کی کسی مصیبت وغیرہ میں تعزیت کے لئے جاتا۔ تو اس مصیبت کی تعزیت سے پہلے حضور ﷺ کے وصال وفراق کی مصیبت کی تعزیت اس کے ساتھ کرتا)

یقیناً حضور اکرم ﷺ کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ اعزہ احباب بیوی اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور اکرم ﷺ کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اقدس ﷺ کی مفارقت پر صبر کرلیا تو اس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مصائب شدیدہ میں سے اتنی شدید ترین مصیبت ہے کہ اس پر کبھی صبر و برداشت ہو بھی نہیں سکتا اور جب اُمت نے یہ صدمہ شدیدہ برداشت کرلیا (اور نہ کرنا نہیں چاہئے تھا) تو یہ معمولی مصائب کو بھی برداشت کرلینا چاہئے۔

ایک شاعر نے تو اس سلسلہ میں اس حد تک بھی کہدیا کہ ....

والصبر یحمد فی المصائب کلها

الا علیک فان مذموم

(مناوی ج ۲ ص ۲۱۸)

(اور صبر محمود ہے ہر قسم کے مصائب میں مگر آپ ﷺ (کی مفارقت جدائی) پر مذموم ہے)

==================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کے بیان میں

(۳۸۳/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِیْلُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِیْ جُوَیْرِیَةَ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِلَّا سَلَاحَهٗ وَ بَغْلَتَهٗ وَ اَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسرائیل نے ابی اسحٰق کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول اور امّ المؤمنین جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارثؓ (المصطلقی) سے نقل کی۔

عمرو بن الحارث جو امّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور اپنی سواری کا خچر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور ان کو بھی صدقہ فرما گئے تھے۔

راویان حدیث (۶۶۷) حسین بن محمدؒ اور (۶۶۸) عمرو بن الحارثؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضوراقدس ﷺ کی وراثت :

قال ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ...... میراث، ترکہ، میت کا چھوڑا ہوا مال خواہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اس باب میں حضور سرورِ کون ومکان، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ترکہ کا بیان ہے۔ حضوراقدس ﷺ کا سب کا سب ترکہ صدقہ ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت متفق ہیں۔ آنجناب ﷺ کے ترکہ میں ہتھیار، ایک سفید خچر اور کچھ زمین تھی جو کہ

صدقہ فرمادی۔ اسلحہ، خود، نیزہ، تلوار اور زرہ پر مشتمل تھا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں :

و فی الباب سبعة احادیث و منه ندرک ان هذا الرسول العظیم قد و دع الدنیا بمثل ماجاءها لم یکنز الاموال و لم یترک القصور ' انما کان عف الید و اللسان ' طاهر النفس و القلب ' نظیف السیرة و الثیاب ' مسکینا من المساکین و نفسه اعلیٰ من نفوس الملوک و تلامیذه اساتذة العالمین ' ولقد انتقل الی الرفیق الاعلیٰ و لم یترک شیئًا من الحطام الفانی ' و انما ترک لنا ما ان تمسکنا به لن نضل بعده ابدا : کتاب الله و سنة رسول الله صلی الله علیه و سلم. یاامة الاسلام : ان میراث نبیکم فی کتاب الله و السنة الهادیة فحافظوا علیهما تکونوا من الصالحین (اتحافات ص ۴۰۵) یعنی اس باب میں سات احادیث ہیں۔ ان احادیث سے ہم سمجھے ہیں کہ اس عظیم شان والے رسول نے دنیائے فانی کو اس حالت میں چھوڑا ہے جس حالت میں پایا تھا۔ نہ تو دولت کے ڈھیر لگائے اور نہ ہی اپنے بعد محلات چھوڑے، اس میں کوئی شک نہیں۔ آنجناب ﷺ کے ہاتھوں اور زبان سے عفت اور پاکیزگی ظاہر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کا نفس پاک، دل مقدس، سیرت عمدہ اور کپڑے ستھرے تھے، اگرچہ آنحضور ﷺ کا وجودِ اقدس تمام مسکینوں میں سے ایک مسکین جیسا تھا، لیکن شان یہ تھی کہ دنیا کے تمام شہنشاہوں سے ارفع و اعلیٰ، اور آپؐ کے شاگرد یعنی صحابہ کرامؓ تمام دنیا کے اساتذہ تھے۔ اور یقیناً جس وقت حضور ﷺ محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے، اس وقت حقیر و فانی دنیا کی کوئی چیز نہیں چھوڑی، اور درحقیقت ہمارے لئے ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر ہم اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوں گے اور وہ قرآنِ مجید اور سنّتِ رسولِ کریم ﷺ ہے۔ اے ملتِ اسلامیہ ! بیشک آپ کے نبی کریم ﷺ کی میراث قرآنِ مجید اور سنت ہے جو کہ ہدایت کے راستے پر پہنچا دیتی ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی حفاظت کرو تو صالح بن جاؤ گے۔

ترکۂ انبیاء کے وارث نہ ہونے کی حکمتیں :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

باب کی سب احادیث کا حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے۔ وہ

وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی عالم کا بھی اہلِ سنت والجماعت میں سے خلاف نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ترکہ میں وراثت نہ تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حکم ہے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس کی وجوہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی ملک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی بیویوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۲) نبی کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی۔ وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں۔ صوفیہ کرامؒ میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے، **الصوفی لایملک** صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

(۳) دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

(۴) اگر انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری ہو، تو احتمال ہے کہ کوئی بدنصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

(۵) لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل وعیال کو مالدار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

(۶) مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنا اس کی وجہ ہے۔

(۷) نبی تمام اُمت کے لئے بمنزلۂ باپ کے ہے، لہٰذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہے' وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں۔ آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔ (خصائل)

(۳۸۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَتْ فَاطِمَةُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ یَّرِثُکَ فَقَالَ اَهْلِیْ وَوَلَدِیْ فَقَالَتْ مَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰکِنِّیْ اَعُوْلُ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْلُهٗ وَ اُنْفِقُ عَلٰی مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلَیْهِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالولید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے محمد بن عمرو کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت ابوسلمۃ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اہل وعیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، پھر میں اپنے والد ﷺ کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا روزینہ حضور اقدس ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا، اُس کو میں بھی ادا کروں گا اور جن لوگوں پر حضور اقدس ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے، اُن پر میں بھی خرچ کروں گا۔

سیّدہ فاطمہؓ کے سوال کا منشاء اور تفصیلی جواب :

فقالت من یرثک ' یعنی جب آپؓ کا وصال ہوجائے گا تو آپؓ کا وارث کون ہوگا' تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، میرے گھر والے اور میری اولاد میری وارث ہوگی۔ تو سیدہ فاطمہؓ نے عرض کیا کہ پھر میں کیوں اپنے والد ﷺ کی وارثہ نہیں بن سکتی۔ حضرت فاطمہؓ نے استدلال اس لئے کیا تھا کہ اسے علم ہوگیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وراثت نہیں چلے گی۔ اس لئے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ہماری وراثت نہیں ہے' یعنی ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، بلکہ تمام سامان اُمت کی ملکیت ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا جمیع ترکہ :

جبکہ حضور اقدس ﷺ تو کچھ چھوڑ کر بھی نہیں گئے تھے۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ **ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ دیناراً ولا درھما ولاعبدا ولا أمة ولاشیئًا الا بغلة البیضاء و سلاحه و ارضاً جعلھا صدقة۔** (بخاری کتاب الوصایا) حضور اقدس ﷺ نے اپنے وصال کے وقت نہ تو کوئی دینار چھوڑا، نہ درھم، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ کچھ اور مگر ایک سفید خچر اور کچھ اسلحہ اور کچھ زمین جسے حضور اقدس ﷺ نے صدقہ کر دیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے، **ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم دیناراً ولادرھماً و لابعیرا ولاشاة۔** (ابوداؤد) یعنی آپ ﷺ نے نہ تو کوئی دینار چھوڑا نہ درھم نہ اونٹ نہ بکری۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، **لانورث ماترکنا صدقة** ۔ (بخاری کتاب الجہاد) یعنی ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مسئلہ شرعی کی وضاحت کردی :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

بظاہر فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے مال کو ترکہ میراثی قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی کوئی وارث ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرمادیا، ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال میں واپس کر دینا۔ اُس کے موافق حضرت ابو بکرؓ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ مشہور حدیث ہے، جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسوّی میں لکھا ہے۔ یہ مضمون کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی وارث نہیں ہے۔ دس صحابہؓ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے (خصائل)

انبیاء کے عیال کے نفقہ کا مسئلہ :

ولکن اعول ...... انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور پر علامہ سیوطیؒ نے انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء اور امام بیہقیؒ نے بھی حیات الانبیاء پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام کے زندہ فی القبور ہونے کا معنی اگر یہ ہے کہ ان کی روح زندہ ہے تو وہ ہر شخص کو حاصل ہے، کیونکہ منکر نکیر سے مکالمہ ہوتا ہے، تو اعادۂ روح اور حیات روح فی البرزخ مشترک ہوئی۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اگر حیات دینوی مراد ہے، تو پھر اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) کے کوئی معنی نہیں، آج اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو آپؐ کے پاس فیصلہ نہیں لے جایا جا سکتا، تو حیات دنیوی پر موت کا طریان ہوا ہے۔ تو کہا جائے گا حیات کلی مشکک ہے۔

(۱) حیات عنصری جس میں اتصال الروح بالجسد ہے، کہ ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہوتا ہے۔ اس حیات عنصری کو موت فنا کر دینے والی ہے۔

(۲) حیاتِ برزخی وہ بھی ہر ایک کو حاصل ہے۔

(۳) حیاتِ اخروی یہ بھی سب کو حاصل ہوگی۔ تو نوع کے اعتبار سے اشتراک ہوا، مگر اشخاص کے اعتبار سے خصوصیت ہے کہ عالم برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے ایک پہلوان کی زندگی اور مدقوق کی زندگی میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایسے انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں اعلیٰ درجہ کی زندگی دی گئی اور دوسرے درجہ کی زندگی شہداء کو عطا کی گئی کہ جس کے اثر سے ان کا بدن محفوظ رہتا ہے۔ ان شہداء کی زندگی کا اثر عالم احکام میں کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ عدّت کے بعد ان کی بیوگان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ابدان محفوظ ہیں، ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتا۔ ان کی ازواج سے نکاح کرنا حرام ہوتا ہے اور ان کے عیال کا نفقہ انبیاء پر واجب ہوتا ہے، جو ان کا نائب ادا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں، اعول علی من کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعولہ ...... الخ۔ (جن لوگوں کا روزینہ

حضور ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا اس کو میں ادا کروں گا)

(۴/۳۸۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيْرٍ الْعَنْبَرِيُّ اَبُوْغَسَّانٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي الْبُخْتَرِيِ اَنَّ الْعَبَاسَ وَعَلِيًّا جَآءَ ا اِلٰى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُوْلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْتَ كَذَا اَنْتَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ وَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ سَعْدٍ اَ نْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ اِلَّا مَا اَطْعَمَهٗ اِنَّا لَانُوْرَثُ وَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحیٰی بن کثیر عنبری ابوغسان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے اسے عمرو بن مرۃ سے ابوالبختری کے واسطہ سے نقل کیا۔ ابوالبختری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس تشریف لائے۔ ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اس کو انتظام کے نا قابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ان سب حضرات کو متوجہ فرما کر یہ فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم سب نے حضور اکرم ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے۔ بجز اس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے۔ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

راویان حدیث (۶۶۹) یحیٰی بن کثیر العنبریؒ اور (۶۷۰) ابی البختریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی خصومت کی حقیقت :

یختصمان ...... شبہ ہوتا ہے کہ یہ کبار صحابہؓ کیسے جھگڑا کر رہے ہیں کہ گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی۔ بعض حضرات نے تو اس روایت کا انکار کر دیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ

حضرت علیؓ کے چچا ہیں۔ چچا بھتیجے کو کوئی سخت کلمہ کہہ دے تو اس کے لئے جائز ہے، کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے سلوک کیا۔ جس پر لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي (میری داڑھی کو نہ پکڑ) کہنا پڑا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، کہ اگر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو کوئی سخت اور ثقیل کلمہ کہہ دیا تو وہ آپس میں بھائی تھے۔ ایک دوسرے کی اصلاح کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہمیں اجازت نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ کہیں۔ (بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ ازقبیلہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوکار لوگوں کی نیکیاں اللہ کے مقرب بندوں کی سیئات شمار ہوتی ہیں) کے ہے)۔

ابوداؤد کی روایت :

وفی الحدیث قصة 'امام ترمذیؒ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا۔ وہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے پورا قصہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد مالک بن اوسؓ کی حدیث پر جو نمبر ۶ پر آ رہی ہے، حوالہ کر دیا۔ اس لئے کہ مالک بن اوسؓ کی روایت مشہور تھی۔ حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور خود ابوداؤد شریف میں مفصل مذکور تھی۔ اس لئے ایک قصہ کو پورا کا پورا ہر جگہ ذکر کرنا تطویل کا سبب تھا۔ ابوداؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی، جو مجھے بہت پسند آئی۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ کر دیجئے، تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوسؓ ہی ہیں۔ اُس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُس وقت حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے، یعنی ایک دوسرے کو بدنظمی کا الزام دے رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہ

نہیں جانتے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے یا پہنائے۔ اس لئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء علیہم السلام کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بیشک حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پس حضور اقدس ﷺ اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل درآمد کرتے رہے، جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ مالک بن اوسؓ کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا قصہ ہے۔

اصل مسئلہ :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں :

یہ وہی واقعہ اور اس کی بعض تفصیلات ہیں، جس کی وجہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان میں زمین اور باغات کی مشترکہ تولیت ہونے کی وجہ سے اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ یہ تولیت ان دونوں میں تقسیم کر دی جائے تا کہ وہ اپنی اپنی تولیت والی جائیداد کا اپنی صوابدید کے مطابق خود انتظام کر سکیں، مگر حضرت عمرؓ نے پہلے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم وراثت کو ثابت کیا اور پھر تولیت کو تقسیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر آج تولیت کو تقسیم کر دیا گیا تو ممکن ہے کل کو تمہاری اولادیں اس کو وراثت کے طور پر تقسیم کر لیں گے۔ اوقاف کے سلسلہ میں اس قسم کے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ الغرض! حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ کی تولیت کی تقسیم کی اجازت بھی نہیں دی۔ اس حدیث میں جھگڑا وراثت کی تقسیم کا نہیں تھا، بلکہ تولیت کی تقسیم کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا کہ اگر تم قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے اس مشترکہ تولیت کو نبھا سکتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کر دیتا ہوں۔ اسی مضمون کی روایت آگے نمبر ۶ پر بھی آ رہی ہے (شمائل ترمذی ج ۲ ص ۶۷۳)

(۳۸۶/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِیْسٰی عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے صفوان بن عیسیٰ نے اسامہ بن زید سے جنہوں نے زہری کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عروۃ سے اور انہوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

قال لا نورث ...... ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

قال الحافظ ابن حجر الذی یظهر ان ما ترکه النبیؐ بعده من جنس الاوقاف المطلقة ینتفع بها من یحتاج الیها و تقر تحت یدمن یؤتمن علیها و لهذا کان له عند سهل قدح و عند انس آخر و عند عبد اللّٰه ابن سلام آخر، و کان الناس یشربون منها تبرکا و کانت جبة عند اسماء بنت ابی بکر الٰی غیر ذالک مما هو معروف (مناوی ج۲ص۲۸۶)

یعنی حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں جو بات اس سے ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے وصال شریف کے بعد جو چیز رہ گئی ہے، وہ محض وقف تھی، جو اس کا محتاج ہوتا تھا، وہ اس سے نفع حاصل کرتا، نیز وہ چیز اسی کے قبضہ میں رہی، جو امانت سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔ اسی واسطے حضرت سہلؓ کے پاس ایک پیالہ تھا۔ حضرت انسؓ کے پاس ایک دوسرا پیالہ تھا، اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس ایک تیسرا پیالہ تھا اور صحابہ کرامؓ اور دیگر حضرات ان پیالوں میں ...... (پانی) ...... یا ...... اپنی دیگر اشیاء ڈال) .... ڈال کر بطور تبرک پیتے تھے اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس حضور پاک ﷺ کا جُبّہ مبارک تھا۔ ان معروف اشیاء میں سے یہ مشہور چیزیں ذکر کی گئی ہیں ۔

(۵/۳۸۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَقْسِمُ وَرَثَتِیْ دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَآئِیْ وَ مُؤْنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے ابوزناد سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اعرج سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضو اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ سے میرے اہل وعیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

نہی اور نفی کی صورت میں مراد کی تعیین :

قال لایقسم ورثتی ...... یا تو نہی ہے کہ میراث تقسیم نہ کیا جائے یا نفی ہے کہ ہم اتنا مال نہیں چھوڑیں گے، جس کو تقسیم کیا جا سکے۔ بعد نفقۃ نسائی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی اور مؤنتہ عاملی سے خلیفہ کی تنخواہ مراد ہے کہ ہر عامل کی مؤنتہ ہے کہ وہ اپنے کام کے مطابق بیت المال سے خرچہ لے او ر یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔

مولانا محمد زکریاؒ کی مزید توضیح :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اسی بات کو مزید وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں :

عامل سے مراد وہ شخص بھی بتلایا ہے، جو حضور اکرم ﷺ کے بعد خلیفۂ وقت ہونے والا ہے اور وہ بھی کہا گیا ہے، جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔ یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگران ہو۔ دونوں محتمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت المال کے ذمہ ہے اور ہر وقت کے نگران اور منتظم کو اُس وقف سے حق الخدمت لینے کا حق ہے۔ دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ تمثیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں۔ یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے، جو روپیہ پیسہ ہی کی طرف لوٹ آئے (خصائل)

(۶/۳۸۸) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ طَلْحَةُ وَ سَعْدٌ وَجَآءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ اَنْشُدُكُمْ بِالَّذِيْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوْا اللّٰهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن علی خلال نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے بشر بن عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت مالک بن انس سے زہری کے واسطہ سے سماعت کی ۔ انہوں نے یہ روایت مالک بن اوس سے سنی ۔ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کے پاس عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ بھی تشریف لائے ۔ (اُس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اُس ذاتِ پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تمہیں حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں ، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ اُن سب حضرات نے فرمایا کہ بیشک یہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

راویان حدیث (۶۷۱) حسن بن علی الخلالؒ (۶۷۲) بشر بن عمرؒ اور (۶۷۳) مالک بن اوس بن الحدثانؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض اعتراضات کے جوابات :

فقالوا اللھم نعم ...... روافض تو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے ڈر سے **اللھم نعم** کہا اور تقیہ کیا، مگر جس ذات کو یہ لوگ **بعد الانبیاء افضل الناس** اور **اشجع الناس** کہتے ہیں، وہ محض اپنی جان کے خوف سے نبی کریم ﷺ پر کیسے تہمت باندھ سکتے ہیں۔ جب کہ **مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ**

مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ باندھا پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے) کا فرمان بھی پیش نظر ہو۔ بالخصوص ایک صحابی کی تو یہ شان نہیں ہے کہ کسی سے ڈر کر وہ آنحضرت ﷺ پر افتراء پردازی کرے۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ وہ دہلی سے پیدل چل کر لکھنو گئے۔ منادی کرا کر تقریر کرنے لگے تو درمیان میں ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ یہ شخص تنِ تنہا دہلی سے چل کر تمہاری شان وشوکت کے دور میں تقریر کر رہا ہے کہ کیا حضرت علیؓ اس سے بھی گئے گزرے تھے۔ تو اب حضرت علیؓ ایسے ہیں، جیسے خوارج کہتے ہیں یا کم از کم جیسے اہل سنت آپ کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں، تو اس نے کہا میرے قلب پر یہ خطرہ گزرا ہے، کوئی اس کا حل بتائے، تو اس پر سو (۱۰۰) قریب آدمیوں نے موافقت کی اور حضرت شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

الحاصل ! جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو یہ حدیث معلوم تھی، تو پھر حضرت ابوبکرؓ سے کیوں مطالبہ کیا۔ بعد ازاں دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ سے مطالبہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث تو ان کو یقیناً معلوم تھی، مگر بظاہر وہ اس حدیث کو مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً دنانیر کے ساتھ جس کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سوال کیا اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو سب حضرات کی ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور آپ ﷺ کے ارشاد ماترکناہ فھو صدقۃ (جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے) پر ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں جاگیر کو لے لیا تھا۔ تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے تلخ کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی، تو جواب یہ ہے کہ یہ بات تو متحقق ہوگئی کہ میراث جاری نہیں ہوتی، پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ یہ تھی کہ کیفیت خرچ میں ان دونوں حضرات میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔

حضرت عباسؓ نہایت منتظم اور مدبّر تھے۔ دور اندیش تھے، وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ

فرمانا چاہتے تھے۔حضرت علیؓ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔آنحضرت ﷺ کی طرز پر جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے۔اس لئے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا۔حضرت عمرؓ تولیت کو بھی علیحدہ اس لئے نہیں کرنا چاہتے تھے کہ بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا۔استدلال میں گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا۔ابتداءً اگرچہ اہلِ بیت حضرات کا خیال یہی تھا کہ یہ میراث ہے، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخینؓ کی رائے کے موافق ہوگئی تھی۔چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا۔ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے دور میں اسے تقسیم کر دیتے۔ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔حضرت عثمانؓ کے دور میں پھر حضرت حسینؓ اور پھر حسین بن علیؓ کے قبضہ میں رہی۔

تفصیلی قصہ :

وفی الحدیث قصة طویلة ' یہ وہی قصہ ہے جس کی طرف نمبر۳ پر ابوالبختریؒ کی روایت میں بھی اشارہ گزر چکا ہے۔قصہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً سب کتب میں مختصر یا مفصل نقل کیا گیا ہے۔بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو اضافے ہیں، وہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔

مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں تھا۔دن کچھ چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمرؓ کا قاصد مجھے بُلانے آیا۔میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت عمرؓ ایک بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے، جس پر کوئی اور کپڑا اچھا ہوا نہ تھا۔میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے ان کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے، تم اس کو لے جا کر ان پر تقسیم کر دو۔میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرما دیتے تو اچھا تھا۔آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تم ہی تقسیم کر دو۔یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام یرفا تھا، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن

عوفؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔

بعض روایات میں حضرت طلحہؓ کا بھی نام ہے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی۔ یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں برفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت فرمادی۔ وہ دونوں حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے۔ دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے اور ہر ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے۔ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اُس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو اُس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، صدقہ ہوتا ہے۔ اُس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ان دونوں حضرات' عباسؓ اور علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح ان سے بھی قسم دے کر دریافت فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غور سے سنو ! اللہ جل شانہٗ نے یہ فے کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور اکرم ﷺ کو دیا کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ تم لوگوں پر تقسیم فرمایا اور بہت تھوڑا حصہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لئے رکھا اور اس میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ فرمادیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ایسے ہی تھا یا نہیں؟ اوّل ان پانچوں حضرات کو قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی،

اس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم کر کے تصدیق کرائی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ابو بکرؓ خلیفہ بنے اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اُسی طرز کو جاری رکھا جو حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا اور اللہ پاک کی قسم ابو بکرؓ اپنے اس رویّہ میں نیکی پر تھے۔ راہِ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، لیکن تم لوگوں نے ان کو چناں چنیں سمجھا۔ تم (حضرت عباسؓ) اپنے بھتیجے (ﷺ) کی میراث طلب کرنے اور تم (حضرت علیؓ) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنایا تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق اس میں عمل کرتا رہا اور اللہ جل شانہٗ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں۔ نیکی پر عمل کرنے والا ہوں۔ حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اُس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک کلمہ ایک بات بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصہ۔ میں نے تم سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنا دیا۔ اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کر دوں تو میں نے عہد و پیمان لیا کہ تم اس میں اُسی طرح عمل درآمد کرو گے، جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں، تم نے اس کو قبول کیا اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو۔ اُس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ اس کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کروں گا، اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو، تو مجھے واپس کر دو، میں خود انتظام کر لوں گا۔

یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ اس میں چند اُمور قابلِ لحاظ ہیں۔

(۱) حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی۔ یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، مگر ایک تو حضرت عباسؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چچا ہیں۔ اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے۔ دوسرے جب وہ حضرت علیؓ کو ناحق سمجھ رہے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا ہی چاہئے۔

(۲) یہ کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ حدیث معلوم تھی، جیسا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سوال پر اقرار کیا تو کیوں حضرت ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابوبکرؓ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے، تو پھر حضرت عمرؓ سے دوبارہ کیوں سوال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم تھی، مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آچکا ہے، لیکن اور سب حضرات کے نزدیک یہ حدیث سب چیزوں کو شامل ہے، جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں جو کچھ میں چھوڑوں، وہ صدقہ ہے کا لفظ آیا ہے۔

اس صورت میں حضرت ابوبکرؓ سے اولاً سوال اپنے اس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اس کو خصوصیت پر سمجھتے تھے اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، یعنی حضرت عمرؓ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو اور سب حضرات کی ہے اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کہ جب حضرات شیخینؓ کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھے ہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوءِ ظن کرنا کہ جب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے اور حضور اکرمؐ کے

اس صاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے، انتہائی بے ادبی ہے۔ ان کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے اس کلام سے ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابوبکرؓ کو چناں چنیں سمجھا۔

(۳) یہ کہ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا، ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا، تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی۔ جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو متحقق ہوگئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے حضرات شیخینؓ نے انکار بھی کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا۔ اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیتِ خرچ میں دونوں حضرات میں اکثر اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباسؓ نہایت منتظم اور مدبر تھے۔ دور اندیش تھے۔ وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے اور ضرورت کے مواقع کے لئے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کرا دینا چاہتے تھے کہ ایک درم بھی باقی نہ بچے اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابوداوٗدؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، نہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ تھا۔

(۴) یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے، میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر حضرت عمرؓ کو کیا

مانع تھا۔ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا، وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلدی یا بدیر تقسیم کرتا، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصہ ہے، اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لئے اگر یہ فیصلہ حضرت عمرؓ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے والوں کو اس جائداد کے میراث ہونے کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

(۵) یہ کہ ابتداء میں ان حضراتِ اہل بیت کا خیال اگرچہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لئے اس کا حضرات شیخینؓ سے مطالبہ ہوا، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخینؓ کی رائے کے موافق ہو گئی تھی۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا، ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے زمانے میں اُس کی تقسیم کر دیتے۔ ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عباسؓ نے اس سے علیحدگی اختیار فرمالی۔ تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں رہی، پھر حضرت حسنؓ کے پھر حضرت حسینؓ کے پھر علی بن حسینؒ کے (فتح الباری) یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس قصہ کے متعلق ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں، جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ (خصائل)

(۳۸۹/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَاشَاةً وَلَابَعِيْرًا قَالَ وَ اَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عاصم بن بہدلہ سے زر بن حبیش کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ بکری، نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہوگیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نہ غلام، نہ باندی یا نہیں فرمایا۔

راوی حدیث (۶۷۴) عاصم بن بھدلۃ ؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

و اشک فی العبد والامۃ 'بخاری میں حضرت جویریہؓ سے روایت ہے، جس میں تصریح ہے۔ولا عبداً و لا امۃً ،مگر اس روایت میں راوی کو تردد ہوگیا۔اس لئے اس نے کلمہ تردید کے ساتھ اس پر متنبہ کر دیا۔

==============================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ رُؤْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ

باب ! حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں دیکھنے کے بیان میں

لفظِ رویۃ اور رؤیا کا معنیٰ اور فرق :

الرؤیة ! مطلقاً دیکھنے کو کہتے ہیں، خواہ وہ بیداری میں دیکھنا ہو یا نیند میں، مگر الرؤیا صرف خواب میں دیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صاحب اتحافات اسی فرق کا ذکر اس عبارت میں کررہے ہیں) الرؤیة : تکون فی الیقظة و فی المنام ، بخلاف الرؤیا فانها تکون فی النوم غالباً۔ (اتحافات ص٤٠٦) جیسے قربة بمعنی مطلقاً تقرب کے اور قربیٰ بمعنیٰ رشتہ داری کے تقرب کے آتا ہے۔ باب ھذا میں فی المنام کی تصریح کی وجہ سے رویۃ کہا گیا ہے۔ باب ھذا کی غرضِ انعقاد خواب میں حضوراقدس ﷺ کی زیارۃ و ملاقات کا بیان ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے سات (۷) احادیث نقل فرمائی ہیں۔

حقیقتِ خواب :

(۱) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خواب محضِ خیالات، بے معنی چیز اور اضغاث احلام (پریشان خواب) ہیں۔ جو مختلف قسم کے اوہام اور خیالات کی ایک بے جوڑسی غیر مرتب گھڑی ہوتی ہے ، جس کی اصل حقیقت کوئی نہیں۔ یہ نظریہ جماعتِ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا ہے، کہتے ہیں، یہ قوتِ متصرفہ کے جوڑنے اور توڑنے کا نتیجہ ہے۔ اس کی حقیقتِ متصلہ کچھ بھی نہیں، بلکہ یہ انتزاعات میں سے ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ حکیموں اور طبیبوں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق اِنسان کی جسمانی

کیفیات سے ہے۔ اِنسانی بدن میں جونسا خلط بھی غالب ہوگا، خواب اسی کے مطابق نظر آئے گا۔ اگر بلغمی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں پانی والی اشیاء سمندر، دریا، نہریں، سیلاب، اور تیرنا ڈوبتا دیکھتا رہے گا۔ اور اگر بدن میں صفراوی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں آگ اور اس کے متعلقات جلنا، جلانا، اور جلتے بجھاتے ہوئے دیکھتا رہے گا اور اگر خلط سودا غالب ہے، تو وہ خواب میں اندھیرے، سیاہ ڈراؤنی چیزیں دیکھے گا اور اگر خون غالب ہے تو وہ سرور و مستیاں دیکھتا رہے گا۔ بہر حال اطباء کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق جسمانی کیفیات کے ساتھ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

(۳) فلاسفروں کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں۔ ان کی صورتِ مثالیہ فوٹو کی طرح عالم بالا میں منقوش ہے۔ اس لئے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے، تو اس کا انعکاس ہوتا ہے۔

منامی حقائق اور مسلکِ اہل سنت والجماعت :

(۴) اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں، جو کبھی بواسطہ فرشتے کے پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) ایک تو اُس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہوتا ہے۔ یہ حق ہوتا ہے (۲) اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ (۳) تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں، وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا گیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک رویا صالحہ یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈراؤنا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا خواب جو آدمی کے اپنے خیالات اور وساوس ہوتے ہیں۔ علماءِ تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے، اُس کا نام صدیقون ؟ ہے جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس ؐ کی

زیارت اگر خواب میں ہوتو وہ تصرفاتِ شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔

خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدد روایات احادیث میں آ رہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو خواب میں دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنالے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ مثلاً جو حلیہ شریف آپ ﷺ کا شروع کتاب میں گزرا ہے، اس کے خلاف دیکھے یا کوئی اور ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلافِ شرع ہو، یا شانِ نبویؐ کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی کوتاہی اور قصور کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس کو شرّاح و مشائخ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، کہ ایک شے کو اگر سرخ آئینہ میں دیکھو تو سرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی غرض مختلف الانواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات تو نبی کریمؐ ہی کی نظر آتی ہے، لیکن اُس ذاتِ اقدسؐ کے ساتھ جو احوال و اوصاف نظر آتے ہیں، وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال خواب دیکھنے والے کے ہوں گے، ویسے ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی۔ مثلاً بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریمؐ اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ مبتلا ہے۔ (خصائل)

(۳۹۰/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِی فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِی فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَتَمَثَّلُ بِی.

ترجمہ: امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمٰن بن مہدی نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے یہ روایت بیان

کی۔انہوں نے ابوالاحوص کے واسطہ سے نقل کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

شیطان، حضور اقدس ﷺ کی شکل وصورت نہیں بنا سکتا :

من رآنی فی المنام ...... یعنی شیطان کو یہ قدرت، طاقت اور صلاحیت نہیں دی گئی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی شکل وصورت اختیار کر سکے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وھــــذا معجزة له صلى الله عليه وسلم۔(اتحافات ص۲۰۶) اور یہ بھی حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

لانه سبحانه و تعالٰى جعله رحمة للعالمين هاديا للضالين محفوظا عن وسواس الشياطين و اذا تنوّر العالم بنوره و وجوده رجمت الشياطين لميلاده وهدمت بنيان الكهنة فكيف يتصور ان يتمثل الشيطان بصورته ۔(مناوی ج۲ص۲۹۱)

جبکہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنایا، گمراہوں کے لئے ہادی بنایا ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھا اور جبکہ آنحضرت ﷺ کے وجودِ انور کے نور سے کُل عالَم کو منوّر فرمایا اور حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت شیطانوں پر سنگباری کر دی گئی اور اسی وقت کہانت کی بنیادوں کو گرا دیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ شیطان (نعوذ باللہ) آنجنابؐ کی شکل اختیار کر سکتا ہے ۔

(۳۹۱/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ حُصَیْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَصَوَّرُ اَوْ قَالَ لَا یَتَشَبَّهُ بِیْ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار اور محمد بن مثنیٰ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابو حصین کے حوالہ سے اور انہوں نے ابو صالح کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

راوی حدیث (۶۷۵) ابی حصینؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرماویں۔

ایک طے شدہ امر :

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ عالمِ حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرما دیا تھا۔ ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ ﷺ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدسؐ کی ذاتِ مبارکہ بعینہٖ نظر آتی ہے، یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذاتِ اقدس کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورت مثالی کی زیارت ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فصل سے ایک بڑا آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے، جو اس آئینہ کو دیکھے، تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی۔ بعینہٖ اس کی ذات آئینہ میں نہیں آ رہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو بعینہٖ ذاتِ اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم ﷺ کی صورت کا۔

شیخ مدنیؒ کی تقریر :

اس حدیث کے ذیل میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ارشاد فرماتے ہیں :

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنجناب ﷺ کی صورت شیطانی تصرف سے محفوظ ہوتی ہے۔

جیسے حینِ حیات وہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ ورنہ بہت دشواری پیش آتی۔ معلوم ہوا کہ خواب میں سے جو شیطانی قسم ہے، وہ یہاں نہیں چل سکتی اور قوتِ متخیلہ بھی یہاں نہیں چل سکتی، تو تیسرا احتمال متعین ہو گیا، جو کچھ آپ ﷺ کو دیکھا حق ہے، تمام ائمہؒ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ ایک جماعت متکلمین اور محدثین کی اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وہ ان روایات میں تاویل کرتے ہیں۔ یا سند کے اعتبار سے ان کو ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرطبی نے رسالہ تاویل الاحادیث میں وہ اشکال نقل کیا ہے کہ آنِ واحد میں شخصِ واحد امکنۂ متعدد میں نہیں دیکھا جا سکتا، مگر اس اشکال کا جواب گزر چکا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کہ باری تعالیٰ درمیان سے پردے ہٹا لیتے ہیں۔ تب انسان دیکھ سکتا ہے، مگر اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب عادت کے اعتبار سے ممکن ہے، تو پھر خرق عادت اور معجزہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

امر منامی کی شرعی حیثیت :

البتہ ایک اشکال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو دیکھا، تو جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں، اس پر عمل واجب ہو، اگر کوئی انکار کرے تو اس کی تکفیر کرنی چاہیے۔ حالانکہ علماءِ اُمت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امر خوابی کو فرض قرار دے اور بعض نے یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ظاہر شریعت کے خلاف حکم دیا۔ جواب یہ ہے کہ خواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا انسان اس کا مکلّف نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا جو حکم حینِ حیات میں ہے، وہ واجب العمل ہے۔ ارشادِ منامی کو ترک کیا جائے گا، اگر وہ معارض ہو، اگر معارض نہ ہو تو عمل کرنا جائز ہے، واجب نہیں۔

امام شاطبیؒ کا نقل کردہ قصہ :

چنانچہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں ذکر کیا ہے کہ ایک مقدمہ کسی قاضی کے پاس پیش ہوا، مگر اس وقت اس نے فیصلہ نہ کیا، اٹھ کر چلا گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں، اس مقدمہ کا فیصلہ نہ کرنا یہ محض کذب ہے۔ تو یہ اٹھ بیٹھا اور حیران رہ گیا کہ جب بیداری میں ان گواہوں کا تزکیہ ہو چکا ہے، تو ظاہر شریعت کو کیسے ترک کیا جائے۔ علماء کو جمع کیا، جنہوں نے فرمایا کہ تم ظاہر شریعت

پر عمل کرو۔ اگر اس کو ایک حدیث بھی قرار دیا جائے، تو جو ظاہر احادیث ہیں، ان پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ میں ایک طالب علم نے کہا کہ آنحضرت ﷺ مجھے فرماتے ہیں کہ تم شرح جامی نہ پڑھو۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں شرح جامی پڑھنی پڑے گی۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ بسا اوقات آنحضرت ﷺ کو اشکال مختلفہ میں دیکھا جاتا ہے۔ تو جب وہ شکل حلیہ مبارک کے خلاف ہو، تو وہ زیارت نہ ہونی چاہئے۔ اور یہی من رانی سے نکالتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنے حلیہ میں دیکھا جائے۔ مگر جمہور اس کے خلاف ہیں کہ حلیہ مبارک آئینہ ہے۔ جس میں دیکھنے والے کو اپنی شکل نظر آتی ہے۔ اس لئے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ جس سے مقصود اس کو تنبیہ کرنا ہوتی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو ہندوستان میں کوٹ، پتلون پہنے ہوئے دیکھا۔ اس طرح ابن سیرینؒ کے زمانہ میں آپ ﷺ کو لیٹے ہوئے حالتِ وفات میں دیکھا، تو ابن سیرینؒ نے تعبیر دی کہ تم مسجد میں جا کر خلافِ سنت کرتے ہو۔ اس سے اماتتِ سنت مراد ہے۔ ذات میں تو تمثیل متخیّلہ ہو نہیں سکتی، مگر صفات میں ہو سکتی ہے۔ یہی امام غزالیؒ کی تحقیق ہے۔ قوۃ متخیلہ کی وجہ یہ ہے کہ ان الحس یغلط کثیراً (کہ حواس بہت غلطی کیا کرتے ہیں) اس کی مثال ایسے ہے جیسے ریل میں ہو تو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس مشاہدہ میں غلطی نہیں، لیکن قوۃ متخیلہ نے ایک حرکت جوڑ دی ہے اور اسی حس میں غلطی ہے۔

(۳۹۲/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ اَبِي مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَانِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَانِي قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ اَبُوْمَالِكٍ هٰذَا هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ اَشْيَمَ وَطَارِقُ بْنُ اَشْيَمَ هُوَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَادِيْثَ. وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُوْلُ قَالَ خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ رَاَيْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا غُلَامٌ صَغِيْرٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے خلف بن

خلیفہ نے ابو مالک اشجعی کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی۔ان کے باپ طارق بن اشیم سے یہ ارشادِ نبوی منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا۔اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

امامِ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابو مالک سعد بن طارق بن اشیم ہی ہیں اور طارق بن اشیم حضورؐ کے صحابی ہیں۔اس نے کئی احادیث حضور ﷺ سے روایت کی ہیں اور میں نے علی بن حجر سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ خلف بن خلیفہ نے کہا کہ میں نے عمرو بن حریث جو کہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں،کو دیکھا اور میں چھوٹا بچہ تھا۔

راویان حدیث (۶۷۶) خلف بن خلیفۃؒ (۶۷۷) ابی مالک الاشجعیؒ اور (۶۷۸) ابیہ طارق بن اشیمؓ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

من رآنی فی المنام 'مضمونِ حدیث سابقہ دونوں احادیث میں آچکا ہے۔

(۳۹۳/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ حَدَّثَنِي اَبِي اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُنِي قَالَ اَبِي فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَاَيْتُهُ فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتُهُ بِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّهُ كَانَ يُشْبِهُهُ.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالواحد بن زیاد نے عاصم بن کلیب کے واسطہ سے بیان کیا،وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ انہوں حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے،وہ حقیقۃً مجھ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔اس لئے کہ شیطان میرا شبیہ نہیں بن سکتا۔کلیبؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارتِ اقدس میسر ہوئی۔اُس وقت مجھے حضرت امام حسنؓ کا خیال آیا۔میں نے حضرت ابن عباسؓ

سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسنؓ کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسنؓ آپ ﷺ کے بہت مشابہ تھے راویان حدیث (۶۷۹) عبدالواحد بن زیادؒ اور (۶۸۰) عاصم بن کلیبؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

فذکرت الحسن ...... یہ حدیث بھی گذشتہ احادیث کے ہم معنیٰ ہے۔ البتہ اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو حضرت حسنؓ کے مشابہ پایا تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ ارشاد نقل ہوتا چلا آ رہا ہے کہ ...... الحسن اشبه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين الصدر الى الرأس والحسين اشبه النبى صلى الله عليه و سلم ما كان اسفل من ذلك ۔ (مواہب ص ۳۰۱) یعنی حضرت حسنؓ سر سے سینہ تک اور حضرت حسینؓ سینہ سے نیچے آپ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ وهذه الرؤيا تفيد أن الرائى وهو كليب رأه قريباً الى حقيقته صلى الله عليه وسلم ۔ (اتحافات ص ۴۰۷) (اس خواب سے معلوم ہوا کہ خواب دیکھنے والے حضرت کلیبؒ نے آپ ﷺ کو حقیقی صورت کے قریب ہی دیکھا تھا)

(۳۹۴/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ عَدِيٍّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَوْفُ ابْنُ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ يَزِيْدِ الْفَارِسِيِّ وَ كَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِى الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِى النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّتَشَبَّهَ بِىْ فَمَنْ رَاٰنِىْ فِى النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِىْ هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَنْعَتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِىْ رَاَيْتَهٗ فِى النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ اَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ جِسْمُهٗ وَ لَحْمُهٗ اَسْمَرَ اِلَى الْبَيَاضِ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ حَسَنَ الضِّحْكِ جَمِيْلَ دَوَآئِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَاَتْ لِحْيَتُهٗ مَا بَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ قَدْ مَلَاَتْ نَحْرَهٗ قَالَ عَوْفٌ وَلَا اَدْرِىْ مَا كَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَاَيْتَهٗ فِى الْيَقْظَةِ

مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هٰذَا.

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَ يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ يَزِيْدُ بْنُ هُرْمَزَ وَهُوَ اَقْدَمُ مِنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ وَ رَوٰى يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَحَادِيْثَ وَ يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ يَزِيْدُ بْنُ اَبَانَ الرَّقَاشِيُّ وَهُوَ يَرْوِيْ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَ يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ وَ يَزِيْدُ الرُّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ وَ عَوْفُ بْنُ اَبِيْ جَمِيْلَةَ هُوَ عَوْفُ الْاَعْرَابِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ قَالَ عَوْفُ الْاَعْرَابِيُّ اَنَا اَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابن ابی عدی اور محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عوف بن ابی جمیلہ نے یزید فارسی کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور یزید فارسی کلام اللہ لکھا کرتے تھے۔ یزید الفارسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نیند میں دیکھا۔ اس وقت ابن عباس زندہ تھے۔ میں نے یہ خواب ابن عباسؓ کو بیان کیا، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور پاک ﷺ یقیناً فرماتے تھے کہ بیشک شیطان طاقت نہیں رکھتا کہ میری صورت پہ آ سکے۔ لہٰذا جس نے مجھے نیند میں دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیا تو اس (ﷺ) شخص کی صورت مبارک کو جسے تو نے خواب میں دیکھا ہے بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے کہا کہ ہاں میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک اور قد مبارک دونوں درمیانہ اور معتدل تھے۔ رنگ مبارک گندمی مائل بسفیدی تھا، آنکھیں مبارک سرگیں، خندہ رو، خوبصورت، گول چہرہ اقدس، گھنی داڑھی مبارک چہرۂ اقدس کو گھیرے ہوئے تھی۔ سینۂ پاک پر آئی ہوئی تھی۔ عوف کہتے ہیں کہ یزید الفارسی نے اور جو جو صفتیں بیان کیں، وہ مجھے یاد نہیں رہیں، پھر ابن عباس نے فرمایا (اے یزید الفارسی) اگر تو سید دو عالم ﷺ کو بحالتِ بیداری بھی دیکھتا تو اس توصیف سے بڑھ کر حلیۂ مبارک کے اوصاف نہ کر سکتا۔

راویان حدیث (۶۸۱) ابن ابی عدیؒ (۶۸۲) عوف بن ابی جمیلہؒ اور (۶۸۳) یزید الفارسیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

توضیح :

یزید الفارسی نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو حضور اقدس ﷺ کی زیارت مبارکہ' مقدسہ' مطہرہ و منورہ سے خواب میں مشرف ہوتا ہے۔ وہ بعینہٖ اسی طرح مشرف ہوتا ہے، جس طرح حضور اقدس ﷺ بنفسِ نفیس ہیں۔ شمائل ترمذی کے اولین باب میں حضور اقدس ﷺ کا تفصیل سے حلیہ مبارک نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہی صفات مبارک نقل ہوئے ہیں۔

(۳۹۵/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِی ابْنِ شِهَابِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوْقَتَادَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ یَعْنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ.

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن ابی زناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابن اخی ابن شہاب زہری نے اپنے چچا (ابن شہاب الزہری) کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرم ؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے واقعی امر دیکھا۔

راوی حدیث (۶۸۴) ابن اخی ابن شہاب الزہریؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

رویت حق کا معنیٰ :

فقد رأی الحق ای فقد رأی رؤیا الحق وھی التی لیست مِن الشیطان ۔(اتحافات ص ۴۰۹)

(یعنی اس نے بالکل سچا خواب دیکھا اور سچا وہی ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا)

حق : یقین کرنے' واجب ہونے' ثابت ہونے کو کہتے ہیں۔ الحق اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے، کیونکہ وہی واجب' وہی ثابت اور حقیقۃً وہی موجود ہے۔ باقی سب چیزوں کا وجود مثل عدم کے ہے، جو زوال پذیر

ہے۔شارحینؒ نے اس حدیث شریف کے بہت معانی بیان فرمائے ہیں۔حضرت ملاعلی قاریؒ امامِ کرمانیؒ سے نقل کرتے ہیں :

ای الثابتة لا اضغاث فيه و لا احلام (جمع ج۲ص۲۹۸) یعنی یہ اسی طرح صحیح اوردرست ہے، جس طرح کہ دیکھا گیا ہے۔اس میں کوئی گڑبڑنہیں ہے ۔

الطیبیؒ فرماتے ہیں :**الحق هنا** حق یہی ہے۔زین العرب فرماتے ہیں، **الحق ضد الباطل** حق ضدِ باطل ہے۔یعنی یہ خواب حق ہی ہے۔حضرت علامہ موصوف فرماتے ہیں :

نعم يصح يراد به الحق سبحانه على تقدير مضاف اى رأى مظهر الحق او مظهره و من رانى فسير الله سبحانه لان من رأى النبى صلى الله عليه و سلم فى المنام فسيراه يقظة فى دارالسلام فيلزم منه انه ير الله فى ذالك المقام ولايبعدان يكون المعنى من رانى فى المنام فسيرى الله فى المنام فان رؤيتى له مقدمة او مبشرة لذالك المرام و قال الحنفى الحق مفعول به اى الامر الثابت الذى هو انا فيرجع الى معنى قوله فقد رانى ۔(جمع ج۲ص۲۹۸)

یعنی ہاں صحیح ہے، اگر بتقدیرِ مضاف اس الحق سے مرادحق سبحانہٗ وتعالیٰ مرادلیا جائے گویا مظہرِحق کودیکھا یااس کے مظہرکو(یعنی حضوراقدس ﷺ ہی اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے مظہر ہیں)اورجس نے مجھے دیکھاعنقریب اللہ جل جلالہٗ کودیکھ لے گا۔اس لئے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کودیکھا خواب میں' تو عنقریب وہ بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے دارالسلام میں مشرف ہوگا۔لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اللہ جل جلالہٗ کی زیارت اس مقام پرکرے گااور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا تو وہ عنقریب اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کو نیند میں دیکھے گا۔بے شک حضور ﷺ کی زیارت اس امرکا پیش خیمہ اورخوشخبری ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی زیارت سے مشرف ہوگا ۔

(۳۹۶/۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَانِىْ فِى الْمَنَامِ فَقَدْ رَانِىْ

فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَتَخَيَّلُ بِىْ قَالَ وَ رُءْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ .

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معلّٰی بن اسد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالعزیز بن مختار نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جوشخص مجھے خواب میں دیکھے، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا (وہ خواب جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھیالیس جزو میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

راویان حدیث (۶۸۵) معلّٰی بن اسدؒ اور (۶۸۶) عبدالعزیز بن المختارؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے :

و رؤیا المؤمن ...... گذشتہ روایات کی نسبت اس روایت میں یہی بات زائد ہے۔ شمائل ترمذی کے آخری باب کی یہ آخری روایت ہے۔ یہاں محض مومن کی قید ہے۔ بخاری شریف میں رؤیا صالح کی قید ہے۔ علماء و شارحینِ حدیث نے یہاں بہت زیادہ تفصیل سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ اس کو علم نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے، اور علوم نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کو بھی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے۔ مجملاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے، جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت و برکت کے لئے کافی ہے۔ باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔

طالبانِ علومِ نبوت کے لئے دو خصوصی نصیحتیں

حضور اقدس ﷺ کے شمائل و خصائل' سیرت مبارکہ اور اس کے متعلقات سے روایات' ترتیبِ ابواب و احادیث اختتام پذیر ہوئے۔ آخر میں امام ترمذیؒ طالبانِ علوم نبوت کے لئے خصوصی تنبیہ و نصیحت اور خیر خواہی و فلاح کے پیش نظر دو اثر نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے آخر میں کلمتان حبیبتان...... ' کا اندراج فرما کر ذکر الٰہی کی اہمیت و مطلوب ہونے پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی طرح امام ترمذیؒ آخر میں دو اثر نقل کر کے بعض اہم اہداف کو ملحوظ رکھنے کی نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔

منقولات کے اتباع کا اہتمام :

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ يَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ اِذَا ابْتُلِيْتَ بِالْقَضَآءِ فَعَلَيْکَ بِالْاَثَرِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کی جیو۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ:

یہ اثر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے، جو بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی' امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ صوفیاء میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔ بڑے زاہد' عابد اور متقی و پرہیز گار ہیں۔ حفاظ حدیث میں بھی ان کا شمار اوائل میں ہوتا ہے۔ ان کی سیرت و سوانح پر بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ احقر نے بھی علماءِ احناف کے تذکرہ میں ان پر خصوصیت سے رسالہ لکھا

ہے، جو کئی مرتبہ چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔

اتباعِ سنت کی تاکید :

اذا ابتلیت بالقضاء ...... یعنی جب تو قضا کے ساتھ آزمایا جائے' قاضی، جج، فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو اثر یعنی منقولات کی پیروی کی جیو' یعنی حضور اقدس ﷺ کے ارشادات' خلفائے راشدین کے اقوال پر عمل کرنا ہے۔ تاکہ گمراہی کے دلدل میں پھنسنے سے بچا جا سکے۔ اثر سے مراد حدیث بھی ہے، صحابہ وتابعین کے اقوال بھی اور افعال بھی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ نصیحت قضا سمیت زندگی کے تمام حالات و معاملات کو شامل ہے۔ امام ترمذیؒ اس بات پر بھی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ امامِ ترمذیؒ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا۔ جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مہتم بالشان تنبیہات ہیں۔ امام بخاریؒ نے کلمتان حبیبتان عند الرحمن ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم. (دو کلمے ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں وزن میں بھاری ہیں اور زبان پر ہلکے اور آسان ہیں (وہ دو کلمے) سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم ہیں) ان کا مقصد یہ ہے کہ ذکر الٰہی مطلوب ہے۔ اور امام ترمذیؒ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ طالب علم کے لئے تحصیلِ علمِ حدیث ضروری ہے اور خصوصاً جب قاضی بننا ہو۔ امام شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قدوہ (مقتدیٰ) وہ نہیں ہو سکتا، جو کہ محدث، مفسر، فقیہ اور صوفی نہ ہو۔ تو پہلے اثر میں یہ نصیحت ہے کہ دین کا مدار آنحضرت ﷺ کے اتباع پر ہے۔ لہٰذا ہر فیصلہ میں حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا چاہیے۔

گذشتہ باب سے مناسبت :

گذشتہ باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے۔ اس لئے اُس میں بھی اپنی رائے سے غتربود نہ کرنا چاہئے، بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعینؒ سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فن تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھدار متقی، پرہیز گار کتابُ

اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب کی لغات اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی شرائط اور آداب علمِ تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں اُستاد کا انتخاب :

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا النَّضرُ اَخبَرَنَا ابْنُ عَوْفٍ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ۔

ترجمہ : امامِ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابن عوف نے دی۔ انہوں نے اسے ابن سیرین سے نقل کیا۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں۔ لہٰذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

علم الحدیث' دین ہے :

هٰذا الحدیث دین ...... یہ دوسرا قول امام ابن سیرینؒ کا ہے جو تعبیر الرؤیا کے بہت بڑے امام تھے۔ بہت بڑے محدث' زاہد' عابد' فقیہ اور مجتہد تھے۔ سید التابعین ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے تعلیم وتربیت کی سعادت حاصل کی۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ علم حدیث دین ہے اور دین کا مدار ہے۔ حدیث' قرآن کی تفصیل وتشریح اور عملی تعبیر وتفسیر ہے۔ لہٰذا استاذ کا انتخاب بھی اسی نسبت ومعیار سے کیا جائے کہ وہ متدیّن ہو' عالم ہو' عامل ہو' اور متقی وپرہیز گار ہونے کے ساتھ ساتھ منشأ نبوت کو سمجھتا ہو۔

تکمیل روایت :

یہ دراصل ایک مرفوع حدیث کا حصہ ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے اسے اپنی کتاب میں مکمل نقل کر دیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ دِيْنٌ وَالصَّلٰوةُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ وَ كَيْفَ تُصَلُّوْنَ هٰذَا الصَّلٰوةَ فَاِنَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (جمع ج۲ ص۳۰۲)

یعنی علم حدیث بھی دین ہے۔ لہٰذا اچھی طرح جانچ لو، پرکھ لو کہ یہ علم تم کن لوگوں سے حاصل کر

رہے ہو، اور نماز کس طریقہ سے ادا کر رہے ہو، کیونکہ ان کے متعلق قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا۔

امامِ ترمذیؒ کی غرضِ ایرادِ اثر :

امام ترمذیؒ امام ابن سیرینؒ کے قول کی روشنی میں ادھر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ہر کس و ناکس، فاسق و فاجر سے علم حدیث حاصل نہ کرو، بلکہ استاذ کو دیکھو، اس کے علم، اس کے دین، اس کے اعتقاد، مسلک، عمل اور تقویٰ و دیانت کو پرکھو، اگر علم و عمل میں کوتاہی کرتا ہے یا بے دین اور بد عمل ہے، تو وہ قابل اتباع نہیں ہے، اس کی صحبت کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔

ادھر بھی توجہ دلائی کہ خود رائی، عجب، عقل و ذہانت پر غرور اور گھمنڈ، مضرت رساں ہے، بلکہ احادیث، صحابہؓ کے اقوال، تابعینؒ کے ارشادات اور اکابر و علماء اور صلحاء کے ہدایات کی پیروی کرنی چاہئے۔

باب سے مناسبت :

اس حدیث کو باب سے بھی خاص مناسبت ہے کہ تعبیر الرؤیا، ایک خاص علم ہے اور نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ اس کا تعلق بھی علم سے ہے۔ گویا خواب کی تعبیر ایک علمی فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں اپنی رائے اور اپنی تعبیرات سے بچا جائے۔ اسلاف کی تعبیروں سے استفادہ کرنا چاہئے، چونکہ یہ تعبیر مہتم بالشان ہے۔ اس لئے جس پر اعتماد کر کے تعبیر لے رہے ہو، اسے بھی دیکھا کرو کہ وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ تعبیر دینے والا شخص سمجھ دار ہو، علم تعبیر الرؤیا سے مناسبت رکھتا ہو۔ متقی و پرہیزگار ہو، سنت رسولؐ اور علم حدیث سے واقف ہو، محاورہ، لغت اور مروّجہ امثال کو بھی خوب جانتا ہو۔

شیخ عبدالرؤفؒ رقمطراز ہیں : **و اخرج الشافعی عن عروة انه كان يسمع الحديث فيستحسنه ولايرويه لكونه لايثق ببعض رواته لئلا يأخذ عنه** ۔(مناوی ج۲ص۳۰۲)

یعنی حضرت عروةؒ غیر عامل شخص سے روایت تو لیتے تھے، لیکن اس کو آگے نہیں بیان کرتے تھے کہ کہیں لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کو مقتدیٰ نہ بنا لیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ مواہب ص ۳۰۵ میں ارشاد فرماتے ہیں :

انما ختم المصنف رحمه الله تعالٰی کتابه بهذین الأثرین اشارة الی الحث علی اتقان الحدیث و الإکثار منه و بذل الجهد فی تحصیله و ختمه بذلک نظیر الابتداء فی أکثر کتب الحدیث بحدیث انما الاعمال بالنیات احسن الله البدأ والختام بجاه النبی علیه الصلٰوة والسلام و آله و اصحابه السادة الکرام و جمعنا و ایاهم فی دارالسلام بسلام و الحمد لله رب العالمین و هو حسبی و نعم الوکیل ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

(اور مصنفؒ کی غرض اپنی کتاب (شمائل) کوان دوآثار پرختم کرنے سے علماء اور طلباءِ حدیث کوضبط واتقانِ حدیث اور کثرتِ روایات اوراس کےتعلیم وتعلم میں خلوصِ نیت اور پوری جدوجہد محنت اور کاوش پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے اور اس طرز اختتام میں ان محدثین کرام کی مشابہت بھی جنہوں نے کتبِ حدیث میں ابتداءوآغاز انما الاعمال بالنیات سے کرکےطلبہ علومِ دینیہ کوان کےحصول میں خلوص نیت کی ترغیب دلانی مقصود ہے۔اللہ تعالیٰ ابتداءواختتام کوبحرمت النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام احسن اوربہتر بنادے آمین۔ وصلی الله علیه وعلی آله واصحابه السادة الکرام وجمعنا وایّاهم فی دارالسلام والحمدلله رب العالمین وهو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوة الا باالله العلی العظیم)

==================================

آج بعدازنمازمغرب بروزجمعۃ المبارک ۱۶رربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ/ بمطابق ۷رمئی 2004ء شرح شمائل ترمذی کی جلد ثانی بھی تکمیل پذیرہوئی۔ یہ خالص اللہ ہی کا فضل وکرم، اسی کی توفیق و عنایت لطفِ بے غایت اورحضوراقدس ﷺ سے ایک ادنیٰ امتی ہونے کی حیثیت سے نسبت کی برکت ہے۔والحمد لله علی ذلک حمداً کثیراً ....

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

صلی الله علٰی خیر خلقه محمد و آلهٖ و صحبه اجمعین

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسرِ قرآن، شارحِ حدیث

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 .... قیمت :

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق نوشہرہ سرحد پاکستان

مکتوباتِ افغانیؒ

بنام !

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

شمس الاولیاء حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کے مکتوباتِ قدسیہ کا وقیع مجموعہ جن میں تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمامِ سنت واطاعت اصلاحِ ظاہر وباطن، شیخِ کامل سے استفادہ وافادہ، بےنفسی وفنائیت، اخلاصِ کامل وللّٰہیت ، تفویض وتوکل ، عشقِ رسولؐ ومحبت اور اکابر علماءِ دیوبند کے مسلک و اعتدال کی اچھوتے انداز میں تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔

صفحات : 202 .... قیمت :

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیموی رح

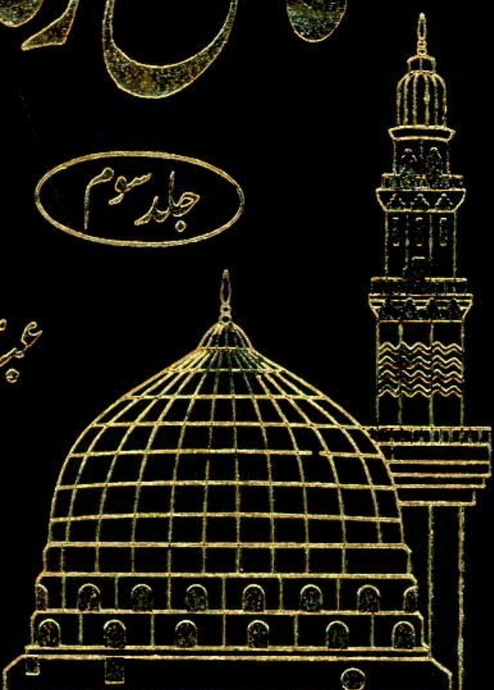
(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

شرح شمائل ترمذی

جلد سوم



مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

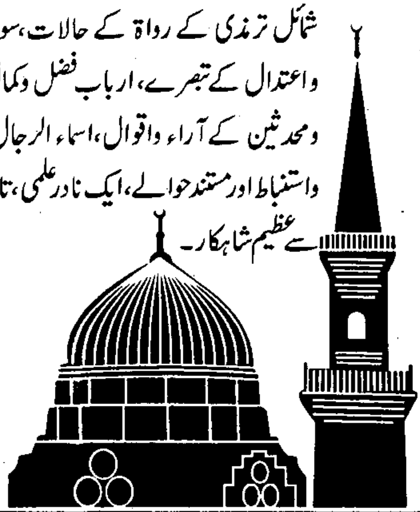
تذکرہ راویانِ

شمائل ترمذی

جلد سوم

مولانا عبد القیوم حقانی

شمائل ترمذی کے رواۃ کے حالات، سوانح، ضروری تجزیے، ائمہ جرح واعتدال کے تبصرے، ارباب فضل وکمال کی شہادتیں، جید اہل علم، فقہا ومحدثین کے آراء واقوال، اسماء الرجال کی متداول کتابوں سے اخذ واستنباط اور مستند حوالے، ایک نادر علمی، تاریخی اور اپنے فنی معیار کے لحاظ سے عظیم شاہکار۔



القاسم اکیڈمی ● جامعہ ابوہریرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام	:	شرح شمائل ترمذی (جلد سوم)
تصنیف	:	مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	216 صفحات
پروف ریڈنگ	:	اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمان' جان محمد جانؔ' مولوی مظہر علی اراکین القاسم اکیڈمی
سنِ اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء
سنِ اشاعت پنجم	:	صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / جنوری ۲۰۱۲ء
ناشر	:	القاسم اکیڈمی' جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ
مطبع	:	مطبع عربیہ، پرانی انارکلی لاہور

موبائل : 0333-9102770......0346-4010613......0333-6544950

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس' المنظر اپارٹمنٹس' 458 گارڈن ایسٹ' نزد لسبیلہ چوک کراچی 74800

☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ' راجہ بازار' راولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی'

جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ' اردو بازار لاہور

اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ۝
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کا شکر ہے

احقر کے سلسلۂ تصنیف وتالیف کا آغازِ کار ''حقائق السنن'' شرح ''الجامع السنن للامام الترمذی'' سے ہوا۔ جو میرے شیخ ومربی محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے درسی افادات کی ترتیب وتدوین تھی پھر مختلف عنوانات اور موضوعات پر کتابیں آتی رہیں۔ اللہ کی مدد، نصرت شامل حال رہی۔ آج یہ رفتارِ کار الحمدللہ شرح شمائل ترمذی کے دوسرے ایڈیشن کی از سرِ نو تدوین وکتابت کی تکمیل تک آپہنچی ہے۔ **والحمدللہ علی ذلک حمداً کثیراً**

اب دوسرے ایڈیشن میں عربی شروحات سے نقل کردہ تمام عبارات واقتباسات کا اردو ترجمہ بھی کردیا گیا ہے۔ راویانِ حدیث کے تذکروں کو راوی کا نمبر دیکر علیحدہ جلد میں یکجا کردیا گیا ہے۔ اب آئندہ یہ شرح طلبۂ دورۂ حدیث اور اساتذۂ حدیث کے لئے تین جلدوں میں یکجا اور مکمل ایڈیشن کی شکل میں چھپتی رہے گی انشاء اللہ۔ شرح شمائل ترمذی مکمل ہوگئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام میں نے کیا نہیں کرایا گیا ہے اور جو کچھ بھی ہوا اللہ ہی کے کرم سے ہوا اس وقت دل تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے تاریخ لکھی، ہیروز آف اسلام کا سلسلہ شروع کیا، شعر العجم تحریر فرمائی، المامون کو مکمل کیا۔ آخرِ عمر میں اللہ کریم نے سیرت النبی ﷺ کی توفیق بخشی تو ایک قطعہ نواب شاہ جہان بیگم والئی بھوپال کی خدمت میں پیش کیا جو سادگی، بے ساختگی، اختصار وتاثیر، اور جذبات ومحبت کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستان لکھی
مجھے چندے مقیمِ آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

(عبدالقیوم حقانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

’’تذکرہ راویان شمائل ترمذی‘‘

	راویان حدیث	صفحہ نمبر		راویان حدیث	صفحہ نمبر
	﴿علم اسماءِ رجال﴾	۲۱	(۱۶)	﴿محمد بن اسماعیلؒ﴾	۳۴
(۱)	﴿قتیبہؒ﴾	۲۹	(۱۷)	﴿ابونعیمؒ﴾	۳۵
(۲)	﴿مالک بن انسؒ﴾	۲۹	(۱۸)	﴿المسعودیؒ﴾	۳۶
(۳)	﴿ربیعہؒ﴾	۳۰	(۱۹)	﴿عثمان بن مسلمؒ﴾	۳۶
(۴)	﴿انس بن مالکؓ﴾	۳۰	(۲۰)	﴿نافع بن جبیر بن مطعمؒ﴾	۳۶
(۵)	﴿حُمیدؒ﴾	۳۰	(۲۱)	﴿علی بن ابی طالبؓ﴾	۳۶
(۶)	﴿عبدالوہابؒ﴾	۳۰	(۲۲)	﴿سفیانؒ﴾	۳۷
(۷)	﴿حمید الطویلؒ﴾	۳۱	(۲۳)	﴿احمد الضبیؒ﴾	۳۸
(۸)	﴿محمد بن بشار عبدیؒ﴾	۳۱	(۲۴)	﴿علی بن حجرؒ﴾	۳۸
(۹)	﴿محمد بن جعفرؒ﴾	۳۱	(۲۵)	﴿ابوجعفر محمد بن الحسینؒ﴾	۳۸
(۱۰)	﴿شعبہؒ﴾	۳۲	(۲۶)	﴿عیسیٰ بن یونسؒ﴾	۳۸
(۱۱)	﴿ابواسحٰقؒ﴾	۳۲	(۲۷)	﴿عمر بن عبداللہؒ﴾	۴۰
(۱۲)	﴿البراء بن عازبؓ﴾	۳۲	(۲۸)	﴿ابراہیم بن محمدؒ﴾	۴۰
(۱۳)	﴿محمود بن غیلانؒ﴾	۳۳	(۲۹)	﴿امام اصمعیؒ﴾	۴۱
(۱۴)	﴿وکیعؒ﴾	۳۳	(۳۰)	﴿جُمیعُ بْنُ عمیر العجلی﴾	۴۱
(۱۵)	﴿سفیان ثوریؒ﴾	۳۳	(۳۱)	﴿ام المومنین حضرت خدیجہؓ﴾	۴۲

	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۳۲)	حضرت حسنؓ	۴۳
(۳۳)	ھند بن ابی ہالۃ	۴۴
(۳۴)	ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ	۴۴
(۳۵)	محمد بن جعفرؒ	۴۴
(۳۶)	شعبۃؒ	۴۵
(۳۷)	سماک بن حربؒ	۴۵
(۳۸)	جابر بن سمرۃؓ	۴۵
(۳۹)	ہنّاد بن سریؒ	۴۵
(۴۰)	عبثر بن قاسمؒ	۴۶
(۴۱)	اشعثؒ	۴۶
(۴۲)	حُمَید بن عبدالرحمن الرواسی	۴۶
(۴۳)	زہیرؒ	۴۷
(۴۴)	ابوداؤد المصاحفیؒ	۴۷
(۴۵)	النضرؒ	۴۷
(۴۶)	صالحؒ	۴۸
(۴۷)	ابن شہابؒ	۴۸
(۴۸)	ابوسلمہؒ	۴۹
(۴۹)	ابوہریرہؓ	۴۹
(۵۰)	قتیبہ	۴۹
(۵۱)	اللیث بن سعد	۴۹
(۵۲)	ابوزبیرؒ	۵۰
(۵۳)	جابر بن عبداللہؓ	۵۰
(۵۴)	یزید بن ھارونؒ	۵۱
(۵۵)	سعید الجریریؒ	۵۱
(۵۶)	ابوالطفیلؓ	۵۱
(۵۷)	عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ	۵۲
(۵۸)	ابراہیم بن المنذر الحزامیؒ	۵۲
(۵۹)	عبدالعزیز بن ثابت زھریؒ	۵۲
(۶۰)	اسماعیل بن ابراہیم الاسدیؒ	۵۳
(۶۱)	موسیٰ بن عقبہؒ	۵۳
(۶۲)	کریبؒ	۵۳
(۶۳)	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۵۳
(۶۴)	حاتم بن اسماعیلؒ	۵۴
(۶۵)	جعد بن عبدالرحمٰنؒ	۵۴
(۶۶)	سائب بن یزیدؓ	۵۴
(۶۷)	سعید بن یعقوب الطالقانیؒ	۵۵
(۶۸)	ایوب بن جابر	۵۵
(۶۹)	سماک بن حربؒ	۵۵
(۷۰)	ابومصعب المدنیؒ	۵۵
(۷۱)	یوسف بن الماجشونؒ	۵۶
(۷۲)	عن ابیہ	۵۶
(۷۳)	عاصم بن عمر بن قتادہؒ	۵۶
(۷۴)	حضرت رمیثہؓ	۵۷
(۷۵)	ابوعاصم	۵۷

نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۷۶)	﴿عزرۃ بن ثابت بن ابی زید الانصاری﴾	۵۷
(۷۷)	﴿علباء ابن احمر الیشکریؒ﴾	۵۷
(۷۸)	﴿عمرا بن اخطب الانصاریؓ﴾	۵۸
(۷۹)	﴿ابوعمار الحسینؒ﴾	۵۸
(۸۰)	﴿علی بن حسین بن واقدؒ﴾	۵۸
(۸۱)	﴿حدثنی ابیؒ﴾	۵۸
(۸۲)	﴿عبداللہ بن بریدۃؒ﴾	۵۹
(۸۳)	﴿حضرت بریدہؓ﴾	۵۹
(۸۴)	﴿بشر بن الوضاحؒ﴾	۵۹
(۸۵)	﴿ابوعقیلؒ﴾	۵۹
(۸۶)	﴿ابونضرۃؒ﴾	۶۰
(۸۷)	﴿حضرت ابوسعید الخدریؓ﴾	۶۰
(۸۸)	﴿ابوالاشعث احمد بن مقدامؒ﴾	۶۰
(۸۹)	﴿حماد بن زیدؒ﴾	۶۱
(۹۰)	﴿عاصم الاحولؒ﴾	۶۱
(۹۱)	﴿عبداللہ بن سرجسؓ﴾	۶۱
(۹۲)	﴿اسماعیل بن ابراھیم﴾	۶۲
(۹۳)	﴿عبدالرحمٰن﴾	۶۲
(۹۴)	﴿ھشام بن عروہؒ﴾	۶۲
(۹۵)	﴿عن ابیہؒ﴾	۶۲
(۹۶)	﴿ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ﴾	۶۳
(۹۷)	﴿احمد بن منیعؒ﴾	۶۴
(۹۸)	﴿ابوقطنؒ﴾	۶۴
(۹۹)	﴿وھب بن جریرؒ﴾	۶۴
(۱۰۰)	﴿حدثنی ابی﴾	۶۴
(۱۰۱)	﴿حضرت قتادہؒ﴾	۶۵
(۱۰۲)	﴿محمد بن یحییٰ بن ابی عمرؒ﴾	۶۶
(۱۰۳)	﴿سفیان بن عیینۃؒ﴾	۶۶
(۱۰۴)	﴿ابن ابی نجیحؒ﴾	۶۶
(۱۰۵)	﴿مجاہدؒ﴾	۶۶
(۱۰۶)	﴿امِ ھانئؓ﴾	۶۷
(۱۰۷)	﴿سوید بن نصرؒ﴾	۶۷
(۱۰۸)	﴿عبداللہ بن مبارکؒ﴾	۶۸
(۱۰۹)	﴿معمرؒ﴾	۶۸
(۱۱۰)	﴿ثابتؒ﴾	۶۸
(۱۱۱)	﴿یونس بن یزیدؒ﴾	۶۸
(۱۱۲)	﴿عبیداللہؒ﴾	۶۹
(۱۱۳)	﴿عبدالرحمٰن بن مہدیؒ﴾	۶۹
(۱۱۴)	﴿ابراھیم بن نافع المکیؒ﴾	۶۹
(۱۱۵)	﴿اسحٰق بن موسیٰؒ﴾	۶۹
(۱۱۶)	﴿معن بن عیسیٰؒ﴾	۷۰
(۱۱۷)	﴿یوسف بن عیسیٰؒ﴾	۷۰
(۱۱۸)	﴿ربیع بن صبیحؒ﴾	۷۰
(۱۱۹)	﴿یزید بن ابانؒ﴾	۷۱

راویان حدیث	صفحہ نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۱۲۰) ﴿ابوالاحوص﴾	۷۱	(۱۴۲) ﴿نافع﴾	۷۸
(۱۲۱) ﴿اشعث﴾	۷۱	(۱۴۳) ﴿عبداللہ بن عمر﴾	۷۸
(۱۲۲) ﴿عن ابیہ﴾	۷۲	(۱۴۴) ﴿عاصم ابن عمر﴾	۷۸
(۱۲۳) ﴿مسروق بن الاجدع﴾	۷۲	(۱۴۵) ﴿ابوکریب﴾	۷۹
(۱۲۴) ﴿یحیٰ بن سعید﴾	۷۲	(۱۴۶) ﴿معاویۃ بن ہشام﴾	۷۹
(۱۲۵) ﴿ھشام بن حسان﴾	۷۳	(۱۴۷) ﴿شیبان﴾	۷۹
(۱۲۶) ﴿حسن بصری﴾	۷۳	(۱۴۸) ﴿عکرمۃ﴾	۷۹
(۱۲۷) ﴿عبداللہ بن مغفل﴾	۷۴	(۱۴۹) ﴿محمد بن بشر﴾	۸۰
(۱۲۸) ﴿حسن بن عرفۃ﴾	۷۴	(۱۵۰) ﴿علی بن صالح﴾	۸۰
(۱۲۹) ﴿عبدالسلام بن حرب﴾	۷۴	(۱۵۱) ﴿ابوجحیفۃ﴾	۸۰
(۱۳۰) ﴿یزید بن ابی خالد﴾	۷۴	(۱۵۲) ﴿شعیب بن صفوان﴾	۸۰
(۱۳۱) ﴿ابوالعلاء الاودی﴾	۷۵	(۱۵۳) ﴿عبدالملک بن عمیر﴾	۸۰
(۱۳۲) ﴿حمید بن عبدالرحمٰن﴾	۷۵	(۱۵۴) ﴿إیاد بن لقیط﴾	۸۱
(۱۳۳) ﴿ابوداؤد الطیالسی﴾	۷۵	(۱۵۵) ﴿ابورمثۃ﴾	۸۱
(۱۳۴) ﴿ھمام﴾	۷۵	(۱۵۶) ﴿سریج بن النعمان﴾	۸۱
(۱۳۵) ﴿اسحٰق بن منصور﴾	۷۶	(۱۵۷) ﴿حماد بن سلمۃ﴾	۸۱
(۱۳۶) ﴿یحیٰ بن موسیٰ﴾	۷۶	(۱۵۸) ﴿ھشیم﴾	۸۲
(۱۳۷) ﴿عبدالرزاق﴾	۷۶	(۱۵۹) ﴿عثمان بن موھب﴾	۸۲
(۱۳۸) ﴿محمد بن عمر﴾	۷۷	(۱۶۰) ﴿ابوعوانۃ﴾	۸۲
(۱۳۹) ﴿یحیٰ بن آدم﴾	۷۷	(۱۶۱) ﴿ام المؤمنین ام سلمۃ﴾	۸۲
(۱۴۰) ﴿شریک﴾	۷۷	(۱۶۲) ﴿ابراھیم بن ہارون﴾	۸۳
(۱۴۱) ﴿عبیداللہ بن عمر﴾	۷۷	(۱۶۳) ﴿النضر بن زرارۃ﴾	۸۳

نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۱۶۴)	ابو جنابؒ	۸۳
(۱۶۵)	الجھذمةؒ	۸۳
(۱۶۶)	بشیر ابن الخصاصیةؓ	۸۴
(۱۶۷)	عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ	۸۴
(۱۶۸)	عمرو ابن عاصمؒ	۸۴
(۱۶۹)	عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ	۸۴
(۱۷۰)	محمد بن حمید الرازیؒ	۸۵
(۱۷۱)	عباد بن منصورؒ	۸۵
(۱۷۲)	عبداللہ بن صباح الهاشمیؒ	۸۵
(۱۷۳)	عبیداللہ بن موسیٰؒ	۸۶
(۱۷۴)	اسرائیلؒ	۸۶
(۱۷۵)	محمد بن یزیدؒ	۸۶
(۱۷۶)	محمد بن اسحٰقؒ	۸۶
(۱۷۷)	محمد بن المنکدرؒ	۸۷
(۱۷۸)	حضرت جابرؓ	۸۷
(۱۷۹)	بشر بن المفضلؒ	۸۷
(۱۸۰)	عبداللہ بن عثمانؒ	۸۸
(۱۸۱)	سعید بن جبیرؒ	۸۸
(۱۸۲)	ابراھیم بن المستمرؒ	۸۹
(۱۸۳)	عثمان بن عبدالملکؒ	۸۹
(۱۸۴)	سالمؒ	۸۹
(۱۸۵)	ابن عمرؓ	۹۰
(۱۸۶)	الفضل بن موسیٰؒ	۹۰
(۱۸۷)	ابوتمیلةؒ	۹۰
(۱۸۸)	زید بن حبابؒ	۹۱
(۱۸۹)	عبدالمومن ابن خالدؒ	۹۱
(۱۹۰)	زیاد بن ایوب البغدادیؒ	۹۱
(۱۹۱)	امّه	۹۲
(۱۹۲)	عبداللہ بن محمد بن الحجاجؒ	۹۲
(۱۹۳)	مُعاذ بن ھشامؒ	۹۲
(۱۹۴)	ابیؒ	۹۲
(۱۹۵)	بدیلؒ	۹۳
(۱۹۶)	شہر بن حوشبؒ	۹۳
(۱۹۷)	حضرت اسماءؓ	۹۳
(۱۹۸)	عروۃ بن عبداللہ بن قشیرؒ	۹۴
(۱۹۹)	معاویہ بن قرۃؒ	۹۴
(۲۰۰)	ابیہؒ	۹۴
(۲۰۱)	عبد بن حمیدؒ	۹۴
(۲۰۲)	محمد بن الفضلؒ	۹۵
(۲۰۳)	حبیب بن الشھیدؒ	۹۵
(۲۰۴)	سعید بن ایاس الجریریؒ	۹۵
(۲۰۵)	ھشام بن یونسؒ	۹۵
(۲۰۶)	القاسم بن مالک المزنیؒ	۹۶
(۲۰۷)	عون بن ابی جحیفةؒ	۹۶

راویان حدیث	صفحہ نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۲۰۸) ﴿علی بن خشرمؒ﴾	۹۶	(۲۳۰) ﴿الحسن بن عیاشؒ﴾	۱۰۳
(۲۰۹) ﴿عبیداللہ بن ایادؒ﴾	۹۶	(۲۳۱) ﴿خالد الحذاءؒ﴾	۱۰۴
(۲۱۰) ﴿عفان بن مسلمؒ﴾	۹۷	(۲۳۲) ﴿یعقوب بن ابراھیمؒ﴾	۱۰۴
(۲۱۱) ﴿عبداللہ بن حسان العنبریؒ﴾	۹۷	(۲۳۳) ﴿ابواحمد الزبیریؒ﴾	۱۰۴
(۲۱۲) ﴿دحیبةؒ﴾	۹۷	(۲۳۴) ﴿عیسیٰ بن طھمانؒ﴾	۱۰۵
(۲۱۳) ﴿علیبةؒ﴾	۹۷	(۲۳۵) ﴿سعید بن ابی سعید المقبریؒ﴾	۱۰۵
(۲۱۴) ﴿قیلة بنت مخرمہؓ﴾	۹۸	(۲۳۶) ﴿عبید بن جریجؒ﴾	۱۰۵
(۲۱۵) ﴿حبیب بن ابی ثابتؒ﴾	۹۸	(۲۳۷) ﴿ابن ابی ذئبؒ﴾	۱۰۶
(۲۱۶) ﴿سمرة بن جندبؓ﴾	۹۹	(۲۳۸) ﴿صالحؒ﴾	۱۰۶
(۲۱۷) ﴿یحیٰی بن زکریاؒ﴾	۹۹	(۲۳۹) ﴿السدیؒ﴾	۱۰۶
(۲۱۸) ﴿ابیؒ﴾	۱۰۰	(۲۴۰) ﴿من سمع﴾	۱۰۷
(۲۱۹) ﴿مصعب بن شیبةؒ﴾	۱۰۰	(۲۴۱) ﴿عمرو بن حریثؒ﴾	۱۰۷
(۲۲۰) ﴿صفیةؒ﴾	۱۰۰	(۲۴۲) ﴿الاعرجؒ﴾	۱۰۷
(۲۲۱) ﴿الشعبیؒ﴾	۱۰۰	(۲۴۳) ﴿محمد بن مرزوق ابوعبداللہؒ﴾	۱۰۷
(۲۲۲) ﴿عروةؒ﴾	۱۰۱	(۲۴۴) ﴿عبدالرحمٰن بن قیس ابومعاویہؒ﴾	۱۰۸
(۲۲۳) ﴿ابیہؒ﴾	۱۰۱	(۲۴۵) ﴿عبداللہ بن وھبؒ﴾	۱۰۸
(۲۲۴) ﴿ایوب السختیانیؒ﴾	۱۰۱	(۲۴۶) ﴿ابوعوانةؒ﴾	۱۰۸
(۲۲۵) ﴿محمد بن سیرینؒ﴾	۱۰۲	(۲۴۷) ﴿ابوبشرؒ﴾	۱۰۸
(۲۲۶) ﴿جعفر بن سلیمان الضبعیؒ﴾	۱۰۲	(۲۴۸) ﴿حفص بن عمر بن عبید الطنافسیؒ﴾	۱۰۹
(۲۲۷) ﴿مالک بن دینارؒ﴾	۱۰۲	(۲۴۹) ﴿محمد بن عبداللہ الانصاریؒ﴾	۱۰۹
(۲۲۸) ﴿دلھم بن صالحؒ﴾	۱۰۳	(۲۵۰) ﴿ابی یعنی عبداللہ بن المثنیؒ﴾	۱۰۹
(۲۲۹) ﴿حجیر بن عبداللہؒ﴾	۱۰۳	(۲۵۱) ﴿ثمامةؒ﴾	۱۰۹

راویان حدیث	صفحہ نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۲۵۲) نصر بن علی الجہضمیؒ	۱۱۰	(۲۷۴) ایوب بن موسیٰؒ	۱۱۴
(۲۵۳) نوح بن قیسؒ	۱۱۰	(۲۷۵) محمد بن عیسیٰؒ	۱۱۴
(۲۵۴) خالد بن قیسؒ	۱۱۰	(۲۷۶) عباد بن العوامؒ	۱۱۵
(۲۵۵) سعید بن عامرؒ	۱۱۱	(۲۷۷) سعید بن عروبۃؒ	۱۱۵
(۲۵۶) حجاج بن منہالؒ	۱۱۱	(۲۷۸) محمد بن عبید المحاربیؒ	۱۱۵
(۲۵۷) ابن جریجؒ	۱۱۱	(۲۷۹) عبدالعزیز بن ابی حازمؒ	۱۱۵
(۲۵۸) عبداللہ بن نمیرؒ	۱۱۲	(۲۸۰) سعید بن ابی الحسنؒ	۱۱۵
(۲۵۹) محمد بن سہل البغدادیؒ	۱۱۲	(۲۸۱) ابوجعفر محمد بن صدران البصریؒ	۱۱۶
(۲۶۰) یحیٰی ابن حسانؒ	۱۱۲	(۲۸۲) طالب بن حجیرؒ	۱۱۶
(۲۶۱) سلیمان بن بلالؒ	۱۱۲	(۲۸۳) ہود بن عبداللہؒ	۱۱۶
(۲۶۲) شریک بن عبداللہؒ	۱۱۲	(۲۸۴) جدہؒ	۱۱۶
(۲۶۳) ابراھیم بن عبداللہؒ	۱۱۲	(۲۸۵) محمد بن شجاع البغدادیؒ	۱۱۶
(۲۶۴) عن ابیہ	۱۱۲	(۲۸۶) ابوعبیدہ الحدادؒ	۱۱۷
(۲۶۵) احمد بن صالحؒ	۱۱۳	(۲۸۷) عثمان بن سعدؒ	۱۱۷
(۲۶۶) ابورافعؒ	۱۱۳	(۲۸۸) ابوسعید عبداللہ بن سعید الاشجؒ	۱۱۷
(۲۶۷) ابراھیم بن الفضلؒ	۱۱۳	(۲۸۹) یونس بن بکیرؒ	۱۱۷
(۲۶۸) ابوالخطابؒ	۱۱۳	(۲۹۰) یحیٰی بن عبادؒ	۱۱۸
(۲۶۹) عبداللہ بن میمونؒ	۱۱۳	(۲۹۱) ابیہ	۱۱۸
(۲۷۰) جعفر بن محمدؒ	۱۱۳	(۲۹۲) جدہ عبداللہ بن الزبیرؒ	۱۱۸
(۲۷۱) عن ابیہ	۱۱۴	(۲۹۳) الزبیر بن العوامؓ	۱۱۹
(۲۷۲) الصلت بن عبداللہؒ	۱۱۴	(۲۹۴) یزید بن خصیفۃؒ	۱۱۹
(۲۷۳) ابن ابی عمرؒ	۱۱۴	(۲۹۵) مساور الوراقؒ	۱۱۹

نمبر	راویان حدیث	صفحہ نمبر
(۲۹۶)	﴿جعفر بن عمروؒ﴾	۱۲۰
(۲۹۷)	﴿ہارون ابن اسحٰق الھمدانیؒ﴾	۱۲۰
(۲۹۸)	﴿یحییٰ بن محمد المدنیؒ﴾	۱۲۰
(۲۹۹)	﴿عبدالعزیز بن محمدؒ﴾	۱۲۰
(۳۰۰)	﴿عبیداللہ بن عمرؒ﴾	۱۲۱
(۳۰۱)	﴿ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن الغسیلؒ﴾	۱۲۱
(۳۰۲)	﴿حمید بن ھلالؒ﴾	۱۲۱
(۳۰۳)	﴿ابو بردہؒ﴾	۱۲۲
(۳۰۴)	﴿ابیہ﴾	۱۲۲
(۳۰۵)	﴿موسیٰ بن عبیدۃؒ﴾	۱۲۲
(۳۰۶)	﴿ایاس بن سلمہؒ﴾	۱۲۳
(۳۰۷)	﴿مسلم بن نذیرؒ﴾	۱۲۳
(۳۰۸)	﴿حذیفۃ بن الیمانؓ﴾	۱۲۳
(۳۰۹)	﴿ابن لھیعۃؒ﴾	۱۲۳
(۳۱۰)	﴿ابو یونسؒ﴾	۱۲۴
(۳۱۱)	﴿سعید بن عبدالرحمن المخزومیؒ﴾	۱۲۴
(۳۱۲)	﴿عباد بن تمیمؒ﴾	۱۲۴
(۳۱۳)	﴿عمہؓ﴾	۱۲۵
(۳۱۴)	﴿سلمۃ بن شبیبؒ﴾	۱۲۵
(۳۱۵)	﴿عبداللہ بن ابراھیم المدنیؒ﴾	۱۲۵
(۳۱۶)	﴿اسحاق بن محمد الانصاریؒ﴾	۱۲۵
(۳۱۷)	﴿ربیع بن عبدالرحمنؒ﴾	۱۲۵
(۳۱۸)	﴿عباس بن محمد الدوریؒ﴾	۱۲۶
(۳۱۹)	﴿عبدالرحمن بن ابی بکرۃؒ﴾	۱۲۶
(۳۲۰)	﴿ابیہ﴾	۱۲۶
(۳۲۱)	﴿علی بن الاقمرؒ﴾	۱۲۶
(۳۲۲)	﴿محمد بن المبارکؒ﴾	۱۲۶
(۳۲۳)	﴿عطاء بن مسلمؒ﴾	۱۲۷
(۳۲۴)	﴿جعفر بن برقانؒ﴾	۱۲۷
(۳۲۵)	﴿عطاء بن ابی رباحؒ﴾	۱۲۷
(۳۲۶)	﴿فضل بن عباسؓ﴾	۱۲۷
(۳۲۷)	﴿سعد بن ابراہیمؒ﴾	۱۲۸
(۳۲۸)	﴿ابن کعب بن مالکؒ﴾	۱۲۸
(۳۲۹)	﴿عن ابیہ﴾	۱۲۸
(۳۳۰)	﴿الحسن بن علی الخلالؒ﴾	۱۲۹
(۳۳۱)	﴿حسین بن علی بن زید الصدائیؒ﴾	۱۲۹
(۳۳۲)	﴿یعقوب بن اسحاق الحضرمیؒ﴾	۱۲۹
(۳۳۳)	﴿عبدالرحمن بن یزیدؒ﴾	۱۲۹
(۳۳۴)	﴿اسود بن یزیدؒ﴾	۱۲۹
(۳۳۵)	﴿یحییٰ بن ابی بکیرؒ﴾	۱۳۰
(۳۳۶)	﴿حریز بن عثمانؒ﴾	۱۳۰
(۳۳۷)	﴿سلیم بن عامرؒ﴾	۱۳۰
(۳۳۸)	﴿ابو امامۃ الباھلیؓ﴾	۱۳۱
(۳۳۹)	﴿عبداللہ بن معاویۃ الجمحیؒ﴾	۱۳۱

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
(۳۴۰) ﴿ہلال بن خبابؒ﴾	۱۳۱	(۳۶۲) ﴿الحسن بن محمد الزعفرانیؒ﴾	۱۳۷
(۳۴۱) ﴿عبد اللہ بن عبد المجید الحنفیؒ﴾	۱۳۱	(۳۶۳) ﴿حجاج بن محمدؒ﴾	۱۳۷
(۳۴۲) ﴿عبدالرحمن یعنی عبداللہ بن دینارؒ﴾	۱۳۱	(۳۶۴) ﴿ابن جریجؒ﴾	۱۳۸
(۳۴۳) ﴿ابو حازمؒ﴾	۱۳۲	(۳۶۵) ﴿محمد بن یوسفؒ﴾	۱۳۸
(۳۴۴) ﴿سہل ابن سعدؓ﴾	۱۳۲	(۳۶۶) ﴿عطاء بن یسارؒ﴾	۱۳۸
(۳۴۵) ﴿عباد بن عباد المہلبیؒ﴾	۱۳۲	(۳۶۷) ﴿مسعرؒ﴾	۱۳۸
(۳۴۶) ﴿المجالدؒ﴾	۱۳۲	(۳۶۸) ﴿ابو صخرةؒ﴾	۱۳۹
(۳۴۷) ﴿الشعبیؒ﴾	۱۳۳	(۳۶۹) ﴿المغیرة بن عبداللہؒ﴾	۱۳۹
(۳۴۸) ﴿عبداللہ بن عمرو ابو معمرؒ﴾	۱۳۳	(۳۷۰) ﴿واصل بن عبدالاعلیؒ﴾	۱۳۹
(۳۴۹) ﴿عبدالوارثؒ﴾	۱۳۳	(۳۷۱) ﴿محمد بن فضیلؒ﴾	۱۳۹
(۳۵۰) ﴿ابو قلابةؒ﴾	۱۳۴	(۳۷۲) ﴿ابو حیان التیمیؒ﴾	۱۴۰
(۳۵۱) ﴿زہدمؒ﴾	۱۳۴	(۳۷۳) ﴿ابوزرعةؒ﴾	۱۴۰
(۳۵۲) ﴿سفینةؓ﴾	۱۳۴	(۳۷۴) ﴿زہیرؒ﴾	۱۴۰
(۳۵۳) ﴿القاسم التمیمیؒ﴾	۱۳۵	(۳۷۵) ﴿سعید بن عیاضؒ﴾	۱۴۰
(۳۵۴) ﴿عبداللہ بن عیسیٰؒ﴾	۱۳۵	(۳۷۶) ﴿عبد اللہ بن مسعودؒ﴾	۱۴۱
(۳۵۵) ﴿عطاء الساحلیؒ﴾	۱۳۵	(۳۷۷) ﴿مسلم بن ابراہیمؒ﴾	۱۴۱
(۳۵۶) ﴿ابی اسید الانصاریؒ﴾	۱۳۵	(۳۷۸) ﴿ابان یزیدؒ﴾	۱۴۱
(۳۵۷) ﴿حفص بن غیاثؒ﴾	۱۳۶	(۳۷۹) ﴿ابو عبیدؓ﴾	۱۴۲
(۳۵۸) ﴿اسماعیل بن خالدؒ﴾	۱۳۶	(۳۸۰) ﴿فلیح بن سلیمانؒ﴾	۱۴۲
(۳۵۹) ﴿حکیم بن جابرؒ﴾	۱۳۶	(۳۸۱) ﴿عبدالوہاب بن یحییٰ بن عبادؒ﴾	۱۴۲
(۳۶۰) ﴿احمد بن ابراهیم الدورقیؒ﴾	۱۳۶	(۳۸۲) ﴿شیخًا من فہمٍ﴾	۱۴۲
(۳۶۱) ﴿ابو اسامة حماد بن اسامةؒ﴾	۱۳۷	(۳۸۳) ﴿ابو بکربن عیاشؒ﴾	۱۴۳

عنوان	صفحہ نمبر
(۳۸۴) ﴿ثابت ابی حمزةؒ﴾	۱۴۳
(۳۸۵) ﴿ام ہانیؓ﴾	۱۴۳
(۳۸۶) ﴿عمرو بن مرةؒ﴾	۱۴۳
(۳۸۷) ﴿عبداللہ بن عبدالرحمنؒ﴾	۱۴۴
(۳۸۸) ﴿عبدالعزیز بن محمدؒ﴾	۱۴۴
(۳۸۹) ﴿سهيل بن ابی صالحؒ﴾	۱۴۴
(۳۹۰) ﴿ابيه﴾	۱۴۴
(۳۹۱) ﴿وائل بن داؤدؒ﴾	۱۴۵
(۳۹۲) ﴿بكر بن وائل بن داؤد التيميؒ﴾	۱۴۵
(۳۹۳) ﴿صفيةؒ﴾	۱۴۵
(۳۹۴) ﴿الحسين بن محمد البصريؒ﴾	۱۴۶
(۳۹۵) ﴿الفضيل بن سليمانؒ﴾	۱۴۶
(۳۹۶) ﴿فائد مولیٰ عبید اللہ بن علیؒ﴾	۱۴۶
(۳۹۷) ﴿مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم﴾	۱۴۶
(۳۹۸) ﴿سلمیٰ﴾	۱۴۷
(۳۹۹) ﴿الاسود بن قيسؒ﴾	۱۴۷
(۴۰۰) ﴿نبيح العنزيؒ﴾	۱۴۷
(۴۰۱) ﴿عبداللہ بن محمد بن عقيلؒ﴾	۱۴۷
(۴۰۲) ﴿يونس بن محمدؒ﴾	۱۴۸
(۴۰۳) ﴿عثمان بن عبدالرحمنؒ﴾	۱۴۸
(۴۰۴) ﴿يعقوب بن ابی يعقوبؒ﴾	۱۴۸
(۴۰۵) ﴿ام المنذرؒ﴾	۱۴۸
(۴۰۶) ﴿بشر بن السريؒ﴾	۱۴۸
(۴۰۷) ﴿طلحة بن يحيیٰؒ﴾	۱۴۹
(۴۰۸) ﴿عائشة بنت طلحةؓ﴾	۱۴۹
(۴۰۹) ﴿عمر بن حفص بن غياثؒ﴾	۱۴۹
(۴۱۰) ﴿محمد ابن ابی يحيیٰ الاسلميؒ﴾	۱۴۹
(۴۱۱) ﴿يزيد بن امية الاعورؒ﴾	۱۵۰
(۴۱۲) ﴿يوسف بن عبداللہ بن سلامؒ﴾	۱۵۰
(۴۱۳) ﴿سعيد بن سليمانؒ﴾	۱۵۰
(۴۱۴) ﴿عمرو بن دينارؒ﴾	۱۵۰
(۴۱۵) ﴿سعيد بن الحويرثؒ﴾	۱۵۱
(۴۱۶) ﴿قيس بن الربيعؒ﴾	۱۵۱
(۴۱۷) ﴿عبدالكريم بن محمد الجرجانيؒ﴾	۱۵۱
(۴۱۸) ﴿ابو هاشمؒ﴾	۱۵۱
(۴۱۹) ﴿زاذانؒ﴾	۱۵۲
(۴۲۰) ﴿يزيد بن ابی حبيبؒ﴾	۱۵۲
(۴۲۱) ﴿راشد بن جندل اليافعيؒ﴾	۱۵۲
(۴۲۲) ﴿حبيب بن اوسؒ﴾	۱۵۲
(۴۲۳) ﴿ابو ايوب الانصاريؒ﴾	۱۵۳
(۴۲۴) ﴿هشام الدستوائيؒ﴾	۱۵۳
(۴۲۵) ﴿عبداللہ بن عبيد بن عميرؒ﴾	۱۵۳
(۴۲۶) ﴿ام كلثومؓ﴾	۱۵۴
(۴۲۷) ﴿عبد الاعلیٰؒ﴾	۱۵۴

عنوان	صفحہ نمبر
(۴۲۸) ﴿عمر بن ابی سلمةؓ﴾	۱۵۴
(۴۲۹) ﴿اسماعیل بن رباحؒ﴾	۱۵۴
(۴۳۰) ﴿رباح عبیدةؒ﴾	۱۵۴
(۴۳۱) ﴿ثور بن یزیدؒ﴾	۱۵۵
(۴۳۲) ﴿خالد بن معدانؒ﴾	۱۵۵
(۴۳۳) ﴿ابو بکر محمد بن ابانؒ﴾	۱۵۵
(۴۳۴) ﴿ابو اسامةؒ﴾	۱۵۶
(۴۳۵) ﴿زکریابن ابی زائدةؒ﴾	۱۵۶
(۴۳۶) ﴿سعید بن ابی بردةؒ﴾	۱۵۶
(۴۳۷) ﴿الحسین بن الاسود البغدادیؒ﴾	۱۵۶
(۴۳۸) ﴿عمرو بن محمدؒ﴾	۱۵۷
(۴۳۹) ﴿اسماعیل بن موسیٰ الغزالیؒ﴾	۱۵۷
(۴۴۰) ﴿محمد بن عبدالعزیزؒ﴾	۱۵۷
(۴۴۱) ﴿عبدالله بن یزید بن الصلتؒ﴾	۱۵۷
(۴۴۲) ﴿یزید بن رومانؒ﴾	۱۵۸
(۴۴۳) ﴿ابراهیم بن المختارؒ﴾	۱۵۸
(۴۴۴) ﴿ابوعبیدةبن محمد بن عماربن یاسرؒ﴾	۱۵۸
(۴۴۵) ﴿الربیع بنت معوذ الانصاریةؓ﴾	۱۵۸
(۴۴۶) ﴿علی بن زیدؒ﴾	۱۵۹
(۴۴۷) ﴿عمر هو ابن ابی حرملةؒ﴾	۱۵۹
(۴۴۸) ﴿الحسین المعلمؒ﴾	۱۵۹
(۴۴۹) ﴿عمرو بن شعیبؒ﴾	۱۵۹

عنوان	صفحہ نمبر
(۴۵۰) ﴿ابیهؒ﴾	۱۶۰
(۴۵۱) ﴿عن جدهؒ﴾	۱۶۰
(۴۵۲) ﴿محمد بن طریف الکوفیؒ﴾	۱۶۰
(۴۵۳) ﴿الاعمشؒ﴾	۱۶۰
(۴۵۴) ﴿عبدالملک بن میسرةؒ﴾	۱۶۱
(۴۵۵) ﴿النزال بن سبرةؒ﴾	۱۶۱
(۴۵۶) ﴿یوسف بن حمادؒ﴾	۱۶۱
(۴۵۷) ﴿عبدالوارث بن سعیدؒ﴾	۱۶۱
(۴۵۸) ﴿ابی عاصمؒ﴾	۱۶۲
(۴۵۹) ﴿رشدین بن کریبؒ﴾	۱۶۲
(۴۶۰) ﴿عن ابیهؒ﴾	۱۶۲
(۴۶۱) ﴿یزید بن یزیدؒ﴾	۱۶۲
(۴۶۲) ﴿کبشةؓ﴾	۱۶۲
(۴۶۳) ﴿عبدالکریم الجزریؒ﴾	۱۶۳
(۴۶۴) ﴿احمد بن نصر النیساپوریؒ﴾	۱۶۳
(۴۶۵) ﴿اسحق بن محمدؒ﴾	۱۶۳
(۴۶۶) ﴿عبیدة بنت نائلؒ﴾	۱۶۳
(۴۶۷) ﴿عائشه بنت سعد بن ابی وقاصؓ﴾	۱۶۴
(۴۶۸) ﴿ابیها﴾	۱۶۴
(۴۶۹) ﴿محمد بن رافعؒ﴾	۱۶۴
(۴۷۰) ﴿شیبانؒ﴾	۱۶۴
(۴۷۱) ﴿عبداللہ بن المختارؒ﴾	۱۶۵

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
(۴۷۲) ﴿موسیٰ بن انسؒ﴾	۱۶۵	(۴۹۴) ﴿یحییٰ بن اسحاق السیلحانیؒ﴾	۱۶۹
(۴۷۳) ﴿ابن ابی فدیکؒ﴾	۱۶۵	(۴۹۵) ﴿المعرور بن سویدؒ﴾	۱۶۹
(۴۷۴) ﴿عبداللہ بن مسلمؒ﴾	۱۶۵	(۴۹۶) ﴿ابوذرؓ﴾	۱۶۹
(۴۷۵) ﴿عن ابیہ﴾	۱۶۵	(۴۹۷) ﴿ابراھیمؒ﴾	۱۶۹
(۴۷۶) ﴿ابوداؤدالحفریؒ﴾	۱۶۵	(۴۹۸) ﴿عبیدةؒ﴾	۱۶۹
(۴۷۷) ﴿عن رجل﴾	۱۶۵	(۴۹۹) ﴿علی بن ربیعةؒ﴾	۱۷۰
(۴۷۸) ﴿محمد بن خلیفةؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۰) ﴿عبداللہ بن عونؒ﴾	۱۷۰
(۴۷۹) ﴿حجاج الصوافؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۱) ﴿محمد بن محمد بن الاسودؒ﴾	۱۷۰
(۴۸۰) ﴿حنانؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۲) ﴿عامر بن سعدؒ﴾	۱۷۰
(۴۸۱) ﴿ابوعثمان النہدیؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۳) ﴿ابوالتیاحؒ﴾	۱۷۱
(۴۸۲) ﴿عمر بن اسماعیل الھمدانیؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۴) ﴿علی بن الحسن بن شقیقؒ﴾	۱۷۱
(۴۸۳) ﴿ابی اسمٰعیل ! الھمدانی ابوعمر الکوفیؒ﴾	۱۶۶	(۵۰۵) ﴿خالد بن عبداللہؒ﴾	۱۷۱
(۴۸۴) ﴿بیانؒ﴾	۱۶۷	(۵۰۶) ﴿المبارک بن فضالةؒ﴾	۱۷۱
(۴۸۵) ﴿قیس بن ابی حازمؒ﴾	۱۶۷	(۵۰۷) ﴿الحسنؒ﴾	۱۷۲
(۴۸۶) ﴿جریر بن عبداللہؓ﴾	۱۶۷	(۵۰۸) ﴿المقدام بن شریحؒ﴾	۱۷۲
(۴۸۷) ﴿حمید بن مسعدةؒ﴾	۱۶۷	(۵۰۹) ﴿عن ابیہؒ﴾	۱۷۲
(۴۸۸) ﴿اُسامة بن زیدؓ﴾	۱۶۷	(۵۱۰) ﴿ابن رواحةؓ﴾	۱۷۲
(۴۸۹) ﴿ابوقتیبة سلم بن قتیبةؒ﴾	۱۶۷	(۵۱۱) ﴿جندب بن سفیانؓ﴾	۱۷۳
(۴۹۰) ﴿الحجاجؒ﴾	۱۶۷	(۵۱۲) ﴿یحیٰ بن سعیدؒ﴾	۱۷۳
(۴۹۱) ﴿عبید اللہ بن المغیرةؒ﴾	۱۶۸	(۵۱۳) ﴿حسن بن صباح البزارؒ﴾	۱۷۳
(۴۹۲) ﴿عبد اللہ بن الحارثؒ﴾	۱۶۸	(۵۱۴) ﴿ابوالنضرؒ﴾	۱۷۴
(۴۹۳) ﴿احمد بن خالد ن الخلال﴾	۱۶۸	(۵۱۵) ﴿ابوعقیل الثقفی عبد اللہ بن عقیلؒ﴾	۱۷۴

عنوان	صفحہ نمبر
(۵۱۶) ﴿اخیہ عبد اللہؓ﴾	۱۷۴
(۵۱۷) ﴿عبداللہ بن یزیدؓ﴾	۱۷۴
(۵۱۸) ﴿ربعی بن حراشؒ﴾	۱۷۵
(۵۱۹) ﴿المفضل بن فضالةؒ﴾	۱۷۵
(۵۲۰) ﴿عقیلؒ﴾	۱۷۵
(۵۲۱) ﴿حسین بن محمد الجریریؒ﴾	۱۷۶
(۵۲۲) ﴿سلیمان بن حربؒ﴾	۱۷۶
(۵۲۳) ﴿عبد اللہ بن رباحؒ﴾	۱۷۶
(۵۲۴) ﴿بشر بن معاذؒ﴾	۱۷۶
(۵۲۵) ﴿ابو عوانةؒ﴾	۱۷۷
(۵۲۶) ﴿زیاد بن علاقةؒ﴾	۱۷۷
(۵۲۷) ﴿عیسٰی بن عثمان الرملیؒ﴾	۱۷۷
(۵۲۸) ﴿ابو جمرةؒ﴾	۱۷۷
(۵۲۹) ﴿زرارة بن ابی اوفیٰؒ﴾	۱۷۸
(۵۳۰) ﴿سعد بن ہشامؒ﴾	۱۷۸
(۵۳۱) ﴿عبد اللہ بن ابی بکرؒ﴾	۱۷۸
(۵۳۲) ﴿ابیہ﴾	۱۷۸
(۵۳۳) ﴿عبد اللہ بن قیس بن مخرمةؒ﴾	۱۷۹
(۵۳۴) ﴿زید بن الخالد الجہنیؓ﴾	۱۷۹
(۵۳۵) ﴿ابو حمزةؒ﴾	۱۷۹
(۵۳۶) ﴿ابوبکر محمد بن نافع البصریؒ﴾	۱۷۹
(۵۳۷) ﴿عبد الصمد بن عبد الوارثؒ﴾	۱۸۰
(۵۳۸) ﴿ابو المتوکلؒ﴾	۱۸۰
(۵۳۹) ﴿ابی وائلؒ﴾	۱۸۰
(۵۴۰) ﴿عبد اللہ بن شقیقؒ﴾	۱۸۰
(۵۴۱) ﴿المطلب بن ابی وداعةؓ﴾	۱۸۱
(۵۴۲) ﴿حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ﴾	۱۸۱
(۵۴۳) ﴿عثمان ابن ابی سلیمانؒ﴾	۱۸۱
(۵۴۴) ﴿میمون بن مہرانؒ﴾	۱۸۱
(۵۴۵) ﴿ابو سلمة یحی بن خلفؒ﴾	۱۸۲
(۵۴۶) ﴿عاصم بن ضمرةؒ﴾	۱۸۲
(۵۴۷) ﴿یزید الرشکؒ﴾	۱۸۲
(۵۴۸) ﴿معاذةؒ﴾	۱۸۳
(۵۴۹) ﴿حکیم بن معاویةؒ﴾	۱۸۳
(۵۵۰) ﴿زیاد بن عبید اللہؒ﴾	۱۸۳
(۵۵۱) ﴿عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ﴾	۱۸۴
(۵۵۲) ﴿امّ ہانیؓ﴾	۱۸۴
(۵۵۳) ﴿محمد بن ربیعہ الکلابیؒ﴾	۱۸۵
(۵۵۴) ﴿فضیل بن مرزوقؒ﴾	۱۸۵
(۵۵۵) ﴿عطیةؒ﴾	۱۸۵
(۵۵۶) ﴿عبیدة و ابراہیمؒ﴾	۱۸۵
(۵۵۷) ﴿سہم بن منجابؒ﴾	۱۸۶
(۵۵۸) ﴿قرثعؒ﴾	۱۸۶
(۵۵۹) ﴿قزعةؒ﴾	۱۸۶

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
(۵۶۰) ﴿محمد بن مسلمؒ﴾	۱۸۶	(۵۸۲) ﴿یحییٰ بن سعید الامویؒ﴾	۱۹۱
(۵۶۱) ﴿عبد الکریم الجزریؒ﴾	۱۸۶	(۵۸۳) ﴿ابو العلاء العبدیؒ﴾	۱۹۱
(۵۶۲) ﴿عبد اللہ بن السائبؒ﴾	۱۸۷	(۵۸۴) ﴿یحیی بن جعدةؒ﴾	۱۹۲
(۵۶۳) ﴿عمر بن علی المقدمیؒ﴾	۱۸۷	(۵۸۵) ﴿نوح بن قیس الحدانیؒ﴾	۱۹۲
(۵۶۴) ﴿عباس العنبریؒ﴾	۱۸۷	(۵۸۶) ﴿حسام بن مصکؒ﴾	۱۹۲
(۵۶۵) ﴿معاویة بن صالحؒ﴾	۱۸۷	(۵۸۷) ﴿مطرفؒ﴾	۱۹۲
(۵۶۶) ﴿العلاء بن الحارثؒ﴾	۱۸۸	(۵۸۸) ﴿ابیہ﴾	۱۹۲
(۵۶۷) ﴿حرام بن معاويةؒ﴾	۱۸۸	(۵۸۹) ﴿عطاء بن السائب الثقفی الکوفیؒ﴾	۱۹۳
(۵۶۸) ﴿عبد اللہ بن سعدؒ﴾	۱۸۸	(۵۹۰) ﴿ابیہ﴾	۱۹۳
(۵۶۹) ﴿اسماعیل بن جعفرؒ﴾	۱۸۸	(۵۹۱) ﴿عاصم بن عبید اللہؒ﴾	۱۹۳
(۵۷۰) ﴿منصورؒ﴾	۱۸۸	(۵۹۲) ﴿قاسم بن محمدؒ﴾	۱۹۳
(۵۷۱) ﴿سالم بن ابی الجعدؒ﴾	۱۸۹	(۵۹۳) ﴿حضرت عثمان بن مظعونؓ﴾	۱۹۴
(۵۷۲) ﴿عبدةؒ﴾	۱۸۹	(۵۹۴) ﴿ابو عامرؒ﴾	۱۹۴
(۵۷۳) ﴿محمد بن عمرو بن العطاءؒ﴾	۱۸۹	(۵۹۵) ﴿ھلال بن علیؒ﴾	۱۹۴
(۵۷۴) ﴿طلق بن غنامؒ﴾	۱۸۹	(۵۹۶) ﴿علی بن مسھرؒ﴾	۱۹۴
(۵۷۵) ﴿زر بن حبیشؒ﴾	۱۸۹	(۵۹۷) ﴿سعید بن عبد الرحمن المخزومیؒ﴾	۱۹۵
(۵۷۶) ﴿عبد اللہ بن داؤدؒ﴾	۱۹۰	(۵۹۸) ﴿عبید اللہؒ﴾	۱۹۵
(۵۷۷) ﴿ربیعة الجرشیؒ﴾	۱۹۰	(۵۹۹) ﴿سوید بن عبد العزیزؒ﴾	۱۹۵
(۵۷۸) ﴿عبد اللہ صالحؒ﴾	۱۹۰	(۶۰۰) ﴿مسلم الاعورؒ﴾	۱۹۵
(۵۷۹) ﴿عمرو بن قیسؒ﴾	۱۹۱	(۶۰۱) ﴿ابو داؤد الحفریؒ﴾	۱۹۶
(۵۸۰) ﴿عوف بن مالک الاشجعیؓ﴾	۱۹۱	(۶۰۲) ﴿لربیع بن صبیحؒ﴾	۱۹۶
(۵۸۱) ﴿یعلی بن مملکؒ﴾	۱۹۱	(۶۰۳) ﴿محمد بن عبد اللہ بن بزیعؒ﴾	۱۹۶

عنوان	صفحہ نمبر
(۲۰۴) ﴿یحیی بن ابی الهیثم﴾	۱۹۶
(۲۰۵) ﴿یوسف بن عبد الله بن سلام﴾	۱۹۶
(۲۰۶) ﴿عمرة﴾	۱۹۷
(۲۰۷) ﴿عبد الله بن یزید المقری﴾	۱۹۷
(۲۰۸) ﴿لیث بن سعد﴾	۱۹۷
(۲۰۹) ﴿خارجه بن زید﴾	۱۹۸
(۲۱۰) ﴿زیاد بن ابی زیاد﴾	۱۹۸
(۲۱۱) ﴿محمد بن کعب القرظی﴾	۱۹۸
(۲۱۲) ﴿عمرو بن العاص﴾	۱۹۸
(۲۱۳) ﴿سلم العلوی﴾	۱۹۹
(۲۱۴) ﴿ابی عبدالله الجدلی﴾	۱۹۹
(۲۱۵) ﴿فضیل بن عیاض﴾	۱۹۹
(۲۱۶) ﴿عبد الله بن عمران﴾	۲۰۰
(۲۱۷) ﴿ابراهیم بن سعد﴾	۲۰۰
(۲۱۸) ﴿عبید الله﴾	۲۰۰
(۲۱۹) ﴿هارون بن موسیٰ﴾	۲۰۰
(۲۲۰) ﴿ابی﴾	۲۰۰
(۲۲۱) ﴿هشام بن سعد﴾	۲۰۱
(۲۲۲) ﴿عبد الله بن ابی عتبة﴾	۲۰۱
(۲۲۳) ﴿موسی بن عبد الله﴾	۲۰۱
(۲۲۴) ﴿ورقاء بن عمر﴾	۲۰۱
(۲۲۵) ﴿ابی جمیلة﴾	۲۰۱
(۲۲۶) ﴿ابن ابی لیلیٰ﴾	۲۰۲
(۲۲۷) ﴿عبدالقدوس بن محمد﴾	۲۰۲
(۲۲۸) ﴿آدم بن ابی یاس﴾	۲۰۲
(۲۲۹) ﴿خالد بن عمیر﴾	۲۰۳
(۲۳۰) ﴿شویس ابو الرقاد﴾	۲۰۳
(۲۳۱) ﴿روح بن اسلم﴾	۲۰۳
(۲۳۲) ﴿مسلم بن جندب﴾	۲۰۳
(۲۳۳) ﴿روح بن عبادة﴾	۲۰۴
(۲۳۴) ﴿زکریا بن اسحق﴾	۲۰۴
(۲۳۵) ﴿عمرو بن دینار﴾	۲۰۴
(۲۳۶) ﴿عامر بن سعد﴾	۲۰۴
(۲۳۷) ﴿جریر﴾	۲۰۵
(۲۳۸) ﴿حسین بن مهدی﴾	۲۰۵
(۲۳۹) ﴿یعقوب بن ابراهیم﴾	۲۰۵
(۲۴۰) ﴿اسماعیل بن علیة﴾	۲۰۵
(۲۴۱) ﴿الحسن﴾	۲۰۶
(۲۴۲) ﴿دغفل بن حنظلة﴾	۲۰۶
(۲۴۳) ﴿حمید بن مسعدة﴾	۲۰۶
(۲۴۴) ﴿سُلیم بن اخضر﴾	۲۰۶
(۲۴۵) ﴿عبد الله ابن عون﴾	۲۰۷
(۲۴۶) ﴿ابراهیم﴾	۲۰۷
(۲۴۷) ﴿ابن الهاد﴾	۲۰۷

عنوان	صفحہ نمبر
(۲۴۸) ﴿موسیٰ بن سرجس﴾	۲۰۷
(۲۴۹) ﴿مبشر بن اسماعیل﴾	۲۰۷
(۲۵۰) ﴿العلاء بن اللجلاج﴾	۲۰۸
(۲۵۱) ﴿عبد الرحمن ابن ابی بکر﴾	۲۰۸
(۲۵۲) ﴿عباس العنبری﴾	۲۰۸
(۲۵۳) ﴿سوار بن عبد اللّٰہ﴾	۲۰۸
(۲۵۴) ﴿موسیٰ بن ابی عائشۃ الحمدانی﴾	۲۰۸
(۲۵۵) ﴿مرحوم بن عبد العزیز العطار﴾	۲۰۹
(۲۵۶) ﴿یزید بن بابنوس﴾	۲۰۹
(۲۵۷) ﴿محمد بن حاتم﴾	۲۰۹
(۲۵۸) ﴿عامر بن صالح﴾	۲۰۹
(۲۵۹) ﴿سلمۃ بن نبیط﴾	۲۰۹
(۲۶۰) ﴿نعیم بن ابی ہند﴾	۲۱۰
(۲۶۱) ﴿نبیط بن شریط﴾	۲۱۰
(۲۶۲) ﴿سالم بن عبید﴾	۲۱۰
(۲۶۳) ﴿عبد اللّٰہ بن الزبیر﴾	۲۱۱
(۲۶۴) ﴿ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ﴾	۲۱۱
(۲۶۵) ﴿عبد ربہ بن بارق الحنفی﴾	۲۱۱
(۲۶۶) ﴿جدی ابا امی سماک بن الولید﴾	۲۱۱
(۲۶۷) ﴿حسین بن محمد﴾	۲۱۱
(۲۶۸) ﴿عمرو بن الحارث﴾	۲۱۲
(۲۶۹) ﴿یحییٰ بن کثیر العنبری﴾	۲۱۲
(۲۷۰) ﴿ابی البختری﴾	۲۱۲
(۲۷۱) ﴿حسن بن علی الخلال﴾	۲۱۲
(۲۷۲) ﴿بشر بن عمر﴾	۲۱۳
(۲۷۳) ﴿مالک بن اوس بن الحدثان﴾	۲۱۳
(۲۷۴) ﴿عاصم بن بہدلۃ﴾	۲۱۳
(۲۷۵) ﴿ابی حصین﴾	۲۱۳
(۲۷۶) ﴿خلف بن خلیفۃ﴾	۲۱۴
(۲۷۷) ﴿ابی مالک الاشجعی﴾	۲۱۴
(۲۷۸) ﴿ابیہ طارق بن اشیم﴾	۲۱۴
(۲۷۹) ﴿عبد الواحد بن زیاد﴾	۲۱۴
(۲۸۰) ﴿عاصم بن کلیب﴾	۲۱۵
(۲۸۱) ﴿ابن ابی عدی﴾	۲۱۵
(۲۸۲) ﴿عوف بن ابی جمیلۃ﴾	۲۱۵
(۲۸۳) ﴿یزید الفارسی﴾	۲۱۵
(۲۸۴) ﴿ابن اخی ابن شہاب الزہری﴾	۲۱۶
(۲۸۵) ﴿معلّی بن اسد﴾	۲۱۶
(۲۸۶) ﴿عبد العزیز بن المختار﴾	۲۱۶

==================

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم اسماءِ رجال اور سند کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحابہ کرامؓ سے ہو کر چند راویوں کے واسطے سے بتدریج کسی شیخ پر منتہی ہوتی ہے، اس سلسلۂ روایت کو اس حدیث کی سند کہتے ہیں۔ کسی شیخ سے یہاں مراد وہ شیوخ حدیث ہیں جو سلسلۂ سند میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور جن کے ہاتھوں امتِ مسلمہ میں احادیثِ رسول کے مجموعوں کی جمع وتدوین کا عظیم کارنامہ صدرِ اول میں انجام پا چکا ہے۔ جیسے امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم (رحمہم اللہ) وغیرہ کتبِ حدیث کی تدوین کے بعد روایتِ حدیث کی سند کے لئے ان اکابر کو شیخ ماننا حدیث کے طالب علموں کے لئے ناگزیر ہے۔

سلسلۂ روایت میں صحابہ کرامؓ کی جو حیثیت اور مرتبہ ومقام مسلّم ہے۔ صحابہؓ بہر حال اس امت کے گلِ سرسبد ہیں۔ ان کے متعلق یہ طے ہے کہ وہ جرح وتنقید سے قطعی بالاتر ہیں اور محدثین کا یہ اصول کہ " الصحابة كلهم عدول" (تمام صحابہؓ جرح وتعدیل سے بالاتر ہے) ان کے بارے میں بالکل ٹھیک ہے اس لئے کہ صحابہؓ کا یہ منصب جو بیان ہوا ہے کہ :

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، اصحابى كالنجوم فبايّهم اقتديتم اهتديتم(مشكوة المصابيح ، باب مناقب الصحابة)

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

اس کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ان کی منسوب کردہ حدیث کے بارے میں یہ رائے رکھیں کہ وہ پوری امانت ودیانت کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور اس کے بارے میں بلا وجہ کسی شبہ میں نہ پڑیں جہاں تک سلسلۂ روایت کے باقی راویوں کا تعلق ہے وہ سب کے سب تنقید کی زد میں آتے

ہیں۔ان سب کی امانت ودیانت، علمی مرتبہ، حافظہ، دین پر عمل ہر چیز کو پرکھا جاتا ہے اور ائمہ فن کی ان کے بارے میں آراء کو جمع کیا جاتا ہے اس اہتمام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایتِ حدیث میں کوئی خرابی راہ نہ پائے۔اسی اہم ضرورت نے فنِ اسماء الرجال کی راہ ہموار کی۔

علمِ حدیث کی حفاظت کے لئے سند کا باقاعدہ اہتمام اور فنِ اسماء الرجال کی ایجاد مسلمانوں کا ایک کارنامہ ہے جس میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی جرح وتعدیل کا یہ فن مسلمانوں کا خاص فن ہے جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے اقوال واحوال کی روایت، تحریر وتدوین کا کام سرانجام دیا ان راویانِ حدیث میں صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ اور بعد کے تیسری صدی ہجری تک کے لوگ شامل ہیں۔جن کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھوں تک پہنچتی ہے۔صرف نبی ﷺ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں سے کم وبیش بارہ ہزار اشخاص کے نام اور حالات ہمیں ملتے ہیں۔ان تمام رواتِ حدیث کے حالات معلوم کرنے اور ان کے طبقات قائم کرنے میں ہزاروں اکابرینِ امت نے اپنی عمریں کھپادیں وہ قریہ بہ قریہ پہنچے راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات مہیا کیں اور جو لوگ خود ان کے عہد میں بقیدِ حیات نہیں تھے ان کے ملنے والوں سے یا ان کے توسط سے ان سے اوپر کے لوگوں سے ان کے حالات دریافت کیے اور جس حد تک انسانی امکان میں ہوسکتا تھا ان حاصل شدہ معلومات کی چھان پھٹک کی۔اس طرح سے وہ عظیم الشان اور فقید المثال فن معرضِ وجود میں آیا جسے فنِ اسماء الرجال کہا جاتا ہے اس کے تحت اصحابِ روایت حدیث وآثار کے اسماء، القاب ،سوانح، سیرت وامانت ودیانت کا حال قلم بند کیا گیا ائمہ محدثین کی ان کے بارے میں رائیں جمع کی گئیں۔ان کی جرح وتعدیل کی گئی اور ان کے طبقات کی تعیین کی گئی گویا جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت کے ساتھ کوئی بات کہنے کی جرات کی اس کی ساری زندگی نہایت بے لاگ اور بے رحم نقادوں کا ہدف بن گئی۔اور آخرت سے پہلے اس کو سارا حساب اسی دنیا میں دینا پڑ گیا۔

اس فن میں اگر کوئی قوم مسلمانوں کی حریف ہوسکتی تھی تو وہ اہل کتاب ہوسکتے تھے لیکن ان کا

حال یہ ہے کہ اس طرح کا انتظام اپنے نبیوں کے اقوال کی حفاظت کے لئے تو درکنار انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں تک کے لئے نہیں کیا وہ اس میدان میں نہایت ہی ہیچ نکلے۔ ان کی مذہبی کتابوں کی تو وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو ہمارے ہاں ہماری تاریخ کی کتابوں کی ہے۔ ہمارے ہاں تاریخ کی بھی روایت ملے گی تو اس کی سند موجود ہوگی۔ اور اس کے لئے کوئی معیار بہر حال مطلوب ہوگا۔ لیکن ان کے ہاں ان کی سب سے بڑی کتاب، کتابِ مقدس کے لئے بھی یہ اہتمام نہیں ملتا اسی طرح انجیلیں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض حواریوں جیسے لوقا، یوحنا، مرقس وغیرہ سے منسوب تو ہیں لیکن ان کے اولین راویوں تک کے اپنے حالات کسی کو معلوم نہیں۔ انجیلوں کی روایت حواریوں سے کس کس نے کی اس کا تو سرے سے تذکرہ ہی نہیں ملتا۔ جن قوموں نے اپنے آسمانی صحیفوں کی حفاظت میں کمزوری دکھائی وہ اپنے رسولوں کے اقوال کی حفاظت کا بھلا کیا اہتمام کرتیں۔ یہاں یہ نکتہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے کہ اس زمانہ میں حدیث کے طالب علموں کو جملہ رواۃ حدیث کے بارے میں جرح وتعدیل کے لئے بہر حال سلف کی تحقیقات پر ہی قناعت کرنی پڑے گی اور مجرد ان ہی کی تحقیقات کی کسوٹی پر کسی سند کے راویوں کا درجہ متعین کیا جائے گا۔ چنانچہ اب کسی حدیث کی سند کو متقدمین کی فراہم کردہ انہی معلومات کی روشنی میں جانچا پرکھا جائے گا۔ اس لئے کہ ذرائع تحقیق مرورِ زمانہ سے اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اس میں ہمارے ان اکابرین فن نے تحقیق کی معراج کی بلندیوں کو چھوا ہے۔ اور انسانی امکان کی حد تک اس فن کی خدمت کی ہے۔

سند کو کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلہ میں ایک اہم بلکہ اولین عامل کی حیثیت حاصل ہے ظاہر ہے کہ کسی حدیث کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے اس کی سند پر نظر پڑے گی۔ اور اس کے متن پر غور کرنے سے پہلے اس کی جانچ کرنا پڑے گی۔ اس جائزے کی روشنی میں اس روایت کا درجہ متعین کیا جائے گا۔ سند کی اس اہمیت سے انکار کی کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن حدیث کے بعض غالی حامیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے مجرد اس کی سند کا علم اصول

کے معیار پر پورا ہونا کافی ہے یعنی ان کے نزدیک صحت حدیث کے لئے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کن امر ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ غلو پر مبنی اور محض حسنِ ظن ہے یہ سلف کی ساری تحقیقات جن کا ہم نے اوپر اجمالی خاکہ پیش کیا، کو گہنا دیتا ہے اس لئے اس مسئلے پر ہم ذرا تفصیلی بحث کریں گے۔ سند کے تمام محاسن لطائف عظمت اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں بعض ایسے فطری خلا رہ جاتے ہیں جن کی تلافی کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے سند کے سوا بعض دوسرے طریقے بھی اختیار کیے جائیں۔ مجرد سند پر اعتبار کر کے کسی روایت کی صحت اور حسن وقبحہ۔ کے متعلق پوری طرح سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا اس کو مثال سے آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہمیں کسی درخت کی تحقیق مقصود ہو تو محض اس کی جڑ کی کیفیت کا مطالعہ کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ جڑ کے علاوہ اس کے تنے ٹہنیوں پتوں اور پھل پھول وغیرہ کا بھی مکمل جائزہ لینا پڑے گا تب کہیں جا کر اس درخت کے متعلق ہم جامع اور حتمی رائے قائم کر سکیں گے۔

سند کی تحقیق میں جو خلا باقی رہ جاتے ہیں وہ معمولی غور وتدبر سے سمجھ میں آجاتے ہیں مثلاً پہلا خلا اس میں یہ ہے کہ اپنے تعلق وعلاقہ سے بعید ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمیوں کے عقیدہ وکردار ان کے علم وعمل اور ان کے تعلقات ومعاملات کی ایسی تحقیق کہ ان کے متعلق یہ طے کیا جا سکے کہ علم رسول کے حمل ونقل کے باب میں ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کوئی آسان کام نہیں ہے بے شک محدثین نے اس میدان میں بڑی جاں فشانیاں کی ہیں۔ لیکن یہ کام ہے بہت مشکل ۔اس نوعیت کی تحقیق اگر ہم اپنے گاؤں یا قصبہ یا شہر کے لوگوں کے بارے میں کرنا چاہیں تو چنداں آسان نہیں۔ چہ جائے کہ ہزاروں میل دور کے لوگوں کے بارے میں جو مختلف ادوار میں پھیلے ہوئے ہوں اس قسم کی تحقیق کے بارے میں محتاط رائے یہ ہو سکتی ہے کہ فی الجملہ ہمیں ان لوگوں کے کوائف معلوم ہیں اور اب ان کے شخصیات مجہول نہیں رہی۔ ان کے بارے میں کسی رائے کو حتمی یا قطعی کہنا مشکل اور غالباً اپنی معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے آدمی کے کردار واخلاق کے معاملہ میں قابل اطمینان رائے

اسی صورت میں قائم کی جاسکتی ہے جب معاملات میں اس سے عملاً سابقہ پڑا ہو۔
حضرت عمرؓ جیسے صاحبِ علم وفراست کی رائے یہی ہے ان کی نسبت مشہور ہے کہ ایک صاحب نے ان کے سامنے کسی دوسرے شخص کی تعریف کی تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا اس کے ساتھ کبھی پڑوس رہا ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تب انہوں نے پوچھا کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی تجارتی سفر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تب تمہیں اس کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرے اس کے ساتھ کسی کاروبار یا تجارت میں شریک نہ رہا ہو۔ اس کے ساتھ سفر نہ کیا ہو اس کا پڑوس نہ رہا ہو مسجد میں ایک دوسرے سے میل ملاپ نہ رہا ہو دیگر دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون نہ رہا ہو۔ ربط ضبط کا ماحول نہ رہا ہو۔ تو اس کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ رائے نہیں قائم کی جاسکتی ان حالات میں بعض اوقات ایک ذہین وفطین آدمی بھی دھوکہ کھا سکتا ہے۔

سند کی تحقیق میں دوسرا خلا جرح وتعدیل کے کام کی نزاکت سے پیدا ہوتا ہے ہر محقق یہ نہیں جانتا کہ جرح کس چیز پر ہونی چاہئے یعنی یہ جاننا کہ کیا باتیں جرح کے حکم میں داخل ہیں اور کیا باتیں تعدیل کے مقتضیات میں سے ہیں ہر شخص کا کام نہیں ہے کردار کی اساسات کیا ہیں؟ بدکرداری کی بنیادیں کیا ہیں؟ یہ چیزیں اتنی آسان نہیں کہ ہر خاص وعام اس کا کما حقہ ادراک کر سکے۔ اس بے خبری کی مثالیں ماضی میں رہی ہیں اور خود مشائخ نے ان کا تذکرہ کیا ہے موجودہ دور کے غلوئے عقیدت ونفرت سے اس مشکل کا ایک سرسری اندازہ کیا جاسکتا ہے جرح وتعدیل کا کام فقاہت، بصیرت، تجربے اور معقولیت کا متقاضی ہے انسان ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں فرشتے نہیں رہے ہیں فن اسماء الرجال کے ماہرین کا معیارِ اخلاق بصیرت وبصارت۔ بے شک ہم سے اونچا رہا ہے لیکن وہ بہرحال آدمی ہی تھے رواۃِ حدیث کے متعلق ان کی فراہم کردہ معلومات اور ان پر مبنی آراء عام انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ سے پاک نہیں ہوسکتیں۔ جو حق یا مخالف دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے

جرح وتعدیل کے فن کے مقتضیات میں سے ہے کہ کسی کے متعلق معلومات فراہم کرنے والا شخص جچا تلا آدمی ہونا چاہیے۔ اور اس سے زیادہ جچا تلا، متوازن اور زیرک اس کو ہونا چاہئے جو جرح وتعدیل کرتا ہے ہمارے نزدیک جرح وتعدیل کے کام کی مشکلات کالحاظ کرتے ہوئے محتاط طرزِ عمل یہ ہے کہ سلسلہ روایت یعنی سند کے راویوں کے متعلق اس فن کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں فی الجملہ ایک رائے قائم کی جائے لیکن اس رائے کو قطعیت کا یہ رنگ نہیں دیا جاسکتا کہ کسی حدیث کی صحت کا معیار اسی رائے کو ٹھہرالیا جائے۔

سند کی تحقیق میں تیسرا خلا یہ ہے کہ ہمارے آئمہ نے اہلِ بدعت خصوصاً شیعہ اور روافض سے روایات لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے۔ یہ لوگ دوسرے معاملات میں تو بڑے بیدار ثابت ہوئے لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں انہوں نے واقعی چشم پوشی سے کام لیا امام مالکؒ سے متعلق تو بے شک اس معاملے میں احتیاط منقول ہے لیکن دوسرے حضرات اہل بدعت سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں خیال کرتے تھے بس اتنی احتیاط فرماتے تھے کہ ان کے خیال میں وہ اپنی بدعت کا باقاعدہ داعی نہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک محض مبتدع سے روایات لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ از روئے قرآن، از روئے حدیث اور حدیث کے مجموعی مزاج کے تقاضے کے لحاظ سے مجرد اہلِ بدعت کے گروہ سے ہونا ضعف کے لئے کافی ہے اگرچہ راوی اپنی بدعت کا داعی نہ رہا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعیت، رفض، باطنیت اور اس قبیل کے دوسرے مذاہب اصل دین سے انحراف پر قائم ہیں اپنے مذھب کو ثابت کرنے کی خاطر جب تک یہ اصل دین میں جھوٹ نہ بولیں تو اپنا گروہی فریضہ نہیں ادا کرتے۔ انہیں اپنی بدعت کے حق میں دلیل فراہم کرنے کے لئے روایات کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے لئے روایات میں خیانت کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان کے مذاہب بہر حال بدعت ہی کے اوپر قائم ہے کسی ماثور حقیقت کے اوپر قائم نہیں سوادِ امت سے ان فرقوں کا اختلاف کسی ایک آدھ آیت یا چند حدیثوں کی توجیہ میں نہیں ہے بلکہ بیشتر دین کے مآخذ میں

اختلاف ہے جس سے ان کا مذہب بالکل الگ ہو گیا ہے اب اگر کسی کو ان فرقوں کے ساتھ صلح کل کے فلسفے کو نبھانا اور بھائی چارہ اور دوستی قائم کرنا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے لیکن دین کے معاملے میں اس باطل فلسفے کو راہ نہیں دی جا سکتی ہمارے نزدیک اہلِ بدعت کی روایات قبول کرنے کی یہ گنجائش فتنوں کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور ماضی میں اس کا باعث بنی ہے مجرد کسی کا مبتدع ہونا اس کے ساقط الروایۃ ہونے کے لئے کافی ہے اور ان فرقوں میں سے کسی کی روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیے خواہ وہ قسم کھا کے روایت کرے کہ میں سچ ہی روایت کروں گا ہمارے نزدیک یہی صحیح مسلک ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہے۔

سند کی تحقیق میں چوتھا خلا یہ ہے کہ ہمارے اکابر حدیث نے حلال وحرام کے متعلق حدیثیں قبول کرنے میں فی الجملہ احتیاط برتی ہے لیکن ترغیب وترہیب اور فضائل وغیرہ کی روایات میں انہوں نے عمداً تساہل برتا ہے **الکفایۃ فی علم الروایۃ** میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل ہوا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں۔ **اذا روینا عن رسول اللہ ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والاحکام تشددنا فی الاسانید واذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الاعمال ومالا یضح حکماً ولا یرفعہ تساھلنا فی الاسانید** (جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال وحرام اور سنن واحکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو سند کے معاملے میں پوری احتیاط برتتے ہیں لیکن اگر معاملہ فضائلِ اعمال وغیرہ کا ہو جس سے نہ کوئی حکم قائم ہوتا ہو، نہ کوئی حکم منسوخ ہوتا ہو تو اس کی سند میں ہم تساہل برتتے ہیں) (**الکفایۃ فی علم الروایۃ باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوّز فی فضائل الاعمال ص ۱۳۴**) گویا محدثین نے سند کی صحت کو صرف ان روایات کی ضمن میں درخور اعتناء سمجھا جن میں کسی نوعیت کے احکام تھے ترغیب وترہیب کی کمزور روایت کو مفید سمجھا گیا کہ ان کے باعث لوگ نیکی کی طرف رجوع کریں۔ فضائل کی روایات سے بھی نیکی کے عمل کو مہمیز ملتی تھی اس لئے ان کو سند کے ضعف کے باوجود کتابوں میں جگہ دیدی گئی۔ تذکرہ راویان شمائل ترمذی میں عربی عبارات کے ترجمہ پر اس لئے بھی کم توجہ دی گئی کہ یہ علماء اور اربابِ فن ہی کے لئے ہے عام اردو خوان طبقہ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی

(۱) ﴿ قتیبةؒ ﴾

آپ کا نام علی' لقب قتیبہ' کنیت ابو رجاء' والد کا نام سعید اور دادا کا نام عبداللہ ثقفی تھا۔ بلخ کے ایک گاؤں بغلان کے رہنے والے تھے' سن پیدائش ۱۴۸ھ اور سن وفات ۲۴۰ ھ ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ثقة ثبت من مشائخ البخاری ومسلم .رحل الی العراق والمدینة ومکة والشام ومصر وسمع مالک بن انس وخلقاً کثیراً من الاعلام روی عنه البخاری والترمذی وخلق کثیر من الأئمة (جمع ۱۱) ابن ماجہ کے سوا باقی تقریباً تمام ائمہ نے آپ سے حدیث کا علم اخذ کیا وکان ماموناً حافظاً عالماً صاحب سنن (مناوی ص ۱۱)

(۲) ﴿ مالک بن انسؒ ﴾

یہ معروف فقہی دبستان کے بانی حضرت امام مالک بن انسؒ ہیں وھو من کبار اتباع التابعین ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا (الاکمال فی اسماء الرجال) نوسو علماء ومشاہیر اہل علم سے حدیث حاصل کی بلغ مشائخه تسع مائة (جمع ۱۲)

وقال البخاری اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر فاذا قال الشافعیؒ حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر کانت سلسلة الذهب کما قال شیخنا (م ۷) امام مالکؒ نے ایک ہزار

حدیث اپنے ہاتھ سے لکھی امام شافعیؒ فرماتے ہیں ماتحت السماء اصح من مؤطا تاہم محدثین کے نزدیک ان کا یہ ارشاد صحیحین کے وجود سے پہلے کا ہوگا کیونکہ صحیحین کا درجہ سب پر فائق ہے۔

(۳) ﴿ ربیعہؒ ﴾

ربیعہ لقب' ابوعثمان القرشی المدنی کنیت اور فرّوخ نام ہے حافظ فقیہ ثبت مجتهد بصیر الرای (مناوی ۱۲) مدینہ منورہ کے فقہاء میں سے ایک فقیہ تھے وقال مالک ذهبت حلاوة الفقه بموته (مناوی ۱۲)

(۴) ﴿ انس بن مالکؓ ﴾

ابن نضر خزرجی انصاری تھے حضور اقدس ﷺ کے خادم خاص تھے دس سال تک آنحضرت کی خدمت کا شرف حاصل کیا آپ سے دو ہزار چھ سو چھتیس احادیث مروی ہیں آپؐ نے حضرت انسؓ کے مال و اولاد اور عمر میں برکت کی خصوصیت سے دعا فرمائی تھی ان کی زمین سال میں دو دفعہ فصل دیتی تھی۔ سو برس سے زائد عمر پائی' صحابہؓ میں سب سے آخر میں ۹۳ھ میں وفات پائی وهو آخر صحابی مات بالبصرة (مناوی ص ۱۲)

(۵) ﴿ حُمیدؒ ﴾

حامد کی تصغیر ہے سوائے امام بخاریؒ کے بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ۲۴۴ھ میں ان کا انتقال ہوا (مناوی ص ۱۶) امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں لفظ بصری' حرف با کے فتح کسرہ اور ضمہ تینوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تاہم بالکسر قلیل بلکہ اقل ہے (جمع ص ۱۶)

(۶) ﴿ عبدالوہابؒ ﴾

دوسرے راوی ہیں ابومحمد ان کی کنیت ہے بصرہ کے اشراف میں سے ہیں' ثقہ اور جلیل ہیں ۔ وفات سے تین برس قبل ضعف دماغ ہوگیا تھا ۱۰۸ھ ان کا سن پیدائش ہے اور ۱۹۴ھ میں وفات ہوئی ۔امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن راہویہؒ جیسے اساطین علم نے ان سے روایت کی ہے آپ

عرب کے مشہور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں (مناوی ص ۱۶)

(۷) ﴿ حمید الطّویلؒ ﴾

یعنی ابوعبید الخزاعی البصری ہیں ان کو حمید الطّویل کہتے ہیں چونکہ ان کا ہمسایہ حمید القصیر تھا اس لئے دونوں میں امتیاز کے لئے ان کو حمید الطّویل کہا گیا انما قیل له الطویل لقصره و لطول یده او لکون جاره طویلاً (جمع ۱۶) طولِ ید میں طوالت کی بات بھی عجیب ہے جب وہ میت کے پاس آتے تو ان کا ایک ہاتھ میت کے سر پر ہوتا تو دوسرا ہاتھ پاؤں پر ہوتا تھا (مناوی ص ۱۶)

ان کے نام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے شارحین حدیث نے ان کے کئی نام ذکر کیے ہیں جن میں تیرویہ. داذویہ. طرخان. مھران. عبداللہ. عبدالرحمن. مخلد وغیرہ مشہور ہیں (مناوی ص ۱۶)

علماء کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے' ثقہ ہیں' حجت ہیں' تابعین میں سے ہیں الشیخ عبدالرؤف مناویؒ فرماتے ہیں ومن ترکه فانما ترکه لدخوله فی عمل السلطان (مناوی ص ۱۶) وعابه زائدة لدخوله فی شئی من امر الامراء وهو من صغار التابعین (جمع ص ۱۶) ۱۴۲ھ یا ۱۴۳ھ نماز پڑھتے ہوئے ان کا انتقال ہوا مات وهو قائم یصلی (مناوی ص ۱۶)

(۸) ﴿ محمد بن بشار عبدیؒ ﴾

امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں' کنیت ابوبکر ہے بندار سے معروف ہیں' بندار کا عربی میں معنٰی سوق العلم ہوتا ہے مشہور و معروف محدّث بلکہ اصحابِ صحاح ستہ کے استاذ ہیں وهو من کبار الآخذین عن تبع التابعین (جمع ۱۸) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں هو شیخ الائمة الستة (مناوی ص ۱۸) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کتبت عنه خمسین الف حدیث (مناوی ۱۸) مشاہیر ثقات میں ہیں علماء نے ان کے ثقہ ہونے پر اتفاق کیا ہے العبدی کی نسبت قبیلہ عبد قیس کی وجہ سے ہے رجب ۲۵۲ھ میں انتقال ہوا

(۹) ﴿ محمد بن جعفرؒ ﴾

نام ہے ابوعبداللہ کنیت ہے البصری الھذلی ہیں غندر سے مشہور ہیں حضرت ابن جریجؒ کی مجلس درس

میں بہت سوال کرتے تھے ایک روز انہوں نے آپ سے فرمایا ماترید یا غندر پس اسی روز سے اسی نام سے مشہور ہو گئے (مناوی ۱۸)

بڑے عابد زاہد ثقہ متدین اور عبادت گزار تھے ان کے حالات میں لکھا ہے ایک دن افطار ہوتا تھا اور ایک دن روزے سے ہوتے تھے یفطر یوماً ویصوم یوماً (مناوی ۱۸) ائمہ ستہ نے صحاح میں آپ سے تخریج کی ہے ستر برس کی عمر میں ۱۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۰) ﴿ شعبہؒ ﴾

ابن حجاج، امام ثوریؒ نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث قرار دیا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان اماماً من ائمة الدین ورکناً من ارکان الدین وهو من کبار اتباع التابعین (جمع ۱۹) امام شافعیؒ فرماتے ہیں لولا شعبة ماعرف الحدیث بالعراق امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے لم یکن فی زمن شعبة مثله ۱۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱۱) ﴿ ابو اسحٰقؒ ﴾

میرک شاہؒ فرماتے ہیں آپ کا نام عمرو بن عبدالله السبیعی الهمدانی الکوفی ہے مشہور تابعی ہیں کثیر الروایت ہیں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بڑے زاہد عابد صائم الدھر اور قائم اللیل تھے بار ہا جہاد میں شریک ہوئے۔

شیخ عابد غزا مرات کان صوّاماً قوّاماً (مناوی ص ۱۹) حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ سے سماع کیا اعمشؒ، شعبہؒ اور ثوریؒ نے آپ سے روایت کی ہے ۱۲۷ھ یا ۱۲۹ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۱۹)

(۱۲) ﴿ البراء بن عازبؓ ﴾

ابو عمارہ کنیت ہے الانصاری الاوسی ہیں مشاہیر صحابہ کرامؓ سے ہیں جنگ خندق میں موجود تھے ۷۲ھ میں مصعب بن زبیرؓ کے دور میں کوفہ میں انتقال ہوا (مناوی، جمع ۱۹)

(۱۳) محمود بن غیلانؒ

امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں کنیت ابو احمد المروزی ہے بڑے اکابر اور تابعین نے ان سے حدیث اخذ کی ہے شیخینؒ اور ,,صاحبِ المصنف،، نے بھی ان سے تخریج کی ہے ثقة حافظ خرج له الشیخان والمصنف (مناوی ص ۱۴) رمضان المبارک ۲۳۹ھ میں انتقال ہوا (مناوی ص ۲۲)

(۱۴) وکیعؒ

وکیع ابن الجراح نام، کنیت ابوسفیان الکوفی، ثقہ حافظ اور عابد تھے اکابرین طبقہ سابعہ میں سے ایک ہیں من کبار الطبقة السابعة ثقة حافظ عابد (جمع ۲۲) نیشاپور کے ایک قریہ کے رہنے والے ہیں امام الجرح والتعدیل تھے، وکیعؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث بھی پڑھی ہے اکثر ائمہ کے استاذ تھے ہمیشہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے وکان یفتی بقول ابی حنیفةؒ وکان قد سمع منه شیئاً کثیراً (جمع ۲۳) بغداد آئے تو وہاں حدیث بیان کرتے رہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں مارایت اوعی للعلم منه ولا احفظ اور حماد بن زیدؒ نے کہا ہے لوشئت لقلت انه ارجح من سفیان (مناوی ۲۳) عاشورا کے روز ۱۹۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۵) سفیان ثوریؒ

نام سفیان بن سعید ثوری، کنیت ابوعبداللہ ہے ۹۶ھ یا ۹۷ھ یا ۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ میں انتقال ہوا، صاحب الاکمال نے لکھا ہے کہ سفیان الثوری امام المسلمین اور اللہ کی مخلوق پر حجة ہیں والیه المنتهیٰ فی علم الحدیث تمام لوگوں نے آپ کے دین، زہد، ورع اور ثقہ ہونے پر اجماع کیا ہے کان اماماً عالماً ثبتاً حجةً زاهداً ورعاً مجمعاً علیٰ صحةِ حدیثه وروایته (جمع ۲۳) اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے فرماتے ہیں" احد اقطاب المسلمین اور احد الائمة المجتهدین "خلق کثیر نے آپ سے سماع کیا عمرؒ، اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، مالکؒ، شعبہؒ، ابن عیینہؒ، فضیل بن عیاضؒ اور بہت لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ۱۶۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہمعصر تھے

آپ سے دس سال بعد وفات پائی، ابتداء میں امام ابوحنیفہؒ سے مخالفت تھی مگر جب ابوحنیفہؒ کے طریقِ علم، مسلک اور علمی وفقہی عظمت کا علم ہوا، تو آپ کے مداح بن گئے ان کا اجتہاد بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔

خود امام ترمذیؒ بھی آپ کی عظمت کے قائل ہیں بلکہ آپ کے اجتہاد کو ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے ساتھ ساتھ لاتے ہیں جگہ جگہ کہتے ہیں قال ثوری واھل کوفة۔

سفیان ثوریؒ مقبولین الٰہی اور مستجاب الدعوات لوگوں میں سے تھے ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر خلیفہ ابوجعفر ان پر ناراض ہوگیا اور وہ سفرِ مکہ میں تھا جب ناراضگی اور کدورت بڑھی تو اس نے حکم دیا بلکہ آدمی بھیجے کہ میرے مکة المکرمہ پہنچنے سے پہلے پہلے دو لکڑیاں کھڑی کردی جائیں تاکہ ان پر میرے سامنے امام ثوریؒ کو سولی پر لٹکایا جاسکے اس وقت سفیان بن عیینہ بھی مکہ مکرمہ میں موجود تھے بلکہ وہ سفیان (الثوری) کان مضطجعاً وراسه فی حجر فضیل بن عیاض ورجله فی حجر ابن عیینة (جمع ۲۳) لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ خلیفہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا فیصلہ کیا ہے یاابا عبداللہ اختفِ ولا تشمت بنا اعداء نا فقام ودخل المسجد وتعلق باستار الکعبة وقال انا برئی منها ان دخل ابو جعفر مکة (جمع ص ۲۳)

خدا کی قدرت کہ ابوجعفر مکے میں داخل ہی نہ ہوسکا فمات ابو جعفر قبل ان یدخل مکة (جمع ۲۳) اور اس طرح امام ثوریؒ سے یہ مصیبت ٹل گئی۔

(۱۶) ﴿ محمد بن اسماعیلؒ ﴾

یہ معروف محدّث صاحبِ صحیح امام بخاریؒ ہیں نام محمد، کنیت ابوعبداللہ ہے آپ کو الجعفی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے جدِ اعلیٰ مغیرہ (جو مجوسی تھے) یمان البخاری کے ہاتھ پر ایمان لائے یمان البخاری جعفی تھے۔ جعفی یمن میں ایک قبیلہ ہے جو جعفی بن سعد کے ساتھ منسوب ہے ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے ۲۵۶ھ میں قریہ خرتنگ میں وفات پائی۔ دس سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھے اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں صاحب تصنیف ہوئے "قضایا الصحابة والتابعین" آپ کی پہلی تصنیف ہے پھر صحیح البخاری تصنیف

فرمائی جس نے کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب کا مقام پایا ادب المفرد، التاریخ الاوسط والصغیر ،جامع الکبیر ،مسند الکبیر وغیرہ کتب بھی آپ کی تصنیف ہیں محمد بن اسحاق ؒ فرماتے ہیں ۔

ما رایت تحت ادیم ھذہ السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل البخاری ؒ ،امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں مااخرجت خراسان مثل محمد بن اسماعیل ۔روی الحاکم ابوعبداللہ فی تاریخ نیسابور باسنادہ عن احمد بن حمدون قال جاء مسلم بن الحجاج الی البخاری فقبّل بین عینیہ وقال دعنی اقبّل رجلیک یا استاذ الاستاذ ین ویا سید المحدثین و یاطبیب الحدیث فی عللہ (مقدمہ صحیح البخاری ۳) محدثین آپ کو امیر المومنین فی الحدیث اورناصر الحدیث النبویۃ کے القاب سے یادکرتے ہیں آپ نے صحیح البخاری تیس پاروں میں ترتیب دی چھ لاکھ احادیث صحیحہ سے سات ہزار دوسو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث کا انتخاب فرمایا اگر مکررات کو حذف کردیا جائے تو باقی چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں ۔علماء نے لکھا ہے کہ نوّے ہزار علماء نے بخاری شریف کی سند بلا واسطہ آپ سے حاصل کی ہے۔ شیخ ابراھیم البیجوری ؒ فرماتے ہیں البخاری جبل الحفظ وامام الدنیا عمی فی صباء فابصر بدعاء امہ (م ۱۵ و مناوی ۲۴)

عبدالواحد بن آدم طراوسی ؒ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ مع جماعتِ صحابہ ؓ کے کھڑے انتظار کررہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلام عرض کیا آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ یہاں کیسے تشریف لائے ارشادفرمایاانتظر محمد ابن اسماعیل البخاری بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہی وقت اور تاریخ امام بخاری ؒ کے وصال کی تھی امام بخاری ؒ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے برابر لکھ سکتے تھے ملا علی قاری ؒ فرماتے ہیں کان یکتب بالیمین والیسار و روی عنہ انہ قال احفظ مائۃ الف حدیث صحیح ومائتی الف حدیث غیر صحیح (جمع ص ۲۴)

(۱۷) ﴿ ابونعیم ؒ ﴾

نام الفضل بن دکین اورکنیت ابونعیم ہے امام بخاری ؒ کے اکابر شیوخ سے ہیں من کبار شیوخ

البخاری (جمع ۲۴) ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۹ھ میں انتقال فرمایا ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے ذکر الرافعی فی کتاب التدوین انه رمی بالتشیّع قیل و کان مزاحاً ذادعابة مع فقهه و دینه و کان فی غایة الاتقان و الحفظ و هو حجة(جمع ص ۲۴)

(۱۸) ﴿المسعودیؒ﴾

ان کا پورا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عقبہ بن عبداللہ بن مسعود ہے المسعودی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی کی طرف نسبت ہے ابن مسعر نے کہا ما اعلم احدا اعلم بعلم ابن مسعود منه (مناوی ص ۲۴) ۱۷۰ھ میں انتقال ہوا۔ موت سے قبل پریشان خیال ہو گئے تھے قال العصام صدوق اختلط قبل موته (جمع ۲۴) جن لوگوں نے آپ سے سماع اور روایت کی ہے وہ زمانہ پریشان خیالی سے قبل کا تھا اسلئے امام نسائیؒ فرماتے ہیں لاباس به و هو من کبار اتباع التابعین (جمع ص ۲۴)

(۱۹) ﴿عثمان بن مسلمؒ﴾

ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں وعثمان هذا فیه لین اخرج حدیثه الترمذی و النسائی فی مسند علی له (جمع ص ۲۴) امام مناویؒ لکھتے ہیں قال النسائی عثمان هذا لیس بذاک (مناوی ص ۲۴)

(۲۰) ﴿نافع بن جبیر بن مطعمؒ﴾

یہ نام ہے القرشی البخاری ہیں جلیل القدر تابعی ہیں حضرت علیؓ سے سماع کیا ہے اور اپنے والد سے بھی، حضرت ابوھریرہؓ اور دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ سے روایت کرتے ہیں و هو تابعی جلیل سمع علیا و علة من الاصحاب و ابوه من کبار الصحابة (جمع ۲۴) امام زہریؒ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں ۹۹ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۲۴) ان کے والد جبیر بن مطعمؓ اکابر صحابہ میں سے تھے۔

(۲۱) ﴿علی بن ابی طالبؓ﴾

امیر المومنین اور خلیفہ راشد و رابع ہیں ان کے تذکرہ سے پہلے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ راویان

حدیث میں علی نام کے نو(۹) راوی ہیں اسلئے بعض شارحینِ حدیث نے کہا کہ یہاں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین کہنا چاہئے تھا تا کہ التباس نہ ہوتا تاہم علماء محققین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اولاً تو طبقہ صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؓ کے نام کا اور کوئی نہیں ہے دوسرے حضراتِ محدثین کی اصطلاح میں جب آخر سند میں مطلق علی لایا جائے گا تو اس سے امیر المومنین مراد ہوں گے جیسے جب مطلقاً عبداللہ بولا جائے تو مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں اور جب روایت میں علی بن ابی طالب کی تصریح ہے تو پھر کیا اشتباہ رہا کہ ان توجیہات کی ضرورت پڑے۔ حضرت علیؓ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے صاحبِ اکمال لکھتے ہیں وھو اول من اسلم من الذکور فی اکثر الاقوال (الاکمال فی اسماء الرجال) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے پندرہ برس (۱۵) بعض کے نزدیک سولہ برس (۱۶) اور بعض حضرات کے ہاں دس برس (۱۰) کی عمر میں اسلام قبول کیا خوش نصیب اتنے کہ حضور اقدس ﷺ کی گود مبارک میں پرورش پائی' سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔غزوہ تبوک میں حضور اقدس ﷺ نے جب آپ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ منورہ میں ٹھہرایا تو ارشاد فرمایا انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ۔ آپ عالم علوم نبوت' فقیہ اور عالم حکمت الٰہی تھے علم لدنّی ملا تھا اور امام الاولیاء تھے۔ لاعطین الرایة هذا رجلاً یحبه اللہ ورسوله ویحب اللہ ورسوله چنانچہ یہ علم دوسرے روز حضرت علیؓ کو عطا فرمایا گیا عشرہ مبشرہ سے ہیں ۱۸ رمضان المبارک ۴۰ھ میں عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی خارجی نے جامع کوفہ میں محراب کے اندر آپ پر خنجر سے وار کیا شدید زخمی ہوئے اور تین روز بعد ۲۱ رمضان المبارک کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

(۲۲) ﴿سفیانؒ﴾

وکیع باپ کا نام' کنیت ابومحمد الرواسی الکوفی' اپنے باپ اور مطلب بن زیاد سے روایت کرتے ہیں بعض حضرات نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے ۲۴۷ھ میں انتقال ہوا کان من المکثرین فی الحدیث (المواھب ۱۶) قال الذهبی ضعیف وقال غیره صدوق (مناوی ۲۷) اگر ضعف کو تسلیم کرلیا جائے تو امام ترمذیؒ اس کو بطور متابع کے لائے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲۳) ﴿احمد الضبیؒ﴾

نام ہے والد کا نام عبدة (کطلحة) ہے بصرہ سے نسبت ہے بنی ضبة قبیلہ سے تعلق ہے امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں ثقہ راوی ہیں حجة ہیں چونکہ اس نام کے دو راوی ہیں لہذا دونوں میں تمیز کرنے کے لئے ایک کے ساتھ الضبی البصری اور دوسرے کے ساتھ الایلی لکھتے ہیں ۲۴۵ھ میں انتقال ہوا کسی قدر ناصبیت کی طرف مائل تھے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں رمی بالنصب یعنی بکونه من الخوارج (جمع ۲۸)

(۲۴) ﴿علی بن حجرؒ﴾

ابوالحسن کنیت ہے مامون ہیں حافظ اور ثقہ ہیں امام بخاریؒ، مسلمؒ اور نسائیؒ نے ان سے تخریج کی ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں احد ائمة الحدیث سمع کثیر امن ائمة الحدیث (جمع ص ۲۸) ۲۴۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۲۵) ﴿ابو جعفر محمد بن الحسینؒ﴾

مقبول راوی ہیں سوائے مصنف کے کسی اور نے ان سے تخریج نہیں کی ہے مقبول لکن لم یخرج له الا المصنف (مناری ۲۸) کسی عارضے میں مبتلا ہو گئے تھے مگر ان پر ضعیف کا حکم نہیں لگا ان کا تعلق ابن ابی حلیمہ کے خاندان سے ہے وھو ابن ابی حلیمة خلاصہ یہ کہ مذکورہ تینوں راویانِ حدیث احمد الضبیؒ، علی بن حجرؒ، اور ابو جعفرؒ، امام ترمذیؒ کے اساتذہ ہیں ان تینوں حضرات نے جو روایت بیان کی ہے والمعنیٰ واحد اس کا معنیٰ اور مفہوم یکساں ہے الامام المحدث شیخ عبدالرؤف المناویؒ والمعنیٰ واحد کی توضیح میں لکھتے ہیں۔ ای حدثوا بعبارات مختلفة حال کون المعنیٰ فی عباراتهم واحد اوبعبارات مختلفة حال کونها بحسب المعنیٰ واحد (مناوی ۲۹)

(۲۶) ﴿عیسیٰ بن یونسؒ﴾

قالوا حدثنا عیسیٰ بن یونس اس روایت کو بھی حضرت علیؓ نے نقل کیا ہے مگر اس کی سند پہلی روایت کی

سند سے مختلف ہے مذکورہ تینوں راوی اپنے استاذ عیسیٰ بن یونسؒ سے روایت کرتے ہیں یہ السبیعی الباخرزی الرملی ہیں، بہت بڑے محدث امام اور متقی پرہیزگار آدمی تھے زندگی میں پینتالیس (۴۵) مرتبہ حج کیا اور اتنی ہی تعداد میں جہاد کیے۔ کان علما فی العلم والعمل کان یغز وسنة ویحج سنة (جمع ۲۹) مالک بن انسؒ، اوزاعی وغیرہما سے آپ نے روایت کی ہے۔ ائمہ ستہ نے ان سے تخریج کی ہے ثقة مامون اخرج حدیثه الائمة الستة (جمع ۲۹) ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید ان کے شہر آئے اور گورنر کے ذریعہ اس علاقہ کے تمام محدثین کو اپنے دربار میں بلایا تاکہ وہ ان کے بیٹوں کو حدیث کی تعلیم دیں دونوں بیٹے یعنی مامون اور امین ان سے حدیث پڑھیں خلیفہ کے دعوت نامہ پر تمام محدثین حاضر خدمت ہوئے مگر اس علاقہ میں دو حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے خلیفہ کے حکم کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا ایک حضرت عیسیٰ بن یونسؒ اور دوسرے عبداللہ بن ادریسؒ دونوں حضرات نے خلیفہ اور گورنر کے قاصد کو صاف صاف کہہ دیا کہ اگر خلیفہ کے بیٹوں کو حدیث سننے کا شوق اور طلبِ صادق ہے تو عام طلباء کے ساتھ جماعت میں آکر بیٹھیں اور حدیث سنیں، چونکہ ہارون الرشیدؒ خود بھی صاحب علم تھا لہذا وہ ناراض نہیں ہوا اور بیٹوں کو تاکید کی کہ وہ خود جاکر ان حضرات محدثین سے ان کی درسگاہ میں تحصیل علم کریں پھر بیٹوں کو دس دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی بھی دی کہ وہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں پیش کریں جب دونوں بیٹوں نے حدیث پڑھی اور سبق سے فراغت کے بعد اشرفیوں کی تھیلی پیش کی تو حضرت عیسیٰ بن یونسؒ نے صاف کہہ دیا کہ تم نے حدیث سن لی ہے اب جاسکتے ہو اور یہ تھیلی خلیفہ کو واپس کردو کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے یہ کسی مستحق کو دیدیں۔

جب تھیلی خلیفہ کے پاس واپس پہنچی وہ سمجھا کہ شاید میں نے رقم کم دی ہو دوسرے روز بیس ہزار اشرفیاں بھیجیں مگر استاذ نے وہ تھیلی بھی واپس کردی اور فرمایا فقال ان ملا تم المسجد الی السقف ذهبا لم آخذ شیئاً علی الحدیث (جمع ۲۹) اگر تم مسجد کو چھت تک سونے سے بھی بھردو میں درس حدیث پر کچھ بھی نہیں لوں گا۔

(۲۷) ﴿عمر بن عبد اللہؒ﴾

یہ عمر بن عبد اللہ غفرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں کثیر الارسال ہیں وقال احمد کثیر الارسال (جمع ۲۹) امام ترمذیؒ نے ان سے اخراج کیا بعض حضرات نے کہا ہے کہ انہوں نے ابن عباس کو پایا ہے حضرت انسؓ اور سعید بن المسیبؒ سے سماع کیا ہے ابن مسعودؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے امام نسائی اور ابن معین نے ضعیف بیان کیا ہے ۱۴۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۸) ﴿ابراہیم بن محمدؒ﴾

کنیت ابوالقاسم، حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے فرزند ہیں یہ حضرت فاطمہ کے بطن سے نہیں تھے حضرت علی کی جو اولاد فاطمہ کے بطن سے ہے وہ فاطمی کہلاتی ہے ان کے ماسوا اولاد کو علوی کہتے ہیں بلکہ ایک دوسری خاتون سے تھے جس کا تعلق قبیلہ بنی حنیف سے تھا بنی حنیف مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی تھی معرکہ کی جنگ تھی مسیلمہ کذاب قتل ہوا فتح کے بعد غنائم تقسیم ہوئے خولہ نامی ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی جو خولہ حنفیہ کہلاتی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی تھی محمد بن حنفیہ اس کے بطن سے تھے یہ علوی ہیں اور علویوں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں المشتھر بالعلم والشجاعة والعبادة وھو افضل اولاد علی بعد السبطین (جمع ۲۹) انہوں نے حضرت امام حسینؓ کے قاتلوں سے انتقام لیا جبکہ بعض شیعہ ان کو اپنا خدا مانتے تھے انھم یعتقدون فی محمد ھذا الالوھیة (جمع ۳۰)

اہل تشیع جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں کے لئے یہ امر لمحہ فکریہ ہے کہ حدیثِ زیر بحث کا راوی ابراہیم اسی لونڈی کا بیٹا ہے یہ مضبوط جسم والے ''پہلوان'' بہادر اور بڑے متقی و پرہیزگار تھے صدوق من الخامسة (مناوی ۲۹) کیونکہ اگر حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت جائز نہیں تھی تو پھر ان کی عطا فرمودہ لونڈی خولہ شرعی لونڈی نہیں بنتی، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؓ کی خولہ سے پیدا ہونے والی اولاد بھی مشکوک ہو جاتی ہے مگر عجیب بات ہے کہ شیعہ محمد بن حنفیہ کو اپنا امام

اور بعض اللہ تسلیم کرتے ہیں اُدھر حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں۔

(۲۹) ﴿امام اصمعیؒ﴾

یقول سمعت الاصمعی الخ امام اصمعیؒ کا پورا نام اسماعیل بن کریب اصمعی ہے ۲۱۵ھ یا ۲۱۶ھ یا ۲۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ یہ امام مسلمؒ کے بھی استاذ ہیں ایک طویل عرصہ تک عرب کے دیہاتوں میں لغت کی تحقیق کرتے رہے ہیں اسلئے احادیث کی تشریح وتوضیح میں ان سے معانی ومطالب نقل کیے جاتے ہیں یہ ہارون الرشید کے زمانے میں ہوئے ہیں اصل اصمع ہے جس کا معنیٰ ذکی القلب ہوتا ہے اصمعی میں یاءنسبت مبالغہ کے لئے لگا دی ہے جیسے احمری کہا جاتا ہے اس میں یاءنسبت مبالغہ کے لئے بمعنیٰ سخت سرخ' اسی طرح اوحدی میں یاءنسبت مبالغہ کے لئے ہے بمعنیٰ یگانہ وتنہا ' اصمع ان کے کسی دادا یا پردادا کا نام ہے اور اصمعی اس طرف خاندانی نسبت ہے منسوب الی جدّہ اصمع بصری روی الحدیث عن جماعة من الائمة (جمع ص ۲۹) وہ بظاہر شکل وصورت کے لحاظ سے خوبصورت نہ تھے بلکہ ان کی شکل اچھی نہ تھی' مگر علوم ومعارف کا خزانہ تھے علم حدیث' علم فقہ اور علم لغت پر مکمل دسترس تھے بلکہ امام تھے۔

وکان علمہ علی لسانہ (جمع ص ۳۵) ھو الامام فی اللغة والاخبار (مناوی ص ۳۵) بڑے معتمد اور ثقہ تھے واتفقوا علی انہ ثقة (جمع ص ۳۵) علمی عظمت کی وجہ سے سلاطین کے ہاں بھی ان کی خاص قدر ومنزلت تھی ہارون الرشید کے خصوصی احباب سے تھے وکان ھارون الرشید استخلصہ لمجلسہ وکان یقدمہ علی ابو یوسف القاضی (جمع ص ۳۵)

(۳۰) ﴿جُمیعُ بْنُ عمیر العجلی﴾

جُمَیع مصغّر ہے بعض نسخوں میں ان کے باپ کا نام عمر آیا ہے بعض میں عَمرو اور بعض میں عمیر آیا ہے تاہم صحیح عمر ہے یہ قابل اعتماد راوی ہیں ان کا تعلق قبیلہ بنو عجل کے ساتھ تھا بہت سے دیگر صحابہ کرامؓ بھی اس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

قاضی محمد عاقلؒ نے لکھا ہے چوں جُمیع مذکور رافضی بود از راہ تعصب اسم عمر را تخفیف کردہ گاہے نام پدر خود مے گفت وگاہے عمرو مے گفت بنا برآں در سخنھا اختلاف افتاد۔ ایک بد بخت رافضی نے تو یہاں تک کہہ دیا لا احب العُمَرَ لانہ یُشبہ عُمَرَ۔ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے رافضی کی روایت کو کیوں نقل کیا علماء محدثین جواب میں کہتے ہیں کہ مبتدعین کی روایت بھی اس وقت قبول ہوتی ہے جب ان کی بدعت کفر وشرک کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ بدعت میں غلو نہ کریں اور دوسروں کو اس کی دعوت نہ دیں تیسرا یہ کہ وہ روایت میں جھوٹ نہ بولے والاصح انہ ان کانت بدعتہ لیست بکفر وھو غیر داع الی بدعتہ فیقبل ان کان متصفاً بالضبط والورع (جمع ص ۳۸)

جمیع تفضیلی روافض میں سے ہے جمیع کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ رافضی ہے اسماء رجال کی کتابوں میں آیا ہے کہ جو حضرت علیؓ کو باقی صحابہ کرامؓ پر فضیلت دے اور تعظیم سب کی کرے شیعہ ہے اور جو دیگر صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرے وہ رافضی ہے بہر حال روایت متابع کے طور پر ہوگی۔

(۳۱) ام المومنین حضرت خدیجہؓ

حضرت خدیجہ بنت خویلد حضور اقدس ﷺ کی سب سے پہلی رفیقہ حیات ہیں' بڑی پاکدامن' عفیفہ عابدہ' زاہدہ' قانتہ' صالحہ اور حد درجہ شفیق خاتون تھیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وکانت تدعی فی الجاھلیۃ الطاھرۃ (جمع ۳۸) ان کا پہلا نکاح عتیق بن خالد مخزومی سے ہوا جن سے دو اولادیں ہوئیں عبداللہ اور ایک لڑکی۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کے یہ شوہر فوت ہوگئے۔

پھر حضرت خدیجہؓ کا دوسرا نکاح ابو ھالہ سے ہوا ۔ وخالفہ ابن حجر حیث قال وکانت تحت ابی ھالۃ ثم تزوجھا عتیق (جمع ۳۹) فولدت لہ ذکرین ھالۃ وھندا (جمع ۳۸) ابوھالہ سے ان کے دو بیٹے ہوئے ہند اور ہالہ اسی ہالہ کے نام پر وہ ابوھالہ کنیت سے معروف ہوئے ابوھالہ کا انتقال ہوا تو حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی ابوھالہ کی وفات کے بعد حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا اس وقت آپ پچیس سال (۲۵) کے تھے ولھا یومئذٍ اربعون سنۃ (جمع ۳۸) ان کا چھوٹا بیٹا ھند بھی اپنی ماں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی تربیت میں آیا اور آپؐ کا ربیب بن گیا اور خوش

نصیب تھا کہ اس نے نبوت کے دامن میں پرورش پائی۔

آپؐ کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی صرف حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوا۔ وصارت خديجة ام اولاده الذكور والاناث سوىٰ ابراهيم (جمع ۳۹)

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپؐ پر ایمان لائیں آپؓ کے مناقب اور فضائل بہت ہیں زمانہ جاہلیت میں آپ مالدار خاتون تھیں انہوں نے ساری دولت حضور اقدس ﷺ کے ایک اشارہ پر آپ کے قدموں میں نچھاور کر دی نبوت کے دسویں سال رمضان المبارک میں انتقال ہوا تو حضور اقدسؐ نے خود قبر میں اتر کر جنت المعلّٰی میں دفن فرمایا۔

(۳۲) ﴿حضرت حسنؓ﴾

عن الحسن بن علي ـ هند بن ابی هاله نے یہ روایت حضرت حسن بن علیؓ سے لی جو حضور اقدسؐ کے نواسے اور خورد سالہ صحابی ہیں سبط المصطفىٰ وريحانته وسيد شباب اهل الجنة (مناوی ص ۹۳) ابو محمد کنیت تھی، ہجرت کے تیسرے سال رمضان المبارک میں پیدا ہوئے حضور اقدس ﷺ کی رحلت ہوئی تو آپؓ کی عمر سات سال تھی ان سے بائیس روایات منقول ہیں جو انہوں نے براہ راست حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھیں دونوں بھائیوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔ یہ حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے تھے آپ ہی کے نام سے حضرت علیؓ کی کنیت ابو الحسن تھی حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کے تین بیٹے حسنؓ، حسینؓ، محسن اور ایک بیٹی ام کلثوم ہوئیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ولما قتل ابوه بايعه على الموت اربعون الفاً ثم سلم الامر الى معاوية فى سنة احدى واربعين تحقيقاً لما اخبر به صلى الله عليه وسلم بقوله ان ابنى هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فتين عظيمتين من المسلمين مات فى سنةِ خمس واربعين وبقى نسله من حسن بن حسن وزيد بن حسن (جمع ص ۳۹) (جب حضرت حسنؓ کے والد گرامی شہید کر دیے گئے تو چالیس ہزار افراد نے آپ کے

ہاتھوں موت پر بیعت کی، پھر اکتالیس ہجری میں حضرت معاویہؓ خلیفہ منتخب کئے گئے، حضور اکرم ﷺ کی یہ پیشن گوئی سچی ثابت ہوگئی کہ میرا یہ بیٹا پیشوا بنے گا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح فرمائے گا۔ آپؓ پینتالیس ہجری میں انتقال فرما گئے اور آپؓ نسل حسن بن حسن اور زید بن حسن سے چلی۔

(۳۳) ﴿هند بن ابی هالةؓ﴾

قال سالت خالي هند بن ابی هالة حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں هند بن ابی هالة سے پوچھا یہ وہی ہند ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے ربیب تھے، حضرت خدیجہؓ کا جب حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا، تو یہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آپؐ کی پرورش اور تربیت میں آئے گویا یہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مادری بھائی ہیں اسلئے حضرت حسن انہیں خالی یعنی اپنے ماموں سے پکار رہے ہیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ۔ اخا امه الاضافي وهي فاطمة الكبرىٰ سيدة نساء العالمين بنت سيد المرسلين (جمع ص ۳۹)

شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں هو ربيب المصطفىٰ وهالة اسم لدارة القمر قتل مع علی يوم الجمل وقيل مات فى طاعون عمواس وبقى مدة لم يجد من يد فنه لكثر ة الموتى حتى نادىٰ مناد وا ربيب المصطفىٰ فترک الناس موتا هم ورفعوه على الاصابع حتى دفن (مناوی ص ۳۹)

(۳۴) ﴿ابوموسیٰ محمد بن مثنیؒ﴾

۔ یہ امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں بڑے ثقہ، متقی، صاحب ورع اور پرہیز گار امام تھے، اصحاب صحاح ان کے شاگرد ہیں اخرج حديثه الائمة الستة فى صحاحهم (جمع ۵۴) ۲۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن عیینة اور غندر سے روایت کرتے ہیں وخرج له الجماعة (المواهب ۲۸)

(۳۵) ﴿محمد بن جعفرؒ﴾

ابوعبداللہ کنیت تھی لقب غندر تھا حافظ کبیر جلیل القدر تھے (مناوی ۵۴) ۱۹۲ھ یا ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ

میں انتقال ہوا اس سے قبل حدیث نمبر۳ صفحہ نمبر ۵۰ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۶) ﴿شعبةؒ﴾

ابن الحجاج ہیں جس کا تذکرہ حدیث نمبر۳ صفحہ نمبر ۵۰ میں گزر چکا ہے قال الشافعی لولا شعبة ماعرف الحديث بالعراق (المواهب ۱۳) بہت عبادت گزار تھے قال ابوبكر البكراوی مارائيت احداً اعبد الله من شعبة لقد عبدالله حتی جفّ جلده علے عظمه واسود (تذكرة الحفاظ ص ۱۹۳ ج ۱) كان متزوجاً بام محمد بن جعفر ولذلك جالسه عشرين سنة (المواهب ۲۸)

(۳۷) ﴿سماک بن حربؒ﴾

یہ ابوالمغیرة الکوفی ہیں علماء تابعین میں سے ہیں اسی (۸۰) صحابہ کرامؓ کو پایا ہے ادرک ثمانين صحابياً (مناوی ۵۴) ثقہ ہیں امام ابن المبارکؒ نے ان کو ضعیف کہا ہے قال ابن المبارک ضعيف الحديث (المواهب ۲۸) صحاح میں سے چار نے اور امام مسلم نے ان سے تخریج کی ہے وهو ثقة ثبت اخرج له مسلم والاربعة (مواهب ۲۸) ابن حرب کہہ کر سماک بن الولید سے احتراز کیا گیا ۱۲۳ھ میں وفات پائی (مناوی ۵۴)

(۳۸) ﴿جابر بن سمرةؓ﴾

بیٹا بھی صحابی ہے اور باپ بھی، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ اور جماعتِ محدثین ان سے تخریج کرتے ہیں صحابيان خرج لابيه البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وله الجماعة كلهم (المواهب ۲۸) حضرت جابرؓ کی کنیت ابوعبداللہ العامری ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھانجے ہیں کوفہ آئے ۷۳ھ یا ۷۴ھ یا ۷۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۳۹) ﴿ھنّاد بن سریؒ﴾

کوفہ کے رہنے والے حافظ الحدیث اور عابد زاہد اور ثقہ تھے وكان يقال له راهب الكوفة لتعبده (المواهب ۲۹) امام بخاریؒ نے کتاب الخلق میں ان سے روایت نقل کی ہے اور امام مسلمؒ نے بہت

سے روایات کی ان سے تخریج کی ہے خرج له مسلم والاربعة (المواهب ۲۹) ۲۲۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۴۰) ﴿عبثر بن قاسمؒ﴾

۔یہ بھی کوفی ہیں اور ثقہ راوی ہیں كوفي ثقة خرج له الجماعة (المواهب۲۹) روى عن حصين بن عبدالرحمن ومغيرة الضبي والعلاء بن المسيّب وعنه خلف بن هشام وقتيبة بن سعيد وهناد بن سری ۱۷۸ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ ص۲۵۹ ج۱)

(۴۱) ﴿اشعثؒ﴾

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ان سے روایت نقل کی ہے مسلم نسائی اور ترمذی بھی ان سے تخریج کرتے ہیں ابوزرعه نے انہیں لین اور بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

يعني ابن سوار وهذا من كلام المصنف اوهناد اوعبثر وكيفما كان فيه التفات على مذهب البعض ولم يقل اشعث بن سوار محافظة على الاقتصار على الاصول او لئلا يتوهم ان ابن سوار لبيان النسب لا لبيان الكنية (مناوى ۵۶)

ولم يقل اشعث بن سوار محافظة على لفظ الشيخ من غير زيادة وهذا دابهم في رعاية الامانة (جمع ۵۶)

(۴۲) ﴿حُمَيْد بن عبدالرحمن الرواسيؒ﴾

الرواسي اپنے جد کی طرف منسوب ہیں وهو منسوب لجده رواس وهو الحارث بن كلاب (المواهب ۳۰) حضرت ابواسحٰق وعطیہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سفیان و ابن المبارک نے تخریج کی ہے ۱۹۰ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۵۷)

علامہ ذھبیؒ نے آپؒ کو الحافظ الامام المتقن کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ اثنى عليه احمد ووثقه ابن معين وقال ابوبكر بن شيبة قل من رائيت مثله (تذكرة الحفاظ ص ۲۸۸ ج ۱)

(۴۳) ﴿ زھیرؒ ﴾

یہ خدیج کے بیٹے ہیں زہیر اور خدیج دونوں تصغیر کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اصحابِ صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ہے وھو ثقة حافظ (المواھب ۳۰)۱۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں زہیر دو ہیں ایک زہیر بن حرب بن شداد النسائی ہے جن سے امام مسلمؒ نے ہزار سے بھی زیادہ احادیث روایت کی ہیں اور دوسرے زھیر بن محمد التمیمی ہیں ضعف لعدم استقامةِ روایة اھل الشام عنه قال ابو حاتم حدث بالشام من حفظه فکثر غلطه وزھیر فی ھذ الحدیث ھو التمیمی لان الاول لم یدرک ابا اسحق عرفت ذلک من الرجوع الی تاریخ وفاة ابی اسحق (جمع ص ۵۷)

(۴۴) ﴿ ابوداؤد المصاحفیؒ ﴾

نام سلیمان بن سلم ہے ابوداؤد کنیت ہے مصاحفی 'مصاحف کی طرف نسبت ہے جس کا مفرد مصحف آتا ہے قرآن مجید کو مصحف کہتے ہیں جب کوئی نسبت جمع کی طرف کی جائے تو جمع کو مفرد کی طرف لوٹایا جاتا ہے وکان القیاس ان ینسب الی المفرد وھو مصحف (المواھب ۳۰) گویا مصحفی ہو ناچاہئے شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ مصاحفی غیر قیاسی ہے یہ صحف سے ماخوذ ہے بمعنی لکھنے کے قرآن یا کتابیں لکھا کرتے ہوں گے اور یہی ذریعہ روزگار ہوگا اسلئے مصاحفی کہلائے۔ ابوداؤد المصاحفی ثقہ ہیں ۲۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے

(۴۵) ﴿ النضرؒ ﴾

ابو الحسن المازنی النحوی البصری نزیل مرو ثقة ثبت اخرج حدیثه الائمة الستة (جمع ۵۸) وقد التزموا اللام فی النضر وحذفها فی نصر فرقاً بینهما (المناوی ۵۸) روی عن ھشام بن عروة وحمید الطویل وعنه اسحٰق بن راھویة واسحٰق الکوسج .قال العباس بن مصعب کان اماماً فی العربیة والحدیث وھو اول من اظھر السنة بمرو وخراسان الف کتبا کثیرة وولیّ قضاء مرو

۲۰۳ھ کے آخری دن ان کا انتقال ہوا (تذکرۃ الحفاظ ص۳۱۴ ج۱)

(۴۶) ﴿صالحؒ﴾

صالح بن ابی الاخضر، ہشام بن عبدالملک کے مولیٰ ہیں امام زہریؒ کے خادم تھے امام ترمذیؒ نے ان کو ضعیف کہا ہے ثبته البخاری (المناوی ۵۸) لیکن امام ذھبیؒ نے ان کو صالح الحدیث قرار دیا خرج له الاربعة (المواهب ۳۰)

(۴۷) ﴿ابن شہابؒ﴾

نام محمد بن مسلم بن شہاب ہے یہ حدیث کے معروف امام، زہری ہیں المنسوب الی زهرة بن کلاب (جمع ۵۸) فقیہ کبیر تھے الفقیه الحافظ تابعی صغیر متفق علی جلالته واتقانه (المناوی ۵۸) اپنے وقت کے عظیم محدث، حافظ الحدیث اور جلیل القدر تابعی ہیں دس صحابہ سے روایت سنی ہے۔

امام ابواللیثؒ فرماتے ہیں مارایت اجمع ولا اکثر علماًمنه محدثین کی ایک جماعت نے ان سے تخریج کی ہے قیل لمکحول من اعلم من رایت؟قال ابن شهاب (المواهب ۳۰) اس کی مرویہ احادیث ۲۲۰۰ ہیں قال ابوداؤد حدیثه الفان ومائتان النصف منها مسند (تذکرة الحفاظ ص ۱۰۹ ج ۱) آپؒ کا حافظہ بہت قوی تھا اس کے بھتیجے محمد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انه حفظ القرآن فی ثمانین لیلة (تذکرة الحفاظ ص ۱۱۰ ج ۱) ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۴۸) ﴿ابوسلمہؒ﴾

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ہیں کبیر تابعی ہیں قرشی، زہری اور مدنی ہیں احد الائمة واحد فقهاء المدینة السبعة تابعی امام جلیل وفی موته اقوال (مناوی ص۵۸) ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے عبداللہ، بعض نے اسماعیل اور بعض نے ابراہیم بتایا ہے (مواہب ص۳۰) وقال مالک ابن عوف الزهری المدنی الحافظ اسمه کنیته (تذکرة الحفاظ ص۶۳ ج ۱) ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا (تذکرۃ الحفاظ ص۶۳)

(۴۹) ﴿ ابوھریرہؓ ﴾

حضرت ابوھریرہؓ مشہور صحابی ہیں ابوھریرہ کنیت ہے وسبب التکنیة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایٰ ھرة فی کمه فناداه بھا (الاتحافات ص ۴۵) ہجرت کے نویں سال ایمان لائے ان کے نام میں چالیس اقوال ہیں زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا فغیره النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عبدالرحمن علی الاصح من اربعین قولاً۔ حضور اقدس ﷺ نے آپؓ کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ دیا، یہی صحیح قول ہے۔ باپ کا نام صخر الدوسی تھا امام شافعیؒ کا ارشاد ہے احفظ من روی الحدیث فی دھره (مواھب ص ۳۰)

شیخ عبدالروفؒ فرماتے ہیں کان زکیاً فقیھا صاحب لیل وصوم (مناوی ص ۵۸) مدینہ منورہ کے والی مقرر ہوئے ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ روایات نقل ہیں۔

وھو اکثر الصحابة روایة باجماع العلماء (مناوی ص ۵۸) ۵۷ھ یا ۵۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ پر علامہ طالب ہاشمی اور مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کی تصنیفات جامع ہیں۔

(۵۰) ﴿ قتیبہؒ ﴾

کنیت ابو رجاء البلخی ہے ثقہ راوی ہیں۔ خراسان کے مشہور محدث اور حافظ تھے قال النسائی ثقة مامون آپؒ نے مالک لیث سے سماع کی وروی عنه الجماعة سوی ابن ماجة قال ابن سیار وکان ثبتا صاحب سنة کتب الحدیث عن ثلاث طبقات شعبان ۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا (تذکرۃ الحفاظ ۴۴۶ ج ۲) مزید تفصیل راوی نمبر (۱) میں دیکھ لیں۔

(۵۱) ﴿ اللیث بن سعد ﴾

متقی پرہیزگار اور صاحب ورع بزرگ تھے سالانہ اسی ہزار سے نوے ہزار تک دینار آمدن تھی مگر زکوۃ کبھی واجب نہ ہوئی کہ رقم کے آتے ہی فقراء پر صرف کر دیا کرتے تھے۔ کان دخله فی کل سنة

ثمانین الف دینار وما وجبت علیہ زکواۃ (مواھب ص ۳۱) خود مجتہد تھے مگر زیادہ تر رجحان ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرف تھا عظیم محدث بلکہ صاحب مسلک امام تھے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے بھی زیادہ فقیہ تھے انہ کان افقہ من مالک (جمع ص ۵۹) مگر لائق تلامذہ نہ ملے اسلئے ان کے مسلک کی حفاظت نہ ہوسکی۔ کان نظیر مالک فی العلم لکن ضیّع اصحابہ منھبہ (مواھب ص ۳۱) مصر میں مقیم ہوئے اور بروز جمعہ ۱۵ شعبان ۱۷۵ھ میں انتقال ہوا۔ امام شافعیؒ امام لیثؒ کی علمی عظمت' شہرت اور روایات سے واقف تھے وہ بھی زندگی کے آخری لمحات تک مصر میں مقیم رہے اور وہاں وفات پائی۔

(۵۲) ﴿ابوزبیرؒ﴾

نام محمد بن مسلم المکی الاسدی ہے حافظ الحدیث اور ثقہ تھے حافظ ثقۃ عند جمع لکن قال ابوحاتم لا یحتج بہ واقرہ الذھبی (مناوی ص ۵۹) ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ میں وفات پائی وخرج لہ الجماعۃ.

(مواھب ص ۳۱)

(۵۳) ﴿جابر بن عبداللہؓ﴾

یہ صحابی بن صحابی ہیں انصاری ہیں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سترہ (۱۷) غزوات میں شریک ہوئے۔ غزا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبع عشرۃ غزوۃ (مواھب ص ۳۱) وھو احد المکثرین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمع ص ۶۰) حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ان کے والد جنگ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر سے زندہ کرکے دریافت فرمایا ما ترید یا عبداللہ ؟ عرض کیا میں دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جاؤں وہاں پھر آپ کی رضا کے لئے دوبارہ شہید کردیا جاؤں۔ والمعنی ارید زیادۃ رضاک وھی الشھادۃ بعد الشھادۃ (جمع ص ۵۹) اور یہ مقام ومرتبہ بہت اونچا' عظیم اور بلند ہے۔ بخلاف حال ابویزید کے جب ان سے کہا گیا۔ کیا چاہتے ہو عرض کیا میں کچھ نہیں چاہتا میرا کچھ ارادہ ہی نہیں ہے اس موقع پر بعض السادۃ من اھل السعادۃ نے کہا ہے

ارید وصاله ویرید هجری   فاترک ما ارید لما یرید

میں محبوب کی ملاقات اور وصال چاہتا ہوں جبکہ وہ میری جدائی' ہجر اور مفارقت چاہتا ہے پس میں اپنے ارادہ' اور چاہت سے ان کی چاہت کے مقابلہ میں دستبردار ہوتا ہوں گویا جو وہ چاہتا ہے میں بھی وہی چاہتا ہوں۔ شاعر نے محبّ کے عدم ارادہ کو ارادہ کہا یہ بہت پسندیدہ اور مستحسن عمل ہے حدیث قدسی میں ہے تريد وارید ولا یکون الا ما ارید ربّ فرماتے ہیں بندے! تم بھی چاہتے ہو اور میں بھی چاہتا ہوں مگر ہوگا وہی جو میں چاہتا ہوں۔ البتہ ملا علی قاریؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ قول کہ

لیس لی فی سواک حظ   فکیف ماشئت فاختبر نی

فجراة یعنی یہ محض جذباتی فیصلہ اور بے جا جرات ہے بندہ کئی بار آزمایا گیا ہے' امتحان لیا گیا مگر نہ تو اس نے صبر کیا اور نہ شکر' فما ایسر الدعوىٰ وما اعسر المعنىٰ (جمع ص ۶۰)

(۵۴) ﴿یزید بن ھارونؒ﴾

ابو خالد کنیت ہے الواسطی نسبت ہے' نہایت متقی' احدالاعلام' حافظ الحدیث اور بڑے عابد و زاہد تھے متقن عابد اخرج حدیثه الائمة الستة وهو احد الائمة المشهورین بالحدیث والفقه سمع کثیرین من التابعین وتبعهم (جمع ص ۶۴) قال ابن المدینی مارائیت احفظ من یزید بن هارون وقال احمد کان یزید حافظا متقنا ۲۰۶ھ میں انتقال ہوا (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۱۸ ج ۱)

(۵۵) ﴿سعید الجریریؒ﴾

ابوایاس کنیت تھی 'الجریری اپنے دادا جُرَیر (مصغر) کی طرف نسبت ہے وهو ثقة' ت خرج له الجماعة (مواهب ص ۳۲) هو محدث اهل البصرة روى عنه الائمةالستة (جمع ص ۶۴) ۱۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۵۶) ﴿ابوالطفیلؓ﴾

جلیل القدر صحابی ہیں' عامر بن واثلہ نام ہے ولد عام الهجرة اوعام احد (مواهب ص ۳۳) یہ مکۃ

المکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جن صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی آپؒ ان میں سے ایک ہیں ان کا تعلق حضرت علیؓ کی جماعت سے تھا اسلئے علوی کہلاتے تھے۔

كان من شيعة علي ومحبّيه (مواهب ص ٣٣) ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا ہے پہلی صدی ہجری کے آخر میں انتقال ہوا جبکہ اسماء الرجال کی کتب میں ۱۱۰ھ اور بعض روایات میں ۱۰۲ھ نقل ہوا ہے۔

(۵۷) ﴿عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ﴾

الدارمی التمیمی ہیں بعض نے سمرقندی بتایا ہے لاالطائفی الثقفی کماوھم بعض الشراح (مواھب ص ۳۳) اور یہ بھی کہا گیا ہے سمرقند کے جید عالم تھے اپنے زمانہ کے امام تھے وھو حافظ کبیر ثقة ثبت (مواھب ص ۳۳) ۲۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ وقیل صاحب السنن (جمع ص ٦٦)

(۵۸) ﴿ابراہیم بن المنذر الحزامیؒ﴾

المنذر' انذار سے اسم فاعل ہے۔ الحزامی' خاندانی نسبت ہے ان کا کوئی جد امجد حزام ہوگا اسی نام سے قبیلہ بنو حزام کی تشکیل ہوئی اور حزامی اسی نسبت کا نام ہے۔

صدوق تكلم فيه احمد بن حنبل لاجل القرآن وروى عنه اصحاب الستة (جمع ٦٦) خرج له البخاری والترمذی وابن ماجة (مناوی ص ٦٦) هو الامام المحدث الثقة ۲۳۶ھ محرم میں وفات پائی (تذکرة ص ۴۷۱ ج ۲)

(۵۹) ﴿عبدالعزیز بن ثابت زھریؒ﴾

ان کے والد کا نام عمران بن عبدالعزیز ہے زہری' قبیلہ بنوزھرہ کی طرف نسبت ہے۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وهو متروک الحدیث لكثرة غلطه فانه حدث من حفظه لاحتراق كتبه فكثر غلطه ولهذا قال الذهبی لايتابع فی الحديث لكن خرج له المصنف (مواهب ص ۳۳)

(۶۰) ﴿اسماعیل بن ابراہیم الاسدیؒ﴾

ثقہ ہیں' ثبت ہیں' بخاری' نسائی اور ترمذی (شمائل میں) ان سے روایت کرتے ہیں ابن اخی موسیٰ بن عقبہ اسماعیل کے لئے صفت ثانی یا بدل یا اس کے لئے عطف بیان ہے ولیس صفة لابراهیم فانه اخو موسیٰ فکیف یوصف بانه ابن اخی موسیٰ (مواهب ص ۳۳) ۱۶۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۱) ﴿موسیٰ بن عقبہؒ﴾

آلِ زبیر کے مولیٰ ہیں' مدینہ منورہ کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں کان اماماً فی المغازی روی عنه السفیانان وخرج له الجماعة (المواهب ۳۴) مغازی میں ان کی تصنیف بھی ہے قال احمد بن حنبل علیکم بمغازی موسےٰ بن عقبة بلکہ علامہ ذھبیؒ نے تو واقدی کا یہ قول بھی کہ کان موسےٰ مفتیا فقیها نقل کیا ہے (تذکرۃ ۱۴۸ ج ۱) ۱۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۲) ﴿کریبؒ﴾

یہ مصغر ہے ابن ابو مسلم ہیں المدنی الہاشمی نسبت ہے خرج له الجماعة ثقة ثبت (مواهب ص ۳۴) ۹۸ھ میں مدنیہ منورہ میں انتقال ہوا۔

(۶۳) ﴿حضرت عبداللہ بن عباسؓ﴾

ابو الخلفاء کنیت ہے ولادت ہجرت سے تین سال قبل مکۃ المکرمہ میں ہوئی حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے چچا تھے حضرت عبداللہؓ صغار صحابہؓ میں شامل ہیں۔ باپ بیٹا دونوں جلیل القدر صحابی ہیں آپ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر دس (۱۰) سال تھی بعض نے ۱۳ سال بتائی ہے۔ احمدؒ نے ان سے بلاواسطہ اور بالواسطہ ۱۴۰۰ روایات نقل کی ہیں جبکہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جو حضرت عبداللہؓ نے خود حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر نقل کی

ہیں۔ روی الفا وستمائة وستين حديثا (۴۹) امت میں سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں ترجمان القرآن لقب ہے اور حبرِ امت ہیں اور کیوں نہ ہوتے کہ حضور اقدس ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے ان کے لئے دعا فرمائی اللهم علمه الكتاب اللهم فقهه في الدين (بخاری ج ۱ ص ۲۶ و ۵۳۱) شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں حبر الامة وترجمان القرآن وابن عم حبيب الرحمن وابى الخلفاء عبد الله (مناوی ص ۶۷) آپؓ علم وفضل، جود وسخا میں معروف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ حضرت میمونہؓ امہات المومنین میں شامل تھیں اسلئے آپؓ ہر وقت حضور اقدس ﷺ کے پاس رہتے تھے آپؐ کے طور طریقوں سنتوں اور اعمال کو قریب سے دیکھنے اور سیکھنے کا موقع ملا کچھ عرصہ کوفہ کے گورنر بھی رہے یہ حضرت علیؓ کا دور خلافت تھا مگر یہ منصب راس نہ آیا بالآخر چھوڑ دیا اس کے بعد طائف میں مقیم ہو گئے قبر مبارک بھی طائف میں ہے آپ کے نام سے طائف میں ایک قدیم مسجد بھی ہے آپ کی قبر مبارک اس مسجد کی دیوار کے ساتھ ہے ۶۷ھ یا ۶۸ھ میں انتقال ہوا۔ ابن الحنفیہ نے فرمایا مات ربانی هذه الامة وهو احد الستة المكثرين الرواية ومناقبه اكثر من ان تذكرو هو احد العبادلة الاربع (مناوی ص ۶۷)

(۶۴) ﴿حاتم بن اسماعیلؒ﴾

حاتم قائم کے وزن پر ہے ابن اسماعیل سے مراد الحارثی ہیں اخرج حديثه اصحاب السنن الستة (مواهب ص ۳۴) ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۵) ﴿جعد بن عبدالرحمنؒ﴾

جعد، سعد کے وزن پر ہے ایک نسخہ میں جعید (بالتصغیر) نقل ہوا ہے جعد سے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کی ہے ثقة خرج له الشيخان و ابوداؤد والنسائی (مناوی ص ۶۸)

(۶۶) ﴿سائب بن یزیدؓ﴾

صحابی رسولؐ ہیں۔ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے ۸۰ھ میں انتقال ہوا خورد سال صحابہؓ سے

ہیں حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں قال الذہبی وروایتہ فی الکتب کلھا (مواھب ص ۳۴) مات بالمدینة سنة احدی وتسعین ۹۱ وقیل سنة ست وثمانین ۸۶ (مناوی ص ۶۷)

(۶۷) ﴿سعید بن یعقوب الطالقانیؒ﴾

طالقان ایران کے علاقہ قزوین کا ایک شہر ہے سعید بن یعقوبؒ اسی شہر کے رہنے والے تھے ثقہ ہیں ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے ان سے روایت کی ہے قال ابن حبان ربما اخطا (مناوی ص ۷۲) ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۸) ﴿ایوب بن جابرؒ﴾

علاقائی نسبت الیمانی ہے بعد میں کوفہ چلے آئے تو الکوفی کہلائے ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے ان سے تخریج کی ہے یہ سماکؒ، بلالؒ بن المنذر اور خلف سے روایت کرتے ہیں۔ قتیبہ بن سعید اور ابن ابی لیلیٰ ان سے روایت کرتے ہیں قال ابوزرعہ ضعیف (مواھب ص ۳۶)

(۶۹) ﴿سماک بن حربؒ﴾

تابعی جلیل (جمع ص ۷۲) ابوالمغیرہ کنیت ہے الذہلی نسبت ہے اَسّی (۸۰) صحابہ کرامؓ کو پایا وھو ثقة لکن ساء حفظه ولذالک قال ابن المبارک ضعیف الحدیث وکان شعبة یضعفه (مواھب ص ۳۶) ۱۲۳ھ میں انتقال ہوا

(۷۰) ﴿ابومصعب المدنیؒ﴾

نام مطرف بن عبداللہ الھذالی ہے بعض نے احمد بن ابی بکر الزھری بتایا ہے المدنی، مدینة الرسول کی طرف نسبت ہے بعض نسخوں میں المدینی آیا ہے جو مدائن کی طرف نسبت ہے جو بغداد کا ایک شہر ہے مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وفی الصحاح النسبة لطیبة مدنی ولمدینة المنصور یعنی بغداد مدینی فالمدینی ھنا لا یصح لانه من طیبة (جمع ص ۶۷) بعض نے مدینی اور مدنی کا یہ فرق کیا ہے کہ المدینی من اقام بطیبة والمدنی من اقام بھا ثم فارقھا ابومصعب کنیت ہے۔ ابن معین نے

انہیں ثقہ کہا ہے من کبائر الفقهاء (مناوی ص ۷۳) ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے ان سے روایت کی ہے شمائل ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت منقول ہے ولیس له فی هذا الكتاب سوىٰ هذا الحدیث (۷۳) ۲۲۰ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی

(۷۱) ﴿یوسف بن الماجشونؒ﴾

نام یوسف بن یعقوب بن ابی سلمة بن الماجشون ہے رخساروں میں سرخی کی وجہ سے ماجشون کہلائے وہ عظیم المرتبت امام تھے امام مالکؒ کے پیروکار تھے ماجشون لفظِ فارسی ماہ گون سے معرب ہے جس کا معنیٰ چاند کے مانند کے ہیں۔

بعض نے مے گون سے معرب لیا ہے یعنی شراب کی مانند سرخ اور خوبصورت ہے وانما قيل له الماجشون لحمرة خديه وهذه لغة اهل المدينة (جمع ص ۷۳) آپؒ اپنے والد زہری مقبری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمدؒ روایت کرتے ہیں جبکہ شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے تخریج کی ہے۔ ثقہ ہیں ۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۷۲) ﴿عن ابیه﴾

مراد یعقوب بن ابی سلمة بن الماجشون ہے ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے یہ حضرات صحابہ کرامؓ سے بطریق ارسال روایت نقل کرتے ہیں روی عن الصحابة مرسلاً (مواہب ص ۳۶) اور اعرج سے بھی روایت نقل کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے دو بیٹے خود اپنے والد سے نقل کرتے ہیں امام مسلمؒ نے ان سے تخریج کی ہے ۱۲۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۷۳) ﴿عاصم بن عمر بن قتادہؒ﴾

المدنی الاوسی الانصاری الظفری ہیں ذہبی کا قول ہے کہ ثقہ ہیں و كان كثير الحديث علامة بالمغازی خرج له الجماعة (مناوی ص ۷۳) اخرج حديثه الائمة الستة (جمع ص ۷۳) ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

(۷۴) ﴿حضرت رمیثہؓ﴾

حذیفہ کے وزن پر ہے یہ عمرو بن هشام کی بیٹی ہے والـدة القعقاع صحابية صغيرة خرج لها النسائی والمصنف (مناوی ص ۷۳) لهاحد يثان احد هما هذا وثانيهما فی صلاة الضحیٰ روته عن عائشة (مواهب ص ۳۷)

(۷۵) ﴿ابو عاصم﴾

ان کا نام ضحاک ہے النبیل لقب ہے ابو عاصم کنیت ہے البصری نسبت ہے امام بخاری کے شیوخ سے ہیں ۔الحافظ شيخ البخاری لقب بالنبيل لان الفيل قدم البصرة فذهب الناس ينظرونه فقال ابن جريج مالک لا تذهب قال لا آخذ عنک عوضاً فقال انت نبيل اولكبر انفه اولقبه به المهدی ثقة من التاسعة (مناوی ص ۷٦)

اکابر محدثین میں سے ہیں صاحب مناقب وفضائل ہیں صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں ۲۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۷٦) ﴿عزرة بن ثابت بن ابی زید الانصاریؒ﴾

البصری ہیں اصحاب صحاح ستہ ان سے تخریج کرتے ہیں ثقہ ہیں خرج له الستة (مناوی ۷٦) قال ابن معين وابوداؤد والنسائی ثقة (تهذيب التهذيب ص ۱۷۳ ج۷) ۲۱۴ھ یا ۲۱۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۷۷) ﴿علباء ابن احمر الیشکریؒ﴾

البصری ہیں عکرمہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں ان سے ابن واقد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ وهو ثقة صدوق خرج له المصنف ومسلم والنسائی وابن ماجة (مواهب ۳۸)

ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے عن احمد بن حنبل لاباس به لا اعلمه الا خيراً (تهذيب التهذيب ص ۲۴۲ ج۷)

(۷۸) ﴿عمر ابن اخطب الانصاریؓ﴾

ابوزید کنیت ہے الانصاری، البدری الحضرمی ہیں جلیل القدر صحابی ہیں امام مسلم اور حضرات اربعہ نے ان سے تخریج کی ہے صحابی جلیل من الاربعة اللذین جمعوا القرآن فی زمنه صلی الله علیه وسلم (جمع ص ۷۶)

(۷۹) ﴿ابوعمار الحسینؒ﴾

حریث الخزاعی باپ کا نام ہے قبیلہ بنوخزاعہ سے تعلق ہے سفیان بن عیینہؒ، فضیل بن عیاضؒ اور وکیعؒ وغیرہ ان سے تخریج کرتے ہیں ثقہ ہیں امام مسلم اور امام بخاری نے بھی ان سے روایات اخذ کی ہیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو خواب میں سبز رنگ میں ملبوس حضور اقدس ﷺ کے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا آپ قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کررہے تھے ام یحسبون انّا لا نسمع سرھم ونجواھم کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ اور مخفی سرگرمیوں کو نہیں جانتے ادھر آپؐ کی قبر مبارک سے حقاً حقاً کی آوازیں آرہی تھیں (مواہب ۳۹) اس خواب سے ابوعمار الحسینؒ کی فضیلت ظاہر ہے تاہم شرعاً خواب کس چیز کی قطعی دلیل نہیں ہوتا ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۸۰) ﴿علی بن حسین بن واقدؒ﴾

راوی صدوق ہیں مگر ان پر ارجـــــاء کا الزام لگایا گیا ہے ابوحاتمؒ نے انہیں ضعیف کہا ہے امام نسائی فرماتے ہیں لاباس به امام عبداللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن راھویہؒ نے روایت کی ہے امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں اور ائمہ اربعہؒ نے اپنی اپنی سنن میں ان سے تخریج کی ہے ۲۱۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۸۱) ﴿حدثنی ابیؒ﴾

مراد حسین بن واقدؒ ہیں جو عکرمہؒ اور ثابت البنانیؒ سے روایت کرتے ہیں ان سے ابوشقیقؒ اور

دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے امام مسلمؒ ان سے تخریج کرتے ہیں ابن معینؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے ولم یر تضہ احمد وقال لہ منا کیر (مناوی ۷۸) ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔

(۸۲) ﴿عبداللہ بن بریدۃؒ﴾

ثقات تابعین سے ہیں من ثقات التابعین (مناوی ۷۸) محدثین کی ایک جماعت ان سے تخریج کرتی ہے وثقہ ابوحاتم وغیرہ وخرج لہ الجماعۃ (مواہب ۳۹) اخرج حدیثہ الائمۃ الستۃ فی سننھم (جمع ۷۸) قال ابن حبان ولد عبداللہ سنۃ ۱۱۵ ھ وھو واخوہ سلیمان توامان (تھذیب التھذیب ص ۱۳۸ ج ۵)

(۸۳) ﴿حضرت بریدہؓ﴾

حضرت بریدہؓ حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں وھو صحابی اسلم قبل بدر ولم یشھدھا (مواہب ۳۹) سکن المدینۃ ثم البصرۃ ثم مرو وتوفیٰ بھا (جمع ۷۸) شھد خیبر وفتح مکۃ واستعملہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صدقات قومہ روی عنہ ابنان عبداللہ وسلیمان وعبداللہ بن اوس الخزاعی (تھذیب التھذیب ص ۳۷۸ ج ۱) ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۸۴) ﴿بشر بن الوضاحؒ﴾

بشرؒ، صِدق کے وزن پر ہے ابو الھیثم کنیت ہے البصری نسبت ہے صدوق تھے، ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے خرج لہ فی الشمائل روی عن ابی عقیل وغیرہ اور ان سے بندار وغیرہ نے روایت لی ہے (مواہب ۴۳) علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا وروی عنہ البخاری فی التاریخ۔ قال عبدالعزیز بن معاویۃ کان من خیار الناس مات سنۃ ۲۲۱ھ (تھذیب ص ۴۰۵ ج ۱)

(۸۵) ﴿ابو عقیلؒ﴾

الدَّوْرقی نسبت ہے دورق (بفتحۃ الدال وسکون الواو) فارس میں ایک شہر کا نام ہے ان کا نام بشیر تھا عقبہ والد کا نام ہے ثقۃ خرج لہ الشیخان والمصنف، ابو المتوکل اور معبدی سے روایت کرتے

ہیں ان سے بہز نے روایت کی ہے (مواہب ۴۳) تاہم مواہب کے حاشیہ میں مصحح نے لکھا ہے معروف بہز (زا کے ساتھ) ہے بہر نہیں ہے۔ بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدۃ القشیری ۱۰۸ھ یا ۱۰۹ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۸۵)

(۸٦) ﴿ابونضرةؒ﴾

اجلہ تابعین سے ہیں نام منذر بن مالک ہے قبیلہ عوف کی طرف نسبت کی وجہ سے عوفی کہلاتے ہیں بعض نے کہا عوفہ کوفہ میں ایک محلّہ ہے اسی کی طرف منسوب ہیں خرج لہ الجماعة (مواہب ۴۳) روی عنه الستة (جمع ۸۵) ۱۰۸ھ یا ۱۰۹ھ میں وفات پائی (مناوی ۸۵)

(۸۷) ﴿حضرت ابوسعید الخدریؓ﴾

نام سعد بن مالک بن سنان ہے انصاری ہیں بنی خدرة کی طرف نسبت کی وجہ سے الخدری کہلاتے ہیں اخرج حدیثه ارباب الصحاح الستة (جمع ۸٦)

حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک پر اس بات پر بیعت کی تھی کہ دین اسلام کے راستہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کروں گا۔ بایع المصطفیٰ علی ان لا تاخذہ فی اللہ لومة لائم (مناوی ۸٦) ولابیه صحبة وشهد مابعد احد (جمع ۸٦) ومات سنة اربع وستین وخرج له الجماعة (مناوی ۸٦) ویروی ان ابا سعید کان من اهل الصفة صحیحین میں (۴۳) احادیث آپ سے منقول ہیں اور صرف امام بخاریؒ نے (۱٦) اور امام مسلمؒ نے (۵۲) احادیث روایت کی ہیں (تذکرة الحفاظ ص ۴۴ ج ۱)

(۸۸) ﴿ابوالاشعث احمد بن مقدامؒ﴾

ان کا تعلق قبیلہ بنی عجل کے ساتھ ہے اس لئے العجلی کہلاتے ہیں البصری نسبت ہے ابوالاشعث کنیت ہے وفی روایة ابوالشعثاء (مناوی ۸٦) صدوق ہیں امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ ان سے روایت کرتے ہیں قال ابن خزیمة کان کیساً صاحب حدیث (تهذیب ص ۷۱ ج ۱)۔ ۲۵۳ھ

میں انتقال ہوا۔

(۸۹) ﴿حمّاد بن زیدؒ﴾

ابو اسمٰعیل کنیت ہے بہت متقی اور ثقہ امام تھے صحاح نے ان سے تخریج کی ہے اخرج حدیثه فی الصحاح (جمع ٨٦) ابن معینؒ کا قول ہے لیس احد اتقن منه وقال ابن یحیٰ مارایت احدا احفظ منه (جمع ٨٧)

قال ابن مهدی مارایت بالبصرة افقه منه ولا اعلم بالسنة منه (مناوی ٨٦) ۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں انتقال ہوا۔ (تھذیب ص۱۰ ج۳)

(۹۰) ﴿عاصم الاحولؒ﴾

احول' ناقص العین کو کہتے ہیں یہ لفظ تعارف کیلئے ہے تحقیر کے لئے نہیں عاصم کے والد ابوعبدالرحمٰن سلیمان البصری ہیں ثقہ راوی ہیں ابن قطان کے سوا کسی نے بھی ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی ہے اوران کی بات کرنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ عاصم حکمران جماعت میں شریک ہوگئے تھے کہ مدائن کے قاضی بن گئے تھے لم یتکلم فیه الاابن القطان (جمع ٨٧)

صحاح میں ائمہ ستہ نے ان سے تخریج کی ہے ثقة خرج له الستة (مواهب ٤٣) وقال سفیان حافظ البصرة اربعة فذکره منهم (مناوی ٨٧) قال احمد شیخ ثقة من حفاظ الحدیث (تهذیب ص ۳۹ ج ۵) ۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۹۱) ﴿عبداللہ بن سرجسؓ﴾

صحابی رسول ہیں بعض نے مزنی اور بعض نے المخزومی نسبت بتائی ہے بصرہ میں سکونت پذیر تھے اخرج حدیثه الائمة الستة (جمع ٨٧) روی عن النبی ﷺ وابی هریرةؓ وعنه عاصم الاحول وقتادة وغیرهم (تهذیب ص ۲۰۴ ج۵)

(۹۲) ﴿اسماعیل بن ابراھیم﴾

ثقہ راوی ہیں۔

(۹۳) ﴿عبدالرحمٰن﴾

باپ کا نام ابوالزناد اور اصل نام عبداللہ بن ذکوان ہے المدنی ہیں قریش کے مولیٰ ہیں صدوق ہیں وثقہ مالک (مواھب ۴۵) امام بخاریؒ نے تعلیق میں صحاح اربعہ اور مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے صدوق اخرج حدیثہ البخاری فی التعلیق ومسلم والاربعة فی صحاحھم تغیّر حفظہ لما قدم بغداد (جمع ۹۱) جب بغداد تشریف لائے تو علمی مقام ملا احد العلماء الکبار کان یفتی ببغداد (مواھب ۴۵) اور حافظہ کمزور ہوگیا تھا ۱۷۴ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔

(۹۴) ﴿ھشام بن عروہؒ﴾

ان سے خلق کثیر نے روایت کی ہے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے .کان حجة اماما وھو احد الاعلام (مواھب ۴۵) قال ابوحاتم ثقة امام فی الحدیث(تھذیب ۴۵ ج ۱۱)قال ھشام مسح ابن عمر برأسي ودعالي قال ابن سعد کان ھشام ثقة ثبتا کثیر الحدیث حجة (تذکرة الحفاظ ص ۱۴۴ ج ۱) ۱۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۹۵) ﴿عن ابیہؒ﴾

یعنی عروۃ بن زبیر بن العوام جلیل القدر تابعی عالم فقیہ عابد ثقہ اور صائم الدھر تھے کان رجلاً صالحاً لم یدخل فی شئی من الفتن (تھذیب ص ۱۶۴ ج ۷)ولد فی آخر خلافة عمرؓ مات سنة اربع وتسعین (تذکرة الحفاظ ص ۶۳ ج ۱) وھو احدفقھاء المدینة السبعة المذکورین فی قولہ

الا کل من لم یقتدی بائمة فقسمتہ ضیزیٰ عن الحق خارجہ
فخذھم عبیداللہ عروة قاسم سعید ابوبکر سلیمان خارجہ

عروہ کا سن وفات ۹۳ھ یا ۹۴ یا ۹۵ھ بتایا جاتا ہے کان ثقة فقیھاً عالماً ثبتاً ماموناًیصوم الدھر (مناوی ۹۱)

حضرت عروہؒ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے فرزند تھے ام المومنین سے اکثر روایات بیان کرنے والے عروۃ ہی ہیں۔

(٩٦) ﴿ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ﴾

سیدہ عائشہ صدیقہؓ، صدیقہ بنت الصدیق ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور حضور اقدس ﷺ کی سب سے کم عمر زوجۃ ہیں بڑی فقیهة، فصیحة، العارفة، بلیغة، عالمة، محدثة تھیں ایام العرب میں انہیں مہارت حاصل تھی روایت حدیث میں المکثرۃ تھیں۔ المبراۃ فی القرآن المبشرۃ بالجنة (اتحافات ٦٥) ان کو نو (٩) سال تک حضور اقدس ﷺ کی زوجیت و رفاقت اور صحبت کا شرف حاصل رہا، امہات المومنین میں صرف سیدہ عائشہؓ ہی کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ ان کا نکاح دوشیزگی کی حالت میں ہوا باقی تمام ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں آپ سے ٢٢١٠ احادیث مروی ہیں صرف بخاری میں آپ سے ٢٤٢ احادیث مروی ہیں۔ وکناها رسول الله ﷺ بام عبدالله وهو ابن اختها اسماء (اتحافات ٦٥)

سیدہ عائشہؓ کے ذریعہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بہت سے مسائل حل ہوتے تھے جب اکابر صحابہؓ بھی کسی مسئلہ میں پریشان ہوجاتے تھے تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آکر مسئلہ دریافت کرلیا کرتے تھے دین کا ایک بہت بڑا حصہ سیدہ عائشہؓ کے ذریعہ سے پھیلا۔ کان فقهاء اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجعون اليها (تذكرة الحفاظ ص ٢٧ ج ١) وقال عروة ماراًيت احداً من الناس اعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا انسب من عائشة رضى الله عنها (تذكرة الحفاظ ص ٢٨ ج ١)

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ ٥٦، ٥٧، یا ٥٨ ہجری میں انتقال ہوا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتحال ہوا تو سیدہ عائشہؓ کی عمر اٹھارہ (١٨) برس تھی ان تشرفت بصحبته تسع سنين وقيل ثماني سنين وخمسة اشهر رضى الله عنها (اتحافات ٦٥)

(۹۷) ﴿احمد بن منیعؒ﴾

ابوجعفر کنیت اور البغوی نسبت ہے حافظ ہیں ثقہ ہیں اور صاحبِ مسند ہیں اصحاب ستۃ نے ان سے تخریج کی ہے ثقة حافظ روی عنه اصحاب الصحاح (جمع ۹۳) اور محدثین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے خرج له الستة وروی عنه الجماعة (مواهب ۴۲) ذکر انه اقام یختم القرآن اربعین سنة فی کل ثلاثٍ ومات سنة اربع واربعین ومائتین (مناوی ۹۳)

(۹۸) ﴿ابو قطنؒ﴾

نام عمرو بن الھیثم ہے البصری نسبت ہے صدوق ثقة اخرج حدیثه الائمة الستة (جمع ۹۳) روی عن شعبة ومالک وابو حنیفة وعنه احمد ویحیٰ بن معین قال ابن المدینی ثقة من الطبقة الرابعة. ابن حبان نے آپؒ کو ثقات میں ذکر کیا ہے ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا (تهذیب ص ۱۰۱ ج ۸)

(۹۹) ﴿وہب بن جریرؒ﴾

الازدی البصری ہیں ابن معین اور العجلی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں نسائی فرماتے ہیں لاباس به تکلم فیه عفان یہ ہشام بن حسان اور ابن عوف سے روایت کرتے ہیں اور احمدؒ ان سے روایت کرتے ہیں اصحابِ ستۃ نے ان سے تخریج کی ہے رجب ۲۰۶ھ میں سفرِ حج سے واپس آرہے تھے تو دمشق میں شہید ہوئے اور بصرہ میں دفن ہوئے قتل علی مرحلة من دمشق راجعاً من الحج فحمل ودفن بالبصرة (مناوی ۹۳)

(۱۰۰) ﴿حدثنی ابی﴾

جن کا نام جریر اور کنیت ابوالنصر ہے احد الائمة الکبار الثقات بعض نے انہیں صغار تابعین میں شمار کیا ہے آخر عمر میں اختلاط ہو جاتا تھا تب اولاد نے انہیں روایت کرنے سے منع کردیا فلم یسمع منه احد بعد الاختلاط (مناوی ۹۴) امام بخاریؒ فرماتے ہیں ربما یهم قال غیره فی حدیثه عن قتادة ضعف خرج له الستة مات سنة سبعین ومائتین (مناوی ۹۴)

(۱۰۱) ﴿حضرت قتادہؒ﴾

جلیل القدر تابعی ہیں والد کا نام دِعامہ ہے ابوالخطاب کنیت ہے البصری ہیں ثقة ہیں ۶۰ھ میں مادر زاد نابینا پیدا ہوئے۔ قد اتفقوا على انه احفظ اصحاب الحسن البصری (جمع ۹۴) ابن المدینی سے روایت ہے کہ حضرت قتادہؒ کے دروازہ پر کسی سائل نے آواز دی اور لوٹ گیا اسی دوران حضرت قتادہؒ کے گھر سے ایک پیالہ چوری ہوگیا اس واقعہ کے دس سال بعد حضرت قتادہؒ کو حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اسی سفر میں ایک اعرابی نے ان کے قافلہ یا قیامگاہ کے قریب سوال کیا حضرت قتادہؒ نے اس کی آواز سنی تو اولِ وھلہ میں فرمایا صاحب القدح هذا یعنی دس سال قبل پیالے چرانے والے صاحب یہی سائل ہیں اسے پکڑا گیا اور پوچھا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا وقد اخرج حديثه الائمة كلهم (جمع ۹۴) وقال الكشاف لم يكن في هذه الامة اكمه ممسوح غيره اجمعوا على علمه وزهده (مناوی ۹۴) ۱۱۷ھ میں انتقال ہوا۔

یہاں پر اپنے شیخ ومربی' امیر المؤمنین فی الحدیث محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مبارک الفاظ میں تصنیف کی خیر وبرکت کے لئے ان کا تذکرہ نقل کیا جارہا ہے حضرت شیخ الحدیثؒ کا تو اپنا انداز تھا اور ان کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔

حضرت قتادہؒ تابعین سے ہیں مادرزاد نابینا تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑے حافظہ سے نوازا تھا ایک روز کسی نے حضرت قتادہؒ کے سامنے حضرت جابرؓ کا صحیفہ پڑھا تو قتادہ نے ان سے کہا کہ مجھ سے سورہ بقرہ بھی سن لو اور جابر کا صحیفہ بھی یعنی جس طرح سورہ بقرہ یاد ہے اسی طرح میں نے حضرت جابرؓ کا صحیفہ بھی یاد کرلیا ہے قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ کے اجلہ تلامذہ میں سے ہیں ایک روز حضرت سعید بن المسیبؒ کی درسگاہ میں جا شریک ہوئے چونکہ سوالات زیادہ کیا کرتے تھے اسلئے تیسرے روز حضرت سعید بن المسیبؒ نے دریافت فرمایا اے نابینا! آپ سوالات تو زیادہ کرتے ہیں سبق بھی کچھ سمجھ لیتے ہو یا نہیں۔ حضرت قتادہؒ نے عرض کیا کہ تین دن کے سارے اسباق واحادیث آپ مجھ سے سن لیجئے سب یاد ہیں جب سنانا شروع کیا تو فرماتے ہیں فلاں حدیث آپ نے یوں بیان فرمائی اور یوں

استنباط کیا حسن بصریؒ نے یوں بیان فرمائی اور یوں استنباط کیا۔ میں یہ کہتا ہوں اور یوں استنباط کرتا ہوں ہر حدیث میں تینوں آراء کا اظہار کرتے رہے۔

سعید بن المسیب نے جب یہ منظر دیکھا تو فرمایا ما رأیت مثلک قط اور پھر فرمایا أخرج عنی یا اعمیٰ فقد أرذقت علمی۔ (حقائق السنن ۱۴۸)

(۱۰۲) محمد بن یحییٰ بن ابی عمرؒ

صدوق ہیں اصل میں عدنی ہیں ضعیف السند (جمع ۹۴) کان امام زمانه (مناوی ۹۴) ابوحاتم کہتے ہیں کان فیه غفلة (جمع ۹۴) امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے اکثر روایتیں لی ہیں واخرج الترمذی والنسائی وابن ماجة حدیثه (جمع ۹۴) شمائل میں جہاں کہیں بھی ابن ابی عمر کا نام آتا ہے مراد محمد بن یحییٰ ہوتے ہیں۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۳) سفیان بن عیینةؒ

ابو محمد بن ابی عمران کنیت ہے الھلالی الکوفی ہیں اعور تھے احد الاعلام الکبار (مناوی ۹۴) ثقة ثبت عالم زاہد عابد تھے۔ کوفی سکن مکة قال الشافعی لولا مالک وسفیان لذهب علم الحجاز وسمع من سبعین من التابعین (مناوی ۹۴) روی سفیان الثوری عن القطان عن ابن عیینة وهذا الطریق من روایة الاکابر عن الاصاغر بواسطة خرج له الجماعة (مناوی ۹۴) ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا

(۱۰۴) ابن ابی نجیحؒ

نام عبداللہ ہے روی حدیثه الترمذی وغیره ولم یترجم له احد (جمع ۹۴) آپ طاؤس اور مجاہد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ ابن علیہ اور عطاء نے روایت کی ہے وثقه احمد (مناوی ۹۴) ۱۳۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰۵) مجاہدؒ

والد کا نام جبر یا جبیر تھا مخزومی ہیں علم اور فقہ کے امام ہیں احد الاثبات الاعلام اجمعوا علی امانته

وقلبر آی هاروت وماروت ' حالتِ سجدہ میں مکۃ الکرمہ ۱۰۳ھ میں انتقال ہوا خرج له الستة (مناوی ۹۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جلیل القدر شاگرد اور تلمیذ رشید تھے یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن شریف کی تفسیر پڑھی تھی ۔روی عن علی وسعد بن وقاص والعباد لة الاربعة وغیرہ اور اس سے ایوب سختیانی' عطاء اور عکرمۃ روایت کرتے ہیں ۔قال ابن معین وابوزرعة ثقة (تهذیب ص ۳۹ ج ۱۰)

(۱۰٦) ﴿امِّ ھانئؓ﴾

نام فاختہ یا عاتکہ یا ھند تھا ابو طالب کی بیٹی ہیں حضرت علیؓ کی بڑی ہمشیرہ ہیں اور قدیم الاسلام ہیں فتح مکہ کے وقت ایمان لائیں حضور اقدس ﷺ اکثر ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے اور یہ سعادت بھی امِّ ھانئ کو حاصل ہے کہ آپؐ ان کے گھر میں استراحت فرماتے تھے کہ معراج ہوگئی ۔امِ ھانئ مہاجرہ نہیں ہیں ہجرت کے بعد بھی مکہ میں مقیم رہیں حضور اقدس ﷺ کا ان سے نکاح کرنے کا ارادہ بھی ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ آپؐ ان خالہ زاد ماموں زاد اور چچازاد عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔

وخطبها صلى الله عليه وسلم فاعتذرت فاعذرها(مواهب ٤٧) ان سے ٤٦ احادیث منقول ہیں رواياتها عن رسول الله ﷺ ستة واربعون حديثاً (جمع ۹۴) وهى التى قال المصطفىٰ يوم الفتح قد اجرنا من اجرت يا ام هانئى روى عنها ابنها جعدة وعروة وطائفة ماتت فى خلافة معاوية (مناوی ص ۹۵)

(۱۰۷) ﴿سوید بن نصرؒ﴾

نصر نون کے فتح کے ساتھ' قال العسقلانى فى المقدمة هذه الكلمة اذانكرت كانت بالصاد المهملة واذا عرفت كانت بالضاد المعجمة وهو ثقة اخرج حديثه الترمذى والنسائى (جمع ۹۵) روى عن ابن المبارك وابن عيينة خرج له المصنف والنسائى مات سنة اربعين ومائتين .

(مناوی ۹۵)

(١٠٨) ﴿عبداللہ بن مبارکؒ﴾

بہت بڑے محدث، فقیہ اور امام ہیں ١١٨ھ میں پیدا ہوئے ایک غزوہ سے واپسی پر ١٨١ھ میں انتقال ہوا ۔ بہت بڑے عابد، زاہد، جواد، حافظ الحدیث اور ثقہ امام تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید اور امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں وھو احد الائمة الاعلام اخذ عن اربعة الاف شیخ جمع علما عظیما من فقه وادب وتصوف و نحو وزهد ولغة وشعر ثقة ثبت خرج له الستة (مواهب ٤٧) احقر مؤلف نے ایک اردو رسالہ بھی لکھا ہے ,,امام عبداللہ بن مبارکؒ کے حیرت انگیز واقعات،، کے نام سے، شائقین اسے دیکھ لیں، سوانح پڑھ کر دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔

(١٠٩) ﴿معمرؒ﴾

باپ کا نام راشد ہے البصری ہیں نزیل یمن ہیں اخرج حدیثه الائمة غیر تابعی ہونے کے باوجود آپ سے چار تابعین بھی روایت کرتے ہیں وھو احد الاعلام الثقات خرج له الستة (مناوی ٩٥) قال عبدالرزاق کتبت عن معمر عشرة الاف حدیث وعن ابن جریج قال علیکم بمعمر فانه لم یبق فی زمانه اعلم منه (تذکرة الحفاظ ص ١٩٠ ج ١) ١٥٤ھ میں انتقال ہوا۔

(١١٠) ﴿ثابتؒ﴾

البنانی سے معروف ہیں نسبة الی القبیلة ابومحمد کنیت ہے البصری ہیں ثقة بلا مدافعة جلیل القدر عابد العصر قال احمدؒ ثابت اثبت من قتادة وقال الذهبی ثابت کان اسمه، صحب انس بن مالک اربعین سنة (مناوی ٩٥) ١٢٣ھ میں انتقال ہوا۔

(١١١) ﴿یونس بن یزیدؒ﴾

ای ابن ابی النجارد (مواهب ٤٨) الایلی ہیں اخرج حدیثه الائمة (جمع ٩٦) عن ابن المبارک انّی اذا نظرت فی حدیث معمر ویونس یعجبنی کانهما خرجامن مشکوة واحد (تهذیب ص ٣٩٥ ج ١١) وثقه النسائی وضعفه ابن سعد وتنا قض احمد فیه مات سنة اربع اوتسع

وخمسين اوستين ومائة (مناوى ۹۶)

(۱۱۲) عبیداللہؒ

والد کا نام عبداللہ ہے ان کے والد بھی اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے جلیل القدر تابعین سے تھے کان عبدالله من اعيان الراسخين (مواهب ۴۵) اوران کا دادا عتبہ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھائی تھا تابعی كبير وجده عتبه اخو عبدالله بن مسعود (جمع ۹۶) خود عبیداللہ بھی عظیم فقیہ تھے وهو فقيه ثبت احد الفقهاء' ومن تلامذته عمر بن عبدالعزيز خرج له الستة (مواهب ۴۵) مات سنة ثمان اوتسع وتسعين خرج له الستة (مناوى ۹۶)

(۱۱۳) عبدالرحمٰن بن مہدیؒ

۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے ثقة ثبت عدل حافظ عارف بالرجال (جمع ۹۸) احد اعلام الحفاظ الثقات اهل المناقب العليّة، خرج له الستة، مات بالبصرة سنة ثمان وتسعين ومائة (مناوى ۹۸)

(۱۱۴) ابراھیم بن نافع المکیؒ

مخزومی ہیں' ثقة حافظ روى عنه الائمة الستة قال ابن مهدى .كان اوثق شيخ بمكة. ابن حبانؒ نے اس کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے (تهذيب ص ۱۵۲ ج ۱)

(۱۱۵) اسحٰق بن موسیٰؒ

الانصاری ہیں' ابن عیینہ' اشجعی' ابن وہب اور العنبری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اوران سے ابن بکیر' مسلم' مصنف اورنسائی روایت کرتے ہیں صدوق ہیں۔

صدوق ثقة متقن من العاشره (مناوى ۱۰۰) قال الخطيب ورد بغداد وحدث بها وكان ثقة ابن حبانؒ نے بھی آپؒ کوثقات میں شمار کیا۔ قال البغوى مات ۲۴۴ھ بحمص (تهذيب ص ۲۲۰ ج ۱)

(۱۱۶) ﴿معن بن عیسیٰ﴾

ثقة ثبت اخرج حديثه الستة الا ابن ماجة (جمع ١٠٠) احد ائمة الحديث كان يتوسّد عَتَبَةَ الامام مالک فلا يتلفظ بشئٍ الّا كتبه قال ابن المديني اخرج الينا معن اربعين الف مسئلة سمعهامن مالک، روى عن مالک وابن ابی ذئب ومعاوية بن صالح (مواهب ۴۹) قال ابو حاتم اثبت اصحاب مالک واتقنهم وكان ثقة كثير الحديث ثبتا ماموناً. رضى الشافعى بروايته مات بالمدينة فی شوال سنة ثمان وتسعين ومائة (تهذيب ص ٢٢٦ ج ١٠)

(۱۱۷) ﴿یوسف بن عیسیٰ﴾

کنیّت ابویعقوب ہے وهو ثقة فاضل من العاشرة اخرج له الشيخان وابوداؤد والمصنف والنسائی (مناوی ١٠١) روی عن الفضل بن موسیٰ ووكيع وابن عيينة وعنه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ذكره ابن حبان فی الثقات (تهذيب ص ٣٦٩ ج ١٠) ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۱۸) ﴿ربیع بن صبیح﴾

السعدی البصری ہیں صدوق سئی الحفظ اخرج حديثه البخاری فی تاريخه والترمذی وابن ماجة (جمع ١٠١) القطان انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں لا باس بہ ابن معینؒ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے شعبہؒ نے کہا کہ وہ تو سادات المسلمین سے تھے وقال عفان احاديثه مقلوبة روىٰ عن الحسن وعطاء وعنه ابن مهدى اخرج له البخارى فى تاريخه .والمصنف وابن ماجة مات سنة ستين وقيل سبعين ومائة وهو اول من صنف الكتب بالبصرة (مناوى ١٠١) وقال الجزرى الربيع بن صبيح كان عابداً لكنه ضعيف فى الحديث وقال ابن حبان كان عابداً ولم يكن الحديث من صناعته فوقع فى حديثه المناكير قيل ومن مناكيره فى هذا الحديث كان ثوبه ثوب زيات لكن قال القارى والمناوى له شواهد وذكر شواهده بعدة طرق (عربی حاشیہ خصائل) قال ابوزرعة شيخ صالح صدوق وقال ابن عدى له احاديث صالحة مستقيمة ولم ارله حديثا منكراً جدا و ارجو

انه لا بأس به ولا بروايته (تهذيب ص ۲۱۴ ج ۳)

(۱۱۹) ﴿یزید بن ابانؒ﴾

ابان سحاب کے وزن پر ہے اکثر محدثین اور نحاۃ نے غیر منصرف قرار دیا ہے جبکہ بعض اسے منصرف قرار دیتے ہیں اور اس میں اس حد تک مبالغہ کر گئے کہ بقول ان کے من لم یصرف ابان فهو اتان (مناوی ۱۰۱) الرقاشی نسبت ہے وهى نسبة لبنتِ قيس بن ثعلبة نسب اليها او لاولادها (مناوی ۱۰۱) حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ وہ عابد و زاہد تھے لكنه كما قال النسائي متروك والدار قطني واحمد منكر الحديث فالحديث معلول بل عدّه الجزرى فى تصحيح المصابيح وغيره من المناكير ومن ثم جزم الحافظ العراقى بضعفه (مناوی ۱۰۲) قال ابن عدى له احاديث صالحة عن انس وغيره وارجو انّه لا بأس به لروايات الثقات عنه ذكره البخارى فى الاوسط فى فصل من مات فى عشر ومائة الى عشرين ومائة (تهذيب ص ۲۷۱ ج ۱۱)

(۱۲۰) ﴿ابوالاحوصؒ﴾

نام میں اختلاف ہے بعض نے عون بن مالک اور بعض نے سلام بن سلیم (بالتخفيف فى الاول وبالتصغير فى الثانى) بتایا ہے ثقة متقنٌ (جمع ۱۰۳) ان سے چار ہزار احادیث مروی ہیں وثقه الزهرى وابن معين وقال الحاكم ليس بالمتين من السابعة مات هو ومالك وحماد سنة تسع وسبعين ومائة (مناوی ۱۰۳) تذکرۃ الحفاظ میں آپؒ کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا الحنفى مولاهم الكوفى الحافظ احد الثقات شاتمین صحابہؓ کے بہت مخالف تھے۔ قال العجلى صاحب سنة واتباع (تذكرة الحفاظ ص ۲۵۰ ج ۱)

(۱۲۱) ﴿اشعثؒ﴾

باپ کا نام ابوالشعثاء ہے اپنے والد اور الاسود سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے شعبہؒ نے روایت کی ہے ثقةخرج له الستة (مواهب ۵۰) ۱۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۲) ﴿عن ابیه﴾

نام سلیم بن اسود بن حنظلۃ ہے المحاربی الکوفی ہیں روی عن عمر وابن مسعود وابی ذر ولازم علیا وهو ثقة ثبت مات سنة اثنين وثمانين وغلط من قال ادرک النبی صلی الله علیه وسلم خرج له الجماعة (مناوی ۱۰۳) قال ابوحاتم لا يسأل عن مثله قال العجلی والنسائی ثقة (تهذيب ص ۱۴۵ ج ۴) اخرج حديثه البخاری فی التاريخ والباقی فی صحاحهم (جمع ۱۰۳)

(۱۲۳) ﴿مسروق بن الاجدعؒ﴾

جید محدث اور فقیہ ہیں ثقة امام همام قدوة عابد زاهد من الاعلام الكبار كان اعلم بالفتيا من شريح اخرج الائمة حديثه (مناوی ۱۰۴) بچپن میں شرپسندوں کے ہاتھوں اغواء ہوئے جس کی وجہ سے ان کا نام مسروق پڑ گیا سرق فی صغره ثم وجد فسمی به (جمع ۱۰۳) جلیل القدر تابعین میں سے ہیں امّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے رشتہ دار اور شاگرد ہیں۔ قال ابواسحٰق حجّ مسروق فما نام الا ساجداً اس کی بیوی سے منقول ہے کہ اتنی طویل نماز پڑھتے کہ قدموں میں ورم آ جاتا قد صلی خلف ابی بکر الصدیقؓ ۶۳ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ ص ۴۹ ج ۱)

(۱۲۴) ﴿یحیٰ بن سعیدؒ﴾

۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے ورع، زہد، عبادت، تقویٰ اور حفظ میں اپنے زمانے کے امام تھے كان امام زمانه حفظاً وورعاً وزهداً وهوا لذی رسم لاهل العراق رسم الحديث (مواهب ۵۱) حمید اور اعمش سے روایت کرتے ہیں اور ان سے احمد اور ابن معین نے روایت کی ہے علم وعمل میں سب سے ممتاز اور سردار تھے كان راساً فی العلم والعمل قال احمد مارايت مثله وقال بندار امام زمانه حفظاً وورعاً وزهداً كان يقف بين يديه احمد وابن معين وابن المدينی يسئلونه عن الحديث هيبةً له واجلالاً (مناوی ۱۰۶) ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کرتے پر لکھا ہوا ہے۔ بسم اللّٰهِ الرحمنِ الرحيم براءة ليحيیٰ بن سعيد (مناوی ۱۰۶) شیخ ابراھیم البیجوریؒ لکھتے ہیں واقام اربعين سنة يختم

القرآن فی کل یوم ولیلة ولم یفته الزوال فی المسجد اربعین سنة وبشر قبل موته بعشر سنین بامان من الله یوم القیامة (مواهب ۵۱) ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۵) ﴿ھشام بن حسّانؒ﴾

ثقة تھے کان من اکابر الثقات امام عظیم الشان قال الذهبی واخطا شعبة فی تضعیفه وحسان صیغة مبالغة من الحسن فیصرف لان نونه حینئذٍ اصلیة فان کان من الحس فلا یصرف للعلمیة وزیادة الالف والنون حینئذٍ ونظیره ماقیل لبعضهم اتصرف عفان قال نعم ان هجوته ای لانه حینئذٍ من العفونة لا ان مدحته ای لانه من العفة (مواهب ۵۱) فی التذکره هو الامام ابوعبدالله الازدی الفردوسی روی عن الحسن ومحمد وعکرمة وغیرهم وعنه السفیانان والحمادان وابوعاصم وغیرهم قال ابن عینة کان اعلم الناس بحدیث الحسن. وکان یدیم الصوم سوی یوم الجمعة من اجل امه فلما ماتت سرد الصوم مات فی اول صفر سنة ثمان واربعین ومائة (تذکرة الحفاظ ص ۱۶۳ ج ۱)

(۱۲۶) ﴿حسن بصریؒ﴾

جلیل القدر تابعی ہیں صاحب فضیلت ہیں وهو امام جلیل القدر وهو افضل التابعین اومن افضلهم (جمع ۱۰۶) ائمہ ستہ نے اور ایک جماعت نے ان سے تخریج کی ہے اخرج حدیثه الائمة الستة (جمع ۱۰۶) خرج له الجماعة (مناوی ۱۰۶) سلوک وتصوف کے بھی امام تھے۔

شیخ عبدالرؤف" فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ ماجدہ امّ المومنین حضرت امّ سلمہؓ کی خادمہ تھیں بچپن میں حسن بصریؒ رونے لگے تو حضرت امّ المومنین نے انہیں اپنا تھن دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی حتی صار عالما زاهداً فقیهاً فصیحاً تضرب الامثال بنسکه وهو کثیر الارسال والتدلیس (مناوی ۱۰۶) فضیل بن عیاض فرماتے ہیں ادرک الحسن من اصحاب رسول الله ﷺ مائة وثلاثین (جمع ۱۰۶) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں حافظ علامة من بحور العلم فقیه النفس کبیر الشان عدیم النظر الخ مات سنة عشر ومائة (تذکرة الحفاظ ص ۷۲ ج ۱)

(۱۲۷) ﴿عبداللہ بن مغفلؓ﴾

جلیل القدر صحابی ہیں صحابی مشهور من اصحاب الشجرة (مواهب ۵۲) فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ الشجرة کے نیچے تشریف فرما تھے اور بیعتِ رضوان لے رہے تھے قال کنت ارفع اغصانها عن المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم (مناوی ۱۰۷) فتح مکہ کے روز سب سے پہلے داخل مکہ ہوئے اور بلند آواز سے تکبیر کہی بصرہ میں ۵۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۸) ﴿حسن بن عرفہؒ﴾

صدوق ثبت من العاشرة خرج له المصنف والنسائی وابن ماجة (مناوی وجمع ۱۰۷) آپؒ عمار بن یونس ابن مبارک وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور آپؒ سے ترمذی ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کی ہے قال یحییٰ بن معین ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۲۵۷ھ میں انتقال ہوا (تہذیب ص ۲۵۴ ج ۲)

(۱۲۹) ﴿عبدالسلام بن حربؒ﴾

ابوعبدالرحمٰن کنیت ہے ثقہ ہیں حافظ ہیں حجة ہیں ابن معین اور ابن سعد نے ضعیف قرار دیا ہے من کبار مشیخة الکوفة وثقاتهم ومسند یهم ولد فی حیاة انس بن مالک . خرج له الجماعة (مناوی ۱۰۷) ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۰) ﴿یزید بن ابی خالدؒ﴾

ملا علی قاریؒ اور شیخ مناویؒ نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ کی غلطی ہے صحیح بات یہ ہے کہ لفظِ ابن زائد ہے اسلئے کہ ابوخالد تو یزید کی کنیت ہے ابوخالد ان کا باپ نہیں بلکہ باپ خالد ہے۔ نسبت رملی ہے ثقة عابد ورع یحفظ اربع وعشرین الف حدیث (مناوی ۱۰۷) امام لیث' ابن علیہ' وکیع اور خلف سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے ابوداؤد' الفریابی' ابن قتیبہ روایت کرتے ہیں۔

امام سجزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں ان سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں

دیکھا ہم جب کبھی بھی ان کی محفل میں حاضر ہوتے تو انہیں حدیث بیان کرتے ہوئے پاتے' حدیثوں میں کبھی وعدے ہوتے کبھی وعیدیں' جب ہم حاضر ہوتے دلوں کی دنیا بدلتی اور رونا نصیب ہوتا۔ ۲۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۱) ﴿ابوالعلاء الاودیؒ﴾

نام داؤد بن عمرو الدمشقی ہے منسوب الی اودبن صعب (جمع ۱۰۷) ابوالسلام اور مکحول سے روایت کرتے ہیں ان سے ھیثم اور اھل واسط نے روایت کی ہے ابوزرعۃ نے کہا کہ لاباس بہ دوسرے حضرات نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے خرج لہ ابو داؤد وابن ماجۃ والمصنف (مناوی ۱۰۷) قال العجلی وابن معین ھو ثقۃ (تھذیب)

(۱۳۲) ﴿حمید بن عبدالرحمٰنؒ﴾

دادا کا نام عوف اور ماں کا نام ام کلثوم ہے اپنے باپ اور عمر سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے ان کے بیٹے' زھری اور قتادہ نے روایت کی ہے خرج لہ الجماعۃ (مناوی ۱۰۷) ۱۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۳) ﴿ابوداؤدؒ الطیالسی﴾

سلیمان نام ہے دادے کا نام الجارود ہے البصری ہیں ثقۃ حافظ فارسی الاصل (مواھب ۵۳) روی عنہ البخاری فی التاریخ والترمذی فی الشمائل (جمع ۱۰۸) روی عن ابان بن یزید العطار وجریر بن حازم وغیرھما وعنہ احمد بن حنبل وعلیٰ المدینی عن وکیع قال ابوداؤد جبل العلم وقال العجلی بصری ثقۃ وکان کثیر الحدیث قال یونس بن حبیب قدم علینا ابوداؤد واملٰی علینا من حفظہ مائۃ الف حدیث اخطاء فی سبعین موضعاً فلما رجع الیٰ البصرۃ کتب الینا بانّی اخطأت فی سبعین موضعاً فاصلحوھا (تھذیب ج۴ ص ۱۶۰) ۲۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۴) ﴿ھمامؒ﴾

ان کے والد کا نام یحییٰ ہے جبکہ ھمام بن منبہ دوسری شخصیت ہیں العوذی البصری ہیں۔ علماء بصرہ

میں ممتاز علمی مقام تھا أحد علماء البصرة وثقاتها قال أبو حاتم ثقة في حفظه شئی وقال أبوزرعة لابأس به وربما وهم (مناوی ۱۰۸) أخرج حديثه الائمة الستة (جمع ۱۰۸) قال احمد هو ثبت فی كل مشائخه حسن عطاء نافع وغيرهم سے روایت کرتے ہیں اور آپؒ سے ابن مہدی، حبان شیبان بن فروخ وغیرہم روایت نقل کرتے ہیں مات فی رمضان سنة اربع وستين ومائة (تذكرة الحفاظ ج ا ص ۲۰۱) ۱۶۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۵) ﴿اسحٰق بن منصورؒ﴾

دادے کا نام بہرام ہے کنیت ابو یعقوب ہے احد الائمة الزهاد المتمسكين بالسنة لكنه يتشيّع (مناوی ۱۱۰) صدوق تكلم فيه تشييع روىٰ عنه الستة (جمع ۱۱۰) روى عن ابن عيينة وعبدالرزاق وابى داؤد الطيالسى وغيرهم وعنه الجماعة سوى ابى داؤد وابو حاتم وابو زرعة قال مسلم ثقة مامون احد الائمة من اصحاب الحديث قال النسائى ثقة ثبت (تهذيب ج ا ص ۲۱۹) ۲۵۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۶) ﴿یحییٰ بن موسیٰ ؒ﴾

بلخی وبجستانی ہیں اصل میں کوفی ہیں ثقة مِن العاشرة روىٰ عن ابن عيينة ووكيع وعنه الحكيم الترمذى وغيره خرج له البخارى وابوداؤد والنسائى (مناوی ۱۱۰) قال ابوزرعة والنسائى ثقة قال موسىٰ بن هارون كان من خيار المسلمين ولقب يحيىٰ بخت لانها كلمة كانت تجرى على لسانه (تهذيب ج ا ص ۲۵۳) ۲۴۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۷) ﴿عبدالرزاقؒ﴾

باپ کا نام نافع الحمیری ہے یہ عبدالرزاق بن همّام ہیں ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے جن سے تمام صحاح ستہ والوں نے احادیث نقل کی ہیں الامام احد الاعلام ثقة لكنه يخطئى وقد صنف كتباً وقد عمىٰ آخراً كان يتشيّع خرج له الستة (مناوی ۱۱۰) حافظ كبير مصنف شهير وكان شيخاً لأجلة أصحاب

الحدیث (جمع ۱۱۰) ۲۱۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳۸) ﴿محمد بن عمرؒ﴾

دادے کا نام ولید الکندی الکوفی ہے منسوب الی کندة قبیلة من قبائل العرب ومحلة بالکوفة (جمع ۱۱۲) قال ابوحاتم صدوق والنسائی لاباس به (مناوی ۱۱۲) اخرج حدیثه الترمذی والنسائی وابن ماجة (جمع ۱۱۲) ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا

(۱۳۹) ﴿یحییٰ بن آدمؒ﴾

ثقة حافظ مِن کبار التاسعة رویٰ عن مالک ومسعر وعنه احمد واسحٰق خرج له الستة (مناوی ۱۱۲) طبقہ رواۃ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں کتاب الاموال کے مصنف ہیں کتاب چھوٹی ہے مگر نافع ہے روی عن عیسیٰ بن طهمان والثوری وجریر بن حازم وعنه احمد وابو کریب قال ابن معین والنسائی ثقة وقال ابوحاتم کان یتفقه وهو ثقة (تهذیب ج ۱۱ ص ۱۵۴) ۲۰۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۴۰) ﴿شریکؒ﴾

یہ معروف قاضی شریک ہیں النخعی الکوفی ہیں پہلے واسط میں قاضی رہے پھر کوفہ میں ھو شریک بن عبداللہ بن ابی شریک النخعی لا شریک بن عبدالله بن ابی نمیر کما وهم فیه بعض الشراح صدوق ثقة حافظ لکن کان یغلط ویخطئی کثیراً خرج له الجماعة (مواهب ۵۵) قال العجلی کوفی ثقة وکان حسن الحدیث وکان اروی الناس عنه ومن سمع منه بعد ماولّی القضاففی سماعه بعض الاختلاط ولد ۹۰ھ ومات سنة سبع وسبعین ومائة (تهذیب ج۴ ص ۲۹۴)

(۱۴۱) ﴿عبیداللہ بن عمرؒ﴾

ثقہ ہیں ثبت ہیں اکابر فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے قدمه احمد بن صالح علی مالک فی الروایة عن نافع (مواهب ۵۵) قدمه ابن معین علی القاسم عن عائشة وعلی الزهری عن عروة عنها (جمع ۱۱۲) ۱۴۴ھ ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ میں انتقال ہوا

(۱۴۲) ﴿نافعؒ﴾

حضرت ابن عمرؓ کے مولیٰ اور العدوی ہیں احد الاعلام مِن ائمة التابعين ثقة ثبت اصله مِن المغرب اومِن نيسابور مات سنة سبع اوتسع عشرة ومائة خرج له الجماعة (مناوی ۱۱۲) روی عن ابی سعيد الخدری وعائشة وامّ سلمةوعنه يزيد بن حبيب وابو اسحٰق السبيعی قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث وقال البخاری اصح الاسانيد مالک عن نافع عن ابن عمرقال ابن خراش ثقة نبيل ذكره ابن حبان فی الثقات (تهذيب ج۱۰ ص ۳۶۸) آپؒ فرماتے ہیں میں نے ابن عمرؓ کی تیس سال خدمت کی فاعطاه ابن عامر فِیّ ثلاثين الف درهم فقال انی اخاف ان تفتننی دراهم ابن عامر اذهب فانت حر وقيل كان لنافع جارية اسمها كوكب الصبح (تذكرةالحفاظ ج ا ص ۱۰۰)

(۱۴۳) ﴿عبداللہ بن عمرؓ﴾

نام عبداللہ اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے بہت مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں ان کی مرویات کی تعداد ۱۶۰۳ ہے روی له عن رسول الله صلی الله عليه وسلم الف وستمائة وثلاثون حديثاً (مواهب ۵۵) كثير الصدقه تھے ایک ہی مجلس میں تیس ہزار تک خرچ کر ڈالتے تھے ساٹھ حج کیئے اور ایک ہزار عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کی ولد بعد البعثة بقليل وهاجرابوه واستصغر يوم احد وهوابن اربع عشرة سنة وحضر الخندق وبيعة الرضوان وهو شقيق حفصة امّ المؤمنين واحد الستةالمكثرين بل قال ابن رسلان هو اكثر الصحابة حديثاً كان مِن اشد الناس اتباعاً للسنة مات سنة ثلاث او اربع وسبعين (مناوی ۱۱۳) هو احد الاعلام فی العلم والعمل ومناقبه جمة اثنی عليه النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ووصفه بالصلاح (تذكرة الحفاظ ج ا ص ۳۷)

(۱۴۴) ﴿عاصم ابن عمرؓ﴾

بعض حضرات نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ روایت کی سند میں اختلاف ہے سند میں اولین راوی عبداللہ بن عمر نہیں جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ؓ کے مشہور ومعروف فرزند ہیں اور جن کا

انتقال ۷۷ھ میں ہوا ہے جو عظیم محدث' مفسر اور فقیہ تھے جن کا اجمالی تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے بلکہ یہ روایت حضرت عمرؓ کے دوسرے صاحبزادے عاصم سے ہے ان کا سلسلہ نسب عبداللہ بن عمر بن حوص بن عاصم بن عمر بن الخطابؓ ہے یہ ابن عمر دراصل حوص کے بیٹے ہیں جو آپ کی نسل ہیں۔

(۱۴۵) ﴿ابو کریبؒ﴾

نام محمد بن العلاء ہے الھمد انی الکوفی ہیں الثقة احد الاعلام المکثرین ظهر له بالکوفة ثلاثمائة الف حدیث مات سنة ثمان واربعین ومائتین خرج له الستة (مناوی ۱۱۳) سمع ابن عیینة وابن المبارک وحاتم بن اسمٰعیل وعنه الجماعة والفریابی وابن خزیمة قال موسٰی بن اسحٰق سمعت من ابی کریب مائة الف حدیث قال مطین اوصی ابو کریب بکتبه ان تدفن معه فدفنت (تذکرة الحفاظ ج۲ ص ۴۹۷)

(۱۴۶) ﴿معاویة بن ہشامؒ﴾

القصار الکوفی ہیں قال ابو حاتم صدوق وابو داؤد ثقة وابن معین لیس بذاک وخطأ الذهبی من زعم انه متروک مات سنة اربع ومائتین خرج له البخاری فی الأدب والخمسة (مناوی ۱۱۳)

(۱۴۷) ﴿شیبانؒ﴾

صدوق یهم رمی بالقدر اکثر الروایة عنه مسلم واخرج حدیثه الترمذی والنسائی (جمع ۱۱۳)

(۱۴۸) ﴿عکرمةؒ﴾

حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں والد کا نام عبداللہ ہے احد اوعیة العلم لکنه متهم برأی الخوارج وثقه جمع منهم البخاری. روی عن ابن عباس (مولاه) وعائشة وابی هریرة وغیرهم وحدث عنه خلائق منهم ایوب وابوبشر وعاصم الاحول وافتی فی حیاة ابن عباس قال عکرمة طلبت العلم اربعین سنة وعن الشعبی قال مابقی احد اعلم بکتاب اللّٰه من عکرمة. مات سنة سبع ومائة (۱۰۷ھ) بالمدینة (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۹۵) مولیٰ ابن عباس ثبت عالم ولم یثبت تکذیبه عن

ابن عمر وهو من كبار التابعين (جمع ۱۱۴)

(۱۴۹) ﴿محمد بن بشرؒ﴾

احد الاعلام ثقة خرج له الستة (مواهب ۵۶)

(۱۵۰) ﴿علی بن صالحؒ﴾

الکوفی الھمدانی ہیں ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے قال فی الکاشف وکان رأساً فی العلم والعمل والقراءة .خرج له الجماعة خلاف البخاری (مناوی ۱۱۴) ۱۵۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۵۱) ﴿ابو جحیفةؓ﴾

صحابی مشهور كان فی وفاة النبی صلی الله علیه وسلم لم يبلغ روى عنه خمسون حديثاً فی البخاری وفی مسلم ثلاثة وفيهما حديثان (جمع ۱۱۵)

آپ وھب الخیر کے نام سے موسوم تھے وکان علی المرتضیٰ یحبه ویسمیه وهب الخیر وجعله علی بیت المال قال الذهبی ثقة (مناوی ۱۱۵)

(۱۵۲) ﴿شعیب بن صفوانؒ﴾

الثقفی الکوفی الکاتب قال فی الکاشف قال ابن عدی عامة مايرويه لا يتابع عليه له فی مسلم حديث واحد وقال ابن حجر مقبول (مناوی۱۱۵) اخرج حديثه البخاری (جمع ۱۱۵) روى عن ابی اسحٰق السبیعی وعبدالمالک بن عمیر وحمزة الزيات وعنه ابوابراهيم وابوداؤدالطيالسی قال ابوحاتم يكتب حديثه ولا يحتج به ذكره . ابن حبان فی الثقات سكن بغداد ومات بها فی ايام هارون (تهذيب ج۴ ص ۳۰۹)

(۱۵۳) ﴿عبدالملک بن عمیرؒ﴾

عمیر مصغّر ہے اللخمی العجلی ہیں ويقال القبطی ' فصيح عالم تغيّر حفظه وربما دلّس قال احمد مضطرب الحديث وقال ابن معين مختلط وثقه جمع ُ(مناوی ص ۱۱۵) اخرج حديثه الستة

(جمع ۱۱۵) ۱۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۵۴) ﴿إياد بن لقيطؒ﴾

العجلی ہیں قال الذهبی ثقة خرج له البخاری فی تاریخه ومسلم وابوداؤد (مناوی ۱۱۵) من الرابعة السدوسی روی عن البراء بن عازب وابی رمثة وعنه ابنه وعبدالملک بن عمیر قال ابن معین والنسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج ۱ ص ۳۳۸)

(۱۵۵) ﴿ابو رمثةؓ﴾

مشہور صحابی ہیں ان کے اصلی نام میں اختلاف ہے بعض نے اس کا نام رفاعہ بعض نے خباب بعض نے جندب اور بعض نے خشخاش بتایا ہے التیمی ہیں تیم الرباب واحترز عن تیم قریش قبیلة من بکر (جمع ۱۱۵) والرباب (بکسر الراء) وهم خمس قبائل ضبة وثور وعکل وتیم وعدی غمسوا أیدیهم فی زب وتحالفوا علیه فصاروا یداً واحدقوا الزب ثفل السمن (مواهب ۵۷) گویا قبیلہ تیم ان پانچ قبائل کا وفاق تھا۔

(۱۵۶) ﴿سریج بن النعمانؒ﴾

اصل میں خراسان سے ہیں أخذ عن ابن الماجشون وعنه البخاری ثقة (مواهب ۵۷) اخرج حدیثه البخاری والاربعة (جمع ۱۱۷) روی عن فلیح بن سلیمان والحماد وعنه البخاری وابوزرعة واحمد بن حنبل قال ابن سعد والعجلی هو ثقة قال الدار قطنی ثقة مامون (تهذیب ج ۴ ص ۳۹۷) ۲۱۷ھ میں انتقال ہوا

(۱۵۷) ﴿حماد بن سلمۃؒ﴾

البصری العابد الزاهد المستجاب الدعوة احد الاعلام قال ابن معین اذا رأیت من یقع فیه فاتهمه علی الإسلام وقال ابن عاصم کتب عن حماد بن سلمة بضعة عشر الفاً وقال ابن حجر اثبت الناس فی ثابت لکن تغیراً خیراً خرج له مسلم والاربعة والبخاری فی تاریخه (مناوی ۱۱۷) ۱۶۷ھ

میں انتقال ہوا۔

(۱۵۸) ﴿ھشیمؒ﴾

مصغّر ہے ابومعاویہ کنیت ہے اسلمی الواسطی ہیں وھو امام ثقة حافظ بغداد (مواھب ۵۸) مدلّس عاش ثمانین سنةً (مناوی ۱۱۸) اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۱۸) قال الامام الذهبی سمع الزهری وعمرو بن دینار وایوب السختیانی وخلقاً کثیراً وحدث عنه شعبه ویحییٰ القطان واحمدبن حنبل وغیرهم قال یعقوب الدورقی کان عند هشیم عشرون الف حدیث قال ابن المبارک من غیّر الدهر حفظه فلم یغیّر حفظ هشیم ۱۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۹ ج ۱)

(۱۵۹) ﴿عثمان بن موھبؒ﴾

صوابه عثمان بن عبدالله بن موهب کماصرح به بعد نسبه لجده وهو التمیمی مولاهم المدنی الاعرج الطلحی اخذ عن ابی هریرة وابن عمر وطائفة وعنه شعبة وعدة ثقة من الرابعة لم یخرج له من الستة الاالنسائی (مناوی ۱۲۰) قال العجلی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات مات ۱۶۰ھ

(تهذیب ص ۱۲۱ ج ۷)

(۱۶۰) ﴿ابوعوانةؒ﴾

الحافظ احد الثقات رأی الحسن وابن سیرین قال عفان هو اصح حدیثا عندنا من شعبة مات سنة ست وسبعین ومائة بالبصرة (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۶ ج ۱) اسمه الوضاح الواسطی البزاز احد الاعلام سمع قتاده وابن المنکدر ثقة ثبت خرج له الستة (مواهب ۶۰)

(۱۶۱) ﴿امّ المؤمنین امّ سلمةؓ﴾

التی هی امّ المؤمنین وزوجة افضل الخلق أجمعین اسمها هند بنت اُمیة تزوجها رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فی شوال وبنیٰ بهافی شوال وماتت فی شوال (مواهب ۶۰)

(۱۶۲) ﴿ابراهیم بن ہارونؒ﴾

البلخی العابد الزاهد صدوق ثقة روی عن حاتم بن اسماعیل وخلق خرج له الحکیم الترمذی وغیره (مناوی أ ۱۲۱) اخرج حدیثه النسائی فی کتابه (جمع ۱۲۱) قال النسائی ثقة (تهذیب ۱۵۳ ج ۱)

(۱۶۳) ﴿النضر بن زرارةؒ﴾

ابو الحسن الکوفی نزیل بلخ مستور (جمع ۱۲۱) زرارۃ کے باپ کا نام عبدالکریم الذهلی ہیں أوردهُ الذهبی فی الضعفاء والمتروکین وقال انه مجهول وقال ابن حجر مستور مِن التاسعة خرج له المصنف فی الشمائل فقط (مناوی ۱۲۱) روی عن عیسٰی بن طهمان و ابی حنیفة و سفیان الثوری وغیرهم وعنه ابراهیم بن هارون وقتیبة بن سعید و احمد وغیرهم ذکره ابن حبان فی الثقات وذکر ابن سعد انّه ولد علی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (تهذیب ۳۹۰ ج ۱۰)

(۱۶۴) ﴿ابو جنابؒ﴾

اسمه یحیی بن ابی حیّة الکلبی محدث مشهور ربما ضعفوه لکثرة تدلیسه مِن السادسة اخرج حدیثه ابو داؤد والترمذی وابن ماجة (جمع ومناوی ۱۲۱) روی عن ابیه ویزید بن البراء والضحاک وعنه السفیانان وجریر وهشیم . قال ابن معین لیس به بأس الّا کان یدلس قال العجلی یکتب حدیثه وفیه ضعف ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ص ۱۷۷ ج ۱۱)

(۱۶۵) ﴿الجهذمةؓ﴾

دحرج کے وزن پر ہے صحابیۃ ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر لیلٰی رکھا یہ بشیر بن خصاصیہ کی اهلیہ ہیں ان کے شوہر کا نام زحما تھا آپ ؐ نے اس کو تبدیل کر کے بشیر رکھ دیا کان اسمه زحما فغیّره صلی اللّٰه علیه وسلم وسمّاه بشیرا (مواهب ۶۰) یہ آپ ؐ کی صحابیۃ اور انصارِ مدینہ سے ہیں۔ روت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وعنها ایاد بن لقیط وسماک بن حرب وغیره (تهذیب ص ۴۳۵ ج ۱۳)

(۱۶۶) ﴿بشیر ابن الخصاصیہؓ﴾

نسبہ الی خصاصة بن عمرو بن کعب بن الغطریف الأکبر وھی ام جلہ الاعلیٰ ضیاری بن سلوس واسمھا کبشة ووھم من قال إنھا امّہ وانما ھی جلتہ (مواھب ۶۰)

(۱۶۷) ﴿عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ﴾

حافظ الحدیث ہیں جید عالم ہیں ثبت ہیں سمرقندی الدارمی ہیں صاحب المسند المشھور رہیں ابوحاتم نے کہاھو امام اھل زمانہ خرج لہ الجماعة۔ ایک جماعت نے ان سے تخریج کی ہے ۲۵۵ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۱۲۲) روی عن النضر بن شمیل ویزید بن ھارون وغیرھما وعنہ مسلم وابوداؤد والترمذی والبخاری فی غیر الجامع قال احمد بن حنبل کان ثقة وزیادة واثنی علیہ خبر وفی الزھرة روی عنہ مسلم ثلاثة وسبعین حدیثا (تھذیب ص ۲۵۹ ج ۵)

(۱۶۸) ﴿عمرو ابن عاصمؒ﴾

الکلابی العبسی البصری الحافظ روی عن خلق کثیر منھم شعبة وعنہ البخاری وخلق قال کتبت عن حماد بضعة عشر ألف حدیث قال ابن حجر صدوق خرج لہ الجماعة فی حفظہ شئی اخرج حدیثہ الائمة الستة فی صحاحھم ۲۱۳ھ میں انتقال ہوا (جمع ومناوی ۱۲۲، ۱۲۳) قال ابن معین ثقة وقال النسائی لیس بہ بأس (تذکرة الحفاظ ص ۳۹۲ ج ۱)

(۱۶۹) ﴿عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ﴾

کان احمد وابن راھویہ یحتجان بہ لکن قال ابوحاتم لین الحدیث وقال ابن خزیمة لا أحتج بہ خرج لہ البخاری وابوداؤد وابن ماجة (مواھب ۶۱) وعبداللہ صدوق (جمع ۱۲۳) وامّ عبداللہ زینب بنت علی روی عن عمر وجابر وعدة وعنہ معمر وغیرہ مات بعد الاربعین (مناوی ۱۲۳) ذکرہ ابن سعد فی الطبقة الرابعة من اھل المدینة قال العجلی مدنی تابعی جائز الحدیث قال الترمذی صدوق وقد تکلم فیہ بعض اھل العلم من قبل حفظہ قال خلیفہ مات بعد الاربعین ومائة

(تھذیب ص ۱۳ ج ۶)

(۱۷۰) ﴿محمد بن حمید الرازیؒ﴾

حمید مصغر ہے الرازی ' رے کی طرف نسبت ہے۔ وھی مدینة کبیرة مشھورة مِن بلاد الدیلم ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے روی عن ابن المبارک وروی عنه احمد ویحییٰ .ایک جماعت نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے امام بخاریؒ نے کہا فیه نظر 'ابن حجرؒ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ابن معینؒ نے کہا کہ ,, حسن الرأی تھے (جمع ۱۲۶) خرج له ابوداؤد والمصنف وابن ماجة (مواھب ۶۲) امام ذھبیؒ فرماتے ہیں ۲۴۸ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۱۲۶) قال ابن حبان ینفرد عن الثقات بالمقلوبات وقال الخلیلی کان حافظاً عالما بھذا لشان رضیه احمد ویحییٰ (تھذیب ج ۹ ص ۱۱۲)

(۱۷۱) ﴿عباد بن منصورؒ﴾

الناجی ہیں کنیت ابوسلمۃ ہے البصری ہیں بصرہ میں قاضی تھے صدوق رمی بالقدر و تغیّر بآخرہ اخرج حدیثه البخاری فی التعلیق والائمة الاربعة فی صحاحھم واختلف فیه (جمع ۱۲۶) روی عن عکرمة وعطاء وابی رجاء وعنه اسرائیل وحماد بن سلمة قال ابن معین حدیثه لیس بالقوی ولکنه یکتب .

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ آپ بصرہ کے پانچ دفعہ قاضی مقرر ہوئے ۱۵۲ھ میں انتقال فرمایا (تھذیب ج۵ ص ۹۱) وقال فی الکاشف ضعیف والنسائی لیس بالقوی (مناوی ۱۲۶) .

(۱۷۲) ﴿عبداللہ بن صباح الھاشمیؒ﴾

البصری ہیں ثقة مِن کبار السادسة۔شیخین 'ابوداؤد اور نسائی نے ان سے تخریج کی ہے ۲۵۰ھ میں انتقال ہوا۔آپؒ معتمر بن سلیمان یزید بن ھارون وغیرھما سے روایت کرتے ہیں قال ابوحاتم صالح وقال النسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات وفی الزھرة روی عنه البخاری ستة ومسلم ثلاثة (تھذیب ج ۵ ص ۲۳۳)

(۱۷۳) ﴿عبید اللہ بن موسیٰ ؒ﴾

السید الجلیل ابو محمد العبسی، مشاہیر حفاظِ حدیث میں ہیں تمام قراءتوں پر مکمل عبور تھا انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ قال الذہبی احد الاعلام علی تشیعہ وبدعتہ قال ابن حجر ثقة خرج له الستة (مناوی ۱۲۸) ۲۱۰ھ یا ۲۱۳ھ میں انتقال ہوا۔ قال العجلی ثقة وکان عالماً بالقرآن رأسا فیه ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال ابن قانع کوفیّ یتشیّع (تھذیب ج ۷ ص ۴۸)

(۱۷۴) ﴿اسرائیل ؒ﴾

یونس کے بیٹے اور ابو اسحٰق کے پوتے ہیں السبیعی ہیں ثقة تکلم فیه بلا حجة (جمع ۱۲۸) ان کی کنیت ابو یوسف الکوفی ہے زیاد بن علاء زید بن جبیر اور عاصم الاحول وغیرھم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے نضر بن شمیل عبد الرزاق اور وکیع ؒ وغیرھم روایت نقل کرتے ہیں۔ قال ابو حاتم ثقة صدوق من اتقن اصحاب ابی اسحٰق امام عجلی نے بھی آپ کو ثقة کہا ہے (تھذیب ج ۱ ص ۲۳۰) ۱۶۰ھ یا ۱۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۷۵) ﴿محمد بن یزید ؒ﴾

الکلاعی الشامی حجة ثقة ثبت عابد وعدّ مِن الأبدال خرج له ابو داؤد والمصنف والنسائی (مواھب ۶۴) قال الذھبی حجة مِن الأبدال (مناوی ۱۳۹) ۱۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ قال احمد بن حنبل کان ثبتا فی الحدیث قال ابن معین وابو داؤد والنسائی ثقة۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے بڑے مستجاب الدعوات تھے (۱۸۸ھ) یا (۱۹۰ھ) میں وفات پائی

(تھذیب ج ۹ ص ۴۶۵)

(۱۷۶) ﴿محمد بن اسحٰق ؒ﴾

مغازی اور سیر کے امام ہیں' احد الاعلام ہیں۔ کان بحر مِن بحار العلم له غرائب واختلف فی الاحتجاج به وحدیثه فوق الحسن خرج له البخاری فی التعلیق (مواھب ۶۴) اخرج حدیثه

البخاری فی التعلیق والترمذی فی الشمائل وباقی الأئمة الأربعة فی صحاحهم (جمع ۱۲۹)
رویٰ عن عطاء وطبقته وعنه شعبة والسفیانان والحماد ان وخلق (مناوی ۱۲۹)

(۱۷۷) ﴿محمد بن المنکدرؒ﴾

تابعی جلیل ثقة متوله بکاء متزهد رویٰ عن ابی هریرةؓ وعائشة وعنه مالک والسفیانان مات سنة ثلاثین ومائة خرج له الجماعة (مناوی ۱۲۹) قال ابن عیینة کان من معادن الصدق ذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان من سادات القراء قال الواقدی یکثر الاسناد عن جابرؓ (۱۶۱ھ) میں انتقال ہوا (تھذیب ج۹ ص۴۱۹)

(۱۷۸) ﴿حضرت جابرؓ﴾

ابن عبداللہ انصاری السلمی ہیں ان مشاہیر صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہیں جو کثرت سے روایت کرتے ہیں جہاد بدر اور اس کے بعد ہونے والے جہادوں میں شمولیت فرمائی شام اور مصر بھی گئے ۱۵۴۰ احادیث ان سے مروی ہیں آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے ۹۴ برس کی عمر میں ۷۸ھ میں وفات پائی صحابہ کرامؓ میں سب سے آخری صحابی تھے جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے۔ صاحب تذکرۃ الحفاظ لکھتے ہیں الفقیه مفتی المدینة فی زمانه حمل عن النبی صلی اللہ علیه وسلم علماً کثیراً نافعًا وله منسک صغیر فی الحج اخرجه مسلم قال جابرؓ استغفرلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیلة البعیر خمساوعشرین مرة وعنه قال کنت امیح الماء یوم بدر .

(تذکرة الحفاظ ج۱ ص ۴۳، تھذیب ج۲ ص ۳۷)

(۱۷۹) ﴿بشر بن المفضلؒ﴾

ابو اسمٰعیل کنیت ہے کان اماماً حجة ثقة روی عن خلق کثیر (مواھب ۲۴) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ روزانہ چار سو رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا ایک دن روزہ اور ایک روز افطار کیا کرتے تھے۔ خرج له الجماعة کان عثمانیاً (مناوی ۱۲۹) ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا

۔ روی عن حمید الطویل وابی ریحانة ومحمد بن المنکدر وعنه احمد واسحٰق ومسدد وغیرهم قال احمد بن حنبل الیه المنتهیٰ فی التثبت بالبصرة وقال ابوزرعة وابوحاتم والنسائی ثقة قال العجلی ثقه فقیه البدن ثبت فی الحدیث صاحب سنة (تهذیب ج ۱ ص ۲۰۲)

(۱۸۰) ﴿عبداللہ بن عثمانؒ﴾

دادے کا نام خثیم (مصغر) تھا۔ القاری المکی حلیف الزهریین قال ابوحاتم صالح الحدیث مات سنة اثنین وثلاثین ومائة خرج له البخاری فی التعلیق والخمسة (مناوی ۱۲۹)

(۱۸۱) ﴿سعید بن جبیرؒ﴾

الاسدی الکوفی ہیں احدالأعلام الکبار (مناوی ۱۳۰) ثقة ثبت فقیه روایته عن عائشة وأبی موسیٰ مرسلة اخرج حدیثه الائمة الستة فی صحاحهم وهو تابعی جلیل بل قیل افضل التابعین (جمع ۱۳۰) آپ کے علم' جلالت قدر اور زہد پر تمام علماء کا اتفاق ہے حجاج نے آپ کو شہید کیا اور آپ کی شہادت کا قصہ بھی عجیب ہے جب آپ کو حجاج کے حکم پر ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو حجاج نے آپ سے دریافت کیا۔ اے سعید! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے فرمایا انت قاسط عادل' تم تو قاسط بھی ہو اور عادل بھی' حجاج یہ سن کر ناراض اور غضبناک ہوا' حاضرین نے عرض کیا۔
محترم! انہوں نے تو آپ کی مدح وتعریف کی پھر ناراضگی اور غصہ کیوں؟ کہنے لگا ارے جاہلو! تم کیا جانو انہوں نے میری شدید مذمت کی ہے انہوں نے مجھے قاسط کہہ کر ظلم سے منسوب کیا ہے اور مجھے ظالم قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واما القاسطون فکانوا لجهنم حطبا اور مجھے عادل کہہ کر مشرک قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم الذین کفروا بربّهم یعدلون پھر اُن کے شہید کرنے کا حکم دیا فلماقطعت رأسه صارت تقول لا اله الا الله جب ان کا سر قلم کیا گیا تب بھی ان کی زبان لااله الا الله پڑھ رہی تھی وعاش بعده خمسة عشر یوماً فقط لد عائه علیه اللهم لا تسلّط علی احد بعدی (مواهب ۶۴) روی عن ابن عباس وابن زبیر وابن عمر رضی الله عنهم وعنه ابواسحٰق السبیعی وآدم بن سلیمان وایوب وغیرهم قال میمون لقد مات سعید بن جبیر وما علیٰ ظهر

الارض احد الا محتاج الی علمه آپ بہت مستجاب الدعوات تھے اصبغ بن زید واسطی نقل کرتے ہیں کہ ان کا ایک مرغ تھا جن کی آواز (بانگ) پر وہ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تھے ایک رات اس نے آواز نہیں دی تو آپ بھی بیدار نہیں ہوئے یہ بات آپ پر بہت گراں گزری فرمایا۔قطع اللّٰه صوته قال فما سمع له صوت بعدها (تهذيب ج ۴ ص ۱۱) حجاج کے متعلق دعاء کی قبولیت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

(۱۸۲) ﴿ابراھیم بن المستمرؒ﴾

البصری الهذلی العروقی ہیں ابن خزیمہ اور جماعت نے ان سے روایت کی ہے نسائی نے کہا صدوق ہیں۔ خرج له ابوداؤد والمصنف والنسائی وابن ماجة (مواهب ۶۴) ذكره ابن حبان فی الثقات وقال ربما اغرب (تهذيب ج ۱ ص ۱۴۳)

(۱۸۳) ﴿عثمان بن عبد الملکؒ﴾

المكی الموذن مستقيم لين بل قال ابو حاتم منكر الحديث واحمد ليس بذاك مِن الخامسة رأى الحسين وروى عن ابن المسيب وعنه ابو عاصم خرج له ابن ماجة (مناوی ۱۳۰) قال ابن معين ليس به بأس ذكره ابن حبان فی الثقات قلت فی اتباع التابعين كانّه لم يصح عنده سماعه من الصحابة وذكر البخاری انّه رأى ابن عباسؓ (تهذيب ج ۷ ص ۱۲۵)

(۱۸۴) ﴿سالمؒ﴾

یہ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ہیں مدینہ منورہ کے مشاہیر فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں جلیل القدر تابعی ہیں كان رأساً فی العبادة والزهد كان يلبس الثوب بدرهمين وقد انتهت نوبة العلم اليه وأقرانه مثل علی بن الحسين زين العابدين وقاسم ابن محمد مات سنة ست اوسبع ومائة خرج له الجماعة (مناوی ۱۳۰) قال مالک لم يكن احد فی زمانه اشبه منه بمن مضىٰ من الصالحين فی الزهد والفضل وقال احمد واسحٰق اصح الطرق الزهری عن سالم عن ابيه ان کے والد صاحب

فرمایا کرتے

یلوموننی فی سالم والو مهم   وجلدة بین العین والانف سالم

مات سنة ست ومائة وقد شاخ رحمه الله تعالیٰ (تذکرة الحفاظ ج ا ص ۸۸)

(۱۸۵) ﴿ابن عمرؓ﴾

یہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں غزوہ خندق' بیعت رضوان اور تمام مشاہد اور جہادوں میں شریک رہے کان اماماً واسع العلم متین الدین وافر الصلاح (مناوی ۱۳۰) زہد وتقویٰ کا نمونہ تھے ۷۳ یا ۷۴ھ میں انتقال ہوا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے . ومناقبه جمة اثنی علیه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ووصفه بالصلاح وعن ابن الحنفیة قال کان ابن عمر حبر هذه الامة قال سعید بن المسیب لوشهدت لاحد انه من اهل الجنة لشهدت لابن عمر وذکرنا فع ان عبداللّٰه تتبع امر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وآثاره وافعاله حتی کانه خیف علی عقله (تذکرة الحفاظ ج ا ص ۳۷)

(۱۸۶) ﴿الفضل بن موسیٰ رحؒ﴾

ابوعبداللہ کنیت ہے السینانی ہیں قریہ سینان کی طرف نسبت ہے المروزی ہیں اصحاب ستہ نے ان سے تخریج کی ہے ثقاتِ صغار التابعین سے ہیں الذھبی فرماتے ہیں

ماعلمت فیه لیناً الا ماروی عن ابن المدینی انه قال له مناکیر رویٰ عن هشام بن عروة وطبقته وعنه ابن راهویه وخلق مات سنة احدی او ثنتین وتسعین ومائة مِن التاسعة (مناوی ۱۳۱) قال ابن معین وابن سعد ثقة قال ابوحاتم صدوق قال وکیع اعرفه ثقة صاحب سنة ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۸ ص ۲۵۷)

(۱۸۷) ﴿ابوتمیلةؒ﴾

ان کا نام یحییٰ بن واضح ہے المروزی الانصاری ہیں۔ اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۳۱) تمیلة بروزن عبیدة کے ہے وتمیلة دابة بریة کالهر امام احمد نے فرمایا لا بأس به۔ ابن معین کہتے ہیں ثقة (مناوی

۱۳۱) ابواسحٰق سے روایت کرتے ہیں اور ان سے احمد، ابن ابی شیبۃ اور الدورقی روایت کرتے ہیں قال ابو حاتم ثقة فی الحدیث ادخله البخاری فی الضعفاء وقال صاحب المیزان لم ارله فی الضعفاء للبخاری ذکراً ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج ۱۱ ص ۲۵۷)

(۱۸۸) ﴿زید بن حبابؒ﴾

کنیت ابوالحسن ہے الشکلی، خراسانی پھر کوفی ہیں حافظ الحدیث ہیں اصحاب ستہ نے ان سے تخریج کی ہے۔قال الذهبی لا بأس به وقال ابن حجر صدوق ویخطئی فی حدیث الثوری (مواهب ۶۵) حسین بن واقد سے روایت کرتے ہیں اور آپؒ سے احمد وغیرہ نے روایت کی ہے مات سنة ثلاث ومائتین (مناوی ۱۳۱) آپ اندلسمیں قاضی تھے ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ قال ابو حاتم صدوق صالح وقال علی بن المدینی والعجلی ثقة (تهذیب ج۳ ص ۴۴۷)

(۱۸۹) ﴿عبدالمومن ابن خالدؒ﴾

الحنفی المروزی ہیں مرو کے قاضی تھے۔ابوحاتم نے کہا لا بأس به السلیمانی نے کہا فیه نظر. الذھبی نے کہا صدوق. خرج له ابوداؤد وقال الحافظ العراقی ولیس له عند المولف الا هذا الحدیث مِن السابعة خرج له ابوداؤد والمصنف (مناوی ۱۳۱) مذکورہ تینوں راوی عبدالمؤمن سے روایت کرتے ہیں۔ حسن ابن بریدہ اور عکرمہ سے روایت کرتے ہیں اور آپؒ سے ابوتمیلہ، فضل بن موسیٰ وغیرہ روایت نقل کرتے ہیں ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۶ ص ۳۸۳)

(۱۹۰) ﴿زیاد بن ایوب البغدادیؒ﴾

زیاد، عماد کے وزن پر ہے ابوھاشم کنیت ہے طوسی ہیں دلویہ ان کا لقب ہے مگر لقب سے وہ غضبناک ہو جاتے تو پھر ان کا لقب احمد پڑ گیا (مناوی ۱۳۲) ثقہ ہیں حافظ الحدیث ہیں اخرج حدیثه الشیخان والترمذی والنسائی (جمع ۱۳۲) روی عن عبدالله بن ادریس ومروان بن معاویة وعنه البخاری وابوداؤد والترمذی والنسائی قال المروزی عن احمد اکتبوا عنه فانه شعبة الصغیر وقال ابو اسحٰق

الاصبحانی لیس علی بسیط الارض احد اوثق من زیاد بن ایوب قال ابو حاتم صدوق (۲۵۲ھ) میں وفات پائی (تھذیب ج۳ ص ۳۰۶)

(۱۹۱) ﴿امّه﴾

قال الزین العراقی ویحتاج الحال الی معرفة حالها ولم ارمن ترجمّها (مناوی ۱۳۲)

(۱۹۲) ﴿عبداللہ بن محمد بن الحجاجؒ﴾

ابن حزیمہؒ وغیرہ نے ان سے علم حدیث اخذ کیا ہے صرف ترمذی ہی ان سے تخریج کرتے ہیں۔ صدوق اخرج حدیثه الترمذی فقط (جمع ۱۳۳) ۲۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ ابو یحییٰ آپؒ کی کنیّت اور الصواف سے مشہور تھے روی عن ابی عامر العقدی وابی معمر وعنه الترمذی وموسیٰ ابن هارون روی عن البزار وقال هو ختن معاذ بن هشام روی عن الترمذی حدیث اسماء بنت یزید کان کمّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی الرسغ (تهذیب ج٦ ص ٧)

(۱۹۳) ﴿مُعاذ بن ھشامؒ﴾

مُعاذ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اخرج حدیثه الستة ' البصری ہیں ابن عدی نے کہا صدوق ہیں لیس بحجة وربما غلط ۲۰۰ھ میں انتقال ہوا (جمع' مناوی ۱۳۳)

ابتدائی سکونت یمن میں تھی پھر بصرہ کو مسکن بنایا روی عن ابیه وابن عون وشعبة وعنه احمد واسحٰق وابن المدینی ذکرہ ابن حبان فی الثقات ابن قانع فرماتے ہیں ثقہ اور مامون ہیں آپؒ فرماتے ہیں میں نے قتادہ سے دس ہزار حدیثیں سنی ہیں (تھذیب ج۱۰ ص ۱۷۸)

(۱۹۴) ﴿ابیؒ﴾

مراد ھشام ہیں وهو ابن ابی عبداللہ' الدستوائی نسبت ہے کیونکہ الدستوائیة کپڑا بیچا کرتے تھے تو اسی طرف منسوب ہو گئے یہ ایک خاص قسم کا کپڑا ہے جو بلادِ اھواز کے ایک خاص شہر سے طلب کیا جاتا تھا اس شہر کا نام دستواء تھا۔ کان یبیع الثیاب التی تجلب من دستواء روی عن قتادة ویونس

الاسکاف وعنہ شعبة بن الحجاج واسم ابیه سنبر الربعی قال العجلی بصری ثقة ثبت فی الحدیث حجة الدانه یری القدر (تهذیب ج ۱۱ ص ۴۰) قال فی الکاشف کان یطلب العلم للّٰه وقال ابوداؤد الطیالسی کان هشام امیر المؤمنین فی الحدیث (مواهب ۶۷) ۱۵۴ھ میں انتقال ہوا

(۱۹۵) ﴿ بدیلؒ ﴾

اسم مصغّر ہے ابن میسرة سے مزید توضیح کردی گئی ہے تاکہ دوسروں کے ساتھ التباس نہ ہو کیونکہ بدیل کی ایک جماعت ہے۔ العقیلی بھی مصغر ہے یہ ابن میسرہ کی صفت ہے۔ وثقه جماعة وفی نسخ ابن صلیب بالتصغیر والصواب الاول لانه لم یثبت ابن صلیب (مواهب ۶۷) روی عن انس وعبداللّٰه بن شقیق وعطاء وعنه قتادة وشعبة قال ابن سعد وابن معین والنسائی ثقة وقال ابوحاتم صدوق ذکره ابن حبان فی الثقات فی الطبقة الثالثة قال البخاری عن علی ابن المدینی مات ۱۳۰ ھ (تهذیب ج ۱ ص ۳۷۱)

(۱۹۶) ﴿ شہر بن حوشبؒ ﴾

شهر ' فلس کے وزن پر اور حوشب ' جعفر کے وزن پر ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ثابت وغیرہ روایت کرتے ہیں ابن معینؒ اور احمدؒ نے ان کی توثیق کی ہے ابن حجرؒ نے کہا صدوق ربما وهم وقال ابن هارون ضعیف (مواهب ۶۷) ۱۱۱ یا ۱۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ صدوق کثیر الارسال اخرج حدیثه البخاری فی تاریخه والخمسة فی صحاحهم وقال المصنف فی جامعه حدیث حسن غریب (جمع ۱۳۴) آپؒ کی کنیّت ابوسعید اور شامی لقب ہے امام نسائی نے فرمایا لیس بالقوی وقال العجلی شامی تابعی ثقة روی عن اسماء احادیث حسانا (تهذیب ج ۴ ص ۳۲۴)

(۱۹۷) ﴿ حضرت اسماءؓ ﴾

باپ کا نام یزید ہے انصاریہ صحابیہ ہیں کنیّت ام سلمة ہے ان سے مرویات کی تعداد ۸۱ ہے امام بخاریؒ نے ان سے الادب المفرد میں تخریج کی ہے وروی عنها الاربعة۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں قتلت یوم

الیرموک تسعة بخشبةٍ وقتلت ایضاً جماعة مِن الروم کمافی التقریب (مواھب ٦٧)

(۱۹۸) ﴿عروۃ بن عبداللہ بن قشیرؒ﴾

الجعفی ہیں ابن حجرؒ نے کہا ثقہ ہیں ابن سیرین اور ایک طائفہ سے روایت کرتے ہیں ان سے سفیان وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ خرج لہ ابوداؤد وابن ماجة (مواھب ٦٨) ابومھل الکوفی سے مشہور تھے ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال ابوزرعة ثقة (تھذیب ج٧ ص ١٦٧)

(۱۹۹) ﴿معاویہ بن قرۃؒ﴾

کان عالماعاملاً ثقة ثبتاً ولد یوم الجمل ومات سنة ثلاث عشرة ومائة خرج له الجماعة (مناوی ١٣٥) روی عن ابیه ومعقل بن یسار وابی ایوب الانصاری وعنه ثابت البنائی وبسطام بن مسلم قال یحییٰ بن معین ثقة وکذا قال العجلی والنسائی وابوحاتم. قال مطر الاعنق عن معاویة بن قرة لقیت من الصحابة کثیراً منهم خمسة وعشرون من مزینة قال ابن حبان کان من عقلاء الرجال (تھذیب ج١٠ ص ١٩٥)

(۲۰۰) ﴿ابیہؒ﴾

یعنی قرۃ بن ایاس ابن ہلال المزنی مراد ہیں صحابی ہیں۔ نزل بالبصرة ومات سنة اربع وستین خرج له الائمة (مناوی ١٣٥) ابومعاویہ کنیت تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے معاویہ نے روایت کی قتل فی حرب الازارقة مع عبدالرحمٰن بن عیسیٰ فی زمن معاویة وذکرہ ابن سعد فی طبقة الخندقیین (تھذیب ج٨ ص ٣٣١)

(۲۰۱) ﴿عبد بن حمیدؒ﴾

حمید مصغر ہے ان کا نام عبدالحمید ہے بعض نے کہا نصر ہے۔ ثقة حافظ ذوتصانیف. (مواھب ٦٨) علی بن عاصمؒ نضر بن شمیل اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۰۲) ﴿محمد بن الفضل ؒ﴾

کنیت ابوالنعمان ہے نسبت السد وسی البصری ہے حافظ ہیں مکثر ہیں اور ثقہ ہیں لکنه اختلط آخراً فترک الاخذ عنه خرج له الجماعة (مواھب ۶۸) ۲۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ آپ عارم کے ساتھ معروف تھے جریر بن حازم و مھدی بن میمون سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بخاریؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں وفی الزھرة روی عنه اکثر من مائة حدیث قال الدارقطنی تغیربآخرہ وما ظھر له بعد اختلاطه حدیث منکر وھو ثقة وقال العجلی بصری ثقة رَجل صالح (تھذیب ج۹ ص ۳۵۷)

(۲۰۳) ﴿حبیب بن الشھید ؒ﴾

طبیب کے وزن پر ہے تابعی صغیر ثقة ثبت خرج له الستة (مواھب ۶۴) الازدی البصری ہیں صغیر ادرک ابا الطفیل (مناوی ۱۳۷) ۱۴۵ھ میں انتقال ہوا۔ وروی عن الحسن بن ثابت وعمرو بن دینار وعنه شعبة والثوری وقال ابن معین والنسائی والعجلی والدار قطنی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات (تھذیب ج۲ ص ۱۶۲)

(۲۰۴) ﴿سعید بن ایاس الجریری ؒ﴾

جریری نسبت ہے۔ مصغراً أحد اٰبائه وھو احد الثقات الأثبات وثقه جمع تغیّر قلیلاً ولذا ضعفه یحییٰ القطان خرج له الجماعة (مواھب ۷۰) قال ابن معین ھو ثقة وقال ابوحاتم الرازی من کتب عنه قدیماً ھو صالح حسن الحدیث (جمع ۱۳۹) روی عن ابی الطفیل وابی عثمان النھدی وعبداللّٰہ بن بریدة وعنه بشر بن المفضل و ابوقدامة والثوری قال العجلی بصری ثقة واختلط بآخرہ ۱۴۴ھ میں وفات پائی (تھذیب ج۴ ص ۶)

(۲۰۵) ﴿ھشام بن یونس ؒ﴾

الکوفی اللولوی ہیں ثقہ ہیں ابوداؤد اور خود مصنف ان سے روایت کرتے ہیں ۲۵۲ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۱۴۵) آپؒ حفص بن غیاث محاربی اور ابن عیینة وغیرھم سے روایت کرتے ہیں۔ قال

النسائی ثقة وقال المطين كان صدوقاً ذكره ابن حبان فی الثقات (تهذيب ج ١١ ص ٥٢)

(۲۰۶) ﴿القاسم بن مالک المزنیؒ﴾

الکوفی ہیں المزینة قبیلہ کی طرف منسوب ہیں احمدؒ ابن عرفہ اور دیگر کئی محدثین ان سے روایت کرتے ہیں۔ خرج له الشيخان والنسائی و ابن ماجة قال ابن حجر صدوق فيه لين (مواهب ۷۱) اخرج حديثه الجماعة الا ابا داؤد (جمع ۴۰ ۱) ۱۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ قال ابو داؤد عن احمد كان صدوقا ذكره ابن حبان فی الثقات قلت ذكره ابن سعد فی اهل الكوفة وقال كان ثقة صالح الحديث بقی الیٰ بعد التسعين ومائة (تهذيب ج۸ ص ۲۹۸)

(۲۰۷) ﴿عون بن ابی جحیفہؒ﴾

شعبہؒ سفیان اور دیگر کئی محدثین ان سے روایت کرتے ہیں وثقوه خرج له الستة (مواهب ۷۱) قال ابن معين و ابو حاتم والنسائی ثقه ذكره ابن حبان فی الثقات قال خليفة مات فی آخر ولاية خالد علی العراق وقال ابن قانع مات ۱۱۶ھ (تهذيب ج۸ ص ۱۵۱) ۱۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۰۸) ﴿علی بن خشرمؒ﴾

المروزی ہیں حافظ ہیں مسلم نسائی اور ابن خزیمہؒ ان سے روایت کرتے ہیں نسائی نے ثقہ کہا ہے ۲۵۷ھ میں انتقال ہوا (مناوی ۱۴۲) وهو ابو الحسن الحافظ قريب بشر الحافی روی عن حفص بن غياث وعيسیٰ بن يونس وعنه مسلم والترمذی والنسائی ذكره ابن حبان فی الثقات قال النسائی ثقة وفی الزهرة روی عنه مسلم تسعة (تهذيب ج۷ ص ۲۷۸)

(۲۰۹) ﴿عبید اللہ بن ایادؒ﴾

بن لقيط السدوسی ابو السليل الكوفی روی عن ابيه و كليب بن وائل وعبدالله بن سعيد وعنه ابن المهدی و ابن المبارک ذكره ابن حبان فی الثقات وعن ابن معين ثقة و كان عريف قومه قال النسائی والعجلی ثقة. ۱۶۹ھ میں انتقال ہوا (تهذيب ج۷ ص ۴) صدوق خرج له الستة الا ابن ماجة لكن لينه البزار (مواهب ۷۲)

(۲۱۰) ﴿عفان بن مسلمؒ﴾

الباهلی الصغار البصری الثقة الثبت الذی قال فی حقه یحییٰ القطان وما ادراک ما یحییٰ القطان اذا وافقنی عفان لا ابالی من خالفنی قال الذهبی وقد آذیٰ ابن عدی نفسه بذکره له فی الضعفاء لکنه تغیّر قبل موته بایام مات سنة عشرین ومائتین خرج له الستة (مناوی ۱۴۴) روی عن داؤد وشعبة وابوعوانة وعنه البخاری وابوبکر بن ابی شیبه واحمد بن حنبل قال العجلی عفان بصری ثقة ثبت صاحب سنة وقال ابوحاتم امام متقن . قال حنبل بن اسحٰق وامر المامون اسحق بن ابراهیم الظاهری ان یدعوعفان الی القول بخلق القرآن فان لم یجب فاقطع عنه رزقه وهو خمس مائة درهم فی الشهر فاستدعاه فقرأ قل هو اللّٰه احد حتی ختمهافقال مخلوق هذا قال یا شیخ ان امیر المومنین یقول ان لم یجب اقطع رزقه فقال وفی السماء رزقکم وما توعدون وخرج ولم یجب (تهذیب ج۷ ص ۲۰۵)

(۲۱۱) ﴿عبداللہ بن حسان العنبریؒ﴾

تمیمی ہیں ابوالجنید کنیت ہے حبّان سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے الحوضی روایت کرتے ہیں ۔ قال فی الکاشف ثقة وفی التقریب مقبول مِن السابعة بخاری نے اپنی تاریخ میں اورابوداؤد نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے (مواهب ۷۳)

(۲۱۲) ﴿دحیبةؒ﴾

العنبریة مقبولة مِن الثالثة خرج لها البخاری فی تاریخه وابوداؤد (مناوی ۱۴۴) روت عن جدّها حرملة بن عبداللّٰه العنبری وعن جدة ابیها قیلة بنت مخرمة وعنها عبداللّٰه بن حسان العنبری وهی جدته ذکرها ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۱۲ ص ۴۴۵)

(۲۱۳) ﴿علیبةؒ﴾

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ دحیبة اور صفیة دونوں بہنیں تھیں اور دونوں عبداللہ بن

حسّان العنبر ی کی حقیقی جدّ ات تھیں ایک مادری جدہ (نانی) اور ایک پدری جدۃ (دادی) اور یہ دونوں علیبۃ کی بیٹیاں تھیں اسلئے ترمذی ۳۹۹ میں عبداللہ بن حسان العنبر ی کی روایت اس طرح ہے ۔

حدّثتنی جدّتایَ صَفِیّۃُ ودحیبۃ بنتی علیبۃ والصواب عن جدتیہ دحیبۃ وصفیۃ (جمع ۱۴۵) اس کی مزید وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ دحیبۃ اور صفیۃ دونوں علیبۃ کی بیٹیاں تھیں پھر دحیبۃ اورصفیۃکی شادیاں ہوئیں۔دونوں کی اولاد میں سے ایک کا بیٹا اوردوسری کی بیٹی جوان ہوگئیں پھر ان دونوں کا آپس میں نکاح کردیا گیا اسی نکاح میں عبداللہ بن حسان العنبر ی پیدا ہوئے جو اسی حدیث کے راوی ہیں دحیبۃاور صفیۃ میں سے گویا ایک عبداللہ کی نانی اوردوسری داوی ہے جن سے عبداللہ نے روایت اخذ کی ہے یہ دونوں بہنیں صحابیہ رسول حضرت قیلۃ بنت مخرمہ کی پرورده تھیں جن سے ان دونوں نے روایت اخذ کی تھی (ملخصاًاز جمع ۱۴۵)

(۲۱۴) ﴿قیلۃ بنت مخرمہؓ﴾

صحابیہ رسول ہیں وقیل العنزیۃ وقیل العنبریۃ صحابیۃ لها حدیث طویل فی الصحاح خرج لها البخاری فی الادب وابوداؤد (مناوی ۱۴۵) رزی حدیثها عبداللّٰه بن حسان العنبری عن جدتیه صفیة ودحیبة ابنتی علیبة وکانتا ربیبتی قیلة وکانت جدة ابیها جاء ت الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مع حریث بن حسان وافد بنی بکر بن وائل (تهذیب ج ۱۲ ص ۴۷۴)

(۲۱۵) ﴿حبیب بن ابی ثابتؒ﴾

ابویحیٰی کنیت ہےالاعور ہیں الاسدی الکاہلی اورالکوفی ہیں صدوق ثقة المجتهد الکبیر الشان احد الاعلام الکبار روی عن ابن عباس وجندب وعنه سفیان وامم مات سنة تسع عشرة ومائة خرج له البخاری فی الادب والخمسة (مناوی ۱۴۸) قال البخاری عن علی بن المدینی له نحو مائتی حدیث قال العجلی کوفی تابعی ثقة وقال ابوحاتم صدوق ثقة وقال ابن عدی وقد حدث عنه الائمة وهو ثقة حجة (تهذیب ج۲ ص ۱۵۶)

(۲۱۶) ﴿سمرۃ بن جندبؓ﴾

جلیل القدر صحابی ہیں صدوق الحدیث ہیں عظیم الامانۃ مِن عظماء حفاظ المکثرین (مواهب ۷۴) مات سنة ثمان او تسع وخمسين وقيل ستين (مناوی ۱۴۸)

روی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وعن ابی عبيدة وعنه ابناه سليمان وسعد وعبدالله بن بريدة كان الحسن وابن سيرين وفضلاء اهل البصرة يثنون عليه قال ابن سيرين كان عظيم الامانة صدوق الحديث يحب الاسلام واهله قال ابن عبدالبر مات بالبصرة سنه ثمان وخمسين سقط فی قدر مملوءة ماء حارا فكان ذلک تصديقا لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم له ولابی هريرة وثالث معهمايعنی ابا محذورة آخركم موتا فی النار . وقد جاء فی سبب موته غير ماذكر (تهذيب ج۴ ص ۲۰۷)

قدمت به أمه المدينة وهو صغير ' بعد أن توفى أبوه 'وتزوجهاأنصاری ' وكان فی حجره حتی كبر 'وأجازه النبی صلی الله عليه وسلم فی المقاتلة يوم أحد وغزا مع النبی غزوات ' ثم سكن البصرة ' وكان زياديستخلفه عليها إذا سارإلى الكوفة وعلى الكوفة إذا سار إلى البصرة روى له مائة حديث ' اتفق البخاری ومسلم علی حديثين .(اتحافات ص۱۱۱)

(۲۱۷) ﴿یحییٰ بن زکریاؒ﴾

الهمدانی الکوفی ہیں احد الفقهاء الكبار المحدثين الاثبات قيل لم يغلط قط خرج له الستة (مواهب ۷۴) ۱۸۳ھ میں مدائن میں انتقال ہوا۔

روی عن ابيه والاعمش وابن عون وعاصم الاحول وعنه يحيیٰ بن آدم واحمد بن حنبل ويحيیٰ بن معين .

قال ابن المدينی هومن الثقات وقال ايضاانتهی العلم اليه فی زمانه قال ابوحاتم مستقيم الحديث ثقة صدوق قال العجلی ثقة وهو ممن جمع له الفقه والحديث وكان علی قضاء المدائن ويعدّ من حفاظ الكوفيين بالحديث متقنا ثبتا صاحب سنة (تهذيب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

(۲۱۸) ﴿ابیؒ﴾

مراد زکریا ہیں صدوق مشہور حافظ وثقه احمد وقال ابوحاتم لین (مواهب ۷۴) وقال ابوزرعة صویلح یدلس (مناوی ۱۴۹) ۱۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۱۹) ﴿مصعب بن شیبةؒ﴾

العبدی المکی ہیں من الخامسة خرج له مسلم قال ابوحاتم لا یحمدونه والدار قطنی لین واحمد له مناکیر وابوداؤد ضعیف (مناوی ۱۴۹) روی عن ابیه وعمة ابیه صفیة وطلق بن حبیب وعنه ابنه زرارة وابن جریج ومسعر قال یحییٰ ابن معین والعجلی ثقة وقال ابن سعد کان قلیل الحدیث (تهذیب ج۱۰ ص ۱۴۷)

(۲۲۰) ﴿صفیةؒ﴾

یہ شیبة العبدریة کی بیٹی ہے بنوعبدالدار کی طرف نسبت ہے من صغار الصحابة (مناوی ۱۴۹) روت عن النبی صلی اللہ علیه وسلم وعائشة وام حبیبة روی عنها ابنها منصور وقتادذکرها ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۱۲ ص ۴۵۸)

(۲۲۱) ﴿الشعبیؒ﴾

مشہور فقیہ ہیں کبار تابعین سے ہیں روی عن خمس مائة صحابی وکان یمازح (مناوی ۱۵۰) یہاں پر شعبی فتح ش کے ساتھ ہے اصل نام عامر بن شراحیل ہے والشُعبی (بالضم) هو معاویة ابن حفص الشُعبی نسبة لجده والشِعبی (بالکسر) هو عبداللہ بن مظفر الشعبی کلهم محدثون (مواهب ۷۵) علامہ ذھبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں "الشعبی علامة التابعین ابوعمرو" کے عنوان سے تقریباً دس صفحات میں آپؒ کا تذکرہ فرمایا ہے هو من شعب همدان مولده فی اثناء خلافة عمر فی ما قیل کان اماما حافظا فقیها متقنا ثبتا وکان یقول ما کتبت سوداء فی بیضاء ..وهو اکبر شیخ لأبی

حنیفۃؒ روی عن ابی ھریرۃ وابن عباس وعائشۃ وعبداللّٰہ بن عمر وعنہ اسمٰعیل بن ابی خالد والاعمش وابوحنیفۃ وخلق قال احمد العجلی مرسل الشعبی صحیح عن ابی بکر قال قال لی ابن سیرین الزم الشعبی فلقد رائیتہ یستفتی والصحابۃ متوافرون قال عاصم الاحول مارائیت احداً اعلم بحدیث اہل الکوفۃ والبصرۃ والحجاز من الشعبی واستعمل ابن ھبیرۃ الشعبی علی القضاء الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۹)

(۲۲۲) ﴿عروۃؒ﴾

ثقۃ خرج لہ الستۃ (مواھب ۷۵) الثقفی الکوفی ولی امرۃ الکوفۃ ثقۃ مات بعد الستین خرج لہ الستۃ (مناوی ۱۵۰) آپؒ کا لقب ابویعفور تھا ۷۵ھ میں حجاج نے آپ کو کوفہ کا والی بنایا روی عن ابیہ وعائشۃ وعنہ الشعبی ونافع بن جبیر وعباد بن زیاد وغیرھم قال العجلی کوفی تابعی ثقۃ قلت وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان من افاضل اہل بیتہ (تھذیب ج ۷ ص ۱۷۱)

(۲۲۳) ﴿ابیہؒ﴾

مراد حضرت مغیرۃ ہیں مشہور صحابی ہیں وکان مِن خدمۃ المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج لہ الستۃ (مناوی ۱۵۰) شہد الحدیبیۃ وما بعدھا وروی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعنہ اولادہ عروۃ وحمزۃ وعقار وغیرھم قال ابن سعد کان یقال لہ مغیرۃ الرأی وشھد الیمامۃ وفتوح الشام والقادسیۃ . قال ابوالقاسم البغوی کان اول من وضع دیوان البصرۃ (تھذیب ج ۱۰ ص ۲۳۵)

(۲۲۴) ﴿ایوب السختیانیؒ﴾

کبار مشاہیر فقہاء سے ہیں احد المشاھیر الکبار الثقات ثقۃ ثبت حجۃ مِن وجوہ الفقہاء العباد الزھاد وحج اربعین حجۃ خرج لہ الجماعۃ (مناوی ۱۵۲) ۱۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ صاحب تذکرۃ الحفاظ ان کا ترجمہ اس طرح ذکر کرتے ہیں۔ ایوب بن ابی تمیمۃ کیسان الامام ابوبکر السختیانی البصری الحافظ احد الاعلام . قال ابن المدینی لہ نحو ثمان مائۃ حدیث وقال شعبۃ کان ایوب سیّد العلماء روی عن عمرو بن سلمۃ وسعید بن جبیر وابی قلابۃ وعنہ شعبۃ ومعمر والحماد ان

والسفیانان (تذکرة الحفاظ ج ا ص ۱۳۰)

(۲۲۵) ﴿محمد بن سیرینؒ﴾

البصری ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ھو تابعی جلیل مشھور امام فی علم التعبیر اخرج حدیثه الائمة الستة وھو مِن موالی انس کاتبه علی عشرین الفاً فاداھا وعتق وکان له اولاد ستة کلھم نجباء محدثو ن وھم محمد ومعبد وانیس ویحییٰ وحفصة وکریمة ومِن نوادر الاسانید روی محمد عن یحییٰ عن انیس حیث وقع فی الاسناد ثلاثة اخوة (جمع ۱۵۳) تیس صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ کان ثقة ماموناً فقیهاً اماماً ورعاً فی فقهٍ فقیهاً فی ورعه قال ابن عون لم ار فی الدنیا مثله ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ (مناوی ۱۵۳) صاحب تذکرۃ الحفاظ لکھتے ہیں۔ کان فقیها اماما غزیر العلم ثقة ثبتا علامة فی التعبیر رأسا فی الورع وامّه صفیة مولاة لابی بکر الصدیق رضی الله عنه (تذکرة الحفاظ ج ا ص ۷۸)

(۲۲۶) ﴿جعفر بن سلیمان الضبعیؒ﴾

بنی ضبعة قبیلہ کی طرف نسبت ہے بعض نسخوں میں ضبیعی بھی آیا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ صدوق زاھد لکنه ینسب الی التشیع (جمع ۱۵۵) کان مِن العلماء الزھاد علی تشیعه بل رفضه وثقه ابن معین وضعفه ابن القطان وقال احمد لا باس به (مناوی ۱۵۵) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں روی عن ثابت البنانی وابن جریج وعطاء بن السائب وعنه الثوری وعبدالرحمٰن بن مھدی ومالک بن دینار قال ابن حبان کان جعفر من الثقات فی الروایاتَ غیر انه ینتحل الی اھل البیت ولم یکن بداعیة الی مذھبه قال البزار امّا حدیثه فمستقیم (تھذیب ج۲ ص ۸۱)

(۲۲۷) ﴿مالک بن دینارؒ﴾

ھو تابعی مشھور (جمع ۱۵۵) بصرہ کے علماء اور زھاد سے ہیں نسائی اور ابن حبان نے انہیں ثقة قرار دیا ہے ائمہ اربعة نے تخریج کی ہے بخاریؒ نے ان سے اپنی تاریخ میں تخریج کی ہے روی عن

انس مات سنة ثلاثين ومائة (مناوی ۱۵۵) چونکہ صحابی منقطع ہے اسلئے یہ حدیثِ مرسل ہے فالحدیث مرسل (جمع ۱۵۵) کان ابوه من سبی سجستان وقیل من کابل روی عن انس بن مالک وابن سیرین وعطاء بن ابی رباح وعنه ابان بن یزید وصدقة بن موسیٰ ذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان یکتب المصاحف بالاجرة ویتقوت باجرته (تهذیب ج۱۰ ص ۱۳)

(۲۲۸) ﴿دلھم بن صالحؒ﴾

دلہم، جعفر کے وزن پر ہے ابوداوٗدؒ نے کہا لا بـاس بـه ابن معین نے کہا کہ ضعیف ہے، شعبی وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ خرج له ابوداؤد وابن ماجة والبخاری (مواهب ۷۸) کندہ قبیلہ سے ہیں اسلئے الکندی الکوفی سے معروف ہیں روی عن عطاء وعکرمة وعنه وکیع وابونعیم وعبیدالله بن موسیٰ قال ابوحاتم هو احب الیّ من بکیر بن عامر (تهذیب ج۳ ص ۱۸۴)

(۲۲۹) ﴿حجیر بن عبداللهؒ﴾

اخرج حدیثه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة (جمع ۱۵۶) قال الذهبی یجهل وحسن له المصنف وفی التقریب مقبول من الثامنة خرج له ابوداؤد (مناوی ۱۵۶) روی عن عبدالله بن بریدة وعنه دلهم بن صالح اخرجوا له حدیثا واحدًا فی المسح علی الخف وحسنه الترمذی ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۲ ص ۱۸۹) ابن بریدہ کا تذکرہ صفحہ۱۵۲ پر گذر چکا ہے۔ابن بریدة وهو الصواب، وفی بعض النسخ ابوبریدة وغلطه القسطلانی (اتحافات ۱۱۹)

(۲۳۰) ﴿الحسن بن عیاشؒ﴾

الاسدی الکوفی ہیں ان کی معین نے توثیق کی ہے۔ اخرج حدیثه مسلم والترمذی والنسائی (جمع ۱۵۷) مات سنة اثنین وثلاثین ومائة قال الحافظ الزین العراقی ولیس للحسن بن عیاش عند المولف الا هذا الحدیث الواحد (مناوی ۱۵۷) روی عن الاعمش ومغیرة وابی اسحق الشیبانی وعنه ابن المبارک وابن مهدی ویحییٰ بن آدم قال النسائی والعجلی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات

له فی صحیح مسلم حدیث واحد فی الجمعة وقال الطحاوی ثقة حجة (تھذیب ج۲ ص ۲۷۰)

(۲۳۱) ﴿ خالد الحذاءؒ ﴾

الحذاء کا معنیٰ پارہ دوز یعنی موچی، جوتے بنانے والا ایک لفظِ خصاف بھی بولا جاتے ہیں جوتوں کی مرمت کرنے والے اس نام سے امام خصافؒ بھی مشہور ہوئے ہیں۔

مگر خالد موچی نہیں تھے بلکہ موچیوں کے بازار میں موچیوں کے ساتھ ان کی نشست و برخاست تھی ویسمٰی به لقعوده فی سوق الحذائین (مناوی ۱۵۹) بعض کہتے ہیں کہ موچیوں کے خاندان سے شادی کی تھی اولکونه تزوج منهم اولکونه کان کثیراً ما یقول احذ هذا الحذو علی هذا الحدیث لالکونه حذاء (مناوی ۱۵۹) شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں ثقة امام حافظ تابعی جلیل القدر کثیر الحدیث واسع العلم مات سنة احدی واربعین ومائة خرج له الجماعة وقدعیب بدخوله فی عمل السلطان (جمع ۱۵۹) خرج له الجماعة (مواهب ۸۱) ۸۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۳۲) ﴿ یعقوب بن ابراهیمؒ ﴾

ابویوسف المدنی روی عن ابیه وشعبة وعنه ابن معین واسحق قال ابن سعد کان ثقة ماموناً یقدم علی اخیه فی الفضل والورع والحدیث قال العجلی ثقة ۲۰۸ھ میں وفات ہوئی (تھذیب ج ۱۱ ص ۳۳۳) ثقة مکثر خرج له الجماعة ویعقوب بن ابراهیم فی الرواة کثیر جدا وکان ینبغی تمییزه (مناوی ۱۶۰)

(۲۳۳) ﴿ ابواحمد الزبیریؒ ﴾

هو محمد بن عبدالله بن الزبیر الاسدی الکوفی روی عن یحییٰ بن ابی الهیثم وعیسیٰ بن طهمان وسفیان الثوری وعنه ابنه طاهر واحمد بن حنبل وبندار قال النصر بن علی سمعت احمد الزبیری یقول لا ابالی ان یسرق منی کتاب سفیان انی احفظه کله وقال ابن نمیر هو صدوق فی الطبقة الثالثة من اصحاب الثوری ما علمت الاخیر ا مشهور بالطلب ثقة صحیح الکتاب وقال

ابو حاتم عابد مجتهد حافظ للحديث له اوهام مات سنة ثلاث ومائتين (تهذيب ج۹ ص ۲۲۷)
زبیری ان کے جدامجد زبیر کی طرف نسبت ہے الکوفی ہیں اخرج حديثه الستة (جمع ۱۶۰) ثقة ثبت لكنه يخطئ في حديث الثوری مات سنة ثمان ومائتين من التاسعة (مناوی ۱۶۰)

(۲۳۴) ﴿عیسٰی بن طہمانؒ﴾

یہ ابوبکر البصری ہیں طہمان عطشان کے وزن پر ہے نزيل الكوفة عن انس وناس وعنه يحيیٰ بن آدم وقبيصة وعروة ووثقوه وفي التقريب صدوق خرج له البخاری والنسائی (مناوی ۱۶۰) قال ابو حاتم ثقة لا بأس به يشبه حديثه حديث اهل الصدق مابحديثه بأس ابن حبان يتفرد بالمناكير (تهذيب ج۸ ص ۱۹۳)

(۲۳۵) ﴿سعید بن ابی سعید المقبریؒ﴾

ان کا نام کیسان تھا مقبری کی نسبت اس لئے کی جاتی ہے کہ نسبة لزيارة القبور اوحفظها او لكون عمر جعله على حفرها فالمقبری صفة لابی سعيد وهو كثير الحديث ثقة وقال احمد لاباس به لكنه اختلط قبل موته بثلاث سنين وروايته عن عائشة وام سلمة مرسلة مات سنة ثلاث وعشرين ومائة او قبلها او بعدها خرج له الجماعة (مناوی ۱۶۱) قال ابن المدينی وابن سعد والعجلی وابوزرعة والنسائی ثقة قال ابن معين هو اثبت الناس في سعيد بن ابی ذئب روی عن سعد وابی هريرة وعنه مالك وابن اسحق وابن ابی ذئب وغيرهم كان ابوه مكاتبا لامرأة (تهذيب ج۴ ص ۳۴)

(۲۳۶) ﴿عبید بن جریجؒ﴾

التيمی روی عن ابن عمر وابن عباس وابی هريرة وعنه زيد بن عتاب وسليمان بن موسیٰ قال ابوزرعة والنسائی ثقة ذكره ابن حبان في الثقات له عندهم حديث واحد عن ابن عمر في لبس النعل السبتية قلت وقال العجلی مكی تابعی ثقه (تهذيب ج۷ ص ۵۷) اخرج حديثه الشيخان وغيرهما وهو مدنی تابعی (جمع ۱۶۱)

(۲۳۷) ﴿ابن ابی ذئبؒ﴾

نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے الامام الکبیر الشان ثقة فقیه فاضل عالم باسل کامل روی عن عکرمة ونافع وخلف وعنه معمر وابن المبارک وابن وهب وامم کان عظیم الشان وقال احمد کان افضل من مالک ولما حج المهدی ودخل المسجد النبوی قاموا الاابن ابی ذئب فقیل له قم لامیرالمومنین قال انما تقوم الناس لرب العالمین فقال المهدی دعوه قامت منی کل شعرة (مناوی ۱۶۲)قال ابن حبان فی الثقات کان من فقهاء اهل المدینة وعبّاد هم وکان من اَقْوَل اهل زمانه للحق قال الخلیلی ثقة اثنی علیه مالک حدیثه فخرج فی الصحیح اذا روی عنه الثقات فشیوخه شیوخ مالک لکنه قدیروی عن الضعفاء ۱۵۸ھ میں وفات ہوئی (تهذیب ج۹ ص ۲۷۰)

(۲۳۸) ﴿صالحؒ﴾

هوابن النبهان روی عن ابی الدرداء وعائشة وابی هریرة وعنه موسیٰ وابن عقبة وابن ابی ذئب وابن جریج قال مالک لیس بثقة وقال احمد بن حنبل قد روی عنه اکابر اهل المدینة وهو صالح الحدیث ما اعلم به بأسا ذکره ابوالولید الباجی فی رجال البخاری (تهذیب ج۴ ص ۳۵۷)

ثقة ثبت مگر آخر عمر میں مزاج میں تغیّر آ گیا تھا اسلئے یأتی باشیاء تشبه الموضوعات فاستحق الترک وکان قبل تغیره ثبتاً (مناوی ص ۱۶۲) ۱۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

یہ حضرت التوامة کے مولیٰ تھے وهی امرأة لها صحبة وهی مِن صغارالصحابة (مواهب ۸۲) وسمیت توأمة لانها کانت مع اخت فی بطن وهی اخت ربیعة ابن امیة (جمع ۱۶۲)

(۲۳۹) ﴿السدیؒ﴾

یہ السدی الکبیر سے مشہور ہیں والسدة باب الدار نسب الیها لبیعه المقانع بباب مسجد الکوفة واسمه اسماعیل بن عبدالرحمن (مناوی ۱۶۲) اور ایک دوسرے السدی الصغیر ہیں جن کا نام حفید السدی ہے السدی الکبیر ثقہ ہیں وثقه احمد خرج له الجماعة الا البخاری (مواهب ۸۲) ۱۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۴۰) ﴿من سمع﴾

شیخ الںیجوریؒ فرماتے ہیں قال العسقلانی ولم ار فی روایۃ التصریح باسم من حدث السدی واظنہ عطاء بن السائب فانہ اختلط آخرا (مواھب ۸۲)

(۲۴۱) ﴿عمرو بن حریثؓ﴾

القرشی المخزومی ہیں صغیر صحابی ہیں خرج لہ الجماعۃ (مواھب ۸۳) قال الواقدی مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن عشرۃ وروی عنہ ابنہ جعفر وخلیفۃ واصبغ وعطاء بن السائب وغیرھم (جمع ۱۶۲)

(۲۴۲) ﴿الاعرجؒ﴾

احمد کے وزن پر ہے نام عبدالرحمٰن باپ کا نام ھرمز ہے ابوداؤد المزنی کے لقب سے مشہور ہیں ثقۃ ثبت عالم (مناوی ۱۶۳) اسکندریہ میں ۱۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ روی عن ابی ھریرۃ وابی سعید وابن عباس وعنہ زید بن اسلم وصالح بن کسیان والزھری قال ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث قال العجلی مدنی تابعی ثقۃ قال ابن لھیعۃ عن ابی النضر کان الاعرج عالما بالانساب والعربیۃ (تھذیب ج۶ ص ۲۶۰)

(۲۴۳) ﴿محمد بن مرزوق ابوعبداللہؒ﴾

الباہلی ہیں جبکہ محمد بن مرزوق بن عثمان البصری ۔دوسرے صاحب ہیں اس دوسرے صاحب سے اصحاب ستہ میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کی ہے لم یرو عنہ احد من الستۃ کما فی التقریب (مواھب ۸۵) جبکہ ابوعبداللہ الباہلی سے مسلمؒ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ روایت کرتے ہیں مات سنۃ ثمان واربعین ومائتین (مناوی ۱۶۸) اس کی نسبت دادا کی طرف کی گئی ہے جیسے کہ علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ دراصل محمد بن محمد بن مرزوق بن بکیر الباھلی ہیں قال ابوحاتم صدوق ذکرہ ابن حبان فی الثقات وفی الزھرۃ روی عنہ (م) سبعۃ احادیث وذکرہ منسوبا الی جدہ (تھذیب ج۹ ص ۳۸۲)

(۲۴۴) ﴿عبدالرحمٰن بن قیس ابومعاویہؒ﴾

الضبی الزعفرانی ہیں کنیہ ابوزرعة وغیرہ (مناوی ۱۶۸) کذا ذکرہ ابن حجر فی التقریب اخرج حدیثہ الستة (جمع ۱۶۸) قال ابن حجر سکن بغداد ثم نیسابور روی عن ہشام وشعبة وحمید الطویل وعنہ ابوداؤد الطیالسی ومحمد بن مرزوق واحمد بن منصور قال ابن عدی عامة ما یرویه له یتابعه علیه الثقات (تہذیب ج۶ ص ۲۳۲)

(۲۴۵) ﴿عبداللہ بن وہبؒ﴾

اخرج حدیثه النسائی وابن ماجة ایضاً (جمع ۱۶۸) احد الاعلام الاثبات صاحب التصانیف خرج له الجماعة (مناوی ۱۶۹) ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۷ھ میں انتقال ہوا۔ روی عن ابیه وعنه ابراهیم بن عمر وداؤد بن قیس وابوالهذیل وغیرهم قال بن معین هو اقدم من اخیه عبدالرحمن (تہذیب ج۶ ص ۶۷)

(۲۴۶) ﴿ابوعوانةؒ﴾

هوالوضاح ثقة ثبت مِن السابعة خرج له الجماعة (مناوی ۱۷۰) روی عنه الستة (جمع ۱۷۰) هو وضاح بن عبدالله الیشکری کان من سبی جرجان رأی الحسن وابن سیرین وسمع من معاویة بن قرة حدیثا واحدا وروی عن اشعث بن ابی الشعثاء وقتادة وغیرهم وعنه شعبة وحبان بن هلال وسعید بن منصور وغیرهم قال ابن سعد کان ثقة صدوقا وقال العجلی ابوعوانة بصری ثقة (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۳)

(۲۴۷) ﴿ابوبشرؒ﴾

امام ترمذی فرماتے ہیں ان کا نام جعفر بن ابی وحشیہؒ ہے اختلف فیه ثقة وضعفاً (جمع ۱۷۲) هو جعفر بن ایاس الیشکری الواسطی بصری الاصل ثقة مات سنة خمس وعشرین ومائة وقیل سنة ستة وعشرین ومائة (مناوی ۱۷۱) روی عن عباد بن بشر وسعید بن جبیر وعکرمة وعنه

الاعمش وایوب وشعبة قال ابوزرعة والعجلی والنسائی ثقة وقال ابن معین طعن علیه شعبة فی حدیثه عن مجاهد قال من صحیفة (تهذیب ج۲ ص ۷۱)

(۲۴۸) ﴿حفص بن عمر بن عبید الطنافسیؒ﴾

الطنافس کے ساتھ منسوب ہیں منسوب الی طنافس جمع طنفسة. البساط الذی له حمل وحصیر مِن سعف قدره ذراع فکان النسبة للعمل اوالبیع اشعاراً بانه صار علما له بالغلبة واشتهر به وهو ثقة (جمع ۱۷۲) روی عن زهیر بن معاویة وعنه علی بن المدینی ومحمود بن غیلان قلت قال العجلی کوفی ثقة (تهذیب ج۲ ص ۳۵۲)

(۲۴۹) ﴿محمد بن عبداللہ الانصاریؒ﴾

اس نام کے تین افراد ہیں والمسمیٰ بهذا الاسم ثلاثة (جمع ۱۷۴) یہ ان میں سب سے بڑے ہیں ان کے دادے کا نام المثنیٰ ہے دوسرے کے دادے کا نام حفص ہے تیسرے کے دادے کا نام "زیاد" ہے اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۷۴) قاضی البصرة قال ابوزرعة صالح الحدیث وابن معین ثقة ثبت (مناوی ۱۷۴) ۲۱۵ھ میں انتقال ہوا۔ روی عن ابیه وسلیمان التیمی وحمید الطویل وعنه البخاری وقتیبة بن سعید ومحمد بن بشار وغیرهم قال الاحوص عن ابن معین ثقة وقال ابوحاتم صدوق قال النسائی لیس به بأس وذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۹ ص ۲۴۴)

(۲۵۰) ﴿ابی یعنی عبداللّٰه بن المثنیؒ﴾

صدوق کثیر الغلط مِن السادسة خرج البخاری والنسائی (مناوی ۱۷۴) الانصاری البصری روی عن ثمامة بن عبداللّٰه والحسن البصری وثابت البنانی وعنه ابنه محمد وابوقتیبة ومسدد وغیرهم ذکره ابن حبان فی الثقات وقال ربمااخطأ وقال العقیلی لایتابع علی اکثر حدیثه (تهذیب ج۵ ص ۳۳۸)

(۲۵۱) ﴿ثمامةؒ﴾

ابن عبداللّٰه بن انس بن مالک الانصاری البصری قاضیها صدوق وثقه احمد واشار ابن معین

الی تضعیفه عزل سنة عشر ومائة مات بعد ذلک بقلیل خرج له البخاری (مناوی ۱۷۴) روی عن جده انس والبراء بن عازب وعنه ابن اخیه عبدالله بن المثنی وحمید الطویل وحماد بن سلمة قال احمد والنسائی ثقة وقال العجلی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۲ ص ۲۶)

(۲۵۲) ﴿نصر بن علی الجهضمیؒ﴾

ابوعمرو کنیت ہے ملک عراق کے شہر بصرہ میں ایک محلّہ بنام الجہاضمہ ہے نسبة الی جهاضمة محلة بالبصرة (جمع ۱۷۵) وکان احد الحفاظ الاعلام الثقات طلب للقضاء فقال استخیر فدعا علی نفسه فمات خرج له الجماعة (مواهب ۸۸) روی عن ابیه ویزید بن زریع وعبد الاعلیٰ وعیسیٰ بن یونس وغیرهم روی عنه الجماعة وابوزرعة وابوحاتم قال النسائی وابن خراش ثقة قال ابوبکر بن ابی داؤد کان المستعین بعث الی نصر بن علی لیولیه القضاء فقال لامیر البصرة ارجع فاستخیر اللّٰه تعالیٰ فرجع الیٰ بیته فصلی رکعتین ثم قال اللهم ان کان لی عندک خیر فاقبضنی الیک فنام فنبهوه فاذا هو میت مات ۲۵۰ھ (تهذیب ج۱۰ ص ۳۸۴)

(۲۵۳) ﴿نوح بن قیسؒ﴾

الحرانی ہیں نسبة الی حران وهی قبیلة من الازد وهو بصری صدوق (جمع ۱۷۵) صالح الحال حسن الحدیث وکان یتشیع ووثقه احمد لکن نقل عن یحییٰ تضعیفه وقال البخاری لم یصح حدیثه مات سنة ثلاث اواربع وثمانین ومائة خرج له مسلم والاربعة خلا البخاری (مناوی ۱۷۵) روی عن اخیه خالد بن مقیس وثمامة وایوب وابن عون وعنه یزید بن هارون وعفان ومسلم بن ابراهیم قال ابوداؤد ثقة بلغنی عن یحییٰ انه ضعفه وقال النسائی لیس به بأس وقال ابن شاهین فی الثقات قال ابن معین هو شیخ صالح الحدیث (تهذیب ج۱۰ ص ۴۳۲)

(۲۵۴) ﴿خالد بن قیسؒ﴾

یہ رباح البصری کے بیٹے ہیں ثقة' صدوق و قال البخاری لا یصح حدیثه من التاسعة خرج له مسلم وابوداؤد (مناوی ۱۷۵) روی عن عطاء وعمرو بن دینار وقتادة وابومسلمة وعنه اخوه نوح بن

قیس وعلی بن نصر الجهضمی ومسلم بن ابراهیم قال ابن معین ثقة وذکره ابن حبان فی الثقات قلت وقال العجلی ثقة (تهذیب ج ۳ ص ۹۷)

(۲۵۵) ﴿سعید بن عامرؒ﴾

الضبعی ہیں ابومحمد کنیت ہے البصری ہیں اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۷۶) احد الاعلام ثقة مامون صالح ربما وهم مِن التاسعة مات سنة ثمان ومائتین خرج له الستة (مناوی ۱۷۶) روی عن شعبة وهمام بن یحییٰ وسعید بن ابی عروبة وعنه احمد وعلی بن المدینی وبندار وغیرهم قال یحییٰ بن سعید هو شیخ المصر منذ اربعین سنة وقال ابوحاتم کان رجلا صالحا وکان فی حدیثه بعض الغلط وهو صدوق ذکره ابن حبان فی الثقات مولده ۱۲۲ھ مات ۲۰۸ھ (تهذیب ج۴ ص ۴۴)

(۲۵۶) ﴿حجاج بن منہالؒ﴾

السلمی البصری ہیں ابومحمد کنیت ہے اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۷۷) ثقة مِن التاسعة ورع عالم مات سنة ست او سبع عشرة ومائتین (مناوی ۱۷۷) روی عن جریر بن حازم والحمادین وشعبة وعنه ابوموسیٰ وبندار والفضل بن عباس قال ابوحاتم ثقة فاضل وقال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث وقال العجلی ثقة رجل صالح (تهذیب ج۲ ص ۱۸۲)

(۲۵۷) ﴿ابن جریجؒ﴾

المکی ہیں مشہور فقیہ ہیں احد الاعلام اول من صنف فی الاسلام قال یحییٰ هو اثبت مِن مالک مات سنة خمسین ومائة (مناوی ۱۷۷) هو عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ابوالولید روی عن حکیمة بنت رقیقة وابیه عبد العزیز وعطاء بن ابی رباح وکثیرین وعنه الاوزاعی واللیث ویحییٰ بن سعید الانصاری وغیرهم قال علی بن المدینی نظرت فاذا الاسناد تدور علی ستة فذکرهم ثم قال فصار علم هو لاء الی من صنف فی العلم منهم من اهل مکة عبدالملک بن جریج . قال المیمونی سمعت ابا عبدالله غیر مرة یقول کان ابن جریج من اوعیة العلم وقال ابوعاصم کان من العباد وکان یصوم الدهر الا ثلاثة ایام من الشهر (تهذیب

ج۶ ص ۳۵۷)

(۲۵۸) ﴿ عبداللہ بن نمیرؒ ﴾

الهمداني ابوهشام الكوفي ثقة مِن التاسعة خرج له الجماعة (مناوى ۱۷۸) اخرج حديثه الستة (جمع ۱۷۸) روى عن اسماعيل بن ابى خالد والاعمش وهشام بن عروة وعنه ابنه محمد وابوخيثمة وعلى بن المديني وابوكريب قال ابوحاتم كان مستقيم الدهر وقال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث صدوق ذكره ابن حبان فى الثقات (تهذيب ج۶ ص ۵۲)

(۲۵۹) ﴿ محمد بن سہل البغدادیؒ ﴾

التيمي مولاهم ابوبكر اخرج حديثه مسلم والترمذى والنسائى (جمع ۱۸۵)

(۲۶۰) ﴿ یحییٰ ابن حسانؒ ﴾

ثقة امام رئيس خرج له الجماعة الاابن ماجة مات سنة ثمان ومائتين (مناوى ۱۸۵)

(۲۶۱) ﴿ سلیمان بن بلالؒ ﴾

ثقة امام جليل ولى خراج المدينة مات سنة اثنين وسبعين ومائة خرج له الكل (مناوى ۱۸۵)

(۲۶۲) ﴿ شریک بن عبداللہؒ ﴾

وثقه ابوداؤد وقال ابن معين لا باس به . (مناوى ص۱۸۵)

(۲۶۳) ﴿ ابراھیم بن عبداللہؒ ﴾

ابن حنين ثقة مات بعد المائة خرج له الستة (مناوى ۱۸۵)

(۲۶۴) ﴿ عن ابیہ ﴾

مراد عبداللہ بن حنین ہیں ثقة مِن الثالثة خرج له الجماعة له صحبة كان يخدم المصطفىٰ ثم وهبه للعباس (مناوى ۱۸۵)

(۲۶۵) احمد بن صالحؒ

المصری ہیں لہ نسبة الی مصر ثقة حافظ تکلم فیه لکن اثنیٰ علیه غیر واحد روی عنه البخاری وابوداؤد (مواهب ۹۱)

(۲۶۶) ابورافعؒ

نام عبدالرحمٰن ہے حماد بن سلمہ کے شیخ ہیں قال البخاری فی حدیثه منا کیر مِن الرابعة روی له الاربعة (مناوی ۱۸۶)

(۲۶۷) ابراھیم بن الفضلؒ

ای ابن سلیمان المخزومی لا ابراھیم بن الفضل بن سوید ومانحن فیه شیخ مدنی روی عنه المصنف وابن ماجة قال ابن معین ضعیف لا یثبت حدیثه لیس بشئی وقال جمع متروک وقال احمد لیس بقوی (مواهب ص ۹۲)

(۲۶۸) ابوالخطابؒ

نام زیاد بن حافظ ہے ثقہ ہیں حافظ ہیں خرج له الستة (مواهب ۹۲)

(۲۶۹) عبداللہ بن میمونؒ

ضعیف بالاتفاق (جمع ۱۸۷) قال البخاری ذاهب الحدیث وقال ابوحاتم متروک وقال ابوزرعة واه وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج به خرج له المصنف (مواهب ۹۲)

(۲۷۰) جعفر بن محمدؒ

ای الصادق لقب به لکمال صدقه وورعه اخرج حدیثه البخاری فی التاریخ ومسلم والاربعة وامه ام فروة بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر وامها اسماء بنت ابی بکر ولذلک کان یقول ولدنی الصدیق مرتین (مواهب ۹۲) لقب بالصادق لکمال صدقه اخرج حدیثه البخاری فی التاریخ ومسلم والاربعة کانت له مواعظ جلیلة (ونصائح غالیة قال یوماً لسفیان الثوری اذا انعم الله

علیک بنعمة فاحببت بقاء ها فاکثر من الحمد والشکر علیها واذا استبطأت الرزق فاکثر مِن الاستغفار واذا اکربک امرمِن سلطان وغیره فاکثر مِن ذکر لاحول ولاقوة الا باﷲ مانها جناح الفرج وکنز مِن کنوز الجنة (اتحافات ۱۴۱)

(۲۷۱) ﴿عن ابیہ﴾

ای محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الملقب بالباقر لانه بقر العلم ای شقه وعلم اصله وفرعه وجلیّه وخفیّه وامه ام عبداﷲ بنت الحسن بن علی بن ابی طالب وهوتابعی جلیل سمع جابرا وانساً وروی له البخاری ومسلم (جمع ۱۸۷)

(۲۷۲) ﴿الصلت بن عبداللہ رح﴾

بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اخرج حدیثه ابوداؤد والترمذی (جمع ۱۸۷) من السادسة وثقوه (مناوی ۱۸۷)

(۲۷۳) ﴿ابن ابی عمر رح﴾

نام محمد ہے یحیٰی کے فرزند ہیں ینسب الی جده (جمع ۱۸۸)

(۲۷۴) ﴿ایوب بن موسیٰ رح﴾

ای ابن عمر وبن سعید بن العاص الاموی اخرج حدیثه الستة (جمع ۱۸۸) قال الازدی لا یقوم اسناد حدیثه قال الذهبی ولا عبرة بقوله مع توثیق احمد ویحییٰ مِن السادسه (مناوی ۱۸۸)

(۲۷۵) ﴿محمد بن عیسیٰ رح﴾

ان کی کنیّت ابوجعفر ہے وهو ابن الطباع اخرج حدیثها البخاری فی التعلیق الاربعة (جمع ص ۱۹۰) یہ حکاک یعنی نگینہ بنانے والے نقاش الخاتم تھے یہ حافظ مکثر اور اورفقیہ تھے امام ابوداؤد کا ارشاد ہے ان کو چالیس ہزار احادیث یاد تھیں وقال ابوحاتم ثقةمامون مارأینا احفظ للابواب منه

روی له الستة (مواهب ص ۹۴)

(۲۷۶) ﴿عباد بن العوامؒ﴾

ابوحاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے وقال احمد حدیثه عن ابن ابی عروبة مضطرب (مناوی ۱۹۰)

(۲۷۷) ﴿سعید بن عروبۃؒ﴾

اپنے وقت کے امام تھے ان کی بہت سی مولفات ہیں قدری تھے خرج له الستة (مناوی ۱۹۰) ۱۵۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۷۸) ﴿محمد بن عبید المحاربیؒ﴾

المحاربی عرب کے ایک قبیلہ المحارب کی طرف نسبت ہے امام ابوداؤدؒ ترمذی اور نسائی نے ان سے تخریج کی ہے ۲۴۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۷۹) ﴿عبدالعزیز بن ابی حازمؒ﴾

قال احمد لم یکن یعرف بطلب الحدیث ولم یکن بالمدینة بعد مالک افقه منه ویقال ان کتب سلیمان بن بلال وقعت الیه ولم یسمعها وقال ابن معین ثقة مات سنة اربع وثمانین ومائة خرج له الجماعة (مناوی ۱۹۰)

(۲۸۰) ﴿سعید بن ابی الحسنؒ﴾

یہ حضرت حسن بصریؒ کے بھائی ہیں ثقہ ہیں خرج له الجماعة، اوساط التابعین سے ہیں اخرج حدیثه الستة وهذا الحدیث مرسل لانه مِن اوساط التابعین لکن یشهد له الحدیث المتقدم (جمع ۱۹۳) ۱۰۰ھ میں انتقال ہوا روی عن علی وابن عباس وعبدالرحمن بن سمرة وعنه اخوه الحسین وقتادة وسلیمان قال ابوزرعة والنسائی ثقة وذکره خلیفة فی الطبقة الثانیة من قراء اهل البصرة قال العجلی تابعیٌ ثقة (تهذیب ج ۴ ص ۱۵)

(۲۸۱) ﴿ابوجعفر محمد بن صدران البصریؒ﴾

صدوق ثقة خرج له ابوداؤد والترمذی والنسائی (مناوی ۱۹۴) هو ابن ابراهیم بن صدران المؤذن وقد ینسب الی جده روی عن علی بن عبدالاعلیٰ ومعتمر بن سلیمان وطالب بن حجیر روی عنه ابوداؤد والترمذی والنسائی قال ابوداؤد ثقة وقال النسائی لا بأس به ذکره ابن حبان فی الثقات مات ۲۴۳ھ (تهذیب ج۹ ص ۱۱)

(۲۸۲) ﴿طالب بن حجیرؒ﴾

امام بخاری نے ان سے ادب مفرد میں تخریج کی ہے اور ترمذیؒ نے بھی وارتضاه المصنف وضعفه القطان (مواهب ۹۴) قال الذهبی صدوق مِن السابعة (مناوی ۱۹۴) العبدی البصری روی عن هودة بن عبدالله العصری وعنه قیس بن حفص الدارمی ومحمد بن ابراهیم قال ابوزرعة وابو حاتم شیخ ذکره ابن حبان فی الثقات وقال ابن عبد البرهو عندهم من الشیوخ ثقة (تهذیب ج۵ ص ۸)

(۲۸۳) ﴿هود بن عبداللهؒ﴾

مقبول من الرابعة یعدّ فی البصریین خرج له البخاری فی الادب المفرد (مناوی ۱۹۴) هو ابن عبدالله بن سعد العبدی العصری روی عن جده مزیدة بن جابر وعنه طالب بن حجیر ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج ۱۱ ص ۶۵)

(۲۸۴) ﴿جدهؒ﴾

جو والدہ کی طرف سے ہے یعنی نانا ان کا نام مزیدہ بن مالک العصری بن عبدالقیس ہے جمہور کے نزدیک یہی معروف ہے علی ما اختاره الجزری فی تصحیح المصابیح (جمع ۱۹۴)

(۲۸۵) ﴿محمد بن شجاع البغدادیؒ﴾

یہ المرودی ہیں ابن حبانؒ نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے اخرج حدیثه

الترمذی والنسائی (جمع ۱۹۵) واحترز به عن محمد بن شجاع المدائنی وهو ضعیف متروک رمی بالبدعة (مناوی ۱۹۵) ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۸۶) ﴿ابوعبیدہ الحدادؒ﴾

بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے ان سے تخریج کی ہے ثقة تکلم فیه الازدی بلا حجة (مناوی ۱۹۵) آپ کنیت سے مشہور ہیں نام عبدالواحد بن واصل ہے بغداد کے رہنے والے تھے روی عن ابن عون وعثمان بن سعد وعنه احمد ابو خیثمة قال العجلی وابوداؤد ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قلت وثقه الدار قطنی والخطیب ۱۹۰ھ میں انتقال ہوا . (تهذیب ج۶ ص ۳۹۰)

(۲۸۷) ﴿عثمان بن سعدؒ﴾

الکاتب المودب البصری قال فی الکاشف لینه غیر واحد خرج له ابوداؤد (مناوی ۱۹۵)ضعیف اخرج حدیثه ابوداؤد والترمذی (جمع ۱۹۵) روی عن انس والحسن البصری وابن سیرین وعنه شعبة وابوعبیدة الحداد وروح بن عبادة قال ابوجعفر السبتی عثمان بن سعید الکاتب بصری ثقة وقال الحاکم فی المستدرک بصری ثقة عزیز الحدیث.

(۲۸۸) ﴿ابوسعید عبداللہ بن سعید الاشجؒ﴾

حافظ ثقة امام اهل زمانه قال بعضهم مارایت احفظ منه خرج له الستة (مواهب ۹۷) ۲۵۷ھ میں انتقال ہوا۔ روی عن اسماعیل بن علیة وحفص بن غیاث وابی اسامة وعنه الجماعة وابوزرعة وابوحاتم وابن خزیمة قال ابوحاتم ثقة صدوق امام زمانه ذکره ابن حبان فی الثقات وفی الزهرة روی عنه (خ) ثمانیة ومسلم سبعین حدیثا (تهذیب ج۵ ص ۲۰۸)

(۲۸۹) ﴿یونس بن بکیرؒ﴾

قال ابن معین صدوق وقال ابوداؤد لیس بحجة بوصل کلام ابن اسحاق بالاحادیث خرج له البخاری فی التعلیق ومسلم وابوداؤد (مواهب ۹۷) ۱۹۹ھ میں انتقال ہوا۔ الکوفی الحافظ روی عن

ابی خلدة خالد بن دينار وطلحة بن يحيىٰ وعنه ابنه عبدالله ويحيىٰ بن معين وسعيد بن سليمان وعن ابن معين انه ثقة صدوق ذكره ابن حبان فى الثقات قال الساجى وكان صدوقا الا انه كان يتبع السلطان وكان مرجياً (تهذيب ج ۱۱ ص ۳۸۲)

(۲۹۰) ﴿ یحییٰ بن عبادؒ ﴾

مدنی ثقة خرج له الاربعة (مناوی ۱۹۲) هو يحيىٰ بن عباد بن عبدالله القرشى روى عن ابيه وجده وعمه حمزة وعنه هشام بن عروة وموسىٰ بن عقبة قال ابن معين والنسائى والدار قطنى ثقة وقال ابوحاتم مات قديما وهو ابن ست وثلاثين ذكره ابن حبان فى الثقات .

(تهذيب ج ۱۱ ص ۲۰۶)

(۲۹۱) ﴿ ابیہ ﴾

اى عباد اخرج حديثه الستة (جمع ۱۹۶) هو عباد بن عبدالله بن الزبير روى عن ابيه وجدته اسماء وعائشة وعنه ابنه يحيىٰ وابن اخيه عبدالواحد بن حمزة قال النسائى ثقة وذكره ابن حبان فى الثقات قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث قال العجلى مدنى تابعى ثقة واما روايته عن عمر بن الخطاب فمرسلة بلا تردد (تهذيب ج ۵ ص ۸۵)

(۲۹۲) ﴿ جدہ عبداللہ بن الزبیرؓ ﴾

احد العبادلة الاربعة وهو مِن كبار متأخرى الصحابة عالم زاهد عابد استخلف بعد معاوية وتابعه ممالک الاسلام سوى الشام صلبه الحجاج (جمع ۱۹۶) روى عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن ابيه وعن جده (اب الام) ابى بكرو خالته عائشة وعمر وعثمان وعلى وعنه اولاده عباد وعامر وام عمر و واخوه عروة وغيرهم وهو اول مولود فى الاسلام بالمدينة من قريش . حضر و قعة اليرموک وبويع بالخلافة و كانت ولايته تسع سنين وقتله الحجاج بن يوسف سنة ۷۳ ھ ۔ قيل للشافعى هل سمع عبدالله بن الزبير من النبى صلى الله عليه وسلم قال نعم ومات النبى صلى الله عليه وسلم وهو ابن تسع سنين (تهذيب ج۵ ص ۱۸۷)

(۲۹۳) ﴿الزبیر بن العوامؓ﴾

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور عظیم المرتبت صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اس حدیث میں حضرت طلحہؓ کے حوالے سے انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جبکہ خود حضرت طلحہؓ بھی عشرہ مبشرہ سے ہیں ایمان لانے میں خاندان قریش میں ان کا ساتواں نمبر ہے مجلس شوریٰ کے ارکانِ ستہ میں سے ایک تھے جنگ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے سخاوت وفیاضی پر خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ سات لاکھ دراہم میں زمین فروخت کر کے تمام رقم فقراء ومساکین میں تقسیم کر دی ۳۰ یا ۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ حواری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شهد بدرا وما بعدها وهاجر الهجرتين وهو اول من سلّ سيفا فی سبيل اللّٰہ روى عن النبى صلى اللّٰہ عليه وسلم وعنه ابناه عبداللّٰہ و عروة ونافع ابن جبير لم يتخلف عن غزوة غزاها رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم وهاجر وهو ابن ثمانى عشرة وقال مفيث بن سمى كانّ للزبير الف مملوك يؤدون الخراج ما يدخل بيته من خراجه درهما (تهذيب ج۳ ص ۲۷۴) شیخ ابراھیم البیجوریؒ لکھتے ہیں والصواب اثبات الزبير فى الاسناد وفى بعض النسخ الاقتصار على عبداللّٰہ بن الزبير وهو خطأ لأن ابن الزبير لم يحضر وقعة احد فيكون قوله فى الحديث قال سمعت النبى يقول اوجب طلحة كذبا محضا لأن مولد ابن الزبير فى السنة الثانية مِن الهجرة وأحد فى الثالثة (مواهب ۹۷)

(۲۹۴) ﴿یزید بن خصیفہؒ﴾

نسبة لجده وهو يزيد بن عبداللّٰہ بن خصيفة الكندى قال جمع ثقة ناسک واما احمد فقال منكر الحديث خرج له الجماعة (مناوى ۱۹۷) روى عن ابيه والسائب بن يزيد وعنه الجعيد بن عبدالرحمٰن ومالک وابو علقمة قال الاثرم عن احمد وابو حاتم والنسائى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات (تهذيب ج ۱۱ ص ۲۹۷)

(۲۹۵) ﴿مساور الوراقؒ﴾

الكوفى الشاعر صدوق عابد ربما وهم مِن التاسعة خرج له مسلم والاربعة (مناوى ۲۰۵) بائع

الورق اوصانعه اومنسوب الی ورق الشجر (جمع ۲۰۵)روی عن سیار ابی الحکم وجعفر بن عمرو وشعیب بن یسار مولی ابن عباس وعنه ابن زائدة وابن عیینة ووکیع وغیرهم ذکره ابن حبان فی الثقات وعن ابن معین ثقة (تهذیب ج۱۰ ص ۹۴)

(۲۹۶) ﴿جعفر بن عمروؒ﴾

المخزومی ثقة منِ الطبقة الثالثة روی له الجماعة الاالبخاری (مناوی ۲۰۵) روی عن ابیه وعدی بن حاتم وهو جده لامه وعنه مساور الوراق والمسیب بن شریک قلت ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۲ ص ۸۶)

(۲۹۷) ﴿ہارون ابن اسحٰق الھمدانیؒ﴾

نسبة الی قبیلة بالیمن (جمع ۲۰۶) وهو حافظ ثقة متعبد خرج له النسائی وابن ماجة والمصنف (مواهب ۱۰۰)۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔روی عن ابیه وحفص بن غیاث وابن عیینة روی عنه البخاری والترمذی والنسائی وغیرهم قال ابن خزیمة کان من خیار عبادﷲ وذکره ابن حبان فی الثقات قال النسائی ثقة (تهذیب ج۱۱ ص ۳)

(۲۹۸) ﴿یحیٰی بن محمد المدنیؒ﴾

نسبة لمدینة رسول الله صلی الله علیه وسلم علی الاصح واحترز به عن یحییٰ بن محمد المدنی ومانحن فیه صدوق لکن یخطئی خرج له ابوداؤد والمصنف وابن ماجة (مواهب ۱۰۰)

(۲۹۹) ﴿عبدالعزیز بن محمدؒ﴾

المدنیؒ ! حدث من کتب غیره فاخطأ قال النسائی حدیثه عن عبدالله العمری منکر منِ الثامنة خرج له الجماعة (مناوی ۲۰۶)روی عن زید بن اسلم وشریک بن عبدالله ویحییٰ بن سعید الانصاری وعنه شعبة والثوری وابن اسحٰق وغیرهم قال احمد بن حنبل کان معروفا بالطلب واذا حدث من کتابه فهو صحیح واذا حدث من کتب الناس وهم وقال النسائی لیس بالقوی قال المزی روی له البخاری مقرونا بغیره ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا(تهذیب ج۶ ص ۳۱۵)

(۳۰۰) ﴿عبیداللہ بن عمرؒ﴾

نسبة الی الجد اذ هو عبیدالله بن عبدالله بن عمر اخو سالم مات قبل اخیه سالم کذا فی الکاشف (جمع ۲۰۶)

(۳۰۱) ﴿ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن الغیسلؒ﴾

آپ کا پورا سلسلہ نسب یوں ہے ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن سلیمان بن عبدالله بن حنظلة الغسیل بن ابی عامر روی عن حمزة والمنذر والزبیر وعنه عبدالله بن ادریس والحسین بن الولید الزبیری. قال ابوزرعة والنسائی والدار قطنی ثقة وقال ابن عدی وهو مما یغتبر حدیثه ویکتب المتوفی ۱۷۲ھ (تهذیب ج ۶ ص ۱۷۲) غسیل فعیل کے وزن پر ہے صدوق لین مِن السادسة خرج له الجماعة الا النسائی (مناوی ۲۰۹) یہ حضرت غسیل الملائکۃ کے بیٹے ہیں جن کا نام حنظلہؓ تھا جو غسیل الملائکة کے لقب سے معروف ہیں یعنی فرشتوں کا غسل دیا ہوا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب غزوہ احد کے لئے کوچ کا اعلان ہوا تو یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مشغول تھا اس حالت میں شور سنا معلوم ہوا کہ قافلہ جہاد پا بہ رکاب ہے یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑے اور قافلہ جہاد کے ساتھ چل دیئے اتنا موقع نہ مل سکا کہ غسل کر پاتے وہاں پہنچے تو شہید ہو گئے عام شہیدوں کی طرح ان کو غسل نہیں دیا گیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں واپسی پر آپؐ نے تحقیق فرمائی تب ان کی اہلیہ سے سارا حال معلوم ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں غسیل الملائکة کا لقب عطا فرمایا دراصل یہ حقیقی جذبہ اور دین سے والہیت کا ایک مظہر ہے ان کے لئے دین پر مرمٹنا اور دین کے لئے جان دے دینا بہت آسان تھا اور وہ اسے مقصدِ حیات اور کامیابی سمجھتے تھے۔

(۳۰۲) ﴿حمید بن ھلالؒ﴾

العدوی البصری ثقة توقف فیه الانباری لدخوله فی عمل السلطان وقال ابن قتادة ما کانوا یفضلون احداً علیه فی العلم روی له الجماعة (مناوی ۲۱۰) روی عن عبدالله بن مغفل وعبدالرحمٰن بن

سمرة وانس وعنه ایوب السختیانی وعاصم الاحول قال القطان کان ابن سیرین لا یرضاه قال ابن معین والنسائی ثقة قال ابو هلال ماکان بالبصرة اعلم منه ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج۳ص ۴۵)

(۳۰۳) ﴿ابو بردہؒ﴾

روی عن ابیه وعلی وحذیفة وعنه اولاده سعید وبلال والشعبی قال ابن سعد ثقة کثیر الحدیث وقال العجلی کوفی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا ۔

(تهذیب ج۱۲ ص ۲۲) ان کا نام عامر یا حارث ہے تابعی ہیں ابوالحسن الاشعریؒ کے جدامجد ہیں بہت بڑے فقیہ اور کوفہ کے قاضی تھے۔ پھر حجاج نے ان کو معزول کر دیا تھا کان من نبلاء العلماء (مناوی ۲۱۰)

(۳۰۴) ﴿ابیه﴾

ای عن ابی موسیٰ الاشعری الصحابی الجلیل (اتحافات ۱۶۱) واسمه عبدالله بن قیس (مواهب ۲۰۱) قیل انّه قدم مکة قبل الهجرة فاسلم ثم هاجر الیٰ ارض الحبشة ثم قدم المدینة مع اصحاب السفینتین بعد فتح خیبر استعمله النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی زبید وعدن واستعمله عمر علی الکوفة روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وعن ابی بکر وعمر وعلی وابن عباس وعنه اولاده ابراهیم وابوبکر وابوبردة قال فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اوتی هذا مزمارًا من مزامیر آل داؤد قال الشعبی خذوا العلم عن ست فذکره فیهم (تهذیب ج۵ ص ۳۱۷)

(۳۰۵) ﴿موسیٰ بن عبیدةؒ﴾

مصغرا هو الزیدی ضعفوه وقال احمد لا تحل الروایة عنه مات سنة ثلاث وخمسین ومائة خرج له ابن ماجة (مناوی ۲۱۳) روی عن اخویه عبدالله ومحمد وایاس بن سلمة وعنه بکار بن عبدالله والثوری وابن المبارک عن ابن حنبل یقول لایکتب حدیثه وقال ابوزرعة لیس بقوی الاحادیث

قال النسائی ضعیف (تہذیب ج١٠ ص ٣١٩)

(٣٠٦) ﴿ایاس بن سلمہؒ﴾

بن الاكوع فهی نسبة لجده ثقة خرج له الستة وكان سلمة شجاعا راميا فاضلا شهد بيعة رضوان وغزا مع المصطفیٰ سبع غزوات (مناوی ٢١٣) روی عن ابيه وابن لعمار بن ياسر وعنه ابناه سعيد ومحمد وعكرمة بن عمار قال ابن معين والعجلی والنسائی ثقة قال ابن سعد كان ثقة وله احاديث كثيرة ذكره ابن حبان فی الثقات ١١٩ھ میں وفات پائی (تہذیب ج١ ص ٣٤٠)

(٣٠٧) ﴿مسلم بن نذیرؒ﴾

كوفی يكنی بابی الفياض قال الذهبی صالح خرج له البخاری فی الادب والنسائی وابن ماجة . (المواهب ١٠٤) روی عن حذيفة وعنه ابو اسحق السبيعی وزياد بن فياض ذكره ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد كان قليل الحديث (تہذيب ج ١٠ ص ١٢٦)

(٣٠٨) ﴿حذیفۃ بن الیمانؓ﴾

كان حذيفة صاحب سر رسول الله صلی الله عليه وسلم فی المنافقين والفتن اسلم هو وابوه قبل بدر وشهد احدا وقتل ابوه فی المعركة قتله المسلمون خطأ فوهب لهم دمه (جمع ٢١٤) مات سنة ست وثلاثين (مناوی ٢١٤) واسم اليمان دسيل روی حذيفة عن النبی صلی الله عليه وسلم وعن عمر وعنه جابر بن عبدالله وجندب بن عبدالله قال العجلی استعمله عمر علی المدائن ومات بعد قتل عثمان باربعين يوما وعن حذيفة خيرنی رسول الله صلی الله عليه وسلم بين الهجرة والنصرة فاخترت النصرة (تہذيب ج٢ ص ١٩٣)

(٣٠٩) ﴿ابن لهيعةؒ﴾

كصحيفة عبدالله بن لهيعة الحضر می الفقيه المشهور قاضی مصر قال الذهبی ضعفوه لكن حديث ابن وهب وابن المبارك اوابی عبدالرحمان المقری عنه احسن واجودو بعضهم يصحح روايتهم عنه انتهی (المناوی ص ٢١٧) و صدوق (جمع ص ٢١٧) وقال بعضهم خلط

بعد احتراق کتبه و ضعفه النووی فی التهذیب مات سنة اربع و سبعین ومائة (مناوی ص ۲۱۷) هو عبداللّٰه بن لهیعة بن عقبة بن فرعان روی عن الاعرج وابی الزبیر و عنه شعبة و الثوری والاوزاعی قال روح بن صلاح لقی ابن لهیعة اثنین و سبعین تابعیاً قال ابن المدینی عن ابن مهدی لااحمل عنه قلیلاً ولا کثیرا قال الثوری عند ابن لهیعة اصول و عندنا الفروع حکی الساجی عن احمد بن صالح کان ابن لهیعة من الثقات الا انه اذالقن شیئًا حدث به . (تهذیب ج ۵ ص ۳۲۷)

(۳۱۰) ﴿ ابویونسؒ ﴾

قال فی التقریب ثقة (مناوی ص ۲۱۷) هو مولیٰ ابی هریرة لان ابا یونس فی الرواة خمسة مولیٰ ابی هریرة و هو المراد هنا و اسمه سلیم بن جبیر و مولی عائشة و آخر اسمه سالم بن ابی حفصة و آخر اسمه حاتم و آخر اسمه الحسن بن یزید۔(مواهب ص۱۰۴)روی عن ابی هریرة و عن ابی اسید الساعدی و عنه عمرو بن الحارث و حیوة بن شریح وقال النسائی ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات ۱۲۳ھ میں وفات ہوئی (تہذیب ج۴ ص۱۴۶)

(۳۱۱) ﴿ سعید بن عبدالرحمن المخزویؒ ﴾

المکی ثقة اخرج حدیثه الترمذی والنسائی (جمع ص ۲۲۰) روی عن هشام بن سلیمان وحسین بن زید وابن عیینة وعنه الترمذی والنسائی وابن خزیمة قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات (تہذیب ج۴ ص۴۹)

(۳۱۲) ﴿ عبادبن تمیمؒ ﴾

الانصاری المزنی المدنی ثقة وقیل ان له روایة (جمع ص ۲۲۰) و ثقه النسائی (مناوی ص ۲۲۰) روی عن عمه عبداللّٰه بن زید وجدته ام عمارة وابی قتادة و عنه عمرو بن یحیٰ والزهری قال محمد بن اسحٰق والنسائی ثقة وذکره ابن حبان فی الثقات قال العجلی مدنی تابعی ثقة .

(تہذیب ج۵ ص۷۹)

(۳۱۳) ﴿عمہؒ﴾

عبداللّٰہ بن زید بن عاصم خرج له الجماعة وهو اخو تميم لامه وقيل لابيه (مناوی ۲۲۰) صحابی شهير روى صفة الوضوء وغير ذلك ويقال هو الذى قتل مسيلمة الكذاب واستشهد بالحرة وروى عنه الستة (جمع ص ۲۲۰) قال ابن سعد بلغنى انه قتل بالحرة وقتل معه ابناه خلاد وعلى. (تہذیب ج۵ص۱۹۶)

(۳۱۴) ﴿سلمة بن شبیبؒ﴾

النيسا بورى نزيل مكة ثقة من الحادية عشر خرج له مسلم والاربعة. (مناوی ص ۲۲۱) روى عن عبدالرزاق وابى اسامة و عنه الجماعة سوى البخارى قال النسائى ماعلمنا به بأس قال ابونعيم الا صبحانى احد الثقات حدث عنه الا ئمة والقدماء ذكره ابن حبان فى الثقات وقال الحاكم هو محدث اهل مكة والمتفق على اتقانه و صد قه. مات ۲۴۷ھ (تہذیب ج۴ص۱۲۹)

(۳۱۵) ﴿عبداللّٰه بن ابراهيم المدنیؒ﴾

و فى نسخة المدينى متروك الحديث و نسبه ابن حبان الى الوضع لكن اخرج حديثه ابوداؤد والترمذى (جمع ص ۲۲۱) وقال متهم (مناوی ص ۲۲۱) روى عن ابيه واسحق بن محمد و مالك و عنه سلمة بن شبيب والحسن بن عرفة، قال ابن عدى عامة مايرويه لا يتابعه عليه الثقات قال ابن حبان يحدث عن الثقات بالمقلوبات. (تہذیب ج۵ص۱۲۱)

(۳۱۶) ﴿اسحاق بن محمد الانصاریؒ﴾

مجهول تفردعنه الغفارى خرج له ابوداؤد. (مناوی ص۲۲۱) روى له ابوداؤد الترمذى فى الشمائل (تہذیب ج۱ص۲۱۸)

(۳۱۷) ﴿ربیح بن عبدالرحمنؒ﴾

مقبول اخرج حديثه ابوداؤد وابن ماجة (جمع ص ۲۲۱) قال ابوزرعة اسمه سعيد لقب بربيح (مناوی ص۲۲۲) المدنى روى عن ابيه عن جده وعنه ابنه حكيم و كثير بن زيد وفليح بن سليمان،

قال ابن عدی ارجوانه لابأ س به وذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۳ص۲۰۷)

(۳۱۸) ﴿عباس بن محمد الدوریؒ﴾

نسبة الی محلة من بغداد اوقرية من قراها ثقة حافظ كان ابن معين اذاذكره قال عباس الدورى صد يقنا و صاحبنا اخرج حديثه الا ربعة (جمع ص ۲۲۲) هو مولیٰ بن ها شم و قال الا صم لم ارفی مشائخی احسن منه مات سنةاحدی و سبعين و مأتين (منا وی ص ۲۲۲) الحافظ الا مام ابوالفضل الهاشمی سمع حسين بن علی الجعفی وابا النضر حدثعنه اهل السنن الا ربعة، قال النسائی ثقة و قال الاصم لم ارفی مشائخی احسن حديثامنه قلت كتابة فی الرجال عن ابن معين مجلد كبير نافع ينبئی عن بصره بهذا الشان (تذكرة الحفاظ ج ۲ص۵۷۹)

(۳۱۹) ﴿عبدالرحمن بن ابی بکرةؒ﴾

البصری التابعی وهواول مولود وللفی الاسلام فی بصرة روی عنه الشيخان و غير هما (جمع ص۲۲۳) سمع كبار الصحابة وروی عنه كبارالتابعين اتفقوا علی توثيقه روی له الجماعة (مناوی ص۲۲۳)قال العجلی بصری تا بعی ثقة ذكره ابن حبان فی الثقات.(تہذیب ج۶ص۱۳۵)

(۳۲۰) ﴿ابيه﴾

ای ابی بكرة نفيع بن الحارث صحابی مشهور بكنيته نزل من الطائف حين نادی المسلمون من نزل من الحصار فهو حرفنزل اليهم من البكرة فسمی بها .(جمع ص۲۲۳)

(۳۲۱) ﴿علی بن الا قمرؓ﴾

بن عمر و الودعی، كو فی ثقة من الرابعة خرج له الجماعة .(مناوی ص۲۲۷)قال ابو حاتم ثقة صدوق و ذكره ابن حبان فی الثقات .(تہذیب ج۷ص۲۵۱)

(۳۲۲) ﴿محمد بن المبارکؒ﴾

الصوری نزيل دمشق القلانسی القرشی ثقة من العاشرة خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۳۰) سمع سعيد بن عبدالعزيز ومعاوية بن سلام وعنه يحیٰ بن معين والذهلی وثقه جماعة ومن كلامه

اعمل لله فانه انفع لک من العمل لنفسک وعنه علامة المحبة مراقبة المحبوب وتحری رضاه قال ابوزرعة شهدت جنازته بدمشق سنة خمس عشرة ومائتين. (تذکرہ ج۱ ص۲۸۶)

(۳۲۳) ﴿عطاء بن مسلمؒ﴾

الخفاف الحلبی کوفی نزل حلب ضعفه ابوداؤد وقال ابو حاتم لایحتج به مات سنة تسعین ومائة من التاسعة خرج له النسائی وابن ماجة (مناوی ص ۲۳۰) الخفاف ای صانع الخف اوبائعه (مواهب ص ۱۱۱) روی عن الاعمش وجعفربن برقان والثوری وعنه محمد بن المبارک وموسیٰ بن ایوب النصیبی ، عن ابن معین انه ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج۷ ص۱۸۹)

(۳۲۴) ﴿جعفر بن برقانؒ﴾

بن عبدالله الکلابی قال ابن معین ثقة لیس فی الزهری بذاک مات سنة اربع و خمسین و مائة خرج له البخاری فی تاریخه والجماعة (مناوی ص۲۳۰) قال النسائی لیس القوی فی الزهری وفی غیره لابأس به وذکره ابن المدینی فی الطبقة الثامنة من اصحاب نافع وعن ابن معین انه ثقة (تہذیب ج۲ ص۸۴)

(۳۲۵) ﴿عطاء بن ابی رباحؒ﴾

و اسمه (ای اسم ابی رباح) اسلم تابعی جلیل (مواهب ص ۱۱۱) هو ابو محمد القرشی مولاهم المکی احد الاعلام تابعی جلیل سمع العبادلة الاربعة وعائشة وعنه ابو حنیفة واللیث وامم مات سنة اربع عشرة ومائة وقیل خمسة عشرة ومائة وله ثمان وثمانون سنة (مناوی ص۲۳۰) علامہ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں "هو مفتی اهل مکة ومحدثهم قدوة العلم ابو محمد بن اسلم القرشی قال ابو حنیفة ما رأیت احداً افضل من عطاء وقال جریج کان المسجد فراشه عشرین سنة وقال عبدالله بن عباس یا اهل مکة تجتمعون علیّ وعندکم عطاء. (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۹۸)

(۳۲۶) ﴿فضل بن عباسؓ﴾

صحابی ابن عم المصطفیٰ وردیفه بعرفة مات بطاعون عمواس وهو اکبر ولد العباس خرج له

الستة (مناوی ص ۲۳۰) اردفه رسول الله علیه وسلم فی حجة الوداع وحضر غسل رسول الله صلی الله صلی اللّٰه وعلیه وسلم روی عن النبی صلی الله علیه وسلم وعنه اخواه عبدالله وقثم (تہذیب ج۸ص۲۵۲)

(۳۲۷) ﴿سعد بن ابراہیمؒ﴾

الزهری قاضی المدینة ثقة امام عابد یصوم الدهر ویختم کل یوم "ختمة مات سنة خمس وعشرین ومائة مکثر مشهور ولهم سعد بن ابراهیم قاضی واسط والاول هو المرادهنا لانه الذی یروی عنه ابن عیینة (مناوی ص۲۳۱) رأی ابن عمر وروی عن ابی سلمة وطلحة بن عبیدا لله عن ابن معین ثقة وقال الساجی ثقة اجمع اهل العلم علی صدقه والروایة عنه الامالک. (تہذیب ج۳ص ۴۰۲)

(۳۲۸) ﴿ابن کعب بن مالکؒ﴾

الانصاری والابن عبدالله اوعبدالرحمٰن وعبدالرحمٰن بن کعب ثقة مکثر مشهور قیل له رؤیة خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۳۱) ومات سنة سبع اوثمان وتسعین ویقال ولد عبدالرحمٰن فی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ومات فی خلافة سلیمان بن عبدالملک (جمع ص ۲۳۱) روی عن ابیه واخیه عبداللّٰه وعائشة وجابر وعنه الزهری وسعد بن ابراهیم قال ابن سعد ثقة وهواکثر حدیثا عن اخیه ذکره ابن حبان فی الثقات . (تهذیب ج ۶ ص ۲۳۳)

(۳۲۹) ﴿عن ابیه﴾

ای کعب بن مالک بن ابی کعب الانصاری السلمی المدنی صحابی مشهور وهوا حد الثلاثة الذین خلفو امات فی خلافة علی رضی اللّٰه عنه (جمع ص ۲۳۲) روی عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم وعن اسید بن حضیرو عنه اولاده عبداللّٰه وعبید اللّٰه وابن عباس وجابر وغیرهم وهو احد السبعین الذین شهدوا العقبة قال ابن سعد آخی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بینه وبین الزبیر وقیل طلحة قال ابن سیرین وکان ثلاثة من الانصار یها جون عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حسان وابن رواحة وکعب. (تهذیب ج ۸ ص ۳۹۵)

(۳۳۰) ﴿الحسن بن علی الخلالؒ﴾

نسبة الی الخل لصنع اوغیرہ الهمد انی الحلوانی نسبة الی الحلوان ثقة حافظ صاحب تالیف خرج له الجماعة الاالنسائی (مناوی ص ۲۳۴) روی عن عبدالله بن نمیر وابی اسامة ویحیٰی بن آدم قال یعقوب بن شیبة کان ثقة ثبتا قال ابن عدی لهٗ کتاب صنفه فی السنن ذکرہ ابن حبان فی الثقات . ۲۴۲ھ میں وفات ہوئی۔(تہذیب ج۲ص۲۶۲)

(۳۳۱) ﴿حسین بن علی بن زید الصدائیؒ﴾

نسبة الی صدا ممدودة قبیلة وهو احد القراء الثلاثة من العشرة (جمع ص ۲۳۴) صدوق ثقة من الاولیاء مات سنة ثمانیة واربعین ومائتین خرج له ابوداؤد والنسائی و الترمذی (مناوی ص ۲۳۴) روی عن ابیه و حسین بن علی الجعفی قال النسائی ثقة و کان حجاج بن الشاعر یمدحه ویقول هو من الابدال . (تہذیب ج۶ص۳۹۰)

(۳۳۲) ﴿یعقوب بن اسحاق الحضرمیؒ﴾

وهو احد القراء الثلاثة من العشرة (جمع ص۲۳۴) نسبة لحضرموت قبیلة بالیمن وهو مولٰهم مقری البصرة ثقة خرج له الجماعة الاالبخاری (مناوی ص۲۳۴) قال ابو حاتم و احمد صدوق ذکرہ ابن حیان فی الثقات مات سنة خمس ومائتین. (تہذیب ج۱۱ص۳۳۵)

(۳۳۳) ﴿عبدالرحمن بن یزیدؒ﴾

هو اخو الاسود بن یزید النخعی ابوبکر الکوفی ثقة مات قبل الجماجم خرج له الجماعة . (مناوی ص ۲۳۷) روی عن ابی هریرة و ابن عمر و عنه المنذر بن نعمان وغیرہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات و عن عبد الله بن بحیر انه قال من افضل صنعاء و کان اعلم بالحلال والحرام .

(تهذیب ج ٦ ص ٢٦٨)

(۳۳۴) ﴿اسود بن یزیدؒ﴾

بن قیس النخعی مخضرم ثقة جلیل مکثر له ثمانون حجة و عمرة و کان یصوم ویختم فی لیلتین

مات سنة اربع و سبعين خرج له الستة رأى الصديق و روى عن علي . (جمع ص ۲۳۷) قال احمد ثقة ذكره جماعة ممن صنف من الصحابة ذكره ابراهيم النخعي فيمن كان يفتي من اصحاب ابن مسعود و قال ابن حبان في الثقات كان فقيها زاهداً . (تهذيب ج ا ص ۲۹۹)

(۳۳۵) ﴿یحییٰ بن ابی بکیرؒ﴾

العبدی قاضی کرمان ثقة مات سنة ثمان ومأتين خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۳۸) كوفي الاصل سكن بغداد روى عن حريزبن عثمان و ابراهم بن طهمان وشعبة و عنه عبدالله بن الحارث و ابوبكر بن ابي شيبة قال العجلي شامي تابعي ثقة قال ابو حاتم صدوق ذكره ابن حبان في الثقات. (تہذیب ج۱۱ص۱۲۷)

(۳۳۶) ﴿حریز بن عثمانؒ﴾

سمیع کے وزن پر ہے، بفتح الحاء و كسرزاء وتحتية ساكنة فزای. (جمع ص۲۳۸) روى عن عبد اللّٰه بن بسر المازني وخالد بن معدان وروى عنه يحيىٰ بن بكير ويزيد بن هارون قال احمد بن حنبل ثقة قال ابن المديني لم يزل من ادركنا من اصحابنا يوثقونه له عند البخاري حديثان مات سنة ثلاث وستين مائة. (تہذیب ج۲ص۲۰۷) حدث بالشام و العراق وله نحو مائتي حديث وقال لرجل انا اشتم عليا و اللّٰه ماشتمته قط. (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۷۷)

(۳۳۷) ﴿سلیم بن عامرؒ﴾

تصغیر کے ساتھ ہے، الرحبي المشرقي الحمصي ورحبة بطن من حمير له نحو مائتي حديث وكان ثبتا ناصبيًا مات سنة ثلاث وستين ومائة وغلط من قال له رؤية خرج له مسلم والاربعة (مناوی ص۲۳۸) سلیم بن عامر ناصبیت میں غالی نہ تھے۔ ناصبیت اگر قلیل ہو اور غلو نہ ہو تو روایت قابل قبول ہوتی ہے اور اگر ناصبیت میں غلو ہو، تو روایت قابل اعتبار نہیں رہتی۔ روى عن ابى امامة وعبداللّٰه بن الزبير وعوف بن مالك وعنه صفوان بن عمرو جرير بن عثمان وعبدالرحمٰن بن يزيد قال العجلي شامي تابعي ثقة وقال ابو حاتم لابأس به وقال النسائي ثقة ذكره ابن حبان في

الثقات مات (۱۳۰ھ)۔(تہذیب ج۴ص۱۴۷)

(۳۳۸) ﴿ابو امامة الباهلیؓ﴾

صحابی مشهور سكن الشام هو آخر من مات بها من الصحب (مناوی ص۲۳۸)هو صدی بن عجلان روی عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن عمر وعثمان وعلی وعنه سلیمان بن حبیب المحاربی ومكحول الشامی قال ابن حبان كان مع علی بصفین. (تہذیب ج۴ص۲۶۸)

(۳۳۹) ﴿عبدالله بن معاویة الجمحیؒ﴾

نسبة لجمح جبل لبنی نمیر علی مافی القاموس وهو ابو جعفر البصری عاش نیفاً علی المائة ومات سنة ثلاث واربعین ومائتین خرج له ابو داؤد والنسائی (مناوی ص۲۳۸) روی عن ثابت بن یزید والحمادین ومهدی بن میمون وعنه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة ذكره ابن حبان فی الثقات قال الترمذی هو رجل صالح. (تہذیب ج۶ص۳۵)

(۳۴۰) ﴿هلال بن خبابؒ﴾

ابوالعلاء البصری ثقة تغیّر آخراً من الطبقة الخامسة خرج له الاربعة. (مناوی ص۲۳۸) سكن المدائن ومات بهاروی عن ابی جحیفة ویحییٰ بن جعدة وعكرمة مولی ابن عباس وعنه الثوری و سعر وثابت بن یزید عن ابن معین ثقة وقال یحییٰ القطان ثقة مامون قال العقیلی فی حدیثه وهم وتغیر آخراًمات اربع واربعین ومائة . (تہذیب)

(۳۴۱) ﴿عبد الله بن عبد المجید الحنفیؒ﴾

البصری نسبة لبنی حنیفة قبیلة من ربیعة سكنوا الیمامة علی عهد المصطفیٰ ثقة لم یثبت ان یحییٰ بن معین ضعفه خرج له الجماعة . (مناوی ص۲۳۹)

(۳۴۲) ﴿عبدالرحمن یعنی عبدالله بن دینارؒ﴾

روی عن ابیه وزید بن اسلم وعنه القطان وعلی بن الجعد قال ابو حاتم وغیره فیه لین وقال ابن

معین فی حدیثه ضعف. (مناوی ص ۲۳۹)

(۳۴۳) ﴿ابو حازمؒ﴾

الاعرج سلمة بن دینار المدنی مولی الاسود بن سفیان ثقة عابد من الثالثة خرج له الجماعة مشهور بالروایة من سهل (مناوی ص۲۳۹) قال ابن خزیمة لم یکن فی زمانه احد مثله ومناقب ابی حازم کثیرة وکان ثقة فقیها ثبتا کثیر العلم کبیر القدر وکان فارسیا وامه رومیة ارّخ جماعة موته فی سنة اربعین ومائة. (تذکرہ الحفاظ ج۱ ص۱۳۳)

(۳۴۴) ﴿سهل ابن سعدؓ﴾

بن مالک بن خالد الانصاری الخزرجی الساعدی له ولابیه صحبة وهو آخر من مات من الصحب بالمدینة مات سنة ثمان وثمانین اؤ احدی وتسعین. (مناوی ص۲۳۹) روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وابی بن کعب وعنه ابن عباس والزهری وابو حازم قال ابن حبان اسمه حزنا فسماه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم سهلاً. (تہذیب ج۴ ص۲۲۲)

(۳۴۵) ﴿عباد بن عباد المهلبیؒ﴾

نسبة الی المهلب بصیغة المفعول وهو ابن ابی صفرة ثقة ربما وهم خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۴۶) هو الامام الصدوق العتکی ابو معاویة الازدی حدث عن ابی جمرة الضبعی وهشام بن عروة وعنه احمد بن حنبل وقتیبة و مسدد قال ابن معین ثقة وقال هو اوثق واکثر حدیثا من حماد بن العوام، قال ابن سعد لم یکن بالقوی فی الحدیث مات سنة احدی وثمانین ومائة.

(تذکرہ الحفاظ ج۱ ص۲۶۱)

(۳۴۶) ﴿المجالدؒ﴾

الهمدانی لیس بالقوی تغیر آخراً من السادسة خرج له الجماعة الا البخاری (مناوی ص۲۴۳) هو ابن سعید روی عن الشعبی وقیس بن ابی حازم وعنه ابنه اسماعیل وشعبة وسفیان وغیرهم قال النسائی لیس بالقوی ووثقه مرة قال یعقوب بن سفیان تکلم الناس فیه وهو صدوق مات سنة اربع

واربعين ومائة. (تہذیب ج۱۰ ص۴۷)

(۳۴۷) ﴿الشعبیؒ﴾

هو عامر بن شراحيل الكوفى احد الاعلام من التابعين ولد فى خلافة عمر قال ادركت خمس مائة من الصحابة وقال ما كتبت سوداء فى بيضاء قط ولا حدثت بحديث الاحفظته مات سنة اربع ومائة وله ثنتان وثمانون سنة كذا فى اسماء الرجال لمؤلف المشكاة (جمع ص۲۴۳) صاحب تذکرہ الحفاظ نے آپ کے حالات تقریباً دس صفحات پر لکھے ہیں، فرماتے ہیں:

روى عن ابى هريرة وعباس وعائشة وعنه اسمعيل بن ابى خالد وابو حنيفة وهو اكبر شيخ لابى حنيفة وعن ابن المدينى قال قيل للشعبى من اين لك هذا العلم كله قال بنفى الاعتماد و السيرفى البلاد و صبر كصبر الجمادو بكور كبكور الغراب عن ابن سيرين قال قدمت الكوفة وللشعبى حلقة عظيمة واصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذٍ كثير..وعن الشعبى انا مبغض لمن بغض عثمان وعليًا. (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۷۹)

(۳۴۸) ﴿عبدالله بن عمرو ابو معمرؒ﴾

هو كنيّة عبدالله بن عمرو هو المقرى الحافظ ثقة حجة مات سنة اربع وعشرين ومائتين رمى بالقدر وخرج له الجماعة (مناوى ص ۲۴۴)

روى عن عبدالوارث بن سعيد وعبدالوهاب الثقفى وعنه البخارى وابو داؤد عن ابن معين ثقة قال العجلى ثقة وكان يرى القدر وقال ابو حاتم صدوق متقن ذكره ابن جبان فى الثقات .

(تہذیب ج۵ ص۲۹۴)

(۳۴۹) ﴿عبدالوارثؒ﴾

بن سعيد بن ذكوان الحافظ ثقة مقرى فصيح خرج له الجماعة (مناوى ص ۲۴۴) حدث عن ايوب السختيانى وايوب بن موسىٰ وطائفة وعنه مسددو قتيبة وبشر بن هلال قال ابو عمر الجرمى مارأيت فقيها افصح من عبدالوارث مات سنة ثمانين و مائة. (تذكرة الحفاظ ج ا ص ۲۵۷)

(۳۵۰) ﴿ ابو قلابۃ رح ﴾

اسمه عبداللّٰه بن زید (جمع ص ۲۴۸) کهدایة الجرمی نسبة للجرم لولادة او اسکنٰی من الثالثة هرب من القضاء فسکن داریاو مات بالشام ثقة فاضل کثیر الارسال قال العجلی فیه نصب خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۴۸) روی عن ثابت الضحاک الانصاری وسمرة بن جندب وانس بن مالک و عنه ایوب وخالد الحذاء وابو رجاء سلمان ذکره ابن سعد فی الطبقة الثانیة من اهل البصرة وقال کان ثقة کثیر الحدیث وکان دیوانه بالشام وقال ایوب کان واللّٰه من الفقهاء ذوی الالباب ما ادرکت بهذا المصرر جلاً کان اعلم بالقضاء من ابی قلابة قال العجلی تابعی بصری ثقة مات ۱۰۴ھ او ۱۰۷ھ۔ (تہذیب ج ۵ ص ۱۹۷)

(۳۵۱) ﴿ زهدم رح ﴾

کجعفر نسبة لقبیلة جرم کفلس ابو مسلم البصری ثقة من الثالثة خرج له البخاری وغیره (مناوی ص ۲۴۷) زهدم بن مضرب الجرمی ابو مسلم البصری روی عن ابی موسیٰ وعمران بن حصین وابن عباس رضی اللّٰه عنهم وعنه ابو قلابة والقاسم بن عاصم ذکره ابن حبان فی الثقات له فی الکتب حدیثان وقال العجلی تابعی ثقة. (تہذیب ج ۱ ص ۲۹۴)

(۳۵۲) ﴿ سفینة رض ﴾

وسمّی سفینة لکثرة ما کان یحمل فی السفر (وقال له النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انت سفینة وهو مولٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وکان صحابیا جلیلا وله احادیث (مواهب ص ۱۲۱) یکنی ابا عبدا لرحمٰن ویقال کان اسمه مهران اوغیره (جمع ص ۲۴۹) مات بعد السبعین خرج له مسلم والاربعة. (مناوی ص ۲۴۹)

وکان عبداً لام سلمة فاعتقته وشرطت علیه ان یخدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم روی عن علی وام سلمة وعنه ابناه عبدالرحمٰن وعمرو والحسن البصری . تہذیب التہذیب میں علامہ ابن حجرؒ نے آپ کے ناموں میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ مهران، نجران، رومان ، قیس، سنبه، عمر ،

عبس، سليمان، ايمن، طهمان، متعب وغيرهم. (تہذیب ج۴ص۱۱۰)

(۳۵۳) ﴿القاسم التميمیؒ﴾

وهو ابن عاصم التميمی مقبول من الرابعة (جمع ص۲۵۰) احد الفقهاء السبعة قال ايوب مارأيت افضل منه خرج له الجماعة (مناوی ص۲۵۰) روی عن رافع بن خديج وزهلم بن مضرب وسعيد بن المسيب وحميد الطويل وخالد الحذاء ذكره ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج۸ص۲۸۶)

(۳۵۴) ﴿عبداللّٰه بن عيسٰیؒ﴾

بن عبدالرحمٰن بن ابی ليلٰی الانصاری ثقة تشيع من الطبقة السادسة خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۵۱) روی عن جده عبدالرحمٰن وابيه عيسٰی و سعيد بن جبير وعنه عمه محمد السفيانان وشعبة قال ابن معين ثقة وقال النسائی ثبت ذكره ابن حبان فی الثقات وقال العجلی ثقة مات ۱۳۵ھ. (تہذیب ج۵ص۳۰۸)

(۳۵۵) ﴿عطاء الساحلیؒ﴾

فی التقريب شامی انصاری سكن الساحل مقبول من الرابعة. (جمع ص۲۵۱) روی عن ابی اسيد بن ثابت الانصاری وعنه عبداللّٰه بن عيسٰی ذكره ابن حبان فی الثقات قلت قال البخاری لم يقم حديثه وذكره العقيلی فی الضعفاء. (تہذیب ج۷ص۱۹۷)

(۳۵۶) ﴿ابی اسيد الانصاریؒ﴾

اسمه عبداللّٰه بن ثابت اوغيره قال الزين العراقی وليس له عند المولف الاهذا الحديث الواحد وليس فی الكتب الستة غيره. (مناوی ص۲۵۱)

روی عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وعنه عطاء الشامی قال ابو حاتم يحتمل ان يكون عبداللّٰه بن ثابت خادم النبی صلی اللّٰه عليه وسلم روی عنه الشعبی قال جاء عمر بصحيفة التوراة الی النبی صلی اللّٰه عليه وسلم. (تہذیب ج۱۲ص۱۴)

(۳۵۷ ﴿حفص بن غیاثؒ﴾

ابو طلق بن معاویة النخعی قاضی الکوفة وقاضی الجانب الشرقی قال یعقوب بن شیبة ثبت اذا حدث من کتابه مات سنة اربع وتسعین خرج له الجماعة . (مناوی ص ۲۵۴)

روی عن جده و اسماعیل بن ابی خالد و سلیمان التیمی وعنه احمد واسحٰق وعلی قال ابن کامل والاّہ الرشید قضاء الشرقیة ببغدادثم عزله وولاّہ قضاء الکوفة قال العجلی ثقة مولاهم فقیه. (تہذیب ج۲ص ۳۵۸)

(۳۵۸ ﴿اسماعیل بن خالدؒ﴾

بن طارق البجلی مولاهم حافظ امام وکان طحانا مات سنة ست واربعین ومائة خرج له الجماعة. (مناوی ص۲۵۴)روی عن ابیه وابی جحیفة وعمرو بن حریث وهولاء صحابة وعنه شعبة والسفیانان وابن المبارک قال البخاری عن علی له نحو ثلاث مائة حدیث وقال ابن مهدی وابن معین والنسائی ثقة وقال ابونعیم ادرک اسماعیل اثنی عشر نفسا من الصحابة منهم من سمع منه ومنهم من رأه رویة. (تہذیب ج۱ص۲۵۴)

(۳۵۹ ﴿حکیم بن جابرؒ﴾

بن طارق من الطبقة الثالثة خرج له النسائی وابن ماجة (مناوی ص۲۵۴)ارسل عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وروی عن ابیه وعمر و عثمان وطلحة وعنه اسمٰعیل بن ابی خالد وطارق بن عبدالرحمٰن قال ابن معین ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات وقال مات فی آخر امارة الحجاج وقال النسائی والعجلی ثقة. (تہذیب ج۲ص۳۸۲)

(۳۶۰ ﴿احمد بن ابراهیم الدورقیؒ﴾

البغدادی الحافظ روی عن هیثم ویزید بن زریع والناس وعنه مسلم وابو داؤد والترمذی وابن ماجة وخلق وله تصانیف مات سنة ست واربعین ومائتین ذکره الذهبی وغیره وهو مع شهرة خفی علی جمع من الشراح فقالو لم نجد ترجمته. (مناوی ص ۲۵۶) قال ابو حاتم صدوق وقال

العقیلی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقالی الخلیلی فی الارشاد ثقة متفق علیه.

(تهذیب ج ا ص ۹)

(۳۶۱) ﴿ابو اسامة حماد بن اسامةؒ﴾

الکوفی الحافظ مولی ابن هشام کان حجة اخبارياً عنده ستمائة حدیث عن هشام عاش ثمانین سنة خرج له الجماعة. (مناوی ص ۲۵۶) روی عن هشام بن عروة وبرید بن عبدالله وعنه الشافعی واحمد بن حنبل ویحییٰ وعن احمد ابو اسامة ثقة کان اعلم الناس بامور الناس واخبار اهل الکوفة وقال عبدالله بن عمر بن ابان سمعت ابا اسامة یقول کتبت باصبعی هاتین مائة الف حدیث ذکرہ ابن حبان فی الثقات . (تهذیب ج ۳ ص ۳)

(۳۶۲) ﴿الحسن بن محمد الزعفرانیؒ﴾

البغدادی صاحب الشافعی روی له البخاری والاربعة ودرب الزعفرانی ببغداد منسوب الیه وثقه النسائی وغیرہ. (مناوی ص ۲۵۷) روی عن ابن عیینة وابی معاویة ووکیع وعنه الجماعة سوی مسلم قال النسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات وسئل عن العقیلی فقال ثقة من الثقات مشهور ولم تتکلم فیه احد بشیء قال ابن عبدالبر یقال انه لم یکن فی وقته اوضح منه ولد البصیر باللغة مات. (۲۵۹ھ) تہذیب ج۲ص ۲۷۵)

(۳۶۳) ﴿حجاج بن محمدؒ﴾

المصیصی الاعور الترمذی الحافظ نزل البغداد ثم المصیصة قال احمد ما کان اضبطه واشد تعاهده للحروف رفع من امرہ جدا قال ابو داؤد بلغنی ان ابن معین کتب عنه نحوامن خمسین الف حدیث خرج له الستة.(مناوی ص ۲۵۷) روی عن حریز بن عثمان وابن ابی ذئب وابن جریج وعنه احمد و یحییٰ بن معین وحمزة الزیات وجماعة قال علی المدینی والنسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد کان ثقة صدوقا ان شاء اللّٰه وکان قد تغیر فی آخر عمرہ (مات ۲۰۶ھ)(تہذیب ج۲ص ۱۸۰)

(۳۶۴) ﴿ابن جریجؒ﴾

عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج القرشی الاموی المکی الفقیه احد الاعلام قال ابن عیینة سمعته یقول مادون العلم تدوینی احد (مناوی ص ۲۵۷) روی عن حکیمة بنت رقیقة وابیه عبدالعزیز والزهری وعنه ابناه عبدالعزیز ومحمد الاوزاعی واللیث قال ابن خراش کان صدوقا وقال العجلی مکی ثقة وقال ابو عاصم کان من العباد و کان یصوم الدهر الاثلاثة ایام من الشهر . قال علی المدینی نظرت فاذا الاسناد تدور علی ستة فذکر هم ثم قال فصار علم هولاء الی من صنف فی العلم منهم من اهل مکة عبدالملک بن جریج. (تہذیب ج۲ص۳۵۷)

(۳۶۵) ﴿محمد بن یوسفؒ﴾

ابن واقلبن عثمان الضبی مولاهم الفریابی محدث قیساریة الشام عاش اثنین وتسعین سنة ومات سنة اثنی عشر ومائتین خرج له الجماعة. (مناوی ص ۲۵۷) ادرک الاعمش وروی عن فطر بن خلیفة وجریر ابن حازم ونافع روی عنه البخاری والباقون قال العجلی الفریابی ثقة وقال النسائی ثقة روی عنه البخاری ستة وعشرین حدیثا. (تہذیب ج۹ص۳۷۲)

(۳۶۶) ﴿عطاء بن یسارؒ﴾

الهلالی ابا محمد المدنی القاضی من کبار التابعین وعلمائهم خرج له الجماعة واتفقو ا علی توثیقه (مناوی ص ۲۵۷) مولٰی میمونة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم روی عن ابی ذروابی الدرداء وعبادة بن الصامت وعنه ابو سلمقبن عبدالرحمٰن وهلال بن علی وزید بن اسلم قال ابن معین وابو زرعة والنسائی ثقة وقال ابن سعد ثقة کثیر الحدیث. ذکره ابن حبان فی الثقات وکان صاحب قصص وعبادة وفضل (مات۱۰۳ھ)۔ (تہذیب ج۷ص۱۹۴)

(۳۶۷) ﴿مسعرؒ﴾

بن کدام ابو سلمة الهلالی الکوفی له الف حدیث قال القطان مارأیت مثله قال ابو شعبة کنا نسمیه المصحف من اتقانه مات سنة خمس و مائة (مناوی ص۲۵۸) حدث عن عدی بن ثابت و

قتادة و عمر و بن مرة و طبقتهم و عنه سفيان بن عيينة و يحيٰ بن آدم و ابو نعيم ......قال احمد بن حنبل ثقة مثل شعبة و مسعر و قال و كيع شك مسعر كيقين غيره و عن الحسن بن عمارة ان لم يدخل الجنة الامثل مسعر فان اهل الجنة لقليل۔(تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۸۸)

(۳۶۸) ﴿ابو صخرةؒ﴾

جامع بن شداد المحاربی ثقة مات سنة سبع و عشرين و مائة خرج له الستة (مناوی ص ۲۵۸)روی عن صفوان بن محرف و طارق بن عبدالله و ابی بردة و عنه الاعمش و مسعر و شعبة قال البخاری عن علی له نحو عشرين حديثا و قال ابن معين وابو حاتم والنسائی ثقة و قال العجلی شيخ عال ثقة من قدماء شيوخ الثوری۔(تہذیب ج۲ص۴۹)

(۳۶۹) ﴿المغيرة بن عبداللهؒ﴾

ابن ابی عقيل يشكری الكوفی ثقة من الطبقة الرابعة خرج له مسلم و ابوداؤد و النسائی (مناوی ص ۲۵۸) روی عن ابيه والمغيرة بن شعبة وعلة و عنه ابو صخرة و علقمة بن مرثد و زبيد اليمامی ذكره ابن حبان فی الثقات قلت و قال العجلی كوفی ثقة۔(تہذیب ج۱۰ص۲۳۶)

(۳۷۰) ﴿واصل بن عبدالاعلیؒ﴾

ابن هلال الاسدی الكوفی ثقة مات سنة اربع واربعين و مائتين خرج لهٗ مسلم والاربعة (مناوی ص ۲۶۲)روی عن ابی بكر بن عياش ووكيع و ابی اسامةروی عنه الجماعة سوی البخاری و ابو حاتم و ابوزرعة قال ابو حاتم صدوق و قال النسائی ثقة ذكره ابن حبان فی الثقات.

(تہذیب ج۱۱ص۹۲)

(۳۷۱) ﴿محمد بن فضيلؒ﴾

ابن غزوان كعطشان الضبی مولاهم الحافظ ابوعبدالرحمن الكوفی صدوق ثقة تشيع مات سنة اربع و تسعين و مائة خرج لهٗ الجماعة (مناوی ص ۲۶۲) روی عن ابيه و اسماعيل بن ابی خالد و عاصم الاحول روی عنه الثوری و احمد بن حنبل و قتيبة و عن ابن معين انه ثقة و قال ابو زرعة

صـدوق من اهل العلم وقال النسائی لیس به باس ذکره ابن حبان فی الثقات قلت صنف مصنفات فی العلم. (تهذیب ج ۹ ص ۳۵۹)

(۳۷۲) ﴿ابو حیان التیمی رحؒ﴾

اسـمـه یـحییٰ بـن سـعیـد الکوفی امام عابد زاهدمات سنة خمس و اربعین و مائة خرج له الستة (مـناوی ص ۲۶۲)روی عـن ابیه و ابی زرعة و الشعبی و الضحاک و عنه ایوب السختیانی والا عـمـش و شـعبة و الثوری قـال ابن معین ثقة وقال العجلی ثقة صالح مبر ز صاحب سنة ذکره ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۸)

(۳۷۳) ﴿ابوزرعة رحؒ﴾

کبـرـة بن عمرو الکوفی اسمه هرم او عمرو او عبد الله او عبدالرحمن من الطبقة الثالثة خرج لـه الستة ولهـم ابـوزرعة الرازی و ابو زرعة اللمشقی و ابوزرعة الشیبانی (مناوی ص ۲۶۲) رای عـلیـا وروی عن ابی هریرة و معاویة و ثابت بن قیس و عنه عمه ابراهیم بن جریر و طلق بن معاویة ..ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابن خراش صدوق ثقة. (تہذیب ج ۱۲ ص ۱۰۹)

(۳۷۴) ﴿زهیر رحؒ﴾

وزهیـر فـی الرواة جماعة فلذافسّره الراوی ابی داؤد یعنی ابن محمد ولم یقل زهیر بن محمد رعایة لحق امانة شیخه واداءً له کما سمعه وزهیر هذا هوا لتیمی المروزی ابو المنذر نزل الشام ثـقة لغوی و لبعضهم عنه منا کیر مات سنة اثنین و ستین مائة (مناوی ص ۲۶۲) قدم الشام وسکن الـحجاز روی عن زید بن اسلم و شریک بن ابی نمرو عاصم الاحول و عنه ابو داؤد الطیالسی و روح بن عبـادة و عبـد الـرحـمـن بن مهدی قال حنبل عن احمد ثقة و قال العجلی جائز الحدیث قال النسائی لیس به باس. (تہذیب ج ۳ ص ۳۰۲)

(۳۷۵) ﴿سعید بن عیاض رحؒ﴾

الکوفی صدوق من الثانیة خرج له البخاری فی تاریخه و النسائی (مناوی ۲۶۲)

(۳۷۶) ﴿عبد اللّٰہ بن مسعودؓ﴾

من السابقين البدريين، شهد سائر المشاهد، وهو صاحب النعل والوسادة و يظهر انه كان في آخر حياته من اثرياء. (اتحافات ص۲۲۱) وهو صاحب النعل والو سادة و الخدمة والولوج قال في الكشاف روى انه خلف تسعين الف دينار سوى الرقيق والماشية مات بالمدينة سنة اثنين. (مناوى ص ۲۶۳) علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان ابن مسعود الامام الربانی رضی اللّٰہ عنہ آپؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ابو عبد الرحمن ابن ام معبد الهذلي صاحب رسول صلى الله عليه وسلم خادمه و من كبار البدريين ومن نبلاء الفقهاء والمقرئين كان ممن يتحرى في الاداء ويشدد في الرواية ويزجر تلامذته عن التهاون في ضبط الالفاظ ...... اسلم قبل عمرو حفظ من في رسول الله صلى الله عليه و سلم سبعين سورة ...... الخ، وقد نظر عمر مرة الى ابن مسعود و قد قام فقال كنيف ملئى علما وعن عبدالله بن مسعود الاقتصاد في السنة افضل من الاجتهاد في البدعة (قال الذهبي) يمكن ان يجمع سيره ابن مسعود في نصف مجلد فلقدكان من سادة الصحابة. (تذکرۃ الحفاظ ص۱۳)

(۳۷۷) ﴿مسلم بن ابراهيمؒ﴾

الازدى الفراهيدى الحافظ ابو عمر والبصرى قال ابن معين ثقة مامون مات في صفر سنة اثنين وعشرين و مأتين وهو اكبر مشائخ ابى داؤد. (مناوی ص۲۶۴) سمع من ابن عوف و شعبة و مالک بن مغول و ابان بن يزيد و عنه الدارمي و البخاري و ابوداؤد و امم سواهم، قال ابو اسمٰعيل الترمذى سمعته يقول كتبت عن ثمان مائة شيخ ماجزت الجسر. (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص۳۹۴)

(۳۷۸) ﴿ابان يزيدؒ﴾

العطار البصرى ابويزيد قال احمد ثبت في كل المشائخ خرج له الستة الا ابن ماجة. (مناوى ص ۲۶۴) روى عن يحى بن سعيد الانصارى وهشام بن عروة و عمر بن دينار ، عنه و عنه ابن المبارک والقطان و مسلم بن ابراهيم وغير هم قالاحمد ثبت في كل المشائخ وقال ابن

معین و النسائی ثقة و کان یری القدر ولا یتکلم فیه ذکرہٗ ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج ۱ص ۸۷)

(۳۷۹ ﴿ابو عبیدؓ﴾

مولی النبی اللّٰہ علیہ وسلم و قد جاء اسمہ عبید و عبیدۃ وھو صحابی جلیل لہ ھذا الحدیث فی ھذا لکتب ۔(اتحافات ص۲۲۲)انہ طبخ للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدر افقال ناولنی الذراع (الحدیث) و عنہ شھر بن حوشب قلت ذکرہ الحاکم ابو احمد فیمن لم یقف علی اسمہ۔ (تہذیب ج ۱۲ص ۱۷۶)

(۳۸۰ ﴿فلیح بن سلیمانؒ﴾

بن ابی المغیرۃ الا سلمی المدنی و قیل فلیح لقبہ واسمہ عبد الملک قال ابن معین وابو حاتم والنسائی لیس بالقوی مات سنۃ ثمان و ستین و مائۃ خرج لہ الستۃ (مناوی ۲۶۵)روی عن ابی طوالۃ والزھری و نافع مولیٰ ابن عمر و عنہ زیادۃ بن سعد وابن المبارک وابن وھب و غیر ھم قال النسائی ضعیف و قال مرۃ لیس بالقوی۔(تہذیب ج ۸ص ۲۷۲)

(۳۸۱ ﴿عبدالوھاب بن یحییٰ بن عبادؒ﴾

قال ابو حاتم شیخ ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال الدار قطنی یحتج بہ وابن معین لم یکن بذاک وابن المدینی لیس ممن حدث عنہ و النسائی ضعیف ولیس لہ عند المصنف الا ھذا الحدیث الواحد۔(مناوی ۲۶۵)

(۳۸۲ ﴿شیخًا من فھمٍ﴾

ھو ابو حیّ فالمعنیٰ من اولا دھم وھی قبیلۃ زاد ابن ماجۃ فی روایۃ اظنہ یسمّی محمد بن عبداللہ قال زین الحافظ و قیل ان اسم الشیخ المذکور محمد بن عبدالرحمٰن (مناوی ص ۲۶۷) مقبول من الرابعۃ واکثر ما یأتی فی الا سناد عن شیخ من فھم غیر مسمی ۔ (جمع ص ۲۶۷)

(۳۸۳) ﴿ابو بکر بن عیاش رحؒ﴾

وهو مشهور بكنيته واسمه شعبة و قيل اسمه محمد او عبد الله او سالم او رؤبة او مسلم او خداش اور مطرف او حماد او خبيب عشر ة اقوال و هو المقرى صاحب عاصم القارى المشهور (جمع ۲۶۷) ثقة عابد من السابعة ساء حفظه لما كبر خرج له الجماعة. (مناوی ص ۲۶۷)

والصحيح ان اسمه كنيته روى عن ابيه و ابى اسحق السبيعى و حميد الطويل و عنه الثورى وابن المبارك وابوداؤد الطيالسى و غيرهم قال صالح بن احمد عن ابيه صدوق صالح صاحب قرآن و خبر ذكر ابن حبان فى الثقات، مات هو و هارون الرشيد فى شهر واحد سنة ثلاث و تسعين و مائة و كان قد صام سبعين سنة و قامها و كان لا يعلم له با لليل نوم. (تہذیب ج ۱۲ص ۳۷)

(۳۸۴) ﴿ثابت ابى حمزة رحؒ﴾

الثمالى نسبة الى ثمالة لقب عوف بن مالك بن اسلم و ثابت كوفى ضعيف رافضى من الطبقة الخامسة روى له النسائى. (مناوی ص ۲۶۷)

(۳۸۵) ﴿ام هانى رضؓ﴾

......الخ هى بنت ابى طالب اسمها فاختة و قيل هند لها صحبة و احاديث (جمع ص ۲۶۸) روت عن النبى صلى الله عليه وسلم و عنها مولاها ابو مرة و عبد الله بن عياش و عطاء و غيرهم. و كانت تحت هبيرة بن ابى و هب المخزومى فولدت له عمر و به كان يكنى و هانئا و يوسف و جعدة ذكره الزبير بن بكار و عاشت بعد على مدة قلت حكى هذا الترمذى وغيره و قد خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (تہذیب ج ۱۲ص ۵۰۸)

(۳۸۶) ﴿عمرو بن مرة رحؒ﴾

الهمدانى نسبة الى قبيلة هو ابن شراحيل الكوفى الذى يقال لهٗ مرة الطيب ثقة عابد من الطبقة الثامنة خرج له الجماعة. (مناوی ص ۲۶۹)

(۳۸۷) ﴿عبداللّٰہ بن عبدالرحمنؒ﴾

ابو طوالة الانصاری البخاری قاضی المدینة ثقة کان یسرد الصوم من الطبقة الخامسة خرج له الجماعة . (مناوی ص ۲۷۰) کان قاضی المدینة فی زمن عمر بن عبدالعزیز روی عن انس و عامر بن سعد وابی یونس مولیٰ عائشة وعنه یحیٰی بن سعید الانصاری و سلیمان بن بلال و فلیح بن سلمان قال احمد وابن معین وابن سعد والترمذی والنسائی والدار قطنی ثقة زاد محمد بن سعد کثیر الحدیث قال ابن خراش کان صدوقا. (تهذیب ج ۵ ص ۲۵۹)

(۳۸۸) ﴿عبدالعزیز بن محمدؒ﴾

بن عبداللّٰه الدرا وردی الجهنی مولاهم قال ابن معین هو اثبت من فلیح و قال ابوزرعة سئی الحفظ مات سنة سبع و ثمانین و مائة خرج له الجماعة . (مناوی ص: ۲۷۱) روی عن زید بن اسلم و شریک بن عبداللّٰه و هشام بن عروة و عنه شعبة و الثوری ابن و هب و غیرهم عن ابن معین ثقة حجة قال النسائی لیس بالقوی قال المزی روی له البخاری مقرونا بغیره و قال ابن حبان فی الثقات مات فی صفر ۱۸۶ ھ. و کان یخطئی . (تهذیب ج ۶ ص ۳۱۵)

(۳۸۹) ﴿سهیل بن ابی صالحؒ﴾

المدنی السمان قال ابن معین هو مثل العلاء بن عبدالرحمن ولیسا بحجة و قال ابو حاتم لا یحتج به و وثقه نا س مات سنة اربعین و مائة و روی له الجماعة الا البخاری لم یر و عنه الا حدیثا مفرداً .(تهذیب ج ۴ ص ۲۳۲)وروی عن ابیه و سعید بن المسیب و عطاء بن یزید و عنه ربیعة والا عمش، قال النسائی لیس به بأس ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد کان سهیل ثقة کثیر الحدیث . (تهذیب ج ۴ص ۲۳۲)

(۳۹۰) ﴿ابیه﴾

السمان الزیات المدنی اسمه ذکوان ثقة ثبت کان یجلب الزیت الی الکوفة من الطبقة الثالثة خرج له الستة وهو مدنی غطفانی مو لی جو یر یة بنت الا خمش اتفقو ا علی تو ثیقه.

(مناوی ص: ۲۷۱)

(۳۹۱) ﴿وائل بن داوٗدؓ﴾

الکوفی ثقة صدوق من الطبقة الثالثة خرج له الا ربعة والبخاری فی الادب. (مناوی ص ۲۷۲) روی عن ابراهیم النخعی وابی بردة وعکرمة مولیٰ ابن عباس و روی عنه ابنه بکر بن وائل ومات قبله و شعبة و شیبان ، قال ابن ابی حاتم صالح الحدیث ذکره ابن حبان فی الثقات. (تهذیب ج ۱۱ ص۹۷)

(۳۹۲) ﴿بکربن وائل بن داوٗد التیمیؒ﴾

الکوفی صدوق من الطبقة الثامنة مات قدیما فروی عنه ابوه. (مناوی ص ۲۷۳)روی عن الزهری و عبدالله بن دینار و موسیٰ بن عقبة و عنه شعبة وابن عیینة و هشام و قال الحاکم وائل وابنه ثقتان قال النسائی لیس به بأس ذکره ابن حبان فی الثقات (تهذیب ج ۱ ص ۳۲۸)

(۳۹۳) ﴿صفیةؓ﴾

هذه هی بنت حی ابن اخطب الیهودی وهی من نسل هارون اخی موسیٰ (وهی من اجمل النساء قومها.(جمع ص ۲۷۳)قال لهاالنبی صلی الله علیه وسلم حین اغضبها بعض نسائه "جدک نبی ، و عمک نبی" و کانت عر و ساتحت کنانة بنت الربیع بن ابی الحقیق ، قتل یو م خیبر فی المحرم سنة سبع ووقعت فی السبی و اصطفاها رسول الله صلی الله علیه وسلم لنفسه، و کانت رأت قبل ان القمر سقط فی حجر ها فتؤول بذلک و کانت الو لیمة من تمر و سویق. (اتحافات ص ۲۲۷)و کانت (الصفیة) عند سلام ابن مشکم ثم خلفه علیه کنانة فقتل عنها یوم خیبر کافراً ولم تلد لاحد منهما شیاً فصارت فی السبی فاخذها دحیة الکلبی فقیل یا رسول الله هذه بنت سید قو مها ولا تصلح الا لک فعو ضه عنها سبع جوار واعتقها و تزوجها و جعل عتقها صداقها و کانت رأت قبل ذلک ان القمر وقع فی حجر ها فذکرت ذلک لا بیها فلطم و جهها وقال انک لتمدین عنقک الی ان تکونی عند ملک العرب فلم یزل الا ثر بو جهها حتی اتی بها

الی رسول اللہ صلی علیہ وسلم . (مواھب ص ۱۳۲)

(۳۹۴) ﴿الحسین بن محمد البصریؒ﴾

وفی نسخة سفیان بن محمد قال میرک و ھی غلط لان سفیان بن محمد لم یذکر فی الرواة (جمع ص ۲۷۳) قدم بغداد روی عن یزید بن زریع وفضیل بن سلیمان وعنہ الترمذی والنسائی و حرب الکرمانی و غیرھم قال ابو حاتم صدوق و قال النسائی ثقة ذکرہ ابن حبا ن فی الثقات۔ (تہذیب ج۲ ص ۳۱۵)

(۳۹۵) ﴿الفضیل بن سلیمانؒ﴾

وفی بعض النسخ الفضل وھو غلط والصواب فضیل کما وجدناہ فی نسخ الشامیة (جمع ص: ۲۷۳) البصری صدوق یخطئ کثیرا من الثامنة خرج لہ الستة . (مناوی ص ۲۷۳) روی عن ابی ملک الا شجعی وابی حازم بن دینار الاعرج وفائد مولی عبادل و عنہ ابو عاصم الضحاک وعلی المدینی قال عباس الدوری عن ابن معین لیس ثقة قال النسائی لیس بالقوی ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال مات سنة ست و ثمانین و مائة. (تھذیب ج ۸ص ۲۶۲)

(۳۹۶) ﴿فائد مولیٰ عبید اللہ بن علیؒ﴾

روی عن ابی مرة و ابراھیم بن عبد الرحمن و عنہ الفضل بن سلیمان وزید بن الحباب والواقدی قال ابو طالب عن احمد لا بأس بہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات . (تھذیب ج۸ص ۲۳۰) و ثقہ ابن معین و خرج لہ ابوداؤد وابن ماجة. (مناوی ص ۲۷۳)

(۳۹۷) ﴿مولیٰ رسول ﷺ﴾

صفة لا بی رافع وکان قبطیا اسمہ ابراھیم وقیل اسلم و قیل ثابت وقیل ھرمز و غلبت علیہ کنیتہٗ وکان للعباس فوھبہ للنبی صلی اللہ علیہ ولسم فلما بشرہ باسلام العباس اعتقہ (مواھب ص ۱۳۲) وکان اسلامہ قبل بدر روی عنہ خلق کثیر مات قبل قتل عثمان بیسیر. (جمع ۲۷۳)

(۳۹۸) ﴿سلمٰی﴾

وهی زوجة ابی رافع وهی قابلة ابراهیم بن المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم و غاسلة فاطمة بنت عمیس . (مناوی ص ۲۷۳) وهی خادمة النبیّ صلی الله علیه و سلم.وکانت تشرف علی الطبخ فی بیت النبوة فی بعض الاحیان.(اتحافات ص۲۲۸) مولاة النبی صلی الله علیه و سلم روت عن النبی صلی الله علیه و سلم و عن فاطمة الزهراء و عنها ابنها عبیدالله بن علی بن ابی رافع.(تهذیب ج۱۲ ص۴۵۴)

(۳۹۹) ﴿الاسودبن قیسؒ﴾

العبدی ویقال العجلی الکوفی یکنی اباقیس ثقة من الرابعة خرج له الستة (مناوی ص ۲۷۴) روی عن ابیه و ثعلبة بن عباد و نبیح العنزی و غیر هم و عنه شعبة والثوری و زهیر بن معاویة قال ابوحاتم ثقة و قال شریک بن عبدالله النخعی اما والله ان کان لصدوق الحدیث عظیم الامانة مکرماللضیف ذکره ابن حبان فی الثقات. (تهذیب ج ۱ ص ۲۹۸)

(۴۰۰) ﴿نبیح العنزیؒ﴾

منسوب الی بنی عنزة قبیلة من ربیع (جمع ص ۲۷۵) وهوابن عبدالله العنزی الکوفی ثقة خرج له الاربعة (مناوی ۲۷۵) نبیح ابن عبدالله ابو عمروالکوفی روی عن ابن عباس وابن عمر و جابر و عنه الاسود بن قیس وابو خالد الدالانی ، قال ابوزرعة ثقة وقال العجلی کوفی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات صحح الترمذی حدیثه. (تهذیب ج ۱۰ ص ۳۸۲)

(۴۰۱) ﴿عبدالله بن محمد بن عقیلؒ﴾

بن ابی طالب الهاشمی المدنی امه زینب بنت علی قال ابو حاتم هو عندی لین الحدیث وقال ابن خزیمة لا احتج به مات بعد الاربعین خرج له البخاری فی الادب و ابوداؤد و ابن ماجة (مناوی ص ۲۷۵)امّه زینب الصغریٰ بنت علی روی عن ابیه وابن عمر وانس وجابر و عنه محمد ابن عجلان وحماد بن سلمة والسفیانان ذکره ابن سعد فی الطبقة الرابعة من اهل المدینة و قال

العجلی مدنی تابعی جائز الحدیث وقال ابن عبدالبر هو اوثق من کل من تکلم فیه قال خلیفة مات بعد الاربعین و مائة (تهذب ج ۲ ص ۱۳)

(۴۰۲) ﴿یونس بن محمدؒ﴾

ابن مسلم البغدادی المودب الحافظ ثقة مات سنة ثمان و مائتین خرج له الجماعة. (مناوی ص ۲۷۶) روی عن داوٗد بن الفرات و صالح المری و نافع بن عمر والحمادین وعنه ابنه ابراهیم واحمد و علی المدینی وعن ابن معین انه ثقة قال ابو حاتم صدوق قال یعقوب بن شیبة ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال مات سنة ثمان و مائتین : (تہذیب ج ۱۱ ص ۳۹۳)

(۴۰۳) ﴿عثمان بن عبدالرحمنؒ﴾

قیل صوابه عبد الرحیم التیمی المدنی ثقة الخامسة روی له الجماعة .(مناوی ص ۲۷۶)

(۴۰۴) ﴿یعقوب بن ابی یعقوبؒ﴾

ثقة ثبت قیس بن عمرو لها صحبة خرج لها ابوداؤد والنسائی.

(مناوی ص ۲۷۶) هی احدیٰ خالات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلّت الی القبلتین . (اتحافات ص ۲۳۰)

(۴۰۵) ﴿ام المنذرؓ﴾

انصاریة اسمها سلمة بنت قیس بن عمرو لها صحبة خرج لها ابوداؤد والنسائی (مناوی ص ۲۷۶) هی احدیٰ خالات النبی صلی اللّٰه علیه وسلمؑ صلت الی القبلتین . (اتحافات ص ۲۳۰)

(۴۰۶) ﴿بشر بن السریؒ﴾

ابوعمرو الافوه الواعظ اخذ عنه احمد وامم ثقة مات سنة خمس و سبعین و مائة وکان جهیمًا ثم تاب خرج له الجماعة . (مناوی ص ۲۷۹) سکن مکة روی عن الثوری و حماد بن سلمة و ابن

المبارک و عنه یحییٰ بن آدم و احمد بن حنبل و علی المدینی قال عثمان الدارمی عن ابن معین ثقة قال ابوحاتم صالح و قال البخاری کان صاحب المواعظ یتکلم فسمی الافوه ذکره ابن حبان فی الثقات . (تهذیب ج ۱ ص ۳۹۴)

(۴۰۷) ﴿طلحة بن یحییٰ﴾

طلحة بن عبید اللّٰه القرشی التیمی المدنی و ثقة جمع و قال البخاری منکر الحدیث و قال ابوزرعة صالح مات سنة ثمانیة و اربعین و مائة خرج له مسلم والاربعة . (مناوی ص ۲۷۹) روی عن ابیه و مجاهد بن جبر و ابی بردة و غیرهم و عنه السفیانان وابواُسامة قال یعقوب بن شیبة و العجلی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات . (تهذیب ج ۴ص ۲۵)

(۴۰۸) ﴿عائشة بنت طلحة﴾

امّها ام کلثوم بنت الصدیق خرج لها الجماعة . (مناوی ص ۲۷۸) کانت فائقة فی الجمال تزوجها مصعب بن الزبیر و اصدقها الف الف درهم فلما قتل تزوجها عمر بن عبد اللّٰه التیمی بمائة الف دینار ثم تزوجها بعد ابن عمهم عمر بن عبید اللّٰه علی مائة الف دینا . (المواہب ص ۱۳۵)

(۴۰۹) ﴿عمر بن حفص بن غیاث﴾

الکوفی ثقة ربما وهم مات سنة اثنین و عشرین و مائتین خرج له الجماعة الاابن ماجة. (مناوی ص ۲۸۰) روی عن ابیه وابی بکربن عیاش و عنه البخاری و مسلم وابراهیم الجوز جانی ، قال ابو حاتم ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال ربما اخطأو قال العجلی وابوزرعة ثقة. (تهذیب ج ۷ص ۴۳۸۱)

(۴۱۰) ﴿محمد ابن ابی یحییٰ الاسلمی﴾

اسم ابی یحییٰ سمعان صدوق من الخامسة روی له ابوداؤد و النسائی و ابن ماجة و المؤلف فی الشمائل . (مناوی ص ۲۸)

(۲۱۱) ﴿یزید بن امیة الاعورؒ﴾

من الطبقة الخامسة خرج له ابو داوٗدو المولف فی الشمائل . (مناوی ص ۲۸۰) و یقال انه ابن اخی عثمان بن ابی العاص الثقفی روی عن ابن عمر و یوسف بن عبداللّٰہ بن سلام و عنه محمد بن ابی یحیٰ الا سلمی قلت اشار ابن حبان الی ضعف حدیثه. (تهذیب ج ۱۱ ص ۲۷۵)

(۲۱۲) ﴿یوسف بن عبداللّٰہ بن سلامؒ﴾

اجلسه المصطفی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی حجره و سماه وله عن عثمان وابی الدرداء و عنه ابنه وغیره بقی الی سنة مائة و فی نسخ عبداللّٰہ بن سلام قبل الاسلام و یوافقه ما فی الشرح المصابیح کان اسم عبد اللّٰہ بن سلام حصناً فسماه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عبد اللّٰہ و مناقبه کثیرة .
(مناوی ص ۲۸) روی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم و ذکره جماعة ممن الف فی الصحابة ذکره ابن سعد فی الطبقة الخامسة و سا ق حدیثه اقعد نی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی حجره الحدیث، وقال کان ثقة وله احادیث صالحة و قال العجلی تابعی کو فی ثقة. (تهذیب)

(۲۱۳) ﴿سعید بن سلیمانؒ﴾

الضبی ابو عثمان سعدویه الواسطی البزار نزیل بغداد ثقة حافظ قال ابو حاتم لعله او ثق من عفان و ذکر انه حج ستین حجة و مادلس قط و قال احمد کان یصحف مات سنة خمس و عشرین ومائة وله مائة سنة خرج له الستة. (مناوی ص ۲۸۱) روی عن سلیمان بن کثیر و حماد بن سلمة و عنه البخاری و ابوداؤد والفضل بن عباس و غیرهم قال ابو حاتم ثقة مامون وقال العجلی واسطی ثقة قال ابن سعد ثقة کثیر الحدیث ذکره ابن حبان فی الثقات .

(تهذیب ج ۴ ص ۳۸)

(۲۱۴) ﴿عمرو بن دینارؒ﴾

المکی ابو الاشرم اعجمی مولاهم ثقة ثبت من الرابعة خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۸۳)روی عن ابن عباس وابن الزبیر وعنه قتادة و ابن جریج و جعفر الصادق قال ابن عیینة وعمرو بن جریر

کان ثقة ثبتا كثير الحديث صدوقا عالما وكان مفتى اهل مكة فى زمانه قال الذهبى ما قيل عنه فى التشيع باطل (مات ۱۲۶ھ) ذكره ابن حبان فى الثقات وقال النسائى ثقة ثبت.

(تہذیب ج۸ص۲۶)

(۴۱۵) ﴿سعيد بن الحويرثؒ﴾

المكى اخذ عن ابن عباس وعنه عمرو بن دينار وابن جريج ثقة ذكره الذهبى وغيره وقال الزين العراقى ليس له ذكر عند المؤلف الافى هذا الحديث وقد احتج به مسلم ووثقه ابن معين وابو زرعة والنسائى وابن حبان. (مناوی ص۲۸۳)

(۴۱۶) ﴿قيس بن الربيعؒ﴾

الاسدى الكوفى كان شعبة يثنى عليه وقال معين ليس بشيئي وقال ابو حاتم ليس بقوى الصدق وضعفه آخرون وقال ابن عدىٰ عامة رواياته مستقيمة مات سنة بضع وستين ومائة خرج له ابو داؤد و ابن ماجة (مناوی ص ۲۸۴)هو الذى اسلم وعنده ثمان نسوة اوتسع نسوة روى عن ابى اسحٰق السبيعى و المقدام بن شريح وعنه ابان بن تغلب والثورى قال ابن حبان تتبعت حديثه فرائيته صادقا الا انه لما كبر ساء حفظه. (تهذيب ج۸ ص ۳۵۱)

(۴۱۷) ﴿عبدالكريم بن محمد الجرجانىؒ﴾

قاضى جرجان له عن ابن جريج وابى حنيفة وعنه الشافعى وقتيبة هرب من القضاء فجاور بمكة. (مناوى ص ۲۸۴)ذكره ابن حبان فى الثقات عن قتيبة له عنده حديث فى الوضوء قبل الطعام وبعده. (تهذيب ج ۶ ص ۳۳۶)

(۴۱۸) ﴿ابو هاشمؒ﴾

الرمانى الواسطى نسبة الى قصر الرمان بواسط وكان ينزله واسمه يحيىٰ بن دينار اوغيره من السادسة خرج له الستة. (مناوى ص ۲۸۴)قيل هو ابن الاسود وقيل ابن ابى الاسود و قيل ابن نافع راى انساً روى عن ابى وائل وعكرمة وسعيد بن جبير وعنه منصور بن المعتمر والثورى

وشعبة.....قال ابو حاتم كان فقيها صدوقا قال احمد وابن معين وابوزرعة والنسائى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات (مات ۱۲۰ھ). (تهذيب ج ۱۲ ص ۲۸۶)

(۴۱۹) ﴿زاذانؒ﴾

•ابى عمرو وابى عبدالله الكندى مولاهم الضرير البزاز له عن على وابن مسعود و يقال سمع عمرو عنه مدة والمنهال ثقة مات سنة اثنين وثما نين خرج له مسلم و الاربعة والبخارى فى تاريخه. (مناوى ۲۸۴) يقال انه شهد خطبة عمر بالجابية قال ابن معين ثقة لا يسئل عن مثله وقال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث قال العجلى كوفى تابعى ثقة. (تهذيب ج ۳ص ۲۶۱)

(۴۲۰) ﴿يزيد بن ابى حبيبؒ﴾

المقرى ثقة يرسل من الخامسة خرج له الستة (مناوى ص ۲۸۵)واسمه سويد بالتصغير (جمع ص ۲۸۵)روى عن عبدالله بن حارث وابى الطفيل واسلم بن يزيد وعنه سليمان التيمى وعبدالله بن عياش وحيوة بن شريح قال ابن سعد كان مفتى اهل مصر فى زمانه وكان حليما عاقلا وكان اول من اظهر العلم بمصر والكلام فى الحلال والحرام ومسائل ذكره ابن حبان فى الثقات.

(تهذيب ج ۱۱ ص ۲۷۸)

(۴۲۱) ﴿راشد بن جندل اليافعىؒ﴾

المصرى ثقة من السادسة نسبة الى يافع اسم موضع او قبيلة من رعين خرج له المصنف (مناوى ۲۸۵) روى عن حبيب بن اوس الثقفى وعنه يزيد بن ابى حبيب ذكره ابن حبان فى الثقات وقال عثمان الدارمى عن ابن معين ثقة روى عنه المصريون. (تهذيب ج۳ص ۱۹۴)

(۴۲۲) ﴿حبيب بن اوسؒ﴾

الثقفى مقبول من الثانية خرج له المصنف (مناوى ص ۲۸۵)روى عن ابى ايوب وعمرو بن العاص روى عنه راشد بن جندل اليافعى ذكره ابن يونس فى من شهد فتح مصر قلت وذكره ابن حبان فى الثقات. (تهذيب ج۲ص۱۵۵)

(۴۲۳) ﴿ابو ایوب الانصاریؓ﴾

الخزرجی واسمه خالد بن زیدلو کان مع علی بن ابی طالب فی حروبه کلها ومات بالقسطنطنية مرابطاً سنة احدی وخمسين وذلک مع يزيد بن معاوية لما اعطاء ابوه القسطنطنية خرج معه فمرض فلما ثقل قال لاصحابه اذا انامت فاحملونی فاذا صافقتم العدو فادفنونی تحت اقدامکم ففعلو او دفنوه قريباً عن سورها وهو معروف الی اليوم معظم يستشفون به فيشفون فکانه اشارة الی ان من تواضع لله رفعه الله روی عنه جماعة. (جمع ص ۲۸۶)شهد بدراً والمشاهد کلها مع رسول الله صلی الله عليه وسلم ونزل النبی صلی الله عليه وسلم عنده حين قدم المدينة شهرا حتی بنی المسجد روی عن النبی صلی الله عليه وسلم وعن ابی بن کعب وعنه البراء بن عازب وجابر بن سمرة وابن عباس وغيرهم. (تهذيب ج۳ص ۷۹)الصحابی الکبير شهد بدرا ونزل المصطفیٰ حين قدم المدينة عليه خرج له الستة. (مناوی ص ۲۸۶)

(۴۲۴) ﴿هشام الدستوائیؒ﴾

نسبة الی دستواء بلدة من الاهواز لبيعه من الثياب التی تجلب منها ربعی بن بکر وائل من اهل البصرة وکان يطلب العلم لله قال ابو داؤد الطيالسی کان هشام امير المؤمنين فی الحديث مات سنة اربع وخمسين ومائة خرج له الستة. (مناوی ص ۲۸۶)

روی عن قتادة وبديل بن ميسرة و عنه ابناه عبدالله و معاذ وابن المبارک قال العجلی بصری ثقة ثبت فی الحديث حجة الا انه يری القدر قلت وذکره ابن حبان فی الثقات. (تهذيب ج ۱۱ ص ۴۲ ۱) قال ابن سعد کان ثقة حجة قال هشام عجبتُ للعالم کيف يضحک . (تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۴)

(۴۲۵) ﴿عبدالله بن عبيد بن عميرؒ﴾

الليثی المکی وثقه ابوحاتم مات سنة ثلاث عشرة و مائة خرج له الجماعة الا البخاری (مناوی ص ۲۸۶)

(۴۲۶) ﴿ام کلثوم رضؓ﴾

بنت عقبة بن ابی معیط الاموية صحابية ها جرت سنة سبع تزوجها زيد فالزبير فعبد الرحمٰن بن عوف وهی اخت عثمان لامہ (مناوی ص ۲۸۷)روت عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ليس الكاذب من اصلح بين الناس الحديث وعن بسرة بنت صفوان وروى عنها ابناها ابراهيم وحميد ابنا عبدالرحمٰن بن عوف .(تهذيب ج ۱۲، ص ۵۰۴)

(۴۲۷) ﴿عبد الاعلیٰ رحؒ﴾

بن واصل ابن عبد الاعلى الاسدى الكوفى ثقة من التاسعة خرج له النسائى.(مناوى ۲۸۸) روى عن عبدالله بن ادريس و ابى اسامة و عنه الترمذى و النسائى قال ابو حاتم صدوق و قال النسائى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات قال مطين مات سنة ۲۴۷ھ۔(تہذیب ج۶ ص۹۲)

(۴۲۸) ﴿عمر بن ابی سلمة رحؒ﴾

المخذومى يكنى ابا حفص ربيب المصطفىٰ من ام سلمة ولد بالحبشة حين هاجر بها ابوه مات سنةثلاث و ثمانين.(مناوى ص ۲۸۸)ابو حفص المدنى روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن امه ام سلمة روى عنه ابنه محمد و سعيد بن المسيب و ثابت البنانى، قال الزبير بن بكار و كان مع على بن ابى طالب فولاه البحرين و شهد مع على الجمل و توفى بالمدينة۔(تہذیب ج۷ ص۴۰۱)

(۴۲۹) ﴿اسماعیل بن ریاح رحؒ﴾

بن عبيدة السلمى عن ابيه وغيره وعنه ابو هاشم الرمانى وغيره و هو من الطبقة الثالثة خرج له ابو داؤد. (مناوى ص ۲۹۰) ذكره ابن حبان فى الثقات قلت و سئل ابن المدينى عنه فقال لا اعرفه مجهول . (تهذيب ج ۱ ص ۲۵۹)

(۴۳۰) ﴿ریاح عبیدة رحؒ﴾

له عن ابن عمر و ابن سعيد و غيرهما وعنه حجاج بن ارطاة و جماعة وثق ذكره فى الكاشف

وغیرہ و لبعض الشراح فیه خبط و خلط فاحذره (مناوی ص ۲۹۰) ذکره ابن حبان فی الثقات کا ن من العابدین جلساء عمر بن عبد العزیز ۔ (تہذیب ج ۳ ص ۲۵۹)

(۴۳۱) ﴿ثور بن یزیدؒ﴾

ابو خالد الحمصی الحافظ کا ن ثبتاً قدریاً اخر جوه من حمص و احرقو اداره مات سنة ثلاث و خمسین و مائة خرج له البخاری و الاربعة ۔ (مناوی ص ۲۹۰)

روی عن مکحول و رجاء بن حیوة و عطاء و عنه صفوان بن عیسٰی و السفیانا ن قال محمد بن عوف و النسائی ثقة وقال ابو حاتم صدوق حافظ وقال العجلی شامی ثقة و کان یر ی القدر . (تہذیب ج ۲ ص ۳۰)

(۴۳۲) ﴿خالد بن معدانؒ﴾

الکلاعی فقیه کثیر الشان ثبت مهیب مخلص قیل کان یسبح کل یوم اربعین الف تسبیحة خرج له الستة . (مناوی ۲۹۰) روی عن ثوبان و ابن عمر و عنه ثور بن یزید و حریز بن عثمان قال العجلی شامی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال کان من خیار عباد اللّٰه وقال یزید بن هارون (مات وهو صائم ۱۰۳ ھ) (تهذیب ج ۳ ص ۱۰۳)

ویروی انه کان یسبح فی الیوم سبعین الف مرة و قال لو کان للموت غایة تعر ف ماسبقنی احد الیه الا بفضل قوة ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۳)

(۴۳۳) ﴿ابو بکر محمد بن ابانؒ﴾

ابن وزیر البلخی یلقب حمدویه حافظ مکثر وثقه النسائی و غیره مات سنة اربع و اربعین و مائتین خرج له الجماعة (مناوی ص ۲۹۲)

روی عن ابن عیینة و ابن علیة و ابن نمیر روی عنه الجماعة سوی مسلم و موسیٰ بن هارون قال النسائی ثقة قال ابو حاتم صدوق ذکره ابن حبان فی الثقات قلت و قال الخلیلی ثقة متفق علیه و فی الزهرة روی عنه البخاری ثمانیة و ثلاثین حدیثا . (تہذیب ج ۹ ص ۴)

(۴۳۴) ابو اسامة رحؒ

حمادبن اسامة الكوفى القرشى مولاهم المشهور بكنيته ثقة ثبت ربما دلس من كبار التاسعة مات بالشام هارباً من القضاء خرج له الجماعة (مناوى ص ۱۹۳) روى عن هشام بن عروة والا عمش وابن جريج و عنه الشافعى واحمد بن حنبل و هناد بن السرى قال احمد ابو اسامة ثقة كان اعلم الناس بامور الناس و اخبار اهل الكوفة قال العجلى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات، قال عبد الله بن عمر بن ابان سمعت ابا اُسامة يقول كتبت باصبعى هاتين مائة الف حديث. (تہذیب ج۳ص۴)

(۴۳۵) زكريابن ابى زائدة رحؒ

خالد بن ميمون الهمدانى الوداعى روى عن ابى اسحق السبيعى و عامر الشعبى و عنه ابنه يحيٰ و الثورى و شعطة قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث وقال ابن قانع كان قاضيا بالكوفة و قال ابوزرعة صويلح يدلس كثيرا عن الشعبى.(تہذیب ج۳ص۲۸۴)

(۴۳۶) سعيد بن ابى بردة رحؒ

ابن ابى موسىٰ الا شعرى الكوفى الحافظ مولىٰ بنى هاشم كان حجة اخبارياً عنده ستمائة حديث عاش ثمانين خرج له الستة. (مناوى ۲۹۳)روى عن ابيه و انس بن مالك وابى وائل و عنه قتادة و شعبة و زكريا بن ابى زائدة قال ابن معين والعجلى ثقة وقال ابو حاتم صدوق ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات (مات۱۶۸ھ)(تہذیب ج۴ص۸)

(۴۳۷) الحسين بن الاسود البغدادى رحؒ

ويقال الحسين بن على بن الاسود ينسب لابيه والمشهور لجده صدوق يخطئى كثيرامن الحادية عشر خرج له المصنف فقط. (مناوى ص ۲۹۳)روى عن عبدالله بن نمير ويونس بن بكير وابى اسامة وعنه ابوداؤد و الترمذى وابو حاتم وسئل عن ابى حاتم قال صدوق وقال الازدى ضعيف جدا يتكلمون فى حديثه وذكره ابن حبان فى الثقات (مات ۲۵۴ھ).(تهذيب ج ۲ ص ۲۹۷)

(۴۳۸) ﴿عمرو بن محمدؒ﴾

ابو سعيد الكوفى له عن ابى حنيفة وعيسٰى بن طهمان وعتبة وعنه ابن راهويه وعدة وثقوه مات سنة تسع وتسعين ومائة خرج له الخمسة والبخارى فى الادب. (مناوى ص ۲۹۳) قال احمد والنسائى ثقة وقال ابن معين ليس به بأس ذكره ابن حبان فى الثقات قلت قال العجلى ثقة جائز الحديث. (تهذيب ج ۸ص ۸۶)

(۴۳۹) ﴿اسماعيل بن موسىٰ الغزالیؒ﴾

منسوب الى قبيلة بنى فزارة صدوق رمى بالرفض من العاشرة خرج له البخارى فى خلق الافعال وابوداؤد وابن ماجة. (مناوى ص ۲۹۵) روى عن مالك وابراهيم بن سعد وابن عيينة قال مطين كان صدوقا وقال النسائى ليس به بأس وقال ابن حبان فى الثقات يخطئى مات ۲۴۵ھ. (تهذيب ج ۱ص ۲۹۲)

(۴۴۰) ﴿محمد بن عبدالعزيزؒ﴾

الرملى، نسبة للرملة وهى مواضع اشهرها بلد بالشام قال يعقوب الفسوى حافظ ولينه غيره خرج له البخارى والنسائى. (مناوى ص ۲۹۷)روى عن حفص بن ميسرة ومحمد بن ادريس الشافعى روى عنه البخارى وعلى بن داؤد قال ابو زرعة ليس بقوى ذكره ابن حبان فى الثقات ولد بواسط ثم انتقل الى الرملة حتى مات بها . (تهذيب ج ۹ ص ۲۷۸)

(۴۴۱) ﴿عبدالله بن يزيد بن الصلتؒ﴾

الشيبانى ابو روح القاهرى مولى الزبير قال جرير بن حازم ثقة خرج له النسائى (مناوى ص ۲۹۷)روى عن ابى اسحٰق وعاصم بن رجاء وسفيان الثورى وعنه محمد بن عبدالعزيز الرملى، قال ابوزرعة منكر الحديث وقال النسائى ضعيف له حديث واحد فى اكل البطيخ بالرطب. (تهذيب ج۶ص ۷۲)

(۴۴۲) ﴿یزید بن رومانؒ﴾

المدنی قال الذہبی واہ و قال ابو حاتم متروک وروایتہ عن ابی ہریرۃ مرسلۃ خرج لہ الجماعۃ. (مناوی ص ۲۹۷)روی عن ابن زبیر وانس وعبد اللّٰہ بن ہشام بن عروۃ و عبید اللّٰہ و ابو حازم سلمۃ بن دینار قال النسائی ثقۃ ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال الواقدی مات فی ثلاثین ومائۃ وکان عالما کثیر الحدیث. (تہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۸)

(۴۴۳) ﴿ابراھیم بن المختارؒ﴾

الرازی ضعفوہ من الطبقۃ الثامنۃ خرج لہ البخاری فی تاریخہ و ابن ماجۃ. (مناوی ص ۳۰۰) یقال لہ حبویۃ روی عن شعبۃ ومالک وابن اسحق وابن جریج وعنہ محمد بن حمید الرازی وفروۃ بن ابی المغراء وعدۃ قال ابن معین لیس بذاک وقال ابو حاتم صالح الحدیث قلت وذکرہ ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج ۱ ص ۱۴۱)

(۴۴۴) ﴿ابو عبیدۃبن محمد بن عماربن یاسرؒ﴾

اخی سلمۃ قیل ھو مقبول من الرابعۃ خرج لہ الاربعۃ. (مناوی ص ۳۰۰)روی عن ابیہ ولؤلؤۃ مولاۃ عمتہ ام الحکیم و جابر بن عبداللّٰہ وعنہ ابنہ عبداللّٰہ وسعد بن ابراھیم واسامۃ بن زید اللیثی قال ابن معین ثقۃ قال ابی حاتم عن ابیہ فی موضع آخر صحیح الحدیث. (تہذیب ج ۱۲ ص ۱۷۸)

(۴۴۵) ﴿الربیع بنت معوذ الانصاریۃؓ﴾

من صغار الصحب وابو ھامن اکابر ھم قتل یو م بدر روی لہ الستۃ واشتہر باسم امہ واسم ابیہ الحارث بن رفاعۃ. (مناوی ص ۳۰۰)

روت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعنہا ابنتہا عائشۃ بنت انس بن مالک وخالد بن ذکوان وسلیمان بن یسار ، قال ابن ابی خیثمۃ عن ابیہ کانت من المبائعات تحت الشجرۃ.(تہذیب ج ۱۲ ص ۴۴۷)

(۴۴۶) ﴿علی بن زیدؒ﴾

بن عبداللہ ابن زہیر بن عبداللہ بن جدعان التیمی البصری الضریر احد الحفاظ بالبصرة قال الدار قطنی لا یزال عندی فیہ لین وقال منصور ابن زاذان لما مات الحسن قلنا لابن جدعان اجلس مجلسہ مات سنة احدی وثلاثین و مائة خرج لہ فی الادب والخمسة (مناوی ص ۳۰۳)اصلہ من مکة روی عن انس بن مالک وسعید بن المسیب والحسن البصری وعنہ قتادة والحماد ان وزائدة قال العجلی کان یتشیع ولا بأس بہ وقال الترمذی صدوق الاّانہ ربما رفع الشیء الذی یوقفہ غیرہ قال ابو زرعة لیس بالقوی. (تہذیب ج۷ص ۲۸۳)

(۴۴۷) ﴿عمر ہو ابن ابی حرملةؒ﴾

کدحرجة وقیل ابن حرملة مجہول من الرابعة خرج لہ ابوداؤد و النسائی (مناوی ص۳۰۳)روی عن ابن عباس حدیث الضب وعنہ علی بن زید بن جدعان قال ابوزرعة لااعرفہ الافی ھذا الحدیث وذکرہ ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج۷ص ۴۷۹)

(۴۴۸) ﴿الحسین المعلمؒ﴾

ابن ذکوان المکتب العوذی نسبة لبنی عود بطن من بنی ازد ثقة ربما وھم خرج لہ الجماعة. (مناوی ص۳۰۸)روی عن عطاء ونافع وقتادة وعنہ ابراھیم بن طھمان وشعبة وابن المبارک وغیرھم قال ابوزرعة لیس بہ باس قال ابن سعد والعجلی وابوبکر البزار بصری ثقة وذکرہ ابن حبان فی الثقات. (تہذیب ج۲ص۲۹۳)

(۴۴۹) ﴿عمرو بن شعیبؒ﴾

السہمی قال یحی القطان اذا روی عنہ ثقة فھو حجة وقال احمد ربما احتججنا بہ وقال البخاری رأیت احمد و ابن المدینی واسحاق وعامة اصحابنا یحتجون بہ مات سنة ثمان عشرة ومائة. (مناوی ص ۳۰۸) روی عن ابیہ و زینب بنت ابی سلمة ربیبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسلیمان بن یسارو عنہ عطاء الزھری وعاصم الاحول قال العجلی والنسائی ثقة قلت عمرو بن شعیب

ضعفه ناس مطلقا و وثقه الجمهور قال الخليفة (وغيره مات ۱۱۸ھ) (تہذیب ج۸ص۴۳)

(۴۵۰) ﴿ابیہؒ﴾

شعيب بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن العاص صدوق ثبت من الثالثة خرج له البخارى فى القدر والاربعة. (مناوی ص۳۰۸) روى عن جده و ابن عباس و عنه ابناه عمرو و عمر و ثابت البنانى ذكره الخليفة فى الطبقة الاولى من اهل الطائف و ذكره ابن حبان فى الثقات.

(تہذیب ج۴ص۳۱۱)

(۴۵۱) ﴿عن جدہؒ﴾

فالجد عبدالله بن عمرو المكثر الصحابى بن الصحابى ابن الصحابية الافضل من ابيه والاكثر تلقيا واخذا للعلم عن المصطفىٰ. (مناوی ص۳۰۸)

روى عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن ابى بكر وعمر وعبدالرحمن بن عوف وعنه انس بن مالك ومسروق بن الاجدع وسعيد بن المسيب قال ابو هريرة ماكان احد اكثر حديثا عن رسول الله عليه وسلم الاعبدا لله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب. (تہذیب ج۵ص۲۹۴)

(۴۵۲) ﴿محمد بن طریف الکوفیؒ﴾

ابو جعفر كان ثقة صاحب حديث قال مطين مات سنة اثنين واربعين ومائتين خرج له مسلم وابو داؤد و ابن ماجة. (مناوى ص ۳۰۹) روى عن ابيه وعبدالله بن ادريس وابى امامةروى عنه مسلم وابوداؤد والترمذى قال ابوزرعة محله الصدق ذكره ابن حبان فى الثقات وفى الزهرة روى عنه مسلم ستة احاديث. (تهذيب ج۹ص۲۰۹)

(۴۵۳) ﴿الاعمشؒ﴾

سليمان بن مهران كعثمان الاسدى الباهلى الكوفى احد الاعلام قال ابن المدينى له الف وثلثمائة حديث عاش ثمان وثمانين سنة قال ابو نعيم مات فى ربيع الاول سنة ثمان واربعين ومائة خرج له الجماعة. (مناوى ص ۳۰۹)روى عن زيد بن وهب واسماعيل بن رجاء و عامر الشعبى وعنه ابو

اسحق السبيعي وهو من شيوخه والسفيانان قال العجلي كان ثقة ثبتا في الحديث كان محدث اهل الكوفة في زمانه عالما بالفرائض ذكره ابن حبان في ثقات التابعين . (تهذيب ج۴ص۱۹۵)

(۴۵۴) ﴿عبدالملك بن ميسرةؒ﴾

كدحرجة الهلالي العامري الكوفي ثقة من الرابعة خرج له الستة. (مناوی ص ۳۰۹)

روى عن ابن عمرو ابي الطفيل وعطاء وعنه شعبة ومسعر ومنصور بن المعتمر قال ابن معين وابن خراش والنسائي ثقة وقال ابو حاتم ثقة صدوق ذكره ابن حبان في الثقات وقال العجلي كوفي ثقة . (تهذيب ج۶ص ۳۷۷)

(۴۵۵) ﴿النزال بن سبرةؒ﴾

كطلحة الهلالي الكوفي ايضاً من الثالثة قيل له صحبة خرج له الجماعة غير مسلم (مناوی ص ۳۰۹)روى عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن ابي بكر يقال مرسل وعن عثمان وعلي وعنه الشعبي واسماعيل بن رجاء والضحاك، قال العجلي كوفي تابعي ثقة من كبار التابعين وذكره ابن حبان في الثقات وعن ابن معين النزال ثقة لايسئال عنه. (تهذيب ج۱۰ ص۳۷۸)

(۴۵۶) ﴿يوسف بن حمادؒ﴾

المعنى نسبة لمعن كفلسٍ ثقة خرج له مسلم وابو داؤد والنسائي وابن ماجة مات سنة خمس واربعين ومائتين (مناوی ص۳۱۰)روى عن حماد بن زيد وعبدالوارث بن سعيد قال النسائي وذكره ابن حبان في الثقات قال مسلمة بن قاسم بصري ثقة. (تهذیب ج۱۱ص۳۶۱)

(۴۵۷) عبدالوارث بن سعيدؒ

قال العصام لم توجد ترجمته واقول هو عبدالوارث ابن سعيد بن ذكوان التميمي مولاهم التنوري البصري ابو عبيدة الحافظ له عن ايوب وابي التياح ويحيى البكاء وعنه ابنه عبدالصمد وابو معمر المقعدي ومسدد و كان معربا فصيحاً مفوها ثبتاً صالحا رمي بالقدرمات سنة ثمانين ومائة. (مناوی ص۳۱۰)

(۴۵۸) ﴿ابی عاصمؒ﴾

وفی نسخة ابی عصام وهو البصری قیل اسمه ثمامة وقیل خالدبن عبید العتکی روی له مسلم وابو داؤد والنسائی کذا حققه الجزری وفی نسخة عن ابی عاصم وهو ضعیف .(الجمع ص ۳۱۰)

(۴۵۹) ﴿رشدین بن کریبؒ﴾

العباسی قال البخاری رشدین هذا منکر الحدیث (مناوی ص ۳۱۱) روی عن ابیه وعلی بن عبداللّٰه بن عباس وعنه عیسیٰ بن یونس ومحمد بن فضیل و مروان بن معاویة قال ابن عدی احادیثه مقاربة لم ارفیه منکرا جداو مع ضعفه یکتب حدیثه قال ابو حاتم والنسائی ضعیف. (تہذیب ج۳ ص ۲۴۱)

(۴۶۰) ﴿عن ابیهؒ﴾

ای کریب وهو ثقة ذکره میرک (جمع ص ۳۱۱) ابن ابی مسلم الهاشمی المدنی مولیٰ ابن عباس الذهبی وثقوه مات سنة ثمان وتسعین بالمدینة خرج له الجماعة. (مناوی ص ۳۱۱) ادرک عثمان و روی عن مولاه وعائشة وام سلمة و ام هانی و عنه رشدین وسلیمان بن یسار قال ابن سعد کان ثقة حسن الحدیث ذکره ابن حبان فی الثقات وقال النسائی ثقة. (تہذیب ج۸ ص ۳۸۸)

(۴۶۱) ﴿یزید بن یزیدؒ﴾

اتفق اسم الولد والاب وهذا کثیر کما وقع لمحمد بن محمد الغزالی وکذا الجزری. (جمع ص ۳۱۲) الازدی الدمشقی کان ثقة صالحاً بکاء خلف مکحولا بدمشق لکنه خرج معهم علی الولید قال هشام بن عمار واخذ مائة الف دینار مات سنة ثلاث وثلاثین ومائة خرج له مسلم وابو داؤد والنسائی. (مناوی ص ۳۱۲) روی عن عبدالرحمن بن ابی عمرة ومکحول ویزید بن الاصم وعنه الاوزاعی وثور بن یزید و السفیانان قال ابن سعد کان ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان من خیار عباد اللّٰه . (تہذیب ج۱۱ ص ۳۲۴)

(۴۶۲) ﴿کبشةؓ﴾

هی کبشة بنت ثابت بن المنذر، الانصاریة، اخت حسان لها صحبة و حدیث ویقال فیها کبیشة

بالتصغير وقيل كبشة بنت كعب بن مالك الانصارية زوج عبدالله بن ابى قتادة. (اتحافات ص ۲۶۰) روت عن النبى صلى الله عليه وسلم فى الشرب قائما من فم القربة وعنها عبدالرحمن بن ابى عمرة وهى جدته. (تہذیب ج۶ص۳۳۳)

(۲۶۳) ﴿عبدالکریم الجزریؒ﴾

بن مالك الخضرمى نسبة لقرية من ثمامة كان حافظاً مكثرا مات سنة سبيع وعشرين ومائة خرج له الجماعة. (مناوى ص ۳۱۳)رأى انسا وروى عن عطاء وعكرمة و سعيد بن المسيب وعنه ايوب السختيانى وابن جريج والسفيانان قال احمد ثقة ثبت صاحب سنة قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث قال ابو زرعة ثقة اخذ عن الاكابر (تهذيب ج۶ ص ۳۳۳)

(۲۶۴) ﴿احمد بن نصر النیساپوریؒ﴾

بن زياد القرشى المقرى احد الائمة الزهاد تفقه به جماعة مات سنة خمس واربعين ومائتين. (مناوى ص ۳۱۳)روى عن هدبة بن خالد و ابن ابى عمر روى عن البخارى فى تفسير سورة الانفال ولم ينسبه قال الحاكم هو احد الاركان الحديث قالت قلروى البخارى فى التاريخ الصغير عن احمد بن النصر. (تہذیب ج۱ص۷۵)

(۲۶۵) ﴿اسحٰق بن محمدؒ﴾

نسبة لابى فروة جده قال ابو حاتم صدوق ربما لقن للذهاب بصره و قال مرة مضطرب ووهاه ابو داؤد مات سنة ست وعشرين ومائتين خرج له البخارى و روى الترمذى و ابن ماجة بواسطة قال ابو حاتم كان صدوقا ولكن ذهب بصره فربما لقن و كتبه صحيحة ذكره ابن حبان فى الثقات .(تهذيب ج ۱ ص ۲۱۷)

(۲۶۶) ﴿عبیدة بنت نائلؒ﴾

من السابعة خرج لها المصنف قال فى التهذيب ذكرها ابن حبان فى الثقات. (مناوى ص ۳۱۴) روى عن عائشة بنت سعد وعنها اسحق بن محمد الفروى والواقدى ومعن بن عيسٰى.

(تهذیب ج۱۲ ص۲۶۵)

(۴۶۷) عائشه بنت سعد بن ابی وقاصؒ

الزهرية المدنية ثقة من الرابعة عمرت حتى ادركها مالك وماتت بالمدينة سنة سبع عشرة ومائة عن اربع وثمانين سنة ووهم من زعم ان لها روية خرج لها البكارى وابو داؤد والنسائى. (مناوى ص ۳۱۴)قيل انها رأت ستا من امهات المومنين ذكرها ابن حبان فى الثقات قلت وقال العجلى تابعيةمدنية ثقة. (تهذيب ج۱۷ ص ۲۴۶)

(۴۶۸) ابيها

سعد بن ابى وقاص احد العشرة المبشرة بالجنة وآخرهم موتا واول من رمى بسهم فى سبيل الله شهد المشاهد كلها يقال له فارس الاسلام. (مناوى ص ۳۱۴) اسلم قديما وهاجر قبل رسول الله صلى الله عليه وسلم روى عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن خولة بنت حكيم وعنه عائشة ام المؤمنين وابن عباس وابن عمر وهو احد الستة اهل الشورى وكان مستجاب الدعوة مشهورا بذلك و كان سابع سبعة فى الاسلام روى الواقدى اسلمت وانا ابن سبع عشرة سنة كذا فى تهذيب الكمال. (تہذیب ج۳ص۴۱۹)

(۴۶۹) محمد بن رافعؒ

زاہد ہیں حافظ ہیں القشیر ی نسبت ہے، كان مهيبا كبير القدر كثير الحديث (مناوی ج۲ص۳)سمع ابن عيينة و معن بن عيسىٰ والنضر بن شميل وغيرهم روى عنه البخارى و مسلم و كان فوق الثقة قال زكريا بعث اليه طاهر بن عبدالله بخمسة الاف درهم بعد العصر وهو ياكل الخبز مع الفجل فلم يقبل مات فى سنة خمس واربعين و مائتين ـ(جمع ج۲ص۳)وغير واحد ! اى كثير من المشائخ سوى محمد بن رافع ـ(جمع ج۲ص۳) قالو میں ضمیر محمد بن رافع اور جمیع مشائخ کو راجع ہے۔

(۴۷۰) شیبانؒ

ابن فروخ ابو محمد بن ابى شيبة الحبطى مولاهم الايلى قال عبدان كان عنده خمسون الف

حلیثٍ و قال ابوزرعة صلوق مات سنة خمس و ثلاثین و مائتین خرج له ابوداؤد و اکثر عنه مسلم۔(مناوی ج۲ص۳)

(۴۷۱) ﴿عبداللہ بن المختارؒ﴾

البصری لاباس به قال شعبة کان اصغر منی و قال ابن معین ثقة خرج له الجماعة الا البخاری۔ (مناوی ج۲ص۳)

(۴۷۲) ﴿موسیٰ بن انسؒ﴾

قال العصام لم اجد ترجمته و اقول هو موسیٰ بن انس قاضی البصرة له عن ابیه و ابن عباس و عنه ابن عوف و شعبة ثقة نقل ترجمته الذهبی وغیره ۔(مناوی ج۲ص۳)

(۴۷۳) ﴿ابن ابی فدیکؒ﴾

نام محمد بن اسماعیل ہے۔الدیلمی ہیں ، قال الذهبی صدوق و هو شیخ الشافعی۔(مناوی ص۴)

(۴۷۴) ﴿عبداللہ بن مسلمؒ﴾

الهزلی المدنی المقری قال ابوزرعة لاباس به من الثانیة خرج له المصنف فقط۔(مناوی ص۴)

(۴۷۵) ﴿عن ابیه﴾

مسلم الهزلی المدنی القاضی ثقة فصیح من الثالثة خرج له البخاری فی خلق الاعمال (مناوی ص۴)

(۴۷۶) ﴿ابوداؤد الحفریؒ﴾

عمرو بن سعد بن عبداللہ نسبة لحفر محرکاً موضع بالکوفة قال ابن المدینی لا اعلم انی رأیت بالکوفة اعبد منه و قال ابو حملون المقری دفناه وترکنا بیته مفتوحا مافی البیت شئی خرج له مسلم والاربعة۔(مناوی ص۵)

(۴۷۷) ﴿عن رجل﴾

فی نسخة بدله الطفاوی ، منسوب لطفاوة حی من قیس غیلان شیخ لابی نضرة

مجهول ايضاً۔(مناوی ص۵)

(۴۷۸) ﴿محمد بن خلیفہؒ﴾

البصری الصیرفی مات سنة احدیٰ و ستین و مائتین خرج له المصنف و ابن خزیمة والمحاملی وغیره ۔(مناوی ص۶)

(۴۷۹) ﴿حجاج الصوافؒ﴾

بن ابی عثمان میسرة اوسالم الصواف ابو الصلت الکندی مولاهم البصری ثقة حافظ خرج له الستة۔(مناوی ص۶)

(۴۸۰) ﴿حنانؒ﴾

الاسدی عم مسرهد والمسدد من السادسة خرج له ابو داؤد

۔مزید تعارف خود امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں امام جرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کی کتاب "کتاب الجرح والتعدیل" کے حوالے سے خود کردیا ہے

(۴۸۱) ﴿ابوعثمان النهدیؒ﴾

عبدالرحمن مخضرم اسلم فی عهد المصطفیٰ ولم یره والنهدی نسبة لبنی نهد عاش مائة و ثلاثین سنةً۔(مناوی ص۶)

(۴۸۲) ﴿عمر بن اسماعیل الهمدانیؒ﴾

نزیل بغداد اورده الذهبی فی الضعفاء والمتروکین و قال قال النسائی والدار قطنی متروک من العاشرة ۔(مناوی ص۸)

(۴۸۳) ﴿ابی اسمٰعیل ! الهمدانی ابوعمر الکوفیؒ﴾

نزیل بغداد صدوق مخطئی من الثامنة خرج له البخاری۔(مناوی ص۸)

(۴۸۴) ﴿ بیانؒ ﴾

الکوفی المؤدب ثقة ثبت من الخامسة خرج له الجماعة وهو غیر بنان بن بشیر المعلم الطاشی فانه مجهول کذا فرق الخطیب ۔(مناوی ص۸)

(۴۸۵) ﴿قیس بن ابی حازمؒ ﴾

البجلی الکوفی کبیر هاجر الی المصطفٰی ففاتته الصحبة بلیال روی له الجماعة اتفقوا علی انه تفرد من بینِ التابعین بالروایة عن العشرة ۔(مناوی ص۸)

(۴۸٦) ﴿جریر بن عبداللہؓ ﴾

البجلی صحابی مشهور سید قبیلة بجیلة کان طویلاً جدا یصل الی سنام البعیر و طول نعله ذراع و کان مفرط الجمال و من ثم لقب یوسف هذه الامة و کان المصطفٰی یتبسم عند رؤیته مات سنة احدی و خمسین۔(اتحافات ص۲٦۸،ومناوی ص۸)

(۴۸۷) ﴿حمید بن مسعدةؒ ﴾

الاشعری البصری ابو الاسود الکرابیسی صدوق یهم قلیلا من الثامنة خرج له البخاری فی القدر والنسائی و ابن ماجة۔(مناوی ص۱۰)

(۴۸۸) ﴿اُسامة بن زیدؒ ﴾

اللیثی مولاهم ابوزید المدنی قال النسائی وغیره لیس بالقوی مات سنة ثلاث و خمسین و مائة خرج له البخاری فی تاریخه والخمسة۔(مناوی ص۱۰)

(۴۸۹) ﴿ابو قتیبة سلم بن قتیبةؒ ﴾

الخراسانی نزیل البصرة صدوق من التاسعة خرج له البخاری والاربعة ۔(مناوی ص۱۱)

(۴۹۰) ﴿الحجاجؒ ﴾

روی عن عطاء بن ابی رباح و عمرو بن شعیب و نافع مولٰی ابن عمر وعنه شعبة والحماد ان

والثوری وغندر ، قال العجلی کان فقیها و کان احد مفتی الکوفة و قال ابوحاتم صدوق یدلس عن الضعفاء و اما اذا قال حدثنا فھو صالح لا یرتاب فی صدقه و حفظه اذا بین السماع (تھذیب ج۲ ص۱۷۳، تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۸۶)

وھو ابن ارطاۃ ، بفتح اوله ابن ثور بن ھبیرۃ النخعی ابوارطاۃ الکوفی القاضی الفقیه قال حماد کان افھم عندنا بحدیثه من سفیان و قال احمد کان من الحفاظ و قال ابوحاتم صدوق مدلس و قال النسائی لیس بقوی و قال غیرہ ھو احد الائمة فی الحدیث و الفقه ولکن اتفقوا علٰی تدلیسه و ضعفه الجمھور .(مناوی ج۲ ص۱۸) مات ۱۴۵ھ۔

(۴۹۱) ﴿عبید اللّٰه بن المغیرۃ رح﴾

بن معیقیب ابوالمغیرۃ السبائی صدوق من الرابعة خرج له ابن ماجة .(مناوی ج۲ ص۱۹) روی عن عبداللّٰه بن الحارث و منقذ بن قیس و عبید اللّٰه بن عدی و عنه ابن اسحٰق و ابن لھیعة ، و ثقه العجلی قال ابن حجرؒ ذکرہ البخاری فی البیوع حدیث اذا بعت فکل و اذا ابتعت فاکتل ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال ابو حاتم صدوق مات سنة احدی و ثلاثین و مائة.(تھذیب ج۷ ص۴۵)

(۴۹۲) ﴿عبد اللّٰه بن الحارث رض﴾

الزبیدی صحابی سکن مصر خرج له ابوداؤد و ابن ماجة. (مناوی ج۲ ص۱۹) روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عنه عبید بن المغیرۃ و سلیمان بن زیاد الحضرمی و عبید بن ثمامة قال ابن یونس توفی سنة ست و ثمانین و کان قدعمی ، ذکر ابوجعفر الطبری انه کان اسمه العاصی فسماہ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عبد اللّٰه قال ابو ذکریا بن مندۃ ھو آخر من مات بمصر من الصحابة رضی اللّٰه عنھم.(تھذیب ج۵ ص۱۵۶)

(۴۹۳) ﴿احمد بن خالد نالخلال رح﴾

ابوجعفر البغدادی ثقة من طبقة احمد بن حنبل مات سنة سبع و اربعین و مائتین و روی له النسائی (مناوی ج۲ ص۲۰) ھو یحتمل ان یکون بائع الخل او صانعه (جمع ج۲ ص۲۰)

(۴۹۴) ﴿یحییٰ بن اسحاق السیلحانیؒ﴾

قال ابن حجر نسبة لسیلحون قریة (جمع ج۲ص۲۰) قریة بقرب بغداد صدوق ثقة حافظ مات سنة عشرین و مائتین خرج له مسلم والاربعة. (مناوی ج۲ص۲۰) روی عن فلیح بن سلیمان و مبارک بن فضالة و الحمادین و عنه احمد بن حنبل و یزید بن حبان و علی المدینی و غیرهم، قال احمد شیخ صالح ثقة صدوق قال ابن سعد کانه ثقة حافظ الحدیث ۔(تہذیب ج۱۱ص۱۵۶)

(۴۹۵) ﴿المعرور بن سویدؒ﴾

الاسدی ابوامیة الکوفی ثقة من الثانیة عاش مائة و عشرین سنة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص ۲۰) روی عن عمرو بن ابی ذر و ابن مسعود و عنه و اصل الاحدب و سالم بن ابی الجعد و الاعمش قال العجلی تابعی ثقة من اصحاب عبد اللّٰه ذکره ابن سعد من اهل الکوفة و ذکره ابن حبان فی الثقات۔ (تہذیب ج۱۰ص۲۰۷)(تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۶۷)

(۴۹۶) ﴿ابو ذرؓ﴾

الغفاری جندب بن جنادة (مناوی ج۲ص۲۰) من غفار صحابی جلیل أسلم بمکة، عذب فی سبیل اللّٰه، توفی بالربذة سنة احدی او اثنین و ثلاثین روی له ۲۸۱ حدیثا. (اتحافات ص۲۷۹) روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عنه انس بن مالک و ابن عباس و عبد اللّٰه بن صامت قال الغزال بن سبرة عن علی مرفوعا ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق من ابی ذر - صلی علیه ابن مسعود و مناقبه و فضائله کثیرة. (تہذیب ج۱۱ص۹۸)

(۴۹۷) ﴿ابراهیمؒ﴾

ابراهیم فی الشمائل ستة ولا یعلم ایّهم هذا (مناوی ج۲ص۲۳)

(۴۹۸) ﴿عبیدةؒ﴾

کحنیفة السلمانی فیکون نسبة لسلمان حی من مراد او من قضاعة و هو عبیدة بن عمرو او عبیدة بن قیس الکوفی اسلم فی حیاته صلی اللّٰه علیه وسلم قال ابن عیینة کان یوازی شریحاً فی العلم

والقضاء مات سنة اثنين و سبعين و قيل غيرذلك (مناوی ج۲ص۲۳) روى عن على و ابن مسعود و ابن الزبير وعنه عبد الله بن سلمة ابراهيم النخعى و محمد بن سيرين ، عن ابن معين ثقة لا يسئال عن مثله عده على بن المدينى فى الفقهاء ، اسلم قبل و فاة النبى صلى الله عليه وسلم بسنتين و لم يلقه. (تہذیب ج۷ص۷۸)

(۴۹۹) ﴿على بن ربيعةؒ﴾

بن نضلة البجلى ثقة من كبار الثالثة خرج له الستة (مناوی ج۲ص۲۵) روى عن على بن ابى طالب والمغيرة بن شعبة و عنه الحكم بن عتيبة و سعيد بن عبيد و ابو اسحٰق السبيعى قال ابن المغيرة والنسائى ثقة و قال العجلى كوفى تابعى ثقة ـ (تہذیب ج۷ص۲۸۲)

(۵۰۰) ﴿عبدالله بن عونؒ﴾

بن ارطبان راى انس بن مالک و روى عن ثمامة بن عبد الله و انس بن سيرين و محمد بن سيرين و عنه الاعمش والثورى و شعبة والقطان قال العجلى بصرى ثقة رجل صالح و قال ابن حبان فى الثقات كان من سادات اهل زمانه عبادة و فضلا و ورعا و نسكا و صلابة فى السنة و شدة على اهل البدع قال النسائى ثقة مامون. (تہذیب ج۵ص۳۰۳) البصرى مولٰى عبدالله بن معقل المدنى احد الاعلام قال هشام بن حسان لم ترعيناى مثله و قال قرة كنا نعجب من ورع ابن سيرين فانساناه ابن عون مات سنة احدى و خمسين و مائة خرج له الجماعة. (مناوی ج۲ص۲۶)

(۵۰۱) ﴿محمد بن محمد بن الاسودؒ﴾

الزهرى مستور من السادسة و خرج له المصنف. (مناوی ج۲ص۲۶) روى خالد و عامر بن سعدين ابى وقاص و ابى سلمة و عنه ابن عون و ابو المقدام هشام بن زياد ـ (تہذیب ج۹ص۳۸۲)

(۵۰۲) ﴿عامر بن سعدؒ﴾

بن ابى وقاص الزهرى المدنى مات سنة ثلاث او اربع و مائة اخرج له الستة (مناوی ج۲ص۲۶) سمع اباه و عثمان وغيره و عنه الزهرى وغيره ذكره صاحب المشكاة فى التابعين. (جمع ج۲ص

۲۷) روی عن ابیه و عثمان و عباس و ابی ایوب الانصاری و عنه ابنه داؤد و سعید بن المسیب و مجاهد وغیرهم ، ذکره ابن حبان فی الثقات و قال غیره کان ثقة کثیر الحدیث و قال العجلی مدنی تابعی ثقة قال ابن سعد مات ۱۰۴ھ (تہذیب ج۵ص۵۶)

(۵۰۳) ﴿ابو التیاحؒ﴾

یزید بن حمید مصغراً الضبعی احد الأئمة ثقة عباد مات سنة ثمان و عشرین و مائة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۳۰) روی عن انس و ابی عثمان والحسن البصری و عنه سعید بن ابی عروبة و شعبة والحماد ان قال ابن معین و ابوزرعة والنسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات مات سنة ثمان و عشرین ومأته. (تہذیب ج۱۱ص۲۸۰)

(۵۰۴) ﴿علی بن الحسن بن شقیقؒ﴾

المروزی العبدی مولاهم کان من حفاظ کتب ابن المبارک مات سنة خمس عشرة ومائتین خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۳۴) روی عن الحسین بن واقد و ابن المبارک و ابراهیم بن طهمان وعنه محمود بن غیلان وغیره قال ابوداؤد عن احمد لم یکن به بأس الا انهم تکلموا فیه فی الارجاء و قدرجع عنه توفی سنة خمس عشرة و مأتین. (تہذیب ج۷ص۲۶۳)

(۵۰۵) ﴿خالد بن عبداللهؒ﴾

بن عبدالرحمن بن یزید البطحان الواسطی المدنی مولاهم ثقة عابد یقال اشتریٰ نفسه من الله ثلاث مرات یتصدق بوزن نفسه فضة مات سنة تسع و سبعین و مائة خرج له الستة (مناوی ج۲ص ۳۵) روی عن اسماعیل بن ابی خالد وحمید الطویل و ابن عون و عنه زید بن الحباب و وکیع و یحییٰ القطان قال الترمذی ثقة حافظ قال ابوحاتم ثقة صحیح الحدیث (تہذیب ج۳ص۸۷)

(۵۰۶) ﴿المبارک بن فضالةؒ﴾

بفتح الفاء البصری مولی آل الخطاب العدوی قال عفان ثقة من النساک و قال ابوزرعة اذا قال ثنا فهو ثقة و قال النسائی ضعیف مات سنة خمس و ستین و مائة خرج له ابن ماجة (مناوی ج۲ص

۳۸)روی عن الحسن البصری و هشام بن عروة و حمید نالطویل و عنه شیبان بن فروخ و علی بن الجعد و آخرون قال ابو طالب عن احمد کان مبارک بن فضالة یرفع حدیثا کثیرا و قال العجلی کتبت حدیثه و لیس بقوی جائز الحدیث ذکره ابن حبان فی الثقات(تہذیب ج۱۰ص۲۷)

(۵۰۷) ﴿الحسنؒ﴾

ای البصری لأنه المراد عند الاطلاق فی اصطلاح المحدثین فالحدیث مرسل(مواہب ص ۱۷۷) و هو الامام شیخ الاسلام ابو سعید البصری حدث عن عثمان و المغیرة بن شعبة و عنه قتادة و حمید نالطویل و مبارک بن فضالة قال ابن سعد کان جامعاً عالماً وقیعا حجة مامونا عابد انا سکا جمیلا و سیما مات سنة عشر و مأته و له ثمان و ثمانون سنة(تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۷۱)

(۵۰۸) ﴿المقدام بن شریحؒ﴾

بن هانئ بن یزید الحارثی الکوفی ثقة من السادسة خرج له الجماعة(مناوی ج۲ص۴۱)روی عن ابیه و قمیر امرأة مسروق و عنه ابنه یزید و الاعمش و شعبة و الثوری قال احمد و ابوحاتم والنسائی ثقة زاد ابوحاتم صالح ذکره ابن حبان فی الثقات(تہذیب:ج۱۰ص۲۵۵)

(۵۰۹) ﴿عن ابیهؒ﴾

ای شریح بن هانئ الحارثی ادرک زمن النبی صلی الله علیه وسلم و کنی علیه السلام اباه هانئ بن یزید فقال انت ابو شریح و شریح من جملة اصحاب علی کرم الله وجهه وهو ممن ظهرت فتواه من زمن الصحابة روی عنه ابنه المقدام(جمع ج۲ص۴۱) روی عن ابیه وعمر و علی و بلال و ابی هریرة و عنه ابناه المقدام و محمد والشعبی و الحکم بن عتیبة ذکره ابن سعد فی الطبقة الاولیٰ من تابعی اهل الکوفة و قال ابن معین و النسائی ثقة ذکره المسلم فی المخضر مین مات ۷۸ھ (تہذیب ج۴ص۲۹۱)

(۵۱۰) ﴿ابن رواحةؒ﴾

اسمه عبد الله اسلم فی اول سنة من الهجرة و هو انصاری خزرجی شهد المشاهد کلها الا الفتح

فانه مات قبله بمؤتة اميرا وكان من الشعراء الذابين عن الاسلام ككعب بن مالك و حسان(مواہب:۱۷۹) و هو احد النقباء واحد الامراء فی غزوة موتة و بها قتل روى عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عن بلال المؤذن و عنه ابوهريرة و ابن عباس وانس (تہذیب ج۵ص۱۸۶)

(۵۱۱) ﴿جندب بن سفیانؒ﴾

جندب بن عبداللّٰه بن سفيان البجلی نسبة الی علق بطن من بجيلة ولذا وصف بالعلقی والبجلی و ربما نسب لجده له صحبة خرج له الجماعة(مناوی ج۲ص۴۳)روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و حذيفة و عنه الاسود بن قيس والحسن البصری و صفوان بن محرز قال ابن حبان هو جندب الخير و قال خليفة مات فی فتنة ابن الزبير و ذكره البخاری فی التاريخ فيمن توفی من الستين الی السبعين۔(تہذیب ج۲ص۱۰۱)

(۵۱۲) ﴿یحیٰ بن سعیدؒ﴾

القطان البصری الاحول الحافظ روی عن سليمان التيمی و حميد الطويل و هشام بن عروة وعنه يحيٰی بن معين و ابوخيثمه و صدقة بن الفضل قال ابن سعد كان ثقة ماموناً رفيعا حجة و قال العجلی البصری ثقة فی الحديث لايحدث الا عن ثقة و قال النسائی ثقة ثبت مرضی و عن يحيٰی بن معين انه اقام يحيٰی القطان عشرين سنة يختم القرآن فی كل ليلة (تہذیب ج۱۱ص۱۹۲) ثقة من السادسة خرج له الجماعة(مناوی ج۲ص۴۵)

(۵۱۳) ﴿حسن بن صباح البزارؒ﴾

الواسطی ثم البغدادی أحد الأعلام قال احمد ثقة صاحب سنة و قال ابوحاتم صدوق له جلالة عجيبة ببغداد مات سنة تسع و اربعين و مأتين خرج له البخاری (مناوی ج۲ص۵۸)روی عن ابن عينية و ابی النضر و وكيع و عنه البخاری و ابوداؤد والترمذی و غيرهم قال احمد ما ياتی يوم علی البزار الا وهو يعجل منه خيرا روی عنه النسائی فی سنن الكبریٰ احاديث فی الحدود وغيره ذكره ابن حبان فی الثقات (تہذیب ج۲ص۲۵۱)

(۵۱۴) ﴿ابو النضرؒ﴾

سالم بن ابی امية او هو هاشم بن القاسم التيمى المدنى نزيل بغداد ثقة يرسل مات سنة خمس و عشرين و مائة خرج له الستة (مناوی ج۲ص۵۸)روی عن انس و السائب بن يزيد و عوف بن مالک و عنه ابنه ابراهيم المعروف ببردان والسفيانان قال ابن سعد ثقة كثير الحديث ذكره ابن حبان فى الثقات قال احمد و ابن معين والعجلى والنسائى ثقه (تہذیب ج۳ص۳۷۲)

(۵۱۵) ﴿ابو عقيل الثقفى عبد الله بن عقيلؒ﴾

الكوفى الثقفى نزيل بغداد صدوق من الطبقة الثانية خرج له الاربعة (مناوی ج۲ص۵۸) روى عن مجالد بن سعيد و هشام بن عروة و عمره بن حمزة و عنه ابو النضر و عاصم بن على و سريج بن نعمان قال ابو حاتم شيخ قال عبد الله بن احمد عن ابيه ثقة صالح الحديث قال ابو داؤد والنسائى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات(تہذیب ج۵ص۲۸۲)

(۵۱۶) ﴿اخيه عبد اللهؒ﴾

بن عروة بن زبير بن العوام الاسدى ثقة ثابت فاضل بقى الى آخر دولة بنى امية خرج له الشيخان والنسائى و ابن ماجة (مناوی ج۲ص۵۹)روی عن ابيه والحسن بن على و حكيم بن حزام و عنه ابنه عمرو و اخواه هشام و عبيد الله و جعفر بن محمد قال احمد بن صالح المصرى ليس بينه و بين ابيه فى السن الاخمسة عشرة سنة و قال الدارقطنى ثقة احد الاثبات و قد ذكر المرزبانى فى معجم الشعراء ان الوليد بن يزيد لما اخذ ابراهيم بن هشام المخزومى والى المدينة و عذبه قال فيه عبد الله بن عروة من ابيات ....

عليک امير المؤمنين بشدة   على ابن هشام ان ذاک هو العدل

(تہذیب ج۵ص۳۷۹)

(۵۱۷) ﴿عبدالله بن يزيدؒ﴾

المخزومى المدنى المقرى الاعور مولى الاسد بن سفيان من شيوخ مالک ثقة خرج له الجماعة

و لم یدرک البراء فالخبر منقطع وقولهم عبد اللّٰہ بن یزید بن الصلت ضعیف (مناوی ج۲ص۷۳) روی عن زید بن عیاش و محمد بن عبد الرحمن و عروۃ بن الزبیر و عنه یحییٰ بن ابی کثیر و مالک و صفوان بن سلیم قال احمد و ابن معین والنسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال العجلی مدنی ثقة مات سنة ثمان و اربعین ومائة (تہذیب ج۶ص۷۵)

(۵۱۸) ﴿ربعی بن حراش﴾

ابو مریم العبسی الکوفی قانت للّٰہ لم یکذب قط مات سنة اربع و مائة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۷۴) سمع عمر و کان معه بالجابیة وعلیًا و حذیفة و ابا موسیٰ و طائفة و عنه منصور و ابومالک الاشجعی و غیرهم و کان قد آلیٰ علی نفسه انه لا یضحک حتی یعلم افی الجنة هو او فی النار و هو متفق علی ثقته و امانته والاحتجاج به (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۹)

(۵۱۹) ﴿المفضل بن فضالة﴾

ابن ابی امیة البصری مولیٰ آل عمر بن الخطاب اخو مبارک قال النسائی لیس بقوی من الطبقة الثامنة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۷۶) هو الامام الحجة القدوۃ قاضی مصر حدث عن یزید بن حبیب وعقیل بن خالد وجماعة وعنه ابو صالح کاتب اللیث و یزید بن موهب الرملی و آخرون...... قال یحییٰ بن معین ثقة قال ابوداؤد کان مجاب الدعوۃ مات سنة احدی و ثمانین و مائة (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۵۱)

(۵۲۰) ﴿عقیل﴾

مصغر ا بن خالد بن عقیل کان حافظًا صاحب کتاب مات سنة احدیٰ و اربعین ومائة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۷۶) حدث عن القاسم و سالم و عکرمة و روی عنه یحییٰ بن ایوب واللیث و مفضل بن فضالة و اکثر عن الزهری قال رفیقه یونس ما احد اعلم بحدیث الزهری من عقیل و قال ابن معین ثقة و کذا و ثقه غیر واحد واحتج به ارباب الصحاح ...... مات بمصر فجأۃ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۶۱)

(۵۲۱) ﴿حسین بن محمد الجریریؒ﴾

نسبة الی جریر مصغرا مستور من الحادیة عشر خرج له المصنف فقط (مناوی ج۲ ص۷۸) روی عن ابراهیم بن اسحق الطالقانی و جعفر بن عون و محمد بن کثیر العبدی و غیرهم و عنه الترمذی و عبد اللّٰه بن محمد و احمد بن علی الآبار ...... قال المزی ذکره ابن عساکر فیمن اسمه الحسن و وهم فی ذلک قلت و قال الخطیب مجهول (تهذیب ج۲ ص۳۱۶)

(۵۲۲) ﴿سلیمان بن حربؒ﴾

الازدی البصری قاضی مکة قال ابوحاتم امام من الائمة لایدلس و یتکلم فی الرجال و فی الفقه لعله اکبر من عثمان مارأیت فی یده کتاباً قط حرر مجلسه ببغداد فبلغ أربعین الفاً ولد سنة اربعین و مائة و مات سنة اربع و عشرین و مأتین خرج له الستة (مناوی ج۲ ص۷۸) روی عن شعبة و محمد بن طلحة و الحمادین وعنه البخاری و ابوداؤد و روی الباقون بواسطة ابی بکر بن ابی شیبة قال ابوحاتم قد ظهر من حدیثه نحو من عشرة آلاف حدیث و مارأیت فی یده کتاباً قط قال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث و قال صاحب الزهرة روی عنه البخاری مائة و سبعة و عشرین حدیثا مات ۲۱۴ھ (تهذیب ج۴ ص۱۵۷)

(۵۲۳) ﴿عبد اللّٰه بن رباحؒ﴾

الانصاری المدنی سکن البصرة قال الذهبی امام مات سنة ثمان و عشرین ومائة و ثقوه قتلوه الازارقة خرج له مسلم والاربعة (مناوی ج۲ ص۷۸) روی عن ابی بن کعب و عمار بن یاسر و عمران بن حصین و عنه ثابت البنانی و عاصم الاحول و خالد الحذاء، قال العجلی بصری تابعی ثقة قال ابن سعد کان ثقة وله احادیث و قال النسائی ثقة (تهذیب ج۵ ص۱۸۱)

(۵۲۴) ﴿بشر بن معاذؒ﴾

البصری العقدی الضریر صدوق مات بعد الاربعین خرج له النسائی وابن ماجة ۔ (مناوی ج۵ ص۸۰) روی عن ابراهیم بن عبد العزیز و بشر بن المفضل و ایوب و ابی عوانة وعنه الترمذی

والنسائی و ابن ماجة و ابن خزیمة قال ابن حبان فی الثقات مات ۲۵۴ھ و قال ابوحاتم صالح الحدیث صدوق و قال مسلمة صالح ۔(تہذیب ج ۱ ص ۱۰۴)

(۵۲۵) ﴿ابو عوانةؒ﴾

کمثانة الوضاح الواسطی ثقة من السابعة خرج له الستة (مناوی ج ۲ ص ۸۰)هو وضاح بن عبد الله الیشکری البزاز رای الحسن و ابن سیرین و سمع من معاویة بن قرة والاسود بن قیس وقتادة روی عنه شعبة ومات قبله والفضل بن مساور قال عفان کان ابو عوانة صحیح الکتاب و کان ثبتا قال ابن سعد کان ثقة صدوقا . (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۵) و قال احمد بن حنبل هو صحیح الکتاب و اذا حدث من حفظه ربمایهم ۔(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۶)

(۵۲۶) ﴿زیاد بن علاقةؒ﴾

ابوسهل الحرانی العقیلی نائب اخیه محمد علی القضاء ثقة رمی بالنصب من الطبقة الثالثة خرج له الستة۔(مناوی ج ۲ ص ۸۰)

(۵۲۷) ﴿عیسٰی بن عثمان الرملیؒ﴾

النهمی الفاخوری الکوفی نزیل الرملة صدوق یتشیّع مِن التاسعة خرج له البخاری فی الادب ومسلم وابوداؤد و ابن ماجة. (مناوی ج ۲ ص ۸۱) روی عن عمه یحیٰی بن عیسٰی و عنه الترمذی و محمد بن عبد الله و موسٰی بن اسحٰق قال النسائی صالح قال الحضرمی مات ۲۲۱ھ۔(تہذیب ج ۸ ص ۱۹۷)

(۵۲۸) ﴿ابو جمرةؒ﴾

کطلحة نصر بن عمران الضبعی بصری مشهور بکنیته ثقة من الثالثة خرج له الستة اتفقوا علی توثیقه و زعم بعضهم ان له رؤیة ونوزع ۔(مناوی ج ۲ ص ۸۷) روی عن ابیه و ابن عباس و ابن عمر روی عنه ابنه علقمة و ابوالتیاح والمثنٰی قال عبد الله بن احمد عن ابیه ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال ابن عبد البر اجمعوا علی انه ثقة ۔(تہذیب ج ۱۰ ص ۳۸۵)

(۵۲۹) ﴿زرارة بن ابی اوفیٰ﴾

ابو حاجب الحرشی البصری قاضی البصرة ثقة عابد خرج له الستة قرأ المدثر فی الصلاة فلما بلغ فاذا نقر فی الناقور خرمیتاً ۔(مناوی ج۲ص۸۷)له صحبة مات فی زمن عثمان بن عفان ۔(جمع ج۲ص۸۷)روی عن ابی هریرة و عبد اللّٰه بن سلام و تمیم الداری و ابن عباس و عنه قتادة و بهز بن حکیم و ایوب و غیرهم قال النسائی ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال کان من العباد قال ابن سعد مات فجأة سنة ۹۳ھ ۔(تہذیب ج۳ص۱۷۸)

(۵۳۰) ﴿سعد بن هشام﴾

الانصاری المدنی ثقة من الطبقة الثالثة استشهد بمکران خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص۸۷) هو ابن عم انس روی عن ابیه و عائشة و ابن عباس و ابی هریرة و عنه حمید بن هلال و زرارة بن اوفیٰ والحسن البصری قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد ثقة انشاء اللّٰه۔ (تہذیب ج۳ص۴۱۹)

(۵۳۱) ﴿عبد اللّٰه بن ابی بکر﴾

الانصاری المدنی القاضی له عن ابیه وانس و عمرو و عنه السفیانان و فلیح حجة مات سنة خمس و ثلاثین و مائة خرج له الاربعة ۔(مناوی ج۲ص۸۹)

قال ابن معین و ابوحاتم ثقة و قال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث عالما و قال العجلی مدنی تابعی ثقة۔(تہذیب ج۵ص۱۴۴)

(۵۳۲) ﴿ابیه﴾

ابی بکر المشهور بابن حزم اکثر ابناه اسحق و هشام الروایة عنه ۔(مناوی ج۲ص۸۹) هو ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری الخزرجی المدنی القاضی روی عن ابیه و روی عن خالته عمرة بنت عبد الرحمن و السائب بن یزید و عنه الزهری قال ابن معین و ابن خراش ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۱۲ص۴۰)

(۵۳۳) ﴿عبد اللّٰہ بن قیس بن مخرمةؒ﴾

المطلبی یقال له رؤیة تابعی کبیر والی العراق من قبل الحجاج ایاماً و ولی قاضی المدینة خرج له مسلم والاربعة ۔(مناوی ج۲ ص۸۹)روی عن ابیه و زید بن خالد الجهنی و ابی هریرة و عنه ابناه محمد و مطلب و ابوبکر بن محمد ، قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و استعمله عبد الملک بن مروان علی الکوفة والبصرة ۔(تہذیب ج۵ ص۳۱۸)

(۵۳۴) ﴿زید بن الخالد الجهنیؒ﴾

المدنی صحابی مشهور وهو ابو عبد الرحمن او ابو طلحة او ابوزرعة سکن المدینة و شهد الحدیبیة و کان معه لواء جهینة یوم الفتح مات سنة ثمان و ثمانین و له خمس و ثمانون سنة۔ (مناوی ج۲ ص۸۹)روی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم و عن عثمان و ابی طلحة و عائشة و عنه ابناه خالد و ابوحرب و عبد اللّٰہ بن قیس۔(تہذیب ج۳ ص۳۵۴)

(۵۳۵) ﴿ابوحمزةؒ﴾

طلحه بن یزید (وهذا قول الاکثر (جمع ج۲ ص۹۳) له عن حذیفة مرسلاً و عن زید بن ارقم و عمه عمرو بن مرة فقط و ثقه النسائی من الثالثه خرج له البخاری والاربعة۔ (مناوی ج۲ ص۹۳) قال الحافظ المنذری طلحة بن یزید ابوحمزة الانصاری مولاهم الکوفی واحتج به البخاری والرجل شیخه هو صلة بن زفر العبسی الکوفی احتج به الشیخان ۔(جمع ج۲ ص۹۳) ذکره ابن حبان فی الثقات قلت قال النسائی لما اخرج حدیثه عن رجل عن حذیفة فی صلوٰة اللیل هذا الرجل یشبه ان یکون اصله و طلحة هذا ثقة۔(تہذیب ج۵ ص۲۶)

(۵۳۶) ﴿ابوبکر محمد بن نافع البصریؒ﴾

قیل هذا مجهول لانه لم یوجد فی کتب الرجال فلعله محمد بن واسع البصری ۔(جمع ج۲ ص ۹۵) هو ابوبکر بن احمد ابی نافع له عن غندر و جماعة و عنه مسلم وعدة قال الذهبی ثقة و زعم شارح انه محمد بن واسع ذهول ۔(مناوی ج۲ ص۹۵) وهو مشهور بکنیته مات بعد الاربعین و

مأتين قلت و في الزهرة روى عنه مسلم اربعة وخمسين۔(تہذیب ج۹ص۲۲)

(۵۳۷) ﴿عبد الصمد بن عبد الوارثؒ﴾

التنوري ابوسهل حافظ حجة له عن هشام الدستوائي و شعبة و عنه ابنه و غندر مات سنة سبع و مأتين خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص۹۵) قال ابو احمد صدوق صالح الحديث و ذكره ابن حبان في الثقات و قال ابن سعد كان ثقة ان شاء الله۔(تہذیب ج۶ص۲۹۱)

(۵۳۸) ﴿ابو المتوكلؒ﴾

الناجي نسبة لبني ناجية اسم فاعل من النجاة اسم امرأة و ابو المتوكل على بن ابى داؤد و يقال ابن داؤد۔(مناوی ج۲ص۹۶)

روى عن ابى سعيد الخدرى و ابوهريرة و ابن عباس و عائشة و ام سلمة و عنه ثابت البنانى و قتادة و حميد الطويل و غيرهم قال ابن معين و ابوزرعة و ابن المدينى والنسائى ثقة و ذكره ابن حبان في الثقات قال مات ۱۰۸ھ قلت و ثقه العجلى والبزار(تہذیب ج۷ص۲۸۰)

(۵۳۹) ﴿ابى وائلؒ﴾

الاسدى شقيق بن سلمة الكوفى قال الذهبى له ادراك و سمع عمرو و معاذا و عنه منصور والاعمش قال ادركت سبع سنين من سنى الجاهلية مات سنة ثلاث و ثمانين و كان من العلماء العاملين اتفقوا على توثيقه۔(مناوی ج۲ص۹۶)قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث قال ابن حبان في الثقات سكن الكوفة و كان من عبادها و ليست له صحبة قال ابن عبد البر اجمعوا على انه ثقة (تہذیب ج۴ص۳۱۷)

(۵۴۰) ﴿عبد الله بن شقيقؒ﴾

العقيلى مصغرا البصرى له عن ابى ذر و عمر والكبار و عنه قتادة و ايوب قال احمد ثقة ناصبى من الثالثة خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص۹۸) ذكره ابن سعد في الطبقة الاولى من تابعى اهل البصرة و عن ابن معين ثقة من خيار المسلمين لايطعن فى حديثه و قال الجريرى كان عبد الله بن

شقیق مجاب الدعوة کانت تمرّ به السحابة فیقول اللهم لاتجوز کذا و کذا حتی تمطر فلا تجوز ذلک الموضع حتّٰی تمطر مات ۱۰۸ھ۔(تہذیب ج۵ص۲۲۳)

(۵۴۱) ﴿المطلب بن ابی وداعةؒ﴾

نسبة لقبیلة من قریش صحابی اسلم یوم الفتح و نزل المدینة و بهامات خرج له الجماعة الاالبخاری۔(مناوی ج۲ص۹۹) امّه اروی بنت الحارث بن عبد المطلب روی عن النبی صلی الله علیه وسلم و عن حفصة و عنه اولاده جعفر و عبد الرحمن و کثیر والسائب بن یزید روی له مسلم حدیثه عن حفصة فی صلوة السبحة قاعداً ۔(تہذیب ج۱۰ص۱۶۲)

(۵۴۲) ﴿حفصه بنت عمر بن الخطابؓ﴾

کانت تحت خنیس السهمی ثم تزوجها المصطفٰی ﷺ و طلقها و راجعها بامر جبریل علیه السلام ۔(مناوی ج۲ص۹۹) هی امّ المؤمنین قیل انها ولدت قبل المبعث بخمسة اعوام و تزوجها النبی صلی الله علیه وسلم سنة ثلاث روت عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن ابیها و روی عنها اخوها عبد الله بن عمرو ابنه حمزة والمطلب بن ابی وداعة ذکر ابن سعد ان عمر اوصی الیها لما احتضر۔(تہذیب ج۱۲ص۴۳۹)

(۵۴۳) ﴿عثمان ابن ابی سلیمانؒ﴾

بن ابی مطعم القرشی النوفلی المکی قاضی مکة و ثقة احمد من الطبقة السادسة خرج له الجماعة (مناوی ج۲ص۱۰۰) روی عن عمه نافع و ابوسلمة بن عبد الرحمن و سعید بن جبیر و عنه اسماعیل بن امیة و ابن جریج و ابن عیینة و غیرهم قال احمد و ابن معین و ابن سعد و ابوحاتم و یعقوب بن شیبة ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال کان قاضیاً علی مکة ...... قلت زعم ابن سعد ان اسم ابی سلیمان محمد و قال العجلی مکی ثقة ۔(تہذیب ج۷ص۱۱۱)

(۵۴۴) ﴿میمون بن مهرانؒ﴾

الجزری ابو ایوب عالم الرقة ثقة عابد کبیر القدر ولد عام اربعین و مات سنة سبعة عشر و مائة

خرج له الجماعة ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۰۲) نشأ بالكوفة ثم نزل الرقة روى عن ابى هريرة و عائشة و ابن عباس و عنه ابنه عمرو و حميد الطويل و جعفر بن برقان و غيرهم

ذكره ابوعروبة في الطبقة الاولى من التابعين و قال العجلى جزرى تابعى ثقة و كان يحمل على علّى و قال ابوزرعة و النسائى ثقة و عن ابراهيم بن محمد المستمرى صلّى ميمون بن مهران فى سبعة عشر يوما سبعة عشر الف ركعة فلما كان يوم الثامن عشر انقطع فى جوفه شئى فمات (تہذیب ج ۱۰ ص ۴۹) ركعتا الفجر سے مراد صبح کی سنتیں ہیں، وأصل الغداة ما بين طلوع الفجر و طلوع الشمس (اتحافات ص ۳۲۴)

(۵۴۵) ﴿ابو سلمة يحى بن خلف﴾

الباهلى البصرى الجوبارى صدوق مات سنة اثنين و اربعين ومأتين خرج له مسلم و ابوداؤد ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۰۲) روى عن عبد الوهاب الثقفى و معتمر بن سليمان و بشر بن المفضل و عنه مسلم و ابوداؤد والترمذى و ابن ماجة ذكره ابن حبان فى الثقات و قال موسٰى بن هارون بلغنا موته بالبصرة سنة ۲۴۲ھ ۔(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۹)

(۵۴۶) ﴿عاصم بن ضمرة﴾

السلولى و ثقه ابن المدينى و قال النسائى لابأس به مات سنة اربع و سبعين خرج له الاربعة۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۰۳)روى عن على وحكى عن سعيد بن جبير و عنه ابو اسحٰق السبيعى والحكم بن عيينة قال يحيٰى بن سعيد عن الثورى كنا نعرف فضل حديث عاصم على حديث الحارث و قال العجلى ثقة۔(تہذیب ج ۵ ص ۴۰)

(۵۴۷) ﴿يزيد الرشك﴾

رشک (بالكسر) كبير اللحية کو کہتے ہیں . ولقب يزيد بن ابى يزيد الضبعى احسب اهل زمانه و لقب به لكبر لحيته و قال ابن الجوزى وغيره دخل عقرب لحيته فاقام بها ثلاثة ايام وهو لايشعر لكبر لحيته و استشكل كون معرفتها ثلاثًا واجيب بانه يحتمل انه دخل مكانا كثير العقارب ثم رأها بعد الخروج منه بثلاثة ايام فعلم انه من ذلك المكان و بانه يحتمل ان احد ارآها

حین دخلت و لم یخبرہ بھا الابعد ثلاثة ایام لیعلم ھل یحس بھا اولا و قال المصنف فی باب الصوم ان الرشک بلغة اھل البصرة ھو القسام فقیل ھو الذی یقسم الدور و کان یقسمھا بمکة قبیل الموسم بالمساحة لیتصرف الملاک فی املاکھم فی الموسم ۔(جمع ج۲ص۱۰۵)
روی عن عبد اللّٰہ بن انس و مطرف بن عبد اللّٰہ بن الشخیر و معاذة العدویة وعنہ شعبة و معمر قال الدوری عن ابن معین صالح صالح قال ابوزرعة وابوحاتم والترمذی ثقة و قال النسائی لیس بہ بأس و ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال کان غیورًا فسمی بالفارسیة الرشک مات ۱۳۰ھ۔
(تہذیب ج۱۱ص۳۲۵)

(۵۴۸) ﴿معاذة﴾

بنت عبد اللّٰہ العدویة ام الصھباء البصریة ثقة من الثالثة خرج لھا الستة۔ (مناوی ص۱۰۵)
روت عن عائشة و علی و ھشام بن عامر و عنھا ابوقلابة و قتادة و یزید الرشک عن ابن معین ثقة حجة ذکرھا ابن حبان فی الثقات و قال کانت من العابدات قال الذھبی بلغنی انھا کانت تحی اللیل و تقول عجبت لعین تنام و قد علمت طول الرقاد فی القبور قال ابن جوزی توفیت سنة ثلاث و ثمانین ۔(تہذیب ج۱۲ص۴۸)

(۵۴۹) ﴿حکیم بن معاویة﴾

الزیادی البصری مستور من العاشرة خرج لہ مسلم واحترز بالزیادی عن حکیم بن معاویة النمیری ۔(مناوی ج۲ص۱۰۶)روی عن زیاد بن الربیع و عنہ ابوموسیٰ والعباس بن یزید البحرانی قلت لم یذکرہ البخاری والا ابن حبان ولا اعرفہ۔(تہذیب ج۲ص۳۸۸)

(۵۵۰) ﴿زیاد بن عبید اللّٰہ﴾

بن الربیع الزیادی البصری والد محمد مقبول من الثانیة۔(مناوی ج۲ص۱۰۶)روی عن الحسن و ابن سیرین و حمید الطویل و عنہ حکیم بن معاویة الزیادی و عبد اللّٰہ بن یوسف الجبیری و داؤد بن المحبر ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۳ص۳۶۷)

(۵۵۱) ﴿عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحؒ﴾

الانصاری المدنی ثم الکوفی تابعی جلیل کان اصحابه یعظمونه کانّه امیر مات سنة ثمان و ثمانین خرج له الجماعة اتفقوا علی توثیقه و اثنی علیه الاکابر ۔(مناوی ج۲ص۱۰۸)روی عن ابیه و عمر و عثمان و علی و حذیفة و معاذ بن جبل و عنه عیسٰی و ثابت البنانی قال عطاء بن السائب عن عبد الرحمن ادرکت عشرین ومائة من الانصار صحابة قال عبد اللّٰه بن الحارث ماظننت ان النساء ولدن مثله و قال العجلی کوفی تابعی ۔(تہذیب ج۲ص۲۳۴)

(۵۵۲) ﴿امّ ھانی رضؓ﴾

شیخ التفسیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہٗ فرماتے ہیں :

''ام ہانیؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن تھیں، جو مکہ میں ہی مقیم رہیں۔ان کا گھر بیت اللہ شریف کے قریب تھا۔اس لئے آپ اکثر ان کے گھر میں آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جس رات آپؐ کو معراج پر لے جایا گیا اُس رات بھی آپؐ امّ ہانی کے گھر میں محو خواب تھے۔ جہاں سے فرشتوں نے آپ کو کمرے کی چھت پھاڑ کر نکالا اور معراج کے سفر پر لے گئے۔حضور علیہ السلام ام ہانی سے نکاح کرنا چاہتے تھے،مگر اللہ نے سورۃ احزاب کی آیت ۵۰ کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی چچی زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد کے ساتھ نکاح کی صرف اس صورت میں اجازت دی ،جب کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آجائیں۔چونکہ ام ہانی نے ہجرت نہیں کی تھی ۔اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس سے نکاح تو نہ کر سکے،مگر مکی زندگی میں آپؐ اُن کے ہاں اکثر جایا کرتے تھے، پھر فتح مکہ کے دن بھی آپؐ نے اسی چچازاد کے ہاں قیام کیا۔آٹھ رکعات نماز ادا کی جو کہ فتح مکہ کے شکرانے کے طور پر تھی۔

اس روز آپ کو بھوک بھی لگ رہی تھی ۔آپؐ نے امّ ہانیؓ سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟انہوں نے بتلایا کہ روٹی کے چند خشک ٹکڑے حاضر ہیں۔آپ نے وہی ٹکڑے پانی میں بھگو کر نرم کیے،ان پر نمک اور سرکہ ڈالا اور یہی کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ اللہ کے آخری نبی ہیں، جنہوں نے فتح مکہ کا جشن سوکھی روٹی کھا کر منایا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا بلکہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اب ذرا آج کل کی فاتح قوموں کا حال بھی دیکھ لیں، جب امریکہ نے جاپان پر ایٹم بم مار کر اس کو فتح کیا تھا تو ان دنوں اخبارات میں آیا تھا کہ امریکی سپاہیوں نے جاپانی عورتوں کے ساتھ اس قدر زیادتی کی تھی کہ کم وبیش سوا لاکھ عورتیں امریکی فتح کے موقع پر حاملہ ہوگئیں۔ یہ تعداد تو معلوم ہوگئی لیکن جن کا علم نہیں ہوسکا، وہ اس کے علاوہ تھیں۔ اس کے علاوہ امریکی افسروں اور سپاہیوں نے خوب عیش وعشرت کی، ناچ گانے کی محفلیں منعقد ہوئیں، شراب وکباب چلے اور اس طرح امریکنوں نے فتح کا جشن منایا۔

(۵۵۳) ﴿محمد بن ربیعه الکلابی رح﴾

الکوفی ابوعمرو وثقه ابوداؤد و جمعٌ و قال ابوحاتم صالح الحدیث من التاسعة خرج لهٗ الستة۔ (مناوی ج۲ص۱۱۱) روی عن الاعمش و هشام بن عروة و ابن جریج و عنه احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین و قتیبة ...... قال ابوداؤد ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات۔ (تہذیب ج۹ص۱۴۳)

(۵۵۴) ﴿فضیل بن مرزوق رح﴾

الاغر الرقاشی الکوفی ابو عبد الرحمٰن هو المازنی صدوق و ثقه غیر واحد و قیل یهم و یتشیع من السابعة خرج له مسلم و الاربعة۔ (مناوی ج۲ص۱۱۱) روی عن ابی اسحٰق السبیعی و عطیة العوفی والاعمش و عنه زهیر بن معاویة و وکیع قال الثوری ثقة و قال العجلی جائز الحدیث صدوق وکان فیه تشیع و قال النسائی ضعیف۔ (تہذیب ج۸ص۲۶۸)

(۵۵۵) ﴿عطیة رح﴾

کهدیة هو المازنی له صحبة خرج له المسلم والاربعة۔ (مناوی ج۲ص۱۱۱)

(۵۵۶) ﴿عبیدة و ابراهیم رح﴾

متعددة (مناوی ج۲ص۱۱۱) هو ابن معتب الضبی علی ما ذکره الجزری و ابراهیم النخعی۔

(جمع ج۲ص۱۱۱)

(۵۵۷) ﴿سهم بن منجابؒ﴾

بن راشد الضبی الکوفی من السادسة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۲)روی عن ابیه و العلاء الحضرمی و قرثع الضبی و عنه ابراهیم النخعی و ابو خلدة عمرو بن دینار ذکره ابن حبان فی الثقات قلت لکنه فرق بین الذی یروی عن العلاء فذکره فی التابعین و بین الذی یروی عن قزعة و قرثع فذکره فی اتباع التابعین و قال العجلی کوفی تابعی ثقة ۔(تہذیب ج۴ص۲۲۹)

(۵۵۸) ﴿قرثعؒ﴾

الضبی ! صدوق من الثانیة مخضرم خرج له ابو داؤد و النسائی و ابن ماجة . (مناوی ج۲ص۱۱۲) روی عن سلمان الفارسی و ابی موسٰی الاشعری و عنه علقمة بن قیس و قزعة قال الخطیب کان مخضر ما ادرک الجاهلیة و الاسلام و قتل فی خلافة عثمان شهیدا. (تہذیب ج۸ص۳۲۹)

(۵۵۹) ﴿قزعةؒ﴾

روی عن ابیه و حمید بن قیس و محمد بن المنکدر و عنه نعمان و ابو عاصم و مدد قال عثمان الدارمی عن ابن معین ثقة و قال احمد مضطرب الحدیث .(تہذیب ج۸ص۳۳۶) و هو ابن سوید بن حجر الباهلی مختلف فیه خرج له الستة۔(مناوی ج۲ص۱۱۲)

(۵۶۰) ﴿محمد بن مسلمؒ﴾

القطاع الجزری نزیل مکة ابو سعید المودب مشهور بکنیته صدوق یهم من الثانیة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۳)

(۵۶۱) ﴿عبد الکریم الجزریؒ﴾

ابو سعید کان حافظاً مکثرا مات سنة سبع و عشرین ومائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۳) رای انسا و روی عن عکرمة و سعید بن المسیب و عنه ایوب السختیانی و ابن جریج و السفیانان قال احمد ثقة ثبت و هو صاحب سنة و قال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث قال ابو عروبة هو ثبت عند العارفین ۔ (تہذیب ج۶ص۳۳۳)

(۵۶۲) ﴿عبد اللّٰہ بن السائب﴾

بن عابد بن عبد اللّٰہ المخزومی المکی ولابیہ صحبۃ خرج لہ الجماعۃ ۔(مناوی ج۲ص۱۱۳) وکان ابوہ شریک النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و عنہ عبد اللّٰہ بن عمر اخذ عنہ اھل مکۃ القراءۃ ولمافرغوا من دفنہ قام ابن عباس فوقف علی قبرہ فدعالہ ۔ (تہذیب ج۵ص۲۰۱)

(۵۶۳) ﴿عمر بن علی المقدمی﴾

نسبۃ المقدم اسم مفعول من التقدیم بصری واسطی الاصل ثقۃ یدلس من الثامنۃ خرج لہ الجماعۃ ۔(مناوی ج۱ص۱۱۴)روی عن اسماعیل بن ابی خالد و ھشام بن عروۃ و خالد الحذاء و عنہ ابنہ محمد و احمد بن حنبل و عفان بن مسلم قال ابن سعد ثقۃ وکان یدلس تدلیسا شدیدا ذکرہ ابن حبان فی الثقات کان یدلس ۔(تہذیب ج۷ص۴۲۷)

(۵۶۴) ﴿عباس العنبری﴾

من حفاظ البصرۃ نسبۃ لبنی عنبر حی من تمیم خرج لہ البخاری تعلیقا و ابن خزیمۃ مات سنۃ ست واربعین ومائتین خرج لہ الجماعۃ (مناوی ج۲ص۱۱۵)عباس بن عبدالعظیم بن اسماعیل بن توبۃ العنبری ابوالفضل المصری روی عن یحییٰ بن سعید القطان و ابی داؤد الطیالسی قال ابوحاتم صدوق و قال النسائی ثقۃ مامون و قال مسلمۃ بصری ثقۃ ۔(تہذیب ج۵ص۱۰۷)

(۵۶۵) ﴿معاویۃ بن صالح﴾

الحضرمی ابوعبد الرحمن قاضی الا ندلس صدوق یھم مات سنۃ ثمان و خمسین و مائۃ خرج لہ النسائی و ابن ماجۃ ۔(مناوی ج۲ص۱۱۵)

روی عن اسحٰق بن عبد اللّٰہ و یحییٰ بن سعید الانصاری و مکحول الشامی و عنہ الثوری واللیث بن سعد قال العجلی والنسائی ثقۃ و قال ابوزرعۃ ثقۃ محدث و قال ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث ۔(تہذیب ج۱۰ص۱۸۹)

(۵۶۶) ﴿العلاء بن الحارثؒ﴾

ابن عبد الوارث الحضرمی ابو وهب الدمشقی صدوق فقیه رمی بالقدر واختلط من الخامسة خرج له مسلم والاربعة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۵)روی عن عبد الله بن بشر و مکحول والزهری و عنه الاوزاعی و معاویة بن صالح قال ابن المدینی ثقة قال ابو حاتم لا اعلم احداً من اصحاب مکحول او ثق منه۔(تهذیب ج۸ص۱۵۷)

(۵۶۷) ﴿حرام بن معاویةؒ﴾

الانصاری ثقة من الثالثة خرج له ابوداؤد و ابن ماجة۔ (مناوی ج۲ص۱۱۵)

(۵۶۸) ﴿عبد الله بن سعدؒ﴾

الانصاری الحرامی و قیل القرشی الاموی عم حرام بن حکیم صحابی نقل انه شهد فتح القادسیة۔(مناوی ج۲ص۱۱۵)روی عن النبی صلی الله علیه وسلم وعنه ابن اخیه حرام بن حکیم۔ (تهذیب ج۵ص۲۰۶)

(۵۶۹) ﴿اسماعیل بن جعفرؒ﴾

المدنی الزرقی نسبة لبنی زریق بطن من الانصار ثقة مات سنة ثمانین و مائة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۷) روی عن ابی طوالة و عبد الله بن دینار و جعفر الصادق وعنه محمد بن جهضم ویحییٰ بن ایوب و ابومعمر الهذلی قال احمد و ابوزرعة و النسائی ثقة و قال ابن خراش صدوق ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تهذیب ج۱ص۲۵۱)

(۵۷۰) ﴿منصورؒ﴾

الثقفی ثقة عابد خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۱۹) هو ابو الغیرة بن زاذان الواسطی روی عن انس یقال مرسل و ابی العالیة و عطاء بن ابی رباح و محمد بن سیرین و عنه مسلم بن سعید الواسطی و جریر بن حازم و ابوعوانة قال العجلی رجل صالح متعبد کان ثقة ثبتا و کان یسرع القرأة و کان یحب ان یترسل فلا یستطیع قال النسائی و ابو حاتم ثقة ۔(تهذیب ج۱۰ص۲۷۲)

(۵۷۱) ﴿سالم بن ابی الجعدؒ﴾

رافع الغطفانی الاشجعی مولاهم الکوفی ثقة مرسل خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ ص۱۹۹) روی عن عمر ولم یدرکه و عن ثوبان و علی بن ابی طالب و ابی برزة و عنه الحسن والحکم بن عتیبة و عمرو بن دینار قال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث قال ابن معین و ابوزرعة والنسائی ثقة مات ۱۰۰ھ ۔(تہذیب ج۳ ص۳۷۳)

(۵۷۲) ﴿عبدةؒ﴾

ابن سلیمان ابومحمد الکلابی المقری احمد نے کہا ثقہ ہے زیادة مع صلاحه و شدت فقرهٔ ۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔(حاشیۂ ترمذی) روی عن اسماعیل بن ابی خالد و عاصم الاحول و الاعمش والثوری و عنه احمد اسحٰق و ابراهیم بن موسٰی الرازی قال العجلی ثقة رجل صالح صاحب قران یقری قلت ذکره ابن حبان فی الثقات و قال مستقیم الحدیث جدا قال الدار قطنی ثقة ۔(تہذیب ج۶ ص۴۰۵)

(۵۷۳) ﴿محمد بن عمرو بن العطاءؒ﴾

القرشی العامری المدنی و ثقه ابوحاتم و کان ذاهیبة و وقار ۔(مناوی ج۲ ص۱۲۰) روی عن ابن عباس و ابن الزبیر وابی هریرة و عنه ابوالزناد وموسٰی بن عقبة قال ابوزرعة والنسائی ثقة و قال ابوحاتم ثقة صالح الحدیث ۔(تہذیب ج۹ ص۳۳۲)

(۵۷۴) ﴿طلق بن غنامؒ﴾

الکوفی ثقة مات سنة احدیٰ عشر و مائتین خرج له البخاری و الاربعة ۔(مناوی ج۲ ص۱۲۲) روی عن ابیه و شیبان و شریک القاضی و عنه البخاری و روی الاربعة بواسطة عثمان بن ابی شیبة ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد کان ثقة صدوقا و کان عنده احادیث ۔(تہذیب ج۵ ص۲۹)

(۵۷۵) ﴿زر بن حبیشؒ﴾

مصغرا ابومریم الاسدی ادرک الجاهلیة عاش مائة و عشرین سنة ومات سنة اثنین و ثمانین

خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۲۲)روی عن عمر وعثمان و علی و عائشة و عنه ابراهیم النخعی و عاصم بن بهدلة قال العجلی کان من اصحاب علی و عبد اللّٰه ثقة قال ابوجعفر البغدادی قلت لاحمد فزر و علقمة والاسود قال هولاء اصحاب ابن مسعود و هم الثبت فیه

(تہذیب ج۳ص۳۷۷)

(۵۷۶) ﴿عبد اللّٰه بن داؤدؒ﴾

الواسطی التمار قال البخاری فیه نظر قال العصام تفرد المصنف بالروایة عنه و لیس کما زعم ۔(مناوی ج۲ص۱۲۵)روی عن الحمادین و ابن جریج و اللیث و عنه احمد بن سنان القطان و بشر بن معاذ قال ابو حاتم لیس بقوی فی احادیثه مناکیر قال الدار قطنی ضعیف ۔(تہذیب ج۵ص۱۷۶)

(۵۷۷) ﴿ربیعة الجرشیؒ﴾

بن عمرو او ابن الحارث اختلف فی صحبته ثقة خرج له الاربعة (مناوی ج۲ص۱۲۵)روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عن سعد و ابی هریرة و عائشة و معاویة و عنه خالد بن معدان و یحییٰ بن میمون و علی بن رباح ...... ذکره ابن سعد فی الثقات الکبریٰ فی الصحابة و فی الصغری فی الطبقة الاولیٰ بعد الصحابة ذکره ابوزرعة الدمشقی فی التابعین و ذکره فی الصحابة ابن مندة و ابو نعیم والبغوی ...... قال ابو المتوکل الناجی کان فقیه الناس فی زمن معاویة۔

(تہذیب ج۳ص۲۲۵)

(۵۷۸) ﴿عبد اللّٰه صالحؒ﴾

بن محمد بن مسلم الجهنی ابو صالح المصری کاتب اللیث کان مکثرا جدا قال ابوزرعة کان حسن الحدیث لم یکن ممن یکذب و قال الفضیل الشعرانی مارأیته الا یحدث او یسبح و قال ابن عدی مستقیم الحدیث وله اغالیط و کذبه جزرة مات سنة ثلاث و عشرین و مائتین و عمره ست و ثمانون سنة خرج له البخاری فی التعلیق و ابوداؤد۔(مناوی ج ص۱۳۶)

روی عن معاویة بن صالح و موسیٰ بن علی واللیث بن سعد روی له ابوداؤد والترمذی وابوحاتم الرازی قال النسائی لیس بثقة قال ابن القطان هو صدوق ولم یثبت علیه

مایسقط حدیثه الا انه مختلف فیه فحدیثه حسن۔(تہذیب ج۵ص۲۲۵)

(۵۷۹) ﴿عمرو بن قیسؒ﴾

اثنان احدهما عمرو بن قیس الماضی له عن شریح و زید بن وهب و عنه مسعر و زیادة ثقة مرجی خرج له ابوداؤد و الثانی عمرو بن قیس مستدل له عن عطاء و نافع و عنه ابن وهب و البرسانی و احمد بن یونس رآه واخرج له ابن ماجة فکان ینبغی للمصنف تمییزه۔

(مناوی ج۲ص۱۳۶)

(۵۸۰) ﴿عوف بن مالک الاشجعیؒ﴾

صحابی مشهور من مسلمة الفتح سکن دمشق کما فی تقریب الحافظ ابن حجر تبعاً للذهبی فی الکاشف وغیره ۔(مناوی ج۲ص۱۳۶) روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عن عبد اللّٰه ابن سلام و عنه ابومسلم الخولانی و جبیر بن نفیر و عاصم بن حمید قال الواقدی شهد خیبر و نزل حمص و بقی الی خلافة عبد المالک و مات سنة ثلاث و سبعین و ذکر ابن سعد ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم آخی بینه و بین ابی الدرداء۔(تہذیب ج۸ص۱۵۰)

(۵۸۱) ﴿یعلی بن مملکؒ﴾

له عن ام الدرداء و ام سلمة وقد وثق ذکره جمع منهم الذهبی و لم یقف علیه العصام (مناوی ج۲ ص۱۳۷)ذکره ابن حبان فی الثقات(تہذیب ج۱۱ص۳۵۶)

(۵۸۲) ﴿یحییٰ بن سعید الامویؒ﴾

اخو عمرو الاشدق ثقة من الثالثة خرج له البخاری فی الادب و مسلم۔(مناوی ج۲ص۱۳۹)

(۵۸۳) ﴿ابو العلاء العبدیؒ﴾

هلال ابن خباب صدوق تغیّر آخراً من الخامسة (مناوی ج۲ص۱۴۱)سکن المدائن روی عن ابی جحیفة و یحییٰ بن جعدة و عکرمة مولیٰ ابن عباس و عنه الثوری و مسعر و ثابت بن یزید ذکره ابن حبان فی الثقات و قال یخطئی. (تہذیب ج۱۱ص۶۸)

(۵۸۴) ﴿یحیی بن جعدۃ﴾

بن هبیرة ابن ابی وهب المخزومی قال الذهبی ثقة خرج له ابو داوٗد و ابن ماجة (مناوی ج۲ص۱۴۱) روی عن جدته ام هانی و عن ابی الدرداء و زید بن ارقم و عنه حبیب بن ابی ثابت و عمرو بن دینار و مجاهد و غیرهم قال ابو حاتم و النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقاة (تہذیب ج۱۱ص۱۲۹)

(۵۸۵) ﴿نوح بن قیس الحدانی﴾

نسبة الی حدان بضم اوله قبیلة من الازد ابوروح البصری قال الذهبی حسن الحدیث و قد وثق مات سنة ثلاث و ثمانین و مائة خرج له مسلم و الاربعة (مناوی ج۲ص۱۴۳) روی عن اخیه خالد قیس و ثمامة بن عبد الله و ایوب و عنه یزید بن هارون و عفان و مسلم بن اسماعیل قال النسائی لیس به بأس و قال العجلی بصری ثقة قال ابن معین هو شیخ صالح الحدیث (تہذیب ج۱۰ص۴۳۲)

(۵۸۶) ﴿حسام بن مصک﴾

ابوسهل الاسدی البصری ضعیف متروک عن السابعة خرج له المصنف۔ (مناوی ج۲ص۱۴۳) روی عن الحسن و ابن سیرین و قتادة و عنه شعبه و نوح بن قیس ...... قال ابو حاتم لین الحدیث یکتب حدیثه ۔(تہذیب ج۲ص۲۱۳)

(۵۸۷) ﴿مطرف﴾

بضم اوله و فتح ثانیه البصری ثقة عابد من الثانیة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۳۴)وهو ابن عبد الله بن الشخیر ۔روی عن ابیه و عثمان و علی و ابی ذر و عنه اخوه ابو العلاء یزید و حمید بن هلال و یزید الرشک ذکر ابن سعد فی الطبقة الثالثة من اهل البصرة قال العجلی کان ثقة ولم ینج بالبصرة عن حسد ابن الاشعث الّا مطرف و ابن سیرین قال ابن حبان فی الثقات ولا فی حیاة النبی صلی الله علیه وسلم و کان من عباد اهل السمرة وزهادهم۔(تہذیب ج۱۰ص۱۵۷)

(۵۸۸) ﴿ابیه﴾

عبد الله بن شخیر بن عوف بن کعب العامری نزیل البصرة صحابی من مسلمة الفتح خرج له

الجماعة الاالبخاری ادرک الجاهلية و الاسلام (مناوی ج۲ص۱۴۴) له صحبة روی عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم و عنه بنوه مطرف وهانی و يزيد قلت ذكره ان سعد فی طبقة مسلمة الفتح و قال ابن مندة و فد فی وفد بنی عامر. (تہذیب ج۵ص۲۲۱)

(۵۸۹) ﴿عطاء بن السائب الثقفی الكوفیؒ﴾

صدوق اختلط من الخامسة خرج له البخاری فی تاريخه والاربعة۔(مناوی ج۲ص۱۴۶) روی عن ابيه و انس و ربما ادخل بينهما يزيد بن ابان و ابراهيم النخعی و عنه اسماعيل بن ابی خالد و الحماد ان والسفيانان و شعبة قال عبداللّٰه بن احمد عن ابيه ثقة ثقة رجل صالح قال ابن سعد كان ثقة و قد روی المتقدمون و قد كان تغير حفظه بآخره۔(تہذیب ج۷ص۱۸۳)

(۵۹۰) ﴿ابيهؒ﴾

السائب بن مالکؒ او ابن زيد الكوفی ثقة من الثانية خرج له البخاری فی تاريخه والاربعة ۔ (مناوی ج۲ص۱۴۶)روی عن سعد و علی والمغيرة بن شعبة و عنه ابنه عطاء وابو اسحٰق السبيعی قال العجلی كوفی تابعی ثقة و ذكره ابن حبان فی الثقات قلت و جزم بانه ابن زيد و قال ابن معين ثقة۔(تہذیب ج۳ص۳۹۰)

(۵۹۱) ﴿عاصم بن عبيد اللّٰهؒ﴾

بن عاصم بن عمر بن الخطاب له عن جابر و ابن عمر وعدة و عنه شعبة و مالک والقطان وضعفه ابن معين و قال البخاری وغيره منكر الحديث خرج له البخاری فی الادب المفرد والاربعة (مناوی ج۲ص۱۵۳)ذكره ابن سعد فی الطبقة الرابعة من تابعی اهل المدينة قال العجلی لابأس به و قال ابن عدی قد روی عنه ثقات الناس واحتملوه وهو مع ضعفه يكتب حديثه (تہذیب ج۵ص۴۲)

(۵۹۲) ﴿قاسم بن محمدؒ﴾

بن ابی بكر احدالفقهاء السبعة من الثالثة مناقبه لاتحصٰی وله نحو مائتی حديث خرج له الجماعة ۔ (مناوی ج۲ص۱۵۳)روی عن ابيه و عمته عائشة و عن العبادلة و ابی هريرة روی عنه ابنه عبد

الرحمٰن و سالم بن عبد اللّٰہ و نافع مولٰی ابن عمر قال العجلی ملنی تابعی ثقة نزہ رجل صالح قال ابن حبان فی ثقات التابعین کان من سادات التابعین من افضل اهل زمانه علما واجباً و فقها۔
(تہذیب ج۸ص۲۹۹)

(۵۹۳) ﴿حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ﴾

عثمان بن مظعونؓ هو اخوه (صلی اللّٰه علیه وسلم) رضاعاً قرشی اسلم بعد ثلاثة عشر رجلًا هاجر الهجرتین و شهد بدراً و کان حرم الخمر فی الجاهلية و هو اوّل من مات من المهاجرین بالمدینة فی شعبان علی رأس ثلاثین شهرا من الهجرة ولما دفن قال نعم السلف هو لنا و دفن بالبقیع و کان عابدا مجتهدا من فضلاء الصحابة ۔(جمع ج۲ص۱۵۳) و یحتمل ان یکون تقبیل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لعثمان فی وجهه او بین عینیه۔(اتحافات ص۳۵۱)

(۵۹۴) ﴿ابو عامرؒ﴾

عبد الملک بن عمرو القیسی العقدی نسبة لبنی عقدة قبیلة من الیمن البصری الحافظ خرج له الستة۔(مناوی ج۲ص۱۵۳) روی عن ایمن بن نابل و عکرمة بن عمار و فلیح بن سلیمان و عنه احمد و اسحٰق و عباس العنبری و بندار قال النسائی ثقة مامون قال ابو حاتم صدوق قال ابن سعد کان ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۔ (تہذیب ج۶ص۳۶۳)

(۵۹۵) ﴿هلال بن علیؒ﴾

العامری المدنی ثقة من الخامسة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۵۳)روی عن انس بن مالک و عطاء بن یسار و عنه یحیٰی بن ابی کثیر و فلیح و سعیدبن ابی هلال قال ابوحاتم شیخ یکتب حدیثه و قال النسائی لیس به بأس ذکره ابن حبان فی الثقات قال الواقدی مات فی آخر خلافة هشام بن عبد الملک۔ (تہذیب ج۱۱ص۷۲)

(۵۹۶) ﴿علی بن مسهرؒ﴾

القرشی الکوفی الحافظ کان فقیهاً محدثا مات سنة تسع و ثمانین و مائة و له غرائب خرج

له الستة ۔(مناوی ج۲ص۱۵۵)

وهو قاضی الموصل روی عن هشام بن عروة والاعمش و ابی اسحق الشیبانی و عنه ابوبکر وعثمان ابنا ابی شیبة و خالد بن مخلد قال ابوزرعة صدوق ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث ۔(تہذیب ج۷ص۳۳۵)

(۵۹۷) ﴿سعید بن عبد الرحمن المخزومی رحؒ﴾

المکی له عن ابن عیینة وعدة ثقة مات سنة تسع و اربعین و مائتین خرج له النسائی ۔(مناوی ج۲ ص۱۶۱)روی عن هشام بن سلیمان و حسین بن زید و عبد الله بن الولید و عنه الترمذی والنسائی و ابن خزیمة قال النسائی ثقة و قال مرة لابأس به و ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۴ص۴۹)

(۵۹۸) ﴿عبید اللّٰه رحؒ﴾

هو متعدد و کان ینبغی تمیزه لیعرف ایهم هو۔(مناوی ج۲ص۱۶۱)

(۵۹۹) ﴿سوید بن عبد العزیز رحؒ﴾

قال العصام لم توجد ترجمته و اقول هو ابومحمد الدمشقی قاضی بعلبک ثم نائب الحکم بدمشق له عن ابی الزبیر و عاصم الاحول و قرأ علی الذماوی وغیره وعنه جمع ومحمد بن مصفی قال البخاری فی حدیثه نظر لا یحتمل مات سنة اربع و تسعین و مائة (مناوی ج۲ص۱۶۲) هو سوید بن عبد العزیز بن نمیر السلمی و قیل انه حمصی قال ابن معین لیس بثقة قال البخاری فی حدیثه مناکیر انکرها احمد ۔(تہذیب ج۴ص۲۴۲)

(۶۰۰) ﴿مسلم الاعور رحؒ﴾

هو ابن کیسان الکوفی الملائی المداینی ابوعبد الله له عن انس و مجاهد و عنه شعبة و علی بن مسهر قال الذهبی واه خرج له البیهقی ۔(مناوی ج۲ص۱۶۳)قال النسائی لیس بثقة قال الساجی منکر الحدیث و کان یقدم علیا علی عثمان و قال ابن المدینی و العجلی ضعیف الحدیث (تہذیب ج۱۰ص۱۲۲)

(۲۰۱) ﴿ابو داؤد الحفری رحؒ﴾

نسبه لمحل بالكوفة ثقة عابد ۔(مناوی ج۲ص۱۶۷)هو عمر بن سعد بن عبيد روى عن الثورى و مسعر و مالك بن مغول و عنه احمد بن حنبل و على بن المدينى و ابوبكر و عثمان ابن ابى شيبة قال ابوحاتم صدوق و كان رجلًا صالحا قال ابن حبان فى الثقات كان من العباد الخشن قال ابن و ضاح كان ثقة ازهد اهل الكوفة،مات۲۰۳ھ۔(تہذیب ج۷ص۳۹۷)

(۲۰۲) ﴿لربيع بن صبيح رحؒ﴾

كصديق هوا لسعدى له عن الحسن و عطاء و عنه ابن مهدى و على بن الجعد كان غزاء عابدا قال ابوزرعة صدوق و ضعفه النسائى خرج له البخارى فى تاريخه والنسائى (مناوی ج۲ص۱۶۷) قال عبد اللّٰه بن احمد عن ابيه لابأس به رجل صالح قال ابن سعد خرج غازيا الى السند فمات فى البحر و دفن فى جزيرة ۔مات۱۶۰ھ۔(تہذیب ج۳ص۲۱۴)

(۲۰۳) ﴿محمد بن عبد اللّٰه بن بزيع رحؒ﴾

البصرى مات سنة سبع و خمسين و مائتين خرج له مسلم ۔(مناوی ج۲ص۱۸۳) روى عن عبدالوارث بن سعيد و فضيل بن سليمان و بشر بن المفضل و عنه مسلم والترمذى والنسائى و ابن خزيمة قال ابوحاتم ثقة و قال النسائى صالح و قال مرة لابأس به ذكره ابن حبان فى الثقات وقال صاحب الزهرة روى عنه مسلم تسعة احاديث ۔(تہذیب ج۹ص:۲۲۱)

(۲۰۴) ﴿يحيىٰ بن ابى الهيثم رحؒ﴾

العطار كوفى ثقة من الخامسة خرج له البخارى فى الادب ۔(مناوی ج۲ص۱۸۴)روى عن ابيه و محمد و يوسف ابنى عبد اللّٰه بن سلام و عنه ابن المبارك و ابن عيينة و وكيع و غيرهم قال ابن معين ثقة و قال ابوحاتم ليس به بأس ذكره ابن حبان فى الثقات ۔(تہذیب ج۱۱ص۲۵۶)

(۲۰۵) ﴿يوسف بن عبد اللّٰه بن سلام رحؒ﴾

المدنى ابو يعقوب صحابى صغير و زعم العجلى انه تابعى ۔(مناوی ج۲ص۱۸۴) روى عن النبى

صلی اللہ علیہ وسلم و عن ابیه و عثمان و علی و ابی الدرداء و عنه ابنه محمد و عون بن عبد اللّٰہ و ابن المنکدر ذکرہ ابن سعد فی الطبقة الخامسة و قال کان ثقة و له احادیث و قال العجلی کوفی تابعی ثقة ذکرہ جماعة ممن الف فی الصحابة ۔(تہذیب ج۱۱ص۳۶۵)

(۲۰۶) ﴿عمرةؒ﴾

و هی فی الرواة ستة و المراد بها عمرة بنت عبد الرحمن بن سعد ابن زرارة کانت فی حجر عائشة ام المؤمنین وروت عنها کثیرا (مواہب ص۲۵۰)روت عن عائشة وحبیبة بنت سهل و ام حبیبة حمنة بنت جحش و عنها ابنها ابوالرجال و اخوها محمد الانصاری و ا بن اخیها یحییٰ بن عبد اللّٰہ قال ابن المدینی عمرة احد الثقات العلماء بعائشة الاثبات فیها وذکرها ابن حبان فی الثقات و کتب عمر بن عبد العزیز ابی ابن حزم ان یکتب له احادیث عمرة ۔(تہذیب ج۱۲ص۴۶۶)

(۲۰۷) ﴿عبد اللّٰہ بن یزید المقریؒ﴾

المخزومی المدنی الاعور مولی الاسود ابن سفیان من شیوخ مالک ثقة من السادسة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۸۷)روی عن کهمس ابن الحسن و ابی حنیفة و ابن عون و عنه البخاری و علی بن المدینی و ابی خیثمه قال ابوحاتم صدوق قال النسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال ابن قانع مکی ثقة ۔(تہذیب ج۲ص۷۵)

(۲۰۸) ﴿لیث بن سعدؒ﴾

الفهمی مولاهم عالم اهل مصر قال الذهبی و ثقوہ و کان نظیر مالک فی العلم و قیل کان دخله فی السنة ثمانین الف دینارفما وجبت علیه زکاة قط مات یوم نصف شعبان سنة خمس و سبعین و مائة عن احدیٰ و ثمانین سنة (مناوی ج۲ص۱۸۷)روی عن نافع و ابن ابی ملکیة والزهری قال ابوزرعة صدوق و قال ابن خراش صدوق صحیح الحدیث و قال ابن حبان فی الثقات کان من سادات اهل زمانها فقهاً وورعا و علما و فضلاً و سخاء ۔(تہذیب ج۸ص۴۱۲)

(۲۰۹) ﴿خارجہ بن زیدؒ﴾

بن ثابت الفقيه ابن زيد اخذ عن ابيه و اسامة بن زيد و عنه الزهرى وغيره مات سنة تسع و تسعين وهو احد الفقهاء السبعة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۱۸۷)ادرک عثمان و روى عن ابيه و عمه يزيد و اسامة بن زيد و سهيل بن سعد وغيرهم وعنه ابنه سليمان و ابو الزناد والزهرى قال ابو الزناد هو احد الفقهاء السبعة و قال العجلى مدنى تابعى ثقة قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث ذكره ابن حبان فى الثقات۔(تہذیب ج۳ص۶۵)

(۲۱۰) ﴿زیاد بن ابی زیادؒ﴾

ميسره مولى بنى مخزوم مدنى نزل دمشق كان قانتاً متألها مِن الطبقة الخامسة خرج له مسلم والنسائى۔(مناوی ج۲ص۱۸۹) روى عن مولاه و انس و محمد بن كعب القرظى و عنه عبد الله بن سعيد و اسامة بن زيد و موسى بن عقبة قال النسائى ثقة ذكره ابن حبان فى الثقات و قال كان زاهداً عابدا و يقال انه كان من الابدال مات سنة خمس و ثلاثين و مائة۔(تہذیب ج۳ص۳۱۷)

(۲۱۱) ﴿محمد بن کعب القرظیؒ﴾

تابعى جليل ثقة حجة قال ابو داؤد سمع من على و ابن مسعود رضى الله عنهما ۔(مناوی ج۲ص ۱۸۹) روى عن عباس بن عبد المطلب و على بن ابى طالب و ابن مسعود و ابى هريرة روى عنه اخوه عثمان والحكم بن عينية و ابو المقدام قال ابن سعد كان ثقة عالما كثير الحديث ورعا و قال العجلى مدنى تابعى ثقة رجل صالح عالم بالقرآن و قال ابن حبان كان من افاضل اهل المدينة علما و فقها مات ۱۰۸ھ۔(تہذیب ج۹ص۳۷۳)

(۲۱۲) ﴿عمرو بن العاصؓ﴾

بن وائل السهمى هاجر فى صفرسنة ثمان وامر على غزوة ذات السلاسل عاش تسعين سنة ومات ليلة الفطر سنة ثلاث واربعين (مناوی ج۲ص۱۸۹)روى عن النبى صلى الله عليه و سلم و عائشة و عنه ابنه عبد الله و قيس بن ابى حازم وعروة بن الزبير و يقال استعمله النبى صلى الله عليه

وسلم علی عمان و کان احد امراء الاجناد فی فتوح الشام وافتتح مصر فی عهد عمر بن الخطاب و عمل علیها له و لعثمان ثم عمل علیها زمن معاویة منذ غلب علیها معاویة الٰی ان مات عمرو و خلف اموالا عظیمة الی الغایة ۔(تہذیب ج۸ص۵۰)

(۶۱۳) ﴿سلم العلوی﴾

نسبة لقبیلة بنی علی بن ثوبان هو ابن قیس ضعیف من الرابعة خرج له الشارح فی تاریخه و تکلم فیه شعبة و وثقه یحیی۔(مناوی ج۲ص۱۹۳)

روی عن انس والحسن البصری و عنه جریر بن حازم ومهدی بن میمون وحماد بن زید قال النسائی لیس بالقوی و قال ابن شاهین فی الثقات ذکر لیحیٰ بن معین قول شعبة فقال لیس به بأس حدید البصر کان یری الهلال قبل الناس ۔(تہذیب ج۴ص۱۱۸)

(۶۱۴) ﴿ابی عبداللّٰه الجدلی﴾

نسبة لجدیلة قبیلة رمی بالتشییع مِن کبار الثالثة خرج له دن ۔(مناوی ج۲ص۱۹۴)اسمه عبد بن عید و قیل عبد الرحمن بن عبد روی عن خزیمة بن ثابت و سلمان الفارسی و معاویة و عنه ابواسحق السبیعی و ابراهیم النخعی قال العجلی بصری تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قیل لاحمد بن حنبل ابو عبداللّٰه الجدلی معروف قال نعم و وثقه۔(تہذیب ج۱۲ص۱۶۵)

(۶۱۵) ﴿فضیل بن عیاض﴾

شیخ الشافعی وهو التمیمی الخراسانی الزاهد مات فی محرم سنة سبع و ثمانین و مائة و جاوز الثمانین مناقبه شهر من ان تذکر خرج له الجماعة ۔ (مناوی ج۲ص۱۹۶)روی عن الاعمش و منصور و هشام بن حسان و عنه الثوری و هو من شیوخه و ابن عینیة و هو من اقرانه و ابن المبارک قال النسائی ثقة مامون و قال ابن سعد کان ثقة نبیلا فاضلا عابدا و رعا کثیر الحدیث و عن ابن المبارک ما بقی علی ظهر الارض عندی افضل من فضیل و قال العجلی کوفی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات۔ (تہذیب ج۸ص۲۶۴)

(۶۱۶) ﴿عبد اللہ بن عمرانؒ﴾

ابو القاسم المخزومی العابد الزاهد القرشی المکی صدوق روی عن فضیل و ابراهیم بن سعد وعنه المصنف وكذا ابن صاعد و القضا یری و غیرهما و وهم العصام قال ابو حاتم صدوق مات سنة خمس و اربعین و مائتین ۔(مناوی ج۲ ص۲۰۸) ذکره ابن حبان فی الثقات و قال یخطئی و یخالف ۔(تہذیب ج۵ ص۲۹۹)

(۶۱۷) ﴿ابراهیم بن سعدؒ﴾

الزهری ابو اسحاق اخذ عن ابیه و الزهری و طائفة و عنه ابن مهدی و احمد و خلق مات سنة ثلاث و ثمانین ومائة ۔(مناوی ج۲ ص۲۰۸) قال احمد ثقة و قال ایضا احادیثه مستقیمة و قال ابن ابی مریم عن ابن معین ثقة حجة۔(تہذیب ج۱ ص۱۰۵)

(۶۱۸) ﴿عبید اللہؒ﴾

یحتمل انه عبید اللہ بن عیاض فانه یروی عن ابن عباس وغیره و عنه الزهری وغیره و یحتمل عبید اللہ بن ابی رافع کاتب علی فانه یروی عن علی و ابن عباس وعنه الزهری و طائفة و کلاهما ثقة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ ص۲۰۹) ذکره ابن حبان فی الثقات ، روی البخاری فی الصحیح فی الجهاد و التوحید قصة قتل خبیب و ذکره العجلی فی الثقات و قال مالک تابعی ثقة ۔(تہذیب ج۷ ص۳۹)

(۶۱۹) ﴿هارون بن موسیٰؒ﴾

بن ابی علقمة المدنی ای علقمة الفروی عن مالک و عنه ابنه نسبة لفروة جده قال الذهبی صدوق مات سنة اثنین و خمسین ومائتین خرج له النسائی (مناوی ج۲ ص۲۱۴) قال ابو حاتم شیخ و قال النسائی لابأس به ذکره ابن حبان فی الثقات و قال الدار قطنی هو و ابوه ثقتان (تہذیب ج۱۱ ص۱۳)

(۶۲۰) ﴿ ابی ﴾

موسیٰ مجهول من التاسعة خرج له المصنف فقط۔(مناوی ج۲ ص۲۱۴) روی عن مالک و هشام

بن سعد و عنه ابنه هارون ۔(تہذیب ج۱۰ص۳۲۳)

(۶۲۱) ﴿هشام بن سعدؒ﴾

المدینی ابی العباس او ابی سعید قال ابوحاتم لایحتج به و قال احمد لم یکن بالحافظ مات سنة ست و مائتین خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۱۴)روی عن زید بن اسلم و نافع مولیٰ ابن عمر و ابی الزبیر و عنه اللیث والثوری و وکیع قال العجلی جائز الحدیث حسن الحدیث قال النسائی ضعیف و قال مرة لیس بالقوی و قال ابن سعد کان کثیر الحدیث یستضعف و کان متشیعاً ۔(تہذیب ج۱۱ص۳۷)

(۶۲۲) ﴿عبد اللّٰه بن ابی عتبةؒ﴾

الفقیه الاعمیٰ اخذ عن عائشة و ابی هریرة و الکبار و عنه الزهری و ابوالزناد و ابن کیسان و خلق و هو معلم عمر بن عبدالعزیز کان من بحار العلم مات سنة ثمان و تسعین خرج له الجماعة ۔ (مناوی ج۲ص۲۱۷)

ذکره ابن حبان فی الثقات له فی الکتب حدیثان احدهما عند (خ) فی الحج بعد یاجوج وماجوج والآخر عندهم فی الحیاء قلت و قال ابوبکر البزار ثقة مشهور ۔(تہذیب ج۵ص۲۷۲)

(۶۲۳) ﴿موسیٰ بن عبد اللّٰهؒ﴾

بن یزید الخطمی نسبة لخطم کرجم قبیلة اخذ عن ابیه و ابی حمید و عنه الاعمش و مسعر قال الذهبی وغیره ثقة و قد خفی امره علی العصام فقال لم اجد من ترجمته ۔(مناوی ج۲ص۲۱۷) قال ابن معین و العجلی و الدار قطنی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۱۰ص۳۱۵)

(۶۲۴) ﴿ورقاء بن عمرؒ﴾

الیشکری ابو بشر الکوفی نزیل المدائن قال الذهبی صدوق صالح و قال غیره فیه لین من السابعة خرج الجماعة۔(مناوی ج۲ص۲۲۱) روی عن ابی اسحٰق السبیعی و زید بن اسلم و ابن المنکدر و عنه شعبة و ابن المبارک و معاذ بن معاذ قال ابوداؤد عن احمد ثقة صاحب سنة قیل له

کان مرجناً قال لا ادری و قال وکیع ورقاء ثقة ۔(تہذیب ج۱۱ص۱۰۱)

(۶۲۵) ﴿ابی جمیلةؒ﴾

میسرة بن یعقوب الطهوی نسبة لطهیة من تمیم تابعی خرج له ابو داؤد والنسائی ۔(مناوی ج۲ص ۲۲۱) صاحب رأیة علی روی عن علی و عثمان و الحسن بن علی و عنه ابنه عبد الله و عطاء بن السائب و عبد الاعلیٰ ذکره ابن حبان فی الثقات۔ (تہذیب ج۱۰ص۳۴۵)

(۶۲۶) ﴿ابن ابی لیلیٰؒ﴾

عبدالرحمٰن الانصاری المدنی ثم الکوفی ۔(مناوی ج۲ص۲۲۳)ولد لست بقین من خلافة عمر روی عن ابیه و عمر و عثمان و علی و حذیفة و غیرهم و عنه ابنه عیسیٰ والشعبی و ثابت البنانی قال العجلی کوفی تابعی قال عطاء بن ابی السائب عن عبد الرحمن ادرک عشرین و مائة من الانصار صحابة وبعض اهل العلم یدخل بینه و بین عمر البراء بن عازب۔(تہذیب ج۶ص۲۳۴)

(۶۲۷) ﴿عبدالقدوس بن محمدؒ﴾

العطار البصری من الحادیة عشر خرج له البخاری ۔(مناوی ج۲ص۲۲۳)روی عن ابیه و عمه صالح و عبد الله بن داؤد و عنه البخاری و الترمذی والنسائی و ابن ماجة و احمد بن منصور الرمادی قال النسائی ثقة قلت و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال مسلمة لابأس به و فی الزهرة روی عنه البخاری اربعة احادیث۔(تہذیب ج۶ص۳۳۰)

(۶۲۸) ﴿آدم بن ابی یاسؒ﴾

الخراسانی الأصل نشأ ببغداد ثقة عابد من التاسعة خرج له البخاری والنسائی وابن ماجة۔(مناوی ج۲ص۲۳۵) نشأ ببغداد وارتحل فی الحدیث فاستوطن عسقلان الیٰ ان مات روی عن ابن ابی ذئب و شعبة و ورقاء و جماعة و عنه البخاری والدارمی و ابو حاتم قال النسائی لابأس به و قال ابو حاتم ثقة مامون متعبد من خیار عباد الله و قال احمد کان من الستة او السبعة الذین یضبطون الحدیث عند شعبة ۔(تہذیب ج۱ص۱۷۱)

(۶۲۹) ﴿خالد بن عمیرؒ﴾

مصغراً العدوی البصری مخضرم و وهم ذاکره فی الصحب خرج له البخاری والنسائی و ابن ماجة۔(مناوی ج۲ص۲۲۴)

روی عن عتبة بن غزوان و عنه حمید بن هلال و ابونعامة العدوی ذکره ابن حبان فی الثقات قلت و ممن ذکره فی الصحابة ابوعمر بن عبد البر و ابن قانع و ابوموسیٰ فی الذیل و قال قال عبدان لا ادری اله روية ام لا ۔(تہذیب ج۳ص۹۶)

(۶۳۰) ﴿شویس ابو الرقادؒ﴾

مصغرا العدوی البصری من الثالثة۔(مناوی ج۲ص۲۲۴)شویس بن حیاش و قیل جیاش روی عن عمرو و عتبة بن غزوان و عنه عاصم الاحول و ابونعامة عمرو بن عیسیٰ العدوی و جعفر بن کیسان ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۴ص۳۲۶)

(۶۳۱) ﴿روح بن اسلمؒ﴾

ابوحاتم البصری قال الذهبی ضعیف من التاسعة (مناوی ج۲ص۲۲۶)روی عن ابی طلحة الراسی و وهیب بن خالد و همام بن یحییٰ و الحمادین و عنه ابوخیثمة و بندار و عبداللّٰه بن عبد الرحمٰن الدارمی سئل ابن معین عنه فقال لیس بذاک لم یکن من اهل الکذب و قال البخاری یتکلمون فیه و قال الدارقطنی ضعیف ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۳ص۲۵۱)

(۶۳۲) ﴿مسلم بن جندبؒ﴾

الهذلی المدنی القاضی ثقة مات سنة ستین ومائة خرج له البخاری۔(مناوی ج۲ص۳۲۸)روی عن الزبیر بن العوام و حکیم بن حزام و ابی هریرة و ابن عمر و روی عنه ابنه عبد اللّٰه و زید بن اسلم و یحییٰ بن کثیر ذکره ابن حبان فی الثقات و قال مات سنة ست و مائة و قال العجلی تابعی و قال ابن مجاهد کان من فصحاء الناس و کان معلم عمر بن عبد العزیز و کان عمر یثنی علیه و علی فصاحته بالقرآن۔(تہذیب ص۱۱۲)

(۶۳۳) ﴿روح بن عبادةؒ﴾

القيسى ابو محمد الحافظ البصرى له تأليف مات سنة خمس و مائتين خرج له البخارى فى تاريخه ۔(مناوی ج۲ص۲۴۹) روى عن ايمن بن نابل و مالك والاوزاعى و ابن جريج و عنه ابوخيثمه و احمد بن حنبل و ابوقدامة السرخسى قال يعقوب بن شيبة و سمعت على بن عبد الله يقول من المحدثين قوم لم يزالوا فى الحديث و لم يشغلوا عنه نشأوا فطلبوا ثم صنفوا ثم حدثوا منهم روح بن عبادة قال الخطيب كان كثير الحديث و صنف الكتب فى السنن و الاحكام و جمع التفسير و كان ثقة۔(تہذیب ج۳ص۲۵۲)

(۶۳۴) ﴿زكريا بن اسحقؒ﴾

المكى ثقة رمى بالقدر مِن السادسة خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص۲۴۹)روى عن عمرو بن دينار و ابى الزبير و ابراهيم بن ميسرة و عنه ازهر بن قاسم و روح بن عبادة و ابن المبارك و عبد الرزاق ، قال احمد و ابن معين ثقة قال ابوزرعة و ابوحاتم و النسائى لابأس به ذكره ابن حبان فى الثقات قلت قال ابن سعد كان ثقة كثير الحديث۔(تہذیب ج۳ص۲۸۳)

(۶۳۵) ﴿عمرو بن دينارؒ﴾

المكى ابو محمد الامام اعجمى ثقة ثبت مات سنة ست و عشرين و مائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۴۹)روى عن ابن عباس و ابن الزبير و ابن عمر و ابى هريرة و عنه قتادة و مات قبله و ايوب و ابن جريج و جعفر الصادق قال النسائى ثقة ثبت و قال ابوزرعة و ابوحاتم ثقة قال ابن عيينة كان ثقة ثبتا كثير الحديث صدوقا عالما و كان مفتى اهل مكة فى زمانه ذكره ابن حبان فى الثقات ۔ (تہذیب ج۸ص۲۶)

(۶۳۶) ﴿عامر بن سعدؒ﴾

ابن ابى وقاص الزهرى المدنى ثقة تابعى كبير مات سنة ثلاث او اربع و مائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۵۰)

روی عن ابیه و عثمان والعباس بن عبد المطلب و ابی ایوب الانصاری و روی عنه ابنه داوٗد و ابنا اخوته اسماعیل بن محمد واشعث بن اسحٰق قال العجلی مدنی تابعی ثقة و ذکره البخاری فیمن قال لاطلاق قبل النکاح عامر بن سعد۔(تہذیب ج۵ص۵۶)

(۶۳۷) ﴿جریر رح﴾

بن حازم الازدی حضر جنازة ابی الطفیل بمکة و سمع رجاء العطاردی والحسن و عنه ابنه وابن مهدی ثقة لکنه اختلط فحجب اولاده مات سنة سبعین و مائة ۔(مناوی ج۲ص۲۵۰) قال العجلی بصری ثقة و قال النسائی لیس به بأس و قال ابوحاتم صدوق صالح و ذکره ابن المدینی فی الطبقة الخامسة من اصحاب نافع۔(تہذیب ج۲ص۶۱)

(۶۳۸) ﴿حسنین بن مهدی رح﴾

البصری الاهلی مات سنة سبع و اربعین و مائتین قال ابوحاتم صدوق خرج له ابن ماجة ۔ (مناوی ج۲ص۲۵۰) روی عن عبد الرزاق و حجاج بن نصیر و الفریابی و مسدد و عنه الترمذی و ابن ابی عاصم و ابن ماجة قال ابوحاتم صدوق و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال ابن ابی عاصم مات ۲۴۷ھ۔ (تہذیب ج۲ص۳۲۰)

(۶۳۹) ﴿یعقوب بن ابراهیم رح﴾

الدورقی ثقة حجة من العاشرة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۵۱) رای اللیث و روی عن الدراوردی و ابن ابی حازم و ابی معاویة روی عن الجماعة و ابوزرعة و ابوحاتم قال ابوحاتم صدوق و قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال الخطیب کان ثقة متقناصنف المسند و قال مسلمة کان کثیر الحدیث ثقة مات ۲۵۲ھ۔(تہذیب ج۱۱ص۳۳۴)

(۶۴۰) ﴿اسماعیل بن علیة رح﴾

ثقة حافظ من الثانیة خرج له الجماعة و علیة اسم امه وابوه ابراهیم و کان یکره ان یقال له ابن علیة متفق علی توثیقه و جلالته قال شعبة ابن علیة سید المحدثین و ریحان الفقهاء ۔(مناوی ج۲ص

۲۵۱)روی عن عبد العزیز و حمید الطویل و عاصم الاحول و عنه شعبة و ابن جریج و هما من شیوخه و حماد بن زید و بقیه و هما من اقرانه و ابراهیم بن طهمان و هو اکبر منه قال النسائی ثقة ثبت و عن یحیٰی بن معن کان ثقة مامونا صدوقا مسلما ورعا تقیا ۔(تہذیب ج۱ص۲۴۱)

(۲۴۱) ﴿الحسنؒ﴾

لعله البصری ۔(مناوی ج۲ص۲۵۱)

(۲۴۲) ﴿دغفل بن حنظلةؒ﴾

السدوسی النسابة مخضرم نزل البصرة ۔(مناوی ج۲ص۲۵۱)روی عنه الحسن و سعید ابنا ابی الحسن و ابن سیرین قال حرب قلت لاحمد له صحبة فقال ما اعرفه و قال ابن حبان ادرک النبی صلی اللّٰه علیه و سلم و فی الفهرست اسمه حجر و لقبه دغفل قال ابوالقاسم بن عساکر بلغنی ان دغفلا غرق فی یوم دولاب من فارس فی قتال الخوارج و قال الترمذی لانعرف له سماعا من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و کان فی زمن النبیؐ رجلا۔(تہذیب ج۳ص۱۸۲)

(۲۴۳) ﴿حمید بن مسعدةؒ﴾

البصری الباهلی صدوق مات سنة اربع و اربعین و مائتین خرج له الجماعة الاالبخاری ای ومسعدة قیل لم توجد ترجمته۔(مناوی ج۲ص۲۵۷)

روی عن حماد بن زید و بشر بن المفضل و ابن علیة قال ابوحاتم کان صدوقا و قال النسائی فی اسماء شیوخه ثقة ۔(تہذیب ج۳ص۴۳)

(۲۴۴) ﴿سُلَیم بن اخضرؒ﴾

البصری اخذ عنه سلیمان التیمی و ابن عون و عنه احمد ابن عبدة وغیره قال ابو حاتم اعلم الناس بحدیث ابن عون ثقة حافظ خرج له مسلم و ابوداؤد والنسائی ۔(مناوی ج۲ص۲۵۷)

قال ابن معین و ابوزرعة والنسائی ثقة قلت ذکره ابن حبان فی الثقات قال ابوالقاسم الطبری بصری ثقة ۔(تہذیب ج۴ص۱۴۴)

(۲۴۵) عبد اللہ ابن عونؒ

البصری ثقة ثبت مِن اقران ایوب علما و عملا وهو مولٰی عبد اللّٰه بن مغفل المزنی احد الا علام قال هشام ابن حسان لم ترعینای مثله و قال قرة کنا نعجب مِن ابن سیرین فانساناه ابن عون و قال الاوزاعی اذا مات سفیان و ابن عون استوی الناس مات سنة احدی و خمسین و مائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ ص۲۵۷)

(۲۴۶) ابراهیمؒ

کان ینبغی بیانه اذ ابراهیم سبعة فی هذا الکتاب(مناوی ج۲ ص۲۵۷)

(۲۴۷) ابن الهادؒ

یزید بن عبد اللّٰه بن اسامة بن الهاد اللیثی المدنی ثقة مکثر شیخ مالک مات سنة تسع و ثلاثین و مائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ ص۲۵۸)روی عن ثعلبة بن ابی مالک القرظی و له روية و عمیر مولی آبی اللحم وله صحبة والصحیح ان بینهما محمد ابن الیتمی و عبد اللّٰه بن دینار وابی حازم و عنه شیخه یحیٰی بن سعید الانصاری و ابراهیم بن سعد و مالک قال ابن معین و النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قال العجلی مدنی ثقة ۔(تهذیب ج۱۱ ص۲۹۷)

(۲۴۸) موسٰی بن سرجسؒ

مستور مِن السادسة خرج له الجماعة الستة ۔(مناوی ج۲ ص۲۵۸)روی عن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق و اسماعیل بن ابی حکیم و عنه یزید بن عبد اللّٰه بن الهاد و یزید بن ابی حبیب له عندهم عن القاسم عن عائشة فی ذکر سکرات الموت و قال الترمذی حدیث غریب ۔(تهذیب ج۱۰ ص۳۰۷)

(۲۴۹) مبشر بن اسماعیلؒ

الحلبی الکلبی صدوق من التاسعة ۔(مناوی ج۲ ص۲۵۹)روی عن حریز بن عثمان و حسان بن نوح والاوزاعی و عنه ابراهیم بن موسٰی الرازی و احمد بن حنبل و محمد بن مهران قال

النسائی لیس به بأس و قال ابن سعد کان ثقة ماموناً و مات بحلب سنة مائتین و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال الذهبی تکلم فیه بلاحجة ۔(تہذیب ج۱۰ص۲۹)

(۶۵۰) ﴿العلاء بن اللجلاج﴾

ثقة من الرابعة ۔(مناوی ج۲ص۲۵۹) روی عن ابیه و ابن عمرو عنه ابنه عبد الرحمن و حفص بن عمر قال العجلی شامی تابعی ثقة روی له الترمذی حدیثا واحدا عن عائشة فی شدة الموت قلت و ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۸ص۱۷۰)

(۶۵۱) ﴿عبد الرحمن ابن ابی بکر﴾

هو ابن الملیکی ۔(مناوی ج۲ص۲۶۰)

(۶۵۲) ﴿عباس العنبری﴾

ثقة حافظ من الحادیة عشر قدم بغداد و جالس احمد نسبة لبنی العنبر طائفة من تمیم خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۶۱)

(۶۵۳) ﴿سوار بن عبد اللّٰه﴾

ابن سوار العنبری القاضی اخذ عن عبدالوارث و معمر و عنه ابوداؤد والنسائی و المصنف و ابو حبیب و ابن صاعد ثقة مات سنة خمس واربعین و مائتین (مناوی ج۲ص۲۶۱) قال احمد مابلغنی عنه الاخیر وقال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات قال العباس السراج کان فقیها قاضیا ادیبا شاعرا ۔(تہذیب ج۴ص۲۳۶)

(۶۵۴) ﴿موسیٰ بن ابی عائشة الحمدانی﴾

مولاهم ابوالحسن الکوفی ثقة عابد من الخامسة مرسل خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۶۱) روی عن عبد اللّٰه بن شداد و عمرو بن شعیب و عنه شعبة و اسرائیل والسفیانان ذکره ابن حبان فی الثقات و قال یعقوب بن سفیان کوفی ثقة ۔(تہذیب ج۱۰ص۳۱۴)

(۲۵۵) ﴿مرحوم بن عبد العزیز العطارؒ﴾

الاموی البصری ثقة عابد متأله اواہ مات سنة ثمان و ثمانین و مائة خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص ۲۶۱) روی عن ابیه و عمه عبد الحمید و ثابت البنانی و عنه ابنه عنبس والثوری و هو من شیوخه و سوار بن عبد الله العنبری قال احمد و ابن معین و النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات و قال البزار مشهور ثقة کان احد العباد۔(تہذیب ج۱۰ص ۷۷)

(۲۵۶) ﴿یزید بن بابنوسؒ﴾

بصری قال الدار قطنی لابأس به خرج له البخاری فی الادب و الجماعة ۔ (مناوی ج۲ص ۲۶۱) مقبول مِن الثالثة علی مانقله میرک عن التقریب (جمع ج۲ص ۲۶۱) روی عن عائشة و عنه ابوعمران الجونی قال البخاری کان ممن قاتل علیا و قال ابن عدی احادیثه مشاهیر و قال الدارقطنی لابأس به ذکره ابن حبان فی الثقات و قال ابوحاتم مجهول۔(تہذیب ج۱۱ص ۳۷۶)

(۲۵۷) ﴿محمد بن حاتمؒ﴾

المؤدب ببغداد روی عن هشیم و طبقته و عنه النسائی والمصنف و خلق ثقة مات سنة ست و اربعین و مائتین ۔(مناوی ج۲ص ۲۶۳) قال ابوحاتم صدوق و قال النسائی والدارقطنی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۹ص ۸۸)

(۲۵۸) ﴿عامر بن صالحؒ﴾

بن رستم المری ابوبکر ابن ابی عامر البصری الخزاز قال ابوحاتم لیس بقوی و افرط ابن حبان فنسبه للوضع و قیل هو عامر بن صالح ابن عبد الله بن عروة بن الزبیر اذ هو الراوی عن هشام و عنه احمد و یعقوب الدورقی قال احمد ثقة لم یکن یکذب و قال ابن معین کذاب فقیل له احمد یحدث عنه قال ماله جنّ و قال الدار قطنی متروک۔(مناوی ج۲ص ۲۶۳)

(۲۵۹) ﴿سلمة بن نبیطؒ﴾

مصغرا الاشجعی ابوفراس الکوفی اختلط مِن الخامسة خرج له ابوداؤد و النسائی و ابن ماجة۔

(مناوی ج۲ص۲۶۴)روی عن ابیہ و قیل عن رجل عن ابیہ و الزبیر بن عدی و الضحاک بن مزاحم و عنہ الثوری و ابن المبارک ووکیع الخریبی قال ابن معین و العجلی و النسائی ثقة قال ابو حاکم صالح مابہ بأس و ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۴ص۱۳۹)

(۲۶۰) ﴿نعیم بن ابی ھندؒ﴾

النعمان بن اشیم الاشجعی ثقة ناصبی مِن الرابعة خرج لہ الستة۔(مناوی ج۲ص۲۶۴)

روی عن ابیہ و لہ صحبة و نبیط بن شریط و ربعی بن حراش و عنہ ابن عمہ ابومالک سعید بن طارق الاشجعی و سلیمان التیمی قال ابو حاتم صالح الحدیث صدوق قال النسائی ثقة ذکرہ ابن حبان فی الثقات مات سنہ عشر ومأتہ (تہذیب ج۱۰ص۴۱۷)

(۲۶۱) ﴿نبیط بن شریطؓ﴾

الاشجعی الکوفی صحابی صغیر یکنی ابا سلمة و فی التقریب ابا فراس ثقة یقال اختلط مِن الخامسة مات سنة عشر و مائة۔(جمع ج۲ص۲۶۴)

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن سالم بن عبید و انس بن مالک و عنہ ابنہ سلمة و نعیم بن ابی الھند و ابومالک الاشجعی

قال عثمان الدارمی سألت ابن معین عن نبیط بن شریط فقال ھو ابوسلمة ثقة و کذا قال ابن ابی حاتم قال ابن معین فیہ ثقة لانہ لیس عندہ الاّ مجرد الروایة فبنی علی التابعی . واللہ اعلم۔(تہذیب ج۱۰ص۳۷۳)

(۲۶۲) ﴿سالم بن عبیدؓ﴾

الاشجعی صحابی ثقة مِن اھل الصفة خرج لہ الاربعة ومسلم (مناوی ج۲ص۲۶۵)یعد فی الکوفیین روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تشمیت العاطس و عن عمر بن الخطاب

و روی عنہ خالد بن عرفجة و ھلال بن بساط و نبیط بن شریط و فی اسناد حدیثہ اختلاف (تہذیب ج۳ص۳۸۱)

(۲۶۳) ﴿عبد اللہ بن الزبیرؒ﴾

قال ابو حاتم مجهول و قال المزنی روی له الترمذی حديثاً واحدا يعنی هذا و قال بعضهم شيخ بصری مقبول من الثامنة ۔(مناوی ج۲ص۲۷۹)

(۲۶۴) ﴿ابو الخطاب زیاد بن یحیٰؒ﴾

البصری النکری نسبة الی بنی نکر قوم مِن عبد قيس ثقةحافظ روی عن ابن عيينة والمعتمر و عنه الجماعة مات سنة اربع وخمسين ومائتين ۔(مناوی ج۲ص۲۸۰) قال ابو حاتم والنسائی ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۳ص۳۲۵)

(۲۶۵) ﴿عبد ربه بن بارق الحنفیؒ﴾

الکوسج الکوفی اصله مِن اليمامة صدوق يخطی قال احمد لابأس به و قال يحیٰ ليس بشئی و هو مِن الثامنة ۔(مناوی ج۲ص۲۸۱)

(۲۶۶) ﴿جدی ابا امی سماک بن الولیدؒ﴾

ابوزميل مصغرا الحنفی نزيل الکوفة قال ابو حاتم صدوق لابأس به مِن الثالثة خرج له الجماعة۔ (مناوی ج۲ص۲۸۱) روی عن ابن عباس و ابن عمرو عروة بن الزبير و عنه ابنه زميل و شعبة و مسعر و عکرمة بن عمار قال احمد و ابن معين و العجلی ثقة

و قال ابو حاتم صدوق لابأس به ذکره ابن حبان فی الثقات قلت و قال ابن عبد البر اجمعوا علی انه ثقة ۔(تہذیب ج۳ص۲۰۶)

(۲۶۷) ﴿حسین بن محمدؒ﴾

البصری ثقة مات سنة سبع و اربعين و مائتين خرج له النسائی (مناوی ج۲ص۲۸۲)قدم بغداد روی عن يزيد بن زريع و نفيل بن سليمان و خالد بن الحارث و عنه الترمذی و النسائی و ابوبکر البزار قال ابو حاتم صدوق و قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات(تہذیب ج۲ص۳۱۵)

(۶۶۸) ﴿عمرو بن الحارث رحؒ﴾

صحابی المصطلقی خرج له الجماعة ۔ روی عن النبی صلی الله علیه و سلم و عن ابیه الحارث وله صحبة و عن ابن مسعود و عنه مولاه دینار و ابووائل و ابواسحٰق السبیعی قال ابن ابی داؤد کان الحارث ابن ابی الضرار صهر عبد الله بن الحارث الراوی عن زینب غیر صاحب الترجمة لان فی کثیر من الروایات عن عمرو بن الحارث ابن اخی زینب و زینب ثقفیة فیکون هو ثقفیا قال اللّهم الا ان یقال ابن اخیها للام او الرضاعة ۔(تہذیب ج۸ص۱۳)

(۶۶۹) ﴿یحییٰ بن کثیر العنبری رحؒ﴾

ابوغسان مولاهم البصری ثقة مِن التاسعة خرج له الجماعة مات سنة ست و مائتین ۔(مناوی ج۲ص۲۸۵) روی عن عثمان بن سعد الکاتب و معاذ و عمرو بن العلاء و عنه ابنه الحسن و عمرو بن علی و ابوموسیٰ و بندار قال ابوحاتم صالح الحدیث و قال النسائی لیس به بأس ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۱۱ص۲۳۳)

(۶۷۰) ﴿ابی البختری رحؒ﴾

نسبة الی البختر کجعفر حسن المشی .(مناوی ج۲ص۲۸۵) وهو سعید بن فیروز ۔(جمع ج۲ص ۲۸۵) روی عن ابیه و ابن عباس و ابن عمرو سلمان و ابن مسعود و عنه عمرو بن مرة و عطاء بن السائب و سلمة بن کهیل قال ابوزرعة ثقة و قال ابوحاتم ثقة صدوق و قال العجلی تابعی ثقة فیه تشییع ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۴ص۶۵)

(۶۷۱) ﴿حسن بن علی الخلال رحؒ﴾

ثقة حافظ له تصانیف مِن الحادیة عشر خرج له البخاری و مسلم و ابوداؤد ۔(مناوی ج۲ص ۲۸۸) الهذلی نزیل مکة روی عن عبد الله بن نمیر و ابی اسامة و یحییٰ بن آدم روی عنه الجماعة سوی النسائی و ابراهیم الحربی قال یعقوب بن شیبة کان ثقة ثبتا قال الخطیب ابوبکر کان ثقة حافظا و ساق باسناده الیه انه قال القرآن کلام الله غیر مخلوق مانعرف غیر هذا مات ۲۴۲ھ ۔(

تہذیب ج۲ص۲۶۲)

(۶۷۲) ﴿بشر بن عمرؒ﴾

بن الحکم الزهرانی الازری البصری ثقة مِن التاسعة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۸۸) روی عن شعبة و مالک و همام و عنه اسحٰق بن راهویه والحسن الخلال والفلاس قال ابوحاتم صدوق و قال العجلی بصری ثقة و قال الحاکم ثقة ماٴمون توفی (۲۰۷)۔(تہذیب ج۱ص۳۹۰)

(۶۷۳) ﴿مالک بن اوس بن الحدثانؓ﴾

النضری ابوسعید المدنی قیل رأی ابا بکر و سمع عمر و عثمان و عن الزهری خرج له الجماعة اتفقوا علی توثیقه ۔(مناوی ج۲ص۲۸۸)مختلف فی صحبته روی عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلاً ذکره ابن سعد فی طبقة من ادرک النبی صلی الله علیه وسلم و رآه و لم یحفظ عنه شیئا قال ابن خراش ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ذکره ابن عبد البر وقال انه روی عن العشرة توفی (۹۲ھ)(تہذیب ج۱۰ص۹)

(۶۷۴) ﴿عاصم بن بهدلةؒ﴾

کدحرجة المقری المشهور مولیٰ بنی اسد و ثق و قال الدار قطنی وغیره فی حفظه شیء و حدیثه فی الصحیحین۔(مناوی ج۲ص۲۸۹)وهو ابن ابی النجود الاسدی روی عن زربن حبیش و ابی عبد الرحمن السلمی و عنه الاعمش ومنصورو شعبة والسفیانان......قال ابن معین ثقة لابأس به و قال حماد بن سلمة خلط عاصم فی آخر عمره ذکره ابن حبان فی الثقات (مات۱۲۸ھ) (تہذیب ج۵ص۳۵)

(۶۷۵) ﴿ابی حصینؒ﴾

احمد بن عبد الله بن یونس التمیمی الکوفی ثقة من العاشرة ۔(مناوی ج۲ص۲۹۲)و قد ینسب الی جده روی عن الثوری و ابن عیینة و زائدة روی عنه البخاری و مسلم و ابوداؤد و ابوزرعة و ابوحاتم قال ابو حاتم کان ثقة متقنا و قال النسائی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات مات (۲۲۷ھ)۔(

تہذیب ج۱ص۴۴)

(۶۷۶ ﴿خلف بن خلیفۃ ؒ﴾

بن صاعد الاشجعی مولاهم الکوفی نزل واسط ثم بغداد صدوق اختلط آخرا وزعم انه رأی عمرو بن حریث الصحابی و انکرعلیه(مناوی ج۲ص۲۹۳)روی عن ابیه و ابی مالک الاشجعی و حمید بن عطاء وعنه سریح بن نعمان و سعدویة و قتیبة قال ابن سعد کان ثقة و قال العجلی ثقة قال النسائی لیس به بأس۔(تہذیب ج۲ص۱۳۲)

(۶۷۷ ﴿ابی مالک الاشجعی ؒ﴾

روی له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۹۳)هو سعد بن طارق روی عن ابیه و انس و عبد اللّٰه بن ابی اوفٰی و عنه خلف بن خلیفة و شعبة والثوری قال احمد و ابن معین و العجلی ثقة و قال ابو حاتم صالح الحدیث یکتب حدیثه و قال النسائی لیس به بأس ذکره ابن حبان فی الثقات ۔(تہذیب ج۳ ص۴۱۰)

(۶۷۸ ﴿ابیه طارق بن اشیم ؒ﴾

خرج له البخاری و مسلم و غیرهما ۔(مناوی ج۲ص۲۹۳)روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و عن الخلفاء الاربعة و عنه ابنه ابومالک قلت قال مسلم لم یرو عنه غیر ابنه و قال الخطیب فی کتاب القنوت فی صحبة طارق نظر۔ (تہذیب ج۵ص۳)

(۶۷۹ ﴿عبد الواحد بن زیاد ؒ﴾

العبدی مولاهم البصری قال النسائی لابأس به و قال غیره ثقة فی حدیثه عن الاعمش وحده مات ست و سبعین ومائة خرج له الجماعة۔(مناوی ج۲ص۲۹۴)

احد الاعلام روی عن ابی اسحق الشیبانی و عاصم الاحول والاعمش وعنه ابن مهدی و عفان وعارم ...... قال ابوزرعة و ابوحاتم ثقة و قال النسائی لیس به بأس قال العقیلی رافضی خبیث قال احمد مات(۱۷۷ھ)۔(تہذیب ج۶ص۳۸۵)

(۲۸۰) عاصم بن کلیبؒ

ابن شهاب الجرمی الکوفی صدوق رمی بالارجاء و قال ابن المدینی لایحتج بما انفرد به و قال ابوحاتم صالح و قال ابوداؤد کان افضل اهل الکوفة ومن العباد مات سنة سبع و ثلاثین و مائة خرج له الجماعة ۔(مناوی ج۲ص۲۹۲)روی عن ابیه وابی بردة و علقمة بن وائل قال ابن سعد کان ثقة یحتج به و لیس بکثیر الحدیث ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۵ص۴۹)

(۲۸۱) ابن ابی عدیؒ

محمد بن ابراهیم بن ابی عدی و قد ینسب لجده ابوعمرو البصری ثقة من التاسعة ۔(مناوی ج۲ص۲۹۶) روی عن سلیمان التیمی و حمید الطویل و ابن عون و داوٗد و عنه احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین و ابوموسیٰ و بندار قال ابوحاتم و النسائی ثقة و قال ابن سعد کان ثقة مات بالبصرة سنة اربع و تسعین و مائة ذکره ابن حبان فی الثقات۔(تہذیب ج۹ص۱۳)

(۲۸۲) عوف بن ابی جمیلةؒ

الاعرابی العبدی البصری ثقة ثبت رمی بالقدر و بالتشیع خرج له الستة ۔(مناوی ج۲ص۲۹۶)روی عن ابی رجاء العطاردی وابی عثمان النهدی و ابی العالیة و عنه شعبة و الثوری و ابن المبارک قال ابوحاتم صدوق صالح و قال النسائی ثقة ثبت قال ابن سعد ثقة۔(تہذیب ج۸ص۱۴۸)

(۲۸۳) یزید الفارسیؒ

بن هرمز المدنی اللیثی مولاهم او مولی ابن عثمان او غیره تابعی خرج له مسلم و ابوداؤد والنسائی و قال الذهبی کان رأس الموالی یوم الحرة و هو والد عبد الله الفقیه بقی الی سنة مائة ۔ (مناوی ج۲ص۲۹۶)

روی عن ابی هریرة و ابن عباس و عنه الزهری و سعید المقبری و قیس بن سعد قال ابن معین و ابوزرعة ثقة قال العجلی مدنی تابعی ثقة ذکره ابن حبان فی الثقات ۔

(تہذیب ج۱۱ص۳۲۳)

(۲۸۴) ابن اخی ابن شہاب الزہری ؒ

هو محمد بن مسلم و ابن اخيه محمد بن عبد الله بن مسلم ۔(جمع ج۲ص۲۹۸) روى عن ابيه و عمه صالح بن عبد الله روى عنه محمد بن اسحق و عبد العزيز بن محمد قال ابوطالب عن احمد لا بأس به و قال مرة صالح الحديث قال الدورى عن ابن معين ابن اخى الزهرى احب الى من ابن اسحق الزهرى ۔(تہذیب ج۹ص۲۲۸)و كان من اكابر الأئمة و سادات الأمة ۔

(مواہب ص۳۰۳)

(۲۸۵) معلّی بن اسد ؒ

ابو الهيثم العمى البصرى ثقة ثبت ذو صلاح و دين قال ابوحاتم لم يخطئى الافى حديث واحد من كبار العاشرة مات سنة ثمان عشرة و مائة خرج له الشيخان و النسائى و ابن ماجة و المصنف۔ (مناوی ج۲ص۲۹۸) روى عن وهيب بن خالد و عبد الواحد بن زياد و زريع روى عنه حجاج بن الشاعر و عبد الله بن عبد الرحمٰن الدارمى قال العجلى شيخ بصرى ثقة كيس و كان معلما و قال مسعود بن الحكم ثقة مامون ذكره ابن حبان فى الثقات۔(تہذیب ج۱۰ص۲۱۳)

(۲۸۶) عبد العزيز بن المختار ؒ

البصرى الدباغ روى عن ثابت و منصور و عنه مسدد و ابو الربيع الزهرانى ثقة مكثر خرج له الجماعة جميعًا ۔(مناوی ج۲ص۲۹۸)روى عن الثابت البنانى و عاصم الاحول و هشام بن عروة و عنه احمد بن اسحق الحضرمى و معلى بن اسد قال ابن معين ثقة و قال ابوزرعة لابأس به و قال ابوحاتم صالح الحديث و وثقه العجلى ذكره ابن حبان فى الثقات ۔

(تہذیب ج۶ص۳۶۲)